خزینۃ الاصفیاء

ایک ہزار سے زائد اکابر صوفیاء کرام کا اہم تذکرہ

تالیف لطیف

مفتی غلام سرور القادری

پیش کردہ

پیر محمد اقبال احمد فاروقی

مکتبہ نبویہ

گنج بخش روڈ ○ لاہور

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

خزینۃ الاصفیاء

www.maktabah.org

www.maktabah.org

جلدِ اوّل : سلسلۂ قادریہ

خزینۃُ الاَصفِیاء

مصنّف

مفتی غلام سرور لاہوریؒ

مترجمین

مفتی محمود عالم ہاشمی

علامہ اقبال احمد فاروقی

مکتبۂ نبویّہ - گنج بخش روڈ۔ لاہور

www.maktabah.org

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

بار اول _____ شوال المکرم سنہ ۱۴۱۰ھ

تعداد _____ ایک ہزار

طباعت _____ آفسٹ، سفید کاغذ، مجلد

ضخامت _____ ۱۹×۲۳/۸ ۲۲۸ صفحات

طابع _____ مکتبہ جدید پریس لاہور

ناشر _____ مکتبہ نبویہ لاہور

قیمت _____ _____ روپے

RG 66

www.maktabah.org

فہرست اسمائے بزرگاں

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
	حالات مصنف از مترجم	۹
	مقدمہ از مصنف	۴۱
	مخزن اول	
۱	خاتم النبیین رسالتمآب صلعم	۴۵
۲	سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ	۴۹
۳	امیر المومنین فاروق اعظم رضؓ	۵۲
۴	امیر المومنین عثمان رضؓ	۵۶
۵	امیر المومنین علی المرتضیٰ رضؓ	۵۹
۶	امیر المومنین حضرت حسن رضؓ	۷۰
۷	امیر المومنین حضرت حسین رضؓ	۷۲
۸	حضرت زین العابدین رضؓ	۷۵
۹	حضرت امام محمد باقر رضؓ	۸۰
۱۰	حضرت امام جعفر صادق رضؓ	۸۵
۱۱	حضرت امام الاعظم ابوحنیفہ رضؓ	۹۰
۱۲	حضرت امام مالک رضؓ	۹۳
۱۳	حضرت امام ابو یوسف رضؓ	۹۴
۱۴	حضرت امام شیبانی رضؓ	۹۴
۱۵	حضرت امام موسیٰ کاظم رضؓ	۹۵
۱۶	حضرت امام شافعی رضؓ	۹۷
۱۷	حضرت امام علی بن موسیٰ رضؓ	۱۰۰
۱۸	حضرت امام نقی رضؓ	۱۰۹
۱۹	حضرت امام احمد بن حنبل رضؓ	۱۱۲
۲۰	حضرت علی بن محمد بن علی بن موسیٰ رضؓ	۱۱۵
۲۱	حضرت حسن بن علی بن محمد بن علی رضؓ	۱۱۹
۲۲	حضرت امام مہدی امام الغیب رضؓ	۱۲۲
	مخزن دوم: سلسلہ قادریہ	
۲۳	حضرت معروف کرخی رضؓ	۱۲۶
۲۴	شیخ سری سقطی رضؓ	۱۳۱
۲۵	سید الطائفہ جنید بغدادی رضؓ	۱۳۵
۲۶	شیخ ابوبکر شبلی رضؓ	۱۴۴
۲۷	شیخ عبدالواحد تمیمی رضؓ	۱۴۸
۲۸	شیخ ابوالفرح طرطوسی رضؓ	۱۴۸
۲۹	شیخ ابوالحسن ہنکاری رضؓ	۱۴۹
۳۰	شیخ ابوسعید مبارک مخزومی رضؓ	۱۴۹
۳۱	شیخ حماد دیاس رضؓ	۱۵۱
۳۲	شیخ بقا بن بطو رضؓ	۱۵۲
۳۳	شیخ علی بن ہیتی رضؓ	۱۵۳
۳۴	شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضؓ	۱۵۵
۳۵	شیخ ابوعمر قریشی رضؓ	۱۶۷
۳۶	شیخ نصیب البان موصلی رضؓ	۱۶۸
۳۷	شیخ احمد بن مبارک رضؓ	۱۶۹
۳۸	شیخ سید احمد رفاعی رضؓ	۱۶۹
۳۹	شیخ سید شرف الدین عیسیٰ رضؓ	۱۷۲
۴۰	شیخ صدقہ بغدادی رضؓ	۱۷۲

www.maktabah.org

۴۱	شیخ ابوعمر حریفیؒ	۱۷۴	۶۵	سید عبدالقادر گیلانی لاہوریؒ	۱۹۶
۴۲	شیخ محمد الاوانی المعروف بہ ابن التایدؒ	۱۷۵	۶۶	سید عبدالرزاق گیلانی اوچیؒ	۱۹۷
۴۳	شیخ ابوالمسعود بن شبلیؒ	۱۷۵	۶۷	میر سید مبارک حقانی گیلانی اوچیؒ	۱۹۷
۴۴	شیخ حیات خیراتیؒ	۱۷۶	۶۸	سید محمد غوث بالاپیرؒ	۱۹۸
۴۵	شیخ ابوعبدالرحمن عبداللہؒ	۱۷۸	۶۹	سید بہاء الدین گیلانیؒ	۱۹۸
۴۶	شیخ شمس الدین عبدالعزیزؒ	۱۷۹	۷۰	مخدوم جی قادریؒ	۲۰۰
۴۷	شیخ ابو مدین مغربیؒ	۱۷۹	۷۱	سید عبداللہ ربانیؒ	۲۰۰
۴۸	شیخ تاج الدین عبدالرزاقؒ	۱۸۰	۷۲	سید اسماعیل گیلانیؒ	۲۰۱
۴۹	شیخ ابوالفضل محمدؒ	۱۸۱	۷۳	سید حامد گنج بخش گیلانیؒ	۲۰۱
۵۰	شیخ ابوبکر زکریا یمنیؒ	۱۸۲	۷۴	شیخ داؤد چرنی وال شیر گڑھی	۲۰۲
۵۱	شیخ سیف الدین عبدالوہابؒ	۱۸۲	۷۵	شیخ بہلول دریائی	۲۰۴
۵۲	شیخ ابونصر موسیٰؒ	۱۸۳	۷۶	شیخ ابواسحاق قادری لاہوریؒ	۲۰۶
۵۳	شیخ موفق الدین المقدسیؒ	۱۸۳	۷۷	سید میر میراں گیلانی اوچیؒ	۲۰۶
۵۴	شیخ ابواسحاق ابراہیمؒ	۱۸۴	۷۸	شیخ معروف چشتی قادریؒ	۲۰۷
۵۵	شیخ صدرالدین قونیویؒ	۱۸۴	۷۹	سید محمد نور قادریؒ	۲۰۷
۵۶	شیخ محی الدین ابن العربیؒ	۱۸۵	۸۰	شاہ قمیص الدین گیلانی سادھوریؒ	۲۰۸
۵۷	شیخ محمد حیات ابن احمد الجوینیؒ	۱۸۷	۸۱	شیخ بسید اسماعیل گیلانیؒ	۲۰۹
۵۸	امام عبداللہ یافعیؒ	۱۸۷	۸۲	سید الکبش گیلانی لاہوریؒ	۲۱۰
۵۹	شاہ نعمت اللہ ولیؒ	۱۸۸	۸۳	شیخ خضر سیوستانیؒ	۲۱۰
۶۰	شیخ بہاء الدین جینیدیؒ	۱۸۹	۸۴	سید شاہ نور حضوریؒ	۲۱۱
۶۱	سید محمد غوث گیلانی جلبی اوچیؒ	۱۸۹	۸۵	سید موسیٰ پاک شہیدؒ	۲۱۲
۶۲	شاہ فیروز الدین قادری لاہوری	۱۹۲	۸۶	شیخ عبدالوہاب متقیؒ	۲۱۲
۶۳	مخدوم سید عبدالقادر ثانیؒ	۱۹۲	۸۷	سید صوفی گیلانیؒ	۲۱۵
۶۴	سید محمود حضوریؒ	۱۹۵	۸۸	سید کامل شاہ قادری لاہوریؒ	۲۱۵

www.maktabah.org

۸۹	شیخ حسین لاہوریؒ	۲۱۶	۱۱۳	سید عبدالرزاق قادریؒ	۲۵۹
۹۰	شیخ حسین قادری چشتیؒ	۲۲۶	۱۱۴	شیخ شاہ محمد قادریؒ	۲۵۹
۹۱	شیخ نعمت اللہ سرہندی قادریؒ	۲۲۶	۱۱۵	شہزادہ محمد داراشکوہؒ	۲۶۲
۹۲	شاہ بدر گیلانیؒ	۲۲۷	۱۱۶	شاہ صفی اللہؒ	۲۶۲
۹۳	شاہ شمس الدین قادریؒ	۲۲۸	۱۱۷	شیخ حاجی عبدالجلیلؒ	۲۶۳
۹۴	سید جیون الشہیر بسید عبدالقادر ثانی گیلانیؒ	۲۲۹	۱۱۸	حاجی محمد ہاشم گیلانیؒ	۲۶۴
۹۵	سید خیرالدین ابوالمعالی قادری کرمانیؒ	۲۲۹	۱۱۹	سید صرور دین حسنوریؒ	۲۶۵
۹۶	میاں نتھا قادریؒ	۲۳۰	۱۲۰	سید محمد امیر قادری گیلانی صاحب حجرہ	۲۶۵
۹۷	حاجی مصطفیٰ سرہندیؒ	۲۳۲	۱۲۱	شیخ حاجی محمد قادریؒ	۲۶۷
۹۸	سید عبدالوہاب گیلانیؒ	۲۳۳	۱۲۲	سید جعفر بن حاجی محمد ہاشم گیلانی قادریؒ	۲۷۳
۹۹	شیخ عبداللہ تیمیؒ	۲۳۳	۱۲۳	سید عبدالحکیم گیلانیؒ	۲۷۵
۱۰۰	ملا حامد قادریؒ	۲۳۴	۱۲۴	سید محمد فاضل متوکل لاہوریؒ	۲۷۶
۱۰۱	شیخ محمد میر المعروف بہ میاں میر بالا پیر قادریؒ	۲۳۴	۱۲۵	خواجہ محمد فضیل قادری نوشاہیؒ	۲۷۸
۱۰۲	سید غلام غوث وشاہ حاکمؒ	۲۴۱	۱۲۶	شیخ رحیم داد قادریؒ	۲۷۹
۱۰۳	شاہ بلاول قادریؒ	۲۴۳	۱۲۷	سید عمر گیلانیؒ	۲۸۰
۱۰۴	سید عبدالقادر اکبرآبادیؒ	۲۴۶	۱۲۸	سید حسین پشاوری قادریؒ	۲۸۰
۱۰۵	مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ	۲۴۶	۱۲۹	شاہ رضا قادری شطاریؒ	۲۸۱
۱۰۶	پیر مسکین شاہ امریؒ	۲۴۷	۱۳۰	سید محمد صالح قادریؒ	۲۸۲
۱۰۷	سید محمد مقیم الدین قادری حجروی	۲۴۸	۱۳۱	شیخ صدرالدین قادری نوشاہیؒ	۲۸۳
۱۰۸	شیخ مادھو لاہوریؒ	۲۵۰	۱۳۲	شاہ درگاہی قادری لاہوریؒ	۲۸۴
۱۰۹	خواجہ بہاری قادریؒ	۲۵۳	۱۳۳	شیخ تاج محمود قادریؒ	۲۸۴
۱۱۰	شاہ سلیمان قادریؒ	۲۵۴	۱۳۴	شیخ عبدالحمید قادری نوشاہیؒ	۲۸۶
۱۱۱	سید جان محمد حضوریؒ	۲۵۷	۱۳۵	سید نور محمد بن سید محمد امیر گیلانیؒ	۲۹۶
۱۱۲	محمد صالح اکبرآبادی قادریؒ	۲۵۸	۱۳۶	شیخ خوشی محمد قادری نوشاہیؒ	۲۹۷

۱۳۷	حافظ برخوردار قادری نوشاہیؒ	۲۸۷	۱۵۹	سید شاہ حسین بن سید نور محمد حجرویؒ	۳۱۰
۱۳۸	سید عبدالوہاب حضوریؒ	۲۸۹	۱۶۰	شیخ رحمت اللہ قادری نوشاہیؒ	۳۱۱
۱۳۹	شیخ محمد تقی قادری نوشاہیؒ	۲۹۰	۱۶۱	شیخ نصرت اللہ قادری نوشاہیؒ	۳۱۲
۱۴۰	خواجہ ہاشم دریادل قادری نوشاہیؒ	۲۹۱	۱۶۲	میر سید مجھے شاہ قادری شطاریؒ	۳۱۲
۱۴۱	سید احمد شیخ الہند قادریؒ	۲۹۲	۱۶۳	سعد اللہ قادری نوشاہیؒ	۳۱۳
۱۴۲	سید بدرالدین گیلانی قادری لاہوریؒ	۲۹۲	۱۶۴	شیخ محمد عظیم قادریؒ	۳۱۴
۱۴۳	شاہ شرف قادری لاہوریؒ	۲۹۲	۱۶۵	شاہ سرور قادری	۳۱۵
۱۴۴	شیخ عصمت اللہ قادری نوشاہیؒ	۲۹۳	۱۶۶	سید میر محمد شاہ عبدالرزاق حجرویؒ	۳۱۵
۱۴۵	شیخ احمد بیگ قادری نوشاہیؒ	۲۹۵	۱۶۷	شیخ مصاحب خاں خورد قادری لاہوریؒ	۳۱۶
۱۴۶	شاہ عنایت قادری شطاری لاہویؒ	۲۹۰	۱۶۸	شاہ صدرالدین حجرویؒ	۳۱۶
۱۴۷	سید حاجی عبداللہ گیلانی اوچی لاہوریؒ	۲۹۸	۱۶۹	سید سعدالدین حجرویؒ	۳۱۷
۱۴۸	شیخ جمال اللہ قادری نوشاہیؒ	۲۹۸	۱۷۰	شیخ جہان محمد قادری لاہوریؒ	۳۱۰
۱۴۹	مولانا حافظ معموری قادری نوشاہیؒ	۲۹۹	۱۷۱	شیخ عبداللہ شاہ بلوچ قادری لاہوریؒ	۳۱۸
۱۵۰	شاہ محمد غوث گیلانی قادری لاہوریؒ	۳۰۰	۱۷۲	شیخ محمود بن محمد عظیم قادری لاہوریؒ	۳۲۰
۱۵۱	شیخ پیر محمد قادری نوشاہیؒ	۳۰۲	۱۷۳	سید عادل شاہ گیلانی لاہوریؒ	۳۲۱
۱۵۲	مولانا قاضی رکن الدین قادری نوشاہیؒ	۳۰۳	۱۷۴	سید شادی شاہ قادری لاہوریؒ	۳۲۲
۱۵۳	شیخ عبدالرحمان قادری نوشاہی	۳۰۳	۱۷۵	شاہ سردار قادریؒ	۳۲۲
۱۵۴	سید عبدالقادر (شاہ گدا گیلانیؒ	۳۰۶	۱۷۶	سید علی شاہ قادری لاہوریؒ	۳۲۳
۱۵۵	شاہ فرید قادری نوشاہی لاہوریؒ	۳۰۷	۱۷۷	سید سرور علی شاہ شہید مقیم شاہی حجرویؒ	۳۲۴
۱۵۶	شیخ فتح محمد قادری نوشاہیؒ	۳۰۸	۱۷۸	شاہ غلام نبی حجرویؒ	۳۲۶
۱۵۷	شیخ عنایت اللہ قادری نوشاہیؒ	۳۰۹	۱۷۹	سید قطب الدین گیلانیؒ	۳۲۶
۱۵۸	شیخ محمد سلطان لاہوریؒ	۳۱۰	۱۸۰	شیخ مسلم خاں قادریؒ	۳۲۸

مفتی غلام سرورلاہوری قدس سرہٗ

۱۲۴۴ھ ——— ۱۳۰۷ھ

حضرت علامہ الحاج حکیم مفتی غلام سرور قریشی اسدی الہاشمی سہروردی چشتی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مفتی غلام محمد عارف باللہ قدس سرہ کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ اپنے آبائی شہر لاہور محلہ کوٹلی مفتیاں میں ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے عظیم والد بزرگوار سے حاصل کی۔ طب بھی انھی سے پڑھی۔ سلسلۂ سہروردیہ میں بھی انھی سے بیعت تھے۔ پھر حضرت مولانا غلام اللہ فاضل لاہوری کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر علوم تفسیر و حدیث، فقہ و ادب، صرف و نحو، معانی و منطق، اصول و فروع اور تاریخ و لغت کی تکمیل کی اور اپنے زمانے کے عالمِ نبیل، فاضلِ جلیل، بے مثال ادیب، بلند پایہ شاعر، بے نظیر تاریخ گو، مستند مورخ، شہرۂ آفاق سوانح نگار، ماہرِ علم لغت اور معلم اخلاق ہوئے۔ سرزمین پاک و ہند میں ایسے طباع، عالی دماغ، جامع علوم و فنون، حاملِ کمالاتِ صوری و معنوی شاذ ہی پیدا ہوئے ہوں گے۔ آپ نے اپنی بیش بہا اور بلند پایہ تصانیف سے علم و ادب کے ہر شعبہ کو مطالب و معانی اور حقائق و معارف کے گل ہائے رنگا رنگ سے بھر دیا۔

تمام عمر تصنیف و تالیف میں گزاری۔ زندگی کا کچھ اوائل حصہ ملازمت میں بھی گزارا۔ چنانچہ پہلے کچھ عرصہ سردار بھگوان سنگھ رئیس لاہور و جاگیردار فتح گڑھ چوڑیاں کی جائداد کے نگران و مہتمم رہے۔ پھر رائے بہادر کنھیا لال ایگزیکٹو انجینئر لاہور ڈویژن[1] نے جو آپ کے ارشد تلامذہ میں سے تھا۔ اپنے

---

[1] لاہور میں آنریری مجسٹریٹ تھے۔ ان کا والد راجہ ہرنبس سنگھ خلف راجہ تیجا سنگھ رنجیت سنگھ کے امرا میں سے تھا۔ جس کے سپرد کچھ عرصہ نظامت کشمیر کی بھی رہی تھی۔

[2] کائستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اصل وطن جلیسر ضلع ایٹہ تھا۔ ہندی تخلص کرتے تھے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

محکمہ میں ایک معقول مشاہرہ پر ملازمت دلادی تھی مگر آپ نے تھوڑے ہی عرصے میں یہ ملازمت بھی چھوڑ دی۔ درحقیقت آپ ایسی طبیعت لے کر آئے تھے جو تصنیف و تالیف اور شعر و ادب ہی کے لئے موزوں تھی۔ چنانچہ اسی فن میں شہرت و ناموری حاصل کی اور اسی شغل میں عمر عزیز صرف کر دی۔

آپ کو حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد اشتیاق تھا۔ چنانچہ آپ نے جو نعتیں عشق رسولؐ میں ڈوب کر کہی ہیں وہ آپ کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہیں۔

آخر آپ کی یہ دیرینہ آرزو بر آئی اور آپ ماہ جون ۱۸۹۰ء کو اپنے حقیقی برادر زادہ مفتی جلال الدین خلف حضرت مولانا مفتی سید محمد کی معیت میں حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ حج کے بعد ۲۰ ذی الحجہ کو آپ مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ تیسری منزل پر پہنچ کر مسافروں میں اچانک وبائے ہیضہ پھوٹ پڑی۔ پانچویں منزل میں آپ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور ساتویں منزل کے قریب پہنچ کر جمعرات کے روز ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ / مطابق ۱۴ اگست ۱۸۹۰ء کو دار البقاء کا سفر اختیار کیا۔

آپ نے وفات سے دو گھنٹہ پیشتر فرمایا تھا کہ میری نعش مدینہ منورہ لے جا کر جنت البقیع میں دفن کی جائے۔ اس امر کے لئے کوشش بھی کی گئی لیکن موسم کی خرابی اور بیماری ہیضہ کے پھیل جانے کی وجہ سے نعش کا وہاں تک لے جانا مشکل تھا، اس لئے مجبوراً منزل بیر بالا حسانی میں جو مضافات جنگ بدر میں سے ہے سپرد خاک کئے گئے ؎

مٹی نہ ہو برباد پس مرگِ الٰہی!
جب خاک اُڑے میری مدینے کی ہوا ہو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹)

شعر و سخن میں کچھ عرصہ مولوی احمد بخش بیدل سے بھی اصلاح لی تھی۔ فارسی و اردو میں بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں مثلاً:

۱۔ رنجیت نامہ منظوم فارسی میں ہے۔ رنجیت سنگھ کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں۔

۲۔ نگاریں نامہ (قصہ ہیر و رانجھا) یہ بھی فارسی نظم میں ہے۔

۳۔ تاریخ پنجاب ۴۔ تاریخ لاہور اردو نثر میں ہیں اور زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اخلاق ہندی، بندگی نامہ، نصیحت نامہ، گلزار ہندی، فارسی و اردو نظم میں ہیں۔ زبان سیدھی سادی ہے۔ خیالات اتنے بلند نہیں۔ فارسی کلام اوسط درجے کا ہے اور تصوف و اخلاق کا رنگ غالب ہے۔

جناب مولانا غلام دستگیر قصوریؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس طرح آپ کی یہ دلی آرزو پوری ہوئی کہ حجاز جاؤں تو واپس نہ آؤں۔ فرماتے ہیں:

ارادہ ہے کہ جب یثرب کو جاؤں یارسول اللہ ؐ وہاں سے واپس ہرگز نہ آؤں یارسول اللہ ؐ

آپ کے آخری دیوان وصالِ سرور میں ایک نعتیہ غزل ہے جس کا عنوان ہے،

غزل در اظہار زیارت حرمین الشریفین

اس نعتیہ غزل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مکہ معظمہ میں متعدد نعتیہ غزلیں لکھی تھیں جنہیں آپ روضہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر پڑھنا چاہتے تھے مگر قدرت نے اتنی مہلت نہ دی اور آپ کی یہ پیش گوئی یوں پوری ہوئی،

ہے پہنچا سرور عالم کے آج گھر سرور کھڑا ہے صورتِ دیوانہ زیرِ در سرور

اب اپنے در پہ اسے دیکھو کہ آئندہ پھرے جہاں میں نہ آوارہ دربدر سرور

زیارتِ روضۂ اطہر کے متعلق بھی ایک قطعۂ تاریخ لکھا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ منورہ کے سامنے کھڑا ہو کر پڑھوں گا۔ لیکن یہی قطعۂ تاریخ آپ کی تاریخِ وفات بن گیا۔

"ابھی سرور نے کی ہے سرورِ عالم کی پابوسی"

دیگر قطعاتِ تاریخ وفات:

از مفتی غلام صفدر فوقانی وکیل

در رہِ یثرب بہ شوقِ روضۂ پاکِ رسولؐ سرور آں شیدائے احمد یافت درجنت مکاں

سالِ ترحیلش سروشِ غیب در گوشِ دلم زد ندا "سرور معلیٰ منزلت رفت از جہاں"

از مفتی محمد چراغ بین روشن اورسیئر

مفتی غلام سرور چوں رفت از جہاں گفتم بدل کہ روشن تاریخ آں بگو

لہ علمائے اہلسنت میں شہرۂ آفاق تھے۔ علوم معقول و منقول میں ماہر تھے۔ حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری مجددی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ تمام عمر عقائد باطلہ کے خلاف زبان و قلم سے جہاد کیا۔ متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ ۱۳۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزار قصور میں ہے۔ "مخزنہ" تاریخ وفات ہے۔ تفصیلی حالات کے لئے تذکرہ علمائے لاہور مولفہ علامہ اقبال احمد فاروقی ملاحظہ فرمائیں۔

بعد از تأمل پئے تاریخ رحلتش! گفتا غلام سرور صدرِ جہاں بگو
۱۸۹۰ء

از ڈاکٹر سید علی الفت

رفت زدنیا چوں سوے عقبیٰ ! عاشق روئے پیمبر سرور !!
الفتِ غمگیں سالِ وفاتش گفت یتیم مسافرِ سرور
۱۳۰۸ھ

از مفتی غلام اکبر وکیل

عاشقِ صادق جنابِ رسولؐ گئے دنیا سے جانبِ عقبیٰ
سالِ تاریخِ رحلت اکبرؔ نے شمس علم عاشقِ رسولؐ کہا
۱۳۰۸ھ

از حکیم مفتی محمد انورؔ

کرد سرور چوں سفر اندر سفر سوئے حق زیں عالمِ ناپائیدار
بہر سالِ ارتحالش انورا ! ! گو وصالِ سرورِ عالی تبار
۱۳۰۸ھ

از مولانا پیر غلام دستگیر نامیؔ

جو کہ مفتی غلام سرور تھے چاہئے ان کی برملا تاریخ
چل دیا عاشقِ رسولِ خدا آج سرورؔ ہے نامیا تاریخ
۱۳۰۸ھ

دیگر

گئے راہِ مدینہ میں گزر آہ جو تھے اک شہرۂ آفاق سرور

لہ غلام دستگیر نام، نامیؔ تخلص، والد کا نام پیر حامد شاہ تھا۔ حضرت شیخ عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی قریشی سہروردی المتوفی ۹۱۰ھ کی اولاد میں سے تھے۔ ۱۲۰۰ھ / ۱۸۸۲ء میں موضع رتہ پیراں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۰۵ء میں سرکاری ملازم ہو گئے۔ ۱۹۱۰ء تک سنٹرل ٹریننگ کالج میں خزانچی رہے۔ ۱۹۲۰ء میں ریٹائر ہوئے۔ اعلیٰ درجہ کا علمی و ادبی مذاق رکھتے تھے۔ نظم و نثر اور تاریخ گوئی میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ مسائل وراثت پر پورا عبور حاصل تھا۔ انیس الوارثین، اسلامی قانونِ وراثت، تاریخ جلیلہ، بزرگانِ لاہور آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۹۔ دسمبر ۱۹۹۱ء کو لاہور میں وفات پائی اور رتہ پیراں میں دفن ہوئے۔

ہوا القاء پئے تاریخ نامی قلم لے کر لکھو "مشتاق سرور"

چار فرزند ا۔ مفتی غلام حیدر ۲۔ مفتی غلام صفدر ۳۔ مفتی غلام اکبر ۴۔ مفتی محمد انور اور ایک دختر اقبال بیگم اپنے بعد اولاد یادگار چھوڑی۔

آپ شگفتہ مزاج، خلیق و شفیق، مرنجاں مرنج، عابد و زاہد اور صوفیٔ باصفا تھے۔ تمام عمر تصنیف و تالیف میں گزاری۔ عشقِ رسولؐ آپ کی زندگی کا مقصد تھا۔ صحابہؓ بزرگانِ دین اور اولیائے کرام سے بے حد محبت و عقیدت تھی۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے والہانہ ارادت تھی۔ چنانچہ دیوانِ سروری آپ کی منقبت میں پورا دیوان لکھا ہے۔ آپؒ کے خاندان کے تمام بزرگ اہلسنت، حنفی المذہب، مفتیٔ وقت اور جامع شریعت و طریقت ہوئے ہیں اور اصلاحِ باطن کے صوفیانہ طریقوں کو آپ کے خاندان میں ہمیشہ ممتاز جگہ حاصل رہی ہے۔

علومِ شریعت و طریقت، تفسیر و حدیث، تاریخ و ادب کا کوئی بھی مسئلہ ہو، اس پر بے تکلف گفتگو فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ مسئلہ کے اسرار و رموز مع تمام جزئیات کے اس طرح بیان کرتے تھے کہ ادق سے ادق مسئلہ بھی نہایت خوبی کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتا تھا۔

بات بات پر تاریخ کہتے تھے۔ حلقۂ احباب بڑا وسیع تھا۔ چھوٹے بڑے سر آنکھوں پر بٹھاتے تھے۔ اہل علم کی مجلس میں ممتاز مقام پاتے۔ اہل ذوق آپ کی صحبت کو غنیمت تصور کرتے۔

بایں ہمہ طبع عالی میں حد درجے کا استغنا تھا۔ حکام وقت سے ملنا ناپسند کرتے تھے۔ تمام عمر اسی مسلک پر قائم رہے۔ پنڈت بیج ناتھ[۲]، فقیر شمس الدین[۳] اور ڈاکٹر لائٹنر رجسٹرار

---

[۱] اس علمی خاندان کے مفصل حالات "ذکرِ جمیل" مولفہ مفتی محمود عالم ہاشمی میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

[۲] دیوان اجودھیا پرشاد المتوفی ۱۸۰۷ء رنجیت سنگھ کی فوج میں دیوانی عہدہ رکھتے تھے، ان کے فرزند تھے۔ انگریزی عہد میں تحصیل دار تھے۔ ۱۸۷۲ء میں پنشن لے لی تھی۔ آخری عمر میں جوالا جی کی یاترا کو گئے اور وہیں ہیضہ میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔

[۳] فقیر نور الدین المتوفی ۱۸۵۰ء رنجیت سنگھ کے دربار کے رکن رکین تھے اُن کے فرزند دوم تھے۔ انگریزی عہد میں تحصیلداری کے عہدہ پر فائز تھے پھر پنشن لے لی تھی۔ کچھ عرصہ لاہور کے آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ اخلاقِ حمیدہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

پنجاب یونیورسٹی نے کئی بار کوشش کی کہ آپ حکامِ وقت کے ساتھ راہ و رسم رکھنے میں گریز نہ کیجئے۔ آپ ایسے فاضل مصنف کی حکومت کو بے حد ضرورت ہے۔ نیز حکومت آپ سے متعدد کتابیں مختلف علوم میں لکھوانا چاہتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کی مثالیں دے کر تائل کرنے کی کوشش کی مگر آپ نے فرمایا: "نہ تو مجھے خطاب و جاگیر کی ضرورت ہے اور نہ میں اپنی تصانیف کو حکومت کے زیرِ اثر لکھنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کی تصنیف و تالیف کا مقصد کچھ اور ہے اور میرا راستہ ان سے الگ ہے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر لائٹنر کے اصرار کے باوجود پنجاب یونیورسٹی کا اعزازی فیلو بھی بننا منظور نہ کیا ہو اور نہ کرنل ہالرائڈ[1] ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳)

اور اوصاف پسندیدہ میں اپنی مثال آپ تھے۔

[1] ڈاکٹر جی۔ ڈبلیو لائٹنر ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی نہایت باذوق اور صاحبِ علم و فضل انسان تھے۔ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں ترکی چلے گئے تھے۔ وہاں عربی، فارسی اور ترکی زبان سیکھی۔ ۱۸۵۶ء میں برطانیہ کی فوج میں مترجم کی حیثیت سے ملازم ہو گئے تھے مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد ملازمت ترک کر کے پادری بن گئے۔ پھر اسے بھی چھوڑ کر اسلامی قانون پر لکچر دینے لگے۔ ۱۸۶۴ء میں ہندوستان آ گئے۔ پہلے گورنمنٹ کالج پھر اورینٹل کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ پھر جسٹرار پنجاب یونیورسٹی ہو گئے۔ عرصۂ دراز تک اسلامی ممالک کی سیاحت کی تھی۔ اس دوران میں اسلام قبول کر لیا تھا اور اپنا اسلامی نام ملا عبدالرشید سیاح رکھا تھا اور اسلام کی تصدیق میں بخارا و سمرقند کے علماء سے تصدیق نامہ حاصل کر لیا تھا۔ لاہور کے زمانہ قیام میں تاریخ اسلام دو جلدوں میں اردو زبان میں مولوی کریم الدین کی امداد سے لکھی تھی۔ ۱۸۸۶ء میں لاہور سے چلے گئے تھے۔ ووکنگ لنڈن کی مسجد انہوں ہی نے بنوائی تھی۔ ۱۸۹۹ء میں جرمنی میں وفات پائی۔

[1] ۱۸۶۸ء سے ۱۸۹۰ء تک ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب رہے۔ ۱۸۶۴ء میں انگریزوں کے ایما سے انگریزی زبان و ادب کو فروغ دینے کے لئے جدید شاعری کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اسی زمانے میں طلبۂ مدارس کے لئے انگریزی سے اردو میں کتابیں ترجمہ کی گئیں۔ ان کتابوں کی زبان درست کرنے کے لئے مولانا محمد حسین آزاد

(باقی اگلے صفحہ پر)

اُس نئی ادبی تحریک میں شامل ہو گئے جو انگریزوں کے ایما اور ان کی سعی و امداد سے ۱۸۵۷ء میں سیاسی مقاصد کے استحکام کے لئے شروع ہوئی تھی۔ اس تحریک کے روحِ رواں مولانا محمد حسین آزاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴)

اور مولانا الطاف حسین حالی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ایک بزمِ مشاعرہ قائم ہوئی۔ اس مشاعرہ میں مختلف عنوانات پر نیچرل اور اخلاقی نظمیں پڑھی جانے لگیں۔ انہی تزاجم کے ذریعے سے مولانا آزاد اور مولانا حالی کو انگریزی ادب سے واقفیت ہوئی، وہ بھی نیم پختہ۔ جس کے سامنے ان بزرگوں اور ان کے ہم نواؤں نے نیاز پاشی شروع کر دی۔ ظاہر انظر میں کرنل ہالرائڈ کا عہد اردو زبان کی توسیع میں ایسا ہی قابلِ قدر ہے جیسا کہ فورٹ ولیم کالج میں جان گلکرسٹ اور دوسرے انگریز مستشرقین کا۔ مگر ہمیں اس خوش فہمی کے ساتھ یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ ادب نوازی محض سیاسی استحکام کے لئے تھی۔ ۱۸۶۷ء میں اُردو ہندی کا جھگڑا انگریز مستشرقین اور انگریز حکمرانوں ہی نے پیدا کیا تھا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں زبان کی آڑ میں دائمی افتراق کا بیج بویا، جس نے آگے چل کر مکمل سیاسی صورت اختیار کر لی۔ یوپی میں اُردو کی مخالفت سرسید مرحوم کی وفات کے قریب زمانے ہی میں پیدا ہو گئی تھی جو رفتہ رفتہ زور پکڑتی گئی۔ ۱۹۰۵ء میں جب سر انٹونی میکڈانل صوبے کے گورنر ہوئے تو ہندی کے حامیوں کے حوصلے بڑھے۔ اس کے تعاون کی وجہ سے اردو زبان کی بجائے بھاری زبان اور فارسی حروف کے بجائے کیتھی حروف رائج ہوئے۔ ۱۹۰۰ء میں صوبے کے معزز ہندوؤں نے پھر ایک عرضداشت پیش کی کہ تمام سرکاری عدالتوں اور کچہریوں میں بجائے اُردو زبان اور فارسی رسم الخط کے ہندی بھاشا اور ناگری رسم الخط جاری کیا جائے۔ ۱۹۰۰ء میں سر انٹونی میکڈانل کی حکومت نے حکم صادر کیا جس کی رُو سے اُردو کے ساتھ ہندی کا استعمال جائز قرار دے دیا گیا۔ نواب محسن الملک کے زمانے میں جبکہ وہ علی گڑھ کالج کے سیکرٹری تھے۔ اُردو کی حمایت و حفاظت کے لئے ایک انجمن قائم ہوئی جس کا ایک عظیم الشان جلسہ لکھنؤ میں ہوا۔ اس میں نواب محسن الملک نے بڑی پُرجوش تقریر کی جس کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا اور اُردو کی حمایت میں جوش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سر انٹونی میکڈانل اس وقت صوبے کے گورنر تھے اور ہندی کے بڑے حامیوں میں سے تھے۔ انہوں نے اہل انجمن کو کچھ ایسی دھمکی دی کہ انجمن ٹوٹ گئی۔ اُردو کی تحریک کو ختم کر دیا گیا لیکن اس کشمکش کا ہندوستان کی سیاسی تاریخ پر گہرا اثر پڑا اور حکومت کی وفاداری کی وہ عمارت جو سرسید مرحوم اور ان کے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور مولانا حالی تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو تعلیمی نظام رائج کیا جا رہا تھا وہ کسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے قومی مزاج کے موافق نہ تھا۔ انگریز مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ اُن کا دینی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی اور علمی زوال بھی چاہتا تھا اور اس کے بغیر وہ کامیابی کے ساتھ حکومت نہیں کر سکتا تھا۔

اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا تھا کہ جب تک اسلامی تعلیم اور اسلامی مدارس کو بتدریج ختم کر کے اس کی جگہ انگریزی تعلیم، تمدن اور معاشرت کو اس طرح رائج نہ کیا جائے جو ذہنوں کو بالکل مسخ کر دے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنے دینی، تہذیبی اور علمی و ادبی تفوق کو یکسر فراموش کر گئی۔

اکتسابِ علوم و فنون کی افادیت اپنی جگہ مسلّم۔ نہ اس سے کوئی منکر اور نہ اس سے کسی زمانہ میں مفر۔ اس لئے کہ معاشرہ جامد و ساکن نہیں ہے۔ مسائل حیات علوم و فنون کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں مگر اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ سائنسی و معاشرتی تقلید سے احساس برتری کو ضرور نقصان پہنچتا ہے۔ ابتداء میں علمائے جو انگریزی کی مخالفت کی تھی اس میں درحقیقت یہی جذبہ کارفرما تھا۔ نہ اکتسابِ علوم جدیدہ کی مخالفت تھی اور نہ محض انگریزی زبان پڑھنے کی۔ بلکہ اس تمدن و معاشرت کی مخالفت کی جو انگریزی ذریعہ تعلیم سے پھیلائی جا رہی تھی۔

چنانچہ اس وقت مدارس کے لئے جو علمی و ادبی کتابیں انگریزوں نے ترجمہ کرائیں یا تصنیف و تالیف ہوئیں ان کی تعلیم اس قسم کی تھی کہ اپنا سب کچھ بھول جاؤ۔ اپنی تاریخ کو فراموش کر دو اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ)

رفقائے کار نے بڑی کوشش سے قوم کے دلوں میں تعمیر کی تھی وہ بالکل گرنے سے تو بچ گئی مگر اس میں شگاف ضرور پڑ گئے۔ یہ ہے انگریزوں کی اردو ادب نوازی کا سیاسی پس منظر۔ بلکہ موجودہ مصنوعی ہندی جس کو بھارت اپنا رہا ہے، انگریز مستشرقین نے ہندی ادباء سے ان کا جذبۂ قومیت ابھار کر پیدا کرائی ہے۔ انہوں نے صرف یہ کیا کہ عربی و فارسی کے وہ عام فہم الفاظ جو صدیوں سے اُردو زبان میں استعمال ہو رہے تھے، نکال کر ان کی جگہ بھاشا و سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ داخل کر دیئے۔

انگریزی ادب کے سامنے اسے مہمل، غیر فطری اور بے معنی سمجھو۔ مسلمان حکمران ظالم اور متعصب تھے۔ اب انگریزی راج کی برکتیں یاد کرو اور پہلا سبق یہ پڑھو" ماں بچے کو گود میں لئے بیٹھی ہے۔ باپ حقہ پی رہا ہے"۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

انگریزوں کو اس وقت ایسے اہل قلم اور ایسے مدبرین کی ضرورت تھی جو انہیں تعلیمی نظام کے رائج کرنے میں بھی مدد دیں اور ان کے سیاسی استحکام کا بھی سبب بنیں۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور ان دونوں جماعتوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ آپ تادم زیست اس اپنے مسلک پر قائم رہے اور حکومت کے ساتھ کسی قسم کا ادبی و سیاسی اتحاد نہ کیا۔

۱۸۸۴ء میں سرسید مرحوم نے علی گڑھ کالج کی مالی امداد کے لئے پنجاب کا دورہ کیا اور اپنے دیرینہ دوست خان بہادر ڈپٹی برکت اللہ[1] علی کے ہاں فروکش ہوئے۔ خان بہادر نے اکابر لاہور کا ایک نمایندہ جلسہ اپنی کوٹھی واقع بیرون موچی دروازہ میں بلایا جس میں مفتی صاحب بھی مدعو تھے۔ خان بہادر نے آپ کا تعارف سرسید سے کرایا۔ سرسید آپ کی ذات سے بڑے متاثر ہوئے۔ کہنے لگے، نام سنا ہوا تھا اب مل لیا۔ پھر اپنے مشن کا کچھ کام آپ کے سپرد کرنا چاہا۔ مفتی صاحب نے فرمایا، سید صاحب! میں اس کام کے لئے موزوں نہیں ہوں۔ میرا شغل تصنیف و تالیف ہے۔ آپ نے جن لوگوں کی جماعت اپنے گرد اکٹھی کر لی ہے یہ اس مقصد کے لئے بہت مفید ہیں اور پھر جماعتی اتحاد کے لئے عقائد کے اتحاد کی بھی ضرورت ہے اور یہ چیزیں یہاں نہیں دیکھتا۔ سرسید آپ کا جواب سن کر خاموش ہو رہے۔

---

[1] انجمن اسلامیہ کے بانی، لاہور میونسپل کمیٹی کے وائس پریذیڈنٹ، پنجاب یونیورسٹی کے فیلو، سرسید کے معاون و مددگار اور علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی تھے۔ ۱۸۸۲ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے اور اپنی تمام سرگرمیاں مسلمانوں کی تعلیمی و معاشرتی حالت کو بہتر بنانے کے لئے وقف کر دیں۔ نہایت خلیق، حلیم اور صاحب مروت تھے۔ اصلی وطن شاہجہان پور تھا۔ ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔

تصانیف

کُل اکیس ہیں۔ ان میں سے بعض اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت بلند پایہ اور اہم ہیں۔ مذہبی مباحث میں کوئی کتاب نہیں لکھی۔ اپنے دماغ و قلم کو شعر و ادب، تاریخ و سوانح نگاری اور علم لغت تک ہی محدود رکھا ہے۔

۱۔ گلدستۂ کرامات ۱۲۷۷ھ میں تحریر ہوئی۔ مطبع نولکشور لکھنؤ سے چار بار، دہلی سے دو بار اور لاہور سے سات بار چھپ کر شائع ہوئی۔ یہ کتاب اردو نظم و نثر میں ہے۔ حضرت شیخ محی الدین سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ المتوفی ۵۶۱ھ کے مناقب میں ہے۔

اس میں کُل اکیانوے مناقب ہیں۔ کیونکہ حضرت کی عمر شریف بھی اکیانوے سال تھی۔ اس حساب سے فی سال ایک کرامت بیان کی ہے اور ہر باب کے خاتمہ پر ایک غزل منقبت میں لکھی ہے۔ جیسا کہ خود فاضل مصنف نے دیباچہ میں رقم فرمایا ہے۔

۲۔ گنجینۂ سروری معروف باسم تاریخی گنج تاریخ ۱۲۸۴

تمام کتاب نظم و نثر فارسی میں ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر خلفائے راشدین، خلفائے بنو امیہ، خلفائے بنو عباس و دیگر سلاطین اسلام اور مشاہیر صوفیاء و علماء و شعراء کی ولادت و وفات کی تاریخیں لکھی ہیں اور حاشیہ پر شخصیتوں کے تعارف کے لئے مختصر حالات لکھے ہیں، جس سے کتاب کی اہمیت اور اس کی افادی حیثیت اور بڑھ گئی ہے۔ اس کتاب میں کم و بیش دس ہزار مادہ ہائے تاریخ ہیں۔ تاریخ گوئی ایک مشکل فن ہے اور خاص خاص قادر الکلام شعراء ہی اس میں اپنا کمال دکھاتے ہیں۔ اب تک مؤرخ و ناسخ ہی اس فن میں باکمال سمجھے جاتے تھے مگر گنج تاریخ اور خزینۃ الاصفیاء دیکھنے کے بعد ان اساتذہ کا کمال اس فن میں بے حقیقت نظر آتا ہے۔ اکثر و بیشتر مادہ ہائے تاریخ حسبِ حال ہیں اور یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ پھر سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مادہ ہائے تاریخ میں تخرجہ یعنی کچھ الفاظ خارج کرنا اور تعمیہ یعنی کچھ الفاظ جوڑنا۔ اس کا کچھ جھگڑا نہیں۔ پورا مادۂ تاریخ ایک لفظ یا دو لفظوں یا نصف مصرع یا پورے مصرعے سے حاصل ہوتا ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وصال

لفظ ہُوا راحب سے نکالی ہے۔ مثلاً:

چوں محمد از جہاں پوشید رو — مثلِ خورشید جلوہ گر اندر جناں
محو ہُو بود است ذاتِ پاک او — گشت از ہُو سالِ ترحیلش عیاں
بود ذاتش مخزنِ حبِ خدا — سالِ ترحیلش احبّ اے جواں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات احد، وجد، جہاد، ولی سے نکالی ہے۔ مثلاً:

حضرتِ صدیق اکبرؓ یارِ غار — عالمِ دیں والیٔ کون و مکاں
صادق و صدیق و غم خوارِ نبی! — در دلش عشقِ محمد ہم چو جاں
یارِ دلدار جنابِ مصطفیٰؐ! — شد چو از دنیا بخلد جاوداں
وجدؔ کن تحریر یا لفظ جہادؔ — یا احدؔ یا جودؔ وحلش کن بیاں
باز چوں جستم وصالِ پاک او — شد ندا از دل ولیؔ از جہاں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تاریخِ وفات لفظِ پاکؔ، وحیؔ، ہدیہؔ، جاویدؔ سے نکالی ہے مثلاً:

چوں عمر چوں گنج زیرِ خاک رفت — روحِ پاکش بر سرِ افلاک رفت
پاکؔ شد سالِ وصالِ او عیاں — یعنی پاک آمد بدنیا پاک رفت

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات الہٰؔ اور اہلؔ سے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات زاہد پاکؔ اور ہادیؔ ہادیؔ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی محبؔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حبیبؔ ازل، حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخشؒ کی تاریخ وفات پیر لاہوریؒ، شمس دینؒ اور گلشن دینؒ ہے۔

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی تاریخ ولادت رہبر دینؒ اور تاریخ وفات امیر المومنین ہادی دینؒ ہے۔ غرض اس قسم کے بے شمار مادہ ہائے تاریخ اس کتاب میں ملیں گے۔

آغازِ کتاب میں نہایت پُرسوز اور فصیح و بلیغ حمد باری تعالیٰ۔ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور منقبت صحابہ رضی اللہ عنہ تحریر کی ہے۔ اس کے بعد تشریح و تقسیم کتاب کو بیان کیا ہے جو

آٹھ ابواب پر منقسم ہے۔

در تشریح و تقسیم ایں کتاب کہ بہ ہشت مخزن منقسم است

بہر ذکر خیر پیرانِ کرام — یافتہ ایں گنج تاریخ اختتام
نیز در ذکر سلاطین با وقار — دادہ ام ایں گنج خود را افتخار
جا بجا تاریخ ہر یک گفتہ ام — طرفہ تر در نظم گوہر سفتہ ام
نام تاریخی ز بہرِ ایں کتاب! — گنج تاریخ آمدہ اندر حساب
کردہ ام تقسیم اندر ہشت گنج — تا بیابی حصہ بے دست رنج

(۱) مخزنِ اوّل رقم اے نیک نام — گشت در ذکر شہ خیر الانام
نیز سالِ فوتِ اصحابِ کبار — شد در ترقیم اے عالی وقار
باز در ذکرِ امامانِ کرام!! — ختم شد گنجِ تحسین والسلام

(۲) گنجِ ثانی شد مہیا اے اخی! — در بیانِ اولیائے قادری

(۳) گنجِ ثالث آمد اے نیکو سرشت — بہر ذکر خاندانِ اہلِ چشت!

(۴) چہارم شد بہ طرزِ دل پسند — ذکر خیر اولیائے نقشبند!!

(۵) کردہ ام در مخزنِ پنجم عیاں — شرح حال سہ در دیہ عیاں

(۶+۷) گنجِ ششم ہست در متفرقات — ہفتمیں ذکر نساء عارفات

(۸) گنجِ ہشتم را من اے والا ہمم — کردہ ام در یازدہ حصہ رقم!

حصہ اوّل چو کردم ابتداء — بخرۂ زد دام بنی امیہ را
حصہ ثانی چو شد از من عیاں — شد بنی عباس را در شے بیاں
حصہ ثالث ز رُوئے آگہی! — شد در و ذکر شہانِ غزنوی
حصہ چہارم چو آمد بر قلم — گشت در وے ذکرِ غوریہ رقم
پنجمیں خلجیہ آمد در شمار — تغلقی ششم بداں اے باوقار
خضر خانی را بہفتم کن نظر — ہشتمی لودیہ اے والا گہر
در نہم چگیزی است اے نیک خو — نیز تیموری و چغتائی بگو

شد رقم اندر دوم اے نوجواں! حالتِ شاہانِ متفرق بیاں
حصۂ احدی عشر اے جانِ من گفتہ ام در ذکرِ امرائے زمن
نیز ذکر شاعرانِ ہوش مند! شد بیان در دے بطرز دل پسند
جامعِ ایں جملہ گنج مختصر بندۂ پُرعیب و خالی از ہنر
سرورم نے نے غلام سرورم زیب در تاجِ غلامی برسرم
ہست پیشِ شاعران با ہنر دعویٔ شاگردی ام بس سربسر
ذرہ ام در پیشِ نورِ آفتاب! بلکہ چوں خاشاک پیشِ بحرِ آب
زیں سبب دارم بعجز و اقتدا درجنابِ حضرتِ شاں التجا
بر خطا ہائے کہ باشد در کتاب خامۂ اصلاح دانند از ثواب
ورنہ نہند از سرِ لطف و سخا! بر خطائے پر خطا دست عطا
ہر کہ بر ایں پر خطا احسان کند ایزدِ بروے خدا احسان کند
پردہ پوشی کن کہ ستار العیوب بندگاں را ہست غفار الذنوب
یا الٰہی بہرِ آلِ فاطمہ! وقتِ رحلت کن بر ایماں خاتمہ
یا الٰہی بہرِ اولادِ علی دار ما را از محبانِ نبیؐ!
یا الٰہی بہرِ اصحابِ رسول کن دعائے سرسری بیدل قبول

یا الٰہی بہرِ پیرانِ کرام!
دار ما را در دو عالم نیک نام

۳۔ تاریخ مخزنِ پنجاب: یہ ملکِ پنجاب کی بسیط تاریخ اور جغرافیہ دونوں کی حامل ہے۔ اس میں پنجاب کے مشہور شہروں، قصبوں، دریاؤں، پہاڑوں نیز مسلمانوں اور ہندوؤں کے مشہور تاریخی مقامات اور مختلف فرقوں کے حالات درج ہیں۔ ساتھ ہی تاریخ کشمیر، لداخ و کشتواڑ بھی شامل ہے۔ اس تاریخ کی تحریک گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے ہوئی تھی۔ ڈپٹی کمشنر لاہور نے دیوان بیج ناتھ اور فقیر شمس الدین کی وساطت سے یہ تاریخ لکھوانی چاہی اور ان حضرات نے آپ کو بہزار مشکل آمادہ بھی کر لیا۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ آپ بعارضۂ تپ و آشوبِ چشم بیمار ہو گئے اور صحتیاب

ہونے میں تین چار مہینے لگ گئے۔ گورنمنٹ اس کتاب کی تالیف جلدی چاہتی تھی۔ اس لئے یہ کام قاضی تاج الدین لاہوری کے سپرد ہوا۔ انہوں نے نہایت عجلت کے ساتھ نامکمل سی تاریخ لکھ کر پیش کردی جو نہ تو حکومت کو پسند آئی اور نہ مقبول عام ہوئی۔ آپ نے صحت یاب ہونے کے بعد بطور خود ایک سال کی تحقیق و تدقیق کے بعد حالات فراہم کرکے اسے مکمل کیا۔ چنانچہ کتاب مذکور کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

بندۂ احقر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی اسدی الہاشمی سہروردی لاہوری خدمتِ صاحبانِ علم و ہنر کے بیان کرتا ہے کہ جب راقم کتاب گلدستۂ کرامات، خزینۃ الاصفیا، گنج تاریخ کی تالیف و تصنیف سے فراغت پا چکا، فارغ نہ بیٹھ سکا اور ارادہ کیا کہ اور کتاب پنجاب کے ملک کے احوال میں بہ زبان اردو لکھی جائے۔ اس شوق میں ایک سال کامل تلاشِ کتب در پیش رہی اور بہت سی سعی کے بعد جس قدر احوال بذریعہ کتب فارسی و انگریزی کے حاصل ہوا۔ زیبِ اندراج پایا۔ مخزن پنجاب نام رکھا۔ پانچ حصوں اور پچیس تقسیموں میں منقسم ہوا۔

پہلا حصہ ستلج پار سے میدانی ملک کے حال میں جو فی زمانہ گورنمنٹ پنجاب کے متعلق ہے۔

دوسرا حصہ دریائے ستلج کے داہنے کنارے سے لے کر پنجاب کے میدانی اور مغربی پہاڑ اس میں آٹھ تقسیمیں ہیں۔

تیسرا حصہ پنجاب کے کوہِ شمالی اور ان علاقوں کے احوال میں۔ اس میں پانچ تقسیمیں ہیں۔

چوتھا حصہ پنجاب کے حاکموں اور فاتحوں کے ذکر میں۔ سلاطینِ غزنوی سے چنتائی و درانی سلطنت کے آخر تک۔

پانچواں حصہ پنجاب کے میدان اور کوہستان۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کی عبادت گاہوں اور مزارات و مقابر کا ذکر۔ ہندو اور مسلمان قوموں کا بیان اور مذاہب و عقائد کی تفصیل۔

۱۲۸۵ھ میں لکھی گئی۔ لاہور اور مطبع نولکشور سے کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ عجب ہے

لہ خاندانِ قاضیانِ لاہور میں سے تھے۔ ان کے والد قاضی امام الدین، قاضی مسیح الدین قاضیٔ لاہور کے بھائی تھے انگریزی عہد میں قاضی سراج الدین سررشتہ دار تھے اور ان کے بھائی قاضی فقیر الدین داروغہ نزول تھے۔

مخزنِ حالاتِ پنجاب" اس کا مادۂ تاریخ ہے۔

۴۔ گلشنِ سروری: منظوم کتاب ہے۔ اخلاقی مضامین پر مشتمل ہے۔ تہذیبِ اخلاق اور سیاستِ مدن کے تمام مسائل سلیس اور فصیح و بلیغ انداز میں تحریر کئے ہیں۔ طرزِ بیان نہایت موثر ہے۔ نیک اعمالی اور بداعمالی کا شاید ہی کوئی باب چھوڑا ہوگا۔ ۱۲۸۹ھ میں کتاب لکھی گئی۔ لاہور، لکھنؤ اور دہلی میں متعدد بار چھپی۔ محکمۂ تعلیم پنجاب اور والیان ریاست ہائے پنجاب و ہند نے مصنف سے سینکڑوں جلدیں خریدیں۔

"گلشنِ تازہ سروری" اس کا مادۂ تاریخ ہے۔

۵۔ دیوانِ سروری: اُردو نظم میں ہے۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی منقبت میں ہے۔ لاہور، لکھنؤ اور دہلی میں کئی مرتبہ چھپا۔ ۱۲۹۰ھ میں تحریر ہوا۔

۶۔ حدیقۃ الاولیاء: اُردو نثر میں ہے اور صرف انہی اولیائے کرام کا ذکر ہے جو پنجاب میں گزرے ہیں۔ سببِ تالیف اس طرح رقم طراز ہیں:

در اظہار باعث تالیف کتاب حدیقۃ الاولیا

اس کتاب کی تالیف سے پہلے بھی احقر العبد غلام سرور خلف مولانا مفتی غلام محمد قریشی ہاشمی سہروردی لاہوری اولیائے کرام و پیرانِ عظام کے حال میں ایک کتاب خزینۃ الاصفیاء بزبانِ فارسی تالیف کر چکا ہے جو دو مرتبہ لاہور اور لکھنؤ میں چھپ کر تحفۂ نظرارباب شوق ہو چکی ہے۔ اس میں ہر ایک سلسلہ اور خاندان کا ابتدا سے اس زمانے تک ہے۔ اب میرے واثقِ محبان قدیم و صادق دوستان صمیم میں سے امام الدین حکیم مدح خواں رسول کریم میرے مکلف حال ہوئے کہ ایک اور مجموعہ مختصر اُردو زبان میں لکھے جس میں ملک پنجاب کے اولیاء کا حال ہو۔ یعنی دہلی سے پشاور تک جس قدر علاقہ اس وقت پنجاب کے ساتھ متعلق ہے اور مشہور اولیاء کے مزار اس میں ہیں۔ سب کا حال ضروری ضروری اس میں تحریر ہو۔ پس ایک دوست کے فرمانے اور دلی محبت جو قدیم سے مجھ کو اولیاء اللہ کے ساتھ ہے، اس کام پر مجھ کو آمادہ کیا۔ اب خداوند تعالیٰ سے امداد چاہتا ہوں کہ یہ کام بخیر و خوبی انجام پائے اور بعد میرے یہ کتاب دنیائے فانی میں یادگار رہ جائے۔ آمین۔ اس کتاب کا نام حدیقۃ الاولیاء رکھا گیا اور سات چمنوں پر تقسیم ہوئی:

پہلا چمن مشائخ قادریہ کے احوال میں۔
دوسرا چمن مشائخ چشتیہ کے احوال میں۔
تیسرا چمن مشائخ نقشبندیہ کے احوال میں۔
چوتھا چمن مشائخ سہروردیہ کے احوال میں۔
پانچواں چمن مشائخ متفرقات۔
چھٹا چمن مجانین و مجاذیب کے احوال میں۔
ساتواں چمن عوراتِ صالحات کے ذکر میں۔

قطعۂ تاریخ

یہ کیا اچھا ہے سرور کا حدیقہ — یہ کیا باغ و بہارِ اولیا ہے
نہیں داخل خزاں اس بوستاں میں — کہ باغِ اتقیاء و اصفیا ہے
کہاں ہے باغ کوئی اسکے ہمرنگ — کہ یہ گلزار فیض کبریا ہے
یہ ہے سرسبز باغ اہلِ عرفاں! — کہ جس پر عندلیب دل فدا ہے
کہیں سبزہ کہیں غنچہ کہیں گل — کہیں سنبل کہیں لالہ کھلا ہے
غرض روئے زمیں پر مثلِ فردوس — بنا سرور کا یہ بستاں سرا ہے

کہا رضواں نے بہر سال تالیف
کہ گوناگوں حدیقۂ خوش نما ہے

خاتمۂ تالیف کتاب منجانب مولف

الحمدللہ والمنۃ کہ یہ کتاب حدیقۂ بے خار و گلزار تازہ بہار بفضلِ کردگار یعنی تذکرۂ ابرار فی اخبار حضرات الاخیار عین موسم کے وقت پھل پھول لایا۔ مولف نے اپنا دلی مطلب پایا۔ مقام شکر و تسلیم ہے کہ خداوند کریم نے مجھ عاصی و روسیاہ گنہ گار کو اپنے دوستوں کا مشتاق بنایا ہے۔ محبت کا راستہ دکھایا ہے اور یہ توفیق دی ہے کہ میں کسی قدر اپنے وقت عزیز کو حضراتِ اولیاء کے ذکر میں صرف کروں اور ان کی الفت سے بہرہ پاؤں۔ اگرچہ میں ناکارہ کجا اور یہ کار کجا مگر یہ شوق مجھ کو صرف حضرت غوث الثقلین، محبوب سبحانی، قطب ربانی سید سلطان محی الدین عبدالقادر جیلانی کی محبت

ہیں حاصل ہوا اور محض یہ حضرتِ محبوب کی توجہ ہے کہ مجھ بے کار آدمی سے ایسے ایسے کار سرزد ہونے لگے بلکہ ایک عاجز و ناتواں کو یہ قوت بخشی گئی کہ پہلے اس سے کتاب خزینۃ الاصفیاء تمام بزرگوں کے حال میں اس نے لکھی۔ مگر وہ کتاب فارسی تھی اور بہت بڑی تھی اور شائقین ملک پنجاب کا یہ مطلب حاصل نہیں ہوتا تھا کہ کتنے بزرگ پنجاب کے ملک میں صاحبِ طریقت گزرے ہیں۔ اب اس مختصر اُردو زبان کی کتاب لکھنے میں وہ وقت رفع ہوگئی۔ خداوند تعالیٰ مجھ کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو اولیاء اللہ کی محبت کا شائق کرے اور خدا کرے کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا ہادی پیر طریقت مل جائے کہ اس کی راہ نمائی سے میرے جیسے گمراہ راہ پر آئیں۔ خدا کی محبت کا راستہ پائیں کیونکہ اب یہ لوگ عنقا ہوگئے ہیں اور محبت کا حرف لوگوں کے لوحِ سینہ سے صاف ہوگیا ہے باطنی تو کجا ظاہری محبت کا بھی نام و نشان باقی نہیں رہا۔ جو مسلمان پہلے اپنی زبان سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ ذرا سے اپنے فائدہ کے لئے دوستوں سے ایسے روگرداں ہوتے ہیں کہ منہ دکھانا اور دیکھنا نہیں چاہتے۔ خیر

قطعہ

مردمانے کہ اندریں حین اند ! گہ ملانک گہ شیاطین اند
بہ ہیں مرداں بباید ساخت چہ تواں کرد مرداں ایں اند

حضرات اہل محبت و عرفان کی محبت ہے۔ ایسے ناپرساں وقت میں جس کو خداوند تعالیٰ نصیب کرے، غنیمت ہے۔ گر بظاہر کوئی صاحبِ محبت نہیں ملتا۔ مگر باطنی نسبت اُن خداوندوں کے ساتھ جو اس ناپرساں وقت سے اوّل گزر چکے ہیں، رکھنی ایک ضروری امر ہے اور یہ بھاری ذریعہ گنہ گاروں کی بخشش کا خدا کے حضور میں ہوگا۔ بقول سعدی علیہ الرحمۃ:

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

قطعاتِ تاریخ خاتمہ اس کتاب کے جو میرے عزیزوں نے لکھ کر دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

رائے بہادر کنہیا لال ہندی

بہ سال خاتمہ ہندی سے ہاتف پکارا گلشنِ بے خار و دیں ہے

ڈاکٹر سید علی شاہ الفت

یہ سال خاتمہ ہے اس اُلفت کا کہ یہ کیا گلستانِ ۱۲۹۲ھ بے خزاں ہے

مفتی محمد چراغ دین روشن

ہاتفم روشن بسال اختتام گفت نادر گلستان سدوری ۱۲۹۲ھ

مفتی غلام صفدر

مصرع تاریخ کہ صفدر رقم حرزِ جاں تازہ بہارِ عاشقاں ۱۲۹۲ھ

یہ کتاب لاہور، لکھنؤ، کانپور اور دہلی سے متعدد بار چھپ کر شائع ہوئی۔

۷۔ مدینۃ الاولیاء: یہ بھی اولیائے کرام کے حالات پر مشتمل ہے۔ ۱۲۸۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے چار سال میں مکمل ہوئی۔ اردو نثر و نظم میں ہے۔ مطبع نولکشور، لکھنؤ، کانپور اور دہلی سے تین بار شائع ہوئی۔ اب نایاب ہے۔

۸۔ مناقب غوثیہ: حضرت شیخ محمد صادق شیبانی کی فارسی کتاب کا سلیس اُردو ترجمہ ہے۔ یہ بھی آجکل کمیاب ہے۔

۹۔ تحفۃ الابرار: پندنامۂ شیخ فریدالدین عطار کا منظوم ترجمہ ہے۔

۱۰۔ احوال الآخرت: پنجابی نظم ہے۔ حشر کے دن کے حالات لکھے گئے ہیں۔ مذہب اسلام کے اعتقاد کے بموجب قیامت کے دن کا پُر رقت نقشہ دکھایا ہے۔ لاہور میں متعدد بار چھپ کر شائع ہوئی۔

۱۱۔ بہارستان تاریخ معروف بہ گلزار شاہی: ایک مورخ کی حیثیت سے بھی آپ کا درجہ بہت بلند واقع ہوا ہے اور یہ تاریخ اس کا بیّن ثبوت ہے۔ تین حصوں پر منقسم ہے۔ پہلا حصہ ہندوستان کے ہندو راجوں کے ذکر میں ہے۔ اس میں دو جلدیں ہیں۔ یہ حصہ خاص طور پر آنریبل سردگجی سنگھ بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ وائی بلرام پور کی تحریک پر لکھا گیا تھا۔ کچھ حالات احسن التواریخ مولفہ سید آقا حسن رضوی لکھنوی سے لئے گئے ہیں جو مہاراجہ کے خاص امراء میں سے تھے اور باقی منشی جواہر سنگھ جوہر شاگرد غالب سے جو مہاراجہ کے حضور نویس تھے۔ اُنھوں نے فراہم کئے اور آپ نے مختصر کر کے درجِ تاریخ کئے۔ مہاراجہ خود بھی اچھے شاعر تھے۔ شعراء، علماء و فضلاء

کے مربی تھے۔ اپنا دیوان خاص اہتمام کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا تھا۔ چنانچہ آپ دیوان کے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں: "مہاراج شاعر ہیں۔ راجہ تخلص کرتے ہیں۔" "دیوان مخزنِ فصاحت" جو اسم بامسمّٰی ہے۔ مہاراج کی تصنیف ہے۔ علیہ مہاراج راقم کے مطالعہ سے گزرا۔ ایک ایک مصرع دیوان کا بجائے خود دیوان ہے۔ سچ پوچھو تو دیوانوں کی جان ہے۔ کیوں نہ ہو کلام الملوک ملوک الکلام ہے۔

دوسرا چمن ان والیانِ ریاست کے ذکر میں ہے جو حکومتِ ہند کے تحت اپنے اپنے علاقوں اور ریاستوں پر متصرف تھے۔

دوسرا حصہ مسلمان سلاطین کے حال میں ہے۔ عہد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے زمانے تک ہے۔ یہ حصہ ۵۲ چمنوں پر مشتمل ہے۔ اسلامی حکمرانوں کا کوئی معروف خاندان ایسا نہیں چھوڑا جس کا ذکر نہیں کیا۔ تمام خاندانوں کے حالات مستند عربی و فارسی تاریخوں سے اخذ کر کے نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کئے۔ اسے تاریخی قاموس کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ آخر میں ان مسلم ریاستوں کا ذکر ہے جو سلطنت مغلیہ کے ضعف کے بعد ہندوستان میں قائم ہوئیں۔

تیسرا حصہ سلاطین انگریزی کے حالات میں ہے۔ ابتدائے سلطنت سے لے کر ملکہ وکٹوریہ تک کے حالات اختصار کے ساتھ درج ہیں۔

یہ تاریخ پہلی بار ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔ دوسری بار مطبع نول کشور لکھنؤ سے اضافہ و تصحیح کے بعد ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں شائع ہوئی۔

۱۲۔ مخزنِ حکمت: اردو نثر و نظم میں ہے۔ ۱۲۸۸ھ میں دو مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ پھر ۱۲۹۵ھ میں، تیسری مرتبہ تصحیح کے بعد مطبع نول کشور سے آٹھ بار چھپ کر شائع ہوئی۔ اس میں حکماء متقدمین و متاخرین اور فضلاء و صوفیاء کے تاریخی حالات۔ اُن کے اقوال اور پند و نصائح کا ذکر ہے۔ فاضل مصنف لکھتے ہیں:

حمد و ثنا کے لائق وہ قادرِ بے چوں، صانعِ گوناگوں، خالقِ بوقلموں، حی جل و علاء، ذاتِ کبریا، والیٔ بے ہمتا۔ جس نے ایک کُن کے امر سے دونوں جہاں، زمین و آسماں، جن و انساں، کُل حیواں، سب سامان بنایا، قدرت کا جلوہ دکھایا۔ سب سے اعلیٰ و اشرف انساں کو کیا۔ عقل کا

چراغ اس کے ہاتھ میں دیا جس کے نور سے انسان کے دل نے روشنی پائی۔ آنکھوں میں بینائی آئی۔ حق کو پہچانا، خالق کو برحق اور حق کو حق جانا، حقیقت کا راستہ پایا۔

نامِ حق نامِ خدا کیا نام ہے
سارے ناموں سے ہے جسکو برتری

اسلام کے امام حضرت خیرالانام سید ابرار احمد مختار محمد مصطفیٰ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کی ہدایت سے لاکھوں گمراہ سینہ سیاہ سیدھی راہ پر آئے، مسلمان کہلائے۔

ذات پر جن کی نبوت ختم ہے — ہیں محمد مصطفیٰ صلِ علیٰ
لوگ سب پڑھتے ہیں ان کے نام کو — روز و شب صبح و مسا صلِ علیٰ!
ہو گہر ریزی سے اس کی ماہ و سال — پُر گہر دامانِ ہر اہلِ کمال
رکھے حق روشن اسی سے صبح و شام — سرورِ گنام کا دنیا میں نام
آسماں جب تک زمیں ہے جب تلک — مہر و مہ کرسی نشیں ہے جب تلک
فائدہ اس سے کرے حاصل جہاں — مستفید اس سے رہے دورِ زماں

قطعۂ تاریخ از مصنف

ہوا ظاہر بفضلِ ایزدی جب! — یہ فضل و علم و حکمت کا دفینہ
بسالِ خاتمہ ہاتف نے سرور! — کہا ہے عمدہ حکمت کا خزینہ

قطعۂ تاریخ از رائے بہادر کنھیا لال اگزیکٹو انجینئر لاہور ڈویژن

چہ نادر مخزن است ایں مخزنِ ہوش و خردمندی
سراسر بحرِ فضل و عین علم و معدن حکمت!!
چہ بستانی ست ایں بستاں سرائے فیض حقانی
چہ گلبن گلبن عرفاں چہ گلشن گلشن حکمت!
مدد جستم ز ارواحِ یگاں بہر تاریخش
ندا زد جان افلاطوں بگل مخزنِ حکمت

۱۳۔ تحفۂ سروری، منظوم کتاب ہے۔ سات حصوں میں منقسم ہے۔ متصوفانہ و اخلاقی

مضامین پر مشتمل ہے۔ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں لکھی گئی۔ مطبع نول کشور سے کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔

پہلا حصہ: عبادت و خاکساری اور عجز و نیاز میں ہے۔

دوسرا حصہ: اختتام وقت و بے اعتباری عمر کے متعلق ہے۔

تیسرا حصہ: نیک نامی حاصل کرنے اور ترکِ علائق کی تعلیم میں ہے۔

چوتھا حصہ: شجاعت و مروت کے فوائد میں ہے۔

پانچواں حصہ: خیرات و مبرات کی توصیف میں ہے۔

چھٹا حصہ: توبہ کرنے اور گناہ پر پشیمان ہونے کے بیان میں ہے۔

ساتواں حصہ: اتفاق و ہمدردی کے فوائد اور نفاق و تعصب و عداوت کے نقصان میں ہے۔

حمد و نعت کے بعد لکھتے ہیں:

یہ اب لکھا گیا دلچسپ نامہ
بزورِ خامۂ عنبر شمامہ

من بعد احقر المحقر سراپا عیب خالی از ہنر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد ولد حقیقت آگاہ مولانا مفتی رحیم اللہ قریشی ہاشمی سہروردی عرض پرداز ہے کہ جب کمترین نے پہلی کتابوں گلدستہ کرامات خزینۃ الاصفیا، گنجِ تاریخ کی تحریر سے فراغت پائی تو مناسب سمجھا کہ ایک اور مختصر کتاب حکماء متقدمین و متاخرین کی تاریخ اور اُن کے اقوال و افعال، اخلاق و آداب، نکات و حکایات، حکمت و پند و نصائح میں جمع کر کے طلبہ کو فائدہ پہنچاؤں۔ دنیائے فانی میں اپنے نام سے یہ نشان چھوڑ جاؤں جس کے مطالعہ سے ہر ایک شائق فیض پائے۔ دیکھنے والا حظ اٹھائے، مولف کے حق میں دعائے خیر کرے۔ نام اس کا مخزنِ حکمت رکھا اور تین حصوں میں تقسیم ہوئی۔

پہلا حصہ: قدیم زمانہ کے حکیموں کے احوال اور اُن کے وعظ و پند و حکمت و نصائح و اقوال و افعال، نکات و حکایاتِ حکمت کے بیان میں ہیں۔

دوسرا حصہ: اسلام کے ظہور کے بعد کے حکماء و فضلاء اور اُن کے اقوال و افعال و

نصائح وحکایاتِ حکمت کے بیان ہیں۔

تیسرا حصہ: بعض بادشاہوں کے حالات وحکایات واقوال وافعال واخلاق وعدل کی تشریح میں۔

پہلے یہ مخزن دو مرتبہ ۱۲۸۸ھ میں چھپ کر تحفۂ نظرارباب بصیرت ہُوا۔ جب تیسری بار میرے دوست قدیم عالی جناب منشی نول کشور صاحب مالک مطبع اودھ اخبار لکھنؤ نے خود اس کے چھاپنے کا معتمم ارادہ کیا تو کمترین نے اس کی نظم ونثر کو پھر دیکھا اور اپنی رائے ناقص سے حتی الامکان اس کی اصلاح کی۔ چونکہ انسان ضعیف البیان سہو وخطا سے کبھی خالی نہیں ہے۔

ناظرین باتمکین کی خدمت میں نہایت عجز کے ساتھ التماس کرتا ہُوں کہ اگر وہ عند المطالعہ اس کی نظم ونثر میں کوئی نقص پائیں، اصلاح فرمائیں ورنہ خاموش رہیں۔ عیب جوئی وانگشت نمائی نہ کریں۔

گناہ سے آدمی کوئی نہیں پاک — کوئی انساں نہیں نسیاں سے خالی
ہے کام اس کا جب آخر بھول جانا — تو پھر کیوں کر ہو یہ نقصاں سے خالی

مثنوی در خاتمۂ کتاب

سرور اب بس کر نہ کر زیادہ کلام — تاکہ ہو یہ مخزنِ حکمت تمام
ہو یہ گنجینہ بہ فضل کردگار! — دائما مطبوع طبع روزگار!
مقرر اس کا تحفۂ سروری نام — کہا سرور نے بہ اعزاز وبہ اکرام
ہوا یہ تحفہ سات حصّوں میں تقسیم — بہ تعدادِ حساب ہفت اقلیم
برائے انکشافِ حال تاریخ — پئے اظہار سن وسال تاریخ

یہی جملہ سروش غیب بولا!
کہ کیا نادر ہے یہ سرور کا تحفہ ۱۲۹۰

۱۴- اخلاق سروری: یہ کتاب بھی علم اخلاق میں اردو نظم ونثر میں ہے۔ اخلاقی مضامین پر ایک نادر چیز ہے۔ اس میں اخلاق کی اصلاح اور دوسرے اخلاقی نکات سے روشناس کرایا گیا ہے۔

اندازِ بیان نہایت سادہ و دل نشین ہے۔ گلشن سروری، تحفہ سروری اور اخلاق سروری ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ یہ تینوں کتابیں اس پایہ کی ہیں کہ ان ٹوٹ بٹوٹ، بے معنی و بے مغز نظموں کی بجائے مدارس میں داخلِ نصاب کی جائیں۔ ان سے جہاں طلبہ زبان و بیان کی خوبیوں سے آگاہ ہوں گے وہاں تہذیب، اخلاق و اعمال کے اسرار و رموز سے بھی بہرہ ور ہوں گے۔ پھر خوبیٔ کلام یہ ہے کہ یہ کتابیں طلبہ و اساتذہ دونوں کے لئے یکساں مفید و کار آمد ہیں۔ یہ ایک علمی خدمت بھی ہو گی اور مذکورہ کتابیں نایاب ہونے سے بھی بچ جائیں گی۔ اسی طرح بہارستانِ تاریخ اور تاریخ مخزنِ پنجاب اُردو زبان میں اعلیٰ درجہ کی مستند تاریخیں ہیں۔ اگر ان کتب کو بھی عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایڈٹ کر کے تصحیح و حواشی کے ساتھ شائع کیا جائے تو یہ بہت بڑی تاریخی و علمی خدمت ہو گی۔ نیز خزینۃ الاصفیاء، گنجِ تاریخ فارسی زبان میں اور حدیقۃ الاولیاء اُردو زبان میں۔ ایسی نادر کتابیں ہیں جو فنِ تاریخ و سوانح نگاری میں سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہیں اور پاک و ہند میں آج تک جتنی کتابیں اس فن میں شائع ہوئی ہیں ان سب کے اکثر و بیشتر ماخذ یہی تینوں کتابیں ہیں۔ اگر ان کتب کی حفاظت کے لئے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا گیا تو کچھ عرصے کے بعد یہ کتابیں بھی بالکل کمیاب ہو جائیں گی۔ اس لئے جہاں ہمارے علمی اداروں کو ان کتب کے تحفظ کی طرف توجہ دینی چاہئے وہاں خاندان کے ذی علم و صاحبِ ثروت حضرات پر بھی یہ اخلاقی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خاندان کے علمی نوادر کی حفاظت کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں تاکہ آباؤ اجداد کے یہ علمی شاہکار محفوظ ہو کر آئندہ نسلوں کے لئے دلیلِ راہ بن سکیں۔

۱۵۔ دیوان حسد ایزدی: ۱۸۸۰ء میں چھپ کر شائع ہوا۔ حمد باری تعالیٰ میں ہے۔ مضامین متصوفانہ و عارفانہ ہیں۔ لاہور، لکھنؤ اور کانپور میں کئی مرتبہ چھپ کر مقبولِ خاص و عام ہوا۔

۱۶۔ دیوان نعت سرور: ۱۸۸۱ء سے لے کر ۱۸۸۴ء تک ہزاروں کی تعداد میں اس کے نسخے چھپ کر مشتہر ہوئے۔ اردو نظم میں ہے۔ بعض فارسی غزلیں بھی ہیں۔ لاہور میں چھ دفعہ اور لکھنؤ و کانپور میں دو مرتبہ چھپا۔ ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۷۔ انشائے یادگارِ اصغری: اُردو نظم و نثر میں ہے۔ حضرت مغفور نے اپنے چھوٹے بیٹے کے نام پر لکھی تھی جو بارہ برس کی عمر میں ۱۸۸۲ء میں وفات پا گیا تھا۔ علمی و ادبی مضامین پر

مشتمل ہے۔ بعض مضامین اپنی نوعیت کے لحاظ سے دلچسپ اور انوکھے ہیں۔ ہر مضمون سے کوئی نہ کوئی اخلاقی و اصلاحی نتیجہ نکالا ہے۔ اسلوب بیان دلکش ہے۔ زبان سادہ و پُرتاثیر ہے۔

۱۸۔ لغاتِ سروری: اس کا تاریخی نام زبدۃ اللغات ہے۔ عربی، فارسی اور ترکی الفاظ پر مشتمل ہے۔ معانی اردو میں بیان کئے ہیں۔ پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہ لغت شعراء کے لئے قوافی کا بیش بہا خزانہ ہے۔ ہر ایک حرف لغت میں آخری ردیف کا لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ قوافی کی ترتیب قائم رہے۔

لاہور اور مطبع نولکشور لکھنؤ سے کئی مرتبہ چھپ کر شائع ہوئی۔ دیباچہ لغت میں سببِ تالیف بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

بعد حمد و ثنائے رب العلمین و نعت سید المرسلین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و مدح خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔ احقر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قریشی الاسدی الہاشمی سہروردی خدمت میں ارباب دانش و بینش و اصحاب اہل بصیرت کی یہ عرض کرتا ہے کہ اس سے پہلے میں نے چند کتابیں مثل گلدستۂ کرامات، بہارستان تاریخ، حدیقۃ الاولیاء، دیوان سروری، نعتِ سروری، گلشنِ سہروردی، تحفۂ سروری لکھی ہیں جو بار بار چھپ کر تحفۂ نظر اصحاب ہو چکی ہیں۔ اب یہ ارادہ ہوا کہ ایک مفید نسخہ لغت کے علم میں ایسے طرز سے لکھا جائے کہ شعراء کو قافیہ و ردیف میں مدد دے اور شائقین لغت کو لغت میں اور ردیف ہر ایک لغت کے اخیر حرف پر رکھی جائے۔ پہلے حرف کی ردیف کی تغیر و تبدل بھی از روئے حروف تہجی لحاظ رہے۔ فارسی و عربی و ترکی لغات کے معانی اردو زبان میں تحریر ہوں۔ چنانچہ پانچ سال کی محنت کے بعد یہ مفید نسخہ تحریر میں آیا اور بڑی کتابوں مثلاً برہان قاطع، منتخب رشیدی، صراح اور غیاث وغیرہ سے انتخاب ہو کر اس میں درج ہوئے اور لغاتِ سروری نام رکھا گیا اور اٹھائیس باب پر اس کی تقسیم عمل میں آئی۔

فصلیں ہر ایک باب کی پہلے حرف تہجی کی رعایت سے جدا جدا قرار پائیں اور ابواب اخیر حروف کے شمار پر قائم ہوئے اور نشان ہر ایک زبان کا ہر ایک لغت کے ساتھ تحریر ہوا۔ یعنی جو عربی کی لغت ہے اس کے واسطے عین فارسی کے ساتھ فا، ترکی کے ساتھ تا اور یونانی کے

ساتھ دیا۔ علیٰ ہذا القیاس تحریر ہُوا۔

۱۹۔ جامع اللغات: یہ آپ کی آخری اور بہت ہی قابلِ قدر تصنیف ہے۔ یہ مستند لغت منشی نول کشور مالک مطبع نول کشور لکھنؤ کے ایما پر لکھی گئی تھی۔ یہ اپنی طرز کی نئی لغت ہے اور فنِ لغت میں اپنی ندرت و جامعیت اور اندازِ بیان کے لحاظ سے ایک خاص درجہ رکھتی ہے۔ ۱۸۹۰ء میں تیار ہُوئی۔ اس کے پانچ باب ہیں:

باب اوّل: عربی، فارسی، ترکی الفاظ ہیں۔ معانی اُردو میں تحریر ہُوئے ہیں۔

باب دوم: اردو الفاظ اور عربی و فارسی کے وُہ الفاظ جو اُردو میں رائج و مستعمل ہیں۔

باب سوم: فارسی محاورات و اصطلاحات اور سند میں اساتذہ کا کلام ہے اور جہاں کہیں کسی استاد کا شعر بطور سند نہیں مل سکا وہاں اپنا شعر بطور محل استعمال لکھا ہے۔ محاورات و اصطلاحات کے معانی اُردو میں بیان کئے ہیں۔

باب چہارم: اُردو محاورات و اصطلاحات کی تشریح اور سند میں اساتذہ کا کلام۔

باب پنجم: علم ادویہ کے بیان میں ہے۔ تمام ادویہ کے عربی، فارسی اور ہندی نام اور ان کے مزاج و خواص درج کئے ہیں۔ فاضل مؤلف لغات کے آغاز میں سبب تالیف اور مذکورہ بالا باتوں کی توضیح بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

خوشہ چینِ خرمنِ ارباب فضل و ہنر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد مولانا مفتی غلام محمد قدیشی اسدی الہاشمی سہروردی کی یہ گزارش ہے کہ کمترین نے علاوہ اپنی اور تصانیف و تالیف نظم و نثر اردو فارسی کے پہلے بھی زبدۃ اللغات المعروف بہ لغاتِ سروری، لغت کے علم میں لکھی تھی جو اب تک دو بار چھپ کر ہدیہ نظر اہل بصیرت ہو چکی ہے۔ اب پھر میرے محب قدیم، عنایت فرما، کرم گستر، قدر دان علم و ہنر، منشی نولکشور مالک مطبع اودھ اخبار لکھنؤ خاص طور پر میرے مکلف حال ہوئے کہ ایک اور بسیط کتاب جامع اللغات عربی و فارسی و ترکی و اردو الفاظ و محاورات سلیس اردو زبان میں لکھی جائے اور لغات و محاورات کتبِ معتبرۂ متقدمین و متاخرین سے لئے جائیں۔ پس تعمیل ارشاد اپنے مربی کے کمر ہمت کی چست باندھ لی۔ الحمدُ للہ کہ دن رات کی محنت، صبح و شام کی عرق ریزی اور ساعت کی جاں فشانی سے یہ کام بانجام پہنچا جامع اللغات

نام لکھا گیا ہے اور تیس ابواب پر تقسیم ہوئی اور ہر ایک باب میں پانچ پانچ فصلیں ہیں۔ اگرچہ اس کتاب کے ہر باب کی تقسیم ردیف وار پہلے حرف پر تقسیم ہوئی ہے مگر ہر ایک فصل میں آخری حرف کی رعایت پر بھی لحاظ رکھا گیا ہے جیسا کہ غیاث اللغات نے دونوں ردیف اولین و آخرین سے زینت بخشی۔ وہی طریقہ اس جامع نسخہ میں ملحوظ رہا۔

فرہنگ آصفیہ از مولوی سید احمد دہلوی، امیر اللغات از امیر مینائی لکھنوی، نور اللغات از مولوی نور الحسن کاکوروی۔ نفائس اللغات از مولوی ادھ الدین بیگرامی اگرچہ اسی صدی کی تصانیف ہیں جو ہندوستان میں یکے بعد دیگرے اسی زمانے میں شائع ہوئیں مگر پنجاب میں اس سے پیشتر کوئی ایسی مستند اور جامع لغت نہیں لکھی گئی تھی۔ مولوی کریم الدین نے ایک مختصر سی لغت کریم اللغات کے نام سے لکھی تھی جس کی اس جامع اللغات کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ اس کمی کو آپ نے پورا کیا۔ اس کے بعد پنجاب میں جتنے فرہنگ و لغت لکھے گئے مثلاً فیروز اللغات وغیرہ یہ سب بتغیر ہیئت و اسلوب بیان و تحقیق لغت جامع اللغات ہی کے خوشہ چین ہیں۔

۲۰۔ کلیات نعت سرور، دیوان نعت سرور ۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۲ء تک ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر خواص و عوام سے خراج تحسین حاصل کر چکا تھا۔ جب آپ ۱۸۹۰ء میں حج بیت اللہ و زیارت روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تشریف لے گئے تو جو نعتیہ غزلیں اثنائے سفر حج میں تصنیف فرمائی تھیں آپ کے فرزند مفتی غلام صفدر قریشی وکیل نے ان نعتیہ غزلوں کو وصال سرور کے نام سے شائع کیا تھا اور بعد ازاں ان کے برادر اصغر حکیم محمد انور نے آپ کا تمام و کمال نعتیہ کلام کلیات نعت سرور کے نام سے شائع کیا جس میں اکثر و بیشتر نعتیں اردو زبان میں ہیں لیکن متعدد فارسی بھی ہیں۔ آپ کے تمام منظوم کلام کی زبان نہایت پاکیزہ و شستہ اور فصیح و بلیغ ہے۔ خاص کر مثنوی تحفۂ سروری، مثنوی گلشن سروری، مثنوی اخلاق سروری جدت ادا، زبان و بیان کی روانی اور مطالب و معانی کی فراوانی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔

بعض الفاظ و محاورات سے قطع نظر کر کے جو اس وقت متروک ہیں سارے کا سارا کلام اردو محاورہ و روزمرہ کے عین مطابق ہے۔ تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ ایک ایک شعبہ عشق رسولؐ میں ڈوب کر کہا ہے اور اساتذہ نے بھی نعتیں لکھی ہیں بلکہ نعت گوئی میں صاحب دیوان

ہوئے ہیں مگر ان کا کلام قال ہے، حال نہیں۔ مفتی غلام سرور صوفی باصفا اور صاحب دل شاعر تھے۔ یہاں مصرع مصرع سے سچے اور ولی جذبات ٹپک رہے ہیں۔ پھر سب سے بڑی چیز جو تمام کلام میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے وہ حفظ مراتب ہے۔

حمد باری تعالیٰ، نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مدح صحابہ رضوان اللہ اجمعین اور منقبتِ بزرگانِ دین میں حدِ فاصل رکھی ہے جس سے آپ کے تبحر علم اور مرتبہ شناسی کا پتہ چلتا ہے حتیٰ کہ زبان اور تشبیہات و استعارات میں بھی یہ نازک فرق ملحوظ رکھا ہے۔ تمام کلیات نعتی و منقبتی خوبیوں کا آئینہ دار ہے۔ تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ کلیات کے آخر میں مخمس، مسدس، ترجیع بند اور ترکیب بند ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت میں ایک سی حرفی ہے۔ اہل بیت، خلفائے راشدین رضوان اللہ اجمعین اور دیگر بزرگانِ دین کی مدح و منقبت میں آب دار اشعار لکھے ہیں۔ سب سے آخر درود شریف شمس الضحیٰ ہے۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

ہر کہ ہر روز بخواند در دین و دنیا محترم گردد و بندہ در وقتیکہ ایں درود شریف تصنیف کرد مشکل کشائی کارِ خود فی الفور از جناب الٰہی حاصل نمود۔ درودِ مکرم ایں است۔ اس درود شریف کے ۱۹ اشعار ہیں۔ سلاست و روانی اور مطالب کی فراوانی میں بے نظیر و بے عدیل ہے۔ اسی طرح آپ نے جو کتابیں فارسی و اردو نثر میں لکھی ہیں اُن کی زبان اور اسلوبِ بیان بھی مشکل نہیں، تمام نثر سادہ ہے۔ مگر اس زمانے کے طرز انشاء اور مذاقِ علمی کے مطابق اکثر فقرات نثر مرجز و مقفیٰ میں بھی ہیں مگر اس خوبی کے ساتھ کہ نہ تو کلام میں تصنع و تکلف واقع ہوا ہے اور نہ نقصِ روانی و تعقیدِ معانی نے راہ پائی ہے۔

اردو نثر میں عربی و فارسی کے الفاظ و تراکیب بھی بکثرت پائی جاتی ہیں مگر تمام الفاظ و تراکیب خوبی و وقار الکلامی کے ساتھ استعمال ہوئی ہیں کہ کہیں ثقالت پیدا نہیں ہوئی۔

۲۱۔ خزینۃ الاصفیاء: فاضل مولف کی یہ معرکۃ الآرا کتاب اردو لباس میں بعد اندازِ زیبائی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ صوفیائے اسلام کا ایک مستند تذکرہ ہے جس پر دنیائے تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ اس دور میں بزرگانِ دین کے جتنے تذکرے یا سوانحی حالات مختلف انداز میں اہل ذوق کی تشنہ کامی کو تسکین بخشتے رہے ہیں وہ اسی خزینہ کے جواہر پارے ہیں۔ یہ مستند

تذکرہ تمام تذکرہ نگاروں کے سامنے رہا اور اسی بنیاد پر اہل قلم اپنے اسلوبِ تحریر کی عمارتیں کھڑی کرتے گئے۔

خزینۃ الاصفیاء تاریخی نام ہے۔ نہایت فصیح و بلیغ، رواں و شستہ فارسی نثر میں ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور متقدمین و متاخرین صوفیاء و علماء و شعراء کے حالات نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ درج کئے ہیں اور ساتھ ساتھ ماخذ بھی بیان کئے ہیں جس سے مصنف کے وسیع مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے پہلے کوئی ایسا جامع تذکرہ نہ تھا جس میں مفصل حالات ان بزرگوں کے ملتے ہوں۔ اس میں کئی ایسے تاریخی واقعات بھی آگئے ہیں جو عام تاریخوں میں نہیں ملتے۔ یہ عظیم تذکرہ ۱۱۰۰ بزرگوں کے حالات اور ۱۱۰۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ پھر ہر ایک صوفی کی تاریخ ولادت و وفات بھی نظم میں لکھی ہے۔ ۱۲۰۰ھ میں شروع ہوا اور ۱۲۰۱ھ میں مکمل ہوا۔

تمام کتاب سات مخزنوں پر تقسیم ہے جیسا کہ خود فاضل مصنف نے "نماز کتاب" میں سبب تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ حمد و نعت کے بعد تحریر کرتے ہیں:

مے گوید بندۂ احقر الحقیر، سراپا عیب، خالی از ہنر غلام سرور خلف مفتی الشرع الامجد غلام محمد بن مولانا مفتی رحیم اللہ قریشی اسدی الہاشمی مہروردی لاہوری غفر اللہ ذنوبہٗ و ستر عیوبہٗ فی الدنیا والآخرہ۔ کہ چوں ایں خاکسار سراپا انکسار بعنایت پروردگار از تصنیف و تالیف کتاب گلدستہ کرامات اعنی مناقب حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی سید سلطان ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی الحنبلی قدس سرہ العزیز فراغت یافت بعضے دوستانِ صداقت آئین، محبان محبت گزین مکلفِ حال نیاز مآل شدند کہ مجموعۂ دیگر در احوال المشائخ دین و اولیائے اہل یقین جمع آوردہ بہ تسوید حالات و ترقیم خوارق و کرامات آں حضرت جداجدا سلسلہ وار پردازد۔ تا سالکانِ طریقت و طالبانِ ہدایت را بوقوف حالاتِ مشائخِ عظام فیض عام و فائدہ تام حاصل گردد و شوق بر شوق و ذوق بر ذوق بیفزاید و محبت بر محبت ترقی پذیرد و برائے مولف یادگارے بر صفحۂ روزگارے بماند۔ چوں رختِ زندگانی ازیں سرائے فانی بر بندد بفاتحۂ خیر یاد شود۔ لہذا ایں کم ہمت بگفتۂ مخلصانِ اخلاص مند و محبانِ محبت پسند و علی الخصوص بامید آنکہ شنیدم کہ در روز امید و بیم۔ بداں را بہ نیکاں بہ بخشند کریم۔ توسل نجات بوسیلۂ جلیلہ حضرات تصور نمودہ بہ ہزار محنت و

رنج باجتماع ایں گنج مشغول شد و باحوال ہریک بزرگ از کتب والا رتب متقدمین و متاخرین جمع آوردہ بنیادِ ایں گنج گوہر سنج نہادہ بہ خزینۃ الاصفیاء کہ نامِ تاریخی است۔ موسوم ساختہ بہ ہفت مخزن تقسیم نمود۔

مخزنِ اوّل: در ذکر خاتم المرسلین، شفیع المذنبین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین و ائمۂ دین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مخزنِ دوم: در ذکر مشائخ خاندانِ قادریہ اعظیہ۔

مخزنِ سوم: در ذکر حضرات خانوادۂ چشت اہل بہشت۔

مخزنِ چہارم: در ذکر پیرانِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ۔

مخزنِ پنجم: در ذکر بزرگان سہروردیہ عالیہ۔

مخزنِ ششم: در ذکر خانوادہ ہائے متفرقات۔

مخزنِ ہفتم: مشتمل بر چہار حصہ:

حصۂ اول: در ذکر ازواجِ مطہرات سرورِ کائنات علیہ السلام۔

حصہ دوم: در ذکر والا درجات بنات حضرت شاہ رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حصہ سوم: در ذکر صورتِ صالحات و عارفات کہ از اہل ولایت و کرامت بودہ اند۔

حصہ چہارم: در ذکر مجانین و مجاذیبِ زمانۂ سلف و حال و خاتمۂ کتاب و چوں ہیچ مدان، سراپا نسیان در فن تنظیم نظم و نثر مہارتے و لیاقتے ندارد۔ بنا بر آں از شعرائے نامدار و سخنان باوقار امید وار است کہ در عبارتِ نثر یا قطعاتِ منظومہ مندرجۂ ایں کتاب کہ در خاتمۂ احوال ہریک بزرگ در مادہ ولادت یا وفاتِ ایشاں نوشتہ شدہ است۔ بر سہوے یا خطائے دست یابند بدستِ عطا پوشیدہ دست از انگشت نمائی باز دارند۔ بلکہ بتوانند اصلاح فرمایند۔

من دریں دنیا خطا وار آمدم! — بندۂ خاکی گنہگار آمدم!!
چوں سراپا عیبم و یکسر خطا — در جنابت دارم ایں عرض و دعا
گر خطائے رفتہ باشد در کتاب — پردہ پوشی کن تو از راہِ ثواب

گر توئی بے عیب از راہِ کرم — از سرِ اصلاح راں بر من قلم
لطف و احسان کن کہ ربّ العٰلمین — ضائع نکند اجرِ پاک محسنین!

قطعۂ تاریخ

جلوہ گر شد چو ایں خزانۂ فیض! — در جہاں مثلِ ماہِ پُر انوار
در نظرہائے خلق شد منظور — گشت مقبولِ ہر صغار و کبار
معدنِ فیض و منبعِ فضل است — کان معنی است مخزنِ اسرار
دامنِ طالبانِ حق از زر شد! — پر گہر مثلِ ابرِ گہر بار

سالِ او خازنِ خرد فرمود!
گو مقدس خزینۂ ابرار!

دیگر

گشت چو آغاز از فضل اللہ — مخزنِ عالی بذکرِ اصفیاء
ہر کہ دیدش ہمچو زر شد سرخرو — ہر کہ خواندش گشت خنداں چوں طلاء
چشمۂ فیض است بہر خاص و عام — سر بسر گنجے است گنجِ بے بہاء
معدنِ نور است از انوارِ حق! — مخزنِ سر لیست از اسرارِ حق
در ہزار و دو صد و ہشتاد و گشت — جمع ایں کنزِ معانی با صفا
باد تا باشد زمین و آسماں! — جلوہ گر ایں گنجِ معنی جا بجا

خازنِ دل گفت سرورِ سالِ او
مخزنِ اسرار گنجِ اولیاء ۱۲۸۰

خاتمۃ الکتاب

الحمدُ للہ والمنۃ کہ ایں مخزنِ عجیب و غریب بامدادِ غیبی و توفیقِ لاریبی باختتام و مدعائے دل بانجام رسید و منظورِ نظرِ اصحاب و پسندِ خاطرِ احباب گردید۔ ہر چند کہ فراہمیٔ ایں گنجینہ و اجتماعِ ایں خزینہ کارِ ایں کمینہ نبود۔ لیکن بتوجہاتِ حضراتِ اولیاء و امدادِ مشائخِ عظما۔ دولتِ ایں گنجِ بے محنت و بے رنج مفت بایں مداحِ شیخ حاصل شد و در مدتِ دو سال در ماہِ شوال یک ہزار و دو صد و ہشتاد و یک علیہ

اختتام پوشیدہ و حالات بعض حضرات کہ در ہزار و دو صد و ہشتاد و دو و سہ وفات یافتہ اند۔ بعد اختتام کتاب داخل کردہ شد کہ خالی از لطف نہ بود و بندۂ بے ہنر غلام سرور مدعی آں نیست کہ در فنِ نظم یا نثر و قوفے دارد۔ اما چوں در دنیا و عقبیٰ وسیلۂ نجات بجناب واہب العطایا نداشت و حیران و سرگردان آلِ کار خود بود۔ ناچار بر آں حضرت سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ و ائمہ ذی درجات و اولیاء والاصفات و شفیع المجرمین و ہادی المضلین و جل المتین در دنیا و دین تصور نمودہ۔ دستِ ارادت و یقین بدامانِ حق تو اماں ایشاں زد و چند واقعات بداعی آں حضرت صرف نمود و کتابے در احوالِ آں اہل کمال جمع آورد۔ بدیں امید کہ شاید حشر ایں روسیاہ سراپا گناہ بروز حشر از غلامانِ درگاہ و خادمانِ اولیاء بوقوع آید و از کمترین خادمینِ ایشاں بشمار آمدہ بہ مغفرت رسد۔ و للہ الموفق و المعین۔

قطعۂ تاریخ آغاز و اختتام از مؤلف

گشت پر از عطائے ایزد پاک — کنز خوبی و گنج محبوبی!
ابتدایش خزینۂ غوث است! ۱۲۸۰ھ — انتہایش خزانۂ خوبی! ۱۲۸۱ھ

فاضل مؤلف نے کتاب کے آغاز و اختتام میں کتاب کی تالیف و ترتیب کے مقاصد پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ ہم مفتی صاحب قدس سرہٗ کے اس عظیم علمی اور تاریخی کارنامے پر داد تحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکتے جنھوں نے اس بے بہا خزینے کو اس دور میں ترتیب دیا، جب سکھ گردی نے مسلمانوں کے کتب خانوں اور ذاتی لائبریریوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ علمی خزینے ایک ایک کرکے نذرِ آتش کر دیئے گئے تھے۔ علمی محفلیں، دینی درسگاہیں اور روحانی خانقاہیں ایک ایک کرکے ویران ہو چکی تھیں۔ اہل علم اپنی جان کی سلامتی کے لئے اپنے علم کو چھپاتے پھرتے تھے ان حالات کے باوجود مفتی صاحب نے سینکڑوں مآخذ جمع کئے اور خزینۃ الاصفیاء کو ضبطِ تحریر میں لائے۔ فاضل مؤلف کی شبانہ روز کوشش اپنے گوہر ریز قلم کو تیشۂ فرہاد بنا کر حالات کے کوہِ گراں کو چیرتی گئی اور اسے زیورِ طبع سے آراستہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ کتاب ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء میں مکمل ہوئی اور پہلا ایڈیشن لاہور میں چھپا مگر بعد میں ترمیم و اضافہ کئی ایک ایڈیشن نولکشور لکھنؤ نے مفتی صاحب مرحوم کی زندگی میں ہی شائع کئے۔

میں صرف مخزن دوم کا ترجمہ ہی کر پایا تھا اور میری صحت نے اجازت نہ دی کہ میں اپنے نانا مرحوم کی اس عظیم کتاب کا ترجمہ مکمل کر سکتا۔ چنانچہ میرے فاضل عزیز پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی ایم۔ اے نے اس کٹھن کام کا بیڑا اٹھایا اور اللہ کا شکر ہے کہ اب ترجمہ کا کام قریب الاختتام ہے۔

میں اپنے فاضل دوست حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کا ممنون ہوں کہ انھوں نے ترجمہ پر نظرثانی کی اور مفید حواشی کا اضافہ فرمایا۔ میں اپنے فاضل معاصر جناب سید شرافت نوشاہی صاحب کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے نوشاہی بزرگانِ دین کے حالات کے ترجمہ اور حواشی میں میری قابل قدر مدد کی۔ عزیز مکرم محمد عالم مختار حق کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے تصحیح کا کام بڑی محنت سے کیا۔ آخر میں اپنے محترم دوست الحاج میاں داغ علی نسیم کا بھی احسان مند ہوں جنھوں نے ترجمہ پر نظرثانی کی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ موصوف ہی کی مخلصانہ کوششوں سے مکتبہ نبویہ نے اس عظیم الشان کتاب کی طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ مکمل کتاب کا ترجمہ ڈیڑھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور پانچ جلدوں میں منقسم ہے پہلی جلد پیش خدمت ہے باقی جلدیں ان شاء اللہ سلسلہ وار پیش ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام بزرگانِ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے صدقہ میں مصنف مرحوم، مترجمین، معاونین، طالبین اور ناشرین کے گناہوں کو معاف فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اپنے رسول پاک اور بزرگانِ دین کے قدم بقدم چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مفتی محمود عالم ہاشمی

۲۳۔ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ لاہور

حمد

حمد بیحد اس ایک اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ یکتائی (اپنائیت) اس کی صفت ہے اور شکر بھی اُسی ایک اللہ کے لئے ہے جس کی مشیت سے تعینات کی تمام اقسام کا ظہور ہُوا ہے

مَالِكُ الْمُلْكِ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

وَحْدَهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

وہ ایسا کبریائی کا مالک ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے لوگ اس کی بارگاہِ لم یزلی میں سجدہ ریز ہیں۔ وہ ایسا بڑا ہے کہ دنیا کے شان و سطوت رکھنے والے بڑے بڑے شہنشاہ اس کی بارگاہ کے ادنیٰ سے بندے ہیں۔ وہ ایسا صانع ہے کہ اس نے اپنے ایک ہی حکم "کُنْ" سے کائنات کو پیدا کیا۔ وہ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ بڑے بڑے فلاسفروں اور داناؤں کی عقلیں اس کے کمالاتِ قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ صدیقین یعنی ذاتِ باری کو مشاہدۃً سچ ماننے والے اس کے جمال کی تعریف کرنے سے عاجز و قاصر ہیں۔ اہلِ عرفان کے دل اس کی ذات کے عرفان کے باب میں یُوں ہیں کہ جیسے وُہ اسے نہیں پہچان سکے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هو منفردٌ بذاتهٖ و	اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اپنی ذات و
صفاتهٖ لیس کمثلهٖ شیءٌ و	صفات میں یکتا ہے۔ اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور
هو السمیع العلیم۔	وہ سننے، جاننے والا ہے۔

نعت

اور نعت اس مالکِ کوثر تاجدارؐ کے لئے ہے، جس کے سر پہ تاجِ لولاکؐ خوب زیب دیتا ہے۔ وہ ایسا شفاعت کرنے والا نبیؐ ہے کہ رُوسیاہیوں کے گناہ اگرچہ پہاڑ کی مانند

کیوں نہ ہوں، اُس کی شفاعت کے مقابل، بموجب حکم وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی گھاس کے ایک تنکے کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ آپ ایسے رحمۃ للعٰلمین ہیں کہ آپؐ کے روحِ کونین وجود کی برکات کے ساتھ پوری انسانیت حتّٰی کہ کفّار اور گمراہ اپنے فسق و فجور کے باوجود بھی حکمِ خداوندی "لَا یُعَذِّبُھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ" کی رُو سے قہرِ الٰہی سے بچے ہوئے ہیں۔ صلّی اللہ علیہ وَعلٰی اٰلِہٖ و اَصْحابِہٖ تسلیمًا کثیرًا کثیرًا ۝

عاجز و حقیر، سراپا عیب اور ہنر سے خالی انسان، غلام سرور جو مفتیِ شریعتِ مطہرہ غلام محمد بن مفتی رحیم اللہ قریشی، اسدی الہاشمی لاہوری (غفرلہٗ ذنوبہٗ وستر عیوبہٗ فی الدنیا والآخرہ) کا بیٹا ہے۔ گزارش کرتا ہے کہ جب خاکسار نے اللہ کی مہربانی و عنایت سے کتاب "گلدستۂ کرامات"[1] جس میں حضرت محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی سید سلطان ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی الحنبلیؒ کے مناقب لکھے ہیں، کی تصنیف و تالیف سے فراغت پائی تو بعض جاں نثار ساتھیوں نے اصرار کیا کہ میں مزید ایک کتاب لکھوں جو مشائخِ دین اور اولیائے اہلِ یقین کے حالات اور ان کی کرامات و سوانح پر مشتمل ہو تاکہ راہِ طریقت پر چلنے والوں اور ہدایت طلب کرنیوالوں کو مشائخِ عظام کے حالات سے واقفیت ہونے کے علاوہ پُورا پُورا فیض حاصل ہو، اُن کے شوق و ذوق کا جذبہ پروان چڑھے اور عقیدت و محبت میں ترقی ہو۔ نیز ساری دنیا میں مؤلف کے لئے ایک یادگار بنے اور جب وُہ دنیا سے روانہ ہو تو لوگ اس کی کاوش کے پیشِ نظر اسے اپنی نیک دعاؤں میں شریک کریں۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا ہے ؎

بماند سالہا ایں نظم و ترتیب ۔۔۔ زما ہر ذرہ خاک افتادہ جائے
غرض نقشے است کز ما یاد ماند ۔۔۔ کہ ہستی را نمی بینم بقائے

لہٰذا یہ کم ہمت (غلام سرور) مخلص احباب کے مشورہ سے اور خاص طور پر یہ امید لئے ہوئے ؎

شنیدم کہ در روزِ امید و بیم ۔۔۔ بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

اپنی ابدی نجات کی خاطر ان تمام بزرگوں کا (جن کا ذکرِ خیر شاملِ کتاب ہوگا) وسیلہ ڈھونڈھے،

---

[1] اس کتاب کا تفصیلی تعارف کتاب کے دیباچہ میں دیا گیا ہے۔

خوب محنت کے ساتھ اس "تاریخی خزانہ" کو جمع کرنے میں مشغول ہوگیا اور آخر ہر ایک بزرگ کے صحیح حالات متقدمین اور متاخرین اصحاب قلم کی سیاری کتابوں سے ترتیب دے کر، اس "انمول خزانہ" کی بنیاد رکھ دی اور تاریخی نام "خزینۃ الاصفیاء" سے موسوم کرکے اسے سات حصوں (مخزن) میں تقسیم کیا:

پہلا مخزن :- خاتم المرسلین، شفیع المذنبین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدینؓ اور ائمۂ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذکر ہیں۔

دوسرا مخزن :- خاندانِ قادریہ اعلیہ کے مشائخ کے ذکر ہیں۔

تیسرا مخزن :- خاندانِ چشت اہل بہشت کے بزرگوں کے ذکر ہیں۔

چوتھا مخزن :- سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگوں کے ذکر ہیں۔

پانچواں مخزن :- بزرگانِ خاندان سُہروردیہ کے ذکر ہیں۔

چھٹا مخزن :- مختلف سلسلوں کے بزرگوں کے ذکر ہیں۔

ساتواں مخزن :- چار حصوں پر مشتمل ہے :-

حصہ اوّل : حضور سرورِ کائنات کی ازواجِ مطہراتؓ کے ذکر ہیں۔

حصہ دوم : حضور اکرمؐ کی صاحبزادیوں کے ذکر ہیں۔

حصہ سوم : اُن پاکباز عورتوں کے ذکر ہیں جو ولایت و کرامات میں ممتاز تھیں۔

حصہ چہارم : موجودہ اور گذشتہ صدیوں کے مجذوب اور دیوانہ وار فقیروں کے ذکر اور خاتمہ کتاب میں۔

یہاں یہ بات بے محل نہ ہوگی کہ اس خطا کار و ناکسار کو نظم و نثر میں چنداں لیاقت نہیں۔ اس لئے بلند پایہ شاعروں اور قابلِ عزت ادیبوں سے متوقع ہوں کہ اگر وہ کتاب کی نثر یا اُن نظموں میں جو ناکسار نے ہر ایک بزرگ کے حالاتِ زندگی کے آخر میں کہی ہیں۔ کوئی غلطی پائیں تو خطا پوشی سے کام لیں بلکہ ہو سکے تو اصلاح فرمادیں۔

من دریں دنیا خطا وار آدمم! — بندۂ خاکی گنہ گار آدمم
چوں سراپا عیبم و یکسر خطا — در جنابت دارم ایں عرض و دُعا

گر خطائے رفتہ باشد در کتاب — پردہ پوشی کن تو از راہِ ثواب
گر توئی بے عیب از راہِ کرم — از سرِ اصلاح راں بر من قلم
لطف و احساں کن کہ رب العلمین — ضائع نکند اجر پاک محسنیں

کتاب کے بارے میں مولف کے اپنے خیالات:

جلوہ گر شد چو ایں خزانۂ فیض — در جہاں مثلِ ماہِ پر انوار
در نظرہائے خلق شد منظور — گشت مقبولِ ہر صغار و کبار
معدنِ فیض و منبعِ فضل است — کانِ معنی ست مخزنِ اسرار
دامنِ طالبانِ حق زر شد! — پُر گہر مثلِ ابرِ گوہر بار
سالِ او خازنِ خزینۂ ابرار — گو مقدس خزینۂ ابرار
۱۲۸۰

ایضاً مولف کے قلم سے:

گشت چوں آغاز از فضل الٰہ — مخزنِ عالی بذکرِ اصفیاء
ہر کہ دیدش ہمچو زر شد سرخرو — ہر کہ خواندش گشت خنداں چوں طلا
چشمۂ فیضے ست بہرِ خاص و عام — سر بسر گنج ست گنجِ بے بہا!
معدنِ نوریست از انوارِ حق — مخزنِ سرّیست ز اسرارِ خدا
یک ہزار و دو صد و ہشتاد گشت ۱۲۸۰ — جمع ایں کنزِ معانی باصفا
باد تا باشد زمین و آسماں — جلوہ گر ایں گنجِ معنی جا بجا
خازنِ دل گفت سرورؔ سالِ او — مخزنِ اسرار ۱۲۸۰ ، گنجِ اولیاء ۱۲۸۰

مفتی غلام سرور لاہوری حنفی عفی عنہ

ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدینؓ و ائمہ کرامؒ

۱۔ حضور خاتم المرسلین، شفیع المذنبین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور شاہِ رسالت خاتم النبوت علیہ السلام والصلوٰۃ والتحیۃ اللہ تعالیٰ کے بعد تمام مخلوق میں سے برتر ہیں اور ساری موجودات کا وجود آپ کے وجود کی برکت سے قائم ہے جیسا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے،

اوّل ما خلق اللہ نوری وکل خلائق من نوری۔ — خدا نے سب سے اوّل میرے نور کو پیدا فرمایا اور میرے نور سے پھر ساری مخلوق کا ظہور ہوا۔

اسی طرح آپ کا یہ برحق کلام بھی حدیثِ قدسی کا ایک حصّہ

لولاک لما خلقت الافلاک۔ — اگر آپ کا وجود نہ ہوتا تو میں عالم ایجاد کی نیرنگیاں پیدا نہ کرتا۔

اس حقیقت پر ایک قوی دلیل ہے اور حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم قریش مکہ کے شریف قبیلہ بنی ہاشم سے صحیح الطرفین تھے۔ عالی قدر والد عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف تھے اور والدہ ماجدہ بی بی آمنہ۔ وہب بن عبد مناف کے قبیلہ سے تھیں۔ حضورؐ کے اسمائے صفاتی بہت زیادہ ہیں، ان میں سے ننانوے نام اپنی عظمت و خصوصیت کے اعتبار سے خاص و عام کی نوکِ زبان پر ہیں اور مستند کتابوں میں درج ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں،

(۱) محمد (۲) احمد (۳) حامد (۴) محمود (۵) مصطفیٰ (۶) مرتضیٰ (۷) خاتم النبیین (۸) شفیع المذنبین (۹) رحمۃ للعالمین (۱۰) وحید (۱۱) طاہر (۱۲) یٰسین (۱۳) رسولؐ (۱۴) نبیؐ (۱۵) بشیرؐ (۱۶) نذیرؐ (۱۷) مزمل (۱۸) مدثر (۱۹) نورؐ (۲۰) سراجؐ (۲۱) متوکلؐ (۲۲) کفیلؐ (۲۳) مغیثؐ (۲۴) رُوح القدس (۲۵) صاحب التاج (۲۶) صاحب المعراج (۲۷) صاحب السیف (۲۸) قیمؐ (۲۹) مسکینؐ

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اسمائے گرامی میں مسکینؐ کی نسبت کو زیادہ عزیز سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے،

اللھم احینی مسکینًا و امتنی — اے اللہ! مجھے مسکین کی حیثیت سے زندہ رکھ اور

مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین ۵

مجھے مسکین ہی کی حیثیت سے موت آئے اور مجھے مساکین کے گروہ ہی سے اٹھائیو۔

چونکہ آپؐ کی ذات بابرکات خود مسکین تھی اس لئے یتیموں اور مسکینوں کو آپ بہت قریب رکھتے تھے اور ان کی حمایت اور رعایت کے لئے دل و جان سے کوشش فرماتے تھے اور اپنے اصحاب پاکؓ کو بھی یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کے سلسلہ میں بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آپ کے مقدس نام کو ہر ایک آسمانی صحیفہ میں لکھا ہے۔ چنانچہ توریت میں حامد، محمود، قتال اور انجیل میں احمد، فارقلیطا اور قرآن پاک میں محمد و احمد کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

عاشق صادق حضرت شاہ ابوالمعالی قادری کرمانی لاہوریؒ حضور اکرمؐ کے حلیہ مبارک کی تعریف میں یوں کہتے ہیں:

ھو اسمر بیاض اللون و واسع الجبھۃ وازج الحاجبین واقلج الاسنان واسود العینین وملیح واقنا انف وازج الحواجب و طویل الیدین وشمام العقد ومجتمع اللحیۃ ورقیق الانامل وضیق الفاد ولیس فی بدنہٖ شعر الا لخط الصدر الی السرۃ وصورتہٗ احسن الصور وحسنہٗ حسن القمر ونورہٗ نور الشمس وکلامہٗ کلام روح القدس وقالہٗ قال الشریعۃ وحالہٗ حال الحقیقۃ وعلمہٗ علم الیقین ولسانہٗ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ قدمی سرخ یا سفید مائل بہ اتھا۔ فراخ پیشانی، باریک ابرو، کشادہ دندان، سیاہ چشم، حیا دار، لمبی نظر والی بلند ناک، بھرے ہوئے لمبے بازو، سرو قد (یعنی سیدھا جیسے مناسب ہوتا ہے) اور گنجان ریش مبارک۔ باریک بال، تنگ دہان تھا۔ آپ کے بدن مبارک پر بال نہیں تھے مگر سینۂ اقدس کے خط سے ناف تک اور آپکی نازنین صورت تمام صورتوں سے احسن ہے، آپ کا حسن چاند کے حسن سے بڑھ کر اور آپ کا نور، نور خورشید سے افضل۔ آپ کا کلام بلاغت نظام روح القدس کا کلام اور آپکی گفتگو راز شریعت اور آپکا حال حقیقت کی صورت ہے۔

لسان الذاکر و قلبہٗ عین المعرفۃ و ذاتہٗ ذات انوار الحق و دینہٗ اکرام الادیان ملتہٗ اشرف الملل و خلقہٗ احسن الاخلاق و عملہٗ امر اللہ و فعلہٗ عبادۃ اللہ وجسمہٗ خیر الاجسام واسمہٗ خیر الانام صلی اللہ علیہ و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

آپ کا علم، علمِ یقین اور آپ کی زبان خدا کا ذکر کرنیوالی زبان ہے۔ آپ کا دل معرفت کا چشمہ، آپ کی ذات انوارِ حق کا کرشمہ، آپ کا دین تمام دنیا کے مذہبوں سے بلند اور آپ کی ملت تمام ملتوں سے برگزیدہ ہے۔ آپ کا خلق عظیم اخلاقِ حسنہ کا نچوڑ، آپ کا عمل خدا کا حکم، آپ کا کام اللہ کی عبادت، آپ کا جسم مخلوق میں خیر و سعادت اور آپ کا اسمِ گرامی "خیر الانام" ہے صلی اللہ علیہ و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

حضور فخر الرسل کی ولادتِ اطہر علمائے ملت کی متفقہ رائے کے مطابق واقعہ اصحاب فیل کے سال میں، ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے روز پو پھٹنے کے بعد ہوئی۔ گویا اس تاریخی واقعہ کو گزرے ابھی چالیس یا پچپن روز ہی گزرے ہوں گے۔

بعض بزرگوں کا خیال یوں ہے کہ حضورؐ کی ولادت اور ابرہہ کا حملہ (واقعۂ اصحاب فیل) دونوں ایک ساتھ ہوئے۔ ایک لحاظ سے نوشیرواں کے زمانہ میں، اس کی حکومت کے بیالیسویں سال میں حضورؐ عالم آراء ہوئے جبکہ سکندرِ اعظم مقدونوی کو دنیا سے رخصت ہوئے چھ سو بہتر برس کا عرصہ بیت چکا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضورؐ کی ولادت تک کل چھ سو سال کا فرق تھا۔ چالیس برس کی عمر میں رمضان المبارک کے رحمت بھرے مہینہ کے اندر آپ پر کلام الٰہی کا نزول شروع ہوا۔ بعض علمائے حدیث کے بیانات کے مطابق وحی نازل ہونے کی ابتداء حضورؐ کی عمرِ عزیز کے اکتالیسویں سال میں ۲۔ ربیع الاول کو پیر کے روز ہوئی۔

وہ معجزے جو نبی اکرم علیہ التحیۃ والثناء سے ظاہر ہوئے، پہلے انبیاء میں سے یوں کسی نے بھی نہ دکھلائے۔ ان کی تفصیل پرانے بزرگوں کی کتابوں مثلاً معارج النبوت، مدارج النبوت، اعجاز نبوی اور صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہے۔ جیسے نزولِ قرآن کا معجزہ اور اس کی

فصاحت اور معجزہ شق القمر وغیرہ۔ یہ معجزات ایک ہزار سے زائد بیان ہوئے ہیں۔

حضور اکرمؐ صاحب التسنیف والتاج" کا عروجِ معراج (مشاہداتِ معراج) علمِ حدیث کے اکثر علماء کے فیصلہ کے تحت ربیع الاوّل میں بعثتِ نبویؐ کے بارھویں سال ہوا۔ بعض اصحاب شوال کا مہینہ اور بعثت کا گیارھواں سال بتاتے ہیں لیکن ۲۷۔ رجب المرجب کی شب پر اکثر علماء متفق ہیں اور اسی تاریخ کو زیادہ معتبر خیال کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اور بھی بہت سی روایات موجود ہیں۔

آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت میں ماہِ صفر کی ستائیسویں رات کو یا یکم ربیع الاوّل کو بعثت کے تیرھویں سال ہجرت فرمائی اور آپؐ نے مکہ معظمہ کی آبادی سے انوار یا جمعرات کے دن باہر قدم اٹھایا۔ بعض ائمہ دین کے فرمان کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضہ جمعرات کو گھر سے نکلے اور غار سے نکلنے اور مدینہ منورہ کی طرف رُخ کرنے کا دن سوموار تھا۔ یا ممکن ہے اس کے برعکس واقعات ہوں۔ بہرحال مدینہ طیبہ میں داخلہ بارہ یا اٹھارہ ربیع الاوّل پیر کے روز ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بوقت چاشت بروز سوموار ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوا۔ وصال کے وقت آپؐ مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ ایک مورخ نے آپؐ کا وصال ۲۔ ربیع الاول ہفتہ کی سحری بیان کیا۔ بعض کتابوں میں جمعہ کا دن لکھا گیا ہے۔ مستند بات یہ ہے کہ آپؐ کا وصال سوموار کو ہوا اگر آپؐ کو بدھ کے دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔ آپؐ کی عمر مبارک ۶۳ سال کی تھی۔ بعض حضرات نے ۶۵، ۶۰ اور ۶۲ سال ۶ ماہ لکھی ہے۔ ان حضرات نے مختلف حالات سے عمر مبارک کا تعین کیا ہے۔ مستند علماءِ تاریخ نے ان تمام اقوال کو سامنے رکھ کر ۶۳ سال پر اتفاق کیا ہے لیکن مندرجہ بالا اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعضوں نے سنِ ولادت اور سنِ وفات شمار نہیں کیا اور بعض نے قمری شمسی دنوں کا شمار کیا ہے۔ "تاریخِ وفات:

رفت چوں از جہاں جناب نبی — ہمچو خور گشت در زمین مستور
نورِ حق بود وصل شد با ذات — پردہ میم شد ز احمد دور
گفت جبرئیل سالِ ترحیلش — اے بگو مہر شد سراپا نور

۲۵۶ — ۲۲۵ = ۱۱

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برگزیدہ ساتھیوں اور پُرعظمت جاں نثار صحابہؓ میں سے تھے اور افضل البشر پیغمبرِ اسلام کے بعد خلافتِ راشدہ کے پہلے امیر تھے آپ کی کنیت ابوبکرؓ، لقب صدیق اکبر اور عتیق تھا۔ آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن ابی قحافہ بن عثمان بن عامر بن عمر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ تھا۔ والدہ ماجدہ کا نام اُم الخیر سلمیٰ بنت صخر بن امر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ تھا۔ گویا آپ کے والدین کا نسب چھٹی پشت میں مرّہ سے جا ملتا ہے، جن کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتویں پشت میں شمار ہوتے ہیں۔ اس ناطہ کے ساتھ دیکھا جائے تو حضرتؓ کی نسبتِ آبائی جناب سرورِ کائنات کے ساتھ مشترک نظر آتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پیدائش متحقق روایات کے تحت، واقعۂ اصحابِ فیل کے دو سال چار ماہ کے بعد ہوئی۔ آپؓ نے صحابہ میں سے سب سے اوّل کوئی معجزہ طلب کئے بغیر اسلام قبول کیا اور رسالت کی تصدیق کی۔ اسی لئے صدیقِ اکبرؓ نام پڑا اور نبی آخر الزماںؐ کی رحلت کے دو سال تین ماہ کی مدت تک، مسندِ خلافت پر بیٹھ کر، کمال صداقت و یقین کے ساتھ احیائے اسلام کے لئے سرتوڑ کوششیں کیں اور بہت سے اُن عربوں کو جو حضورِ اکرمؐ کی وفات کے بعد مرتد ہو چلے تھے اپنی قوتِ بازو کے ساتھ راہِ راست پر لائے اور مسیلمہ کذاب کو جو اپنی نبوت کا جھوٹا اعلان کر کے ایک عظیم لشکر کی معیت میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلا تھا، تلوار سے کاٹ کے رکھ دیا۔

ابومسعود انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود اپنی زبان سے ارشاد فرمایا: میں نے حضورؐ کی پیغمبری سے قبل ایک رات خواب میں دیکھا کہ نور کا ایک بہت بڑا لقمہ آسمان سے نازل ہوا ہے اور حرم کعبہ میں نازل ہو کر تمام کرۂ ارضی میں پھیل گیا ہے اور مکۃ المکرمہ کا کوئی گھرانہ ایسا نظر نہ آتا تھا جہاں اس نور کی جلوہ گری نہ ہوئی ہو۔ پھر وہ سارا نور ایک معین صورت میں مجتمع ہو کر میرے گھر میں آگیا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے یہ خواب

یہود کے ایک بہت بڑے عالم کے سامنے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ اس خواب کی تعبیر ادھوری ہے (کیونکہ) یہ توہمات کے سوا کچھ بھی نہیں اور اس پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

چند سال گزرنے پر میں تجارتی سفر پر گیا۔ جب ہم بحیرہ راہب کے ٹھکانے "دیر بحرا" پر پہنچے تو میں نے بحیرہ راہب سے ملاقات کی اور اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ اس نے کہا:

"تو کون ہے؟"

میں نے کہا: "میں قریشِ مکہ میں سے ایک فرد ہوں۔"

بحیرہ راہب بولا: "خدا تمہی سے ایک پیغمبر مبعوث فرمائے گا جس کا تو مشیر و نائب ہوگا۔"

جب حضورؐ کی رسالت کا ڈنکا بجا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی تو میں نے (حق الیقین کی خاطر) کوئی خاص دلیل چاہی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میری رسالت کی دلیل تیرا وہ خواب ہے جس کی تعبیر تجھے بحیرہ راہب نے بتائی تھی۔"

میں نے عرض کیا: "حضورؐ آپ نے یہ حال کس سے سن لیا؟"

حضورؐ نے فرمایا: "حاملِ وحی جبریلؑ سے۔"

پھر اسی وقت میں نے صدق دل سے یہ الفاظ کہے "لا الٰہ الا اللہ، انت (محمدؐ) رسول اللہ۔"

شواہد النبوت کے مصنف نے یوں لکھا ہے:

"حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ ایک دن میں ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا تھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ اس درخت کی ایک شاخ میری طرف لچکی اور میرے سر تک پہنچ گئی۔ اس دہشت میں سے میں نے ایک عجیب آواز سنی کہ پیغمبر آخر الزماںؐ فلاں وقت میں پیدا ہوں گے اور تجھے ان کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کرنی چاہئے تاکہ تو "صدیق" ہو جائے۔

میں نے اس شاخِ سبز سے کہا کہ صاف صاف کہو وہ پیغمبر کون ہے اور اس کا نام کیا ہوگا؟"

جواب ملا: "محمد بن عبداللہ قریشی، مکی، ہاشمی۔" میرے دل نے کہا وہ تو میرا حبیب و مونس ہوگا۔"

"تب میں نے اس درخت سے عہد لیا کہ حضورؐ جب مبعوث ہوں مجھے پھر بشارت دینا۔"
جب حضورؐ کی بعثت ہوئی تو اس درخت سے پھر صدا آئی: اے ابن ابوقحافہ ہوشیار باش کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی پہلی وحی نازل ہوگئی۔ اب جلدی ایمان لانے کی کوشش کریں تاکہ اسابقون کے گروہ میں ہو جاؤ اور اُن کی رسالت کی جلدی تصدیق کرو کہ دنیا کے صدیقوں میں تمہارا نام لکھا جائے۔ چنانچہ میں فوراً آنحضرتؐ کی خدمت میں اس مقصد کے لئے حاضر ہوا اور آپ نے بھی مجھے معاً اسلام کی دعوت دی تو میں فوراً پکار اٹھا:
"اشھدُ ان لا الٰہ الا اللہ واشھد انّک رسُول اللہ۔"

ایک رات چند مہمان حضرت صدیق اکبرؓ کے گھر آئے۔ خود حضرت ابوبکرؓ اس وقت بارگاہِ نبویؐ میں حاضر تھے۔ نمازِ عشاء سے فراغت پانے کے بعد جب آپؓ گھر پہنچے تو پوچھا کہ مہمان شام کا کھانا کھا چکے ہیں یا نہیں؟
گھر والوں نے کہا: ہم نے اُن کے سامنے دسترخوان چُن دیا تھا لیکن انھوں نے کھانا نہیں کھایا، ان کی منشاء غالباً یہ ہے کہ آپ بھی شامل ہوں تو مل کر کھایا جائے۔"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصال سے پہلے وصیت کی کہ جب میرا انتقال ہو تو میرا تابوت سرکارِ دو عالمؐ کے روضہ اطہر کے سامنے رکھا جائے اور کہا جائے "السلامُ علیکَ یا رسول اللہ، ابوبکر آستانہ عالیہ پر حاضر ہے۔ اگر دروازہ خود بخود کھل جائے تو مجھے اندر دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع میں دفنانا۔" جب وصیت کے مطابق آپ کا تابوت لایا گیا تو ابھی تک کلمات پورے نہ ہوئے تھے کہ دروازہ خود بخود کھل گیا اور آواز آئی "دوست کو دوست کے پاس لے آؤ"۔ چنانچہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جوارِ حبیبؐ میں دفن کر دیا گیا۔

آپؓ کا وصال ۲۲۔ جمادی الآخر ۱۳ھ بروز سوموار ہوا۔ ایک روایت میں منگل کی رات لکھا ہے۔ بعض کتابوں میں جمعہ ۲۲ اور ۲۳ ماہ جمادی الآخر بھی تحریر ہے۔ وصال کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔

حضرت صدیقِ اکبر یارِ غار — حاکمِ دین والیِ کون و مکاں
بود مقبول احد آں ذات پاک — از احد شد سالِ ترحیلش عیاں
بازسالِ انتقالش گفت دل — آہ اے سرور ولی رفت از جہاں

۱۳ = ۳۶ — ۵۹

۳۔ امیر المومنین سیدنا عمر ابن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کنیت ابو حفص، لقب فاروق الاعظم اور اسم گرامی عمر ابن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ ابن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب۔ آپ کی والدہ کا نام حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ یا بنت ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ اس لحاظ سے وہ یا تو ابوجہل کے چچا کی لڑکی یا ابوجہل کی بہن تھیں۔ آپ کا نسب والد کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب نامہ کعب پر ملتا ہے۔ (کعب رسول اکرمؐ کے جد ہشتم تھے اور حضرت عمرؓ کے جد نہم تھے)

حضرت عمرؓ کی ولادت واقعہ فیل سے تیرہ سال قبل ہوئی تھی اور بعثتِ رسول پاکؐ کے چھٹے سال ایمان لائے تھے۔ آپ سے پہلے صرف چالیس مسلمان ہوئے تھے۔ جس دن حضرت عمرؓ ایمان لائے تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی:

یاایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک من المومنین۔

بروز منگل ۲۰ جمادی الآخر ۱۳ھ کو آپ مسندِ خلافت پر بیٹھے۔ آپ کی مدتِ خلافت دس سال آٹھ ماہ تھی۔

شواہد النبوت کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلی اُمتوں میں محدثین ہوا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان سے گفتگو کیا کرتے تھے مگر میری امت میں حضرت عمرؓ ایسے شخص ہیں جن کی زبان سے اللہ تعالیٰ خود گفتگو کرتے ہیں۔ یہاں اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ جس معاملہ میں صحابہ رسول گفتگو کرتے تھے، حکم الٰہی حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق نازل ہوا کرتا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ اس حدیث کے راوی ہیں کہ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ڈول میں نے کنویں میں ڈالا اور اس سے پانی کھینچنے لگا اور اس وقت تک پانی کے ڈول کھینچتا رہا جب تک اللہ نے چاہا۔ اس کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پانی کھینچنے لگے۔ ابھی آپ نے دو ایک ڈول کھینچے تھے کہ تھک گئے رضی اللہ عنہ۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور ڈول کھینچنے لگے۔ میں نے آپ سے زیادہ طاقت ور کوئی نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے تمام حوض کو پانی سے بھر دیا اور خلقِ خدا کو سیراب کر دیا۔ یہ عہد خلافتِ عمر کی طرف اشارہ تھا۔ آپ نے

فارس کے ہزاروں شہر اور قصبے فتح کئے اور بے پناہ لوگ دامنِ اسلام میں آئے۔

ایک دن جمعہ کے روز آپ برسرِ منبر خطبہ دے رہے تھے۔ اسی اثنا میں تین بار خطبہ کے دوران "یا ساریۃ الجبل" پکارا اور پھر خطبہ میں مشغول ہو گئے۔ حاضرینِ مجلس ان بے تعلق جملوں سے متعجب تھے۔ حتیٰ کہ عبدالرحمان بن عوف نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: میں نے نظرِ کشف سے دیکھا کہ ساریہ اور اس کے لشکری ایک پہاڑ کے دامن میں لشکرِ کفار سے لڑ رہے ہیں اور قریب ہے کہ انہیں شکست ہو۔ میں نے یہ حال دیکھا تو بے قرار ہو گیا۔ میں نے انہیں للکارا کہ تم پہاڑ کے پیچھے چلے جاؤ۔ چنانچہ انہیں کفار کے لشکر سے نجات مل گئی۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری آواز ان تک پہنچا دی ہو گی۔ ابھی کچھ عرصہ گزرا تھا کہ ساریہ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ میں پہنچے اور بتایا کہ جمعہ کے روز ہم لشکرِ کفار سے لڑ رہے تھے۔ صبح سے لے کر نماز ظہر تک ہم مصروفِ پیکار رہے۔ میں نے دیکھا کہ کفار کا بے پناہ لشکر ہمیں گھیرے میں لے رہا ہے۔ کسی منادی کرنے والے نے پکارا۔ یا ساریۃ الجبل۔ چنانچہ ہم نے پہاڑ کے دامن میں لشکرِ کفار کا مقابلہ کیا تو فتح یاب ہو گئے۔ کہتے ہیں یہ مقام مدینہ پاک سے ایک ماہ کے راستہ پر تھا۔

جس وقت مصر فتح ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے عمرو بن العاص کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اسی سال مصری لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے، دریائے نیل کی عادت ہے ہر سال اس ماہ ایک خوب صورت کنواری لڑکی کو اس دریا کی بھینٹ چڑھایا جاتا ہے۔ ہم لڑکی کے والدین کو حسبِ خواہش روپیہ دے کر خوش کر لیتے ہیں اور لڑکی کو خوب صورت لباس پہنا کر دریا میں پھینک دیتے ہیں۔ اس طرح دریائے نیل کا پانی پورا ایک سال رواں دواں رہتا ہے ورنہ خشک ہو جاتا ہے اور قحط رونما ہو جاتا ہے جس سے فصلوں کو بڑا نقصان ہوتا ہے۔ اس سال بھی اگر یہ نذرانہ پیش نہ کیا گیا تو نیل خشک ہو جائے گا اور فصلیں تباہ ہو کر رہ جائیں گی۔

حضرت عمرو ابن العاص نے یہ سارا واقعہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا۔ وہاں سے جواب آیا کہ اسلام اس قسم کی رسوم کو ختم کرنے آیا ہے۔ ایسی بات کو اسلام قطعاً تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ چنانچہ اس قسم کی رسوم ادا کرنے کی کسی کو اجازت نہ دی جائے۔ کہتے ہیں، ابھی تین ماہ گزرے تھے کہ دریائے نیل خشک ہو گیا۔ رعایا برباد ہونے لگی۔

اور لوگ قحط سے نقلِ مکانی پر مجبور ہو گئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے دوبارہ صورت حال لکھ کر حضرت عمرؓ سے مشورہ لیا کہ بے آبی سے لوگ تباہ ہو رہے ہیں اگر آپ امداد فرمائیں تو رعایا آباد ہو سکتی ہے ورنہ حالات بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے یہ بات سنتے ہی ایک رقعہ دریائے نیل کو لکھا جس میں یہ الفاظ تھے:

من عبد اللہ الامیر المومنین عمر الی نیل مصر۔ اما بعد فانك ان كنت تجری من قبلك فلا تجری ان كان اللہ الواحد القهار ان تجریك فنجری فقط!

(امیر المومنین عمر کی طرف سے دریائے نیل مصر کے نام۔ اگر تم خود جاری ہو تو رک جاؤ لیکن اگر اللہ واحد قہار کے حکم سے چلتے ہو تو تمہیں جاری رہنا پڑے گا)

آپ نے حاکمِ مصر کو بھی لکھا کہ میرا یہ رقعہ دریا میں ڈال دینا۔ دریا اللہ کے فضل و کرم سے جاری ہو جائے گا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈالا۔ دوسرے روز دریا عام حالات سے سولہ فٹ اونچا بہنے لگا۔ چنانچہ رعایا آباد ہو گئی اور حالات معمول پر آ گئے اور دریائے نیل کی یہ عادتِ بد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔

حضرت نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی راحت القلوب میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ اپنے گھر میں آفتاب کی روشنی کی طرف رُخ کئے اپنے کپڑوں کو ٹانکے لگا رہے تھے۔ چونکہ کچھ وقت لگ گیا اس لیے آفتاب کی گرمی نے آپ کو متاثر کیا۔ آپ نے اپنی خشمگیں نگاہ آفتاب کی طرف اٹھائی تو آفتاب سیاہ ہو گیا اور ساری دنیا پر سیاہی چھا گئی۔ اس حال سے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے متفکر ہوئے۔ اسی وقت حضرت روح الامین حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! آج آفتاب نے آپؐ کے عمر کو خشمگیں کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے نورِ آفتاب گہنا گیا ہے۔ ہاں اگر حضرت عمرؓ آفتاب کا گناہ معاف کر دیں تو آفتاب کی روشنی لوٹائی جا سکتی ہے ورنہ قیامت تک آفتاب کو اسی طرح سیاہ رو رہنا پڑے گا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمر فاروقؓ کو طلب کیا اور فرمایا کہ آفتاب کا گناہ معاف کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے رقعہ دیا اور آفتاب کا نورِ عالمتاب اسے لوٹا دیا گیا۔

راحت القلوب میں ایک اور روایت بھی درج ہے کہ جب حضرت امیر المومنین حضرت عمرؓ

نے شاہ روم قیصر سے خراج طلب کیا تو اسے ذرا تامل اور توقف تھا۔ اس نے اپنے خفیہ جاسوس آپ کی خدمت میں بھیجے تاکہ آپ کی قوت کا مشاہدہ کر کے صورتِ حال سے آگاہ کر سکیں۔ جب یہ جاسوس مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنے جھونپڑے میں بیٹھے دیکھا جو اپنے کپڑوں کو پیوند لگا رہے تھے۔ اپنے دل میں سوچنے لگے ایسا بے وقار فقیر جو اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگا رہا ہے قیصرِ روم سے کس طرح خراج حاصل کر سکتا ہے۔ حضرتِ امیرالمومنینؓ نے نورِ بصیرت سے ان کے ان خیالات کو بھانپ لیا اور فرمایا کہ قیصرِ روم سے جو مال اور تحائف لائے ہو کہاں ہیں؟ وہ لوگ آپ کی اس بات پر حیران رہ گئے اور کانپنے لگے اور تمام حالات و کوائف بے کم و کاست بیان کرنے لگے۔ آپ نے دِرّہ اٹھایا اور روم کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: ہم نے قیصرِ روم کا سر قلم کر دیا ہے۔ جاسوس یہ بات دیکھ کر واپس روم چلے گئے۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ قیصرِ روم ایک دن دربار لگائے بیٹھا تھا، تمام اعیانِ سلطنت بھی حاضر تھے کہ اچانک ایک دیوار سے شگاف پڑا اور ایک دِرّہ برآمد ہوا، اس کی شدید ضرب نے قیصرِ روم کا سر تن سے جدا کر دیا۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے مسلمان چھپ چھپ کر اذان دیا کرتے تھے اور غاروں میں چھپ کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ جب آپ مشرف بہ اسلام ہوئے ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اذان دو۔ حضرت بلالؓ نے پہاڑ پر کھڑے ہو کر اذان دی تو کفار کے دل کانپ گئے۔ یہ اسلام کی پہلی للکار تھی جو کفار کے دلوں پر بجلی بن کر گری۔ مشرکین مل کر کہنے لگے: یہ کیا مصیبت ہے کہ مسلمان اب برملا اذان دینے لگے ہیں۔ اسی وقت شہر میں خبر ملی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی کافروں کی کمر ٹوٹ گئی اور کہنے لگے، آج جتوں کا دین دو ٹکڑے ہو گیا اور اسلام ظاہر ہو گیا۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دِرّہ ہاتھ میں پکڑے جا رہے تھے ایک دہی فروش راہ میں کھڑا رو رہا تھا۔ آپؓ نے پوچھا، کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ میرا دہی زمین پر گر گیا۔ زمین اس دہی کو نگل گئی۔ حضرت عمرؓ کو اس کی سادگی پر بڑا ترس آیا۔ آپؓ نے زمین پر دِرّہ مار کر کہا، زمین! اس

غریب کا دہی واپس کردو ورنہ انصاف کے درّہ سے تمہیں سزا دوں گا۔ زمین اسی وقت پھٹ گئی اور وہ دہی جو مٹی میں مل چکی تھی اس دہی فروش کو لوٹانے میں کامیاب ہوگئی۔ اس نے اپنا برتن بھرا اور چلتا بنا۔

اس شاہِ خلافت کی شہادت ۲۳ھ میں واقعہ ہوئی۔ ماہ محرم الحرام کی یکم بروز اتوار (بقول روایت دیگر بدھ ۲۹۔ ذوالحجہ ۲۳ھ) کو آپ ان تین زخموں سے واصلِ حق ہوئے جو ایک بدنہاد نے دھوکے سے لگائے تھے۔ ہمارے نزدیک دوسری روایت یعنی ۲۸۔ ذی الحجہ کی زیادہ صحیح ہے جو لوگ یکم محرم الحرام کو صحیح خیال کرتے ہیں ان کے ہاں سال ۲۴ھ ہے۔ آپ ۶۰ یا ۶۲ سال اور بقول دیگر ۵۸ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ آپؓ کا مزار پُرانوار حضرت صدیق اکبرؓ کے مزار کے ساتھ ہے جو سرکارِ دو عالمؐ کے پہلو میں ہے۔ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ کے مدفن کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو دفن کیا جائے گا۔ یہ دونوں بزرگ دو انبیاء کے درمیان آرام فرما ہیں اور ان کے درمیان سے اٹھیں گے۔

جانشینِ مصطفیٰؐ حضرت عمرؓ — بود بر فرشِ زمیں عرشِ آسمان!
سالِ تاریخ وصالِ آں جناب — گو ز عالم رفت محبوب جہان!
۲۳ھ

۴۔ امیر المومنین حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ

کنیت ابو عمر، ابو لیلیٰ اور ابو عبداللہ تھی۔ لقب ذوالنورین (آں حضرتؐ کی دو بیٹیاں آپ کے نکاح میں رہیں) تھا۔ کہتے ہیں آج تک کسی انسان کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ اس کے عقد میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، اگر میرے ہاں چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے نکاح کرتا چلا جاتا۔

لہ اس تاریخ گوئی میں ایک نکتہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ اگر عالم کے اعداد سے محبوب جہان کے اعداد نکال لیے جائیں تو باقی ۲۳ بچیں گے جو آپ کا سن شہادت ہے۔

امیر المومنین عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد المناف۔ آپ کی والدہ کا نام بیضاء تھا جو حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں اور آنحضرتؐ کے والد حضرت عبداللہ کی توام تھیں۔ آپ کا نسب والدہ اور والد دونوں نسبتوں سے آنحضرتؐ کے جد امجد عبد مناف سے جا ملتا ہے۔ عبد مناف حضرت رسول اکرمؐ کے جد چہارم اور حضرت عثمانؓ کے جد پنجم تھے۔

آپ کی ولادت واقعۂ فیل کے چھٹے سال ہوئی۔ اعلانِ رسالت کے سالِ اوّل میں ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دلالت و تبلیغ سے دامنِ اسلام میں آ گئے۔ یکم محرم ۲۴ ھ کو مسندِ خلافت پر بیٹھے اور مدتِ خلافت بارہ سال بارہ دن تھی۔

ایک دفعہ چند صحابی آپ کے گھر گئے مگر راستہ میں ایک کی نظر ایک نامحرم عورت پر جا پڑی۔ آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: کیا بات ہے۔ تم میں سے ایک شخص ایسا بھی میرے گھر آ گیا ہے جس کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہے۔ وہ شخص آگے بڑھا اور کہنے لگا: یا امیر المومنینؓ! میرا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ پر وحی آتی ہے۔ آپ نے فرمایا: وحی نہیں، نورِ فراست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کے خادموں کو عطا فرمایا ہے۔

روایت ہے کہ شہادت سے ایک رات پہلے سرکارِ دو عالمؐ آپ کو خواب میں ملے اور فرمانے لگے: عثمان! آج افطار میرے پاس کرنا ہوگی دوسرے روز آپ کو سعادتِ شہادت ملی۔

شواہد النبوت کے مولف حضرت مولینا جامیؒ لکھتے ہیں کہ ایک ثقہ راوی نے کہا ہے: میں طوافِ کعبہ میں مصروف تھا کہ مجھے ایک نابینا ملا جو طواف کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ مجھے بخش دے حالانکہ مجھے یقین نہیں آتا کہ تو مجھے بخش دے گا۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! ایسی جگہ پر تم ایسی مایوس کن بات کرتے ہو۔ اس نے کہا: میں نے ایک عظیم گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے مجھے بخشش کی اُمید نہیں۔ میں نے کہا: وہ کیا؟ اس نے بتایا کہ جس دن حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ میں بھی حضرت کے معاندین میں سے تھا۔ میں نے قسم کھائی تھی کہ جب حضرت عثمانؓ شہید ہو جائیں گے میں ان کے برہنہ منہ پر طمانچہ ماروں گا۔ جب آپ شہید ہوئے میں اندر آیا۔ دیکھا کہ آپ کا سر آپ کی بیوی کی بغل میں پڑا ہے۔ میں نے کہا: عثمانؓ کا

منہ ننگا کرو۔ بی بی نے پوچھا، تمہارا مطلب کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے قسم کھائی تھی کہ میں ان کے منہ پر طمانچہ ماروں گا۔ بی بی نے روکر کہا: تم خیال نہیں کرتے کہ اس منہ کی رسولِ خداؐ نے تعریف کی ہے۔ اپنی دو بیٹیاں اس کے نکاح میں دیں۔ اور بھی بہت سے فضائل بیان کئے۔ مگر میں نے پروا نہ کی۔ دوسرے لوگ ان کی باتیں سُن کر شرمسار ہو کر لوٹ گئے مگر میں نے زبردستی آپ کا منہ ننگا کر کے زوردار طمانچہ مارا۔ خاتون نے ایک دلدوز آہ بھری اور کہا: ظالم۔ بے رحم جا اللہ تم پر کبھی رحم نہ کرے اور تیرے گناہ معاف نہ کرے، تمہارا ہاتھ سوکھ جائے اور تمہاری آنکھوں کی روشنی چھین لے۔ مجھے خدا کی قسم ہے ابھی حضرت عثمانؓ کے گھر سے میں باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ میرا ہاتھ سوکھ گیا اور میں اندھا ہو گیا۔ مجھے امید نہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف کرے گا۔

ابن سعید غفاری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت آپ کا عصا اٹھا لیا۔ یہ وہ عصا تھا جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیا تھا۔ اس نے گھٹنے پر رکھ کر اسے توڑنے کی کوشش کی۔ لوگوں نے اسے کہا۔ یہ عصا نہ توڑو یہ رسول اللہؐ کا ہے مگر اس نے سُنی ان سنی کر دی اور عصا توڑ دیا۔ اسی وقت اس کے گھٹنے میں درد ہوا اور وہ اسی درد سے مر گیا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو جنات نے تین دن تک مسجد نبوی کی چھت پر ماتم کیا اور آپ کے مرثیہ میں ابیات پڑھتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد آپ کو تین روز تک دفن نہ کیا گیا۔ ناگاہ ہاتف نے آواز دی: اُدفنوہ ولا الصلوٰۃ فان اللہ عزوجل قد صلی علیہ۔

(انہیں دفنا دیا جائے اور نمازِ جنازہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس محبوب کا جنازہ ادا کر دیا ہے)

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۳۵ھ میں شہادت پائی۔ یہ واقعہ فاجعہ بروز جمعہ ۱۳ یا ۱۴ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ میں رونما ہوا تھا۔ وقتِ شہادت آپ کی عمر ۸۸ سال تھی۔ بعض روایات میں ۹۲ سال لکھی ہے۔ ۷۵، ۸۲ اور ۸۶ سال بھی مختلف کتابوں میں ملتی ہے۔

آپ کا مزار پُر انوار مدینہ پاک کے جنت البقیع کے قبرستان میں ہے۔

شاہ عثمان خلیف برحق — از جہاں شد بہ جنت اعظم
سال تاریخ آں سراپا عدل — اے بگو رفت عادل از عالم
۳۶

۵۔ حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہٗ

کنیت ابوالحسن، ابوتراب ہے۔ لقب اسد اللہ، حیدر، صفدر اور کرار ہے۔ نام نامی علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدالمناف تھیں۔ آپ مکہ معظمہ اور بقول دیگر خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت بروز جمعہ ۱۳۔ رجب المرجب تیس سال بعد از واقعۂ فیل ہوئی۔ آپ کی عمر بعثت کے وقت صرف گیارہ سال تھی اور جو شخص نابالغ بچوں میں سے سب سے پہلے اسلام لایا وہ آپ ہی تھے آپ ۲۵ یا ۲۶ کو مسندِ خلافت پر بیٹھے اور مدتِ خلافت پانچ سال تین ماہ تھی۔ بعض مورخین نے آپ کا دورِ خلافت چار سال نو ماہ لکھا ہے۔ وہ ائمہ اثنا عشریہ میں سے امام اوّل تھے۔

حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی صحابی کی احادیثِ فضائل میرے علم میں نہیں آئیں۔ سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے۔ ایک دفعہ حضورؐ کے چاروں جلیل القدر صحابہ آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ نے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو متوجہ فرمایا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے شبِ معراج کو مجھے خرقۂ فقر عطا کیا تھا اب اگر میں آپ کو دوں تو آپ اس کا حق کس طرح ادا کریں گے۔ آپ نے جواباً عرض کیا کہ صدق اختیار کروں گا اور صداقت کو فروغ دوں گا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہ ڈالی اور وہی بات کہی۔ آپ نے جواب دیا کہ عدل کروں گا اور مظلوم کو ظالم کے پنجے سے نجات دلاؤں گا۔ پھر حضرت عثمانؓ سے وہی سوال کیا تو آپ نے عرض کی کہ میں خرقہ فقر کے شکرانہ کے طور پر حیا اختیار کروں گا۔ تحمل اور صبر کا مظاہرہ کروں گا۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باری آئی تو آپ نے عرض کی، یا رسول اللہ! اگر اس فقیر کو خرقہ عالیہ فقر عطا کیا گیا۔ اس کے شکرانہ میں پردہ پوشی کروں گا اور حتی الامکان لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کروں گا اور مخلوق کے مصائب کو معاف

کروں گا۔ آپ حضرت علیؑ کی گفتگو سے بڑے خوش ہوئے اور فرمایا، تمہارا جواب رضائے رسولِ خدا اور رضائے خداوندی کے قریب ہے۔ یہ فقر الٰہی کا خرقہ لے لو کیونکہ یہ تمہارا ہی حق ہے تم اسے پہن لو تاکہ شہنشاہِ اولیائے امت اور پیشوائے ولایت امت ہو جاؤ۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ گھوڑے پر سواری کے لئے رکاب میں پاؤں رکھتے تو قرآن پاک تلاوت کرتے، جب دوسری رکاب پر پاؤں رکھتے تو سارا قرآن ختم کر لیتے۔

ایک دن بعد از ادائے نماز حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی مسجد میں بیٹھے تھے اور ایک شخص کو حکم دیا کہ فلاں محلہ میں جاؤ، وہاں مسجد ہوگی جس کے قریب ہی فلاں گھر میں ایک مرد اور عورت آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے ان دونوں کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ وہ شخص گیا اور دونوں کو حاضر کر دیا۔ حضرت علیؑ نے انھیں مخاطب کر کے کہا، آج رات تم لوگ کیوں لڑ رہے تھے مرد نے بتایا آج رات اس عورت کے ساتھ میرا نکاح ہوا ہے۔ میں اس کے نزدیک آیا ہی تھا کہ میرے دل میں نفرت پیدا ہو گئی۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو اس عورت سے علیحدہ رکھا اور فیصلہ کر لیا کہ اسے طلاق دے دوں۔ مگر یہ عورت مجھ سے جھگڑ رہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس عورت کو علیحدہ لے گئے اور فرمایا کہ میں تم سے ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں، بشرطیکہ تم اس کا جواب صحیح دو اور جھوٹ یا دروغ سے باز رہو۔ وہ بات یہ ہے کہ تمھیں آغازِ جوانی میں اپنے چچا زاد سے محبت تھی، وہ بھی تمہارے حسن و جمال پر فریفتہ تھا لیکن تمہارا والد نہیں چاہتا تھا کہ تمہارا اس سے نکاح ہو۔ آخر کار تم دونوں ایک رات زنا کے مرتکب ہو گئے اور نتیجتاً تم حاملہ ہو گئیں۔ تم نے یہ راز جب اپنی ماں سے کہہ دیا اور وضع حمل کی رات تمہاری ماں تمھیں باہر لے گئی۔ تمہارے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جسے تم نے کپڑوں میں لپیٹ کر دیوار کے باہر پھینک دیا مگر تم اس کو دیکھتی رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک کتا آیا اور اس نے اس بچے کو منہ میں اٹھا لیا مگر تم نے ایک زوردار تھپڑ مارا جو اس بچے کے سر پر لگا اور اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ تمہاری ماں نے اپنا آزار بند کھول کر اس کے زخم ایک کپڑے سے باندھ دیئے اور بچے کو چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئیں۔ پھر تمہیں علم نہیں کہ اس بچے پر کیا گزری۔ اس عورت نے کہا، یہ واقعہ بالکل درست ہے اور آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے، لفظ بلفظ صحیح ہے۔ اب براہِ کرم

مجھے یہ بتائیں کہ اس بچے کے ساتھ کیا گزری۔ آیا وہ مر گیا ہے یا زندہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا، خدا کی قسم جستم اس وقت اپنا شوہر بنا بیٹھی ہو وہی لڑکا ہے جسے ایک سوداگر نے اٹھا لیا تھا اور وہ اپنے ساتھ لے جا کر پرورش کرتا رہا۔ وہ بڑا ہوا تو کوفہ میں آ گیا اور تمہارے ساتھ شادی ہو گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ماں سے مجامعت کرنے سے پہلے اس کے دل میں نفرت ڈال دی۔ عورت نے کہا، اگرچہ آپ کا فرمان اور بیان بالکل صحیح اور حق ہے۔ مگر پھر بھی مجھے کوئی ایسی دلیل چاہئے جس سے میں مطمئن ہو جاؤں۔ حضرت علیؓ نے اس مرد کو بلایا اور حکم دیا کہ اپنے سر سے کپڑا اتارو اور اس عورت کو کہا کہ اس کے سر پر نشانِ زخم دیکھ لو۔ اس عورت نے جب نشانِ زخم دیکھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے قدموں پر گر گئی اور بیٹے کو ہاتھ سے پکڑ کر روانہ ہو گئی۔

ایک دفعہ کوفہ کے نواح کے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ اس دفعہ دریائے فرات میں بڑی طغیانی آئی ہے اور ہماری فصلیں تباہ ہو گئی ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ پانی کا بہاؤ شہر کو بھی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ دعا فرمائیے کہ دریا کا پانی حدِ اعتدال سے آگے نہ بڑھے اور لوٹ جائے۔ لوگوں کی درخواست سنتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دو عالمؐ کا عطا کردہ جبہ پہنا۔ پیراہن نبویؐ بغل میں لیا، عصائے محمدیؐ ہاتھ میں اور عمامہ احمدیؐ سر پر رکھا اور شہریوں کے ہمراہ دریائے فرات کے کنارے پہنچ گئے۔ دو رکعت نماز ادا کی اور فرات کے کنارے پر کھڑے ہو کر اسی عصا سے دریا کی طرف اشارہ کیا۔ ایک اشارے سے ہی ایک گز پانی نیچے گر گیا۔ اسی طرح آپ نے تین بار کیا اور تین گز پانی نیچے چلا گیا۔ جب چوتھے گز تک نوبت آئی تو اہلِ شہر چلا اُٹھے: یا حضرت اس سے کمتر نہیں ہونا چاہئے نہیں تو ہم پانی سے محروم ہو جائیں گے۔

بی بی اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ مجھے حضرت فاطمہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے اپنی شبِ عروسی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا: مجھے اس رات حضرت علیؓ سے بہت ڈر آیا کیونکہ میں نے سنا کہ زمین بھی آپ کے ساتھ باتیں کر رہی ہے۔ صبح میں نے سرکارِ دو عالمؐ سے یہ بات بیان کی۔ آپ سن کر سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا: فاطمہؓ! تمہیں پاکیزگیٔ نسب و نسل کی بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے شوہر کو تمام خلائق سے فضیلت دی ہے اور زمین کو حکم دیا ہے کہ اپنی خبریں اسے سنایا کرے اور مشرق و مغرب کے

تمام حالات اسکے پر واضح کر دے۔

حجاج بن یوسف جو بڑا فجار اور شقی القلب تھا۔ اس نے اکثر صحابہ اور شیعانِ حضرت علیؓ کو مروا دیا تھا۔ آخر کار حضرت قنبر جو حضرت علیؓ کے وفادار اور جانثار خادم تھے کو طلب کیا اور پوچھا کیا قنبر تم ہی ہو؟ اس نے کہا: ہاں! کیا تم حضرت علیؓ کے غلام ہو؟ اس نے کہا: ہیں اللہ کا غلام ہوں اور حضرت علیؓ میرے ولی نعمت ہیں۔ حجاج نے کہا! اس کے دین سے توبہ کرو۔ قنبر کہنے لگے: حضرت علیؓ کے دین سے کوئی بہتر دین دکھاؤ۔ حجاج نے گرج کر کہا: میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ بتاؤ تمہیں کس طرح قتل کیا جائے۔ حضرت قنبر نے کہا: تمہیں اختیار ہے لیکن یاد رکھو جس اذیت سے تم مجھے قتل کرو گے اسی اذیت سے کل تمہیں قتل کیا جائے گا۔ مجھے تو میرے آقا حضرت علیؓ نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تجھے وہ شخص قتل کرے گا جو روئے زمین کے بدترین ظالموں میں سے ہوگا۔ حجاج نے اسے قتل کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ دورانِ سفر میدانِ کربلا میں پہنچے اور دائیں بائیں دیکھنے لگے اور روتے روتے اس دہشت ناک جنگل سے گزرے اور کہتے جاتے تھے، خدا کی قسم یہاں ان کے اونٹ بیٹھیں گے۔ یہاں وہ قتل کیے جائیں گے۔ احباب نے حضرت علیؓ سے پوچھا، یہ کون سی جگہ ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ وہ جنگل ہے جس میں ایسی قوم قتل کی جائے گی جو بلا حساب و کتاب داخلِ جنت ہوں گے اور ان کے قاتل اللہ کی بارگاہ کے دھتکارے ہوں گے۔

جنگِ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ساتھی تشنگی کا شکار ہوئے تو آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا کہ اسے کھودا جائے۔ جب تھوڑی سی جگہ کھودی گئی تو نیچے چٹان نکل آئی۔ کوئی ہتھیار اس پر کارگر نہیں ہوتا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ پتھر پانی کے منہ پر ہے۔ ہمت کر کے اسے توڑ دو۔ سپاہیوں نے بے پناہ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر کار حضرت علیؓ اپنی اونٹنی سے اترے اور آستین لپیٹ کر دو انگلیوں کے اشارے سے چٹان کو اکھاڑ پھینکا۔ پتھر کے نیچے سے ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ برآمد ہوا۔ تمام نے پیا۔ سارا لشکر سیراب ہو گیا۔ آپ نے وہی پتھر اس چشمہ کے منہ پر رکھ دیا اور مٹی سے بھر دیا۔ نزدیک ہی ایک عیسائی عبادت گزار (راہب) رہتا تھا۔ آپ کے پاس دوڑا دوڑا آیا اور کہنے لگا کیا آپ پیغمبر خدا ہیں۔ آپ نے

فرمایا، نہیں! پھر پوچھا کہ آپ فرشتہ مقرب ہیں؟ کہا، نہیں۔ کہنے لگا: پھر آپ کون ہیں؟ آپ نے جواب دیا، میرا نام علی ہے اور حضرت پیغمبر آخرالزماں کا بھائی ہوں اور میرا دین اسلام ہے۔ راہب کہنے لگا، اپنا ہاتھ مجھے دیجئے۔ میں آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوتا ہوں۔ چنانچہ وہ راہب مسلمان ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے راہب سے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے مسلمان ہونے اور ہمارے پاس آنے پر مجبور کیا۔ اس نے بتایا یہاں ایک بہت قدیم بت خانہ ہے۔ اس بت خانہ کے بانی کی ایک کتاب ہے جس میں لکھا ہے کہ فلاں مقام پر ایک چشمہ ہے جس پر ایک بڑا سا پتھر ہے۔ کوئی اس پتھر کو اٹھا نہیں سکے گا البتہ کوئی پیغمبر یا اس کا جانشین یہ کام سرانجام دے گا۔ میں انتظار کرتا رہا کہ وہ شخص کب آتا ہے۔ آپ نے پتھر اٹھایا۔ پانی پیا۔ میں سمجھ گیا جس شخص کی مجھے تلاش تھی آپ ہی ہیں۔ جب حضرت نے یہ بات سُنی تو بڑے روئے۔ حتیٰ کہ آپ کی ریش مبارک تر ہو گئی اور فرمایا: الحمد للہ الذی لم اکن عندہ منیاً وکنت فی کتبہ مسطوراً۔

وہ راہب حضرت امیر کا غلام بن گیا اور شامیوں سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔ جب حضرت شاہ رسالت مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے تو ایک صحرا سے گزر ہوا جہاں پانی نہیں تھا۔ مسلمان لشکر بڑا پیاسا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ سے نیچے اترے اور فرمایا: نزدیک ہی ایک کنواں ہے۔ مسلمانوں میں سے کون ہے جو اس کنویں کی طرف جائے اور پانی لائے۔ میں ایسے شخص کا جنت میں ضامن ہوں گا۔ ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا، یارسول اللہؐ! میں جاؤں گا۔ سرکارِ دو عالم نے چند آدمی اس کے ساتھ لگا دیئے اور مشکیزہ بردار بھی ساتھ بھیج دیئے۔ سلمہ ابن الاکوع کہتے ہیں۔ میں بھی اسی جماعت کے ساتھ تھا۔ جب ہم اس کنویں کے پاس پہنچے وہاں بڑے میوہ دار درخت تھے اور بڑی دردناک آوازیں آ رہی تھیں اور بڑی بری حرکات دیکھنے میں آئیں۔ ہمیں ہمت نہ ہوئی کہ وہاں سے گزریں۔ مجبوراً واپس آ گئے اور واپس آ کر صورتِ حال آں حضرتؐ کے گوش گزار کر دی۔ آپ نے فرمایا: یہ سب شیاطین کا کارنامہ ہے جو ڈرا دھمکا رہے ہیں۔ اگر تم چلے جاتے تو تمہارا کچھ نہیں بگڑ سکتا تھا۔ ایک اور شخص اٹھا اور کہنے لگا مجھے بھیجا جائے چنانچہ وہ بھی مشکیزہ برداروں کی جماعت کے ساتھ روانہ ہوا اور اسی طرح خالی ہاتھ واپس آ گیا۔ رات آ گئی اور لشکر پر پیاس کی شدت بڑھتی گئی آخرکار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دو عالمؐ نے

اشارہ فرمایا تو آپ مشکیزہ برداروں کی ایک جماعت لے کر آگے بڑھے۔ سلمہ بن الاکوع کہتے ہیں کہ جب ہم لشکر سے باہر آئے تو مشکیزے اٹھائے ہوئے اور تلواریں سنبھالے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قیادت میں آگے بڑھے۔ جب ہم درختوں کے جھنڈ کے پاس پہنچے تو وہی دہشت ناک آوازیں اور ہولناک حرکات دیکھنے میں آئیں۔ حضرت علیؓ نے بالکل توجہ نہ دی اور پھر فرمایا: ڈرو نہیں دل مضبوط کر کے آگے بڑھتے چلو۔ تمہارا کوئی شخص کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہم درختوں کے جھنڈ میں پہنچے تو آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور بے سر جسم نظر آنے لگے۔ ان ہولناک آوازوں سے ہمارے دل ٹوٹ رہے تھے۔ حضرت علیؓ اپنے گھوڑے کو آگے بڑھائے جا رہے تھے حتیٰ کہ ہم کنوئیں کے کنارے جا پہنچے۔ ہمارے پاس ایک ہی ڈول تھا۔ ابرائی بن مالک نے ایک ڈول کنوئیں میں پھینکا تو رسی ٹوٹ گئی۔ اور کنوئیں سے قہقہوں اور ہنسنے کی آوازیں آنے لگیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: کوئی ایسا ہے جو لشکر گاہ میں جا کر رسی لائے۔ ساتھی کہنے لگے: ہمارا تو حوصلہ نہیں پڑتا۔ آخر کار حضرت امیرؓ نے فیصلہ کیا کہ خود کنوئیں میں اتریں۔ قہقہوں اور ہنسی کی آواز تیز ہوتی گئی۔ کنوئیں میں پہنچے تو آپ کے پاؤں پھسل گئے اور کنوئیں میں ایک شور برپا ہو گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص خناق کے درد سے بڑبڑا رہا ہے۔ آپ نے بہ آواز بلند اللہ اکبر اللہ اکبر انا عبداللہ اخ رسول اللہ کہا اور ہمیں آواز دی کہ مشکیزے کنوئیں میں پھینک دیئے جائیں۔ جب ہم نے پھینک دیئے تو آپ نے پانی سے بھر لیے اور باہر لے آئے۔ چنانچہ خود دو مشکیزے اور سب کو ایک ایک مشکیزہ دیا۔ راستے میں کوئی شور و غوغا نہ تھا البتہ غیب سے رسول اللہ صلعم پر صلوٰۃ و سلام کے ترانے سنائی دے رہے تھے حتیٰ کہ لشکر گاہ میں آ گئے۔ حضرت علیؓ نے تمام واقعات حضورؐ کے گوش گزار کیے۔ آپؐ نے تبسم فرمایا اور کہا:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند!

الحمد للہ تمہیں فتح ہوئی اور جنوں کے جنگ سے منہ نہیں پھیرا۔

خدائے قدوس نے دو بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پاسداری کے لئے سورج کو الٹا دیا تھا اور آفتاب مغرب سے طلوع ہوا۔ ایک دفعہ تو عہد رسالت میں بحالتِ نزولِ وحی سورج واپس آیا جبکہ آپ کی نماز عصر قضا ہو گئی۔ حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؓ کے چہرہ پر نگاہ ڈالی

تو آپؐ کو پریشان پایا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے نماز ادا نہیں کی۔ عرض کی، اشارے سے ادا کر لی۔ میرے خیال میں یہ خلافِ ادب تھا کہ آپؐ کے سر مبارک کو زانو سے ہٹاتا۔ حضورؐ نے سنتے ہی درگاہِ الٰہی میں التجا کی: "اے اللہ! علیؓ نے نماز ادا نہیں کی سورج کو لوٹا دیا جائے۔" ابھی دعا سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ سورج مغرب سے چمکا۔ اس کے پرتو کوہ و دشت پر پڑنے لگے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے نمازِ عصر ادا فرمائی۔ اس دن غروبِ آفتاب کے وقت ایک دہشت ناک آواز سنائی دی۔

دوسری دفعہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بابل کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ نے دریائے فرات عبور کرتے وقت دیکھا کہ نمازِ عصر قضا ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ نمازِ عصر ادا کر لی۔ لیکن دوسرے احباب جو اسباب و مال کو لے جانے میں مشغول تھے، نماز ادا نہ کر سکے۔ چنانچہ سورج غروب ہو گیا۔ یہ لوگ حیران و پریشان آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے — سا اللہ تعالیٰ نے سورج کو حکم دیا کہ پھر طلوع ہو جائے۔ اس وقت سورج سے ایک ہولناک آواز سنائی دی۔ یہ تمام تسبیح و تہلیل کی آوازیں تھیں۔

ایک دفعہ حضرت امیر کے ایک سپاہی پر اس بات کا الزام لگا کہ وہ لشکر کی خبر حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچاتا ہے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو قسم کھاؤ۔ اس نے فوراً قسم کھائی۔ آپ نے فرمایا: تم نے جھوٹی قسم کھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اندھا کرے۔ ایک ہفتہ گزرنے نہ پایا تھا کہ وہ اندھا ہو گیا۔

ایک دن حضرت علیؓ نے حاضرینِ مجلس کو قسم دلائی کہ جس نے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ حدیث سُنی ہے کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ وہ اس مجلس میں گواہی دے۔ وہ میری خاطر دروغ بیانی نہ کرے۔ چنانچہ حاضرینِ مجلس میں سے بارہ اشخاص نے اٹھ کر گواہی دی۔ ایک دوسرا شخص جو اس مجلس میں موجود تھا لیکن اس نے آنحضرتؐ سے

سُنا تھا مگر خاموش رہا اور گواہی نہ دی۔ آپ نے اسے مخاطب فرمایا۔ اے اللہ کے بندے! تم واقف ہوتے ہوئے چُپ رہے اور سچی گواہی نہیں دی۔ اس نے کہا: میں بوڑھا ہو گیا ہوں میرا حافظہ کام نہیں کرتا۔ یہ بات مجھے یاد نہیں رہی۔ یہ بات سنتے ہی آپ نے فرمایا: اللہ! اس شخص نے دیدہ و دانستہ حق کو چھپایا ہے اسے سزا دے۔ وُہ اسی وقت اندھا ہو گیا۔ اس کے علاوہ چند اور لوگ بھی تھے جنہوں نے دیدہ و دانستہ گواہی نہ دی اندھے ہو گئے ایسے لوگوں میں سے زید بن ارقم بھی تھے۔ وُہ کہتے ہیں کہ میں اس مجلس میں موجود تھا اور گواہی نہ دی۔ میری آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی۔ میں اس شہادت سے محرومی پر نادم ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔

ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ منبر پر بیٹھے فرما رہے تھے، میں اللہ کا بندہ ہوں! رسول اللہؐ کا بھائی ہوں۔ وارث نبی رحمت ہوں۔ سیدۃ النساء فی الجنۃ کا خاوند ہوں اور دنیا کے ولیوں کا امام ہوں۔ جو میرے اس دعویٰ پر شک کرے گا اللہ تعالیٰ اسے کسی برائی میں گرفتار کرے گا۔ ایک شخص اسی مجلس سے اٹھا اور کہنے لگا کہ کون ہے جو یہ باتیں کرتا ہے۔ کہتے ہیں اسی وقت وُہ دیوانہ ہو گیا اور لوگوں نے اسے گھسیٹ کر مسجد سے باہر کیا۔ جب تک زندہ رہا، مجنوں اور دیوانہ رہا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کو حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی فریاد رسی کے لئے کہا تو انہوں نے آپ کی بات نہ مانی تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! ان لوگوں پر ایسا حاکم مسلط کر دے جو ان پر رحم نہ کرے۔ چنانچہ حجاج بن یوسف اسی رات پیدا ہُوا اور اس کے ہاتھ سے اہل کوفہ پر جو کچھ گزری وُہ تاریخ کے صفحات بتاتے ہیں۔

ایک دن امیر معاویہؓ حاکم شام نے چاہا کہ مجھے اپنی عاقبت کا علم ہو جائے۔ حاضرین مجلس نے کہا: اس معاملہ میں آپ سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ وُہ کہنے لگا، میں یہ بات حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے دریافت کر لوں کیونکہ وُہ جو کچھ کہتے ہیں، سچ کہتے ہیں۔ چنانچہ اپنے تین خاص معتمدین بلائے اور کہا تینوں کوفہ میں چلے جاؤ۔ جب کوفہ ایک کو بس رہ جائے تو علیحدہ علیحدہ ہو جانا اور ہر ایک دوسرے کے بعد کوفہ میں داخل ہونا اور میری موت کی

خبر لوگوں کو پہنچا دینا۔ لیکن ہر ایک شخص میری بیماری، موت کے واقعات، وقت اور حالات میں متفق البیان رہے۔ چنانچہ تینوں حضرت معاویہؓ کے بتائے ہوئے طریقوں سے چلے گئے۔ سب سے پہلے ایک شخص شہر میں آیا اور حضرت معاویہؓ کی موت کی خبر سنائی۔ لوگ اسے حضرت علیؓ کی خدمت میں لے گئے تاکہ وہ اپنی زبانی موت کی خبر سنائے۔ آپ نے اس پر توجہ نہ دی۔ جب دوسرا شخص شہر میں داخل ہوا۔ اس نے بھی یہی خبر بیان کی۔ تیسرے روز تیسرا شخص آیا تو اس نے بھی اس خبر کی تائید کی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت علیؓ نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہ دی۔ آپ کے احباب نے آپ سے کہا، یا حضرت! تینوں آدمی حلفاً ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں مگر آپ پر کچھ اثر نہیں ہے۔ آپ نے سنتے ہی فرمایا: خدا کی قسم! معاویہؓ اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک میرے حاسن میرے خون سے رنگین نہ کر دیئے جائیں گے۔ جب حضرت معاویہؓ کو خبر پہنچی تو خوش ہو گیا اور کہنے لگا: حضرت علیؓ کی شہادت مجھ سے پہلے ہو گی۔

راحت القلوب میں لکھا ہے کہ ایک دن مدینہ کے بازار میں چند یہودی بیٹھے تھے۔ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ اسی اثنار میں ایک مسلمان سائل ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں بھوکا ہوں، مجھے کچھ کھانے کو دیجئے۔ یہودیوں نے از رہِ مذاق کہا: تم مسلمان ہو، دینِ محمدؐ میں داخل ہوئے ہو۔ علی شاہ مردان کے پاس چلے جاؤ، جو چاہو گے پاؤ گے۔ ابھی سائل نے جواب نہ دیا تھا کہ دُور سے حضرت علیؓ آتے دکھائی دیئے۔ وہ کہنے لگے: ان کے پاس چلے جاؤ اور سوال کرو۔ سائل وہاں سے ہٹ کر حضرتؓ کے پاس آیا اور اپنی داستانِ غم بیان کی اور یہودیوں کے طعنوں کا بھی ذکر کیا۔ آپ کے پاس اس وقت کچھ نہیں تھا۔ خیال کیا کہ ان یہودیوں نے تمسخر اڑایا ہے۔ میرے پاس سائل کو بھیجا ہے۔ مجھے افسوس ہو گا اگر خالی لوٹا۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پانچ بار صلوٰۃ خمسہ پڑھی اور سائل کے ہاتھ پر دم کر دیا۔ پنجہ بند کر دیا اور کہا: جاؤ اور یہودیوں کو دکھاؤ۔ وہ اسی طرح پنجہ بند کئے یہودیوں کے پاس گیا۔ جب کھولا تو اس میں سونے کے پانچ دینار تھے۔ حیران ہو کر دوڑے دوڑے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر تائب ہو گئے اور مسلمان ہو کر ہدایت یافتہ ہو گئے۔

عارف نامی حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شواہد النبوت میں فرماتے ہیں:
ایک نیک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے۔ تمام مخلوق میدانِ حشر میں جمع ہے میں نے دیکھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر کے کنارے تشریف فرما ہیں اور حضرت حسینؓ دائیں بائیں کھڑے ہیں اور مخلوقِ خدا کو پیالے بھر بھر آبِ کوثر پلا رہے ہیں۔ میں بھی آگے بڑھا اور پانی کی درخواست کی۔ فرمایا، آنحضرتؐ کی اجازت کے بغیر پانی نہیں مل سکتا۔ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: تمہیں ہمارے حوضِ کوثر کا پانی نصیب نہیں۔ تمہارے ہمسایہ میں ایک ایسا شخص رہتا ہے جو حضرت علیؓ کو برا کہتا ہے۔ مگر تم منع نہیں کرتے۔ میں نے عرض کیا، حضور مجھے ڈر ہے کہ اسے منع کروں تو وہ مجھے قتل نہ کر دے۔ یہ سُن کر حضور نے بغل سے ایک تیز چھری نکالی اور مجھے دی اور فرمایا: یہ لے جاؤ اور اس دشمنِ علی کا کام تمام کر دو۔ میں اسی وقت چھری لے کر آیا اور اس دشمنِ مولا علیؓ کو قتل کر دیا۔ اس کے قتل کا حال آنحضرتؐ کی خدمت میں سنایا۔ آپ نے فرمایا: حسینؓ! یہ محب علیؓ ہے اسے آبِ کوثر دے دو۔ اس نے حقِ محبت ادا کر دیا ہے۔ میں نے حضرت حسینؓ کے ہاتھ سے ایک پیالہ پانی لیا۔ مگر مجھے یاد نہیں، پی سکا یا نہیں کہ میری آنکھ کھل گئی۔ تمام رات اس خواب کی دہشت سے کروٹیں لیتا رہا۔ صبح ہوئی تو باہر شور برپا تھا کہ فلاں شخص کو کسی نے بستر میں ہی قتل کر دیا ہے۔ صبح پولیس آئی اور بے گناہ ہمسایوں کو گرفتار کر لیا۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! یہ کیسا خواب ہے جو میں نے دیکھا ہے اور اللہ نے اسے سچ کر دکھایا۔ اب بے گناہ ہمسائے گرفتارِ مصیبت ہو گئے ہیں۔ انہیں بے گناہ قید و بند میں رکھنا دین کے خلاف ہے۔ میں اٹھا اور قاضیِ شہر کے پاس گیا اور اعتراف کیا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ دوسرے لوگ بے گناہ ہیں انہیں رہا کر دیا جائے۔ رات کا سارا واقعہ سُنا دیا۔ اس نے کہا، تم بھی اس مقدمہ میں بے گناہ ہو، مقتول اپنے جُرم کی سزا کو پہنچ گیا ہے۔

امام مستغفری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ایک بدنہاد آدمی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو بُرا بھلا کہا کرتا تھا۔ سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس کے حق میں بددُعا کی۔ ایک دن وہ شخص اُونٹ پر سوار مسجد میں آیا۔ اونٹ کو دروازے پر کھڑا کر کے ایک مجلس میں آ بیٹھا۔

اسی اثناء میں اونٹ اپنی جگہ سے اٹھا اور مجلس میں آ گھسا اور اس شخص کو اٹھایا اور اپنے سینے کے نیچے رکھ کر دبانے لگا اور اس کی ہڈی پسلی ایک کر دی۔ اس طرح وہ واصلِ جہنم ہوا۔

سید کونین حضرت امام حسینؓ فرمایا کرتے تھے، جب ابراہیم بن ہشام سلطنت شام کی طرف سے حاکم مدینہ مقرر ہو کر آیا تو اس نے عجب کے دن شہر کے اعیان کو جمع کیا۔ مجھے بھی منبر کے سامنے بٹھایا اور خطبہ کے بعد میرے والد محترم کے حق میں بے ہودہ الفاظ کہنے لگا۔ میں نے اس کی لاطائل باتیں سنیں اور صبر و سکون سے بیٹھا رہا۔ ایک دن میں منبر کے پاس ہی بیٹھا تھا اور بیٹھے بیٹھے مجھے نیند نے آلیا۔ خواب میں دیکھا کہ میں رسول پاکؐ کے روضۂ اطہر کے سامنے کھڑا ہوں آنحضرتؐ کی قبر مبارک پھٹ گئی اور ایک سفید کپڑوں میں ملبوس شخص نکلا اور کہنے لگا: اے ابا عبداللہ! تمہیں ہشام نافرجام کی باتیں ناگوار تو نہیں گزرتیں۔ میں نے کہا، میں مجبوراً سن لیتا ہوں اور خونِ جگر پیتا ہوں۔ فرمایا: آنکھیں کھولو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا کر دیا ہے۔ میں نے آنکھیں کھولیں، دیکھا کہ ہشام ابھی تک منبر پر بیٹھا بد زبانی کر رہا ہے۔ تقریر مکمل کر کے اٹھا۔ چاہا کہ منبر سے نیچے اترے لیکن اس کا پاؤں پھسلا، گردن ٹوٹ گئی اور واصلِ جہنم ہوا۔

حضرت علیؓ کی وفات کے چند سال بعد ایک سیاہ دل کافر حمزہ بن قیس نامی نجف اشرف آیا۔ اس شخص کے آباؤ اجداد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ ایک رات وہ آپ کے روضہ پاک میں گھس گیا اور روضہ پاک کے تعویذ سے آپ کی نعش مبارک باہر لانے لگا ابھی مزار پُر انوار پر کوئی گزند نہ پہنچی تھی کہ قبر سے دو انگلیاں اٹھیں اور ایک ضرب کاری حیدری نے اس کا سر قلم کر دیا۔ صبح مجاوروں نے دیکھا کہ اس کی لاش روضہ اطہر کے پاس پڑی ہوئی ہے اس کے بعد بڑی احتیاط برتی جانے لگی۔ ابھی تک روضہ پاک کے پاس انگلیوں کے نشان دکھائی دیتے ہیں۔ بادشاہ نے ایک سوراخوں میں قیمتی موتی جڑاؤ کر دیئے۔ ان موتیوں کو یاقوت حسینی کہتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چھ خلفاء تھے۔ امیر المومنین حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت کمیل، خواجہ اویس قرنی، قاضی عبدالسلام شریح بن ہانی، زید الحارثی، خواجہ حسن بصری، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ فقرائے عظام اور مشائخ ذوی الاکرام کے تمام سلسلہائے تصوف

اسی واسطے سے جاری ہوئے اور روئے زمین پر یہ سلسلے پھیلے۔

آپ کی وفات بقول صحیح بتاریخ ۱۷۔ ماہ رمضان المبارک ۴۰ھ میں ہوئی۔ بعض کتابوں میں ۲۱۔ ماہ رمضان بھی لکھی ہے۔ آپ نے عبدالرحمان بن ملجم کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ آپ کی عمر مبارک ۶۳ سال تھی۔

تاریخ وفات:

مرتضیٰ شاہ علی مظہر انوار جلی — خانۂ دین نبی یافت از و آبادی
زاہد پاک چو تاریخ وصالش جستم — از خرد یاد ندا گشت کہ ہادی ہادی
۴۰ھ

۶۔ امیر المومنین حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو محمد، لقب تقی اور سید تھا۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۵۔ رمضان ۳۔ ہجری کو ہوئی۔ حضرت جبرئیلؑ نے آپ کا نام نامی ایک ریشمی ٹکڑے پر طلائی حروف میں لکھ کر حضرت شاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ اس فرزند دلبند کا نام حسن رکھا جائے۔

صحیح اقوال میں سے ثابت ہوا ہے۔ امام حسنؓ سینے سے سر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسنؓ کو اپنے کندھے پر بٹھایا تھا اور قسم کھا رہے تھے کہ یہ شبیہ رسول مقبولؐ کی شبیہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سن کر مسکرا رہے تھے۔

حضرت امام حسنؓ نے پچیس حج پا پیادہ کئے۔ ایک دفعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے۔ حضرت حسنؓ آپ کی گود میں تھے اور فرماتے تھے، میرا یہ بیٹا سید ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی وساطت سے امت کے دو بڑے گروہوں کو یکجا کر دے گا۔ یہ اشارہ حضرت معاویہؓ اور حضرت حسنؓ کی صلح کی طرف تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعان علیؓ اور فرقہ معاویہؓ کے درمیان شدید اختلاف ہوا تو حضرت حسنؓ خلافت سے

دست بردار ہو گئے اور امیر معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا اور چند شرائط کے ساتھ ایک عہد نامہ لکھ دیا۔

شواہد النبوت کے مصنف حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھتے ہیں، ایک رات حضرت حسنؓ جناب رسالتمآب کے پاس سوئے ہوئے تھے جب رات کا ایک حصہ گزرا تو آپ نے حضرت حسنؓ کو فرمایا، اب اپنی والدہ کے پاس چلے جاؤ۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! اگر حکم ہو تو رات کے اندھیرے میں میں ساتھ جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں میرا بیٹا تنہا جائے گا۔ چنانچہ آسمان سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور حضرت حسنؓ اس روشنی میں گھر پہنچ گئے۔

ایک دفعہ حضرت حسنؓ حضرت زبیرؓ کی اولاد میں سے ایک شخص کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ رات کو ایک خشک کھجور کے درخت کے نیچے قیام کیا۔ ابن زبیرؓ نے کہا، کاش یہ درخت کھجوروں سے پُر میوہ ہوتا اور ہم کھاتے۔ آپ نے فرمایا، تم کھجوریں کھانا چاہتے ہو؟ اس نے کہا، ہاں۔ آپؓ نے دعا کی اور درخت کھجوروں سے بھر گیا۔ ایک مسافر نے دیکھ کر کہا، واہ کیا جادو ہے۔ فرمایا، جادو نہیں یہ دعائے حسنؓ ہے جو کبھی رد نہیں ہوتی۔ چنانچہ لوگ درخت پر چڑھ گئے اور اتنی کھجوریں اتاریں کہ سارا قافلہ سیر ہو گیا۔

کہتے ہیں، خلافت معاویہؓ کے دوران حضرت معاویہؓ نے چاہا کہ اپنے بیٹے یزید پلید کو اپنا جانشین بنا دے لیکن باہمی صلح کے شرائط نامہ کے ہوتے ہوئے یہ بات نہیں ہو سکتی تھی۔ تاوقتیکہ حضرت حسنؓ زندہ ہیں۔ چنانچہ معاویہ آپ کے قتل کے درپے ہو گئے اور آپ کی ایک منکوحہ کی وساطت سے آپ کو زہر کھلا دیا گیا۔ آپ اس زہر ہلاہل کے صدمہ سے واصل بحق ہوئے۔ آپ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ نے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا لیا اور شامیوں نے سب سے پہلے بیعت کی۔ اس کے بعد مکہ والے، پھر مدینہ والے بھی بادلِ نخواستہ بیعتِ یزید پہ آمادہ ہو گئے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام حسنؓ کو زہر خورانی میں حضرت معاویہؓ کا ہاتھ نہیں تھا۔ یہ کام صرف یزید کی سازش سے طے پایا تھا لیکن شواہد النبوت سے ثابت ہوتا ہے کہ زہر خورانی کا فیصلہ معاویہ نے کیا تھا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

آپؓ اوائل ماہ ربیع الاول بروز جمعرات ۵۰ھ میں اس دارِ پُر از ملال سے بقربِ ایزد متعال پہنچے۔

آپؓ کی وفات کے وقت آپؓ کے چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپؓ کے پاس تھے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور کہتے تھے: اے جانِ حسینؓ! مجھے بتاؤ تمہیں کس نے زہر دیا؛ تاکہ میں اس سے بدلہ لے سکوں اور اسے قصاص میں قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا: اگر میرا قاتل وہ شخص ہے جس پر مجھے شک ہے تو خالقِ حقیقی اس سے ضرور انتقام لے گا۔ اگر وہ نہیں تو میں ایک بے گناہ کو قتل کرانے کو تیار نہیں۔ خدا کی قسم حسنؓ کی جان تو دستِ قدرت میں ہے۔ قیامت کے دن مجھے انتقام لینے پر مامور کیا جائے گا لیکن میں اس وقت تک جنت میں قدم نہیں رکھوں گا جب تک اپنے قاتل کو بخشوا نہ لوں گا ؎

سلام اس پر کہ جس نے خُوں کے پیاسوں کو پیا ہیں دیں

حضرت حسنؓ کو زندگی میں چھ بار زہر دیا گیا لیکن کبھی کارگر نہ ہُوا۔ ساتویں بار اذا جاء اجلھم لایستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون کے پیشِ نظر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

تاریخِ وفات:

چوں محب جناب نبوی بود — بس محب است سالِ رحلت آں
نیز گو سالِ رحلت آں شاہ! — ماند بے یار سر بسر دوراں

۷۔ امیر المومنین سیّد الثقلین حسین بن علی رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابی عبداللہ، ابو الائمہ اور لقب شہید، سیّد، سیّد الشہداء تھا۔ آپ ائمہ اثنا عشریہ کے تیسرے امام تھے۔ آپ کی ولادت منگلوار چہارم ماہ شعبان ۳ یا ۴ ہجری کو مدینہ پاک میں ہوئی۔ آپ صرف چھ ماہ والدہ کے پیٹ میں رہے۔ اتنی مدت میں آج تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ صرف حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاء سے آپ کا نام حسین رکھا گیا۔ آپ اتنے باجمال تھے کہ جب تاریکی میں بیٹھتے تو آپ کی پیشانی

اور رخساروں کی روشنی سے راستے منور ہو جاتے تھے۔ آپ سینہ سے لے کر پاؤں تک مشابہ بہ جسم رسول پاکؐ تھے۔ حضرت رسولِ خدا فرمایا کرتے تھے: حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔ اللہ اس کو اپنا محبوب رکھے گا جو حسینؓ سے محبت کرے گا اور اسے خوار کرے گا جو حضرت حسینؓ سے نفرت کرے گا۔

ایک دفعہ حضرات حسنؓ اور حسینؓ آنحضرت کے سامنے صحن میں کشتی کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ کی حوصلہ افزائی فرما رہے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے عرض کی: یا رسول اللہ آپؐ بڑے بیٹے کو فرما رہے ہیں چھوٹے کو گرا لے۔ آپؐ نے مسکرا کر فرمایا: جبرئیلؑ حسینؓ کو کہہ رہے ہیں کہ حسنؓ کو گرا لو۔ اس لیے مجھے حسنؓ کی طرفداری کرنا پڑی۔

ام الحارثؓ نے حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں بتایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس سے مجھے سخت دہشت آئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا دیکھا۔ کہنے لگی: لوگوں نے آپؐ کے جسم کا ایک حصہ کاٹ لیا اور میری گود میں رکھ دیا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ خواب بڑی اچھی ہے۔ فاطمہؓ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو تم اپنی گود میں لے لوگی۔ پیدائش کے بعد ایسا ہی ہوا۔

سرکارِ دو عالمؐ حضرت حسینؓ کو اپنی دائیں ران پر بٹھاتے تھے اور اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کو بائیں ران پر۔ اسی حالت میں ایک روز حضرت جبرئیلؑ حاضر ہوئے اور پیغام خداوندی سنایا کہ ہم دونوں کو آپ کے پاس جمع نہیں ہونے دیں گے ایک کو اٹھا لیا جائے گا۔ اب آپ کی مرضی ہے جسے چاہیں رکھیں۔ آپ دل میں بڑے فکر مند ہوئے اور سوچا کہ اگر حسینؓ فوت ہو گئے تو حضرت علیؓ، فاطمہؓ اور خود مجھے بڑا صدمہ ہوگا لیکن اگر ابراہیم فوت ہوئے تو صرف مجھے صدمہ ہوگا۔ چنانچہ مجھے اپنا صدمہ گوارا ہے۔ لیکن یہ گوارا نہیں کہ حضرت علیؓ و فاطمہؓ غمگین رہیں۔ غرضیکہ اس واقعہ کے تین دن بعد حضرت ابراہیم واصل بحق ہوئے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک رات سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے باہر چلے گئے اور کافی دیر تک واپس تشریف نہ لائے۔ جب آپؐ واپس آئے، آپ کے بال پریشان، غبار آلود اور خود تھکے تھکے دکھائی دیتے تھے۔ آپؐ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ میں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ اور آپؐ اس حال میں کیوں ہیں؟

آپؐ نے فرمایا کہ آج مجھے عراق کے ایسے مقام پر لے جایا گیا جسے کربلا کہتے ہیں۔ یہ جگہ میرے حسینؓ کا مقتل ہوگی۔ مجھے اپنی اولاد کے دوسرے افراد بھی دکھائے گئے۔ میں اس زمین پر پڑا ہُوا خون اکٹھا کر کے لے آیا ہُوں۔ آپؐ نے ہاتھ کھول کر مجھے فرمایا: اس سرخ مٹی کو اپنے پاس محفوظ رکھ لو۔ میں نے حضورؐ کے ہاتھ سے لے کر ایک شیشی میں بند کر لی اور اس کے منہ کو محکم کر کے بند کر لیا۔ جب حضرت حسینؓ ابن علیؓ سفرِ عراق کو روانہ ہوئے اور اس شیشی کو ہر روز باہر لا کر دیکھا کرتی تھی اور روتی تھی۔ محرم کی دسویں تاریخ کو شام کے وقت میں نے دیکھا کہ وہ مٹی خون بن گئی ہے۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ آج حسینؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی آئی کہ ہم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے جرم میں ستر ہزار انسانوں کو قتل کروا دیا تھا۔ آپ کے بیٹے حسینؓ کے خونِ ناحق کے بدلے میں ستر ہزار سے دُگنے انسان قتل کراؤں گا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے ایسا ہی ہوا۔

روایات صحیحہ میں لکھا ہے کہ قاتلانِ حسینؓ میں سے ایک بھی ایسا شخص نہیں تھا جسے موت سے پہلے دردناک مصائب اور ابتلاء میں نہیں ڈالا گیا۔ اور ہر شخص بدترین طریقہ سے ہلاک ہوا۔ ہر موذی کا انجام تفصیلی طور پر تاریخی کتابوں مثلاً روضۃ الصفاء، حبیب السیر وغیرہ میں تحریر ہے۔

قاتلانِ حسینؓ اور عبداللہ بن زیاد کے سر ہائے بریدہ جب کوفہ کی جامع مسجد میں لائے گئے تو بہت بڑا ہجوم مسجد میں آ گیا۔ اچانک ایک کونے سے شور اٹھا: سانپ سانپ!! وہ سانپ دیکھتے ہی دیکھتے عبداللہ بن زیاد کے نتھنے میں گھسا اور باہر آیا اور دوسرے سروں پر لہراتا رہا۔ اسی طرح اس نے کئی بار کیا جو لوگوں نے دیکھا۔

شمر ذی الجوشن (قاتلِ حضرت حسینؓ) کربلا سے کچھ زیورات حضرت سادات سے اٹھا لایا تھا۔ کچھ زیورات تو اس نے اپنی لڑکی کو دے دیئے۔ اس عورت نے ان زیورات کو از سرِ نو بنانے کے لیے جب آگ میں ڈلوایا تو وہ سارے زیور خاکستر بن گئے۔ جب وہ ٹھنڈے ہوئے تو معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ چاندی ہے یا پیتل۔ جب یہ صورت حال شمر کو بتائی گئی تو اس نے سارے زیور سنار کے حوالے کر دیئے اور کہا کہ میرے سامنے اسے کٹھالی میں گلا جائے۔

دیکھتے دیکھتے وہ زیورات بھی بیکار دھات بن گئے۔

قاتلانِ حسینؓ نے کربلا سے اہل بیت کے چند اونٹ ذبح کئے اور انہیں پکایا۔ لیکن گوشت اتنا کڑوا تھا کہ کوئی بھی کھا نہ سکتا تھا۔

تاریخ شہادت شاہ ولایت سید کونین حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ دسویں محرم الحرام ۶۰ھ ہے۔ جمعہ کا دن تھا اور ظہر کا وقت تھا۔ میدان کربلا میں شہادت واقع ہوئی۔ بعض مورخین نے ۶۱ھ بھی لکھی ہے۔ آپ کے ساتھ بہتّر دوسرے جاں نثار بھی شہید ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی، بھتیجے اور دوسرے عزیز بھی تھے جو پیاسے، بھوکے اور بے سروسامانی میں آپ کے ساتھ ہی شہید ہوئے۔

نماند ستمگارِ بد روزگار
بماند برو لعنتِ پائیدار

تاریخ وفات:

ہست ہم آخرین دو حرف حسین	سالِ ترحیل سید الثقلین
سالِ ترحیل سید عالی	گفت دل رفت از زمین والی
سالِ وصلش عجب شد است عیاں	زیبِ آفاق رفت از دوراں!
کن رقم ہم باختلاف رقم	زبدہ دیں برفت از عالم!
سالِ تاریخ سرورِ دوراں!	از سر سرور آمدہ است عیاں

۸۔ حضرت علی بن حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

آپ ائمہ اثنا عشر کے چوتھے امام تھے۔ کنیت ابو محمد، ابوالحسن، ابوبکر۔ لقب سجاد، زین العباد تھا۔ آپ مدینہ پاک میں ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ بعض مورخین نے سالِ پیدائش ۳۶ھ بھی لکھا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت شہربانو دختر یزدجرد شاہ ایران تھیں۔

حضرت مولانا جامی اپنی تصنیف شواہد النبوت میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین

ایک رات نماز تہجد ادا فرما رہے تھے کہ شیطان لعین اژدہا کی شکل میں نمودار ہوا تاکہ آپ ڈر کر نماز ترک کر دیں لیکن آپ نے پروا نہ کی۔ سانپ آپ کے پاؤں پر پہنچا اور ایک زہریلا ڈنگ چلایا۔ لیکن حضرت امام شدید درد کے باوجود بھی ترکِ نماز پر آمادہ نہ ہوئے۔ خداوند تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمایا کہ یہ تو شیطان ہے۔ آپ نے لاحول پڑھ کر اس کے منہ پر مارا تو وہ غائب ہو کر ہوا میں اڑ گیا ۔ اس کے جانے کے بعد غیب سے آواز آئی، زین العابدین! اسی دن سے آپ کا لقب زین العابدین ہو گیا۔

آپ نماز ادا کرنے کے لیے جب وضو فرماتے تو آپ کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: تم دنیاوی حاکموں کے حضور جاتے ہوئے کانپتے ہو۔ میں احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہوتے ہوئے کیوں نہ ڈروں۔

ایک دفعہ آپ اپنے گھر میں نماز ادا کر رہے تھے کہ مکان کے ایک گوشے میں آگ بھڑک اٹھی۔ آپ نماز میں مشغول و مصروف رہے۔ لوگوں نے بہت شور مچایا اور چلاتے رہے: یا ابن رسول! آگ آگ!! لیکن آپ نماز میں مشغول رہے۔ جب آگ بجھ گئی، آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ کے احباب و اعزہ نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ نماز میں اس قدر کیوں محو رہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس آگ کی نسبت دوزخ کی آگ کا زیادہ خیال ہے۔

زہری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ جب خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حضرت امام کو قید میں ڈالا اور پابجولاں کر دیا اور نگہداشت کے لیے سخت ترین پہرہ بٹھا دیا۔ میں ازرہِ عقیدت و محبت جیل خانے کے دروازے پر گیا اور پہرے داروں سے منت سماجت کر کے آپ سے ملاقات کی اجازت لی۔ آپ کو اس حالت میں دیکھا تو میرا دل بے قرار ہو گیا اور بے اختیار رونے لگا۔ میں نے کہا: کاش کے میں آپ کی جگہ قید ہو جاتا اور آپ کو آزاد کیا جاتا۔ آپ نے ہنس کر فرمایا، قید و بند، زہر خوری اور قتل و شہادت تو ہمارا موروثی حصہ ہے۔ ان مصائب میں ہماری ولایت کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ یہ پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کے طوق اور ہاتھوں کی زنجیریں اور یہ مصائب ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے۔ اگر ہم چاہیں تو انہیں دور پھینک دیں۔ یہ کہنا ہی تھا کہ آپ کی ساری زنجیریں ٹوٹ گئیں۔ بیڑیاں علیحدہ ہو گئیں اور طوق گر پڑے۔

اور آپ آرام سے بیٹھ گئے۔ مجھے فرمایا: جن تکالیف سے تم ڈر رہے ہو وہ کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ تم خوش خوش چلے جاؤ۔ میں نے قدم چومے اور واپس آگیا۔ ابھی چار روز گزرے تھے کہ خبر مشہور ہوئی: حضرت زین العابدین جیل سے زنجیریں اور بیڑیاں توڑ کر نکل گئے ہیں۔ جیل کے پہرے دار آپ کو تلاش کرتے رہے مگر نہ پا سکے۔ چند دن بعد میں عبدالملک بن مروان کے پاس گیا۔ اس نے حضرت زین العابدین کے حالات دریافت کرنا شروع کئے۔ میں نے کہا: وہ سید اور حضرت رسول اللہ کی اولاد پاک میں سے ہیں۔ عبدالملک نے کہا: وہ ہماری جیل میں تھے مگر وہاں سے غائب ہو گئے ہیں۔ اسی دن میں نے اپنے زنانہ کروں میں جہاں کسی غیر کا گزر نہیں آپ کو دیکھا۔ آپ میرے پاس آئے اور کہنے لگے: تم مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو۔ یہ کہہ کر غائب ہو گئے۔ میں اسی وقت سے چاہتا تھا کہ آپ سے بات کروں مگر دہشت کی وجہ سے بول نہ سکا۔

ایک دن حضرت امام زین العابدین اپنی اولاد کے ساتھ تفریح طبع کے لیے صحرا کی طرف تشریف لے گئے۔ وہیں دسترخوان بچھایا اور کھانا کھانے لگے۔ ایک ہرن پاس سے گزرا۔ آپ نے ہرن کی طرف منہ کر کے کہا۔ میں علی ابن حسینؓ ہوں۔ فاطمۃ الزہراؓ کا نورِ نظر ہوں۔ تم آؤ اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ ہرن اسی وقت پاس آگیا۔ تھوڑا سا کھانا کھایا اور جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک غلام نے عرض کی، یا حضرت! اس ہرن کو آپ دوبارہ بلائیں۔ آپ نے فرمایا، اگر تم اسے پناہ دو اور تکلیف نہ پہنچاؤ تو دوبارہ بلا لیتا ہوں۔ غلام نے قبول کر لیا۔ آپ نے زور سے کہا: اے ہرن! میں علی ابن حسینؓ ہوں، میری ماں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ تم لوٹ آؤ اور ہمارے ساتھ مل کر کھانا کھاؤ۔ وہ ہرن آیا اور پاس آکر کھانا کھانے لگا۔ آپ کے غلاموں میں سے ایک نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تو وہ بھاگ کر جنگل میں چلا گیا۔ آپ اس غلام سے سخت خفا ہوئے اور فرمانے لگے: تم نے میری پناہ کو نقصان پہنچایا ہے آئندہ میں تم سے بات نہیں کروں گا۔ چنانچہ آپ اس کے بعد اس غلام سے ہمکلام نہیں ہوئے۔

ایک دن حضرت امامؒ اپنے احباب کے ساتھ ایک صحرا میں بیٹھے تھے۔ اچانک ایک

ہرنی سامنے آئی اور اپنا منہ زمین پر رکھ کر فریاد کی ہوئی۔ حاضرین نے پوچھا، یا حضرت یہ کیا چاہتی ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ کہتی ہے کہ فلاں قریشی نے کل میرے بچے کو پکڑ لیا ہے۔ میں اسے کل سے دودھ نہیں پلا سکی۔ اگر آپ اس بچے کو دودھ پلانے کی اجازت دے دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ چنانچہ آپ نے ایک آدمی کو بھیجا اور اس قریشی کو ہرنی کے بچے سمیت طلب کر لیا۔ جب وہ آیا تو ہرنی نے اپنے بچے کو دودھ پلا دیا۔ حضرت امام اس شخص کو مخاطب کر کے فرمانے لگے: اگر تم چاہتے ہو کہ تم اور تمہارے بچے ظلم و ستم سے ہمیشہ بچے رہیں تو اس بچے کو آزاد کر دو۔ تاکہ اپنی ماں کے ساتھ رہے۔ اس نے یہ بات قبول کر لی۔ چنانچہ اپنے بچے کو لے کر ہرنی صحرا کو چلی گئی اور بلند آواز سے کچھ کہتی جاتی تھی جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہتی ہے۔ حاضرین نے حضرت امامؒ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: وہ کہتی تھی: جزاك الله فی الدارین خیرا۔

جب حضرت زین العابدین فوت ہوئے تو آپ کی سواری والی اونٹنی آپ کے مزار پر آئی۔ اور زمین پر سر رکھ کر رونے لگی۔ حضرت امام محمد باقرؒ نے کہا: اٹھو! اللہ تجھے برکت دے۔ لیکن اونٹنی نے سر نہ اٹھایا اور روتی چلی گئی۔ پھر آپ نے فرمایا: اس اونٹنی کو چھوڑ دو اپنے مالک کے پاس چلی جائے۔ چنانچہ دو دن کے بعد وہ اونٹنی مر گئی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت محمد بن حنفیہ حضرت زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں آپ سے بڑا ہوں، منصب امامت میراحق ہے آپ کے پاس جتنے تبرکات یا اسلحہ از رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہیں، دے دو۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ آپ بڑے ہیں لیکن منصب امامت تو اہل بیت رسالت کا ہی حق ہے۔ خدا سے ڈرو اور جس چیز پر تمہارا حق نہیں اس کے دعویدار نہ بنو۔ محمد بن حنفیہ نے ایک نہ سنی اور اس معاملہ میں بڑا مبالغہ کیا۔ آخر کار حضرت امام زین العابدین نے فرمایا: آؤ میں اور تم کسی ایسے حاکم کے پاس چلتے ہیں جو فیصلہ کر دے گا کہ یہ حق کس کا ہے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: وہ کون حاکم ہے جو میرے اور آپ کے منصب کا فیصلہ کرے گا۔ آپ نے فرمایا: حجر الاسود۔ چنانچہ دونوں خانہ کعبہ میں آئے۔ حضرت امامؒ نے فرمایا۔ چونکہ تم مدعی ہو، اپنا دعویٰ حجر الاسود کے سامنے پیش کرو۔ محمد بن حنفیہ نے اپنا دعویٰ حجر الاسود کے

سامنے پیش کیا لیکن کچھ جواب نہ آیا۔

پھر حضرت امامؑ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور حجرالاسود کو مخاطب ہوئے اور کہا کہ اے حجرالاسود! بندگانِ خدا کے مواثیق کا تو امانت دار ہے۔ تم فیصلہ دو کہ حضرت حسینؑ کے بعد امامت و ولایت کا ہم دونوں میں سے کون حق دار ہے۔ جب آپ نے بات ختم کی تو حجرالاسود زور سے ہلا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اپنی جگہ سے نکل آئے گا۔ پھر فصیح زبان میں کہا: "اللہ تعالیٰ نے امامت و ولایت باطنی کا حق تو زین العابدینؑ کو دیا ہے۔ دوسرا کوئی بھی اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔"

محمد بن حنفیہ یہ فیصلہ سنتے ہی اپنے حق سے دست بردار ہو گئے۔

ایک دفعہ ایسا واقعہ ہوا کہ ایک مرد اور ایک عورت نے حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے لئے ہاتھ لگائے تو وہیں چپٹ گئے۔ ساری تدبیریں بے اثر ثابت ہوئیں۔ ہاتھ علیحدہ نہ ہو سکے۔ آخر کار فیصلہ کیا گیا کہ ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ اسی اثناء میں حضرت زین العابدینؑ تشریف لے آئے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک مرد و عورت مبتلائے مصیبت ہیں۔ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ہاتھوں پر ہاتھ ملا، فوری طور پر علیحدہ ہو گئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حج کے موقعہ پر حضرت سید زین العابدینؑ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ جریر بن کامل الاسدی جو قاتلانِ حسینؑ میں سے تھا، کس حال میں ہے؟ میں نے بتایا اسے کوفہ میں زندہ چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور کہا: اللھم اذقہ نار الحدید (اے اللہ اس پر آتشِ دوزخ مسلط کر) جب میں کوفہ میں واپس گیا ان دنوں مختار بن عبید نے علمِ بغاوت بلند کیا تھا چونکہ وہ میرے واقف تھے میں ملنے کے لیے چلا گیا وہ راستے میں ہی مل گئے۔ ہم دونوں اکٹھے جا رہے تھے۔ ہم ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں لوگ انتظار کر رہے تھے۔ اس مقام پر جریر کو حاضر کیا گیا۔ مختار کہنے لگا، اے قاتل حسینؑ! الحمد للہ تم میرے قابو آ گئے ہو۔ اسی وقت جلاد کو حکم دیا کہ اس قاتل اہلبیت کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دو۔ پھر اس نے آگ جلا کر جریر کو اس میں پھینک دیا کیونکہ قاتلانِ حسینؑ کی سزا آگ ہی ہے۔

جب میں نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا، سبحان اللہ وبحمدہٖ۔ مختار نے مجھ سے سبحان اللہ کہنے کی وجہ دریافت کی تو میں نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ملاقات اور دعا کا ذکر کیا۔ مختار سنتے ہی گھوڑے سے نیچے آگیا اور دوگانہ شکرانہ ادا کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ پھر وہ اسی دن میرے گھر آیا۔ تو میں نے کھانا حاضر کیا۔ اس نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا، اے دوست تم نے آج مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ حضرت زین العابدین کی دعا میرے ہاتھوں پوری ہوئی ہے۔ میں نے اس خوشی میں شکرانے کا روزہ رکھا ہے۔ میں نے قاتلانِ حسینؓ سے انتقام لیا ہے۔

یہ قول صحت کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ حضرت علی بن حسین بن علی امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بتاریخ ۱۸ ماہ محرم ۹۴ھ (بقول دیگرے ۹۵ھ) دارِ فانی سے دارِ بقا میں گئے۔ کہتے ہیں کہ دشمنانِ اہلبیت نے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ آپ اسی صدمے سے واصل بحق ہوئے اور داخلِ جنت ہوئے۔

بہر وصلش جان و دل ز آفاق رفت — شد ز دوراں سید آل نبی
ہم خردوالی والاجباہ گفت — نیز محبوب الٰہ است اے ولی

۹۔ امام محمد بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

آپ اثنا عشر کے امام پنجم تھے۔ آپ کی کنیت ابوجعفر، لقب باقر تھا۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت الحسن بن علی تھیں۔ آپ کی ولادت مدینہ میں بروز جمعہ سوم ماہ صفر ۵۷ھ ہوئی۔ بعض اقوال میں ۵۸ھ ہے۔

مولانا جامی شواہد النبوت میں لکھتے ہیں کہ امام والا گوہر جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (جب ان کی آنکھیں نظر سے محروم ہو چکی تھیں) کے پاس ملاقات کے لیے آیا۔ میں نے سلام کیا تو آپ نے جواب دیا اور پوچھا کہ میں کون ہوں۔ میں نے بتایا کہ میں محمد بن علی بن حسین بن علی (رضی اللہ عنہم) ہوں۔ یہ سنتے ہی فرمانے لگے: بیٹا میرے پاس آجاؤ۔ میں قریب گیا، میرا ہاتھ پکڑا اور چوم لیا۔ پھر میرے قدم چومنے کے لئے جھکے ہی تھے

کر میں پیچھے ہٹ گیا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے نام سلام بھیجا ہے۔ میں نے کہا: السلام علی رسول اللہ و برکاتہ اور فرمایا، میں ایک دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا تو آپ نے فرمایا، جابر شاید تم اس دن تک زندہ رہو جب میرے فرزندوں میں سے ایک تمہارے پاس آئے گا جس کا نام محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس بیٹے کو انوارِ حکمت سے نوازے گا۔ اسے میرا سلام پہنچانا۔

حضرت مولینا جامی اپنی کتاب شواہد النبوت میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک معتبر راوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مجھے ہشام بن عبد الملک کے دربار میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اس کا یہ محل زیر تعمیر تھا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا، واللہ یہ محل برباد ہونے کے لئے بن رہا ہے۔ اس محل کے سنگ و خشت کو یہاں سے اکھاڑ کر لے جایا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ میں حضرت امام کی یہ بات سن کر بڑا متعجب ہوا۔ اور ڈرا کہ ہشام کے محل کو کون مسمار کر سکتا ہے۔ ہشام بن عبد الملک کی وفات کے بعد ولید بن ہشام نے حکم دیا کہ اس محل کو مسمار کر کے اس کے ملبے کو یہاں سے اٹھا لیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کی بنیادیں ہلی ہوئی دیکھیں۔

اسی راوی نے مزید کہا کہ ایک دن میں حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک زید بن علی پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: واللہ مجھے نظر آ رہا ہے کہ زید کوفہ میں خروج کریں گے اور انہیں قتل کر دیا جائے گا اور مدینہ لایا جائے گا اور ایک بانس پر نصب کیا جائے گا۔ مجھے اس بات سے سخت تعجب ہوا کیونکہ مدینہ میں تو بانس نہیں ہوتے۔ ابھی کچھ عرصہ گزرا تھا کہ یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ کا سر مدینہ میں لایا گیا اور بانس بھی ہمراہ لایا گیا جس پر آپ کا سر نصب کیا گیا۔

حضرت امام باقرؑ فرماتے ہیں کہ مرنے سے پہلے میرے والد محترم نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد رتبہ امامت تمہیں سونپا جائے گا۔ جب میں مروں تو مجھے خود غسل دینا کیونکہ امام کا غسل امام ہی دیا کرتا ہے۔ عنقریب تمہارا بھائی عبداللہ دعویٰ امامت و جانشینی کرے گا اور لوگوں کو اپنے ساتھ ملائے گا۔ تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم اسے اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ اس کی عمر بڑی مختصر ہوگی۔ جب میرے والد محترم کا وصال ہوا تو میں نے غسل دیا۔

میرا بھائی عبداللہ میرے ساتھ جھگڑنے لگا اور امامت کا دعویٰ کیا مگر تھوڑے عرصہ کے بعد فوت ہو گیا۔

ایک دفعہ حضرت امامؑ حج کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ خود اونٹنی پر سوار تھے اور آپ کا غلام خچر پر سوار تھا اچانک ایک پہاڑ سے ایک بھیڑیا نکل آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو کر باتیں کرنے لگا۔ آپ بھی اس سے باتیں کرتے رہے اور آخر میں دعا فرما کر بھیڑیے کو رخصت کیا۔ اپنے ساتھی کو بتایا کہ بھیڑیا یہ فریاد لے کر آیا تھا کہ دعا فرمائیں کہ میری نسل سے کوئی بھیڑیا آپ کے ماننے والے پر حملہ نہ کر سکے۔ میں نے دعا کی۔ بھیڑیا جو چاہتا تھا، اسے مل گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک رات میرے دل میں مذہب کے اختیار کرنے میں سخت ترین وسوسے پیدا ہونے لگے۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ کون سے مذہب کی طرف رجوع کروں۔ اسی فکر میں مجھے نیند آ گئی۔ صبح ہوئی ایک شخص میرا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا اور کہا کہ محمد بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم تمہیں یاد فرما رہے ہیں۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ کو نماز میں مشغول پایا۔ میں نے آپ کی امامت میں نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے مجھے مخاطب فرمایا اور کہا، برادر سب مذہبوں سے مذہبِ اہلبیت اچھا ہے۔ میں اسی وقت آپ کے معتقدین میں سے ہو گیا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، مجھے یہ بتائیے کہ مومن کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا، مومن کا حق یہ ہے کہ اگر وہ اس کھجور کو کہے کہ ادھر آؤ تو وہ درخت توقف نہ کرے۔ یہ بات سنتے ہی کھجور کا وہ درخت چل کر آپ کے پاس آ گیا۔ آپ نے فرمایا، درخت! میں نے تو یہ بات بر سبیلِ تذکرہ کہی تھی تم اپنی جگہ چلے جاؤ۔

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ابو بصیر نابینا نے روایت کی ہے کہ میں ایک دن حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں حاضر ہوا اور عرض کی، کیا آپ پیغمبر خدا کے اہلبیت میں سے ہیں۔ کہا، ہاں۔ میں نے کہا، کیا نبی علیہ السلام تمام پیغمبروں کے وارث ہیں۔ آپ نے فرمایا، ہاں۔ میں نے کہا کہ آپ کو اپنے والد کی میراث ملی ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں۔ میں نے کہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مُردے کو زندہ اور بیمار کو تندرست کیا کرتے تھے۔ کیا آپ اس بات کی طاقت رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، خدا کے حکم سے ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

آپ نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر پھیرا تو میری آنکھیں روشن ہوگئیں اور مجھے ساری مخلوق نظر آنے لگی۔ آپ نے فرمایا: بتاؤ دنیا میں آنکھیں بینا رکھنا چاہتے ہو یا میدانِ حشر میں۔ میں نے حشر کو ترجیح دی۔ آپ نے پھر میری آنکھوں پر ہاتھ ملا تو میں نابینا ہوگیا اور دعا چاہی کہ بلاحساب مجھے داخلِ جنت کیا جائے۔

شواہد النبوت میں ایک اور راوی نے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت امام جعفر سفر فرما رہے تھے میں بھی ہم رکاب تھا۔ ناگاہ دو شخص راستے میں ملے۔ آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا: یہ چور ہیں انہیں پکڑ لو اور باندھ لو۔ غلاموں نے انہیں پکڑ کر باندھ لیا۔ پھر آپ نے ایک غلام کو حکم دیا کہ اس پہاڑ پر چلے جاؤ وہاں ایک غار ہوگی۔ جو کچھ تمہیں اس غار سے ملے لے آنا۔ غلام گیا۔ وہاں سے دو صندوق ملے جو دولت سے بھرے پڑے تھے، اٹھا لایا۔ فرمایا: ایک صندوق کا مالک تو مدینہ میں موجود ہے اور دوسرا غائب ہے۔ جب ہم مدینہ پہنچے اس صندوق والے نے ایک جماعت کو چوری کے الزام میں گرفتار کروا دیا تھا اور حاکم کے سامنے فیصلہ کے لئے لے جا رہا تھا۔ حضرت امامؑ نے اسے صندوق دیا اور بے گناہ لوگوں کو رہائی دلائی۔ اور اس چور کو قطع ید کی سزا دلوائی۔

کچھ عرصہ کے بعد ان چوروں میں سے ایک حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: الحمدللہ کہ میرا قطع ید اور توبہ آپ کے دستِ حق پرست پر ہوئی۔ آپ نے فرمایا: تمہارا کٹا ہوا ہاتھ تمہارے جنت میں داخل ہونے سے بیس سال پہلے داخلِ جنت ہوگا۔ چنانچہ وہ شخص بیس سال تک مزید زندہ رہا اور پھر وفات پائی۔ تین دن کے بعد دوسرے صندوق کا مالک بھی حاضر ہوگیا۔ آپ نے اسے فرمایا: تمہارے صندوق میں ہزار ہزار دینار کی دو تھیلیاں ہیں۔ ایک تھیلی تو تمہاری ہے مگر دوسری تھیلی کسی اور کی ہے۔ اس نے کہا: آپ نے سچ کہا لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ دوسرے شخص کا نام بھی بتا دیں۔ آپ نے بتایا: اس کا نام محمد بن عبدالرحمان ہے اور اب شہر کے باہر تمہارے انتظار میں بیٹھا ہے۔ وہ شخص غیر مسلم تھا جب اس نے آپ کی گفتگو سنی تو مسلمان ہوگیا۔

ایک اور شخص نے بیان کیا کہ ایک دن ابن عکاشہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ کا بیٹا جعفر بھی آپ کے پاس کھڑا تھا۔ ابن عکاشہ نے کہا: اب آپ کا فرزند ارجمند سنِ بلوغ کو پہنچ گیا ہے اس کے نکاح کا بندوبست کرنا چاہئے۔ حضرت امام کے پاس ایک ہزار دینار کی

تھیلی تھی جو آپ نے مجھے دی اور کہا کہ مارکیٹ میں ایک ایسا تاجر آئے گا جس کے پاس ایک خوبصورت کنیز ہوگی اسے خرید لانا۔ چند دن بعد آپ نے فرمایا: منڈی جاؤ اور کنیز خرید لاؤ اور یہ تھیلی لے جاؤ۔ میں منڈی میں اس سوداگر کے پاس گیا۔ اس نے کہا: میں تمام سامان و اسباب فروخت کر چکا ہوں صرف دو کنیزیں باقی ہیں جو بہت ہی خوب صورت ہیں۔ ان میں سے ایک کنیز کو پسند کر کے خرید لو۔ میں نے قیمت پوچھی تو اس نے ستر دینار بتائی۔ میں نے کہا: میرے تھیلے میں جو کچھ ہے میں اس سے خرید لوں گا لیکن مجھے پتہ نہیں کہ اس میں کتنی رقم ہے۔ سوداگر نے کہا کہ میں ستر دینار سے کم کسی صورت میں قبول نہیں کروں گا۔ میں نے تھیلی کھولی تو اس میں ستر دینار پڑے تھے۔ میں نے سوداگر کے حوالے کئے اور کنیز کو لے کر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بڑے خوش ہوئے۔ میں نے کنیز سے نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ حمیدہ۔ آپ نے فرمایا: حمیدہ فی الدنیا محمودہ فی الآخرہ۔ پھر میں نے پوچھا: کیا تم کنواری ہو یا منکوحہ۔ اس نے بتایا کہ میں کنواری ہوں۔ میں نے پھر دریافت کیا: تم ان سوداگروں کے ہاتھ سے کیسے بچ گئیں۔ اس نے بتایا کہ کوئی سوداگر اگر میری طرف بڑھتا تو ایک سفید ریش اور سفید سر آدمی آگے بڑھ کر اسے طمانچہ رسید کر دیتا اور وہ مجھ سے دُور ہٹ جاتا۔ یہ واقعہ کئی بار رُونما ہوا۔ آپ نے حمیدہ کو حضرت جعفرؑ کے حوالے کر دیا اور فرمایا: اس لونڈی کو لے لو یہ برکت کی ایک کان ہے۔ چنانچہ اسی بی بی کے بطن سے حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

آپ کی وفات حسرت آیات بروز پیر ہفتم ماہ ذوالحجہ ۱۱۲ھ کو ہوئی۔ ایک قول کے مطابق ۱۱۴ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر شریف ۵۷ سال تھی اور آپ کے جسد پاک کو جنت البقیع مدینہ منورہ میں دفن کیا گیا۔

سالِ وصل او بگو ہادی عزیز!! ۱۱۲ھ
سالِ ترحیلش امام ایزد است ۱۱۴ھ

ہم بخواں اے یار ہادی انام! ۱۱۲ھ
ہم ولی اللہ واں اے نیک نام ۱۱۴ھ

۱۰۔ حضرت جعفر بن محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو عبداللہ۔ ابو اسماعیل تھی۔ لقب صادق۔ آپ کی والدہ ام فروہ حضرت عبدالرحمن بن صدیق اکبرؓ کی پوتی تھیں۔ آپ مدینہ منورہ میں ۱۲۔ ربیع الاول ۸۰ ھ بروز پیر پیدا ہوئے۔ آپ ائمہ اثنا عشر کے امام ششم تھے۔ آپ علمائے اہلبیت اور علمائے سادات میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

خلیفہ منصور عباسی کسی معاند اہلبیت کے کہنے پر حضرت جعفر سے کبیدہ خاطر ہوگیا۔ اپنے صاحب ربیع کو بلا کر حکم دیا کہ حضرت کو پیش کریں۔ جب آپ منصور کے سامنے آئے تو کہنے لگا: مجھے اللہ تعالیٰ قتل کردے اگر میں آپ کو قتل کروں لیکن میں سن رہا ہوں کہ آپ مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں اور فتنہ گری میں مصروف ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ نہ ہی کوئی فتنہ برپا کیا ہے۔ آپ کے پاس اگر کسی نے ایسی خبر پہنچائی ہے تو وہ دروغ گو اور جھوٹا ہے۔ اگر خدانخواستہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے۔ مجھ سے سرزد ہوا ہے تو جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ظلم کئے تھے تو حضرت یوسفؑ نے انہیں معاف کر دیا تھا آپ بھی درگزر کریں خلیفہ منصور نے خوش ہو کر آپ کو اوپر بلا لیا اور اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا اور کہا: فلاں ابن فلاں نے یہ باتیں میرے کانوں تک پہنچائی ہیں۔ آپ نے فرمایا: اسے طلب کیا جائے۔ جب وہ آیا تو آپ نے پوچھا: کیا تم نے یہ باتیں حضرت صادق کی زبان سے خود سنی تھیں۔ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: تم قسم کھا کر کہتے ہو۔ اس نے قسم کھانا چاہی۔ ابھی یہ الفاظ کہے تھے: باللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ ھو الرحمٰن الرحیم۔ حضرت جعفرؒ نے فرمایا: ایسی قسم مجھے قبول نہیں۔ جس طرح میں قسم کھانے کو کہتا ہوں، کہیں۔ اور یہ بھی کہو کہ من حول اللہ وقوتہ والجات الی حول وقوتی لقد فعل کذا وکذا جعفر وقال کذا وکذا جعفر۔ اس شخص نے ایسی قسم کھانے سے پہلے تو تامل کیا لیکن پھر کھا گیا۔ اسی وقت وہ زمین پر گرا اور مجلس میں ہی مر گیا۔ منصور نے کہا: اسے پاؤں سے کھینچ کر مجلس سے باہر پھینک دیا جائے۔

ربیع کہتے ہیں کہ اس دن حضرت جعفر صادق زیر لب کچھ پڑھ رہے تھے۔ منصور کا غصہ دُور نہیں ہوتا تھا۔ حتّٰی کہ آپ نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ ربیع کہتے ہیں: میں نے حضرت جعفر صادق سے دریافت کیا، کیا بات ہے وُہ جھوٹا مغرور دو بار بعض کلمات کے ساتھ قسم کھا گیا مگر اسے کچھ نقصان نہ ہوا۔ لیکن جب آخری بار قسم کھائی تو اسے سزا مل گئی۔ آپ نے فرمایا: پہلے اس نے خدا کو معبودیت اور رحمانیت کے ساتھ یاد کر کے قسم کھائی تھی اور اس کے عذاب میں تاخیر ہو گئی۔ غلبۂ صفت رحمانیت غالب تھا۔ دوسری بار جب میں نے اسے قسم کھانے کو کہا اس میں لفظ رحمان و رحیم نہیں تھے اس لیے وہ فوری طور پر عذاب میں گرفتار ہو گیا۔

ایک دن خلیفہ منصور نے حضرت جعفر صادقؑ کو دربار میں طلب کیا اور اپنے حاجب کو حکم دیا کہ جُونہی حضرت امام دربار میں داخل ہوں، انھیں قتل کر دیا جائے۔ جب آپ دربار میں آئے اور منصور کے پاس بیٹھ گئے تو اسے سخت تعجب ہُوا کہ حاجب نے انہیں قتل کیوں نہیں کیا۔ جب آپ واپس گئے تو منصور نے حاجب سے پوچھا کہ تم نے اپنا کام کیوں نہیں کیا۔ اس نے کہا: خدا کی قسم مجھے قطعاً علم نہیں ہے کہ حضرت امام کب دربار میں آئے اور کب واپس گئے۔ اگر میں انہیں دیکھ لیتا تو یقیناً قتل کر دیتا۔

خلیفہ منصور کے ایک قریبی شخص نے بتایا کہ میں ایک دن خلیفہ منصور کے پاس آیا تو اسے بڑا مغموم اور متفکر پایا۔ وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ میں نے علویوں کے سیکڑوں آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتروا دیا ہے مگر ان کے امام جعفر صادقؑ ابھی تک زندہ ہیں۔ میرا دل ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔ میں نے کہا، وُہ ایک خدا پرست آدمی ہیں انہیں دنیا اور منصب دنیاوی کی حاجت نہیں ہے ان کے قتل میں کیا فائدہ۔ خلیفہ منصور نے مجھے کہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اس کی امامت پر راضی ہو۔ میں آج قسم کھاتا ہُوں کہ جب تک میرا دل ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہو گا، کھانا پینا ترک رہے گا۔ پھر اس نے کہا: میں حضرت جعفرؑ کو بلاؤں گا۔ جب آپ تشریف لائیں گے تو میں اپنا ہاتھ ان کے سر پر رکھوں گا تم انہیں فوراً قتل کر دینا۔

جب آپؑ دربار میں تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے لب ہل رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ کچھ پڑھ رہے ہیں۔ اسی وقت منصور کا محل کانپنے لگا اور ایک ہیبت ناک زلزلہ آیا۔ منصور سر و پا

برمبنہ آپ کے استقبال کو دوڑا اور آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا اور خود ہاتھ باندھ کر نیچے بیٹھ گیا اور کہنے لگا، یا حضرت! اگر کوئی چیز درکار ہو تو مجھے حکم فرمائیں تاکہ بجا لاؤں۔ آپ نے فرمایا: بس ایک ہی حاجت ہے کہ مجھے دوبارہ دربار میں نہ بلایا جائے اگر میں خود بخود آؤں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر آپ اٹھے اور باہر چلے گئے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد منصور بے ہوش ہو گیا۔ آدھی رات تک بیہوش رہا۔ چند نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ آدھی رات کے بعد جب ہوش آیا تو اس نے نمازیں ادا کیں۔ جب وہ فارغ ہوا تو میں نے اس کی پریشانی، بیہوشی اور اضطراب کی وجہ پوچھی۔ اس نے بتایا، جب حضرت امامؑ دربار میں تشریف لائے تو میں نے ایک اژدہا دیکھا جس کی زبان کا ایک سر تو محل کے فرش پر تھا اور دوسرا محل کی چھت پر۔ اور فصیح زبان سے کہہ رہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ اگر حضرت امام کو ذرہ بھر بھی تکلیف پہنچی تو تمہیں اور تمہارے محل کو تباہ کر دیا جائے گا۔ یہ واقعہ تھا جس نے مجھے پریشان کر دیا۔

داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے حضرت امام جعفرؑ کے ایک غلام کو قتل کر کے اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ حضرت امام داود کے پاس آئے اور فرمایا: تم نے میرے غلام کو قتل کر دیا ہے۔ اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں تمہارے حق میں بددعا مانگوں گا۔ اس نے ازراہِ مذاق کہا: مجھے اپنی بددعا کی دھمکی سے ڈرا رہے ہو۔ حضرت امام گھر چلے آئے۔ اسی رات داؤد اپنے غلاموں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

ابونصیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں آیا۔ میری ایک کنیزک تھی جس کے ساتھ میں نے جماع کیا تو مجھے صبح غسل کی حاجت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ میرے دوستوں کی ایک جماعت حضرت جعفر صادقؑ کی زیارت کو جا رہی ہے میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور مجھے یاد ہی نہ رہا کہ میں کس حالت میں ہوں۔ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت امام مجھے مخاطب کر کے فرمانے لگے، نصیر! رسولِ خدا کے اہلبیت کے گھر جنابت کی حالت میں چلے آئے ہو۔ میں نے کہا، حضرت! میں نے احباب کو دیکھا کہ آپ کی خدمت میں آ رہے تھے۔ خیال آیا کہ میں زیارت سے محروم نہ رہ جاؤں۔ اس لیے چلا آیا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم غسل کر کے آتے تو زیارت و ثواب دونوں چیزیں مل جاتیں۔ میں اٹھا اور غسل کرنے چلا گیا۔

ایک دن میں امام جعفر صادقؑ کے ساتھ مکہ میں جا رہا تھا کہ اچانک ہمیں ایک عورت دکھائی دی، جس کے سامنے ایک مُردہ گائے پڑی تھی۔ وہ زار زار رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی: میرا اور میرے بچوں کا گزارہ تو صرف اسی گائے کے دُودھ پر تھا۔ اب وہ مر گئی ہے میں کیا کروں۔ حضرت امامؑ اس کے حالِ زار پر متوجہ ہوئے۔ آپ نے فرمایا تم چاہتی ہو کہ تمہاری گائے پھر زندہ ہو جائے۔ بڑھیا نے کہا: نوجوان! تم اس ضعیفہ مصیبت زدہ کے ساتھ کیوں مذاق کر رہے ہو۔ آپ نے فرمایا: واللہ مذاق نہیں کر رہا۔ پھر آپ نے دست دعا بلند کئے۔ گائے نے پہلے تو سر پاؤں ہلائے، پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ بڑھیا خوش ہو گئی اور دو نفل نمازِ شکرانہ ادا کئے اور آسودہ حال ہو گئی۔

ایک اور راوی نے بیان کیا کہ میں امام جعفرؑ کے ساتھ صبح کو جا رہا تھا۔ برسرِ راہ ایک خشک کھجور کا درخت نظر پڑا جس کے نیچے ہم نے ڈیرہ ڈال دیا۔ جب چاشت کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا: اے کھجور! ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کرو۔ کھجور اسی وقت سرسبز ہو گئی۔ اس کے ساتھ خوشے لگے اور حضرت امامؑ کی طرف جھک گئے۔ حضرت امامؑ نے مجھے آواز دی اور کہا: آؤ بسم اللہ کرو اور کھانا کھاؤ۔ جو ہم نے کھائیں تو بڑی میٹھی اور شیریں کھجوریں تھیں۔ میں نے زندگی بھر ایسی میٹھی کھجوریں نہیں کھائی تھیں۔ ایک اور شخص وہاں کھڑا تھا کہنے لگا: کیا زود اثر جادو ہے۔ آپ نے فرمایا: جادو نہیں، یہ دُعا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اگر تم چاہو تو میں ابھی دُعا کروں اور تم کتے کی شکل میں نظر آنے لگو۔ اعرابی اپنی سگ طبعی کے باعث کہنے لگا: اچھا دعا کر لو۔ حضرت نے فی الفور بددعا کی تو کتے کی شکل میں تبدیل ہو کر اپنے گھر کو جانے لگا۔ حضرت امامؑ نے مجھے حکم دیا کہ اس کتے کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ جب وہ اعرابی اپنے گھر جا کر اپنی اہلیہ کے پاس گیا تو دُم ہلانی شروع کر دی۔ اس نے ایک ڈنڈا اٹھایا اور اسے گھر سے باہر نکال دیا۔ وہاں سے نکل کر پھر حضرت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے قدموں میں لیٹنے لگا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حضرت امامؑ کو اس کی حالتِ زار پر رحم آ گیا اور دعا کی تو وہ اپنی اصلی حالت میں آ گیا۔

شواہد النبوت میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے جو حضرت امام جعفر صادقؑ کی مجلس میں بیٹھا تھا روایت کی ہے کہ کسی نے آپ کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معجزات کا ذکر کیا کہ حضرت خلیل اللہ نے اللہ کے حکم سے چار پرندوں کو پکڑا اور ذبح کر کے ان کے گوشت کا قیمہ بنا لیا اور

باہم ملا کر انھیں پھر بلایا۔ وہ زندہ ہو کر حاضر ہو گئے۔ حضرت امامؑ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ ایسا واقعہ پھر رونما ہو اور تم اسے آنکھوں سے دیکھ لو۔ لوگوں نے کہا: یا ابن رسول کیا مضائقہ ہے۔ چنانچہ آپ نے آواز دی: اے مور تم آؤ، اے کوّے تم آؤ۔ اے باز تم آؤ، اے کبوتر تم بھی آؤ۔ چاروں پرندے فوراً حاضر ہو گئے۔ چاروں کو ذبح کر کے ریزہ ریزہ کر دیا اور باہم ملا دیا۔ لیکن ان کے سر علیحدہ محفوظ کر لئے۔ پھر آپ نے مور کا سر اٹھایا اور مور کو بلایا۔ میں نے دیکھا کہ گوشت سے مور کے گوشت کے ریزے بکھرنے لگے اور یکجا اکٹھے ہو کر ایک مور کی شکل میں نظر آنے لگے۔ مور زندہ ہو گیا۔ اسی طرح سارے پرندے ایک ایک کر کے زندہ ہو گئے۔

آپ کا ایک دوست حج بیت اللہ کو روانہ ہوا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے دس ہزار درہم آپ کو بطور امانت دیئے اور کہا اس رقم سے میرے لئے ایک مکان خرید رکھیں تاکہ واپسی پر اس میں سکونت کر سکوں۔ آپ نے اس کے جانے کے بعد سارا روپیہ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا۔ جب وہ واپس آیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لئے میں نے جنت میں مکان خرید لیا ہے جس کی ایک دیوار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان سے ملتی ہے اور دوسری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان سے جا ملتی ہے۔ تیسری دیوار حضرت حسن اور چوتھی دیوار حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے گھر سے ملتی ہے۔ میں نے اس مکان کی دستاویز بھی تیار کر لی ہے جو میں تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ ایک کاغذ لائے جو اس کے حوالے کر دیا۔ اس شخص نے یہ کاغذ اپنے پاس رکھا اور وفات سے پہلے وصیت کی کہ یہ دستاویز میرے کفن میں رکھی جائے۔ اس کے لواحقین نے ایسا ہی کیا۔ دو سو سال بعد لوگوں نے وہ کاغذ اس کی قبر پر پڑا پایا۔ اس کی پشت پر لکھا تھا کہ جعفرؑ بن محمد کی تحریر کو منظور کر لیا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادقؒ کی وفات مدینہ پاک میں بروز منگل ۱۵۔ رجب یا بروز جمعہ ۱۸۔ رجب ۱۴۸ھ میں ہوئی۔ آپ اپنے باپ اور دادا کے روضہ کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

امام باصفا صادق شہِ دیں! — کہ بود اندر طلب مطلوب کامل
عطا رو نیک تو لیدش حیا نست — بتر حیلش بگو محبوب کامل

۱۴۸ھ

۱۱۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ عنہ

کنیت ابوحنیفہ، لقب امام اعظم، نام نعمان ابن ثابت اور خیر التابعین میں سے تھے۔ چار ائمۂ دین میں سے پہلے امام اور حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کے جلیس خاص تھے۔ آپ نے حضرت امام جعفرؒ سے بڑا استفادہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سات صحابہؓ کی زیارت کی۔ ان صحابہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: انس بن مالک۔ جابر بن عبداللہ۔ عبداللہ بن انس، عبداللہ بن ابی عبداللہ بن حرث، معقل بن یسار۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم۔ آپ نے ان صحابہ کرام سے احادیث کی روایت کی ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم بلخی، داؤد طائی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے آپ کے شاگرد تھے۔ فقہا میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد نے بڑی شہرت حاصل کی۔ آپ کا شجرہ پرانی کتابوں میں یوں درج ہے:

"امام ابوحنیفہ نعمان کوفی بن ثابت بن قیس بن یزوجرد بن شہریار بن پرویز بن نوشیرواں عادل"

حضرت مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کو ہدیۂ تحسین پیش کیا ہے اور آپ کو امام اماماں، مقتدائے سنیاں، شرف فقہا و علما لکھا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ جب روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طواف کرتے تو عرض کرتے: السلام علیک یا رسول اللہ۔ تو جواب آیا کرتا تھا: علیک السلام یا امام المسلمین۔ حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پیغمبر خدا کو خواب میں دیکھا تو عرض کی: یا رسول اللہ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا، علم ابوحنیفہ کے پاس۔ خواجہ محمد پارسا نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ امام اعظم کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ اس مذہب پر گامزن ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک اسی دین پر حکم چلایا کریں گے۔ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی کتاب راحت القلوب میں لکھا ہے کہ جناب امام ابوحنیفہ جب آخری حج بیت اللہ کو گئے تو رات کے وقت کعبۃ اللہ کا دروازہ پکڑ کر ایک پاؤں پر کھڑے رہے اور نصف قرآن ختم کر دیا۔ پھر دوسرے پاؤں پر کھڑے رہے اور نصف دوسرا ختم کیا۔ پھر کہا ما عرفناک حق معرفتک وما عبدناک حق عبادتک۔ اتنے نے

آواز دی، ابوحنیفہ تم نے پہچان لیا، جیسے کہ پہچاننے کا حق ہے اور میری تم نے عبادت کر دی جیسا کہ حق ہوتا ہے، ہم تمھیں اور تیرے مقلدین کو بخش دیں گے۔

یہ روایت نقل کی جاتی ہے: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک کے منہ میں لعابِ دہن ڈال کر فرمایا: ہماری یہ امانت ابوحنیفہ کو پہنچا دینا۔ حضور کا یہ لعابِ دہن حضرت انس کے منہ میں ایک آبلے کی طرح محفوظ رہا۔ جب حضرت امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے تو آپ نے یہ امانت آپ تک پہنچا دی۔ یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ حضرت امام ایک رات میں ہزار رکعت نماز ادا کیا کرتے۔ تیس سال تک عشا کی نماز کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی۔

حضرت امام ابوحنیفہ مین عالمِ شباب میں تھے کہ امام شافعی پیدا ہوئے۔ چار سال تک وہ والدہ ماجدہ کے شکم میں رہے۔ جس رات امام ابوحنیفہ کا وصال ہوا تو آپ پیدا ہوئے۔ شیخ فریدالدین عطارؒ نے اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ امام اعظم نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر سے جسمِ انور کو نکال کر تمام ہڈیاں علیحدہ علیحدہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کی ہیبت سے آنکھ کھل گئی۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے خواب کی تعبیر دریافت کی تو آپ نے بتایا کہ آپ پیغمبرِ خدا اور حفظِ سنتِ رسول میں وہ مقام حاصل کریں گے کہ صحیح سنت کو سقم سے جدا کر دیں گے۔

ایک دفعہ حضرت امام ابوحنیفہ نے ارادہ کر لیا کہ میں گوشہ نشینی اختیار کر لوں اور یادِ خداوندی میں وقت گزار دوں۔ رات کو حضرت رسالت پناہ کی زیارت ہوئی تو آپ نے فرمایا، ابوحنیفہ! تمھیں اس لیے زندگی عطا کی گئی ہے کہ میری سنت کا اعلان کرتے رہو اور میرے علوم کو پھیلاتے جاؤ، گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کے لئے نہیں۔ چنانچہ اس دن کے بعد آپ نے خدمتِ سنتِ رسول میں دن رات وقف کر دیا۔

حضرت امام اعظم کی مسجد کے قریب ہی بچے گیند سے کھیل رہے تھے۔ ایک دفعہ گیند آپ کی مجلسِ قرآن میں آگرا۔ کسی لڑکے کو جرأت نہ ہوئی کہ مجلس سے گیند اٹھائے۔ ایک لڑکے نے اعلان کیا کہ میں جا کر گیند لاتا ہوں۔ چنانچہ وہ گستاخانہ گیا اور گیند اُٹھا لایا۔ حضرت امام نے اس بچے کی بیباکی دیکھ کر فرمایا کہ یہ بچہ حلال زادہ نہیں ہو سکتا۔ جب تفتیش کی گئی تو واقعی ایسا نکلا۔

لوگوں نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: حلال زادوں کے حیا مانع ہوتی ہے۔

حضرت امام اعظم نے ایک شخص سے قرضہ لینا تھا۔ اتفاقاً آپ کا ایک شاگرد مقروض کے محلے میں فوت ہو گیا۔ آپ بھی شریکِ جنازہ ہوئے۔ چونکہ دھوپ بہت تھی اس لئے جنازے کے انتظار میں سارے لوگ آپ کے مقروض کے مکان کی دیوار کے سایہ میں کھڑے ہو گئے۔ مگر حضرت امام ابو حنیفہ دھوپ میں کھڑے رہے۔ لوگوں نے سایہ میں کھڑا ہونے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ جب تک میں قرضہ لے نہ لوں اس کی دیوار سے فائدہ اٹھانا داخلِ سود خیال کرتا ہوں۔

ایک امیر آدمی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا۔ وہ یہاں تک تعصب کرتا کہ آپ کو یہودی کہا کرتا۔ اس بات کو جب امام صاحب نے سنا تو اسے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ بھائی! تمہاری بیٹی کا نکاح ایک مالدار یہودی سے کرنا چاہتا ہوں۔ وہ شخص کہنے لگا۔ آپ مسلمانوں کے امام ہیں۔ آپ کے نزدیک یہ کب روا ہے کہ ایک مسلمان کی بیٹی ایک یہودی کے نکاح میں آئے۔ پھر میں ایک مسلمان ہوں۔ میری بیٹی یہودی کے نکاح میں کس طرح آسکتی ہے؟ آپ نے فرمایا، سبحان اللہ۔ تم تو اپنی بیٹی یہودی کے نکاح میں دینا گوارا نہیں کرتے مگر حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ روا رکھتے ہو کہ انھوں نے اپنی دو بیٹیاں ایک یہودی کے نکاح میں دے دیں۔ اس شخص نے بات کی حقیقت کو سمجھ لیا اور اپنے بغض و تعصب سے تائب ہو گیا۔

کوفہ کے لوگوں نے مسجد بنانے کے لیے عوام الناس سے مالی امداد کی اپیل کی۔ حضرت امام اعظم کی خدمت میں بھی گئے کہ تبرکاً کچھ نہ کچھ دیں۔ حضرت امام نے ہزار وقت ایک درہم دیا تو شاگردوں نے کہا، حضرت آپ اتنے سخی ہیں مگر مسجد کے معاملہ میں یہ بخل۔ آپ کو یہ بات بڑی گراں گزری اور فرمایا کہ مجھے پتہ ہے کہ مالِ حلال آب و گل پر خرچ نہیں ہو سکتا۔ میرا مال حلال ہے اس لئے جب لوگوں نے روپے مانگے میرے دل پر گراں گزرا۔ چند دن گزرنے کے بعد مسجد کے بانی واپس آئے اور امام صاحب کو ایک درہم واپس کر گئے اور کہنے لگے، یہ تو کھوٹا ہے۔ آپ نے بصد خوشی واپس لے لیا اور فرمایا: الحمد للہ میرا حلال مال آب و گل پر خرچ نہیں ہوا۔

حضرت علی مخدوم ہجویری گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہوری نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ شام میں حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ کے مزار پاک پر بیٹھا سو گیا۔ خواب میں اپنے آپ کو مکہ مکرمہ میں پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ میں آئے اور ایک بوڑھے آدمی کو بغل میں بچے کی طرح اٹھا لائے۔ اس بوڑھے پر آپ بڑی شفقت فرما رہے ہیں۔ میں حضور کے پاس گیا سلام کہا اور پائے مبارک کو چوما۔ تعجب ہوا کہ یہ بوڑھا کتنا خوش بخت ہے کہ حضور اس پر بچوں کی طرح شفقت فرما رہے ہیں اور گود میں اٹھائے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل کی اس کیفیت کو خود ہی بھانپ گئے اور فرمانے لگے، اے علی! یہ امام اہلسنت ابوحنیفہ ہیں۔

بقول صحیح آپ کا سن ولادت ۸۰ھ ہے مگر بعض مورخین نے ۸۲ھ میں لکھا ہے۔ آپ کا وصال باتفاق اہل اسلام ۱۵۰ھ میں ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

سن تولیدش بقول اہل سیر — بے نیاز و لفظ نیک است و امام
کن رقم سلطان تو سال رحلتش — طالب حق گو، محبوب انام
نیز سال انتقالش گفت دل — قطب از دوراں رواں شد والسلام

۱۲۔ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ۔ نام مالک یا انس بن مالک تھا۔ آپ چار ائمہ مذاہب میں سے دوسرے امام ہیں۔ حضرت امام شافعی کے استادوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے شمائل، فضائل اور مناقب بے اندازہ ہیں۔ اس مختصر کتاب میں مجال بیان نہیں۔ آپ کی ولادت ۹۵ھ میں اور وفات بروز یکشنبہ ہفتم ماہ ربیع الآخر ۱۷۹ھ (اور بعض تذکروں میں ۱۸۱ھ بھی درج ہے) مزار پر انوار مدینہ منورہ میں ہے۔

قطب محبوبی است رحلت او — سالک اہل دل وصالش داں
از خود صاحب عطا جستہ — سرور زار سال رحلت آں

۱۳۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی یعقوب بن ابراہیم اور لقب ابو یوسف، مقام پیدائش کوفہ۔ اور حضرت امام اعظم کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور حضرت امام نے ہمیشہ اپنے اس لائق شاگرد کی تعریف کی اور حضرت نے آپ کو قاضی القضاۃ کا خطاب دیا۔ اگرچہ آپ عدالتی کارروائی میں بہت مصروف رہتے تھے تاہم رات کو دو صد رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ آپ ۱۱۰ھ میں (بقول دیگر ۱۱۳ھ) پیدا ہوئے اور وصال بروز جمعہ ۲۷۔ ماہ رجب ۱۸۲ھ میں ہوا۔ آپ کی عمر ستر سال اور مزار مبارک بغداد میں ہے۔

ابو یوسف آں یوسفِ دین حق ولی جہاں مقتدائے زماں
خود گفت وصلش سعید اوّل دلم گفت عابد ولی جہاں
۱۸۲

۱۴۔ حضرت امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد کا اسم گرامی حسن تھا جو شام سے ہجرت کر کے عراق تشریف لائے اور واسطہ میں قیام پذیر ہوئے۔ اسی مقام پر حضرت امام محمد کی ولادت ہوئی۔ کوفہ میں پرورش پائی اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شاگردی اختیار کی۔ حضرت امام صاحب کے علوم آپ کی کوششوں سے دنیائے اسلام میں پھیلے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کو صاحبین کہا جاتا ہے۔ اور امامین بھی۔ یہ دونوں بزرگ صاحب تصانیف کثیرہ ہوئے ہیں۔ امام شافعی بھی آپ کے ہی شاگرد تھے۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب راحت القلوب میں لکھا ہے کہ امام شافعی حضرت امام محمد کی رکاب تھامے جا رہے تھے اور کہتے تھے، اگر میں یہ کہوں کہ قرآن پاک محمد بن حسن شیبانی کی لغت میں نازل ہوا تھا تو روا ہے۔ کیونکہ آپ بہت ہی فصیح تھے۔ صاحب سفینۃ الاولیاء (داراشکوہ) نے اس صاحبِ کمال کی تاریخ وفات ۱۴۔ جمادی الاخریٰ (بقول دیگر رمضان) ۱۸۹ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار رے میں ہے ——

مخبر الواصلین کے مصنف نے آپ کی تاریخِ وفات ۱۰۶ھ بروز پیر ۲۲۔ ماہِ صفر تحریر کی ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی قول معتبر ہے۔

محمد چو از لطفِ فضلِ الٰہ — رسید از جہاں در مقام جناں
رقم شد وصالش محمد عزیز — دگر ظاہر آمد امام جناں
۱۰۸۹ھ

۱۵۔ حضرت موسیٰ کاظم بن جعفر رضی اللہ عنہ

آپ امام ہفتم ائمہ عشریں سے تھے۔ کنیت ابوالحسن۔ ابوابراہیم۔ لقب کاظم۔ اور والدہ کا نام ام ولد حمیدہ بربری تھا۔ آپ کی ولادت بمقام ابوا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، ہوئی تھی اور تاریخ ولادت بروز اتوار ۷۔ ماہ صفر ۱۲۸ھ ہے۔ عباسی خلیفہ مہدی بن منصور جب آنحضرت کو پہلی بار مدینہ پاک سے بغداد لائے تو گرفتار کر دیا۔ رات کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا جنھوں نے فرمایا: مہدی! فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطعوا ارحامکم۔ ربیع کہتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین نے مجھے آدھی رات کو طلب کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس آیت کو نہایت خوش الحانی سے تلاوت کر رہا ہے۔ مجھے کہا جاؤ اور ابھی موسیٰ کاظم بن جعفر کو جیل سے لے آؤ۔ میں لے کر آیا تو گلے لگا کر اپنے پاس بٹھا لیا اور خواب کا واقعہ پیش کیا اور پوچھا: کیا ہو سکتا ہے کہ آپ مجھے بے غم کر دیں اور مجھ پر خروج نہ کریں۔ آپ نے فرمایا: واللہ! میں نے ہرگز خروج نہیں کیا اور نہ ہی کروں گا۔ خلیفہ نے پوچھا: آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ پھر ربیع کو کہا کہ دس ہزار دینار حضرت کو دے دیئے جائیں اور سفر کا سامان کریں تاکہ وہ مدینہ شریف جا سکیں۔ ربیع کہتے ہیں: میں نے فوراً تیاری کی اور حضرتِ امام کو مدینہ روانہ کر دیا۔ اس خوف سے صبح کوئی نئی مصیبت رونما نہ ہو جائے۔

حضرت امام مہدی کے آخرین ایامِ حکومت تک آرام سے رہے۔ دوسری بار دشمنان آنحضرت نے خلیفہ ہارون الرشید کے کان بھرے اور حضرت کو دوسری بار بغداد میں طلب کر لیا گیا اور قید میں ڈال دیا۔ حتیٰ کہ آپ ایک عرصہ کے بعد زہر خورانی سے واصلِ حق ہو گئے۔

جب حضرت کاظم کو یحییٰ بن خالد نے ہارون الرشید کے حکم سے جیل خانہ میں زہر دیا۔ آنحضرت نے زہر کھانے کے بعد فرمایا کہ آج اہلبیت کے معاندین نے مجھے زہر دیا ہے۔ کل میرا بدن زرد ہو جائے گا۔ پھر نصف سرخ ہو جائے گا، نصف سیاہ ہوگا۔ میری روح اس دار الفنا سے دار البقا کی طرف جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ہارون الرشید نے اپنے امراء میں سے علی بن یقطین کو لباس فاخرہ اور زربفت قبا اس لئے دی کہ وہ حضرت موسیٰ کاظم سے بکمال محبت پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اس قیمتی لباس کو حضرت کے پاس جیل میں لے گئے۔ حضرت نے اور چیزیں تو قبول فرمالیں مگر وہ قیمتی زربفت کا سیاہ لباس اسی طرح واپس کر دیا اور کہا کہ اس قیمتی لباس کو اپنے پاس محفوظ رکھو تاکہ کسی مشکل وقت میں کام آئے کچھ دنوں کے بعد ایک غلام علی بن یقطین کی طرف سے آیا اور ہارون الرشید کو یہ سارا واقعہ سنا دیا۔ خلیفہ نے کہا کہ علی بن یقطین موسیٰ بن کاظم کو اپنا امام تصور کرتے ہیں اور بڑی مالی امداد کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ تحفہ آپ نے قبول نہیں کیا۔ ہارون الرشید اس بات سے بڑا برہم ہوا اور علی کو اپنے پاس بلایا کہ میرے فلاں حجرے میں جاؤ، اس میں ایک صندوق پڑا ہوگا۔ اسے کھولو، اس میں ایک برتن ہوگا اسے میرے پاس لے آؤ۔ وہ گیا اور برتن لے آیا۔ علی نے ایسا ہی ایک لباس جو خلیفہ نے دیا تھا، اس برتن سے نکالا اور سامنے رکھ دیا۔ ہارون الرشید کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور اپنے برے ارادے سے رک گیا۔

شواہد النبوت کے مصنف (حضرت مولانا عبدالرحمان جامی) فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے جو حضرت موسیٰ کاظم کا معتقد تھا، بیان کیا ہے کہ جب پہلی بار مہدی نے حضرت کو مدینہ سے طلب کیا میں مدینہ سے دور تک آپ کے ساتھ گیا۔ میں رو رہا تھا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: بھائی تجھے کس بات نے اتنا مغموم بنا دیا ہے۔ وہ کہنے لگا میں کیوں نہ روؤں آپ دشمنِ اہل بیت کے پاس جا رہے ہیں۔ خدا معلوم آپ سے وہ کیا سلوک کریں گے۔ آپ نے فرمایا: فکر نہ کرو میں فلاں ماہ فلاں دن اور فلاں وقت واپس آجاؤں گا۔ تم یہاں ہی آکر میرا انتظار کرنا۔ یہ کہہ کر مجھے اجازت دی۔ جب وعدہ کے مطابق وہ تاریخ آئی تو میں اسی مقام پر بہر استقبال گیا۔ میں نے دیکھا کہ عراق کی طرف سے ایک حبشی نمودار ہوا۔ آنحضرت اس حبشی کے آگے آگے ایک

اُونٹنی پر سوار چلے آرہے ہیں اور آکر میرا نام لے کر پکارا۔ میں نے لبیک کہا تو فرمانے لگے: تمہارے دل میں شک آنے ہی والا تھا۔ میں نے کہا، ہاں حضرت! آپ نے فرمایا: الحمدللہ میں ظالموں کے پنجے سے بچ کر نکل آیا۔ لیکن میں ایک بار پھر جاؤں گا اور پھر نہیں آؤں گا۔

یاد رہے کہ حضرت کاظم رضی اللہ عنہ بتاریخ ۵۔ رجب ہارون الرشید کے جیل خانہ میں زہر خورانی سے فوت ہوئے۔ آپ کو کھجور میں زہر دیا گیا اور بروز جمعہ ۱۸۶ھ واصلِ بحق ہوئے۔ بغداد میں آپ مدفون ہوئے۔

سرورِ دہر سیّد کونین — سالِ تولید اوست ایں حسینؑ ۱۲۵
سالِ ترحیلِ آں حبیب اللہ — کن رقم سیّد ولی اللہ ۱۸۶
باز سالِ وصال آں مسعود!! — موسیٰ اہلِ دل خرد فرمود

۱۶۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

کنیت ابوعبداللہ، لقب شافعی، نام محمد بن ادریس تھا۔ آپ قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا نسب نامہ آٹھ واسطوں سے حضرت عبدالمطلب سے ملتا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت ام الحسن بنت حمزہ بن قاسم بن زید بن حسن بن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ ہے۔ اسی لیے آپ کو قریشی، ہاشمی، علوی اور فاطمی کہا جاتا ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے امام سوئم ہیں۔ جب تک مدینہ میں رہے حضرت امام مالک سے پڑھتے رہے۔ جب عراق میں آئے امام محمد بن حسن شاگردِ حضرت امام اعظم سے استفادہ کیا۔ آپ کی ولادت بمقام غزہ یا عسقلان یا بقول دیگرے منادر ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

امام شافعی تیرہ سال کی عمر میں حرم میں کہہ رہے تھے: سلونی بما شئتم۔ جو چاہتے ہو مجھ سے پوچھو۔ پندرہ سال کی عمر میں فتویٰ دینے لگے۔ امام احمد بن حنبلؒ جنہیں تین ہزار احادیث یاد تھیں آپ کی شاگردی میں فخر محسوس کرتے تھے اور آپ کی خاشیہ برداری میں راحت محسوس کرتے تھے۔ لوگوں نے ایک بار آپ سے کہا: آپ بایں علم و فضیلت ایک بچے کے سامنے

زانو نے تلمذ طے کرتے ہیں اور مشائخ و اساتذہ کی صحبت ترک کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا، جو چیز ہمیں یاد نہ شافعی ان کے معنی جانتا ہے۔ فقہ کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے کھول دیا۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے دریافت فرمایا، بیٹا تمہارا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کی کہ میں آپ کے کمترین غلاموں میں سے ہوں۔ آپ نے مجھے اپنے پاس بلا کر اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈالا اور فرمایا کہ اللہ کی برکات تجھے نصیب ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی انگشتری اتار کر مجھے پہنا دی۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انوار اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علوم مجھے نصیب ہوئے۔

حضرت امام شافعی کی والدہ زاہدہ، عابدہ اور امینہ تھیں۔ لوگ اپنی امانتیں آپ کے سپرد کر جاتے ایک دفعہ دو آدمی آئے۔ ایک صندوقچہ جو مال و سامان کا بھرا ہوا تھا آپ کے حوالے کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان میں سے ایک شخص آیا اور وہ صندوقچہ لے گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دوسرا بھی آیا اور صندوقچہ مانگا۔ تو حضرت بی بی نے بتایا کہ تمہارا ساتھی لے گیا ہے۔ اس نے کہا کہ دونوں کی حاضری کے بغیر آپ نے ایک شخص کو کیوں دے دیا۔ حضرت شافعی جن کی عمر پندرہ سال تھی آ گئے۔ سارا واقعہ سننے کے بعد والدہ ماجدہ سے کہنے لگے آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔ مدعی سے آپ نے پوچھا کہ صندوقچہ دیتے وقت آپ لوگوں نے یہ شرط رکھی تھی کہ ہم دونوں آئیں تو امانت دی جائے۔ اب تم جاؤ اور اپنے دوست کو ہمراہ لے آؤ تاکہ صندوقچہ دونوں کو دیا جائے۔ جب تک تم دونوں اکٹھے نہیں آؤ گے صندوقچہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ مدعی متحیر ہو کر چلا گیا۔

ہارون الرشید ایک رات اپنی بیگم زبیدہ سے الجھ پڑا۔ زبیدہ نے ہارون کو دوزخی کہہ دیا۔ ہارون نے کہا، اگر میں دوزخی ہوں تو تمہیں طلاق ہو گئی۔ چنانچہ دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ زبیدہ ہارون کی محبوب بیوی تھی اور ہارون پر دل و جان سے فدا تھی۔ چنانچہ دونوں اس اتفاقیہ تلخ کلامی سے ایک جدائی میں مبتلا ہو گئے۔ ہارون نے علماء بغداد کو جمع کر کے اس مسئلہ کا حل دریافت کیا اور فتویٰ چھاپا کر زبیدہ اس پر حلال ہو جائے۔ علماء کے لیے کوئی جواب نہ تھا اور کہا کہ خدائے عالم الغیب ہی جانتا ہے کہ ہارون دوزخی ہے یا جنتی! اس مجلس سے ایک بارہ سالہ لڑکا اٹھا اور اس نے کہا، میں جواب دوں گا۔ علماء و امراء اس کی اس جرأت پر حیران رہ گئے۔

اور کہنے لگے تم دیوانے ہو۔ لیکن ہارون الرشید نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا اگر ہو سکتا ہے تو جواب دو۔ یہ لڑکا امام شافعی تھے۔ حضرت امام شافعی نے خلیفہ کو کہا۔ چونکہ آپ سائل ہیں اس لئے تخت سے نیچے آجائیں اور مجھے تخت پر بٹھادیں۔ علماء وارث انبیاء ہوتے ہیں اور جانشین رسول ہیں ہارون تخت سے اتر آیا اور امام شافعی تخت نشین ہو گئے۔ ہارون نے ایک سائل کی حیثیت سے مسئلہ بیان کیا۔ حضرت امام شافعی نے کہا: جو کچھ میں پوچھوں اس کا صحیح جواب دیا جائے اور جھوٹ قطعاً نہ بولا جائے۔ اب تم اپنی زندگی پر نظر دوڑا کر بتاؤ کبھی تم معصیت پر قادر ہو کر خوفِ خداوندی سے ڈر کر رک گئے ہو۔ ہارون نے کہا: ہاں ایک دفعہ بغداد کے ایک امیر کی ایک خوبصورت اور جوان سال لڑکی میری توجہ کا مرکز بنی، اسے میرا کچھ خیال نہ تھا۔ ہزار ہا حیلہ و مکر کے بعد میں نے اسے طلب کر لیا اور تخلیہ میں لے جا کر اظہارِ مدعا کیا۔ جب وہ بھی آمادۂ زنا ہو گئی تو میں خدائے خوف سے کانپ اٹھا اور اس عورت سے علیحدہ ہو گیا۔ حضرت شافعیؒ فرمانے لگے: اگر تم اس واقعے میں سچے ہو تو میں فتوے دیتا ہوں کہ تم دوزخی نہیں جنتی ہو۔ اگر جھوٹ بول رہے ہو تو اس کا عذاب تمہاری گردن پر ہوگا۔ اس فتوی کو سنتے ہی علماء مجلس نے شور برپا کر دیا کہ آپ کس دلیل سے یہ فیصلہ دے رہے ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت کی:

واما من خاف مقام ربہ و نہی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی۔

لوگوں نے پوچھا کہ ہارون کے سچا ہونے کی کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ واقعی حلفاً بیان کیا ہے۔ ہارون الرشید نے دوبارہ حلف اٹھایا اور اس واقعہ کی تصدیق کی۔ علماء کرام نے فتویٰ دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔

حضرت امام شافعی کے زمانے میں دیگر مذاہب کے بعض علماء نے علمائے اسلام سے مناظرہ شروع کر دیا۔ بغداد میں بہت بڑا اجتماع ہوا۔ دریائے دجلہ پر بحث و مناظرہ شروع ہوا۔ حضرت امام شافعی جو علمائے اسلام کی طرف سے آئے ہوئے تھے دریائے دجلہ کے پانی پر مصلّی بچھا کر بیٹھ گئے اور کہا، غیر مذاہب کے جو علماء بحث کرنا چاہتے ہیں میرے سامنے آکر بیٹھ جائیں۔ مگر کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی۔ تمام شرمسار ہو کر چلے گئے۔ آپ کی وفات بروز جمعہ ماہ رجب ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ مزار پُر انوار قرافہ مصر میں ہے۔

سال ترحیلِ آں یگانہ بگو — سرورِ اصحابِ زمانہ بگو
حبیبِ اصفیا کردم رقم ہم سال وصل او — کہ ذاتِ او امام و مقتدا مومناں آید
۲۰۴ھ

۱۷۔ حضرت امام علی بن موسیٰ بن جعفر صادق رضی اللہ عنہ

ائمہ اثنا عشر میں آٹھویں امام ہیں۔ کنیت ابوالحسن، لقب رضا اور ولادت مدینہ پاک میں ہوئی۔ ولادت ۱۵۲ھ بعد از وفات حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ۔ تاریخ نگاروں نے آپ کی والدہ کا نام تخمینہ، شماتۃ، ام النبیین اور استقراء لکھا ہے۔ وہ حضرت کاظم کی والدہ بی بی حمیدہ کی کنیزک تھیں۔

ایک رات حضرت حمیدہؓ نے خواجہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا: اپنی کنیزک تخمینہ کو اپنے بیٹے موسیٰ کے نکاح میں دے دو۔ اللہ اس سے ایک ایسا بیٹا دے گا جو رُوئے زمین کے بہترین انسانوں سے ہوگا۔

حضرت رضا کی والدہ سے یہ روایت منسوب ہے کہ جب رضا میرے پیٹ میں تھے مجھے کوئی بوجھ یا گرانی محسوس نہیں ہوتی تھی اور خواب میں مجھے اپنے پیٹ سے تسبیح کی آواز سنائی دیتی تھی بعض اوقات میں ڈر جایا کرتی تھی۔ جونہی میں بیدار ہوتی کوئی آواز نہ سنتی۔ حضرت رضا نے ولادت کے وقت اپنے ہاتھ زمین پر رکھ لئے اور نگاہ آسمان کو کر دی اور ہلتے ہوئے لبوں سے دعا جاری تھی۔

خلیفہ مامون نے حضرت رضا کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ جب آپ دربار میں جاتے تو خلیفہ کے امراء اور اعیان استقبال کو کھڑے ہو جاتے اور جو پردہ خلیفہ کے تخت کے ساتھ آویزاں ہوتا، اٹھا دیا جاتا۔ کچھ عرصہ کے بعد بعض درباریوں نے حسد و بغض کی وجہ سے نفرت کے طوفان برپا کر دیئے اور اس بات پر متفق ہو گئے کہ اس کے بعد آپ کا استقبال نہ کیا جائے اور نہ ہی پردہ اٹھایا جائے۔ لیکن دوسرے روز جب حضرت امام تشریف لائے تو امرائے دربار اٹھے اور پردہ بھی اٹھا دیا گیا۔ امام صاحب کے اندر جانے کے بعد انھیں احساس ہوا تو انہوں نے ایک دوسرے کو لعن طعن کرنا

شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے قسم اٹھا کر کہا کہ آئندہ کوئی نہ اٹھے۔ لیکن پھر آپ کے آنے پر اٹھے اور سلام کیا مگر پردہ اٹھانے میں توقف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک تیز ہوا کو بھیجا جس سے پردہ اٹھ گیا اور امام صاحب اندر تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو پھر ہوا سے پردہ اٹھا۔ امرا دربار نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو قائل ہو گئے کہ امام اللہ کے عزیز ہیں۔ ہمارے ذلیل کرنے سے آپ ذلیل نہیں ہو سکتے۔ مجبوراً رسم دربار کے مطابق عمل کرنے لگے۔

امام رضاؑ کی ولیعہدی کے دوران ایک عرصہ تک بارش نہ ہوئی۔ مامون الرشید کے بعض وزراء جو خاندانِ نبوت سے بغض رکھتے تھے۔ خلیفہ کو کہنے لگے: جس دن سے آپ نے انہیں ولیعہد مقرر کیا ہے اللہ کی رحمت کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ یہ بات خلیفہ کو بڑی ناگوار گزری اور آپ سے طلب نزولِ بارانِ رحمت کی۔ آنحضرتؑ دعا کے لئے اتوار کو ایک صحرا میں نکل پڑے۔ ایک عظیم اجتماع میں بارش کے لئے دعا فرمائی۔ اسی وقت بادل گھر کر آئے ..... اور لوگ دوڑ کر محفوظ مقامات کی طرف چلے مگر حضرتؑ نے فرمایا، لوگو! رک جاؤ۔ یہ بادل تو فلاں شہر کے ہیں، یہاں نہیں برسیں گے۔ تھوڑے توقف کے بعد مطلع صاف ہو گیا۔ پھر بادل آئے مگر آپ نے لوگوں کو کہا، یہ بادل فلاں علاقے کے لئے ہیں۔ چنانچہ دس بار اسی طرح ہوا۔ گیارھویں بار جب بادل آئے تو آپ نے فرمایا: یہ بادل تمہارے لئے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرو اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ یہ بادل اس وقت تک نہ برسیں گے جب تک تم گھروں میں محفوظ نہ ہو جاؤ گے۔ آپ خود بھی منبر سے اترے اور اپنی جگہ پر پہنچے۔ جب تمام لوگ اپنے گھروں میں پہنچ گئے تو بارانِ رحمت کا نزول ہوا حتیٰ کہ ایسی بارش پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

مامون الرشید کا ایک مقرب ولی عہدی کی تمنا دل میں اور حسد و بغض کا بوجھ لئے مامون الرشید کو کہنے لگا کہ آپ نے بنو عباس کے خاندان سے خلافت علیحدہ کر کے حضرت علیؑ کے گھر میں بھیج دی ہے حالانکہ یہ لوگ عباسیہ کے بڑے بدخواہ ہیں۔ بادیہ گمنامی کے گمناموں کو از سرِ نو شہرت دے دی ہے اور ہم لوگوں سے ان لوگوں کے مراتب بلند کر دیئے ہیں۔ یہ بات بلند ہمتی، دلاوری اور انصاف سے بڑی بعید ہے۔ اگر یہ کام اچھا ہوتا تو آپ کے آباؤ اجداد ہی کر لیتے۔ مامون نے بتایا کہ علی رضاؑ کی ولیعہدی میری محبت اور الفت کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ

عوام میں بیٹھ کر انھیں خلافت و بیعت پر آمادہ کرتے تھے۔ میں نے اسے اپنا ولی عہد بنا دیا تاکہ وہ لوگوں کو میری طرف دعوت و تیارت اور میری خلافت کا اعتراف بھی کرتا رہے اور خاندان عباسیہ کی عداوت سے علیحدہ رہے۔ مجھے خطرہ تھا کہ یہ کوئی نیا فتنہ پیدا نہ کر دے جس کا انسداد میرے لئے مشکل ہو جائے۔ لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ میرا فیصلہ غلط تھا۔ لیکن اب میں نے اسے نوازا ہے۔ اور اپنا ولی عہد بنایا ہے۔ اب یہی چارہ ہے کہ آہستہ آہستہ اس کے اثر و رسوخ کو کم کر دیا جائے تاکہ عوام خود معلوم کر لیں کہ یہ ولیعہدی کے لائق نہیں ہیں اور اس طرح معطل کر دیا جائے۔ اس شخص نے کہا: آپ اطمینان رکھیں میں اسے مجمع عام میں شرمسار کر دوں گا اور وہ خود بخود اپنی راہ لے گا اور بغداد میں وہ کبھی نظر نہیں آئے گا۔ ان کے متبعین کو بھی طمع، لالچ دے کر اس سے علیحدہ کر لوں گا اور آپ کے دربار میں حاضر کر دوں گا۔ جب تنہا رہ جائے گا تو یہ کام زیادہ آسان ہو جائے گا اور کسی عباسی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا یا قید خانہ میں جان دے دے گا۔

ایک دن حضرت امام خلیفہ مامون کے پاس تشریف لائے اور اپنی مسند پر آرام سے بیٹھے تھے کہ وہ بدخواہ اور حاسد بھی آگیا اور آپ کو مخاطب کر کے بولا: اے ابن موسیٰ! میں نے سنا ہے کہ تمہارے معتقدین اور مریدین باران رحمت کے برسنے پر تمہاری کرامت پر بڑا فخر کرتے ہیں اور تعریف کے قلابے ملائے رہتے ہیں اور آپ کا مقام پیغمبروں سے بھی بلند جانتے ہیں حالانکہ تم نے (عام مسلمانوں کی) توسل سے دعا بارانِ رحمت کی۔ اس طرح بادل برسا۔ اندریں حالات تم تن تنہا اس کرامت کے مستحق نہیں ہو جبکہ تمام مسلمانان بغداد کا حصہ ہے۔ ان نااہلوں کو اس حرکت سے روکنا چاہئے۔ حضرت خلیفہ تمہارے لحاظ سے کسی کو کچھ نہیں کہتے اور تمہیں زمین سے اٹھا کر آسمان شہرت پر لا رکھا ہے۔ اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر کیا ہے۔ یہ حقوق کا صلہ ہے جو تم دے رہے ہو کہ امیرالمومنین کے عہد خلافت میں تمہارا رتبہ خلیفہ وقت سے بلند کیا جا رہا ہے۔

حضرت امام نے یہ تمام تفصیل سننے کے بعد فرمایا: میں ان باتوں سے منع تو نہیں کرتا اور نہ ہی انہیں نعمتِ خداوندی کے شکرانے سے روکتا ہوں۔ یہ ولی عہدی کا جو ذکر کیا جا رہا ہے اس کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے بادشاہِ عصر نے انہیں خود ولیعہد بنایا تھا اور دنیا میں خدا کے نزدیک جو رتبہ تھا، عزیز مصر بننے سے کم نہیں ہوا تھا۔ وہ حاسد اس دندان شکن جواب سے

برافروختہ ہوگیا اور کہنے لگا ابن موسیٰ! تم اپنی حدود سے تجاوز کرتے جارہے ہو اور اپنے آپ کو حضرت یوسفؑ سے ملا رہے ہو، حالانکہ یہ معمولی سی کرامت جو تمام مسلمانوں کی دُعا سے ظاہر ہوئی ہے اس قدر بلند بانگ دعویٰ کر رہے ہو۔ اگر تم اتنے ہی صاحبِ کرامت ہو تو خلیفہ کے دربار میں بچھی ہوئی قالین پر شیروں کی تصویر کو زندہ کر کے دکھاؤ اور انہیں مجھ پر مسلط کر دو۔ اگر ایسا کر دو تو یہ کرامت اور معجزہ ہوگا۔

اس بدگفتار کی یہ گفتگو سنتے ہی حضرت امام رضاؑ جلال میں آ گئے اور غضب ناک ہو کر ان شیروں کو للکارا اور کہا: اس کذاب اور اہلبیت کے دشمن کو پکڑ لو اور اپنا تر نوالہ کر لو۔ حکم ملتے ہی وہ دونوں تصویریں شیر بن کر جھپٹیں اور شہنشاہ ولایت کے اس بدگو کو اپنے خونیں پنجوں میں دبوچ لیا اور اس کی ہڈیاں توڑ ڈالیں اور اس کی ہڈی اور گوشت چبا گئے۔ خون کے قطرے جو فرش پر گر گئے تھے، چاٹنے لگے۔ خلیفہ مامون یہ منظر دیکھ کر دم بخود ہو گیا اور زمین پر گر گیا۔ جب دونوں شیر اس کام سے فارغ ہوئے تو امامؑ کی پابوسی کے لیے آئے اور زبانِ حال سے کہنے لگے اگر آپ حکم فرمائیں تو اس غدار خلیفہ کو جو ظاہر میں آپ کی دوستی کا دم بھرتا ہے مگر دلی طور پر دشمنِ اہلِ بیت ہے کیفرِ کردار تک پہنچا دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی زندگی مطلوب ہے کیونکہ ایک عظیم کام اس سے لینا ہے تم جس طرح تھے اسی طرح ہو جاؤ۔ چنانچہ دونوں بہادر مگر بھوکے شیر اپنی اصلی حالت پر چلے گئے اور شیرِ قالین بن گئے۔ حضرت نے عطر و گلاب ط... کیا اور خلیفہ کے منہ پر چھڑکا۔ جب خلیفہ ہوش میں آیا تو خوف و ہراس کی بنا پر اس نابکار کے حالا... قطعاً دریافت نہ کیا۔

ایک نے روایت کی ہے: میں کوفہ سے خراسان کو روانہ ہوا تو میری بیٹی نے مجھے ایک چادر دی کہ اسے بیچ کر میرے لیے ایک فیروزہ لیتے آئیں۔ میں جب مرو میں پہنچا تو حضرت موسیٰ رضاؑ کا ایک غلام میرے پاس آیا کہ امام صاحب کا ایک خادم وفات پا گیا ہے۔ تمہارے پاس ایک چادر ہے اگر فروخت کر دو تو ہم اس کا کفن بنا لیں۔ میں نے کہا کہ میرے پاس کوئی چادر نہیں۔ تھوڑے سے عرصے کے بعد وہ غلام دُوسری بار آیا تو اس نے آ کر کہا: امام محترمؑ نے تمہیں سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارے پاس وہ چادر ہے جو آپ کی بیٹی نے دی تھی تاکہ فیروزہ خرید سکو۔ چادر کی قیمت یہ لو اور

چادر دے دو۔ میں یہ بات سُن کر حیران رہ گیا کیونکہ اس واقعہ کا میرے اور لڑکی کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ میں نے چادر اس کے حوالے کر دی اور سوچا کہ یہ شخص باطنی علوم سے واقف ہے کیوں نہ اس سے چند مسائل دریافت کر لوں۔ مسائل ایک کاغذ پر لکھ کر حضرت امام کے دروازہ پر حاضر ہو گیا لیکن عوام کے ہجوم کی بنا پر زیارت نہ کر سکا چہ جائیکہ مسئلہ دریافت کرتا۔ ناگاہ ایک غلام اندر سے آیا اور میرا نام دریافت کر کے ایک کاغذ مجھے دیا اور کہا کہ یہ تمہارے مسائل کا جواب ہے۔

نباج کے علاقہ کے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ وہ مسجد جاجیاں میں تشریف فرما ہیں۔ کھجور کے درخت کا ایک طبق بنا کر اس میں کھجوریں رکھی ہیں۔ میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے چند کھجوریں مجھے بھی عنایت فرمائیں جب میں نے انھیں گنا تو سترہ کھجوریں تھیں۔ اس خواب کی تعبیر مجھے یوں آئی کہ اب میں سترہ سال اور زندہ رہوں گا۔ چند دنوں کے بعد حضرت امام موسیٰ بن رضا قصبۂ نباج میں تشریف لائے اور اسی مسجد میں رونق افروز ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ اسی جگہ بیٹھے ہیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھے دیکھا تھا۔ کھجوروں کا ایک طبق اسی طرح آپ کے سامنے پڑا ہے۔ میں نے سلام کیا تو آپ نے بڑی شفقت سے چند کھجوریں دیں جنھیں گنا تو سترہ تھیں۔ میں نے عرض کیا: میں اس سے زیادہ چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اگر جناب رسالتمآب زیادہ دیتے تو مجھے کوئی مضائقہ نہیں تھا اب میں آپ کے خلاف نہیں کر سکتا۔

حضرت امام موسیٰ رضا کے غلام نے روایت کی ہے کہ ایک دن ریان بن ابی الصلت آپ کے در اقدس پر حاضر ہوا اور کہنے لگا: میری دلی خواہش ہے حضرت مجھے اپنے لباس کے دو کپڑے اور چند سکے جن پر آپ کی مُہر ہو مرحمت فرمائیں۔ میں نے حضرت سے اجازت طلب کی ابھی سخن زبان پر نہیں آیا تھا کہ آپ نے فرمایا۔ ریان چاہتا ہے کہ یہاں آ کر دو کپڑے اور چند سکے لے۔ اسے لے آؤ اور دو کپڑے اور تیس درہم دے دو۔

ایک دفعہ ایک تاجر کو قزاقوں نے کرمان کے پاس برفانی گھاٹیوں میں پکڑ لیا اور اس کا منہ برف سے بھر دیا اور مال و دولت لُوٹ کر لے گئے۔ برف کی شدید سردی سے اس کی زبان بیکار ہو گئی اور بات نہ کر سکتا تھا۔ وہ خراسان میں آیا تو اسے خبر ہوئی کہ حضرت موسیٰ رضا

نیشاپور میں تشریف فرما ہیں۔ دل میں کہنے لگا کہ وہ اہل بیت نبوت سے ہیں۔ آپ کی خدمت میں جاؤں شاید کوئی علاج بتائیں۔ رات خواب میں دیکھا۔ گویا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمہارا علاج کمونی اور سعرقہ لغ ہے۔ ان تینوں کو پانی میں بھگو کر دو تین بار زبان پر رکھو ان شاء اللہ تعالیٰ شفایاب ہو جاؤ گے۔ جب بیدار ہوا تو خواب کا اعتبار نہ کیا اور نیشاپور جا پہنچا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ابھی بات نہیں کی تھی کہ آپ نے فرمایا: تمہاری زبان کا علاج تو وہی ہے جو خواب میں بتایا گیا تھا۔ میں نے گزارش کی کہ ایک بار اور فرما دیجئے آپ نے فرمایا: کمونی اور سعرقہ لغ — ان تینوں کو پانی میں بھگو کر زبان پر رکھو، بحکم خدا شفا ملے گی۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ شفایاب ہو گیا۔

ایک شخص سندھ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ وہ عربی زبان نہیں جانتا تھا، سندھی میں بات کرتا تھا آپ نے بھی سندھی میں گفتگو کرنا شروع کر دی۔ اس نے گزارش کی کہ مجھے عربی نہیں آتی ان شاء اللہ عربی سیکھ لوں گا۔ آپ نے دستِ مبارک اس کے ہونٹوں پر پھیرا تو وہ اسی وقت فصیح عربی میں گفتگو کرنے لگا۔

ایک دن حضرت امام اپنے صحن میں بیٹھے تھے کہ ایک چڑیا آپ کے قدموں میں آ گری۔ اور لوٹ پوٹ ہو کر فریاد کرنے لگی۔ آپ نے حاضرین کو بتایا کہ یہ چڑیا کہہ رہی ہے کہ اس کے گھر میں سانپ ہے اور اس کے بچوں کو کھانا چاہتا ہے۔ تم میں سے کوئی شخص جلدی سے سانپ کی تلاش کرو اور سانپ کو مار دو۔ ایک خادم اٹھا اور حجرہ میں گیا۔ دیکھا کہ ایک خونخوار سانپ چھت پر لٹک رہا ہے، اسے پکڑا اور مار دیا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا، میری بیوی حاملہ ہے، دعا فرمائیں: اللہ مجھے بیٹا عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا: تمہاری بیوی کے پیٹ میں تو دو بچے ہیں وہ شخص گھر گیا تو چند دن گزرنے کے بعد اس کے دو بچے ہوئے۔ اس نے چاہا کہ ایک کا نام محمد رکھوں اور دوسرے کا علی۔ آپ نے زور سے کہا: نہیں نہیں، ایک کا نام علی رکھو اور دوسرے بچے کا نام ام عمر! یعنی ایک لڑکا تھا اور دوسری لڑکی۔

حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت کی وفات کا واقعہ شواہد النبوت میں یوں قلمبند

کیا ہے۔ آپ کا خادم خاص ابو الصلت بیان کرتا ہے کہ ایک دن امام ذوی الاکرام علی بن موسیٰ رضا کھڑے تھے۔ مجھے فرمانے لگے کہ تم ہارون کی قبر کے گنبد کے پاس چلے جاؤ اور اس کے چاروں طرف سے مٹی لیتے آؤ۔ میں گیا اور مٹی لے آیا۔ آپ نے سونگھ کر پھینک دی اور کہا دیکھنا مجھے یہاں ہرگز دفن نہ کرنا۔ یہاں ایک پتھر ظاہر ہوگا۔ جو سنگ سکن ہتھیار بھی لایا جائے گا پتھر کو توڑ نہیں سکے گا۔ پھر آپ نے فرمایا: فلاں مقام سے مٹی اٹھالاؤ۔ میں گیا تو لے آیا اور فرمایا کہ میری قبر اس جگہ بنانا اور میرے دفن کرنے کے وقت تم یہاں حاضر رہنا اور لوگوں کو کہنا کہ سات درجے نیچے لے جائیں اور قبر کے درمیان شق کریں۔ اگر وہ چھوڑ دیں تو پھر کہنا کہ لحد بنالیں۔ دفن سے پہلے میرے سر کی جگہ سے پانی کا چشمہ نکلے گا۔ یاد رکھو جس کلام سے میں تم سے بات کر رہا ہوں اسی کلام سے وہاں کلام کرنا۔ پانی جوش مارے گا اور ساری لحد پانی سے بھر جائے گی اور پانی میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیرتی نظر آئیں گی۔ یہ روٹی ٹکڑے ٹکڑے کر کے مچھلیوں کو کھلا دینا۔ پھر ایک بہت بڑی مچھلی ظاہر ہوگی۔ وہ چھوٹی مچھلیوں کو کھا جائے گی۔ جب ساری مچھلیاں گم ہو جائیں گی، پانی پر ہاتھ رکھنا اور یہ کلام پڑھنا۔ پھر پانی کم ہو جائے گا اور لحد خشک ہو جائے گی لیکن یہ تمام باتیں مامون الرشید کے سامنے کرنا۔ پھر آپ نے فرمایا: ابو الصلت کل میں مامون کے سامنے جاؤں۔ جب میں وہاں سے باہر آؤں گا میرے سر پر کوئی چیز نہیں ہوگی۔ پھر میرے ساتھ کوئی بات نہ کرنا۔ اگر میرے سر پر کوئی چیز ہوئی تو میرے ساتھ باتیں کرنا۔ جب رات گزر گئی، صبح ہوئی تو آپ نے نئے کپڑے زیب تن کئے اور انتظار کرنے لگے حتیٰ کہ مامون کا غلام آپ کو بلانے کو آگیا اور آپ کو مامون کے پاس لے گیا۔ اس وقت مامون کے سامنے تازہ انگوروں کے طبق پڑے تھے۔ اس نے کہا کہ کیا آپ نے ایسا انگور پہلے دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: ان انگوروں سے اچھے انگور بہشت میں ہیں۔ مامون نے کہا کہ یہ انگور کھا لو۔ آپ نے فرمایا: مجھے معذور سمجھیں۔ مامون نے بڑی تعریف کی۔ کیا آپ میرے دل کو توڑ رہے ہیں یہ کہہ کر ایک خوشہ خود اٹھا کر کھانے لگا۔ باقی کے حضرت کو دے دیئے۔ آپ نے تین دانے کھائے اور باقی کے دانے پھینک دیئے اور اٹھ کر چلے آئے۔ مامون نے کہا: آپ کہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جہاں آپ نے بھیجا ہے۔ کوئی چیز سر پر پہن لی اور

اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ کہتے ہیں، مامون نے ان انگوروں میں زہر ہلاہل ملا دیا تھا اور حضرت امام کو کھلا دیئے۔ تین دانے جو اس نے خود کھائے وہ زہر سے خالی تھے۔ چونکہ مجھے ہدایت تھی جب میں نے سر پر کچھ پہنا ہو تو مجھ سے بات نہ کرنا۔ میں خاموش رہا۔ آپ نے گھر پہنچ کر فرمایا کہ دروازہ بند کر دیا جائے اور خود بستر پر لیٹ گئے۔ میں مکان کے صحن میں پریشانی کے عالم میں پھرتا رہا، میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان اندر سے نکلا جو شکل و شباہت سے حضرت سے ملتا جلتا تھا۔ میں دوڑ کر قریب گیا اور پوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ فرمایا: مجھے ابھی ابھی مدینہ سے بلایا گیا ہے اور میں بارہ اماموں میں سے ہوں۔ میں نے نام پوچھا تو آپ نے بتایا میرا نام حجۃ اللہ محمد تقی بن علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہ۔ پھر والد محترم کے پاس آیا۔ خود چلے گئے اور مجھے نہیں لے گئے۔ جب امام نے اسے دیکھا تو وہ اٹھے، گلے لگا لیا اور دو آنکھوں کے پاس بوسہ دیا اور اپنے بستر پر بٹھا لیا اور لیٹ گئے۔ وہ والد محترم کی طرف منہ کر کے بعض رازدارانہ باتیں کہنے لگا۔ اس وقت میں نے حضرت امام کے لبوں پر جھاگ دیکھی، جو برف سے بھی زیادہ سفید تھی۔ محمد تقی اسے چاٹ رہے تھے اور ہاتھ باپ کے سینہ پر رکھے ہیں۔ پیراہن کے اندر پھیر رہے ہیں اور کوئی چیز چڑیا کی طرح نکالی اور دیکھتے دیکھتے حضرت امام رضا واصل بحق ہو گئے۔

امام محمد تقی نے فرمایا: اے ابوالمصلت اٹھو اور پانی لاؤ اور ایک تختہ لیتے آؤ۔ میں نے عرض کی اس وقت پانی ہے نہ تختہ۔ آپ نے فرمایا، ہے۔ میں اٹھا، پانی بھی مل گیا۔ یہ پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا اور صندل لکڑی کا ایک تختہ بھی پڑا تھا جس سے میرا دماغ معطر ہو گیا۔ اٹھا کر لے آیا۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کو غسل دیا۔ میں نے چاہا کہ مدد کروں مگر آپ نے فرمایا میرے ساتھ کچھ لوگ ہیں جو مدد کر رہے ہیں، تمہاری ضرورت نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اندر جاؤ، ایک صندوق پڑا ہے اس میں کفن پڑا ہو گا۔ میں باہر گیا تو صندوق معہ کفن لے آیا۔ چنانچہ اسی کفن میں تکفین کی گئی اور نماز جنازہ ادا کی۔ پھر مجھے فرمایا کہ تابوت لے آؤ۔ میں نے عرض کی۔ اگر حکم ہو تو کسی ترکھان کو لے آؤں تاکہ تابوت تیار کرے۔ پھر فرمایا کہ توشہ خانہ میں جاؤ۔ وہاں تابوت پڑا ہے۔ میں گیا تو وہاں تابوت پڑا تھا۔ ایسا تابوت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں اٹھا کر لے آیا۔ آپ کی نعش پاک کو تابوت میں رکھ دیا گیا اور پھر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ابھی نماز جنازہ

مکمل نہیں ہوئی تھی کہ تابوت اپنی جگہ سے اُٹھا اور چھت کو پھاڑتا ہُوا آسمان کو اُڑ گیا اور نظروں سے غائب ہوگیا۔ میں نے کہا، اے ابن رسول! مامون ابھی آ رہا ہوگا۔ اگر اسنے تابوت نہ ملا تو کیا کہے گا۔ آپ نے فرمایا: خاموش رہو، تابوت ابھی واپس آجائے گا۔ ایک گھنٹے کے بعد تابوت واپس آگیا اور اسی جگہ رکھ دیا گیا۔ پھر نعش کو تابوت سے نکال کر بستر پر لٹا دیا۔ تابوت اور کفن ساری چیزیں میری نظر سے غائب ہوگئیں۔ نعش یُوں دکھائی دینے لگی کہ اسے ابھی تک غسل بھی نہیں دیا گیا۔ پھر کہا کہ اٹھو اور دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو مامون اپنے غلاموں کے ساتھ اندر داخل ہوا اور مکر و فریب سے رونے لگا اور امام وقت کے تجہیز و تکفین کی تیاری شروع کر دی۔ جس جگہ پہلے قبر کھودی گئی ایک سخت چٹان آئی۔ پوری کوشش کے باوجود بھی وُہ چٹان ٹوٹ نہ سکی۔ وہاں سے ہٹ کر دوسری جگہ قبر کھودی گئی میں آنحضرت کی وصیت کے مطابق اسی قبر پر حاضر رہا۔ جب لحد تیار ہُوئی تو قبر کے سرہانے سے پانی کی نمی ظاہر ہونے لگی۔ میں نے وہ کلمات جو مجھے پڑھائے گئے تھے، پڑھے تو زمین سے پانی ابلنے لگا۔ لحد پُر ہوگئی۔ اور چھوٹی چھوٹی مچھلیاں نظر آنے لگیں۔ میں نے روٹی کے ٹکڑے ان کے سامنے پھینکنا شروع کر دیئے۔ وُہ کھانے لگیں پھر ایک بڑی مچھلی نمودار ہُوئی اور ان ساری مچھلیوں کو کھا گئی اور پھر خود بخود غائب ہوگئی۔ پھر میں نے وہی کلمات پڑھے تو پانی زمین میں دھنس گیا اور لحد کی زمین خشک ہوگئی۔ گویا یہاں پانی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

یہ واقعہ دیکھتے ہی مامون کہنے لگا: علی رضا اپنی زندگی میں بعض عجائبات دکھایا کرتے تھے۔ آج موت کے بعد بھی وہی عجائبات نظر آرہے ہیں۔ ایک شخص جو محب اہل بیت تھا کہنے لگا یہ اس بات کی علامت ہے کہ عباسی حکومت کا اسی طرح خاتمہ ہو جائے گا جس طرح ان چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کا ہوا ہے اور وہ دنیا کے تھوڑے پانی میں مغرور ہیں۔ کوئی ایسا آدمی اس بڑی مچھلی کی طرح نمودار ہوگا جو اس سلطنت کو تباہ کر دے گا اور پھر نہ چھوٹی مچھلی رہے گی نہ بڑی۔ صرف اللہ کی ذات باقی رہے گی۔ مامون نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ چنانچہ حضرت امام کو اسی قبر میں دفن کیا گیا۔

آپ کا مزار ولایت طوس قرب سنابا میں واقع ہے۔ آپ ۹۔ رمضان المبارک ۲۰۸ھ کو

فوت ہوئے۔ بعض تذکروں میں ۹۔ ماہ صفر ۲۰۳ھ اور ۲۰۵ھ اور ۲۰۶ھ بھی تحریر ہے۔

آں امام حق رضا موسیٰ قرۂ دیدۂ نبی و علی!
طالب عالی است تولیدش رحلتش گو امام دین نبی!
۱۵۲ھ ۲۰۶ھ

۱۸۔ حضرت محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ

کنیت ابوجعفر، ابوجعفر ثانی، لقب تقی اور جواد تھا۔ آپ کی والدہ کا اسم گرامی حیزان یا ریحانہ تھا۔ یہ ماریہ قبطیہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ ائمہ اثنا عشر میں نویں امام تھے۔ آپ مدینہ پاک میں بروز جمعہ ۱۰۔ رجب ۱۹۵ھ پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر ابھی پچپن سال ہی تھی کہ آپکے علم و فضل کا شہرہ دنیائے اسلام میں پھیل گیا اور مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچنے لگا۔ چونکہ مامون کے ماتھے پر امام موسیٰ رضا کے قتل کا داغِ بدنامی نمایاں تھا اس نے اس بدنامی کے داغ کو دھونے کے لیے اپنی بیٹی ام الفضل کو آپ سے بیاہ دیا اور مدینہ بھیج دیا۔ وہ ہر سال کے خرچ کے لیے ایک ہزار دینار بھی دیتا تھا۔

آں حضرت ایک بار گیارہ سال کی عمر میں شہر کی ایک گلی میں چند لڑکوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ اتفاقاً مامون شکار کے لیے باہر جا رہا تھا اسے دیکھ کر سارے لڑکے بھاگ گئے مگر آپ کھڑے رہے۔ جب مامون نزدیک سے گزرا تو آپ کو دیکھا اور تیز نظروں سے دیکھ کر پوچھنے لگا، بیٹا! تم دوسروں کے ساتھ کیوں نہیں بھاگ گئے؟ آپ نے فرمایا، راستہ تنگ تو نہیں کہ میرے ٹھہرنے سے آپ کو گزرنے میں تکلیف ہو۔ نہ ہی میں نے کوئی جرم کیا ہے کہ آپکو دیکھ کر بھاگ اٹھتا۔ میرا حسن ظن بھی یہ ہے کہ آپ بلا وجہ کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ مامون ان باتوں سے بہت خوش ہوا اور آپ کا نام پوچھا تو آپ نے بتایا: محمد ابن علی رضا۔ چنانچہ واپسی پر مامون اسی راستے سے گزرا تو آپ کے لیے ایک شکاری باز چھوڑا۔ باز غائب ہو گیا اور چند لمحوں کے بعد ظاہر ہوا تو اس کے پنجے میں ایک نیم جان مچھلی تھی۔ مامون اسے دیکھ کر حیران رہ گیا اور اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر واپس آ گیا۔ جب آپ کے پاس آیا تو آپ کو

پوچھنے لگا، محمد یہ کیا بات ہے کہ باز مچھلی پکڑ کر لا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: اِنَّ اللہ یمتحنا فی بحر قدرتہ سمکا صغارا تصدھا بذاتہ الملوک والخلفا فتحشرون بہا سلالۃ اھل البیوت۔ جب مامون نے یہ بات سنی تو کہنے لگا۔ واقعی آپ ابن الرضا ہی ہیں۔

جب مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل کو حضرت امام کے نکاح میں دے کر مدینہ روانہ کر دیا۔ تو آپ راستے میں چند روز کوفہ میں ٹھہرے۔ آپ کے قیام کا آخری دن تھا کہ آپ ایک مسجد میں تشریف لائے جس کے صحن میں بیری کا ایک درخت تھا۔ اس پر کبھی بھی پھل نہیں لگا تھا آپ نے پانی کا ایک کوزہ طلب کیا اور اس میں سے تھوڑا سا پانی پی کر باقی درخت کی جڑوں پر چھڑک دیا اور خود نماز میں مشغول ہو گئے۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر اس درخت کے پاس آئے ہی تھے کہ وہ پھل سے بھرا پڑا تھا۔ یہ پھل میٹھا بھی تھا اور بغیر گٹھلی کے بھی۔ لوگ اسے بڑے شوق سے تبرک سمجھ کر لے جاتے۔

صاحب الشواہد النبوت (مولانا جامی) فرماتے ہیں کہ اسلاف میں سے ایک شخص نے روایت کی ہے کہ میں نے ایک دفعہ عراق میں ایک ایسے آدمی کے متعلق سنا جس نے پیغمبری کا دعویٰ کر دیا اور اسے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ میں بھی اسے دیکھنے گیا اور دربان کو اطلاع دے کر اس کے پاس پہنچا، وہ ایک فہیم، ذہین اور باہوش آدمی نظر آتا تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارے ساتھ کیا ماجرا ہوا۔ اس نے بتایا کہ میں شام میں عبادتِ خداوندی میں مشغول تھا۔ جس مسجد میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر نیزے پر رکھا گیا اس میں نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک رات میں یادِ الٰہی میں مشغول رُو بہ قبلہ بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھے کہنے لگا: اٹھو۔ میں اٹھا اور اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے کوفے کی ایک ایسی مسجد میں لے گیا جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ امامت کرایا کرتے تھے۔ اس نے مجھے پوچھا، جانتے ہو یہ کون سی جگہ ہے۔ میں نے کہا: یہ کوفہ کی مسجد ہے۔ وہ نماز میں مشغول ہوا اور میں بھی نماز پڑھنے لگا۔ اس کے بعد ہم اس مسجد سے نکل کر شہر سے باہر آ گئے اور تھوڑے ہی وقت میں مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں پہنچ گئے۔ اس مسجد میں بھی دو رکعت نماز پڑھ کر روانہ ہو گئے اور چند قدم اٹھانے کے بعد ہم نے اپنے آپ کو بیت اللہ میں دیکھا، وہاں نماز ادا کی اور جب بیت اللہ شریف سے باہر آیا تو وہ

غائب تھا۔ میں اس واقعہ سے بڑا ہی متعجب ہوا اور مجھے کچھ علم نہ تھا کہ یہ شخص کون تھا اور کہاں سے آیا۔ جب اسی حالت میں ایک سال گزر گیا تو میں نے دیکھا کہ اسی وقت اور اسی مقام پر رات کے وقت وہی شخص آیا اور مجھے ساتھ لے لیا اور گزشتہ سال کی طرح مجھے اُن اُن مقامات سے گزارتا گیا۔ جب وہ جدا ہونے لگا تو میں نے اسے قسم دی کہ اپنا نام و پتہ تو بتا جاؤ۔ اس نے کہا: میرا نام محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر امام ہے۔ صبح ہوئی تو میں نے بعض لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا۔ رفتہ رفتہ یہ واقعہ حاکم وقت نے بھی سنا اور مجھے دعوت نبوت کے الزام میں قید و بند میں ڈال دیا گیا۔ دراصل میں غلطی پر ہُوں کہ رازدارانِ خدا کے رازوں کو افشا کرنے کا مرتکب ہوا ہوں یہ بات سن کر میرے دل میں بڑا رحم پیدا ہُوا اور میں نے حاکمِ وقت کو ایک سفارشی رقعہ لکھا۔ اس نے لکھا کہ جو شخص ایک رات میں کوفہ سے مدینہ اور مدینہ سے بیت اللہ ہو کر واپس آیا ہے اسے کہیں کہ وہی لوگ اسے قید و بند سے بھی نجات دلا دیں۔ مجھے اس تحریر سے بڑا دکھ ہُوا اور میں مغموم ہو کر اٹھ کر چلا آیا تاکہ اسے رقعہ کے جواب سے آگاہ کروں۔ میں جیل کے دروازے پر پہنچا تو تمام پہرہ دار اور سپاہی پریشان نظر آئے۔ میں نے پُوچھا تو معلوم ہُوا کہ دعویٰ نبوت کرنے والا قیدی گم ہو گیا ہے۔ پتہ نہیں چل رہا کہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نے اٹھا لیا۔

آپ نے وفات سے تیس ماہ پہلے اپنی وفات کی تاریخ کا اعلان کر دیا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ فلاں نیک انسان نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور آپ کے جسم کے کپڑے مانگے ہیں تاکہ اپنا کفن بنا سکے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اب وہ شخص میرے کپڑوں کے کفن سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ اگرچہ امام کی اس بات سے وہ شخص کچھ نہ سمجھا مگر اس نے اس شہر میں پہنچ کر سُنا کہ وہ نیک آدمی کئی دن سے واصلِ بحق ہو چکا ہے اور اسے دفن کر دیا گیا ہے۔

آپ کے احباب میں سے ایک شخص سفر کی تیاری میں مشغول تھا اور آپ کے پاس سلام الوداع کہنے آیا۔ آپ نے فرمایا، آج جانے کا دن نہیں ہے اس لیے آج ٹھہر جاؤ۔ وہ اپنے شہر سے روانہ ہو کر ایک دوسری جگہ جا ٹھہرا۔ اتفاقاً اس رات ایک سیلاب آیا جس سے وہ

غرق ہوگیا۔

مامون کی وفات کے بعد جب تیسرا ماہ گزرے۔ بتاریخ ششم ماہ ذوالحجہ ۲۲۱ھ معتصم باللہ کے زمانہ اقتدار میں زہر ہلاہل کے صدمہ سے فوت ہوئے۔ یہ زہر معتصم باللہ کے حکم سے دیا گیا۔

سالِ وصلش اگر کنی تحقیق — ہست ظاھر ز زاید صدیق
سالِ ترحیل آں شہ اعظم — ہست مہدی ہادی عالم

۱۹۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ

کنیت ابو محمد۔ ابو عبداللہ ہے۔ نام محمد اور احمد بن حنبل تھا آپ ائمہ اربعہ میں سے امام چہارم تھے۔ آپ امام شافعی کے شاگرد تھے۔ آپ کی ولادت باقوال مختلف ۱۶۴ھ یا ۱۶۵ھ میں ہوئی۔ پہلے قول کو ہم مستند مانتے ہیں۔ آپ نے بہت سے مشائخ کی زیارت کی تھی۔ ذوالنون مصری، بشر حافی، سری سقطی اور معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہم آپ کے زمانہ کے بہت بڑے معروف بزرگ تھے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت امام احمد بن حنبل کی تین خصلتیں ہیں جو مجھے نہیں ملیں۔ اوّل طلبِ حلال برائے اہل و عیال۔ ہم طلبِ حلال محض اپنی ذات کے لیے کرتے ہیں۔ دوسرے وہ علم و حق میں مشغول ہیں۔ میں صرف بحق مشغول ہوں علم میں نہیں۔ وہ علم کی وجہ سے وارثِ پیغمبر خدا ہیں۔ میں صرف پیرو پیغمبر ہوں۔

آپ کے ایک شاگرد کی والدہ بیمار ہوگئی اور زندگی سے مایوس ہوگئی۔ اس نے اپنے بیٹے کو کہا کہ امام صاحب کے پاس جاؤ اور میرے لیے دعائے شفا طلب کرو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہماری التجا رد نہیں کریں گے۔ وہ شخص حضرت کے دروازہ پر پہنچا اور آواز دی۔ آپ نے فرمایا، تم کون ہو؟ کہنے لگا، ایک محتاج سائل ہوں جس کی ماں بیمار ہے۔ میں اس کے لیے دعاء شفا کرانے آیا ہوں۔ آپ اٹھے، غسل کیا اور نماز میں مشغول ہوگئے۔ خادم نے کہا: تم جاؤ! حضرت امام تمہارے کام میں مشغول ہوگئے ہیں۔ جب وہ گھر آیا تو ماں نے بسترِ علالت سے

اٹھ کر دروازہ کھولا اور بیٹے کو خوش آمدید کہا' جیسے پہلے کبھی بیمار نہیں تھی۔

ایک دن امام محمد چشمۂ آب پر وضو کر رہے تھے۔ ایک اور شخص آپ کے اوپر کی طرف بیٹھا وضو کر رہا تھا۔ از رہِ تحریم و تعظیم وُہ اٹھا اور نیچے کی طرف آگیا۔ جب وُہ آدمی فوت ہوا لوگوں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس نے بتایا: حرمتِ امام کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔

امام احمد جب تک بغداد میں رہے بغداد کی روٹی نہیں کھائی۔ کہا کرتے تھے: اس سرزمین کو حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ نے وقف کر دیا تھا۔ اس کی ساری آمدنی غازیانِ اسلام کے لیے تھی اور تمام دولت موصل بھیجی جاتی تھی۔ حضرت موصل سے آٹا منگوا لیتے اور اسی آٹے کی روٹی کھاتے۔ آپ کے بیٹے صالح بن احمد ایک سال تک اصفہان کے قاضی رہے۔ زہد و تقویٰ میں معروف تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ اپنے مکان کے سامنے ایک کمرہ بنا رکھا تھا جہاں دن رات بیٹھتے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ کوئی فریادی اگر رات کے وقت بھی آئے، خالی نہ جائے اور انصاف سے محروم نہ رہے۔ وُہ یہ کام محض خداوند تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا کرتے تھے۔ عہدۂ قضا سے علیحدہ ہونے کے بعد والدِ محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک دن حضرت امام حنبل کی روٹی کے لیے صالح کے باورچی خانہ سے خمیر لیا گیا تو روٹی کھانے سے پہلے فرمانے لگے۔ کیا بات ہے آج روٹی سے خیانت کی بُو آ رہی ہے۔ آپ کو بتایا گیا کہ آپ کے بیٹے صالح سے خمیر حاصل کیا گیا تھا۔ آپ فرمانے لگے وہ ایک سال تک عہدۂ قضا پر فائز رہے ہیں۔ ان کا خمیر میری روٹی کے لائق نہیں۔ میں اس روٹی کو نہیں کھاؤں گا۔ لوگوں نے آپ سے پُوچھا کہ اس روٹی کا کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا: دروازے پر رکھ دو اگر کوئی فقیر آئے تو اسے بتا دینا اس روٹی میں خمیر صالح کے گھر کا ہے۔ آٹا امام احمد بن حنبل کا۔ اگر مرضی ہو تو کھا لو ورنہ خیر۔ کہتے ہیں، چالیس دن تک کوئی سوالی نہ آیا اور روٹی پڑی رہی اور سوکھ گئی۔ آخر کار ملازمین نے وُہ روٹی دریائے دجلہ میں پھینک دی۔ جب آپ نے اس روٹی کے دجلہ بُرد ہونے کی خبر سُنی تو اس دن سے لے کر موت تک دجلہ کی مچھلی نہیں کھائی۔

عباسی سلطنت میں جب معتزلہ کا غلبہ ہو گیا تو ان لوگوں سے درباری احکام کے پیشِ نظر

امام احمد بن حنبل کو مجبور کیا کہ وہ بھی قرآن پاک کو مخلوق کہیں۔ جب آپ نے نہ کہا تو آپ کے دونوں ہاتھ کندھے پر باندھ دیئے اور خلیفۂ وقت کے محل کے سامنے لائے۔ خلیفہ کے دروازہ پر ایک سپاہی کھڑا تھا۔ اس نے کہا، حضرت! میں چوری کیا کرتا تھا مجھے ایک دفعہ ہزار ڈنڈے مارے گئے تو میں چوری نہیں مانا تھا۔ آپ بھی ثابت قدم رہیں۔ میں ایک بُرے کام پر صبر کرتا رہا اور رہا ہوگیا۔ آپ حق پر ہیں ثابت قدم رہئے۔ حضرت امام کے بڑھاپے کے باوجود ننگے بدن پر ایک ہزار تازیانہ برسایا گیا۔ آپ کو کہا گیا کہ جب تک آپ اقرار نہ کریں گے کہ قرآن مخلوق ہے، رہائی نہیں ملے گی۔ آپ نے آخرین دم تک یہ اقرار نہیں کیا۔

خلیفۂ وقت کے سامنے حضرت امام احمد کے جسم پر تازیانے برسائے جارہے تھے، اتفاقاً آپ کا ازار بند کھل گیا۔ چونکہ آپ کے ہاتھ کندھوں سے بندھے ہوئے تھے اپنی ازار بند درست نہ کرسکے۔ کوئی ہاتھ غیب سے نمودار ہوا جس نے آپ کا ازار بند ٹھیک کردیا۔ خلیفہ نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو آپ کو رہا کردیا گیا مگر آپ اس عقوبت سے واصل بحق ہوگئے۔

حضرت امام حنبل عالمِ نزع میں ہاتھ سے اشارہ کررہے تھے اور فرماتے جاتے تھے:۔ ابھی نہیں! ابھی نہیں! آپ کے بیٹے نے پوچھا، ابا جان یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ بڑا خوفناک وقت ہے تم سوال کررہے ہو۔ دعا کرتے جاؤ۔ تمام حاضرین جو میرے سرہانے کھڑے ہیں ان میں ایک شیطان بھی ہے وہ میرے سامنے کھڑے ہوکر دونوں ہاتھ اپنے سر پر مار رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ اے احمد! ایمان وجان دونوں مجھ سے سلامت لیے جارہے ہو۔ میں کہہ رہا ہوں: ابھی نہیں! ابھی نہیں! یعنی جب تک ایک سانس بھی باقی ہے خطرہ باقی ہے۔ جب آپ واصلِ بحق ہوئے، آپ کا جنازہ اٹھا تو سبز مرغ آسمان سے اترتے دکھائی دیئے اور جنازے پر لوٹتے تھے۔ آپ کا جنازہ دیکھ کر دو ہزار گمراہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ان جامع الکمالات کی وفات بغداد میں بوقت چاشت بروز جمعہ ۱۲۔ ربیع الاول ۲۴۱ھ (بقولِ دیگر ۲۴۲ھ) معتزلہ کے ظلم وستم سے ہوئی۔ آپ کا مزار پُرانوار بغداد میں ہے اور آپ کی عمر ۷۹ برس کی تھی۔

جناب احمد حنبل شہ دیں　　کہ بود او جامع معقول ومنقول

بتولیدش رقم کن قطب احمد بترجیلش بگو محبوب و مقبول
۲۴۲ھ

۲۰۔ حضرت علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہم

کنیت ابوالحسن ۔ ابوالحسن ثالث ۔ لقب ہادی ، عسکری اور نقی مشہور تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ سمانہ ، ام الفضل مامون الرشید کی بیٹی تھیں۔ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۳۔ رجب ۲۱۲ھ بقول بعضے ۲۱۳ھ ہوئی۔ شواہد النبوت ، سفینۃ الاولیاء اور مخبر الواصلین میں مختلف سال دیئے گئے ہیں۔

حضرت نقی ایک دن رے کے دیہات میں تشریف لے گئے۔ ایک دیہاتی نے آکر عرض کی کہ میرے ذمہ ایک بہت بڑا قرضہ ہے کہ میں اس کے ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ حضرت امام اس کی بات سے اتنے متاثر ہوئے کہ ایک تمسک تیس ہزار کا لکھ دیا اور اپنی مُہر چسپاں کر دی اور اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا کل جب میں امراء میں بیٹھا ہوا ہوں تم آنا اور شدید تقاضا کرنا اور بیشک درشت کلامی بھی کر لینا اور اس تدبیر سے تمہارا قرضہ بیباق کرنے میں مدد مل جائے گی۔ دیہاتی نے تمسک تھام لیا اور چلا گیا۔ ایک دن خلیفہ بغداد کو ملنے کے لیے بہت سی مخلوق آئی ہوئی تھی۔ مجلس جمی ہوئی تھی۔ اعرابی آگیا اور تمسک نامہ پیش کیا اور تیس ہزار روپے کا تقاضا کرنے لگا اور سخت توہین آمیز الفاظ استعمال کرتا رہا۔ حضرت امام نے بڑی نرمی سے اسے ٹالا اور سہولت کے ساتھ ادائیگی کا وعدہ کر لیا۔ خلیفہ نے یہ صورت حال دیکھی۔ تیس ہزار روپیہ خزانے سے منگوا کر حضرت امام کی خدمت میں رکھا اور یوں آپ نے اس دیہاتی کو دے کر روانہ کیا۔

ایک دفعہ خلیفہ متوکل بیمار ہوگیا۔ اس کی ران پر سخت قسم کا پھوڑا نکلا جو کسی دوا سے ٹھیک نہیں ہوتا تھا۔ تمام اطباء اس کے علاج سے بے بس ہو گئے۔ متوکل کی والدہ نے نذر مانی کہ اگر میرا بیٹا صحت یاب ہوگیا تو اپنے مال کا کچھ حصہ حضرت امام کی خدمت میں بھیجوں گی۔ ایک دن فتح بن خاقان جو متوکل کے مقربین سے تھا کہنے لگا کہ کسی آدمی کو علی بن محمد کی خدمت

میں بھیجا جائے اور اس سے اس موذی مرض میں مدد حاصل کرنی چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ امام کے پاس کوئی علاج ہو۔ متوکل نے ایک شخص کو حضرت امام کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اطبا کی تشخیص و علاج کے بالکل برعکس کوئی چیز بھیجی اور کہا، اسے گھسا کر پھوڑے پر لگا دیں۔ اللہ کے حکم سے شفا پائے گا۔ اطبا سن کر مذاق کرنے لگے۔ فتح بن خاقان نے کہا۔ تجربہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس چیز کو لایا گیا اور گھسا کر پھوڑے پر رکھا گیا۔ اسی دن جتنا مواد پھوڑے میں تھا باہر نکل آیا۔ دوسرے روز زخم مندمل ہو گیا۔ اور تیسرے دن غسلِ صحت کر لیا۔ متوکل نے اپنی والدہ کی نذر کے مطابق ایک ہزار دینار کی تھیلی حضرت امام کی خدمت میں بھجوا دی۔ چند دن بعد آپ کے بدخواہوں میں سے ایک نے کہا کہ امام کے پاس تو بہت سا مال و زر ہے اور اپنے گھر میں ایک کثیر دولت دبائے بیٹھے ہیں۔ اسلحہ کی ایک خاصی مقدار موجود ہے۔ اگر اس کا خزانہ اور اسلحہ فوری طور پر ضبط نہ کیا گیا تو چند دنوں میں فساد کا خطرہ ہے جس پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ متوکل ڈر گیا اور اپنے خاص آدمی کو بلایا اور کہا آج رات چند واقف کار آدمی لے جا کر کسی حکمت عملی سے امام کے گھر سے تمام خزانہ اور اسلحہ لے آؤ تو بہت سی عنایات حاصل کرو گے۔

سعید کہتے ہیں کہ میں حسب الارشاد چند آدمی لے کر رات کے اندھیرے میں حضرت امام کے گھر گیا۔ ساتھیوں کو باہر کھڑا کیا اور ایک سیڑھی کے ذریعے اندھیرے صحن میں اترا تو ایک شخص اندر سے پکارا، سعید! اپنی جگہ ٹھہر جاؤ میں شمع روشن کر کے لاتا ہوں تمہیں ساری چیزیں تلاش کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ جب شمع جلی تو میں نے دیکھا کہ حضرت امام پشمین کپڑے پہنے مصلے پر قبلہ رو بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میرا گھر تمہارے سامنے ہے، جس چیز کی ضرورت ہو اٹھا لو۔ سعید کہتے ہیں، میں نے سارا مکان چھان مارا مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ سوائے ایک تھیلی کے جس میں ایک ہزار دینار پڑے تھے اور اس پر خلیفہ کی والدہ کی مُہر لگی ہوئی تھی۔ تھیلی ابھی تک بند پڑی تھی۔ ایک جڑاؤ تلوار جو آپ نے مصلے کے نیچے رکھی تھی دونوں چیزوں کو اٹھا کر میں خلیفہ کے پاس پہنچا۔ متوکل نے اپنی والدہ سے اس تھیلی کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں نے یہ نذرانہ بھیجا تھا کیونکہ میں نے تمہاری بیماری پر یہ نذر مانی تھی۔ آپ نے فرمایا، ایک تھیلی اور بھی امام کے ہاں بھیج دی جائے۔ اور تلوار بھی امام کو لوٹا دی۔

سعید کہتے ہیں، جب میں دونوں تھیلیاں اور تلوار لے کر آپ کی خدمت میں دوبارہ گیا چونکہ میں نادم تھا میں نے آپ کے پاؤں چوم کر کہا: رات میں اس نیت سے آپ کے گھر بلا اجازت آیا تھا کیونکہ مجھے حکم سے سرتابی نہیں تھی۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا: سَیَعْلَمُوا الذین ظلموا۔

جب متوکل نے حضرت امام کو مدینہ سے عراق طلب کیا۔ آپ راستہ میں ایک جگہ قیام پذیر ہوئے۔ یہ مقام بڑی ویران اور ناپسندیدہ جگہ تھی۔ ایک دن امام صالح ابن سعید کے احباب میں سے ایک صاحب خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: یا ابن رسول اللہ۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ نامراد عراقیوں کا لشکر ہمیشہ ہر کام میں خفیہ طور پر آپ کی مخالفت کر رہا ہے یہی وجہ ہے کہ اس پُرآشوب مقام پر انہوں نے آپ کو ٹھہرایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابن سعید! تم ابھی اسی مقام پر رہو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رکھو اور آپ نے فرمایا: نظر اٹھا کر چاروں طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو دُور دُور تک خوش مناظر باغ، نہریں اور بلند و بالا محلات نظر آئے۔ مجھے یہ منظر بہشت سے کم نہ تھا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ آپ نے فرمایا، حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ ہم جہاں کہیں بھی ہوتے ہیں اسی طرح باغ و بہار مہک اُٹھتے ہیں۔ ان وحشت ناک مقامات سے ہمیں کبھی وحشت نہیں آتی۔

ایک شخص کوفہ کے قاضی کے خلاف حضرت امام کی خدمت میں شکایت کی۔ آپ نے فرمایا، دو ماہ تک صبر کرو۔ جب دو ماہ گزرے تو قاضی فوت ہو گئے۔

متوکل نے اپنے گھر میں ہر قسم کے پرندے جمع کر رکھے تھے۔ ان کے شور و غل سے بات سنی نہیں جاتی تھی۔ جب امام وہاں تشریف لے جاتے تمام پرندے خاموش ہو جاتے تھے۔ جب تک بیٹھے رہتے کسی جانور کی آواز نہ آتی تھی۔

ہندوستان کا ایک شعبدہ باز متوکل کے دربار میں آیا اور عجیب و غریب شعبدے دکھانے لگا۔ ایک دن متوکل نے شعبدہ باز کو کہا، اگر تم اپنے شعبدہ سے علی نقی کو شرمندہ کر دکھاؤ تو میں تمہیں ایک ہزار دینار انعام دوں گا۔ وہ کہنے لگا، مجھے مجلس میں امام کے بالکل قریب بٹھا دینا، میں اسے شرمندہ کر دوں گا۔ جب مجلس لگی تو حضرت امام کو اس شعبدہ باز کے ساتھ ہی

کھانا کھانے کو کہا گیا۔ جب امام اور دوسرے اہل مجلس کھانا کھانے لگے تو امام نے جس روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ اڑ کر دوسرے شخص کی طرف چلی گئی۔ دوسری بار ہاتھ بڑھایا تو پھر ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ اہل مجلس اس شعبدے سے بڑے محظوظ ہوئے اور حضرت امام پر ہنسنے لگے۔ آپ نے معلوم کر لیا کہ اس شعبدے کا مقام یہاں ہے، جو شخص میرے پاس بیٹھا ہے آپ نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس مکان کی دیوار پر ایک شیر کی تصویر نقش ہے۔ آپ نے اس شیر کی طرف اشارہ کر کے کہا: اس دشمن اہل بیت کو پکڑ لو۔ حکم سنتے ہی شیر اصلی شیر کی طرح اٹھا اور شعبدہ باز کا ایک لقمہ کر کے پھر دیوار پر نقش بن گیا۔ متوکل نے بڑی کوشش کی کہ اسے لوٹا دیا جائے مگر آپ نے ایک نہ مانی۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ آپ غصے کے عالم میں مجلس سے اٹھ کر چلے آئے۔

ایک دفعہ کسی امیر کے بیٹے کی دعوتِ ولیمہ پر بغداد کے تمام امرا جمع تھے، امام بھی وہاں ہی تشریف فرما تھے۔ ایک بے ادب آدمی مجلس میں بیٹھا بڑی بے ہودہ گفتگو کر رہا تھا اور آپ کا حقِ ادب بھی سامنے نہیں رکھتا تھا۔ آپ نے اسے مخاطب ہو کر فرمایا: تم کس بات پر ہنسے جا رہے ہو حالانکہ تین دن کے بعد تم قبر میں ہو گے۔ وہ شخص اسی دن بیمار ہوا اور تیسرے دن مر گیا۔

ایک دن حضرت امام عباسیوں کی ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص گستاخانہ گفتگو کرتے کرتے حد سے تجاوز کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: اس شخص کو آج کے کھانے میں ایک لقمہ بھی نصیب نہیں ہو گا۔ اس کے گھر سے ایک ایسی خبر آنے والی ہے کہ اس کی زندگی حرام ہو جائے گی۔ جب اس شخص نے کھانا کھانے کے لیے ہاتھ دھوئے تو اس کا غلام آہ و فغاں کرتا ہوا اندر آیا اور کہنے لگا: تمہاری ماں کوٹھے سے گر گئی ہے اور وہ حالتِ نزع میں ہے۔ وہ زندگی میں تمہارا چہرہ دیکھنا چاہتی ہے۔ مجبوراً کھانا کھائے بغیر بھاگ گیا۔

آپ کی وفات حسرت آیات مستنصر باللہ خلیفہ بغداد کے دورِ خلافت میں ہوئی اور بمقام سرمن رائے جو بغداد کے قریب ہی ہے، مدفون ہوئے۔ آپ بروز پیر آخر ماہ جمادی الآخر ۲۵۲ھ کو فوت ہوئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر چالیس یا اکتالیس سال تھی۔ آپ کا

عالیشان مقبرہ سرمن رائے میں ہے۔

سالِ تولید آں شہِ ذیجاہ — کن رقم عالم ولی اللہ
۲ ۲ ۵ ۲

نیز تاریخ جلتِ آں شاہ — ہست سید ولی حق آگاہ
۲ ۲ ۵ ۵

سالِ وصلش خرد زدل پرسید — گشت ظاہر ولی بجنب سفید
۲ ۲ ۵ ۵

۲۱۔ حضرت حسن بن علی بن محمد بن علی موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ

کنیت ابو محمد، لقب زکی، خالص، سراج اور عسکری تھا۔ آپ کی والدہ کا نام سوسن تھا۔ وہ ائمہ عشرہ کے گیارھویں امام تھے۔ ولادت مدینہ منورہ میں ۲۳۰ھ اور بقولِ دیگر ۲۳۲ھ میں ہوئی۔ آپ صرف ۲۹ سال زندہ رہے۔

محمد بن علی بن ابراہیم بن موسیٰ جعفر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ معیشت بڑی مشکل ہو گئی۔ میرے باپ نے مجھے کہا کہ آؤ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں۔ وہ کرم و سخا میں بڑے مشہور ہیں۔ وہ گھر سے نکل کر حضرت کی انتظار میں راستے میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اگر امام مجھے پانسو درہم دے دیں تو دو سو روپے کے کپڑے بناؤں گا۔ ایک سو کا آٹا خرید لوں گا۔ ایک سو روپیہ سے متفرق اشیا خرید لوں گا۔ ایک سو روپیہ سے خرچ خرید کر کوہستان کے علاقہ میں چلا جاؤں گا۔ امام صاحب کے آنے میں کچھ دیر ہوئی تو خود ہی امام کے دروازے پر جا پہنچے اور کسی سے گفتگو کئے بغیر دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اسی اثنا میں آپ کا ایک خادم باہر آیا اور کہنے لگا کہ علی ابن ابراہیم اور ان کے صاحبزادے اگر باہر ہوں تو اندر آجائیں۔ ہم اندر گئے اور سلام کہا۔ آپ نے پوچھا: علی! بتاؤ تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے اور اتنی مدت ہوئی تمہیں ہمارے پاس آنے کو کون سی چیز مانع تھی۔ میں نے بتایا کہ سید سے شرم آتی تھی کہ اس تنگ دستی میں آپ کے پاس آتا۔ ملاقات کے بعد ہم اٹھے اور باہر نکلے ہی تھے کہ آپ کا ایک خادم پیچھے سے آیا اور پانسو روپیہ کی تھیلی ہمیں دے کر کہا۔ دو سو کے کپڑے بنا لینا۔ ایک سو کا آٹا، ایک سو کے مختلف اخراجات اور ایک سو کا خرچ خرید لینا تاکہ کوہستان جانے میں آسانی ہو لیکن

حضرت امام نے فرمایا کہ کوہستان نہ جانا بلکہ فلاں جگہ جانا تاکہ وہاں زیادہ فائدہ ہو۔ میں حضرت کے حکم کے مطابق وہاں ہی گیا۔

ایک اور شخص نے بیان کیا ہے کہ ایک بار میں بڑی تنگ دستی میں مبتلا ہو گیا۔ میں حضرت حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ آپ کے ہاتھ میں تازیانہ تھا۔ میری داستان سنتے ہی زمین کو کوٹنے لگے اور پانصد کی ایک تھیلی نکال لی اور مجھے عنایت کر دی۔

ایک اور شخص نے بتایا کہ میں خلفائے عباسیہ کے زمانے میں ناحق قید میں پڑا تھا۔ میں قید و بند کی صعوبتوں سے تنگ آ گیا۔ یعنی ناچار ہو کر حضرت امام کے پاس شکایت لکھی۔ میں نے چاہا کہ اپنی تنگ دستی کی داستان بھی لکھوں لیکن مجھے شرم آئی اور میں نے نہ لکھا۔ آپ نے میرے جواب میں تحریر کیا آج تم ظہر کی نماز اپنے گھر پڑھو گے۔ چنانچہ ظہر سے پہلے ہی مجھے قید خانے سے رہا کر دیا گیا۔ میں گھر گیا، نماز پڑھی ہی تھی کہ مجھے حضرت امام کا ایک خادم آتا دکھائی دیا۔ میں استقبال کو آگے بڑھا۔ اس نے مجھے ایک تھیلی اور رقعہ دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ تم نے شرماتے ہوئے مجھے کچھ نہ لکھا۔ یہ روپے لے لو، خرچ کرو اور پھر ضرورت ہو تو لکھنا۔

ایک اور آدمی نے بیان کیا کہ میرا والد حضرت امام عسکری کے گھوڑوں کا علاج کیا کرتا تھا اسی زمانہ میں خلیفہ کے اصطبل کے گھوڑوں میں ایک ایسا گھوڑا تھا جو کسی کے تابع نہیں ہوتا تھا۔ اس کے منہ میں لگام نہیں ڈالی جا سکتی تھی چہ جائیکہ اس پر کوئی سوار ہو۔ چند سواروں نے اس پر سواری کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر ایک شخص جو دلی طور پر اہلبیت سے بغض رکھتا تھا، کہنے لگا، امام حسن عسکری کو کہو کہ اس پر سواری کرے اور اس کو اپنا تابع کرے۔ اس کام میں دو فائدے ہوں گے۔ اگر گھوڑا مطیع ہو گیا تو بہتر ورنہ حسن عسکری کو ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑیگا۔ پھر بھی ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا اور آپ اہلبیت کے خطرے سے بچ جائیں گے۔ چنانچہ حضرت امام کو طلب کیا گیا۔ جب آپ محل میں پہنچے تو وہ بدفطرت دشمن اہلبیت منافقانہ استقبال کو بڑھا اور اپنے پاس لے آیا اور گھوڑے کو صحن خانہ میں منگوا کر حضرت امام کو کہا کہ اس کے منہ میں لگام دیجئے۔ آپ اٹھے اور اس سرکش گھوڑے کے پاس جا کر اس کی پشت پر تھپکی دی۔ گھوڑے کے

جسم سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ آپ نے اس کے منہ میں لگام دی اور اپنی جگہ پر واپس آ بیٹھے۔ اگرچہ وہ شرارت پسند درباری آپ کے کمال سے واقف ہو گیا تھا تاہم کہنے لگا۔ آپ اس پر زین رکھ کر دکھائیں۔ آپ اٹھے، زین گھوڑے پر رکھی اور واپس آ گئے۔ اس کے باوجود وہ دشمنِ اہلبیت راضی نہ ہوا۔ اب آپ کو سواری کرنے کی فرمائش کر دی اور چند قدم چلانے کا بھی کہا۔ حضرت امام نے میرے والد کو حکم دیا کہ اس پر سوار ہو کر صحن میں چند قدم چلاؤ مگر اس شخص نے کہا کہ حضور آپ خود تکلیف فرمائیں۔ حضرت امام اٹھے اور گھوڑے پر سوار ہو گئے اور صحن میں چلانے لگے۔ اور پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھے۔ گھوڑے نے کوئی سرکشی نہ کی۔ لوگوں نے پوچھا گھوڑا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: بڑا اصیل اور خوش رفتار ہے۔ اس سے اچھا گھوڑا میرے دیکھنے میں نہیں آیا اور پھر وہ شخص کہنے لگا: یہ گھوڑا تو آپ کے لائق ہے۔ حضرت امام نے میرے والد کو فرمایا: گھوڑا میرے گھر لے چلو۔ میرا باپ سوار ہو کر آیا اور گھوڑا گھر باندھ لیا۔ اس دن کے بعد گھوڑے نے کبھی سرکشی نہ کی۔

ایک دفعہ ایک شخص نے بتایا کہ میں نے چند مسائل کے حل کرنے کے لیے حضرت امام کو رقعہ لکھا اور دل میں کہا کہ سر کے چوتھے حصے کا سر درد بھی ہے لیکن اسے میں رقعہ میں لکھنا بھول گیا۔ حضرت نے میرے خط کے تمام مسائل کا حل لکھا اور ساتھ ہی لکھا کہ تم سر کے چوتھے حصے کے درد کا علاج پوچھنا بھول گئے ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ لکھ کر صاحبِ درد کے گلے میں ڈال دینا، اِن شاء اللہ درد دفع ہو جائے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور بیمار شفایاب ہو گیا۔

ایک شخص نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت امام کی خدمت میں ایک خط لکھا اور پوچھا "مشکوٰۃ" کے معنی کیا ہیں؟ میری بیوی حاملہ تھی۔ میں نے التجائے دعا کی اور ہونے والے بچے کا نام بھی دریافت کیا۔ آپ نے میرے خط کے جواب میں تحریر کیا کہ مشکوٰۃ قلبِ رسول پاکؐ ہے لیکن میرے بیٹے یا بیوی کے متعلق کچھ نہ لکھا سوائے اس عبارت کے جو رقعہ کے آخر میں لکھی تھی اعظم اللہ اجرک واخلف علیک۔ چنانچہ میری بیوی کے ہاں مُردہ بچہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد جب دوسری بار حاملہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بچہ دیا۔

حضرت امام کی وفات بمقام سرمن رائے بروز جمعہ ششم یا ہفتم ربیع الاول ۲۶۰ھ کو ہوئی۔ آپکو حاکم بغداد کے اشارے سے معاندین اہلبیت نے کھانے میں زہر دے دیا اور آپ نے شہادت پائی۔

سالِ ترحیلِ آں شہِ مظلوم — کشت پیدا ز سید مسموم
باد بر جانش تا بروز قیام — صد درود و سلام و اکرام

۲۲۔ حضرت محمد بن حسن بن علی بن محمد بن علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہم

کنیت ابوالقاسم۔ لقب مہدی، حجۃ اللہ، قائم و منتظر، صاحب الزماں اور خاتم الائمہ اثنا عشر تھے۔ علمائے اہل سنت وجماعت اور محقق تذکرہ نگاروں کے نزدیک آپ کی ولادت سرمن رائے میں بتاریخ ۱۳۔ ماہ رمضان ۲۵۵ھ ہوئی۔ دوسری روایت میں ۱۱۔ شعبان برقت صبح ۲۵۶ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام صقل، مومن، نرجس تھا۔ حضرت حسن عسکری کی پھوپھی نے یہ روایت کی ہے کہ ایک دن میں حضرت حسن عسکری کے پاس بیٹھی تھی۔ آپ نے کہا، عمہ محترمہ آج رات میرے پاس ہی ٹھہریئے اللہ تعالیٰ آج ہمیں ایک لڑکا دے گا۔ میں نے کہا، بیٹا! لڑکا کس سے ہونا ہے۔ نرجس کے تو حمل کے آثار نہیں ہیں۔ حضرت عسکری نے فرمایا، نرجس بھی حضرت موسیٰ کی والدہ کی طرح ہے، وہ ولادت تک ظاہر نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں حسب الارشاد رات ٹھہری۔ رات کا کافی حصہ گزرا تو میں اٹھی اور نمازِ تہجد ادا کرنے لگی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ صبح ہونے کو ہے مگر امام کی بات پوری نہیں ہوئی۔ اتنے میں حضرت امام کی آواز آئی، عمہ محترمہ! جلدی نہ کرو۔ میں اٹھی اور نرجس کے کمرے کی طرف بڑھی تو انہیں اپنی طرف آتے دیکھا اور وہ کانپ رہی تھیں۔ میں نے انہیں سہارا دیا اور قل ہو اللہ، انا انزلنا اور آیۃ الکرسی پڑھ کر دم کیا۔ اس کے بعد میں نے سنا کہ جو بچہ میں نے پڑھا تھا وہ بچہ بھی وہی الفاظ پڑھ رہا تھا۔ میرے دیکھتے ہی سارا کمرہ روشن ہوگیا اور یہ خوش بخت بچہ پیدا ہوا اور آتے ہی سجدہ ریز ہوگیا۔ میں نے اسے اٹھالیا۔ حضرت امام عسکری نے اپنے حجرے سے آواز دی کہ میرے بچے کو میرے پاس لے آؤ۔ میں لے گئی۔ آپ نے اسے بغل میں لے لیا اور اپنی زبان بچے کے منہ میں ڈال دی اور فرمایا، اے

بیٹا! اللہ کے حکم سے گفتگو کرو۔ چنانچہ بچے نے برملا کہا: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین۔

پھر میں نے دیکھا کہ آسمان سے پرندے نیچے اتر رہے ہیں۔ حضرت امام نے ایک پرندے کو بلایا اور کہا: خذہ واحفظیہ حتّٰی یاذن اللہ منہ فان اللہ بالغ امرہ۔ امام نے پوچھا کہ ایک پرندہ سبز تھا اور دوسری مرغیاں ہیں۔ یہ سبز پرندہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے اور دوسرے رحمت کے فرشتے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے پھوپھی! اس بچے کو اس کی والدہ کے حوالے کردو۔ تقرعینھا ولا تحزن ولتعلم ان وعد اللہ حقٌ ولکن اکثرھم لا یعلمون۔ میں نے بچے کو اس کی والدہ کو دے دیا۔

حضرت مہدی پیدائش کے وقت ہی ناف زدہ تھے اور ختنہ شدہ تھے اور ان کے دائیں بازو پر یہ آیت کریمہ لکھی جا: الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ ولادت کے بعد آپ دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور انگشت شہادت اٹھائی اور ایک چھینک ماری اور کہا الحمدُ للہ ربّ العٰلمین۔

شواہد النبوت کے مصنف نے ایک روایت لکھی ہے کہ میں امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کے بعد کون جانشین ہوگا اور امام و خلیفہ کون ہوگا۔ آپ اندر گئے اور ایک بچے کو اٹھا لائے جو حسن و خوبی میں چودھویں کا چاند تھا اور اس کی عمر ابھی تک تین سال تھی اور آپ نے کہا اگر تم خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں عزیز نہ ہوتے تو یہ بچہ میں تمہیں کبھی نہ دکھاتا۔ اس کا نام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہے اور اس کی کنیت بھی وہی ہے۔

ایک اور شخص کی روایت ہے، میں امام عسکری رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حاضر ہوا۔ مجھے آپ کے دائیں ہاتھ ایک چھوٹا سا کمرہ دکھائی دیا جس کے دروازے پر پردہ لٹک رہا تھا۔ میں نے پوچھا، یا حضرت! آپ کے بعد صاحبِ امر کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اس کمرے میں ہے۔ اتنے میں ایک روشن چہرہ اور خوب صورت بچہ پردے کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ اس کے گورے چہرے پر ایک خالِ سیاہ تھا اور دونوں طرف کالی زلفیں لٹک رہی تھیں۔ وہ آتے ہی حضرت امام کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا: یہ ہے وہ سید جو میرے بعد تمہارا امام ہوگا۔ چند لمحوں کے بعد

وہ بچہ اٹھا اور پردے کے پیچھے چلا گیا۔ آپ نے فرمایا: یا نبی ادخل علی الوقت المعلوم۔ اور پھر آپ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ جاؤ اور جا کر دیکھو پردے کے پیچھے کون ہے۔ میں پردہ اٹھا کر کمرے میں داخل ہوا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔

ایک اور شخص کی روایت ہے کہ جس دن حضرت حسن عسکری نے وفات پائی۔ فرمانروائے بغداد خلیفہ معتضد نے مجھے دوسرے دو شخصوں کے ساتھ اپنے پاس بلایا اور کہا: حسن عسکری سر من رائے میں وفات پا گئے ہیں۔ جلدی جاؤ اور اس کے گھر کی تلاشی لو۔ جو بھی اس کے گھر میں موجود ہے میرے پاس لے آؤ۔ ہم اٹھ کر اُن کے گھر گئے۔ ہم نے دیکھا کہ اندر ایک دریا پر از آب ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ پانی پر ایک کشتی ہے اور اس پر ایک حسین و جمیل آدمی نماز ادا کر رہا ہے۔ اس نے ہماری طرف کوئی توجہ نہ دی۔ میرے پاس جو آدمی بیٹھے تھے انہوں نے چاہا کہ ان کے پاس جائیں وہ پانی میں کود پڑے اور پانی میں غوطے کھانے لگے۔ وہ ڈوبنے ہی والے تھے میں نے ہاتھ پکڑا اور پانی سے باہر نکال لیا۔ اس کے بعد ایک دوسرے آدمی نے پانی میں پاؤں رکھا اور چاہتا تھا کہ اس کے پاس پہنچے مگر وہ بھی ڈوبنے لگا۔ وہ قریب المرگ تھا کہ میں نے ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ میں حیران تھا اور پکار کر کہا کہ اے صاحب خانہ! میں آپ سے اور خدا سے معافی کا خواستگار ہوں ہم نہیں جانتے تھے کہ کیا حال ہے۔ جو کچھ ہم نے کیا اس سے واپس آتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں۔ اگرچہ میں نے اس قسم کی باتیں کیں مگر وہ متوجہ نہ ہوئے۔ ہم ناچار واپس آ گئے اور معتضد خلیفہ بغداد کے پاس پہنچ گئے اور اس واقعہ کو بیان کیا۔ اس نے کہا: اس راز کو پوشیدہ رکھو ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔

واضح ہو کہ حضرت امام مہدی کے غائب ہونے اور وفات پانے کے معاملے میں اہلسنت و جماعت کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ ان کی تفصیل مولینا جامی نے اپنی کتاب شواہد النبوت میں دی ہے۔ جامع الاصول میں بھی ایسا ہی مفصل بیان ہے۔ مختصر یہ کہ علمائے اہل سنت امام مہدی کو مہدی آخر الزماں نہیں مانتے۔ وہ آپ کی وفات جو ۲۶۰ھ میں واقع ہوئی اس کے قائل ہیں۔ ان کے خیال میں مہدی آخر الزماں موسوم بہ اسم محمد بن عبداللہ حضرت عیسیٰ کے نزول آسمان سے پہلے خانۂ سادات میں پیدا ہوں گے مگر شیعوں کا فرقہ امامیہ حضرت مہدی کو مہدی

آخرالزماں تصور کرتا ہے اور ان کے غائب ہوجانے کے معتقد ہیں۔ وُہ کہتے ہیں: حضرت امام محمد بن حسن کو خضر علیہ السلام کی طرح عمر جاوید ملی ہے اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ جاننا بڑا ضروری ہے کہ فضیلت و کمال ولایت اور کرامت حضرات اہلبیت کو صرف انہی بارہ حضرات تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ ان حضرات کے فضائل و کمالات کی بڑی شہرت ہے کیونکہ اہلبیت کی فضیلت، طیقات ائمہ اور ان کے محدوحین میں پائی جاتی ہے۔ متاخرین نے بھی ان حضرات کے فضائل و کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ان کے فضائل سے پُر ہیں لیکن ایسے کمالات دوسرے بزرگانِ ملت جناب غوث الاعظم اور حضرت ابراہیم ملوی وغیرہما میں بھی پائے جاتے ہیں۔

آپ کا سنِ وفات یا سالِ غیبت مختلف اقوال کی روشنی میں دو سو چونسٹھ ۲۶۴ھ ہے۔ بعض نے ۲۶۵ھ بھی لکھا ہے اور بعض تذکروں میں ۲۶۶ھ بھی آیا ہے۔ ہمارے نزدیک آخرین قول ہی زیادہ صحیح اور مستند ہے۔

گر تو تاریخ غیبتش جوئی!! یوسف حق چرا نہ می گوئی
باز تاریخ آں ولی والی!! گفت سرور ولی حق عالی

۲۳۔ حضرت شیخ معروف کرخی قدس سرہٗ

معروف نام۔ ابو محفوظ کنیت۔ والد کا نام فیروز یا فیروزان یا علی الکرخی تھا۔ مضافات بغداد کے ایک گاؤں کرخ کے رہنے والے تھے۔ پہلے اپنے والدین کے مذہب ترسا پر تھے۔ ترسا رومی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا اطلاق نصارا و آتش پرست دونوں پر ہوتا ہے۔ حضرت علی رضا[1] امام ہشتم ائمہ اثنائے عشریہ بن امام موسیٰ کاظم کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت امام کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ امام صاحب نے بھی ان کی ظاہری و باطنی تربیت اسی طرح پر کی کہ امام طریقت اور مقتدائے حقیقت ہو کر دین و دنیا دونوں میں معروف و موصوف ہو گئے۔ علوم ظاہری حضرت امام اعظم[2] ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کئے تھے۔ طریقت میں حضرت حبیب راعی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تربیت یافتہ تھے۔

---

[1] نام علی بن موسیٰ کاظم۔ کنیت ابو الحسن اور لقب رضا ہے۔ والدہ کا نام تخمینہ، شمانہ یا ام البنین بیان کیا جاتا ہے جو امام موسیٰ کاظم کی والدہ حمیدہ کی لونڈی تھیں، صاحب علم و فضل تھے۔ مامون رشید نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کر کے انہیں اپنا ولی عہد نامزد کر دیا تھا جس پر خاندان عباسیہ کے افراد سخت برہم ہوئے اور اسے فضل بن سہل وزیر مامون کی سازش سمجھا گیا کہ اس طرح خلافت کو بنو عباس سے آل علی کی طرف منتقل کرنا چاہتا ہے۔ مامون نے حالات کو سازگار نہ پا کر ان کی ولی عہدی کو منسوخ کر دیا۔ آپ نے ۹ رمضان ۱۵۸ھ میں طوس کے قریب بمقام سناباد میں وفات پائی جو اب مشہد کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی وفات کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ امام صاحب کو مامون رشید نے انگوروں میں زہر دیا تھا لیکن بعض مورخ اس کی تائید نہیں کرتے بلکہ اسے مامون پر تہمت قرار دیتے ہیں۔

[2] نعمان بن ثابت نام۔ ابو حنیفہ کنیت۔ امام اعظم لقب۔ آپ کا شمار تابعین سے ہے۔ متعدد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن حرث۔ معقل بن یسار۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم نے آپ سے روایت کی ہے۔ حضرت فضیل، عیاض، ابراہیم ادھم۔ بشر حافی،

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضرت فریدالدین عطار قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اوائل عمر میں جب ان کے والد انہیں استاد کے پاس لائے تو استاد نے کہا "کہو ثالث وثلاثہ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی طرف اشارہ تھا۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ اللہ ایک ہے۔ استاد نے غصے میں آکر ان کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اس پر آپ مکتب سے بھاگ گئے۔ ان کے والدین کو بڑا رنج ہوا۔ کہنے لگے کہ خدا کرے معروف واپس آجائے خواہ کسی مذہب پر آئے ہم اس کی موافقت کریں گے۔ چنانچہ ایک مدت کے بعد معروف گھر آئے۔ دروازے پر دستک دی۔ والدین نے اندر سے آواز دی کون ہے؟ کہا معروف۔ کہا کس دین پر آئے ہو؟ کہا دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ والدین نے موافقت کی اور حضرت امام علی رضا کی خدمت میں آکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ امام صاحب نے اپنے نام پر ان کے باپ کا نام رکھا۔

ایک روز حضرت معروف بازار سے گزر رہے تھے کہ شراب خواروں کی ایک جماعت سے ان کا آمنا سامنا ہوگیا۔ یہ شیخ سے گستاخانہ پیش آئے۔ آپ کے ہمراہیوں نے ان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۶)

داؤد طائی رحمہم اللہ اور حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد آپ کے ارشد تلامذہ سے ہیں۔ آپ ائمہ اہلسنت کے ائمہ اربعہ سے امام اول ہیں۔ علم وعمل زہد وتقوی اور حق گوئی میں بے نظیر وبے مثیل تھے۔ علوم قرآن وحدیث وفقہ کے عظیم المرتبت مجتہد تھے۔ تحقیق حدیث واستخراج مسائل میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے خداداد اجتہاد سے فقہ اسلام کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ صدیوں تک اسلامی ممالک کا آئین سلطنت رہا۔ ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔

لہ حضرت شیخ مجد الدین بغدادی المتوفی ۶۱۶ھ کے نامور مرید وخلیفہ تھے۔ اپنے وقت کے جید عالم و فاضل اور شاعر تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی المتوفی ۸۹۸ھ اپنی تصنیف نفحات الانس میں لکھتے ہیں: "گروہِ صوفیا میں سے کسی نے اپنے کلام میں اسرارِ توحید اور حقائق ومعارف اس قدر بیان نہیں کئے جس قدر شیخ عطار نے بیان کئے ہیں۔ آپ کئی ایک بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے تذکرۃ الاولیاء اور منطق الطیر زیادہ مشہور ہیں۔

حق میں بد دعا کی درخواست کی تاکہ یہ بد اعمال اپنے کئے کی سزا پائیں۔ شیخ نے ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگی۔ یا الٰہی جس طرح تُو نے اس گروہ کو دنیا میں خوش کیا ہے اسی طرح عاقبت میں بھی انھیں خوشحال رکھ۔ دُعا قبول ہوئی۔ شراب خواروں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے۔ لرزتے، کانپتے اور گرتے پڑتے خدمتِ شیخ میں تائب ہوئے اور اپنے کئے پر معذرت چاہی۔ اس پر شیخ نے اپنے دوستوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تم نے دیکھا جہاں میری دعائے خیر سے ہم سب ان کے رنج و آزار سے آزاد ہو گئے وہاں یہ شراب خواری کی آفت سے نجات پا گئے۔ گویا دونوں فریق اپنی اپنی مراد پا گئے۔ آپ کے خالو قصبہ کرخ کے حاکم تھے۔ ایک روز انھوں نے دیکھا کہ شیخ معروف ایک ویرانے میں بیٹھے روٹی کھا رہے ہیں۔ ایک کتا سامنے بیٹھا ہے۔ ایک لقمہ اپنے مُنہ میں ڈالتے ہیں اور دُوسرا کُتے کے منہ میں۔ یہ دیکھ کر خالو نے کہا۔ معروف تجھے شرم نہیں آتی کُتے کے ساتھ بیٹھا روٹی کھا رہا ہے۔ آپ نے کہا مجھے خدا سے شرم آتی ہے اس لئے ایک لقمہ خود کھاتا ہوں اور دُوسرا کُتے کو کھلاتا ہوں۔ اس عمل سے مجھے وُہ حکومت حاصل ہے جو تجھے میسر نہیں ہے۔ یہ کہہ کر سر اٹھایا اور ایک اڑتے ہُوئے پرندے کو بُلایا۔ پرندہ آکر آپ کے ہاتھ پر بیٹھ گیا اور اپنے سر و چشم کو پروں میں ڈھانپ لیا۔ شیخ نے خالو سے مخاطب ہو کر فرمایا: دیکھا جو اللہ تعالیٰ سے شرم کرتا ہے تمام دنیا اس سے شرم کرتی ہے۔

ایک روز شیخ معروف دریائے دجلہ کے کنارے کے قریب بیٹھے ہُوئے تھے کہ شیخ کو وضو کی حاجت ہو گئی۔ اس وقت وہیں بیٹھے بیٹھے تیمم کر لیا۔ پھر وضو کے ارادے سے اُٹھے۔ حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ جب دریا چند قدموں کے فاصلے پر تھا تو تیمم کی کیا ضرورت تھی۔ فرمایا: مجھے اس دنیائے ناپائدار میں زندگی کی اُمید دم بھر کے لئے بھی نہیں ہے۔ تیمم کرنے کا یہی سبب تھا کہ اگر دریا پر پہنچنے سے پہلے ملک الموت میری رُوح قبض کر لے تو حالتِ حدث میں نہ مروں۔

وفات سے چند روز پہلے حضرت امام رضا کی ملاقات کے لئے گئے۔ دربانوں نے اندر نہ جانے دیا۔ جب اصرار پر نوبت پہنچی تو پاسبانوں نے شیخ کو زدوکوب کیا جس سے جسم پر شدید ضربات آئیں اور پسلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ یہی صدمہ آپ کی وفات کا باعث ہوا۔

وفات کے وقت شیخ سری سقطی حاضرِ خدمت تھے۔ کہا: مجھے نصیحت و وصیت فرمائیے۔ فرمایا: جب میں مروں تو میرا کرتہ صدقے میں دے دینا تاکہ دنیا سے برہنہ جاؤں کیونکہ بطنِ مادر سے برہنہ ہی پیدا ہوا تھا۔

جب وفات پائی تو یہود و نصارا دعویٰ کرنے لگے کہ شیخ ہمارے مذہب پر تھے۔ مسلمانوں نے تردید کی۔ نزاع بڑھی۔ خدام کہنے لگے ہمارے شیخ کی وصیت تو یہ ہے کہ جو ہمارا جنازہ زمین سے اٹھائے گا ہم اسی سے ہیں۔ اس پر یہود و نصارا نے باری باری جنازہ اٹھانے کی کوشش کی مگر اٹھا نہ سکے۔ پھر مسلمان آئے انہوں نے جنازہ اٹھایا اور جس جگہ شیخ نے وفات پائی تھی وہیں دفن کیا۔ شیخ معروف تجرید و تفرید اور بے سروسامانی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ حضرت شیخ علی ہجویری[1] صاحبِ کشف المحجوب لکھتے ہیں: "شیخ معروف کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں۔ علوم میں قوم کے مقتدا اور امام ہیں۔"

---

[1] غزنی کے ایک محلہ ہجویر میں پیدا ہوئے تھے۔ والد کا نام عثمان بن ابی علی الجلابی تھا۔ مختلف شہروں میں علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل کی تھی۔ حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن الختلی المتوفی ۴۵۰ھ کے مرید تھے شیخ ابوالقاسم گرگانی المتوفی ۴۵۰ھ شیخ ابوسعید ابوالخیر المتوفی ۴۴۰ھ شیخ ابوالقاسم قشیری المتوفی ۴۶۵ھ کے علاوہ اور بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا حنفی المذہب تھے۔ سلطان مسعود بن محمود غزنوی کے عہدِ حکومت میں لاہور تشریف لائے اور اشاعتِ اسلام کا باقاعدہ نظام قائم کیا۔ صبح کو قرآن و حدیث کا درس دیتے تھے۔ سہ پہر کو مبتدئین کی روحانی تربیت کرتے تھے شام کو اسلام کی خوبیوں پر وعظ فرماتے تھے۔ رات کو ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت میں بسر کرتے تھے۔ ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی سلسلہ تھا۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے بے شمار ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی تصانیف میں سے کشف المحجوب کو قبول خاص و عام کی سند حاصل ہوئی ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں تصوف پر اولیں کتاب ہے اس لئے تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ آپ نے یہ کتاب اپنے ایک رفیق شیخ ابوسعید ہجویری کی فرمائش پر لکھی تھی اس میں خالص اسلامی تصوف کی تعلیم دی گئی ہے۔ تصوف کے اصول کو قرآن و حدیث کی (باقی صفحہ ۱۳۰ پر)

ایک روز شیخ معروف روزہ دار تھے۔ نمازِ عصر کے بعد بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک سقے نے آواز دی "رحمۃ اللہ من یشرب من ھذا الماء" یعنی اللہ اس پر رحمت کرے جو اس پانی کو پیئے۔ شیخ معروف نے یہ آواز سنتے ہی پانی کا پیالہ اٹھا کر پی لیا۔ ساتھیوں نے پوچھا: کیا آپ روزے سے نہ تھے؟ فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ لیکن میں دعائے رحمت سن کر پانی پی گیا۔ وفات کے وقت ایک شخص نے شیخ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا: آپ سے خدا نے کیا سلوک کیا۔ فرمایا: سقہ کی اس دعائے رحمت پر مجھے بخش دیا جس نے اس کی طرف ترغیب دی تھی۔ آپ کا ارشاد ہے: جوانمردوں کی علامت تین چیزیں ہیں۔ ایک وفاداری جس میں بے وفائی کا شائبہ نہ ہو۔ دوسرے ستائشِ بے جا، تیسرے بے مانگے داد و دہش۔

۸ محرم ۲۰۰ھ میں وفات پائی۔ بعض مورخ ۲۰۹ھ بیان کرتے ہیں مگر صاحبِ نفحات الانس اور شہزادہ دارا شکوہ صاحبِ سفینۃ الاولیاء پہلے قول ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔

قطعہ تاریخ وفات:۔

شیخ معروف پیرِ والیٔ کرخ!! گشت چوں از جہاں دنیا طاق
زبدۂ اصفیاء است تاریخش شد عیاں نیز زبدۂ آفاق
صاحبِ عادل است و اہلِ یقیں باز تاریخ آں شہِ مشتاق
۲۰۰ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۹) روشنی میں بیان کیا ہے اور مقاماتِ تصوف کی کیفیت، اہلِ تصوف کے ارشادات، صوفیوں کے مختلف طبقات کے حالات اور معاصر صوفیوں کے رموز و نکات اور ذکر و شغل کے آداب مفصل طور پر لکھے ہیں۔ ابتدائے احوال میں سماع (قوالی) کے شائق تھے۔ پھر توبہ کر لی تھی۔ فرماتے ہیں سماع کی خواہش صرف اسی وقت تک ہے جب تک مشاہدہ کی لذت حاصل نہ ہو۔

فرماتے ہیں اخیر تر زمانے میں ایسے زمانے میں پیدا کیا جب انسانوں نے حرص کا نام شریعت، تکبر اور طلبِ جاہ کا نام عزت، ریا کا نام خوفِ خدا، جہالت کا نام علم، مجادلہ کا نام مباحثہ، نفسانیت کا نام محبت، بے دینی کا نام فقر اور ترکِ شرع کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔ ۲۶۵ھ میں وفات پائی۔ مزار ہرات میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب داتا گنج بخش ہے۔

۲۴۔ حضرت شیخ سری سقطی قدس اللہ سرہ العزیز

سری نام۔ ابوالحسن کنیت۔ حضرت شیخ معروف کرخی کے ماموں مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے عہد کے مقتدائے زماں، شیخِ وقت، صاحبِ علم اور امام اہلِ طریقت تھے۔ سب سے پہلے بغداد میں آپ ہی نے برسرِ منبر حقائقِ توحید بیان کئے۔ عراق و عجم کے اکثر مشائخ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ پیشہ تجارت تھا۔ خوردہ فروشی کی دکان تھی۔ متفرق چیزیں بیچا کرتے تھے۔ اس لئے سقطی مشہور ہو گئے (سقطی خوردہ فروش بساطی متفرق چیزیں بیچنے والے کو کہتے ہیں) دکان بازار میں تھی جس میں پردہ ڈال رکھا تھا۔ ہر روز ایک ہزار رکعت نمازِ نفل ادا کرتے تھے۔ دس دینار پر نصف دینار سے زیادہ نفع نہ لیتے تھے۔ ایک دن ساٹھ دینار کے بادام اکٹھے خرید لئے۔ ساتھ ہی بازار میں باداموں کا بھاؤ چڑھ گیا۔ ایک دلال آپ کے پاس آیا اور کہا کہ حضرت بادام بیچ ڈالئے۔ فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر لیا ہے کہ میں دس دینار پر نصف دینار سے زیادہ نفع نہ لوں گا۔ دلال نے کہا: میں آپ کے مال کو خسارہ پر نہیں بیچوں گا۔ فرمایا: میں اپنے وعدے کے خلاف نہیں کروں گا۔ اس پر نہ دلال نے بادام فروخت کئے نہ آپ نے دیئے۔

ایک دفعہ بازار میں آگ لگ گئی۔ جب یہ خبر شیخ نے سُنی تو کہا: مقامِ شکر ہے متاعِ دنیا سے خلاصی پائی۔ جب آگ بجھ گئی تو معلوم ہوا کہ شیخ کی دکان بچ گئی ہے۔ یہ سن کر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ کہا مسلمان بھائیوں کے ساتھ نقصان میں موافقت کرنا واجبات سے ہے۔ تمام مال راہِ خدا میں درویشوں کو دے دیا۔

ایک روز شیخ سے لوگوں نے دریافت کیا، آپ کے احوال کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ فرمایا: ایک روز حبیب راعی قدس سرہٗ میری دکان کے سامنے سے گزرے میں نے انہیں کچھ دیا کہ درویشوں میں بانٹ دیجئے۔ انھوں نے کہا اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ اس روز سے مال میرے لئے بے حقیقت ہو گیا ہے۔ دوسرے روز شیخ معروف کرخی آئے اُن کے ساتھ ایک یتیم بچہ تھا۔ آپ نے فرمایا اِسے کچھ کپڑا دو۔ میں نے اُسے کپڑا دیا۔ فرمایا حق تعالیٰ دنیا کو

تیرے دل کے لئے دشمن کر دے اور تجھے اِس شغل سے راحت دے۔ اُسی روز سے میں دنیا و اہلِ دنیا سے فارغ ہو گیا۔

سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے کسی کو عبادت میں سری سقطی سے زیادہ کامل نہیں پایا۔ ۹۰ سال کامل گزر گئے کہ زمین پر پہلو تک نہیں رکھا بجز بیماری و مرض الموت کے۔

ایک روز شیخ کی بہن آئی دیکھا کہ گھر میں ہر طرف کوڑا کرکٹ بکھرا پڑا ہے۔ شیخ سے جھاڑو دینے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت نہ دی۔ دوسرے روز شیخ کی بہن پھر آئی۔ دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت گھر میں جھاڑو دے رہی ہے۔ کہا سبحان اللہ مجھے تو جھاڑو دینے کی اجازت نہ دی مگر اس نامحرم عورت کو دے دی۔ فرمایا اے ہمشیر یہ بوڑھی عورت نہیں ہے۔ یہ دنیا ہے جو میرے عشق میں جلتی تھی اور مجھ سے محروم تھی۔ اب اس نے اللہ تعالیٰ سے چاہا کہ اپنا نصیبہ مجھ سے حاصل کرے اِس لئے اسے میرے گھر کی جاروب کشی کا حکم ہوا ہے۔

ایک رات حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ کہا اے جدِ پیغمبراں دنیا میں گرفتارِ عشقِ یوسفؑ ہو کر یہ کیا شور و فغاں پیدا کر دیا۔ عشقِ یوسفؑ کے ساتھ عشقِ حق کس طرح جمع ہو سکتا ہے۔ غیب سے ندا آئی۔ سری خاموش رہ یوسف کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھ۔ جونہی جمالِ یوسفؑ کو دیکھا غش کھا کر گر پڑے تیسرے روز ہوش میں آئے۔ پھر ندائے غیبی آئی سری یہ اس شخص کی سزا ہے جو عاشقانِ خدا کو ملامت کرتا ہے۔

ایک روز شیخ مجلس میں بیٹھے تھے کہ خلیفۂ بغداد کا ایک مصاحب شیخ احمد نامی گھوڑے پر سوار اس طرف سے گزرا۔ شیخ نے توجہ باطنی دی وہ اُسی وقت گھوڑے سے اُتر کر حاضرِ خدمت ہوا۔ شیخ نے فرمایا: ایزد تعالیٰ کی اَن گنت مخلوق میں سے آدمی سے زیادہ کوئی چیز ضعیف نہیں ہے۔ نیز انواعِ خلق میں سے کوئی چیز اتنی گناہ گار بھی نہیں ہے جتنا اپنی ضعیفی کے باوجود انسان ہے۔ کاش یہ ناکارہ اپنی قدر و منزلت جانتا کہ میں کیا چیز ہوں اور کس چیز سے پیدا ہوا ہوں۔ شیخ کا یہ کلام نشتر کی طرح شیخ احمد کے دل میں اتر گیا۔ اس قدر رویا کہ ہوش جاتے رہے۔ جب اپنے آپ میں آیا تو پھر اسی طرح روتا ہوا اپنے گھر چلا گیا۔ رات بھر

کسی سے بات چیت کی نہ کچھ کھایا پیا۔ صبح پھر خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا کہا اے استاد تیرا یہ سخن میرے دل میں گھر کر گیا ہے۔ دنیا میری نظروں میں ہیچ و ناکارہ ہو گئی ہے۔ اب دل میں یہی سمائی ہے کہ ترکِ علائق کروں۔ اس معاملے میں میری رہنمائی کیجئے۔ فرمایا: اس منزل کی طرف ایک راہِ عام ہے اور ایک راہِ خاص ہے۔ راہِ عام تو یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز باجماعت ادا کی جائے۔ مال ہو تو اس کی زکوٰۃ دی جائے۔ ماہِ رمضان کے روزے رکھے جائیں۔ حجِ بیت اللہ کیا جائے۔ خدائے تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا دل و جان سے اقرار کیا جائے۔ راہِ خاص یہ ہے ان کے ساتھ ترکِ دنیا کی جائے۔ کسی آرام و آسائش کی طرف توجہ نہ دی جائے۔ اگر کچھ دیا بھی جائے تو نہ لیا جائے۔ غیر اللہ سے پوری طرح روگردانی کی جائے۔ دل کو اللہ کے ساتھ لگایا جائے۔ یہ سن کر شیخ احمد نے کہا اے استاد اللہ آپ کو جزائے خیر دے میں دوسرا راستہ اختیار کرتا ہوں۔ چند روز کے بعد ایک بوڑھی عورت بدحال و گریاں خدمتِ شیخ میں آئی اور کہا۔ اے امام اہلِ اسلام میرا جوان بخت بیٹا ایک روز تیری مجلس میں آیا اور دیوانہ ہو کر گیا۔ اب میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ اُس عورت کی حالتِ زار پر شیخ کا دل پسیجا۔ کہا غم نہ کھا، پریشان نہ ہو۔ تیرا بیٹا جب آ گیا تجھے اطلاع دوں گا۔ ایک رات شیخ احمد خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا۔ آپ نے ایک خادم سے کہا جاؤ اس کی ماں کو بلا لاؤ۔ جب اس کی ماں اس کے اہل و عیال کے ساتھ آئی تو سب نے اسے دیکھ کر نالہ و فریاد کرنا شروع کر دیا۔ ہر چند چاہا کہ ان کے ساتھ گھر چلے مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوا بلکہ شیخ سے کہا آپ نے ان لوگوں کو ناحق بلایا ہے اور میرا وقت خراب کیا ہے۔ یہ تو میرے لئے وبالِ جان ہو گئے ہیں۔ میرا وقت جو یادِ الٰہی میں صرف ہوتا تھا وہ غارتِ غول ہو رہا ہے۔ اِس پر اس کی بیوی بولی: تُو نے اپنا بنا بنایا کام خراب کر دیا ہے اور اپنے جیتے جی بانک بگاڑ دی ہے۔ مجھ پر تو جو گذرے گی اس کو خوش و ناخوش اپنے سر پر لوں گی۔ اِس اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لیتا جا۔ اس نے کہا بہت خوب۔ اس وقت لڑکے نے جو لباسِ فاخرہ زیبِ تن کر رکھا تھا باپ نے اسے اتروا دیا اور اس کی بجائے اسے پرانی گدڑی پہنا دی اور ہاتھ میں زنبیل دے دی۔ لڑکے کی

ماں نے جو یہ صورت دیکھی تو بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لے گئی اور شیخ احمدؒ نے اپنی راہِ دشت لی۔ چند سال کے بعد ایک شخص خانقاہِ شیخ سریؒ میں آیا اور کہا مجھے شیخ احمد نے بھیجا ہے۔ وہ کہتا ہے میری سانس اڑی ہوئی ہے۔ ابھی وقتِ ملاقات ہے تشریف لائیے شیخ سریؒ اس شخص کے ساتھ ہو لئے۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا شیخ احمدؒ خاکِ گورستان پر پڑا ہوا ہے اور کوئی دم کا مہمان ہے مگر زبان کو حرکت دیتا ہے۔ شیخ سریؒ نے اس کے سر کو اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ شیخ احمدؒ نے آنکھ کھولی اور کہا مرحبا بروقت آئے۔ یہ آخری ملاقات ہے یہ کہا اور واصل بحق ہو گیا۔ شیخ سریؒ اُٹھے اور چاہا کہ تجہیز و تکفین کا سامان کریں اس کو وہاں چھوڑا اور شہر کی طرف چل پڑے۔ دیکھا کہ لوگوں کی ایک کثیر جماعت گورستان کی طرف آ رہی ہے۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کیا آپ کو خبر نہیں کہ اس وقت آسمان سے آواز آ رہی ہے کہ جو چاہتا ہے کہ خدا کے ولی کی نمازِ جنازہ پڑھے وہ گورستان کو جائے۔ پس ایک انبوہِ کثیر شیخ احمدؒ کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوا اور اُس کے جسمِ پاک کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں شیخ سریؒ مرض الموت میں تھے۔ میں اُن کی عیادت کو گیا دیکھا کہ ایک پنکھا قریب ہی گرا ہوا ہے اُسے اٹھا کر جھلنے لگا۔ شیخ نے آنکھ کھولی اور کہا جنیدؒ پنکھا ہاتھ سے رکھ دے۔ مجھے ہوا نہ دے۔ ہوا سے آگ تیز تر ہوتی ہے۔ میں نے کہا: مجھے نصیحت کیجئے۔ فرمایا خلق کے ساتھ مشغول اور خالق کے ساتھ شاغل رہ۔

آپ کا فرمان ہے مردہ وہ ہے جو بازار میں بھی ذکرِ حق میں مشغول رہے۔ خرید و فروخت بھی کرے لیکن یادِ الٰہی سے بھی غافل نہ رہے۔

فرمایا: بہادر وہ ہے جو اپنے نفسِ امارہ پر غالب آئے۔

فرمایا: ادب دل کا ترجمان ہے جو شخص اپنے نفس کی تربیت و تادیب سے عاجز ہے وہ دوسروں کو کیا ادب سکھا سکتا ہے:

فرمایا: پانچ چیزیں دل میں نہیں رہتیں اگر دل میں دوسری چیز موجود ہو:

۱۔ خدا کا خوف ۲۔ رجا

۳۔ محبت ۴۔ حیا

۵۔ خلق سے شفقت

فرمایا: خُلقِ خدا وہ ہے جس سے مخلوق کو تکلیف و آزار نہ پہنچے۔

۳۔ رمضان ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔ مرقد گورستان شونیز بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطعۂ تاریخ وفات:۔

شیخ سری امینِ سرِّ خدا — محرم راز و واقف تقدیر
سالِ وصلش بجوز قطب الحق — باز خواں سنِ ارتحالش میر
۲۵۰ھ

۲۵۔ سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرّہٗ

کنیت ابو القاسم۔ لقب سید الطائفہ و طاؤس العلماء و قواریری و زجاج تھا۔ قواریری و زجاج آپ کو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ کے والد محمد بن جنید[1] آبگینہ فروش تھے نہاوند کے رہنے والے تھے لیکن حضرت جنید کا مولد و منشا بغداد تھا۔ حضرت سفیان ثوریؒ کے مذہب کے پیرو تھے۔ حضرت سری سقطی کے بھانجے تھے اور انھی سے بیعت بھی تھے۔ حضرت رویمؒ[2]، حضرت شیخ ابو الحسن نوریؒ، حضرت شیخ ابو بکر شبلیؒ (آپ کا ذکر آگے آئے گا)

---

[1] سفیان نام۔ ابو عبداللہ کنیت۔ باپ کا نام سعید تھا۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ بزرگانِ وقت آپ کو امیر المومنین و امام المسلمین کہا کرتے تھے۔ اپنے وقت کے اکابر علما و صلحا سے تعلیم و تربیت پائی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اویسی تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ بڑے انیس و شفیق تھے طبع میں بے حد سوز و گداز تھا۔ اپنے آپ کو ثوری یعنی چاپایہ کہا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک روز مسجد میں انتہائے استغراق کے باعث بایاں پاؤں رکھا۔ غیب سے ندا آئی۔ سفیان شاید تو چوپایہ ہے۔ سنتے ہی حالتِ محویں آ گئے اور داڑھی پکڑ کر اپنے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ مسجد میں باادب قدم نہ رکھنے کی وجہ سے تیرا جیوانوں کے زمرے میں نام آگیا۔ ہوشکر۔ ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔

[2] کنیت ابو محمد اور ابو الحسن تھی۔ باپ کا نام احمد بن یزید بن رویم تھا۔ اصل وطن بغداد تھا۔ جید عالم اور فقیہ تھے۔ علومِ ظاہر و باطن میں مہارت کامل حاصل تھی۔ حضرت جنید بغدادی کے مریدِ کامل اور شاگردِ رشید تھے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور اسی طرح دوسرے مشائخ اپنے سلسلوں کو اُن کی طرف نسبت کرکے درست کرتے ہیں۔ آپ سے نسبت رکھنے والوں کو جنیدیہ کہتے ہیں۔ حضرت مخدوم علی ہجویری کشف المحجوب میں فرماتے ہیں: ایک روز کسی نے شیخ سری سقطی سے پوچھا: "کیا کسی مرید کا درجہ اپنے پیر و مرشد سے بڑھ سکتا ہے۔" فرمایا: "ہاں کیوں نہیں۔ اور یہ ظاہر دلیل ہے کہ جنید بغدادی کا درجہ مجھ سے بہت بلند ہے۔"

خلیفۂ بغداد نے ایک روز حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کو بے ادب کہا۔ آپ نے کہا سبحان اللہ بھلا میں کس طرح بے ادب ہو سکتا ہوں جبکہ اپنا نصف دن حضرت جنید قدس سرہٗ کی صحبت میں گزارتا ہوں۔"

شیخ ابوجعفر حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اگر عقل مرد ہوتی تو جنید کی صورت پر ہوتی۔" آپ نے کامل تیس سال تک عشاء کی نماز پڑھ کر اور ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اللہ اللہ کیا ہے اور اسی عشاء کی نماز کے وضو سے نماز صبح ادا کی ہے۔ صاحب "تذکرۃ الاولیاء" لکھتے ہیں۔ حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا: بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں۔ حضرت جنیدؒ سامنے حاضر ہیں۔ ایک شخص نے آ کر فتویٰ طلب کیا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ جنیدؒ سے فتویٰ لو۔ اس شخص نے عرض کیا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۵) صاحب عبداللہ انصاری فرماتے ہیں: اگرچہ رویم عمر کو جنید کا شاگرد بتاتے تھے مگر آپ اپنے استاد سے زیادہ کامل و بہتر تھے۔ میں ان کے ایک بال کو بھی ایک سو جنید سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ حضرت جنید فرماتے ہیں: ہم فارغ ہوتے ہوئے بھی مشغول ہیں اور رویم مشغول بھی فارغ ہے۔ ۳۰۳ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں شونیز کے مقام پر ہے۔ ۵ نام احمد بن محمد اور لقب نوری ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد نہشور کے رہنے والے تھے جو ہرات اور مرو کے درمیان واقع ہے مگر آپ کا مولد بغداد ہے۔ شیخ سری سقطی کے مرید اور سید الطائفہ جنید کے ہم عصر ہیں۔ راہِ طریقت میں مجتہد اور صاحب مذہب گزرے ہیں۔ آپ کے طریقہ کو طریقۂ نوریہ کہتے ہیں۔ آپ کو نوری اس وجہ سے کہتے ہیں۔ جب آپ کسی تاریک مکان میں گفتگو کرتے تو آپ کے باطنی نور سے وہ گھر روشن ہو جاتا تھا اور اُس نورِ حق کی وجہ سے مریدوں کے اسرار پر مطلع ہو جاتے۔ آپ کا ارشاد ہے "جس نے خدا کو دنیا میں نہیں پہچانا وہ آخرت میں بھی اُسے نہ پہچان سکے گا۔" ۲۹۵ھ میں وفات پائی۔ "سید بن ابوالحسن" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

یارسول اللہؐ آپ کی موجودگی میں دوسرے سے فتویٰ کیوں لوں؟" فرمایا: "تمام انبیاء کو جس طرح اپنی اپنی امت پر فخر و مباہات ہوتا ہے مجھے اپنے جنیدؒ پر فخر ہے۔"

شیخ جنیدؒ نہ سماع سنتے تھے نہ وجد کرتے تھے۔ بہ ظاہر و باطن بشرعِ مقدس آراستہ و پیراستہ تھے۔ ایک روز مجلس میں توحید کے متعلق کلام فرما رہے تھے کہ ایک مرید نے نعرہ لگایا۔ شیخ نے اسے منع کیا اور کہا اگر تو نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو تجھے مہجور کر دوں گا۔ یہ کہہ کر پھر اپنے کلام میں مشغول ہو گئے۔ اس نوجوان میں تابِ ضبط نہ تھی۔ دوبارہ نعرہ لگایا۔ شیخ جنیدؒ نے اُس کی طرف نگاہِ گرم سے دیکھا۔ وہ اسی وقت ہلاک ہو گیا۔ لوگوں نے جا کر دیکھا تو وہ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔

ابتدائے احوال میں ایک روز شیخ جنیدؒ مدرسے سے گھر آئے۔ دیکھا کہ والدہ رو رہے ہیں۔ سبب پوچھا۔ کہا کہ تمہارے خالو شیخ سری سقطیؒ کے پاس حصۂ مالِ زکوٰۃ لے کر گیا تھا۔ انہوں نے قبول نہیں کیا۔ اس پر گریہ کر رہا ہوں کہ جس مال کے لئے عمرِ عزیز ضائع کر دی وہ دوستانِ خدا کے لئے قابلِ قبول بھی نہیں۔ شیخ جنیدؒ نے کہا: مجھے دیجئے میں جا کر دیتا ہوں۔ شیخ نے مالِ زکوٰۃ لیا اور دروازۂ شیخ سری سقطیؒ پر جا کر دستک دی۔ اندر سے پوچھا کون ہے؟ کہا جنیدؒ۔ پوچھا کیوں آئے؟ کہا یہ مالِ زکوٰۃ لے لیجئے۔ شیخ نے جواب دیا: ہرگز نہ لوں گا۔ حضرت جنیدؒ نے کہا، اسے خدا کے لئے لے لیجئے۔ جس نے آپ پر فضل اور میرے باپ پر عدل کیا۔ فرمایا: اے جنیدا کہو خدا نے مجھ پر کیا فضل کیا اور تیرے باپ پر کیا عدل کیا۔ شیخ جنیدؒ نے کہا: خدا نے آپ پر یہ فضل کیا کہ آپ کو درویشی اور ترکِ دنیا عطا کی اور میرے باپ کے ساتھ یہ عدل کیا کہ اسے دنیوی کاروبار میں مشغول کر دیا۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اسے قبول کریں یا نہ کریں اور میرا باپ چاہے نہ چاہے مگر زکوٰۃ کا ادا کرنا اس پر حکماً فرض ہے۔ اس لئے کہ یہ مال حقداروں کا حصہ ہے اور اس کا یہ فرض ہے کہ یہ مال ان تک پہنچائے۔ شیخ سریؒ اس پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: اے بیٹا میرے پاس آ۔ اس سے پہلے کہ میں یہ مال قبول کروں تجھے قبول کرتا ہوں۔ پس دروازہ کھولا اور مرحبا کہا۔ اور شیخ جنیدؒ کو اپنے دامن میں جگہ دی۔

ایک دفعہ شیخ سریؒ حضرت جنیدؒ کو اپنے ساتھ حج کے لئے لے گئے جبکہ ان کی عمر ابھی آٹھ برس کی تھی۔ وہاں جاکر دیکھا کہ حرم شریف میں چار سو پیرانِ روشن ضمیر بیٹھے مسئلہ شکر پر بحث کر رہے ہیں۔ ہر بزرگ ادائے حقِ شکر میں تقریر کر رہا ہے۔ شیخ سریؒ نے حضرت جنید سے کہا: اے نورالعین تو بھی اس مسئلہ کے متعلق کچھ کہہ۔ شیخ جنیدؒ نے سر اٹھایا اور کہا: شکر یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو گناہ میں خرچ نہ کرے اور اسے معصیت سازی کا سبب نہ بنائے۔ تمام حاضرین نے آفرین و تحسین کہی اور آپ کے اس قول پر اتفاق کیا۔

حضرت جنیدؒ کے اقوالِ توحید جب زبان زدِ خاص و عام ہوئے تو مخالفانِ شیخ نے خلیفہ سے شکایت کی کہ شیخ جنیدؒ ایسی باتیں کرتا ہے کہ جن کو عقل قبول نہیں کرتی۔ ایسے فتنہ انگیز کو درمیان سے ہٹا دینا چاہئے۔ خلیفہ نے کہا: حجتِ شرعی کے بغیر یہ کام مشکل ہے۔ آخر اس کے لئے ایک حیلہ پیدا کیا گیا۔ خلیفہ کے پاس ایک نہایت ہی حسین و جمیل کنیز تھی اُسے مزید بناؤ سنگار کے ساتھ شیخ کے پاس یہ سبق پڑھا کر بھیجا کہ اپنے حسن و جمال، ناز و کرشمہ اور تحریصِ مال و دولت سے شیخ کو اپنے پر مائل کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے۔ چنانچہ یہ خدمتِ شیخ میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میرے پاس بڑا زر و مال ہے۔ چاہتی ہوں کہ یہ مال و دولت آپ پر نثار کر کے تمام عمر خدمت میں گزار دوں۔ مجھے قبول فرمائیے۔ شیخ نے کوئی توجہ نہ دی۔ اس کنیز نے اپنے حسنِ دلفریب اور عشوہ و غمزہ سے شیخ کو اپنے دامِ مکر و فریب میں لانے کی بڑی کوشش کی مگر شیخ نے نظر اٹھا کر بھی اس کی جانب نہ دیکھا۔ جب اس کا عجز و انکسار حد سے بڑھ گیا تو شیخ نے اپنے دلِ پُر سوز سے آہ آہ تین بار کہا۔ شیخ کی آہِ سوزاں کی چنگاریوں سے کنیز کو آگ لگ گئی اور وہ چشمِ زدن میں جل کر خاکستر ہو گئی۔ خادمہ جو کنیز کے ساتھ آئی ہوئی تھی یہ حال دیکھ کر خلیفہ کے پاس بھاگی گئی اور تمام حالات بیان کئے۔ خلیفہ یہ سن کر خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا اور کہا: اے شیخ تُو نے اس خوب رو کنیز کو جلا کر راکھ کر ڈالا ہے۔ ایسے ظلم کی توقع آپ سے نہ تھی۔ شیخ نے فرمایا: تُو چاہتا تھا کہ میری چالیس سالہ ریاضت و عبادت تباہ و برباد ہو جائے۔ تم دونوں نے اپنا کیا پا لیا۔ اس وقت رحم و شفقت خود میرے حال پر ظلمِ عظیم تھا۔

شیخ جنیدؒ نے جب علومِ ظاہر و باطن میں تکمیل کر لی تو شیخ سریؒ نے انہیں وعظ و نصیحت کی اجازت دی مگر شیخ جنیدؒ نے اپنے مرشد کے سامنے وعظ کہنا ترکِ ادب و گستاخی پر محمول کر کے وعظ نہ کہا۔ ایک رات شیخ جنیدؒ نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور فرماتے ہیں: اے جنید تو وعظ کیوں نہیں کہتا۔ اللہ تعالیٰ نے تیری زبان میں بڑی تاثیر دی ہے۔ صبح کو شیخ جنیدؒ جب خدمتِ مرشد میں حاضر ہوئے دیکھا کہ شیخ سریؒ دروازے میں کھڑے ہیں۔ شیخ جنیدؒ کو دیکھتے ہوئے فرمایا: اے جنیدؒ میں نے نہ کہا کہ لوگوں سے کلام کر پس اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق لوگوں سے کلام کر۔ چنانچہ شیخ جنیدؒ کی پہلی مجلس میں چالیس آدمی حاضر ہوئے جن میں سے سترہ شیخ کی تاثیرِ کلام سے جاں بحق ہو گئے اور بیس بے ہوش ہو گئے۔

حسین بن منصور حلاج حضرت شیخ عمرو[1] بن عثمان کی الصوفی سے غلبۂ حال میں اظہارِ بیزاری کر کے شیخ جنید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا: اے حسین تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ جو تم نے شیخ عمر بن عثمان کی اور سہیل بن عبداللہ تستریؒ سے سلوک کیا ہے۔

---

[1] ابو عبداللہ کنیت۔ یمن کے رہنے والے اکابر سادات سے تھے۔ تمام عمر مکہ میں گزاری تھی اس لئے مکی مشہور ہوئے۔ سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی کے مرید اور حسین بن منصور حلاج کے استاد تھے۔ علومِ حقائق و معارف میں بڑے پایہ کے عالم تھے۔ آپ کا کلام جب باریک و گہرا ہوا تو لوگوں نے اسے کلام کی طرف منسوب کر کے آپ سے قطع تعلق کر لیا۔ حتیٰ کہ مکہ سے بھی نکال دیا۔ جب آپ جدہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے انہیں اپنا قاضی بنا لیا۔ کہا جاتا ہے حسین بن منصور حلاج پر جو کچھ آیا وہ انہی کی دعا کا اثر تھا کہ انہیں رنج پہنچایا تھا۔ ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔ منور اور نامور آپ کی تاریخِ وفات ہے۔

[2] کنیت ابو محمد ہے۔ مذہباً حنفی تھے۔ حضرت ذوالنون مصری کے مرید ہیں۔ عراق کے مشائخِ عظام اور علمائے کبار سے تھے۔ حقیقت و شریعت کے جامع تھے۔ طریقہ سہلیہ آپ کی طرف منسوب ہے۔ اس طریقہ کی بناء اجتہاد اور مجاہدہ پر ہے۔ فرمایا: بدبختی کی علامت یہ ہے کہ علم ملے لیکن عمل کی توفیق نہ ہو۔ فرمایا: جہالت سے بڑھ کر کوئی معصیت زیادہ بری نہیں۔ بڑی کرامت یہ ہے کہ اپنی بری عادتوں کو اچھی عادتوں میں تبدیل کر دے۔ خدا کی غفلت سے بڑھ کر کوئی معصیت نہیں۔ ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ "صدیقِ ہادیِ جہاں" تاریخِ وفات ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

حسینؒ نے کہا: صحو و سکر دو وصف ہیں۔ بندہ کو ہمیشہ وصفِ خدا میں فانی ہونا چاہئے۔ شیخ نے فرمایا: اے پسرِ منصورؒ تو غلطی پر ہے صحوِ حق کے ساتھ صحتِ حال ہے۔ اے منصورؒ کے بیٹے! میں تیرے کلام میں بڑی فضول اور بے معنی عبارت دیکھتا ہوں۔ مجھے اس کا انجام نیک نظر نہیں آتا۔

فرمایا: میرے دل میں آرزو تھی کہ ابلیس کو دیکھوں۔ پس ایک روز میں مسجد سے باہر آرہا تھا دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص میری طرف آرہا ہے۔ جب وہ میرے قریب پہنچا تو مجھے اُس سے وحشت آئی۔ میں نے اس سے پوچھا، تُو کون ہے؟ اس نے کہا: جس سے ملنے کی تمہیں آرزو تھی۔ میں نے کہا، اے ملعون! کس چیز نے تجھے آدم کو سجدہ نہ کرنے دیا۔ وحدتِ حق تعالیٰ میں نے نہ چاہا کہ غیر اللہ کو سجدہ کروں۔ میں اس کے جواب سے متحیر ہوا۔ میں ابھی اسے جواب دینے نہ پایا تھا کہ ندائے غیبی آئی: اے جنید! اسے کہو کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ اگر میرے بندے ہوتے تو میرے حکم سے سرتابی نہ کرتے۔ ابلیس نے جب یہ ندا سنی تو نعرہ مارا اور کہا: اے جنید! خدا کی قسم تُو نے مجھے جلا ڈالا اور غائب ہوگیا۔

شیخ جنید کے مریدوں میں سے ایک مرید نے آبادی سے کہیں دور ایک ویرانے میں عبادت خانہ بنایا اور وہیں اہل دنیا سے کنارہ کش ہوکر رہنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ ہر رات اُس کے پاس ایک اونٹ لایا جاتا اور لانے والے کہتے کہ ہم آسمانی فرشتے ہیں۔ آپ اِس اُونٹ پر سوار ہوجائیے۔ ہم آپ کو بہشت کی سیر کرائیں گے۔ وُہ اس اونٹ پر سوار ہوگیا۔ اسے مقاماتِ دلکش کی سیر کرائی گئی۔ جہاں گل ہائے رنگارنگ تھے۔ آبِ رواں تھا۔ صورت ہائے زیبا تھیں۔ رات بھر وُہ اس پُرفضا مقام کی گل گشت کرتا۔ صبح کو پھر اپنے اُسی مقام پر آجاتا۔ یہ سلسلہ نادیر قائم رہا۔ اِس چیز نے اُس کے دماغ میں رعونت پیدا کردی اور وُہ متکبر و مغرور ہوگیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۳۹) ۱؎ ابو عبداللہ کنیت ہے۔ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ مگر اصل وطن اقلیم مصر ہے۔ امام مالک کے شاگرد تھے۔ آپ کا شمار متقدمین علماء و مشائخ میں ہوتا ہے۔ توحید و تجرید میں یکتائے روزگار، عارفِ کامل اور صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ آپ کا ارشاد ہے راہِ راست پر وُہ ہے جو خدا سے ڈرتا ہے۔ جب خدا کا ڈر اٹھ گیا تو راہِ راست سے بھٹک گیا۔ فرمایا: خدا کی محبت کی علامت یہ ہے کہ خدا کے حبیبؐ کے اخلاق و افعال اور امر و سنت سب میں پوری اتباع کی جائے۔ فرمایا: عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے۔ ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ مرقد مصر میں ہے۔

رفتہ رفتہ یہ خبر شیخ جنیدؒ کے کانوں تک پہنچی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ مغرورانہ بیٹھا ہوا ہے شیخ نے تمام احوال پوچھے۔ اس نے سب کچھ اسی طرح بتایا۔ شیخ نے کہا آج رات جب تو وہاں جائے تو تین بار لاحول پڑھنا۔ رات کو حسبِ معمول اسے انہی مقامات کی سیر کرائی گئی۔ اس نے براہِ امتحان کلمۂ لاحول پڑھا۔ شیاطین جو اس کام کے موکل تھے فرار ہو گئے۔ وہ تنہا رہ گیا اور اپنے آپ کو ایسی گندگی کے ڈھیر پر پایا جس کی عفونت سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ آس پاس مردار جانوروں کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ اپنی غلطی سے آگاہ ہو کر بے حد پشیمان ہوا توبہ کی اور دوبارہ خدمتِ شیخ میں رہنے لگا۔ ایک بار شیخ کے ایک مرید سے کوئی بے ادبی سرزد ہو گئی۔ وہ مارے ندامت کے باہر چلا گیا۔ اتفاقاً راستے میں شیخ سے دوچار ہو گیا۔ شیخ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ وہ ہیبت سے ایسا گرا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ چند قطرے خون کے زمین پر گرے جن سے لفظِ اللہ لکھا گیا۔ شیخ نے جب یہ دیکھا تو کہا: اچھا میرے سامنے جلوہ گری کرتا ہے۔ خدا کی قسم یہ بچے جو میرے سامنے کھیل رہے ہیں اس مقام میں تیرے برابر ہیں۔ شیخ کی یہ بات اُس پر نہایت سخت گزری حتیٰ کہ جاں بحق ہو گیا۔

بصرہ میں شیخ جنید کا ایک مرید رہتا تھا۔ ایک روز اس کے دل میں خطرۂ گناہ گزرا جس سے اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ آئینہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ہر چند کوشش کی مگر چہرے کی سیاہی دُور نہ ہوئی۔ تین روز اسی طرح گزر گئے۔ پھر سیاہی آہستہ آہستہ دُور ہونی شروع ہوئی اور چند روز میں چہرہ بالکل سفید ہو گیا۔ شیخ کا ایک خط اس کے نام پہنچا کہ بارگاہِ رب العزت میں باادب کیوں نہیں رہتے۔ مجھے چند روز سے دھوبی بننا پڑ گیا ہے تاکہ تیرے چہرے کی سیاہی سفیدی میں تبدیل ہو جائے۔

شیخ جنید کے آٹھ مرید تھے جو سب کے سب ولایت میں کامل و اکمل تھے۔ ایک روز انہوں نے خدمتِ شیخ میں عرض کی: اے شیخ شہادت ایک عجیب نعمتِ جانفزا ہے۔ اسے حاصل کرنا چاہیے۔ شیخ نے ان کی تائید کی اور ان کے ساتھ ملکِ روم کی طرف جہاد کے لئے چل پڑے۔ ایک جگہ کفار سے مقابلہ ہو گیا۔ ایک گبر (آتش پرست) کے ہاتھوں شیخ کے آٹھوں مرید ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ شیخ فرماتے ہیں میں نے اس وقت ہوا میں

نو کجاوے معلق دیکھے۔ میرے ساتھیوں میں سے جو شہید ہوتا تھا اس کی روح ایک کجاوے میں رکھتے اور آسمان کی طرف لے جاتے۔ آخر ایک کجاوہ باقی رہ گیا۔ میں نے یہ کہا یہ میرے لئے ہے۔ جنگ میں مشغول ہوگیا۔ دوران جنگ میں وہ گبر جس نے میرے ساتھیوں کو شہید کیا تھا، میرے پاس آیا اور کہا: اے ابوالقاسم! یہ آخری کجاوہ میرے لئے ہے تو بغداد واپس چلا جا۔ اپنی قوم کی قیادت و سیادت کر اور اپنا مذہب میرے سامنے پیش کر میں نے اسے تلقینِ اسلام کی۔ وہ مشرف بہ اسلام ہو کر کفار سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔ میں نے دیکھا کہ اس آخری کجاوے میں اس کی رُوح رکھ کر آسمان کی طرف لے گئے ہیں۔

ایک شخص نے شیخ سے دریافت کیا: "دل کس وقت خوش رہتا ہے۔"

فرمایا: "جس وقت خدا دل میں جلوہ گر ہو۔"

فرمایا: "مرد کو مردانہ خصلت اختیار کرنی چاہئے اور شبہات و وہم میں گرفتار نہیں ہونا چاہئے۔

فرمایا: "جس نے خدا کی معرفت حاصل نہیں کی، وہ کبھی شاد نہیں رہ سکتا۔ وقت سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہیں۔ جب یہ گزر جاتا ہے تو پھر اسے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔"

فرمایا: جوانمردی یہ ہے کہ اپنا بوجھ دوسروں پر نہ ڈالا جائے اور جو کچھ پاس ہو اُسے راہِ خدا میں دے دیا جائے۔"

فرمایا: "خُلق چار چیزیں ہیں:

۱۔ سخاوت

۲۔ الفت

۳۔ نصیحت

۴۔ شفقت۔"

کسی نے پوچھا: "کس شخص کی صحبت اختیار کریں؟"

فرمایا: "جو تیرے ساتھ نیکی کر کے بھلا دے۔"

کسی نے بندہ کی تعریف پوچھی۔ فرمایا، جو دوسروں کی بندگی سے آزاد ہو۔
پوچھا گیا: خدا تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے؟
فرمایا، ترکِ دنیا اختیار کر۔ نفس کے خلاف کر۔ خدا تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔
بروز شنبہ، ۲۷۔ رجب ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔ مزارِ اقدس بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔
بیان کیا جاتا ہے جب آپ کی وفات کا وقت قریب پہنچا۔ آپ کی زبان پر تسبیح جاری تھی چار انگلیوں کو باندھے ہوئے تھے۔ تیسری انگلی کھولے ہوئے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی آنکھیں بند کیں اور واصلِ حق ہو گئے۔
غسال نے چاہا کہ آنکھوں کے اندر پانی ڈالے۔ ندائے غیبی آئی۔ ہمارے دوست کی آنکھوں سے اپنے ہاتھ کو الگ رکھ۔ جو آنکھ ہمارا نام لے کر بند ہوئی ہے وہ ہمارے سوا ہی کھولی جا سکتی ہے۔
غسال نے چاہا کہ آپ کی انگلیوں کو کھول کر سیدھا کر دے۔ پھر ندا آئی۔ جو انگلیاں ہمارا نام لے کر بند ہوئی ہیں وہ ہمارے حکم ہی سے کھل سکتی ہیں۔ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ایک سفید کبوتر جنازہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ اسے ہر چند اڑانا چاہا مگر وہ نہ اڑا اور کہنے لگا اپنے آپ کو اور مجھے پریشان نہ کرو۔ میرے پنجے عشق کی میخوں سے اس جنازہ کے گوشوں پر جمے ہوئے ہیں آج جنیدؒ کا قالب فرشتوں کے دوش پر ہے۔ اگر تمہارا شور و غل نہ ہوتا تو جنیدؒ کا جسم سفید باز کی طرح ہمارے ساتھ ہوا میں اڑتا۔ پھر وہ کبوتر جو دفن کے وقت جنازہ کے اوپر تھا، غائب ہو گیا۔
قطعۂ تاریخ وفات:

سید الطائفہ ولیِ زماں! — یعنی حضرت جنیدؒ عالیشاں
رفت چوں از جہاں بباغِ جناں! — نامور گشت سالِ رحلت آں

۲۹۷ھ

۲۶- حضرت شیخ ابوبکر شبلی قدس اللہ سرہ العزیز

نام جعفر بن یونس۔ کنیت ابوبکر۔ خراسانی الاصل تھے۔ موضع شبیلہ کے رہنے والے تھے مگر ولادت بغداد میں ہوئی تھی اور یہیں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ان کے والد خلیفۂ بغداد کے حاجب (چوبدار) تھے اور خود شیخ شبلی حاکمِ نہاوند تھے۔ ایک روز خلیفہ نے انہیں بغداد میں بلایا اور حسنِ خدمات کے صلے میں خلعت پہنایا۔ خلیفہ سے رخصت ہو کر دربار سے نکلے ہی تھے کہ اتفاقاً چھینک آئی اور آستینِ خلعت ہی سے ناک صاف کر لی۔ مخالفانِ شیخ نے خلیفہ سے شکایت کی کہ یہ شخص کسی طرح بھی لائقِ خلعت نہیں ہے۔ حضور کے عطا کردہ خلعت سے اس نے ناک صاف کی ہے اور یہ انتہائے بے ادبی ہے۔ خلیفہ نے اس گستاخی پر شیخ کو معزول کر دیا۔ اس واقعہ نے شیخ کی زندگی کو بدل ڈالا۔ آپ نے کہا اگر کوئی مخلوق کے عطیہ کو بطورِ دستمال (رومال) کے استعمال کرتا ہے تو اسے منصب سے معزول کر دیا جاتا ہے اور جو شخص خلعتِ معرفتِ الٰہی کی قدر نہ کرے تو اس کا کیا حال ہوگا۔ تارک الدنیا ہو گئے اور حضرت خیر نساج قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر کرواتِ دنیوی سے توبہ کی۔ حضرت خیر نساجؒ نے انہیں شیخ جنیدؒ کی خدمت میں بھیج دیا کیونکہ آپ ان کے قرابت داروں سے تھے۔ آپ نے خدمتِ شیخ میں رہ کر علم و عرفان کا بلند درجہ حاصل کیا اور خرقۂ خلافت پایا۔ شیخ جنید آپ کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔ فرمایا: ہر قوم کا مالک ایک تاج (سردار) ہوتا ہے

لہ نام محمد بن اسماعیل اور کنیت ابوالحسین ہے۔ سکونت بغداد میں تھی۔ سامرہ میں پیدا ہوئے تھے۔ حضرت سری سقطی کے مرید تھے۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ نساجی (بافندگی) آپ کا پیشہ نہیں تھا۔ صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں: شام کی نماز کا وقت تھا کہ ملک الموت نے سایہ ڈالا۔ آپ نے سر اپنے سے سر اٹھایا اور کہا۔ صفاک اللہ تھوڑی دیر توقف کرو کہ میں بھی خدا کا بندہ ہوں اور تم بھی خدا کے بندے ہو۔ تم کو خدا نے حکم دیا ہے کہ میری جان نکالو اور مجھے حکم دیا ہے کہ جب نماز کا وقت آئے تو سب کام چھوڑ دو۔ جو تمہیں حکم ملا ہے وہ قضا نہیں ہوگا اور جو مجھے حکم ملا ہے وہ فوت ہو جائے گا۔ پھر آپ نے وضو کیا، نماز پڑھی اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ ۳۴۱ھ میں وفات پائی۔ "محرمِ دل" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

میرا تاج ابوبکر شبلی ہے۔ آپ فقہی مسائل میں حضرت امام مالکؒ کے مقلد تھے۔

ایک روز شیخ شبلیؒ نے حضرت جنیدؒ سے کہا: آپ کو ایزد تعالیٰ نے گوہرِ آشنائی عطا فرمایا ہے۔ آپ اسے یا تو بیچ دیجئے یا بخش دیجئے۔ شیخ جنیدؒ نے فرمایا: نہ فروخت کروں گا نہ بخشوں گا۔ فروخت کروں تو تیرے پاس قیمت ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے اور اگر بخش دوں تو یہ موتی تیرے ہاتھ مفت میں آجائے گا۔ مردانِ ہمت کی طرح اپنے آپ کو دریائے معرفت میں ڈال اور گوہرِ مقصود حاصل کر۔ شیخ شبلیؒ نے پوچھا: پھر کیا کروں؟ فرمایا: ایک سال تک کبریت فروشی کر۔ (دیا سلائی بیچ) ایک سال گزرنے کے بعد شیخ شبلیؒ خدمتِ مرشد میں حاضر ہوئے۔ فرمایا اب ایک سال تک بغداد کے کوچہ و بازار میں گدائی کر۔ مگر اس طرح پر کہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہونا۔ شیخ شبلیؒ فرمودۂ مرشد کے مطابق بغداد کے بازاروں میں گداگری کرتے رہے مگر کسی شخص نے آپ کو ایک حبہ بھی نہ دیا۔ سال گزرنے پر خدمتِ شیخ میں حاضر ہوئے۔ فرمایا: کیوں شبلیؒ اپنی قدر و قیمت معلوم ہوئی؟ کوئی شخص تیری طرف متوجہ بھی نہ ہوا۔ اچھا اب نہاوند جا، جہاں تو حکومت کرتا رہا ہے۔ وہاں ایک سال دریوزہ گری کر۔ چنانچہ آپ وہاں پہنچے۔ کسی نے آپ کو روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہ دیا۔ سال گزار کر خدمتِ مرشد میں آئے۔ شیخ جنید نے فرمایا: شبلیؒ ابھی ایک سال اور بغداد کے کوچہ و بازار میں گدائی کر۔ چنانچہ حکمِ شیخ کے مطابق آپ بغداد کی گلیوں میں بھیک کا ٹھیکرا لئے بھک منگا بن کر بھیک مانگتے رہے۔ شام کو خانقاہِ شیخ میں بھی حاضر ہوتے اور بھیک کے ٹکڑوں کو خدمتِ مرشد میں پیش کرتے۔

لہ مالک نام کنیت ابوعبداللہ۔ آپ ائمہ اربعہ میں سے اہل سنت کے دوسرے امام ہیں۔ تدبر و تفکر فی الدین۔ تفحصِ حدیث اور زہد و ورع میں مقامِ بلند رکھتے تھے۔ صحیح احادیث کا ایک مجموعہ موطا کے نام سے مدون کیا تھا جو کتبِ صحاح ستہ میں شامل ہے۔ اس کتاب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ نے اسے فقہی مضامین کے لحاظ سے مرتب کیا ہے۔ محمد نفسِ زکیہ بن عبداللہ بن حسن ثانی نے جب ابوجعفر المنصور عباسی کے عہد میں دعوائے خلافت کیا اور شکست کھائی۔ مدینہ میں حضرت امام صاحب نے ان کی حمایت کی تھی۔ اس کی پاداش میں منصور نے آپ کو کوڑوں سے پٹوایا۔ حضرت امام شافعی آپ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ "امام زمن" آپ کی تاریخ وفات ہے۔

اور شیخ انہیں درویشوں میں تقسیم کر دیتے۔ ایک سال گزرنے کے بعد حضرت جنیدؒ نے پوچھا: کیوں شبلیؒ اب تیرے نفس کا حال تیرے نزدیک کیا ہے؟ عرض کیا: پیر و مرشد اپنے آپ کو خلقِ خدا کی کمتریں مخلوق سمجھتا ہوں۔ فرمایا: اب تیرا ایمان درست ہوا۔

روایت ہے شیخ شبلی ہمیشہ اللہ اللہ کہتے۔ ایک درویش نے پوچھا: لا الٰہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے۔ فرمایا: ڈرتا ہوں اگر لفظِ اللہ سے پہلے نفیٔ لا میں مشغول رہا اور سانس منقطع ہو گئی تو مقامِ نفی میں رہ جاؤں گا۔ درویش نے کہا میں اس سے بہتر توجیہہ چاہتا ہوں۔ کہا لا نفیٔ غیر اللہ کے لئے ہے اور میں غیرِ حق کو کسی صورت نہیں چاہتا۔ نوجوان نے کہا: میں اس سے اور زیادہ واضح جواب چاہتا ہوں۔ فرمایا، اللہ کہنے میں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اتباع کرتا ہوں جیسا کہ روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ حسبِ حیثیت راہِ خدا میں اپنا مال دیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال لاکر خدمتِ رسولؐ میں حاضر کر دیا اور حضرت صدیقِ اکبرؓ نے تمام مال لاکر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے پوچھا: اے ابی بکرؓ اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑ آئے؟ عرض کیا: اللہ۔ اس نوجوان نے کہا: اے شیخ میں اس سے بھی اعلیٰ وضاحت چاہتا ہوں۔ شیخ نے فرمایا: اے نوجوان میں نے بہتر سے بہتر صورتیں اور مثالیں تیرے سامنے پیش کیں لیکن تیری ہمت اور حوصلہ بہت بلند ہے۔ سُن اب اس سے بہتر کہتا ہوں۔ فرمایا: اس طریق کو اختیار کرنا اور اُس پر عمل کرنا جو موجبِ حکمِ خداوندی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا: "اے رسول فرما دیجئے تیرے لئے بس اللہ ہی کافی ہے۔ ان سب کو اپنے لہو و لعب میں مشغول رہنے دیجئے۔ ان سے کوئی سروکار نہ رکھئے۔" پس اللہ کہنے کے لئے امرِ الٰہی صادر ہو گیا۔ نوجوان نے عرض کی: جزاک اللہ بس اب میرے لئے یہی کافی ہے۔ ایک نعرہ مارا اور واصلِ بحق ہو گیا۔

اس نوجوان کے وارثوں نے خلیفہ کے پاس جا کر دعوئے خون کر دیا۔ خلیفہ نے شیخ کو بلایا اور حقیقتِ حال کی وضاحت چاہی۔ شیخ نے فرمایا: اُس کی رُوح مشتاقِ دید ہوئی۔ رونے لگی۔ فریاد کی۔ اُس طرف سے دعوت آئی۔ اس نے لبیک کہا اور جاں بحق ہو گیا

میرا اس میں کیا قصور ہے۔ خلیفہ نے کہا شیخ شبلی کو یہاں سے فوراً رخصت کرو۔ اس کے کلام سے میرے دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ قریب ہے کہ میں بے ہوش ہو جاؤں۔ اس پر شیخ شبلی کو مدعیانِ خون سے رہائی حاصل ہوئی۔ ایک شخص نے شیخ سے دریافت کیا، اکرم الاکرمین کون ہے اور کب ہوتا ہے؟ فرمایا: جب کسی گناہ کو معاف کرے تو پھر اُس گناہ پر اُس کو سزا نہ دے بلکہ یہ کہنا بھی گناہ ہے کہ میں نے اپنے فلاں دوست کو بخش دیا۔

روایت ہے شیخ شبلی کچھ عرصہ اپنے مقام سے غائب رہے۔ ہر چند تلاش کیا، پتہ نہ پایا۔ ایک روز مخنثوں کے گروہ میں دیکھے گئے۔ لوگوں نے پوچھا: اے شیخ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا: یہ گروہ دنیا میں نہ مرد ہے نہ عورت۔ میں بھی اسی حالت میں گرفتار ہوں۔ نہ مرد ہوں نہ عورت۔ پس ناچار میری جگہ انہی میں ہے۔ روایت ہے شیخ ابھی مرض الموت ہی میں تھے کہ آپ کی وفات کی خبر شہر میں اُڑ گئی۔ لوگ انبوہ در انبوہ نمازِ جنازہ میں شریک ہونے کے لئے آنے شروع ہوئے۔ شیخ نے جب لوگوں کا ہجوم دیکھا تو ہنس کر کہا: عجیب بات ہے کہ مردے زندہ کے جنازہ کے لئے آ رہے ہیں۔ اُس وقت ایک شخص نے کہا: اے شیخ کلمہ لا الہ الا اللہ کہئے۔ فرمایا: لا نہیں کہوں گا۔ لوگوں نے کہا: اس وقت سوائے کلمہ کہنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔ ایک شخص نے بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔ شیخ نے فرمایا: سبحان اللہ مُردہ زندہ کو تلقینِ شہادت کرتا ہے۔ چند ساعت کے بعد حاضرین نے پوچھا، کہئے آپ کیسے ہیں؟ فرمایا، ابھی محبوب سے ملا جاتا ہوں۔ یہ کہا اور واصلِ بحق ہو گئے۔ ۳۳۵ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

شیخِ دیں شبلی است پیرِ بے نظیر — یافت چوں از دہر در جنت مقام
سیدِ دوراں ست سالِ وصلِ او — ہم "محبِ اصفیا ہادیٔ امام"

۳۳۵ھ — ۳۳۴ھ

۲۷۔ حضرت شیخ عبدالواحد تمیمی قدس سرہٗ

کنیت ابوالفضل، باپ کا نام عبدالعزیز بن حرث بن اسد تھا۔ شیخ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفۂ اعظم تھے۔ خادمِ شریعت۔ سالکِ طریقت۔ واقفِ حقیقت اور امام اہل سنت والجماعت تھے۔ مذہباً حنفی تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور شریعت و طریقت میں اپنے مرشد کے قدم بقدم چلے ہیں۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذات سے ظاہری و باطنی فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ ۴۲۵ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ مزار حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

قطعۂ تاریخ وفات:

جنابِ عبدِ واحد شیخِ اکبر — بر اوجِ شرع غرا مہرِ انور
بہ شکلِ ماہ چوں اندر جناں شد — بوصلش "نورِ حقانی" عیاں شد

۴۲۵ھ

۲۸۔ حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی قدس اللہ سرہٗ

آپ کی اصل طرطوس سے ہے۔ حضرت شیخ عبدالواحد تمیمی کے کامل ترین مریدوں سے تھے۔ اپنے زمانے کے قدوۂ اولیاء و زبدۂ مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ صاحبِ مقامات و کرامات تھے۔ توکل اور تجرید و تفرید پر تمام عمر ثابت قدم رہے۔ ۴۴۷ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

حضرتِ ابوالفرح طرطوسی ولی — شیخِ والا مرشدِ پیر و جواں
شد چو از دنیا بفردوسِ بریں — بود "پیرِ بے ریا" سالش عیاں

۴۴۷ھ

۲۹۔ حضرت شیخ ابوالحسن ہنکاری قریشی قدس سرہٗ

علی بن محمود بن جعفر الہنکاری نام ہے۔ حضرت ابوالفرح طرطوسی قدس سرہٗ کے اکابر خلفاء سے تھے۔ اپنے زمانے کے مشائخ کبار سے تھے۔ صاحبِ خوارق و کرامت، مقتدائے زمانہ، صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ تین روز کے بعد روزہ افطار کرتے تھے۔ بعد از نمازِ عشاء تا نمازِ تہجد وقرآن شریف ختم کرتے تھے۔ ۴۸۴ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخ وفات:

بوالحسن آں رہبرِ دینِ رسولؐ — چوں ز دنیا گشت راہی در جناں
آفتاب آمد دگر تاجِ عطا — سالِ وصلِ آں شہِ والا مکاں

۴۸۴ھ — ۴۸۴ھ

۳۰۔ حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی قدس سرہٗ

مبارک بن علی بن حسین مخزومی نام۔ حضرت شیخ ابوالحسن قریشی ہنکاری کے نامور مرید وخلیفۂ اعظم تھے۔ اپنے زمانے کے سلطان الاولیاء، برہان الاصفیاء، قدوۂ عارفاں، زبدۂ سالکاں، پیرِ طریقت اور واقفِ رموزِ حقیقت تھے۔ نیز حضرت خضر کے رفیق و مصاحب اور حضرت محبوب سبحانی، قطبِ ربانی محی الدین عبدالقادر جیلانی کے پیرِ خرقہ تھے۔ جامع علومِ ظاہر و باطن تھے۔ مذہباً حنبلی المذہب[1] تھے۔ حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ

---

[1] حضرت امام احمد بن حنبل اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں سے امامِ چہارم ہیں۔ حضرت امام شافعی کے شاگردِ رشید تھے۔ علومِ قرآن و تفسیر و حدیث و فقہ میں امامِ وقت اور مجتہد العصر تھے۔ زہد و تقدس میں بے نظیر اور اعلائے کلمۃ الحق میں بے خوف تھے۔ مسئلہ خلق قرآن کے اختلاف پر معتصم باللہ عباسی نے آپ کو کوڑوں سے کئی بار پٹوایا۔ کیونکہ آپ نے معتزلہ کے عقائد کے مطابق قرآن کو مخلوق اور خدا کی صفات اُس کی ذات سے الگ ماننے سے انکار کر دیا تھا اور معتزلہ اُن لوگوں کو مشرک اور گمراہ تصور کرتے تھے جو قرآن کو غیر مخلوق اور صفاتِ الٰہی کو قائم بالذات سمجھتے تھے۔ معتزلی عقائد کو فروغ دینے میں معتصم اپنے بھائی مامون الرشید (باقی صفحہ ۱۵۰ پر)

سے منقول ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ابتدائے حال میں خدائے تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ میں اُس وقت تک نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک وُہ خود نہ کھلائیں پلائیں گے اور لقمہ میرے منہ میں نہ رکھیں گے۔ چالیس دن گزرنے پر ایک شیخ آیا اور کچھ کھانا میرے پاس رکھ کر چلا گیا۔ قریب تھا کہ بھوک کی شدت سے کھانے پر آمادہ ہو جاتا مگر میں نے اپنے دل سے کہا نجدا میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہوا ہے اس کے خلاف ہرگز نہیں کروں گا۔ اچانک میں نے آواز سنی کہ کوئی زور زور سے الجوع الجوع (بھوک بھوک) پکار رہا ہے۔ اتنے میں حضرت شیخ ابوسعید اس طرف سے گزرے۔ یہ آواز سن کر آپ نے پوچھا: اے عبدالقادر یہ آواز کیسی ہے؟ میں نے عرض کیا: حضرت یہ میرے نفس کا اضطراب اور بے چینی ہے۔ مگر روح اپنی جگہ پر قائم ہے اور مشاہدۂ انوارِ خداوندی میں محو ہے۔ فرمایا: میرے گھر چلو۔ عرض کی میں اس جگہ سے قدم باہر نہ رکھوں گا۔ میرا یہ جواب سن کر آپ تشریف لے گئے۔ اتنے میں ابوالعباس خضر تشریف لے آئے۔ فرمایا: اٹھو اور ابوسعید کی خدمت میں جاؤ۔ میں اُن کی طرف چل پڑا۔ دیکھا کہ آپ اپنے مکان کے دروازے میں کھڑے ہیں اور میرا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا: اے عبدالقادر جو کچھ میں نے تجھے کہا تھا، کیا وہ کافی نہ تھا کہ تُو نے خضر کو تکلیف دی۔ یہ فرمایا اور مجھے اپنے مکان کے اندر لے گئے اور جو کھانا تیار تھا وہ لقمہ لقمہ میرے منہ میں ڈالتے تھے۔ یہاں تک کہ میں اچھی طرح سیر ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے خرقہ پہنایا۔ پھر میں ان کی صحبت میں رہنے لگا۔ مدرسۂ باب الازج کی عمارت آپ ہی کی تعمیر کردہ ہے جو آپ نے حضرت غوث الثقلین کی زندگی ہی میں اُن کے سپرد کر دی تھی۔ چنانچہ حضرت غوثِ اعظم کا مزار اسی مدرسہ میں ہے۔ ۵۰۸ھ یا ۵۱۲ھ میں وفات پائی۔ قطعۂ تاریخ وفات:

بوسعید آں اسعدِ دورِ زمن ! جلوہ گر شد در جناں چو ماہِ عید
شمس حق گو باز قطب عارفاں سالِ وصلش طرفہ بے گفت و شنید
۵۰۸ھ ۵۱۲ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۹) سے بھی آگے تھا۔ اس نے امام صاحب پر بڑی سختیاں کیں گران اذیتوں کے باوجود آپ کے عزم و استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور برابر اپنے عقیدے پر قائم رہے۔ ۲۲۲ھ میں وفات پائی۔ "محبوب و مقبول" آپ کی تاریخِ وفات ہے۔

۲۱۔ حضرت حماد دیاس بن مسلم قدس سرہٗ

ابوعبداللہ کنیت۔ حماد بن مسلم دیاس نام۔ دیاس دوشاب فروش کو کہتے ہیں اور دوشاب انگور یا کھجور کے شیرہ کو کہتے ہیں جو باسی اور ترش ہو چکا ہو۔ اسی اعتبار سے اس کو دوش آب یعنی باسی کہا جاتا ہے۔ (نیز اس کے معنی ٹھنڈا پانی بیچنے والے کے بھی ہیں) اپنے زمانے کے پیرانِ کبار، عارف اسرار اور صاحبِ خوارق و کرامت میں سے تھے۔ حضرت غوثِ اعظم کے پیر بھائی تھے۔ حضرت غوث ثقلین اکثر آپ کی خدمت میں جاتے تھے اور فوائد عظیم حاصل کرتے تھے۔ اگرچہ اَن پڑھ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم لدنی عطا فرما کر دولتِ علم سے مالامال کر دیا تھا۔ آپ کے کم و بیش بارہ ہزار مرید تھے۔ ایک روز فرمانے لگے میرے بارہ ہزار مرید ہیں اور ہر رات میں سب کو یاد کرتا ہوں اور ان کی ضرورتوں کو خدا سے طلب کرتا ہوں۔ ان میں سے اگر کوئی گناہ کے جرم میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے لئے توبہ کی توفیق کی دعا مانگتا ہوں یا پھر اس کے لئے جہان سے اٹھا لینے کی درخواست کرتا ہوں تاکہ "نادیر گناہوں میں مبتلا نہ رہے۔

حضرت غوث الاعظم نے جب آپ کی زبان سے یہ سنا تو آپ کے دل میں یہ گزرا اگر حق تعالیٰ مجھے ایسی قربت و منزلت عطا فرمائے تو میں یہ درخواست کروں کہ میرے مریدوں میں سے کوئی بھی تا قیام قیامت بغیر توبہ کے نہ مرے اور میں اس امر میں ان کا ضامن ہوں شیخ حماد کو نورِ باطن سے معلوم ہو گیا کہ جو کچھ عبدالقادر نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرما لیا ہے۔ نقل ہے اوائل عمر میں حضرت غوثِ اعظم حماد کی مجلس وعظ میں حاضر ہوتے تھے ایک روز شیخ نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ اس نوجوان عجمی کا قدم اپنے وقت کے تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اے عبدالقادر! کہہ "قدمی ھذا علی رقبۃ کل ولی اللہ" جب آپ نے یہ فرمایا تو تمام اولیائے وقت نے اپنی گردنیں جھکا لیں۔ ماہِ رمضان ۵۲۱ھ یا ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخ وفات:

شیخ حماد پیرِ روشن دل — بود در سترِ معرفت مستور
سالِ ترحیلِ اوست پیرِ طریق — ہم رقم کن زہے مہِ پُر نور
۵۴۱ھ — ۵۲۵ھ

۲۲۔ حضرت شیخ بقا بن طور قدس سرہٗ

تاج العارفین شیخ ابوالوفا[1] سے بیعت تھے۔ بڑے زاہد و عابد اور صاحبِ کرامت تھے۔ حضرت غوثِ اعظم کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ صاحبِ انیس القادریہ رقم طراز ہیں کہ آپ نے ایک روز فرمایا، میں مجلس حضرت غوث الثقلین میں حاضر تھا اور حضرت منبر کے پہلے پائے پر وعظ فرما رہے تھے کہ دورانِ وعظ میں دفعۃً خاموش ہو گئے اور منبر سے نیچے اتر کر زمین پر آ گئے۔ ساعت بھر خاموش رہے۔ پھر منبر کے پایۂ دوم پر رونق افروز ہو کر وعظ کہنا شروع کیا۔ اس دوران میں میں نے مشاہدہ کیا کہ منبر حدِ نظر تک کشادہ ہو گیا ہے اور اُس پر سبز رنگ کی مسند بچھائی گئی ہے اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے ساتھ جلوہ افروز ہوئے ہیں اور حق تعالیٰ نے حضرت غوث اعظم کے دل پر تجلی فرمائی ہے اور حضرت غوث انوارِ تجلی کی شدت سے گرا ہی چاہتے ہیں کہ حضورِ اقدس انہیں سنبھال لیتے ہیں۔ پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کا جسم چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک

---

[1] اصلی نام کاکیش تھا۔ حضرت شیخ شنبکی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے زمانے کے مشائخ کبار اور اولیائے کاملین سے تھے۔ فضل و کمال میں آپ کی ذات آیت من آیات اللہ تھی۔ بڑے بڑے صاحبِ کمال آپ کے حلقۂ تربیت سے فیض یاب ہو کر نکلے۔ حضرت غوث اعظم ایامِ جوانی میں آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔ آپ نے ان کو اپنی تسبیح، کاسہ اور عصا عطا فرمایا تھا۔ حضرت شیخ عمر براز فرماتے ہیں، تسبیح کو اگر زمین پر رکھا جاتا تو دانہ دانہ ہو کر بکھر جاتی اور سروانہ گھومنے لگتا۔ پیالہ کو اگر کوئی ہاتھ لگانا یا لینا چاہتا تو یہ پیالہ عود کر خود اس کے ہاتھ میں سما جاتا۔ ۵۲۰ھ میں وفات پائی۔ "عاشق مہدی" آپ کی تاریخِ وفات ہے۔

کہ وہ چڑیا کے مانند ہو گیا ہے مگر پھر ساتھ ہی بڑھنا شروع ہو گیا ہے اور اس قدر بڑھ گیا ہے کہ آپ کے چہرۂ مبارک سے خوف آنا شروع ہو گیا ہے۔ یہ سب معاملہ چشم زدن میں میری آنکھوں سے پوشیدہ ہو گیا ہے اور حضرت نے دوبارہ وعظ کہنا شروع کر دیا ہے جب اصحابِ مجلس نے یہ واقعہ حضرت بقا کی زبانی سنا تو رویتِ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت پوچھی۔ آپ نے کہا ایزد تعالیٰ نے ارواحِ پاک کو صور و اجساد اور صنات اعیان میں متبدل ہونے کی صلاحیت و طاقت عطا فرمائی ہے مگر ان کو وہی دیکھ سکتے ہیں جن میں ایسی ہی صلاحیت و قوت ہو۔ حاضرینِ مجلس نے حضرت غوثِ اعظم کے گرنے اور پہلے چھوٹا ہونے اور پھر بڑا ہونے کا سبب دریافت کیا۔ کہا، تجلّی الٰہی ابتدا میں حضرت غوثیہ پر ایسی تھی کہ انسان اس کو برداشت نہیں کر سکتا تھا مگر تائید جناب نبویؐ اسی لئے حضورؐ نے انھیں پکڑ لیا اور تجلّی ثانی صفتِ جلال میں تھی کہ جسمِ مبارک گداز ہونا شروع ہو گیا اور چڑیا سے بھی چھوٹا نظر آنے لگا اور تجلّی ثالث صفتِ جمال میں تھی جس کے ظہور سے پہلے آپ کا جسم بے حد و نہایت بڑھا اور پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ شیخ بقا نے ۵۵۲ھ میں وفات پائی۔ مزار بابِ توسل میں ہے جو ہر ملک کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

چوں بقا با صد ہزاراں خرمی ! رفت از دارِ فنا سوئے بقا
سالِ ترحیلش ز سرور شد رقم "زبدۂ آفاق قطب الحق بقا"
۵۵۲ھ

۲۳۔ حضرت شیخ علی بن ہیتی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا شمار مشائخ کبار اور بزرگ ترین اولیاء اللہ میں سے ہوتا ہے۔ تاج العارفین شیخ ابو الوفاء کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت غوثِ اعظم کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض و برکات سے حصۂ وافر حاصل کرتے تھے۔ جس وقت حضرت غوثِ اعظم نے "قدمی ھذا علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ" فرمایا تھا تو آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے منبر پر جا کر حضرت کا

قدم مبارک اپنی گردن پر رکھا تھا۔ ایک روز آپ حضرت غوثِ اعظم کی مجلسِ وعظ میں شریک تھے اور آپ کے نزدیک ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر غلبۂ خواب طاری ہونا شروع ہوا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر حضرت غوثِ اعظمؒ نے فرمایا: اے اہلِ مجلس خاموش ہو جاؤ اور آپ خود منبر سے نیچے تشریف لا کر اُن کے پاس باادب کھڑے ہو گئے۔ جب شیخ علیؒ بیدار ہوئے تو حضرت نے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: میں اسی لئے تو حضورِ اقدس کے احترام میں مودب کھڑا تھا۔ پوچھا کس بات کی وصیت فرمائی؟ کہا: آپ کی صحبت میں رہنے کی تاکید کی ہے۔ فرمایا: تم جو خواب میں دیکھ رہے تھے میں حالتِ بیداری میں دیکھ رہا تھا۔

حضرت غوثِ اعظمؒ ان کی بڑی توقیر فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ارشاد کیا کہ اولیاء اللہ میں سے جو کوئی عالمِ غیب و شہود سے بغداد میں آئے گا وہ میرا مہمان ہے لیکن میں علی بن ہیتی کا مہمان ہوں۔

ایک روز آپ قصبۂ ہزمک میں گئے ہوئے تھے۔ دیکھا کہ وہاں کے باشندے ایک مقتول کے سرہانے کھڑے جھگڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کے سر پر قتل کا الزام رکھ رہے ہیں۔ آپ نے جب یہ نزاع دیکھی تو مردے سے مخاطب ہو کر کہا: بندۂ خدا خود ہی کیوں نہیں بتا دیتا کہ تیرا قاتل کون ہے؟ مردے نے فی الفور آنکھیں کھولیں اور کہا میرا قاتل فلاں ابن فلاں ہے اور پھر آنکھیں بند کر کے مر گیا۔ ۵۶۱ھ میں ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ مرقد زریران میں ہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

علی رہنمائے خفی و جلی　　علی رازدارِ علی و نبی
بگو کامل عشق ترحیلِ او　　دگر بود "مقبول دوراں علی"
۵۶۱ھ　　۵۶۱ھ

۲۴۔ حضرت غوث الثقلین محی الدین سلطان شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ (الحسنی الحسینی الحنبلی الشافعی)

سید عبد القادر نام، ابو محمد کنیت، امام الائمہ محی الدین لقب، محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی خطاب۔ غوث الثقلین، غوث الاعظم عرف، سلسلۂ نسب سید محمد معروف بہ حسن مثنیٰ بن حضرت حسن بن حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک اس طرح منتہی ہوتا ہے۔ سید عبد القادر بن ابی صالح بن سید موسیٰ بن سید عبد اللہ بن سید عمر زاہد بن سید محمد روحی بن سید داؤد بن سید موسیٰ ثانی بن عبد اللہ ثانی بن موسیٰ ثالث بن سید عبد اللہ محسن بن سید حسن بن سید محمد معروف بہ حسن مثنیٰ بن حضرت حسن بن حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

روایت ہے آپ نے فرمایا جمعہ کے روز میں باہر سے شہر بغداد میں داخل ہوا۔ میں ایسے بیمار کے پاس سے گزرا جو نہایت زار و نزار کمزور ضعیف تھا۔ اس ضعف و نقاہت کے باعث اس کا رنگ بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ میری طرف متوجہ ہوا۔ مجھے سلام کہا۔ میں نے جواب دیا، پھر کہا میرے پاس آئیے۔ میں اس کے قریب گیا۔ اس نے کہا: کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ میں نے کہا، نہیں۔ اس نے کہا: میں آپ کے جدِ امجد کا دین ہوں۔ مجھے بیٹھا لیجئے۔ میں نے اسے سہارا دے کر بٹھایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بیٹھتے ہی اس کا جسم تازہ اور اس کا چہرہ روشن ہو گیا ہے۔ رنگ نکھر گیا ہے اور وہ تندرست معلوم ہونے لگا ہے۔ اُس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے مجھے دوبارہ زندگی بخشی ہے اور آپ محی الدین (دین کو زندہ کرنے والے) ہیں۔ میں اس سے رخصت ہو کر جامع مسجد گیا جب نماز سے فارغ ہوا تو لوگ ہر طرف سے آ کر مجھے محی الدین کہنے لگے۔ فرمایا: میرا تصرف جن و انس پر ہے۔ چنانچہ جس طرح انسان آپ کی مجلس میں حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے تھے اسی طرح جنات بھی صف بہ صف حاضرِ خدمت ہو کر مستفیض ہوتے تھے۔ فرمایا: جس طرح انسان میں مشائخ ہوتے ہیں اسی طرح جنات و ملائکہ میں بھی مشائخ ہوتے ہیں۔

میں جن و انسان اور ملائکہ سب کا شیخ ہوں۔

شیخ ابو سعید عبداللہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میری ایک سولہ سالہ لڑکی تھی۔ ایک روز وہ چھت پر گئی اور گم ہو گئی۔ ہر چند تلاش کیا نہ ملی۔ حضرت غوث الثقلین کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ فرمایا: تم آج رات بغداد کے محلہ خرابہ کرخ میں جا کر زمین پر ایک دائرہ کھینچو اور اس میں بیٹھ کر بسم اللہ علی بنت عبدالقادر پڑھتے رہو۔ رات کی تاریکی میں جنات کی ایک جماعت کا اس طرف سے گزر ہو گا۔ جن کی صورتیں مختلف ہوں گی۔ تم ان سے خوف نہ کھانا۔ صبح کے وقت جنات کا بادشاہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے گزرے گا۔ وہ تجھ سے کہے گا، بتاؤ کیا کام ہے، تم کہنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ہمیں تمہاری خدمت میں بھیجا ہے اور اپنی لڑکی کے گم ہونے کا واقعہ بتانا۔

پس اس نے ایسا ہی کیا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ جنات گروہ در گروہ مختلف شکلوں میں اس طرف سے گزرتے لیکن اس دائرہ کے پاس کوئی نہیں آتا تھا۔ حتیٰ کہ ان کا بادشاہ گھوڑے پر سوار ایک بڑے لشکر کے ساتھ ظاہر ہوا اور دائرہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا: تیرا کیا کام ہے۔ میں نے کہا: شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے یہ سنتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ زمین چومی اور دائرے کے باہر بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا کس لئے بھیجا ہے۔ میں نے اپنی لڑکی کے غائب ہو جانے کا واقعہ سنایا۔ اس نے حکم دیا: اس کی لڑکی کو جو جن اٹھا کر لے گیا ہے وہ فوراً حاضر کیا جائے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ جن مع لڑکی کے حاضر کیا گیا۔ یہ جن چین کے جنات سے تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ تو نے اس لڑکی کو حضرت غوث اعظمؓ کے حلقے سے اٹھا لیا۔ اس نے کہا: مجھے اچھی لگی تھی، میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی تھی۔ شاہِ جنات نے حکم دیا کہ اس کا سر اڑا دیا جائے۔ اور لڑکی کو میرے حوالے کر دیا۔ میں نے بادشاہِ جنات سے پوچھا تجھ سے زیادہ میں نے فرماں بردار شیخ کا کسی اور کو نہیں پایا۔ کیا وجہ ہے۔ اس نے جواب دیا: ہم اُن کے فرماں بردار کس طرح سے نہ ہوں جب وہ گھر میں تمام دنیا کے جنات پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی ہیبت سے جنات تھرا اُٹھتے ہیں۔

آپ جیلان یا گیلان کے رہنے والے تھے۔ یہیں آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔ یہ قصبہ طبرستان کے مضافات سے ہے۔ اس قصبہ کو جیل یا گیل بھی کہتے ہیں اور اسی نسبت سے آپ کو جیلانی و گیلانی کہا جاتا ہے جیسا کہ آپ نے اپنے ایک شعر میں فرمایا ہے انا الجیلی و محی الدین اسمی ۔ و اعلا می علی راس الجبال ۔

بعض مورخین کی رائے میں جیل دریائے دجلہ کے کنارے ایک قصبہ کا نام ہے نیز ایک اور روایت کے مطابق مدائن کے قریب جیل ایک موضع کا نام ہے۔ ان دونوں کی نسبت سے آپ کو جیلانی یا گیلانی کہتے ہیں۔ ممکن ہے آپ نے ان دونوں مقامات پر سکونت فرمائی ہو جیسا کہ برجِ عجمی میں آپ کچھ عرصہ قیام پذیر رہے اور یہ برج آپ کے ساتھ منسوب ہو گیا حالانکہ یہ بغداد میں واقع ہے مگر درحقیقت آپ کا مولد گیلان ہی ہے جو طبرستان کے مضافات میں سے ہے۔

آپ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اویسی تھے اور خرقۂ ارادت حضرت شیخ ابوسعید مبارک مخزومی قدس سرہٗ سے حاصل کیا ہے جن کا سلسلۂ بیعت حضرت معروف کرخیؒ تک پہنچ کر حضرت امام علی رضاؒ تک منتہی ہوتا ہے اور پھر ان کے آبا کے واسطے سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ آپ کے پیرِ صحبت حضرت شیخ حماد دباسؒ قدس سرہٗ تھے نیز آپ کی اکثر صحبت حضرت خضر سے رہی ہے۔ فقہی مسائل میں آپ امام احمد بن حنبل اور امام شافعیؒ[1] کے مقلد تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی کنیت ام الخیر،

---

[1] محمد بن ادریس نام، ابوعبداللہ کنیت، لقب شافعی تھا۔ قریشی ہاشمی تھے۔ ائمہ اربعہ کے تیسرے امام ہیں پہلے مدینہ میں حضرت امام مالک سے اکتسابِ علم کیا۔ ان سے موطا پڑھی۔ پھر عراق آئے اور حضرت امام محمد شیبانی جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے تلامذہ سے تھے اُن کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر تکمیلِ علوم کی۔ اور مرتبۂ اجتہاد حاصل کیا۔ علومِ قرآن و حدیث و فقہ میں لاثانی تھے۔ اس تبحرِ علم کے ساتھ بڑے زاہد و عابد و امین تھے۔ لوگ آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے۔ تمام عمر علومِ دینیہ کی نشر و اشاعت میں گزاری۔ ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ مزار اقدس قرافہ مصر میں واقع ہے۔ "حبیب اصفیاء" آپ کی تاریخِ وفات ہے۔

لقب امت الجبار اور نام فاطمہ بنت شیخ عبداللہ صومعیؒ ہے۔ جو گیلان کے اکابر اولیاء میں سے تھے۔
مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ[1] نفحات الانس میں فرماتے ہیں: حضرت شیخ عبداللہ صومعی گیلان کے اکابر مشائخ۔ سرداران زہاد اور مستجاب الدعوات بزرگوں میں سے تھے۔ عرفان و سلوک اور خوارق و کرامت میں درجہ بلند رکھتے تھے۔ اگر آپ کسی سے ناراض ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ فوراً آپ کی طرف سے انتقام لے لیتا تھا اور جیسی آپ کی خواہش ہوتی تھی ویسا ہی ظہور پذیر ہوتا تھا۔
آپ کے اصحاب کی ایک جماعت بغرض تجارت سمرقند روانہ ہوئی۔ راستے میں رہزنوں نے حملہ کر کے اُن کے مال و متاع کو لوٹنا چاہا۔ چنانچہ آپ کے دوستوں نے اس افراتفری میں آپ کو استمداد کے لئے پکارا۔ آپ فی الفور گھوڑے پر سوار وہاں پہنچے اور بآواز بلند "سبوح قدوس ربنا و رب الملائکۃ والروح" کہا۔ یہ سنتے ہی تمام رہزنوں پر خوف و ہراس چھا گیا اور وہیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب امن و اطمینان ہوا تو آپ کی ادھر ادھر تلاش کی گئی مگر آپ کو نہ پا کر یہ معلوم ہوا کہ حضرت کی یہ امداد باطنی تھی۔
حضرت غوث الاعظمؓ کی ولادت جیلان میں ماہِ رمضان کی پہلی شب ۴۷۰ھ میں ہوئی جب کہ آپ کی والدۂ ماجدہ کی عمر ساٹھ سال کی تھی اور اس عمر میں اولاد کی توقع منقطع ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بھی آپ کے کرامات سے ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ بڑی عارفہ و صالحہ

---

[1] عبدالرحمٰن نام، لقب عماد الدین اور خطاب نور الدین تھا۔ والد کا نام نظام الدین تھا۔ پہلے اصفہان میں سکونت رکھتے تھے پھر نقل مکان کر کے جام آ کر قیام پذیر ہو گئے تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت امام محمد شیبانی المتوفی ۱۸۹ھ جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے منتہی ہوتا ہے۔ ظاہری علوم ہرات میں مولانا خواجہ علی سمرقندی جو اپنے عہد کے اکابر علماء میں سے تھے ان کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر تحصیل کئے۔ پھر حضرت خواجہ سعد الدین کاشغری کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر تکمیلِ سلوک کی۔ اپنے زمانے کے جید عالم، بے مثال فاضل اور عارف کامل تھے۔ آپ کی ذات جامع علومِ شریعت و طریقت ہے۔ شاعری میں بھی درجۂ بلند رکھتے تھے۔ تمام کلام عارفانہ اور حقائق و معارف سے پُر ہے۔ حنفی المذہب تھے۔
حضرت خواجہ عبید اللہ احرار نقشبند المتوفی ۸۹۵ھ سے آپ کو والہانہ عقیدت تھی۔ نفحات الانس، شواہد النبوت، سلسلۃ الذہب، مثنوی یوسف زلیخا، دیوان جامی آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۸۹۸ھ میں وفات پائی۔ "خواجہ جلبی" آپ کی تاریخِ وفات ہے۔

اور صاحب کشف و کرامات تھیں۔

آپ فرماتی ہیں: جب میرا لڑکا عبدالقادرؒ پیدا ہوا۔ رمضان بھر دن میں کبھی دودھ منہ میں نہیں لیا۔ فرماتی ہیں: ایک روز مطلع ابر آلود تھا، چاند نظر نہ آسکا۔ لوگوں نے آکر مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا آج دن بھر میرے لڑکے عبدالقادر نے دودھ نہیں پیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس دن رمضان کی پہلی تاریخ تھی۔

اٹھارہ سال کی عمر میں جیلان سے بغداد تحصیلِ علم کے لئے تشریف لائے۔ پہلے قرآن شریف ختم کیا۔ پھر تفسیر و حدیث و فقہ اور دیگر علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں ممتاز شہرۂ آفاق ہو گئے اور اسی پہلے سفر میں ساٹھ رہزنوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

۵۲۱ھ میں بہ اشارہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت علیؓ منبر پر وعظ کہنا اور دعوت و تبلیغ کرنا شروع کر دیا۔ آپ تمام علومِ متداولہ میں مہارتِ کامل رکھتے تھے اور ہر علم سے متعلق گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ آں جناب اکثر حالتِ وعظ میں فرمایا کرتے تھے۔ "اے اہل آسمان و زمین آؤ اور میری بات سنو کہ میں نائب و وارثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں"۔

آپ کی ہر مجلس میں ستر ہزار حاضرین کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ چار سو شخص آپ کے کلام کو لکھتے۔ تاثیر کلام کا یہ حال تھا کہ سامعین میں سے اکثر لذتِ ذوق و شوق و غلبۂ حال میں جاں بحق ہو جاتے۔ بعض پر بیخودی و وجد طاری رہتا اور وہ کئی کئی دن تک ہوش میں نہ آتے۔

شیخ ابوالسعید قیلوی فرماتے ہیں، آپ کی مجلسِ وعظ میں میں نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و دیگر پیغمبران علیہ الصلوٰۃ والسلام نیز ملائکہ اور جنات کو صف بہ صف دیکھا ہے۔

تصانیف میں فتوح الغیب[2]، جلاء الخواطر، غنیۃ الطالبین، فتح الربانی اور قصائد وغیرہ

---

[1] حسنی سادات اور عراق کے مشائخ کبار سے تھے۔ زہد و تقویٰ، علم و فضل اور کرامات و مقامات میں درجۂ بلند کے حامل تھے۔ خرقۂ ارادت حضرت غوث الاعظم سے حاصل کیا تھا۔ ۵۵۰ھ میں وفات پائی۔ مزار قیلویہ میں ہے۔

[2] یہ کتاب آپ نے اپنے فرزند شیخ شرف الدین عیسیٰ التوفی ۵۶۳ھ کے لئے تصنیف فرمائی تھی۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

آپ کی تواليف وتصانیف سے ہیں۔ کتابوں میں آپ کا حلیہ مبارک (خلقت وصورت آرائش وصفت) اس طرح تحریر کی گئی ہے۔ نحیف الجسم، قدمیانہ، کشادہ سینہ، بلند پیشانی، گندم گوں رنگ، دونوں ابرو باہم پیوستہ، آواز بلند، لباس عالمانہ زیب تن فرماتے تھے۔ کبھی اطلس کے قیمتی کپڑے پہنتے تھے اور کبھی ایسے کپڑے ہوتے تھے کہ ایک گز ایک دینار قیمت کا ہوتا تھا۔

فرماتے ہیں میں اس وقت تک نہیں پہنتا جب تک پہننے کا حکم نہ فرمائیں۔ میں اُس وقت تک نہیں کھاتا جب تک وُہ نہ کھلائیں۔ میں اُس وقت تک بات نہیں کرتا جب تک کہ نہ بلوائیں۔

سلاطین وامراء کے علاوہ اگر کوئی شخص خدمتِ اقدس میں ہدیہ ونذرانہ پیش کرتا تو اُسے قبول فرمالیتے اور حاضرین میں تقسیم فرما دیتے۔ اگر کوئی صدقہ لاتا، اُسے بھی قبول کرتے مگر خود اُس میں سے تناول نہ کرتے۔ تمام کا تمام حاضرینِ مجلس میں تقسیم کر دیا جاتا۔ آپ سے زیادہ خوش اخلاق، باحیا، شریف، مہربان اور نرم دل کوئی دوسرا نہیں دیکھا گیا۔ آپ کے ہر مصاحب کو یہی گمان ہوتا تھا کہ آپ مجھ سے زیادہ اور کسی کو نہیں چاہتے۔

ایک روز ایک چور آپ کے گھر آیا۔ اندھا ہو گیا اور کچھ نہ لے جا سکا۔ اسی اثناء میں جناب خضرؑ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: یا ولی اللہ ایک ابدال فوت ہو گیا ہے جس کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹) حضرت کے یہ صاحبزادے آپ ہی کے خلیفہ وشاگرد تھے۔ جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ بغداد میں حدیث وفقہ کا درس دیتے تھے۔ علمِ تصوف کے حقائق ومعارف میں آپ کی مشہور تصنیف جواہر الاسرار ہے۔

۵۴ یہ کتاب حضرت غوث الاعظم کے ملفوظات ہیں۔ انہیں آپ کے فرزند شیخ تاج الدین عبدالرزاق المتوفی ۵۹۵ھ نے جمع کیا تھا۔ آپ بھی اپنے والد ماجد ہی کے خلیفہ وشاگرد تھے۔ ولایت وامامت میں مدارجِ بلند پر فائز تھے۔

۵۵ علوم فقہ وحدیث وتصوف میں آپ کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ اس کا فارسی میں ترجمہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۰۶۸ھ نے حضرت شاہ بلاول قادری لاہوری قدس سرہٗ المتوفی ۱۰۲۹ھ کے ایما سے کیا تھا۔

۵۶ ابدال، اوتاد، رجال الغیب، اہلِ تصوف میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ ابدال کی تعداد ستر بیان کی جاتی ہے۔ جب ان میں سے کوئی وصال پا جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ پر مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اوتاد اہلِ تصوف میں سے اُن اولیاء کا خطاب ہے جو اپنے مقام سے کہیں نہیں جاتے ان کی تعداد چار ہوتی ہے۔ رجال الغیب یا (باقی اگلے صفحہ پر)

حکم ہوا اُسے اُس ابدال کی جگہ پر مقرر کر دیا جائے۔ فرمایا: ہمارے گھر میں ایک شخص امیدوار آیا ہوا ہے اور ہمارے گھر کے ایک کونے میں چھپا ہوا ہے۔ جاؤ اسے باہر لاکر مرحوم ابدال کی جگہ پر مقرر کر دو۔ حضرت خضر اسے باہر لے آئے۔ خدمتِ اقدس میں حاضر کیا وہ گمراہ ایک ہی نظر کیمیا اثر سے بیناء ہو کر مرتبۂ ولایت کو پہنچ گیا۔

رجال الغیب میں سے ایک اڑتا ہوا شہر بغداد کی جانب سے گزرا۔ اُس کے دل میں خیال آیا کہ شاید بغداد میں اس وقت کوئی مردِ باخدا نہیں ہے۔ حضرت غوث الاعظم کو نورِ باطن سے اس کا علم ہو گیا۔ آپ نے اُس کے کمالات و احوال کو اسی وقت سلب کر لیا۔ پس وُہ مردِ غیب ہوا سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے قصور کی معافی چاہی اور تائب ہُوا۔ حضرت نے اُس کے کمالات و احوال اُسے واپس فرما دیئے اور وُہ پھر اسی طرح اڑتا ہوا واپس چلا گیا۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت غوثِ اعظم منبر پر رونق افروز ہو کر وعظ فرما رہے تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰) چہل تناں۔ اہلِ تصوف میں وُہ چالیس ابدال جن کے وجود سے عالمِ ایجاد کا انتظام بحکم ملک العلام قائم ہے۔ غوث و قطب۔ رئیسِ اولیاء۔ ابوالوقت۔ عارفِ کامل، پیشوائے طریقت، صاحبِ تصرف و خوارقِ کرامت اور واصل بحق ہوتا ہے۔ نیز علماء و صوفیہ کی ایک جماعتِ کثیر حضرت خضر کی نبوت اور ان کی حیاتِ جاوید پر متفق ہے۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب تکمیل الایمان میں لکھتے ہیں کہ جمہور اہلِ علم و صلاح کا یہی قول ہے کہ خضر زندہ ہیں اور وہ اس وقت تک نہیں مریں گے جب تک قرآن مجید اٹھا نہیں لیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے شرح البخاری میں اور امام سخاوی نے بھی یہی کہا ہے مگر محدثین کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا جن میں امام بخاریؒ، ابن مبارک، ابن حزم اور ابن جوزی شامل ہیں۔ صوفیہ سے حضرت خضر کی ملاقات تواتر کی حد تک پہنچی ہُوئی ہے۔ آپ غوث و قطب کی صحبت میں وقت گزارتے ہیں۔ صلحائے زمانہ کو تعلیم دیتے ہیں اور اکثر متبرک مقامات پر تشریف لاتے ہیں۔ بعض صوفیہ اپنے مرشد سے فیض یاب ہونے کے علاوہ حضرت خضرؑ اور دیگر بزرگوں کے بھی اویسی تھے۔ اویسی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کسی سے باطنی فیض پہنچا ہو۔

دو سو کے قریب اولیاء اللہ حاضرِ مجلس تھے، جن میں شیخ حماد و یاس بن مسلم، شیخ بقا بن طور، شیخ علی ہیتی، خواجہ یوسف ہمدانی، شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردی، شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی، شیخ قصیب البان، شیخ احمد بن مبارک، شیخ صدقہ، شیخ مہاگیر

۱؎ یوسف بن ایوب نام، ابو یعقوب کنیت، ہمدان کے رہنے والے تھے۔ شیخ ابو علی فارمدی سے بیعت تھے۔ شیخ ابو اسحاق شیرازی سے بھی اخذِ فیض کیا تھا۔ جب تحصیلِ علوم کے لئے بغداد تشریف لائے تو حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں بھی اکثر حاضر ہوتے تھے۔ مذہباً حنفی تھے۔ سلسلۂ خواجگانِ چشت کے سردار ہیں۔ ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔ مزار مرو میں ہے۔ خواجہ حسن اندانی، خواجہ احمد یسوی، خواجہ عبد الخالق غجدوانی آپ کے نامور مرید و خلفا ہیں۔

۲؎ نام عبد القاہر، لقب ضیاء الدین، سلسلۂ نسب حضرت ابو بکر صدیق تک منتہی ہوتا ہے۔ حضرت شیخ احمد غزالی المتوفی ۵۱۰ھ کے مرید و خلیفہ تھے۔ تمام علوم میں کامل و اکمل تھے۔ صاحبِ تصانیف ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؓ سے ہم نشینی کی سعادت حاصل تھی۔ ۵۶۳ھ میں وفات پائی۔

۳؎ شہاب الدین نام، ابو حفص کنیت، شیخ الشیوخ لقب، والد کا نام شیخ محمد تھا۔ عراق عجم کے مشہور قصبہ سہرورد کے رہنے والے تھے۔ اپنے عم بزرگوار حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہرؒ کے بزرگ ترین مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت غوث الاعظم سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا۔ سلسلۂ سہروردیہ کے بانی ہیں۔ اپنے وقت کے امام و مقتدا تھے متعدد تصانیف کے مصنف ہیں جن میں سے عوارف المعارف تصوف میں بڑے پایہ کی تصنیف ہے۔ علوم قرآن کے فاضل اور حدیث و فقہ کے عالمِ متبحر تھے۔ تمام احوال و مقامات کو شرعی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ۶۳۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کے مرید بھی اپنے وقت کے فاضل و کامل ہوئے ہیں۔ خاص کر شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، سید نور الدین مبارک غزنوی، قاضی حمید الدینؒ ناگوری، شیخ نجیب الدینؒ علی بزغش شیرازی آپ کے نامور خلفا تھے۔

۴؎ کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ حضرت غوث الاعظمؓ کے کامل مریدوں سے تھے۔ صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ کسی نے حضرت غوث اعظمؓ سے شکایت کی کہ قصیب البان نماز نہیں پڑھتے۔ فرمایا اس کا سر ہر وقت خانہ کعبہ کے آستانہ پر سجدہ ریز رہتا ہے۔ ۵۷۰ھ میں وفات پائی۔

۵؎ عابد و زاہد اور صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ حضرت غوث اعظمؓ کے خادمِ خاص تھے۔ آپ کو ہمیشہ حضرت کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل تھی۔ حضرت جب وعظ کے لئے کرسی پر تشریف لاتے تو آپ کرسی پر اپنی چادر بچھایا کرتے تھے۔ ۵۷۰ھ میں وفات پائی۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

جیسے اکابر صوفیہ بھی شریکِ مجلس تھے۔ درمیانِ خطبہ میں آپ نے فرمایا: "قدمی ھذا علی رقبۃ کل ولی اللہ"۔ شیخ علی ہیتی اُٹھ کر منبر کے پاس آئے اور حضرت غوثِ اعظم کا پائے مبارک اُٹھا کر اپنی گردن پر رکھا۔ اس پر تمام اولیا نے اپنی گردنیں جھکالیں۔ روایت ہے اکثر اولیا جو حضرت غوث الاعظم کے زمانے سے پہلے گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنے نورِ باطن سے ظہورِ نورِ غوثیہ کی پیشین گوئی کی تھی ان میں سے خاص کر شیخ ابوبکر بن مراد الطابجی قدس سرہٗ جو عراق کے متقدمین اکابر مشائخ سے ہیں اور خوارق و کرامت مقامِ بلند ہیں جنہوں نے عالمِ رویا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی تھی اور خرقہ حاصل کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا میں نے حق تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ جو بھی میرے روضہ میں داخل ہو اس پر دوزخ کی آگ حرام فرما اور یہ مشہور ہے کہ اُن کے مزار کے قریب گوشت یا مچھلی پکانے سے کبھی نہیں پکتی تھی۔ مزار مبارک بطائح میں ہے۔ فرماتے ہیں: عراق کے اوتاد سات بزرگ ہیں۔ معروف کرخی، امام حنبل، بشر حافی[۱]، منصور بن عمار، جنید بغدادی، سہیل بن عبداللہ تستری[۲] اور شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ اسرارہم۔ اِن سے پوچھا گیا: شیخ عبدالقادر کون ہے؟ فرمایا: ایک کریم النفس عجمی ہے۔ جو بغداد میں پیدا ہوگا اور اس کا ظہور پانچویں صدی ہجری میں ہوگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) [۱] کنیت ابوالفرح ہے۔ باپ کا نام حسین تھا، سکونت بغداد میں تھی۔ حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں اکثر حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے تھے۔ زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں باکمال تھے۔ ۵۰۳ھ میں وفات پائی۔

[۲] ان کے آباؤ اجداد کرمستان کے رہنے والے تھے۔ فواتح سامرہ ان کا وطن تھا۔ تاج العارفین ابوالوفا کے مرید تھے۔ عالم و فاضل اور صاحبِ کراماتِ عالیہ تھے۔ حضرت غوث الاعظم سے شرفِ ہم نشینی حاصل تھا۔ ۵۹۰ھ میں وفات پائی۔

[۳] کنیت ابونصر ہے۔ والد کا نام حارث بن عبدالرحمٰن ہے۔ مرو کے رہنے والے تھے۔ عراق کے مشائخ متقدمین میں مرتبۂ بلند رکھتے تھے صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ بغداد میں سکونت رکھتے تھے۔ اپنے ماموں علی خیزم کے مرید تھے۔ امام احمد حنبل اور فضیل عیاض کی صحبت میں رہے تھے۔ ۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

[۴] کنیت ابومحمد ہے۔ مذہباً حنفی تھے۔ حضرت ذوالنون مصری کے مرید تھے۔ عراق کے علمائے کبار اور مشائخ عظام سے تھے۔ طریقت و شریعت کے جامع تھے۔ طریقہ سہیلہ آپ کی طرف منسوب ہے۔ اس طریقہ کی بنیاد اجتہاد اور مجاہدۂ نفس پر ہے۔ ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت غوث الثقلین فرماتے ہیں: میں نے مکمل پچیس سال جنگلوں میں تجرید و تفرید اور عبادت و ریاضت میں گزارے ہیں۔ چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کی ہے پندرہ سال تک نمازِ عشاء کے بعد ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر طلوعِ صبح سے پہلے ایک قرآن شریف ختم کیا ہے۔ ایک رات میرے نفس نے آرزوئے خواب کی۔ مگر میں نے اُس کی اِس خواہش پر کان نہ دھرا اُس وقت میں چالیس دن کا روزہ رکھتا تھا اور چالیس روز کے بعد جنگل کے پتوں اور اشیائے مباحِ بیابانی سے روزہ افطار کرتا تھا۔

فرمایا: حق تعالیٰ نے میرے ہاتھ میں ایک کاغذ دیا۔ میں نے اپنی حدِ نظر تک دیکھا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی میرے اصحاب اور مریدوں کے نام لکھے ہوئے تھے جو قیامت تک اپنی نسبتوں کو میری طرف منسوب کر کے اصلاح چاہیں گے۔ حکم ہوا میں نے ان سب کو تیری وجہ سے بخش دیا۔

فرمایا: خدا کی قسم میں اُس وقت تک سجدے سے سر نہیں اٹھاؤں گا جب تک میرے مریدوں کو میرے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے گی۔

فرمایا: اگر میرا کوئی مرید مشرق میں برہنہ ہو جائے تو میں مغرب میں ہونے کے باوجود اُس کو اپنے دامن میں چھپا لوں گا۔

دریافت کیا گیا، حضرت اگر کوئی شخص اپنے آپ کو حضور کا مرید کہے۔ مگر درحقیقت اس نے آپ سے بیعت کی ہو نہ خرقہ پہنا ہو۔ کیا ہم اُس کو حضرت کے مریدوں میں شمار کریں۔ فرمایا: ہاں کیوں نہیں جو اپنی نسبت میری طرف کرے گا حق تعالیٰ اُس کو قبول فرمائے گا، اُس کے گناہ بخش دے گا اور وہ میرے مریدوں ہی سے سمجھا جائے گا۔

فرمایا: ہر مسلمان جو میرے مدرسے کی طرف سے گزرا یا اس نے میرا مُنہ دیکھا یا میرا نام سُنا اور خوش ہوا۔ اُس پر سے تا روزِ قیامت عذاب دُور کر دیا جائے گا۔

آپ کی وفات شریف بروایات صحیح بشب شنبہ ۸ یا ۹ ربیع الثانی بعد از نماز عشاء ۵۶۱ھ یا ۵۶۰ھ میں واقع ہوئی۔ بعض اہل تاریخ گیارہ یا تیرہ یا سترہ ماہ مذکور بیان کرتے ہیں مگر صحیح ۹۔ ربیع الثانی ہی کہا جاتا ہے۔ پاک و ہند میں آپ کا سالانہ عرس ۱۱ کو اور بغداد میں

۱۷ کو ہوتا ہے۔

مزار اقدس بغداد میں مدرسۂ باب الازج میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

[آخر میں مولف خزینۃ الاصفیاء حضرت مولانا مفتی غلام سرور رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ حضرت غوث الاعظم سے جتنی کرامات سرزد ہوئی ہیں اتنی کسی اور ولی اللہ سے نہیں ہوئیں۔ جن کا ذکر کتب بہجۃ الاسرار، تحفۂ قادریہ، انیس القادریہ، مناقب غوثیہ وغیرہ میں مفصل و مشروح مذکور ہے۔ اس فقیر سراپا تقصیر نے کتاب خزینۃ الاصفیاء سے پہلے ایک کتاب گلدستۂ کرامات حضرت غوث الاعظم کے مناقب میں لکھی ہے وہ بھی ملاحظہ و مطالعہ کی جائے۔

مولفِ علام نے تین کتابیں حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ کی منقبت میں تالیف و تصنیف کی ہیں:

۱۔ گلدستۂ کرامات، یہ کتاب ۱۲۷۷ھ میں تحریر ہوئی۔ مطبع نولکشور لکھنؤ سے چار بار، دہلی سے دو بار اور لاہور سے سات بار چھپ کر شائع ہوئی۔ یہ کتاب اردو نظم و نثر میں ہے۔ اس میں کل اکیانوے مناقب ہیں کیونکہ حضرت کی عمر شریف بھی اکیانوے سال کی تھی۔ اس حساب سے فی سال ایک کرامت بیان کی ہے اور ہر باب کے خاتمہ پر ایک غزل منقبت میں لکھی ہے "باغ محی الدین گیلانی" اس کی تاریخ تالیف ہے۔

۲۔ مناقبِ غوثیہ: حضرت شیخ محمد صادق شیبانی کی فارسی کتاب کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب آجکل کم یاب ہے۔

۳۔ دیوانِ سروری: اردو نظم میں ہے۔ ۱۲۹۰ھ میں تحریر ہوا۔ لکھنؤ، دہلی اور لاہور میں کئی مرتبہ چھپا۔ یہ پورا دیوان حضرت غوث الاعظم کی منقبت میں ہے۔ دو غزلیں لکھی جاتی ہیں جن سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت مغفور کو غوث الاعظم قدس سرہٗ سے کس قدر والہانہ ارادت و عقیدت تھی۔

(۱)

توئی درد دو جہاں والی اغثنی شاہِ محی الدین

توئی شاہنشہِ عالی اغثنی شاہِ محی الدین

منم یک خادمِ کمتر بحالِ خویش بس مضطر
مدد کن اے شہِ اکبر اغثنی شاہِ محی الدین

من ایں حالت کرا گویم مدد من از کجا جویم!
سیاہ رویم کجا پویم اغثنی شاہِ محی الدین

منم بیکس نہ کس دارم نہ کس فریاد رس دارم!
فقط از تو ہوس دارم اغثنی شاہِ محی الدین

بہ بیں چشم پُر آبِ من بہ بیں حالِ خرابِ من
بہ بیں ایں پیچ و تابِ من اغثنی شاہِ محی الدین

حکومت را تونی شاہے ولایت را تونی ماہے
تونی پیرِ دل آگاہے اغثنی شاہِ محی الدین

تونی سردارِ کُل عالم بہر بیکس تونی ہمدم
بسے رحمت کن نظر ہر دم اغثنی شاہ محی الدین

---

(۲)

افسرِ اہلِ صفا حضرت غوث الثقلین! گشت محبوبِ خدا حضرت غوث الثقلین
جلوہ گر نورِ رخش گشت بعالم چوں ماہ ماہ رو ماہِ لقا حضرت غوث الثقلین
مخزنِ لطف و کرم مطلعِ انوارِ قدم معدنِ جود و سخا حضرت غوث الثقلین
مرشدِ اہلِ صفا ہادیٔ اقلیمِ ہُدا! مظہرِ نورِ خدا حضرت غوث الثقلین

گر تو خواہی کہ شوی زاہلِ صفائے سرور
پس بگو صبح و مسا حضرت غوث الثقلین (مترجم)

قطعاتِ تاریخِ ولادت و وفات:

عزِ آلِ حیدری و فخرِ اولادِ حسن! عبدِ قادر شاہِ محی الدین ولی پیرانِ پیر

دوست فرما عشق گو عاشق بداں ملت بخواں — سالِ تولیدش دگر محبوبِ سلطان الکبیر
باز از دل گشت محی الدین نورانی رقم — نیز محی الدین بحرِ حق بتولیدش بگیر
از تحالِ پاکِ او سلطان عبدالقادر است — عاشقِ کامل دگر مہدی ولی اللہ فقیر
گفت مسکین عبدِ قادر ہم فقیرِ نیک نام — خانہ ام از بہرِ وصلِ آں شہِ روشن ضمیر
عارفِ محبوب محی الدین شدہ تاریخِ او — باز محی الدین رکن الحق خبر شد از خبیر

مثنوی

محی دین غوثِ معلّٰی قطبِ دین — ذاتِ او محبوبِ رب العالمین
پیرِ پیراں نیّرِ میراں دستگیر — شاہِ والا پیرِ ہر برنا و پیر!!
قرۂ چشمِ جنابِ مصطفےٰؐ — نورِ حق لختِ دلِ خیر النساءؓ
سالِ تولیدش بگو اے مدح خواں — پیرِ محی الدین والیٔ جہاں
بالیقیں تولید آں والیٔ حق — خواں امام المسلمین ہادیٔ حق
سالِ تولیدش بصد صدق و صفا — شد رقم محبوبِ قطبِ اصفیاء

گفت دل سالِ وصالِ اوچنیں
اہلِ دل محبوبِ ربّ العٰلمین

۳۵۔ حضرت شیخ ابوعمر قرشی قدس سرہٗ

عثمان نام، مرزوق بن حمید بن سلامہ باپ کا نام تھا۔ حنبلی مذہب رکھتے تھے۔ حضرت غوثِ اعظم کے مرید و شاگرد تھے۔ علمِ ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ صاحبِ کشف و کرامت اور مصر کے مشائخِ عظام سے تھے۔ ایک سال دریائے نیل میں بیحد طغیانی آگئی، مصر کے باشندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طغیانی کے کم ہوجانے کی درخواست کی۔ آپ دریا کے کنارے پر آئے۔ بیٹھ کر وضو کیا اسی وقت پانی کم ہونا شروع ہوگیا۔ اگلے سال

پانی کم آیا۔ مصری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پانی کی زیادتی کی التماس کی۔ آپ دریا پر آئے اور اپنے ساتھ اپنا کوزہ لائے۔ وہاں بیٹھ کر وضو فرمایا۔ دریا کا پانی بڑھنا شروع ہوا اور آپ کی دعا کی برکت سے زراعت میں ترقی ہوئی۔ ۵۶۴ھ میں وفات پائی۔ مزار حضرت امام شافعی کے مزار کے قریب ہے۔ قطعۂ تاریخ وفات:

چو عمر شیخ مقتدائے جہاں — پیر والا گہر ولی مقبول
رحلتش ہست بوعمر معصوم — ہم ز بوعمر ولی معقول

۲۶۔ شیخ قصیب البان موصلی قدس سرہٗ

کنیت ابوعبداللہ ہے۔ حضرت غوث الاعظمؓ کے کامل ترین مریدوں سے تھے۔ آپ کی ذات سے بے حد خوارق و کرامات کا ظہور ہوا۔ قاضی موصل کو آپ سے سخت اختلاف تھا۔ ایک روز موصل کے کسی بازار سے گزرتے ہوئے قاضی سے دوچار ہو گئے۔ قاضی نے دل میں کہا، آج موقع ہے گرفتار کر کے حاکم کے سپرد کر دینا چاہئے تاکہ اچھی طرح سزا ملے۔ قاضی نے اچانک دُور سے دیکھا کہ گدا ڑ رہی ہے۔ جب وُہ قریب آئی تو معلوم ہوا کوئی قوی ہیکل مغرور پہلوان ہے اور قریب ہُوا تو ایک اعرابی کی صورت میں متشکل ہو گیا۔ پھر عالم و فقیہ کی شکل میں ظاہر ہوا اور قاضی کے قریب آکر کہنے لگا۔ کہو ان تینوں شکلوں میں سے کون سی شکل حاکم کے سامنے لے جا کر سزا دلانا چاہتے ہو۔ قاضی اسی تبدیلیٔ ہیئت سے خوف زدہ ہو گیا۔ تائب ہو کر شیخ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا۔

کسی نے حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں شکایت کی کہ شیخ قصیب البان نماز نہیں پڑھتے۔ فرمایا: اُن کا سر ہمیشہ خانہ کعبہ کی دہلیز پر پڑا رہتا ہے۔ ۵۷۰ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک موصل میں ہے۔ قطعۂ تاریخ وفات:

رہنمائے جہاں قصیب البان — شیخ ذی جاہ رہبرِ معصوم
رحلتش کاشف القلوب بگو — خواں دگر بار پیر دیں مرحوم

۵۷۰ھ

۲۷۔ شیخ احمد بن مبارک قدس سرہٗ

زاہد و عابد، صاحبِ کشف و کرامت اور حضرت غوث الاعظم کے خادمِ خاص تھے۔ ان کی عظمت و بزرگی کی سب سے بڑی روشن دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب حضرت غوث الثقلین وعظ کے لئے کرسی پر تشریف رکھتے تھے تو آپ اپنی چادرِ مبارک کرسی پر بچھایا کرتے تھے۔ ۶۰۲ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

شیخ احمد بن مبارک چوں بفضلِ ایزدی — یافت از دنیائے دوں در جنت اعلیٰ مقام
رحلتش احمد مقدس بن مبارک شد رقم — نیز احمد نورِ ربانی شد از سر در عیاں
۶۰۲ھ

۲۸۔ حضرت شیخ سیّد احمد رفاعی بن سیّد ابی الحسن قدس سرہٗ

اپنے زمانے کے شیخ الوقت اور امام الاولیاء تھے۔ بڑے عابد و زاہد، عالم و فاضل اور صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ آبائی نسبت امام علی بن موسیٰ کاظم سے ہے۔ نسبتِ خرقہ پانچ واسطوں سے حضرت شیخ شبلی تک منتہی ہے۔ حضرت غوث الاعظم سے بھی فیوض و برکات حاصل کئے ہیں۔ حضرت غوث الثقلین نے ان کی ہمشیر کو اپنی بہن کہا تھا اس لئے آپ انہیں اپنا خواہرزادہ سمجھتے تھے۔ ایک روز شیخ احمد رفاعی کے بھانجے شیخ ابوالحسن ان کے حجرے کے دروازے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اندر نظر کی تو دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا آپ سے باتیں کر رہا ہے۔ حیران رہ گئے کہ یہ کس راستے سے اندر آیا ہے۔ چند ساعت تک وہ شیخ سے ہم کلام رہا۔ جب فارغ ہوا تو جو روزن دیوارِ خلوتِ شیخ میں تھا اُس میں سے برقِ خاطف کی طرح نکل گیا۔ شیخ ابوالحسن کہتے ہیں میں یہ حال دیکھ کر خدمتِ شیخ میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ یہ کون شخص تھا۔ فرمایا: تُو نے اسے دیکھا ہے۔ کہا ہاں۔ فرمایا: یہ شخص رجال الغیب سے تھا۔ تین روز ہوئے بارگاہِ کبریائی سے مہجور (یعنی معزول) ہو گیا ہے۔ میں نے

سبب پوچھا۔ فرمایا: ایک روز جزائر بحرِ محیط میں جہاں یہ مقیم ہے۔ دو تین روز بارش ہوتی رہی اس کے دل میں خیال گزرا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ بارش آباد زمین پہ ہوتی اور خلقِ خدا کو اس سے پورا نفع ہوتا۔ اپنے اس خیال کی وجہ سے بارگاہِ رب العزت سے مہجور ہو گیا ہے۔ میں نے کہا: آپ نے اسے اس حال سے خبر کیوں نہ دی۔ فرمایا: شرم آئی کہ اس کے سامنے اس کی معزولی کا حال بیان کروں۔ میں نے کہا: اگر آپ فرمائیں تو اسے اس حال سے مطلع کروں۔ فرمایا: کر سکتا ہے۔ کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا: اپنا سر گریبان میں ڈالو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک لمحہ کے بعد آواز آئی۔ اے ابوالحسن! سر اٹھا اور آنکھیں کھول۔ جب سر اٹھایا اور آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں بحرِ محیط کے جزائر میں سے ایک جزیرے میں ہوں۔ حیران رہ گیا۔ ہمت کر کے اٹھا۔ ابھی تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ ایک جگہ پر اس مرد کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ پاس گیا۔ سلام کیا اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس نے مجھے قسم دی کہ جس طرح میں کہوں تم نے اسی طرح کرنا ہے۔ میں نے کہا بسر و چشم۔ اس نے کہا: میرا خرقہ میری گردن میں ڈال اور مجھے زمین پر گھسیٹ اور یہ کہہ کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض کرتا ہے۔ پس میں نے اس کا خرقہ اس کی گردن میں ڈالا اور زمین پر گھسیٹنا ہی چاہتا تھا کہ ندائے غیب آئی: اے ابوالحسن اسے چھوڑ دے۔ ملائکہ زمین و آسمان پر گریہ زاری کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر خوش ہے۔ میں نے جب یہ آواز سنی تو بے خود ہو گیا۔ جب اپنے آپ میں آیا تو دیکھا سیّد احمد رفاعی کے سامنے حاضر ہوں۔

میں اپنے آنے جانے پر مطلق آگاہ نہ ہوا۔ صاحبِ مناقبِ غوثیہ حضرت شیخ محمد صادق شیبانی فرماتے ہیں: ایک روز میں حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے اپنے ایک خادم سے کہا: سیّد احمد رفاعی کے پاس جا اور پوچھ کہ عشق کیا ہے؟ اور اس کا جواب مجھے لا کر دے۔ خادم ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت کا پیغام دیا۔ یہ سنتے ہی انہوں نے ایک آہ جانکاہ اپنے سینۂ پُر سوز سے کھینچی اور کہا کہ عشق ایک ایسی آگ ہے جو ماسوا اللہ کو جلا ڈالتی ہے۔ اُن کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے ہوئے تھے وہ جل اٹھا اور سیّد احمد رفاعی بھی اس کے ساتھ جل کر خاکستر ہو گئے۔ پھر وہی راکھ پانی ہو کر

برف کی مانند جم گئی۔ خادم خوف زدہ ہو کر خدمتِ حضرت غوث الاعظم میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا بیان کیا۔ فرمایا: پھر اسی جگہ پر جا اور اس جگہ کو بخور و عطر سے معطر کر۔ جسمِ سید احمد رفاعی اس عالمِ عنصری کی طرف رجوع کرے گا۔ چنانچہ خادم اسی جگہ پر واپس آیا اور حضرت کے فرمودہ کے مطابق اُس جگہ کو معطر کیا۔ ابھی ایک ساعت بھی نہ گزری تھی کہ جو پانی سید احمد رفاعی کی جگہ پر جما ہوا تھا اس نے جسم کی صورت اختیار کر لی اور سید احمد رفاعی دوبارہ زندہ ہو گئے۔

روایت ہے جو شخص حاجت کے لئے آپ سے تعویذ طلب کرتا آپ اسے تعویذ کر دیتے۔ اگر قلم دسیاہی نہ ہوتی تو سفید کاغذ پر ہی اپنی انگلی سے بغیر قلم دسیاہی لکھ دیتے۔ ایک روز ایک شخص بغرضِ امتحان تعویذ کھول کر خدمتِ شیخ میں لایا اور استدعا کی کہ تعویذ لکھ دیجئے۔ جب انہوں نے کاغذ ہاتھ میں لے کر دیکھا تو فرمایا: اے فرزند تعویذ تو اس پر لکھا ہوا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو سادہ کاغذ پر دوبارہ سیاہی سے لکھ دوں۔ اس کاغذ پر حروف بشکلِ خود موجود ہیں۔

ایک روز ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے واسطے سے آتشِ دوزخ سے آزاد ہو جاؤں اور مجھے اسی وقت خطِ آزادی آسمان سے آجائے۔ اُسی وقت ایک سفید کاغذ برق خاطف کی طرح آسمان سے آپ کے سامنے آگرا۔ شیخ نے وہ کاغذ اٹھا کر سائل کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا: لے آتشِ دوزخ سے یہ تیرا خطِ آزادی ہے۔ اس نے دیکھا تو وہ محض سفید کاغذ تھا۔ عرض کیا، اس پر تو کچھ نہیں لکھا ہوا۔ فرمایا: یہ کاغذ نور سے لکھا ہوا ہے جو دل ہی کی آنکھ سے پڑھا جا سکتا ہے۔ ۵۷۲ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

سید احمد رفاعی سرورِ دورِ زماں — شد چو از دنیائے فانی راہیٔ خلدِ بریں
قطبِ کامل شاہِ دیں شد سالِ ترحیلش رقم — ہم بگو احمد رفاعی سید ہادیٔ دیں آ
۵۷۲ھ

۳۹۔ حضرت شیخ سیّد شرف الدین عیسیٰ قدس اللہ سرہ العزیز

سید شرف الدین عیسیٰ نام، کنیت ابوعبدالرحمٰن۔ حضرت غوث الاعظم کے صاحبزادوں سے ہیں۔ تحصیلِ علوم اپنے والد گرامی ہی کے زیرِ سایہ کی تھی۔ حدیث و فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ کتاب جواہر الاسرار علمِ تصوف کے حقائق و معارف میں آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ کتاب فتوح الغیب حضرت غوث الاعظم نے آپ ہی کے لئے تصنیف کی تھی۔ ۵۷۳ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخ وفات:

شیخ شرف الدین چو رفت اندر جناں — سالِ وصلِ آں شہِ اہل کمال!
کن رقم "مسعود سید پیشوا"!! — "متقیٔ پاک" ہم سالِ وصال
۵۷۳ھ

۴۰۔ حضرت شیخ صدقہ بغدادی قدس سرہٗ

شیخ صدقہ نام، ابوالفرح کنیت، باپ کا نام یسین تھا۔ بغداد کے رہنے والے تھے۔ حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں اکثر حاضر ہو کر اخذِ فیض کرتے تھے۔ ایک روز حالتِ جذب و سکر میں کچھ ایسے کلمات آپ کی زبان سے نکل گئے جو ظاہر میں خلافِ شریعت تھے۔ علمائے وقت نے ان کلمات پر مواخذہ کیا۔ خلیفہ کے سامنے پیش کئے گئے۔ کوڑوں کی سزا مقرر ہوئی۔ جس وقت جلاد نے آپ کے کپڑے اتار کر کوڑے لگانے چاہے تو شیخ صدقہ کے ایک خادم نے اے شیخ اے شیخ کی فریاد بلند کی۔ اُسی وقت جلاد کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ اسی واقعہ نے ناظرین پر ہیبت طاری کر دی۔ خلیفہ نے خائف ہو کر انہیں بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔ وہاں سے آپ حضرت غوث الاعظم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے فرمایا: اے صدقہ جس وقت تیرے خادم نے فریاد بلند کی میں نے سُنا اور مدد میں مشغول ہوا۔ ۵۷۳ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں ہے۔

امام جہاں صدقہ پیرِ کبیر — فدا کرد در عشقِ حق جان و تن

تو سردارِ حق سالِ وصلش بگو — دگر صدقہ صادق امامِ زمن
۵۷۳ھ — ۳ ۷ ۵ ھ

۴۱۔ حضرت شیخ ابو عمر حریفی قدس سرہٗ

عثمان نام تھا۔ حضرت غوث الاعظم کے بزرگ ترین مریدوں سے تھے۔ فقر اور تجرید و تفرید میں یگانۂ روزگار تھے۔ فرماتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ وُہ مجھے اپنی طرف کھینچے تو اِس کی ابتداء اس طرح پر ہُوئی کہ ایک رات مَیں اپنے گھر میں آسمان کی طرف منہ کئے لیٹا ہوا تھا، دیکھا کہ پانچ کبوتر اڑتے ہُوئے جا رہے ہیں۔ پہلا پڑھتا تھا سبحان من عندہ خزائن کل شیئ وما نزلہ الا بقدر معلوم۔ پاک ہے وُہ ذات جس کے پاس تمام چیزوں کے خزائن ہیں۔ وُہ نازل کرنے والا ہے مگر ایک اندازۂ معلوم میں۔

دوسرا پڑھتا تھا: سبحان من اعطی کل شی خلقہ ثم ھدی۔ پاک ہے وُہ ذات جو ہر چیز کو عطا کرتا ہے، پیدا کرتا ہے اور پھر اسے ہدایت دیتا ہے۔

تیسرا پڑھتا تھا: سبحان من بعثت الانبیاء حجۃ علیٰ خلقہ وفضل علیہم محمد۔ پاک ہے وُہ جس نے انبیاء کو اپنی مخلوق پر حجت پیدا کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت دی۔

چوتھا پڑھتا تھا: کل ما فی الدنیا باطل الا ما کان للہ ورسولہ۔ دنیا میں جو کچھ بھی ہے سب باطل ہے سوائے اس کے جو خدا و رسول کے واسطے ہو۔

پانچواں پڑھتا جاتا تھا: یا اھل الغفلۃ من مولٰکم قوموا الیٰ ربکم رب کریم یعطی العطاء الجزیل ویغفر الذنوب رب العظیم۔ اے اہلِ غفلت اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہو جاؤ جو بڑا ہی عطاء و کرم کرنے والا اور گناہوں کو بخش دینے والا ہے۔

میں یہ سن کر بے خود ہو گیا۔ جب ہوش میں آیا تو دنیا و مافیہا کی محبت میرے دل سے محو ہو چکی تھی۔ وہ رات بڑی بیقراری اور اختر شماری میں گزار دی۔ اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ اپنے آپ کو کسی ایسے مرشدِ کامل کے سپرد کروں گا جو مجھے واصل بحق کرے۔ تلاشِ مرشد میں چل نکلا۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ کس طرف جاؤں۔ اچانک ایک پیرِ روشن ضمیر راستے میں ملا۔

اس نے میرا نام لے کر مجھے سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا۔ پوچھا، آپ کون ہیں؟ میرا نام آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ فرمایا: میں خضر ہوں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ نے فرمایا: کل صریفین میں ایک آدمی جذب حق کو پہنچا ہے اور بارگاہِ حق میں قبول ہوا ہے اور اس نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مرشدِ کامل کے سپرد کردے گا جو اسے خدا تک پہنچائے گا۔ پس تم اس کے پاس جاؤ اور اسے میرے پاس لاؤ۔ پس تم فوراً حضرت غوث الاعظم عبدالقادر سید العارفین کی خدمت میں جاؤ۔ میں یہ سن کر فرطِ خوشی سے بے ہوش ہوگیا۔ جب ہوش میں آیا تو اپنے آپ کو بغداد میں پایا۔ بڑی مسرت و فرحت کے ساتھ حضرت غوث الاعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: مرحبا اے مجذوبِ خدا ابوعمر جلدی ہی اللہ تعالیٰ تجھے ایک مرید عبدالغنی بن تقفہ عطا کرے گا۔ اولیاء میں اس کا بلند مرتبہ ہوگا۔ بڑے بڑے ولی اللہ اس کی ارادت پر فخر کریں گے۔ پھر میرے سر پر طاقیہ رکھا جس کی ٹھنڈک اور فرحت میرے دماغ تک پہنچ گئی اور عالمِ ملکوت مجھ پر منکشف ہوگیا۔ میں نے سنا کہ تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اپنی اپنی زبان میں بیان کر رہا ہے۔ قریب تھا کہ میری عقل زائل ہو جائے۔ حضرت شیخ کے ہاتھ میں ایک پارۂ پنبہ تھا، مجھ پر پھینکا اور میرے سینے پر ہاتھ رکھا میری عقل درست ہوگئی۔ پھر کچھ عرصہ تک مجھے خلوت نشین رکھا اور میری تکمیل کی۔ تیس سال کے بعد عبدالغنی ابنِ تقفہ میرے پاس آیا اور حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر خرقہ پایا اور میرے خلفاء میں سے ہوا۔ ابنِ تقفہ کی بابت حضرت غوث الاعظم نے جیسا فرمایا تھا میں نے اسے ویسا ہی پایا۔ ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

بوعمر آں مخزنِ نورِ خدا ! شد چو در خلدِ بریں منزل گزیں
سالِ وصلش بوعمر انوار بخواں نیز فرما "مطلعِ نورِ یقیں"
۵۰۵ھ ۵۰۵ھ

۴۲۔ حضرت شیخ محمد الاوانی المعروف بابن القاید قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظمؓ کے کامل و اکمل خلفاؓ سے تھے۔ فتوحاتِ مکیہ میں مذکور ہے کہ حضرت غوث الاعظمؓ نے آپ کے متعلق فرمایا تھا کہ محمد ابن القاید اپنے زمانے میں منفرد ہیں اور منفردین وہ جماعت ہے جو دائرہ قطب سے خارج ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے پہلے انہی سے ملتے تھے۔ ابن القاید فرماتے ہیں کہ میں نے ماسوا اللہ سے روگردانی کرلی اور ترکِ علائق کے بعد میں حضرت کی خدمت میں آگیا۔ اچانک میں نے اپنے سامنے ایک پاؤں کا نشان دیکھا۔ مجھے غیرت آئی اور سوچنے لگا کہ یہ کس کے پاؤں کا نشاں ہے کیونکہ میں اپنے خیال میں یہ سمجھتا تھا کہ مجھ سے کوئی سبقت نہیں کرسکتا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نشان ہیں جس سے مجھے اطمینان ہوگیا۔ ۵۷۶ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

چوں محمد از جہاں بالطفِ حق ۔۔۔ گشت در فردوسِ والا بہرہ یاب
رحلتش سردارِ عالی شد عیاں ۔۔۔ نیز شد روشن محمد آفتاب
۵۷۶ھ ۵۷۶ھ

۴۳۔ حضرت شیخ ابوالسعود بن شبلی قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظمؓ کے بزرگ ترین خلفاؓ سے تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں منفرد تھے۔ آپ کا شمار مشائخِ کبار سے ہوتا ہے۔ فتوحاتِ مکیہ میں مذکور ہے کہ ایک روز ابوالسعود دریائے دجلہ کے کنارے جارہے تھے کہ اُن کے دل میں خیال گزرا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اس کی عبادت پانی میں کرتے ہیں۔ یہ خیال اُن کے دل میں آیا ہی تھا کہ ایک شخص نے پانی سے سر نکالا اور کہا ہاں کیوں نہیں اور میں انہی میں سے ہوں۔ میں بکریت کے مقام کا رہنے والا تھا جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا

کہ شہر چھوڑ کر پانی میں عبادت کروں کیونکہ تقدیرِ الٰہی اسی طرح پر ہے۔ میں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پندرہ روز کے بعد بکریت پر ایک حادثۂ عظیم نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس آفت سے محفوظ رکھا۔ یہ کہہ کر پھر پانی میں غوطہ لگا گیا۔

شیخ ابوالسعود کو حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ عطا ہوتا تھا اُس سے رُوگردانی نہ کرتے تھے۔ مکلف طعام کھاتے اور لباسِ فاخرہ پہنتے۔ ایک روز ایک درویش آپ کی خدمت میں آیا دیکھا کہ آپ نے ایک قیمتی پگڑی سر پر باندھ رکھی ہے جس کی قیمت کم از کم دو سو دینار سے کم نہیں ہے۔ اس کے دل میں خیال گزرا کیا یہ فضول خرچی نہیں ہے جو حکمِ قرآن کے خلاف ہے۔ جس پگڑی کی قیمت سے دو سو درویشوں کا لباس تیار ہو سکتا ہو وہ ایک درویش سر پر کیوں باندھے۔ شیخ نورِ باطن سے اس کے خیال سے آگاہ ہو گئے۔ فرمایا، اے درویش! میں نے یہ پگڑی اپنے آپ نہیں باندھی۔ اگر چاہتا ہے تو اسے بازار لے جا کر بیچ ڈال اور درویشوں کے لئے طعام فراہم کر۔ درویش نے وہ پگڑی بازار میں لے جا کر فروخت کر ڈالی اور درویشوں کے لئے مکلف دسترخوان آراستہ کیا۔ جب خدمتِ شیخ میں حاضر ہُوا تو دیکھا کہ شیخ کے سر پر وہی پگڑی ہے۔ شیخ نے فرمایا، اے درویش حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اس شخص سے پُوچھ کہ یہ پگڑی کہاں سے لایا ہے۔ درویش نے اس شخص سے پگڑی لانے کا حال پوچھا۔ اس نے کہا پچھلے سال میں کشتی میں سوار تھا کہ بادِ مخالف چلنی شروع ہُوئی اور اتنی شدت اختیار کر گئی کہ کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی مگر میں ایک تختہ پر بیٹھا رہا۔ میں نے عہد کیا کہ اگر میں صحیح و سلامت کنارے پر پہنچ گیا تو خدمتِ شیخ میں ایک قیمتی دستار نذر گزرانوں گا۔ چھ مہینے گزرنے پر بھی مجھے قیمتی دستار نہیں ملی تھی۔ آج یہ دستار فلاں دکان پر دیکھی جسے خرید کر ہدیۃً شیخ کیا۔ شیخ نے فرمایا، سنا میں نے یہ پگڑی خود نہیں باندھی ہے بلکہ کسی اور نے بندھوائی ہے۔

دارا شکوہ سفینۃ الاولیا میں لکھتے ہیں کہ کتاب فصوص الحکم میں تحریر ہے کہ شیخ ابوالسعود نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ پندرہ سال ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مملکت میں قوتِ تصرف عطا فرمائی ہے لیکن میں نے اس سے کبھی کام نہیں لیا۔ ابن القاید

نے ایک روز دریافت کیا کہ آپ تصرف کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا: میں نے تصرف حق تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اور جو اس کی منشاء ہوگی اس کے مطابق اختیار فرمائے گا۔ ۵۷۹ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

شیخ ذی رتبہ پیرِ عالمگیر — بوسعود آنکہ بود زبدۂ حق
عاشقِ حق بگو بہ رحلتِ او — ہم مشہ بوسعود زبدۂ حق

۵۷۹ھ

۴۴۔ حضرت شیخ حیات خیرانی قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظم کے کامل ترین اور بزرگ ترین خلفاء سے تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں اور خوارق و کرامت میں درجۂ بلند اور مقامِ ارجمند رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے مشائخ کبار سے تھے۔ حضرت شیخ ابوالحسن قرشی سیر الاحباب میں لکھتے ہیں کہ دنیا میں چار شخص ہیں جو قبور میں بھی مثلِ احیاء تصرف کرتے ہیں۔ اوّل معروف کرخیؒ۔ دوم شیخ سید عبدالقادر جیلانی۔ سوم شیخ عقیل منجیؒ۔ چہارم شیخ حیات خیرانی۔ صاحبِ سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ خیران کے صلحاء میں سے ایک نے بیان کیا کہ میں یمن سے کشتی میں سوار ہوا۔ جب بحرِ ہند میں پہنچا تو سمندر میں طوفانِ عظیم برپا ہوگیا جس نے جہاز کو توڑ ڈالا۔ میں ایک تختہ پر بیٹھا ہوا لہروں کے تھپیڑے کھاتا ہوا ایک بیابان جزیرے میں پہنچ گیا۔ جہاں دُور دُور تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ آخر بڑی تلاش کے بعد اس ویرانے میں مجھے ایک مسجد نظر آئی۔ اندر جا کر دیکھا کہ چار حسین و جمیل شخص بارعب و ہیبت وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے قریب جا کر سلام کہا۔ انہوں نے جواب دیا۔ میرا حال پوچھا۔ میں نے تمام ماجرا بیان کیا۔ دن بھر ان کے پاس رہا۔ جب رات ہوئی، شیخ حیات خیرانی وہاں آئے۔ اُن چار اصحاب نے اُن کا استقبال کیا۔ سلام کہا۔ وہ مسجد میں تشریف لائے۔ سب نے مل کر نمازِ عشاء ادا کی۔ پھر الگ الگ صبح تک نمازِ نوافل میں مشغول رہے۔

جب صبح طلوع ہوئی تو شیخ نے مناجات شروع کی۔ یا حبیب التائبین، یا انیس العابدین، یا قریب المتصدقین، یا محب العاشقین۔ اس کے بعد گریہ وزاری شروع کی۔ یہاں تک کہ انوار و تجلیاتِ الٰہی کا ظہور ہونا شروع ہوگیا۔ حتیٰ کہ وہ تمام جگہ بقعۂ نور ہوگئی۔ پھر سب نے نمازِ صبح ادا کی۔ پھر شیخ حیات مسجد سے باہر تشریف لائے۔ ان چار شخصوں میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ شیخ کے پیچھے پیچھے جاؤ اپنی منزل پر پہنچ جاؤ گے۔ میں اُن کے پیچھے قدم بقدم چل پڑا۔ دیکھا کہ کوہ، دریا اور بیابان و صحرا شیخ کے قدموں کے نیچے سے گزر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ تھوڑے ہی عرصے میں خیران پہنچ گیا۔ دیکھا کہ ابھی لوگ نمازِ صبح پڑھنے میں مشغول ہیں۔

۵۸۱ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخ وفات:

چوں سفر کرد از جہانِ فنا — در جناں مہدیٔ زمانہ حیات
رحلتش منبعِ حیات بگو — ہم بخواں "مہدیٔ زمانہ حیات"
۵۸۱ھ — ۵۸۱ھ

۴۵۔ حضرت شیخ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظم کے فرزند ارجمند تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی کی تحصیل اپنے پدر بزرگوار ہی سے کی تھی۔ اپنے وقت کے عالم و فاضل اور محدث و فقیہ تھے۔ ۲۷ ماہ صفر ۵۸۷ھ میں وفات پائی۔ مرقد بغداد میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

چو از دنیا بجنت گشت راہی — شہ اہلِ یقیں مقبول رحماں
وصالش والیٔ تسلیم پیدا ست — دوبارہ "مرجیں مقبول رحماں"
۵۸۷ھ

۴۶۔ حضرت شیخ شمس الدین عبدالعزیز قدس سرہٗ

کنیت ابوبکر ہے۔ حضرت غوث الاعظم کے صاحبزادہ ہیں۔ تعلیم و تربیت اپنے والدِ ماجد ہی کے زیرِ سایہ پائی تھی اور اُنہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ پدر بزرگوار کی وفات کے بعد نقلِ مکان کر کے سنجار چلے گئے تھے۔ وہیں ۵۸۹ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

سیدِ ذی جاہ و عالی مرتبت — مرشدِ حق، حق نما، حق بیں عزیز
رحلتش مہتاب عالم گفتہ ام — نیز شد روشن ز شمس الدین عزیز
۵۸۹

۴۷۔ حضرت شیخ ابو مدین مغربی قدس سرہٗ

شعیب نام، لقب ابو مدین بن حسن یا حسین۔ حضرت شیخ ابو یعزائی مغربی کے مرید و خلیفہ اور حضرت شیخ محی الدین ابن العربی کے مرشد تھے۔ حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا۔ صاحبِ کشف و کرامت اور سرزمینِ مغرب کے مشائخِ کبار سے تھے۔ ایک روز آپ نے دیارِ مغرب کے کسی مقام پر گردن جھکا کر کہا۔ اللھم انی اشھدک واشھد ملائکتک انی سمعت واطعت۔ حاضرین نے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے بغداد میں یہ فرمایا قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ۔ اس کے بعد بغداد کے بعض اکابر حاضر ہوئے اور انہوں نے بھی اطلاع دی کہ حضرت غوث الاعظم نے اُسی وقت یہ الفاظ فرمائے تھے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ ابو مدین مغربی ایک روز دریا کے کنارے کنارے جا رہے تھے کہ کفار کی ایک جماعت نے آپ کو گرفتار کر لیا اور اپنی کشتی میں لے گئے۔ آپ سے پہلے بھی مسلمانوں کی ایک جماعت اُس کشتی میں محبوس تھی۔ کفار نے شیخ کو ایک جگہ پر بٹھا کر کشتی کا

بادبان کھولا مگر اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ بڑی کوشش کے بعد انہیں یقین ہو گیا کہ یہ سب کچھ اسی درویش کی بدولت ہے۔ انہوں نے شیخ کو راضی کر دیا مگر شیخ نے کشتی سے اترنے سے انکار کر دیا۔ فرمایا جب تک تمام مسلمان رہا نہ کئے جائیں گے میں کشتی سے نہیں اتروں گا۔ کفار کو چار و ناچار تمام مسلمانوں کو آزاد کرنا پڑا۔ جونہی مسلمان کشتی سے اترے وہ روانہ ہو پڑی۔ ۵۹۰ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخ وفات:

شیخ بو مدین شعیب مغربی — آں امامِ دیں شہ دورِ زمن
ہست تاریخِ وصالِ آں جناب — "زاہدِ ہادی شعیب بن حسن"
۵۹۰ھ

۴۸۔ حضرت شیخ تاج الدین عبدالرزاق قدس سرہٗ

عبدالرزاق نام، کنیت عبدالرحمان و ابوالفرح، لقب تاج الدین، حضرت غوث الاعظمؓ کے فرزند رشید تھے۔ اپنے پدر بزرگوار ہی کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ جامع علوم و فنون تھے۔ ملک عراق کے مفتی تھے۔ رسالہ جلاء الخواطر ملفوظاتِ حضرت غوث الاعظمؓ آپ ہی کا تالیف کردہ ہے۔

فرماتے ہیں: ایک روز میرے والد ماجد نمازِ جمعہ کے لئے باہر تشریف لائے۔ میں اور میرے دو بھائی آپ کے ساتھ تھے۔ میں نے دیکھا تین مٹکے شراب کے گاڑی پر رکھے ہوئے خلیفۂ بغداد کے لئے جا رہے ہیں۔ محافظ سپاہی تھے۔ شراب کی بو اس کی غماز ہوتی ہے حضرت والد گرامی کو معلوم ہو گیا۔ سپاہیوں کو آواز دی کہ ٹھہر جاؤ مگر وہ نہ ٹھہرے بلکہ گاڑی کو اور زیادہ دوڑایا۔ آپ نے گاڑی سے مخاطب ہو کر فرمایا: بحکم خداوندی ٹھہر جا۔ وہ اسی وقت رک گئی۔ سپاہیوں نے ہر چند جانوروں کو مارا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ حضرت غوث الاعظمؓ نے نگاہِ غضب سے اُن کی طرف دیکھا۔ اُنہیں اسی وقت دردِ قولنج شروع ہو گیا۔ زمین پر گر کر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے اور لوٹنے لگے۔ نالہ و فریاد بلند کیا۔ حضرت ہم نے توبہ کی

پھر ایسی نافرمانی نہیں کریں گے۔ انہیں ورد فوتیح سے فوراً شفا حاصل ہوگئی اور شراب سرکہ میں تبدیل ہوگئی۔ آپ مسجد میں تشریف لے گئے۔ یہ خبر جب خلیفۂ بغداد نے سنی۔ حاضرِ خدمت ہوکر تمام منہیات سے تائب ہوا۔

ایک روز سید عبدالرزاق اپنے والد ماجد کی محفل میں حاضر تھے۔ آسمان پر مردانِ غیب کو جاتے ہوئے دیکھ کر ڈر گئے۔ آپ نے فرمایا، ڈرو نہیں یہ رجال الغیب ہیں اور تو بھی انہی سے ہے۔

کتاب انیس القادریہ میں بروایت شیخ ابوالمعالی صاحب تحفۂ القادریہ مندرج ہے کہ سید عبدالرزاق کے پانچ فرزند تھے۔ اول شیخ ابوصالح، دوم شیخ ابوالقاسم عبدالرحیم، سوم شیخ ابومحمد اسماعیل، چہارم شیخ ابوالمحاسن فضل اللہ اور پنجم جمال اللہ قدس اللہ سرہم العزیز۔ حضرت غوث الاعظم نے شیخ جمال اللہ کے لئے عمر جاوید کے لئے دعا فرمائی تھی اور وہ آج تک زندہ ہیں اور بہ اسم حیات المیر مشہور ہیں۔ اکثر سیر و سیاحت میں رہتے ہیں۔ سکونت دیارِ سمرقند وغیرہ کی طرف ہے۔ سید محمد مقیم صاحب حجرہ اور کئی اور اولاد آپ کے مرید ہیں۔ سید عبدالرزاق نے ۵۹۵ھ میں وفات پائی۔

شد ز دنیا چو در بہشتِ بریں — عارفِ حق مجیب "تاج الدین"
کاشفِ صدق سالِ وصلش گو — نیز "سید مجیب "تاج الدین"
۵۹۵ھ — ۵۹۵ھ

۹۴۔ حضرت شیخ سید ابوالفضل محمد قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظم کے فرزند ارجمند ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے والدِ گرامی ہی کے زیرِ سایہ کی اور درجۂ کمال کو پہنچے۔ ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔ مزار بغداد میں ہے۔

سید بوالفضل فضلِ اہلِ فضل — شد چو از فضلِ خدا اندر جہاں
بر فردوس است سالِ وصلِ او — ہم محبِ متقی کردم بیاں
۶۰۰ھ — ۶۰۰ھ

۵۰۔ حضرت شیخ ابوزکریا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت غوث الاعظمؓ کے صاحبزادوں سے ہیں۔ علومِ فقہ وحدیث اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کئے۔ اپنے وقت کے فاضل اور مقتدائے زمانہ گزرے ہیں۔ ولادت ۶۔ ربیع الاول ۵۵۰ھ میں ہوئی اور وفات ۶۰۰ھ میں پائی۔ مزار بغداد میں اپنے بھائی شیخ عبدالوہاب کے مزار کے متصل ہے۔

قطعۂ تاریخ ولادت ووفات:

شیخ زکریا ابو یحییٰ کہ بود — شاہِ عالی قرۂ چشمِ علی
قبلۂ حاجات و عارف حق نما — سالِ تولیدش نوشتم اے اخی
عصمت آمد سالِ ترحیلش دگر — عارفِ حق سید طیب ولی

۵۱۔ حضرت شیخ سیف الدین عبدالوہاب قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظمؓ کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد کے زیرِ سایہ حاصل کئے۔ جامع علوم وفنون تھے۔ تمام علومِ متداولہ میں پوری مہارت اور عبورِ کامل رکھتے تھے۔ پدر بزرگوار کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ مدرسۂ معلّٰی میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے علمی وروحانی فیوض وبرکات سے ایک خلقِ کثیر بہرہ یاب ہوئی۔

ایک دفعہ بلادِ عجم کے سفر سے واپس آئے۔ تمام اقسامِ علوم میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ اپنے والدِ گرامی سے ان کی موجودگی میں وعظ کہنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ منبر پر تشریف لائے۔ علوم وفنون کی روشنی میں عالمانہ تقریر کی مگر حاضرین کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ ان کے بعد اہلِ مجلس نے حضرت غوث الاعظمؓ سے وعظ کہنے کی درخواست کی۔ آپ منبر پر تشریف لائے۔ فرمایا: شجاعت صبر کی ایک گھڑی ہے۔ ابھی اتنا ہی کہا تھا

کہ اہلِ مجلس نے آہ و بکا شروع کیا۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ شیخ سیف الدینؒ نے آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا تو اپنے نفس سے مخاطب تھا اور میں غیرِ نفس سے مخاطب تھا۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ شیخ ابو منصور عبد السلامؒ اور شیخ ابو الفتح سلیمانؒ۔ دونوں عالمِ عامل تھے۔ قطعۂ تاریخ ولادت و وفات:

شاہِ سیف الدینؒ شہ ہر دوسرا — قاتلِ کفار با شمشیرِ دیں
سالِ تولیدش بشیر آمد عیاں — تاجِ حق فرما و ہم مہتابِ دیں
گفت سیف الدین میرِ حق خرد — از تحالِ آں شہ روئے زمیں

۶۰۳ھ

۵۲۔ حضرت شیخ ابو نصر موسیٰ قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظمؒ کے آخری فرزند تھے۔ تحصیلِ علوم اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیرِ سایہ کی تھی۔ اپنے زمانے کے بلند پایہ فقیہ و محدث، عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ بغداد سے نقلِ مکان کر کے دمشق جا کر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ وہیں ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔ قطعۂ تاریخ ولادت و وفات:

حضرتِ بو نصر پیرِ با کمال — رہبرِ عالم شہ روئے زمیں
شد زدل مفتاحِ تولیدش عیاں — صاحبِ توحید و ہم سردارِ دیں
رحلتش بو نصر مقبولِ انام — نیز شد پیدا ز مہتابِ یقیں

۶۱۸ھ

۵۳۔ حضرت شیخ موفق الدین المقدسی قدس سرہٗ

نام عبد اللہ بن محمد بن احمد بن قدامۃ الجیلی ہے۔ صاحبِ تصنیف ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی میں بڑا پایہ رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے مشہور عالم گزرے ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؓ کے شاگرد و مرید تھے۔ ۶۲۲ھ میں وفات پائی۔

چو آں شیخ موفق بن محمد — ز دنیا گشت سوئے خلد مامور
رقم کن لفظِ برکت با تبرک — بتاریخش دگر نورِ علیٰ نور
۶۲۲ھ

۵۴۔ حضرت شیخ ابو اسحاق ابراہیم قدس سرہٗ

حضرت غوث الاعظمؒ کے فرزندِ رشید ہیں۔ علومِ ظاہری و باطنی اپنے والدِ ماجد سے حاصل کئے تھے۔ اپنے زمانے کے اولیاء و اتقیاء کے سردار تھے۔ زہد و تقویٰ میں درجۂ بلند رکھتے تھے۔ آپ پر عالمِ تفکر اور سکوت کا غلبہ رہتا تھا۔ غایتِ حیا و شرم کے باعث تیس سال تک اپنے سر کو بلند نہیں کیا۔ ۵۲۷ھ میں ولادت اور ۶۲۳ھ میں وفات پائی۔ مرقد والد بزرگوار کے مزار کے قریب ہے۔

میر ابراہیم پیر رہنما! — حامیٔ دیں پیشوائے دو جہاں
کاشفِ دینِ نبی تولیدِ اوست — رحلتش واں کاشفِ عالی مکاں
۵۲۷ھ — ۶۲۳ھ

۵۵۔ حضرت شیخ صدر الدین قونیوی قدس سرہٗ

نام صدر الدین اور کنیت ابو المعالی ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے بہترین مریدوں سے تھے (صاحبِ سفینۃ الاولیاء شیخ محی الدین ابن العربی کے ارشد مریدوں سے لکھتے ہیں) علومِ ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ فقہ و حدیث میں یکتائے زمانہ تھے۔ زہد و تقویٰ اور ریاضت و مجاہدہ میں مقامِ بلند پر فائز تھے۔ مولانا قطب الدین[1] علامہ علمِ حدیث میں آپ کے شاگرد تھے۔ کتاب جامع الاحوال خود لکھ کر اُن کے سامنے پڑھی تھی

---

[1] جامع منقول و معقول۔ علامۂ عصر اور وحید الدہر تھے۔ بڑے بڑے علما نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔ کتاب شرح شمسیہ جو قطبیہ کے نام سے مشہور ہے آپ کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔

اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ اُس وقت کے اولیائے کرام نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اخذِ فیض کیا ہے۔ شیخ سعد الدین حموی اور مولانا جلال الدین رومی سے خاص روابط تھے۔ ۶۳۰ھ میں وفات پائی۔

صدرِ دین صدرِ اولیائے کرام — شد ز دنیا چو در بہشت بریں
وصل او ہست آفتابِ علوم — نیز "والیٰ صدق صدر الدین"
۶۳۰ھ — ۶۳۰ھ

۵۶۔ حضرت شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ العزیز

نام محمد بن علی بن محمد عربی ہے۔ اپنے عہد کے قطبِ زمانہ، موحدِ یگانہ، ہادیٔ طریقت اور مقتدائے حقیقت تھے۔ علم و عرفان میں درجاتِ بلند و مقاماتِ ارجمند پر فائز تھے۔ اکابر صوفیا میں امام موحداں مشہور ہیں۔ مسئلہ وحدت الوجود میں آپ کا کلام بڑا بلند واقع ہوا ہے آپ کو خرقہ کی نسبت ابو محمد یونس قصار ہاشمی کے ذریعے سے بیک واسطہ حضرت غوث الاعظم سے حاصل ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق آپکے حضرت غوثیہ سے ارادت بلاواسطہ حاصل ہے۔

---

۱ محمد بن موید بن ابی بکر نام۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ المتوفی ۶۱۸ھ کے کامل و اکمل خلفاء سے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانۂ روزگار تھے۔ عمدہ تصانیف ہیں۔ سبحل الارواح آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ ۶۵۰ھ میں وفات پائی۔

۲ محمد نام، جلال الدین لقب تھا۔ سلطان العلماء حضرت مولانا بہاؤ الدین المتوفی ۶۲۸ھ کے نامور فرزند تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اصل وطن بخارا تھا۔ خطۂ روم (ایشیائے کوچک) میں نشو و نما پائی تھی اس لئے رومی مشہور ہوئے۔ علومِ ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد سے حاصل کئے۔ حضرت محمد شیخ شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ المتوفی ۶۴۵ھ سے بھی اخذِ فیض کیا۔ آپ کی مثنوی جو مثنوی مولانا روم کے نام سے مشہور ہے۔ دنیا کی مقبول ترین اور مشہور ترین کتاب ہے۔ اس مثنوی میں جس قدر حقائق و معارف بیان ہوئے ہیں۔ کسی شاعر و فلسفی کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔ مولانا اپنے زمانے کے بے نظیر عالم اور بے مثال صوفی و متکلم تھے۔ زہد و تقدس، ریاضت و مجاہدہ، علم و عمل اور ذوق و شوق میں یگانۂ روزگار تھے۔ ۶۷۰ھ میں وفات پائی۔ مزار قونیہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ علامہ اقبال مرحوم آپ کے کلام و فلسفہ سے بے حد متاثر تھے اور مرشدِ رومی کہا کرتے تھے۔

خرقۂ خلافت میں دوسری نسبت انہیں بلاواسطہ حضرت خضرؑ سے حاصل ہے۔ اصطلاحاتِ کاشی میں لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربی نے اپنی کتاب الملابس میں لکھا ہے کہ میں نے خرقۂ تصوف ابوالحسن بن عبداللہ بن جامع سے پہنا ہے اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل کیا ہے۔ کتاب مناقب غوثیہ میں شیخ محمد صادق شیبانی قادری لکھتے ہیں کہ علی بن محمد پدرِ شیخ محی الدین ابن عربی محض لاولد تھے۔ حتیٰ کہ ان کی عمر پچاس سال کی ہوگئی۔ ان کے والد حضرت غوث الاعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ حضرت غوثیہ نے حضورِ حق میں دعا فرمائی۔ ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اس شخص کی قسمت میں کوئی اولاد نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی دوسرا اپنی اولاد کا حصہ اسے عطا کر دے۔ حضرت غوث الاعظمؓ نے اپنی پشت علی بن محمد کی پشت کے ساتھ مس کی اور فرمایا ابھی میرے صلب میں ایک فرزند باقی تھا۔ وہ ہم نے تمہیں دیا۔ وہ تیرے گھر پیدا ہوگا۔ ہم نے اس کا نام محمد اور لقب محی الدین رکھا ہے۔ یہ بچہ اولیاء میں درجۂ عظیم اور رتبۂ عالی پائے گا۔ چنانچہ حضرت غوثیہ کی بشارت کے مطابق نو ماہ کے بعد علی بن محمد کے گھر لڑکا پیدا ہوا وہ اسے حضرت کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے نگاہِ لطف و کرم سے بچہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: یہ میرا بیٹا ہے اِنْ شاءاللہ قطبِ زمانہ ہوگا۔ اسرارِ توحید جو آج تک کسی موحد نے بیان نہیں کئے۔ یہ لڑکا ان اسرار و رموز کو واشگاف طور پر بیان کرے گا۔ صاحبِ نفحات الانس فرماتے ہیں: آپ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے لیکن ان کی مشہور ترین تصنیف فتوحاتِ مکیہ ہے۔

روایت ہے شیخ محی الدین ابن العربی کو ایک دفعہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ ہر ایک نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بغیر کلام کئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ خدام نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا: محی الدین ابن العربی حقایق و دقایق کے دریا ہیں اُن سے بات آنکھ سے ہوئی نہ کہ زبان سے۔ اُن سے بات دل سے ہوتی ہے نہ کہ بیان سے۔ ولادت ۱۷۔ رمضان ۵۶۰ھ کو اندلس کے ایک شہر مرسیہ میں ہوئی اور وفات جمعہ کی رات ۲۳۔ ربیع الآخر ۶۳۸ھ دمشق میں واقع ہوئی۔ مزار جبلِ قاسون میں ہے جو آج کل

صالحیہ کے نام سے مشہور ہے۔

ہمی دین پیرِ زندہ دل والا — ہادیٔ سالکانِ روئے زمین
ہست سال ولادتش نعمت — صاحبِ کشف مہدی است ہمین
عقل فرمود صاحب الارشاد — سالِ ترحیلِ او بصد تزئین

۵۷۔ حضرت شیخ محمد حیات ابن احمد الجوینی قدس سرہٗ

شیخ عبداللہ بطائحی کے مرید و خلیفہ ہیں جو حضرت غوث الاعظمؓ کے بزرگ ترین خلفاء سے تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ شجاعت و مروت اور خلق میں بے نظیر تھے۔ صاحب بہجۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ آپ نہایت خوش رو، خوش خو اور خوش گو تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مستجاب الدعوات کیا تھا۔ ۶۵۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ احمد چو از عنایتِ حق — کرد رحلت ازیں جہاں بہ وطن
رحلتش ماہتاب صاحبِ حق — کن رقم نیز "ماہِ نو روشن"

۵۸۔ حضرت امام عبداللہ یافعی قدس سرہٗ

کنیت ابوالسعادت، لقب عفیف الدین، باپ کا نام سعد یافعی ہے۔ یمن کے رہنے والے تھے۔ آپ کا قیام زیادہ عرصہ حرمین الشریفین میں رہا ہے۔ شافعی مذہب تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں اپنے زمانے کے علماء و فضلاء میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ آپ کو نسبتِ ارادت چند واسطوں سے حضرت غوث الاعظمؓ سے حاصل ہے۔ تاریخ یافعی، کتاب روضۃ الریاحین، نشر المجالس باحوال خوارق و کرامت حضرت غوث الثقلین آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ جب حضرت سید جلال الدین مخدومِ جہانیاں جہاں گشت سہروردی المتوفی ۷۰۰ھ مکہ معظمہ گئے تو امام صاحب سے بھی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ ان دونوں [illegible]

میں اس درجہ اتحاد و محبت کا تعلق بڑھا کہ اس کی نظیر دیکھی نہیں گئی۔ امام صاحب نے سلسلۂ چشتیہ سے اخذِ فیض کے لئے حضرت مخدومِ جہانیاں کو حضرت شیخ سید نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ المتوفی ۷۵۷ھ کی خدمت میں جانے کو کہا۔ چنانچہ حضرت مخدوم جب ہندوستان لوٹے تو دہلی میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقۂ چشت حاصل کیا۔ امام صاحب نے ۲۱۔ جمادی الآخر ۷۶۰ھ میں وفات پائی۔ مرقد مکہ معظمہ میں حضرت فضیل عیاضؒ کے مزار کے متصل ہے۔

آں امامِ یافعی نور الہ ! بود اندر مکہ یک قطب الولی
ہاتفم فرمود سالِ رحلتش! "کاشفِ نامی" امام یافعی"
ہم رقم کن زاہدِ اہلِ بہشت ہم "ولی بو سعادت یافعی"

۷۶۰ھ

۵۹۔ حضرت شاہ نعمت اللہ ولی قدس سرہٗ

مشائخ سلسلۂ قادریہ میں درجہ بلند رکھتے ہیں۔ صاحبِ کشف و کرامت تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں جب فیروز شاہ بہمنی نے احمد خانخاناں کے حق میں ارادۂ بد کا قصد کیا اور اس کی آنکھیں نکال دینی چاہیں۔ مگر وہ کسی طرح بادشاہ کے ارادے سے آگاہ ہوگیا۔ بادشاہ کے خلاف لشکر کشی کی۔ لیکن معاملہ اس کے حسب دلخواہ نہ ہوا۔ ایک روز عین جنگ کے موقع میں خواب میں دیکھا کہ کوئی نیک صورت اور نیک سیرت بزرگ آیا ہے اور اس نے بارہ گوشے والا ترکی تاج میرے سر پر رکھا ہے اور دکن کی بادشاہی کی مجھے بشارت دی ہے۔ فیروز شاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ بادشاہ ہوا۔ جب اس نے حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ کی بزرگی کی شہرت سنی تو شیخ حبیب اللہ جنیدیؒ کو تحائف کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجا اور طالبِ دعا ہوا اور التجا کی کہ اپنے فرزند کو ہدایت کے لیے روانہ فرمائیے۔ شیخ نے بادشاہ کے ہدایا قبول فرمالے اور ایک تاج سبز دوازدہ گوشہ ترکی شیخ قطب الدین خلیفہ اور شاہ نور اللہ بن خلیل اللہ اپنے پوتے کے ہاتھ بادشاہ کو بھیجا۔

جب یہ حضرات وہاں پہنچے اور وہ تاج احمد شاہ کے سر پر رکھا اس نے فوراً پہچان لیا کہ یہ وہی بزرگ اور وہی تاج ہے۔ شاہ نور اللہ کا بے حد ادب و احترام بجالایا اور اپنی بیٹی کی شادی ان سے کر دی۔ بقول صاحب تاریخ فرشتہ ۸۲۴ھ میں وفات پائی۔

ز دنیا نعمتِ حق یافت در خلد — چو آں سید شہ عالی نعمت
بسرور سالِ وصلش جلوہ گر شد — ز سلطان الولی والی نعمت

۶۰۔ حضرت شیخ بہاء الدین جنیدی قدس سرہٗ

شیخ احمد تقی کے مرید و خلیفہ تھے۔ صاحبِ کمالات و برکات اور جامع کشف و کرامات تھے۔ مضافاتِ سرہند میں جنید ایک قصبہ ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ سلسلۂ قادریہ شطاریہ کے صاحبِ اجازت بزرگ تھے۔ ذوق و شوق میں ہر وقت مستغرق رہتے تھے۔ اسی استغراق میں وفات پائی۔ سال وفات ۹۲۱ھ ہے۔

شیخِ روے زمیں بہاء الدین — ماہِ فردوس و بدر چرخِ کمال
رفت چوں از جہاں بجنتِ خلد — عارفِ شرع و ذاکر آمد سال
۹۲۱ھ — ۹۲۱ھ

۶۱۔ حضرت سید محمد غوث گیلانی جلبی اوچی قدس سرہٗ

مشاہیر و اکابر سادات حسنی سے ہیں۔ حضرت غوث الاعظم سے نسبت آبائی ہے۔ صاحبِ عظمت و کرامت، واقفِ منقول و معقول تھے۔ عبادت و ریاضت اور زہد و ورع میں یکتائے روزگار تھے۔ سید اصغر علی گیلانی صاحب تحفۃ الانوار رقم طراز ہیں کہ سید محمد کے بزرگوں میں سے اوّل سید ابو العباس احمد بن سید صفی الدین المعروف بہ سید صوفی بن سید سیف الدین عبد الوہاب بن حضرت محی الدین سید عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ اپنے چھوٹے بھائی سید ابو سلیمان کے ساتھ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خاں تاتاری کے حملۂ بغداد اور قتل و غارت کے وقت بغداد سے نکل کر روم میں

آ گئے۔ پھر جب کچھ امن و امان ہوا تو حلب میں آ کر اقامت گزیں ہو گئے۔ سید محمد غوثؒ یہیں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ عنفوانِ شباب میں پدر بزرگوار کی اجازت سے مختلف ممالک اسلامیہ کی سیر و سیاحت کو نکلے۔ حرمین الشریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ عراق، عرب، ایران، خراسان، ترکستان اور سندھ و ہند کی طویل سیاحت کی۔ یہاں کے اکابر علماء و فضلا اور مشائخ و صوفیا سے ملاقات کی۔ لاہور بھی تشریف لائے۔ چندے یہاں قیام کیا۔ پھر ناگور چلے گئے۔ یہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ غرض اسی طرح سیر و سیاحت کرتے ہوئے حلب پہنچے۔ اپنے والد گرامی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک روز دورانِ گفتگو میں عرض کی کہ فقیر کا دل یہ چاہتا ہے کہ اقلیمِ ہند میں کسی جگہ سکونت اختیار کر لوں۔ حضرت کا کیا ارشاد ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں چراغِ سحری ہوں کچھ توقف کرو۔ میری وفات کے بعد تمھیں اختیار ہے جہاں جی چاہے رہنا۔ پس آپ اپنے والد ماجد سید شمس الدین بن سید شاہ میر بغدادی گیلانی کی وفات کے بعد براستہ خراسان ملتان آئے اور اوچ کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ صاحب شجرۃ الانوار نے آپ کا ورودِ اوچ ۸۸۷ھ لکھا ہے۔ اس وقت شاہ حسین لنگاہی المتوفی ۹۰۸ھ حاکم ملتان و سندھ اور سلطان سکندر لودھی المتوفی ۹۲۳ھ بادشاہِ ہند تھا۔ دونوں آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ آپ کے وجود مسعود سے سلسلۂ قادریہ ہندوستان میں پھیلا۔ آپ شاعر بھی تھے۔ قادری تخلص کرتے تھے اور اکثر اشعار حضرت غوث الاعظمؒ کے مناقب میں کہا کرتے تھے۔ ایک دیوان بھی ترتیب دیا تھا۔ مولانا عبدالرحمان جامیؒ صاحب نفحات الانس نے آپ کے فضائل کی خبر پا کر اپنے تصنیف کردہ اشعار آپ کی خدمت میں بھیجے تھے۔

صاحب کتاب شجرۃ الانوار لکھتے ہیں: حضرت سید محمد کے عروج کے زمانے میں شاہ حسین لنگاہی حاکم ملتان نے حضرت غوث الاعظمؒ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت غوثیہ فرماتے ہیں کہ اپنی دختر کا نکاح میرے فرزند سید محمد سے کر دو۔ تمھاری سعادت اسی میں ہے۔ اس نے حسبِ ارشادِ حضرت ایسا ہی کیا۔ لیکن اس کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد سید ابوالفتح حسینی جن کی آبائی نسبت چار واسطوں سے سید صفی الدین بانیٔ اوچ جو حضرت سید ابو اسحاقؒ گازرونی[1] المعروف بہ میراں بادشاہ لاہوریؒ کے ہمشیر زاد تھے تک پہنچتی ہے ان کی دختر سے

[1] اپنے وقت کے شیخ المشائخ اور قطب الاولیا تھے۔ حضرت شیخ اوحد الدین اصفہانی المتوفی ۷۳۷ھ جو عہد کے شیخ کمال (باقی اگلے صفحہ پر)

شادی کی جن کے بطن سے چار لڑکے پیدا ہوئے جن میں بزرگ ترین سید عبدالقادر ثانی ۔ دوم عبداللہ ربانی، سوم مبارک حقانی، چہارم سید محمد نورانی تھے۔ موخرالذکر لاولد فوت ہوئے۔ سید ابوالفتح جوبانی اوچ کی اولاد سے تھے انھوں نے اوچ کی متعلقہ زمین اپنی چار لڑکیوں میں تقسیم کر دی تھی۔ نیز آبادی اوچ گیلانیاں اوچ بخاریاں سے الگ ہے۔ یہ وہ حصۂ زمین ہے جو بی بی فاطمہ زوجہ محترمہ حضرت سید محمد غوث کے حصے میں آئی تھی۔

قصبۂ اوچ کی آبادی کا حال حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب اخبار الاخیار اس طرح تحریر کرتے ہیں کہ جب سید ابواسحاق گازرونی لاہوری نے اپنے ہمشیرزادہ صفی الدین کو خرقۂ خلافت عطا کر کے رخصت فرمایا تو حکم دیا کہ اونٹ پر سوار ہو جایئے اور جس جگہ اونٹ بیٹھ جائے اسی جگہ سکونت اختیار کیجئے۔ چنانچہ سید صفی الدین نے اسی طرح عمل کیا اور جب اونٹ سابقہ مقام اوچہ کی آبادی کے متصل پہنچا تو بیٹھ گیا۔ پس شیخ صفی الدین نے وہیں اقامت اختیار کر لی اور ایک الگ آبادی کی بنا ڈالی شیخ ابوالفتح بھی اپنے زمانے کے بزرگ و متبرک شخص تھے اور دعوت اسمائے الٰہی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ حضرت سید محمد غوثؒ کی وفات بقول صاحب شجرۃ الانوار و تشریف الشرفا ۹۲۳ھ میں واقع ہوئی۔ مزار اوچ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

قطعۂ تاریخ وفات:

چوں شد از جہاں در بہشتِ بریں — جناب محمد امامِ زماں
شود سالِ ترحیلِ آں شاہِ دیں — ز مخدوم عالم محمد عیاں

۹۲۳ھ

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۰) عالم و فاضل اور شاعر بے بدل تھے ان کے مرید و خلیفہ تھے۔ اصل وطن گازرون تھا۔ وہاں سے نقلِ مکان کر کے لاہور آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ آپ نے طویل عمر پائی تھی۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے ایک خلقِ کثیر مستفیض ہوئی۔ ۹۰۶ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور دہلی دروازہ کے اندر ہے۔ شاہجہان کے عہد میں جب نواب وزیر خاں نے یہاں جامع مسجد تعمیر کی تو مزار کو مسجد کے صحن کے اندر ایک ترخانہ میں محفوظ کر دیا جو اب تک زیارت گاہِ خلق ہے۔

۶۲۔ حضرت شاہ فیروز قادری لاہوری قدس سرہٗ

نام فیروز شاہ تھا۔ آپ کے دادا شاہ عالم نے بغداد سے نقل مکان کر کے لاہور آ کر سکونت اختیار کر لی تھی۔ صاحب علم و فضل تھے۔ سیادت و نجابت اور عبادت و ریاضت میں مشہور زمانہ تھے۔ اپنے دادا کے مرید و خلیفہ تھے۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ تمام عمر طلبہ و مریدین کی درس و تدریس اور ہدایت و تلقین میں گزاری۔ طلبہ کو فقہ و حدیث اور قرآن و تفسیر کا درس دیا کرتے تھے۔ شام سے آدھی رات تک ارباب معنی کو توجہ اور تلقین فرمانے میں مشغول رہتے۔ جمعہ کے روز نماز کے بعد عصر تک وعظ و نصائح میں صرف کرتے۔ آپ کی ذات بابرکات سے ایک خلق کثیر علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ ور ہوئی۔ آپ کا سلسلۂ بیعت حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظمؒ تک منتہی ہوتا ہے۔ ۹۳۳ھ میں وفات پائی۔ مزار بکیہ ڈنڈی گراں لاہور میں ہے۔

ڈنڈی گر یا خراوی۔ صناعوں کی یہ جماعت آپ سے بڑی عقیدت رکھتی تھی۔ یہ علاقہ ڈنڈی گراں کے نام سے مشہور ہے۔ قدیم زمانے میں یہاں خراوی محلہ آباد تھا۔ ڈنڈی ترازو کی لکڑی کو بھی کہتے ہیں اور خراوی لکڑی کو چرخ پر چڑھا کر ہموار کرنے والے کو کہتے ہیں۔

قطعۂ تاریخ وفات:

چو از دنیا بہ فردوسِ بریں رفت — جنابِ شاہ حق آگاہ فیروز
چو از دل سالِ ترحیلش بجستم — عیاں شد میر سید شاہ فیروز

۹۳۳ھ

۶۳۔ حضرت مخدوم سید عبدالقادر ثانی بن سید محمد غوث حسنی جلبی اوچی قدس سرہٗ

اپنے وقت کے امام شریعت، مقتدائے طریقت اور عارف حقیقت تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی تھی۔ جامع علوم و فنون تھے۔ نیز علوم منقولات و معقولات میں بڑی دسترس حاصل تھی۔ ہندوستان کے مشائخ کبار سے تھے۔ بیکڑوں مشرکین اور فاسق و فاجر

آپ کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور تائب ہو کر راہِ ہدایت پر آئے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے ساتھ نسبت خاص تھی۔ حضرت غوثیہ ہی سے عبدالقادر ثانی کا خطاب بعالمِ باطن پایا تھا۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں: آپ عنفوان شباب میں بڑی پُرتکلف زندگی بسر کرتے تھے۔ سماع کی طرف بڑا التفات تھا۔ سفر میں بھی یہی کیفیت تھی۔ ساز و سامان کے کئی اونٹ ہمراہ ہوتے تھے۔ مگر سجادہ نشیں ہوتے ہی ان تمام تکلفات سے کلی اجتناب اختیار کر لیا۔ طالبانِ سماع کو زجر و توبیخ کرتے تھے۔ اگر کسی موقع پر بطریق شاذ سماع سننے کا اتفاق ہو جاتا تھا تو اس قدر گریہ و زاری کرتے کہ معلوم ہوتا تھا کہ اسی ذوق و شوق میں روح ابھی پرواز کر جائے گی۔

ایک روز بیابانِ اوچ میں شکار کر رہے تھے کہ ایک تیتر عجیب و غریب آواز سے نالہ و فریاد کر رہا تھا۔ اس وقت ایک درویش اس طرف سے گزرا۔ کہنے لگا سبحان اللہ ایک دن ایسا آئے گا کہ یہ نوجوان بھی محبتِ حق میں اس تیتر کی طرح نالہ و فریاد کرے گا۔ اس درویش کی یہ بات آپ کے دل میں تیر کی طرح اُتر گئی۔ اُسی وقت ترکِ ملائق کر کے دنیا و اہل دنیا سے فارغ ہو گئے اور یہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ ایک روز آپ کے پدر بزرگوار نے مخمل کے کچھ ٹکڑے آپ کے پاس بھیجے کہ انھیں خرقہ و پوستین کے ابرہ کے لیے استعمال کیجئے۔ فرمایا کہ مخمل کے ان ٹکڑوں سے شکاری کتوں کے لیے جُل بنائے جائیں۔ آپ کے والد ماجد نے جب یہ سنا تو اپنے پاس بُلا کر اظہارِ ناراضی فرمایا۔ اسی روز رات کو حضرت غوث الاعظمؒ کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ عبدالقادرؒ برا فرزند ہے۔ اس کی ظاہری و باطنی تربیت میرے ذمے ہے۔ آپ کو اس کے ساتھ کوئی کام نہیں۔ دوسرے فرزندوں کی تربیت کیجئے۔ روایت ہے جب والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے تو سلاطین و امرا کی صحبت کو کلی طور پر ترک کر دیا حالانکہ آپ کے دوسرے بھائی شاہی دربار سے وابستہ تھے۔ انھوں نے کبھی تعلقات منقطع نہیں کئے تھے۔ آپ کے اس استغنا پر سکندر لودھی سے کچھ تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ اس نے چاہا کہ ان کی بجائے سجادہ نشین ان کے کسی دوسرے بھائی کو کر دیا جائے۔ آپ کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی اور ابھی یہ تجویز عمل میں نہیں آئی تھی کہ آپ نے تمام فرامینِ جاگیر جو متعلق بہ خانقاہ تھے بادشاہ کو دہلی بھیج دیئے اور لکھ بھیجا کہ ہم کو نہ بادشاہی جاگیر کی ضرورت ہے اور نہ سجادہ نشینی کی۔ آپ جس کو چاہیں سجادہ نشین بنا دیں۔

بادشاہ نے بہ نظرِ مصالحت کئی مرتبہ آپ کو تشریف لانے کی دعوت دی مگر آپ نہیں گئے۔ ایک مرتبہ یہ شعر لکھ کر بھیجا ؎

بہ ہیچ باب ازیں باب روئے گشتن نیست
ہر آنچہ بر سرِ ما می رود مبارک باد
کسیکہ خلعتِ سلطانِ عشق پوشیدہ است
بہ حلہ ہائے بہشتی کجا شود دل شاد

اس کے بعد تمام اخراجات توکل اور خزانۂ غیبی سے چلتے رہے۔

روایت ہے: ایک دفعہ نمازِ صبح ادا کرنے کے لیے بیدار ہوئے، وضو کیا اور اہلِ خانہ کو آواز دی بیدار ہو جاؤ اور آکر سعادتِ کونین حاصل کرو لیکن اہلِ خانہ کے پہنچتے پہنچتے یہ دولت ختم ہو گئی۔ جب بعض افرادِ خانہ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ ابھی ابھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ بیداری اپنے جمالِ کمال سے مشرف فرمایا ہے۔ میں نے چاہا تمہیں بھی یہ دولتِ دیدار نصیب ہو مگر افسوس تم لوگوں نے آتے آتے دیر کر دی اور اس متاعِ بے بہا سے محروم رہ گئے۔

روایت ہے: ایک خوش آواز قوال حاضرِ خدمت ہوا کہ قوالی کرے۔ فرمایا، مجھے اس چیز کی حاجت نہیں ہے۔ میں تمہارا تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن چاہتا ہوں۔ اُٹھو، توبہ کرو۔ اپنا ساز توڑ ڈالو، سر منڈواؤ اور درویش بن جاؤ مگر قوال کو یہ نعمت حاصل کرنے کی توفیق نہ ہوئی، محروم رہا۔ ایک اور شخص جو اس وقت حاضرِ خدمت تھا، آپ کی اس نصیحت سے بہت متاثر ہوا۔ اسی وقت مجلس سے تائب ہو کر اٹھا، سر منڈوایا، مال و دولت کو راہِ خدا میں لٹا دیا اور حاضر ہو کر حضور کے روبرو بیٹھ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ گریہ زاری کرنی شروع کر دی۔ پوچھا کیا ہوا۔ عرض کیا: حضرت دیکھتا ہوں کہ گجرات میں میرا بھائی وفات پا گیا ہے اور اس کا جنازہ گورستان لے جا رہے ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ ہی کی ذات کے فیض سے یہ کشف اسے عطا فرمایا تھا۔

روایت ہے: ایک دفعہ ملتان میں وبائے ہیضہ پھوٹ پڑی۔ آپ جہاں وضو فرمایا کرتے تھے وہاں سبزہ اُگ آیا تھا۔ لوگ وہ سبزہ طاعون والے کو کھلاتے، اسے بحکمِ ایزدی شفا ہو جاتی۔ جب وہ سبزہ ختم ہو گیا تو لوگوں نے اس جگہ کی مٹی بیماروں کو دینی شروع کی۔ حق تعالیٰ نے اس مٹی میں بھی

وہ خاصیت پیدا کر دی کہ اس سے ہر مرض والے کو شفا ہو جاتی۔

روایت ہے، ایک مرتبہ ملتان اور اوچ میں لوگوں کو درد پہلو کا مرض لاحق ہو گیا۔ اطبا اس مرض کے علاج سے عاجز آ گئے۔ ایک رات آپ کے ایک مرید غیاث الدین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس نے اسے لکڑی کا ایک ٹکڑا عطا کر کے فرمایا ہے کہ لکڑی کے اس ٹکڑے کو میرے فرزند عبد القادر کو دے دو اور کہو کہ ہر مرض پر لکڑی کا یہ ٹکڑا رکھ کر دس بار سورۂ اخلاص پڑھ کر دم کر دیا کرو، اللہ تعالیٰ ہر مرض سے شفا دے گا۔

آپ کی ولادت ۸۶۲ھ میں اور وفات ۹۴۰ھ میں ہوئی۔ مزار اوچ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

عبد قادر ولی لاثانی — شیخ ذی جاہ سید معصوم
طرفہ مشکل کشائے عالم شد — سالِ تولیدِ آں ولی مرقوم
میر مخدوم گو بتر حیلش — ہم بخواں ماہ علم دین مخدوم
۹۴۰ھ — ۹۴۰ھ

۶۴۔ حضرت سید محمود حضوری قدس سرہٗ

سید محمود نام، حضوری لقب، باپ کا نام خواجہ شمس الدین المشہور شمس العارفین تھا۔ سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظم[1] رحمۃ اللہ علیہ تک منتہی ہوتا ہے۔ غور[2] کے رہنے والے تھے۔ سید محمود اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد نقل مکان کر کے پہلے اوچ اور وہاں سے لاہور

---

[1] اسم گرامی موسیٰ بن جعفر الصادق رضی اللہ عنہ ہے۔ کنیت ابو الحسن اور ابو ابراہیم، لقب کاظم، ائمہ اثنا عشریہ کے ساتویں امام ہیں۔ ولادت ۷ صفر ۱۲۸ھ بمقام ابوا میں ہوئی جو مکہ و مدینہ کے درمیان ہے۔ آپ کی والدہ حمیدہ بربریہ ام ولد تھیں۔ تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار کے زیر سایہ پائی تھی۔ ۵۴ برس کی عمر میں بحالت اسیری ۸۶-۱۸۳ھ میں وفات پائی۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے اپنے امیر یحییٰ بن خالد کے ذریعے رطب میں زہر دلوا دی تھی۔

[2] غور۔ بضم اول اور واو مجہول عجم کے ایک علاقے کا نام ہے۔

آکر محلہ حاجی سرائے[1] میں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے زمانے کے عارف کامل اور استاد گرامی تھے۔ ایک خلق کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے اخذ فیض کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتا وہ اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے خواب میں نعمت حاصل کرتا اسی لئے آپ حضوری کے لقب سے مشہور زمانہ ہوئے۔ دوسری روایت یہ کہ آپ کا مرید جلدی ہی اوج طریقت پر پہنچ کر درجۂ حضوری حاصل کر لیتا۔ آپ کا سلسلۂ ارادت حضرت غوث الاعظمؒ تک اس طرح منتہی ہوتا ہے۔ آپ مرید اپنے والد شمس الدین کے اور یہ مرید سید یعقوب کے اور یہ عبدالقادر کے اور یہ سید علی کے اور یہ سید مسعود کے اور یہ سید احمد کے اور یہ سید اصغر کے اور یہ مرید ابوالفرح کے اور یہ سید عبدالوہاب بن سید شیخ عبدالقادر کے قدس اللہ اسرارہم۔

۹۴۲ھ میں بعہد نصیر الدین ہمایوں وفات پائی۔

رفت از دنیا چو بر اوجِ جناں — سیدِ محمود پیرِ با کمال
صاحبِ مشتاق تاریخش بگو — نیّرِ شمس العارفین اہلِ جمال

مزار موضع گڑھی شاہو لاہور کے مغرب کی طرف سڑک میاں میر پر واقع ہے۔

۶۵۔ سید عبدالقادر گیلانی قدس سرہٗ

سید جمال الدین باپ کا نام تھا۔ اپنے پدر بزرگوار کے شاگرد و مرید تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل مرجع خلائق اور صاحب خوارق و کرامت تھے۔ اصل وطن بغداد تھا۔ وہاں سے نقل مکان کر کے لاہور[2] سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ سلسلۂ نسب حضرت شیخ سید عبدالقادر گیلانی غوث الاعظمؒ تک منتہی ہوتا ہے۔ ۹۴۲ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

---

[1] یا محلہ سید پورے قدیم محلوں سے تھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں خیر گڑھ کے نام سے مشہور ہوا۔ سکھوں کے عہد میں بھی مقام گڑھی شاہو بن گیا جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔

عبدِ قادر سیّدِ نورانی است — قطبِ دوراں سالکِ ربانی است
خیرِ اسلام آمدہ ترحیلِ او — بار دیگر عبدِ قادر ثانی است
۹۲۲ھ — ۹۴۲ھ

۶۶۔ سیّد عبدالرزاق گیلانی اوچی قدس سرہٗ

سیّد عبدالقادر ثانی اوچی کے فرزند ارشد ہیں۔ عالی ہمت اور صاحبِ فضل و کمال تھے۔ والدِ ماجد کی وفات کے وقت ناگور میں تھے۔ ایک روز مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ فرمایا: مجھے پروردگار نے بلایا ہے اور میں نے ان کی آواز بگوشِ ظاہری سنی ہے۔ اسی وقت اوچ کو روانہ ہوگئے۔ گو عین وفات کے وقت تو نہ پہنچ سکے۔ چند روز کے بعد پہنچے۔ اور والدِ ماجد کے حکم کے مطابق لباسِ خرقہ و اجازت خلافت و نعمتِ سجادہ نشینی سے مشرف ہوئے۔ بقول صاحب اخبار الاخیار ۹۴۲ھ میں وفات پائی۔ مزار اوچ میں ہے۔

سیّدِ رزاق شاہِ والا جاہ — رفت چوں در جناں ز دورِ زماں
میرِ حق آفتاب گو سالش — باز مخدوم قطبِ عالم خواں
۹۴۲ھ

۶۷۔ میر سیّد مبارک حقانی گیلانی اوچی قدس سرہٗ

مشائخ قادریہ میں بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ زہد و تقویٰ۔ عبادت و ریاضت، ترکِ علائق اور تجرید و تفرید میں وحید العصر تھے۔ جذب و استغراق طبع عالیہ پر بہت غالب تھا۔ حالتِ جذب و سکر میں دُور دراز غیر آباد مقامات میں چلے جاتے اور مراقبہ و مجاہدہ میں مشغول رہتے۔ جلالت و ہیبت کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص پاس نہ آجا سکتا تھا۔ شیخ معروف چشتی جو حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہٗ کی اولادِ امجاد سے تھے۔ صرف انھوں نے ہی حاضرِ خدمت رہ کر اخذِ فیض کیا ہے اور نعمتِ خلافت پائی ہے۔ آپ نے انھیں بشارت دی تھی کہ تمھاری ذات سے ایک نیا سلسلہ جاری ہوگا۔ چنانچہ شیخ معروف چشتی نوشاہیؒ سلسلہ کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔

۹۵۶ھ میں وفات پائی۔ پہلے لاہور مدفون ہوئے۔ پھر نعش کو اوچ لے جاکر والدِ ماجد کے روضہ کے اندر دفن کیے گئے۔

مبارک شد چو فردوسِ معلّٰی — بآں سیّد مبارک پیرِ یکتا
ز فیضِ اللہ بسرور رحلتش یافت — دگر فضلِ الٰہی گشت گویا
۹۵۶ھ — ۹۵۶ھ

۶۸۔ حضرت سیّد محمد غوث بالا پیر قدس سرہٗ

سیّد محمد غوث نام، بالا پیر لقب، سیّد زین العابدین بن سیّد عبدالقادر ثانی گیلانیؒ اوچی کے فرزند رشید تھے۔ آپ کے والدِ ماجد راوِ ناگور میں قزاقوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے تھے۔ اس لئے اپنے جدِ امجد کے زیرِ سایۂ تعلیم و تربیت پائی۔ انہی کے مرید و خلیفہ بھی تھے۔ مشائخ قادریہ میں صاحب ارشاد بزرگ ہوئے ہیں۔ علم و فضل اور عبادت و ریاضت میں بے نظیر تھے۔ جدِ امجد کی وفات کے بعد اپنے چچازاد بھائی سیّد حامد گنج بخش سے سجادہ نشینی و دستار بندی کے امور میں ناراض ہوکر اوچ سے نقلِ مکان کرکے پنجاب کے ایک معروف قصبہ شنگھرہ میں آکر سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ اسی مقام پر ۲۔ شوال ۹۵۹ھ میں بعہدِ اسلام شاہ بن شیر شاہ سوری وفات پائی۔ سادات گیلانی شنگھرہ آپ کی اولاد سے ہیں۔

شد چو در خلد بریں منزل گزیں — آں محمد غوث پیرِ دستگیر
واں وصالش میر مہدی مستقیم — نیز صادق شاہِ بالا پیرِ پیر
۹۵۹ھ

۶۹۔ حضرت سیّد بہاء الدین گیلانی المشہور بہاول شیر قلندر

بہاء الدین نام، بہاول شیر لقب، والد کا نام سیّد محمود بن سیّد علاء الدین تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم قدس سرہٗ تک منتہی ہوتا ہے۔ بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد اور چچا بھی نقلِ مکان کرکے ہندوستان آکر شہر بدایوں میں

سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار سے پائی تھی۔ ان کی وفات کے بعد پھوپھی نے جو اپنے وقت کی زاہدہ و عابدہ خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ علم و فضل، زہد و تقدس، عبادت و مجاہدہ اور خوارق و کرامت میں مشائخ قادریہ میں درجۂ بلند رکھتے تھے۔ جذب و سکر اور ذوق و شوق کا طبیعت پر بے حد غلبہ تھا۔ آپ نے بڑی طویل عمر پائی تھی۔ کہا جاتا ہے مشائخ قادریہ میں سے آج تک کسی نے اتنی بڑی عمر نہیں پائی۔ روایت ہے ایک سو برس کی عمر میں آپ کو ڈاڑھی نکلی تھی۔ تین مرتبہ بارہ بارہ سال کی خلوت میں بیٹھے تھے۔ ایک دفعہ حالتِ استغراق و جذب و سکر میں اتنا طویل عرصہ ایک غار میں بیٹھے کہ جس پتھر کے ساتھ پشت تکیہ گاہ تھی جب وہاں سے اٹھے تو پشت کا کچھ حصہ اس پتھر کے ساتھ لگا رہ گیا روایت ہے: ایک دفعہ آپ خلوت سے اٹھ کر اس مقام پہ آ بیٹھے جہاں اب قصبہ حجرہ آباد ہے۔ اُس وقت یہاں دریا بہتا تھا۔ دریا کے کنارے پر آپ نے حجرہ و صومعہ تعمیر کیا اور سکونت پذیر ہو گئے۔ زمینداران قوم دھول جن کی ملکیت میں وہ زمین تھی آپ کو وہاں سے اُٹھ جانے کے لئے کہا۔ حضرت نے وہاں سے کچھ دُور جا کر قیام کر لیا۔ وہاں بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ اس دفعہ آپ جلال میں آ گئے اور دریا کو حکم دیا کہ یہاں سے ہٹ جائے اور ہمارے رہنے کے لئے جگہ خالی کر دے۔ دریا فی الفور وہاں سے دُور تک ہٹ گیا اور ایک بلند ٹیلہ دریا سے نکل آیا جس پر آپ نے قیام فرما لیا۔ آپ کا یہ تصرف دیکھ کر وہاں کے تمام زمیندار حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔

روایت ہے ایک دفعہ آپ حضرت شیخ داؤد چوفی والؒ شیر گڑھی کی ملاقات کے لئے آئے۔ مگر شیخ داؤدؒ آپ کے رعب و ہیبت سے اتنے مرعوب ہوئے کہ گھر سے باہر نہ نکلے۔ آپ نے کچھ عرصہ انتظار کرنے کے بعد فرمایا "مرغی انڈوں پر بیٹھی ہوئی ہے۔ باہر نہیں آتی تو کوئی مضائقہ نہیں" یہ کہہ کر واپس چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آپ ہی کے ارشاد کا اثر تھا کہ شیخ داؤدؒ بڑے کثیر اولاد ہوئے۔ جس ہیئت میں آپ شیخ داؤدؒ سے ملنے آئے تھے وہ یہ تھی کہ شیر پر سوار تھے اور ہاتھ میں کوڑے کی بجائے سانپ تھا۔ ۱۸ شوال ۹۷۳ھ میں بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ وفات پائی۔ مزار حجرہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ بعض روایات کے مطابق دو صدیا اس سے کچھ کم و بیش سال کی عمر پائی۔

چو بہاء الدین ز دنیا رخت بست — رفت در فردوس چوں سرو سہی
شیرِ عرفانِ نبی گو رحلتش!! — نیز پر دل شیرِ سلطان الولی
۹۰۳ھ — ۹۰۳ھ

۷۰۔ حضرت مخدوم جی قادری قدس سرہٗ

صاحب اخبار الاخیار رقمطراز ہیں آپ سلسلۂ قادریہ کے بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ زہد و تقدس، عبادت و ریاضت میں بے مثال تھے۔ عالی ہمتی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ دنیا و اہلِ دنیا سے کوئی کام نہ تھا۔ متوکل اور مستغنی المزاج تھے۔ شہر بدر جو دیارِ دکن سے ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے ہیں کہ آخری عمر میں بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے اٹھنے اور بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی تھی۔ اس کے باوجود جوان ہمتی کا یہ عالم تھا کہ آدھی رات کو نوافل کے لیے اٹھتے، نمازِ تہجد ادا کرنے کے بعد فجر تک ایک نشست میں قرآن شریف ختم کرتے۔ ۹۷۸ھ میں وفات پائی۔

شد چو مخدوم از جہان بیوفا — گشت در فردوس والا جائے گیر
رحلتش مخدوم قطب العالم است — ہم بخواں "ہادی مخدوم الکبیر"
۹۷۸ھ — ۹۷۸ھ

۷۱۔ حضرت سیّد عبداللہ ربانی قدس سرہٗ

سیّد محمد غوث گیلانی جلبی اوچؒ کے فرزند رشید تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والدِ گرامی ہی کے سایۂ عاطفت میں پائی تھی۔ علمِ منقول و معقول اور اصول و فروع کے جامع تھے۔ اس جلالتِ علمی کے ساتھ زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں یکتائے روزگار تھے۔ دنیا و اہل دنیا سے بے نیاز تھے۔ اپنے عہد کے مشائخ میں ممتاز و ذوی الاحترام تھے۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے کمالات صوری و معنوی سے اخذِ فیض کیا۔ ۹۷۸ھ میں بہ عہدِ اکبر وفات پائی۔ مزار اوچ میں ہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

ز دنیا رفت در خلدِ معلّٰی!! چو شیخِ پاک عبداللہ معصوم
وصالِ پاکِ او از دل عیاں شد "امامِ دیں عبداللہ مخدوم"

۷۲۔ حضرت سیّد اسمٰعیل گیلانی قدس سرہٗ

سیّد عبداللہ ربانی گیلانیؒ اوچی کے فرزند ارجمند تھے۔ بڑے عابد و زاہد، مستغنی المزاج اور جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ جلال الدین اکبر بادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ آپ کو لاہور بلایا اور یہاں رہنے کی درخواست کی اور ایک ہزار بیگھہ زمین ضلع فیروز پور میں برائے وجہ کفاف عطا کی۔ مگر آپ کے کمالِ فقر و استغنا نے اسے قبول نہ کیا۔ البتہ لاہور میں محلہ کھی میں سکونت اختیار کر لی۔ ۹۷۸ھ میں بعہدِ اکبر وفات پائی۔ مرقد حضرت موج دریا بخاری کے مزار کے متصل ہے۔

رفت چوں از جہاں بخلدِ بریں پیرِ روشن ضمیر اسماعیل
گشت تاریخ رحلتش روشن "نیر نور مبید اسماعیل"

۷۳۔ حضرت سیّد حامد گنج بخش قدس سرہٗ

سیّد حامد نام، گنج بخش لقب۔ سیّد عبدالرزاق بن سیّد عبدالقادر ثانی گیلانی اوچیؒ کے فرزند رشید تھے۔ اپنے والد گرامی ہی کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی۔ جامع کمالاتِ صوری و معنوی تھے۔ شریعت و طریقت اور معرفت و حقیقت میں وحید العصر تھے۔ سلسلہ قادریہ میں اپنے زمانے کے ممتاز بزرگ تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے استفادہ کیا۔ شاہانِ وقت بھی آپ کی عقیدت مندی کو باعثِ فخر و مباہات جانتے تھے۔ تمام عمر ہدایت خلق میں گزاری۔ اپنی زندگی ہی میں خلافت و سجادہ نشینی اپنے فرزند جمال الدین ابوالحسن موسیٰ کو تفویض کر دی تھی۔ آپ کے خلفاء میں سے شیخ سیّد شیر علی شاہ ملتانیؒ اور شیخ داؤد کرمانیؒ زیادہ

مشہورِ زمانہ ہوئے ہیں۔ ۹۷۰ھ میں بعہدِ اکبر وفات پائی۔ مزار اوچ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

شیخ حامد گنج بخشِ دو جہاں — شد بملکِ خلد زیں فانی سرا
شیخِ محبوبی است سالِ وصلِ او — نیز "حامد شاہ سید مقتدا"
۹۷۸ھ — ۹۷۸ھ

۷۴۔ حضرت شیخ داؤد چونی وال شیرگڑھی قادری قدس سرہٗ

داؤد نام، سید فتح اللہ بن سید مبارک باپ کا نام تھا۔ سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظمؓ تک منتہی ہوتا ہے۔ آپ کے والد عرب سے آکر ہندوستان میں پہلے ہیبت پور (پٹی) میں پھر قصبۂ چونی وال (چونیاں) سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ آپ اسی مقام پر اپنے والد کی وفات کے چار ماہ بعد پیدا ہوئے۔ سنِ رشد کو پہنچے تو حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے شاگرد مولانا اسمٰعیل لاہوریؒ کی خدمت میں آکر علومِ ظاہری کی تکمیل کی پھر حضرت سید حامد گنج بخش گیلانی اوچیؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور سلسلۂ قادریہ کی تکمیل کے بعد خرقہ و خلافت سے ممتاز ہوئے اپنے زمانے کے صاحبِ حال و قال اور جامع شریعت و طریقت بزرگ گزرے ہیں۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں بھی بلند مقامات پر فائز تھے۔ تمام رات کبھی قیام، کبھی سجود، کبھی رکوع اور کبھی قعدہ میں گزر جاتی تھی۔ کثرتِ ریاضت و مجاہدہ سے آپ کو نسبتِ خاص حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم سے پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ حضرت غوثیہ کی روح سے آپ کو اویسی کا رتبۂ عالی حاصل تھا۔

صاحبِ اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ آپ مجلس میں اس طرح مضطرب و بے چین بیٹھتے کہ جیسے کسی نے کوئی چیز گم کردی ہو یا کسی کو اپنے محبوب کے آنے کا انتظار ہو۔ پھر ذوق و شوق کی حالت طاری ہو جاتی اور حقائق و معارف بیان کرنے شروع کرتے۔ اس مقام پر آپ کا کلام بڑا دقیق و بلند ہوتا۔ فرماتے، عراق کی جانب سے جو ہوا آرہی ہے اس میں خوشبوئے محبوب ہے اور میرا دل اس کی طرف کھنچا جارہا ہے۔ نیز اخبار الاخیار میں یہ بھی درج ہے کہ حضرت شیخ قطب[1] عالم فرماتے ہیں کہ جب شیخ داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو

[1] حضرت سید موسیٰ پاک شہیدؒ مراد ہیں جن سے صاحبِ اخبار الاخیار بیعت تھے اور خلافت پائی۔

آپ کے طریقِ وعظ و نصیحت سے میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ شاید شیخ داؤد طریقۂ مہدویہ[1] رکھتے ہیں۔ ابھی میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ شیخ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: مہدویہ طریقہ ضلالت و گمراہی کا ہے۔ بطریقِ متعارف اور بسندِ صحیح سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک ثابت نہیں ہے۔ اسی زمانے

---

[1] اس طریقہ کے بانی سید محمد مہدی جونپوری تھے۔ ۸۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام یوسف تھا۔ ایک مجذوب دانیال کے مرید تھے۔ حالت استغراق و جذب و سکر میں "انا مہدی" کا نعرہ لگایا۔ جب ہوش میں آئے تو توبہ کر لی۔ لیکن متقدمین اور جہلاء نے انہیں مہدیٔ موعود ہی بنا دیا اور ایک نیا فرقہ پیدا ہو گیا۔ بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے اگرچہ اپنے آپ کو مہدی کہا ہے مگر اس سے مہدیٔ موعود مراد نہیں تھا بلکہ ہادی و رہنما اور مصلح مراد تھا۔ انہوں نے اصلاحی تحریک بھی شروع کی کیونکہ اس وقت ہندوستان میں سخت بدامنی اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی حکومت احکام شرع کے اجرا و قیام کی ذمہ داری نہ لیتی تھی۔ علمائے حق کم اور علمائے دنیا اور جاہل صوفیاء زیادہ تھے۔ آپ نے احیائے شریعت کا غلغلہ بلند کیا۔ ان کے شدید مخالف بھی معترف ہیں کہ علوم رسمیہ کے ساتھ زہد و درویشی اور عبادت و تقویٰ میں بھی لاجواب تھے۔ اصلاحی سلسلے میں اربابِ اقتدار سے ٹکر بھی لی۔ جب مخالفت کا بہت زور ہوا تو گجرات چلے گئے لیکن علماء نے یہاں بھی مخالفت کی۔ یہاں سے حجاز کا رُخ کیا وہاں سے ایران پہنچے۔ سلطان اسماعیل صفوی کا زمانہ تھا اس نے بھی وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا۔ دوبارہ ہندوستان کا رُخ کیا۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ فراہ کے مقام پر ۹۱۱ھ میں وفات پا گئے۔ ان کے معتقدین شیخ عبداللہ نیازی اور شیخ علائی نے طریقہ مہدویت کو فروغ دینا چاہا اور مخدوم [illegible] نے دبانا چاہا۔ سلیم شاہ نے مخدوم الملک کے کہنے پر شیخ علائی کو دربار میں بلایا اور علماء کو جمع کیا جس میں سید رفیع الدین محدث اور میاں ابوالفتح تھانیسری بھی شریک ہوئے۔ مہدویت پر بڑا مباحثہ ہوا۔ بادشاہ نے معاملہ کو ٹالنا چاہا مگر شیخ علائی اس ادعا سے باز نہ آئے۔ اس پاداش میں کوڑوں سے پٹوائے گئے۔ بیمار تھے تیسرے کوڑے ہی میں رُوح پرواز کر گئی۔ لاش کو ہاتھی کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر فوج میں تشہیر کی گئی اور حکم دیا گیا کہ دفن نہ کی جائے۔ ان کے بعد شیخ عبداللہ نیازی کی باری آئی۔ دربار میں بلائے گئے۔ شیخ نہایت آزادی و بیباکی سے آئے۔ بادشاہ کو سلام کیا۔ سلیم شاہ نے مخدوم الملک سے پُوچھا علائی کا مرشد یہی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ انہیں بھی کوڑوں سے پٹوایا گیا۔ سخت جان تھے بچ گئے۔ ۹۰ برس کی عمر میں ۱۰۰۰ھ میں وفات پائی۔ اُس زمانے کے دیگر علماء و مشائخ نے بھی سید محمد جونپوری کے دعوائے مہدویت کے رد و قبول میں بہت کچھ لکھا۔ مگر یہ تحریک کسی نہ کسی صورت میں چلتی رہی۔ مولانا شیخ جمال الدین معروف بہ شیخ بہلول جو اصحاب سلوک و طریقت سے تھے اور شیخ داؤد چونی وال شیر گڑھی کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے اور علوم متداولہ میں سید رفیع الدین محدث شیرازی کے شاگرد تھے

(باقی اگلے صفحہ پر)

جب مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری اپنے زمانۂ اقتدار میں بعض مسائل کے اختلاف کی بنا پر بعض اکابر علماء و صلحاء کے درپے آزار تھے۔ آپ کی طرف بھی متوجہ ہوئے اور سلیم شاہ کا فرمان بھجوا کر طلب کرایا۔ چنانچہ آپ دو خادموں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ گوالیار سے باہر ملاقات ہوئی مخدوم الملک شیخ کو دیکھ کر اور ان کی باتیں سن کر بہت متاثر ہوئے اور عزت و احترام کے ساتھ واپس کیا۔ دورانِ گفتگو شیخ نے مخدوم الملک سے اپنی طلبی کا سبب پوچھا۔ مخدوم الملک نے جواب دیا: ہم نے سنا ہے کہ وقتِ ذکر آپ کے مرید یاداؤد یاداؤد کہتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا: یہ اشتباہِ سماع ہے وہ یاودود یاودود کہتے ہوں گے۔ مخدوم الملک یہ جواب سن کر خاموش رہا۔ ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔ مزار بمقام شیرگڑھ زیارت گاہ خلق اللہ ہے۔

حضرتِ داؤد شیخِ باکمال — شد چو از دنیا بجنت یافت جا
کن رقم فیاضِ کاملِ رحلتش! — باز فرما "اہلِ عرفاں مقتدا"
۹۸۲ھ

۷۵۔ حضرت شیخ بہلول دریائی قدس سرہٗ

سلسلۂ قادریہ کے مشائخ عظام اور اولیائے ذوی الاحترام سے ہیں۔ حضرت شاہ لطیف[1] بزی قادری سہروردی قدس سرہٗ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ صاحب علم و فضل و زہد و تقویٰ تھے

(بقیہ حاشیہ ۲۰۳) سید محمد مہدی جونپوری کے دعوائے مہدویت کے قائل نہ تھے مگر ان کی ولایت کے فرد معترف تھے۔ بعض علماء نے ان کے دعوائے مہدویت کے رد و قبول میں بین بین طریقہ اختیار کیا اور ان کے احوال و مقامات کو جذب و سکر قرار دے کر خاموش ہو گئے مگر معاملہ جوں کا توں رہا۔ شیخ مبارک ناگوری بھی آزاد خیال اور آزاد مشرب ہونے کے باعث طریقہ مہدویت کے مرید تھے۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ مہدویت موقوف علیہ ایمان و اسلام نہیں ہے تعین علامات مہدی میں سخت اختلاف واقع ہوا ہے۔ اموی و عباسی خانہ جنگی سے لے کر آج تک یہ عقیدہ سیاسی و جماعتی تغلب کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ (اپنے حصول مقاصد کے لیے کئی فرقوں نے تعین ذات مہدی کے لیے حدیثیں بھی وضع کیں۔

[1] بزرگان پنجاب میں بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ صاحب فضل و کمال اور خوارق و کرامات تھے۔ بڑے عابد و زاہد گوشہ نشین تھے۔ اکثر حالاتِ استغراق و جذب و سکر میں رہا کرتے تھے۔ نعت بالغی حضرت جمال اللہ حیات المیر

(باقی ۲۰۵ پر)

اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ اپنے مرشد کی وفات کے بعد عراق وعجم کی سیاحت کو نکلے۔ پہلے نجف اشرف پہنچے۔ دو سال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر اعتکاف کیا۔ وہاں سے کربلا آئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مزار پر تین ماہ حاضری دیتے رہے وہاں سے مکہ معظمہ آئے۔ مناسک حج ادا کیے۔ یہاں سے مدینہ منورہ آئے۔ روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر مشہد مقدس آئے۔ حضرت علی رضا امام ہشتم اثنا عشری کے مزار پر حاضری دی۔ یہاں سے بشارت پائی کہ ایک مرد حق فلاں پہاڑ کی غار میں بیٹھا ہوا ہے جو سلسلۂ قادریہ ہی سے منسلک ہے اُس کے پاس جاؤ اور اپنا حصہ لو اگرچہ وہ مرد مجذوب ہے مگر پیر روشن ضمیر ہے۔ چنانچہ یہ اشارۂ غیبی پاتے ہی آپ وہاں پہنچے دیکھا کہ غار میں ایک مرد دیرینہ سال مراقبہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ سوائے اس کے اور کوئی غار میں نہیں۔ اس کے چند خادم باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔ شیخ نے اس بزرگ کا حال اُن سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ شیخ ہر روز ایک مرتبہ مراقبہ سے سر اٹھاتا ہے اور حاضرین پر نظر ڈالتا ہے لیکن ایک روز اس کی نظر میں تاثیر جلالی ہوتی ہے اور دوسرے روز تاثیر جمالی۔ آج نظر جلالی کا دن ہے۔ اس نظر کی کوئی شخص تاب نہیں لا سکتا۔ چنانچہ آپ نے اس روز توقف کیا۔ دوسرے روز علی الصبح غار میں پہنچے اور مجذوب کی نظر فیض اثر سے فیوض و برکات حاصل کئے۔ ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔ روضۂ پاک چنیوٹ کے علاقہ میں ہے۔

رفت روحش باوج چرخ بریں　　کرد رحلت چو از زمین بہلول

ہست شیخ جلیل تاریخش　　ہم بخواں "خیر اہل دین بہلول"

۹۸۲ھ　　۹۸۲ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴) فرزند ارجمند سید عبدالرزاق خلف حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم سے پائی تھی۔ حضرت جمال اللہ کو حیات الیسر زندہ پیر کہنے کی یہ وجہ ہے کہ حضرت غوثیہ کو یہ پوتے بڑے محبوب تھے اور آپ نے ان کے لئے طول حیات کی دعا مانگی تھی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ چنانچہ وہ آج تک زندہ ہیں اور دیار سمرقند کی کسی جانب سکونت رکھتے ہیں۔ اکثر اولیائے کرام نے آپ سے اخذ فیض کیا ہے۔ حضرت شاہ لطیف بری نے ان کے علاوہ شیخ نصیر الدین قریشی ملتانی سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ اسی لئے بعض تذکرہ نویسوں نے انھیں اور شیخ بہلول دریائی کو مشائخ سہروردیہ میں شمار کیا ہے۔ ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔

۷۶۔ حضرت شیخ ابو اسحاق قادری لاہوری قدس سرہٗ

حضرت شیخ داؤد چونی وال ثبیہ لڑھی کے بزرگ ترین مرید اور خلیفۂ اعظم تھے۔ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ عرفان و اتقا میں درجۂ عالیہ رکھتے تھے۔ حضرت شاہ ابو المعالی جو شیخ داؤد کے حقیقی برادر زادہ اور مرید و خلیفہ تھے اُن سے بڑی الفت و محبت تھی۔ دونوں حضرات ایک ہی حجرہ پر عبادت و ریاضت اور ذکر و فکر میں بیٹھا کرتے تھے۔ جب شیخ داؤد نے شاہ ابو المعالیؒ کو لاہور جا کر قیام کرنے کا حکم دیا تو آپ بھی اپنے مرشد سے اجازت لے کر لاہور آ گئے اور محلہ مغل پورہ نئک میں سکونت اختیار کر لی۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ اپنی خانقاہ میں علومِ فقہ و حدیث و تفسیر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے بہرہ و افر حاصل کیا۔ آپ کے بزرگ قوم مغل غوری سے ہیں۔ ۹۰۵ھ میں بعہدِ اکبر وفات پائی اور اپنی قیام گاہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے تین صاحبزادوں محمد حسین، مک حسین اور یار حسین کے مزارات بھی آپ کے روضہ کے قریب ہی ایک گنبد کے اندر ہیں۔

شیخ بو اسحاق پیرِ رہنما! — شد چو از دنیائے دوں اندر جناں
رحلتش گفتم فقیہ معرفت — ہم "ابو اسحاق تاج عارفاں"

۷۷۔ حضرت سید میر میراں گیلانی اوچی قدس سرہٗ

حضرت سید مبارک حقانی گیلانی اوچی کے فرزند رشید تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد ہی کے سایۂ عاطفت میں پائی تھی۔ اُنہی کے مرید و خلیفہ بھی تھے۔ عابد و زاہد، متقی و صاحب الارشاد تھے۔ اوچ سے نقلِ مکان کر کے لاہور آ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبولِ عام عطا فرمایا تھا تمام عمر درس و تلقین میں گزاری۔ ۹۸۶ھ میں وفات پائی۔ مرقد کورستان میانی میں ہے۔

بجنت رفت زیں دنیائے فانی! — چوں آں مقبل مبارک میر میراں
دعائش مخزن الاسرار فرما — بخواں "مقبل مبارک میر میراں"

۹ ۶ ۸ ۶ ھ

۷۸۔ حضرت شیخ معروف چشتی قادری قدس سرہٗ

شیخ کبیر بابا فرید گنج شکر کی اولاد امجاد سے ہیں۔ سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد ماجد کے مرید و خلیفہ تھے نیز حضرت سید مبارک حقانی گیلانی اوچی سے بھی استفیض کیا تھا اور خرقۂ خلافت پایا تھا۔

روایت ہے، جب آپ حضرت سید مبارک حقانیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آئے تو وہ اس انتہائے استغراق اور جذب و سکر میں صحرائے لکھی میں مراقبہ و مجاہدہ میں مشغول تھے۔ اس حالت میں کسی کو اُن کے سامنے جانے کی تاب نہ ہوتی تھی۔ جب شیخ چشتی وہاں پہنچے تو خدام نے انہیں حضرت کے سامنے جانے سے روکا۔ مگر انہوں نے فرمایا: ہرچہ باداباد۔ جو کچھ بھی ہو میں ان کے سامنے ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ جرأت و ہمتِ مردانہ کر کے ان کے سامنے پہنچے۔ آپ اس وقت گو مراقبہ میں مستغرق تھے مگر نورِ باطن سے آگاہ ہو کر سر اٹھایا اور متبسم ہو کر شیخ معروفؒ کی طرف دیکھا۔ نظر پڑتے ہی غش کھا کر گر پڑے۔ تین دن تک بیہوش رہے۔ جب ہوش میں آئے تو حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر سلسلۂ قادریہ کے عطائے خرقہ سے سرفراز ہوئے اور کچھ عرصہ حاضر خدمت رہ کر کمالاتِ ظاہری و باطنی میں مقاماتِ بلند حاصل کئے۔ رخصت کے وقت حضرت حقانی نے فرمایا: تم سے ایک نیا سلسلہ جاری ہوگا۔ چنانچہ شیخ معروف طریقۂ نوشاہیہ کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ ۹۰۷ھ میں وفات پائی۔

ز دنیا گشت سوئے خلد راہی — چو شیخ دین والا شاہ معروف
وصال او بہ سرور گشت پیدا — ز "اقدس شاہ مالی جاہ معروف"
۹ ۰ ۷

۷۹۔ حضرت سیّد محمد نور قادری قدس سرہٗ

سید بہاول شیر گیلانی جروئی کے فرزندِ ارشد تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والدِ گرامی ہی سے پائی تھی۔ تمام بھائیوں میں علومِ ظاہری و باطنی میں درجۂ کمال رکھتے تھے۔ ان کے خسر

شاہ کمال بخاری بھی جن کا مزار قصبہ چونیاں میں ہے اور پیر جہانیاں کے خطاب سے مشہورِ زمانہ ہیں۔ اپنے عہد کے کامل و اکمل بزرگ گزرے ہیں۔ جب آپ کے پدر بزرگوار نے جلت فرمائی تو اتفاق سے آپ اس وقت حجرہ میں نہیں تھے۔ آپ کی غیر حاضری ہی میں انھیں دفن کر دیا گیا۔ جب آپ سفر سے واپس آئے تو دیدارِ پدر کے لئے نہایت مضطرب و بیقرار تھے۔ آپ نے چاہا کہ قبر کھول کر والدِ بزرگوار کا دیدار کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے دیگر معتقدین و لواحقین پر یہ قدغن لگا دی کہ کوئی قبر شریف کے پاس نہ آنے پائے۔ قبر پر خیمہ لگا کر اسے کھولا گیا۔ ایک معمار کسی طرح چھپ کر خیمہ کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تاکہ وہ حضور کی زیارت سے مشرف ہو سکے۔ خود حضرت سید محمد نورؒ نے لحد کھولی اور والدِ ماجد کے دیدار سے فیض یاب ہوئے۔ مگر وہ چھپا ہوا معمار تابِ دیدہ نہ رکھتا تھا، اسی وقت اندھا ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد سید محمد نورؒ نے آپ کی قبر پر گنبد بنانے کا ارادہ کیا۔ جہاں اور معمار تعمیرِ گنبد کے لئے آئے وہاں یہ اندھا معمار بھی حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اگر میں بینا ہو جاؤں تو حضرت کا مقبرہ خود بناؤں۔ فرمایا: اچھا یونہی سہی۔ دن بھر جب تو کام کرتا رہے گا، بینا رہے گا۔ جب کام سے فارغ ہو گا تو اندھا ہو جائے گا۔ چنانچہ جب تک مقبرہ بنتا رہا اسی طرح ہوتا رہا۔ ۹۰۰ھ میں وفات پائی۔

گشت در جنت چو روشن مثلِ ماہ — نورِ دیں نور محمد شاہ نور
سالِ وصلش شفقتِ حق گو نیز — سالکِ اکبر محمد شاہ نیز
۹۰۰ھ — ۹۰۸ھ

۸۰۔ حضرت شاہ قمیص الدین گیلانی سادھوری قدس سرہٗ

والد کا نام سید ابی الحیات بن سید تاج الدین محمودؒ تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت سید عبدالرزاقؒ خلف حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم قدس سرہٗ تک منتہی ہوتا ہے۔ آپ کے والد بغداد سے نقلِ مکان کر کے ہندوستان آئے۔ کچھ عرصہ بنگال میں رہے۔ پھر قصبہ سادھورہ خضر آباد جو انبالہ کے علاقہ میں ہے وہاں آکر سکونت اختیار کر لی۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اور صوفیِ باصفا تھے۔ آپ کی ذات سے سلسلۂ قادریہ کو ہندوستان میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔

آپ نے سادھورا میں شیخ نصراللہ کی دختر سے نکاح کیا جن کے بطن سے سید قمیس الدین پیدا ہوئے۔ شیخ نصراللہ بھی اپنے زمانے کے صلحا میں سے عالم و فاضل شخص تھے۔ سید قمیس الدین نے اپنے والد ماجد ہی کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی اور کمالاتِ صوری و معنوی میں یکتائے آفاق ہوئے۔ آپ کی ذات اپنے زمانے میں مغتنمات سے تھی۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے علمی و روحانی فیوض سے بہرہ ور ہوئی۔ آپ کے خلفا میں سے سید عبدالرزاق المشہور شیخ بھلوال بامع شریعت و طریقت و حقیقت گزرے ہیں۔ ۹۹۲ھ میں وفات پائی۔

چوں قمیس از جہانِ دنیا رفت — گشت چوں گنج در زمیں مستور
سالِ وصلش امام فضل آمد — نیز شیخ امام کرد ظہور
۹۹۲ھ

۸۱۔ حضرت شیخ سید اسماعیل گیلانی قدس سرہٗ

باپ کا نام سید اجلال بن سید نصر تھا۔ سید عبدالرزاق فرزندِ حضرت سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک سلسلۂ نسب منتہی ہوتا ہے۔ عالم و فاضل اور صاحب حال و قال بزرگ تھے۔ قلعۂ رنتھور میں سکونت رکھتے تھے۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں: سب سے پہلے سید اسماعیلؒ کے بزرگ ہندوستان میں تشریف لائے۔ ان سے پہلے حضرت غوثیہ کی اولاد میں سے کسی نے ہندوستان کی جانب رخ نہیں کیا تھا۔ اگر کیا بھی تھا تو قیام نہیں کیا تھا۔ آپ کی ذاتِ بابرکات سے ایک خلقِ کثیر نے علم و ہدایت سے حصۂ وافر حاصل کیا۔ چنانچہ شیخ محمد حسن، شیخ امان پانی پتی، شیخ عبدالرزاق ساکن جھنجانہ آپ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ یہ تینوں حضرات مجمع البحرین تھے اور سلسلۂ قادریہ و چشتیہ کے مشاہیر اولیا سے تھے۔ ان بزرگوں کا ذکر سلسلۂ چشتیہ میں آئے گا۔

۹۹۴ھ میں وفات پائی۔ مزار قلعہ رنتھور میں ہے۔

شد چو اسماعیل از دار البقا — مسکنِ خود یافت در دارالسلام
رحلتش آمد عیاں ممازِ وقت — نیز "اسماعیل مخدوم انام"
۹۹۴ھ ۹۹۴ھ

۸۲۔ حضرت سیّد الہ بخش گیلانی لاہوری قدس سرہٗ

بقول صاحب اخبار الاخیار سیّد محمد بن سیّد زین العابدین بن سیّد عبدالقادر ثانی اوچی کے فرزند تھے۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ لاہور آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ اپنے زمانے کے مقتدائے عالم تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے اخذِ فیض کیا۔ ۹۹۴ھ میں دیارِ بنگال میں وفات پائی۔

الہ بخش آں ولیٔ دینِ احمد زدنیا شد چو در خلدِ معلّٰی
بجستم از خرد سالِ وصالش زفیاضِ زمانہ گشت پیدا
۹۹۴ھ

۸۳۔ حضرت شیخ خضر سیوستانی قدس سرہٗ

سلسلۂ قادریہ کے مشائخ سے ہیں۔ سیوستان وطن تھا۔ اپنے زمانے کے صاحبِ کمال و یکتائے روزگار بزرگ گزرے ہیں۔ عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور فقر و استغنا میں بے مثال تھے۔ تجرید و تفرید کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر آبادی سے دُور ایک ویرانہ میں یادِ الٰہی میں بسر کر دی۔ قوت لایموت جنگل کے درختوں اور پتوں سے حاصل کرتے۔ یا کبھی تنور میں اپنے لئے ایک آدھ روٹی پکا لیتے تھے۔ لباس صرف ایک تہ بند اور چادر تھا جس سے سر اور جسم ڈھانپ لیتے تھے۔ جو تنور بنا رکھا تھا اُسے بوقتِ ضرورت جنگل کے ایندھن سے گرم کر لیتے تھے۔ شہر و آبادی کی طرف بالکل رغبت نہ تھی۔ جنگل کے طیور و وحوش آپ کے ہم نفس و ہمداستان تھے۔ تنور کے سامنے ایک پتھر رکھا ہوا تھا اس پر بیٹھ کر عبادتِ الٰہی کیا کرتے تھے۔ اس پتھر پر گرمیٔ آفتاب کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ موسمِ سرما میں بھی یہی تنور گرم کر لیتے تھے اور اس میں بیٹھ کر یادِ الٰہی کیا کرتے تھے۔

ایک روز حاکمِ سیوستان آپ کی زیارت کے لئے آیا۔ دیکھا کہ شیخ گرم دھوپ میں پتھر پر بیٹھے ہوئے یادِ حق میں مصروف ہیں۔ نزدیک جا کر اپنا سایہ شیخ پر ڈالا۔ شیخ نے مراقبہ سے

سر اُٹھایا اور پوچھا: کون ہے اور اس ویرانے میں کس لئے آیا ہے۔ کہا حاکمِ سیوستان ہوں اور آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ مجھے خدمت کا موقع دیجئے تاکہ اس سے سعادتِ دارین حاصل کروں۔ فرمایا: کوئی خدمت نہیں ہے۔ اُس نے پھر عجز و انکسار سے درخواست کی۔ فرمایا: بہتر، پہلی خدمت یہ ہے کہ اپنے سایہ کو میرے سر سے دور کرو اور جہاں سے آئے ہو، وہیں چلے جاؤ۔ جس شخص کے سر پر سایۂ الٰہی ہو اُس کو دوسرے کے سایہ کی حاجت نہیں ہے۔" وہ دُور جاکر کھڑا ہو گیا اور کہا، حضرت جس وقت یادِ حق میں مشغول ہوں میرے لئے دُعا فرمائیے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ وہ دن میرے نصیب نہ کرے کہ یادِ حق کے وقت غیرِ حق کا خیال میرے دل میں گزرے۔ ۹۹۴ھ میں وفات پائی۔ مزار سیوستان میں ہے۔

شیخِ خضر آں رہنمائے راہِ حق　　مقتدائے دیں ولیٔ متقی
ہادیٔ دیں شیخ شد از دل عیاں　　سن وصالِ انتقالش لے اخی
۹۹۴ھ

۸۴۔ حضرت سید شاہ نور حضوری قدس سرہٗ

سید محمود حضوری موسوی غوری کے فرزند ارجمند تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار ہی کے زیرِ سایہ پائی تھی۔ اُنہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ تکمیلِ سلوک کے بعد عطائے خرقہ سے سرفراز ہوئے اور اجازتِ ارشاد ملی۔ اپنے زمانے کے عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ والدِ ماجد کے فیضانِ نظر سے یہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ جو آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتا وہ بہت جلد اوجِ طریقت پر پہنچ کر مرتبۂ حضوری حاصل کر لیتا۔ ۹۹۷ھ میں وفات پائی۔

گشت روشن چوں بخلد جاوداں　　سید و سردار سرور شاہ نور
سالِ وصلش از خرد شد جلوہ گر　　"ہادیٔ احسن منور شاہ نور"
۹۹۷ھ

مزار سید محمود حضوری کے گنبد کے اندر ہے۔

۸۵۔ حضرت سید موسیٰ پاک شہید قدس سرہٗ

سید حامد بخش گیلانی اوچؒ کے فرزند رشید ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی کے زیر سایہ پائی تھی۔ پدر بزرگوار سے سلوک و معرفت میں مقامات بلند اور مدارج ارجمند حاصل کر کے جمال الدین ابوالحسن کا خطاب پایا تھا۔ عبادت و ریاضت اور ارشاد و ہدایت میں یگانۂ روزگار تھے۔ حضرت غوث الاعظمؒ کے اویسی تھے۔ نیز حالت بیداری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء سے بھی مشرف ہوئے تھے اور بطریق کشف قبور حضرت شیخ سید عبدالقادر ثانی گیلانی اوچیؒ سے اخذ فیض کیا اور بیعت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ صاحب اخبار الاخیار آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ کتاب کے آخر میں اپنی بیعت کے حالات مفصل و مشروح درج کئے ہیں۔ آپ کی تمام عمر رشد و ہدایت اور تعلیم و تلقین میں گزری۔ ۱۰۰۱ھ میں قوم لنگاہ کی ایک خانہ جنگی میں اتفاقاً گولی لگنے سے شہید ہوئے۔ مزار ملتان میں زیارت گاہ خلق ہے۔

چو موسیٰ از جہاں رخت سفر بست — عیاں شد رحلت آں شاہ حق بیں
ز "قطب الاصفیا موسیٰ ثانی" — دگر "موسیٰ ثانی نیر دیں"

۸۶۔ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قدس سرہٗ

عبدالوہاب نام، متقی لقب، والد کا نام شیخ ولی اللہ تھا۔ اصل وطن مالوہ تھا۔ ان کے والد ہندوستان کے اکابر صوفیا و صلحا سے تھے۔ حوادث زمانہ نے ترک وطن پر مجبور کیا۔ برہان پور آ گئے، یہیں فوت ہوئے۔ شیخ عبدالوہاب کو چھوٹی عمر ہی میں سلوک و معرفت اور سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ بیس سال کی عمر میں وطن سے نکلے۔ گجرات، دکن، سراندیپ سے ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے۔ یہاں حضرت شیخ علی متقی[1] چشتی قادری شاذلی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ خدمت مرشد میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی سے بہرۂ وافر حاصل کیا۔ اپنے خلوص و عقیدت کے باعث

[1] شیخ علی نام، متقی لقب تھا، والد کا نام حسام الدین تھا۔ اصل وطن جونپور تھا مگر ولادت (باقی اگلے صفحہ پر)

مرشد سے بے اندازہ فیوض و برکات اکتساب کئے۔ اپنے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ کی وجہ سے عین ذاتِ مرشد ہو گئے تھے۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں: شیخ عبدالوہاب ۱۱ سال مرشد کی زندگی میں اور ۱۰ سال مرشد کی وفات کے بعد مکہ معظمہ میں رہے۔ اس چالیس سال کے دوران میں ایک سال بھی حج فوت نہیں ہوا۔ وہاں تمام عمر درس و تدریس، ارشاد و ہدایت اور ریاضت و مجاہدہ میں گزاری۔ مرشد کی وفات کے بعد اپنے خویش و اقارب سے ملنے کے لئے گجرات آئے مگر اسی سال واپس چلے گئے کہ حج سے محروم نہ رہ جائیں۔ پچاس سال کی عمر میں نکاح کیا۔ اس سے پہلے جو فتوح خانقاہ میں آتی تھی وہ سب کی سب تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اب اس سال سے اپنے اہل و عیال کا حصہ بھی نکالنے لگے۔ صاحب اخبار الاخیار رقمطراز ہیں: شیخ عبدالوہاب فرماتے ہیں کہ ایک بار میں بچپن میں والد کے ہمراہ سفر میں تھا۔ اثنائے سفر میں ہم راستہ بھول کر ایک صحرائے لق و دق میں پہنچ گئے۔ آبادی تو کجا ہی آب و گیاہ کا نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ ہمارے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ میں بھوک اور پیاس کی شدت سے رونے لگا۔ والد دلداری کرتے تھے کہ صبر کرو ابھی طعام آتا ہے۔ اسی حالت میں رات ہو گئی۔ ہم وحشی جانوروں سے بچنے کے لیے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ اسی کش مکش میں رات کاٹی۔ علی الصبح ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اسی درخت کے نیچے ایک میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہے اور قریب ہی ایک نورانی صورت مرد پیر بیٹھا ہوا ہے۔ ہم درخت سے نیچے اترے اس نے ہمیں اپنی بغل سے گرم گرم روٹیاں نکال کر دیں۔ ہم نے کھائیں۔ اس چشمے سے پانی پیا۔ اس مرد پیر نے کہا: یہاں قریب ہی ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۲) برہان پور میں ہوئی تھی پہلے سلسلۂ چشتیہ میں شاہ باجن سے فیض حاصل کیا۔ پھر شیخ حسام الدین متقی ملتانی چشتی سہروردی سے علوم ظاہری و باطنی سے استفادہ کیا حرمین الشریفین آئے۔ یہاں شیخ ابوالحسن بکری سے اجازت تلقین طریقہ شاذلیہ جو حضرت شیخ ابومدین مغربی المتوفی ۵۹۰ھ تک منتہی ہوتا ہے حاصل کی اور حضرت شیخ محمد بن محمد سخاوی سے سلسلۂ قادریہ کا خرقہ حاصل کیا۔ مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کر کے تادم زیست درس و تدریس اور ہدایت خلق میں مشغول رہے۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے جمع الجوامع، جامع صغیر، مجموعہ حکم کبیر، تبیین الطریق زیادہ مشہور ہیں۔ ۹۷۵ھ میں وفات پائی۔ "علی سرخہ" آپ کی تاریخ وفات ہے۔ مزار مکہ معظمہ میں ہے۔

کاؤں سے وہاں چلے جاؤ۔ ہم اس کاؤں میں چلے گئے۔ کچھ عرصہ آرام کیا۔ مجھے وہ چشمہ دیکھنے کا پھر شوق ہوا۔ اس جگہ پر آیا، دیکھا کہ وہاں نہ چشمہ ہے نہ وہ مرد پیر۔ حیران رہ گیا۔ شاید وہ بزرگ حضرت خضر ہوں گے۔ ہم پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

شیخ اپنے سفر کا ایک اور حال لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم دیارِ مالابار میں پہنچے۔ قاضی شہر شافعی مذہب عبدالعزیز نامی تھا۔ درویشوں کی بڑی خدمت کرتا تھا۔ ہمیں بھی درویش سمجھ کر بڑی محبت و عقیدت کے ساتھ پیش آیا۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا اس شہر میں کوئی مردِ درویش ہے۔ کہا: ہاں کیوں نہیں صاحب خوارق و کرامت درویش ہے۔ عوام بھی اس کے بڑے معتقد ہیں۔ مگر بظاہر ارتکابِ فواحی کرتا ہے۔ خود شراب پیتا ہے دوسروں کو پلاتا ہے۔ اسی وجہ سے میں بھی اس سے خوش نہیں ہوں۔ دوسرے روز میں قاضی کی نشان دہی کے مطابق اس شخص کو دیکھنے کے لئے گیا۔ دیکھا کہ ایک اونچی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے۔ اردگرد لوگوں کا ہجوم ہے۔ میں جب اس کے نزدیک پہنچا تو مجھے مرحبا کہا اور بڑا خوش ہوا۔ دو پیالے شراب کے آئے ایک اس نے خود پینا شروع کیا اور دوسرا مجھے پینے کے لئے کہا۔ میں نے انکار کیا۔ کہا یہ تو حرام مطلق ہے اسے نہیں پینا چاہئے۔ وہ اصرار کرتا رہا میں انکار پر قائم رہا۔ تنگ آ کر کہنے لگا: اچھا نہیں پیتے تو نہ پیو۔ دیکھو اب تمہارے ساتھ کیا پیش آتا ہے۔ میں یہ سن کر بڑا مغموم ہوا اور اس کی مجلس سے اٹھ کر آ گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھتا ہوں کہ بڑا پُر لطف و پُر نظارہ اور عجیب و غریب باغ ہے۔ اگر اسے بہشت کا نمونہ کہا جائے تو بجا ہے۔ چاہا کہ اندر جاؤں۔ دیکھا کہ دروازے پر وہی مردِ شراب خوار کھڑا ہے۔ ہاتھ میں شراب کا پیالہ ہے۔ کہتا ہے پہلے یہ شراب پیو پھر باغ کے اندر جانے کی اجازت ہوگی۔ میں اس اثنا میں بیدار ہو گیا لاحول پڑھا، پھر سو گیا، پھر وہی کیفیت دیکھی، اٹھا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں التجا کی اور آپ کی مدد مانگی۔ پھر سو گیا۔ دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر تشریف رکھتے ہیں۔ دستِ مبارک میں عصا ہے اور میں حضور کے رُوبرو حاضر ہوں۔ اُسی وقت وہ مردِ شراب خوار حاضر کیا گیا۔ آپ نے اس کی طرف عصا پھینکا اور فرمایا "ہٹ جا نامبارک کتے" اسی وقت اس کی صورت مسخ ہو کر کتے کی ہو گئی۔ وہ وہاں سے بھاگا۔ پھر مجھ فقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا: اس وقت میں نے اسے یہاں سے

نکال دیا ہے۔ اب یہ شہر میں نہیں رہے گا۔ میں بیدار ہو کر اس کی قیام گاہ پر گیا۔ دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں ہے اور وہ راتوں رات بھاگ گیا ہے۔ ۱۰۰۱ھ میں وفات پائی۔ مزار مکہ معظمہ میں ہے۔

ز دنیا شد چو در خلدِ معلیٰ! جنابِ شیخِ اکمل عبد وہاب
رضا جو شیخ کامل گو بسالش دگر برخواں ز افضل عبد وہاب
۱۰۰۱ھ ۱۰۰۱ھ

۸۷۔ حضرت سید صوفی گیلانی قدس سرہٗ

باپ کا نام سید بدرالدین بن سید اسماعیل ہے۔ کمالاتِ ظاہری و باطنی سے آراستہ اور صاحبِ شریعت و طریقت بزرگ تھے۔ تمام عمر لاہور میں ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۰۰۲ھ میں وفات پائی۔

شہ خلد صوفی نعافی نسیر شریفے ز اولادِ پاکِ علی
شود سالِ ترحیلِ او جلوہ گر ز مخدوم صوفی سید ولی
۱۰۰۲ھ

۸۸۔ حضرت سید کامل شاہ قادری لاہوری قدس سرہٗ

بعہدِ اکبر بخارا سے لاہور آئے اور موضع بابو ساہو میں سکونت اختیار کی۔ علومِ ظاہری و باطنی میں ممتاز تھے۔ عبادت و مجاہدہ، زہد و ورع اور شجاعت و توکل میں راسخ القدم تھے۔ طریقۂ قادریہ و مداریہ میں شیخ الہ داد مداری کے مرید و خلیفہ تھے۔ لوگوں میں دیوانِ کامل مشہور تھے۔ ۱۰۰۸ھ میں وفات پائی۔ مزار متصل موضع بابو ساہو ہے۔ آپ کے مرید عبدالرحیم نامی نے آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کرنا چاہا۔ مگر آپ نے خواب میں آکر منع فرمایا کہ مجھے پسند ہے کہ میرا مزار کچا رہے۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

جناب شیخ عاقل صدر دیواں — بعلمِ عشق کامل قطبِ عالم
نداشد بہ سالِ انتقالش — کہ شاہنشاہِ کامل قطبِ عالم

۱۰۰۵ھ

۸۹۔ شیخ حسین لاہوری قدس سرہٗ

حضرت شیخ بہلول دریائی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا دادا الکھیس رائے ہندو تھا اور فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمان ہوا تھا۔ حسین کا باپ عثمان نامی دین دار آدمی تھا۔ بافندگی پیشہ تھا۔ شیخ حسین ۹۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ سات برس کے ہوئے تو لاہور کے ایک فاضل حافظ ابوبکر کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا۔ چھ سات پارے حفظ بھی کر لئے تھے اور کچھ دینیات میں بھی استعداد بہم پہنچا لی تھی کہ اسی اثنا میں شیخ بہلول وارد لاہور ہوئے۔ ایک روز شیخ ابوبکر کی مسجد میں تشریف لائے اور شیخ حسین کو دریا سے ایک کوزہ پانی کا لانے کے لئے کہا۔ اس وقت دریائے راوی کھسالی دروازے کے باہر بہتا تھا۔ شیخ حسین دریا پر گئے اور کوزہ میں پانی بھر لائے۔ شیخ بہلول نے وضو کیا، نماز پڑھی اور شیخ حسین کے حق میں دعا کی کہ اے الٰہی اس لڑکے کو عارف اور اپنا عاشق بنا۔ شیخ حسین بھی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ انہی ایام میں ماہِ رمضان شروع ہو گیا۔ شیخ بہلول نے حسین کو نمازِ تراویح میں امام بنایا۔ حسین نے مرشد کی توجہ سے تمام قرآن سنا دیا۔ صاحب حقیقۃ الفقرا نے اسے یوں نظم کیا ہے:

در زمانے کہ شیخ سوئے حسین — آمد از بہرِ جستجوئے حسین
وقتِ خوش بود ساعتے مسعود!! — سالِ پنجاہ و پنج و نہ صد بود
سالِ تاریخ اوست بے تاخیر — حق شدہ ہادیٔ حسین فقیر

شیخ بہلول نے چند سال ہی میں حسین کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا اور اپنے وطن قصبہ چندیوٹ (چنیوٹ) میں چلے گئے۔ اس کے بعد شیخ حسین نے چھینبیں سال آبادی سے دور ویرانے میں شب و روز ریاضت و مجاہدہ میں گزارے مگر رات کو حضرت شیخ علی ہجویری داتا گنج بخش کے

مزار پر آکر اعتکاف میں بیٹھتے۔ اس دوران میں آپ کو حضرت مخدومؒ کی زیارت بھی ہوتی اور تمام مزار پُر نُور ہو جاتا۔ اس طرح حسین حضرت کی توجہ سے کامل و اکمل ہو گئے اور نورِ باطن سے تمام اسرار و رموز آپ پر منکشف ہو گئے۔ صاحب حقیقۃ الفقر لکھتے ہیں:

کربناگہ ز مرقدِ پُر نُور — کرد در دیدۂ حسین ظہور
پیکرِ خوش بنورِ نورانی — مظہرِ نورِ پاکِ رحمانی
گشت از دیدنش چو مست حسین — بے خود از جائے خویش جست حسین
از ارادت فتاد در پایش!! — ہر خدمت نہاد در پایش

شیخ حسین چھتیس برس کی عمر میں شیخ سعد اللہ لاہوری سے تفسیر مدارک پڑھ رہے تھے۔ جب آیہ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا لَہْوٌ وَّلَعِبٌ پر پہنچے تو استاد سے اس کے معنے دریافت کیے۔ انہوں نے اس کے جو معنی تھے، بیان کیے۔ شیخ نے کہا: مجھے حال مطلوب ہے قال نہیں۔ یہ کہا اور کتابوں کو اُٹھا کر کنویں میں پھینک دیا۔ دوسرے طلبہ نے اس پر اعتراض کیا۔ اُن کے مطالبہ پر کتابیں نکال کر اُن کے حوالے کر دیں جو ہنوز خشک تھیں اور رقص و سرود کرتے ہوئے مسجد سے باہر آ گئے اور طریقۂ[1] ملامتیہ اختیار کر لیا۔ داراشکوہ نے بھی انہیں ملامتیوں کے گروہ کا

---

[1] اکابر مشائخ طریقت اس طریقہ کے متعلق جو رائے رکھتے ہیں حضرت مخدوم سید علی ہجویریؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں اس کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

اول ایک شخص سیدھی راہ چلتا ہے۔ نیک نیتی سے اپنا کام کرتا ہے۔ احکام خداوندی بجا لاتا ہے۔ دینی معاملات میں دین پروری کی رعایت کرتا ہے۔ اس پر لوگ اس کی ملامت کرتے ہیں مگر وہ اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ ایسے ہی موقعوں کی صفت قرآن کریم میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ "یہ خاصانِ خدا ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ کا علم بڑا وسیع ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص لوگوں میں ہر دلعزیز اور صاحبِ عزت ہو۔ اُس کی طبیعت اس کی طرف لگ جائے مگر وہ اپنا دل اُس طرف سے موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور تکلف سے ایسا طریق اختیار کرے جس سے لوگ متنفر ہو کر اس سے الگ ہو جائیں اور اسے بُرا بھلا کہنے لگیں لیکن شریعت کو اس سے کچھ نقصان نہ ہو۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

سردار لکھا ہے۔ یہ طریقہ اختیار کرنے کے بعد کوچہ و بازار میں اسی طرح پھرتے۔ چار ابرو کا صفایا، ہاتھ میں شراب کا پیالہ، سرود اور نغمہ و چنگ و رباب تمام قیودِ شرعی سے آزاد جس طرف چاہتے، نکل جاتے۔ صاحبِ حقیقۃ الفقراء لکھتے ہیں، ایک روز اپنے دوستوں کی خواہش پر حسین

(بقیہ صفحہ ۲۱۷)

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی کو کفر اور گمراہی دامن گیر ہو جائے۔ اس سبب سے وہ شریعت کی متابعت ترک کر دے کہ یہ ملامتی طریقہ ہے جو میں نے اختیار کیا ہے۔ بہر حال میں اپنی رائے پر عمل کرے اور لوگ اسے کچھ نہ کہیں۔ کسی نام سے اُسے پکاریں، وہ پروا نہ کرے۔ اس قسم کی ملامت ریاکاری ہے اور تارکِ فرض دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

شیخ حسین ملامتیہ طریقہ اختیار کرنے کے بعد علانیہ شراب پیتے، گاتا سنتے۔ طوائفیں ان کی مجلس میں آتیں اور رقص و سرود سے اِن کی محفل کو گرماتیں۔ شیخ حسین خود بھی اپنے محبوب و منظورِ نظر مادھو کے ساتھ رقص کرتے تھے اور داڑھی مونچھ منڈاتے تھے۔ ان کے حلقہ نشین بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ نماز روزہ کے ساتھ انہیں سروکار نہ تھا۔ جب تک کوئی شخص داڑھی مونچھ کا صفایا نہ کرا دیتا اس وقت تک مرید نہ سمجھا جاتا۔ وہ اپنے مرید کو اپنے ہاتھ سے شراب کا پیالہ دیتے۔ اگر وہ پی لیتا تو مریدوں میں سمجھا جاتا نہیں تو مجلس سے باہر نکال دیا جاتا۔

ان ظاہری بدعتوں اور خلافِ شریعت باتوں کے باوجود صاحب کرامت ولی سمجھے جاتے تھے۔ حالانکہ "استقامت فوق الکرامت" کے مسلمہ اصول کے مطابق استقامتِ دین ہی ولی کی سب سے بڑی کرامت ہے۔ ان خلافِ شریعت امور کے باوجود صاحبِ کرامت سمجھے جاتے تھے۔ حالانکہ کرامات جزوِ ولایت نہیں ہیں۔ دارا شکوہ نے حسنات العارفین میں ان کی بڑی تعریف کی اور ایک دو کرامتوں کا بھی ذکر کیا ہے نیز اپنی تصنیف سکینۃ الاولیاء میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ شہزادہ سلیم اور اکبر کی اکثر بیگمات شیخ کی عقیدت مند تھیں۔ سلیم نے خاص کر ایک درباری بہار خاں نامی کو مقرر کر رکھا تھا کہ وہ ان کا روزنامچہ لکھتا رہے۔ یہ روزنامچہ رسالہ بہاریہ کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ حسین کی سوانح حیات کے قدیم ماخذ یہی دو کتابیں ہیں۔ رسالہ بہاریہ اور حقیقت الفقراء، رسالہ بہاریہ اکبر کے عہد میں لکھا گیا اس کا مصنف منشی بہار خاں ہے جسے جہانگیر نے شیخ حسین کے روزنامہ لکھنے پر مقرر کیا تھا۔ دوسری کتاب حقیقت الفقراء ہے۔ یہ کتاب شیخ مادھو کے ایک مرید پیر محمد نے شاہ جہاں کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

دریائے راوی کی طرف سیر کو نکل گئے اور موضع منڈیانوالہ پہنچے۔ وہاں کے زمیندار سردار بہادر خاں نے شیخ کے دوستوں کو پکڑ کر ایک جگہ بند کر دیا اور حسین سے کہا: میں انہیں اس وقت تک رہا نہیں کروں گا جب تک آپ بارش کے لیے دُعا نہیں کریں گے۔ آپ نے بہادر خاں سے کہا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۸)

عہد میں نظم میں لکھی تھی۔ یہ دونوں کتابیں آجکل نایاب ہیں۔ شاید کسی صاحب کے نجی کتب خانہ میں ہوں مگر ان کے اقتباسات جو تذکروں میں لکھے گئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں محض تقلیدی اور اعتقادی رنگ کی ہیں۔ خزینۃ الاصفیا میں بھی ان دونوں کتابوں کا ذکر اور اقتباس درج ہیں۔ شاید حضرت مفتی صاحب مغفور کی نظر سے یہ کتابیں گزری ہوں۔ کتاب وسنت کا مقصود تزکیہ ظاہر و باطن ہے۔ ولی کی سب سے بڑی کرامت اس کا اتباعِ کتاب وسنت ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے کمال باطل ہے۔ کہتے ہیں جب شیخ حسین کے مرشد حضرت شیخ بہلول کو حسین کی ان حرکات کا علم ہوا تو وہ لاہور تشریف لائے اور حسین سے کہا کہ آج میرے ساتھ نماز پڑھو اور نماز ہی میں سارا قرآن ختم کرو۔ چنانچہ شیخ حسین نے نماز شروع کی اور جب "الم نشرح لك صدرك" پر پہنچے تو بے اختیار ہنس پڑے اور نماز ختم کر دی۔ داراشکوہ اس کی یہ تاویل کرتا ہے کہ شیخ حسین نے شاید اس سورۂ پاک کا یہ مفہوم سمجھا تھا کہ آیا ہم نے تیرے سینے کو توحید اور معرفت سے نہیں کھولا اور تجھ پر وہم اور انانیت کا بار نہیں ڈالا جو تیری پشت کو پست کرتا ہے اور کیا ہم نے تجھ کو ذکر سے مذکور تک نہیں پہنچایا۔ اس لئے ہر فنا کے بعد بقا ہے اور بیشک جس کو ہم نے فنا بخشی اسے بقا دے کر ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا پس جب تو نے انانیت اور ہستیٔ موہوم سے فراغت حاصل کر لی ہے تو ہماری ہستی پر قائم ہو جا اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جو ظاہر و باطن کا رب ہے۔" اس واقعہ کے بعد شیخ حسین پھر کبھی اپنے مرشد سے نہیں ملے۔ اسی قسم کی رکیک تاویلات داراشکوہ کے مرشد جناب ملا شاہ بدخشانی اور ان کے دادا پیر حضرت میاں میرؒ نے بھی بعض قرآنی آیات کے متعلق کی ہیں مثلاً "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى" کی تفسیر کرتے ہوئے ملا شاہ بدخشانی نماز ہی سے معافی حاصل کر لیتے ہیں۔ کہتے ہیں: "اے کسانیکہ ایمانِ حقیقی آوردہ اید۔ نزدیک نماز نشوید در حالت سکر دستی۔ مقید سکر حالتِ بلند تر است از نماز گزاران۔ اگر مستی مجازی ست قربِ نماز ممنوع است۔ تا نماز طوش نہ شود۔ دریں صورت عزتِ نماز ست و اگر سکرِ حقیقی ست باز ہم قربِ نماز ممنوع است۔ دریں صورت عزت سکر است۔ بصل نماند نماز کرا خواند۔" (باقی اگلے صفحہ پر)

بہتر اگر تم میرے دوستوں کے لیے نانِ مرغن اور شیر و شکر پیش کرو تو اللہ تعالیٰ مینہ برسا دے گا کیوں کہ سیر کے دوران میں آپ کے دوستوں نے ان چیزوں کے کھانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ بہادر خاں نے یہ تمام چیزیں مہیا کر دیں۔ شیخ اور اس کے دوستوں نے کھانے کے بعد دعا کی اسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹)

جناب ملا شاہ کے مرشد گرامی حضرت میاں میر صاحب "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" کی تفسیر فرماتے ہیں۔ درحق خاصاں ست۔ ختم ست بر دلہائے ایشاں کہ در دل ایشاں غیر نیاید و چشم ایشاں غیر نہ بیند۔ و گوشِ ایشاں غیر نشنود و مر ایشاں لذت و حلاوتِ بسیار ست از ذکر" سنات العارفین صفحہ ۳۲ بحوالہ مقدمہ ۳۰۳۔ از داراشکوہ۔ جناب ملا شاہ بدخشانی مرشدِ داراشکوہ کا ایک مشہور شعر ہے:

پنجہ در پنجۂ حمدا دارم
من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

اس پر علمائے کشمیر نے کفر کا فتویٰ بھی دیا تھا اور شاہجہان بادشاہ سے شکایت بھی کی تھی (تذکرۃ العلماء والمشائخ صفحہ ۳۵) ذہنی اور معتقدات کے لحاظ سے دارا شکوہ اس قسم کے اعمال و افعال کا مرید تھا اسی لیے اپنی کتاب سنات العارفین یا شطیات میں ان اقوال کی تائید و حمایت کرتا ہے۔ خود حضرت میاں میر کو باری تعالیٰ کہا کرتا تھا اسی کتاب میں لکھتا ہے: چوں ایشاں در کرہ ہائے نواحی قصبۂ باری عزلت گزیدہ بودند من ایشاں را حضرت باری تعالیٰ می گفتم" سنات العارفین صفحہ ۳۔ اسی رسالہ میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ توحید و معرفت کے منازل اور مدارج طے کرتے ہوئے ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں سالک شریعت و طریقت، کفر و ایمان، خیر و شر سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کی زبان سے بے خودی کی حالت میں بعض کلمات ایسے بھی نکل جاتے ہیں جو بظاہر مذہب و ایمان کے منافی ہوتے ہیں۔ لیکن ان کلمات کو قابلِ مواخذہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی کتاب کی تمہید میں لکھتا ہے: "وجد و ذوق کی حالت میں اس کے منہ سے ایسے کلمات بلند حقائق نکل جاتے ہیں۔ جن کو سن کر پست فطرت، دون ہمت اور زاہد خشک اپنی کوتاہ بینی سے تکفیر کے فتوے دیتے ہیں۔ اس تکفیر سے بچنے کے لئے میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔" غرض اس عہد کے حالات و واقعات کا

(باقی اگلے صفحہ پر)

وقت بادل نمودار ہوا۔ مینہ برسا اور بارش سے زمینیں سیراب ہو گئیں۔ روایت ہے ایک شخص حاجی یعقوب نامی مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا۔ وہ ہمیشہ شیخ حسین کو روضۂ نبوی میں معتکف دیکھتا۔ اس طرح وہ ان کا شناسا ہو گیا۔ ایک دفعہ وہ ہندوستان آیا۔ لاہور بھی پہنچا۔ بازار میں دیکھا کہ ڈھول بج رہا ہے اور شیخ شراب کے نشہ میں چور رقص کر رہے ہیں۔ دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اطمینان کے لیے لوگوں سے نام و نشان پوچھا۔ پاس جا کر دریافت کیا۔ یہ کیا حال ہے۔ شیخ نے کہا، آنکھیں بند کرو۔ اس نے آنکھیں بند کرتے ہی اپنے آپ کو مدینہ منورہ میں اور حسین کو روضۂ نبوی میں معتکف پایا۔

نقل ہے۔ شیخ حسین کے دشمنوں نے اکبر بادشاہ سے شکایت کی کہ لاہور میں ایک شخص حسین نامی ہے۔ جو داڑھی مونچھیں منڈواتا ہے۔ سُرخ لباس پہنتا ہے۔ کھلے بندوں خلافِ شریعت امور کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایک حسین لڑکے مادھو کو اپنے پاس رکھتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈھول کی آواز پر رقص کرتا ہے۔ اس کے باوجود باطنی ولایت کا دعویدار بھی ہے۔ اکبر نے ملک علی کوتوالِ شہر کو حکم بھیجا کہ حسین کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا جائے۔ کوتوال کی تلاش کے باوجود حسین گرفتار نہ ہو سکے۔ ایک دن اتفاقاً حسین اور کوتوال کا بازار میں آمنا سامنا ہو گیا

(بقیہ صفحہ ۲۲۰)

اگر پوری طرح جائزہ لیا جائے تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے جہاں اکبری الحاد و زندقہ کے استیصال کے لیے اس کے جانشین جہانگیر سے ٹکر لی اور اسلام کو اس کی اصلی حالت پر قائم رکھا وہاں اُن غیر اسلامی نظریات و معتقدات کی اصلاح کی طرف بھی قدم اٹھایا جس کے مبدأ اس قسم کے بے قید و بے شرع جاہل صوفی ہو رہے تھے۔ آپ نے اپنے مکتوبات میں جگہ جگہ اتباعِ کتاب و سنت کی تاکید فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں جو چیز سنت کے خلاف ہے وہ بدعت ہے اور بدعت شیطان کی پسندیدہ ہے فرمایا: ہر بدعت سنت کو اُٹھا دیتی ہے اس میں کسی بدعت کی کوئی تخصیص نہیں۔ لہٰذا ہر بدعت سیئہ ہے اور شریعت کا دارومدار اتباعِ شریعت پر ہے۔ معاملۂ نجات اتباعِ رسول سے وابستہ ہے اور اتباعِ رسول کے بغیر ہر شے غیر مقبول ہے۔ حتیٰ کہ زہد و تقویٰ و توکل بھی" آپ کے بعد آپ کے فرزندوں اور خلفا نے آپ کی تعلیمات پر پوری پوری استقامت فرمائی۔

اس نے حسین کو گرفتار کر لیا۔ اُس وقت کوتوال ایک راہزن عبداللہ بھٹی نامی کو پھانسی دے کر فارغ ہُوا تھا۔ کوتوال حسین کو جو زنجیر ڈالتا تھا وہ خود بخود ٹوٹ جاتی تھی۔ کوتوال نے کہا حسین تو اپنے شعبدہ سے جو جی چاہے کر میں تیرے پاؤں میں میخ ٹھونک کر بادشاہ کے حضور پیش کروں گا۔ حسین نے کہا: میں نے بھی اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے تیرے جسم میں میخیں ٹھونکی جائیں اور تو اسی صدمے سے مرے۔ اکبر نے کوتوال کو حکم بھیجا تھا کہ عبداللہ بھٹی پھانسی پانے کے وقت جو کلمات زبان سے نکالے وہ بلاکم و کاست لکھ کر بھیجے جائیں۔ چنانچہ کوتوال نے من وعن وہی الفاظ دربارِ اکبری میں بھیج دیئے۔ اکبر یہ الفاظ پڑھ کر سخت غضب ناک ہُوا کہ کوتوالِ شہر کو اس طرح ہُو بہُو نہیں لکھنا چاہیے تھا۔ اس نے یہ کلمات لکھ کر میری دل آزاری کی ہے۔ اس پاداش میں کوتوال کو بھی عبداللہ بھٹی کی طرح پھانسی دی جائے۔ اس واقعہ کے بعد شیخ حسین کو اکبر کے سامنے پیش کیا گیا۔ حسین اُسی طرح مست و مخمور جام و صراحی ہاتھ میں لئے حاضرِ دربار ہوئے۔ اکبر نے کہا تو سلسلۂ قادریہ کا پیرو ہو کر یہ مے نوشی و امرد پرستی کیوں کرتا ہے۔ حسین نے اپنی صراحی سے ایک پیالہ بھر کر اکبر کے سامنے پیش کیا اکبر نے دیکھا تو وہ سرد پانی سے بھرا ہُوا تھا۔ دُوسرا پیالہ پیش کیا تو وہ شربت سے پُر تھا۔ اسی طرح تیسرا پیالہ دُودھ سے۔ اکبر نہایت متعجب ہوا۔ بادشاہ نے بغرض امتحان جیل میں بھجوا دیا کہ اگر صاحبِ کرامت ہے تو زنداں میں نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اکبر جب شیخ حسین کو جیل بھجوا کر زنان خانہ میں گیا تو شیخ حسین کو بادشاہ بیگم کے پاس کھڑا دیکھا۔ پھر قید خانہ میں جا کر دیکھا تو حسین کو وہاں بھی موجود پایا۔ یہ دیکھ کر اکبر نے شیخ کو رہا کر دیا۔

نقل ہے: جب اکبر نے عبدالرحیم خان خاناں کو ملک ٹھٹھہ کی تسخیر پر مامور کیا تو وہ شیخ حسین کی خدمت میں برائے استمداد حاضر ہوا۔ شیخ نے کہا میں نے پانچ سو روپے کے عوض یہ ملک تیرے ہاتھ میں فروخت کر دیا۔ جاؤ مظفر و منصور ہو گے۔ اب کسی اور ولی سے مدد نہ مانگنا۔ چنانچہ عبدالرحیم ٹھٹھہ جاتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا اور شیخ کبیر بالا پیر سجادہ نشین بارگاہ کی خدمت میں ایک سو روپیہ بطور نذر گزرانا شیخ نے قبول نہ کیا فرمایا ملکِ ٹھٹھہ تو پہلے ہی تجھے شیخ حسین دے چکے ہیں۔ اب نذرانہ لینے کی کیا حاجت ہے۔ صاحبِ معارج الولایت لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری

قاضی لاہور نے شیخ حسین کی شراب میں سرمست ڈھول کی آواز پر رقص کرتے ہوئے دیکھا، سخت سرزنش کی۔ شیخ نے مخدوم الملک کے گھوڑے کی باگ تھام کر کہا: اے قاضی ارکانِ اسلام پانچ ہیں۔ اوّل کلمۂ توحید اور اقرارِ رسالت حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس میں ہم دونوں شریک ہیں میں نماز روزہ کا تارک ہوں اور تو حج وزکوٰۃ کا۔ تعزیر صرف مجھ پر ہی نہیں تجھ پر بھی ہے۔ مخدوم الملک یہ سُن کر ہنسا اور چل دیا۔

صاحبِ حقیقۃ الفقرا لکھتے ہیں کہ شیخ حسین کے مرید نو ہزار کے قریب تھے جو ان کے ذریعے سے کامل و اکمل ہوئے۔ بعض نے شیخ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار لکھی ہے۔ ان میں سے سولہ خلفا زیادہ مشہور ہوئے ہیں، جن کے مختلف خطابات تھے۔ ان میں سے چار کا خطاب غریب ہے، چار کا دیوان، چار کا خاکی اور چار کا بلاول۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا شاہ غریب: ان کا مزار موضع رقی ٹھٹھہ وزیر آباد کے قریب ہے۔

دوسرا شاہ غریب: موضع منگووالی تحصیل وزیر آباد۔

تیسرا شاہ غریب: بمقام اچلا پور دکن

چوتھا شاہ غریب: ہزاروی۔ اس کا مزار آپ کے مزار کے متصل ہے۔

چار دیوان:۔

پہلا دیوان مادھو

دوسرا دیوان گورکھ لاہور۔ اس کا مزار آپ کے مزار کی چوکھنڈی میں ہے۔

تیسرا دیوان بخش بمقام بیجاپور

چوتھا اللہ دیوان لاہور میں مدفون ہے۔

چار خاکی:۔

پہلا مولا بخش خاکی

دوم خاکی شاہ لاہوری۔ ان کا مزار آپ کے مزار کے قرب وجوار میں ہے۔

سوم خاکی شاہ وزیر آباد

چہارم حیدر بخش خاکی۔ جن کا مزار دکن میں ہے۔

چار بلاول:

اول شاہ رنگ بلاول

دوم بدھو بلاول

سوم شاہ بلاول

ان تینوں کے مزار شیخ حسین کے مزار کے قرب وجوار میں ہیں۔

چہارم شاہ بلاول دکن میں مدفون ہیں۔

شیخ حسین ۹۴۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۰۸ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں بعہد اکبر وفات پائی۔ شیخ حسین پنجابی پراکت کے شاعر بھی تھے۔ آپ کی کافیاں مشہور ہیں۔ ان کے مذکرہ بالا

لہ عزیز القدر جناب محمد اقبال مجددی نے شاہ حسین کی ایک نامعلوم تصنیف رسالہ "تنبیہ" سے متعارف کرایا ہے۔ شاہ حسین لاہوری کا ایک غیر معروف رسالہ "تنبیہ" کے زیر عنوان مع مقدمہ مجددی صاحب مجلہ معارف اعظم گڑھ اگست ۱۹۷۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مجددی صاحب کے مقدمہ کی تلخیص درج ذیل ہے، جو شاہ حسین کے بارے میں ایک نیا انداز فکر دے گی:

"شاہ حسین کی، ندمشربی کے قصے تذکرہ نویسوں نے مزے لے لے کر بیان کئے ہیں۔ لیکن شاہ حسین نے آخر عمر میں تمام خلاف شرع حرکات ترک کر دی تھیں اور ارکان اسلام کی پابندی کرنے لگے تھے۔ معارج الولایت میں ہے: "گویندہ وقتے کہ وفات او نزدیک رسید ہمہ امور نامشروعہ را ترک نمودہ و بہ نماز و روزہ مشغول گشت، گفتند دریں حکمت چیست؟ فرمود بزیستے می روم کہ آں را در زیدہ و ساکنان آں موضع معرفت حاصل نکردہ اند، نمی دانم تا حال من چہ خواہد شد، در ہمیں حال برحمت حق پیوست رحمۃ اللہ علیہ" (معارج الولایت خطی نسخہ ذخیرہ پروفیسر سراج الدین آذر کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، ورق ۵۱۹ ب) حقیقت الفقراء ۱۰۷۱ھ کی تصنیف ہے کی روایت کے مطابق شاہ حسین کا انتقال جمادی الاخریٰ ۱۰۰۸ھ میں ہوا۔ مگر مفتاح العارفین (قلمی) مولف عبدالفتاح بن محمد نعمان (تصنیف بعد ۱۰۹۶ھ) میں سال وفات ۱۰۱۲ھ لکھا ہے۔ شاہ حسین لاہوری کی تصانیف میں سے اب تک صرف کافیاں ہی منظر عام پر آئی ہیں اور کافیوں کے قدیم و جدید ایڈیشن تحریف سے خالی نہیں ہیں۔ خوش قسمتی سے شاہ حسین کا رسالہ "تنبیہ" (فارسی) دستیاب ہو گیا ہے۔ یہ رسالہ سات فصول پر مشتمل ہے۔ مسائل عمومی تصوف سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

خلفاء میں سے مادھو زیادہ مشہور ہیں۔ یہ قوم کے برہمن تھے۔ شاہدرہ میں رہتے تھے۔ حسین وجمیل تھے۔ شیخ حسین کے منظورِ نظر تھے اور انہی کی رغبت سے مسلمان ہوئے تھے۔ شیخ کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ وجانشین ہوئے۔ ۹۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۵۲ھ میں شاہ جہان کے عہد میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخ ولادت ووفات:

طالبِ عشق و عاشق جانباز — ماہِ عالم حسین نور العین
گشت پیدا انیسِ دیں سرمست (۹۲۵ھ) — سالِ تولیدِ او بہ زینت و زیں
گفت سرور محققِ سرمست (۱۰۰۸ھ) — سالِ ترحیلِ آں شہِ کونین!

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۴)

متعلق ہیں۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ حسین فی الواقعہ ذی علم اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے لوگوں نے ان کی طرف فرضی حکایات منسوب کر رکھی تھیں اور بڑے بڑے علماء ان حکایات کو سن چکے تھے۔ چنانچہ عبداللہ خویشگی قصوری نے اخبار الاولیا خطی (تصنیف ۱۰۰۷ھ) میں حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری (متوفی ۱۰۴۰ھ) کا قول نقل کیا ہے:

"اگر مجھے علمائے ظاہر کے طعنوں کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ضرور شاہ حسین لاہوری کے مزار پر جاتا اور استمداد کرتا۔"

حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری کا شاہ حسین سے اظہارِ ارادت اور مزار پر حاضری واستمداد کی خواہش کا اظہار اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کی طرف منسوب حکایات محض پادر ہوا ہیں۔ راقم الحروف کو رسالۂ تہنیۃ کا خطی نسخہ مولانا سید شریف احمد شرافت قادری نوشاہی مدظلہ العالی (ساکن ساہن پال ضلع گجرات) کے ذاتی کتب خانے سے ملا۔ اصل رسالہ اور مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معارف اعظم گڈھ بابت اگست ۱۹۷۰ء۔

۹۰۔ حضرت شیخ حسین قادری چشتی قدس سرہٗ

حضرت شیخ عبدالوہاب متقی قادری شاذلی کے بلند مرتبہ مرید تھے۔ صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں: عجیب وغریب حالت وہمت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کشتی میں دریائے زبدا سے گزر رہے تھے سنا کہ دریا کے ایک کنارے جنگل میں شیر رہتا ہے، کوئی شخص خوف کے مارے اُس طرف سے نہیں گزرتا۔ چنانچہ آپ کشتی سے اس کنارے پر اترے۔ ایک چھری لی اور جنگل میں جا کر اُس شیر کو ہلاک کر دیا۔

نقل ہے: ایک شخص بلند جگہ پر جس کے نیچے پانی تھا نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا۔ وسواس کی وجہ سے نیتِ نماز کے الفاظ بار بار دُہراتا تھا۔ حاضرینِ مجلس پر یہ تکرار نہایت گراں گزری۔ آپ نے اٹھ کر غصے سے اس کے سینے پر ہاتھ مارا وہ پانی میں گر پڑا جو اس بلندی کے نیچے بہ رہا تھا۔ اس کے بعد اس کے دل میں کوئی وسواس پیدا نہ ہوا۔ بقول صاحبِ شجرۂ چشتیہ ۱۰۱۲ھ میں بعہدِ اکبر وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

حسین آں محسن واحسن حسن پیر!! ولیٔ دوجہاں شیخِ زمانہ!!
چوازدنیا بفردوسِ بریں رفت وصالش شد عیاں شیخِ زمانہ
۱۰۱۲ھ

۹۱۔ حضرت شیخ نعمت اللہ سرہندی قادری قدس سرہٗ

حضرت شیخ محمد المعروف بہ میاں میر قدس سرہٗ کے بزرگ ترین خلفاء سے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے حضرت میاں میر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ زہد وورع، تقویٰ وعبادت میں مشہورِ زمانہ اور صاحبِ خوارق وکرامت تھے۔ شہزادہ دارا شکوہ صاحبِ سکینۃ الاولیاء رقم طراز ہے کہ ایک روز ایک تاجر شخص اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ میں نے اپنے لڑکے کو زرِ کثیر کے ساتھ بغرض تجارت بابر روانہ کیا تھا۔ اب یہ واپس آکر

کہتا ہے کہ راستے میں رہزنوں نے مجھے لوٹ لیا ہے۔ میں اس معاملے میں سخت حیران ہوں۔ توجہ فرمایئے آپ نے لڑکے سے مخاطب ہو کر فرمایا اپنے باپ سے جھوٹ کیوں کہتا ہے۔ کیا تو نے فلاں جگہ روپیہ دفن نہیں کیا۔ جا اور وہ روپیہ لا کر اپنے باپ کو دے۔ لڑکا آپ کا یہ حکم سنتے ہی قدموں پر گر پڑا۔ معذرت خواہ ہوا اور روپیہ لا کر اپنے باپ کے حوالے کیا۔

نقل ہے، ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ میری ایک بڑی خوبصورت کنیز تھی۔ چند روز ہوئے وہ بھاگ گئی ہے۔ توجہ فرمایئے کہ لوٹ آئے۔ آپ نے فرمایا: تم آج ہی فلاں جگہ پر جا بیٹھو۔ تھوڑی دیر کے بعد اُدھر سے ایک بیل گاڑی گزرے گی اسے ٹھہرا کر کہنا اس میں میری کنیز ہے وہ باہر آ جائے۔ چنانچہ اس شخص نے آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا اور اپنی کنیز کو پا لیا۔

بقول صاحب سکینۃ الاولیا ۱۰۱۷ھ میں بعہد جہانگیر وفات پائی۔

چو از دنیا بفردوسِ بریں رفت — جناب نعمت اللہ شاہِ ذی جاہ
وصال اوست عابد نعمتِ فقر — دوبارا میر عالم نعمت اللہ
۱۰۱۷ھ

۹۲۔ حضرت شاہ بدر گیلانی قدس سرہٗ

غوث الاعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی اولادِ امجاد سے تھے۔ بعہدِ اکبر لاہور تشریف لائے۔ کمالاتِ ظاہری و باطنی سے مزین تھے۔ لاہور و پنجاب کے لوگوں کی ایک کثیر جماعت آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئی۔ ۱۰۱۸ھ میں بہ زمانۂ جہانگیر وفات پائی۔ مزار موضع ستنانیان علاقہ چیالہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چوں بدرالدین از دنیائے فانی — سفر در زید و شد روشن بجنت
بقم کن فضلِ حق با شیخ حق سال — دگر سید ولی بدر الکرامت
۱۰۱۸ھ — ۱۰۱۸ھ

۹۳۔ حضرت شاہ شمس الدین قادری قدس سرہٗ

شیخ ابو اسحاق قادری لاہوری کے جلیل القدر مرید و خلیفہ تھے۔ عارفِ کامل اور جامع علوم شریعت و طریقت تھے۔ سماع اور کشف و کرامت سے محترز رہتے تھے۔ طالبانِ علم و ہدایت کی ایک کثیر جماعت نے آپ سے اخذِ فیض کیا۔ جہانگیر آپ کا بڑا گرویدہ و معتقد تھا اور آپ کے ہر حکم کی تعمیل اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا تھا۔ شاہ جہاں ایامِ شہزادگی میں اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آپ نے اسے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ تم جہانگیر کے بعد بادشاہ ہوگے۔ ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی۔ حضرت شاہ بلاول قادری آپ کے بزرگ ترین خلیفہ تھے۔ مدفن لاہور میں ہے۔

جلوہ گر شد چو باوجِ ہفت چرخ — روحِ شمس الدین ولیٔ با صفا
سالِ ترحیلش عیاں شد از خرد — "ہادیٔ محبوب شمس الاتقیا"

۱۰۲۱

۹۴۔ سیّد جیون المشہور سیّد عبدالقادر ثالث گیلانی قدس سرہٗ

ظاہری و باطنی تعلیم اپنے والدِ ماجد سیّد محمد غوث بالا پیر شکرہ سے پائی تھی۔ اپنے زمانے کے شیخ بزرگ، زاہد و عابد اور عالم و فاضل تھے۔ اپنے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کے باعث سید عبدالقادر ثالث مشہور تھے۔ پدر بزرگوار کی وفات کے بعد دیارِ ہند کی سیر و سیاحت کے لئے نکلے۔ اور اس دوران میں ایک خلقِ کثیر نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔ پھر لاہور آئے اور محلہ لنگر خاں بلوچ میں سکونت اختیار کی اور ایک محلہ بنام رسول پور آباد کیا۔ یہیں ۱۰۲۲ھ میں وفات پائی۔ مزار احاطۂ روضہ شاہ چراغ گیلانی لاہوری میں ہے۔

عبدِ قادر چو شد ز دارِ فنا — یافت از حق بخلدِ والا جاہ
فیضِ اسلام گو تبا ریخش — ہم بخواں "عبدِ قادر اہلِ خدا"

۱۰۲۲ھ

۹۵۔ حضرت سید خیر الدین ابو المعالی قادری کرمانی قدس سرہٗ

سید خیر الدین نام، ابو المعالی خطاب، والد کا نام سید رحمت اللہ بن سید فتح اللہ تھا۔ حضرت شیخ داؤد چونی وال شیر گڑھی کے حقیقی برادر زادہ اور مرید و خلیفہ تھے۔ خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کی اور تیس سال سخت ریاضت و مجاہدہ کیا۔ خرقۂ خلافت سے سرفراز ہو کر مرشد کے حکم کے مطابق لاہور آ کر سکونت پذیر ہوئے۔ راستے میں جہاں کہیں بھی قیام کرتے چاہ و باغیچہ اور تالاب تعمیر کراتے۔ آپ کی یہ یادگار عمارتیں شاہ ابو المعالی کے جھوک کے نام سے مشہور ہیں۔ لاہور میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی مقبولیت عطا فرمائی۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر علم و ہدایت سے بہرہ ور ہوئی۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی غوث الاعظم کے اویسی تھے۔ آپ کی یہ مشہور کرامت ہے کہ جو شخص حلقۂ ارادت میں داخل ہوتا تھا اسی روز رات کو حضرت غوث الاعظم کے دیدار سے مشرف ہوتا تھا۔ محمد دارا شکوہ صاحبِ سفینۃ الاولیاء رقم طراز ہے کہ عارفِ حق آگاہ حضرت ملا شاہ نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ ہم اپنے استاد نعمت اللہ کے ہمراہ جو عالم باعمل تھے آپ کی زیارت کو گئے۔ ہم سب حاضرِ خدمت تھے۔ ایک شخص تسبیح شاہ صاحب کے لئے لایا۔ آپ نے وہ قبول فرما لی اور اپنے سامنے رکھ دی۔ میرے دل میں گزرا اگر آپ کو کشفِ قلوب حاصل ہے تو یہ تسبیح مجھے عنایت فرما دیں۔ جب میں رخصت کے لیے کھڑا ہوا تو حضرت نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ فرمایا: اپنے حسبِ مدعا یہ تسبیح لے لو۔ اگر ہو سکے تو سو مرتبہ درود شریف پڑھ لیا کرنا۔ تمہیں اور لانے والے دونوں کو ثواب ہوگا۔

صاحبِ سفینۃ الاولیا لکھتے ہیں۔ اخوند نعمت اللہ فرماتے تھے کہ ایک روز میرے دل میں خیال آیا کہ میں حضرت غوث الاعظم سے ارادت و عقیدت رکھتا ہوں۔ یقیناً وہ بھی میری اس ارادت مندی سے آگاہ ہوں گے جب کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ اگر میں مغرب میں ہوں اور میرا مرید ننگے سر مشرق میں ہو تو میں اس کی سرپوشی کروں گا۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی کام کے لیے پریشان و عاجز ہوں، سر ننگا ہے۔ اسی وقت حضرت غوث الثقلین تشریف لائے

اور ایک سفید پگڑی مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد کیا کہ یہ پگڑی لے لو۔ ہم تیرے اس حال سے خبردار تھے کہ تو ننگے سر کھڑا ہے۔ لہٰذا ہم نے چاہا کہ تیرا سر ڈھانپ دیں۔ صبح مجھے حضرت شاہ ابوالمعالی نے اپنے پاس بلایا اور سفید دستار مجھے عنایت کر کے فرمایا: یہ وہی دستار ہے جو رات کو حضرت غوث الاعظم نے تجھے دی ہے۔

حضرت شاہ ابوالمعالی کی ولادت بروز دوشنبہ ۱۰۔ ذی الحجہ ۹۶۰ھ ہے ۔ ۱۹ ربیع الاول ۱۰۲۴ھ کو بعہدِ جہانگیر وفات پائی۔ روضہ لاہور بیرون موچی دروازہ زیارت گاہِ خلق ہے۔ دونوں عیدوں کے دن خلقِ کثیر آپ کے روضہ پر آتی ہے۔

آپ صاحبِ تصانیف تھے۔ تحفہ قادریہ حضرت غوث الاعظم کے مناقب میں آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ حلیہ مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیوان اشعار بھی آپ کی قابلِ قدر تصانیف ہیں۔ اپنا مقبرہ اپنی زندگی ہی میں بنوانا شروع کیا تھا کہ ۱۰۲۴ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ باقی حصہ آپ کے فرزند ابی بکر نے مکمل کیا۔

ابوالمعالی خیرِ دینِ احمدی — آنکہ شد پُر نور زو روئے زمین
خیر دین مولیٰ است تولیدش عیاں — رحلتش فرما معلی خیر دین
۹۶۰ھ — ۱۰۲۴ھ

۹۶۔ میاں نتھا قادری قدس سرہٗ

حضرت شیخ محمد میاں میر لاہوری کے خاص الخاص مرید تھے۔ تمام عمر مرشد گرامی ہی کی خدمت میں بسر کی۔ حضرت شیخ کسی دوست و مرید کو رات کے وقت سوائے میاں نتھا کے اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ میاں نتھا پر حالتِ استغراق و بے خودی کا اتنا غلبہ رہتا تھا کہ دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ رہتی تھی۔ روایت ہے ایک درویش جونپور سے آپ کی ملاقات کے لئے آیا۔ میاں نتھا نے اس سے پوچھا: کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا: میں جونپور سے آپ کی ملاقات کے لئے آیا ہوں تاکہ آپ کے نام و عرف اور حسب و نسب سے آگاہی حاصل کروں۔ میاں نتھا نے کہا: میرا نام نتھا ہے۔ قوم کا پراچہ کنجدکش ہوں۔ حضرت میاں میر کا کمترین خادم ہوں۔

میرا حال یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عالمِ جبروت و ملکوت و لاہوت کی کنجیاں مجھے عطا کر دی ہیں۔ جس وقت چاہتا ہوں عالمِ ملکوت[1] و عالمِ جبروت[2] و عالمِ لاہوت[3] کا دروازہ کھول کر داخل ہو جاتا ہوں۔

شہزادہ محمد دارا شکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیا میں رقم طراز ہیں کہ نباتات و جمادات تک میاں نتھا سے ہم سخن ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک روز میاں نتھا ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ ایک درخت سے آواز آئی، اگر قلمی کو چرخ دے کر اس پر میرے پتے ڈالے جائیں تو وہ چاندی ہو جائے گی۔ میاں نتھا نے یہ سن کر کوئی جواب نہ دیا۔ آگے بڑھے تو دوسرے درخت سے آواز آئی: اگر تانبا کو چرخ دے کر میری تھوڑی سی لکڑی اس میں ڈالی جائے تو زرِ خالص بن جائے گا۔ میاں نتھا اس پر بھی متوجہ نہ ہوئے اور آگے بڑھ گئے اور ایک گنبد میں ستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو گنبد سے آواز آئی: ذرا ٹھہریئے۔ پوچھا تو کون ہے؟ کہا میں یہی گنبد ہوں جس میں آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کو روکنے کی وجہ یہ ہے کہ بارش آ رہی ہے۔ کہیں آپ کو تکلیف نہ ہو۔ ذرا تھم لے تو جائیں۔ چنانچہ یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ بارش ہونی شروع ہو گئی۔

نقل ہے کہ ایک روز میاں نتھا نے راستے میں ایک مرے ہوئے چوہے کو دیکھا، جس کا گوشت پوست بھی گل سڑ چکا تھا۔ آپ کی نظر جونہی اس پر پڑی تو کہا، ارے تو راستے میں اس حالت میں کیوں پڑا ہے۔ اپنے سوراخ میں کیوں نہیں جاتا۔ چوہا اسی وقت زندہ ہو کر اپنے سوراخ میں چلا گیا۔

روایت ہے کہ ایک روز میاں نتھا خدمتِ مرشد میں حاضر تھے۔ شیخ نے پوچھا، کیوں بھئی میاں نتھا آج کس طرف جا کر مشغولِ ذکرِ حق ہوئے۔ عرض کیا، حضرت پہلے تو موضع اچھرہ کے گرد و نواح

---

[1] عالمِ فرشتگاں و عالمِ معنی اسی کو عالمِ غیب و عالمِ ارواح بھی کہتے ہیں نیز طاعت بے قصور و بے فتور۔ مقامِ عبادتِ فرشتگاں ہے۔ [2] عظمت و بزرگی۔ اسمائے صفاتِ الٰہی، مرتبۂ وحدت و حقیقتِ محمدی۔

[3] عالمِ ذات۔ اسی مقام پر سالک کو فنا فی اللہ کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔

[4] ۱۰۵۲ھ میں لکھی گئی۔ اس میں دارا شکوہ نے اپنے پیر ملا شاہ بدخشانی کے مرشد حضرت میاں میرؒ کے حالات و ملفوظات پوری تفصیل سے لکھے ہیں۔ دارا شکوہ کی دوسری قابلِ قدر تالیف سفینۃ الاولیا ہے اس میں قریباً چار سو کے لگ بھگ صوفیا و صلحا و علما کے حالات درج ہیں۔

میں مشغولِ ذکر و فکر تھا مگر وہاں کے درخت تسبیح سبحان اللہ والحمد للہ بلند آواز سے پڑھتے تھے کہ اُن کے ذکر سے میرے اشغال میں خلل پڑتا تھا۔ میں وہاں سے اٹھ کر محلہ خلیفہ جنید کے ایک گوشے میں جا بیٹھا وہاں سکون کے ساتھ مشغولِ ذکر و فکر ہو گیا۔ حضرت شیخ میاں نتھا کی یہ بات سُن کر متبسم ہوئے اور فرمایا، سبحان اللہ اس لڑکے کا معاملہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے اور کیسی کیسی بلند باتیں کرتا ہے۔

نقل ہے ایک روز میاں نتھا، ملا محمد سیالکوٹی اور حضرت شیخ میاں میر حجرے کے باہر سایۂ دیوار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک بارش آگئی اور ساتھ ہی تیز ہوا بھی چلنی شروع ہو گئی۔ شیخ نے فرمایا، اب ناچار یہاں سے اٹھنا ہی پڑے گا۔ میاں نتھا نے عرض کیا، حضور فرمائیں تو ابھی اس بادوباراں کو لوٹا دوں۔ حضرت شیخ نے برہم ہو کر فرمایا، اچھا تو اب اظہارِ کرامت اور خود فروشی بھی کرتا ہے۔ یہیں یہاں سے اٹھ کر حجرے میں جانا ہی پڑے گا۔ بھلا حجرے میں بیٹھنے میں کون سا نقصان ہے کہ ہم کارِ الٰہی میں دخل دیں۔ فعل المحمود محمود۔

باوجودیکہ میاں نتھا محض اَن پڑھ تھے مگر مرشد کے فیضِ نظر سے علومِ ظاہر و باطنی اُن پر منکشف تھے۔ ۱۰۲۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کی وفات کی خبر سُن کر حضرت شیخ نے باچشمِ پُرنم فرمایا، فقیر خانہ کی رونق میاں نتھا لے گئے اور آخری وقت اپنے خدام سے وصیت فرمائی کہ جہاں میاں نتھا مدفون ہے مجھے اس کے قریب دفن کیا جائے۔

حضرت نتھا کہ ولیٔ خدا ست — عارفِ حق واقفِ علم الیقیں
زعاشقِ مستانہ بجو رحلتش — نیز ز محبوبِ بہشتِ بریں

۱۰۲۷ھ — ۱۰۲۷ھ

۹۷۔ حاجی مصطفیٰ سرہندی قدس سرہٗ

حضرت شیخ محمد میاں میر بالا پیر کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ زاہد و عابد اور قانع حرص و آز تھے۔ آپ پر اکثر و بیشتر حالتِ جذب و سکر طاری رہتی تھی۔

نقل ہے، آپ ایک دفعہ امامِ جماعت ہوئے۔ حالتِ رکوع میں ایسے استغراق

میں گئے کہ دیر تک سر نہ اٹھایا۔ مقتدیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنی اپنی نماز ادا کی۔ آپ اس حالت میں سات روز تک مستغرق رہے۔ ۱۴۔ ماہِ صفر بروز چہار شنبہ ۱۰۲۹ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

چوں مصطفیٰ بفضلِ ربّانی — شد ز دنیا بجنتِ اعلیٰ
مصطفیٰ متقیٔ امجد پیر — گو بہ ترحیلِ آں شہِ والا

۹۸۔ سیّد عبدالوہاب گیلانی قدس سرہٗ

ساداتِ عظام اور اولیائے ذوالکرام سے تھے۔ تعلیم و تربیت حضرت سید عبدالقادر ثالث گیلانی بن سید محمد غوث بالا پیر سے پائی تھی۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر آپ کی تلقین و ہدایت سے فیض یاب ہوئی۔ ۱۰۳۷ھ میں وفات پائی۔

عبدِ وہاب چوں بفضل الحق — رفت آخر بجنت الاعلیٰ
رحلتش گو امامِ دیں فیاض — "افضل و سید و ولی" فرما
۱۰۳۷ھ — ۱۰۳۷ھ

۹۹۔ حضرت شیخ عبداللہ تیہی قدس سرہٗ

ساداتِ گیلانی میں سے تھے۔ والد کا نام عمر بن سید حسن ہے۔ سلسلۂ نسب بارہ واسطوں سے حضرت غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ خرقۂ خلافت دست بدست اپنے آبا و اجداد سے پہنا ہے۔ پندرہ سال کے تھے کہ بہ اشارۂ ربانی ہندوستان تشریف لائے اور موضع تہہ[1] میں سکونت اختیار کی۔ دیارِ ہند کے اکثر مشائخ کبار سے ملاقات کی۔ علومِ ظاہر و باطن میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ مریدوں کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ ہمیشہ باوضو اور مراقبہ میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ سے بہت سی کرامات کا ظہور ہوا۔ چنانچہ صاحب سفینۃ الاولیاء لکھتے ہیں کہ چور اگر آپ کے گھر آجاتا یا وہ اندھا ہو جاتا یا مُردہ پایا جاتا۔ بلکہ جس گاؤں میں آپ

---

[1] تہہ دہلی کے مضافات میں ایک چھوٹا سا موضع ہے (سفینۃ الاولیاء) لیکن بعض کے نزدیک بہت تھا جس کی وجہ سے آپ کو تہی لکھتے ہیں۔

رہتے تھے وہاں کوئی چور آنے کی قدرت نہ رکھتا تھا۔ ایک سو برس کی عمر میں ۱۰۳۷ھ میں وفات پائی۔

شد ز دنیا چو در بہشتِ بریں — شیخ با اختصاص عبد اللہ
بست وصلش "امامِ دیں فیاض" — نیز "صدیق خاص عبد اللہ"

۱۰۳۷ھ

۱۰۰۔ مُلّا حامد قادری قدس سرہٗ

جامع علومِ ظاہر و باطن اور واقفِ رموزِ طریقت و حقیقت تھے۔ قرآن خوانی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ شروع شروع میں حضرت شیخ محمد میاں میر کے فضل و کمال کے منکر تھے۔ پھر ان کی روحانی کشش سے حاضرِ خدمت ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر عبادت و ریاضت میں ہمہ تن مشغول ہو گئے اور کمالاتِ ولایت بڑی جلد حاصل کر لئے۔ تھوڑی ہی مدت میں عالمِ ملکوت کے اسرار و رموز آپ پر منکشف ہو گئے۔ ۱۷ رمضان ۱۰۴۴ھ میں وفات پائی۔ مرقد مرشد کے روضہ کے احاطہ کے اندر ہے۔

جنابِ شیخ حامد پیرِ حق بیں!! — شہِ دیں پیشوائے اہلِ جنت
چو تاریخِ وصالِ او بجستم — عیاں شد "مقتدائے اہلِ جنت"

۱۰ ۴۴ھ

۱۰۱۔ حضرت شیخ محمد میر المعروف بہ میاں میر بالا پیر قادری لاہوری قدس سرہٗ

شیخ محمد میر نام، میاں میر عرف، والد کا نام قاضی سائیں دتہ بن قاضی قلندر تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ملتی ہوتا ہے۔ ۹۵۷ھ میں شہر سیوستان میں پیدا ہوئے۔ ابھی سات برس ہی کے تھے کہ پدر بزرگوار اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بارہ برس تک والدِ ماجد کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی اور سلسلۂ قادریہ کی تلقین بھی محترمہ والدہ صاحبہ ہی سے حاصل کی۔ آپ کے والدین اور ہمشیر اپنے وقت کی عرفا سے تھیں۔ والدہ ہی کی فیضِ صحبت سے عالمِ ملکوت کے کشف کا مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ علومِ متداولہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد

حضرت شیخ خضر سیوستانی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر بے حد ریاضت و مجاہدہ کیا۔ تکمیلِ سلوک کے بعد خرقۂ خلافت پایا اور مرشد نے لاہور میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فرمودۂ مرشد کے مطابق لاہور آکر اقامت پذیر ہو گئے۔ جس وقت آپ لاہور تشریف لائے عمر شریف پچیس برس کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جلد ہی آپ کو مقبول خاص و عام کر دیا۔ آپ اپنے عہد کے امامِ طریقت اور واقفِ اسرارِ حقیقت تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں یکتائے روزگار اور عارفِ کامل ہوئے ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ، زہد و تقویٰ، فقر و فنا اور توکل و قناعت میں اپنے زمانے میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ عابدِ شب زندہ دار تھے۔ ساری ساری رات عبادت میں گزر جاتی تھی۔ حبسِ دم کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی سانس میں صبح کر دیتے تھے جب حالتِ استغراق زیادہ بڑھ جاتی تو ایک ایک ماہ کے بعد افطار کرتے تھے۔ آپ سے بے شمار خوارق و کرامات صادر ہوئیں۔ حضرت غوث الاعظم کے ایسی تھے۔ آپ کا نام بے وضو نہ لیتے تھے۔ سلاطینِ[1] زمانہ آپ سے ملاقات کرنا اور آستانہ عالیہ پر حاضر ہونا فخر و سعادت سمجھتے تھے۔

---

[1] جہانگیر نے اپنی توزک میں اور ملا عبدالحمید لاہوری صاحب شاہ جہان نامہ نے اکثر جگہ آپ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ جہانگیر توزک میں ایک جگہ لکھتا ہے: شیخ محمد میرلاہوری عرف میاں میر سے ان کے علم و فضل اور ان کی بزرگی و پرہیزگاری کی وجہ سے ملاقات کی بڑی خواہش تھی لیکن میں اس زمانے میں آگرے میں تھا اور حالات اس قسم کے تھے کہ لاہور نہیں جا سکتا تھا۔ لہٰذا اپنی حکومت کے چودھویں سال ان کو آگرہ آنے کی دعوت دی جسے انہوں نے نہایت مہربانی سے منظور کر لیا۔ ملاقات کے بعد آپ کے اخلاق اور وسیع معلومات کی تعریف کرتا ہوا لکھتا ہے کہ روحانی پاکیزگی اور صفائے قلب میں یہ بزرگ اپنے زمانے میں لاثانی ہیں۔ میں اکثر ان کے پاس جایا کرتا تھا اور وہ مجھے دینی و دنیوی نہایت باریک نکات بتایا کرتے تھے۔ میری خواہش تھی کہ نقد روپیہ بطور نذرانہ پیش کروں۔ چونکہ ایسی چیزوں کی میں خواہش نہ تھی اس لئے مجھے بھی جرأت نہ ہو سکی۔ آخر میں نے نماز پڑھنے کے لئے سفید ہرن کے چمڑے کا مصلّٰی ان کی خدمت میں پیش کیا جسے انہوں نے قبول فرمایا اور تھوڑے دنوں بعد لاہور روانہ ہو گئے۔ میں نے خدمت کی درخواست کی۔ فرمایا بس خدمت یہی ہے مجھے پھر آنے کی تکلیف نہ دینا ——

(باقی اگلے صفحہ پر)

شہزادہ محمد داراشکوہ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت میاں میر کے بھائی وطن سے تشریف لائے، کھانے کو کچھ نہ تھا۔ بڑے پریشان خاطر ہوئے۔ بھائی کو حجرے میں بٹھایا اور باغ کو گئے۔ وضو کیا، دوگانہ نمازِ نفل ادا کی اور اللہ کے حضور دعا مانگی کہ اے باری تعالیٰ تیرے سوا میرا کوئی یار و مددگار نہیں ہے اور تُو یہ بھی جانتا ہے کہ میرے پاس کوئی شے نہیں ہے جس سے میں اپنے مہمان کی تواضع کرسکوں۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے گھر سے آکر کہا کہ ایک شخص کھانا لایا ہے اور انتظار کر رہا ہے۔ جلدی تشریف لائیے۔ جب آپ گھر پہنچے تو نووارد نے خوانِ طعام پیش کیا اور کہا: جس سے یہ کھانا مانگا گیا ہے اسی نے یہ نقد بھی بھیجا ہے اور کہا ہے اگر کچھ اور درکار ہو تو کہئے تاکہ پہنچا دیا جائے۔ آپ نے اُسی وقت دوگانہ شکر ادا کیا اور مہمان کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔

ایک روز آپ دریائے راوی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک مارِ سیاہ آپ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور ایسی زبان میں گفتگو کی کہ جسے اور کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ پھر تین بار آپ کے گرد طواف کر کے لوٹ گیا۔ حاضرین کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا، سانپ یہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲۳۵)

ملا عبدالحمید شاہجہان نامہ میں لکھتے ہیں، ایک مرتبہ شاہجہان لاہور آکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چونکہ وہ جانتا تھا کہ میاں صاحب نذر و نیاز منظور نہیں کیا کرتے اس لیے ایک تسبیح اور سفید کپڑے کی ایک دستار حضرت کی خدمت میں پیش کی اور بے شمار دعائیں لیں۔ شاہجہان کہا کرتا تھا کہ میں نے صرف دو صوفی ایسے دیکھے ہیں جو علم الٰہیات کے ماہر ہیں۔ ایک میاں میر صاحب اور دوسرے محمد فضل اللہ بھاری۔ شاہجہان اپنے دورِ حکومت میں دو دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، ایک دفعہ کشمیر جاتے ہوئے اور دوسری دفعہ کشمیر سے واپسی پر۔

داراشکوہ بھی اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں جہانگیر سے آپ کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ جہانگیر آپ کی باتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ تخت چھوڑ دینے کی خواہش ظاہر کی مگر آپ نے منع فرمایا۔

حضرت خاوند محمود المعروف حضرت ایشاں المتوفی ۹۵۲ھ آپ کے ہمعصر تھے۔ اکثر مسائل میں آپ سے استصواب کرتے رہتے تھے خاص کر مسئلہ وحدت وجود پر حضرت ایشاں وحدت وجودی یعنی ہمہ اوست کے قائل نہیں تھے۔ جو شخص اس کا قائل ہوتا تھا اس کی سخت سرزنش کرتے تھے۔ اسی مسلک میں آپ حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی المتوفی ۱۰۳۴ھ کے ہمنوا تھے یعنی وحدت کے قائل تھے۔ (مترجم)

کہتا تھا کہ میں نے عہد باندھا تھا کہ جب آپ کو دیکھوں گا تو تین بار آپ کا طواف کروں گا۔ میں نے اجازت دے دی اور وہ طواف کر کے چلا گیا۔

ایک روز آپ میر زین خاں کے باغ میں تشریف فرما تھے ایک فاختہ نے بڑے پُر سوز لہجے میں کُو کُو کرنا شروع کیا۔ اتنے میں ایک شکاری آیا اور اس نے اسے ایک ڈھیلہ مارا جس کی چوٹ سے وُہ گر کر مر گئی اور شکاری نے اسے مردہ سمجھ کر پھینک دیا۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ اس فاختہ کو اٹھا لاؤ۔ وُہ اٹھا لایا آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ اسی وقت زندہ ہو گئی اور اڑ کر درخت پر جا بیٹھی اور پھر اسی انداز میں کُو کُو کرنا شروع کیا۔ شکاری اس کی آواز سن کر لوٹا اور اسے پھر نشانہ بنانا چاہا۔ آپ نے شکاری کو روکا مگر وہ باز نہ آیا۔ وہ اسے نشانہ بنانا چاہتا ہی تھا کہ اس کے ہاتھ میں سخت درد پیدا ہوا اور زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ آپ اس کے پاس پہنچے اور فرمایا: اے بے درد یہ اسی بے دردی کا نتیجہ ہے جو تو نے فاختہ پر روا رکھا۔ وُہ اُٹھ کر آپ کے قدموں میں گر پڑا اور معذرت خواہ ہوا۔ آپ نے درگزر فرمایا اور وہ شکاری حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر بلند مرتبے پر فائز ہوا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا: میرا لڑکا بیمار ہے اس کے لیے دعائے صحت فرمائیے۔ آپ نے کُوزہ میں پانی دم کر کے دیا کہ اپنے بیٹے کو پلائے جس کے پینے سے وہ صحتیاب ہو گیا۔

اسی طرح ایک شخص کو لائے اور عرض کیا: حضور یہ گونگا ہے بات نہیں کرتا۔ توجہ فرمائیے کہ یہ بولنے لگے۔

آپ نے لڑکے سے فرمایا: پڑھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس نے یہ کلمہ پڑھا اور بولنے لگ گیا۔

ایک دفعہ آپ نے وُہ رومال جس سے وضو کر کے مُنہ پُونچھتے تھے اپنے ایک خادم کو عطا فرمایا اور کہا کہ اسے اپنے پاس رکھو۔ گھر میں جو کوئی بیمار ہو اس کے سر پر باندھ دینا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفایاب ہو گا۔ خادم نے اس رومال کو بڑا نفع رساں پایا بلکہ اس سے آسیب زدہ بھی اچھا ہو جاتا تھا۔

ایک دن آپ باغ میں تشریف لے گئے اور سرو کے درخت سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کون سے ذکر پر مامور ہے۔ درخت نے جواب دیا: اسمِ "یا نافعُ" پر۔

ایک روز آپ کی مجلس میں ایک مغل برہنہ سر و برہنہ پا آکر بیٹھ گیا۔ اس کے بدن پر صرف ایک تہ بند تھا۔ اتنے میں ایک شخص حاضر ہوا پچیس روپے نذر گزرانے جو آپ نے خلافِ معمول قبول فرمائے اور یہ رقم اس مغل زادہ کو دے دی اور فرمایا کہ گھوڑا خرید لو اور فلاں شہزادے کے پاس چلے جاؤ ملازمت مل جائے گی۔ یہ دیکھ کر حاضرین مجلس میں سے ایک شخص بڑا برہم ہوا اور کہنے لگا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک ہی شخص کو ساری کی ساری رقم دے دی جائے حالانکہ اس میں دوسرے درویشوں کا بھی حق تھا۔ چنانچہ وہ اسی قسم کی بیہودہ باتیں بکتا ہوا چلا گیا۔ آپ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: اس شخص کی کمر میں ایک سو بائیس روپے آٹھ آنے بندھے ہوئے ہیں اور پھر اپنے آپ کو مستحق قرار دیتا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے چاہا ہے کہ اس کا روپیہ تلف ہو جائے اور یہ اسی روپے کے غم میں مر جائے۔ چنانچہ وہ حریص و بدلگام شخص ایک غسل خانے میں نہانے کے لئے گیا۔ کمر سے تھیلی کو کھول کر رکھ دیا مگر جاتے ہوئے اٹھانا بھول گیا۔ وہ تھیلی کسی اور شخص کے ہاتھ میں آگئی جسے وہ اٹھا کر لے گیا۔ اس زبان دراز کو جب اپنی تھیلی یاد آئی تو روتا پیٹتا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: تیری وہ تھیلی فلاں درویش کے پاس ہے اور وہ اس وقت کشتی میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس سے جا کر لے لے۔ وہ اس درویش کے پاس پہنچا اس نے وہ تھیلی خود ہی اس کے حوالے کر دی مگر یہ اس صدمے سے بیمار ہو چکا تھا آخر مر گیا۔ اس کا مال دو خادم بانٹنے لگے۔ ایک تیسرا شخص انہیں دیکھ رہا تھا اس نے ان دونوں کے کھانے میں زہر ملا دیا جس سے دونوں ہلاک ہو گئے۔ اور تیسرا قتلِ ناحق کی پاداش میں مارا گیا اور بخیل کا مال کسی کے کام نہ آیا۔

حضرت کا ایک خادم نور نامی بیان کرتا ہے کہ ایک رات حضرت حجرے کے اوپر تشریف لے گئے اور مجھے فرمایا کہ پانی کا کوزہ، پنکھا اور نعلین وہاں رکھ دوں۔ میں پنکھا اور نعلین تو وہاں رکھ آیا مگر پانی رکھنا بھول گیا۔ رات کے ایک حصے میں میں بیدار ہوا اور کوزۂ آب رکھنا مجھے یاد آیا۔ میں جلدی سے اٹھا، کوزہ بھرا اور وہاں رکھنے کے لئے گیا مگر آپ کو

وہاں نہ پایا۔ بڑا حیران ہوا۔ دیا جلا کر بھی آپ کو تلاش کیا مگر حضرت نظر نہ آئے۔ نمازِ صبح کا وقت ہوا تو آپ نے مجھے آواز دی کہ پانی پلاؤ۔ میں پانی لے کر حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ رات کہاں تھے؟ آپ نے نہ بتایا۔ جب میں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ نارِ حرا میں تھا۔ وہاں جو عبادت میں لطف آتا ہے اور کہیں نہیں آتا۔ اُن لوگوں پر افسوس ہے جو مکہ معظمہ جاتے ہیں اور اس جگہ کی زیارت نہیں کرتے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کیا کرتے تھے۔ وہیں آپ پر نزولِ وحی ہوا تھا۔

جب جہانگیر بادشاہ کشمیر میں تھا تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور مرزا سمام الدین مرید خواجہ باقی باللہ کے خلاف بعض دشمنوں نے بادشاہ کے کان بھرے۔ جہانگیر نے دونوں کو کشمیر میں حاضر ہونے کا حکم دیا اور لکھا کہ شیخ عبدالحق کا بیٹا شیخ نورالحق کابل چلا جائے۔ شیخ عبدالحق پریشان حال لاہور آئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: خاطر جمع رکھئے آپ سب لوگ دہلی ہی میں رہیں گے۔ چنانچہ اسی اثنا میں جہانگیر کے فوت ہو جانے کی خبر کشمیر سے آگئی اور اس کی نعش لاہور لا کر دفن کر دی گئی اور یہ تینوں حضرات دہلی ہی میں رہے۔

امرتسر لاہور سے ایک نے اپنی حویلی میں کنواں کھدوایا مگر پانی کھاری نکلا۔ وہ اس پانی کا کوزہ بھر کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی پریشان حالی بیان کی۔ آپ نے سورۂ الحمد پڑھ کر پانی پر دم کیا۔ اس میں سے خود تھوڑا سا پیا اور فرمایا: یہ پانی جا کر کنویں میں ڈال دو۔ چنانچہ اس عمل سے اس کنویں کا پانی شیریں اور سرد ہو گیا۔

عہد جہانگیر میں قلعہ کانگڑہ کا محاصرہ ہوا۔ جو افسر قلعے کی تسخیر پر مامور تھے اُن میں سے ایک افسر آپ کا مرید تھا۔ اُس نے آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور التجائے دعا کی۔ آپ نے اُس عریضہ کی پشت پر یہ لکھ کر بھیج دیا کہ ان شاء اللہ قلعہ جلد ہی فتح ہو جائے گا۔ چنانچہ چار روز کے بعد وہ قلعہ فتح ہو گیا۔

ایک شخص محمد فاضل نامی آپ کا مرید تھا اُس کا لڑکا فوت ہو گیا۔ وہ بڑا غمگین آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: غم نہ کھا تیری بیوی حاملہ ہے اللہ تجھے نعم البدل عطا فرمائے گا۔ چنانچہ جب لڑکا پیدا ہوا تو آپ نے اس کا نام افضل رکھا اور فرمایا کہ تقدیر میں تو لڑکی تھی مگر میں نے تین مرتبہ بارگاہِ خداوندی میں دعا کی جو قبول ہوئی اور لڑکا پیدا ہوا۔

ایک شخص کی کنیز بہت سا مال لے کر (جو ایک اور شخص کی امانت تھی) فرار ہو گئی۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دعا ہوا۔ فرمایا: رنجیدہ نہ ہو۔ کنیز تیرے گھر ہی میں ہے۔ چنانچہ جب وہ گھر پہنچا تو کنیز کو موجود پایا۔ پوچھا: کہاں غائب ہو گئی تھی۔ کہنے لگی۔ بہت دور بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک شخص نے بازو پکڑ کر مجھے یہاں لا بٹھایا۔ حیران ہوں اتنے دور دراز فاصلے سے چشم زدن میں میں یہاں کیسے پہنچ گئی۔

ایک عالم فاضل شخص ملا سنگی رودستاقی نامی آپ کے خدام سے تھا۔ کئی سال سے آپ کی خدمت میں رہ رہا تھا۔ ایک روز آپ نے اسے فرمایا: ملا سنگی تمھیں ایک بار اپنے وطن سے ضرور ہو آنا چاہئے مگر ملا جی کا دل نہیں چاہتا تھا۔ ارشادِ مرشد کی تعمیل بھی ضروری تھی۔ ملا وطن روانہ ہو گئے۔ شام کے وقت رودستاق میں داخل ہوئے۔ اپنے گھر کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔ شمعیں جل رہی ہیں۔ کھانا تیار ہو رہا ہے۔ ایک شخص سے پوچھا: کیا بات ہے۔ اس نے جواب دیا: یہ ملا سنگی کا گھر ہے۔ وہ بائیس سال سے ہندوستان گیا ہوا ہے، چند مہینے ہوئے اس کی موت کی خبر آئی۔ اس کی بیوی نے عدت کی مدت گزار لی ہے ایک شخص نے اس سے نکاح کی خواہش کی ہے۔ یہ محفل اسی تقریب کی ہے۔ یہ سن کر ملا سنگی کو خیال آیا کہ حضرت نے مجھے اسی لیے وطن آنے کی ہدایت کی تھی۔ اسی اثنا میں ملا سنگی کے رشتہ داروں کو ملا کے آنے کی اطلاع مل گئی وہ بڑے خوش ہوئے اور تمام محفل درہم برہم ہو گئی پس ملا کچھ مدت اپنے اہل و عیال میں رہے اور ان کے نان و نفقہ کا انتظام کر کے پھر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا: کیوں ملا اگر گھڑی بھر دیر ہو جاتی تو بڑی قباحت واقع ہوتی۔ ملا نے مرشد کی قدم بوسی کر کے عرض کیا: اللہ کے فضل اور آپ کی توجہ سے فتنہ ٹل گیا۔

ایک روز آپ اپنے مرید و خلیفہ ملا شاہ بدخشانی کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ حضرت ملا شاہ کو کشفِ قبور حاصل تھا۔ عرض کیا: آپ سنتے ہیں کہ اس قبر سے کیا آواز آتی ہے۔ فرمایا کیا آواز آتی ہے۔ عرض کیا: صاحبِ قبر یوں کہتا ہے کہ میں جوانی کے عالم میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اپنی بداعمالیوں کے باعث عذابِ قبر میں گرفتار ہوں۔ تعجب ہے آپ حضرات میری قبر پر سے گزریں اور میرے عذاب میں تخفیف نہ ہو۔ آپ نے فرمایا صاحب قبر سے

پوچھو تمہارا عذاب کس طرح رفع ہو سکتا ہے۔ ملا شاہ نے مراقبہ سے معلوم کر کے کہا صاحبِ قبر کہتا ہے کہ اگر ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کا ثواب مجھے پہنچایا جائے تو یہ عذاب اٹھ سکتا ہے۔ حضرت شیخ نے سب سے کلمہ پڑھنے کو فرمایا اور خود بھی پڑھنا شروع کیا۔ جب پورا ہو گیا اور اس کا ثواب صاحبِ قبر کو پہنچا دیا گیا تو ملا شاہ نے کہا صاحبِ قبر کہتا ہے کہ کلمہ طیبہ اور آپ بزرگوں کے دم قدم کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عذابِ قبر سے نجات دے دی ہے۔

۷۔ ربیع الاوّل بروز سہ شنبہ ۱۰۴۵ھ میں بعہدِ شاہ جہان وفات پائی۔ اس وقت لاہور کا حاکم نواب وزیر خاں تھا۔ اٹھاسی سال کی عمر پائی۔ ساٹھ سال سے زیادہ لاہور میں اقامت پذیر رہے۔ مزار لاہور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔ حضرت کے چار بھائی میاں قاضی، قاضی عثمان، قاضی طاہر اور قاضی محمد تھے۔ دو بہنیں بی بی بادی اور بی بی جمال خاتون تھیں جو اپنے عہد کی عارفہ کاملہ تھیں۔ حضرت شیخ کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی کیونکہ آپ نے تمام عمر تجرد میں بسر کی تھی اس لئے آپ کی وفات کے بعد آپ کی ہمشیر جمال خاتون کے فرزند محمد شریف المتوفی ۱۰۵۴ھ سجادہ نشین ہوئے۔ قطعۂ تاریخ ولادت و وفات:

میر دنیا و دیں میاں میر است — واقفِ راز و محرمِ اسرار
بندۂ مقتدا میاں میر است — سالِ تولیدِ آں شہِ ابرار
ہادیٔ صدق میر اشرف خواں — وصلِ آں شاہِ زبدۃ الابرار

۱۰۲۔ سیّد غلام غوث و شاہ حاکم قدس سرہم العزیز

یہ دونوں بزرگ سلسلۂ عالیہ قادریہ کے اولیائے کاملین سے گزرے ہیں۔ صاحبِ علم و فضل تھے۔ خوارق و کرامات میں درجۂ بلند پر فائز تھے۔ سیّد غلام غوث مرشد اور شاہ حاکم مرید تھے سب سے پہلے ان کے دادا سیّد ظہور الدین بخاری اوچ سے لاہور میں آکر موضع علی پور جو لاہور سے چار میل کے فاصلے پر دریائے راوی کے کنارے پر واقع ہے اقامت پذیر ہوئے تھے راؤ گھاسی پسر علی راؤ جو عہدِ اکبری میں ایک امیرِ کبیر شخص تھا وہ ان کا مرید ہوا۔ سیّد محمد غوث اور

شاہ حاکم عہدِ جہانگیری و شاہجہانی میں بڑے پایہ کے مستجاب الدعوات بزرگ گزرے ہیں۔ خصوصاً حصولِ اولاد کے لیے اکثر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ملتجیٔ دعا ہوا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشتا تھا۔ چنانچہ امرائے شاہ جہانی سے ایک شخص نظام الدین نامی حضرت شاہ حاکم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عطائے فرزند کی دعا کے لئے التجا کی۔ آپ نے بارگاہِ خداوندی میں دعا کی جسے ایزد تعالیٰ نے شرفِ قبولیت بخشا اور اسے لڑکا عطا فرمایا۔

شاہ حاکم نے ایک ہزار چالیس میں اور سید غلام غوث نے ایک ہزار پینتالیس میں وفات پائی۔ بے شمار لوگ ان بزرگوں کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے مزار علی پور میں زیارت گاہِ خلق ہیں اور تا حال ان کے مزار سے ظہورِ کرامت ہوتا ہے۔ چنانچہ سب سے بڑا تصرف ان حضرات کا یہ ہے کہ خانقاہ کے درختوں سے کوئی شخص لکڑی نہیں کاٹ سکتا۔ چنانچہ رنجیت سنگھ کے عہد میں علی پور راجہ دھیان سنگھ وزیرِ سلطنت کی جاگیر میں داخل تھا۔ چنانچہ راجہ کے ملازمین میں سے ایک شخص نے مسواک کی ضرورت کے لئے کچھ لکڑی تراشی تو اسی وقت درخت سے خون ٹپکنا شروع ہو گیا اور کاٹنے والا مرضِ تپ میں مبتلا ہو گیا دو روز بعد مزار پر حاضر ہو کر تائب ہوا اور تکلیف سے نجات پائی۔ چنانچہ سید قطب الدین اور دیگر معتبر حضرات کی زبانی یہ ہمیشہ سنا گیا ہے کہ وفات سے دو سو سال بعد دریائے راوی سید محمد غوث کے مزار کے بہت قریب آ گیا اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں مزارات منہدم نہ ہو جائیں۔ چنانچہ نبیرہ شاہ اور ان کی اولاد و افرادِ خاندان نے ان بزرگوں کی لاشوں کو نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیا۔ لاشیں تین حضرات کی نکالی گئیں۔ اوّل سید غلام غوث کی، دوم آپ کے فرزند سید صدر الدین کی، سوم ان کے فرزند سید عوض علی کی۔ جب یہ تینوں لاشیں مدفن سے نکالی گئیں تو وہ بالکل تر و تازہ تھیں اور مٹی نے ان پر کوئی تصرف نہیں کیا تھا۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

غلام غوث قطب ہر دو عالم — ولیِ پاک حق آگاہ ذیجاہ
وعائش شیخ حق آگاہ گفتم — دوبارہ نیز ہادی شاہ ذیجاہ

۱۰۴۵ھ

حضرت شاہ حاکم کی تاریخ وفات "مکمل شیخ" ۱۰۴۵ھ سے حاصل ہوتی ہے۔

۱۰۳۔ حضرت شاہ بلاول قادری لاہوری قدس سرہٗ

شاہ بلاول اسم گرامی، والد کا نام سید عثمان بن سید عیسیٰ تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد ہمایوں بادشاہ کے ہمراہ ہرات سے ہندوستان میں آئے اور موضع شیخوپورہ میں آباد ہو گئے۔ شاہ بلاول کی ولادت بھی یہیں ہوئی۔ لاہور میں علوم ظاہر و باطن کی تحصیل کی۔ سلسلۂ قادریہ میں شاہ شمس الدین قادری لاہوری قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے۔ متاخرین مشائخ میں بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ اپنے عہد کے عالم و فاضل، متقی و متشرع، صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ کتاب محبوب الواصلین جو خاص آپ کے ذکر میں لکھی گئی ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ آپ مادر زاد ولی تھے سات برس کا سن تھا کہ ان کا ایک ہم عمر لڑکا فوت ہو گیا۔ آپ یہ سن کر اس کے سرہانے گئے اور کہا اے یار بے وقت سونا اچھا نہیں ہے آؤ چل کر کھیلیں۔ لڑکے نے اسی وقت آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر ساتھ چلا گیا۔ آپ کے دادا سید عیسیٰ نے جب یہ سنا تو آپ کو شیخ فتح محمد لاہوری جو اپنے عہد کے جید علماء سے تھے کے حلقۂ درس میں بھیج دیا۔ آپ نے تھوڑی ہی مدت میں علوم ظاہری میں بھی کمال حاصل کر لیا۔

ایک روز آپ دریائے راوی کے کنارے جا رہے تھے کہ حضرت شاہ شمس الدین قادری لاہوری کشتی سے اترے۔ آپ نے فوراً شیخ بلاول کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی ذات کی معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔ میری صحبت میں رہو اور فیضِ باطن جو میرے پاس تمہاری امانت ہے اسے حاصل کرو۔ شیخ بلاول یہ سنتے ہی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر بے اندازہ ظاہری و باطنی کمالات اکتساب کر کے خرقۂ خلافت پایا۔ مرجع خلائق تھے۔ خاص و عام آپ کی خدمت میں حاضر ہونا باعثِ فخر و افتخار سمجھتے تھے۔ استغنا اور فقر و غنا میں

لہ عبدالحمید لاہوری اپنی کتاب بادشاہ نامہ میں رقم طراز ہیں "شاہجہان بادشاہ تخت نشینی کے بعد ۱۰۳۸ھ کو لاہور آیا ۱۲ صفان کو جہانگیر کے مزار کی زیارت کی وہاں دس ہزار روپیہ غربا میں تقسیم کیا۔ حضرت میاں میر کی خدمت میں بھی

(باقی اگلے صفحہ پر)

ممتاز الوقت تھے۔

ایک روز آپ کے مرشد دریا کے ایک درخت کے سایہ میں آرام فرما رہے تھے اور آپ حاضرِ خدمت تھے کہ ایک جاٹ نے آکر درخت سے لکڑیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ آپ نے ہر چند اسے منع فرمایا مگر وُہ باز نہ آیا۔ آپ نے اس کی جانب نگاہِ غضب سے دیکھا وُہ اسی وقت گِر کر مر گیا۔ حضرت شیخ شمس الدین نے بیدار ہو کر فرمایا: ہم فقیروں کے لئے ایسا جلال و غضب روا نہیں ہے اب مناسب یہی ہے کہ حضرت شاہ ابو اسحاق کے ایک حجرے میں خلوت نشین ہو کر تلاوتِ قرآن میں مشغول ہو جاؤ۔ چنانچہ شاہ بلاول کئی سال وہاں رہے اور یہ مدت تلاوت اور نماز و روزۂ دوام میں گزار دی۔

صاحبِ محبوب الواصلین لکھتے ہیں کہ محلہ شیخ ابو اسحاق میں آپ کے ہمسایہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور رسم کے مطابق بھانڈ زرِ مبارک باد لینے کے لیے آئے وہ بڑا تنگ دست اور مفلس تھا۔ آپ اس کے حال سے واقف تھے۔ آپ ایک مٹی کا لوٹا لے کر حجرے سے باہر

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۳) حاضر ہوا۔ کچھ رقم حضرت میاں میر کی خدمت میں نذر کی مگر آپ نے قبول نہ فرمائی۔ ۱۹ تاریخ کو شیخ بلاول کو دو ہزار روپیہ نذر کیا جو انہوں نے کچھ تو درویشوں میں تقسیم کر دیا باقی خادم مطبخ کے حوالے کر دیا کہ درویشوں اور مسافروں پر خرچ ہو۔ وہ زاہد و پرہیزگار درویش تھے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ بادشاہ نے حضرت بلاول سے پوچھا حضرت میاں میر نے میرا نذرانہ قبول نہ کیا اور آپ نے کر لیا۔ فرمایا حضرت میاں میر ملکی صفات کے حامل ہیں ان کی توجہ دنیا کی طرف نہیں ہے۔ ہمارے ہاں درویش اور مسافر آرام پاتے ہیں اور لنگر خانہ موجود ہے جہاں سے ان کو کھانا ملتا ہے اس لیے ہمیں روپیہ کی بھی ضرورت رہتی ہے۔ واپسی پر بادشاہ و رعایا حضرت میاں میر کے پاس گئے۔ عرض کیا آپ نے میری پیش کش قبول نہ فرمائی مگر حضرت شاہ بلاول نے قبول فرمالی۔ فرمایا: وہ بزرگ ولی کامل دریا کی مانند ہیں۔ میں اُن کے سامنے ایک معمولی تالاب ہُوں۔ دریا میں اگر کوئی پلید چیز پڑ جائے تو وہ پلید نہیں ہوتا لیکن تالاب پلید ہو جاتا ہے۔ بادشاہ یہ سُن کر جب قلعہ میں گیا تو سجدۂ شکر بجا لایا اور کہا الحمد للہ میرے زمانے میں ایسے ایسے بزرگ بھی ہیں، جن کا رضائے الٰہی کے سوا اور کوئی مقصد نہیں۔

دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے: "یہ فقیر بھی آپ کی خدمت میں حاضری دے چکا ہے۔ آپ کے چہرے پر ریاضت و مجاہدہ کے نشانات ظاہر تھے۔ روزانہ کافی لوگ آپ کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔"

آئے اور اُسے دیوارِ ہمسایہ پر مار کر توڑ ڈالا۔ تمام ٹکڑے زرِ خالص بن گئے جنہیں نقال اٹھا کر لے گئے۔ اور ہمسایہ کو ان سے خلاصی ہوئی۔

آپ کی خانقاہ میں لنگر عام جاری تھا۔ دونوں وقت لوگوں کو کھانا ملتا تھا۔ آپ خود بھی بڑے خوش پوشاک تھے لنگر خانہ میں ہر قسم کا سامان موجود رہتا تھا۔ ایک رات ایک چور سامان چرانے کی غرض سے باورچی خانہ میں داخل ہوا مگر حکم الٰہی سے اندھا ہو گیا اور ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ رہا۔ صبح کو آپ نے خادمِ باورچی خانہ کو بلایا اور کہا باورچی خانہ میں ایک اندھا بیٹھا ہوا ہے اُسے بُلا کر دُگنا کھانا دو وہ رات سے بھوکا ہے۔ داروغہ باورچی خانہ نے اسے بُلا کر کھانا دینا چاہا۔ اس نے کہا مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔ مجھے حضرت شاہ بلدول کے پاس لے چلو۔ چنانچہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سر قدموں پر رکھ کر معافی مانگی۔ حلقۂ ارادت میں داخل اور آپ کی دعا سے بینا ہو گیا۔ صاحب محبوب الواصلین نے آپ کی روزانہ تقسیمِ اوقات اس طرح تحریر کی ہے۔ صبح سے چاشت تک مصروفِ مراقبہ و عبادت رہتے۔ پھر اپنے ہاتھ سے کھانا تقسیم فرماتے۔ دوپہر کے بعد ایک گھنٹہ قیلولہ کرتے پھر ظہر کی نماز باجماعت ادا کرتے۔ پھر حلقۂ مریداں میں تشریف لاتے اور ذکر و فکر میں مشغول ہو جاتے۔ اس اثناء میں لوگ بیماروں کو شفایاب کرانے کے لئے پانی کے کوزے لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ شیخ دعا پڑھ کر اس پر دم کرتے۔ اس طرح سینکڑوں بیمار شفایاب ہو جاتے۔ اس کے بعد دو منشی حاضر ہوتے جو حاجت مندوں کے لیے بادشاہ اور امراء کی طرف آپ کی جانب سے سفارشی رقعے لکھتے ان پر صرف اللہ بس باقی ہوس ہی لکھا ہوتا۔ بادشاہ اور امیر آپ کی سفارش منظور کرتے اور حاجت مندوں کی غرض پوری ہو جاتی۔ نمازِ عصر کے بعد پھر مراقبہ اور ذکر و فکر شروع ہو جاتا۔ شام کو پانی کے گھونٹ سے روزہ افطار کرتے۔ پھر کھانا تقسیم کرنے کے لئے باہر تشریف لاتے۔ تقسیمِ طعام کے بعد خود جَو کی روٹی چولائی کے ساگ کے ساتھ تناول فرماتے وہ بھی چند نوالے۔ پھر عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر حجرۂ خاص میں تشریف لے جاتے اور نمازِ تہجد تک تین قرآن ختم کرتے۔

ایک روز شیخ ابو طالب جو وہ ہزاری منصب دار اور آپ کا مرید تھا۔ حاضرِ خدمت ہوا۔ عرض کیا کہ میرے دیہات کی جاگیر میں بارش نہیں ہوئی۔ دعا فرمائیے آپ نے آسمان کی طرف

منہ کر کے دُعا کی۔ فوراً ابر نمودار ہوا۔ آپ نے فرمایا، جا اور ابو طالب کی جاگیر پر برس۔ بادل وہاں سے اُڑا اور اس کی جاگیر پر جا کر برسا۔

دوشنبہ ۲۸۔ شعبان ۱۰۴۶ھ کو بعہدِ شاہ جہان شہر برس کی عمر میں وفات پائی۔

زدنیا شد چو در خلدِ معلّٰی — جنابِ شہ بلاول شاہِ شاہاں
بگو مقبولِ حق سرمست تاریخ — دگر کامل مہ فضل است اے جاں
۱۰۴۶ھ

نیز حدیقۃ الاولیا میں اردو میں قطعۂ تاریخ درج ہے۔

شاہ بلاول شاہِ عالی جاہ تھے — حضرتِ حق سے ملا اُن کو بہشت
اُن کا ہُوا معرفت ہے خاتمہ — دوسری تاریخ ہے نیکو سرشت
۱۰۴۶ھ

مزار گھوڑے شاہ اور باغ راجہ دینا ناتھ کے نزدیک واقع ہے۔ پہلے آپ کا مقبرہ دریائے راوی کے قریب تھا۔ ۱۲۵۲ھ میں دریائے راوی مقبرے کے بالکل قریب بہنا شروع ہو گیا تو اس اندیشہ سے کہ کہیں مزار کو نقصان نہ پہنچے۔ آپ کی نعشِ مبارک کو وہاں سے نکال کر اس جگہ دفن کیا گیا۔

۱۰۴۔ سیّد عبدالقادر اکبر آبادی قادری قدس سرّہٗ

اپنے زمانے میں مشائخ قادریہ میں درجۂ بلند رکھتے تھے۔ سکونت اکبر آباد میں تھی۔ صاحبِ فضل و کمال تھے۔ علم و عمل، زہد و تقویٰ، ریاضت و عبادت میں لاثانی، صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں گزاری۔ ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔ مزار اکبر آباد میں ہے۔

۱۰۵۔ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدّث دہلوی ثم البخاری علیہ الرحمۃ اللہ الباری

اپنے زمانے کے جیّد علماء و صلحاء سے تھے۔ حضرت شیخ سیّد جمال الدین ابوالحسن موسیٰ پاک شہید المتوفی ۱۰۰۱ھ کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ اِن کی وفات کے بعد حضرت شیخ عبدالوہاب متقی

سے اخذِ فیض کیا۔ علومِ ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ تمام عمر تصنیف و تالیف، درس و تدریس اور رفعِ زندقہ و الحاد میں بسر کی۔ جہانگیر کے زمانے میں مقبولِ خاص و عام تھے۔ جہانگیر آپ کی ملاقات کے لیے آپ کے مکان پر حاضر ہوا تھا اور آپ نے اپنی مشہور ترین تالیف اخبار الاخیار بادشاہ کی نذر گزرانی تھی۔ آپ نے عہدِ اکبری سے لے کر اپنے عہد تک کے دینی و سیاسی حالات و واقعات کا جائزہ لے کر بڑے غور و فکر کے بعد دینی نصابِ تعلیم میں قرآن و حدیث کو مقدم قرار دیا اور ہر طالب علم کے دل پر یہ نقش کرنے کی کوشش کی کہ جو شخص قرآن کریم کی تفسیر میں رائے کو دخل دے وہ کفر و الحاد کا مرتکب ہے۔ وہ علم علم نہیں جو تقویتِ دین و ملت کا باعث نہ ہو۔

آپ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے ہمعصر تھے۔ ابتدا میں اُن کے بعض اقوال اور باطنی ادراکات پر شرعی نقطۂ نگاہ سے گرفت بھی کی تھی جس کی تفصیل کتاب معارج الولایت میں مذکور ہے۔ بعد میں رفع التباس پر حضرت مجدد سے مراسم مستحکم ہو گئے تھے۔ شرح مشکوٰۃ عربی و فارسی، کتاب صراط المستقیم، اخبار الاخیار، شرح فتوح الغیب، کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے مفصل حالات میں، زاد المتقین، مرج البحرین، مدارج النبوت، تکمیل الایمان، شرح سفر السعادت اور دیگر کئی ایک رسائل علمِ تصوف میں آپ کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔

۱۰۵۱ھ میں بعہدِ شاہجہان وفات پائی۔ مزار دہلی میں ہے۔

ز دنیا وصل با حق یافت آخر — چو عبدالحق ولیِ پاک معصوم
وصالش یافتم با طرزِ رنگیں!! — ز عبدالحق امامِ دیں مخدوم
۱۰۵۱ھ

۱۰۶۔ پیر مسکین شاہ امری قدس سرہٗ

میر عنایت اللہ نام، پیر مسکین شاہ امری خطاب، حضرت شیخ محمد میر معروف بہ میاں میر کے مرید و خلیفہ اور کمالاتِ ظاہری و باطنی سے مزین تھے۔ زراعت سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔

اتفاقاً ایک سال بارش نہ ہوئی۔ آپ کی زمین بالکل بارانی تھی۔ اس قحط سالی میں سب کے کھیت خشک رہے مگر آپ کی زمین سے فصل پک کر خوب غلّہ حاصل ہُوا۔ اسی وجہ سے آپ مسکین امری مشہور ہو گئے کہ آپ کی کھیتی امر الٰہی سے بارش کے بغیر پک گئی۔ ۱۰۵۲ھ میں بعہدِ شاہ جہان وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

حضرتِ مسکیں شہِ ہر دو سرا — ہر کہ رویش دید رشکِ ماہ گفت
مہرِ سالِ وصلِ آں عالی جناب — دل ولی درویش مسکیں شاہ گفت
۱۰۵۲ھ

۱۰۷۔ سیّد محمد مقیم محکم الدّین قدس سرّہٗ قادری حجروی

والدِ ماجد کا نام شاہ ابو المعالی بن سیّد محمد نور بن سیّد بہاء الدین المشہور بہاول شیر تھا۔ خورد سالی ہی میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا مگر تعلیم و تربیت پُوری طرح ہُوئی تھی۔ علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد اکتسابِ علومِ باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہر روز اپنے جدِ امجد کے مزار پر جا کر مراقبہ اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ ایک رات اپنے جدِ بزرگوار کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں: اے فرزند تیرا حصّہ ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ سیّد جمال اللہ حیات المیر زندہ پیر کے پاس ہے۔ لاہور جاؤ وہاں اُن سے تمہاری ملاقات ہوگی۔ چنانچہ آپ اس ارشاد کے بموجب لاہور آئے۔ ایک روز گورستانِ میانی میں مزار شیخ محمد طاہر کے قریب آپ کو موجود پایا۔ خدمت میں حاضر ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہُوئے اور کمالاتِ ظاہری و باطنی حاصل کئے۔ صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔

نقل ہے ایک روز آپ ایک درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا: فلاں عابد کی کئی بیویاں ہیں۔ ہر رات اپنی ہر ایک بیوی کے پاس بھی جاتا ہے اور اپنے حجرے میں بھی مشغولِ عبادت نظر آتا ہے۔ ایک درویش نے سُن کر دل میں اس سے انکار کیا۔ آپ کو اُس کا یہ انکار نورِ باطن سے معلوم ہو گیا۔ فرمایا: اولیاء کی کرامت کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔ یہ کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اس درخت کی طرف نگاہ کرو۔ ولی تشفّی پاؤ گے۔

درویش نے جب درخت کی طرف نگاہ کی دیکھا کہ شاہ محمد مقیم درخت کی ہر شاخ پر موجود ہیں۔

نقل ہے موضع حجرہ کے ایک زمیندار نے اپنی زمین میں گاجریں کاشت کیں۔ ایک رات آپ اس طرف سے گزرے اور اپنے خدام سے فرمایا کہ تمام گاجریں نکال لو۔ خدام نے حکم کی تعمیل کی لیکن اس کے دل میں بڑا تعجب تھا کہ شیخ نے مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کام کرنے کو کہا ہے۔ صبح کو کھیت کا مالک حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے گاجریں کاشت کی تھیں اور ارادہ تھا کہ تیار ہونے پر حضور کے غلاموں کے لئے نذر کروں گا مگر ایک شخص آکر تمام گاجریں نکال کر لے گیا ہے۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا، حق بحق داراں رسید۔

نقل ہے آپ کے برادرِ حقیقی کی بیوی حاملہ تھی۔ جب بچہ پیدا ہونے کا وقت قریب آیا تو موصوفہ کو شدت سے دردِ زہ کا آغاز ہوا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ دعا کیجئے درد کی تکلیف دور ہو۔ فرمایا، ان شاء اللہ دور ہو جائے گا اور نہ رہے گا۔ آپ کی زبان سے یہ بات نکلتے ہی حضرت بی بی صاحبہ کا حمل غائب ہو گیا اور جب تک زندہ رہیں، حاملہ نہ ہوئیں۔

۱۰۵۵ھ میں وفات پائی مزار موضع حجرہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چوں محمد مقیم محکم دیں !! شد ز دار الفنا مقیم بہشت
رحلتش دوستدارِ فقر آمد !! نیز جانِ جناں مقیم بہشت

۱۰۵۵ھ

۱۰۸۔ شیخ مادھو لاہوری قدس سرہٗ

آپ شیخ حسین لاہوری کے خلفاء اور مجبوبانِ دل پسند میں شمار ہوتے ہیں۔ بڑے صاحبِ عشق و محبت اور واقفِ ذوق و شوق تھے۔ آپ کے حالات کتاب حقیقۃ الفقراء میں یُوں درج ہیں کہ ایک برہمن کے لڑکے تھے جو شاہدرہ (نزد لاہور) میں رہتا تھا اور بڑے صاحبِ جمال اور خوش شکل تھے۔ ایک دن گھوڑے پر سوار گزر رہے تھے کہ شاہ حسین کی نگاہ ان کے جمال و حسن پر جا پڑی اور ان کے عشقِ مجازی نے شاہ حسین کا دل چھین لیا۔ چنانچہ شاہ حسین لاہور چھوڑ کر شاہدرہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ساری رات دیوانہ وار مادھو کے مکان کا طواف کرتے اور دن کے وقت جہاں سے خبر آتی کہ مادھو فلاں جگہ ہے، سرو چشم چلے جاتے۔ مادھو تو آپ کے اس عشقِ جہاں سوز سے بے تعلق تھا اور بڑی بے اعتنائی اور بے نیازی سے رہتا۔ البتہ رات کے وقت اپنے گھر والوں سے جو رازدارانہ باتیں کرتا، شیخ حسین علی الصبح بازار میں فاش کر دیتے۔ ان حالات نے حسین لاہوری کے عشق کو زمانہ بھر میں مشہور کر دیا اور لوگوں نے اس عشق کی کئی کہانیاں بنانا شروع کر دیں۔ "القلب یہدی الی القلب" کے پیشِ نظر شاہ حسینؒ کی محبت کے اثرات مادھو لال کے دل پر وارد ہونے لگے اور کبھی کبھی شاہ حسینؒ کو ملنے کے لئے آنے لگے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ہر وقت شاہ حسینؒ کی خدمت میں حاضر رہنے لگے اور جدائی پسند نہ کرتے تھے۔ مادھو لال کے والدین کو اس صورت حال سے بڑی کوفت ہوتی اور اپنے بچے کو شاہ حسینؒ کے پاس جانے سے روکتے۔ لیکن ان پر اس بات کا کچھ اثر نہ ہوتا۔ بالآخر والدین کو یہ تدبیر سُوجھی کہ مادھو کو کہا، ہم دریائے گنگا پر غسل کرنے جا رہے ہیں تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ مادھو شاہ حسینؒ کے پاس اجازت کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ والدین کو کہہ دو "تم گنگا کے غسل کے لئے چلے جاؤ، بوقتِ غسل میں وہاں موجود ہوں گا۔"

مادھو بھی شاہ حسینؒ کی اس کرامت کے مظاہرے کے لئے لاہور میں رہ گئے۔ جس دن اس کے والدین غسل کے لئے گنگا میں اترے تو ادھر مادھو شاہ حسینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے، مجھے گنگا میں غسل کے لئے وہاں پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس دن شاہ حسینؒ

مادھو کو لے کر شہر کے باہر تشریف لے گئے اور مادھو سے کہنے لگے: آنکھیں بند کر کے میرے قدم پر قدم رکھتے آؤ۔ جب مادھو نے یوں کیا تو آپ نے کہا، اب آنکھیں کھول لو۔ مادھو نے دیکھا تو وہ دریائے گنگا میں اپنے والدین کے ساتھ غسل کر رہے ہیں اور شاہ حسینؒ بھی کنارے پر موجود ہیں۔ مادھو والدین سے ملاقات کرنے کے بعد شاہ حسینؒ کے پاس آ گئے اور جس طرح لاہور سے گئے تھے اسی طرح واپس آ گئے۔ مادھو اسی دن حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ دو ماہ بعد بسنت اور ہولی کے تہوار آ گئے۔ ہندو میش و عشرت میں معروف ہو گئے۔ مادھو کی دل دہی کے لئے شاہ حسین نے مجلس سماع و سرود منعقد کی اور عالمِ مستی میں ایک دوسرے پر بسنتی رنگ (گلال) پھینکا گیا۔ چنانچہ تا حال یہ رسم جاری ہے کہ شاہ حسینؒ کے معتقدین بسنت کے دن آپ کے مزار پر جا کر گلال (رنگ) پھینکتے ہیں۔

اس مجلس رقص و سماع میں آپ کے خلفاء میں سے شیخ مادھو کے علاوہ میاں شعبان، شعبان ثانی، ابراہیم، میاں محمود، شیخ یعقوب، بہار خاں قوم منڈار، قاضی شاہ، نایا باجی، عبدالسلام، شہاب الدین، شیخ کالو، شیخ حسین اور شیخ صالح بھی شریک تھے۔ یہ تمام حضرات اپنے پیر و مرشد کی اتباع میں رقص و سرود میں شامل ہو گئے اور ایک دوسرے پر رنگ پھینکنے لگے اور وجد و رقص میں جھومتے رہے۔ اسی مجلس میں حضرت مادھو شاہ حسینؒ سے بیعت ہوئے اور شیخ کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو کمالاتِ فقر پر پہنچا دیا۔

جب شیخ مادھو پورے کمالات حاصل کر چکے تو شاہ حسینؒ نے فرمایا، اب تمہیں راجہ مان سنگھ کے فوجی رسالے میں بھرتی ہو کر دکن کی مہم پر چلے جانا چاہئے اور کچھ عرصہ ہم سے جدا رہنا چاہئے۔ چنانچہ مادھو آپ کے حکم پر راجہ مان سنگھ کے ساتھ اس مہم پر روانہ ہو گئے۔ دکن کے حاکم نے اس فوج کا زبردست مقابلہ کیا۔ مان سنگھ کی فوج کے پاؤں اکھڑنے والے تھے تو مان سنگھ فوراً شیخ مادھو سے التجا کرنے لگا کہ فتح کے لئے دعا فرمائیں۔ مادھو نے اپنے مرشد شیخ حسینؒ سے استمداد کی۔ شاہ حسینؒ کو بھی اس صورت حال کا علم ہو گیا تو آپ بہ نفسِ نفیس لشکر گاہ میں پہنچے اور کہا، راجہ کو کہہ دو کہ تیار ہو کر ایک بھرپور حملہ کر دے اِن شاء اللہ اب فتح ہو گی۔ راجہ مان سنگھ نے حملہ کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک لشکرِ کثیر بصورتِ ملنگاں آسمان سے

اتر رہا ہے اور دشمن سے نبرد آزما ہو رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کو شکست ہو گئی اور شیخ حسینؒ لاہوری مادھو لال کے ساتھ واپس لاہور آ گئے۔

جب شیخ حسینؒ کی وفات کا وقت قریب آیا تو شاہدرہ کے قریب ایک باغیچہ بنایا اور فرمایا: میرے مرنے کے بعد مجھے اس باغ میں دفنا دیا جائے لیکن یہ عارضی مدفن ہوگا۔ ایک سال بعد مادھو لال لاہور آئیں گے اور میری نعش یہاں سے اٹھا کر بمقام بابو پورہ (باغبان پورہ) دفن کریں گے۔ پھر بارہ سال تک راجہ مان سنگھ کی فوج میں رہیں گے اور اس کے بعد یہاں آ کر ہماری قبر کی مجاوری (سجادہ نشینی) اختیار کریں گے۔

چنانچہ آپ کی وفات کے ایک سال بعد مادھو لال لاہور آئے اور پھر بارہ سال تک فوج میں رہے۔ تیرہ سال بعد نوکری چھوڑ دی اور پھر ۲۵ سال تک حسینؒ کے مزار کے سجادہ نشین رہے۔

شیخ مادھو لال ۹۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۵۶ھ میں وفات پائی۔ حقیقۃ الفقراء میں لکھا ہے کہ آپ ۲۲۔ ماہ ذی الحجہ ۹۸۰ھ کو پیدا ہوئے۔

حسینے بندہ مادھو شیخ عالم — کہ بودے مست از پیمانۂ عشق
عیاں گردید سالِ ارتحالش — ز ہادی ہدیٰ مستانہ عشق! [1]
۱۰ ھ ۵۶

۱۰۹۔ حضرت خواجہ بہاری علیہ الرحمۃ اللہ الباری

حضرت میاں میر کے جلیل القدر مرید و خلیفہ تھے۔ فقہ، حدیث اور تفسیر قرآن کے جید عالم ہونے کے علاوہ واقفِ اسرارِ ربانی بھی تھے۔ شہر حاجی پورہ میں مقیم تھے جو قصبہ گوراپور (بہار) میں واقع تھا۔ آپ چھوٹی عمر ہی میں علم حاصل کرنے کے لیے اپنے وطن سے نکلے۔ کچھ مدت تک قصبہ کورا میں شیخ جمال اولیاء کے پاس رہے ان سے فیض حاصل کر کے لاہور آئے اور ملا فضل لاہوری سے علومِ ظاہری کی تکمیل کی۔ ملا اپنے ہونہار شاگرد سے اس قدر خوش تھے کہ انہیں اپنے گھر ہی میں رہنے کی اجازت دے دی۔ ان ایام میں حضرت شیخ میاں میر کا باطنی فیض عام تھا۔ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علومِ باطنی کی تکمیل کی۔ وفاتِ مرشد کے بعد مرجع خلائق تھے۔ آپ نے تمام عمر ہدایتِ خلق اور درس و تدریس میں گزاری۔ آپ کا مدرسہ دہلی دروازے کے اندر واقع تھا۔ جو بہت مشہور تھا۔ نواب سعد اللہ خاں اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل تھے۔ کسبِ علوم کے لئے دور دور سے طلبہ آکر فیض یاب ہوتے تھے۔ فقر و استغنا میں درجۂ بلند رکھتے تھے۔ چنانچہ شاہجہان ایک دفعہ آپ کی ملاقات کے لیے آیا۔ آپ یہ خبر سن کر وہاں سے چل دیئے۔ جب آپ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا: میں اپنا اطمینانِ قلب کھونا نہیں چاہتا تھا۔ ایک فقیر کو بادشاہوں کی ملاقات سے کیا سروکار۔ جلالتِ علمی کے ساتھ صاحبِ خوارق و کرامت بھی تھے۔ محمد دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے کہ ایک رات آپ غازی خاں نامی شخص کے ہاں عرس کی تقریب میں شامل تھے اور حاضرین میں توحید کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ سردی کا موسم تھا۔ گھر کے صحن میں آگ جل رہی تھی۔ خواجہ بہاری اپنی جگہ سے اٹھ کر آگ میں جا بیٹھے۔ ایک گھڑی تک اس میں رہے اور فرمایا: توحید میں قیل و قال کی کیا ضرورت ہے۔ حال ملاحظہ کرو۔ یہ کہہ کر صحیح و سالم آگ سے باہر نکل آئے۔ سفینۃ الاولیاء میں مرقوم ہے کہ جن ایام میں خواجہ بہاری ملا محمد فاضل لاہوری کے ہاں سکونت پذیر تھے تو ایک دن ملا صاحب کی بیوی خواجہ صاحب کے لئے آش کا بھرا پیالہ لے کر حجرے کے دروازے پر پہنچیں، دیکھا کہ خواجہ نے کسی کو قتل کر دیا ہے اور اعضا ادھر ادھر بکھرے پڑے ہیں۔ موصوفہ نے جونہی یہ دیکھا تو فریاد کرنا شروع کر دی۔

اور شہر کے پاس آکر تمام واقعہ بیان کیا۔ تو اسی وقت موقع پر پہنچے، دیکھا کہ خواجہ بہاری سر جھکائے ہوئے مراقبہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ واپس آکر اہلیہ سے کہا۔ اولیاء اللہ کے کئی احوال و مقامات ہوتے ہیں۔ جو تم نے دیکھا ہے اس پر اظہار تعجب کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک اور شخص اپنے بیٹے کو خواجہ صاحب کی خدمت میں لایا۔ اس کے جسم پر برص کے سفید داغ تھے۔ آپ نے فرمایا، کسی حکیم سے علاج نہ کراؤ، اس کا علاج میں کروں گا۔ چنانچہ آپ ہر روز ایک داغ پر انگلی رکھتے اور وہ مٹ جاتا۔ حتیٰ کہ آپ کی انگشت مبارک کے اثر سے تمام داغ دُور ہو گئے اور لڑکا درست ہو گیا۔ داراشکوہ رقم طراز ہے کہ ۱۰۵۱ھ میں مرزا آصف بیگ والیٔ ایران نے قندھار کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ میں نے اس کا ذکر حضرت خواجہ بہاری سے کیا۔ آپ نے فرمایا، اس کی کیا مجال کہ تمہاری مملکت پر دست درازی کر سکے۔ اِن شاء اللہ مارا جائے گا۔ چنانچہ ایک مہینے کے بعد خبر آئی کہ مرزا مذکور کو اس کے دشمنوں نے زہر دے کر ہلاک کر دیا ہے۔

داراشکوہ لکھتا ہے، ایک روز آپ شالامار باغ کی سیر کو گئے۔ وہاں دو تین مرتبہ فرمایا، وہ مجھے طلب نہیں کرتے۔ اگر وہ طلب کریں تو مجھے مرشد کی قبر کے پاس دفن کرنا۔ ۱۰۶۰ھ میں وفات پائی۔

قطعۂ تاریخِ وفات:

بہاری چوں بجنت رخت بربست — ز دنیا جست یکسہ بر کناری
بسالِ رحلتش سرور رقم کرد — کہ سلطان الولی خواجہ بہاری
۱۰۶۰ھ

۱۱۰۔ حضرت شاہ سلیمان قادری قدس سرہٗ

آپ حضرت شاہ معروف چشتی قادریؒ (خوشابی) کے کاملین خلیفوں اور اکابر سجادہ نشینوں سے تھے۔ جذب، عشق و محبت، سکر، حالت اور خوارق و کرامات میں بلند مقام اور اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ چار سال کی عمر میں حضرت شاہ معروف چشتیؒ کی نظرِ مبارک میں منظور ہوئے اور آپ پر سکر اور جذب کی حالت غالب ہو گئی۔ آپؒ کے والد صاحب میاں منگو[1] موضع بھلوّال میں سکونت

---

[1] میاں منگو کا اصلی نام شیخ عبداللہ تھا جو ایک قلمی شجرہ نسب مکتوبہ ۱۱۲۱ھ میں لکھا ہوا ہے۔ (شریف التواریخ جلد اول موسوم بہ تاریخ الاقطاب قلمی۔ تصنیف شرافت (خوشابی) (باقی اگلے صفحہ پر)

رکھتے تھے۔ ایک بار حضرت شاہ معروفؒ اس گاؤں میں تشریف لائے اور میاں منگو کے گھر میں رات رہے۔ تمام رات وہ اُن کی خدمت میں حاضر رہے۔ اُس وقت شاہ سلیمان ابھی خورد سال تھے۔ اپنے گھر کے صحن میں کھیل رہے تھے۔ جب شاہ معروفؒ کی نظر شاہ سلیمان کے جمالِ باکمال پر پڑی تو نہایت شفقت سے آپ کے چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور میاں منگو کو فرمایا کہ یہ لڑکا ہماری امانت ہے اور یہ ایسا کامل مرد ہوگا کہ جہان اس کے فیض سے بہرہ ور ہوگا۔ جب شاہ معروفؒ رخصت ہو کر چلے گئے، میاں منگو اس والا گوہر لڑکے کی تربیت میں مشغول ہو گئے۔ شاہ سلیمانؒ کو بچپن میں ہی اکثر اوقات حالتِ وجد طاری ہو جایا کرتی تھی۔ جب جوان ہوئے تو شاہ معروفؒ کی خدمت میں پہنچ کر تکمیل پائی اور کاملانِ وقت سے ہو گئے اور خرقۂ خلافتِ قادریہ حاصل کیا۔ شاہ سلیمان سماع سنتے اور وجد و تواجد کرتے تھے۔ آپ کے دو خلیفے کامل و اکمل تھے ایک مولانا کریم الدین، دوسرے حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قدس سرہ العزیز۔

کتاب تذکرہ نوشاہی میں جو حافظ محمد حیات بن شیخ جمال اللہ بن حافظ برخوردار بن حاجی نوشہ گنج بخشؒ کی تصنیف سے ہے۔ لکھا ہے کہ جن ایام میں شاہ سلیمان موضع منچر[1] میں تشریف رکھتے تھے اور ایک موچی کے گھر ڈیرہ کیا تھا، ہر وقت اور ہر حال میں مراقبہ میں سر نیچے کئے رکھتے تھے۔ ایک کم بخت جولاہا اُس موچی کا ہمسایہ تھا، وہ اپنی بد باطنی کی وجہ سے شاہ سلیمانؒ کی نقل کیا کرتا۔ نقل کرنے کے وقت اسی طرح اپنی گردن ٹیڑھی کر کے مراقبہ میں بیٹھ جاتا اور تمسخر کیا کرتا تھا۔ ایک روز آپ راستے میں جا رہے تھے اتفاقاً وہ جولاہا آگے سے آتا ملا۔ آپ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ فقیروں کی حالت کی نقل بنانا اور تمسخر کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ ایسی حرکت سے باز آجا ورنہ سزا پائے گا۔ جولاہے نے گستاخانہ جواب دیا کہ میں نے تمہارے جیسے کئی مکار فقیر دیکھے ہوئے ہیں، جا اپنا کام کر۔ شاہ سلیمانؒ نے فرمایا کہ جس طرح میری غلبت میں تو میری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۲)

[1] قصبہ بھلوال اس وقت ضلع سرگودھا کی ایک تحصیل ہے۔ خزینۃ الاصفیا کے کاتب نے اسی کو بھیلو وال لکھا ہے

[1] موضع منچر ضلع گوجرانوالہ میں ایک گاؤں ہے، اور وزیر آباد سے لائل پور جانے والی سڑک پر ریلوے سٹیشن ہے۔

حالت کی نقل کرتا ہے۔ ایسا ہی میرے سامنے کرتا کہ میں بھی دیکھوں۔ وہ جولاہا بیوقوفی کی وجہ سے زیادہ گستاخ ہوگیا۔ اسی طرح دو زانو بیٹھ کر گردن ٹیڑھی کر کے مراقبہ میں سر ڈال دیا۔ اسی وقت اس کی گردن ٹیڑھی ہوگئی اور پھر تا مرگ سیدھی نہ ہو سکی۔ ہر چند اُس نے عذرت و مغذرت کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

نقل ہے کہ موضع چک ساہن پال کے سردار چودھری[1] مہماں کے چار بیٹے تھے۔ چوتھا بیٹا ساہن پال نامی تھا، جب اُس نے شاہ سلیمان[2] کی خوارق و کرامات کا شہرہ سُنا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ روانگی کے وقت اپنے باپ سے چالیس روپے شاہ سلیمانؒ کے نذرانہ کے لئے طلب کئے۔ چونکہ چودھری مہماں شیخ سلیمان چدھڑ کے مریدوں سے تھا، اس نے اپنے بیٹے کو کہا کہ تُو ایسے شخص کے پاس جانا چاہتا ہے جو نوچی قوم سے ہے، اس کو چالیس روپے نذرانہ دینا کیا معنیٰ، اس کے لئے چار روپے بھی کافی ہیں۔ ہاں اگر شیخ سلیمان چدھڑ کے پاس جائے تو اس قدر نذرانہ دینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ آخر ساہن پال نے اپنے باپ کی بات نہ سُنی اور اپنے گھر سے چالیس روپے لے کر موضع بھلوال میں حضرت شاہ سلیمانؒ کی خدمت میں مشرف ہُوا اور چالیس روپے نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے چار روپیہ اُس میں سے قبول کر لئے اور فرمایا

---

[1] چودھری مہماں، قوم جٹ تارڑ سے ابوالخیر ولد امین ولد بھرنا کا بیٹا تھا اور موضع چک ساہن پال کے بانی چودھری ساہن پال کا بیٹا تھا۔ (حدیقۃ الانساب قلمی تصنیف شرافت نوشاہی)

[2] شاہ سلیمان قریشی النسب تھے۔ آپ کا نسب نامہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے ہم جدی خاندان سے ملتا ہے اور اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ القرشی پر نسب نامہ نبوی سے متصل ہو جاتا ہے۔ یہ پورا نسب نامہ شریف التواریخ کی پہلی جلد موسوم بہ تاریخ الاقطاب قلمی۔ تصنیف سید شرافت نوشاہی میں مذکور ہے۔ نیز شاہ سلیمانؒ کا مہماں کے قول سے جلالت میں آنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ موچی نہ تھے کیونکہ اولیاء اللہ جو ربانی جماعت ہے، سچی بات کہنے سے ناراض نہیں ہوتے۔

بالفرض اگر آپ نے یہ کسب کیا ہو تو بھی نسب میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے القاب میں سے ایک لقب خَاصِفُ النَّعل (جُوتی گانٹھنے والا) بھی تھا اس سے آپ کے نسب و شرف میں کچھ فرق نہیں پڑا بلکہ کمال تواضع کا اظہار ہوتا ہے۔

کہ تیرے والد کی اجازت اسی قدر تھی اس لئے میں نے چار روپے لے لئے ہیں اور میں نے خدا تعالےٰ سے التجا کی ہے کہ مہمان کا سر موچیوں کی چمڑا کوٹنے والی مُنگلی سے کوٹا جائے گا۔ پس اسی طرح واقع ہُوا۔ اس کے بعد چند روز گزرے تھے کہ چودھری مہمان نے اپنی بیوی کو جو ساہن پال کی والدہ تھی کسی وجہ سے غصے ہو کر کہا کہ کل میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا اور مہمان کی یہ عادت تھی کہ جو بات منہ سے کہتا، وہ پوری کرتا۔ اس سے باز نہیں آتا تھا۔ اُس کی عورت کو اپنی جان جانے کا فکر پڑ گیا۔ اپنے ہمسایہ ایک موچی کو یہ سب داستان سُنائی اور اپنے قتل ہو جانے کا فکر اُس کے سامنے بیان کیا اور اس سے کچھ مدد طلب کی۔ موچی نے اس کو تسلی دی اور کہا: کچھ فکر نہ کرو کہ میں آج رات کو ہی اُس مُوذی کا کام تمام کر دُوں گا۔ چنانچہ جب رات کا ایک حصّہ گزر گیا اُس موچی نے چودھری کا جب کہ وہ سو رہا تھا اپنی مُنگلی (چرم کوب) کی ایک ضرب سے ہی سر کوٹ کر کام تمام کر دیا۔

حضرت شاہ سلیمانؒ کی وفات اقوالِ صحیح کے مطابق ۱۰۶۵ھ میں ہے۔ ؎

سلیمان مقتدائے ہر دو عالم	شہِ دیں پیشوائے اہلِ دوراں
وصالش "عارفِ دینِ مستقیم" است	دگر شد شیخِ دیں کامل نمایاں
دگر بہرِ وصالِ آں شہنشاہ!	"سلیماں پیرِ شاہنشاہ" بر خواں [1]

۱۱۱۔ حضرت سیّد جان محمدؒ حضوری قدس سرہٗ

جان محمد اسمِ گرامی، حضوری خطاب۔ والد ماجد کا نام شاہ نور بن سیّد محمود حضوری تھا، جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ آبائی سلسلہ حضرت موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادقؒ اور سلسلۂ بیعت

---

[1] شاہ سلیمان قادریؒ کا صحیح سالِ وفات ۱۰۶۲ھ ہے جو لفظ "غیب" سے ظاہر ہوتا ہے۔ (شریف التواریخ جلد اول موسوم بہ تاریخ الاقطاب قلمی تصنیف سیّد شرافت نوشاہی)

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک منتہی ہوتا ہے۔ تربیت و تکمیل اپنے پدر بزرگوار اور جدِ امجد کے زیرِ سایہ پائی۔ سلسلۂ قادریہ میں بھی اُنہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ اپنے وقت کے عارفِ کامل اور مقتدائے شریعت و طریقت تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں گزاری۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے ظاہری و باطنی علوم سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ کے حلقۂ ارادت میں جو داخل ہو جاتا تھا وہ جلد ادنیٰ طریقت پر پہنچ کر حضوری ہو جاتا تھا اس لئے حضوری مشہور ہوئے۔ ۱۰۶۴-۶۵ھ میں بہ عہدِ شاہجہان وفات پائی — سید محمد لطیف مرحوم نے اپنی کتاب تاریخ لاہور صفحہ ۱۷۱ میں آپ کی تاریخِ وفات ۱۱۲۰ھ اُس کتبہ سے نقل کر کے لکھی ہے جو آپ کے مزار کی مشرقی دیوار پر کندہ ہے۔ مولانا مفتی غلام سرور نے باقوالِ صحیح خزینۃ الاصفیہ جلد اول صفحہ ۱۷۱، گنجِ تاریخ صفحہ ۳۳، حدیقۃ الاولیاء صفحہ ۲۱، رائے بہادر کنھیا لال نے تاریخ لاہور ص ۲۷۰ میں ۱۰۶۴ھ ہی لکھا ہے۔

جانِ ہر دو جہان محمد جان! — کرد چوں از جہاں بخلد ظہور
فیضِ دیں سالک است ترحیلش — باز چو وصلش از عجب حضور
۱۰۶۴ھ — ۱۰۶۴ھ

۱۱۲۔ حضرت محمد صالح اکبر آبادی قادری قدس سرہٗ

اکابر مشائخ قادریہ سے تھے۔ شیخ الشیوخ لقب تھا۔ جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔ سکر و جذب، عشق و محبت، قناعت و صبر اور توکل و استغنا میں اپنے عہد میں ممتاز تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ گرامی سے اخذِ فیض کیا۔ بقول صاحب مخزن الواصلین ۱۰۶۷ھ میں وفات پائی۔

مرشد الارشاد شیخِ دو جہاں — پیرِ حق آگاہ صالح متقی!!
گشت سرور سالِ ترحیلش عیاں — زبدۂ دیں شاہ صالح متقی!!

۱۱۳۔ حضرت سیّد عبدالرزاق المعروف بہ شاہ چراغ قادری لاہوری قدس سرہٗ

عبدالرزاق نام، شاہ چراغ خطاب۔ والد ماجد کا نام سیّد عبدالوہاب بن سیّد محمد غوث اوچی گیلانی تھا۔ سیادت و نجابت ورثہ میں پائی تھی۔ اپنے پدر بزرگوار کے مرید و خلیفہ تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل تھے۔ عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں اپنے عہد کے مشائخ قادریہ میں ممتاز الوقت تھے۔ آپ کی ولادت کے وقت آپ کے جدامجد زندہ تھے۔ جس روز پیدا ہوئے آپ نے فرمایا، ہمارے گھر میں چراغ پیدا ہوا ہے جس کی ضو سے ہمارا خاندان منور ہو جائے گا۔ حرمین الشریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے تھے اور وہاں کے اکابر مشائخ سے فوائد کثیر اور فیوضِ وافر حاصل کئے تھے۔ شاہ جہان بادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ اس نے ہر چند چاہا کہ اپنی ایک لڑکی کی شادی آپ کے فرزند سیّد مصطفیٰ سے کرے مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ ۲۲۔ ذیقعدہ ۱۰۶۸ھ میں وفات پائی اور اپنے والد و دادا کے مرقد کے پاس مدفون ہوئے۔ شاہ جہان بادشاہ نے مزار بنوایا مگر تاریخی لحاظ سے یہ درست ثابت نہیں ہوتا۔ آپ کا روضہ عالمگیر کے عہد میں یا عالمگیر کے حکم سے تعمیر ہوا ہوگا کیونکہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۷ء) میں خود شاہجہاں آگرہ کے قلعہ میں نظر بند تھا اور اسی نظر بندی میں فوت ہوا۔

شاہ دنیا شاہِ عقبیٰ شہ چراغ — رفت چوں او از جہاں اندر جناں
گشت روشن سالِ ترحیلش زدل — سیّدِ حق آفتابِ عارفاں
۱۰۶۸ھ

۱۱۴۔ حضرت شیخ شاہ محمد المعروف بہ ملّا شاہ بدخشی قادری قدس سرّہٗ

نام شاہ محمد، کنیت اخوند، لقب لسان اللہ تھا۔ والد کا نام ملّا عبدی۔ جائے ولادت موضع ارکسان، ضلع روستاق۔ علاقہ بدخشاں۔ اوائل عمر ہی میں طلبِ حق کے لیے وطن سے نکلے۔ پہلے کشمیر آئے۔ یہاں تین سال رہے پھر ہندوستان کا قصد کیا۔ لاہور سے گزر کر آگرہ کو چلے گئے۔ راستہ میں حضرت میاں میر کے حالات سنے۔ اُن سے ملاقات کرنے کے لئے لاہور کا قصد کیا۔

مگر رفقاء سفر نے نہ چھوڑا۔ مجبوراً آگرہ پہنچے۔ جستجوئے مرشد میں اِدھر اُدھر پھرے مگر مایوس ہو کر لاہور آئے اور حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے اوصاف و کمالات سے متاثر ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ تجرید و تفرید، ریاضت و مجاہدہ اور عبادت و تقویٰ میں حضرت میاں میر کے تمام مریدوں اور خلفاء میں ممتاز تھے۔ فقر و استغنا کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی غلام یا خدمت گار اپنے ساتھ نہیں رکھا۔ کبھی چولھا گرم نہیں کیا، کبھی چراغ نہیں جلایا۔ حبسِ دم میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ ساری ساری رات صرف ایک سانس لیتے تھے۔ سات سال تک ایک ہی سانس میں رات گزار دی۔ اس حبسِ دم میں ذکرِ خفی کرتے رہتے تھے۔ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے مدت تک آنکھ نا آشنائے خواب رہی۔ کبھی غسلِ ضروری کی حاجت نہیں پڑی۔ خود فرماتے ہیں، احتلام یا مباشرت سے غسل واجب ہوتا ہے اور میرے یہاں نہ نیند ہے نہ بیوی۔

اس زہد و تقویٰ اور ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ علومِ ظاہری میں بھی کامل و اکمل تھے۔ شعر و سخن سے شوق تھا۔ اشعار کا ایک مکمل دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ دارا شکوہ نے سکینۃ الاولیاء میں آپ کی اکثر غزلیں اور رُباعیاں درج کی ہیں۔ تمام کلام عارفانہ و عاشقانہ ہے۔ اکثر و بیشتر مضامین موحدانہ ہیں۔ نظریۂ وحدت الوجود[1] کے زبردست حامی تھے۔

سلسلۂ قادریہ میں تکمیلِ سلوک کے بعد مرشد سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے حسبِ ایمائے

---

[1] ان کے بعض نظریات و اقوال کے سبب علمائے کشمیر نے کفر کا فتویٰ بھی دیا تھا اور شاہ جہاں بادشاہ سے شکایت بھی کی تھی۔ خاص اس شعر پر بہت اظہارِ ناراضی کیا،

پنجہ در پنجۂ خدا دارم
من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

آپ کے مرشد حضرت میاں میر بھی نظریۂ ہمہ اوست کے قائل تھے اور مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق حضرت خواجہ خاوند محمود معروف بہ حضرت ایشاں کے ساتھ مراسلات رہتے تھے کیونکہ حضرت ایشاں جو شخص وحدتِ وجود کا قائل ہوتا تھا اس کی سخت سرزنش کرتے تھے۔ (مترجم)

شیخ کشمیر جا رہے تھے۔ آپ کے فضل و کمال نے بہت جلد عوام و خواص کو اپنی طرف متوجہ کر دیا۔ سلسلۂ رشد و ہدایت بڑا وسیع ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ سے والہانہ عقیدت تھی۔ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مدح برسرِ منبر کرتے تھے۔ یہ امر شیعی حضرات پر بڑا گراں گزرتا تھا۔ اکثر شیعہ بحث و تکرار کے لئے آتے مگر اللہ تعالیٰ نے حقائق و معارف بیان کرنے کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ جو رافضی بحث و مناظرہ کے لئے آتا وہ تائب ہو کر جاتا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کبار اور حضرت غوثِ اعظم کی زیارت بچشمِ ظاہر کرتا۔ اسی طرح سیکڑوں ملحد اور رافضی تائب ہو کر حلقۂ اہل سنت میں داخل ہوئے۔

داراشکوہ سفینۃ الاولیاء میں رقمطراز ہے کہ ایک دن مجھے رویتِ حق کے مسئلہ میں تردد ہوا اور یہ بات حضرت ملا شاہ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا تھا مگر آپ کے رعب و ادب کے باعث گزارش نہ کر سکا۔ مجلس سے آکر بھی دل میں شبہ موجود تھا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ پُرفتوح کی طرف توجہ دی۔ اسی وقت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر چہار خلفاءِ راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ارواحِ پاک جلوہ گر ہوئیں اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے جس طرح چاہے اور اس کی قدرت کا تقاضا ہوا اپنے بندوں کو اپنا دیدار کرائے گا۔ اس جواب سے میری مشکل حل ہو گئی۔ دوسرے روز جب میں حضرت ملا شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے متبسم ہو کر فرمایا: تجھے مسئلہ کا حل مل گیا ہے اور جنہوں نے تجھے جواب دیا ہے انہوں نے مجھے بھی اطلاع دی ہے۔

۱۰۶۹ھ میں وفات پائی۔ مزار مرشد کے روضہ کے باہر ہے۔ ہسٹری آف لاہور میں سید محمد لطیف نے آپ کا سالِ وفات ۱۰۷۱ھ لکھتے ہیں۔ لیکن مخبر الواصلین، تحقیقاتِ چشتی اور صاحب خزینۃ الاصفیا ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۹ء ہی لکھتے ہیں۔ حضرت ملا شاہ کی تاریخِ وفات ۱۰۷۱ھ درست نہیں ہو سکتی جب اس کے ساتھ یہ لکھا جاتا ہے کہ ان کے مزار کو ان کے مرید داراشکوہ نے قیمتی پتھروں سے بنوایا تھا مگر داراشکوہ اور عالمگیر کے حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ شاہ جہان ۱۰۶۸ھ میں تاج و تخت سے محروم ہوا اور داراشکوہ عالمگیر کے حکم سے ۱۰۷۰ھ میں قتل ہوا۔ شاہ جہان کی معزولی کے بعد داراشکوہ کا اقتدار ختم ہو چکا تھا اور وہ اپنی جان بچانے کے لئے مارا مارا پھر رہا تھا۔ ان حالات میں وہ آپ کا مقبرہ کس طرح تیار کرا سکتا تھا۔ آپ کا مقبرہ یقیناً داراشکوہ کے بعد تعمیر ہوا ہے اس لئے

آپ کا سالِ وفات ۱۰۶۸ھ یا ۱۰۶۹ھ ہی قرینِ قیاس ہے۔ (مترجم)

شیخ ملا شاہ شیخ دو جہاں — شد چو از دنیا بجنت یافت جا
قطب شیخ الاولیاء تاریخ اوست — نیز ملا شاہ مطلوب خدا
۱۰۶۹ھ — ۱۰۶۹ھ

۱۱۵۔ شہزادہ محمد دارا شکوہ بن شہاب الدین محمد شاہ جہان بادشاہ قدس سرہٗ

حضرت ملا شاہ بدخشانی کا نامور مرید و خلیفہ، ظاہری و باطنی اوصاف کا جامع، بادشاہ صورت اور درویش سیرت تھے۔ مسائل تصوف اور سلوک و عرفان سے بڑی وابستگی تھی۔ حضرت شیخ محمد میاں میرؒ کی خدمت میں بھی حاضر رہ کر اخذِ فیض کیا تھا۔ اپنے مرشد کی طرح نظریۂ وحدۃ الوجود (ہمہ اوست) کے زبردست حامی و مبلغ تھے۔ متعدد کتب کے مولف و مصنف ہیں۔ نظم و نثر پر مہارتِ کاملہ رکھتے تھے اور اپنے خیالات کو بڑی خوبی و آزادی کے ساتھ بیان کرتے۔ ۱۰۷۰ھ میں عالمگیر کے حکم سے قتل ہوئے۔

سفینۃ الاولیاء، سکینۃ الاولیاء، رسالۂ حق نما، حسنات العارفین یا شطحیات، مجمع البحرین، سر اکبر، دیوان اکسیرِ اعظم ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

شد ز دنیا بجنتِ داور — شاہ دارا ولیِ پاک سعید
گفت تاریخ قتل او سرور — شاہِ اسلام بادشاہ شہید
۱۰۷۰ھ

۱۱۶۔ حضرت شاہ صفی اللہ المشہور بہ سیف الرحمٰن قدس سرہٗ

سید شاہ مقیم محکم الدین صاحب حجرہ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ جامع علومِ ظاہر و باطنی اور واقفِ رموزِ صوری و معنوی تھے۔ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کی زبان سے جو کچھ نکلتا تھا ویسا ہی ظہور میں آتا تھا اس لئے سیف الرحمٰن مشہور ہوئے۔

نقل ہے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کے باغ کا فلاں درخت

خشک ہوگیا ہے۔ فرمایا، نہیں، سرسبز ہے۔ وہ شخص فوراً بنظرِ امتحان وہاں پہنچا، دیکھا کہ وہ درخت واقعی سرسبز و شاداب ہے۔ نقل ہے آپ نے جب اپنے پدر بزرگوار کا مقبرہ تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تو معمار کو بلا کر کہا کہ تعمیرِ مقبرہ کا تمام تخمینہ کاغذ پر لکھ دو تاکہ تمام خرچ یک بار تمھیں پیشگی دے دیا جائے۔ معمار نے اسی وقت تخمینہ لگا کر اور کاغذ پر لکھ کر حاضرِ خدمت کیا جو چند ہزار روپے پر مشتمل تھا۔ آپ نے کاغذ کو دیکھ مصلے کا کنارہ اٹھایا اور کہا، اپنے تخمینے کے مطابق مطلوبہ رقم لے لو۔ معمار نے جب وہ رقم شمار کی تو عین اپنے حساب کے مطابق پائی۔ مقبرہ کی تعمیر شروع ہو گئی مگر چند روز کے بعد معمار پھر حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا: حضرت وہ رقم اندازے کے مطابق پوری نہیں ہو گی، کچھ مزید ضرورت پڑے گی۔ فرمایا: تیرے لکھے ہوئے کے مطابق مجھے غیب سے جو عطا ہوا تھا، تجھے دے دیا۔ اب دوبارہ مانگتے ہوئے شرم آتی ہے ان شاء اللہ اسی میں سب کچھ پورا ہو گا۔

۱۰۸۰ھ میں بعہدِ عالمگیر وفات پائی۔ مزار بمقام حجرہ واقع ہے۔

چوں صفی شد از جہاں با صد صفا — رحلت آں شاہِ مخدومِ سعید
واں "صفی اللہ ولیِ محتشم"! — ہم "صفی اللہ مخدومِ سعید"

۱۱۷۔ حضرت شیخ حاجی عبدالجمیل قدس سرہٗ

شیخ رنگ بلاول کے مرید و خلیفہ تھے۔ مشائخ قادریہ میں درجۂ بلند رکھتے تھے — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف کا نقش جو انہیں اپنے مشائخ سے دست بدست ملا تھا۔ اس کا روضہ لاہور میں بنوایا تھا۔ حرمین شریفین کی زیارت سے سات بار مشرف ہوئے تھے۔ ان کا ایک دوست غلام رسول نامی سوداگر تھا اس نے بھی ارادۂ حج کیا اور آپ سے رخصت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے اجازت نہ دی۔ فرمایا: میں نے سات حج کئے ہیں جو سب کے سب مقبول ہیں ان میں سے میں ایک کا ثواب تجھے بخشتا ہوں۔ اس نے عرض کیا: مجھے زیارتِ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی بیحد اشتیاق ہے۔ کہا، آج کی رات

یہیں قیام کرو۔ پھر تمھارا اختیار ہے۔ چنانچہ اُسی رات غلام رسول سوداگر نے خواب میں دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں اور اس کے بعد زیارتِ روضۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مشرف ہوا ہوں۔ صبح اٹھ کر حاضرِ خدمت ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہُوا اور اسی روپے سے روضۂ قدمِ رسول تعمیر کرایا۔

۱۰۸۲ھ بعہدِ اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

جمیلِ آں جمالِ جمیلانِ دیں — چو جا یافت در خلد بے قال و قیل
دمِ رحلتش گفت "عرشِ آستاں" — دگر بارہ "محبوب شیخ الجمیل"

۱۰۸۲ھ — ۱۰۸۲ھ

۱۱۸۔ حضرت حاجی محمد ہاشم گیلانی قدس سرہٗ

جلیل القدر قادری مشائخ سے ہیں۔ والد کا نام سید صوفی علی بن سید بدرالدین تھا۔ سلسلۂ نسب سید محمد غوث حلبی اوچی گیلانی تک منتہی ہوتا ہے۔ صاحب علم و فضل و کمال تھے۔ بارہ برس تک ملک عرب و عجم و شام کی سیاحت کی تھی۔ اِس دورانِ سیاحت میں حلب جا کر اپنے جدِ بزرگوار شمس الدین حلبی کے مزار کی زیارت سے بھی مشرف ہُوئے اور دیگر بہت سے مشائخ کی صحبت سے اخذِ فیض کیا۔ پھر لاہور آ کر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف ہو گئے۔ مرجع خلائق تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ اقدس سے اکتسابِ فیض کیا۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں ۱۰۸۷ھ میں بعہدِ اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار صاحبِ تحقیقاتِ چشتی کی تحقیق کے مطابق تکیہ املی والا بیرون لوہاری دروازہ لاہور واقع ہے۔

شد چو در خلدِ معلّٰی از جہاں — سیدِ ہاشم ولیِ مقتدا
سالِ ترحیلش بہ سرور شد عیاں — ماہتابِ ہاشمی قطبِ صفا

۱۰۸۷ھ

۱۱۹۔ حضرت سید سرور دین حضوری قادری لاہوری قدس سرہٗ

علم و عرفان ۔ زہد و تقویٰ ۔ ریاضت و مجاہدہ میں مقامِ بلند و کراماتِ ارجمند رکھتے تھے ۔ اپنے والدِ ماجد حضرت جان محمد حضوری قدس سرہٗ کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی تھی ۔ سلسلۂ قادریہ میں بھی اُنہی کے مرید و خلیفہ تھے ۔ تمام عمر ارشاد و ہدایت میں گزاری ۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے مستفید ہوئی ۔ آباؤ اجداد کے فیضان کے مظہر تھے ۔ آپ کے حلقۂ ارادت میں جو بھی داخل ہوتا جلد ہی اوجِ طریقت پر پہنچ کر مرتبۂ حضوری پر فائز ہو جاتا تھا ۔ ۱۰ شوال بروز جمعہ ۱۱۰۰ھ میں بعہدِ اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی ۔ اپنے پدرِ بزرگوار کے مزار کے ساتھ ہی مدفون ہوئے ۔

چوں از دنیا بفردوسِ بریں رفت جنابِ سرورِ دیں شیخِ حق بیں
بیکے تاریخِ وصلش بحرِ فیض است دگر سردار سرور سید الدیں

۱۱۰۰

۱۲۰۔ حضرت سید محمد امیر قادری گیلانی قدس سرہٗ صاحبِ حجرہ

سید بہاء الدین بہاول شیر کی اولادِ امجاد سے تھے ۔ حضرت صفی الدین سیف الرحمٰن کی کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی اور اس وقت تمام خاندان میں آپ ہی جوہرِ قابل تھے اس لئے متفقہ طور پر سجادہ نشین مقرر ہوئے ۔ ذاتی فضل و کمال کے باعث اپنے عہد کے مشائخ قادریہ میں ممتاز الوقت تھے ۔

صاحبِ تذکرہ حضرات حجرہ لکھتے ہیں ۔ شیخ اشرف لاہوری جو صاحبِ دعوتِ اسمائے الٰہی اور امرائے عالمگیری سے تھے انہوں نے رؤسائے قوم کھوکھر میں سے ایک شخص کی حسین و جمیل دختر کے ساتھ نکاح کرنا چاہا مگر اس کا باپ اس امر پر راضی نہ ہوا کیونکہ وہ اپنی لڑکی کی شادی مشائخ سادات میں کرنا چاہتا تھا اور اس غرض کے لئے سجادہ نشین حضرت گنج شکر کی خدمت میں بھی حاضر ہوا مگر وہ بھی آمادہ نہ ہوئے ۔ اسی طرح دیگر اکابر نے بھی شیخ اشرف لاہوری کے اثر و رسوخ کے باعث انکار کر دیا ۔ آخر وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ آپ نے اس کی لڑکی کو اپنے نکاح میں قبول کر لیا ۔ شیخ اشرف نے جب یہ خبر سنی تو عالمگیر کے پاس شکایت کی

اور خود نکاح کا دعویدار ہوا۔ بادشاہ نے آپ کو دہلی طلب کیا۔ آپ دہلی پہنچ کر شہر کے باہر اپنے خیمہ میں ٹھہرے اور اپنے آنے کی اطلاع بادشاہ کو دی۔ آپ کا ایک ارادت مند بادشاہ کے خاص ملازمین سے تھا اس نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی بادشاہ شیخ اشرف لاہوری کی پاسداری و لحاظ کی وجہ سے آپ کے متعلق کچھ اور ہی خیال رکھتا ہے اگر حکم ہو تو آج رات ہی بادشاہ کا کام تمام کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، بادشاہ پاسبانِ خلق ہے اپنی حد سے تجاوز نہیں کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے چاہا ہے کہ اس کی بجائے کسی اور کو بادشاہ مقرر کر دے۔ اس اثنا میں عالمگیر نے شیخ اشرف مدعی کو حکم دیا کہ وہ بھی شہر کے باہر جا کر جس جگہ سید محمد امیر مدعا علیہ نے خیمہ لگایا ہوا ہے۔ وہیں جا کر اپنا خیمہ لگائے اور مقدمے کے فیصلے تک وہیں رہے۔ وہ اس وقت قصرِ شاہی میں مقیم تھا اس نے انتقالِ مقام کو اپنی ذلت و شکست تصور کیا اور مقدمہ سے دست بردار ہو گیا۔ آپ مظفر و منصور واپس آئے۔ جن دنوں آپ دہلی میں قیام پذیر تھے آپ کے علمی و روحانی فضل و کمال کا شہرہ سن کر عالمگیر بھی ایک روز آپ کی ملاقات کے لیے خیمہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے جب بادشاہ کے آنے کی اطلاع پائی تو اٹھ کر بیت الخلا میں چلے گئے اور وہاں سے ایسے غائب ہوئے کہ کسی کو کچھ پتہ نہ چلا۔ بادشاہ نے کچھ عرصہ انتظار کیا پھر آپ کے فرزند سید نور الدین محمد کو دریافتِ حال کے لئے بھیجا۔ جب انہوں نے بیت الخلا کے دروازے پر آ کر آواز دی تو کچھ اشارہ ہوا اور نہ جواب آیا۔ آپ نے واپس آ کر بادشاہ سے حقیقتِ حال بیان کی، چنانچہ وہ بغیر ملاقات کے واپس آ گیا۔ پھر حضرت کی تلاش شروع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ آپ قطب مینار پر تشریف فرما ہیں آپ نے صاحبزادہ کو قوالوں کی قوالی کرنے کا حکم دیا۔ جب قوالی کی آواز آپ کے کان میں پڑی، نیچے تشریف لے آئے۔

نقل ہے:۔ آپ بادشاہ کے حکم سے دہلی تشریف لاتے ہوئے ایک رات منزل گاہ میں آرام کر رہے تھے کچھ خدام اپنی اپنی جگہوں پر سو رہے تھے۔ ایک خادم آپ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آپ کے پاؤں کی جانب ایک عجیب و غریب شکل کا انسان کھڑا ہے۔ خادم نے عرض کیا، حضرت! یہ کون شخص ہے؟ فرمایا: تجھے اس سے کیا کام، جا تو بھی آرام کر۔ وہ جا کر اپنی جگہ پر لیٹ گیا مگر خوف کے مارے رات بھر اسے نیند نہ آئی۔ صبح کو پھر حضرت سے

دریافت کیا۔ فرمایا، وہ جنوں کا بادشاہ تھا اور کہتا تھا کہ اگر ارشاد ہو تو ابھی سب کچھ درہم برہم کر دوں۔ مگر میں نے اُسے اجازت نہیں دی اور اپنے کام کو خدا کے حوالے رکھا۔

۱۱۰۲ھ میں بعہدِ اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار حجرہ میں عمارت گاہِ خلق ہے۔

شد بہ جنت چو میر بالا پیر!! طرفہ سالش ز خامہ تحریر است

"آفتابِ حقیقت" است و دگر "مجتبیٰ میرِ حق جہانگیر" است

۱۱۰۲ھ ۱۱۰۲ھ

۱۲۱۔ حضرت شیخ حاجی محمد قادری المشہور بہ نوشاہ گنج بخش قدس سرہٗ

آپ حضرت شاہ سلیمان قادریؒ کے اکابر خلیفوں سے تھے۔ آپ مادرزاد ولی اللہ، صاحبِ جذب اور صحو و سُکر اور محبت و عشق اور شوق و ذوق اور زہد و ریاضت تھے۔ ولایت کے بادشاہ اور صاحبِ خوارق و کرامات تھے۔ طریقۂ نوشاہیہ قادریہ کے امام اور پیشوا تھے۔ فقر میں مقاماتِ بلند اور شانِ ارجمند رکھتے تھے۔

آپ کے والد بزرگوار حاجی علاء الدین بڑے عابد بزرگ تھے۔ سات حج کیے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بی بی جیونی موضع گھوگا نوالی میں سکونت رکھتی تھیں۔ جب آپ بی بی جیونی کے شکم میں تھے تو آپ کے والد ماجد کو بیت اللہ شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ رخصت کے وقت اپنی اہلیہ صاحبہ کو تاکید کی کہ جو فرزند تمہارے پیٹ میں ہے، یہ متقدائے زمانہ اور فردِ یگانہ ہونے والا ہے۔ جب یہ متولد ہو تو اس کی تربیت و پرورش میں پوری پوری کوشش کرنا۔ ان کے بعد حضرت شاہ سلیمانؒ اپنے مسکن (جلوال) سے چل کر بی بی صاحبہ کے پاس تشریف لائے اور بشارتیں دیں۔ پیدا ہونے والے بچے کی تربیت کے متعلق بہت تاکیدیں کیں۔ جب آپ پیدا ہوئے تو پھر حضرت شاہ سلیمانؒ تشریف لائے، حضرت نوشاہ کو گود میں لیا اور بڑی مہربانیاں کیں اور اپنے خرقہ سے ایک ٹکڑا الگ کر کے آپ کو پہنا دیا اور خود واپس چلے گئے۔

جب حضرت نوشاہ نو ماہ کی عمر کو پہنچے، ایک دن حجرے میں سوئے ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ صاحبہ آٹا خمیر کر رہی تھیں۔ اچانک ایک ہمسایہ عورت جو بی بی صاحبہ کی ارادت مندوں سے تھی،

آئی اور جھولا کے پاس جاکر آپ کے چہرہ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور اپنی گود میں لینا چاہا، دیکھا تو ایک سیاہ سانپ سر سے پاؤں تک حضرت نوشاہ عالیجاہ سے لپٹا ہوا ہے، وہ ڈر کر پیچھے ہٹی اور چلائی۔ جب بی بی جیونی صاحبہ نے اس کی چیخ سُنی، بچے کے پاس جاکر دیکھا تو کوئی سانپ نہیں تھا، حیران ہوگئیں۔ اسی اثناء میں گوشہ سے آواز آئی کہ یہ عورت ناپاک حالت میں جا ہتی تھی کہ ہاتھ ہمارے جسم کو لگائے اس لئے اس کام سے اس کو باز رکھا، حیران ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

جب حضرت نوشہ صاحبؒ پانچ برس کے ہوئے تو آپ کے والد بزرگوار سفرِ حج سے واپس تشریف لائے آپ کو ایک حافظ و قاری کے پاس قرآن پڑھنے کے لئے بٹھادیا۔ آپ نے چند ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ایک سال کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی شیخ اسمٰعیل پیدا ہوئے۔

جب حضرت نوشاہ سترہ سال کی عمر کو پہنچے تو دنیا کو ترک کرکے اور اپنے اقارب کے میل ملاپ سے کنارہ کش ہوکر ساندل[1] بار میں جہاں بڑا جنگل تھا چلے گئے۔

آپ کے والدین بڑی تلاش کے بعد وہاں پہنچے اور بڑی مشکل سے آپ کو اپنے پاس لائے اور موضع نوشہرہ میں ایک بزرگ گھرانہ میں آپ کی شادی کر دی۔ آپ نے موضع نوشہرہ میں رہائش اختیار کرلی۔ چھ سال تک ساری رات دریا کے کنارہ پر کھڑے ہوکر یادِ الٰہی میں گزارتے رہے اور سارا دن نوشہرہ کی مسجد میں تلاوتِ قرآن کریم میں مشغول رہا کرتے۔

شیخ محمد حیات صاحب تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ جن دنوں آپ اپنے سسرال کے ہاں اقامت پذیر تھے۔ ایک شخص نے آپ سے آکر کہا، ملا کریم الدین ساکن موضع جوکالی نے اپنے مرشد شاہ سلیمان قادریؒ سے جو موضع بھلوال علاقہ بھیرہ میں سکونت رکھتے ہیں اُن سے فیضِ عظیم پایا ہے اور اس وقت وہ متبولِ حق ہے۔ اگر آپ بھی اُن کی وساطت سے شاہ سلیمان قادری کی خدمت میں حاضر ہوں تو نہایت ہی فائدہ مند ہوگا۔ چنانچہ ملا کریم الدین کے پاس پہنچے اور انہیں ساتھ لے کر حضرت شاہ سلیمان قادری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے جونہی انہیں دیکھا تو فرمایا: اے نوجوان خوش آمدید، بڑی انتظار کرائی۔ آؤ ہمارا گھر تمہارا ہی گھر ہے اور جو کچھ میرے پاس ہے تیری

---

[1] "ساندل بار" نہیں بلکہ "گوندل بار" ہے جو گجرات کی تحصیل پھالیہ ضلع سرگودھا کو کہتے ہیں۔ ساندل بار ضلع شیخوپورہ و لائل پور ہے اور ان علاقوں میں حضرت نوشہؒ کا آنا ثابت نہیں۔

ہی امانت ہے۔ آپ اسی وقت حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر عرفان و معرفت کے اعلیٰ مقام پر پہنچے۔ تکمیلِ سلوک کے بعد مرشد نے خرقۂ خلافت پہنایا اور نوشاہ گنج بخش کے خطاب سے نوازا۔ مرشد کو آپ کی ذات پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مریدوں اور اپنے دونوں فرزندوں تاج محمد[1] اور رحیم داد کو بھی تہذیب و تکمیل کے لئے آپ کے سپرد کر دیا۔

صاحبِ تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ حضرت نوشاہ قوم گلگو سے تعلق رکھتے ہیں مگر اصل حقیقت یہ ہے آپ قومِ گلگو سے نہ تھے بلکہ قوم کھکرو[2] (کھوکھر) سے تھے۔ اس قوم سے مشہور ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے بزرگوں میں سے کوئی بزرگ اپنی حکومت اور سرداری کے زمانے میں اس قوم کی ایک حسین و جمیل لڑکی پر عاشق ہو گئے تھے اور اس کے عشق میں ایسے از خود رفتہ ہوئے کہ اُسی قوم کے طور طریقے اختیار کر لئے۔ آخر یہ عشقِ مجازی عشقِ حقیقی میں تبدیل ہو گیا اور آپ زمرۂ اولیاء میں آ گئے۔ اُس وقت سے لے کر اس وقت تک آپ کے بزرگوں میں پشت بہ پشت ولایت چلی آ رہی ہے۔ چنانچہ آپ کے عم بزرگوار شیخ رحیم[3] بڑے پایہ کے بزرگ اور صاحب ولایت تھے۔ اور انہوں نے اپنے بھائی علاء الدین کو بشارت دی تھی کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے گھر ایسا فرزند پیدا ہو گا کہ اپنے عہد میں ظاہر و باطن کا بادشاہ ہو گا۔

نقل ہے ایک ساربان اپنی نابینا بیوی کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس امید پر

---

[1] تاج محمد نہیں بلکہ تاج محمود ہے۔ (تذکرہ نوشاہیہ قلمی و اذکار نوشاہیہ)

[2] نوشاہی خاندان کے پرانے شجروں اور خطی بیاضوں میں حضرت نوشہ گنج بخش کو علوی النسب لکھا ہے اور آپ کی تمام اولاد اسی نسب کو مستند سمجھتی ہے۔ اس کے برعکس کتاب "نسب نامۂ سادات" خطی ورق ۷۰/۷۱ نمبر کتاب ۲۲۰۹ ذخیرۂ شیرانی کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور اور تحفۃ الفقراء میں آپ کو حلبی گیلانی سادات سے لکھا ہے۔ نیز یہ بھی مدنظر رہے کہ کسب سے نسب نہیں بدلتا، جیسا کہ حضرت سید امیر کلال نے برتن بنانے کا کام کیا تو ان کی سیادت میں فرق نہیں آیا۔ تذکرہ نوشاہیہ میں جو کھوکھر لکھا ہے اس سے مراد وہ کھوکھر ہے جو سید عون قطب شاہ علوی بغدادی کے بیٹے سید زمان علی الملقب بہ کھوکھر کی اولاد سے ہیں۔ اس مسئلہ میں سید شرافت نوشاہی نے دو کتابیں انوار السیادت اور سیادت علویہ لکھی ہیں اور سید ابوالکمال برقؔ صاحب نے لوامع البرکات فی تحقیق السادات لکھی ہے۔ محققین ان کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں۔

[3] شیخ رحیم اللہ غلط لکھا گیا ہے ان کا صحیح نام رحیم الدین ہے۔ (تذکرہ نوشاہیہ قلمی)

کہ شاید آپ کی دُعا و برکت سے یہ بینا ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے ساربان کی بیوی کو اپنے سامنے بٹھا کر کہا، آنکھیں کھول اور میری طرف دیکھ۔ وہ اسی وقت بینا ہو گئی۔

حافظ معموری جو حضرت نوشاہ کے مرید و خلیفہ تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں حاضرِ خدمت تھا میرے دل میں خیال گزرا کہ روزِ حشر تمام قومیں اپنے اپنے فرقوں میں بٹ جائیں گی اور ہر گروہ کو عَلم دیئے جائیں گے اور ہر فرقہ اپنے سردار کے عَلم کے نیچے ہوگا آیا یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں۔ میں جب اُس رات سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ قیامت برپا ہے، لوگوں کا بڑا ہجوم ہے بے شمار عَلم نظر آ رہے ہیں۔ اُن میں ایک عَلم سب سے بلند دیکھا۔ آواز آئی یہ علم غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی کا ہے۔ جب میں نے نوشاہ عالیجاہ کا علم تلاش کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت نوشاہ اُس عَلم کے نیچے اپنے یاروں کے ساتھ ایک بلند تخت پر بیٹھے ہیں۔ آپ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: حافظ معموری آجاؤ تمہاری جگہ بھی اسی عَلم کے نیچے ہے۔ جب صبح کو میں حاضرِ خدمت ہوا، ابھی خاموش ہی تھا کہ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا، حافظ معموری مسئلہ یوم الحشر اور علموں (جھنڈوں) کا نصب ہونا جس طرح تم نے دیکھا اُسی طرح ظہور میں آئے گا۔

صاحبِ تذکرۂ نوشاہی بیان کرتے ہیں۔ ایک شخص جیون نامی حجام آپ کے مریدوں سے تھا۔ موضع باہو کے میں رہتا تھا۔ ایک روز اس نے عرض کیا: اگر حضرت میری کھیتی پر تشریف لائیں تو میرے لئے باعثِ عزت و برکت ہوگا۔ آپ نے اس کی التجا منظور فرمائی اور اسی وقت چل پڑے چونکہ موضع باہو کے موضع نوشہرہ سے قریباً دو کوس کے فاصلے پر تھا اور نمازِ عصر کا وقت تھا۔ خدام نے چاہا کہ پہلے نماز ادا کریں پھر چلیں گے یارانِ طریقت یہ سُن کر خاموش ہو گئے مگر سب کے دل میں یہ خدشہ تھا کہ وہاں پہنچنے تک نماز قضا ہو جائے گی مگر جب آپ وہاں پہنچے تو سورج ابھی تک اُسی جگہ قائم تھا۔ دیر تک وہاں آرام کیا اور نماز ادا کرنے کا خیال تک نہ تھا، سورج بھی اس سے آگے نہیں ہوتا تھا۔ اس کے بعد جیون حجام کی زمین پر جا کر نماز پڑھی۔ نماز ادا کرنے کے بعد حاضرینِ مجلس سے فرمایا، دوستو! خداوند تعالیٰ کے بندے اب بھی ایسے موجود ہیں کہ اگر وہ چاند سورج کو یہ حکم دیں کہ وہ ٹھہر جائیں تو وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کریں گے۔

شیخ تاج الدین حافظ معموری کے فرزند اور آپ کے نواسہ تھے ان کی زبانی صاحبِ

تذکرۂ نوشاہی رقمطراز ہیں۔ ایک رات حضرت نوشاہ بستر پر لیٹے ہوئے فرما رہے تھے کہ یکایک ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے، نہ مارو، نہ مارو۔ آپ کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کو منع فرما رہے ہیں۔ صبح یارانِ طریقت نے حاضر ہو کر اس راز کو دریافت کرنا چاہا فرمایا: ابھی معلوم ہو جائے گا کہ فوراً اسی وقت شمشیر نامی شخص جو موضع پانڈووال کا چودھری تھا حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا: کیوں چودھری رات خیریت سے گزری عرض کیا: حضور کی توجہ سے جان بچ گئی۔ آج رات میں سو رہا تھا کہ دشمنوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا۔ تجویز یہ سوچی کہ پہلے چالیس پچاس آدمی موضع پانڈووال پر حملہ کریں۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے پیچھے اٹھا کر باہر نکال لائیں۔ کچھ آدمی گھات میں چھپ کر بیٹھ جائیں جب میں اُن کے قریب پہنچوں تو وہ مجھ پر حملہ کر کے مجھے قتل کر دیں۔ پس جب انہوں نے گاؤں پر حملہ کیا میں اور میرے ساتھی مقابلے کے لئے نکلے۔ رات بڑی تاریک تھی، ہم اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ کس طرف ہو؟ دشمن جو کمیں گاہ میں چھپے بیٹھے تھے انھوں نے آواز دی: اِدھر آجاؤ۔ میں ان کی طرف چل پڑا۔ قریب پہنچا تو معلوم ہوا یہ میرے رفیق نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ وہ نیزوں اور تلواروں سے مجھ پر پل پڑے۔ اس وقت حضرت نوشہؒ کا نام بے اختیار میری زبان پر آگیا۔ آپ سے استمداد چاہی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ بذاتِ خود وہاں تشریف فرما ہیں۔ آپ کو دیکھتے ہی میں بیہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا اور دشمن بھاگ چکے تھے۔

نقل ہے، ایک روز موضع ساہن پال کے زمیندار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، کم زراعتی اور اہل دیہہ کی خستہ حالی بیان کی اور عرض کیا: ان حالات میں بھی دو ہزار روپیہ معاملہ کا سرکاری خزانہ میں جمع کرانا ہے۔ آپ نے فرمایا: اپنے گاؤں کا معاملہ کتنا ادا کر سکتے ہو؟ عرض کیا: اگر نو سو روپے مقرر ہو جائیں تو بہ سہولت ادا ہو سکے گا۔ فرمایا: ان شاء اللہ نو سو روپے ہی مقرر ہو جائیں گے۔ چند روز کے بعد صوبہ دار لاہور نے گاؤں کے چودھری کو بلایا اور نو سو روپیہ گاؤں کا سالانہ معاملہ مقرر کر دیا مگر چودھری نے اپنے ذاتی طمع کی وجہ سے گاؤں والوں پر ایک ہزار روپیہ ظاہر کیا۔ جب یہ خبر آپ کے کانوں تک پہنچی تو چودھری کو بلا کر فرمایا کہ موضع ساہن پال کا معاملہ تو نو سو روپیہ لوحِ محفوظ پر لکھا گیا ہے تو ایک ہزار روپیہ کیوں ظاہر کرتا ہے۔ چودھری سخت

شرمندہ ہو کر معذرت خواہ ہوا۔

تذکرہ نوشاہی میں لکھا ہے: حضرت نوشہؒ عالیجاہ کا یہ طریقہ تھا کہ اگر مسجد میں مسافر و مساکین جمع ہو جاتے تو اُن کے لئے پہلے تو اپنے گھر سے طعام مہیا کرتے پھر تمام گاؤں والوں کے پاس جا کر اکٹھا کرتے۔ ایک روز مستی نام رانجھ کے گھر گئے اور طعام طلب کیا۔ وہ خود گھر میں موجود نہیں تھا اُس کی بیوی بڑی کنجوس تھی۔ آٹے والا برتن ران کے نیچے چھپا کر کہا: آج گھر میں آٹا نہیں ہے۔ آپ خاموش واپس آ گئے مگر آٹے والا برتن اسی وقت اس کی ران کے ساتھ چمٹ گیا۔ بڑی کوشش کرنے کے باوجود جُدا نہ ہوا۔ اس عورت کا خاوند یہ حال دیکھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑی عاجزی و انکساری سے معذرت چاہی اور خلاصی کے لئے استدعا کی۔ فرمایا: خلاصی پانے گی۔ چنانچہ آٹا اسی وقت اس عورت کی ران سے جُدا ہو گیا۔ صاحب تذکرہ نوشاہی کے قول کے مطابق حضرت نوشاہ عالیجاہؒ نے ۱۱۰۳ھ میں بہ عہدِ اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔

حضرتِ نوشہ شاہِ با کمال!! زیرِ فرماں یافت چوں ملکِ جناں
رحلتش گو "ہادیٔ حق گنج بخش" نیز "مہدی گنج بخشِ دو جہاں"
باز سالِ ارتحالِ آں جناب "قطب زاہد گنج بخش" آمد عیاں
"پیرِ فیاض" و "محمد اعظم" ست نیز سالِ ارتحالش بے گماں

ایضاً

ز دنیا شد چو در خلدِ معلّٰی جنابِ شاہِ نوشاہِ دل آگاہ
بتاریخ وصالِ آں شہِ دیں خرد گفتا زہے نوشاہ ذیجاہ[1]

---

[1] حضرت نوشہ گنج بخش قادری رحمہ اللہ اور دیگر نوشاہی بزرگوں کی تواریخ وفات مفتی غلام سرور مرحوم نے غلط لکھی ہیں۔ حضرت نوشہ قدس سرہٗ کی خانقاہ کے موجودالوقت سجادہ نشین سید شریف احمد شرافت نوشاہی جو جیّد عالم، بلند پایہ مصنف اور محقق بزرگ ہیں، نے اپنی جملہ تصانیف میں خاندانی قلمی کتب کے حوالوں سے حضرت نوشہؒ کا سالِ وصال یہ لکھا ہے: (باقی اگلے صفحہ پر)

۱۲۲۔ سید جعفر بن حاجی محمد ہاشم بن صوفی علی گیلانی قادری

اپنے عہد میں جامع کمالات صوری و معنوی تھے۔ سلسلۂ قادریہ میں اپنے والدِ ماجد سے بیعت تھے۔ ماہ جمادی الاخریٰ ۱۰۴۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۹ رجب ۱۱۰۰ھ میں وفات پائی۔ مزار تکیہ املی والا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۲)

" حضرت نوشاہِ عالی جاہ کی وفات بروز سہ شنبہ ۸۔ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ مطابق ۱۰۔ جنوری ۱۶۵۲ء بعہدِ شاہ جہان بادشاہ ہوئی۔ آپ کا روضۂ اطہر مقام ساہن پال شریف (ضلع گجرات، گاؤں سے نصف میل شمال کی طرف مرجع خلائق ہے۔ مادۂ تاریخ " فیض قدسی " ہے۔ (اذکار نوشاہیہ مولفہ شرافت نوشاہی صفحہ ۳۲)

شرافت صاحب نے محققانہ انداز میں اس امر کی بھی تحقیق کی ہے کہ مفتی صاحب سے یہ غلطی کیوں ہوئی۔ لکھتے ہیں:

"مفتی غلام سرور لاہوری (متوفی ۱۳۰۰ھ) نے کتاب خزینۃ الاصفیا جلد اول میں جو ۱۲۸۰ھ میں تصنیف کی ہے، تحریر کیا ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخش کی وفات ۱۰۷۳ھ میں ہوئی اور اس پر حوالہ " تذکرہ نوشاہیہ" کا دیا ہے حالانکہ اس میں بہ تصریح ۱۰۶۴ھ لکھا ہے، جیسا کہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ (حقیقت یہ ہے کہ) مفتی صاحب کو حوالہ سمجھنے میں غلطی لگ گئی ہے، جس کے وجوہات یہ ہیں:

حضرت مرزا احمد بیگ لاہوری نے " مقامات حاجی بادشاہ" الموسوم بہ رسالہ " الاعجاز " حضرت نوشہ صاحب کے حالات و کرامات میں لکھا، جو بعد میں بنام " رسالہ احمد بیگ " مشہور ہو گیا۔ یہ رسالہ حضرت نوشاہ عالم کی وفات سے تینتالیس سال بعد کی تصنیف ہے اور خاندانِ نوشاہی کے تذکروں میں اس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

حضرت سید حافظ محمد حیات ربانی کو ۱۱۴۲ھ میں رسالہ احمد بیگ کا ایک نامکمل نسخہ ملا، جس کے متعلق لکھتے ہیں: " اکثر عبارات از بسیاری کہنگی ریختہ بود" یعنی بہت پرانا ہونے کی وجہ سے اس کی اکثر عبارتیں مٹ چکی تھیں، انہوں نے اس کی اصل عبارتوں کو بدستور رہنے دیا اور اپنی طرف سے مزید حالات اضافہ کر کے " تذکرۂ نوشاہیہ" مرتب کیا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

لاہور میں ہے ؎

حضرت جعفر شہِ دنیا و دیں — سید اکبر مقدس متقی

مولدش "افضل محل" شد عیاں — رحلتش "جعفر مقدس متقی"

۱۰۴۱ھ — ۱۱۰۷ھ

(بقیہ حاشیہ ص۲۷۳)

اب ثابت ہوتا ہے کہ منشی غلام سرور لاہوری کو "تذکرہ نوشاہیہ" (قلمی) کی عبارتوں میں اشتباہ و التباس واقع ہو گیا ہے۔ وہ یہ تحقیق نہیں کر سکے کہ اس میں "رسالہ احمد بیگ" کی کون سی عبارت ہے اور تذکرہ کی کون سی۔ چنانچہ ایک جگہ مرزا احمد بیگ لکھتے ہیں: "ہنگامِ نوشتنِ رسالہ کہ بعد از وصال حضرت شاہ چل و سہ سال گزشتہ بود۔" (یعنی رسالہ تصنیف کرنے کے دوران میں جب کہ حضرت نوشہ صاحب کی وفات کو تینتالیس سال گزر چکے تھے) مفتی صاحب نے اس عبارت کو سید حافظ محمد حیات صاحب کی عبارت سمجھا اور چونکہ "تذکرہ نوشاہیہ" کے دیباچہ میں اس کا سالِ تصنیف ۱۱۲۶ھ تحریر تھا۔ اس سے تینتالیس سال تفریق کر کے ۱۰۸۳ھ کو حضرتِ نوشاہِ عالی جاہ کا سنِ وفات قرار دے دیا۔ حالانکہ وہ عبارت مرزا احمد بیگ کی تھی، جس سے ثابت ہوتا تھا کہ حضرت نوشہ صاحب کی وفات یعنی ۱۰۶۴ھ سے تینتالیس سال بعد یہ رسالہ تصنیف ہوا، جس سے ۱۱۰۷ھ مستفیض ہوتا تھا۔

مرزا احمد بیگ صاحبِ رسالہ اور سید حافظ محمد حیات صاحبِ تذکرہ کا طریقہ ہے کہ وہ حضرت نوشہ صاحب کا نام نامی اپنی اکثر عبارتوں میں بوجہ ادب کے "حضرت شاہ صاحب" یا "حضرت شاہ جیو" لکھا کرتے ہیں۔ مفتی صاحب کو یہ عبارت نظر پڑی کہ حضرت شاہ جیو کی وفات ۱۰۶۴ھ میں ہوئی تو انہوں نے شاہ جیو سے حضرت شاہ سلیمان نوری کو مراد لیا، جو حضرت نوشہ صاحب کے پیرِ طریقت تھے اور ۱۰۶۴ھ اُن کا سالِ وفات درج کر دیا۔ غلطیاً اُس کے بھی کسی مادہ تاریخ کے اعداد شمار کرنے میں غلطی لگ گئی تو اُن کی وفات ۱۰۶۵ھ لکھ دی۔ حالانکہ "تذکرۂ نوشاہیہ" میں ان کی تاریخ درج ہی نہیں۔ خاندان کے دوسرے تذکروں "روضۃ الزکیہ" وغیرہ میں اُن کی تاریخ وفات ۱۰۱۲ھ لکھی ہے، جو اس شعر سے ظاہر ہوتی ہے ؎

شاہ سلیمان رفت در دارالبقا ۔

"غیب" تاریخش سنِ ہجری بجا

۱۰۱۲ھ

(باقی اگلے صفحہ پر)

۱۲۳۔ سید عبدالحکیم گیلانی قدس سرہٗ

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم قدس سرہٗ کی اولادِ امجاد سے ہیں۔ آپ کے آباؤاجداد میں سے سید یعقوب بعہدِ ابوالفتح مبارک شاہ ایران سے ہندوستان آئے اور ملتان میں سکونت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مفتی صاحب اگر غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ "تذکرہ نوشاہیہ" کے مصنف حضرت نوشہ صاحب کو "حضرت شاہ جیو" لکھا کرتے ہیں اور اُن کے پیشوا حضرت شاہ سلیمان کو "حضرت شاہِ شاہاں"..... "تذکرہ نوشاہیہ" میں صرف حضرت نوشہ گنج بخش اور آپ کے دونوں بزرگان (شاہ عصمت اللہ و حافظ جمال اللہ) کی تاریخیں ہی درج ہیں۔ ان تینوں کے سوا کسی بزرگ کی تاریخ اس میں تحریر نہیں۔ مفتی صاحب نے حضرت نوشہ صاحب کے فرزندوں اور خلیفوں کے حالات تو "تذکرہ نوشاہیہ" میں سے نقل کئے اور تاریخیں محض اپنے قیاس اور تخمین سے درج کر دیں اور ان کو مستند بنانے کے واسطے "تذکرہ نوشاہیہ" کا حوالہ دے دیا۔ حالانکہ تذکرہ میں ان تاریخوں کا نام تک نہیں۔ کما لا یخفیٰ علیٰ ارباب العلم والتحقیق۔ مقولہ ہے زلۃ العالِم زلۃ العالَم۔ یعنی عالم کی لغزش سارے جہان کی لغزش کا موجب ہوتی ہے۔ یہی امر یہاں واقع ہوا۔ مفتی صاحب کے بعد جس مورخ نے کوئی کتاب لکھی، چونکہ نوشاہی خاندان کے مستند و معتبر تذکرے بوجہ قلمی اور نایاب ہونے کے اُس کی نظر سے نہ گزرے اس نے خزینۃ الاصفیا کو ہی اپنا ماخذ اور چراغِ راہ بنایا اور اسی کی مندرجہ تاریخوں کو اپنی کتاب میں بلاتحقیق درج کر دیا اور انہیں کے اعتماد پر "تذکرہ نوشاہیہ" کا حوالہ بھی بغیر ملاحظہ کئے دے دیا"

(اذکار نوشاہیہ از صفحہ ۳۵ تا ۳۹)

حضرت نوشہ گنج بخش قدس سرہٗ اور اُن کے سلسلہ عالیہ کے جملہ بزرگوں، خلیفوں اور اولاد و احفاد نیز آج تک کے نوشاہی فقرا کے حالات کے لئے "شریف التواریخ" (سہ جلد) مرتبہ جناب شرافت صاحب، جو تقریباً سات ہزار صفحات پر مشتمل اور ہنوز غیر مطبوعہ ہے، بحرِ زخار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جناب شرافت صاحب نے سلسلہ نوشاہیہ کی جو گرانقدر علمی خدمات سرانجام دی ہیں، ان کی تفصیل کے لئے کتاب "احوال و آثار سید شرافت نوشاہی" مرتبہ محمد اقبال مجددی دیکھنی چاہئے۔

لہ، خاندان سادات خضر خانیہ سے تھا۔ خضر خاں بن سلیمان کی وفات کے بعد بادشاہ ہوا۔ تیرہ سال ایک ماہ بادشاہی کی قصبہ مبارک پور آباد کیا۔ بعہد میں وفات پائی۔

اختیار کر کے درس و تدریس کا شغل اختیار کیا۔ ان کی اولاد میں سید انجم الدین نے اپنے علمی فضل و کمال کے باعث بڑی شہرت پائی۔ ۹۳۴ھ میں دہلی آئے۔ بابر کے دربار میں عزت و منزلت پائی۔ ان کے پڑوتے سید نظام الدین دہلی سے نقلِ مکانی کر کے لاہور آ گئے، ان کے فرزند ملا بایزید اپنی فضیلتِ علمی کی وجہ سے مشہورِ زمانہ تھے۔ لاہور میں آپ کی ذات اہلِ علم کی توجہ کا مرکز تھی۔ اچھے اچھے فاضل آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور صاحبِ درس بن کر نکلے۔ آپ کے تین فرزند سید عبداللہ، سید الدواد اور سید عبدالحکیم تھے۔ سید عبدالحکیم بڑے پایہ کے عالم والد ماجد کے صحیح جانشین، جامع علوم و فنون اور صاحبِ شریعت و طریقت تھے۔ حضرت عبداللہ قادری سے بیعت حاصل تھی۔ بڑے متحمل مزاج، مستغنی الطبع اور قناعت پسند بزرگ تھے۔ اخلاقِ حسنہ کے پیکر تھے۔ آپ کی ذات علومِ ظاہری و باطنی کا سرچشمہ تھی۔ شاہجہان نے دو تین مرتبہ دربار میں آپ کو بلایا۔ آپ ہر بار ٹال گئے، نہیں گئے۔ تمام عمر شاگردوں اور مریدوں کی تہذیب و تکمیل میں گزار دی۔ جو کوئی بھی آپ سے ملتا آپ کے علم و خلق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ پردہ پوشی آپ کا وصفِ خاص تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ موضع سوریاں میں اپنے ایک مرید کے یہاں تشریف لے گئے۔ اس نے غلطی سے چاولوں پر شکر کی بجائے نمک ڈال دیا اور وہ طعام آپ کے سامنے لا کر حاضر کیا اور کھانے کی التجا کی۔ آپ نے جتنا چاہا، کھایا۔ باقی بطور تبرک دوسروں نے چکھا۔ اس وقت غلطی کا پتہ چلا معذرت خواہ ہوا۔ فرمایا: میں نے تو شکر کھائی ہے نمک کی تو مجھے خبر نہیں۔ ۱۰۳۱ھ میں بعہدِ جہانگیر پیدا ہوئے اور ۱۱۰۸ھ میں بہ عہدِ اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔ اولاد موضع اچھرہ میں سکونت رکھتی ہے۔

قطعۂ تاریخ ولادت و وفات:

شہِ عبدالحکیم آں معدنِ فیض — کہ بود او مطلعِ نورِ سعادت
ز "شمس المتقین" تولیدِ او گیر — وصالش گو "شہنشاہِ ولایت"
۱۰۳۱ھ — ۱۱۰۸ھ

۲۴۱۔ سید محمد فاضل متوکل لاہوری قدس سرہٗ

عالم و فاضل، متوکل و متورع تھے۔ ریاضت و عبادت اور تجرید و تفرید میں شہرۂ آفاق تھے۔

تمام زندگی دائم الصوم اور قائم اللیل رہے۔ ان کے والد ماجد جب حج کے لیے جانے لگے تو انہیں نصیحت کی، اے فرزند گھر سے باہر نہ نکلنا۔ اپنے گھر ہی میں مصروفِ عبادت رہنا۔ چنانچہ اس نصیحت پر تمام عمر عمل کیا۔ ایسے خانہ نشین ہوئے کہ مر کر ہی گھر سے نکلے۔ اورنگ زیب عالمگیر کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ اکثر حاضرِ خدمت ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتا تھا۔ ایک دفعہ نقد و جنس و جاگیر پیش کی مگر آپ نے ان میں سے کسی چیز کو قبول نہ کیا۔

۱۱۱۲ھ میں وفات پائی۔ سید اسماعیل محدث کے مزار کے متصل مدفون ہوئے۔ عالمگیر نے مقبرہ و مسجد بنوائی تھی جسے مزنگ کے زمینداروں نے خشت فروشی کے لالچ میں انگریزوں کی عملداری کی ابتدا میں مسمار کر کے اینٹیں بیچ دیں۔ اس سے قبل سکھوں نے روضہ کے قیمتی پتھر اکھاڑ کر اسے خستہ کر دیا ہوا تھا۔

چوں شہ فاضل ولیٔ اہلِ فضل — شد از دنیائے دوں اندر جناں
قبلۂ دیں فاضل آمد رحلتش — نیز "زیبِ اصفیا فاضل" بخواں
۱۱۱۲

۱۲۵۔ خواجہ محمد فضیل قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے اکابر مریدوں اور خلیفوں میں سے تھے۔ اصلی وطن کابل تھا۔ طلبِ خدا میں ہندوستان آ کر حضرت نوشاہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تھے۔ ابتدا میں کچھ عرصہ عالمگیری[1] حکومت کے ملازم بھی رہے۔ پھر کلی طور پر ترکِ علائق اختیار کر لی۔ صاحبِ جذب و سکر اور عشق و محبت تھے۔ طبیعت میں بڑا سوز و گداز تھا۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی فرماتے ہیں کہ خواجہ فضیل صاحب کابل میں "وصی" کے لقب سے ملقب تھے۔ جس فاسق و فاجر پر حالتِ جذب و سکر میں نظر پڑ جاتی، عارفِ کامل ہو جاتا۔ کسی مردہ پر پڑتی تو زندہ ہو جاتا۔ نگاہِ غضب سے کسی طرف دیکھتے تو اس کی جان تن سے نکل جاتی۔ غرض آپ کے احوال و مقامات عجیب و غریب تھے۔

---

[1] یہ عالمگیر کا زمانہ نہ تھا، شاہجہان کا عہدِ حکومت تھا۔

نقل ہے ایک مرتبہ چند کابلی دہقانوں نے بہ نظرِ امتحان ایک زندہ شخص کو چارپائی پر ڈال کر یہ ظاہر کیا وہ مُردہ ہے اس کا جنازہ اٹھا کر قبرستان کی طرف چل پڑے۔ راستے میں حضرت خواجہ محمد فضیل بھی شریکِ جنازہ ہو گئے کہ نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے۔ جب قبرستان پہنچے تو لوگوں نے آپ کو نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کہا اُن کی سازش یہ تھی کہ جب خواجہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوں اور تکبیر کہیں تو وہ شخص اٹھ کھڑا ہو۔ اس طرح خواجہ کی کرامت کا حال کُھل جائے گا۔ آپ نے ان لوگوں کے اصرار پر نمازِ جنازہ پڑھانی قبول کر لی اور نمازِ جنازہ کی نیت باندھ کر نماز پڑھائی۔ لیکن وہ شخص نہ اُٹھا، سب حیران ہُوئے۔ چارپائی کے پاس جا کر دیکھا تو معلوم ہوا اس کی روح جسمِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ گریہ وزاری کے ساتھ معذرت خواہ ہوئے۔ خواجہ نے فرمایا: اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں نے مُردے ہی کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی۔ اب تیر کمان سے نکل چُکا ہے۔

نقل ہے کابل کے ایک شاہی باغ میں پہاڑ کی ایک چٹان آگری، وُہ اس قدر وزنی تھی کہ اٹھائے نہیں اٹھتی تھی۔ باغبان لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے چٹان ہٹانے میں مدد مانگی۔ آپ باغ میں تشریف لائے اور چٹان کے قریب کھڑے ہو کر نعرہ "اللہ اللہ" لگایا جس سے چٹان اسی وقت پھٹ گئی اور اس کے ٹکڑے دُور دُور جا پڑے۔ زمین خالی ہو گئی۔ حاکمِ کابل نے جب آپ کا یہ تصرف دیکھا تو وُہ باغ ہی آپ کی نذر کر دیا۔ آپ پر شُکر و استغراق کا غلبہ زیادہ رہتا تھا اس وجہ سے بحکم لا تقربوا الصلوٰۃ ظاہر اطوار پر آپ سے فرائضِ نماز ترک ہو جاتے تھے۔ علماءِ کابل نے آپ کے خلاف فتویٰ لکھا اور بُلا کر کہا کہ آپ ترکِ نماز کے مرتکب ہوتے ہیں اس لئے ہم آپ پر شرعی حد جاری کریں گے۔ آپ نے فرمایا: بے وضو نماز جائز نہیں ہے اور میں معذور ہوں پانی میرے جسم پر رواں نہیں ہوتا اور وضو میں پانی جب تک اعضا پر رواں نہ ہو، وضو کامل نہیں ہوتا۔ علماء نے پانی منگوایا اور آپ سے وضو کرنے کے لئے کہا۔ آپ ہاتھوں پر جتنا پانی ڈالتے وُہ خشک ہوتا چلا جاتا گویا آگ پر پڑ رہا ہے۔ علماء نے جب یہ کیفیت مشاہدہ کی تو خاموش ہو کر چلے گئے۔ خواجہ فضیل کی وفات اقوالِ صحیح کے مطابق ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۲ھ میں ہے اور مزار گوبربار کابل میں ہے۔

خواجہ دین فضیلِ واصلِ حق ! شد ز دنیا چو در بہشت بریں !!

رحلتش ہست "عارفِ سرمست" نیز فرما "فضیل واصل دیں"[1]!
باز فرما مکرم اخیار! سالِ ترحیلش آں شہِ حق بیں

۱۲۶۔ شیخ رحیم داد قادری قدس سرہٗ

شاہ سلیمان قادری کے فرزند اکبر اور سجادہ نشین تھے۔ حضرت نوشاہ گنج بخش سے بھی اکتسابِ فیض کیا تھا اور تربیت و تکمیل پائی۔ متوکل صاحب علم و فضل اور جامع اوصافِ کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے۔ استغراق بحدِ کمال تھا۔ بڑے سادہ مزاج اور سادہ لباس تھے۔ صرف ایک تہبند، ایک چادر اور سفید پگڑی زیبِ تن ہوتی تھی، جن کی قیمت دو روپے سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ اپنی محنت و کاشت سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔

نقل ہے ایک دفعہ اپنے پوتے محمد شفیع کو خربوزوں کے کھیت کی نگہبانی کے لئے حکم دیا۔ ایک روز یہ کھیت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سپاہی نے آکر خربوزہ لینا چاہا۔ انہوں نے منع کیا سپاہی نے صاحبزادہ کے منہ پر تھپڑ مارا اور خربوزہ لے کر چلتا بنا۔ صاحبزادہ نے آکر دادا سے شکایت کی۔ فرمایا: صبر کرو، وہ اپنے کئے کی سزا پائے گا۔ چنانچہ اسی رات اس سپاہی پر حالتِ دیوانگی طاری ہو گئی۔ دیوانوں کی طرح ہر شخص کے پاس جاتا اور کہتا: میرے سر پر جوتے لگاؤ۔ ساری رات اسی طرح گزری، صبح اس کے وارث اسے ساتھ لے کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ بڑی عاجزی و انکساری سے معافی چاہی۔ آپ نے درگزر فرما کر اسے معاف کر دیا۔ وہ اسی وقت اپنی اصلی حالت پر آگیا۔ شیخ رحیم داد نے ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزار بھلوال میں حضرت شاہ سلیمان کے مزار کے متصل ہے۔

شد ز دنیا چو در بہشتِ بریں متقی اعظم و عظیم و رحیم

---

[1] خواجہ فضیل کا صحیح سنِ وفات ۱۰۷۶ھ ہے اور مزار بنی حصار کابل میں ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی ص ۲۶۳)

سال تاریخ رحلتِ آں شاہ ! گفت دل "اشرف و کریم و رحیم"[1]
۱۱۱۰ھ

۱۲۷۔ سیّد عمر گیلانی قدس سرّہٗ

سیّد محمد ہاشم گیلانی کے فرزندِ ارجمند اور مرید و خلیفۂ اعظم تھے۔ اپنے عہد کے شیخ الوقت، جیّد عالم اور مجتہد العصر تھے۔ سلوکِ نسبتِ قادریہ اور عقائدِ اہلسنّت و بلند پایہ رسائل آپ کی علمی یادگار ہیں۔ ۱۰۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ مرقد لاہور تکیہ املی والا میں واقع ہے۔

عمر چوں زدنیا شد اندر بہشت — بتاریخ ترحیل آں با وقار
عمرِ واصلِ شرعِ حق شد رقم — عمر جاں نثار آمد اندر شمار
۱۱۱۵ھ

۱۲۸۔ سیّد حسن پشاوری گیلانی قادری قدس سرّہٗ

اپنے والد بزرگوار سیّد عبداللہ گیلانی کے فرزند اور مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کے جدِ امجد سیّد محمود بغداد سے نقلِ مکانی کرکے ہندوستان آکر ٹھٹھہ (سندھ) میں قیام پذیر ہوگئے۔ ان کی وفات کے بعد سیّد حسن پشاور آکر مقیم ہوگئے۔ آپ صاحبِ فضل و کمال بزرگ تھے۔ زہد و ورع اور عبادت و ریاضت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کی زوجہ سیّد علی ہمدانی کی اولادِ امجاد سے تھیں جو اپنی بزرگی و عظمت میں رابعۂ ثانی تھیں۔ آپ نے بڑی سیر و سیاحت کی تھی اور اکابر مشائخ سے فیوض و برکات حاصل کئے تھے۔ آبائی نسبت حضرت شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک منتہی ہوتی ہے۔ آپ کے فرزند سیّد محمد غوث لاہوری بڑے نامور بزرگ گزرے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ بقول صاحبِ رسالۂ غوثیہ ۱۱۱۵ھ میں وفات پائی۔ مزار

---

[1] شیخ رحیم داد کا صحیح سالِ وفات ۱۰۹۹ھ ہے (شریف التواریخ جلد سوم، حصّہ اوّل موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی ص۱۹۲)

پشاور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چوں حسن احسن یافت در خلدِ بریں
رحلتش "شیخ مطلوب" گو
۱۱۱۵ھ

چوں جناب سیدِ والا حسن!
نیز فرما "فاضل مولیٰ حسن"!
۱۱۱۵ھ

۱۲۹۔ حضرت شاہ رضا قادری شطاری لاہوری

اپنے عہد کے صوفیٔ کمال، جید عالم اور صاحبِ فتویٰ بزرگ تھے۔ علومِ تفسیر و حدیث و فقہ میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ دُور دُور سے طالبانِ علم و ہدایت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے۔ زہد و عبادت اور وحدتِ اسمائے الٰہی میں بے نظیر تھے۔ مستجاب الدعوات تھے۔ مولانا شیخ محمد فاضل لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے۔ سلسلۂ بیعت حضرت شیخ وجیہ الدین گجراتی تک

ل حضرت سید حسن بن سید عبداللہ گیلانی بن سید محمود (رحمہم اللہ) کے حالات کے سلسلے میں خزینۃ الاصفیا کی چند غلطیوں کی نشان دہی ضروری ہے۔ آپ کے جدِ امجد سید محمود بغداد شریف سے نقلِ مکانی کر کے ٹھٹھہ نہیں آئے تھے بلکہ آپ کے والدِ ماجد سید عبداللہ بغداد شریف سے ٹھٹھہ میں آکر مقیم ہو گئے اور یہیں تقریباً ۱۰۶۰ھ میں واصل الی اللہ ہو کر محوِ خوابِ ابدی ہوئے۔ جناب سید عبداللہ نے ٹھٹھہ ہی میں شادی کی تھی اور دو فرزند سید حسن و سید محمد فاضل تولد ہوئے۔

سید عبداللہ مدفونِ ٹھٹھہ سید حسن مدفون پشاور اور شاہ محمد غوث مدفونِ لاہور کے صحیح اور مستند حالات کے لئے حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ پشاوری (جو حضرت حسن کی اولاد میں ہیں) کی تصانیفِ ذیل ملاحظہ ہوں: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد جلد اوّل، تذکرہ سید شاہ عبداللہ ٹھٹھوی اور تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ۔

ل عہدِ عالمگیری میں لاہور کے جید علماء و فضلاء و فقہاء سے تھے۔ درس و تدریس کا بڑا وسیع سلسلہ تھا۔ تمام عمر اسی شغل میں گزاری۔ جامع شریعت و طریقت تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے ظاہری و باطنی فیوض و برکات حاصل کئے۔

ل مشائخِ متاخرین میں علومِ ظاہری و باطنی میں ممتاز الوقت تھے۔ فیوض و کرامات میں درجۂ بلند پر فائز تھے۔ اکثر درسی کتب پر حواشی لکھے ہیں۔ بے شمار لوگوں نے آپ سے اخذِ فیض کیا۔ ۹۹۹ھ میں وفات پائی۔ مرقد احمد آباد میں ہے۔

منتہی ہوتا ہے جو شیخ محمد غوث گوالیاری کے مرید تھے۔ ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

بافتِ خلد گشت راضی — چوں شاہ رضا والیٔ والا
دل گفت کہ آفتابِ خلد است — تاریخِ وصالِ آں معلّٰی

۱۱۱۸ھ

۱۳۰۔ سیّد محمد صالح قادری نوشاہی قدس سرہٗ

آپ سادات عظام اور شرفاء کرام میں سے تھے اور حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے یارانِ کبار اور مجانِ غم خوار اور خلفائے باوقار اور خدام نامدار میں سے تھے۔ مرشد کی اِن پر بڑی نظرِ عنایت رہا کرتی تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ صرف دو شخص طلبِ خدا کے لئے میرے پاس سچی نیت سے آئے ہیں۔ ایک محمد صالح اور دوسرے محمد صادق چھینہ ان دونوں دوستوں نے ہم سے کافی فیض حاصل کیا ہے۔ محمد صالح نے بقول صاحبِ تذکرہ[1] نوشاہی[2] ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع چک سادہ میں ہے جو گجرات سے دو کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔

---

[1] ہندوستان کے اولیائے متاخرین میں بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ جامع علوم و فنون تھے۔ حضرت شیخ حاجی حمید جو حضرت شاہ فاذن کے مرید و خلیفہ تھے اُن سے ظاہری و باطنی اکتسابِ فیض کیا تھا۔ نیز حضرت غوث الاعظمؒ کے بھی اویسی مرید تھے۔ خلقِ کثیر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھی۔ صاحبِ تصانیف تھے۔ کتاب جواہر خمسہ، بحر الحیات آپ کی مشہور تصنیف کردہ کتب ہیں۔ ۹۷۰ھ میں وفات پائی۔ مزار گوالیار میں ہے ان کے حالات پر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی کی تالیف "شاہ محمد غوث گوالیاری" مطبوعہ میرپور خاص ۱۹۶۴ء لائقِ مطالعہ ہے

شطار اصطلاحِ صوفیا میں شغلِ باطنی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے سالک رتبۂ فنافی اللہ اور بقا باللہ حاصل کرتا ہے۔ حضرت شیخ عبداللہ شطاری اس سلسلہ کے امام طریقت ہیں۔ آپ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد سے تھے اور حضرت شیخ محمد صیفوری کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ ۸۳۲ھ میں وفات پائی۔

[2] تذکرہ نوشاہی میں سیّد محمد صالح کا سالِ وفات درج نہیں، مفتی صاحب کو حوالہ دینے میں سہو ہوا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

شد ازیں دنیا چو در خلدِ بریں — شیخ صالح مقتدائے دو جہاں!
طرفہ سالِ انتقالِ آں جناب — گشت "شیخ الاولیا صالح" عیاں!
۱۱۱۸ھ

۱۳۱۔ شیخ صدرالدین قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے عالی شان مریدوں اور بلند مرتبہ والے خلیفوں سے تھے۔ سلوک و معرفت میں حالاتِ عجیب اور مقاماتِ بلند رکھتے تھے۔ مرشد صاحب اکثر آپ کے حق میں فرمایا کرتے کہ اگر قیامت کے روز میرے اور صدرالدین کے درمیان دوزخ حائل ہو جائے یقین کلی ہے کہ صدرالدین دوزخ میں قدم رکھ کر اس راہ سے میرے پاس آئے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صدرالدین اوائل عمر میں دنیا کے لہو و لعب میں بے حد مشغول تھے۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تمام مکروہاتِ دنیا سے تائب ہو گئے اور ترکِ علائق اختیار کر کے تکمیلِ سلوک کی اور کمالِ فقر کو پہنچے اور مقبولانِ الٰہی کے زمرہ میں داخل ہوئے۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں! — شیخ صدرالدین ولیِ متقی
رحلتش "غمگیں مگو" خورشید" خواں — ہم "فریدالعصر صدرالدین ولی"[1]
۱۱۲۰ھ — ۱۱۲۰ھ

(بقیہ حاشیہ ۲۰۲)

ہمارے زمانے کے مشہور بزرگ حضرت سید محمد معصوم شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ بانی نوری کتب خانہ لاہور و بانی نوری مسجد المقابل ریلوے اسٹیشن لاہور (متوفی ۱۳۸۸ھ) حضرت سید صالح محمد صاحب کی اولادِ امجاد میں سے تھے اور سجادہ نشین۔ انہوں نے حضرت سید صالح محمد کے حالات پر ایک کتاب بنام "انوار الصالحین" لکھی ہے، جو ابھی تک شائع نہیں ہو سکی۔ درگاہ حضرت سید فتح محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس وقت حضرت سید محمد حسین شاہ خلفِ اکبر حضرت سید معصوم شاہ سجادہ نشین ہیں۔

[1] حضرت صدرالدین کا صحیح سنِ وفات ۱۱۰۸ھ ہے۔ ان کا مزار رکھ چشمہ ضلع گوجرانوالہ میں ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی مولفہ سید شرافت نوشاہی ص ۲۶۳)

۱۳۲۔ حضرت شاہ درگاہی قادری لاہوری قدس سرہٗ

حضرت عبدالرزاق قادری کے مرید و خلیفہ تھے۔ انہی کے ساتھ لاہور آئے تھے۔ حضرت شیخ عبدالرزاق بڑے عالم و فاضل، عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے۔ حضرت شیخ عبدالرزاق سے سلسلۂ قادریہ میں تکمیل کی۔ پھر حضرت شاہ عبداللطیف چشتی صابری کی خدمت میں حاضر ہو کر سلسلۂ چشتیہ کی تکمیل کی اور خرقۂ خلافت پایا۔ نقل ہے آپ کی خانقاہ کے پاس ایک دہقان کا کنواں تھا۔ اس نے ایک دن عرض کیا کہ میرے بیٹے کو پانی دانہ پھنسیوں کی بیماری ہے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ شفا بخشے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے اپنے کنویں کے پانی سے نہلا دے۔ ان شاء اللہ شفا ہوگی بلکہ میں نے خداوند تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ جس کے بچے کو یہ بیماری ہو اس کنویں کے پانی سے نہلائے اسے صحت ہو جائے گی۔ چنانچہ دہقان کے بچے کو شفا ہو گئی اور یہ فیض اب تک جاری ہے۔ ۱۱۲۲ھ میں شاہ عالم بہادر شاہ بن شاہ عالمگیر کے عہد میں فوت ہوئے۔ مزار شیخ سید اسماعیل محدث کے مزار کے متصل ہال روڈ پر واقع ہے۔

گشت روشن چو رفت از دنیا — در جناں ہمچو ماہ درگاہی!
شیخ پیر است ارتحالش نیز — قطب سردار شاہ درگاہی!
۱۱۲۲ھ — ۲۲ — ۱۱

۱۳۳۔ شیخ تاج محمود قادری قدس سرہٗ

حضرت شاہ سلیمان قادریؒ کے چھوٹے لڑکے تھے۔ وضع قلندرانہ و طبع رندانہ رکھتے تھے۔ ظاہر میں پریشان حال اور باطن میں صاحب جمعیت تھے۔ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کی خدمت میں حاضر رہ کر تکمیل سلوک کی اور اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد بزرگی کے مصلے پر عبادت میں معروف رہے۔ جو کچھ زبان سے فرماتے وہ پورا ہو جاتا۔ صاحب تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں ایک مرتبہ آپ موضع گمگانوالی[1] میں تشریف لے گئے۔ ان دنوں سخت امساک باراں تھا۔ ان کا ایک مرید چودھری

[1] اس گمگانوالی کا نام کیلیانوالہ تھا گمگانوالی نہیں تھا۔ (تذکرہ نوشاہی۔ شریف التواریخ جلد دوم موسوم بہ طبقات نوشاہیہ۔ طبقہ چہارم)

بیانا می تھا اس نے حاضرِ خدمت ہو کر دعائے بارانِ رحمت کی التجا کی۔ اس وقت دوپہر کا وقت تھا، شدت کی گرمی پڑ رہی تھی، آپ حجرے سے باہر نکل کر دھوپ میں آ بیٹھے اور بارگاہِ الٰہی میں دُعا مانگی۔ اُسی گھڑی بادل آیا اور بارش ہونی شروع ہو گئی۔ جب آپ کے کپڑے بھیگنے لگے تو حاضرین نے درخواست کی کہ حجرے میں تشریف لے آئیے۔ جونہی آپ حجرے میں داخل ہوئے مینہ برسنا بند ہو گیا۔ لوگ غمگین ہوئے۔ فرمایا، اگر پھر بارش مطلوب ہے تو میں باہر جا کر بیٹھتا ہوں۔ چنانچہ آپ باہر آ بیٹھے بارش پھر برسنا شروع ہو گئی۔ اس طرح تین مرتبہ ہوا۔ جب بارش خوب برس چکی تو آپ حجرے میں آ بیٹھے، بارش تھم گئی۔ نقل ہے ملا غازی اپنے مرشد کے بڑے فرزند شیخ رحیم داد سے زیادہ الفت و محبت رکھتے تھے۔

ایک دفعہ شاہ سلیمان کے دونوں فرزندوں یعنی شیخ رحیم داد اور شیخ تاج محمود میں زمین کی تقسیم میں اتفاقاً نزاع واقعہ ہو گئی۔ ملا غازی جو شیخ رحیم داد کے حمایتی تھے انہوں نے تاج محمود کو کچھ سخت سُست کہا اور انہیں لکڑی مارنے کے لئے اٹھائی۔ حاضرین مانع آئے۔ تاج محمودؒ نے فرمایا: میں نے اللہ سے چاہا ہے کہ جس ہاتھ سے اُس نے مجھے لکڑی مارنے کے لیے اٹھائی ہے اس کا وہی ہاتھ ٹوٹ جائے۔ اور آٹھ ماہ بیمار رہ کر مر جائے۔ پس اتفاقاً ایک روز ملا غازی اپنے کھیت میں چنے کا خلہ کاٹ رہا تھا کہ غیب سے ایک شیر نے آ کر اُس کا ہاتھ مروڑ دیا۔ اس کے ساتھی خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے۔ چنانچہ ملا غازی آٹھ ماہ اسی درد و کرب میں مبتلا رہ کر اس دنیا سے چل بسا۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی آپ کے صاحبزادے شیخ آفتاب کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ ایک روز شیخ تاج محمود موضع پانڈوکی میں بحالتِ سکر و استغراق کنویں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک نئی دُلہن کی ڈولی اس طرف سے گزری۔ آپ چونکہ حسن پرست اور عشق دوست تھے اس ڈولی کے پاس جا کر دُلہا سے کہا اس ڈولی کا پردہ اٹھا تاکہ میں اس صانعِ حقیقی کا جلوہ اس آئینۂ قدرت میں دیکھوں۔ دُلہا یہ سُن کر بڑے غصے میں آیا اور بدکلامی سے مخاطب ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی راہ طے کی تھی کہ دُلہن خود بخود ڈولی سے دیوانہ وار نکل آئی اور زمین پر تڑپنے لوٹنے لگی اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ اس کا شوہر بے حد پریشان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی گستاخی کی معافی چاہی۔ آپ نے فرمایا، جاؤ تمہاری دُلہن اپنی اصلی حالت پر آ گئی ہے۔

۱۱۲۳ھ میں بعہدِ شاہ عالم بن اورنگ زیب عالمگیر وفات پائی۔ مزار بھلوال میں ہے۔

کرد از دنیا چو در جنت سفر — تاج محمود آں ولیِ مقتدا
سالِ وصلِ اوست فیاض کبیر — باز شد پیدا ز شیخ الاصفیا [1]
نیز سرور گفت سالِ رحلتش — عاقبت محمود تاج اولیا

۱۲۴۔ شیخ عبدالحمید قادری نوشاہی قدس سرہٗ

اپنے وقت کے عالم و فاضل اور صوفیِ کامل تھے۔ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخشؒ کی خدمت میں رہ کر تکمیلِ سلوک کی تھی۔ اپنے پیر صاحب کی وفات کے بعد تادمِ حیات ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۱۲۵ھ میں وفات پائی۔

شیخِ دیں عبدالحمیدِ محترم — رفت از دنیا و در جنت رسید
رحلتش فرما سنیِ مجتبیٰ ! ! — ہم بگو شیخ ولی عبدالحمید [2]
۱۱۲۵

۱۲۵۔ سیّد نُور محمّد بن سیّد محمد امیر گیلانی قدس سرہٗ

جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے۔ عبادت و ریاضت اور شجاعت و سخاوت میں بے مثال تھے۔ اپنے والدِ ماجد کی وفات کے بعد سجادہ نشیں ہوئے۔ تادمِ زیست موضع حجرہ میں مقیم رہ کر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ صاحبِ سراج الاولیاء فرماتے ہیں: حضرت نور محمدؒ کا بیان ہے کہ بچپن میں قرآن شریف کا آخری پارہ پڑھ رہا تھا کہ معانیِ قرآن مجھ پر منکشف ہونے شروع ہو گئے۔ ایک روز میں انتہائے دردِ دل کے باعث رو رہا تھا۔ معلم نے مجھ سے

[1] شیخ تاج محمود کا صحیح سالِ وفات ۱۱۲۴ھ ہے۔ (شریف التواریخ۔ جلد سوم۔ حصہ اول۔ موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی صفحہ ۱۲۰ از شرافت نوشاہی)

[2] شیخ عبدالحمید کا صحیح سالِ وفات ۱۱۲۶ھ ہے (تحایف الاطہار صفحہ ۳۲۶)

رونے کا سبب پوچھا۔ والد ماجد میرے حال سے واقف تھے۔ فرمایا: اس سے رونے کا حال مت پوچھئے اور خاموش رہئے۔ ۷۲ برس کی عمر میں ۱۱۲۹ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع حجرہ میں ہے۔

نور محمد آں مہِ عالم چو از جہاں — بر عرشِ حق رسید بقربِ جلیلِ حق
شاہ کریم متقی آمد وصالِ او — دیگر بگو کہ نورِ محمد خلیلِ حق

۱۱۲۹ھ ۱۱۲۹ھ

۱۳۶۔ شیخ خوشی محمد قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے پاک اعتقاد مریدوں اور حق یاد خلیفوں میں سے تھے۔ بارگاہِ مرشد میں بے تکلفانہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ جس وقت حضرت حاجی نوشہ صاحب پر حالتِ جذب و استغراق طاری ہوتی تھی۔ آپ ہی حاضرِ خدمت ہو کر انہیں اپنی بذلہ سنجی سے خوش کیا کرتے تھے۔ خوارق و کرامات آپ سے ظہور میں آتے تھے۔ فقیروں اور عالموں سے بے شمار لوگ آپ کے معتقد تھے۔ شاعر بھی تھے۔ چنانچہ فارسی، ہندی اور پنجابی میں بکثرت اشعار کہے ہیں۔ ۱۱۲۷ھ میں وفات پائی۔

چوں از دنیا بفردوس بریں رفت — جناب شیخِ حق آگاہ خوش حال
عجب سالِ وصالش جلوہ گر شد — ز "اہلِ دل ولی اللہ خوش حال" [1]

۱۱۲۷ھ

۱۳۷۔ حضرت شیخ حافظ برخوردار قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ کے فرزند عالیجاہ اور خلیفہ آگاہ [2] تھے۔ صاحبِ زہد و ریاضت و ذوق و شوق اور وجد و سماع، متقی اور مہمان نواز تھے۔ رات دن جذب اور استغراق اور خدا تعالیٰ

---

[1] شیخ خوشی محمد کا سالِ وفات صحیح ۱۱۲۸ھ ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اوّل موسوم بہ تحائف الافہار قلمی صفحہ ۱۵۲ از سید شرافت نوشاہی)

[2] شیخ حافظ برخوردار المخاطب بہ بحر العشق اپنے والد بزرگوار حضرت نوشہ گنج کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور

(باقی اگلے صفحہ پر)

کی طرف توجہ میں گزار دیتے تھے۔ خوارق اور کرامات بے شمار آپ سے ظہور میں آتی تھیں۔

ایک دن آپ کو اپنی زمین سیراب کرنے کیلئے چرخِ چوب کی ضرورت پڑ گئی جو آپ نے ایک زمیندار بھیرو نام سے ایک دن کے لئے مستعار مانگی۔ وُہ بہانہ کر کے ٹال گیا کہ میرا کنواں خراب ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا، خراب ہی ہو جائے گا۔ چنانچہ اُسی روز اس کی عمارتِ چاہ گر گئی۔ جتنی بار تعمیر کی، قائم نہ رہی۔ نیز تذکرہ نوشاہی میں ہے کہ ایک روز حافظ صاحب پر حالتِ جذب واستغراق طاری تھی اپنے خسر کے گھر بیٹھے ہوئے تھے۔ گھر کے سامنے ایک زمیندار کی لڑکی چرخہ کات رہی تھی اور ساتھ ساتھ کچھ گا بھی رہی تھی اس کے سرور نے آپ پر حالتِ وجد طاری کر دی۔ لڑکی کے خاموش ہونے پر فرمایا، اے لڑکی ایک بار پھر اسی طرح نغمہ سرائی کر۔ لڑکی شرم کے مارے چپ رہی اور اٹھ کر گھر کے اندر چلی گئی۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اس کے پیٹ میں سخت درد اٹھا، اس کی حالت نزع تک پہنچ گئی۔ علاج معالجہ سے کچھ افاقہ ہوا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر اس کے والدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت چاہی۔ آپ نے فرمایا: اسے میرے رُوبرو لاؤ۔ جب لڑکی آپ کے سامنے حاضر ہوئی، فرمایا، اے لڑکی! پھر اسی طرح نغمہ گا اِن شاء اللہ اچھی ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے وہی نغمہ اُسی انداز میں گایا۔ آپ کی توجہ سے اُسی وقت صحت یاب ہو گئی۔ حافظ برخوردار نے اقوالِ صحیح کے مطابق ۱۱۳۰ھ میں وفات پائی[1]

شیخِ برخوردار پیرِ کامگار! شد چو از دنیا بجنت یافت جا
حافظ عالم بگو تاریخِ او! نیز فرما دوستدارِ مجتبیٰ[2]
۱۱۳۰ھ ۱۱۳۰ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷)

انتیس ۲۹ سال تک مسندِ خلافت پر رونق افروز رہ کر مخلوقِ خدا کو حقیقت و معرفت کی منازل پر پہنچایا۔ ان کے مفصل حالات سید شرافت نوشاہی نے کتاب "ارشاد الاخیار" اور کتاب "مقامات برخورداریہ" المعروف خلیفۂ اعظم میں لکھے ہیں اور ان کی سجادگی کے دلائل و اثبات میں کتاب "سجادہ نشین" تصنیف کی ہے۔

[1] حافظ برخوردار کا صحیح سالِ وفات ۱۰۹۳ھ ہے (اذکار نوشاہیہ صفحہ ۵۰ تصنیف شرافت)

۳۸۔ حضرت سیّد عبدالوہاب بن سیّد سرورالدین بن جان محمد حضوری قدس سرہٗ

اپنے عہد کے مشائخ و صوفیا میں ممتاز الوقت تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد سے پائی تھی۔ سلسلہ قادریہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ علم و فضل، عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ اور درس و تدریس میں مقامِ بلند رکھتے تھے۔ تادمِ زیست لاہور میں ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے اخذِ فیض کیا۔ آپ کی ذاتِ بابرکات تک یہ فیضان جاری رہا کہ جو آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتا وہ جلدی ہی اوجِ طریقت میں مرتبۂ حضوری حاصل کر لیتا۔ بروز جمعہ ۲۱۔ شوال ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ مقبرہ اپنے جدامجد جان محمد حضوری کے متصل ہے۔ اِن کے بعد اِن کے فرزند سیّد عبداللہ[1] شاہ سجادہ نشین ہوئے۔

---

[1] پھر آپ کے فرزند سید نور شاہ اور ان کے فرزند سید غلام محی الدین یکے بعد دیگرے سجادہ نشین ہوئے۔ سید غلام محی الدین کے دو فرزند تھے، سید احمد شاہ اور سید حسین شاہ۔ اِس وقت سید احمد شاہ کے پوتے سید بہادر شاہ بن سید سرور شاہ درگاہ کے متولی و سجادہ نشین ہیں۔ بڑے معمر و ضعیف ہو گئے ہیں۔ بینائی بھی جاتی رہی ہے۔ خاندانی روایات کے حامل ہیں۔ آپ کے چار فرزند اکبر شاہ، انور شاہ، احمد شباع اور سرور شاہ ہیں۔ سید حسین شاہ کے دو فرزند تھے؛ سید دلاور شاہ اور سید عالم شاہ۔ سید دلاور شاہ المتوفی ۱۹۲۳ء متولی و سجادہ نشین درگاہ شریف راقم کے بڑے بہنوئی تھے۔ میری ہمشیرۂ بزرگ مرحومہ خورشید بیگم بنت مفتی محمد چراغ الدین ہاشمی مرحوم حضرت مولانا مفتی غلام سرور اسدی الہاشمی کی نواسی آپ کے نکاح میں تھیں۔ محترم سید اقبال علی شاہ اور عزیزہ دل افروز دختر برکت علی شاہ مرحوم آپ کی اولاد سے ہیں۔ محترم سید اقبال علی شاہ کے چار فرزند اسلم شاہ، نواز علی شاہ، عارف علی شاہ اور محسن شاہ اور تین لڑکیاں عزیزی مسرت زوجہ سید عطاء اللہ کامران و عزیزہ کلثوم زوجہ ذاکر حسین اور عزیزی کوثر اولاد سے ہیں۔ عزیزم اسلم شاہ کا فرزند احسان علی شاہ اور نواز علی شاہ کا فرزند امجد علی شاہ ہے۔ ایزد تعالیٰ سلامت رکھے۔ سید عالم شاہ کے فرزند و۔م سید حسین شاہ بقید حیات ہیں۔ دو فرزند سید اسد علی شاہ اور سید آصف علی شاہ اولاد سے ہیں۔ (مترجم)

۲۹۔ شیخ محمد تقی قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے باصفا مریدوں اور باوفا معتقدوں سے تھے۔ اپنے مرشد صاحب کے عشق میں درجہ فنا فی الشیخ رکھتے تھے۔ آغازِ جوانی ہی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تھے۔ مرشد ہی کی زیرِ نگرانی تعلیم و تربیت پائی تھی اور مقبولِ درگاہِ شیخ ہوئے۔ آپ پر اکثر و بیشتر حالتِ جذب و سُکر طاری رہا کرتی تھی۔ نقل ہے: ایک دفعہ بے خودی کا یہ عالم تھا کہ عیدِ قربان کے دن پُوچھا: آج کون سا دن ہے کہ لوگ اس قدر گوسفند ذبح کر رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا: آج عیدِ قرباں کا دن ہے لوگ راہِ خدا میں قربانی دے رہے ہیں۔ آپ بھی اٹھے اور قربانی دیجئے۔ کہا: میرے پاس تو اپنی جان کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ چھری لاکر اپنے حلق پر پھیرنی شروع کر دی۔ ابھی شہ رگ نہیں کٹی تھی کہ لوگوں نے آکر ہاتھ پکڑ لیا اور اسی حالت میں مرشد کے پاس لے آئے۔ آپ انہیں دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور بڑی تحسین و آفرین کہی اور ان کے حق میں دعائے خیر کہی اور زخم پر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و کرم کیا انہیں صحت حاصل ہو گئی مگر غلبۂ حال میں کمی نہ ہوئی اور کلی طور پر مجذوب ہو گئے اور بارہ سال تک دوابہ کے جنگل میں پھرتے رہے۔ اسی تجرید کی حالت میں زندگی گزاری۔ اپنے آپ کی کوئی خبر نہ تھی۔ دُنیا سے اور دُنیا داروں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ۱۱۳۳ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع نوشہرہ ضلع گجرات میں ہے۔

تقی رفت چوں زیں جہانِ فنا — پے سالِ ترحیل بے قال و قیل
شد از قلم "شیخ اکبر" رقم — عیاں شد "تقی متقیِ جلیل!" [1]
۱۱۳۳ھ — ۱۱۳۳ھ

---

[1] شیخ محمد تقی کا صحیح سنِ انتقال ۹۲-۱۱ھ ہے (شریف التواریخ (قلمی)، جلد سوم، حصہ اول موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی صفحہ ۴۶۲)

۱۴۰۔ خواجہ ہاشم دریادل قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے فرزند دوم تھے۔ علومِ ظاہری مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی اور مولانا عبداللہ لاہوری سے حاصل کئے تھے۔ اپنے عہد میں علمی فضل و کمال کے باعث فقہاءُ و محدثین میں ممتاز۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور سخاوت و کرامت میں بے نظیر تھے۔

نقل ہے ایک روز ایک شخص مبارک نام آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے گستاخانہ پیش آیا۔ فرمایا: جو کرے گا عزور بھرے گا۔ اُسی روز اس کی پیٹھ میں ایک پھوڑا نکل آیا جس کی تکلیف سے وُہ چند روز میں مر گیا۔

نقل ہے ایک روز آپ کی خدمت میں ایک ایسا مریض لایا گیا جس کے ہاتھ پاؤں شل ہو چکے تھے۔ فرمایا: اسے حضرت نوشہ گنج بخش کے مزار پر لے جاؤ اور اسے کہو کہ وہاں بیٹھ کر سورۂ ملک پڑھے۔ ان شاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے آپ کے فرمودہ کے مطابق وہاں بیٹھ کر سورۂ ملک تلاوت کی۔ سورہ شریف کے اختتام پر وُہ صحت یاب ہو گیا۔

صاحبِ تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں: آپ کے تین فرزند فضل اللہ، عصمت اللہ[1] اور محمد سعید تھے۔ ان تینوں میں سے عصمت اللہ ان کے بعد بزرگی کے مصلّا پر قائم ہوئے۔ ۱۱۳۵ھ میں بہ عہدِ محمد شاہ وفات پائی۔

شد چو از دنیا بفردوسِ بریں — پیرِ ہاشم شاہ بحرِ معرفت
سال ترحیلش بگو دریائے فضل — نیز "حق آگاہ بحرِ معرفت" [2]

۱۱۳۵ھ — ۱۱۳۵ھ

---

[1] صحیح نام عصمت اللہ ہے (تذکرہ نوشاہی، کنز الرحمت اور شریف التواریخ کی دوسری جلد موسوم بہ طبقات النوشاہیہ تیسرا طبقہ)

[2] حضرت ہاشم دریادل کا صحیح سال وفات ۱۰۹۲ھ ہے (اذکارِ نوشاہیہ صفحہ ۳۰)

۱۴۱۔ سیّد احمد شیخ الہند قادری گیلانی قدس سرّہٗ

والد کا نام سیّد عبدالرزاق بن تاج العارفین یحییٰ تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظمؒ تک منتہی ہوتا ہے۔ سلسلۂ قادریہ کے مشائخ کبار سے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد عرب سے نقل مکانی کر کے ہندوستان آکر پنجاب میں وزیر آباد کے قریب آباد ہو گئے تھے۔ آپ نے ایک گاؤں کوٹلہ بھی آباد کیا تھا۔ تمام عمر ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۱۳۶ھ میں سکھوں کی غارت گری میں شہید ہوئے۔ آپ کے بھائی یٰسین بھی بزرگی و کرامت میں دُور دُور تک شہرت رکھتے تھے۔ مزار موضع خانپور میں مضافاتِ کوٹلہ میں ہے۔

رفت احمد چو در بہشتِ بریں — وصلِ آں شیخِ دیں و حق آگاہ
اعظم الاولیاء ولی گفتم — بہ گر شیخ ہند امین اللہ
۱۱۳۶ھ

۱۴۲۔ سیّد بدرالدین گیلانی قادری لاہوری قدس سرّہٗ

والد کا نام سیّد علی بن حاجی سید ہاشم تھا۔ اپنے زمانے کے فاضل متبحر اور عارف کامل تھے۔ عبادت و ریاضت، زہد و اتقا اور توکل و استغنا میں بے نظیر تھے۔ درس و تدریس اور اعلائے کلمۃ الحق میں شہرۂ آفاق تھے۔ بڑے بارعب و پُر ہیبت تھے۔ آپ کے سامنے کوئی بات نہ کر سکتا تھا۔ قلندرانہ وضع رکھتے تھے۔ ایک دفعہ محمد معزالدین بن بہادر شاہ بن عالم گیر خدمت میں حاضر ہُوا۔ ایک لاکھ روپیہ نقد اور چند قطعاتِ اراضی نذرانہ پیش کئے مگر آپ نے کچھ بھی قبول نہ کیا۔ ۱۱۳۶ھ میں بعہدِ محمد شاہ بادشاہ وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

بدرِ چرخِ زمانہ بدرالدین! — شد چو روشن باوجِ باغِ جناں
سالِ تاریخِ رحلتش سرور — "بدرِ دین پیرِ دیں شریف" بخواں
۱۱۳۶ھ

۱۴۳۔ شاہ شرف لاہوری قادری قدس سرہٗ

اصلی نام سعادت مند تھا۔ قصبہ بٹالہ کے رہنے والے تھے۔ آباؤ اجداد قوم کھتری پوری سے تھے۔ آپ کے دادا مشرف بہ اسلام ہوئے تھے جو بٹالہ میں قانون گو کے عہدہ پر مامور تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے والدِ ماجد سے پائی تھی۔ تیس سال کی عمر میں تھے کہ آپ کے بھائی عبدالرحیم وفات پا گئے۔ آپ از رہِ ہمدردی و خبر گیری اپنی بھاوج کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ ان کی بیوی کو ان کا یہ سلوک ایک آنکھ نہ بھایا اور انہیں متہم کیا۔ آپ دل برداشتہ ہو کر لاہور چلے آئے اور شیخ محمد فاضل قادری شطاری کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمتِ مرشد میں رہ کر سلسلۂ قادریہ کی تکمیل کی۔ خرقۂ خلافت پایا اور شاہ شرف کے خطاب سے ممتاز ہوئے۔ اس دوران میں آپ کی اہلیہ حاضرِ خدمت ہوئیں اور واپس بٹالہ جانے کی تحریک کی مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ تمام عمر لاہور میں گزاری۔ درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ شاہ رضا قادری شطاری آپ کے پیر بھائی تھے۔ ۱۱۳۷ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں — شہ شرف شیخِ یقیں تاج الشرف
سالِ تاریخِ وصالِ آں جناب — شد عیاں "محبوبِ دیں تاج الشرف"
۱۱۳۷ھ

۱۴۴۔ شیخ عصمت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حافظ برخوردار کے پسرِ ہنجم تھے۔ نہایت بزرگ، عالم و فاضل، فقیرِ کامل، متقی اور عارفِ کامل تھے۔ زہد و اتقا اور عبادت و ریاضت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ تحصیلِ علوم حافظ محمد تقی سے کی تھی۔ ابتداء میں شیخ رحیم داد فرزندِ شاہ سلیمان کی خدمت میں بھی رہے اور فوائدِ عظیم حاصل کئے۔ اس کے بعد شیخ پیر محمد سجیار قاضی رضی الدین و سید شاہ محمد خلفائے حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کی خدمت میں حاضر رہ کر اخذِ فیض کیا۔ آخر میں حضرت شیخ عبدالرحمٰن المعروف بہ پاک رحمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تکمیلِ سلوک کی۔ صاحبِ حال و قال و وجد و

سماع تھے۔ طبع عالی پر جذب و استغراق بے حد غالب تھا۔ حالتِ سکر میں جس پر نظر ڈالتے تھے وہ مست و بے ہوش ہو جاتا تھا۔ کشفِ صریح کا یہ عالم تھا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے بتا دیتے تھے کہ حضرت شیخ فلاں جگہ پر اور فلاں کام کر رہے ہیں۔ حالت وجد میں کئی دفعہ بالاخانہ سے گر کر صحن میں آ پڑے مگر کوئی گزند نہ پہنچا۔ جب آپ کے کشف و کرامات کی شہرت اقصائے عالم میں ہوئی تو حضرت شاہ محمد غوث (لاہوری) خلف حضرت سید حسن پشاوری آپ کے فضل و کمال کا شہرہ سن کر حاضرِ خدمت ہوئے اور اکتسابِ فیض کیا اور مردِ کامل ہوئے۔ شیخ محمد عظیم آپ کے فرزند اور شیخ ابو سعید جو آپ کے برادر زادہ اور داماد بھی تھے، اس قدر کامل و مکمل ہوئے کہ ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کے دوسرے بھتیجے شیخ سلطان محمد نے بھی آپ ہی کی توجہ سے سلوک و معرفت میں درجۂ کمال حاصل کیا تھا۔ آپ پر حالتِ جذب و سکر اس درجہ طاری رہا کرتی تھی کہ کئی کئی روز بغیر کھائے پیئے گزر جاتے تھے حتیٰ کہ بارہ سال تک کچھ نہ کھایا۔ آپ کے ہمشیرزادہ شیخ عبدالجلیل نے بھی آپ ہی کی نظرِ فیض اثر سے عرفان میں مرتبۂ بلند پایا تھا اور ایسی حالتِ جذب حاصل ہوئی تھی کہ سالہا سال تک طعام کا لقمہ گلے سے نیچے نہ اترا، ان پر بھی حالتِ استغراق اکثر و بیشتر طاری رہتی تھی۔ آخری عمر میں کشمیر چلے گئے تھے وہیں وفات پائی۔ شیخ محمد حیات صاحبِ تذکرہ نوشاہی لکھتے ہیں کہ ایک روز میں حاضرِ خدمت تھا، میرے دل میں خیال گزرا کہ شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ جب کسی کچے گھڑے پر نظر ڈالتے تھے تو وہ پک جاتا تھا اور اگر پکے پر نظر ڈالتے تو وہ ٹوٹ جاتا تھا۔ کیا واقعی یہ بات درست ہے۔ آپ اُسی وقت نورِ باطن سے میرے خیال سے آگاہ ہو گئے۔ فرمایا: ہاں کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہوتے ہیں جن کی نظر میں یہ تاثیر ہے اُسی وقت گردن اٹھا کر سامنے شیشے کی طرف دیکھا جو طاق پر پڑا تھا، اسی وقت ٹوٹ کر زمین پر گر پڑا۔

آپ کی وفات بارھویں رجب مطابق انیسویں چیت سوموار کے دن شام کے وقت نماز کی حالت میں ظہور میں آئی کہ دو رکعت نماز قیام کی حالت میں پڑھی، تیسری رکعت کے سجدہ میں وفات پائی، آپ کا سالِ وفات ۱۰۳۷ھ ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے، اول شیخ شیر محمد جو آپ کے بعد مسند سجادگی پر قائم ہوئے۔ دوسرے شیخ گل محمد جو اسم با مسمّیٰ تھے۔

تیسرے شیخ محمد عظیم جو عظیم المراتب تھے۔

حضرت شیخ عصمت اللہ کو شیخ عبدالرحمٰن کی طرف سے "امیر حمزہ پہلوان نوشاہ ثانی" کا خطاب ملا تھا۔ ؎

زعالم شد در خُلدِ معلیٰ — جناب شیخ صادق عصمت اللہ
زدل جستم چو سالِ ارتحالش — خرد فرمود "عاشق عصمت اللہ"
۱۱۳۷ھ

۱۲۵۔ شیخ احمد بیگ[1] قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے اکابر خلفا سے تھے۔ بارگاہِ مرشد سے نور محمد نوری کے خطاب[2] سے ممتاز تھے۔ پہلے علم ظاہری میں حضرت نوشاہ مالیباہ کے شاگرد تھے بعد ازاں مرید ہو کر کمال کو پہنچے۔ بڑے بزرگ، صاحبِ علم و عمل اور زاہد و عابد تھے۔ نقل ہے ایک روز موضع نوشہرہ کا ایک معلم بلاول نام حضرت نوشہ گنج بخش کی خدمت میں حاضر ہوا اور نذرانہ دیا اور عرض کیا کہ حضرت توجہ فرمائیے اور دُعا کیجئے کہ میری حالت شیخ احمد بیگ کی سی ہو جائے۔ آپ نے تبسم ہو کر فرمایا، ہر ایک کو مرتبہ اس کے حوصلے اور ظرف کے مطابق دیا جاتا ہے تو اچھا اگر تیری یہی مرضی ہے تو ایسا ہی ہو جائے گا۔ معلم اسی وقت بے ہوش ہو کر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ حتیٰ کہ تڑپتے تڑپتے مکان کی ایک منزل سے نیچے صحن میں آ گرا اور کئی روز کے بعد ہوش میں آیا۔ اس پر ایسی حالت وارد ہوئی کہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوتا یک لخت انتہائے اضطراب و بے چینی میں اُٹھ کھڑا ہوتا۔ اہل خانہ اس بے قراری کا سبب پوچھتے تو کہتا کہ حضرت نوشاہ اپنے گھر میں اپنی جگہ سے اُٹھے ہیں اور میں اُن کی تعظیم کے لئے اُٹھا ہوں۔ غرض وہ اپنی اس حالت میں بڑا بے قرار و بے چین رہنے لگا۔ کسی وقت بھی اسے سکون حاصل نہیں ہوتا تھا۔ آخر عاجز و درماندہ ہو کر حضرت نوشہ کی خدمت میں

---

[1] احمد بیگ نام غلطی سے لکھ دیا ہے۔ دراصل یہ ذکر شیخ نور محمد سیالکوٹی کا ہے۔

[2] مفتی غلام سرور صاحب کو یہاں غلطی لگ گئی ہے۔ انہوں نے احمد بیگ کو نور محمد نوری لکھ دیا ہے، حالانکہ احمد بیگ لاہوری، شیخ نور محمد کا مرید تھا۔

حاضر ہُوا۔عرض کیا: حضور دُعا فرمایئے کہ مجھے اپنی اصلی حالت نصیب ہو جائے۔ آپ نے پانی منگوایا۔ کچھ اُس میں سے آپ پیا، کچھ اُسے پلایا۔ وُہ پانی پیتے ہی اپنی اصلی حالت پر آگیا[1]

حضرت شیخ احمد بیگ کے بڑے بڑے کامل واکمل مرید وخلیفہ ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض تو اپنے فضل وکمال کے باعث بڑے شہرۂ آفاق ہوئے ہیں۔ مثلاً سید انور رہتاسی، بولا درزی رہتاسی، محمد صدیق رہتاسی بڑے عابد وزاہد، صائم الدہر اور قائم اللیل ہوئے ہیں۔ آٹھویں روز افطار کرتے تھے۔ بدھو درزی کو فرمایا تھا کہ تمہارے سماع کے وقت ہوائی جانور بھی مست ہو جایا کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا رہا۔ اسی طرح حافظ محمد مخدوم رہتاسی ساکن چک حافظاں بڑے صاحبِ ذوق وشوق ووجد وسماع بزرگ تھے اور اکثر وبیشتر حالتِ جذب واستغراق میں رہا کرتے تھے۔ بوقتِ سماع ایسے بیخود ومدہوش ہو جاتے تھے کہ ایک ایک ہفتہ ہوش میں نہ آتے تھے۔ میاں حاجی خلیفہ بھی ان کے ایک نامور سیف اللسان مستجاب الدعوات مرید ہُوئے ہیں۔ جو کہتے تھے ویسا ہی ظہور میں آتا تھا۔ مولانا محمد حیات صاحب تذکرہ نوشاہی آپ ہی کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے اور خرقۂ خلافت پایا تھا۔ ۱۱۴۰ھ میں لعہدِ محمد شاہ وفات پائی۔ مزار سیالکوٹ میں ہے۔[2]

---

[1] یہ واقعہ مفتی غلام سرور صاحب نے حضرت نوشہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے حالانکہ تذکرہ نوشاہی میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ بلاول سیالکوٹ کا معلم تھا اور شیخ نور محمد سیالکوٹی کا مرید تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اُس کے پیر بھائی احمد بیگ کی حالت بہت بہتر ہے تو اپنے مرشد شیخ نور محمد سے عرض کیا کہ مجھ پر بھی ایسی توجہ کریں کہ احمد بیگ جیسا میرا حال ہو جائے۔ الخ مفتی صاحب کو مضمون سمجھنے میں غلطی لگ گئی ہے۔ احمد بیگ اور نور محمد کو ایک شخصیت قرار دے دیا۔

[2] یہ سب خلفاء جو شیخ احمد بیگ کے لکھے ہیں، یہ حضرت سید شاہ عصمت اللہ کے ہیں۔ سید حافظ محمد حیات نوشاہی نے تذکرہ نوشاہی میں ایک پُوری فصل خلفائے شاہ عصمت اللہؒ کے متعلق لکھی ہے۔ مفتی صاحب کو یہ فاش غلطی لگ گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کو تذکرہ نوشاہی کا کوئی پراگندہ اوراق مخطوطہ ملا ہوگا خلفائے شاہ عصمت اللہ والا کوئی ورق شیخ نور محمد صاحب کے ذکر میں پڑا ہوگا، جس سے وُہ حالات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے۔ مفتی صاحب نے تین افراد کو ایک بنا دیا ہے۔ شیخ نور محمد متوفی ۱۱۰۱ھ، مرزا احمد بیگ متوفی ۱۱۰۸ھ، شاہ عصمت اللہ متوفی ۱۱۲۷ھ۔ یعنی ان کے حالات کو مخلوط کر دیا ہے۔

چو نورِ محمد ولی خدا ز دنیائے دوں شد بخلدِ بریں
بخواں سالِ ترحیلِ او میر فیضؔ دگر "نورِ پُر نور نورِ یقیں"! [1]
۱۱۴۰

۱۴۶۔ شاہ عنایت قادری شطاری لاہوری قدس سرہٗ

والد کا نام پیر محمد تھا۔ قوم کے باغبان تھے۔ لاہور سے نقلِ مکانی کر کے قصور جا بسے تھے شاہ عنایت بھی قصور ہی میں پیدا ہوئے۔ یہیں ابتدائی تعلیم و تربیت پائی۔ قرآں پاک حفظ کیا۔ پھر تکمیلِ علوم کے لئے قصور سے نکلے۔ لاہور پہنچ کر حضرت شاہ محمد رضا قادری شطاری لاہوری کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ استاد کی زبردست شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہی کے ہاتھ پر سلسلۂ قادریہ کی بیعت کر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر تکمیلِ سلوک کی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ پھر مرشد کے حکم کے مطابق قصور آ کر ہدایتِ خلق میں مصروف ہو گئے۔ حلقۂ درس بڑا وسیع تھا۔ قرآن و تفسیر، حدیث و فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے استفادہ کیا۔ مرجع خلائق ہونے کے باعث حسین خاں افغان حاکمِ قصور کو آپ کی شہرت و مقبولیت ایک آنکھ نہ بھائی۔ چنانچہ آپ کو قصور سے نکل جانے کا حکم دیا۔ آپ قصور کو خیرباد کہہ کر پھر لاہور آ گئے اور از سرِ نو درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور اپنے علومِ ظاہری و باطنی سے عوام و خواص کو فیض بخشا۔ آپ کے حلقۂ درس و فکر سے اچھے اچھے باکمال تکمیل پا کر نکلے۔ چنانچہ حضرت میر بلھے شاہ قصوری پنجابی کے مشہور شاعر آپ کے ہی شاگرد و مرید تھے۔ آپ صاحبِ تصنیف بھی تھے۔ غایت الحواشی، شرح کنز الدقائق آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۱۴۱ھ میں بعہدِ محمد شاہ وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

---

[1] شیخ نور محمد کا صحیح سالِ وفات ۱۱۰۱ھ ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اول موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی ص ۵۳۲ از سید شرافت نوشاہی)

چوں از فضلِ عنایاتِ الٰہی! عنایت رفت از دنیا بہ جنت
ز "مشتاقِ کرم" چو دصالش دگر "تاجِ یقیں اہلِ عنایت"

۱۱۴۱ھ ۱۱۴۱ھ

۱۴۷۔ سید حاجی عبداللہ گیلانی اوچی لاہوری قدس سرہٗ

والد کا نام سید اسماعیل بن سید اسحاق تھا۔ سلسلۂ قادریہ کے مشائخ کبار میں سے تھے۔ عالم و فاضل، عابد و زاہد اور متوکل و مستغنی المزاج بزرگ تھے۔ عمر بھر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ کسی امیر و سلطان کے دروازے پر نہیں گئے۔ دنیا و اہلِ دنیا سے کچھ سروکار نہ تھا۔ نواب زکریا خاں ناظم لاہور اور اس کے امراء آپ کے عقیدت مندوں میں داخل تھے۔ ۱۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ مزار سید اسماعیل محدث لاہوری کے مزار کے متصل ہے۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں! سیدِ عبداللہ پیرِ رہنما
سالِ ترحیلش بخوان "عاشق سخی" نیز فرما "اہلِ نعمت مقتدا"

۱۱۴۱ھ ۱۱۴۱ھ

۱۴۸۔ شیخ جمال اللہ قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حافظ برخوردار کے فرزند ششم تھے۔ عالم و فاضل اور عارفِ کامل تھے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور ترکِ علائق میں بے نظیر تھے۔ صاحبِ ذوق و شوق و وجد و سماع بھی تھے۔ حالتِ وجد میں جس پر نظر ڈالتے تھے اُسے بھی بے خود و مدہوش بنا دیتے تھے، وہ مست بادۂ الست ہو جاتا۔ بحالتِ خواب آپ کے دلِ بیدار سے ذکرِ ہُو کی آواز مسلسل آتی رہتی تھی جس کو تمام حاضرین بگوشِ ہوش سنتے تھے۔ آپ کے فرزند مولانا محمد حیات صاحبِ تذکرۂ نوشاہی رقم طراز ہیں۔ ایک روز آپ حضرت نوشاہ گنج بخش کے مزار کی زیارت کو گئے۔ دیکھا کہ وہاب نامی ایک زمیندار موضع اگروہ کا مزار کی ملحقہ زمین پر اپنے مویشی چرا رہا ہے۔ آپ نے اسے ایسا کرنے سے منع فرمایا مگر وہ باز نہ آیا۔ آپ نے صبر فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔ اُسی

رات بحکمِ الٰہی اس کے تمام مویشی مرگئے۔ اس پر بھی وہ شرارتی نابکار نہ تائب ہوا نہ اپنے مذموم فعل سے باز آیا۔ دوسری رات چور اس کے مکان میں آئے اور تمام مال و متاع لوٹ کر لے گئے۔ یہاں تک کہ وہ روٹی کے ٹکڑے کو بھی محتاج ہوگیا۔ شیخ جمال اللہ کی وفات بقول تذکرہ نوشاہی ۱۲۔ ربیع الثانی بروز سہ شنبہ ۱۱۴۲ھ میں بہ عہدِ محمد شاہ شام کے وقت ہوئی۔ مزار موضع ساہنپال میں ہے۔

گشت چوں روشن بباغ جنتی ! آں جمالِ با کمالِ معرفت
سالِ ترحیلش بہرور شد عیاں "قبلۂ عالم جمالِ معرفت"
۱۱۴۲

۱۲۹۔ مولانا حافظ معموری قادری نوشاہی قدس سرہٗ

مشائخ نوشاہیہ قادریہ میں اپنے فضل و کمال کے باعث بڑے عظیم المرتبت بزرگ گزرے ہیں۔ آپ نہایت بزرگ اور عابد و زاہد صاحبِ شوق تھے۔ ذوقِ وجد و سماع سے بھی معمور تھے۔ حضرت نوشہ گنج بخش صاحب کے مرید و خلیفہ اور داماد تھے۔ حضرت نوشہ صاحب کی دختر حضرت سارہ ان کے نکاح میں تھیں۔

آپ کے چار فرزند تھے:

ایک شیخ تاج الدین جو اہلِ معرفت کے سر کے تاج تھے اور باطنی فیض شیخ نور محمد سے پایا۔ خواب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

دوم شیخ ہدایت اللہ صوفی۔

سوم شیخ نظام الدین۔

چہارم شیخ امام الدین[1] جو قلندر مشرب اور آزاد منش تھے۔ ہمیشہ مثنوی مولانا روم کا مطالعہ رکھتے۔

شیخ معموری کی وفات ۱۱۴۵ھ میں ہوئی۔

---

[1] شیخ امام الدین کا نام غلط درج ہوا ہے، ان کا صحیح نام تذکرہ نوشاہی میں عبدالرحمٰن درج ہے (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اول موسوم بہ تحائف الاطہار قلمی ص۵۰۳ از سید شرافت نوشاہی)

درجناں شد از جہاں باصد صفا — شیخ معموری چو آں شیخِ زماں
ظاہراً "مظہر" شدہ تاریخِ او — "مجتبیٰ مخدوم" ہم آمد عیاں [1]
۱۱۴۵ھ — ۱۱۴۵ھ

۱۵۰۔ حضرت شاہ محمد غوث گیلانی قادری لاہوری قدس سرہٗ

سید حسن پشاوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے۔ تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار کے زیرِ سایہ پائی تھی۔ سلسلۂ قادریہ میں بھی انھی کے مرید و خلیفہ تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی کے فاضل و عارف تھے۔ ہندوستان کی سیر و سیاحت بھی کی تھی اور اس دوران میں دیگر مشائخ کبار کی ملاقات و صحبت سے بھی اخذِ فیض کیا تھا، خاص کر حافظ عبدالغفور[2] نقش بندی پشاوری، سید محمد[3] سعید المخاطب بہ میراں شاہ بھیکھیہ چشتی صابری، شیخ عصمت اللہ[4] قادری نوشاہی سے کثیر و عظیم فوائد حاصل کیے۔

---

[1] حافظ معموری کا صحیح سالِ وفات ۱۱۰۶ھ ہے۔ (شریف التواریخ۔ جلد سوم، حصہ اول۔ موسوم بہ تحایف الاطبا (قلمی) صفحہ ۵۰۳)

[2] حافظِ قرآن و صاحبِ علم و عمل تھے۔ زہد و ورع و عبادت و ریاضت میں ممتاز تھے۔ تمام رات حبسِ دم سے مراقبہ و مجاہدہ کرتے تھے۔ بڑے مستغنی المزاج تھے۔ داد و دہش اور جود و سخا میں لاثانی تھے۔ مساکین اور مسافروں کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ مطبخ ہر وقت گرم رہتا تھا۔ ظاہری مال و دولت نہ رکھتے تھے۔ کبھی کسی امیر و سلطان کے ہاں نہیں گئے نہ کسی کا نذرانہ قبول کیا۔ تمام کام دستِ غیب سے چلتے تھے۔ ۱۱۱۶ھ میں وفات پائی۔ مزار پشاور میں ہے۔

[3] سید محمد سعید نام، والد کا نام سید محمد یوسف تھا۔ میراں شاہ بھیکھ خطاب۔ حضرت شاہ ابوالمعالی چشتی صابری کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے فضل و کمال کے باعث مشائخ متاخرین میں ممتاز الوقت تھے۔ آپ کے حلقۂ ارادت سے بڑے بڑے باکمال تربیت پاکر نکلے ہیں۔ شاعر بھی تھے۔ فارسی اشعار اور ہندی دوہے بکثرت کہے ہیں۔ رنگِ کلام عارفانہ ہے۔ ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مفصل ذکر بزرگانِ سلسلۂ چشتیہ میں آئیگا۔ انشاءاللہ

[4] آپ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

رسالۂ غوثیہ کے مصنف ہیں۔ اس میں رقم طراز ہیں، جب میں تلاشِ حق کے سلسلے میں لاہور پہنچا تو حضرت میاں میرؒ کے مزار پر کئی راتیں گزاریں۔ ایک دن آپ ظاہر ہوئے اور میری طرف توجہ فرمائی اور ایک شغل میں مشغول رہنے کا حکم کیا اور ارشاد فرمایا، یہ بات کسی اور سے نہ کہنا۔ میں صبح اُٹھ کر شیخ حامد[1] قادری کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ فیض ہوا۔ فرمایا، رات جو تمہیں حضرت میاں میر نے شغل عطا فرمایا ہے وہی کافی ہے۔ اسی رسالے میں ان کے متعلق لکھتے ہیں، آپ ایک صاحبِ دل بوڑھے قادری درویش مرد ہیں جو پیر علی گنج بخش ہجویری قدس سرہٗ کے مزار کے متصل رہتے ہیں۔

آپ کے ایک ہم نام بزرگ جو آپ کے مرید بھی تھے، پشاور میں رہتے تھے۔ جب نادر شاہ ایرانی نے کابل پر قبضہ کرنے کے بعد ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا اور پشاور پہنچا تو ان سے استمداد کی درخواست کی۔ انہوں نے کہا، حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کی طرف رجوع کرو۔ اُس نے آپ کو پشاور بلا بھیجا۔ آپ نے جواب لکھ بھیجا کہ ہمارے پیروں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ بادشاہوں کے پاس جائیں اور اُن کی مدد کریں۔ اللہ ہی مددگار کافی ہے۔ نادر شاہ یہ جواب پا کر بڑا برہم ہُوا اور کہا: اچھا لاہور پہنچ لوں اس گستاخی کا مزہ معلوم ہو جائے گا۔ جب پشاور سے کوچ کیا تو راستے میں ایک ندی کی طغیانی نے ایسا راستہ روکا کہ اس کا عبور کرنا دشوار ہو گیا۔ کئی روز انتظار بھی کیا مگر طغیانی کسی طرح کم نہ ہُوئی بلکہ بڑھتی ہی چلی گئی۔ آخر پریشان ہو کر شاہ محمد غوث پشاوری سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے جواب بھیجا: یہ طغیانی تمہارے اس ارادۂ بد کا نتیجہ ہے جو تم نے حضرت شاہ محمد غوث لاہوری کی نسبت کیا ہے۔ یہ سُن کر تائب ہُوا اور لاہور پہنچ کر عقیدت و خلوص کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور معذرت چاہی۔

حضرت مولانا مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیا اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رنجیت سنگھ کے پوتے نونہال سنگھ نے جو لاہور میں برسرِ حکومت تھا اپنے ایک انگریز مشیر کی تجویز سے لاہور شہر کے ارد گرد دُور دُور تک درخت اور عمارات گرا کر میدان بنانے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ اس

---

[1] آپ حضرت شیخ محمد میر المعروف بہ میاں میر کے ہمعصر اور فیض یافتہ تھے اور آپ سے ایک سال قبل ۱۰۴۲ھ میں وفات پا چکے تھے۔ ان کا مزار حضرت میاں میر قدس سرہٗ کے مزار سے متصل ہے۔ یہ حامد قادری جن سے آپ نے زندگی میں ملاقات کی ہے کوئی اور اس نام کے بزرگ ہوں گے۔

تجویز کے تحت بہت سے درخت اور عمارتیں منہدم کی گئیں۔ جب حضرت شاہ محمد غوث کے مزار کی عمارتوں اور درختوں کے گرانے کی باری آئی اور کچھ بیرونی درخت اور عمارتیں گرائی جا چکیں اور اندرونی چار دیواری کی نوبت آئی تو نونہال سنگھ کا باپ کھڑک سنگھ مر گیا اور بیٹا باپ کی لاش کو جلا کر واپس آیا اور قلعہ میں داخل ہوا تو قلعۂ لاہور کی دیوار سے ایک پتھر گر کر اس کے سر پر آ پڑا جس کے صدمے سے وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۸۴۰ء میں رونما ہوا اور اس کی وہ تمام تجاویز دھری کی دھری رہ گئیں۔

آپ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں پشاور سے لاہور آ کر اقامت گزیں ہوئے تھے۔ آپ کے والدِ ماجد سید حسن پشاوری المتوفی ۱۱۱۷ھ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ آپ نے بقولِ مولفِ تشریف الشرفا ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی۔ مزار بیرون اکبری دروازہ زیارت گاہِ خلق ہے۔

چوں محمد غوث رفت از دارِ فنا — سالِ وصلِ آں ولیِ متقی!
عارفِ مخدوم سالک کن رقم — ہم بفرما "راہبر سید سخی"! [1]

۱۵۱۔ شیخ پیر محمد المعروف بہ سچیار قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے اکابر خلفاء سے تھے۔ خورد سالی ہی میں خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر تربیت اور تکمیل پائی تھی۔ بڑے صاحبِ ذوق و شوق تھے۔ وجد و سماع میں غلو رکھتے تھے۔ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا آپ کی نظرِ فیض اثر سے صاحبِ وجد و حالت ہو جاتا تھا۔ اپنی راست گفتاری اور تقویٰ کے باعث بارگاہِ مرشد سے سچیار یعنی راست گفتار کے خطاب سے معزز تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد موضع نوشہرہ مغلاں میں جا رہے تھے جو دریائے چناب کے کنارے پر واقع ہے اور گجرات سے چھ کوس مشرق کی طرف ہے۔ شیخ پیر محمد نے ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی۔

---

[1] حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مستند حالات کے لئے تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ اور تذکرہ سید عبداللہ شاہ نقشبندی از تصانیف حضرت مولانا سید محمد امیر شاہ پشاوری دیکھنے ضروری ہیں۔ پیام شاہجہانپوری نے ان کے حالات میں ایک مستقل کتاب "تذکرہ شاہ محمد غوث" تصنیف کی ہے۔

شیخِ دیں پیرِ محمد مقتدا، شد چو از دنیا بجنت راہگیر
سالِ ترحیلش چو جستم از خرد شد عیاں معصوم پیر دستگیر
۱۱۵۲ھ

۱۵۲۔ مولانا قاضی رکن الدین قادری نوشاہی قدس سرہٗ

آپ حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے ہم یاروں اور محرم راز دوستوں اور مشہور خلیفوں سے تھے قاضی صاحب پہلے قصبہ وزیر آباد میں عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ پھر ترکِ ملازمت کر کے حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور خدمتِ مرشد میں حاضر رہ کر سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ میں تکمیل پاکر خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں شہرۂ آفاق تھے۔ صاحبِ ذوق و شوق اور عشق و محبت اور وجد و تواجد ہو گئے۔ مرشد کی وفات کے بعد تادمِ حیات ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ آپ کی وفات ۱۱۵۲ھ میں ہوئی۔

رفت از دہر چوں بہ خلدِ بریں! رکنِ دیں صاحبِ یقیں قاضی
سالِ تاریخِ ارتحالِ او!! ہست "مصباح اہلِ دیں قاضی"[۳] ۱۱۵۲ھ

۱۵۳۔ شیخ عبدالرحمان المعروف بہ پاک رحمان قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے کبار خلیفوں سے تھے۔ آپ کی ذات پر مرشد کی توجہ و التفات بے حد و نہایت تھی جیسی کسی دوسرے خلیفہ کے حال پر نہ تھی۔ یہی سبب تھا کہ

[۱] حضرت پیر محمد بچیار کی صحیح تاریخ وفات ۲۵۔ ربیع الاول ۱۱۷۰ھ ہے (شریف التواریخ جلد سوم، حصہ اول، موسوم بہ تحایف الاطہار قلمی ص ۱۱۰ مولفہ سید شرافت نوشاہی)

[۲] رکن الدین نام غلط ہے۔ صحیح نام قاضی رضی الدین ہے۔ (تذکرہ نوشاہی۔ کنز الرحمت) (فاروقی)

[۳] قاضی رضی الدین کا صحیح سالِ وفات ۱۱۱۳ھ ہے (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول تحایف الاطہار ص ۱۸۰)

آپ عرفان وحقیقت شناسی کے مقامِ اعلیٰ پر فائز ہوئے۔ مرشد کو آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے مریدوں کو تہذیب وتکمیل کے لئے آپ کے سپرد کر دیتے تھے اور یہ سلسلہ حضرت نوشاہ گنج بخش کی وفات کے بعد بھی جاری رہا کہ حضرت نوشاہ عالی جاہ کے بہت سارے خلیفے شیخ عبدالرحمٰن کی خدمت سے تکمیل کو پہنچے۔ حتیٰ کہ مولانا حافظ برخوردار کے فرزندوں اور حضرت نوشاہ کے پوتوں نے بھی آپ ہی کی زیرِ نگرانی تربیت وتکمیل پائی۔ جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، ناکام نہیں رہتا تھا۔ کمالِ علم وفضل کے ساتھ آپ پر غلبۂ صمدیت بھی بے انتہا تھا۔ کئی کئی روز بغیر کچھ کھائے پیئے گزر جاتے تھے۔ صاحبِ تذکرۂ نوشاہی لکھتے ہیں کہ ایک روز میں نے حاضرِ خدمت ہو کر طعام نہ کھانے کی وجہ دریافت کی۔ فرمایا، مجھے طعام کی طرف رغبت ہی نہیں ہوتی۔ اگر کسی وقت کوئی لقمہ منہ میں ڈال بھی لیتا ہوں تو وہ حلق سے نیچے نہیں اُترتا۔

نقل ہے ایک روز حضرت نوشہ گنج بخش موضع بھڑی ضلع گوجرانوالہ کے پاس سے گزر رہے تھے، وہاں رات رہے۔ اس وقت آپ کی عمر پانچ برس سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت نوشہ کی نظرِ کیمیا اثر ایسی پڑی کہ بیخودی اور جذب ومستی اسی عمر میں پیدا ہو گئی۔ اپنے گاؤں میں رحمان دیوانہ مشہور ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر ان کے والدین انہیں حضرت نوشاہ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے نہایت مسرت کے ساتھ انہیں اپنی نگرانی وسرپرستی اور غلامی میں لے کر ان کے والدین کو رخصت کر دیا اور انہیں اپنی خدمت میں رکھ کر ان کی ظاہری وباطنی تربیت بہ حدِ کمال کی۔ روزانہ کام کے طور پر ان کے سپرد یہ خدمت ہوئی کہ کھیتوں میں کام کرنے والے مزارعین کو کھانا پہنچایا کریں۔ چنانچہ آپ ہر روز مزارعوں کا کھانا سر پر اٹھا کر کھیتوں میں لے جاتے اور اپنے حصے کا جو کھانا مطبخ سے لیتے وہ فقراء اور اہلِ حاجت کو کھلا دیتے۔ چالیس روز اسی طرح گئے اور ایک لقمہ بھی نہ کھایا۔ حضرت نوشاہ کو بہ نورِ باطن یہ حال معلوم ہو گیا۔ آپ پر بڑے خوش ہوئے اور آپ کی ذات پر بے حد توجہ وعنایت فرمائی۔ اپنے سامنے بلا کر کھانا کھلایا اور تمام تکلفات سے مستغنی کر دیا۔

عبادت وریاضت میں باکمال تھے۔ مجاہدہ یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ تمام رات بہ حبسِ دم ذکرِ خفی کرتے اور بعض اوقات معکوس لٹک کر رات بھر ذکر میں مشغول رہتے۔ خلوت اختیار کرتے تو قبر کھدوا کر اس میں بیٹھ جاتے اور اُوپر سے بند کرا دیتے۔ چالیس چالیس روز ایسی حالت میں مراقبہ

اور ذکر و فکر میں محو رہتے۔ اس ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ ذوقِ سماع و وجد بھی بے اندازہ تھا۔ حالتِ سماع و وجد میں بے خودی و مدہوشی کا یہ عالم ہو جاتا تھا کہ لوگوں کو گمانِ مرگ ہونے لگتا تھا۔ اور کبھی اپنے آپ کو بیلوں کے پیچھے باندھ کر زمین پر گھسیٹتے جاتے۔ گرمیوں کے موسم میں سورج کی دھوپ میں بیٹھتے اور سردیوں میں برہنہ تن رات کو جنگل میں جا کر بیٹھتے اور کبھی سردیوں کے موسم میں دریا میں کھڑے ہو کر ذکرِ حق میں مشغول ہوتے۔ آپ کی گرمیِ ذکر سے دریا کا پانی گرم ہو جاتا۔ جس شخص پر نگاہِ شفقت ڈالتے وہ صاحبِ کشف و کرامت ہو جاتا۔

صاحبِ کشف صحیح اور مستجاب الدعوات تھے۔ نقل ہے ایک روز آپ اپنے ایک خادم شیخ سعدی[1] پر بے حد مہربان ہو کر فرمانے لگے: شیخ سعدی ہم نے اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے یہ چاہا ہے کہ جس مریض پر تیری نظر پڑے وہ صحت یاب ہو جائے۔ جس مردہ کی طرف تُو متوجہ ہو وہ زندہ ہو جائے اور جس فاسق و فاجر پر تیری نظر پڑے وہ ولیِ کامل ہو جائے۔ بارگاہِ خداوندی میں آپ کی یہ دعا قبول ہو گئی کہ ایک روز ایک عورت اپنے خورد سال بچے کو جو مریض تھا اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکلی کہ شیخ سعدیؒ سے اس کی صحت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرائے۔ اتفاقاً وہ بچہ راستے ہی میں وفات پا گیا۔ وہ عورت بچے کو اسی حالت میں روتی پیٹتی لے کر شیخ سعدیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے تسلی و تشفی دی اور بچے کی طرف متوجہ ہوئے خداوند تعالیٰ نے اُسے زندگی بخش دی۔ وہ عورت بہی خوشی ہوئی اور چاندی کا ایک زیور شیخ سعدیؒ کی نذر گزرانا۔ شیخ سعدی وہ زیور مرشد کے گھر لے گئے اور ان کی صاحبزادی کو پہنا دیا۔ جب اس کی اطلاع آپ کو ہوئی تو شیخ سعدی کو بلا کر بڑا اظہارِ ناراضی فرمایا اور کہا: سعدی تُو نے اس عورت کے بچے کو زندہ کر کے اُجرت لے لی تُو اس بزرگی کے لائق ہی نہیں ہے۔ آپ کے اس ارشاد کے بعد شیخ سعدی سے یہ تصرف جاتا رہا۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے اخذِ فیض کیا اور آپ تادمِ زیست ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع بھڑی شاہ رحمان ضلع گوجرانوالہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

---

[1] سعدی نام نہیں بلکہ صحیح نام شادی ہے جو کیلانوالہ کے باشندہ تھے (تذکرہ نوشاہی)

آپ کے بھائی شیخ الہ داد آپ کے ہی مرید[1] و خلیفہ تھے۔ ذوق و شوق کمال رکھتے تھے۔ آپ کے جوار میں ہی مدفون ہیں، مخفی نہ رہے کہ خاندان عالیہ نوشاہیہ میں سب لوگ صاحب حال اور ذوق و سماع ہیں۔ جماعتِ عالیہ پاک رحمانی میں حد سے زیادہ مستی ہے۔ جس شخص کو وجد کی حالت ہوتی ہے، اس کے پاؤں میں رسہ ڈال کر اُلٹا لٹکا دیتے ہیں اور اگر اس عمل میں ہوش میں نہ آئے تو پاؤں میں رسہ ڈال کر زمین پر کھینچتے ہیں اور پیر محمد سچیار کی جماعت بھی اگرچہ صاحبِ حالت اور سماع ہیں مگر اس قدر مستی نہیں رکھتے۔

چوں جناب عبدِ رحماں شیخِ پاک — شد بہ جنت از جہاں بے قال و قیل
ہست "عالی مرتبت" تاریخ او — ہم "مکرم عاشقِ رحماں جلیل!"[2]
۱۱۵۳ھ — ۱۱۵۳ھ

۱۵۴۔ سید عبدالقادر المشہور بہ شاہ گدا گیلانی قدس سرہٗ

والد کا نام سید عمر بن حاجی محمد ہاشم تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے پدر بزرگوار کے زیر سایہ پائی تھی۔ سلسلۂ قادریہ میں بھی انہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کے علاوہ سید عبداللہ مکی، سید عبدالرحمٰن، سید محمد[3] بن سید علاء الدین حسینی ایسے باکمال بزرگوں سے بھی اخذِ فیض کیا تھا۔ علومِ تفسیر و حدیث و فقہ کی سند اپنے خال مولانا سید اسماعیل گیلانی سے حاصل کی تھی۔ طب مولانا شاہ عبدالرسول زنجانی

---

[1] یہ شیخ الہ داد اپنے بھائی شیخ عبدالرحمٰن کے مُرید نہ تھے بلکہ حضرت نوشاہ گنج بخش کے مرید و خلیفہ تھے۔ (رسالہ احمد بیگ۔ تذکرہ نوشاہی)

[2] شیخ عبدالرحمٰن کا صحیح سال وفات ۱۱۱۵ھ ہے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ شاہ عبدالرحمٰن پاک مصنفہ سید شرافت نوشاہی اور شریف التواریخ کی دوسری جلد موسوم بہ طبقات النوشاہیہ طبقہ پنجم۔

[3] اپنے عہد کے عالم باعمل اور شیخ کامل تھے۔ شیخ عبداللہ مؤلف سراج السالکین کے مرید اور شاگرد تھے۔ سلسلۂ بیعت حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری تک منتہی ہوتا ہے۔ ڈھل محلہ لاہور میں رہتے تھے۔ مزار محلہ کاغذ کوہاں میں ہے۔

لاہوری سے پڑھی تھی۔ اپنے عہد کے باکمال عالم وعارف تھے۔ بڑے شہ زور تھے۔ شکار کا بھی شوق تھا۔ ایک دفعہ جنگل میں شیر سے مقابلہ آپڑا۔ اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ایسا جھنجھوڑا کہ اس کے ہاتھوں کے جوڑ الگ الگ ہو گئے۔ آپ نے جہاں اپنے علمی و روحانی فضل و کمال سے دنیا داروں کو فیض بخشا وہاں طبابت سے بھی خلقِ خدا کی بڑی خدمت کی۔ صاحبِ قلم تھے۔ کتاب کشف الاسرار خورد، کتاب کشف الاسرار بزرگ اور رسالہ اسرار الکتمانی علمِ حقائق و معارف میں آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

بقول صاحبِ شجرۃ الانوار ۱۱۵۴ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔ چار فرزند سید یوسف، سید محمد غوث، سید اصغر علی صاحبِ شجرۃ الانوار، سید ابو صالح اولادِ امجاد سے تھے۔

قطعۂ تاریخ ولادت و وفات:

شاہِ عالم شیخ عبد القادر است	میرِ اکبر پیشوا و رہنما!
شد عیاں تولید "صابر حق پرست"	نیز فرما "مرشد دیں مجتبیٰ"!
ارتحالش گو "عالی مرتبت"!	نیز "مہدی متقی مقتدا"
۱۱۵۴ھ	۱۱۵۴ھ

۱۵۵۔ شاہ فرید قادری نوشاہی لاہوری قدس سرہٗ

والد کا نام سید محمد علی بن سید علی بن سید فتح علی تھا۔ سادات حسینی بھاکری سے تھے۔ دریائے[1] چناب کے کنارے پر رسول نگر میں سکونت رکھتے تھے۔ حضرت پیر محمد سچیار قادری نوشاہی کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں باکمال تھے۔ طبع عالی پر جذب و استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ ذوقِ وجد و سماع بھی تھا۔ تکمیلِ سلوک کے بعد مرشد نے خرقۂ خلافت سے نوازا اور لاہور میں رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ لاہور آکر قیام پذیر ہو گئے۔ اپنے نام پر کوٹلہ شاہ فرید آباد کیا۔

---

[1] دریائے چناب کے کنارے پر رسول نگر ۱۱۶۹ھ میں آباد ہوا اور شاہ فرید کے آباؤ اجداد کی اس سے سو سال پہلے، کس طرح رسول نگر میں سکونت تسلیم کی جا سکتی ہے۔ (تاریخ عباسی قلمی مستند شرافت نوشاہی)

تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں معروف رہے۔ بقول صاحبِ تذکرۂ نوشاہی[1] ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے۔

چوں فریدِ زمانہ سیدِ دیں ! فرد و یکتا بباغِ خلد رسید
رحلتش "والیٔ خلافت" داں ہم بخواں "آفتابِ فقر فرید" !
۱۱۵۸ھ

۱۵۶۔ شیخ فتح محمد قادری نوشاہی قدس سرہٗ

حضرت حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے مرید تھے۔ آپ کے ہدایت یافتہ ہونے کا واقعہ اس طرح پر ہے کہ حضرت نوشاہ نے انہیں خواب میں آکر اپنا تعارف کرایا اور ارشاد کیا کہ تمہارا حصہ ہمارے پاس ہے ساہن پال آکر لے لو۔ اس نے کچھ تغافل شعاری سے کام لیا۔ جب دوسری تیسری مرتبہ آپ نے پھر خواب میں آکر انہیں متنبہ کیا تو یہ فوراً روانہ ہو گئے۔ جب بمقام ساہنپال پہنچے تو دیکھا کہ سامنے سے ایک جنازہ آرہا ہے اور ایک جمِ غفیر اس کے ساتھ ہے۔ یہ بھی ازرہِ ثواب جنازہ کے ساتھ ہو لئے۔ نمازِ جنازہ کے بعد جب لوگوں نے آخری زیارت کے لئے متوفی کا مُنہ کھولا تو یہ بھی وہاں پہنچے۔ دیکھتے ہی پہچان گئے کہ یہ وہی بزرگ ہیں جو مجھے خواب میں آکر حصۂ باطنی کے لے لینے کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ آپ کا نام پوچھا۔ لوگوں نے حاجی محمد نوشاہ گنج بخش بتایا۔ سُنتے ہی بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور ایک طویل عرصے کے بعد ہوش میں آئے۔ جب ہوش میں آئے تو مستانہ وار دشت نوردی کرنے لگے۔ حضرت نوشاہ کی روحانی توجہ سے عرش سے فرش تک ان پر اسرار و رموز منکشف ہو گئے اور کاملانِ وقت سے ہو گئے۔ ان کا کام یہاں تک ترقی کر گیا کہ باشندگانِ علاقہ پوٹھوہار آپ کے عقیدت مندوں سے ہو گئے۔ آپ وحوش و طیور سے

---

[1] مفتی غلام سرور صاحب کی فاش غلطی ہے۔ کتاب تذکرہ نوشاہی ۱۱۲۶ھ کی تصنیف ہے۔ اس میں شاہ فرید کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ مفتی صاحب اس کے حوالہ سے وفات شاہ فرید ۱۱۵۸ھ لکھتے ہیں، جو اس کی تصنیف سے بارہ سال بعد کا واقعہ ہے۔

باتیں کیا کرتے تھے۔

آپ نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ مزار ملک پوٹھوہار میں ہے۔ ؎

شیخِ دیں فتح محمد نورِ حق: شد چو از دنیا بفردوسِ بریں
سن و سالِ ارتحالِ آنجناب بست "مفتاحِ ولایت حسن دین" [1]
۱۱۵۸ھ

۱۵۷۔ شیخ عنایت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہٗ

مولانا حافظ محمد برخوردار کے فرزند ارجمند تھے اور حضرت شاہ حاجی محمد نوشاہ گنج بخش کے پوتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالرحمٰن المشہور پاک رحمان قدس سرہٗ سے تربیت و تکمیل پائی تھی۔ صاحب فضل و کمال تھے۔ حالتِ استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ گیارہ سال تک طعام نہیں کھایا۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ صاحبِ تذکرہ نوشاہی بخشاور نامی ایک شخص کی زبانی جو موضع ٹھٹھہ عثمان کا مقدم تھا، بیان کرتے ہیں کہ شیخ عنایت اللہ زیادہ تر اپنی زرعی اراضی پر رہا کرتے تھے اور وہاں اپنے رہنے کے لئے ایک حجرہ بنا لیا تھا۔ ایک رات میں آپ کی زیارت کے لئے گیا۔ جب حجرے میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کا ایک ایک عضو تن بدن سے جدا جدا پڑا ہوا ہے۔ میں بڑا حیران ہوا اور دل میں کہنے لگا نہ جانے کون ظالم بے رحم قزاق غارت گر آپ کو شہید کر گیا ہے۔ میں ابھی اسی عالمِ حیرت میں تھا کہ آپ کے بھائی شیخ عصمت اللہ تشریف لے آئے۔ فرمایا: بخشاور یہ مقامِ حیرت نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے اسے کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ شیخ عنایت اللہ نے ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔

ز دنیا رفت چوں در خلدِ اعلیٰ شہ جن و بشر میر عنایت
وصالِ او عیاں شد "مظہرِ جود" دگر "عالی قدر میر عنایت" [2]
۱۱۵۸ھ ۱۱۵۸ھ

---

[1] شیخ فتح محمد کا سنِ وفات ۱۱۱۹ھ ہے۔ مزار ساگری ضلع جہلم میں ہے۔ (شریف التواریخ جلد سوم حصہ اول صفحہ ۳۶۲)

[2] حضرت عنایت اللہ کا صحیح سنِ وفات ۱۱۴۰ھ ہے۔ (اذکارِ نوشاہیہ صفحہ ۳۵)

۱۵۸۔ شیخ محمد سلطان لاہوری المشہور بہ مرگ نینی قادری قدس سرہٗ

سلسلۂ قادریہ میں عظیم القدر بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی شاہ کے مرید و خلیفہ تھے عجیب و غریب احوال و مقامات کے مالک تھے۔ مجذوبوں میں مجذوب اور سالکوں میں سالک تھے۔ طبع عالی پر جذب و سکر اور عشق و محبت کا غلبہ طاری رہتا تھا۔ قدرت نے آنکھیں بڑی خوبصورت دی تھیں اس لئے بارگاہِ مرشد سے مرگ نینی یعنی آہو چشم کا خطاب حاصل تھا۔ ۱۱۵۸ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں ہے شاہ نواز خاں صوبہ دار لاہور نے آپ کا مزار تعمیر کرایا تھا۔

چو سلطانِ دنیا و دیں بادشاہ! — ز دنیائے دوں شد بہ ملکِ جناں
وصالش شدہ روشن از "نور بخش" — دگر "شیخ سلطان محمود" خواں
۱۱۵۸ھ — ۱۱۵۸ھ

۱۵۹۔ سید شاہ حسین بن سید نور محمد بن شاہ امیر سجادہ نشین حجرہ قدس سرہٗ

اپنے علمی و روحانی فضل و کمال کے باعث مشائخ قادریہ میں بڑے عظیم المرتبت شیخ گزرے ہیں۔ صاحبِ خوارق و کرامت تھے۔ مکارمِ اخلاق میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔

نقل ہے ایک دفعہ کسی حادثہ کے باعث آپ کے ساتھی سواروں میں سے ایک سوار کے گھوڑے کی آنکھ کا ڈھیلا نکل گیا۔ فرمایا: ابھی یہ ڈھیلا گھوڑے کی آنکھ میں رکھ کر پٹی باندھ دو۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا: گھوڑے کی آنکھ سے پٹی کھول دو۔ چنانچہ پٹی کھول کر گھوڑے کی آنکھ کو دیکھا گیا تو درست اور صحیح و سلامت تھی اور اسے نظر آ رہا تھا۔

نقل ہے ایک دفعہ آپ سفر میں تھے۔ رات کو ایک جگہ پر قیام فرمایا۔ آپ آرام فرما رہے تھے کہ چند قزاقوں نے آکر سامان لوٹنا شروع کر دیا۔ اتنے میں خادم کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے آپ کو پکارا کہ تشریف لائیے، مدد کیجئے۔ قزاق سامان لوٹ رہے ہیں۔ فرمایا: کچھ غم نہ کرو، لوٹنے دو واپس لے آئیں گے۔ قزاق سامان لوٹ کر ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ دیوانے ہو گئے اور کتوں کی طرح آواز نکالنے لگے۔ الٹے پاؤں حاضرِ خدمت ہو کر معذرت چاہی۔ آپ نے اپنے

لوٹے سے پانی لے کر ان کے منہ پر چھڑکا۔ اسی وقت اپنی اصلی حالت میں آ گئے اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ بقول صاحب سراج الاولیاء ۱۱۶۲ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔

بصد حسن چوں از جہاں رفت بست — شہِ محسن آں پیرِ کامل حسین!
بگو مجتبیٰ شاہِ عرفاں وصال — دگر سید بو فضائل حسین

۱۱۶۲ھ — ۱۱۶۲ھ

۱۶۰۔ میاں شیخ رحمت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہٗ

مولانا حافظ برخوردار ابن حضرت نوشاہ عالیجاہؒ کے فرزند سوم تھے۔ صاحبِ علم و عمل تھے۔ زہد و ورع، عبادت و ریاضت اور سخاوت و شجاعت میں شہرۂ آفاق تھے۔ جب آپ پیدا ہوئے تھے آپ کے دادا حضرت نوشاہ گنج بخش نے آپ کے لئے دعائے درازیٔ عمر فرمائی تھی۔ چنانچہ آپ نے طویل عمر پائی۔ بڑے پُر جلال تھے۔ ایک دفعہ حاکمِ پرگنہ نے ادائیگیٔ مالیہ کے لئے اپنا پیادہ بھیجا۔ اس پر جلال میں آ گئے۔ اُسی وقت حاکمِ پرگنہ کے پاس گئے۔ فرمایا کہ جب میں خود بخود مالیہ ادا کر دیتا ہوں تو پھر پیادہ بھیجنے کی کیا ضرورت تھی تو مسندِ حکومت کے لائق نہیں ہے تجھے معزول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسی روز صوبہ دارِ لاہور کی طرف سے اسے اپنا معزولی نامہ وصول ہو گیا۔

مستی نور محمد ترکھان جو آپ کے خادموں سے تھا، موضع باہوکی میں کھیتی باڑی کرتا تھا وہاں کے مقدم مہربان نامی کچھ لگان بڑھا کر ایک سوار وصولی کے واسطے نور محمد کی طرف بھیجا، اس نے یہ واقعہ آپ کے گوش گزار کیا۔ آپ مہربان کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو نصیحت کی، وہ باز نہ آیا۔ اس بات سے آپ جلالت میں آ گئے اور دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور کہا کہ تم کو خدا تعالیٰ ویران کر دے گا، اُٹھ کر گھر چلے آئے۔ ابھی آپ رستہ میں ہی تھے کہ اتفاقاً غیب سے اس گاؤں میں کہیں سے آگ لگ گئی اور سارا گاؤں جل کر راکھ ہو گیا۔

نقل ہے ایک روز آپ شکار کے لئے تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ ساہن پال کے کچھ زمیندار بھی ہمراہ تھے۔ راستے میں محمد قلی نامی ساہن پال کے بیٹے نے اپنی گھوڑی دوڑا کر

آپ کے گھوڑے سے آگے بڑھائی اور جاتے جاتے ایک کوڑا آپ کے گھوڑے کو بھی مارا۔ آپ نے اُسے بہ نگاہِ غضب دیکھا اور فرمایا۔ اب تُو گھوڑی پر سوار نہیں ہو سکے گا۔ ابھی تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ اس کی گھوڑی جس کی قیمت تقریباً چھ سات سو روپے تھی گر کر فوراً مر گئی۔ پھر اس واقعہ کے بعد اس پر تنگ دستی و بدحالی ایسی مسلط ہوئی کہ مرتے دم تک خوشحال نہ ہو سکا اور کبھی گھوڑی میسر نہ ہوئی۔ ۱۱۷۰ھ میں وفات پائی۔ مزار ساہن پال میں اپنے جدِ بزرگوار کے متصل ہے۔

شد چو رحمت ازیں جہاں پدرود — ہست تاریخِ آں شہِ ابرار!
"رحمت اللہ ولیٔ رہبر" نیز — "رحمت اللہ معدن الانوار!"

۱۶۱۔ شیخ نصرت اللہ قادری نوشاہی قدس سرہٗ

مولانا حافظ برخوردار ابن حضرت نوشاہ عالیجاہؒ کے فرزندِ چہارم تھے۔ عالمِ متبحر اور عارفِ کامل و اکمل تھے۔ تحصیلِ علوم سیالکوٹ میں کی تھی۔ اپنے والدِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر رہ کر سلسلۂ قادریہ نوشاہیہ کی تکمیل کی تھی اور ریاضت و مجاہدہ سے ولایت باطنی کو کمال تک حاصل کیا۔ پدرِ بزرگوار کی وفات کے بعد احمد بیگ سے بھی اخذِ فیض کیا تھا۔ ۱۱۷۰ھ میں وفات پائی۔ مزار ساہن پال میں اپنے والدِ گرامی کے مزار کے قریب ہے۔

رفت از دنیا چو در خلدِ بریں — نصرت اللہ رہبرِ کون و مکاں
"رستمِ عشق" است سالش کن رقم — نیز "نصرت واصلِ کامل" بخواں

۱۶۲۔ میر سید بلھے شاہ قادری شطاری قصوری قدس سرہٗ

سادات عظام سے تھے۔ وطن قصبۂ قصور تھا۔ حضرت عنایت شاہ قادری شطاری کے عظیم المرتبت مُرید و خلیفہ تھے جن کا سلسلۂ بیعت حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری تک منتہی ہوتا ہے۔

اپنے زمانے کے عالم و فاضل، عابد و زاہد، عارفِ کامل اور شاعرِ بے بدل تھے۔ پنجابی زبان میں آپ کی کافیاں زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ تمام کلام موحدانہ اور عارفانہ ہے اور اپنے اندر ایک عجیب لذت و تاثیر رکھتا ہے۔ قوال اب بھی آپ کے کلام سے مجالسِ سماع کو گرماتے ہیں۔ ۱۱۷۱ھ میں وفات پائی۔ مزار قصور میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چو بُلھے شاہ شیخِ ہر دو عالم — مقامِ خویش اندر خلد ور زید !!
رقم کن "شیخ اکرم" از تحالش — دگر ہادیٔ اکبر مستِ توحید" [1]
۱۱۷۱ھ

۱۶۳۔ سعد اللہ قادری نوشاہی قدس سرہٗ

مولانا حافظ برخوردار کے دوسرے فرزند ارجمند تھے۔ صاحب علم و فضل تھے۔ فنِ طبابت میں بھی مہارتِ کامل رکھتے تھے۔ ظاہری و باطنی طور پر مریضوں کی خبر گیری بھی کیا کرتے تھے۔

نقل ہے کہ جب آپ کے والد مولانا حافظ محمد برخوردار نے آپ کی شادی کرنے کے بعد شیخ سعد اللہ اور نصرت اللہ دونوں بھائیوں کو اپنے اپنے گھروں میں الگ کیا تو شیرو اور بھینس شیخ نصرت اللہ کو دی اور اس کا بچہ (کٹا) شیخ سعد اللہ کو عطا فرمایا۔ یہ بات آپ کو گراں گزری اور عرض کیا، یا تو یہ کٹا بھی نصرت اللہ کو دے دو یا بھینس میرے حوالے کر دو اور اگر یہی تقسیم آپ کو منظور ہے جو کہ کر دی ہے تو میں نے خدا تعالیٰ سے منظور کرا لیا ہے کہ یہ دونوں مر جائیں۔ چنانچہ

---

[1] حضرت بُلھے شاہ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین بابت مئی ۱۹۳۹ء میں ایک مخطوطہ مجموعہ وظائف، پر حضرت بُلھے شاہ کی ثبت مہر جس پر ۱۱۷۱ھ درج ہے، کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ بُلھے شاہ ۱۱۷۱ھ تک زندہ تھے۔ مولوی صاحب کا یہ تحقیقی مضمون "کلیات بلھے شاہ" شائع کردہ پنجابی اکیڈمی لاہور کے دیباچہ مرقومہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر میں من و عن درج ہو چکا ہے۔

واقعی دو دنوں میں بھینس اور کٹا دونوں مر گئے۔

نقل ہے کہ آپ موضع بھاگت کی میں اپنی زمین کاشت کرتے تھے۔ وہاں کا مقدم (نمبردار) سیدا نام معاملہ وصول کرنے پر آپ کو بہت تکلیف دیا کرتا، آپ صبر کیا کرتے۔ جب اس کی دشمنی اور بداعمالی حد سے تجاوز کر گئی تو آپ نے فرمایا: اے سیدا! اب وقت آپہنچا ہے کہ تو اب اپنی بداخلاقی کے باعث غضبِ الٰہی میں گرفتار ہو جائے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس کے دونوں بیٹے جو بڑے لائق تھے، مر گئے اور مال و اسباب چوروں نے لوٹ لیا اور وہ خود اندھا ہو کر بدحالی میں ایسا گرفتار ہوا کہ در در گدائی کرتا ہوا مر گیا۔ شیخ سعد اللہ نے ۱۱۷۵ھ میں وفات پائی۔

شیخ سعد اللہ ولیٔ دو جہاں — شد چو از دنیا بجنت شد قریب
سالِ تاریخِ وصالِ آں جناب — گفت سرور "شیخ سعد اللہ بجنت شد قریب" [1]
۱۱ ھ ۷۵

۱۶۴۔ شیخ محمد عظیم قادری قدس سرہٗ

حضرت شاہ مقیم محکم الدین صاحب حجرہ کی اولادِ امجاد سے تھے۔ موضع بیگم کوٹ لاہور میں سکونت تھی۔ اپنے وقت کے زاہد و عابد، عالم و عامل اور صوفیٔ کامل تھے۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں گزاری۔ جب احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر حملے کرنے شروع کئے تو اس کے لشکر کی تاخت و تاراج کی وجہ سے لاہور کی کئی مضافاتی آبادیاں خالی ہو گئیں۔ بیگم کوٹ کے گرد و نواح کے لوگ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اکثر و بیشتر لوگ افغانی غارت گری کے خوف سے اپنے مال و متاع اور متعلقین کو لے کر نقلِ مکانی کر گئے ہیں۔ ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ فرمایا جو کوئی بیگم کوٹ میں آجائے گا وہ محفوظ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا اور بیگم کوٹ افغانوں کی لوٹ مار سے محفوظ رہا۔ ۱۱۸۱ھ میں وفات پائی۔

---

[1] شیخ سعد اللہ کا صحیح سالِ وفات ۱۱۷۵ھ ہے۔ (اذکار نوشاہیہ ص۳۸)

چوں محمد عظیم اعظمِ وقت ! ! شد بصد عظمت از زمانہ جدا
جلتش "فاضلِ کریم" آمد نیز "شیخ جلال اہلِ صفا"
۱۱ ۸۱ھ ۸۱ھ ۱۱

۱۶۵۔ شاہ سرور قادری قدس سرہٗ

مصاحب خاں کلاں قادری کے مرید و خلیفہ تھے جنہوں نے حضرت شاہ میر سجادہ نشین حجرہ سے ظاہری و باطنی فیض پایا تھا۔ اپنے عہد کے جید عالم اور صوفیٔ کامل تھے۔ علومِ تفسیر و حدیث و فقہ میں لاثانی تھے۔ موضع بابک وال جو لاہور شہر سے تقریباً چھ سات میل کے فاصلے پر ہے سکونت رکھتے تھے۔ یہیں تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔

احمد شاہ ابدالی کے حملوں میں جب افغانی لشکر نے لاہور کے گرد و نواح میں تاخت و تاراج کا سلسلہ شروع کیا تو مضافات کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، دعا فرمایئے کہ ہم افغانی غارت گری سے مصئون و مامون رہیں۔ آپ نے اپنا خرقہ اتار کر انہیں دیا اور فرمایا: اسے اپنے اپنے گاؤں کے گرد پھرائیں۔ چنانچہ جن جن گاؤں والوں نے آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا وہ ہر طرح سے امن و امان میں رہے۔ ۱۱۸۴ھ میں وفات پائی۔ مزار بابک وال میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

شاہ سرور آں ولیٔ متقی ! شد چو از دنیا بجنت جست راہ
گشت روشن از خرد خورشید دیں سالِ وصلِ شاہ بچو مہر و ماہ
۱۱۸۴ھ

۱۶۶۔ سیّد میر محمد شاہ عبدالرزاق خلف شاہ محمد ہاشم برادر شاہ حسین صاحب حجرہ قادری قدس سرہٗ

میر محمد شاہ نام، عبدالرزاق لقب تھا۔ جامع علومِ ظاہری و باطنی تھے۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں وحید العصر اور تجرید و تفرید میں فرید الدہر تھے۔ کشف و کرامت میں بڑے اخفا سے کام لیتے تھے۔ بے حد مستغنی المزاج تھے۔ دنیا و اہلِ دنیا سے کچھ واسطہ نہ تھا۔ بقول

صاحب اسرار الاولیاء ۱۱۸۴ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔ چار فرزند شاہ صدر الدین الملقب بہ شیر خدا۔ شاہ سعد الدین ثابت قدم، شاہ سیف الدین، شاہ طالب الدین اولاد سے تھے۔ شاہ سیف الدین حیاتِ والدی میں وفات پا گئے تھے۔

عبدِ رزاق میر عالی جاہ — ذات پاکش بدو جہاں طاق است
بست "غیب اللسان" سالش نیز — "متقی میر عبد رزاق" است

۱۱۸۴ھ

۱۶۷۔ شیخ مصاحب خاں خرد قادری لاہوری قدس سرہٗ

سید شاہ سمندار کے کامل و اکمل مرید و خلیفہ تھے۔ اپنے عہد میں علم و عمل، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں ممتاز تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور چھ سال تک درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ آپ کے حلقۂ درس سے پانچ سو حافظ حفظِ قرآن کی نعمت سے مالامال ہو کر نکلے۔ ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ مزار بابک وال میں ہے۔

چوں مصاحب بہ رحمتِ باری! — یافت دربارگاہِ جنت بار!
جو وصالش ز "میر نعمت فقر" — بارِ دیگر ز "مخزن الاسرار"!

۱۱۹۰ھ

۱۶۸۔ شاہ صدر الدین بن سید میر محمد عبد الرزاق قدس سرہٗ

صاحبِ علم و عمل تھے۔ سخاوت و شجاعت، عبادت و ریاضت اور زہد و ورع میں مقامِ بلند اور درجۂ ارجمند رکھتے تھے۔ آپ کے آستانۂ عالیہ پر جو آتا تھا، محروم نہ جاتا تھا ایک خلقِ کثیر نے آپ سے اخذِ فیض کیا۔ شوقِ شہادت بیحد تھا۔ اسی شوق میں سپاہ گری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ کفار سے اکثر معرکہ آرا رہتے تھے۔ ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔

قطعۂ تاریخِ ولادت و وفات:

صدرِ عالم صدرِ دیں صدر الصدور — مظہرِ دیں مصدرِ فیضِ نبی

جلوہ گر شد از خرد "مہتاب خلد" — سرورا تولید آں والا ولی
۱۱۲۹ھ
سال وصل آں شہِ عالی جناب — ہست "صدرالدین امیر متقی"
۱۱۹۰ھ

۱۶۹۔ سیّد سعدالدین بن سیّد میر محمد عبدالرزاق قادری صاحبِ حجرہ قدس سرہٗ

علم و فضل، صدق و صفا اور جُود و سخا میں شہرۂ آفاق تھے۔ تمام عمر ظاہری و باطنی جہاد میں مصروف رہے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ گرامی سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ تمام عمر درس و تدریس اور اشاعتِ دینِ متین میں مصروف رہے۔

بقول صاحبِ اسرارالاولیاء ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ مزار حجرہ میں ہے۔

باسعادت شد چو از دارِ فنا — اسعدِ دورِ زماں شیخِ ظہور!
"گوشۂ فیض" است تاریخش دگر — "سیدالابرار ہادیٔ شمعِ نور"
۱۱۹۵ھ — ۱۱۹۵ھ

۱۷۰۔ شیخ جان محمد قادری لاہوری قدس سرّہٗ

شیخ مصاحب خاں خرد لاہوری قادری کے باکمال اور صاحبِ کرامت مرید و خلیفہ تھے۔ علم و عمل اور ہدایت و تلقین میں ممتاز الوقت تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد سجادہ نشیں ہُوئے اور تادمِ زیست عوام و خواص کی تہذیب و تکمیل میں مصروف رہے۔

احمد شاہ ابدالی کے حملوں اور سکھوں کی لُوٹ مار کے باعث پنجاب میں ہر طرف بے چینی و بدامنی پھیلی ہُوئی تھی مضافاتِ لاہور کی آبادیاں افغانی لشکر کی غارت گری اور سکھوں کی تاخت و تاراج کی وجہ سے ویران ہو رہی تھیں۔ اکثر و بیشتر آبادیاں نقلِ مکانی کر گئی تھیں۔ گرد و نواح کے لوگ آپ کے پاس آئے، طالبِ دعا ہوئے اور بچاؤ کی تدبیر کی درخواست کی۔ فرمایا: میرا عصا لے جاؤ اور اپنے اپنے گاؤں کے گرد اس سے خط کھینچ دو، اِن شاء اللہ محفوظ رہو گے چنانچہ آپ کی دُعا اور توجہ سے ایسا ہی ہوا۔ ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع بابک والی میں ہے۔

ز دنیا شد چو در خلدِ معلیٰ — شہِ عالم ولی جانِ محمد
وصالِ او ز "شیخ رہنما" جُو — دگر فرما "غنی جانِ محمد"
۱۲۰۶ھ — ۱۲۰۶ھ

۱۷۱۔ شیخ عبداللہ شاہ بلوچ قادری لاہوری قدس سرہٗ

مشائخ قادریہ میں بڑے عظیم المرتبت بزرگ گزرے ہیں۔ صاحبِ علم و فضل تھے۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں ممتاز الوقت تھے۔ ذات کے بلوچ تھے۔ سارہانی پیشہ تھا۔ صاحبِ ثروت تھے۔ شیخ شرف الدین پانی پتی کے مرید و خلیفہ تھے۔ سلسلۂ بیعت چار واسطوں سے حضرت شیخ محمد میر معروف بہ میاں میر قدس سرہٗ تک منتہی ہوتا ہے۔ عہدِ سلوک میں قدم رکھا تو تمام مال و متاع راہِ خدا میں لٹا دیا۔ تکمیلِ سلوک کے بعد حکمِ مرشد کے مطابق لاہور آکر لوگوں کی ظاہری و باطنی تہذیب و تربیت میں مشغول ہو گئے۔ موضع مزنگ میں اپنے نام پر ایک محلہ آباد کیا جو اب تک کوٹ عبداللہ شاہ کے نام پر مشہور ہے۔ یہیں تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں معروف رہے۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے علمی و روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہوئی۔

آپ کے خلفاء میں سے مولانا مفتی شیخ فیض بخش لاہوری قریشی ہاشمی[1]، مولانا غلام محمد[2]

---

[1] مولانا مفتی غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیا کے ہم جد اور حضرت مولانا مفتی قاضی شیخ محمد مکرم کے پوتے تھے، جنہیں احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۷۰ھ لاہور کا مفتیِ اعلیٰ مقرر کر کے عہدۂ افتا و قضا دونوں آپ کے سپرد کر دیئے تھے۔ مولانا فیض بخش اپنے عہد کے جید عالم، فقہی فاضل اور عارف کامل تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں معروف رہے۔ ۱۲۳۰ھ میں وفات پائی۔ مدفن مرشد کے مزار کے متصل ہے۔

[2] مولانا محمد صدیق کے فرزندِ ارجمند تھے۔ حافظِ قرآن اور بلند پایہ عالم تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد مسجد وزیر خاں کے امام رہے۔ کتابتِ قرآن سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے اس میں سے بھی اپنا حصہ نکال کر باقی حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ بڑے شفیق و حلیم تھے۔ درس و تدریس میں طلبہ کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ صاحبِ تصنیف تھے۔ کتاب شمس التوحید۔ فارسی نثر میں اور گنجِ مخفی نظم میں آپ کی تصانیف سے ہیں۔ ۱۲۲۲ھ میں وفات پائی۔ مرقد مسجد وزیر خاں کی جنوبی دیوار کے باہر ہے۔

المشہور امام مسجد نواب وزیر خاں، مولانا حافظ الٰہی بخش[1] پشاوری قابلِ ذکر ہیں جو اپنے کمال علم وفضل کے باعث مشہورِ زمانہ ہوئے ہیں۔ مولانا شیخ مراد بخش[2] بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں شیخ عبداللہ شاہ بلوچ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک ہندو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ میں علمِ کیمیا کا شائق ہوں۔ بڑی محنت اور روپیہ صرف کرنے کے باوجود میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ معلوم نہیں آیا یہ کوئی علم بھی ہے یا نہیں۔ اگر آپ اس معاملے میں میری رہنمائی فرمائیں تو ممنونِ احسان ہوں گا۔ آپ نے فرمایا: بہتر۔ جاؤ کچھ تانبے کے پیسے، سم الفار اور گندھک لے آؤ۔ وہ اسی وقت بازار جا کر یہ سب چیزیں لے آیا۔ مجھے فرمایا کہ جس مٹی کے پیالے میں ہم کھانا کھاتے ہیں وہ اٹھا لاؤ اور تانبے کے پیسے اس میں ڈال کر سم الفار اور گندھک بھی شامل کر دو۔ اوپر کوئلے بھر کر آگ دے دو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا: چمٹے سے پکڑ کر ایک پیسہ باہر نکالو۔ میں نے پیسہ نکال کر زمین پر رکھ دیا۔ اس ہندو سے فرمایا، اسے کوٹو۔ جب سیاہ پردہ دُور ہو گیا تو زرِ خالص نکل آیا۔ وہ ہندو اسی وقت حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر آپ کا مرید ہو گیا۔

نقل ہے ایک شخص نے عملیات کے ذریعے ایک جن کو مسخر کر رکھا تھا اور اسے کسی پرانی قبر کے نیچے چھپا کر اس سے جو چاہتا، کہلواتا۔ اس چیز نے اسے عوام میں صاحبِ کرامت مشہور کر رکھا تھا اور اکثر سادہ لوح اس کے دامِ فریب میں گرفتار تھے۔ ایک روز یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اگر آپ کو دعائے فقر ہے تو مجھے کوئی کرامت دکھائیے، نہیں تو میں دکھاتا ہوں۔ پھر

---

[1] صاحبِ علم وعمل وصوفی کامل تھے۔ مرشد نے بہ ایمائے ربانی خود پشاور جا کر مرید کیا اور درجۂ تکمیل تک پہنچایا۔ مزار پشاور میں ہے۔

[2] مولانا مفتی شیخ فیض بخش کے فرزند تھے۔ تعلیم وتربیت اپنے والدِ بزرگوار سے پائی تھی۔ سلسلۂ قادریہ میں انھی کے مرید وخلیفہ تھے۔ حضرت عبداللہ شاہ بلوچ سے بھی اخذِ فیض کیا تھا۔ اسی طرح ان کے دوسرے حقیقی برادر مولانا شیخ امام بخش المتوفی ۱۲۳۲ھ بڑے عابد وزاہد اور صوفیِ باکمال تھے۔ کتابتِ قرآن سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔ تمام عمر درس وتدریس میں مشغول رہے۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور کے جدِ مادری تھے۔

آپ کو میرا مرید ہو جانا پڑے گا۔ میں مردۂ صد سالہ کو زندہ کر کے گویا کرتا ہوں اور یہ کرامت مجھ سے کئی مرتبہ ظہور میں آچکی ہے۔ میرے ساتھ آیئے میں آپ کو اس کا مشاہدہ کراتا ہوں۔ آپ کو گورستانِ میانی میں لے گیا اور کہا، بتایئے، کس مُردہ کو زندہ کروں۔ آپ نے ایک قبر کا نشان دیا۔ اس نے قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر کہا، یٰسین!۔ اندر سے ندا آئی۔ والقرآن الحکیم۔ کہنے لگا: دیکھئے مُردہ زندہ ہو گیا ہے، اب آپ اس سے جو چاہیں پُوچھیں یہ آپ کی ہر بات کا جواب دے گا۔ آپ نے قبر پر پاؤں مار کر فرمایا: جو شخص اس قبر کے اندر چھپا ہُوا ہے وُہ باہر آجائے۔ اُسی وقت ایک چودہ پندرہ سالہ لڑکا قبر سے باہر آگیا۔ آپ نے پُوچھا: تُو کون ہے؟ اس نے کہا، میں جن ہُوں اور کئی سالوں سے اس شخص کی قید میں ہُوں۔ اس کے حکم سے قبر کے اندر جا کر سوالوں کا جواب دیتا ہُوں۔ آپ نے فرمایا: میں تجھے اللہ کے حکم سے آزاد کرتا ہُوں اور اس شخص کے عملِ تسخیر کو باطل کرتا ہُوں۔ جن اسی وقت غائب ہو گیا۔ حاضرین جو آپ کے ساتھ گورستان گئے تھے انہوں نے خوشی و مسرت کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کیا اور وُہ شعبدہ باز تائب ہو کر آپ کے حلقۂ ارادت میں آگیا۔ ۷۔ ماہ جمادی الاوّل ۱۲۱۲ھ میں وفات پائی۔ مزار موضع مزنگ کوٹ عبداللہ شاہ میں زیارت گاہِ خلق ہے۔

چو عبداللہ شاہ مردِ عجیب — شد ز دنیا بسوئے دوست قریب
جستم از دل چو سالِ تاریخش — گفت ہاتف بگوش ہوش "غریب" [1]
۱۲۱۲ھ

۱۷۲۔ شیخ محمود بن محمد عظیم قادری لاہوری قدس سرہٗ

مشائخ قادریہ میں مردِ صالح و مجیب الدعوات گزرے ہیں۔ سیّد صدرالدین بن سید عبدالرزاق صاحبِ حجرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ حسنِ سیرت اور حسنِ صورت دونوں کے جامع تھے۔ ترکِ علائق،

---

[1] مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو رسالۂ عبداللہ شاہ بلوچ" مؤلفہ محمد دین کلیم مطبوعہ ۱۹۷۱ء

تجرید و تفرید اور عبادت و ریاضت میں مشہورِ زمانہ تھے۔ ایک خلقِ کثیر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھی۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایت و تلقین میں مصروف رہے۔ ۱۲۱۵ھ میں وفات پائی۔ دو فرزند سید غلام نبی اور سید غلام علی اولاد سے تھے۔ دونوں صاحبزادے عابد و زاہد اور صاحبِ کرامت تھے۔

رفت خوش محمود زیں دارِ فنا — چوں بدیش گشت بابِ خلد باز
سالِ ترحیلش بہ سر ور شد عیاں — محتشم محمود میرِ بے نیاز

۱۰۷۳۔ سید عادل شاہ المشہور سید نتھو گیلانی بن سید فاضل بن حاجی محمد ہاشم قدس اللہ سرہم العزیز

عالم و عامل اور عارفِ کامل تھے۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں یگانۂ آفاق تھے۔ دعوتِ اسمائے الٰہی میں کامل و اکمل تھے۔ روزانہ خرچ اللہ تعالیٰ کے خزانۂ غیب سے حاصل ہوتا تھا۔ جو کوئی بھی حاضرِ خدمت ہوتا، محروم نہ جاتا۔ ۱۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ وطن موضع لکھوال ضلع گجرات تھا۔ مزار لاہور میں ہے۔ حضرت مولانا مفتی غلام سرور رقم طراز ہیں: آپ کے نواسہ سید محمد شاہ گیلانی صاحبِ علم و فضل اور مظہرِ کمالاتِ ظاہری و باطنی ہیں۔ کئی دفعہ شرفِ ملاقات حاصل ہو چکا ہے۔ یگانگت و الفت میں بے نظیر ہیں۔ اسی طرح آپ کے فرزند سید شاہ سردار صاحبِ حال و قال بزرگ ہیں اور میرے کرم فرماؤں سے ہیں۔ دونوں حضرات لاہور میں سکونت پذیر ہیں۔

قطعۂ تاریخِ ولادت و وفات:

سیدِ والا مراتب نیک ذات — شاہ عالم عادلِ دورِ زماں
سالِ تولیدش بہ اقوالِ صحیح! — "عادل و فاضل علیم" آمد عیاں
گشت سالِ انتقالش جلوہ گر! — "محرمِ اسرارِ عشق" اے مہرباں

۱۷۴۔ سیّد شادی شاہ قادری لاہوری قدس سرّہٗ

ترکِ علائق میں بے مثال اور اخلاقِ محمدی کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ موضع لکھوال ضلع گجرات کے رہنے والے تھے۔ طویل عرصہ تک حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویریؒ داتا گنج بخش کے مزارِ اقدس پر معتکف رہے اور بے اندازہ فیوض و برکات حاصل کئے۔ پھر بہ ایمائے باطنی لاہور ہی میں مقیم ہو گئے اور تادمِ زیست ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

چو از روئے زمیں مانندِ خورشید نہاں شد میر شادی شاہ فردوس

بیاں شد فاضلِ برحق وصالش جہاں شد میر شادی شاہ فردوسؒ

۱۲۲۱ھ ۱۲

۱۷۵۔ شاہ سرور قادری قدس سرہٗ

شیخ جان محمد قادری لاہوری کے نامور مرید و خلیفہ تھے۔ بڑے بزرگ اور عابد و زاہد تھے۔ عبادت و ریاضت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ قوم کے افغان تھے۔ کابل وطن تھا۔ وہیں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت بھی کابل ہی میں پائی۔ سنِ رشد کو پہنچے تو تلاشِ حق میں نکلے۔ کئی ایک مشائخ کی خدمت میں رہے۔ آخر لاہور آئے اور موضع بابک وال پہنچ کر شیخ جان محمد کی خدمت میں شرف یاب ہوئے اور مرشد کے زیرِ سایہ علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ تمام عمر درس و تدریس اور ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ محنت و مزدوری سے رزقِ حلال حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ شاہدرہ کی منڈی سے گندم اٹھا کر لاتے اور لاہور کی منڈی میں فروخت کرتے۔ نقد و جنس سے جو مزدوری میں ملتا اُس میں سے اپنا حصہ نکال کر باقی فقراء میں تقسیم کر دیتے۔ آج کی کمائی سے کل کے لئے باقی نہ رکھتے تھے۔ زندگی کا زیادہ عرصہ شاہدرہ میں گزارا۔

نقل ہے ایک روز سیّد قطب الدین بن سید صدر الدین گیلانی صاحبِ حجرہ آپ کی ملاقات کے لئے شاہدرہ تشریف لائے۔ اثنائے گفتگو میں سید قطب الدین نے فرمایا: اس سال عادت کے خلاف ہم خربوزہ پکنے کے موسم میں شاہدرہ نہیں آئے اگر موسم ہوتا تو شاہدرہ کے

خربوزے کھاتے۔ یہ سن کر حضرت شاہ سردار مجلس سے اٹھے اور اپنے حجرے کے کوٹھے پر تشریف لے گئے اور وہاں سے نہایت عمدہ و شیریں و خوش رنگ خربوزے اُٹھا لائے اور سید قطب الدین کے سامنے رکھ دیئے۔ عرض کیا۔ اگرچہ خربوزے پکنے کا موسم نہیں ہے مگر وہ کون سی چیز ہے جو اللہ کے فقیروں کے پاس نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر سید قطب الدین بڑے خوش ہوئے۔ اُن خربوزوں کو اپنے ہاتھ سے چیرا خود بھی تناول کیا اور حاضرین میں بھی تقسیم کیا۔ فرمایا: یہ بہشتی میوہ ہمیں اور تمہیں شاہ سردار کے وسیلے سے میسر ہوا ہے۔

۱۲۲۵ھ میں وفات پائی۔ مزار بابک وال میں ہے۔

یافت سرداری چو در خلد بریں ! آں شہ جن و بشر سردار شاہ
سالِ ترحیل و وصالِ آں جناب واں "ولیٔ رہبر سردار شاہ"
۱۲ ۲ ۵

۱۷۶۔ سید علی شاہ قادری لاہوری قدس سرہٗ

ساداتِ گیلان سے ہیں۔ سلسلۂ طریقت بھی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم تک پہنچتا ہے۔ صاحبِ علم و عمل تھے۔ ۱۲۱۰ھ میں احمد آباد دکن سے لاہور آکر اپنے لئے ایک مختصر سی جگہ دریائے راوی کے کنارے تجویز کر کے سکونت اختیار کر لی تھی۔ شب و روز عبادت و ریاضت اور درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے۔

نقل ہے ایک دفعہ دریا میں طغیانی آئی کہ پانی شہر لاہور کی فصیل تک پہنچ گیا حتیٰ کہ آپ کی خانقاہ بھی گرنی شروع ہو گئی۔ رنجیت سنگھ حاکمِ لاہور و پنجاب نے آپ کو شہر میں لانے کے لیے کشتی بھیجی مگر آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا: میرا خدا حافظ و ناصر ہے، میں نے اس سے دعا کی ہے کہ آئندہ دریا کا پانی بارش کے موسم کے سوا یہاں نہ آئے۔ پس اسی طرح واقع ہوا۔ دریا وہاں سے دُور چلا گیا پھر اور موسمِ برسات کے سوا کبھی پانی نہیں آیا۔

۱۲۲۰ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور جھنگی چراغ شاہ میں ہے جو آپ کے مرید و سجادہ نشین تھے۔
قطعۂ تاریخِ وفات:۔

رفت ایں دنیائے دوں فانی چو در ملک بہشت — حضرت علی شاہ زماں شیخ زماں!
رحلتش "سید علی نورِ زمن مخدوم" گو — "فضلِ نورانی" بداں ہم شیخ نورانی نجواں
۱۲ ھ ۲۷ — ۱۲ ھ ۲۷ — ۱۲۲۷ھ

۱۷۷۔ سیّد سردار علی شاہ شہید مقیم شاہی صاحب حجرہ قدس سرہٗ

جامع سیادت و شرافت تھے۔ علم و حلم، زہد و تقویٰ اور شجاعت و سخاوت میں یگانۂ آفاق تھے۔ تمام عمر ہدایت و ارشادِ خلق میں گزاری۔ ۱۲۲۸ھ میں شہادت پائی۔ یہ سانحہ اس طرح پر ہوا کہ جب رنجیت سنگھ تمام پنجاب پر قابض ہو گیا تو صاحب سنگھ بیدی جو گورو نانک کی اولاد سے تھا اور موضع اوند میں مقیم تھا اور رنجیت سنگھ اس کی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا۔ اس وجہ سے وہ اکثر و بیشتر مسلمانوں پر ناروا ظلم و ستم کرتا رہتا تھا۔ اس بدانديش نے چاہا کہ حضرات پیرانِ حجرہ کی بھی زمین و جائداد پر قابض ہو جائے۔ اس وجہ سے وہ ان حضرات سے معاندانہ رویہ اختیار کئے رہتا۔ پہلے تو حضرت سردار علی شاہ نے "بہ دہنِ سگ لقمہ دوختہ" پر عمل کرتے ہوئے اسے کچھ زر و نقد دے کر اہلِ حجرہ کو اس کے فتنہ و فساد سے محفوظ رکھا۔ لیکن جب وہ اس پر بھی باز نہ آیا تو آپ چند خدام اپنے ہمراہ لے کر اس مفسد و حریص کی افہام و تفہیم کے لئے اوند تشریف لے گئے۔ اس نے وہاں نہایت مکاری سے کام لیتے ہوئے آپ کو اور آپ کے خدام کو گرفتار کر کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اس پر اہلِ حجرہ بڑے مشوش ہوئے اور آپ کی رہائی کے لئے سوچنے لگے۔ آخر طے پایا کہ یہاں سے چودھری قادر بخش لاہور کو اوند بھیجا جائے اور وہ کسی نہ کسی طرح حضرت کو وہاں سے رہا کرا لائے۔ چنانچہ اس تجویز کے تحت اس نے اوند میں جا کر رہائش اختیار کر لی اور چند روز کے بعد ایک رات کو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح قلعہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا اور داخل ہوتے ہی تمام پابہ زنجیر اسیروں کی زنجیریں کاٹنی شروع کر دیں۔ مگر حضرت نے از راہِ شفقت و عنایت یہ نہ چاہا کہ پہلے اُن کی رہائی عمل میں آئے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے دوسرے قیدیوں کو رہا کرایا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی اور آپ کے ہم جد ڈھولن شاہ کی اور ایک خادم کی رہائی عمل میں نہ آسکی اور صبح نمودار ہو گئی۔ چودھری قادر بخش، اس کے ہمراہی اور دیگر

خدام تو قلعہ کی دیوار پھاند کر بھاگ گئے۔ مگر آپ اور آپ کا ایک بھائی قلعہ کے اندر ہی رہ گئے۔ ڈھولن شاہ نے پا بہ زنجیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو قلعہ کی دیوار کے نیچے گرا دیا جس سے وہ سخت مجروح ہوئے اور ایک خادم انہیں اپنے گھوڑے پر اٹھا کر لے گیا۔ اتفاقاً راستے میں گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور سید ڈھولن شاہ گھوڑے سے گر پڑے۔ خادم نے اس خوف سے کہ صاحب سنگھ بیدی کے آدمی اسے آکر پکڑ نہ لیں انہیں وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ ڈھولن شاہ نے بہ ہزار وقت اپنے آپ کو ایک کھیت میں چھپایا اور دن بھر وہیں پڑے رہے۔ رات کو کھیت کے مالک کا لڑکا وہاں آیا اس نے ڈھولن شاہ کو وہاں نہایت خستہ حالت میں پڑے ہوئے پایا اور یہ حالت جا کر اپنے باپ سے کہی باپ بیٹا سکھ ہونے کے باوجود انہیں اٹھا کر لے گئے اور صلاح یہ ٹھہری کہ رات گزرنے پر صبح کو انہیں اپنے گاؤں پہنچا دیا جائے۔ اُس سکھ نے اپنے ایک مسلمان ہمسایہ کو جو زراعت میں بھی اس کا شریک کار تھا یہ بات بتا کر اُسے تاکید کی یہ راز کسی پر کھلنے نہ پائے۔ مگر اس غدار اور لالچی مسلمان نے صبح ہوتے ہی اُس ظالم و مفسد صاحب سنگھ بیدی کو جا کر اس کی اطلاع دے دی۔ اُس نے فوراً اپنے سوار بھیجے کہ ڈھولن شاہ، اُس سکھ کو اور اس کے لڑکے کو گرفتار کر کے میرے پاس لایا جائے۔ چنانچہ یہ تینوں اسیر ہو کر اُس کے سامنے آئے۔ اُس نے بلا توقف اِن تینوں کو نیز حضرت سردار شاہ کو اور ان کے ایک بھائی کو قلعہ کے اندر قتل کرا دیا اور اس مقتول سکھ کی تمام جائداد اس مخبر مسلمان کو دے دی۔

صاحبِ اسرار الاولیاء کے قول کے مطابق آپ کی ولادت ۱۱۹۵ھ اور شہادت ۱۲۲۸ھ میں واقع ہوئی۔ اِن کے بعد ان کے فرزند سید مدد علی شاہ سجادہ نشین ہوئے جو علم و فضل اور ارشاد و ہدایتِ خلق میں اپنے پدر بزرگوار کے صحیح جانشین تھے۔

قطعۂ تاریخِ ولادت و وفات:

شہ و سردار محبوب الٰہی	شریف و سید و اشراف و دیندار
شد از دل عارفِ مشتاق پیدا	پئے تولیدِ آں سردار و ابرار
بوصلش "متقی زاہد شہنشاہ"	دگر برخواں "مقدس یہ اخیار"
۱۲۲۸ھ	۱۱۹۵ھ

۱۷۸۔ حضرت شاہ غلام نبی قدس سرہٗ صاحبِ حجرہ

اپنے عالی مرتبت والد حضرت محمود بن محمد عظیم رحمۃ اللہ علیہم کے شاگرد اور مرید و خلیفہ تھے۔ پدر بزرگوار کے فیضِ نظر سے صاحبِ علم و فضل و خوارق و کرامت تھے۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ سے استفادہ کیا۔

نقل ہے ایک دفعہ موسمِ برسات میں دریائے راوی بڑی طغیانی پر تھا۔ امواجِ دریا شہر لاہور کی فصیل سے ٹکرا رہی تھیں۔ حتیٰ کہ کشتی میں سفر کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ انہی ایام میں حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش کا سالانہ عرس آگیا۔ آپ نے اپنے مرید عمر الدین سے کہا: آج ہمیں عرس پر جانا ہے۔ اس نے عرض کیا، حضرت پانی اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ کشتی میں بھی عبور کرنا مشکل ہے۔ فرمایا: غم نہ کرو۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) پس آپ نے موضع بیگم کوٹ سے دریا میں قدم ڈال دیا اور عمر الدین سے کہا، میرے قدم بقدم چلے آؤ اور دل میں کچھ اندیشہ نہ لاؤ۔ آج پانی ہمارے ٹخنوں تک ہے۔ چنانچہ وہ بھی حکمِ مرشد کے مطابق آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اس طرح دریا عبور کر کے مزار حضرت داتا گنج بخش پر پہنچ گئے۔ ۱۲۲۷ھ میں وفات پائی۔ مزار لاہور میں مضافاتِ بیگم کوٹ میں بیان کیا جاتا ہے۔

رفت زیں دیر چوں بخلدِ بریں! حاکمِ دیں شاہ غلام نبی
گفت بتاریخ وصالش خرد "طالب اللہ و غلام نبیؐ"

۱۲۲۷ھ

۱۷۹۔ سید قطب الدین المعروف بہ قطب الانام گیلانی قدس سرہٗ

قطب الدین نام، قطب الانام لقب، سید صدر الدین بن سید عبد الرزاق صاحبِ حجرہ کے نامور فرزندِ ارجمند تھے۔ جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی تھے۔ علم و حلم، زہد و ورع، عبادت و ریاضت اور جود و سخا میں یگانۂ آفاق تھے۔ تمام عمر طلبہ و مریدین کی تہذیب و تکمیل میں گزاری۔ ایک خلقِ کثیر نے آپ کی ذاتِ گرامی سے اکتسابِ فیض کیا۔

نقل ہے ایک دفعہ آپ کے جدِ بزرگوار سید عبدالرزاق بیمار ہو گئے، جب بیماری طویل ہو گئی تو آپ کے والدِ ماجد سید صدرالدین نے بارگاہِ خداوندی میں منت مانی کہ میں اپنے پدر بزرگوار کی صحت یابی کے لئے اپنے بیٹے قطب الدین کو تصدق کر دوں گا۔ ابھی آپ نے یہ بات پوری بھی نہ کہی تھی کہ قطب الدین جن کی عمر اس وقت چودہ برس کی تھی اپنی جگہ سے اُٹھے اور اپنے جدِ امجد کے گرد سات بار طواف کیا اور دادا جان کی دستار مبارک کو چارپائی سے اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ ان کے والد نے جب ان کی یہ حرکت دیکھی تو اپنے والد محترم کی ناراضی کے پیشِ نظر خاموش رہے۔ سید عبدالرزاق نے اسی وقت فرمایا: اے صدرالدین پشیمان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے تیری نذر کو قبول فرمایا ہے اور وہ طواف کر کے تصدق ہو گیا ہے۔ سر پر پگڑی رکھنے سے یہ اشارہ ہے کہ وہ کسی اور کے توسل کے بغیر میرا جانشین ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا اپنے والد کی وفات کے بعد یہی سجادہ نشین ہوئے باوجودیکہ سردار علی خلف سید مدد علی موجود تھے۔ سید نعمت علی اور ان کی محترمہ ہمشیرہ نے بھی آپ ہی کی سجادگی پر اظہارِ رضامندی کیا۔

نقل ہے محمد شاہ اور احمد شاہ قریشی دونوں بھائی آپ کے مُرید تھے اور قصبہ جھنگ سیالاں میں سکونت رکھتے تھے ان کی ہمشیرہ لاولد تھی۔ ایک دفعہ آپ جھنگ تشریف لے گئے تو اس خاتون نے آپ کے قدم پکڑ لئے اور عرض کیا کہ میں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گی جب تک آپ مجھے فرزند کی بشارت نہ دیں گے۔ آپ نے فرمایا، تیری قسمت میں فرزند نہیں ہے مگر ہمارے ہاں ایک فرزند کا ہونا مقدر ہے وہ فرزند ہم نے تجھے دیا۔ یہ مژدہ سُن کر اس خاتون نے آپ کے قدم چھوڑ دیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے فرزند سے نوازا اور اس کا نام بہادر شاہ رکھا گیا۔

صاحبِ اسرار الاولیاء کے قول کے مطابق آپ کی ولادت ۱۱۸۲ھ میں ہوئی اور وفات ۶۔ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ میں پائی۔ پہلے بیگم کوٹ میں مدفون ہوئے پھر سید مدد علی شاہ نعشِ مبارک کو نکال کر بمقام حجرہ لے گئے اور وہاں دفن کیا۔ قطعۂ تاریخِ ولادت و وفات:

قطبِ اقطاب آں شہ قطب الانام — میر قطب الدین ولیٔ متقی!
سالِ تولیدش ز چرخِ چارمیں — طرفہ "خورشید نبیؐ" شد منجلی
رحلتش مخدومِ نعمت کن رقم — نیز "قطب الافضلیں کامل ولیؒ"
۱۲۵۰ ۱۲

۱۸۰۔ شیخ مسلم خاں قدس سرہٗ

پنجاب کے طبقۂ امراء سے تھے۔ ترکِ علائق کرکے راہِ سلوک میں قدم رکھا اور شاہ سردار قادری کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر تکمیلِ سلوک کی اور خرقۂ خلافت پایا۔ مرشد کے کامل ترین اور فاضل ترین خلفاء سے تھے۔ وفاتِ مرشد کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور تمام عمر ارشاد و ہدایتِ خلق میں مصروف رہے۔ ۱۲۵۴ھ میں وفات پائی۔

جنابِ شیخ مسلم خان والا — بہ جنت رفت زیں دنیائے پرشور
چوں تاریخِ وصالِ او بجستم — ندا آمد ز دل "محبوب منظور"
۱۲۵۴ھ

(الحمدللہ کہ اردو ترجمہ مخزن اوّل و دوم مکمل ہوا)

کتبہ: محمد شریف کڑیالوی

Maktabah Mujaddidiyah
www.maktabah.org

This book has been digitized by Maktabah Mujaddidiyah (www.maktabah.org).

Maktabah Mujaddidiyah does not hold the copyrights of this book. All the copyrights are held by the copyright holders, as mentioned in the book.

Digitized by Maktabah Mujaddidiyah, 2012

Files hosted at Internet Archive [www.archive.org]

We accept donations solely for the purpose of digitizing valuable and rare Islamic books and making them easily accessible through the Internet. If you like this cause and can afford to donate a little money, you can do so through Paypal. Send the money to ghaffari@maktabah.org, or go to the website and click the Donate link at the top.

خزینۃ الاصفیاء

ایک ہزار سے زائد کا برطویل کلام کا ترجمہ ہے

تالیف و تصنیف

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مکتبہ نبویہ

[illegible]

جلد دوم : سلسلۂ چشتیہ

خزینۃُ الاَصفِیاء

مصنّف

مفتی غلام سرور لاہوریؒ

ترجمہ و ترتیب، پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ ○ لاہور

نام کتاب ——— خزینۃ الاصفیاء
نام مولف ——— مفتی غلام سرور لاہوری رحمۃ اللہ علیہ
مترجم ——— پیرزادہ اقبال احمد فاروقی
موضوع ——— تذکرہ خانوادہ چشتیہ
مخزن ———
سال تالیف ——— ۱۲۸۱ھ
سال طباعت ——— فارسی ۱۸۷۳ء
سالِ طباعت ترجمہ ——— 2001
طابع ——— کمبائن پریس لاہور
ناشر ——— مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
صفحات ——— ۴۹۴
سائز ——— ۱۸ x ۲۳
قیمت ——— 135 روپے
کتابت ——— چوہدری محمد زبیر کاہلوں معصوم گنج لاہور

فہرست مضامین

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ	نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱	اسمائے گرامی چشت اولیائے	۱۱	۱۴	حضرت خواجہ احمد چشتیؒ	۵۴
۲	حضرت حسن بصریؒ	۱۱	۱۵	حضرت شاہ محمود سنجانؒ	۵۵
۳	حضرت عبدالواحد بن زیدؒ	۱۵	۱۶	حضرت حاجی شریفؒ	۵۵
۴	حضرت خواجہ فضیل عیاضؒ	۲۰	۱۷	حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ	۵۷
۵	حضرت سلطان ابراہیم ادہمؒ	۲۴	۱۸	حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجریؒ	۶۱
۶	حضرت خذیفۃ المرعشیؒ	۳۲	۱۹	حضرت قطب الدین بختیارؒ	۷۶
۷	حضرت خواجہ ہبیرۃ البصریؒ	۳۴	۲۰	حضرت شاہ شمس الدین التمشؒ	۹۰
۸	حضرت خواجہ علو دینوریؒ	۳۴	۲۱	حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ	۹۳
۹	حضرت ابو اسحاق شامیؒ	۳۷	۲۲	حضرت محمد ترکستانوریؒ	۱۰۲
۱۰	حضرت ابو احمد چشتیؒ	۳۹	۲۳	حضرت فخر الدین چشتیؒ	۱۰۴
۱۱	حضرت ابو محمد چشتیؒ	۴۲	۲۴	حضرت خواجہ محمود مونیہ دوزؒ	۱۰۴
۱۲	حضرت ابو یوسف چشتیؒ	۴۶	۲۵	حضرت شیخ عبدالدین غزنویؒ	۱۰۵
۱۳	حضرت مودود چشتیؒ	۴۹	۲۶	حضرت شیخ جمال ہانسویؒ	۱۰۵

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۲۷	حضرت شیخ احمد نہروانیؒ	۱۰۷
۲۸	حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ	۱۰۸
۲۹	حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ	۱۳۹
۳۰	حضرت شیخ نظام الدین ابوالمویدؒ	۱۴۲
۳۱	حضرت شیخ حمید الدین صوفیؒ	۱۴۴
۳۲	حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ	۱۴۶
۳۳	حضرت محمد صابر چشتیؒ	۱۵۱
۳۴	حضرت شیخ داؤد پالہےؒ	۱۵۱
۳۵	حضرت عبد العزیز ناگورےؒ	۱۵۲
۳۶	حضرت سید امام علی ناحقؒ	۱۵۲
۳۷	حضرت شیخ برہان الدین محمودؒ	۱۵۲
۳۸	حضرت خواجہ علاؤ الدین صابرؒ	۱۵۳
۳۹	حضرت بدر الدین بن علی چشتیؒ	۱۵۹
۴۰	حضرت خواجہ منتخب الدین چشتیؒ	۱۶۱
۴۱	حضرت سید محمد کرمانیؒ	۱۶۲
۴۲	حضرت شیخ نظام الدین کرمانیؒ	۱۶۳
۴۳	حضرت شیخ شمس الدین پانی پتیؒ	۱۶۳
۴۴	حضرت قاضی محی الدین کاشانیؒ	۱۶۹
۴۵	حضرت خواجہ علاؤ الدین چشتیؒ	۱۷۰
۴۶	حضرت خواجہ شمس الدین چشتیؒ	۱۷۱
۴۷	حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ	۱۷۲
۴۸	حضرت خواجہ نظام الدین بدایونیؒ	۱۷۵
۴۹	حضرت خواجہ امیر خسروؒ	۱۹۳
۵۰	حضرت مولانا موید الدینؒ	۱۹۸
۵۱	حضرت وجیہ الدین یوسفؒ	۱۹۹
۵۲	حضرت خواجہ امام چشتیؒ	۲۰۰
۵۳	حضرت حسام الدین تتاریؒ	۲۰۰
۵۴	حضرت خواجہ فخر الدین روزےؒ	۲۰۲
۵۵	حضرت میر حسن علامی سنجریؒ	۲۰۳
۵۶	حضرت مولانا ضیاء الدین برنیؒ	۲۰۴
۵۷	حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ	۲۰۷
۵۸	حضرت شیخ حسام الدین سوختہؒ	۲۰۸
۵۹	حضرت عزیز الدین صوفیؒ	۲۰۸
۶۰	حضرت شیخ شمس الدین یکیؒ	۲۱۱
۶۱	حضرت ملک زادہ احمدؒ	۲۱۲
۶۲	حضرت شیخ دانیال چشتیؒ	۲۱۳
۶۳	حضرت مولانا فخر الدین زادےؒ	۲۱۴
۶۴	حضرت ضیاء الدین نخشبیؒ	۲۱۵
۶۵	حضرت فرید الدین ناگوریؒ	۲۱۶
۶۶	حضرت شیخ کمال الدین علامہؒ	۲۱۸

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۶۷	حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ	۲۱۹
۶۸	حضرت اخی سراج الدین بدایونیؒ	۲۲۶
۶۹	حضرت شیخ صدر الدین حکیمؒ	۲۲۷
۷۰	حضرت قطب الدین منورؒ	۲۲۹
۷۱	حضرت خواجہ معین الدین خوردؒ	۲۳۲
۷۲	حضرت علاؤ الدین نیلےؒ	۲۳۳
۷۳	حضرت سراج الدین چشتیؒ	۲۳۴
۷۴	حضرت جلال الدین محمود پانی پتیؒ	۲۳۴
۷۵	حضرت شیخ حمید قلندرؒ	۲۳۹
۷۶	حضرت سید محمد بن مبارکؒ	۲۴۱
۷۷	حضرت یوسف چشتیؒ	۲۴۲
۷۸	حضرت تاج الدین شیر سوارؒ	۲۴۳
۷۹	حضرت شیخ عبد المقتدرؒ	۲۴۴
۸۰	حضرت شیخ علاء الدین بنگالیؒ	۲۴۵
۸۱	حضرت حسام الدین فتحپوریؒ	۲۴۸
۸۲	حضرت قاضی ساویؒ	۲۴۹
۸۳	حضرت سعد اللہ کیسہ دارؒ	۲۵۰
۸۴	حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ	۲۵۱
۸۵	حضرت اختیار الدین عمر ایرجیؒ	۲۶۲
۸۶	حضرت مولانا خواجگی چشتیؒ	۲۶۲
۸۷	حضرت شیخ احمد تھانیسریؒ	۲۶۴
۸۸	حضرت شیخ فتح اللہ اودہیؒ	۲۶۶
۸۹	حضرت عین الدین قتالؒ	۲۶۷
۹۰	حضرت سید محمد گیسو درازؒ	۲۶۸
۹۱	حضرت محمد متوکل کنتوریؒ	۲۷۱
۹۲	حضرت شیخ یوسف بدہ ایرجیؒ	۲۷۲
۹۳	حضرت شیخ احمد عبد الحق رودولیؒ	۲۷۳
۹۴	حضرت شیخ شیر خان بک چشتیؒ	۲۷۸
۹۵	حضرت شیخ قوام الدین چشتیؒ	۲۸۰
۹۶	حضرت شیخ سارنگ چشتیؒ	۲۸۱
۹۷	حضرت قاضی شہاب الدینؒ	۲۸۴
۹۸	حضرت میر سید اللہ چشتیؒ	۲۸۵
۹۹	حضرت شیخ نور الدین قطب عالمؒ	۲۸۶
۱۰۰	حضرت شیخ شبلی پانی پتیؒ	۲۸۸
۱۰۱	حضرت علاؤ الدین قریشیؒ	۲۸۹
۱۰۲	حضرت بہرام چشتیؒ	۲۹۰
۱۰۳	حضرت کبیر چشتیؒ	۲۹۲
۱۰۴	حضرت ابو الفتح جونپوریؒ	۲۹۲
۱۰۵	حضرت شیخ عارف چشتیؒ	۲۹۴
۱۰۶	حضرت ابو الفتح قریشیؒ	۲۹۵

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱۰۷	حضرت شیخ پیارا رح	۲۹۶
۱۰۸	حضرت شیخ مینا چشتی رح	۲۹۷
۱۰۹	حضرت شمس الدین طاہر رح	۲۹۹
۱۱۰	حضرت جلال الدین گجراتی رح	۳۰۰
۱۱۱	حضرت شاہ کاکو لاہوری رح	۳۰۱
۱۱۲	حضرت حسام الدین مانکپوری رح	۳۰۲
۱۱۳	حضرت سعد الدین خیر آبادی رح	۳۰۴
۱۱۴	حضرت شاہ میانجے رح	۳۰۵
۱۱۵	حضرت سید محمد بن جعفر مکی رح	۳۰۶
۱۱۶	حضرت سید محمد فلادہ رح	۳۱۲
۱۱۷	حضرت جنید حصارے رح	۳۱۴
۱۱۸	حضرت حسین لاگوری رح	۳۱۵
۱۱۹	حضرت راجی حامد شاہ رح	۳۱۹
۱۲۰	حضرت شیخ حسن طاہر رح	۳۲۰
۱۲۱	حضرت شیخ بختیار چشتی رح	۳۲۱
۱۲۲	حضرت شیخ محمد عیسیٰ رح	۳۲۳
۱۲۳	حضرت شیخ عزیز اللہ متوکل رح	۳۲۴
۱۲۴	حضرت الہ داد جونپوری رح	۳۲۵
۱۲۵	حضرت شیخ احمد مجد شیبانی رح	۳۲۶
۱۲۶	حضرت شاہ سیدو رح	۳۳۰
۱۲۷	حضرت شیخ محمد حسن چشتی رح	۳۳۱
۱۲۸	حضرت شیخ عبد القدیر گنگوہی رح	۳۳۲
۱۲۹	حضرت عبد الکبیر بالا پیر پانی پتی رح	۳۳۶
۱۳۰	حضرت بہاء الدین جونپوری رح	۳۳۷
۱۳۱	حضرت خانو گوالیاری رح	۳۳۸
۱۳۲	حضرت شیخ علاؤ الدین اجودہنی رح	۳۳۹
۱۳۳	حضرت جلال الدین قریشی رح	۳۴۰
۱۳۴	حضرت سید سلطان ٹھراکچی رح	۳۴۴
۱۳۵	حضرت سید علی قوام رح	۳۴۵
۱۳۶	حضرت عبد الرزاق جھنجانہ رح	۳۴۶
۱۳۷	حضرت شیخ یوسف چشتی رح	۳۴۷
۱۳۸	حضرت شیخ امان پانی پتی رح	۳۴۸
۱۳۹	حضرت شیخ حمزہ دہرسو رح	۳۵۰
۱۴۰	حضرت حسام الدین متلے رح	۳۵۲
۱۴۱	حضرت میر سید عبد الاول چشتی رح	۳۵۳
۱۴۲	حضرت قاضی خان ظفر آبادی رح	۳۵۴
۱۴۳	حضرت شیخ عبد العزیز طاہر رح	۳۵۵
۱۴۴	حضرت شیخ علی متقے رح	۳۵۶
۱۴۵	حضرت شیخ ادہن جونپورے رح	۳۶۰
۱۴۶	حضرت شیخ اسلیم چشتی رح	۳۶۱

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ	نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱۴۷	حضرت شیخ حسن محمدؒ	۳۶۷	۱۶۷	حضرت شیخ سید چپوؒ	۳۹۳
۱۴۸	حضرت شیخ تقی حائکؒ	۳۶۷	۱۶۸	حضرت شاہ نعمان چشتیؒ	۳۹۵
۱۴۹	حضرت شیخ طاہر گجراتیؒ	۳۶۸	۱۶۹	حضرت خاجی اویس وتوزیؒ	۳۹۶
۱۵۰	حضرت شیخ نظام الدین بکھاریؒ	۳۶۹	۱۷۰	حضرت اخوند سعید شوریانےؒ	۳۹۹
۱۵۱	حضرت شیخ پیارا چشتیؒ	۳۷۲	۱۷۱	حضرت نظام الدین پانی پتیؒ	۴۰۰
۱۵۲	حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ	۳۷۳	۱۷۲	حضرت رحمت شوربانےؒ	۴۰۱
۱۵۳	حضرت شیخ رزق اللہؒ	۳۷۵	۱۷۳	حضرت شیخ محمد بن فضل اللہؒ	۴۰۲
۱۵۴	حضرت شیخ اسحاق چشتیؒ	۳۷۶	۱۷۴	حضرت شیخ احمد شوریانیؒ	۴۰۳
۱۵۵	حضرت عثمان زندہ پیرؒ	۳۷۷	۱۷۵	حضرت محمد سلیم لاہوریؒ	۴۰۴
۱۵۶	حضرت شیخ دانیال چشتیؒ	۳۷۹	۱۷۶	حضرت میر سید محمد کالپویؒ	۴۰۵
۱۵۷	حضرت فتح اللہ سنبھلیؒ	۳۸۰	۱۷۷	حضرت شاہ اعلیٰ پانی پتیؒ	۴۰۶
۱۵۸	حضرت شیخ نظام نارنولیؒ	۳۸۲	۱۷۸	حضرت بایزید تبک زیؒ	۴۰۹
۱۵۹	حضرت شیخ طاہا چشتیؒ	۳۸۳	۱۷۹	حضرت خواجہ نظام الدین ملتجیؒ	۴۱۲
۱۶۰	حضرت شیخ مٹھ کاکرونیؒ	۳۸۵	۱۸۰	حضرت شیخ جان اللہ لاہوریؒ	۴۱۷
۱۶۱	حضرت شیخ کبیر جولاہہؒ	۳۸۵	۱۸۱	حضرت سید علی خواص ترمذیؒ	۴۱۸
۱۶۲	حضرت شیخ ولی چشتیؒ	۳۸۶	۱۸۲	حضرت سید محمد مہدیؒ	۴۱۸
۱۶۳	حضرت عبداللہ انصاریؒ	۳۸۷	۱۸۳	حضرت شیخ محمد اعظمؒ	۴۱۹
۱۶۴	حضرت اختیار الدین مروانیؒ	۳۸۸	۱۸۴	حضرت حاجی لگنؒ	۴۲۰
۱۶۵	حضرت جلال الدین کاسیؒ	۳۸۹	۱۸۵	حضرت عبدالجلیل لکھنویؒ	۴۲۲
۱۶۶	حضرت سید مزمل چشتیؒ	۳۹۲	۱۸۶	حضرت حاجی عبدالکریم لاہوریؒ	۴۲۳

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱۸۷	حضرت درویزہ پشاوریؒ	۴۲۵
۱۸۸	حضرت بندگی شیخ ابوسعید چشتیؒ	۴۲۶
۱۸۹	حضرت شیخ الہداد روڑیؒ	۴۲۸
۱۹۰	حضرت ملک محمد جائسیؒ	۴۲۹
۱۹۱	حضرت عبدالرشید جونپوریؒ	۴۲۹
۱۹۲	حضرت سید احمد گیسو دراز کالپویؒ	۴۳۰
۱۹۳	حضرت شیخ محمد صادق گنگوہیؒ	۴۳۱
۱۹۴	حضرت شیخ عبدالخالق لاہوریؒ	۴۳۴
۱۹۵	حضرت شیخ عارف چشتیؒ	۴۳۴
۱۹۶	حضرت اسماعیل اکبرآبادیؒ	۴۳۵
۱۹۷	حضرت سعید خان میانہؒ	۴۳۵
۱۹۸	حضرت شیخ بہوگی افغانؒ	۴۳۶
۱۹۹	حضرت شیخ محمد عارف صابری لاہوریؒ	۴۳۷
۲۰۰	حضرت عبدالکریم پشاوریؒ	۴۳۸
۲۰۱	حضرت شیخ پنجو پشاوریؒ	۴۳۹
۲۰۲	حضرت پیر محمد سلونؒ	۴۴۰
۲۰۳	حضرت شیخ یحییٰ گجراتیؒ	۴۴۱
۲۰۴	حضرت شیخ جنید موبانیؒ	۴۴۱
۲۰۵	حضرت شیخ حلیب جبرےؒ	۴۴۲
۲۰۶	حضرت پیر محمد لکھنوے	۴۴۳
۲۰۷	حضرت شیخ محمد صدیق چشتیؒ	۴۴۴
۲۰۸	حضرت شیخ محمد داود چشتیؒ	۴۴۵
۲۰۹	حضرت شاہ ابوالمعالیؒ	۴۴۷
۲۱۰	حضرت شیخ عبدالرشید جالندھریؒ	۴۵۰
۲۱۱	حضرت شیخ سوندھا چشتیؒ	۴۵۱
۲۱۲	حضرت سید میران بکھیہ چشتیؒ	۴۵۵
۲۱۳	حضرت سید عتیق اللہ چشتیؒ	۴۶۱
۲۱۴	حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ	۴۶۲
۲۱۵	حضرت کلیم اللہ جہان آبادیؒ	۴۶۲
۲۱۶	حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ	۴۶۳
۲۱۷	حضرت شیخ محمد سلیم چشتی لاہوریؒ	۴۶۶
۲۱۸	حضرت شاہ بہلول بوکی چشتیؒ	۴۶۷
۲۱۹	حضرت شاہ لطف اللہ چشتیؒ	۴۶۸
۲۲۰	حضرت مولانا فخرالدین لاہوریؒ	۴۶۸
۲۲۱	حضرت سید علیم اللہ چشتیؒ	۴۷۷
۲۲۲	حضرت شیخ نور محمد چشتیؒ	۴۷۹
۲۲۳	حضرت سید علی شاہ چشتیؒ	۴۸۳
۲۲۴	حضرت شیخ محمد سعید شرقپوریؒ	۴۸۳
۲۲۵	حضرت شیخ محمد سعید چشتیؒ	۴۸۵
۲۲۶	حضرت خیر شاہ چشتیؒ	۴۸۶

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۲۲۷	حضرت سیدا عظم چشتیؒ	۴۸۶
۲۲۸	حضرت حافظ موسیٰ چشتیؒ	۴۸۶
۲۲۹	حضرت شاہ نیاز احمد چشتیؒ	۴۸۷
۲۳۰	حضرت خواجہ محمد سلیمان چشتیؒ	۴۸۹
۲۳۱	حضرت مولوی غلام مصطفےٰ وزیر آبادیؒ	۴۹۱
۲۳۲	حضرت مولوی امانت علی چشتیؒ	۴۹۱
۲۳۳	حضرت شیخ حاجی رمضان لاہوریؒ	۴۹۲
۲۳۴	حضرت شیخ فیض بخش لاہوریؒ	۴۹۳

سلسلۂ چشت اہلِ بہشت

چشتی سلسلے کے سرخیل اور امام حضرت خواجہ حسن بصری

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ:۔ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ قطب الاقطاب قدوۃ المحققین سراج الطالبین، مقتدائے اہل ولائیت اور قبلۂ ارباب ہدایت تھے۔ آپ کی کُنیّت ابو محمد تھی۔ بعض کتابوں میں ابو سعید بھی لکھی پائی گئی۔ آپ شہنشاہ مرسلین جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم تابعین میں سے تھے آپ ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر تھے۔ آپ کو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے خلافت ملی تھی۔ یہ وہی خرقۂ خلافت تھا جو معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔ حضور نے یہ خرقۂ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو دیا اور آپ نے خواجہ حسن بصری کو عطا فرمایا۔

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بڑے کرامات اور مقامات کے مالک تھے آپ کے فضائل بے شمار کتابوں میں ملتے ہیں۔ آپ نصیحت اور وعظ کے علاوہ کوئی بات نہ کرتے تھے اور حضور کی سُنت پر شب و روز عمل کرتے۔ آپ کا جذبۂ قلب اتنا زیادہ تھا کہ اگر کوئی گنہگار یا کوئی فاجر محفل میں حاضر ہوتا تو توجہ کئے بغیر نہ رہتا۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھی۔ اور آپ کے والد موسیٰ راعی ابن خواجہ اویس قرنی تھے۔

آپ مدینۂ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ظاہری حسن و جمال کی وجہ سے آپ کو حسن لولوی

(موتی) کہتے آپ نے تجارت میں بڑی دولت حاصل کی۔ اور آپ موتیوں اور مروارید کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ جن دنوں آپ اللہ کی طرف راغب ہوئے تو اپنی ساری دولت مسکینوں غریبوں اور فقیروں میں تقسیم کر دی۔ حتیٰ کہ آپ کے پاس ایک دن کی روٹی کا خرچ نہ رہا۔ آپ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کا دامن پکڑ کر کا ملان وقت میں شامل ہو گئے آپ زہد و ریاضت میں اس قدر مشغول رہتے تھے۔ کہ سات سات دن تک کھانا نہ کھاتے اس طرح آپ نے ستر سال باوضو رہ کر اللہ کی عبادت کی۔

جس دن خواجہ حسن بصری پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ جھولی میں لئے حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ بچے کو دیکھتے ہی حضرت عمر نے فرمایا۔ تسموا حسن انہ احسن ابوجہہٗ (اس کا نام حسن رکھو یہ تو بہت ہی خوبصورت بچہ ہے) آپ شیر خوارگی کی حالت میں اپنی والدہ سے جو گھر کے کام میں مشغول ہوتیں علیحدہ ہوتے تو بعض اوقات بھوک کی وجہ سے روتے۔ حضرت اُم سلمہٗ اپنے پستان مبارک کو بچے کے منہ سے لگا لیتیں تو غیب سے دودھ کے چند قطرے بچے کے منہ میں ٹپکتے اور اس طرح حسن بصری خاموش ہو جاتے۔ حضرت اُم سلمہٗ ہمیشہ آپ کے حق میں دعائے خیر کرتیں اور فرماتیں۔ الٰہی اس بچے کو مسلمانوں کا رہنما بنانا چنانچہ آپ کی دعا سے ایسا ہی ہوا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو تیس صحابۂ کرام کی زیارت کی تھی۔ جن میں سات وہ صحابی تھے جو میدانِ بدر میں جہاد کرتے رہے۔

حضرت خواجہ حسن بصری ابھی بچے تھے کہ بی بی اُم سلمہٗ کے گھر میں اُس کوزے سے پانی پی لیتے جو حضور علیہ الصلوٰۃ کے لئے خاص تھا۔ ایک دن حضور گھر تشریف لائے پوچھا کہ ہمارے کوزے سے کس نے پانی پیا ہے۔ حضرت اُم سلمہٗ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس بچے حسن بصری نے پانی پیا ہے آپ نے فرمایا کہ اس نے جتنا پانی پیا اسی قدر میرا

علم اس کے وجود میں سرایت کر گیا ہے۔ حضور خواجہ حسن بصری کو نہایت محبت کے ساتھ اپنی گود میں اٹھا کر پیار کرتے۔

ایک رات خواجہ حسن بصری اپنے مکان کی چھت پر اللہ کی عبادت میں مشغول تھے آپ اس قدر روئے کہ آنکھوں کا پانی پرنالے سے نیچے بہنے لگا۔ گلی سے کوئی شخص گزر رہا تھا اُس کے کپڑوں پر قطرے پڑے تو بلند آواز سے کہنے لگا۔ اے اللہ کے بندو یہ پانی پاک ہے یا پلید۔ خواجہ حسن بصری نے بلند آواز سے کہا کہ اپنے کپڑے دھو لینا یہ ایک نہایت ہی گنہگار کی آنکھوں کے آنسوؤں کا پانی ہے۔"

ایک دن خواجہ حسن بصری نے اپنے ملازم کو کہا کہ میرے لئے بازار سے نان اور مچھلی لاؤ۔ جب وہ نوکر لایا اور سامنے رکھی تو آپ نے فرمایا۔ معاذ اللہ گنہگار بندے کو ایسا لذیذ کھانے سے کیا سروکار ہے نوکر نے کہا حضور میں تو آپ کے ارشاد پر نان اور مچھلی لایا تھا۔ آپ نے نعرہ مارا اور رونے لگے۔ چالیس دن تک کوئی چیز نہ کھائی اور فرمایا کہ میں اپنے آپ کو سزا دوں گا کہ میں نے لذیذ طعام کی خواہش کی تھی۔

ایک دفعہ خواجہ حسن بصری ایک قافلے کے ساتھ حج کو جا رہے تھے یہ قافلہ ایسے بیابان سے گزرا جہاں دُور دُور تک پانی کا نام و نشان نہ تھا لوگ تلاش کرتے کرتے ایک جگہ پہنچے جہاں کنواں تو تھا مگر رسی اور ڈول نہ تھا۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ سوچنے لگے اب کیا کیا جائے۔ خواجہ حسن بصری نے کہا تھوڑا سا صبر کرو۔ میں نماز پڑھ لوں تم پھر پانی پی لینا آپ اُٹھے نماز میں کھڑے ہو گئے اُدھر کنواں کے پانی میں جوش آیا اور وہ کناروں تک اچھلنے لگا۔ تمام لوگوں نے پانی پی لیا۔ ایک شخص نے لالچ کرتے ہوئے پانی سے ایک مشکیزہ بھر لیا تو پانی پھر کنویں کی تہ میں چلا گیا۔ خواجہ حسن نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ اگر یہ دوست مشکیزہ نہ بھرتا تو کنویں کا پانی کبھی نیچے نہ جاتا۔

حضرت خواجہ حسن بصری کا ایک ہمسایہ تھا جو آتش پرستی کرتا تھا اس کا نام شمعون تھا۔ ایک دفعہ وہ ایسا بیمار ہوا کہ موت کے قریب پہنچ گیا حضرت خواجہ کو اُس کی خبر ہوئی تو بیمار پُرسی کے لئے اُس کے گھر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا اے شمعون تم نے ساری عمر آتش پرستی میں گزار دی ہے اب چند لمحے زندگی باقی رہ گئی ہے اگر تم اللہ کی توحید اور حضور کی رسالت کا اقرار کر لو تو میں یقین دلاتا ہوں کہ دوزخ کی آگ سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاؤ گے۔ اس نے کہا بات تو سچی ہے مگر میں چاہتا ہوں دوزخ سے آزادی کا ایک خط لکھ دیں اور اُس پر اپنے دستخط کر دیں پھر میں کلمہ پڑھ لوں گا۔ حضرت خواجہ حسن بصری نے اُسی وقت ایک تحریر لکھ دی کہ آج سے تم دوزخ کی آگ سے آزاد ہو اور بہشت کی نعمت سے مالا و مال ہو۔ شمعون اسلام لے آیا اور وصیت کی کہ یہ رقعہ میرے کفن میں رکھ کر دفنایا جائے۔ مرنے کے بعد حضرت خواجہ نے اُسے خواب میں دیکھا کہ وہ شاہی تاج سر پر رکھے ہوئے اور بہشتی لباس پہنے ہوئے ٹہل رہا ہے۔ خواجہ نے اس سے حال پوچھا تو کہنے لگا آپ کے خط کی وجہ سے اللہ نے مجھے بخش دیا اور اپنے انعامات سے مجھے نوازا ہے۔

سید الاقطاب کے مصنّف نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کی خدمت میں جنّوں کی ایک جماعت حاضر ہوا کرتی تھی۔ آپ انہیں دین کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت خواجہ کے دوستوں میں سے ایک نے بیان کیا ایک دن سحری کے وقت میں خواجہ حسن بصری کی مسجد میں گیا تو دیکھا کہ مسجد کا دروازہ اندر سے بند ہے میں نے دروازے کی سوراخ سے اندر دیکھا تو ساری مسجد لوگوں سے بھری ہوئی ہے اور حضرت خواجہ دُعا مانگ رہے ہیں سب لوگ آمین کہہ رہے ہیں۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت خواجہ محراب سے اُٹھے اور آکر دروازہ کھولا۔ میں نے دیکھا مسجد میں صرف حضرت خواجہ تنہا موجود ہیں۔ اور دوسرے سب آدمی غائب ہیں۔ میں نے صورت حال دریافت کی تو حضرت

خواجہ نے فرمایا یہ تمام جن تھے جو دینی علم کے لئے میرے پاس آتے ہیں۔ یاد رکھو یہ ایک راز ہے میری زندگی میں کسی کو نہ بتانا۔

حضرت خواجہ حسن کے پانچ کامل خلفاء ہوئے ہیں پہلے خواجہ عبدالواحد بن زید دوسرے ابن زرین تیسرے حبیب عجمی چوتھے شیخ عتبہ بن غلام پانچویں شیخ محمد واسع رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ یہ لوگ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد مسندِ ارشاد پر بیٹھے اور مختلف سلسلوں میں طریقت کو جاری کرتے رہے بی بی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا بھی خواجہ حسن بصری کے خلفاء میں سے تھیں۔

خواجہ حسن بصری چہارم ماہ محرم الحرام ایک سو گیارہ[۱۱۱] ہجری کو فوت ہوئے۔

مخزن الواصلین کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ بروز جمعہ پانچ رجب المرجب ایک سو بارہ[۱۱۲] ہجری میں فوت ہوئے تھے۔ لیکن ہمارے نزدیک پہلا قول درست ہے یہ تاریخ وفات سیر الاقطاب اور سفینۃ الاولیاء اور تذکرۃ العاشقین کے معتبر مصنفین نے بھی لکھی ہے۔

تاریخ وفات :۔

خواجہ دور زمن آن محسنِ احسن حسن
زیب بصرہ زینت دین مقتدا و متقی
سال وصلش قطب[۱۱۱] گو اعلی بداں[۱۱۱] سالک نجواں[۱۱۱]
ہم ولی امجد[۱۱۲] ہمایوں[۱۱۲] ہادی[۱۱۰] ملک[۱۱۰] علی[۱۱۰]

خواجہ عبدالواحد بن زید قدس سرہٗ:۔ آپ حضرت حسن بصری کے خلیفۂ برحق تھے۔ صاحب کشف و کرامات اور جامع البرکات تھے۔ اپنے زمانے کے بہترین شیخ اور اولیاء کے امام مانے جاتے تھے۔ آپ کی کُنیّت ابوالفضل تھی اور خواجہ حسن بصری سے خرقۂ خلافت ملا تھا۔ اس خلافت

کے علاوہ آپ کو خواجہ کمیل بن زیاد سے بھی خرقۂ تبرک ملا تھا۔ خواجہ عبدالواحد ہمیشہ روزہ رکھتے اور رات بھر جاگتے۔ تین تین دن کے بعد افطاری کرتے۔ اُس پر بھی تین لقموں سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔ آپ کی طبیعت پر تجرید اور تفرید اس قدر غالب تھی کہ انہیں جو کچھ ملتا اللہ کی راہ میں لٹا دیتے تھے۔ اگر کسی وقت کسی فقیر کو روپیہ پیسہ دیتے تو اپنے ہاتھ کو اتنی بار دھوتے کہ روپے کا اثر نہ رہتا۔ حضرت عبدالواحد مرید ہونے سے پہلے چالیس سال تک مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول رہے۔ آپ نے ظاہری علوم بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے حاصل کئے تھے۔

خواجہ عبدالواحد نے ایک دفعہ ایک غلام خریدا اُسے حکم دیا کہ وہ رات بھر جاگتا رہے اور میری خدمت کرتا رہے۔ رات ہوئی مگر غلام غائب تھا۔ صبح آیا تو حضرت خواجہ کے ہاتھ میں ایک روپیہ لاکر دیا۔ یہ ایسا سکہ تھا جس پر بادشاہ کی مہر کی بجائے سورۃ اخلاص لکھی ہوئی تھی۔ اور ساتھ ہی عرض کی کہ اگر مجھے ہر رات چھٹی دے دیا کریں تو میں ہر رات آپ کو ایسا ہی ایک دینار دیا کروں گا۔ خواجہ عبدالواحد نے یہ بات مان لی۔ ایک عرصہ تک وہ رات کے وقت چلا جاتا اور ایک دینار لاکر دیتا۔ جس پر سورۃ الاخلاص لکھی ہوتی۔ ایک دن حضرت خواجہ کے پاس ایک شخص آیا اور اُس نے بتایا کہ آپ کا یہ غلام رات کو سونا بناتا ہے اور سکوں پر کچھ لکھتا رہتا ہے۔ آپ رات کے وقت اسے چھٹی نہ دیا کریں۔ آپ نے سُن کر فرمایا کہ میں آج رات اس کا امتحان لوں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ رات ہوئی غلام حسبِ معمول خواجہ کے گھر سے نکلا اور روانہ ہو گیا۔ خواجہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے حتیٰ کہ وہ شہر سے باہر جا نکلا۔ تھوڑی دور ایک قبرستان تھا۔ غلام نے اپنے کپڑے اُتار دیئے اور بوریا کا لباس پہن لیا۔ اور اللہ کی بارگاہ میں نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا ساری رات صبح تک نماز پڑھتا رہا۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے دونوں ہاتھ آسمان

کی طرف اُٹھا کر کہنے لگا۔ کہ میرے خواجہ کی چھٹی کا حق مجھے عطا فرما۔ اُسی وقت ایک دینار ہوا سے اُڑتا ہوا زمین پر گرا جو اس نے اُٹھا لیا اور لباس بدل کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ خواجہ کی نظر سے غائب ہو گیا۔ خواجہ بڑے حیران ہوئے۔ روشنی ہوئی تو لوگوں سے اپنے شہر کا پتہ پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ وہ شہر تو یہاں سے دو سال مسافت پر دُور ہے۔ حضرت خواجہ وہیں بیٹھ گئے اور سارا دن حیرانی اور پریشانی میں گزار دیا۔ رات ہوئی تو مقررہ وقت پر غلام اُسی قبرستان میں حاضر ہوا اور عبادت میں مشغول ہو گیا۔ فارغ ہوا تو دینار ہوا سے گرا اُس نے اٹھایا اور خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی یہ دو دینار دو راتوں کا حق خدمت ہے۔ حضرت خواجہ نے کہا جاؤ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ غلام نے زمین سے چند پتھر اٹھائے اور خواجہ کی جھولی میں ڈال دیئے اور کہا کہ یہ میری آزادی کا صلہ ہے۔ یہ کہہ کر روانہ ہوا آپ بھی اس غلام کے پیچھے چل پڑے اور چند لمحوں میں اپنے شہر میں پہنچ گئے۔ اپنے گھر کے دروازے کے پاس پہنچے تو غلام نظر سے غائب ہو گیا۔ جھولی میں سنگریزے دیکھے تو وہ قیمتی موتی تھے انہیں بازار میں بیچ دیا اور لاکھوں روپے لیکر فقیروں میں تقسیم کر دیئے۔ دنیا کو چھوڑ دیا اور ریاضت و مجاہدہ میں مصروف ہو گئے۔ حتیٰ کہ کاملانِ حق میں شمار ہونے لگے۔ آپ کی تبدیلی کی یہ حالت سیر الاقطاب اور دوسری مشہور کتابوں میں پائی جاتی ہے۔

ایک دن خواجہ عبدالواحد وعظ فرما رہے تھے۔ آپ نے اعلان کیا جو شخص اپنے مال و دولت سے ہاتھ اٹھا کر سب کچھ اللہ کے راستے میں قربان کر دے گا۔ اُسے جنت میں بڑا بلند درجہ ملے گا۔ وہ جنت میں ایک بلند محل میں رہے گا اور اُس کے نکاح میں ایک ایسی حور آئے گی جس کا نام عین المرفیہ ہو گا۔ وہ زندگی میں ہی اپنے بہشتی محل کو دیکھ لے گا اور اُس حور کو بھی دیکھے گا۔ آپ کا یہ اعلان سُن کر ایک شخص مجلس سے اُٹھا اور کہنے لگا کہ میں اپنا تمام مال و متاع اللہ کے راستے میں قربان کرتا ہوں آپ

نے فرمایا کہ پہلے عمل کرو پھر ہمارے پاس آؤ۔ وہ گھر گیا اور سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا آیا۔ واپس آیا تو حضرت خواجہ نے اسے اسم اعظم سکھایا اور اُسے مراقبے میں بٹھا دیا اُس نے دیکھا کہ ایک بہت ہی دل کش کھلا باغ ہے اُس میں ایک اونچا محل نظر آرہا ہے اس کی اینٹیں مروارید کے موتیوں کی بنی ہوئی ہیں۔ محل کے صحن میں ایک خوبصورت حور جلوہ فرما ہے جس کا حسن و جمال تقریر و تحریر میں نہیں آسکتا۔ وہ شخص دیکھتے ہی اس پر فدا ہو گیا۔ آگے بڑھا اس حور پر ہاتھ لگانا چاہتا تھا۔ مگر اُس نے کہا میں تمہاری ہوں اور تم میرے شوہر لیکن ابھی میرے اور تمہارے درمیان کچھ فاصلہ باقی ہے۔ بے چینی و بے قراری نہیں ہونی چاہیئے یہ بات سنتے ہی اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیوانہ وار لوٹنے لگا! اور بسمل پرندے کی طرح تڑپنے لگا۔ حضرت خواجہ نے اسے تڑپتے دیکھا تو فرمایا یہ بے قراری اور تڑپ کیوں ہے ابھی تھوڑا سا فاصلہ باقی ہے تسلی رکھو۔ تمہاری مراد پوری ہو جائے گی۔ انہی دنوں کفار کا ایک لشکر شہر پر حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں نے شہر سے باہر نکل کر کافروں سے جنگ کی وہ شخص بھی مسلمانوں کی فوج میں جنگ کرنے کے لئے نکلا اور شہید ہو گیا۔ حضرت خواجہ نے اُس کی شہادت کی خبر سُنی بذاتِ خود تشریف لائے جنازہ پڑھا اور دفن کیا اور اُس کے حق میں دعائے مغفرت کی۔

ایک دن حضرت خواجہ عبدالواحد دریا کے کنارے پر پہنچے۔ لوگ دریا عبور کرنے کے لئے کشتی پر سوار ہو رہے تھے۔ ملاح اس شخص کو سوار کرتا جو اُسے پہلے اجرت دے دیتا بعض غریب لوگ کرایہ نہ دے سکتے تھے وہ کنارے پر کھڑے رہتے۔ حضرت خواجہ نے اُن غمگین اور شکستہ دلوں کو دیکھا تو فرمایا کہ فکر نہ کرو دریا کو میری طرف سے کہو کہ عبدالواحد کہتا ہے کہ اپنا پانی خشک کر دے کہ ہم نے پار جانا ہے لوگوں نے ایسا ہی کہا اُسی وقت دریا کا پانی کم ہو گیا۔ تمام لوگ دریا عبور کر گئے اور کشتی سے پہلے ہی دوسرے کنارے جا پہنچے۔

ایک بار درویشوں کی ایک جماعت حضرت خواجہ عبدالواحد کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آتے ہی کہا کہ ہمیں حلوہ کھلائیں۔ حضرت خواجہ کے پاس اس وقت کچھ نہ تھا آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہنے لگے یا اللہ میرے مہمان آگئے ہیں۔ اُسی وقت سونے کے ٹکڑے گرنے لگے حضرت خواجہ نے درویشوں سے کہا کہ جتنی ضرورت ہو حلوہ منگوا لیں زیادہ لالچ نہ کریں۔ درویشوں نے چند ٹکڑے اٹھائے حلوہ منگوایا اور پیٹ بھر کر کھا لیا۔

ایک دن آپ کی خدمت میں چند مفلس اور غریب لوگ حاضر ہوئے اور آکر کہنے لگے کہ ہم اہل وعیال والے ہیں۔ ہمارے پاس خرچ نہیں ہے آپ ہماری امداد فرمائیں آپ نے فرمایا بہت اچھا۔ آج تمہارے گھروں میں وافر رزق پہنچے گا۔ تسلی رکھیں۔ وہ غریب لوگ اپنے اپنے گھر پہنچے۔ دیکھا کہ اُن کی عورتیں خوش وخرم رنگارنگ لذیذ کھانے کھا رہی ہیں اور اپنے بچوں کو بھی کھلا رہی ہیں اور دسترخوان پر سونے کی تھیلیاں پڑی ہوئی ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ نعمت کہاں سے آئی کہنے لگیں کہ کچھ دیر پہلے ایک شخص آیا۔ اور ہمیں بے شمار دینار دیتا گیا اور یہ کہا کہ یہ عبدالواحد بن زید نے بھیجے ہیں انہیں خرچ کرو اور کھانے کی چیزیں منگوا کر کھاؤ۔

یہ بات یاد رکھیں کہ خواجہ عبدالواحد کے تین کامل خلفاء تھے۔ ایک خواجہ فضیل بن عیاض دوسرے خواجہ ابوالفضل بن زرین اور تیسرے خواجہ ابویعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہم تھے شیخ اسمٰعیل قصری کا سلسلہ جو شیخ ابونجیب سہروردی کے مرید تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کا سلسلہ بھی خواجہ ابویعقوب سوسی سے ملتا ہے۔ خواجہ عبدالواحد نے خواجہ حسن بصری سے خرقۂ خلافت پایا اور حضرت عبداللہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم سے خرقۂ تبرک حاصل کیا۔

آخری عمر میں خواجہ عبدالواحد نہایت بیمار ہو گئے۔ آپ کے جسم میں حرکت کی

طاقت بھی نہ رہی۔ ایک دن خادم موجود نہیں تھا جو وضو کرواتا۔ دعا کی۔ اے اللہ ایسا وقت آگیا ہے کہ نماز کے لئے وضو کرنے کی بھی ہمت نہیں رہی۔ مجھے کم از کم اتنی صحت بخش دے کہ میں وضو کر کے نماز تو پڑھ لیا کروں اس کے بعد جو تیرا حکم ہوگا وہ بجا لاؤں گا۔ آپ اسی وقت اٹھے۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے وضو کیا نماز ادا کی نماز سے فارغ ہو کر پھر بیمار ہوئے اور فوت ہو گئے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ تائیس ماہ صفر ایک سو ستر ہجری میں فوت ہوئے سفینۃ الاولیاء اور اخبار الاولیاء کے مصنف نے آپ کی وفات ایک سو ستر لکھی۔ ہمارے نزدیک یہی بات معتبر اور صحیح ہے۔

تاریخ وفات

عبد واحد چوں ز دینا رخت بست — سالِ وصل آں شہ والا مکان
زبدۂ دین عبد واحد کن رقم — ہم امام عبد واحد کن بیان
۱۷۰ھ

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ: آپ کبار مشائخ مقتدا میں سے تھے۔ ابو علی اور ابو الفیض کنیت تھی کہتے ہیں آپ کے آباؤ اجداد کوفہ میں رہتے تھے لیکن آپ سمرقند یا بخارا میں پیدا ہوئے۔ خرقۂ خلافت خواجہ عبد الواحد بن زید سے حاصل کیا۔ شیخ المشائخ ابی عیاض بن منصور بن محمد سلمی کوفی سے بھی خلافت ملی تھی۔ انہیں محمد بن مسلم سے اور انہیں محمد حبیب مطعم قرشی سے اور انہیں حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خرقۂ فقر ملا تھا۔ خواجہ فضیل ہمیشہ روزہ رکھتے اور پانچ دنوں بعد افطاری کرتے سارے دن میں پانچسو نفل ادا کرتے اور ہر روز قرآن پاک دو بار ختم کرتے۔ تذکرۃ الاولیاء، سیر الاقطاب اور منیر المتقدمین میں لکھا ہے کہ خواجہ فضیل جوانی میں ڈاکے مارا کرتے تھے۔ علاقے کے بہت سے ڈاکو آپ کے پاس جمع رہتے اور

آپ کی نگرانی میں ڈاکے مارتے مسافروں سے لوٹا ہوا مال و متاع آپ کے پاس لاکر جمع کرتے۔ ایک دن ایک قافلے پر حملہ کیا۔ قافلے کو گھیرے میں لیا۔ قافلہ والوں کو قتل کرنا چاہتے تھے کہ ایک شخص نے یہ آیت پڑھی۔

اَلَمْ یَانِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ

(ترجمہ کیا ابھی ان لوگوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا۔ کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے کانپ اٹھیں)

یہ آیت سنتے ہی خواجہ فضیل نے محسوس کیا جیسے آسمان سے بجلی چمک کر ان کے دل پر گر پڑی ہے۔ قافلے کو وہیں چھوڑا۔ بیابان کا راستہ لیا اور زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ راستے میں ایک اور قافلہ ملا انہوں نے فضیل سے پوچھا کہ اس طرف فضیل ڈاکو تو نہیں ہے۔ حضرت فضیل نے فرمایا فکر نہ کرو فضیل ڈاکو نے تو بہ کر لی ہے پہلے تم اس سے ڈرا کرتے تھے اب وہ تم سے ڈرتا ہے یہ بات کہہ کر وہ دلی طور پہ تابع ہو گیا اور جان و دل سے اللہ سے محبت کرنے لگا۔

خواجہ فضیل جن دنوں ڈاکہ زنی کرتے تھے تو لوٹا ہوا مال الگ رکھ لیتے اور اس پر قافلے والوں کا نام لکھ لیتے۔ جن دنوں آپ نے تو بہ کی جہاں کہیں کسی قافلے والے کے متعلق معلوم ہوا۔ اُس کے پاس جاتے اور اس کا مال واپس دے دیتے اور اُسے راضی کرتے۔ ایک دن ایک ایسے شخص کے پاس گئے جو یہودی تھا۔ وہ اپنا مال واپس لینے کے لئے تیار نہ تھا۔ کہنے لگا کہ میرے مال میں تو اتنا خالص سونا تھا کہ پہلے وہ لاؤ پھر میں راضی ہوں گا۔ حضرت خواجہ نے قسم کھا کر کہا کہ اِس مال میں سونا نہیں تھا بڑی عاجزی و انکساری کی۔ دوسری طرف یہودی نے کہا کہ میں نے بھی قسم کھائی ہے کہ جب تک مجھے میرا سونا نہ دو گے۔ میں راضی نہیں ہوں گا۔ میرے گھر کے اندر چلے جاؤ طاقچہ میں سونے کی بھری ایک تھیلی پڑی ہے اُسے اٹھا لاؤ اور مجھے دے دو۔

تاکہ میری قسم پوری ہو جائے۔ پھر میں تم سے راضی ہوں گا۔ خواجہ اُس کے گھر میں گئے تھیلی اٹھائی۔ اُسے لاکر دی جب اُسے کھولا گیا تو اس میں خالص سونا موجود تھا۔ یہودی حیران ہو گیا اور کہنے لگا کہ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اب تو نے سچی توبہ کی ہے۔ اس تھیلی میں میں نے ریت بھری ہوئی تھی۔ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ نبی آخرزمان کے دین میں ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ جب وہ توبہ کریں گے۔ اگر وہ مٹی پر ہاتھ رکھیں گے تو وہ بھی سونا بن جائے گی۔ آج یہ مٹی تمہاری توجہ کی برکت سے سونا بن گئی ہے لہٰذا میں یقین رکھتا ہوں کہ تم نے سچی توبہ کی یہ کہہ کر اس یہودی نے بھی کلمہ پڑھ لیا اور اللہ کا مقبول بندہ بن گیا۔

اِس واقعہ کے بعد حضرت خواجہ فضیل کوفہ میں چلے گئے اور حضرتِ امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ وہاں آپ کو بہت سے اولیاء اللہ کی زیارت ہوئی۔ وہاں سے بصرے آئے ان کا ارادہ تھا کہ خواجہ حسن بصری کی خدمت میں پہنچ کر مرید ہو جائیں۔ مگر اُن دنوں خواجہ حسن بصری وفات پا چکے تھے۔ چنانچہ آپ عبدالواحد کی خدمت میں آئے اور مرید ہو گئے۔

جن دنوں ہارون الرشید مکہ میں آیا۔ تو اپنے وزیر کو لے کر مختلف بزرگوں کی زیارت کے لئے نکل پڑا۔ سب سے پہلے عبدالرزاق منغانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ کے ذمہ کچھ قرضہ ہو مجھے حکم دیں میں ادا کر دوں۔ آپ نے اشارہ کیا تو ہارون الرشید نے آپ کا قرضہ ادا کر دیا۔ اُس کے بعد ہارون الرشید حضرت سفیان بن عیینہ کے پاس گیا اور ان کا قرضہ ادا کر دیا۔ اپنے وزیر کو کہنے لگا ابھی تک میرے دل میں اولیاء اللہ کو دیکھنے کی خواہش ہے۔ وزیر ہارون الرشید کو خواجہ فضیل بن عیاض کی خدمت میں لے آیا۔ آپ اس وقت حجرہ میں بیٹھے چراغ کی روشنی میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ جب کسی کے آنے کی آواز سُنی۔ حجرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اور آواز دی

کہ اس اندھیری رات میں کون آرہا ہے۔ وزیر نے بتایا کہ امیرالمومنین ہارون الرشید ہیں حضرت خواجہ نے دیا بجھا دیا اور حجرے کا دروازہ کھولا ہارون حجرے کے اندر آیا اور حضرت خواجہ کو ڈھونڈھنے لگا۔ اُس کا ہاتھ حضرت خواجہ کے بدن کو لگا تو خواجہ نے چلا کر کہا ہارون تمہارے ہاتھ بڑے نرم ہیں۔ یہ تو دوزخ کی آگ کی لکڑی بننے والے ہیں۔ ہارون الرشید رونے لگا اور کہنے لگا کہ حضرت مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے والد حضور کے چچا تھے کوشش یہ کرو کہ قیامت کے دن اپنے باپ اور چچا سے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ ہارون الرشید نے کہا مجھے اور نصیحت کریں۔ فرمایا اللہ سے ڈرو اور اللہ کی مخلوق پہ رحم کرو۔ ادب سیکھو اور آلِ رسول اور صحابۂ رسول کی عزت کیا کرو ہارون الرشید نے کہا کہ اگر آپ پہ کوئی قرضہ ہے تو حکم کریں میں ادا کردوں۔ آپ نے فرمایا مجھ پہ قرضہ تو ہے مگر وہ میں ہی ادا کرسکتا ہوں اور وہ اطاعت الٰہی کا قرضہ ہے ہارون الرشید رویہ ہوا حضرت خواجہ سے جُدا ہو کر گھر آگیا۔

خواجہ ابوعلی رازی فرماتے ہیں کہ میں تیس سال تک خواجہ فضیل کی خدمت میں رہا میں نے خواجہ کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا۔ ہاں اس دن ہنسے جس دن آپ کے بیٹے مبارک علی کا وصال ہوا۔ اِس بیٹے کی وفات کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ خانۂ کعبہ میں زم زم کے کنوؤں کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور ایک شخص نے یہ آیت پڑھی۔ وَضَعَ الکتاب فَتَرَی المجرمین مشفقین مِمّا فیہ ویقولون یَا وَیلَتَنَا مالِ ہذا الکتاب ترجمہ (جن دنوں مجرموں کے سامنے نامۂ اعمال رکھا جائے گا۔ وہ کہیں گے۔ ہائے ہمارا کیا حال ہے! کاش ہمیں یہ نامۂ اعمال نہ ملتا) اُس نے یہ آیت سُنی نعرہ مارا اور جان اللہ کے حوالے کردی۔

خواجہ فضیل کے پانچ خلفاء تھے۔ پہلے سلطان ابراہیم بن ادھم دوسرے شیخ محمد شیرازی تیسرے خواجہ بشر حافی چوتھے شیخ ابی رجا عطاری اور پانچواں خواجہ عبدالسباری

رحمۃ اللہ علیہم تھے۔ یہ پانچوں مشہور مشائخ اپنے اپنے وقت کے قطب الاقطاب اور یکتائے روزگار ہوئے ہیں۔

خواجہ فضیل سوم ماہ ربیع الاوّل ۱۸۷ھ ہجری میں فوت ہوئے آپ کا مزار پُر انوار مکہ معظمہ میں قبرستان جنت المعلیٰ میں ہے۔ یہ مقام حضرت اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار کے پاس ہے۔ اگرچہ مخزن الواصلین کے مصنّف نے آپ کا سال وصال ایک سو چھیاسی[۱۸۶] لکھا ہے مگر ہمارے نزدیک پہلا قول صحیح ہے صید الاقطاب اور سفینۃ الاولیاء کے مصنّف بھی اسی قول کو معتبر جانتے ہیں

چوں فضیل از دار فانی رخت بست — رفت در عشر تگہ دار القرار

ماہ عالم[۱۸۷] داں وصال آنجناب — سید الاقطاب و واقف کن شمار

سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ: آپ پیران کبار۔ اولیاء نامدار۔ مشائخ عظام اور مقتدایان ذوالاحترام میں سے شمار ہوتے تھے۔ کنیت ابو اسحاق تھی۔ آپ کا نسب پانچ واسطوں سے حضرت امیر المومنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے سلطان ابراہیم بن ادھم بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن خلیفہ ثانی حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابراہیم نے خرقہ فقر وخلافت خواجہ فضیل بن عیاض سے پایا۔ ان کے علاوہ آپ کو خواجہ عمران بن موسیٰ بن زید راعی۔ شیخ منصور سلمی اور خواجہ اویس قرنی قدس سرہم سے بھی خرقۂ تبرک ملا تھا۔ آپ پانچ دنوں بعد افطار کیا کرتے تھے۔ افطار میں بھی سبز کائی استعمال کرتے تھے۔ کم سوتے۔ پیوند شدہ کپڑے پہنتے ننگے پاؤں چلتے تھے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مجالس میں حاضری دیا کرتے۔ حضرت امام اعظم آپ کو سیدنا و سندنا ابراہیم بن ادھم کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو مفتاح العلوم کہا ہے۔ آپ نے ظاہری سلطنت کو اس لئے چھوڑ دیا۔ کہ آپ کے والد بزرگوار

کا نام ادھم تھا وہ تارک الدنیا قلندروں کی مجالس میں شرکت کیا کرتے تھے۔ بلخ شہر کے باہر ایک ایسا کاشانہ بنایا تھا۔ جہاں فقیر اور قلندر رہی آیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کے اس کاشانہ کے سامنے سے بادشاہ بلخ کی سواری گزری اس وقت طوفانِ بادِ و باراں تھا۔ شہزادی کی محمل کا پردہ زور دار ہوا سے ہٹا تو اس ماہ پیکر کا چہرہ نظر آیا۔ دیکھتے ہی ادھم کے دل پر عشق کا تیر جا لگا۔ یہ ایسا نشانہ تھا کہ ادھم دل و جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ دوسرے دن بادشاہ کے دربار میں جا پہنچے۔ اور بلا جھجک لڑکی کے نکاح کا مطالبہ کر دیا۔ بادشاہ کو اس مطالبہ سے بڑا دکھ ہوا۔ بدنامی سے بچنے اور قلندر کے روحانی حملہ سے محفوظ رہنے کے لئے اس نے انکار تو نہ کیا۔ مگر ایک شرط پیش کر دی۔ اور وزیر کے مشورہ سے کہا۔ کہ ہمارے شاہی خزانہ میں ایک بڑا مروارید ہے جسے ہم دُرِ یتیم کہتے ہیں اسے ادھم قلندر کو دکھا کر کہا۔ کہ اگر آپ ایک ایسا ہی موتی لے آئیں تو ہم بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیں گے۔ ورنہ اپنے اس مطالبہ کو خالی خواہش جانتے ہوئے واپس لے لیں۔ اور دوبارہ ہمارے محل کی طرف رُخ نہ کرنا۔ قلندر نے مروارید کو دیکھا اور شرط کو قبول کر لیا اور اس مروارید کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں جا نکلے۔ ایک عرصہ کی تگ و دو کے بعد جب وہ مروارید نہ ملا۔ تو پریشان ہو کر دریا کے کنارے جا پہنچے تاکہ اپنے آپ کو غرق کر لیں۔ ادھم کی اس پریشانی کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا جوش میں آیا۔ حضرت خضر علیہ السلام آگے بڑھے۔ آپ کا ہاتھ پکڑا اور دریا میں چھلانگ لگانے سے بچانے کے لئے آپ کے سامنے ایسے گیارہ مروارید لا رکھے۔ یہ مروارید شاہی خزانے والے مرواریدسے کہیں بڑے بھی تھے اور چمکدار بھی خود حضرت خضر علیہ السلام نظروں سے غائب ہو گئے۔ قلندر ادھم یہ سارے مروارید اٹھائے بادشاہ کے پاس جا پہنچے اور اس کے سامنے رکھتے ہوئے اسے اور اس کے وزراء کو حیران کر دیا۔ بادشاہ قلندر کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کو عار جانتے ہوئے۔ مروارید کی

طرف توجہ نہیں دی۔ اور کہنے لگا جاؤ۔ ہمارے وزیر اعظم سے بات کر کے فیصلہ کر لو۔ وزیر نے قلندر سے تمام مروارید لے کر اسے دھکے دے کر دربار سے نکال دیا اور کہا اگر آئندہ یہ مطالبہ لے کر دربار کی طرف آئے نظر آئے تو مروا دیئے جاؤ گے۔

ادھم قہر درویش برجانِ درویش کی تصویر بنے۔ جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے سامنے کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا۔ کہ بادشاہ کی لڑکی سکتہ کی بیماری میں جان بلب ہوگئی اطباء اور وید علاج سے مایوس ہوگئے۔ اسے مردہ جان کر دفنا دیا گیا۔

قلندر ادھم نے اپنی محبوبہ کی موت کی خبر سنی۔ تو تڑپ اٹھا وہ بھی جنازے کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ دفن کے بعد لوگ واپس آئے تو وہ قبر سے لپٹ کر رونے لگا۔ اس کی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھے۔ رات ہوئی۔ تو قبر کے نگران قبر کی حفاظت کو آپہنچے انہوں نے قلندر کو قبر کے پاس دیکھا تو بے فکر ہو کر سو گئے۔ قلندر اپنی بے قراری کے ہاتھوں تنگ آکر اپنی معشوقہ کا آخری دیدار چاہتا تھا۔ اس نے قبر کو کھودا۔ تاکہ ایک نظر دیکھ لے۔ نعش کو قبر سے نکالا۔ قبر کو پُر کر دیا۔ اور نعش کو اٹھا کر وہاں سے چل دیا۔ اور اپنے کاشانہ میں لے گیا۔ لکڑے کے تختے پر لٹا کر شمع روشن کی تاکہ اس کے چہرے کو دیکھ سکے۔ اپنی معشوقہ کو دیکھے جاتا اور زار زار روتا جاتا تھا۔ اسی طرح آدھی رات بیت گئی اتفاق ایسا ہوا۔ کہ یونان سے ایک طبیب اسی رات بلخ پہنچا تھا۔ یہ طبیب ایسی پیچیدہ بیماریوں میں کمال رکھتا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ شہر کے دروازے بند دیکھ کر رات بسر کرنے کی فکر میں تھا۔ اس قلندر کے کاشانے میں روشنی دیکھی تو اُدھر آنکلا۔ اندر آکر دیکھا کہ ایک خوبصورت نعش تختے پر پڑی ہے۔ اور ایک شخص پاس بیٹھے رو رہا ہے۔ اور اپنی بے قراری اور پریشانی میں ڈوبا ہوا ہے۔ طبیب نے اس صورتِ حال کو دیکھا۔ بڑی مہربانی اور لطف سے قریب آیا ہاتھ میں چراغ اٹھایا صورتحال

ملاحظہ کی۔ اور نبض دیکھ کر قلندر کو کہا۔ کہ غم نہ کرو۔ رونا چھوڑ دو۔ یہ ماہ رو ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔ یہ مری نہیں سکتہ کی بیماری میں بے ہوش ہے۔ یہ کہہ کے ایک نشتر نکالا اور لڑکی کی فصد کاٹ ڈالی۔ خون کے چند قطرے ٹپکے۔ تو نعش میں حرکت آئی۔ لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ دائیں بائیں دیکھا۔ ایک طبیب کو اپنے پاس پایا اور پھر ایک نامحرم کو دیکھ کر چہرے کو چھپا لیا۔ کہنے لگی۔ اے میرے طبیب اے میرے باپ۔ مجھے یہ بتاؤ۔ میں کہاں ہوں۔ کس حالت میں ہوں۔ اور مجھے کفن کیوں پہنایا گیا ہے اور پھر اس تختے پر قلندر کے کاشانے میں کیسے آئی ہوں طبیب اور قلندر دونوں معذرت کرتے ہوئے آگے بڑھے اور تمام واقعات بیان کر دیئے۔ بادشاہ کی بیٹی نے جب صورتحال معلوم کر لی۔ اور یہ جان لیا۔ کہ میری جان کی حفاظت تو اس قلندر کی معرفت ہوئی ہے وہ قلندر سے نکاح کرنے پر راضی ہو گئی طبیب نے نکاح پڑھایا۔ صبح ہوئی۔ قلندر شہر میں گیا اور ایک اچھا سا مکان کرائے پر لیا۔ اپنی معشوقہ کو وہاں لے آیا۔ اور نہایت آرام و آسائش سے زندگی بسر کرنے لگا۔ نو ماہ گزرے تو اللہ کی مہربانی سے خواجہ سلطان ابراہیم پیدا ہوئے۔ وہ شکل و صورت میں اپنی والدہ کے مشابہ تھے۔ پانچ سال ہوئے۔ تو قلندر نے اپنے اس بیٹے کو شاہی مکتب میں داخل کرایا۔ اس مدرسہ میں بادشاہ کبھی کبھی اس مکتب میں آیا کرتا تھا۔ اور بچوں کا امتحان لیا تھا۔ اتفاقاً بادشاہ کی نظریں اس بچے پر پڑیں تو بے اختیار اُس کی محبت اور الفت نے جوش مارا۔ اُس نے اس بچے کو گود میں اٹھا لیا اور اپنے محل میں لے گیا۔ بچہ شام کے وقت اپنے گھر نہ پہنچا تو والدہ کو بڑی تشویش ہوئی اپنے قلندر خاوند کو مکتب میں بھیجا کہ بچے کی خیریت دریافت کرے۔ جب وہ قلندر مدرسہ کی طرف آیا تو اسے بتایا گیا کہ بادشاہ بچے کو اٹھا کر اپنے شاہی محل میں لے گیا ہے وہ قلندر بے اختیار ہو کر اُسی طرح دوڑا دوڑا بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے قلندر کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اور کہا اے قلندر اللہ نے تمہیں

عجیب لڑکا دیا ہے جو منظور اور مقبول خلق ہے۔ میں نے پہلی بار دیکھا تو اُس سے پیار و محبت ہوا اور میں اسے اٹھا کر محل میں لے آیا ہوں۔ قلندر بات سُن کر مسکرایا اور کہا بادشاہ کی محبت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بچہ اُس کی بیٹی کا فرزند ہے پھر اس نے تمام حالات کی تفصیلات بادشاہ کو سنائی۔ جب بادشاہ کو یہ معلوم ہوا کہ اس کی اکلوتی بیٹی ابھی تک زندہ ہے تو سجدہ شکر بجا لایا۔ اور نہایت خوشی سے اٹھا اور یہ خوشخبری اپنی بیگم کو سنائی۔ دونوں شاہی سواری پر سوار ہو کر قلندر کے گھر پہنچے۔ بیٹی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ بادشاہ نے اپنی بیٹی کے لئے بڑا عالی شان محل بنایا۔ چونکہ بادشاہ کا اپنا کوئی بیٹا نہ تھا اُس نے اعلان کیا کہ میرا نواسا سلطان ابراہیم میرا جانشین اور ولی عہد ہوگا۔ بادشاہ خود اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ سلطان ابراہیم تختِ شاہی پر بیٹھا اور کئی سال تک نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا۔ دن کو لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتا اور رات کو اللہ کی عبادت میں مشغول رہتا تھا۔

ایک رات بادشاہ اپنے شاہی محل میں سویا ہوا تھا کہ چھت پر کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ بیدار ہوا آواز دی کہ چھت پر کون ہے جواب آیا۔ کہ میں ایک مسافر ہوں میرا اونٹ گم ہو گیا تھا۔ اسے تلاش کر رہا ہوں۔ بادشاہ نے کہا ارے بیوقوف گھروں کی چھتوں پر اونٹ بھی ملتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اونٹ گھر کی چھت پر آجائے اُس شخص نے جواب دیا۔ تم تو مجھ سے بھی زیادہ بیوقوف ہو۔ کبھی خدا بھی شاہی محلات میں ملتا ہے۔ تم ریشمی بستر پر آرام کرتے ہو اور چاہتے ہو کہ تمہیں خدا مل جائے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

ہم خُدا خواہی و ہم دنیائے دوں
این خیال ست و محال است و جنوں

اِس بات سے سلطان ابراہیم کی دل کی دنیا بدل گئی صبح اُٹھا اپنے بیٹے کو تخت

نشین کر دیا۔ امورِ سلطنت اُس کے حوالے کئے۔ شہر چھوڑ کر جنگل کی راہ لی۔ جنگل میں پہنچا تو شاہی لباس اُتار کر ایک گڈریے کو بخش دیا۔ اور اس کے پھٹے پرانے کپڑے خود پہن لئے۔ بلخ کو چھوڑ کر نیشاپور آیا اور پہاڑ کی ایک غار میں عبادت کرنے لگا وہ جمعرات کی رات غار کی چھت پر آتا۔ لکڑیوں کا گٹھا جمع کرتا سر پر اُٹھا کر شہر میں پہنچتا اور لکڑیاں بیچ کر جو کچھ حاصل ہوتا اس کا نصف اللہ کی راہ میں دے دیتا اور نصف سے اپنی ضرورت کی چیزیں خرید کر لے آتا۔ ایک عرصہ تک اس کا یہی کام رہا وہ غیبی اشارہ سے مکہ معظمہ پہنچا اور خواجہ فضیل بن عیاض کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہو گیا۔ اور ظاہری و باطنی کمالات حاصل کئے۔

جن دنوں سلطان ابراہیم نے بادشاہی چھوڑ کر جنگل میں قدم رکھا تو غیب سے ایک بزرگ آئے انہوں نے انہیں اسمِ اعظم سکھایا۔ اسمِ اعظم پڑھتے ہی عرش سے لے کر فرش تک تمام چیزیں روشن ہو گئیں۔ کچھ دنوں بعد حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے۔ کہنے لگے اے سلطان وہ میرے بھائی حضرت الیاس تھے جنہوں نے تمہیں اسمِ اعظم سکھایا ہے میں خضر ہوں۔ میں تیرا دوست بن کر رہوں گا۔ حضرت ابراہیم ادھم نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی دوسرے دوست کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر حضرت خضر علیہ السلام کو رخصت کر دیا۔

جن دنوں سلطان ابراہیم لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے بازار میں آیا کرتے تھے تو بلخ کا ایک امیر آدمی بھی وہیں ہی تھا۔ اُس نے سلطان ابراہیم کو پہچان لیا اور بادشاہی چھوڑ کر لکڑیاں بیچنے پر بڑی ملامت شروع کر دی۔ حضرت سلطان ابراہیم کو اُس کی باتوں پر بڑا غصہ آیا۔ بیٹھے بیٹھے لکڑیوں کے گٹھے پر ہاتھ مارا تو وہ ساری سونے کی بن گئیں۔ سلطان ابراہیم نے یہ سارا سونا اُس کو بخش دیا۔ اور کہا کہ آج بلخ کی سلطنت کی یاد کی نحوست کی وجہ سے میری حلال کی روزی ضائع ہو گئی۔

ایک بار سلطان ابراہیم بلخ کے راستے سے ہوتے ہوئے مکہ کی طرف جا رہے تھے۔ شاہی امراء اور وزراء کو آپ کی خبر ہوئی انہوں نے آپ کے صاحبزادے کو جو اُس وقت تخت نشین تھا ساتھ لیا اور حاضرِ خدمت ہوئے۔ سب نے مل کر درخواست کی کہ اگر آپ دوبارہ تخت سلطنت پر تشریف لے آئیں تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔ سلطان ابراہیم نے اپنے بیٹے کو بڑی محبت کے ساتھ اپنے پہلو میں بٹھا لیا اور باتیں کرنے لگے۔ اسی اثناء میں غیب سے ایک آواز آئی۔ کہ جو لوگ ہمارے حسن و جمال کے عاشق ہوتے ہیں وہ کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ یہ بات سُنتے ہی سلطان ابراہیم نے رونا شروع کر دیا۔ اور عرض کی اے اللہ! جس کی وجہ سے ابراہیم تجھ سے غافل ہو گیا ہے اُس کو اٹھا لے۔ تاکہ تیری محبت کا رشتہ نہ ٹوٹنے پائے۔ کہتے ہیں کہ صاحب دار سلطنت ابراہیم کے بیٹھے ہی فوت ہو گیا۔

جن دنوں سلطان ابراہیم بلخ کی بادشاہی چھوڑ کر بیابان میں چلے گئے تو چند دن دریا کے کنارے پر قیام کیا۔ وہاں امراء اور وزراء حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ دوبارہ تخت نشین ہو جائیں سلطان ابراہیم اس وقت اپنی گذری سی رہے تھے آپ نے سوئی دریا میں پھینک دی اور فرمایا کہ تم بڑے طاقتور حاکم ہو۔ دنیا کے سارے اسباب تمام پاس موجود ہیں دریا سے میری سوئی نکال دو۔ کوئی بھی سوئی نہ نکال سکا۔ آپ نے بلند آواز سے کہا کہ اے دریا کی مچھلیو میری سوئی نکال کر لاؤ۔ اُسی وقت ہزاروں مچھلیاں اپنے منہ میں چاندی کی سوئیاں اٹھائے پانی کی سطح پر تیرنے لگیں۔ ایک مچھلی کے منہ میں حضرت خواجہ کی سوئی بھی تھی۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر اس سے سوئی لی۔ اور تمام مچھلیوں کو رخصت کر دیا۔ امراء کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہماری سلطنت تمام جہاں پر ہے اب ہمیں بلخ کی سلطنت کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک دن سلطان ابراہیم ادھم کوہِ ابوقبیس پر بیٹھے تھے اپنے دوستوں کے ساتھ

باتیں کر رہے تھے کہنے لگے اللہ کے بندے اگر پہاڑ کو کہہ دیں کہ یہاں سے چل تو وہ چل پڑتے ہیں۔ یہ بات سنتے ہی پہاڑ میں حرکت ہوئی۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں چلنے کو نہیں کہا۔ یہ بات تو میں نے تمثیلاً کہی تھی۔

ایک دن خواجہ شقیق بلخی سلطان ابراہیم بلخ کی خدمت حاضر ہوئے۔ ایک درویش جو صاحب کشف و کرامات تھا وہ بھی مجلس میں بیٹھا تھا۔ آپ نے پوچھا تم گزر اوقات کیسے کرتے ہو۔ وہ کہنے لگا کہ اگر مل جائے تو کھا لیتا ہوں ورنہ صبر کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کام ہماری گلی کوچے کے کتے بھی کرتے ہیں۔ ہونا یوں چاہیئے "اگر نہ ملے تو صبر کرو۔ اگر مل جائے تو اللہ کی راہ میں قربان کر دو۔"

ایک شخص نے حضرت سلطان ابراہیم ادھم سے پوچھا کہ تم کس کے بندے ہو آپ کانپے اور بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو یہ آیت پڑھی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے (آسمانوں اور زمینوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ کا بندہ نہ ہو) اس شخص نے کہا کہ آپ نے پہلے ہی یہ جواب کیوں نہیں دے دیا فرمایا میں ڈرتا تھا کہ اگر میں اپنے آپ کو اس کا بندہ کہوں تو مجھ سے اُس کی بندگی کا حق ادا نہیں ہوا۔ اگر نہ کہوں تو کافر ہو جاتا ہوں۔"

حضرت خواجہ ایک دن دریا کے کنارے پہنچے اور پار جانا چاہا۔ ملاح نے کرایہ مانگا۔ آپ نے دریا کی ریت کی مٹھی بھری اور ملاح کی جھولی میں ڈال دی ملاح نے غور سے دیکھی تو ریت نہیں تھی وہ سونا تھا۔

حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے دو کامل خلفاء تھے ایک خواجہ حذیفہ المرعشی اور دوسرے خواجہ شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ نے جس دن بادشاہی چھوڑی اس دن سے ایک جگہ پر قیام نہیں کیا۔ کئی جگہ سے ہوتے ہوئے شام میں حضرت لوط علیہ السلام کے مقبرے کے ساتھ ایک پہاڑ کی غار میں مقیم ہوئے۔

سیر الاقطاب میں آپ کی وفات بروز جمعہ اٹھائیس[۲۶۸] جمادی الاوّل ۲۸۰ھ ہجری لکھی ہے۔ مگر سفینۃ الاولیاء میں دوسو اکاسٹھ[۲۶۱] یا باسٹھ ہجری لکھی ہے۔ مخبر الواصلین کے مصنّف نے آپ کا سال وصال دوسو پینسٹھ[۲۶۵] لکھا ہے۔ آپ کا مدفن پاک شام میں ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۰۲ سال تھی[۱]۔

تاریخ وفات:۔

شیخ ابراہیم سلطان ولی — شد چو از دنیا بفردوس برین
دل بسالِ وصل آں والاہمم — قطب حق بیں قطب عالم قطب یقین
۲۸۱

حضرت خواجہ حذیفۃ المرعشی قدس سرہٗ:۔

خانوادہ چشتیہ کے یہ بلند قدر بزرگ سدید الدین لقب رکھتے تھے۔ حضرت سلطان ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ خلافت پایا تھا فقیہ تھے۔ عالم تھے اور عامل تھے۔ آپ کی تصانیف بہت مشہور ہیں تیس سال تک بلا وجہ بے وضو نہیں رہے۔ چھ دنوں بعد افطاری کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ اہل دل کی غذا تو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی ہے۔ ظاہری علوم سے فارغ ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام کی راہنمائی میں حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے چھ ماہ میں تکمیل سلوک میں کامیاب ہوئے۔

ایک دن حضرت خواجہ المرعشی اللہ کے خوف سے رو رہے تھے۔ ایک شخص آیا۔ پوچھا اس قدر گریہ زاری اور اضطراب کیوں ہے۔ کیا تم اللہ کو رحیم۔ کریم۔ غفور نہیں پاتے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر۔ ایک طبقہ جنت میں ہوگا۔ ایک جہنم کی سختیوں میں رہے گا۔ مجھے یہ

---

[۱] تفصیلی حالات کے لئے تذکرہ الاولیا سیر الاقطاب اور نفحات الانس کا مطالعہ کریں۔

معلوم نہیں کہ میں کس طبقہ میں ہوں گا۔ اس شخص نے کہا۔ اگر آپ کو اپنی عاقبت کی خبر بھی نہیں تو لوگوں سے بیعت کیوں لیتے ہو۔ اس طرح دوسروں کو بھی اندھیرے میں رکھتے ہو۔ خواجہ سن کر نعرہ زن ہوئے اور بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو غیب سے آواز آئی۔ حذیفہ! ہم تمہیں اپنا دوست رکھتے ہیں۔ اور برگزیدہ قرار دیتے ہیں۔ میدان حشر میں اصحاب جنت میں اٹھو گے" یہ آواز تمام حاضرین مجلس نے سُنی۔ اس دن تین سو کافر حلقۂ اسلام میں آئے اور آپ سے بیعت کی۔

ایک دن بزرگان دین کے خلاف چند بیوقوف حضرت خواجہ مرعشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے متعلق سخت گفتگو کرنے لگے۔ حضرت خواجہ نے انہیں وعظ و نصیحت کی۔ اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ مگر انہوں نے حضرت خواجہ کا ہاتھ پکڑا اور کھینچنا شروع کر دیا جس سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ کہنے لگے اگر تم ولی اللہ ہو تو ہمارے لئے بد دعا کرو۔ خواجہ کے منہ سے تین بار آہ آہ نکلا۔ اور منہ سے آگ کے شعلے نکلتے دکھائی دیئے وہ تمام کے تمام جل کر راکھ ہو گئے۔ نعوذ باللہ من غضب الاولیاء اللہ۔

تذکرۃ العاشقین کے مصنف نے حضرت خواجہ کی وفات ۲۷۶ھ لکھی ہے۔ مگر صاحب سیر الاقطاب نے چوبیس ماہ شوال ۲۵۲ھ لکھی ہے۔ ہمارے نزدیک پہلی تاریخ درست ہے تمام تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ آپ حضرت ابراہیم ادہم کی وفات کے بعد نو سال تک زندہ رہے۔ رحمۃ اللہ علیہم۔

تاریخ وفات

شہ مرعشی خواجۂ دوجہاں — چو گشت از جہاں سوئے جنت رواں
یکے قطب عالم بگو سال او — دگر رحلتش پر دین شد عیاں

۲۵۲ھ — ۲۷۶ھ

حضرت خواجہ ہبیرہ بصری قدس سرہٗ

آپ حضرت خواجہ مرعشی کے خلیفۂ اعظم تھے امین الدین لقب رکھتے تھے۔ مشائخ عصر میں بلند رتبہ اور عالی مقام رکھتے تھے۔ فقر میں بلند درجات اور ارفع مقام حاصل تھا سترہ سال کی عمر میں ظاہری علوم سے فارغ ہو گئے۔ اور ایک کامل دانشور کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ہر روز دو بار ختم قرآن فرمایا کرتے تھے مجاہدہ و ریاضت میں بے مثال تھے۔ ایک دن اللہ کی محبت میں زار و قطار رو رہے تھے۔ آواز آئی۔ ہبیرہ۔ ہم نے تمہیں بخش دیا ہے۔ حصول مقامات کے لئے حذیفہ مرعشی کے پاس جاؤ آپ خواجہ مرعشی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور مرید ہوئے۔ مگر مرید ہونے سے پہلے آپ نے تیس سال ریاضت شاقہ میں گزارے۔ پھر ایک ہفتہ میں ہی مقام قرب نصیب ہو گیا۔ ایک سال بعد خرقۂ خلافت ملا جس دن سے خلافت ملی نمکدار اور نمک کھانا نبذ کر دیا لذیذ کھانے ترک کر دیئے۔ اس قدر روتے کہ بعض اوقات حاضرین کو اندیشہ ہوتا کہ آپ فوت ہو جائیں گے۔ آپ کی ساری زندگی ایک صومعہ میں گزری کبھی کسی دنیادار کے گھر نہیں گئے۔ اور نہ ہی دنیاداروں کو منہ لگایا۔

آپ کا وصال ۲۸۷ھ بتاریخ ہفتم ماہ شوال ہوا۔

شد چو از دنیا بفردوس بریں — آں ہبیرہ خواجۂ عالی مکان
وصل او کامل امین الدین بود — رحلتش زاہد کریم آمد عیاں

۲۸۷ھ

حضرت خواجہ علو دینوری قدس سرہٗ

آپ کا لقب کریم الدین تھا۔ ریاضت اور مجاہدہ میں عالی مقام رکھتے تھے کلام پاک کے حافظ تھے خرقۂ خلافت واردات حضرت خواجہ ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ سے پایا آپ عراق کے صاحب ولائیت و کرامت مشائخ میں مشہور تھے آپ حضرت جنید بغدادی رویم اور حضرت سفیان نوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے حضرت شیخ معروف کرخی

رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کے پاس بھی حاضری دیتے تھے۔ ان سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ آپ کو سلسلہ معروفی سے بھی اجازت ملی تھی۔ حضرت شیخ معروف کرخی سے چار نسبتوں سے واسطہ تھا۔

خواجہ علو دینوری۔ خلیفہ شیخ عبداللہ بن خفیف وہ خلیفہ شیخ محمد رویم کے تھے اور وہ حضرت جنید بغدادی کے خلیفہ تھے۔ آپ حضرت سری سقطی کے خلیفہ تھے۔ وہ حضرت معروف کرخی کے خلیفہ تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ ان حضرات کے علاوہ بھی آپ نے بہت سے بزرگان دین سے فیض پایا تھا۔

خواجہ علو دینوری ابتدائی زندگی میں بڑے صاحب ثروت و دیندار تھے مگر جب اللہ سے لگاؤ ہوا۔ تو سب کچھ غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ اور کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور فرمایا۔ اے اللہ میں نے اپنے عزیز و اقارب کو تیرے سپرد کر دیا ہے اب انہیں رزق دینا تیرا کام ہے۔ دینور سے روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ پہنچے۔ ایک دن دوران سفر ایک شخص کو دیکھا کہ سر پہ کھانا رکھے تیز تیز جا رہا تھا۔ پوچھا۔ تم کون ہو۔ اور کہاں جا رہے ہو۔ اور یہ کھانا کس کے لئے ہے؟ فرمایا۔ میں رجال الغیب سے ہوں۔ یہ کھانا تمہارے اہل و عیال کے لئے ہے۔ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ ہر روز انہیں کھانا پہنچاؤں۔

جس دن خواجہ علو دینوری نے خرقہ خلافت پہنا۔ خواجہ بصیرہ بصری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فرمایا۔ اے علو۔ جاؤ تمہارا کام بھی علو (اعلیٰ) ہو گیا۔ وضو کر کے ہمارے پاس آؤ۔ وضو کر کے آئے تو پیر روشن ضمیر نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا اے اللہ! علو کو درویشی عطا فرما دے یہ بات سنتے ہی خواجہ علو بیہوش ہو کر گر پڑے چند لمحوں کے بعد ہوش میں آئے پھر بے ہوش ہو گئے۔ اس طرح چالیس بار بے ہوش ہوئے آخر کار پیر روشن ضمیر نے اپنا لعب دہن منہ میں ڈالا۔ آپ کو ہوش

آیا۔ قدموں میں گر گئے۔ فرمایا۔ علو! تمہیں اپنے مطلب کا دیدار ہو گیا ہے آپ نے عرض کیا۔ کہ میں تیس سال مجاہدہ کرتا رہا ریاضتیں کیں۔ مگر یہ مقام نہ پا سکا۔ آج آپ کی وساطت سے ایک لمحہ میں پہنچ گیا ہوں۔ اور بے پناہ دولت ملی ہے۔ خواجہ ہبیرہ نے اپنا خرقہ پہنایا۔ اور اپنے مصلیٰ پہ بٹھا کر ارشاد و سلوک کی اجازت دی۔

حضرت خواجہ علو کی عادت تھی کہ اپنی زندگی کے چالیس سالوں میں دن کے وقت کبھی کوئی چیز نہیں کھائی رات کو کچھ نہ کچھ کھا لیتے تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شیر خوارگی کے زمانہ میں بھی آپ صرف رات کو دودھ پیا کرتے تھے۔ آپ تولد سے لحد تک صائم الدہر رہے۔

آپ کی وفات ۲۹۸ھ میں ہوئی۔ اور اسی پر تمام وقائع نگاروں کا اتفاق ہے۔ یاد رہے کہ بزرگان دین کے حالات میں ایک اور بزرگ خواجہ ممشاد دینوری کا نام نامی بھی ملتا ہے۔ آپ سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ تھے۔ اور حضرت خواجہ جنید کے سلسلہ میں سے تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے خواجہ علو دینوری۔ اور خواجہ ممشاد دینوری کو ایک ہی بزرگ لکھا ہے ان دونوں نے دونوں خاندانوں سے فیض پایا تھا۔ اس لئے یہ تسامح واقعہ ہوا ہے۔ دارا شکوہ نے اپنی مشہور کتاب سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ خواجہ علو دینوری خانوادہ چشتیہ عالیہ کے بزرگ تھے۔ اور خواجہ ممشاد دینوری خانوادہ سہروردیہ سے تعلق رکھتے تھے شاید دارا شکوہ کی یہ تحقیق درست ہی ہو۔ مگر ایک بات سامنے آتی ہے کہ دونوں بزرگوں کی تاریخ وفات ایک ہی ہے یعنی ۲۹۸ھ ہو سکتا ہے اس وجہ سے یہ شک پیدا ہوا ہو۔ اور لوگوں نے ممشاد اور علو کو ایک ہی شخصیت جان لیا ہو۔

تاریخ وفات:۔

شیخ عالی علو دینوری　　یافت چوں زین جہاں بخلد مکان

سند عیاں آنچہ از دل سرور سال ترحیل آن شہ دلیراں

حضرت ابو اسحاق شامی قدس سرہٗ السّامی:- آپ سلسلہ چشتیہ[۲۹۸] کے نامی گرامی بزرگوں میں سے تھے۔ لقب شرف الدین تھا۔ خرقہ خلافت خواجہ علو دینوری رحمۃ اللہ علیہ سے پایا تھا۔ ظاہری اور باطنی علوم میں ممتاز تھے۔ زہد و ریاضت میں بے مثال۔ خلق سے بے نیاز اور خالق سے ہی ہمراز تھے۔ درویشوں سے محبت کرتے اولیاء اللہ میں ممتاز مقام رکھتے تھے فقراء میں بلند رتبہ تھے۔ سات دن کے بعد افطار کرتے تھے کہ المعراج الفقراء جوعٌ (بھوک ہی فقراء کی معراج ہے) مرید ہونے سے پہلے چالیس روز تک استخارہ کیا۔ آخر ہاتف غیبی نے آواز دی۔ اے ابو اسحاق جاؤ۔ اور ممشاد دینوری کی خدمت میں حاضری دو۔ آپ خواجہ دینوری کی خدمت میں پہنچے۔ سات سال خدمت میں رہے پھر تکمیل کو پہنچے۔ خرقہ خلافت پایا۔

آپ کی ذات والاصفات خانوادہ چشت میں ممتاز تھی آپ قصبہ چشت میں قیام پذیر تھے جب اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت میں بغداد پہنچے تو حضرت خواجہ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اور کیا نام ہے؟ کہا میرا نام ابو اسحاق چشتی ہے۔ آپ نے فرمایا تم اہل چشت کے امام بنو گے۔ خلافت پائی تو پیر دستگیر سے رخصت لے کر چشت میں واپس آئے اور خواجہ چشت کے نام سے مشہور ہوئے ان ہی دنوں چشت میں اور بھی کئی بزرگان دین قیام فرماتے ان میں خواجہ ابو احمد ابدال چشتی۔ خواجہ ابو محمد بن ابو احمد ابدال چشتی۔ ناصر الدین۔ خواجہ ابو یوسف چشتی اور خواجہ مودود چشتی کے اسمائے گرامی مشہور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چاروں بزرگ دین کے ستون مانے جاتے تھے۔ لاکھوں گناہگاروں نے آپ کی راہنمائی میں توبہ کی۔ اور بے شمار مرید درجۂ ولایت کو پہنچے۔

خواجہ ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سماع سنا کرتے تھے۔ جو شخص ایک بار آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا پھر گناہ سے دُور رہتا۔ آپ کی مجلس کی برکات سے ہر شخص وجد میں رہتا۔ اگر کوئی مریض ایک بار مجلس میں آجاتا تو شفا پاتا۔ دنیا کا بیچاری آتا تو تارک الدنیا ہو جاتا تھا۔

ایک بار قحط پڑ گیا۔ بارش کو ایک عرصہ ہوا نہ برسی۔ بادشاہ وقت اور دوسرے ہزاروں لوگ حضرت خواجہ اسحاق کی خدمت میں آئے اور باران رحمت کے لئے دعا طلب کی۔ حضرت خواجہ نے مجلس سماع برپا کی جب آپ وجد میں آئے تو آسمان پر بادل گھر آئے۔ اس قدر بارش ہوتی کہ لوگ اس کے رکنے کی دعائیں مانگنے لگے۔ پھر حضرت کی خدمت میں آئے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر دل بھر گیا ہے تو بارش رک جائے گی۔

خواجہ ابو اسحاق شامی قدس سرہٗ کی چہاردہم ماہ ربیع الثانی ۳۲۹ھ کو پیدائش ہوئی۔ آپ کا مزار پُر انوار شہر عکہ شام میں ہے۔ سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ کے وصال سے لے کر آج تک آپ کے مزار پر ایک چراغ روشن ہے جو کبھی نہیں بجھا۔ وہ شام سے صبح تک روشن رہتا ہے۔ بادو باراں کا کئی بار طوفان آیا۔ مگر رات کے وقت اس چراغ کو نہیں بجھا سکا۔ یہ چراغ اس شعر کی عملی تصویر ہے۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد — چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

تاریخ وفات:۔

چوں ابو اسحاق شامی پیر چشت — شد ازیں دنیا بہ جنت شاد کام
وصل پاکش ہست قطب الواصلین — ہم ابو اسحاق محبوب انام

۳۲۹ھ — ۳۲۹ھ

آپ حسینی سادات عظام میں

حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی قدس سرہٗ سے تھے اور حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی قدس سرہٗ کے خلیفہ اکبر تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ میں بے مثال۔ خوارق و کرامات میں لاثانی تھے۔ آپ کا لقب قدوۃ الدین تھا۔ ظاہری و باطنی حسن و جمال کے پیکر تھے۔ آپ کا منور چہرہ دُور سے روشن نظر آتا۔ جس شخص کی نگاہ آپ کے چہرہ پر پڑتی دل و جاں سے محبت کرنے لگتا تھا۔ آپ کی جبیں نور افشاں سے نورِ الٰہی کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔ رات کو گھر میں روشنی کے بغیر تشریف لاتے تو سارا گھر روشن ہو جاتا تھا آپ اندھیرے میں بیٹھتے تو قرآن پاک کے حروف اعراب سمیت نمایاں نظر آتے تذکرۃ العاشقین اور سیر الاقطاب کے مصنفین نے لکھا ہے کہ خواجہ ابو احمد بادشاہ فرغانہ کے بیٹے تھے۔ جو چشت کے شرفاء اور سادات حسینی سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت حسن مثنیٰ سے ملتا ہے ابو احمد بن سلطان فرغانہ سیّد ابراہیم بن سیّد یحییٰ بن سید حسن بن سید مجد المعالی المشہور بہ ابو المعالی بن سید ناصر الدین بن سید عبد اللہ بن سید امام حسن مثنیٰ بن امیر المومنین امام المتقین امام حسن بن علی المرتضیٰ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ۔

سلطان فرغانہ کی ایک بہن تھی۔ جو ولیہ۔ عفیفہ اور صالحہ خاتون تھی۔ حضرت ابو اسحاق شامی بسا اوقات ان کے گھر جاتے۔ اور کھانا بھی کھاتے۔ ایک دن آپ نے انہیں فرمایا۔ کہ تمہارے بھائی کو اللہ تعالیٰ ایک بیٹا دے گا۔ اور اس کی تم پرورش کرنا۔ اس کے پیٹ میں مشکوک خوراک نہ جانے دینا۔ سلطان کی ہمشیرہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کی بھابھی حاملہ ہے۔ تو اس کی خوراک کی نگرانی کرنے لگی۔ آخر تاریخ ششم ماہ رمضان ۲۶۰ھ کو یہ بچہ خلیفہ معتصم باللہ کے دورِ حکومت میں پیدا ہوا۔ جب آپ کی عمر سات سال ہوئی۔ تو حضرت ابو اسحاق کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ ظاہری

باطنی تعلیم لی۔ اور حضرت خواجہ سے مستفیض ہوتے رہے۔ سولہ سال کی عمر میں ظاہری علوم سے فارغ ہوئے۔ تو حضرت نے بیعت فرمالیا۔ اور خلوت کدہ میں ریاضت میں لگا دیا۔ بڑے مجاہدے کئے چنانچہ سات روز بعد کھانا کھاتے۔ وضو کرتے اور تین لقموں سے زیادہ نہ کھاتے۔ چالیس دنوں بعد حاجت انسانی کے لئے باہر جاتے۔

ایک دن خواجہ ابو احمد چشتی اپنے والد گرامی کے ہمراہ پہاڑوں پر شکار کھیلنے چلے گئے اتفاقاً والد اور ان کے ساتھیوں سے جدا ہو گئے اور پہاڑوں میں راستہ بھول گئے۔ رجال الغیب سے چالیس افراد ایک چٹان پر کھڑے تھے اور خواجہ ابو اسحاق شامی بھی انہی کے درمیان کھڑے تھے۔ حضرت خواجہ کو پہچان کر گھوڑے سے اُتر آئے۔ قدم بوسی کی اسلحہ اور گھوڑا تن سے علیحدہ کئے اور خواجہ کی رکاب پکڑ کر پیدل چلنے لگے۔ آپ کے باپ نے اور ان کے لشکر نے پہاڑوں میں آپ کو بڑا تلاش کیا۔ مگر نوجوان ابو احمد کا کہیں پتہ نہ چلا۔ چند دنوں بعد خبر ملی کہ ابو احمد فلاں موضع میں حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی قدس سرہٗ کی خدمت میں موجود ہے۔ بادشاہ نے چند آدمیوں کو بھیجا کہ انہیں لے آئیں۔ مگر ان کی ساری پند و نصیحت کے باوجود ابو احمد نے حضرت شامی کی مجلس سے جانا پسند نہ کیا آٹھ سال تک محنت شاقہ سے گزرے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ تیس سال تک کبھی بستر پر آرام نہیں کیا۔

حضرت خواجہ ابو احمد جس پر ایک بار نگاہ ڈالتے وہ صاحب کرامت بن جاتا اگر مریض کو ایک بار دیکھ لیتے تو شفایاب ہو جاتا۔ سماع کے وقت آپ کی جبین سے خصوصی نور ظاہر ہوتا۔ جس کی شعاعیں آسمانوں کو چھوتیں۔ حضرت ابو احمد کی کرامات کی شہرت مشرق و مغرب میں پھیلی۔ تو علماء عصر کو آپ سے حسد ہونے لگا۔ آپ کے سماع کی مجالس کے خلاف فتویٰ بازی ہونے لگی۔ ایک محضر نامہ تیار کیا گیا۔ اور امیر نصیر جو حاکم عادل بھی تھا۔ اور آپ کا حقیقی ماموں بھی آپ کی خدمت میں پیش

کیا گیا۔ حضرت خواجہ کی مجلس سماع کی برائیاں بیان کی گئیں۔ امیر نے ملک بھر کے علماء کی ایک مجلس بلائی جس میں کئی ہزار علماء جمع ہوئے۔ خواجہ ابو احمد کو بھی اس مجلس میں پیش کیا گیا۔ حضرت خواجہ یہ خبر سن کر خرقہ خلافت پہنے گھوڑے پر سوار ہو کر امیر کے دربار میں پہنچے آپ کے ساتھ ایک خادم محمد خدا بندہ نامی تھا۔ جسے سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص کے علاوہ قرآن سے کچھ یاد نہیں تھا۔ امیر نصیر کی بارگاہ میں پہنچے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے تمام علماء اور حاسدین کا یہ ارادہ تھا کہ جب خواجہ ابو احمد آئیں تو کوئی شخص نہ استقبال کے لئے جائے۔ اور نہ احترام میں اٹھے۔ مگر ایسا ہوا۔ کہ جب خواجہ مجلس کے پاس آئے تو تمام علماء تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بعض نے آگے بڑھ کر استقبال بھی کیا۔ مجلس میں لا کر ایک بلند مسند پر بٹھایا گیا۔ اور مسئلہ سماع پر گفتگو شروع کر دی۔ جب علماء کرام اپنا نکتہ نظر بیان کر چکے اور اپنے اپنے اعتراضات کی تفصیل سنا چکے تو حضرت خواجہ ابو احمد نے اپنے خادم محمد بندہ کو اشارہ فرمایا۔ کہ ان علماء کرام کے اعتراضات کا جواب دو۔ خادم ان پڑھ تھا۔ مگر اسے یوں محسوس ہوا جیسے آج وہ سب سے زیادہ عالم اور فاضل ہے۔ اس نے علماء کے ایک ایک اعتراض کا جواب قرآن و احادیث سے دینا شروع کیا۔ بزرگان سلف کے طریقہ کو بھی بیان کرنے لگا۔ تمام علماء اس کے جوابات سن کر دنگ رہ گئے بعض تو شرمندگی سے سر جھکائے بیٹھے رہے۔

ہر آں کہتر کہ با مہتر ستیزد چناں افتد کہ ہرگز برنخیزد

حضرت خواجہ ابو احمد کے والد ایک شراب خانہ کے مالک تھے۔ اس میں کئی سال پرانی شراب کا ذخیرہ جمع رہتا تھا۔ حضرت خواجہ بچپن میں ایک دن شراب خانے میں چلے گئے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور تمام شراب کے مٹکے توڑ ڈالے بادشاہ نے چھت پر چڑھ کر بچے کی اس حرکت کو دیکھا تو نہایت غصہ میں چلایا اور ایک پتھر

لے کر دے مارا۔ اگرچہ پتھر خواجہ ابو احمد تک پہنچا۔ مگر قریب جا کر ہوا میں معلق ہو گیا۔ سلطان دیکھ کر حیران رہ گیا۔ شراب خانے میں آیا اور اپنے بیٹے کو اٹھا کر اللہ سے شراب نوشی سے توبہ کی۔ یہ واقع ۲۸۰ھ ہجری میں رونما ہوا تھا۔

حضرت خواجہ ابو احمد ایک سفر میں ایسے ملک میں جا پہنچے جہاں کوئی بھی مسلمان نہیں تھا۔ اور ہر طرف کافر ہی کافر تھے یہ ایسے سخت کافر تھے کہ انہیں کوئی مسلمان نظر آتا تو اسے پکڑ کر آگ میں پھینک دیتے۔ انہوں نے خواجہ ابو احمد کو دیکھا پہچان لیا کہ یہ مسلمان ہے۔ بڑی سختی کرنے لگے۔ خواجہ کو جلانے کے لئے ایک جگہ آگ جلائی گئی۔ اور خواجہ کو اس میں پھینکنے کے لئے تدبیریں کرنے لگے۔ حضرت خواجہ نے انہیں کہا۔ تم لوگ مجھے آگ میں پھینکنے کی تکلیف نہ کریں میں خود ہی آگ میں کود پڑتا ہوں۔ آپ نے مصلیٰ کندھے پر رکھا۔ اور آگ کے شعلوں میں کود پڑے۔ آگ سرد ہو گئی۔ آپ نے انگاروں پر مصلیٰ بچھا دیا۔ اور دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ ان دشمنانِ اسلام نے آپ کی کرامت دیکھی تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور دل و جان سے آپ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔ جو شہر کفر آباد تھا آپ کی برکت سے اسلام آباد بن گیا۔

حضرت ابو احمد ابدال رحمۃ اللہ علیہ ششم ماہ رمضان ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے یکم ماہ جمادی الثانی ۳۵۵ھ کو فوت ہوئے۔

ہادی حق سید محبوب گو — سال تولیدش بقول اصفیاء
وصل او نور الٰہی احمدست — ۲۶۰ھ — نیز بو احمد فرید آمد بجا — ۳۵۵ھ

خواجہ ابو محمد بن ابو احمد چشتی قدس سرہٗ: آپ کا لقب نصح الدین اور اپنے وقت کے اولیاء، کبراء اور مشائخ نامدار میں سے تھے۔ بڑے عظیم الشان اور بلند رتبہ ولی اللہ تھے آپ نے خرقۂ

خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔

جن دنوں وہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تھے تو والدہ لا الٰہ الا اللہ کی آواز سُنا کرتی تھیں۔ اُس نے یہ واقعہ اپنے شوہر کو سنایا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نیک سیرت بچہ دے گا۔

جب خواجہ ابو محمد محرم کی پہلی رات ۳۳۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ تو اُسی رات ان کے والد نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا اے ابو احمد اللہ تمہیں ایک بیٹا دے گا۔ جس کا نام میرے نام پر محمد رکھنا۔ خواجہ پیدا ہوئے۔ ابھی وہ دائی کے ہاتھوں میں تھے کہ سات بار لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ زبان پر لائے۔ دس دن تک ایام عاشورہ تھے۔ دن کے وقت دودھ نہ پیتے اور روزہ رکھتے اور رات کو دودھ پیتے۔ ڈھائی سال کی عمر میں کم کھاتے اور کم سوتے۔ جس وقت اُن کی عمر ساڑھے چار سال ہوئی انہیں مدرسہ میں داخل کروا دیا گیا اور تختی دے دی گئی۔ اُس تختی پر غیب سے یہ آیت لکھی ہوئی تھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الرَّحمٰنُ عَلَّمَ القرآن رَبِّ یَسِّرْ وَلَا تُعَسِّر۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ط۔ آپ نے تھوڑی مدت میں قرآن پاک حافظ کر لیا۔ سات سال کی عمر میں نماز باجماعت ادا کرنے لگے۔ جو بات کرتے وہ پوری ہو جاتی۔ آپ کی عمر چوبیس سال کی تھی کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ آپ ان کے مصلیٰ پر جلوہ افروز ہوئے۔ کئی بار کنواں میں لٹک کر نمازِ معکوس ادا کرتے۔ کبھی بھی آپ نے اپنا پہلو زمین پر نہ رکھا اور نہ سوئے۔ سات دن کے بعد ایک کھجور اور پانی کا ایک گھونٹ پیتے تھے۔ آپ کے ظاہری و باطنی علوم کے استاد حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

ایک دن خواجہ ابو احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ مجلس سماع میں بیٹھے ہوئے تھے اتفاقاً

خواجہ ابو محمد بھی مجلس میں تشریف لائے۔ نعت سنتے ہی رقت طاری ہو گئی اور نہایت ذوق و شوق سے بے دم ہو گئے سات دن تک بے خود پڑے رہے۔ صرف نماز کے وقت ہوش میں آتے نماز ادا کرنے کے بعد پھر بے ہوش ہو جاتے۔ آٹھویں دن آپ کے والد حضرت خواجہ ابو احمد نے سماع موقوف فرمایا اور خواجہ ابو محمد کے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ وہ ہوش میں آ گئے۔ اور آنکھیں کھول دیں آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگے۔ پھر پڑھو کچھ پڑھو۔ عالم غیب سے نعت کی آواز آنی شروع ہوئی۔ یہ ایسے اشعار تھے کہ آج تک کسی نے نہ سُنے تھے۔ خواجہ حاضرین کے ساتھ پھر وجد میں آ گئے اور تین روز تک بے خود پڑے رہے۔

ایک دن خواجہ ابو محمد دریا کے کنارے بیٹھے۔ اپنی گودڑی سی رہے تھے اسی اثنا میں اُس ملک کا بادشاہ وہاں سے گزرا اور ایک ہزار کی تھیلی آپ کو پیش کی۔ آپ نے اُسے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ ہمارے بزرگ بادشاہوں سے نذرانہ نہیں لیا کرتے۔ بادشاہ نے پھر ضد کی اور اصرار کیا کہ آپ یہ رقم لے لیں حضرت خواجہ نے دریا کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر کہا۔ تو ہزاروں مچھلیاں منہ میں تھیلیاں اٹھائے پانی کی سطح پر تیرنے لگیں حضرت خواجہ نے بادشاہ کو فرمایا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دی ہو اُسے تمہاری تھیلی کی کیا پرواہ ہے۔

خواجہ ابو محمد کی ہمشیرہ مکرمہ بھی دلیہ تھیں۔ وہ ہمیشہ اللہ کی عبادت میں رہتی اور چالیس سال تک شادی کرنے پر راضی نہ ہوئیں۔ ایک دن خواجہ محمد اپنی ہمشیرہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے عزیزہ تقدیر میں لکھا ہے کہ تمہارے بدن سے ایسا بیٹا پیدا ہو گا جو قطب الاقطاب بنے گا۔ لیکن یہ بات شوہر کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ بات سُننے کے باوجود شادی کرنے سے انکار کرتی رہی۔ خواجہ خاموش ہو کر اٹھ آئے۔

اسی رات اس نیک بی بی نے اپنے والد خواجہ ابو احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے بتایا کہ ایک سید زادہ محمد سمعان ہے۔ وہ نیکی اور تقوے میں مشہور ہے تمہارے مقدر میں لکھا ہے کہ وہ تمہارا شوہر بنے گا۔ اور ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے نورِ ولایت سے ہمارا خاندان روشن ہوگا۔ دوسری طرف ایسا ہی خواب خواجہ محمد کو آیا۔ دوسری صبح اُٹھے تو خواجہ ابو محمد نے کسی آدمی کو بلایا اور کہا کہ شہر میں ایک سید زادہ سید محمد سمعان رہتا ہے اُسے تلاش کر کے لائیں جب وہ سید زادہ لایا گیا تو اس بی بی کا نکاح پڑھا دیا گیا۔ بی بی کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام خواجہ ابو یوسف رکھا گیا وہ ولی مادر زاد تھا اور تھوڑی ہی مدت میں اُسے خرقۂ خلافت ملا۔

خواجہ ابو محمد کا ایک خدمت گزار تھا اس کا نام استاد مردان تھا۔ کئی سال تک وہ آپ کی خدمت میں رہا اور کامل اعتقاد کے ساتھ خدمت بجا لاتا حتیٰ کہ خواجہ کے استنجاء کرنے کے لئے جو ڈھیلے لاتا اسے پہلے اپنے رخساروں سے صاف کرتا پھر استنجے کی جگہ پر رکھتا۔ حضرت خواجہ نے اُسے اس قدر خدمت گزار پا کر خرقۂ خلافت سے نوازا اور حکم دیا کہ اپنے ملک چلا جا۔ وہ اپنے پیر روشن ضمیر کی جدائی پر زار زار روتا تھا اور کہتا تھا کہ جب تک میرے جسم میں جان ہے میں آپ کی خدمت سے علیحدہ نہیں رہوں گا۔ حضرت خواجہ نے اُس کی زاری اور بے قراری دیکھی تو فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ بات منوالی ہے کہ تم جہاں کہیں بھی ہوگے۔ جب بھی مجھے دیکھنے کی آرزو کرو گے میں تمہارے سامنے نظر آؤں گا۔ اور کسی غیبی وساطت کے بغیر ملاقات کر لیا کرو گے۔ اس بات سے اس کی تسلی ہو گئی۔ اور وہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ وہ ساری زندگی جب چاہتا حضرت خواجہ کو دیکھ لیتا۔

یاد رہے کہ خواجہ ابو محمد چشتی کے تین کامل خلفاء تھے۔ ایک خواجہ ابو یوسف دوسرے

خواجہ محمد کا کو تیسرے خواجہ اُستاد مردان تھے۔ یہ تینوں حضرات خواجہ ابو محمد کی وفات کے بعد مسندِ ہدایت وارشاد پر بیٹھے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے آپ کی تاریخ وفات چودہ ربیع الاوّل چار سو گیارہ ہجری لکھی ہے جبکہ سفینۃ الاولیاء میں یکم ماہ رجب چار سو گیارہ ہے۔

تاریخ وفات

بو محمد پیر ہر برنا و پیر — محرم حق واقف سرِ خُدا
واصل صدیق تولیدش نخواں — حلتش فرمامحمد پیشوا
۴۱۱ھ ۳۳۱ھ

خواجہ ابو یوسف چشتی قدس سرہٗ: آپ سلسلہ چشتیہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ جمالِ طریقت اور کمالِ حقیقت کے مالک تھے۔ آپ کی کرامتیں اور کمالات ظاہر و باہر تھیں۔ آپ کو خرقۂ خلافت اپنے ماموں خواجہ ابو محمد چشتی سے ملا۔ والد کا اسمِ گرامی سیّد محمد سمعان تھا۔ خواجہ ابو محمد آپ کو اپنا بیٹا ہی جانتے تھے اور آپ نے آپ کی تربیت کی۔ آپ کی عمر چھتیس ۳۶ سال کی تھی۔ کہ آپ کے ماموں کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ ان کی جگہ جلوہ فرما ہوئے۔ آپ کا نسب پاک حضرت امام حسین سے اس طرح جا ملتا ہے۔ سید یوسف چشتی بن محمد سمعان بن سیّد ابراہیم بن سید محمد بن سیّد حسین بن سیّد عبید اللہ علی اکبر بن امام حسن اصغری بن امام علی تقی بن امام التقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن امیر المومنین امام حسین رضی اللہ خواجہ ابو محمد کی وفات کے بعد خواجہ ابو یوسف ہرات میں تشریف لے آئے۔ راستے میں ایک گاؤں آیا جس کا نام کنک تھا وہاں ایک ایسا درویش رہتا تھا جو نہایت ہی متقی تھا اس کی ایک بیٹی تھی جو بڑی ہی نیک پارسا اور خوبصورت تھی۔ رات کے وقت اُس لڑکی نے خواب میں دیکھا کہ چودھویں کا چاند آسمان سے اُتر کر میرے پاس آگیا ہے اور وہ

چاند مجھے کہنے لگا کہ تم میری بیوی ہو۔ میں نے تمہیں خدا سے چاہا ہے۔ صبح ہوئی۔ تو لڑکی نے اپنے والد سے خواب بیان کی اور پوچھا کہ اس کی تعبیر کیا ہے۔ اس کے والد حضرت خواجہ ابو یوسف کی خدمت میں گئے تاکہ خواب کی تعبیر دریافت کریں۔ ابھی انہوں نے کچھ نہ پوچھا تھا تو خواجہ ابو یوسف نے لڑکی کے خواب کا تمام احوال سنا دیا اور درویش کو تسلی دی کہ چودھویں کا چاند میں ہی ہوں اور میں نے تمہاری لڑکی کو خدا سے مانگا ہے۔ درویش اُٹھا اور اپنی لڑکی کا نکاح حضرت خواجہ سے کر دیا۔ حضرت خواجہ اپنی بیوی کو لے کر اپنے گاؤں چشت آ گئے۔ اُس پارسا بی بی کے بطن سے خواجہ مودود چشتی اور خواجہ تاج الدین ابوالفتح پیدا ہوئے۔

ایک دن گرمیوں کے موسم میں خواجہ ابو یوسف اپنے دوستوں کے ساتھ گھر سے نکلے ایک ایسے جنگل میں پہنچے جہاں دُور دُور تک پانی نہ تھا۔ تمام دوستوں کو پیاس نے تنگ کیا آپ سے پانی کی التجاء کی حضرت خواجہ ابو یوسف نے اپنا عصاء ایک پتھر پر مارا جس سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ آپ نے سب سے پہلے خود پانی پیا۔ پھر تمام لوگ سیراب ہوئے۔ یہ چشمہ اب تک جاری ہے اُس کی خاصیت یہ ہے کہ سردیوں میں اُس کا پانی گرم ہوتا ہے اور گرمیوں میں یخ ٹھنڈا۔ اگر کوئی بخار میں مبتلاء شخص وہ پانی پی لے تو اُسی وقت صحت یاب ہو جاتا ہے۔

خواجہ یوسف کے گھر میں ایک بہت بڑا پتھر تھا آپ اکثر اوقات اس پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت خواجہ نماز پڑھنے کے بعد اپنے گھر سے نکلے آپ نے دیکھا کہ وہ پتھر بھی آپ کے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ گاؤں کے سارے لوگ پتھر کو چلتا دیکھ کر جمع ہو گئے۔ اور یہ تماشا دیکھنے لگے۔ حضرت خواجہ نے لوگوں کو شور مچاتے اور تالیاں بجاتے دیکھا تو پتھر کو دیکھ کر فرمایا یہاں رُک جاؤ۔ اس دن کے بعد کئی اولیاء اللہ نے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام اُس پتھر پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔

اندھیری راتوں میں اُس پتھر سے نور کی شعاعیں نکلتی ہیں جس سے تمام گاؤں روشن ہو جاتا ہے۔

حضرت خواجہ یوسف رحمۃ اللہ علیہ سماع کے بڑے شوقین تھے۔ سماع کے وقت آپ کی پیشانی سے ایسا نور نکلتا جو آسمان کی بلندیوں کو چھوتا۔ خواجہ ابوبکر شبلی اکثر آپ کی مجلس سماع میں شامل ہوتے تھے۔ ایک شخص نے خواجہ سے پوچھا! اگر سماع اللہ کے رازوں سے ایک راز ہے تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اسے سُننے سے کیوں منع فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ خواجہ جنید بغدادی کے دوست اور خلیفہ شبلی ہماری محفل میں آنے والے ہیں اُن سے پوچھ لینا ابوبکر شبلی نے کہا کہ اگر سماع سُننا مشکل ہو تو اس سے توبہ کر لو جو شخص سماع سُننا نہیں جانتا اُسے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اگر آج خواجہ جنید بغدادی ہماری مجلس میں ہوتے تو توبہ کرتے۔

ایک دن حضرت خواجہ کہیں جا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ لوگ مسجد بنا رہے ہیں ایک لکڑی کا شہتیر مسجد کی چھت پر رکھنا چاہتے ہیں مگر وہ ایک گز چھوٹا ہے۔ دیواروں پر پورا نہیں آتا۔ حضرت خواجہ نے دیکھا تو گھوڑے سے اُترے شہتیر کو اٹھا کر دیوار پر رکھا لوگوں نے دیکھا کہ وہ شہتیر ایک گز بڑا ہے۔

حضرت خواجہ یوسف کو قرآن پاک کا پہلا حصہ یاد تھا۔ وہ دل میں سوچتے کہ اگر مجھے سارا یاد ہوتا تو پورا ثواب ملتا۔ رات خواجہ ابو محمد خواب میں تشریف لائے۔ فرمایا ابو یوسف سو بار سورۃ فاتحہ پڑھو۔ تمہیں قرآن یاد ہو جائے گا۔ آپ نے ایسا ہی کیا سارا قرآن یاد ہو گیا۔ آپ ہر روز پانچ بار قرآن شریف ختم کیا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ پچاس سال کی عمر میں حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ حضرت خواجہ حاجی کے مقبرہ کے پاس ایک ایسا حجرہ بنایا جس میں آپ اعتکاف بیٹھ سکیں۔ یہ اعتکاف کدہ ایک تہہ خانہ میں بنایا گیا۔ آپ تقریباً

بارہ سال وہاں معتکف رہے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت خواجہ کو ملنے حاضر ہوا کرتے تھے۔ رات کو رجال الغیب بھی آتے تھے۔ پریاں اور جن بھی حاضری دیا کرتے تھے ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ حضرت خواجہ کے مریدوں میں سے دو جن ایسے بھی تھے۔ جو سانپ کی شکل میں حجرے کے سامنے رہا کرتے تھے اور عام آدمیوں کو حجرے کے نزدیک نہیں آنے دیتے تھے۔

آپ کی وفات سوم رجب المرجب ۴۵۹ھ کو ہوئی تھی۔

خواجہ وقت یوسف ثانی — مثل او مادر زمانہ نزاد
صاحب حسن یوسف است بداں — سالِ تولید آں شہ اوتاد

۳۷۵ھ

رحلتش شد عیاں نعارف حق — نیز یوسف ولی مادر زاد

۴۵۹ھ — ۴۵۹ھ

حضرت خواجہ مودود چشتی قدس سرہٗ

آپ مادر زاد ولی تھے قطب الاقطاب اور قطب الدین لقب پایا تھا۔ شمع صوفیاء اور چراغ چشتیہ کے خطابات سے نوازے گئے تھے۔ یگانۂ روزگار محبوب پروردگار صاحب الاسرار اور مخزن الانوار تھے۔ خرقۂ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔ وہ اکثر ہوا میں پرواز کر کے جہاں چاہتے چلے جایا کرتے تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور سولہ سال کی عمر میں علوم دینیہ سے فارغ ہو گئے۔ آپ کی تصانیف میں سے منہاج العارفین اور خلاصۃ الشریعہ بہت مشہور ہیں۔ آپ کی عمر انتیس سال تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ آپ سجادۂ نشین بنے اور مخلوق کی ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ بیت المقدس سے چشت تک اور بلخ و بخارا کے علاقوں کی سیر کی۔ آپ کے ایک ہزار خلفاء مشہور

ہوئے۔ اور آپ کے مریدوں کی تعداد کا کوئی شمار نہیں۔ دنیا کے کسی حصے پر آپ کے کسی مرید کو کوئی مشکل پیش آتی آپ مدد کے لئے وہاں پہنچتے۔ آپ کی وفات کے بعد بھی جو شخص آپ کے مزار پر تین دن کے لئے حاضر ہوتا اور دعا کرتا تو اُس کی مشکل حل ہو جاتی۔ آپ کے بہت بیٹے تھے۔ چنانچہ خطۂ پاک چشت سے آپ کی اولاد کی کئی شاخیں دنیا میں پھیلیں۔

خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو کعبہ کے طواف کرنے کا شوق پیدا ہوتا تو وہ ہوا میں اُڑ کر فوراً مکہ شریف پہنچ جاتے۔ طواف کرتے اور اسی دن واپس آجاتے۔ حضرت شیخ احمد جام زندہ پیل بڑے مشہور ولیوں میں ہوئے ہیں انہوں نے جب خواجہ ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر سُنی۔ تو آپ خواجہ مودود کے پاس چشت کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے دشمنوں نے آپ کے خلاف حضرت مودود چشتی کو یہ خبر پہنچائی کہ خواجہ احمد جام آپ کی ولایت پر قبضہ کرنے آرہے ہیں۔ یہ بات سنتے ہی خواجہ مودود چشتی نے مراقبہ کیا اور چند لمحوں کے بعد سر اُٹھا کر فرمایا کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ شیخ احمد جام تو محبت و خلوص سے آرہے ہیں چنانچہ خواجہ نے فوری طور پر ایک دیوار کو حکم دیا کہ وہ گھوڑے کی طرح تیز دوڑ کر شیخ احمد جام کا استقبال کرے اور انہیں لائے۔ شیخ مودود چشتی چار ہزار اولیاء اور خلفاء کو لے کر استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ شیخ احمد جام شیر پر سوار ہو کر دریائے نوتک کے کنارے پر کھڑے تھے۔ دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔ دونوں اپنی سواریوں سے نیچے آگئے اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے۔ دیر تک بیٹھے۔ گفتگو کرتے رہے۔ وہاں سے خواجہ علی حکیم جو خواجہ مودود چشتی کا معتقد تھا کے گھر تشریف لے گئے۔ تین دن تک مجلس سماع منعقد رہی۔ دونوں حضرات وجد میں جھومتے رہے۔ بے غیرت دشمنوں نے شیخ احمد کی تشریف آوری کی خبر دوسرے

انداز میں پیش کی تھی۔ اب یہ لوگ موقع غنیمت جان کر مجلسِ سماع میں چلے آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ شیخ احمد جام کو تلوار سے ہلاک کر دیں۔ مگر اسی اثناء میں خواجہ مودود چشتی کی نگاہِ غضب ان پر ایسی پڑی کہ تمام بے ہوش ہو کر تڑپنے لگے۔ جب مجلس ختم ہوئی تو شیخ احمد جام نے ان بے ہوشوں کی حالت دریافت کی تو حضرت خواجہ مودود نے سارا واقعہ سُنا دیا۔ شیخ احمد جام نے ان کا جرم معاف کر دیا۔ اُن کی پشت پر دستِ شفقت پھیرا تو اُن کو ہوش آیا۔ دونوں بزرگوں کے پاؤں پر گر پڑے۔ شیخ احمد جام حضرت خواجہ مودود دونوں خلوت میں رہے۔ دونوں حضرات نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا۔ کچھ دنوں بعد اپنی اپنی خانقاہ کی طرف تشریف لے گئے۔

ہم یہاں بتا دینا چاہتے ہیں کہ نفحات الانس کے مصنف نے اس واقعہ کو دوسری طرح نقل کیا ہے۔ لیکن ہم نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ جب شیخ احمد جام سے رخصت لے کر چشت کی طرف لوٹے۔ تو راستے میں پہاڑ کے دامن میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جو یا مودود کا ورد کر رہا تھا۔ اُس سے پُوچھا گیا تو اُس نے بتایا کہ میں ایک عرصہ سے نابینا تھا۔ ایک دن میں نے اللہ کی بارگاہ میں بینائی کے لئے دعا کی تو مجھے غیب سے آواز آئی کہ خواجہ مودود میرے محبوب ہیں اُن کے نام کا ورد کیا کرو۔ ایک وقت آئے گا کہ ان کی برکت سے بینائی مل جائے گی حضرت خواجہ مودود نے جب یہ بات سُنی۔ تو اپنا لعاب دہن اس کی آنکھوں پہ ملا۔ وہ اُسی وقت بینا ہو گیا۔

حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ جب بلخ میں پہنچے تو وہاں کے علماء نے آپ کی بڑی مخالفت کی۔ مسئلہ سماع پر مناظرہ کرنے کے لئے ایک عظیم الشان اجلاس کیا۔

اس مجلس میں علمائے بلخ نے جتنے سوالات اُٹھائے حضرت خواجہ مودود نے اُن کے جواب دیئے۔ اور فرمایا ہم خواجہ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی سنت پر قائم ہیں وہ ہمارے پیر تھے اور سماع سُنا کرتے تھے۔ علماء نے جواب میں کہا کہ خواجہ ابراہیم ادھم پیر کامل تھے۔ وہ ہوا میں اُڑا کرتے تھے۔ ان کا سماع سُننا جائز ہے مگر آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ حضرت خواجہ مودود چشتی اُسی وقت مجلس سے اُٹھے اور تیز پرندے کی طرح ہوا میں پرواز کرنے لگے۔ علماء کی نظروں سے غائب ہو گئے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد واپس آئے اور مجلس میں آکر یوں بیٹھ گئے کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی اہل مجلس میں شور برپا ہو گیا۔ اِس مجلس میں دو ہزار لوگ موجود تھے تمام کے تمام آپ کے مرید ہو گئے۔ مگر اِس کے باوجود بعض ضدی علماء اصرار کرتے رہے کہ ہمیں اِس پرواز پر اعتبار نہیں۔ ایسا کام تو بعض جوگی بھی کر لیتے ہیں۔ ہم اس وقت مانیں گے جب جامع مسجد کے حوض پر پڑا ہوا بڑا پتھر آپ کی ولایت کی گواہی دے۔ پھر ہم آپ کے مرید ہو جائیں گے۔ حضرت خواجہ نے انگشت شہادت سے پتھر کی طرف اشارہ کیا وہ پتھر اپنی جگہ سے ہلا اور لیٹے لیٹے حضرت خواجہ کے پاس آکر رُک گیا۔ پتھر سے آواز آئی۔ اے خواجہ مودود آپ کی ولایت پر کوئی شک نہیں۔ آپ کے اقوال شرع پیغمبر کے مطابق ہیں۔ بلخ کے علماء نے جب یہ کرامت دیکھی تو حضرت خواجہ مودود کے قدموں میں گر پڑے اپنی غلطی کی معافی مانگی۔

یاد رکھیں کہ خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہزار مشہور خلفاء تھے۔ جن میں اکثر اولیاء کبار اور مشائخ والا تبار تھے۔ اگر ان کے اسماء گرامی لکھیں جائیں تو ایک علیحدہ کتاب درکار ہو گی۔ ہم تبرکاً یہاں صرف آٹھ بزرگوں کے نام لکھتے ہیں۔ پہلے آنجناب کے فرزند ارجمند خواجہ ابو احمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین بنے اور طلباء حق کو تربیت کرتے رہے۔ دوسرے خواجہ حاجی شریف

زندنی رحمۃ اللہ علیہ تھے آپ قطب الوقت بھی تھے اور غوث زمانہ بھی تیسرے شاہ سنجان تھے جن کا پہلے نام خواجہ سنجان تھا پھر انہیں خواجہ بزرگوار کا خطاب ملا۔ چوتھے ابونصیر شکیبان زاہد تھے آپ سیستان کے اکابر مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ پانچواں شیخ حسن تبتی ہیں جو پانچویں کو تبت میں سکونت رکھتے تھے چھٹے احمد بدرون تھے جو موضع بدرون میں سکونت پذیر تھے۔ ساتواں خواجہ سبز پوش آذربائیجانی تھے آٹھویں عثمان رومی تھے۔ آپ کو حضرت بایزید بسطامی کے سلسلۂ عالیہ سے بھی خلافت ملی تھی نویں خواجہ ابوالحسن بانی تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

جب حضرت خواجہ مودود رحمۃ اللہ علیہ مرض موت میں صاحب فراش ہوئے۔ روز بروز مرض بڑھتا جاتا تھا۔ وفات کے دن بار بار اپنے دروازے کی طرف دیکھتے تھے ہر بار سرہانے سے سر اُٹھاتے جیسے کسی بڑے پیارے کے آنے کا انتظار ہو۔ اسی اثناء میں ایک شخص نورانی چہرے اور پاکیزہ لباس کے ساتھ اندر آیا۔ سلام ادا کرنے کے بعد ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا پیش کیا جس پر سبز خط سے چند سطریں لکھی ہوئی تھیں حضرت خواجہ نے اس کپڑے کو ایک نظر دیکھا اور اپنی آنکھوں پر رکھا اور جان اللہ کے حوالے کر دی۔ تجہیز و تکفین کے بعد لوگ نماز جنازہ ادا کرنے لگے تو ایک ہیبت ناک آواز آئی جس کی دہشت سے لوگ درہم برہم ہو گئے۔ بہت سے رجال الغیب پہنچے۔ پہلے انہوں نے نماز جنازہ ادا کی۔ ان کے بعد جن اور دیو آنے لگے۔ پھر ہزاروں پری زاد پہنچنے شروع ہوئے۔ وہ نماز جنازہ پڑھتے جاتے اس کے بعد آپ کے بے شمار مرید خلفاء چھوٹے بڑے نماز جنازہ ادا کرتے رہے جب سب لوگ فارغ ہوئے تو جنازے کا تابوت خود بخود اٹھا اور قبر تک جا پہنچا۔ اس کرامت کو دیکھ کر دس ہزار ایسے لوگ جو اسلام سے بیگانہ تھے مشرف با اسلام ہوئے۔

حضرت خواجہ مودود چار سو تیس (۴۳۰) ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور آپ یکم رجب المرجب ۵۲۵ھ

میں فوت ہوئے۔

صاحبِ مودود والی پیشوا — ہم شہِ محمود دین مودود خواں

۵۲۷ھ — ۵۲۷ھ

انتقال از سرور والا دعا — رحلت آں بادشاہ اتقیاء

خواجہ احمد بن مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ اپنے والد خواجہ مودود کے خلیفہ تھے۔ بہت بڑے بزرگ اور قطب الوقت تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم کے ماہر تھے۔ آپ نے ایک بار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اے احمد تم ہمارے مشتاق ہیں ہو ہم تمہارے مشتاق ہیں۔ صبح ہوئی آپ نے تین چار دوستوں کو ساتھ لیا اور اس طرح گھر سے باہر نکلے جیسے انہیں کوئی جانتا ہی نہیں۔ اس طرح حرمین شریف کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ پہلے مکہ معظمہ پہنچے۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے چھ ماہ تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور پہ بیٹھے رہے آپ کا اس طرح بیٹھنا وہاں کے مجاوروں کو گراں گزرا۔ انہوں نے چاہا ان کو تنگ کر کے حضور کے روضے سے دُور کر دیا جائے روضۂ منورہ سے آواز آئی کہ اس شخص کو تنگ نہ کیا جائے۔ یہ ہمارا مشتاق ہے اور ہم اس کے مشتاق ہیں۔ یہ آوازیں حاضرین نے سُنی۔ تو سب خاموش ہو گئے۔ بارگاہِ رسالت سے اجازت لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور بغداد پہنچے بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں قیام کیا۔ حضرت شیخ نے آپ کی بڑی عزت و تکریم کی۔

شیخ احمد پانچ سو سات ۵۰۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور پانچ سو ستر ۵۷۰ ہجری میں انتقال فرمایا آپ کا مزار گوہر بار موضع چشت میں موجود ہے۔

شیخ دین احمد کہ در میراں چشت — بود کامل اہل حال و اہل قال
مہربان قطب زماں تولید اوست — عاشق احمد ولی داں انتقال

۵۰۷ — ۵۷۰ھ

خواجہ شاہ محمود سنجاں قدس سرہٗ:

آپ کا اسم گرامی محمود اور کنیت رکن الدین تھی آپ موضع سنجان خواف سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے۔ آپ کو شاہ اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ کو اپنے پیر روشن ضمیر سے یہ لقب عطا ہوا تھا۔ کہتے ہیں۔ جب تک حضرت شاہ سنجان چشت میں قیام پذیر رہے۔ پیشاب تک نہیں کیا۔ اگر وضو توڑنے کی ضرورت پیش آتی۔ تو چشت کے حدود سے باہر نکل جایا کرتے تھے۔ وہاں ہی تازہ وضو کر کے حدود چشت میں داخل ہوا کرتے۔

آپ کی وفات ۵۹۷ھ میں ہوئی۔

بجنت رفت چوں زیں دیر فانی — معلی شاہ عالی جاہ محمود
عیاں شد سال ترحیلش بسرور — زعالی زبدۂ دیں شاہ محمود

۵۹۷ھ

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی قدس سرہٗ:

آپ بڑے احوال عجیبہ اور مقامات غریبہ کے مالک تھے آپ مقتدائے مشائخ اور پیشوائے ابدال تھے۔ آپ کا لقب نیر الدین تھا۔ حضرت خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ خلافت پایا تھا۔ چودہ سال کی عمر سے باوضو رہنے لگے۔ کپڑے پرانے اور پیوند شدہ پہنتے تھے۔ فقر و تجرید پر کاربند رہے۔ آپ کا روزہ بھی مسلسل روزہ تھا۔ تین روز کے بعد بے نمک سبزی سے روزہ افطار کرتے تھے۔ اس سبزی میں یہ کمال تھا۔ کہ آپ کا تبرک کوئی اور کھاتا تو مجذوب ہو جاتا۔ اگر سماع سن لیتا تو اس قدر

روتا کہ بے ہوش ہو جاتا۔ اگر دنیا پرست ایک بار مجلس سماع میں شریک ہوتا۔ تو تارک الدنیا ہو جاتا تھا۔

ایک فکر مند فقیر جس کی سات بیٹیاں تھیں۔ اور غربت و افلاس کی وجہ سے سخت پریشان تھا۔ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی۔ اگر آپ کی نگاہ فیضان سے میرے رزق میں کشادگی ہو جائے اور بیٹیوں کے نکاح سے فارغ ہو جاؤں تو ساری عمر دُعا گو رہوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ تم کل آنا۔ کوئی تدبیر سوچیں گے۔ درویش چلا گیا۔ جاتے ہوئے راستہ میں اسے ایک یہودی سے ملاقات ہوئی۔ یہودی نے درویش سے پوچھا کہ تم کہاں گئے تھے۔ اس نے اپنی پریشانی۔ مشکلات کا مسئلہ حضرت حاجی صاحب کے کل آنے کا حکم اور دوسرے حالات سنائے۔ یہودی کہنے لگا۔ حاجی شریف تو خود محتاج اور تہی دست ہیں تمہاری کیا مدد کریں گے۔ تم حاجی صاحب کے پاس واپس جاؤ۔ اور انہیں کہو کہ فلاں یہودی نے کہا ہے کہ اگر خواجہ شریف سات سال میری خدمت کا وعدہ کر لیں تو میں آج ہی سات ہزار سرخ دینار دینے کو تیار ہوں وہ درویش واپس حاضر خدمت ہوا سارا واقعہ سنایا۔ حضرت حاجی صاحب نے سنتے ہی فرمایا مجھے منظور ہے۔ اور اُسی وقت اٹھ کر اس کے ساتھ یہودی کے پاس چلے گئے۔ سات ہزار دینار اس درویش کو دلا دیئے اور خود خدمت گزاری پر آمادہ ہو گئے۔ بادشاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس نے حضرت خواجہ کی خدمت میں سات ہزار دینار بھیجے تاکہ یہودی کا قرضہ دے کر فارغ ہو جائیں۔ حضرت حاجی صاحب نے یہ سات ہزار بھی غریبوں میں تقسیم کر کے فرمایا۔ میں نے یہودی کی سات سالہ نوکری کا عہد کیا ہے اب اس عہد سے پھرنا مناسب نہیں یہودی نے حضرت حاجی صاحب کی استقامت سُن کر اپنا قرضہ معاف کر دیا اور حضرت کو آزاد کر دیا۔ آپ نے یہودی کو فرمایا۔ کہ تم نے مجھے آزاد کیا ہے۔ میرا اللہ تمہیں آتش دوزخ سے آزاد کرے۔ یہودی یہ دعا سن کر مسلمان ہو گیا اور مقبولان

خُدا سے ہو گیا۔

سفینۃ الاولیاء کے مصنّف نے لکھا ہے کہ کسی شخص نے شہنشاہ سنجر کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا۔ پوچھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا سنجر نے بتایا مجھے حکم دیا گیا کہ دوزخ کے شعلوں کے حوالے کر دیا جائے۔ عذاب کے فرشتے لئے جا رہے تھے کہ آواز آئی شاہ سنجر کو چھوڑ دو۔ اس نے ایک دن حضرت خواجہ شریف زندنی کی مجلس میں نیازمندانہ حاضری دی تھی۔ اس مجلس کی برکت سے اسے بخش دیا گیا ہے۔ چنانچہ مجھے رہائی مل گئی۔

آپ کی وفات دسویں رجب المرجب چھ سو بارہ ہجری کو ہوئی۔ آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال تھی۔

چون شریف از عالم دنیا برفت	سال وصل آں شہ والا حنیف
کن رقم مہتاب دیں اہل دین	نیز کن تحریر حاجیؒ شریف
۶۱۲ھ	۶۱۲ھ

خواجہ عثمانی ہارونی قدس سرہٗ: آپ کی ابو نور کنیت تھی۔ طریقت اور شریعت کے علوم میں امام العصر تھے اشراف اقطاب اور مقتدائے اقطاب مانے جاتے تھے۔ آپ کو خواجہ حاجی شریف زندنی سے فقر و خلافت کا خرقہ پہنچا۔ آپ ہارون کے رہنے والے تھے۔ یہ گاؤں نیشاپور کے نزدیک ہے آپ نے اپنی زندگی کے ستر سال ریاضت میں گزارے۔ ساری عمر طعام اور پانی پیٹ بھر کر نہ پیا۔ کئی کئی راتیں نہ سوتے۔ ان کی دعا بارگاہِ رب العزت سے کبھی رد نہ ہوئی تھی۔ کلام ربانی کے حافظ تھے۔ ہر روز ایک بار قرآنِ پاک ختم کرتے۔ اور سماع ذوق و شوق سے سنتے۔

جس دن حضرت خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کو خرقہ خلافت ملا۔ تو آپ کے پیر

مرشد خواجہ شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کلاہ چار ترکی بھی آپ کے سر پہ رکھا اور فرمایا کہ اِس چار ترکی کلاہ سے مُراد چار چیزوں کو ترک کرنا ہے۔ پہلے ترک دینا دوسرے ترک عقبیٰ (اللہ کی ذات کے سوا کوئی بھی مقصود نہ ہوگا) تیسرے ترک کھانا اور سونا (مگر اتنا جس سے زندگی باقی رہے) چوتھا ترکِ خواہشِ نفس (یعنی جو کچھ نفس کہے اُس کے خلاف کیا جائے) جو شخص اِن چار چیزوں کو ترک کر دیتا ہے اُسے ہی چار ترکی کلاہ پہننا ترتیب دیتا ہے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے اپنے پیر کی اجازت سے دنیا کی بڑی سیر و سیاحت کی۔ ایک دن ایسے علاقے میں جا پہنچے۔ جہاں کے تمام لوگ آتش پرست تھے۔ اُنہوں نے ایک بہت بڑا آتش کدہ روشن کیا ہوا تھا۔ آپ اُسی شہر میں ٹھہر گئے اور اپنے خادم فخرالدین کو کہا کہ کہیں سے تھوڑی سی آگ لے آؤ۔ تاکہ کھانا پکالیں۔ فخرالدین آتش پرستوں کے پاس گیا اور تھوڑی سی آگ مانگی۔ لیکن انہوں نے آگ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ آتش تو ہمارا معبود ہے۔ اِس آگ سے آگ دینا ہمارے مذہب میں جائز نہیں۔ خادم نے وہیں آکر حضرت خواجہ کی خدمت میں صورتِ حال پیش کی۔ حضرت خواجہ بذاتِ خود تشریف لے گئے۔ اور آتش پرستوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ معبود حقیقی تو اللہ کی ذات ہے آگ اس کی مخلوق ہے اور اُسی نے بنائی ہے۔ اس کی عبادت کرنا درست نہیں۔ اگر تم آتش پرستی سے توبہ کر لو۔ تو دوزخ کی آگ سے رہائی پاؤ گے۔ انہوں نے کہا اگر آتش پرستی سے توبہ کرنا آگ سے رہائی کی دلیل ہے تو پہلے تم آگ میں چلے آؤ۔ اگر آگ نے تم پر اثر نہ کیا تو ہم توبہ کر لیں گے حضرت خواجہ نے یہ بات سن کر وضو کیا۔ دو رکعت نماز ادا کی۔ اور آتش پرستوں کا ایک سات سالہ بچہ اٹھا کر بڑی تیزی سے آگ میں داخل ہو گئے۔ دو گھنٹے تک آگ میں رہے لیکن آگ نے حضرت خواجہ اور اُس چھوٹے بچے پر اثر نہ

کیا۔ اور صحیح سلامت باہر آ گئے۔ آتش پرستوں نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اور حضرت خواجہ کے مرید بن گئے۔ حضرت خواجہ نے ان آتش پرستوں کے سردار کا نام عبداللہ رکھا اور چھوٹے بچے کا نام ابراہیم رکھا۔ اور اُنہیں مدارجِ اعلیٰ تک پہنچا دیا۔

ایک بار بادشاہِ وقت نے حضرت خواجہ کو سماع سننے سے منع کر دیا بلکہ شہر کے تمام قوالوں کو حکم دیا کہ اگر کوئی قوال کسی مجلس میں سماع کرے گا۔ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت خواجہ نے بادشاہ کو کہا کہ سماع ایسی چیز ہے جو ہمارے پیروں کی سُنت ہے۔ ہمیں سماع سے کوئی نہیں روک سکتا۔ سلطان نے کہا کہ پہلے سماع کے جواز میں علماء کرام کے ساتھ مناظرہ کریں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ چنانچہ شہر کے علماء کی ایک مجلس برپا کی گئی جس میں بادشاہ بھی شریک ہوا۔ حضرت خواجہ اُس محفل میں تشریف لائے۔ علماء نے چاہا کہ سماع کے متعلق حضرت خواجہ سے بات کریں۔ مگر وہ تمام کے تمام اپنے آپ کو بے علم محسوس کرنے لگے۔ جو کچھ وہ جانتے تھے۔ ان کے حافظے سے محو ہو چکا تھا حتیٰ کہ الف سے لے کر یا تک تمام حروف بھول گئے۔ بادشاہ نے بڑا زور لگایا۔ کہ علماء بات کریں۔ مگر وہ گفتگو سے عاجز نظر آتے تھے۔ آخر اس کے بغیر چارہ کار نہ تھا انہیں اپنی شکست کا اعتراف کرنا پڑا۔ وہ آہ و زاری کرنے لگے۔ خدارا ہماری عمر کا حاصل شدہ علم برباد نہ کیا جائے آپ بزرگ ہیں اور سخی ہیں ہمارے حال پر رحم کریں اور اپنی نظرِ عنایت سے ہمارے علوم کو زندہ کر دیں۔ حضرت خواجہ نے ان کے گم شدہ علوم کو تو لوٹا دیا بلکہ ان پر باطنی علوم کے دروازے کھول دیئے اس واقعہ کو دیکھ کر تمام علماء حضرت خواجہ کے مرید ہو گئے۔ بادشاہ بھی پشیماں ہوا اور معذرت کرنے لگا۔ اور اُس کے بعد کبھی سماع کی ممانعت نہ کی۔

خواجہ معین الدین اجمیریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن اپنے پیر و مرشد خواجہ

عثمان ہارونی کے ہمرکاب ہو کر دریا کے کنارے پہنچا۔ اتفاقاً اس وقت کوئی کشتی نہ تھی حضرت خواجہ نے مجھے فرمایا کہ آنکھیں بند کرو۔ پھر ایک لحظے کے بعد فرمایا کہ اب کھول لو۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں میں اور حضرت خواجہ دریا کے دوسرے کنارے کھڑے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین نے ایک اور واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص حضرت خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اتنا عرصہ ہوا کہ میرا لڑکا گم ہو گیا ہے۔ مجھے کوئی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے مہربانی فرما کر توجہ فرمائیں۔ حضرت خواجہ نے یہ بات سُنی اور مراقبے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا اور فرمایا کہ تمہارا لڑکا گھر پہنچ گیا ہے۔ وہ شخص گھر گیا لڑکے کو گھر پر موجود پایا۔ وہ خوشی میں لڑکے کو ساتھ لے کر اُسی وقت حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکریہ ادا کیا۔ حاضرین نے لڑکے سے دریافت کیا کہ تم کیسے گھر پہنچ گئے۔ اس نے کہا میں جزائر الہند کے ایک جزیرے میں موجود تھا۔ آج ایک ایسے بزرگ جن کی صورت حضرت خواجہ سے ملتی جلتی ہے میرے پاس تشریف لائے مجھے کہا اُٹھو۔ میرے پاؤں پہ پاؤں رکھو اور آنکھیں بند کر لو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب میری آنکھیں کھلیں میں گھر میں موجود تھا۔

ایک دن آدھی رات کے وقت شہر کے جاہل آدمی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور خواجہ عثمان ہارونی کی کرامت کا ذکر کر رہے تھے۔ سب یہ کہنے لگے کہ ہم ابھی خواجہ عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاتے ہیں اور کسی کرامت کا مطالبہ کرتے ہیں اگر انہوں نے کرامت دکھا دی تو ہم مرید ہو جائیں گے۔ چلتے وقت ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ کھانے کی خواہش دل میں رکھی جو رات کے وقت تیار نہ ہو سکے حضرت خواجہ کی مجلس میں جا پہنچے آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ راہ راست کی ہدایت دیتا ہے تمام کو اپنے سامنے بیٹھا لیا۔ اور بسم اللہ پڑھ کر

اپنے ہاتھ اٹھائے۔ اُسی وقت کھانے کا ایک خوان آسمان سے اُترا جس میں ستر قسم کے کھانے موجود تھے۔ آپ نے ہر ایک کو جُدا جُدا کھانا تقسیم کیا۔ جوان کی دلی خواہش کے عین مطابق تھا۔ اِن جاہلوں نے آپ کی کرامت دیکھی تو دل و جان سے معتقد ہو گئے اور مرید بن گئے۔

یاد رہے خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے چار خلفاء تھے۔ پہلے خواجہ معین الحق والدین سنجری۔ دوسرے خواجہ نجم الدین صغریٰ۔ تیسرے شیخ سعدی لنگوی۔ چوتھے خواجہ محمد ترک رحمۃ اللہ علیہم۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی پنجم ماہِ شوال چھ سو سترہ ہجری ۶۱۷ میں فوت ہوئے۔ جب آپ کی عمر اکانوے ۹۱ سال تھی۔

رفت از دنیا چو در خلد بریں — شیخ عثمان مقتدائے اولیا
سال وصلش قطب وقت آمد عیاں — جلوہ گر شد نیز تاج الاصفیاء

۶۱۷ھ — ۶۱۷ھ

خواجہ خواجگان معین الحق والدین حسن السجزی اجمیری قدس سرہٗ

آپ مشائخ چشت کے اعلیٰ مشائخ اور اولیاء میں مانے جاتے ہیں۔ ریاضت اور کرامت میں شہرۂ آفاق ہوئے اور ولائیت کے اوصاف میں موصوف تھے عظیم الشان اور رفیع المقام تھے۔ صحیح النسب سادات میں سے تھے۔ آپ کو حضرت خواجہ عثمانی ہارونی قدس سرہٗ سے خرقہ خلافت ملا تھا۔ اور سلسلہ چشتیہ کو برصغیر پاک و ہند میں امام الطریقت کی حیثیت سے رائج کیا۔ آپ کی تشریف آوری سے اس ملک میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو بعض مفکرین اسلام نے ہند النبی اور ہند الولی کے خطابات سے یاد کیا تذکروں میں لکھا ہے کہ آپ ہمیشہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ساٹھ سال تک یہی معمول رہا۔ آپ کی جس پر نگاہ لطف

پڑتی خدا رسیدہ بنا دیتی تھی۔ سات دن بعد خشک روٹی کو پانی میں بھگو کر افطار فرمایا کرتے تھے۔ اور اپنا لباس دھر انجیہ شدہ پہنا کرتے تھے۔ اگر پھٹ جاتا تو پیوند لگا لیتے تھے۔

آپ کا اصلی وطن سجستان تھا۔ اور آپ کا سلسلہ نسب پدری یوں ہے خواجہ معین الدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن امام علی رضا۔ بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن سید المومنین امام حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آپ کے والد گرامی سید غیاث الدین رحمۃ اللہ علیہ عراق میں فوت ہوئے تھے۔ اور ان کا مزار وہاں ہی ہے۔ آپ کی والدہ کا اسم گرامی خاص الملکہ تھا۔ جو اصفہان کی رہنے والی تھیں۔ مگر آپ نے خراسان میں پرورش پائی۔ جب آپ کی عمر گیارہ سال ہوئی۔ تو آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔

سید غیاث الدین قدس سرہٗ کے تین بیٹے تھے۔ تینوں کو والد کا ورثہ ملا تھا حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کو ورثہ میں ایک وسیع باغ ملا تھا۔ آپ باغ میں تشریف فرما تھے۔ کہ آپ کے پاس قلندر ابراہیم نامی مجذوب آپہنچا۔ حضرت خواجہ نے اس کی بڑی تعظیم کی۔ اور اُٹھ کر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور ایک درخت کے سایہ میں بٹھایا انگور کا ایک خوشہ پیش کیا قلندر نے انگور کی طرف تو رغبت نہیں کی۔ مگر اس نے اپنے تھیلے سے تھوڑا کنجارہ نکال کر اپنے ہاتھ پر رکھا اور دانتوں سے چبا کر حضرت خواجہ کے منہ میں رکھا۔ حضرت خواجہ نے اسے چکھا ہی تھا۔ کہ آپ کے دل میں انوار الٰہیہ اترنے لگے۔ اور دنیا کی خواہشات دل سے ختم ہونے لگیں۔ تھوڑے دنوں میں باغ کو بیچا۔ اور رقم غریبوں میں تقسیم کر دی۔ اور طلب خداوندی کے لئے اپنے شہر کو چھوڑ کر سفر کو روانہ ہوئے اور سمرقند جا پہنچے۔ وہاں قرآن پاک حفظ کیا۔ ظاہری علوم حاصل کئے۔ فراغت علوم کے لئے عراق کو روانہ ہوئے اور قصبہ ہارون میں جا پہنچے۔ یہ قصبہ نیشاپور کے قریب

تھا۔ ان دنوں وہاں خواجہ عثمان قدس سرہٗ روحانی تربیت میں مشغول تھے آپ مرید ہوئے۔ اور کئی سال تک آپ کی خدمت میں رہے۔ اور خدمت روحانی سرانجام دیتے رہے۔ باطنی امور کی تکمیل کے بعد خرقہ خلافت حاصل کیا اور پھر بغداد کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں قصبہ سنجان آتا ہے۔ ان دنوں وہاں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ تشریف فرما تھے۔ ان کی صحبت سے فیض یاب ہو کر کوہ جودی (جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی لنگر انداز ہوئی تھی) پر گئے۔ کوہ جودی سے بغداد جاتے ہوئے جیلان کا قصبہ آتا ہے۔ ان دنوں جیلان میں حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی جلوہ فرما تھے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کچھ دن حضرت غوث الاعظم کی مجالس میں رہے۔ پھر آپ کے ہمرکاب بغداد پہنچے۔ ان دنوں بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے پیر و مرشد شیخ ضیاء الدین قدس سرہٗ موجود تھے۔ حضرت خواجہ نے ان کی مجالس میں کچھ وقت گزارا۔ اسی مقام پر شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات ہوئی اسی سفر میں حضرت خواجہ محبوب سبحانی خواجہ اوحدالدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف ملاقات ہوا۔ پھر خرقہ خلافت بھی ملا۔ وہاں سے رخصت ہو کر ہمدان آئے۔ ہمدان میں حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانی قدس سرہٗ سے استفادہ کیا۔

ہمدان سے نکل کر آپ نے تبریز کا رُخ کیا۔ تبریز میں ان دنوں حضرت ابو سعید تبریزی رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ جلال الدین تبریزی کے پیر و مرشد تھے۔ جلوہ فرما تھے۔ حضرت خواجہ نے ان کی صحبت سے فائدہ حاصل کیا۔ وہاں سے اصفہان پہنچے کچھ عرصہ حضرت محمود اصفہانی قدس سرہٗ کی صحبت سے استفادہ کرتے رہے۔ اس روحانی سفر اور نورانی بزرگوں کی ملاقات کے بعد آپ کو ہندوستان کی طرف جانے کا خیال آیا۔ راستہ میں آپ کی ملاقات خواجہ ابو سعید مہندی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ وہاں سے استر آباد آ کر حضرت خواجہ ناصر الدین استر آبادی کی مجالس میں قیام فرماتے رہے۔

خواجہ ناصرالدین اپنے وقت کے عظیم القدر شیخ اور کامل الولایت بزرگ تھے۔ آپ خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ ان دنوں آپ کی عمر ایک سو ستائیس سال ہو چکی تھی یہ وہ بزرگ تھے۔ جن کی صحبت میں حضرت ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہما جیسے نامدار بزرگ بھی استفادہ کرتے رہے تھے وہاں سے چل کر غزنین میں تشریف لائے۔ وہاں شیخ العارفین شیخ عبدالواحد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس سے استفادہ کیا۔ شیخ عبدالواحد غزنوی پیر شیخ نظام الدین ابوالموید کی صحبت سے مستفیض ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین ان سفروں میں مختلف اولیاء وقت سے استفادہ کرتے رہے۔ ان ممالک کے اولیائے کبار کی مجالس سے مستفیض ہونے کے بعد آپ نے ہندوستان کا رُخ کیا۔

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر اجودھنی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔ کہ جن دنوں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اصفہان میں تشریف لائے۔ تو خواجہ محمود اصفہانی کو ملے۔ انہی دنوں قطب الاقطاب بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت قطب الاقطاب کی خواہش تھی کہ خواجہ محمود اصفہانی سے بیعت ہوں۔ مگر جب خواجہ معین الدین کو دیکھا۔ تو بیعت کے لئے استدعا کی اور مرید بن گئے۔ وہاں سے دونوں بزرگ ہرات پہنچے۔ ہرات میں ان دنوں یادگار نامی حاکم حکومت کر رہا تھا۔ وہ اعتقادی طور پر امامیہ شیعہ تھا۔ وہ نہایت اہتمام کے ساتھ صحابۂ رسول کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ وہ یہاں تک سخت شیعہ تھا کہ اس کی رعایا میں اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کا نام ابوبکر یا عثمان یا عمر رکھ لیتا۔ تو وہ اُسے قتل کر دیتا تھا۔ حضرت خواجہ وہاں پہنچے تو اتفاق سے محمد یادگار کے خاص باغ میں قیام پذیر ہوئے۔ اندر ایک حوض تھا۔ آپ اس حوض کے کنارے رہنے لگے۔ ایک دن محمد یادگار اپنی سیر کو آیا۔ تو حضرت خواجہ کو حوض کے کنارے دیکھ کر غضب ناک ہو گیا۔ ابھی وہ آپ کو وہاں

سے نکالنا ہی چاہتا تھا کہ حضرت خواجہ کی نگاہیں اس کے چہرے پہ پڑیں تو وہ فوراً ہی آپ کے پاؤں پہ آگرا اور بے ہوش ہو کر تڑپنے لگا۔ حضرت خواجہ نے اُسے اِس حالت میں دیکھا تو حوض سے پانی لے کر اس کے چہرے پہ چھینٹیں ماریں تو وہ ہوش میں آگیا۔ حضرت خواجہ کی نگاہ اور پانی کی چھینٹوں کا یہ اثر ہوا کہ اُس کے دل سے صحابۂ کرام کے بغض دُھل گئے۔ اور مذہب شیعہ کے عقیدے سے تائب ہو گیا اور اپنے دربار کے امراء اور اراکین کو لے کر حضرت خواجہ کا مرید بن گیا۔ اپنا تمام مال اور خزانہ حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا یہ سارا مال تمہارا ہے۔ بلکہ ان لوگوں کا ہے جن سے تم نے ظلم و ستم کر کے چھینا ہے۔ بہتر یہی ہے یہ سارا مال ان کو واپس کر دیا جائے۔ اپنے بلک غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کر دو۔ تاکہ تمہیں خدا شناسی کا موقعہ ملے۔ وہ کچھ دنوں حضرت خواجہ کے زیرِ تربیت رہا اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے اسے ہرات کی ظاہری اور باطنی خلافت پہ مامور فرما دیا۔

ہرات سے چل کر حضرت خواجہ بلخ پہنچے۔ چند دن شیخ احمد خضرویہ کے پاس ٹھہرے وہاں ایک ضیاء الدین نامی حکیم تھا۔ جو بڑا ہی مغرور اور حکمت میں مشہور تھا۔ وہ اولیاء اللہ اور درویشوں کا منکر تھا۔ ایک دن حضرت خواجہ دامن کوہ کی ایک وادی میں جا پہنچے۔ اور ایک کلنک کو اپنے تیر کا نشانہ بنا کر آگ میں کباب بنا رہے تھے کہ حکیم ضیاالدین بھی اتفاقاً ادھر آنکلا۔ وہ حضرت خواجہ کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ نے بھنے ہوئے گوشت کا ایک ٹکڑا حکیم کو بھی دیا۔ وہ کھاتے ہی زمین پر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد نہایت اخلاص کے ساتھ مرید ہو گیا اور حکمت کی ساری کتابیں دریا میں پھینک دیں۔ بلخ سے دوبارہ غزنین آئے۔ ہم اس سے پہلے شمس العارفین کی شہرت کا ذکر کر چکے ہیں۔ آپ وہاں سے چلے تو لاہور پہنچے۔ لاہور میں دس ماہ تک مخدوم علی ہجویری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے

مزار پُر انوار پر اعتکاف فرمایا۔ آپ کے مزار سے آپ نے بے پناہ باطنی فوائد حاصل کئے۔ لاہور سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے۔ کچھ دن دہلی قیام فرما کر دسویں محرم پانچسو اکسٹھ ہجری کو دارالخیر اجمیر میں رونق افزا ہوئے۔

اجمیر میں سب سے پہلے جس شخص نے شرفِ ارادت حاصل کیا وہ میر سید حسین خنگ سوار تھے آپ پہلے شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ لیکن بعد میں تائب ہو کر آپ کے مرید ہو گئے اور اعلیٰ مراتب پر پہنچے۔ میر سید حسین کے مرید ہونے کے بعد ہزاروں چھوٹے بڑے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہونے لگے۔ ان میں سے اکثر لوگ غیر مسلم تھے جو اسلام سے مشرف ہو کر حضور کے مرید بنے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرزمین ہندوستان میں اسلام کی شمع اسی خاندانِ عالی شان کے طفیل روشن ہوئی۔

اجمیر میں ایک شخص حضرت خواجہ معین الدین کی خدمت میں رہتا ہوا حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ اس علاقے کے ظالم حاکم نے میرے بیٹے کو بغیر کسی گناہ اور جرم کے قتل کر دیا ہے۔ میں آپ سے امداد کا خواستگار ہوں اور انصاف کا امیدوار ہوں حضرت خواجہ نے جب یہ بات سُنی تو اپنی جگہ سے اُٹھے۔ مقتول کی لاش کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ اے نوجوان اگر ظالم حاکم نے تجھے ناحق قتل کر دیا ہے تو اللہ کے حکم سے زندہ ہو جاؤ۔ مقتول نے اُسی وقت حرکت کی اور زندہ ہو کر اُٹھ بیٹھا۔

حضرت خواجہ معین الدین پہلی بار اجمیر پہنچے تو شہر کے باہر ایک ایسے درخت کے نیچے قیام فرما ہوئے جہاں اجمیر کے راجے کے اونٹ بیٹھا کرتے تھے۔ رات کو اجمیر کے راجہ کے اونٹ آئے۔ ساربانوں نے حضرت خواجہ کو بتایا کہ یہ جگہ راجہ کے سرکاری اونٹوں کے لئے مقرر ہے۔ آپ کہیں اور تشریف لے جائیں۔ آپ نے فرمایا ہم تو چلے جاتے ہیں۔ تم لوگ اونٹوں کو بیٹھا لو۔ آپ وہاں سے اُٹھ کر اناساگر کے حوض کے کنارے جا بیٹھے۔ اِس حوض کے اِرد گرد کئی بُت خانے بنائے گئے

تھے۔ رات گزر گئی۔ صبح ساربانوں نے کوشش کی کہ اونٹوں کو اٹھائیں مگر کوئی اونٹ اُٹھنے کا نام نہ لیتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے سینے زمین کے ساتھ پیوست ہو چکے تھے۔ ساربانوں نے جان لیا کہ یہ اُس فقیر کی بددعا کا نتیجہ ہے جسے ہم نے اٹھا دیا ہے وہ تمام حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سارا واقعہ سنایا آپ نے فرمایا کہ جاؤ اب اللہ تعالیٰ نے اونٹوں کو اُٹھنے کا حکم دے دیا ہے۔ ساربان جب واپس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سارے اونٹ اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ اسلام کے دشمن جمع ہوئے اور اجمیر کے راجے کے پاس شکایت کی۔ اور کہا۔ یہ ایک بیگانہ آدمی ہمارے بُت خانے کے پاس سکونت بنائے بیٹھا ہے۔ چونکہ اس کا مذہب غیر مذہب ہے ہم وہاں نہیں جا سکتے اُس کو وہاں سے جانے کا حکم صادر فرمائیں۔ اجمیر کے راجہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس فقیر کو تالاب کے کنارے سے اُٹھ کر ملک سے باہر کر دیا جائے۔ راجہ کے سپاہی خاصی تعداد میں پہنچے حضرت خواجہ کے ساتھ جھگڑنا شروع کر دیا۔ حضرت خواجہ نے مٹی کی مٹھی اٹھائی اور آیت الکرسی پڑھ کر ان کی طرف پھینکی۔ اُن لوگوں کے جسم خشک ہو گئے۔ اور جہاں جہاں وہ تھے وہاں ہی پتھر بن گئے۔ جو دُور تھے وہ دیکھ کر بھاگ گئے۔

دوسرے دن اجمیر کے ہندو اپنے بت خانے کی پوجا کے لئے تالاب کے کنارے پر پہنچے۔ ان کا مہنت رام دیو بڑی تعداد لے کر وہاں پہنچا اور حضرت خواجہ کی طرف آگے بڑھا۔ یونہی وہ نزدیک آیا کانپنے لگا۔ اس کے دل میں اتنی دہشت پھیلی کہ وہ اپنی زبان سے کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے آپ کا مرید ہو گیا۔ اُس کے ہاتھ میں جو لکڑی یا پتھر آیا اُسے اُٹھا کر ہندوؤں کی طرف پھینکا اور انہیں پریشان کر کے بھگا دیا۔ حضرت خواجہ نے رام دیو کی یہ خدمت دیکھی تو پانی کا ایک پیالہ بھر

کر اُسے پینے کو کہا۔ پانی پیتے ہی اُس کے دل کا شیشہ صاف ہو گیا اور اس کا چہرہ چمکنے لگا اور صدقِ دل سے آپ کا مرید بن گیا۔ حضرت خواجہ نے اُس کا نام شادی دیو رکھا اور اپنی تربیت میں لے لیا۔ شادی دیو ہندی زبان میں مسرت بخش کو کہتے ہیں۔ اِس کرامت کے واقعہ ہونے کے بعد اجمیر کے لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔ کہ یہ شخص بہت بڑا جادوگر ہے اور اس کے مقابلے میں کسی بڑے جادوگر کو بلانا چاہیئے راجہ اجمیر نے جوگی جے پال کو جو جادوگری کے فن میں سارے ہندوستان میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا بلایا۔ اور حکم دیا کہ اپنے جادو کے زور سے اس شخص کو شکست دی جائے۔

جے پال ایک ہزار پانچ سو جادوگروں کو لے کر اجمیر پہنچا۔ اور راجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اب ہم اُس سے مقابلہ کریں گے۔ جے پال کی قیادت میں اتنے جادوگر حضرت خواجہ معین الدین کے پاس پہنچے آپ اٹھے۔ تازہ وضو کیا اپنی لاٹھی کے ساتھ اپنے تمام ساتھیوں کے اِرد گرد ایک لکیر کھینچی اور اعلان کیا کہ انشاءاللہ اس لکیر کے اندر ہمارے کسی دشمن کو آنے کی جرأت نہ ہوگی۔ چنانچہ جونہی کسی نے اُس لکیر سے آگے بڑھنے کی جرأت کی وہ منہ کے بل گر پڑا۔ ناچار وہ لوگ واپس ہو گئے اور آناساگر کے حوض کے کنارے پر بیٹھ گئے اُن کی اس حرکت کا مطلب یہ تھا کہ حضرت خواجہ کا کوئی ساتھی حوض سے پانی نہ لے سکے۔ چنانچہ پانی کو بند کر دیا گیا۔ حضرت خواجہ نے شادی دیو نومسلم کو حکم دیا کہ وہ آگے جا کر کسی طرح حوض کے پانی سے ایک پیالہ بھر لائے۔ وہ اُٹھا اور حوض کے پانی سے ایک پیالہ بھر لایا۔ اس پانی کے پیالے میں سارے حوض کا پانی سمٹ گیا۔ اور حوض خالی ہو گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اِس حوض میں کبھی پانی تھا ہی نہیں۔ حضرت خواجہ کے تمام مرید اسی پیالے سے پانی پیتے وضو کرتے لیکن پانی کم نہ ہوتا۔ دوسری طرف حوض کو پانی سے خالی پا کر تمام جادوگر تنگ

آگئے۔ بعض تو پیاس کی وجہ سے ہلکان ہو گئے۔ جے پال خود اٹھا اور اس لکیر کے کنارے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہنے لگا۔ کہ اللہ کی مخلوق پیاس سے مر رہی ہے تم اپنے آپ کو فقیر کہتے ہو۔ فقیر تو رحم دل اور سخی ہوتا ہے۔ اب دادرسی کا تقاضا ہے کہ بندوں کے لئے پانی کھول دیا جائے۔ حضرت خواجہ نے جے پال کی یہ بات سنی اور شادی دیو کو حکم دیا کہ یہ پانی کا پیالہ تالاب میں انڈیل دیا جائے۔ جونہی پیالہ تالاب میں ڈالا زمین میں جوش آیا اور تالاب لبالب بھر گیا۔

اب جادوگروں نے اکٹھے ہو کر جادوگری کا آغاز کر دیا۔ خواجہ صاحب کے ساتھیوں کو یوں دکھائی دیتا تھا کہ پہاڑ کی چوٹیوں سے ہزاروں اور لاکھوں سانپ اُس لکیر کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جونہی کوئی سانپ لکیر تک پہنچتا تو اپنا سر لکیر پہ رکھ دیتا جے پال یہ دیکھ کر بڑا پریشان ہوا۔ اب اُس نے جادوگروں کو کہا کہ آسمانوں سے آگ برسا دو۔ دیکھتے ہی دیکھتے اتنی آگ برسی کہ سارا جنگل انگاروں اور شعلوں سے بھر گیا۔ ہزاروں درخت آگ میں جلنے لگے۔ لیکن اللہ کی مہربانی سے اس دائرے کے اندر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ جادوگروں نے جب یہ بات دیکھی کہ اُن کے اردگرد کا سارا علاقہ جل گیا ہے۔ مگر حضرت خواجہ کے دوستوں کو آنچ تک نہیں آئی تو جے پال کو کہنے لگے کوئی اور کام کرنا چاہیئے۔ جے پال کے سر پہ ہرن کے چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا۔ ہوا میں پھینکا اور چھلانگ لگا کر اُس میں سوار ہو گیا اور آسمان کی طرف پرواز کرتا نظر آنے لگا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ حضرت خواجہ نے جے پال کو اس طرح اُڑتے ہوئے دیکھا تو فوراً اپنے جوتوں کی طرف نگاہ کی اور فرمایا کہ جاؤ اور جے پال کو بدترین حالت میں واپس لاؤ۔ دونوں جوتے ہوا میں اُڑے اور جے پال کے سر پہ کھڑکنے لگے۔ جے پال کو مجبوراً واپس آنا پڑا۔ نڈھال ہو کر رونے لگا اور اپنا سر حضرت خواجہ کے قدموں میں رکھ دیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اور مرید

ہو گیا۔ اس نے التجاء کی کہ میں قیامت تک زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ آپ نے دعا کی اور فرمایا جاؤ تمہیں دائمی زندگی مل گئی ہے۔ لیکن لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہو گے۔ یہ بات مشہور ہے کہ جے پال ابھی تک اجمیر کے پہاڑوں میں چھپا ہوا ہے جو ہر جمعرات حضرت خواجہ کے روضے کی زیارت کو آتا ہے۔

اجمیر کے راجہ نے جے پال کو شکست خوردہ دیکھ کر شادی دیو کی طرح اس سے بھی مایوس ہو گیا۔ تو شہر میں واپس چلا آیا اور دل میں عہد کر لیا کہ اب حضرت خواجہ کی مخالفت نہیں کروں گا۔ کچھ دنوں بعد حضرت خواجہ بھی اجمیر شہر کے اندر تشریف لے آئے اور ایک مکان میں رہنے لگے۔ یہ مکان اسی جگہ واقع تھا۔ جہاں ان دنوں آپ کا مزار ہے۔ ایک دن خواجہ اجمیری نے اجمیر کے راجہ کو پند و نصایح کی اور ترغیب دی کہ راجہ اسلام قبول کرے۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس کے اسلام لانے سے مایوس ہو کر فرمایا۔ ؎

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ
بہ آب کوثر ہرگز سفید نتواں کرد

آپ نے اعلان کیا کہ تم نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اب لشکر اسلام آئے گا اور اجمیر پر حملہ کرے گا۔ کچھ دن گزرے ہی تھے کہ سلطان شہاب الدین غوری مختصر سا لشکر لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اس نے اجمیر پر زبردست یلغار کی اور اس جنگ میں راجہ اجمیر کو قتل کر دیا گیا۔ مگر راجہ پتھورا کو زندہ گرفتار کر لیا۔ راجہ پتھورا ان دنوں دہلی کا حکمران تھا۔ اور راجہ اجمیر اس کے ماتحت اجمیر کا حکمران تھا

یہ بات عام مشہور ہے۔ کہ جن دنوں لشکر اسلام کی ہندوستان میں آمد ہوئی تو ان دنوں رائے پتھورا اجمیر میں آیا ہوا تھا۔ رائے پتھورا کے ملازموں نے ایک مسلمان کو تنگ کیا۔ یہ مسلمان حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مرید خاص تھا۔ وہ فریادی

بن کر حضرت خواجہ کے حضور آیا۔ حضرت خواجہ نے راجہ پتھورا کو سفارش کی اس غریب کی دادرسی کی جائے۔ مگر راجہ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ حضرت خواجہ اس بات پر سخت ناراض ہوئے۔ اور فرمایا۔ ہم نے راجہ پتھورا کو زندہ گرفتار کرادیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سلطان قطب الدین بیگ ۶۰۲ھ میں دہلی کے تخت پر بیٹھا تھا۔ اور اسی سال راجہ پتھورا کو زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ایک دن حضرت خواجہ اجمیر کے نواح میں جا رہے تھے۔ شیخ علی نامی مرید آپ کے ہمرکاب تھا وہاں ایک شخص آیا۔ اس نے آتے ہی شیخ علی کو پکڑ لیا۔ اور کہا کہ میرا قرضہ ادا کرو ورنہ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا یہ صورت حال دیکھی تو حضرت خواجہ نے بڑی انکساری اور نرمی سے قرض خواہ کو کہا۔ کہ تم اسے تھوڑی سی مہلت دے دو۔ یہ قرض ادا کر دے گا حضرت خواجہ کی اس نرمی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ شخص نہایت بے ادبی سے بولا۔ اگر اس کی سفارش اتنی ہی اچھی لگتی ہے تو مجھے اپنی جیب سے قرض دے دو اس کی یہ بات سن کر حضرت خواجہ کو غصہ آگیا۔ اور اپنی چادر زمین پر بچھا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس چادر پر درہم و دینار برسنے لگے۔ آپ نے اس بے ادب قرض خواہ کو کہا۔ تم اپنا قرضہ اٹھا لو۔ مگر اپنے حق سے زیادہ نہ لینا۔ وہ شخص آگے بڑھا۔ اور لالچ کرتے ہوئے اپنے حق سے مزید رقم اٹھانے لگا۔ مگر اس کا ہاتھ اسی وقت خشک ہو گیا اب چلانے لگا توبہ کر کے حضرت خواجہ کے قدموں میں گر پڑا۔ حضرت نے دست شفقت پھیرتے ہوئے اسے معاف کر دیا اور اس کا ہاتھ تندرست ہو گیا۔

یہ بات از روئے تحقیق درست قرار دی گئی ہے کہ حضرت خواجہ کی دو اہلیہ تھیں۔ ایک تو سید وجیہ الدین جو حضرت خنگ سوار کے ماموں تھے۔ کی بیٹی تھیں۔ ان کے والد بزرگوار نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے باطنی حکم سے آپ

سے نکاح کر دیا تھا۔ اس بی بی کا اسم گرامی بی بی عصمت تھا۔ ان کے بطن سے تین بیٹے ہوئے تھے۔ خواجہ ابوسعید خواجہ فخر الدین خواجہ حسام الدین قدس سرہم۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت لاولد تھے۔ ان کی بات قابلِ اعتبار نہیں۔ کیونکہ حضرت سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ فرید قدس سرہٗ اپنے دادا کی زبانی لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے اس غلام کو مخاطب کر کے فرمایا۔ حمید الدین جن دنوں میں جوان اور توانا تھا۔ اور ابھی میری اولاد نہیں تھی۔ میں اپنے اللہ سے جو کچھ طلب کیا کرتا تھا۔ بلا تکلف مل جایا کرتا تھا۔ اب میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور مجھے اللہ نے اولاد (فرزند) بھی عطا فرمائے ہیں میرا مقصد دعاؤں اور مناجاتوں سے حاصل ہو جاتا ہے حمید الدین نے عرض کیا۔ حضور آپ پر یہ بات تو واضح ہے کہ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے بطن سے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ آپ کو بے موسم میوے میسر آیا کرتے تھے۔ یہ میوے بے تکلف اور بلا استدعا ملا کرتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت مریم رزق کا انتظار فرمایا کرتی تھیں۔ اور حکم ہوتا تھا۔ کہ ان کھجوروں کی شاخوں کو ہلائیں تاکہ تازہ کھجوریں گریں۔ تو آپ شاخوں کو ہلاتیں تو تازہ کھجوریں گرتی تھیں آپ کے ساتھ بھی سابقہ ایام زندگی اور آج کے حالات میں اتنا فرق ہے حضرت خواجہ معین الدین نے یہ جواب سُن کر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔

تذکروں میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے بیٹے ابوسعید کی عمر پچاس سال ہوئی تھی کہ اللہ نے انہیں دو بیٹے عنایت فرمائے۔ آپ کے دوسرے بیٹے فخر الدین بڑے بزرگ اور صاحب نعمت بزرگ تھے وہ حضرت خواجہ معین الدین سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے بیس سال بعد تک زندہ رہے اور ستر

سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ان کے پانچ بیٹے تھے۔ وہ قصبہ سروار جو اجمیر سے سولہ میل کے فاصلہ پر ہے۔ فوت ہوئے تھے۔ آپ کا مزار بھی وہاں ہی ہے۔

خواجہ حسام الدین حضرت خواجہ کے بیٹے کہیں گم ہو گئے تھے۔ وہ ابدالوں کی مجالس میں مل گئے تھے اس وقت آپ کی عمر پنتالیس سال تھی۔ ان کے سات بیٹے تھے ان میں سے خواجہ حسام الدین سوختہ بڑے صاحب کرامت بزرگ ہوئے تھے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا بدایونی آپ کے احباب میں سے تھے۔ آپ کی قبر اجمیر سے مغرب کی طرف قصبہ سائرہ میں ہے۔

حضرت خواجہ کی دوسری بیوی ہندوستان کے راجاؤں میں سے ایک راجہ کی بیٹی تھی قلعہ پٹیلی کا حاکم جس کا نام ملک خطاب تھا نے ہندوؤں کے ایک علاقہ پر حملہ کیا۔ بہت سے ہندو مارے گئے اور راجہ کی بیٹی کو گرفتار کر لیا اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کی۔ آپ نے اسے قبول فرماتے ہوئے اس سے نکاح کر لیا۔ اور اس کا اسلامی نام امتہ اللہ رکھا۔ اس عفت مآب بی بی کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام حافظ جمال تھا۔ یہ بڑی عابدہ، زاہدہ اور پارسا تھی۔ آپ کو اپنے والد سے بڑی ارادت تھی۔ آپ نے اسے روحانی تربیت دی اور خرقہ خلافت سے بھی نوازا۔ اور اسے مستورات کی ہدایت اور تبلیغ کے لئے وقف کر دیا۔ چنانچہ ہندوستان میں ہزاروں عورتیں آپ کی کوششوں سے قرب الٰہی کے درجہ کو پہنچیں۔ حافظ جمال کے خاوند کا اسم گرامی شیخ نقی الدین تھا۔ بی بی حافظ جمال کا مزار حضرت خواجہ کے مزار کے پہلو میں ہے۔ اس بیٹی کے علاوہ آپ کی اس بیوی امتہ اللہ کے دو بیٹے بھی پیدا ہوئے۔ مگر دونوں شیر خوارگی کی حالت میں فوت ہو گئے۔

یاد رہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بے شمار خلفاء

تھے۔ اور لاکھوں لوگ فیض یاب ہوئے۔ ہم تبرکاً چند خلفائے معروف کے اسمائے گرامی لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اوّل قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ۔ دوم خواجہ فخر الدین (حضرت کے بیٹے) تیسرے شیخ حمید الدین ناگوری صوفی۔ چہارم شیخ وجیہ الدین۔ پنجم شیخ حمید الدین صوفی (آپ کا لقب سعد بن زید تھا اور آپکا نسب عشر مبشرا سے جا ملتا ہے) ششم خواجہ برہان الدین عرف بدو ہفتم شیخ احمد ہشتم شیخ محسن نہم خواجہ سلیمان غازی۔ دہم شیخ شمس الدین یازدہم خواجہ حسن خیاط دوازدہم جے پال جوگی المعروف عبید اللہ (آپ کو حضرت خواجہ کی دعا سے جاودانی زندگی ملی تھی) سیزدہم شیخ صدر الدین کرمانی چہاردہم بی بی حافظہ جمال (حضرت خواجہ کی بیٹی) پانزدہم شیخ محمد توک ناریومی شانزدہم شیخ علی سجزی ہفتدہم خواجہ یادگار سبزواری۔ ہژدہم خواجہ عبد اللہ بیابانی نوزدہم شیخ متا (حضرت خواجہ نے آپ کے لئے دعا فرمائی۔ تو آپ لوگوں کے لئے ہر دلعزیز بن گئے۔ عام لوگ آپ کا بول دبزار بطور تبرک لے جایا کرتے تھے ان سے عطر اور عنبر کی خوشبو آیا کرتی تھی) بستم شیخ وحید برادر شیخ احمد بست و یکم سلطان مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یاد رہے کہ یہ سلطان مسعود غازی سلطان سالار مسعود غازی شہید کے علاوہ ہیں۔ ان کا مزار قصبہ بڑائچ میں ہے جن حضرات نے سالار مسعود غازی شہید کو آپ کے خلفاء میں لکھا ہے انہیں غلطی ہوئی ہے۔ حضرت خواجہ کی وفات اور سالار شہید کی وفات میں دو سو سال کا فاصلہ ہے۔

سیر الاقطاب کے مولف لکھتے ہیں کہ جس دن حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا آپ نے نماز عشاء کے بعد اپنے حجرے کا دروازہ بند کر دیا اور اپنے خاص احباب کو بھی اندر آنے سے روک دیا۔ حجرے کے دروازے پر

بیٹھنے والے محرمان راز ساری رات آنے جانے والوں کے قدموں کی آوازیں سنتے رہے۔ انہوں نے سوچا حضرت خواجہ وجد میں ہیں۔ مگر علی الصبح آوازیں رک گئیں نماز کا وقت ہوا۔ دروازے پر دستک دی گئی۔ آوازیں دیں۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ دروازہ کھولا گیا۔ دیکھا کہ حضرت خواجہ فوت ہو چکے ہیں۔ آپ کی پیشانی پر نور کی روشنائی سے لکھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ حَبِیبُ اللّٰہ مات فی حُبِّ اللّٰہ (یہ اللہ کے حبیب تھے۔ وہ اللہ کی محبت میں فوت ہوئے)

حضرت خواجہ معین الدین سنجری قدس سرہٗ کی ولادت ۵۳۷ھ میں ہوئی تھی۔ اور تمام تذکرہ نگاروں کا اس پر اتفاق ہے۔ آپ کا وصال پیر ششم ماہ رجب المرجب ۶۳۳ھ میں ہوا۔ یہ سلطان شمس الدین التمش کا عہد حکومت تھا۔ آپ کا روضہ منورہ دارالخیر اجمیر شریف میں ہے پہلے آپ کا مزار سادہ اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ اس کے بعد پتھروں سے عمارت بنائی گئی۔ آپ کا مزار ایک عرصہ تک عام قبروں کی طرح رہا۔ سب سے پہلے خواجہ حسین ناگوری نے مزار کی تعمیر کی تھی اس کے بعد بادشاہان ہندوستان آتے رہے اور آپ کے مزار کو شاندار عمارت کی صورت میں تعمیر کراتے رہے خصوصاً شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ غازی نے آپ کے روضہ کی عمارت کو بنایا اور ساتھ ہی ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی۔ اس مزار پُر انوار کے فیض و برکت کے آثار آج تک ظاہر ہو رہے ہیں۔ دعاؤں کی قبولیت اور حاجات برلری کے ہزاروں واقعات سامنے آتے ہیں۔

اجمیر شہر کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے جسے اخبار الاخیار کے مصنف نے لکھا ہے کہ پرانے زمانہ میں ہندوستان پر ایک راجہ حکمران تھا۔ جس کی سلطنت برہما سے لے کر غزنی تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس راجہ کا نام آجا تھا جسے ہندی زبان میں آفتاب کہا جاتا ہے۔ میر کو پہاڑ کے معنوں میں لکھا جاتا ہے۔ اس طرح اس

شہر کا نام اجامیر رکھا گیا۔ چنانچہ ہندی میں اس شہر کا نام آج میر یا آجامیر رکھا گیا۔ مگر مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ زبان میں تبدیلی آئی تو اسے اجمیر مشہور کر دیا گیا۔ لاہور کا پرانا نام لوہ پور تھا۔ پھر ایک وقت آیا تو مسلمانوں نے اسے لوہاور اور لہانور کہنا شروع کر دیا۔ آہستہ آہستہ یہ نام لاہور کے نام سے مشہور ہو گیا حضرت کی وفات پر سب سے پہلے کہی جانے والی تاریخ وفات یہ ہے[1]

خواجہ والامعین الدین کہ از انوار او ۔ گشت روشن در دو عالم ماہتاب ملک ہند
محو شد در نور حق چوں آں مہ چرخ نشیں ۔ شد ندا از چرخ چارم آفتاب ملک ہند

۶۳۳ھ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ: آپ وقت کے اکابر اولیا اور اجل اصفیا میں سے شمار ہوتے تھے۔ بڑے عظیم الشان ولی اللہ اور مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلتا اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوتا تھا۔ آپ کو خرقۂ ارادت و خلافت حضرت خواجہ معین الدین سنجری اجمیری قدس سرہٗ نے عطا فرمایا تھا۔ آپ سادات اوش میں سے تھے۔ اوش ماوراء النہر میں ایک قصبہ ہے۔ آپ حسینی سید تھے۔ آپ کا نسب حضرت امام جعفر صادق تک یوں پہنچتا ہے۔ خواجہ قطب الدین

---

[1] :۔ فاضل مولف مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ نے ان الفاظ میں تاریخ ہائے ولادت و وصال کہی ہیں

امام مجتبیٰ + نیر اکبر معلیٰ + بدر المنیر + عارف صوفی + عمدۂ دین زندہ دل بدر الدجیٰ
۵۳۷ھ ۶۳۳ھ ۵۳۷ھ ۵۳۷ھ ۵۳۷ھ

قطب الواصلین + قطب الاصفیا میر جہاں + میر مکرم زیب دل
۵۳۷ھ ۶۳۳ھ ۶۳۳ھ

بختیار اوشی۔ سید کمال الدین بن سید موسیٰ۔ بن سید احمد اوشی۔ بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید اسحاق بن سید احسن بن سید معروف بن سید احمد حسینی بن سید رضی الدین بن سید حشام الدین بن سید رشید الدین بن سید امام جعفر رضی اللہ عنہم

حضرت خواجہ قطب الدین ابھی ایک سال چھ ماہ کے تھے کہ آپ کے والد ماجد انتقال فرما گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے اسے اپنے سایۂ عاطفت میں پرورش کی۔ پانچ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ نے اپنی ایک نیک سیرت ہمسائی کے زیر تربیت کر دیا۔ اور تھوڑی سی شیرینی بھی دے دی۔ اور فرمایا میرے بیٹے کو ایسے معلم کے حوالے کرنا جو ظاہری اور باطنی علوم سے واقف ہو۔ وہ عورت آپ کو لے کر اوش سے روانہ ہوئی۔ راستہ میں ایک پیر روشن ضمیر سے ملاقات ہوئی انہوں نے اس بی بی سے دریافت کیا کہ اس بچے کو کہاں لے جا رہی ہو۔ بتایا کہ کسی اچھے سے مکتب میں داخل کرانے جا رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا اسے میرے سپرد کر دو۔ میں خود ہی اسے معلم کے پاس لے جاؤں گا جو اسے علوم میں درجۂ کمال تک پہنچا دے گا۔ وہ بزرگ اس بچے کو حضرت شیخ ابو حفص اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کی مجھے احکم الحاکمین کا حکم ہوا ہے۔ کہ آپ اس بچے کی تعلیم و تربیت فرمائیں۔ حضرت خواجہ شیخ ابو حفص نے بچے کے سر پر دست شفقت رکھا۔ اور اس بزرگ کو رخصت کر دیا بچے کو فرمایا۔ بیٹا! تم بڑے صاحب بخت (بختیار) ہو۔ کہ خضر علیہ السلام نے خود آ کر میرے حوالے کیا ہے۔ اور اللہ کا حکم سنایا ہے کہ تمہاری تربیت کی جائے۔ حضرت خواجہ چار دنوں میں قرآن پاک حفظ کر گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں علوم ظاہری میں کمال حاصل کر لیا۔ آپ بالغ ہوئے تو باطنی علوم کی تلاش ہوئی۔ اور حضرت خواجہ معین الدین سجزی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت خواجہ نے سترہ سال کی عمر میں خرقۂ خلافت عنایت فرما دیا

اور آپ اپنے پیر روشن ضمیر کے ارشاد پر دہلی کی قطبیت پر فائز ہو گئے۔ آپ دہلی پہنچے مخلوق کی اصلاح میں مشغول ہو گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین اوشی نے مصروفیت کی بنا پر رات کو سونا ترک کر دیا پانچ دنوں بعد ایک بار افطار کرتے چونکہ خلق محمدی کا پیکر تھے۔ دہلی کے لوگ جوق در جوق مجلس میں حاضر ہونے لگے۔ آپ بھی ہر ادنیٰ اعلیٰ پر توجہ فرماتے اور اس طرح ہزاروں لوگ راہ ہدایت پر چلنے لگے۔

حضرت خواجہ بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا شیخ محمد نامی تھا۔ سات سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ اس کی والدہ اس بیٹے کی وفات پر بڑی دردناک آواز میں رو رہی تھی۔ حضرت خواجہ نے آواز سنی تو لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ جانگداز آواز کس کی ہے؟ بتایا گیا۔ حضور آپ کا سات سالہ بیٹا شیخ محمد انتقال کر گیا ہے اس کی والدہ رو رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون کاش مجھے اس بیٹے کی بیماری کی پہلے اطلاع ہوتی۔ تو میں اپنے اللہ سے اس کی صحت کی دعا کرتا۔

جن دنوں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سجستان سے برصغیر ہندوستان تشریف لائے۔ تو اتفاقاً حضرت خواجہ بختیار اوشی اور شیخ جلال الدین تبریزی دونوں ایران سے چل کر حضرت خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کو برصغیر میں آئے ہوئے تھے ایک دن یہ تینوں روحانی بزرگ ایک مجلس میں بیٹھے تھے کہ حاکم ملتان قباچہ خان مجلس میں آیا۔ اور عرض کی حضور تاتاری مغلوں کا ایک لشکر ملتان کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اور شہر کو تاخت و تاراج کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ تاتاریوں کا لشکر بڑا زبردست ہے مجھے مقابلہ کی تاب نہیں آپ حضرات توجہ فرمائیں تاکہ ملتان بچ جائے۔ حضرت قطب الدین بختیار کے ہاتھ

میں ایک تیر تھا۔ فرمایا یہ تیر لے لو۔ اور مقابلہ کے وقت تاتاریوں کے لشکر کی طرف پھینکنا۔ قباچہ نے وہ تیر لیا اور تاتاریوں کے لشکر کی طرف پھینکا کہتے ہیں دوسرے دن تاتاریوں کے لشکر سے ایک بھی سپاہی ایسا نہ بچا تھا۔ جو تیر کے زخم سے زخمی نہ ہوا ہو۔ وہ ملتان کا محاصرہ چھوڑ کر واپس آ گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار دہلی پہنچے تو آپ نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ مجھے اجمیر میں حاضری کی اجازت دی جائے جواب میں ارشاد ہوا۔ کہ آپ کو دہلی کی قطبیت دی گئی ہے وہاں رہ کر کام کیا جائے۔ ہم انشاء اللہ خود دہلی آئیں گے۔ حضرت خواجہ ابتدائی طور پر ایک نانبائی کے ہاں رہائش پذیر ہوئے مگر کچھ دنوں بعد حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کی استدعا پر ان کے گھر منتقل ہو گئے۔ ہزاروں طالبان حق جوق در جوق حاضر ہونے لگے اور سلسلۂ ارشاد جاری ہوا۔

حضرت خواجہ کا معمول تھا۔ کہ آپ کسی سے نذرانہ قبول نہیں فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے گھر کے قریب ہی ایک سبزی فروش تھا۔ اس سے قرض لے کر خرچ کر لیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ کے دل میں خیال آیا۔ کہ آئندہ کسی سے قرض بھی نہیں لینا چاہیئے یہ بات بھی توکل کے خلاف ہے اس دن سے ہر روز آپ کے مصلے کے نیچے سے ایک بڑی اور گرم روٹی برآمد ہوتی آپ خود بھی کھاتے اور دوسرے احباب کو بھی اسی روٹی سے کھلاتے سبزی فروش سے قرضہ لینا بند ہوا۔ تو اسے تشویش ہوئی۔ شاید حضرت خواجہ مجھ سے ناراض ہیں اس نے اپنی بیوی کو حضرت کے گھر بھیجا۔ اس نے ساری صورتحال دیکھی تو واپس آ کر تمام واقعہ سنا دیا۔ اس دن سے دہلی میں آپ کا کی (روٹی والا) مشہور ہو گئے۔

ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی حوض شمسی کے کنارے تشریف فرما تھے دوستوں نے روٹی کھانے کی درخواست کی۔ آپ نے حوض کے پانی میں ہاتھ ڈالا اور گرم روٹی باہر نکال کر دے دی۔ اور دوستوں کو خوش کر دیا۔

ایک دن بادشاہ دہلی حضرت سلطان شمس الدین نے (جو آپ کا مرید بھی تھا) حضرت کی کرامت دیکھنے کے لئے روٹی کی گزارش کی۔ آپ نے اپنی آستین جھاڑی اور چند گرم گرم روٹیاں نکال کر دے دیں۔

ایک دن حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے گھر مجلس سماع ہوئی۔ مجلس ختم ہوئی تو ایک خادم نے کہا۔ مجلس کے بعد طعام نہایت ضروری ہے اس وقت خواجہ حمید الدین کے پاس کھانا موجود نہیں تھا۔ بڑی تشویش ہوئی۔ مگر حضرت خواجہ قطب الدین نے فرمایا۔ تمام مہمانوں کو صفوں میں بٹھا دیں۔ خواجہ خود ہر مہمان کے قریب جا کر اپنے آستین سے دو دو گرم روٹیاں اور حلوہ رکھ دیتے۔ تمام اہل مجلس سیر ہو گئے۔ کھانا کھانے کے بعد اہل مجلس نے شربت طلب کیا۔ فرمایا۔ جس نے آپ لوگوں کو روٹیاں دیں ہیں۔ شربت بھی دے گا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ناواقف شخص آیا۔ اور اس نے دو سیر شکر پیش کی۔ آپ نے فرمایا۔ اس شکر کا شربت بنایا جائے اور تمام مہمانوں کو پلایا جائے۔ آپ خود اٹھے ہر ایک مہمان کو شربت پلاتے جاتے تمام سیر ہو گئے شربت کا کوزہ ابھی تک بھرا ہوا تھا۔

ایک زمانہ آیا کہ دہلی قحط کی زد میں آ گیا گندم کے دانے موتیوں کے بھاؤ بکنے لگے شاہزادہ سعد الدین نے اپنے سرکاری کارندوں کو چند سیر آٹا دے کر کہا کہ تنور سے روٹیاں تیار کرا لاؤ۔ دربار کے سپاہی آئے اور اس نانبائی کو روٹیاں پکانے کو کہا۔ نانبائی نے تنور میں روٹیاں تو لگا دیں مگر خود کسی اور کام میں مشغول ہو گیا۔ حتیٰ کہ تمام روٹیاں جل کر خاکستر ہو گئیں۔ سپاہی غصے سے لال ہو گئے

نانبائی کو پکڑا۔ اس کی پگڑی گردن میں ڈالی۔ دونوں بازو باندھ دیئے۔ اور شاہزادے کے پاس لے چلے۔ اتفاقاً اسی راستہ سے حضرت خواجہ قطب الدین کا گزر ہوا۔ نانبائی کو اس حالت میں دیکھا تو سپاہیوں کو کہنے لگے۔ اس بیچارے کو چھوڑ دو۔ تمہاری روٹیاں تیار ہو جاتی ہیں۔ آپ کی یہ بات سن کر سپاہی ہنس دیئے اور کہنے لگے یہ شخص دیوانہ ہے جلی ہوئی روٹیاں کون درست کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا تمہیں اس سے کیا۔ مجھے وہ تنور دکھاؤ تنور پر پہنچے۔ آپ نے تنور میں ہاتھ ڈال کر تمام روٹیاں نکال دیں۔ جب اس واقعہ کی اطلاع شاہزادہ سعد الدین کو ملی۔ دوڑا دوڑا آیا۔ اور مرید ہو کر کمالات روحانی پہ فائز ہو گیا

قاضی صادق اور قاضی عمار دہلی کے مشہور علماء تھے۔ ابھی انہیں منصب قضا نہیں ملا تھا۔ انہوں نے بادشاہ دہلی کو بتایا۔ کہ اس شہر میں شیخ قطب الدین بختیار اور شیخ حمید الدین ناگوری نے سماع کو اتنا رواج دیا ہے کہ عنقریب تمام دہلی کے مسلمان اسی کام میں لگ جائیں گے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اس سماع کو بند کر دیں۔ بادشاہ نے کہا شرعی معاملات میں اجازت کی ضرورت نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے تم دونوں حضرات اس معاملہ میں پشیمان ہو گے۔ ایک دن دونوں قاضیان شہر حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے گھر پہنچے دیکھا۔ کہ مجلس سماع گرم ہے حمید الدین وجد کی حالت میں ہیں قطب الاقطاب دست بستہ کھڑے ہیں۔ ان دنوں دونوں حضرات کی داڑھی نہیں آئی تھی۔ ان قاضی حضرات نے آگے بڑھ کر کہا۔ اہل تصوف کے ہاں بے ریش لڑکوں کو مجلس سماع میں نہیں آنا چاہیئے دونوں خواجگان نے اپنا دست مبارک منہ پر پھیرتے ہوئے کہا ہم لڑکے نہیں داڑھی والے ہیں۔ قاضیوں نے دیکھا تو چہروں پر داڑھیاں تھیں۔ دونوں اس کرامت کو دیکھ کر شرمسار ہوئے اور واپس آ گئے۔

دوبارہ بادشاہ کی خدمت میں پیش ہو کر کہنے لگے کہ اگر بادشاہ ہمیں قاضی شرع و محتسب مقرر کر دے تو ہم دونوں کو ایوان قضا میں طلب کر کے سماع کے مسئلہ پر مباحثہ کر کے شکست دے سکتے ہیں۔ بادشاہ نے ملا صادق کو قاضی شرع مقرر کر دیا اور عماد کو صدر جہاں کے عہدہ پر مقرر کر دیا۔ دونوں کو اپنی مرضی کے مطابق عہدے مل گئے اب وہ سیاسی قوت کے ساتھ مضبوط ہو گئے دونوں کو پابند کر دیا گیا کہ محل کے دیوان قضا میں پیش ہو کر مسئلہ سماع پر مباحثہ کریں۔ حضرت قطب الاقطاب نے فرمایا کل تو ہمارے خواجہ عثمان ہارونی کا سالانہ عرس ہے ہم اس سے غیر حاضر نہیں رہ سکتے۔ عرس کی مجالس میں مجالس سماع بھی منعقد ہوں گی۔ اگر کوئی اور دن مقرر کر لیا جائے تو ہم مباحثہ کرنے کو تیار ہیں۔ قاضی نے اس شرط پر مہلت دی کہ عرس کی تقریبات پر مجالس سماع منعقد نہیں کی جائیں گے۔ اور لوگوں کا اجتماع نہ ہونے پائے صرف آپ دونوں یعنی خواجہ قطب الدین بختیار اور خواجہ حمید الدین ایک مجلس میں بیٹھ کر سماع کر لیں۔ ان دنوں دہلی کے قلعہ شرقی اور جنوبی دروازے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے گھر ان ہی دروازوں میں واقع تھے۔ قاضی نے ان دونوں دروازوں پر تند خو اور سخت گیر سپاہیوں کا پہرہ بٹھا دیا۔ کہ کوئی شخص اندر نہ آنے پائے خواہ کتنا ہی قریب اور عزیز ہو۔ ادھر حضرت خواجہ قطب الدین نے بھی سارے شہر میں اعلان کروا دیا۔ کہ ہمارے تمام خادم اور دوست مجلس سماع میں شرکت کریں۔ بلکہ اپنے اپنے احباب کو بھی دعوتِ شرکت دیں۔ دوسری طرف حضرت خواجہ نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ عام تقریبات عرس کے برعکس کھانے کا زیادہ اہتمام کریں اور کسی پہرے دار یا پاسبان کی پرواہ نہ کریں۔ انشاء اللہ ان پہرے داروں کی آنکھیں کسی آنے والے کو دیکھ نہیں سکیں گی۔ عرس کے دن دہلی کے لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ سپاہی کھڑے رہے مگر کسی کو نہ روکا گیا۔ ہزاروں مرید۔ طالب اور

خادم مجلس سماع میں شریک ہوئے۔ اتفاقاً اسی دن حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور شیخ جلال الدین تبریزی ملتان سے چل کر دہلی پہنچے تھے۔ ان دونوں حضرات کی تشریف آوری سے مجلس کی رونق دوبالا ہو گئی۔ قوالوں کے کلام اور وجد کرنے والوں کی رقت سے سارا قلعہ گونج اُٹھا۔ دونوں قاضی اس غلغلہ اور ہنگامہ کی آواز سے چونک اُٹھے۔ دروازے کے نگہبانوں کو طلب کر کے ڈانٹا۔ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے قسم کھا کر کہا کہ ہم نے کسی کو اندر جاتے نہیں دیکھا۔ ہم نہیں جانتے اتنا ہجوم کدھر سے آ گیا۔

قاضیوں نے ایوان صدر میں مقدمہ کرنے کی بجائے یہ خیال کیا کہ آج بہت بڑا اجتماع ہے اس میں پہنچ کر مباحثہ کر لیا جائے اور حرمتِ سماع پر فیصلہ ہو جائے چنانچہ دونوں قاضی حضرت خواجہ کی مجلس میں جا پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین تو وجد کر رہے ہیں اور خواجہ حمید الدین دست بستہ سامنے کھڑے ہیں۔ اچانک خواجہ حمید الدین کی نگاہ دونوں پر پڑی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ مجلس سماع تم جیسے منکرانِ سماع اور دشمنان درویشان نہیں ہے۔ تم وہاں ہی کھڑے رہو۔ اگرچہ ان دونوں قاضیوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ مگر ان کے قدم نہ اٹھ سکے۔ چنانچہ ساری مجلسِ سماع کھڑے کھڑے سنتے رہے۔ جب حضرت قطب الدین وجد سے رُکے۔ اور مجلس میں خاموشی چھا گئی تو آپ نے قاضی عماد اور قاضی صادق کو مخاطب کیا اور فرمایا۔ آؤ۔ اے بھائیو! آگے بڑھو آج تمہاری الوداعی تقریب ہے۔ تم سفرِ آخرت پر جانے والے ہو۔ آخری بار سماع کی لذت حاصل کر لو۔ تمہیں حسرت اور افسوس نہ رہے۔ دونوں حضرات خواجہ کے کہنے پر مجلس میں آئے قوالوں کے اشعار اور بزرگان دین کے تصرف سے دونوں مدہوش ہو گئے۔ محفل ختم ہوئی۔ تو دونوں نے معذرت کی اور اپنے اعمال پر پشیمان ہو کر خواجگان چشت کے قدم بوس ہو گئے۔ اور

معافی کے خواستگار ہو گئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ اب تیر کمان سے نکل گیا ہے "تیر جستہ باز کے آید زراہ" اب تم لوگ سفرِ آخرت کی تیاری کرو۔ دونوں اس مجلس سے پریشان و پشیمان اٹھے۔ اور سیدھے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور رات کی ساری سرگذشت سنادی بادشاہ نے اِن کی باتیں سن کر انہیں سرزنش کی۔ اور بڑے غصّے سے صدر جہاں اور عہدۂ قضا سے معطل کر دیا۔ اسی رات دونوں صدمہ سے مر گئے۔

اخبار الاخیار اور سیر الاقطاب میں درج ہے۔ کہ حضرت خواجہ بختیار کے ایک مرید رئیس نامی نے ایک رات خواب میں دیکھا۔ کہ ایک عالی شان درگاہ ہے اور اس میں بے پناہ مخلوق جمع ہے۔ ایک شخص پست قد بار بار بارگاہ کے اندر جاتا ہے اور پھر باہر آجاتا ہے اور بادشاہ کے فرمان و پیغام لالا کر لوگوں تک پہنچاتا ہے رئیس نے اس بارگاہ۔ مجلس اور صاحب دربار اور اندر باہر آنے جانے والے شخص کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا۔ یہ سرکار دو عالم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ کی بارگاہ ہے یہ کوتاہ قد حضرت عبداللہ مسعود (رضی اللہ عنہ) ہیں لوگوں کے پیغامات اندر لے جاتے ہیں۔ اور حضور کا فرمان باہر لا کر پہنچاتے ہیں رئیس آگے بڑھے۔ حضرت عبداللہ مسعود کو کہا برائے مہربانی۔ حضور کی خدمت میں گزارش کریں کہ آپ کا ایک امتی رئیس جو خواجہ قطب الدین بختیار کا خادم ہے زیارت کا خواہاں ہے۔ وہ دروازے پر حاضر ہے آپ کرم فرمائیں۔ حضرت عبداللہ مسعود نے تھوڑی دیر باہر آکر فرمایا۔ حضور فرماتے ہیں کہ تمہیں ابھی تک زیارت کی اہلیت نہیں ہوئی ہمارا سلام خواجہ قطب الدین کو پہنچانا۔ اور کہنا کہ تم ہر رات ہمیں تحفہ پہنچایا کرتے تھے۔ تین راتیں گذر گئی ہیں۔ تمہاری طرف سے تحفہ نہیں پہنچا۔ خدا خیر کرے کونسی چیز مانع ہے رئیس صبح اٹھے دوڑے دوڑے حضرت خواجہ کی خدمت

میں حاضر ہو کر بادیدۂ پرآب پیغام پہنچایا۔ حضرت خواجہ اسی وقت اٹھے۔ تازہ وضو کیا۔ تین ہزار بار درود پاک پڑھا حضور کی بارگاہ میں ہدیہ کیا۔ آپ نے تین روز قبل درود نہیں پڑھا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ حضرت خواجہ نے شادی کر لی تھی۔ تین راتیں اسی شادی میں مصروف رہے۔ درود پاک ترک رہا۔ اس درود پاک میں تاخیر اور تعطل اس شادی کی وجہ سے تھا حضرت خواجہ اٹھے۔ اور اپنی بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دیا۔ اور ہمہ تن درود پاک میں مشغول ہو گئے۔

فوائد الفواد میں لکھا ہے۔ کہ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی بسا اوقات غیاث پور سے چلتے اور حضرت خواجہ بختیار کے روضہ کی زیارت کے لئے دہلی جاتے ایک دن آپ کے دل میں خیال آیا۔ خدا معلوم میری حاضری سے حضرت خواجہ آگاہ بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔ آپ حضرت کے مزار پر انوار کے نزدیک پہنچے دیکھا۔ کہ حضرت خواجہ مزار کے تعویز پر تشریف فرما ہیں اور تبسم فرماتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

؎ مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں گر بمیرائی بہ تن

جن دنوں حضرت خواجہ دہلی میں قیام فرما تھے۔ مرید اور طالب جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ان لوگوں میں روسا مملکت۔ اعیان سلطنت اور سپہ سالاران افواج بھی ہوتے تھے۔ انہی دنوں خواجہ نجم الدین صغریٰ۔ جو خواجہ عثمان ہارونی کے خلیفہ اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے خواجہ تاش تھے۔ آپ کو اس رونق اور ہجوم پر سخت حسد ہوا۔ وہ پریشان تھے کہ سارے لوگ حضرت خواجہ قطب الدین کے پاس ہی جاتے ہیں کچھ دنوں بعد حضرت خواجہ معین الدین اجمیری دہلی میں رونق افروز ہوئے تو خواجہ نجم الدین صغریٰ نے اپنے تاثرات سے آگاہ کیا اور کہا۔ حضور

آپ نے اپنے مرید خاص قطب الدین کو دہلی میں چھوڑ دیا ہے۔ شہر کے تمام لوگ انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں ہمیں تو برگ سبز کی بھی حیثیت نہیں دی جاتی۔ حضرت خواجہ معین الدین کو خواجہ نجم الدین کی بات اچھی نہ لگی اور خواجہ قطب الدین کو فرمایا۔ بابا تم ہمارے ساتھ اجمیر چلے چلو۔ بعض لوگوں کو دہلی کے قیام سے تکلیف ہے۔ خواجہ قطب الدین حضرت خواجہ بزرگ کا حکم سنتے ہی فوراً تیار ہو گئے۔ اور دوسرے دن ساتھ چل پڑے۔ دہلی کے اکابر و اصاغر عورت و مرد اس صورت حال سے آگاہ ہوئے۔ تو وہ قافلے کے پیچھے بھاگے۔ اور حضرت خواجہ کی خدمت میں فریاد کرنے لگے۔ کہ خدا کے لئے خواجہ قطب الدین کو دہلی سے نہ لے جائیں۔ ہم غریب لوگ انہی کے سہارے زندہ ہیں۔ کہیں خواجہ کی جدائی کی تاب نہیں ہے۔ آپ نے لوگوں کا خلوص اور بے چینی دیکھ کر فرمایا۔ بابا قطب الدین! تم یہاں ہی رہو۔ دہلی کے لوگ تمہیں نہیں جانے دیتے۔ چنانچہ خواجہ قطب الدین پھر دہلی میں رہ گئے۔

چند سال اسی طریقے پر گزرے تو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے خواجہ قطب الدین کو اجمیر بلایا اور دستار اور کلاہ عنایت فرمائے۔ شیخ عثمانی ہارونی کا عصاء مبارک دیا۔ قرآن پاک کا ایک نسخہ اور مصلّی عنایت فرماتے ہوئے خرقۂ خلافت عطاء فرمایا۔ اور فرمایا۔ یہ امانتیں سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہی ہمیں پہنچیں تھیں۔ ہم نے ان امانتوں کو تمہارے حوالے کر کے اپنا حق ادا کر دیا ہے تم بھی ان کا حق ایسا ادا کرنا کہ قیامت کے دن مجھے سید الانبیاء کے سامنے شرمسار نہ ہونا پڑے۔ ان تبرکات کے سپرد کرنے کے بعد آپ کو دہلی جانے کی رخصت دی کہتے ہیں اس دن سے آٹھ روز بعد حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کا وصال ہو گیا۔

ایک شاعر ناصر تخلص کیا کرتا تھا۔ وہ ماوراء النہر سے چل کر دہلی آیا۔ سلطان

شمس الدین التمش کے لئے ایک قصیدہ لکھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کی خدمت میں پیش کر کے عرض کی۔ حضور میرے لئے دعا کریں کہ یہ قصیدہ بادشاہ کو پسند آجائے مجھے جس قدر انعام ملے گا آدھا خانقاہ کے درویشوں کے اخراجات کے لئے پیش کروں گا۔ حضرت خواجہ نے دعا کی۔ ناصر شاعر نے بادشاہ کے حضور قصیدہ پڑھا تو اسے اشعار کی تعداد اٹھاون پر اٹھاون ہزار روپیہ انعام دیا گیا۔ ناصر انعام پاکر دربار میں حاضر ہوا۔ اور نصف انعام خدمت میں نذر کیا۔ آپ نے قبول نہ کیا اور ارشاد فرمایا یہ سارا تم ہی لے جاؤ۔

یاد رہے کہ حضرت قطب الاقطاب کے اعلیٰ و اکبر خلیفہ حضرت خواجہ مسعود شکر گنج ہیں۔ ان کے بعد دہلی کے شہنشاہ سلطان شمس الدین التمش۔ شیخ بابا بنجری بحر دریا۔ مولانا فخر الدین حلوائی شیخ احمد حاجی۔ شیخ حسین۔ شیخ فیروز شیخ بدر الدین مرتاب برادر شیخ شاہی موتاب۔ شاہ خضر قلندر۔ شیخ نجم الدین قلندر خواجہ سپرو۔ شیخ سعد الدین۔ شیخ محمود بہاری۔ مولانا جاجری۔ سلطان نصیر الدین غازی قاضی حمید الدین ناگوری۔ مولانا شیخ محمد۔ مولانا برہان الدین حلوائی۔ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر۔ مولانا خضر معین۔ مولانا سید۔ شیخ صوفی بدہنی۔ شیخ جلال الدین۔ ابوالقاسم تبریزی (آپ نے ابوسعید تبریزی سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا) شیخ نظام الدین ابوالموید۔ شیخ تاج الدین منوادشی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ان تمام بزرگوں کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقہ خلافت ملا پھر انہوں نے سلسلہ چشتیہ کی اشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین ایک بھیلی پہ بیٹھے شہر سے باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ جب اس جگہ پہنچے جہاں ان دنوں آپ کا روضۂ منورہ ہے۔ بھیلی کو کھڑا کیا۔ دیر تک مراقبہ میں رہے فرمایا۔ اس جگہ سے مجھے بوئے محبت آرہی

ہے۔ زمین کے مالک کو بلایا۔ اور بہت سی قیمت اور انعام ادا کر کے زمین خرید لی فرمایا۔ ہماری قبر اس زمین میں ہو گی۔ انشاء اللہ۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے۔ کہ حضرت خواجہ کا وصال خاص حالات میں ہوا تھا۔ آپ اپنی خانقاہ میں مجلس سماع میں تشریف فرما تھے۔ ہنگامہ سماع زوروں پر تھا۔ قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

عاشق رو ئیت کجا بیند بکس
نستۂ مویت کجا یابد خلاص

حضرت خواجہ یہ شعر سن کر وجد میں آ گئے۔ قوالوں کو اپنے سامنے بلایا پھر وجد کرنے لگے۔ اسی دوران صلاح الدین پسر کریم الدین۔ نصیر الدین غزل خواں بھی موجود تھے۔ انہوں نے یہ شعر اٹھایا۔

کُشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

یہ شعر سننا تھا کہ آپ کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ تمام مجلس پر رقت طاری ہو گئی۔ بہت سے وجد کرنے لگے۔ حضرت قطب الاقطاب اس وجد کی حالت میں جَست لگاتے تھے۔ تو دس دس گز اوپر کو اچھلتے۔ یہ معاملہ تین دن رات تک جاری رہا۔ حضرت خواجہ کے بال بال سے اسم ذات کی تسبیح جاری تھی۔ خون کے قطرے بہنے لگے۔ ان قطرات میں سے ایک قطرہ زمین پر ٹپکتا تو اللہ کے نام کا نقش بن جاتا۔ چوتھے دن آپ کے انگ انگ سے سبحان اللہ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ خون کے قطروں سے بھی کلمہ سبحان اللہ کی آواز آتی۔ جس وقت غزل خواں یہ شعر پڑھتے۔

؎ کشتگانِ خنجر تسلیم را۔

تو یوں محسوس ہوتا کہ حضرت خواجہ اس جہاں سے چلے گئے ہیں۔ مگر جب قوال

ہر زمان از غیب جان دیگر است

پڑھتے تو پھر زندہ ہو کر جست لگاتے اور مرغ بسمل کی طرح فرش پر تڑپتے آخر کار مورخہ چودہ ۱۴ ربیع الاول کو جب کہ سماع کا پانچواں دن تھا۔ قوالوں کو مصرع ثانی پڑھنے پر منع کر دیا گیا۔ آپ نے نعرہ مارا۔ اور واصل بحق ہو گئے۔ حاضرین میں شور مچا۔ لوگ مجلس سے اٹھے۔ آپ کا جنازہ تیار ہوا۔ ہندوستان کا بادشاہ سلطان شمس الدین التمش خود حاضر ہوا۔ آپ کے خلفاء مرید اور مشائخ۔ شاہی خواتین اور عوام الناس جمع ہو گئے۔ سارا دہلی شہر ٹوٹ پڑا۔

خواجہ ابو سعید نے اٹھ کر اعلان کیا کہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب قطب الدین بختیار نے وصیت کی تھی۔ کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے۔ جس نے ساری عمر اپنے آپ کو زنا سے محفوظ رکھا ہو۔ بلوغت سے لے کر آج تک عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں۔ فرائض نماز کی تکبیر اولیٰ سے محروم نہ ہوا ہو۔ یہ اعلان سنتے ہی تمام حاضرین دنگ رہ گئے۔ اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ آخر حضرت سلطان التمش آگے بڑھے اور فرمایا۔ میں چاہتا تھا کہ میرے ان مشاغل سے کسی کو خبر نہ ہو۔ مگر آج میرے پیر و مرشد کی وصیت نے مجھے آشکارا کر دیا۔ آپ نے نماز جنازہ کی امامت کرائی۔ نماز جنازہ کے بعد ایک طرف خود کندھا دیا۔ باقی تین پائیوں کو اس وقت کے نامور اولیاء اللہ نے اٹھایا اور آپ کے مدفن تک لے گئے۔

قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات بتاریخ چودہ ماہ ربیع الاوّل ۶۳۳ھ کو ہوئی۔ یہ تاریخ سفینۃ الاولیاء اخبار الاولیاء۔ معراج الولایت اور دوسرے تذکروں میں لکھی پائی گئی۔ وفات

کے وقت آپ کی عمر بادن سال تھی۔ مخزالواصلین میں آپ کا سن وصال ۶۳۳ھ لکھا ہوا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک پہلا قول صحیح ہے۔

جناب شیخ قطب الدین اوشی
کہ بود او مقتدائے شیخ وہم شاب
عجب تاریخ وصلش یافت سرور
ز قطب الدین مقدس قطب الاقطاب[1]

۶۳۴ھ

شاہ شمس الدین التمش بادشاہ ہندوستان قدس سرہٗ:- آپ ایک رحم دل بادشاہ عادل سلطان کامل تھے۔ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے منظور نظر تھے۔ مگر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کے مرید خاص اور خلیفہ اعظم تھے۔ حضرات اہل چشت سے بڑی ارادت رکھتے تھے۔ اگرچہ ظاہری فرمانروائے سلطنت ہندوستان تھے۔ مگر باطنی طور پر فقیروں اور درویشوں کے زمرے میں تھے۔ کم کھاتے تھوڑا سوتے۔ لمبی راتیں جاگ کر گزارتے۔ چند لمحے سوتے تو فوراً بیدار ہو جاتے کسی کام کے لئے ملازمین کو تکلیف نہ دیتے تھے۔ رات کے جس حصہ میں بیدار ہوتے کسی کو کہنے کی بجائے خود کنوئیں سے پانی کھینچتے اور وضو فرما لیتے انہیں یہ بات گوارا نہ تھی کہ ان کے کسی کام کے لئے کسی دوسرے کو تکلیف ہو آدھی رات ہوتی

---

[1] حضرت مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ نے اس تاریخ وصال کے علاوہ مندرجہ ذیل تواریخ بھی کہی ہیں۔ جنت مقام ۶۳۴ھ + دوبار عالم الاسرار ۶۳۴ھ + نور علی نور ۶۳۴ھ + خلد ۶۳۴ھ + قطب الدین ۶۳۴ھ

تو شاہی لباس اتار کر گدڑی پہن لیتے۔ اور رعایا کی خبر گیری کے لئے نکل پڑتے۔ علماء صلحاء اور صوفیا کو بے پناہ دولت بخشتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا۔ کہ مٹی کے برتن میں سونا رکھ کر اوپر گندم کے دانے رکھ کر بند کر دیتے۔ اور مسافروں کو بخش دیتے تھے تاکہ سخاوت کی شہرت نہ ہو۔

ایک بار آپ نے حوض بنانے کا ارادہ کیا۔ دہلی میں حوض شمسی کلاں آپ نے ہی تعمیر کیا تھا۔ یہ حوض بنانے سے پہلے انہیں بڑی فکر تھی۔ رات کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے دیکھا۔ کہ حضور حوض کی جگہ گھوڑے پر سوار جلوہ فرمائیں۔ اور مخاطب کر کے فرما رہے ہیں! شمس الدین یہاں حوض بناؤ۔ اس وقت حضور کے گھوڑے نے اپنے پاؤں زمین پر مارے جس سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ حضور نے الملک الاکبر کہہ کر فرمایا۔ اس جگہ سے اچھا پانی سارے دہلی میں کہیں بھی نہیں ہو گا۔ صبح ہوئی۔ بادشاہ التمش اٹھے۔ اور اس مقررہ جگہ پر جا پہنچے دیکھا کہ جہاں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے سُم لگے تھے۔ پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ بادشاہ اپنے گھوڑے سے اُترا۔ تھوڑا سا پانی پیا اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا اور اسی وقت اپنے اہل کاروں کو حکم دیا کہ حوض کھودنا شروع کر دیں۔

یاد رہے۔ کہ حضرت سلطان شمس الدین ترکی بزرگان دین کی اولاد میں سے تھے۔ حوادث زمانہ کے پیش نظر گرفتار ہو کر ہندوستان پہنچے۔ صدر جہاں نے انہیں خرید کر اپنے غلاموں میں رکھ لیا۔ پھر سلطان شہاب الدین غوری کو دے دیا وہاں ہی قطب الدین ایبک سے جو خود بھی ایک غلام کی حیثیت سے بادشاہ کے پاس رہتے تھے ملاقات ہوئی۔ قطب الدین ایبک جن دنوں دہلی کے حکمران مقرر کئے گئے تو آپ نے حضرت سلطان التمش کو بدایوں کا گورنر لگا دیا۔ آپ ایک

عرصہ تک گورنر رہے۔ جب سلطان قطب الدین ایبک لاہور میں پولو کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر فوت ہوئے آرام شاہ قطب الدین کا بیٹا ہندوستان کا حکمران بنا دیا گیا۔ ان دنوں امیر علی اسماعیل افواج ہند کا سپہ سالار تھا۔ اور امیر داود دہلی رکن سلطنت تھا۔ یہ دونوں آرام شاہ سے ناراض ہو گئے۔ اور سلطان شمس الدین کو بداؤں سے دہلی طلب کر لیا گیا۔ اور کچھ دنوں بعد دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔ آپ ۶۰۷ھ میں تخت نشین ہوئے۔ تخت نشینی کے بعد آپ کو پے در پے فتوحات حاصل ہوئیں۔ آپ کو تخت نشین ہوئے ابھی دس سال گذرے تھے۔ کہ شاہ خوارزم چنگیز خان تاتاری کے حملوں سے تنگ آ کر ہندوستان آ پہنچا تھا۔ اور ہندوستان کے کئی علاقے فتح کرتا ہوا۔ آگے بڑھا۔ مگر التمش کے ہاتھوں شکست کھا گیا۔ حضرت التمش نے تعاقب میں آنے والے تاتاری لشکر کو بھی مار کر بھگا دیا۔

حضرت سلطان التمش نے گوالیار کو فتح کیا۔ پھر اوجین شہر پر قبضہ کر لیا۔ اور بت خانہ مہاکل کو جو ایک ہزار دو سو سال سے آباد چلا آ رہا تھا۔ ویران کر کے رکھ دیا۔ یہاں سے بے شمار خزانہ اور مال غنیمت ملا۔ راجہ بکرماجیت کا ایک بڑا بت دہلی لایا گیا۔ اسے توڑ پھوڑ کر اپنی مسجد قوت الاسلام کے دروازے کے سامنے لا کر اوندھا پھینک دیا۔

فخر الملک بغدادی اور نظام الملک سلطان التمش کے نامور وزراء تھے ان کی خدمات تاریخ کے صفحات پر نمایاں نظر آتی ہیں۔ سلطان التمش رحمۃ اللہ علیہ بتاریخ بستم (۲۰) ماہ شعبان ۶۳۴ھ کو فوت ہو گئے[1]۔ مراۃ ہند کے مولف نے آپ کا سال وصال ۶۳۳ھ لکھا ہے۔ آپ پورے تائیس سال تخت ہندوستان پر جلوہ فرما رہے۔ آپ کا مزار مسجد قوت الاسلام دہلی کے عقب میں ہے۔

---

[1]:۔ اسی سال آپ کے پیر و مرشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کا وصال ہوا تھا۔

شمس دین آں بادشاہ ملک ہند
شد جواز دنیا با قلیم جناں
شمس دین حق گو بگو تاریخ او
ہم بفرما شمس دین قطب جہاں[1] ۶۳۴

۶۳۴ھ

آپ نے خانوادہ چشت

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہٗ:- میں ایک عظیم شیخ ہیں آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے روحانی فیض ملا۔ بعض مشائخ آپ کو سلسلہ سہروردیہ کے مشائخ سے تصور کرتے ہیں۔ کشف و کرامات میں بے نظیر تھے۔ ترک و تجرد میں بے مثال تھے۔ ابتدائی سلوک کے سات سال شیخ الشیوخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے (غالباً اسی وجہ سے بعض حضرات آپ کو سہروردیوں میں شمار کرتے ہیں) اگرچہ شیخ جلال الدین تبریزی حضرت شیخ ابو سعید تبریزی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ مگر ابو سعید کی وفات کے بعد آپ شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کمال کو پہنچے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کی ملاقات حضرت خواجہ معین الدین سنجری قدس سرہٗ سے ہوئی وہاں ہی آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین اوشی کو دیکھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین نے آپ کو اپنی روحانی تربیت سے درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ اور اس طرح ان کے خلیفہ خاص بنے۔ اور خانوادہ چشت میں معروف ہوئے۔

---

[1] فاضل مولف نے یہ تواریخ وفات بھی لکھی ہیں :- ماہ زیب جمال شمس الدین ۔ یار حق ولی دیندار

۶۳۴ھ ۶۳۴ھ

حضرت شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین سہروردی حج پر جاتے تو شیخ جلال الدین تبریزی آپ کے ہم رکاب ہوتے تھے۔ آپ ایک دیگدان تیار کر کے سر پر رکھ لیا کرتے تھے۔ اور سر پر اس طرح رکھ لیتے کہ سر کو گرمی بھی نہ لگے۔ مگر ایک دیگ میں رکھا ہوا کھانا ٹھنڈا بھی نہ ہونے پائے۔ یہ حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت سفر کا ایک مجاہدہ تھا۔ حضرت شیخ الشیوخ جس وقت بھی کھانا طلب فرماتے۔ آپ گرما گرم اور تازہ کھانا پیش کیا جاتا تھا۔

حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی قدس السرہٗ السامی نے لکھا ہے کہ ایک بار میں بھی اس قافلہ میں موجود تھا جو سفر حج پر رواں تھا۔ شیخ جلال الدین تبریزی حسب معمول دیگدان سر پر رکھے قافلہ میں موجود تھے۔ ہم لوگ صحرائے بنی لام میں پہنچے یہ بڑی دشوار گزار وادی تھی۔ چلنا دشوار ہوا جا رہا تھا۔ اسی اثنا میں اونٹوں کے تاجر اپنے اونٹ بیچنے کے لئے آ پہنچے۔ اور انہوں نے ہر اونٹ کی بیس اشرفی قیمت مانگی۔ قافلہ میں امیر اور روساء حضرات نے تو اونٹ خرید لئے۔ مگر ہم جیسے درویش پا پیادہ موت کے سفر کو روانہ تھے۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی نے ہماری یہ حالت دیکھی تو انہیں ہماری ناتوانی پر بڑا ترس آیا۔ آپ نے طعام والی دیگ کو خالی کیا۔ اور اپنے سامنے لا رکھی۔ اس دیگ میں ایک اشرفی ڈالتے اور اس پر چادر اوڑھا دیتے اور منہ سے یا لطیف کہتے۔ اور دیگ میں ہاتھ ڈال کر بیس اشرفی نکال کر ایک درویش کو دیتے۔ اس طرح آپ نے پانچ اونٹوں کی قیمت نکال کر الگ کر دی۔ اور قافلے کے تمام غریب درویشوں کو اونٹ خرید دیئے۔ قافلے کے سارے لوگ شتر سوار ہو گئے۔ مگر خود پا پیادہ چلتے رہے۔

حضرت جلال الدین تبریزی دہلی پہنچے تو سلطان شمس الدین التمش آپ کے استقبال کو باہر آئے ان دنوں دہلی کے شیخ الاسلام حضرت خواجہ نجم الدین صغریٰ

تھے۔ آپ بھی بادشاہ کے ساتھ استقبال کو آئے سلطان نے شیخ جلال الدین کو دیکھا گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور پیادہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پیدل چل کر ہی شہر میں پہنچے۔ سلطان نے شیخ الاسلام خواجہ نجم الدین صغریٰ کو کہا کہ حضرت شیخ کو ایسے مکان میں ٹھہرانا۔ جو میرے نزدیک ہو۔ یہ بات سن کر نجم الدین صغریٰ کو حسد آیا۔ کہ ایک نووارد بزرگ کی اتنی عزت کی جا رہی ہے۔ شاہی محل کے قریب ہی ایک ایسا مکان تھا۔ جس میں جنّات کا ڈیرہ تھا اور ہمیشہ مقفّل رہتا تھا۔ اُسے بیت الجن کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ حضرت خواجہ نجم الدین نے سلطان التمش کو کہا۔۔۔ کہ کیوں نہ شیخ جلال الدین کو بیت الجن میں ٹھہرایا جائے۔ اگر وہ حذار سیدہ ولی ہیں تو جنوں پر قابو پالیں گے۔ اور اگر جھوٹے مدعی ہیں تو سزا پائیں گے۔ حضرت سلطان التمش نے ابھی جواب نہیں دیا تھا کہ شیخ جلال الدین نے نور باطن سے معلوم کر کے فرمایا کہ بیت الجن کی چابیاں مجھے دے دی جائیں۔ چابیاں لائی گئیں تو آپ نے اپنے ایک خادم کو دے کر فرمایا۔ کہ جاؤ اور دروازہ کھول کر آواز دو کہ اس مکان میں رہنے والو۔ آج خواجہ جلال الدین تبریزی یہاں آ رہے ہیں تم اپنا ٹکانہ کرو۔ رات کو آپ بیت الجن میں پہنچ کر آرام فرما ہوئے۔ سلطان التمش آپ کو ہر روز نئی عزت اور نیا احترام دیتا اس صورت حال نے خواجہ نجم الدین صغریٰ کو آتش حسد میں جلا دیا۔ وہ سوچتے رہتے۔ کہ جلال الدین تبریزی کو کسی ایسے الزام میں ملوث کیا جائے کہ بادشاہ خود ہی انہیں دہلی سے نکال دے۔

ایک دن حضرت شیخ جلال الدین تبریزی نماز صبح پڑھنے کے بعد بیت الجن میں ہی اپنی چارپائی پر چادر لپٹے لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کا ایک خوبصورت ترکی غلام آپ کے پاؤں دبا رہا تھا۔ شیخ نجم الدین نے اپنے محل کی چھت سے اس

لڑکے کو پاؤں دباتے ہوئے دیکھا۔ اسی وقت اُٹھ کر بادشاہ کے پاس گئے اور کہا آپ تو اِس شخص کے متعلق اچھا اعتقاد رکھتے ہیں۔ مگر شیخ سورج چڑھے ابھی تک سو رہا ہے اور ایک خوبصورت غلام ان کے پاؤں دبا رہا ہے۔ یہ بات شریعت کے مطابق نہیں۔ شیخ نے لیٹے لیٹے ہی اِس صورت حال کو پالیا اور وہیں سے چادر منہ سے ہٹا کر بلند آواز سے کہا۔ نجم الدین اگر تم تھوڑا سا پہلے دیکھتے تو اِس غلام کو میری بغل میں پاتے۔ نجم الدین یہ بات سُن کر سخت شرمندہ ہوئے اور شیخ کو تنگ کرنے سے باز آ گئے۔ مگر دل میں یہ ٹھان لی کہ اب شیخ کو کسی ایسے الزام میں ملوث کروں گا جس سے بادشاہ اُس سے ہمیشہ کے لئے بدظن ہو جائے اور شیخ کو شہر سے باہر نکال دے۔

دہلی شہر میں ایک جمیلہ نامی عورت تھی جو گانا گایا کرتی تھی۔ وہ ایک بدکردار اور فاحشہ عورت تھی جس کے پاس ملک کے امراء اور دربار کے افسر آیا کرتے تھے۔ اُس کا نام گوہر بے بہا تھا۔ حضرت نجم الدین نے اُسے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اگر تم شیخ جلال الدین کو زنا کے الزام میں پھنسا دو اور بادشاہ کے سامنے شہادت بھی دے دو تو میں تمہیں پانچ سو دینار طلائی دوں گا۔ ان میں سے نصف روپیہ پیشگی ادا کر دیا گیا اور نصف روپیہ ایک سبزی فروش احمد نامی کے کان پہ بطورِ امانت رکھ دیا گیا کہ جب تم بہتان تراشی کی گواہی دے چکے تو یہ خود بخود آ کر لے لینا۔ چند دن بعد نجم الدین اُس بدکردار عورت کو بادشاہ کے سامنے لے آئے اور عورت کی طرف سے شیخ جلال الدین کے خلاف زنا کی کیفیت کو بیان کیا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا کیا یہ عورت اپنی زبان سے زنا کا اقرار کر رہی ہے۔ پھر تو اِس کو سنگسار کرنا چاہیئے چونکہ ابھی تک شیخ جلال الدین پہ یہ گناہ ثابت نہیں ہوا۔ اور تم خود ہی مدعیہ اور شکایت کنندہ ہو۔ لہذا کسی دوسرے قاضی کو اس مقدمے کا فیصلہ کرنا

چاہیئے۔ چنانچہ یہ تجویز کیا گیا کہ اس معاملے کی تحقیق کے لئے مشائخ عظام کو مقرر کرنا چاہیئے۔ جس وقت تحقیق ہو جائے تو اس وقت اُس پہ فرد جرم عائد ہونی چاہیئے ان دنوں شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی اور شیخ جلال الدین تبریزی کے درمیان کچھ رنجش تھی۔ نجم الدین صغریٰ نے کہا کہ میری طرف سے شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی مقدمہ کے حاکم ہونگے۔ ان کا خیال تھا کہ بہاؤالدین اپنی ذاتی مخالفت کی وجہ سے شیخ جلال الدین کے خلاف فیصلہ دیں گے۔

شیخ بہاؤالدین زکریا ملتان سے چل کر دہلی آئے۔ دہلی کے تمام مشائخ عظام جامع مسجد میں جمع تھے۔ شیخ نجم الدین اُس گانے والی عورت کو لے کر آ گئے اور شیخ جلال الدین کو بلانے کے لئے ایک خادم کو بھیجا۔ شیخ جلال الدین آئے ابھی وہ مسجد کے دروازے پر اپنا جوتا اتار رہے تھے تو مسجد میں بیٹھے تمام مشائخ ان کے استقبال کے لئے بڑھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا نے خود اٹھ کر شیخ جلال الدین کے جوتے پکڑے اور مسجد میں لے آئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر تمام حاضرین حیران رہ گئے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی نے فرمایا کہ میں شیخ جلال الدین کے جوتوں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ آپ سات سال تک سفر و حضر میں شیخ المشائخ شہاب الدین سہروردی کے ساتھ رہے ہیں۔ یہ کہہ کر اس عورت کو مجلس میں طلب کیا۔ اور کہا جاء الحقُّ وزھق الباطل اِنَّ الباطل کَان زھوقًا۔ (حق آ گیا باطل چلا گیا۔ باطل جانے ہی والا تھا) آپ نے فرمایا کہ یہاں سچی سچی بات کرنا ورنہ بچ نہ سکو گی۔ اس عورت نے بلند آواز سے کہا اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے میں نے حضرت شیخ جلال الدین کے خلاف جھوٹی تہمت لگائی تھی آدھے روپے ابھی تک احمد بقال کے پاس پڑے ہیں۔ اُسے بلا کر پوچھ لیا جائے نجم الدین نے مجھے دینے کے لئے اُس کے پاس رکھے ہوئے

ہیں۔ نجم الدین یہ صورت حال دیکھ کو بے حد شرمندہ ہوئے۔ حتیٰ کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے بادشاہ نے اُسی وقت حکم دیا کہ اس کو شیخ الاسلامی کے عہدے سے ہٹا دیا جائے۔ اور ان کی جگہ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو مقرر کیا جائے۔

اس واقعہ کے چند دن بعد جلال الدین نے دہلی کو چھوڑ دیا اور بدایون آگئے اور وہیں رہنا شروع کر دیا بدایون میں آئے ابھی چند گزرے تھے ایک دن اپنے دوستوں کو لے کر بدایون کے نزدیک بہنے والے دریا کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے کہ فوراً اٹھے تازہ وضو کیا اور فرمایا دوستو اٹھو شیخ نجم الدین صغریٰ کا جنازہ پڑھ لیں کیونکہ ابھی ابھی وہ دہلی میں انتقال کر گئے ہیں۔ نماز جنازہ کے بعد فرمایا۔ اگرچہ میں ان کی تہمت تراشی کی وجہ سے دہلی سے نکل آیا ہوں۔ لیکن وہ میرے پیروں کی دعا سے دنیا سے چلے گئے ہیں۔ چند دنوں کے بعد یہ اطلاع ملی کہ واقعی جس دن شیخ جلال الدین نے بدایون میں نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ شیخ نجم الدین صغریٰ کا اُسی دن دہلی میں انتقال ہوا تھا۔

کتابوں میں بہاؤ الدین زکریا ملتانی اور شیخ جلال الدین تبریزی کے اختلاف کا واقعہ یوں لکھا ہے۔ ایک دفعہ یہ دونوں بزرگ ایک سفر میں اکٹھے جا رہے تھے وہ اس شہر میں جا پہنچے۔ جہاں شیخ فرید الدین عطار رہا کرتے تھے۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا تو عبادت میں مشغول ہو گئے۔ لیکن شیخ جلال الدین شہر کی سیر کو نکل پڑے اچانک وہ شیخ فرید الدین عطار کی خانقاہ کی طرف جا نکلے۔ آپ نے شیخ فرید الدین کو دیکھا تو ان کے انوار و کمالات سے بے حد متاثر ہوئے۔ رات کو واپس آئے تو تو شیخ بہاؤ الدین کو کہنے لگے کہ آج میں نے اتنا بڑا شہباز دیکھا ہے جس کے جمال باکمال سے مدہوش ہو گیا ہوں۔ مجھے اور کسی چیز کی خبر ہی نہیں رہی شیخ بہاؤ الدین نے کہا کیا تمہیں اپنے مرشد کے انوار کمال کی بھی یاد نہ آئی انہوں نے فرمایا کہ میں

ان کے جمال میں اتنا محو تھا کہ مجھے کسی دوسرے کی خبر ہی نہیں رہی۔ حضرت بہاؤ الدین زکریا نے ان کی یہ بات سُنی اور فرمایا آج کے بعد تم میرے ساتھ اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

بدایون میں حضرت شیخ جلال الدین اپنے مکان کی دہلیز پہ بیٹھے تھے گلی سے ایک ہندو گزرا جو لسی بیچ رہا تھا۔ شیخ نے اُسے نظر بھر کر دیکھا تو وہ بے اختیار کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ حضرت شیخ نے اس کا نام علی رکھا۔ وہ گھر گیا اور گھر سے اپنا تمام روپیہ اور دولت اٹھا کر حضرت شیخ کی خدمت میں لے آیا اور کہنے لگا کہ میں اس دولت سے دست بردار ہوتا ہوں یہ اب آپ کی ہے اسے آپ خرچ کریں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ روپیہ اپنے پاس محفوظ رکھو جب میں کہوں گا وہاں خرچ کرنا۔ حضرت شیخ کے پاس کوئی غریب یا مسکین آتا تو آپ علی کو اس کی امداد کے لئے کہتے۔ مگر کسی کو دس روپے سے کم نہ دلاتے۔ حتیٰ کہ ایک وقت آیا کہ علی کا سارا روپیہ ختم ہو گیا۔ علی کے دل میں خیال آیا کہ اب اگر حضرت شیخ نے مجھے کسی کو دینے کا حکم دیا تو کہاں سے دوں گا۔ کچھ دیر بعد ایک فقیر آیا تو کہا کہ علی تمہارے پاس ایک روپیہ بچ گیا ہے وہ بھی اسے دے دو۔

قاضی کمال الدین جعفری اور شیخ جلال الدین تبریزی آپس میں بڑے دوست تھے ایک دن حضرت شیخ قاضی کمال الدین کے گھر تشریف لے گئے تو قاضی اُس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ ملازموں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضرت قاضی نماز پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا قاضی نماز پڑھنی جانتا ہے۔ یہ کہہ کر اُٹھے اور اپنے گھر واپس آ گئے۔ دوسرے دن قاضی کمال الدین آپ کو ملنے آئے تو اُس بات کا گلہ کیا جو آپ کہہ کر آ گئے تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں فقراء کی نمازیں ہوتی ہے کہ جب تک اُن کی نگاہوں کے سامنے کعبہ نظر

نہ آئے تو وہ اللہ اکبر نہیں کہتے۔ یہ ان کی ابتدائی درجے کی نماز ہوتی ہے جب وہ عظیم مرتبے پر پہنچتے ہیں تو وہ عرش عظیم پر نماز پڑھتے ہیں۔ اگر تمہیں یہ مقام مل گیا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ یہ عامیانہ نماز ہے۔ قاضی نے یہ بات سنی تو دل میں کُڑھ کر رہ گئے۔ لیکن کچھ نہ کہا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ شیخ جلال الدین عرش معلیٰ پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ صبح سویرے اٹھے۔ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو معذرت کی اور اپنے بیٹے سیف الدین کو آپ کا مرید بنا دیا۔

جب شیخ جلال الدین بدایون سے بنگال کی طرف گئے تو ان دنوں علی بھی آپ کے درویشوں میں داخل تھا۔ وہ آپ کے پیچھے پیچھے بھاگتا تھا اور روتا تھا۔ شیخ اُسے فرماتے علی واپس چلے جاؤ اور بدایون میں چلے جاؤ علی نے کہا میں آپ کے بغیر اس شہر میں نہیں رہوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ تم یہیں رہو یہ شہر میں نے تمہارے حوالے کر دیا ہے اور تمہیں اس شہر کا قطب بنا دیا ہے یہاں رہتے تم ہر وقت مجھے دیکھ لیا کرو گے۔ میرے اور تمہارے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ علی وقت کا قطب بن گیا اور وہ جس وقت چاہتا سر اُٹھا کر حضرت شیخ کو دیکھ لیتا۔

حضرت شیخ بنگال پہنچے تو تمام خلق ان پر ٹوٹ پڑی۔ آپ نے وہاں ایک بہت بڑی مسجد بنائی۔ خانقاہ تعمیر فرمائی اور یکسو ہو گئے۔ خانقاہ کے ساتھ کچھ باغ اور کچھ زمین خرید لی۔ اور عام لوگوں کے لئے لنگر کھول دیا۔ روز ہزاروں مسافر اور مسکین آپ کے دسترخوان سے کھانا کھاتے۔ اُس علاقے میں ایک بہت پرانا بت خانہ تھا۔ آپ نے اپنی کرامت سے ان بتوں کو توڑا اور ایک بہت بڑی مسجد کی بنیاد رکھی۔ بت پرستوں کو دامن اسلام میں جگہ دی۔ آپ کا مزار اُسی بت خانے میں بنا ہوا ہے۔

سیّد محمد گیسو دراز کے ملفوظات جوامع الکلم میں لکھا ہوا ہے کہ شیخ فریدالدین گنج شکر ابھی بچے تھے تو آپ بہت عبادت میں مشغول رہتے۔ لوگوں نے آپ کا نام قاضی زادہ دیوانہ رکھ دیا۔ ایک بار شیخ جلال الدین تبریزی شیخ فریدالدین گنج شکر کے شہر (پاک پتن) میں قیام فرماتھے۔ آپ نے لوگوں کو پوچھا کہ اس شہر میں کوئی درویش رہتا ہے لوگوں نے بتایا جامع مسجد میں ایک دیوانہ لڑکا ہے آپ اس لڑکے کو دیکھنے کے لئے گئے۔ ساتھ ایک انار لیا اور شیخ فریدالدین کو پیش کیا شیخ فریدالدین روزہ دار تھے۔ آپ نے انار کو توڑا اور تمام حاضرین میں تقسیم کر دیا اتفاقاً انار کا ایک دانہ وہاں پڑا رہا۔ اُس دن آپ نے اُس انار کے دانے سے روزہ افطار کیا۔ وہ انار کا دانہ کھاتے ہی بڑے بلند درجات پر فائز ہو گئے آپ کہا کرتے تھے افسوس اس دن میں نے سارا انار نہیں کھا لیا۔ ورنہ میرا مقام کچھ اور ہوتا۔ جن دنوں آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے نہایت حسرت کے ساتھ انار نہ کھانے پر افسوس کیا۔ حضرت شیخ قطب الدین نے فرمایا۔ بابا فرید جو کچھ تھا وہ اُس ایک دانے میں تھا۔ اللہ نے اُسے تیرے لئے محفوظ رکھ لیا تھا۔

آپ کا وصال چھ سو ستالیس ہجری میں ہوا۔

تاریخ وفات :۔

شد چو از دنیا جلال الدین بخلد
سال وصل آن والا مکان !!
زبدۂ دین صاحب توحید گو
نیّر اکبر جلال الدین بخواں

۶۴۲ھ

آپ ترکستان کے رہنے والے تھے۔

شیخ محمد ترک نارنولی قدس سرہٗ:۔ وہاں سے ہندوستان تشریف لائے اور بمقام نارنول قیام فرما ہوئے آپ کو سلطان ترک اور برترک کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور حضرت شیخ عثمان ہارونی کے مرید خاص اور خلیفہ تھے۔ آپ کو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ نے بھی خرقۂ خلافت عطا کیا تھا وہ ایک عرصہ تک . . . . نارنول میں رہے اور خلق کو ہدایت کی راہ دکھاتے رہے۔ ابتدائے کار میں نارنول میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ اور آپ کے ہمراہی مسلمان تھوڑے تھے۔ ہندوؤں نے پروگرام بنایا کہ مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے وہ مناسب موقعہ کا انتظار کرنے لگے۔ عید الفطر پہ مسلمان نمازِ عید کی ادائیگی کے لئے شہر سے باہر جمع ہوئے جب تمام نمازیں کھڑے ہوئے تو ہندوؤں نے مل کر اچانک حملہ کر دیا اور بہت سے مسلمانوں کو سجدہ میں ہی شہید کر دیا۔ حضرت شیخ بھی اسی موقعہ پر جام شہادت نوش کر گئے۔ اور اپنے حجرے میں دفن کر دیئے گئے۔ اس مقام پر شہیدوں کا مشہد بنایا گیا۔ مگر ان میں سے دو شہید بڑے مشہور ہوئے۔ ایک کو شہید بلند کہا جاتا تھا۔ جن کا مزار ایک بلند جگہ واقع ہے دوسرے شہید نشیب کے نام سے مشہور ہیں۔ جن کا مزار مبارک ایک پست جگہ پر ہے۔ ان کی کرامات آج تک ان کے مزارات سے ظاہر ہوتی ہیں۔ کئی لوگوں نے ان مزارات سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز بھی سنی ہے یہ آواز جمعہ اور جمعرات کو تو خصوصیت سے آتی ہے۔

اخبار الاخیار کے مولف (حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلی) لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہٗ کو بادشاہ وقت نے ناراض ہو کر ٹھٹھہ جانے کا حکم دیا۔ شیخ نارنول کے راستہ سے روانہ ہوئے۔ نارنول سے ایک میل

دُور تھے کہ اپنی بہلی سے اُتر آئے اور پیادہ پا ہو کر نارنول کی طرف چل پڑے۔ جب حضرت شیخ کے مقبرے پہ پہنچے تو وہ مقبرے کے سامنے بہت بڑا پتھر پڑا تھا چند لمحے اس پتھر کو دیکھتے رہے اور ہاتھ باندھے کھڑے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مزار کی زیارت سے فارغ ہوئے تو کسی شخص نے آپ سے پوچھا تو فرمایا یہ کیسے خدمت گزار ہیں کہ خود ان کے آقا اُن کی خیریت دریافت کرنے تشریف لاتے ہیں۔ میں جب پہلے روضے کی طرف داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس پتھر پہ جناب سرور کائنات شاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُرفتوح اِس پتھر پہ آفتاب کی طرح جلوہ فرما ہے۔ جب تک حضور کی مبارک صورت میرے روبرو رہی میں پتھر کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔ صورت اوجھل ہوئی تو میں مزار پُرانوار کی زیارت کے لئے آگے بڑھا مجھے قوی اُمید ہے کہ جس شخص کو بھی کوئی مشکل پیش آئے گی اور اس روضے کی طرف آئے گا تو نام اُمید نہ لوٹے گا حاضرین مجلس میں سے ایک بے باک شخص نے کہا آپ بھی ایک مشکل میں گرفتار ہیں۔ اس آسانی کے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ہماری مشکل بھی آسان ہو جائے گی۔ شیخ نصیر الدین محمود نارنول سے روانہ ہوئے تھے خبر آئی کہ دہلی کے بادشاہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ اُسی وقت واپس ہوئے اور دہلی پہنچ گئے کہتے ہیں کہ وہ پتھر اب تک حضرت شیخ محمد ترک کے مزار کے پاس موجود ہے اور بے پناہ خلقت اس کی زیارت سے مستفید ہوتی ہے۔

تذکرہ العاشقین میں شیخ محمد ترک کی وفات چھ سو بیالیس ہجری میں لکھی ہے

چوں زد نیلائے دوں محمد رفت — سال ترحیل آں شہِ ذی شاں

اولاً محب — بعد ازاں متقی محمد خوان

۶۴۲ھ — ۶۴۲ھ

خواجہ فخرالدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ:- آپ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے اور خلیفہ تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں کمال حاصل کیا تھا۔ حلال کی روزی کمانے کے لئے کاشت کاری کیا کرتے تھے اور اجمیر کے قریب ہی موضع ماندل میں رہتے تھے۔ ساری عمر مخلوق کی ہدایت میں گزار دی۔ چھ سو ترپن ۶۵۳ھ ہجری کو پیدا ہوئے آپ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد بیس ۲۰ سال تک زندہ رہے آپ قصبہ سروار میں فوت ہوئے اور وہاں ہی ایک تالاب کے کنارے پہ آپ کا روضہ ہے۔

خواجہ دین جناب فخرالدین — مثل گل رفت چوں بباغ جنان
وصل او جوز خواجہ والا — رحلتش خواں ز مقتدائے زماں
۶۵۳ھ — ۶۵۳ھ

خواجہ محمود مونیہ دُوز قدس سرہٗ:- آپ قاضی حمیدالدین ناگوری کے خاص مرید تھے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مصاحب اور معتقد تھے بڑے عابد زاہد متقی اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ سماع کو نہایت شوق سے سنتے۔ آپ پچپن ۵۵ سال کی عمر میں فوت ہوئے آپکا روضہ خواجہ قطب الدین بختیار کے مقبرے کے ساتھ ہے۔ جس کسی کو کوئی مشکل پیش آتی ہے تو آپ کے روضہ سے پتھر کا ٹکڑا یا اینٹ اٹھا کر لے آتا ہے اور گھر میں رکھ لیتا ہے تو مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اور جب مشکل آسان ہو جاتی ہے تو اس پتھر کے وزن کی شکر لے کر غریبوں میں بانٹ دی جاتی ہے اور پتھر کو پھر وہاں رکھ دیا جاتا ہے

شد جو محمود زین جہاں فنا — سالِ ترحیل آں شہِ مسعود
ہست ہادی مرشد کامل — ہم بخواں ماہتاب حق محمود
۶۵۵ھ — ۶۵۵ھ

شیخ بدرالدّین غزنوی قدس سرّہٗ

آپ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ آپ کا وطن غزنی تھا۔ اکثر سماع میں محو رہتے۔ وقت کے مشائخ آپ کی بزرگی کے معترف تھے اور آپ کا ذکر اچھے طریقے سے کرتے۔ آپ خود بھی مجلسِ وعظ برپا کرتے آپ کی ایسی مجالس میں حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر حاضر ہوا کرتے تھے۔ جن دنوں آپ غزنی سے برصغیر ہند وستان میں تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ نے لاہور میں قیام کیا اور پھر دہلی گئے۔ وہاں جاکر قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید ہوئے۔

سیر الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے کہ شیخ بدرالدین حضرت خضر علیہ السلام سے ملا کرتے تھے۔ حضرت خضر بھی آپ کی مجالس میں تشریف لاتے۔ ایک دن آپ کے والد نے کہا کہ اگر میری حضرت خضر سے ملاقات کرا دو تو بڑی اچھی بات ہوگی۔ ایک دن آپ مسجد میں تقریر کر رہے تھے تو ایک شخص عام لوگوں سے ہٹ کر دُور بیٹھا ہوا تھا حضرت شیخ بدرالدین نے اپنے والد کو اشارہ کر کے کہا کہ دیکھیے وہ خواجہ خضر بیٹھے ہیں۔ والد نے دل میں کہا کہ مجلسِ وعظ کے بعد میں خواجہ خضر سے مل لوں گا مجلسِ ختم ہوئی تو حضرت خضر بھی غائب تھے۔

شیخ بدرالدین ۶۵۷ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پاؤں کی طرف ہے۔

بدرالدین چوں بخلد روشن شد — سالِ ترحیل آں شہِ حق بیں
کاشف رازِ اولیاء فرما — نیز پیر سعید بدرالدّین!
۶۵۷ھ — ۶۵۷ھ

شیخ جمال الدّین ہانسوی قدس سرّہٗ

آپ خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے خلیفہ خاص تھے۔ آپ کا

خطاب خطیب اور قطب تھا۔ آپ کا نسب نامہ چند واسطوں سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ شیخ فریدالدین گنج شکر نے آپ کی روحانی تربیت میں اتنی توجہ فرمائی کہ خود بارہ سال تک ہانسی میں قیام فرمایا اور آپ کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ شیخ جمال جمالِ ماست۔ آپ اکثر فرمایا کرتے۔ جمال الدین میرا دل چاہتا ہے کہ تیرا طواف کروں۔ حضرت خواجہ گنج شکر جس کو خلافت نامہ تحریر کر کے دیتے تو اُسے شیخ جمال الدین کے پاس بھیجتے۔ اگر وہ منظور فرما کر دستخط کر دیتے تو پھر اُس کو خلافت نامہ کی منظوری ہوتی ورنہ شیخ فریدالدین بھی اسے ردّ فرما دیتے اور آپ فرماتے کہ جس خلافت نامہ کو جمال الدین نے پھاڑ دیا ہے فرید اُس کو نہیں سی سکتا۔

شیخ جمال الدین نے جس وقت یہ حدیث پڑھی تو عذابِ قبر سے بے پناہ ڈرنے لگے۔ القبرُ روضۃ مِن ریاض الجنۃ ولحفرۃ من حُفرات النیرانَ (قبر جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور قبر جہنّم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے) جسوقت آپ کا انتقال ہوا کچھ عرصے کے بعد آپ کی قبر پر گنبد تعمیر کرنے لگے۔ بنیاد کھود رہے تھے کہ مزار سے ایک روشن دان نمودار ہوا جس سے جنّت کے باغوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ لوگوں نے اُسے اُسی وقت بند کر دیا۔

شیخ جمال الدین کی تصانیف میں سے چند رسالے ملتے ہیں اُن میں سے ایک رسالہ بڑی خوبصورت عربی میں لکھا ہوا ہے اس کا نام ملحمات تھا۔ اس کی عبارت نہایت ہی مرغوب اور پسندیدہ تھی۔

حضرت جمال الدین چھ سو اُنسٹھ ہجری میں فوت ہوئے آپ کا مزار گوہر بار ہانسی میں ہے وفات کے بعد حضرت شیخ کو لوگوں نے خواب میں دیکھا اور

آپ کے احوال کے متعلق پوچھا فرمایا جب مجھے قبر میں دفنایا گیا تو عذاب کے دو فرشتے آئے وہ مجھے عذاب دینا چاہتے تھے تو اُن کے پیچھے دو اور فرشتے آئے انہوں نے اللہ کا فرمان پہنچایا کہ اس شخص کو بخش دیا گیا ہے۔ یہ شام کی سنتوں کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتا تھا جس میں سورہ بُروج اور والطارق پڑھا کرتا تھا پھر یہ فرض نماز کے بعد آیت الکرسی بھی پڑھا کرتا تھا۔

رفت چوں از جہاں بخُلد بریں — آں جمال و کمال دینِ نبی
گفت سرور بسال رحلت او — عارفِ حق جمال دینِ نبی

۶۵۹ھ

شیخ احمد نہروانی قدس سرّہٗ

آپ قاضی حمید الدین ناگوری کے مشہور خلیفہ تھے۔ بڑے بلند پایہ بزرگ اور اسرارِ حقیقت کے واقف تھے۔ حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کسی کو بہت کم پسند فرمایا کرتے تھے مگر حضرت شیخ نہروانی کے متعلق فرمایا کرتے کہ شیخ احمد نہروانی صوفیوں کے منبع ہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ جس مجلس سماع میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا انتقال ہوا اُس میں شیخ احمد نہروانی بھی موجود تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ احمد نہروانی بافندگی کرتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ کام کے دوران ہی اُن پر ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ اپنے آپ ہی غائب ہو جاتے۔ کام سے دستبردار ہو جاتے لیکن خود بخود کپڑے بنتے جاتے۔

ایک دن قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ شیخ احمد نہروانی کو ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت شیخ کھڈی پر بیٹھے کپڑا بُن رہے تھے اپنے پیر و مرشد سے وہیں ملاقات ہوئی وداع کے وقت قاضی حمید الدین نے فرمایا

"احمد اصل کام چھوڑ کر کب تک اس کام میں لگے رہو گے تمہیں کوئی اچھا کام کرنا چاہیے یہ کام اللہ کے بندوں کا نہیں ہے اسے چھوڑ دو اور اپنا کام کرو جو تمہارے کسی کام آئے۔ اس کام سے تو بے کاری بہتر ہے"۔ قاضی حمید الدین رخصت ہوئے تو حضرت شیخ احمد اٹھے اور ایک موٹی سی لکڑی کو ہاتھ میں لیا تاکہ میخ کو ٹھونک سکیں کیونکہ اس میخ سے آپ کی کھڑی کی رسیاں ڈھیلی پڑ گئی تھیں۔ جونہی آپ نے وہ لکڑی میخ پر ماری تو آپ کے ہاتھ پر آلگی ہاتھ ٹوٹ گیا اور اس کام سے بے کار ہو گئے۔ اور اب دن رات اللہ کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ آپ کی وفات چھ سو اکسٹھ[۶۶۱] ہجری میں ہوئی۔

شیخ احمد چوں ز دنیا رخت بست — داخل فردوس شد آں جنتی
سالِ ترحیلش چو گفتم از خرد — گشت احمد مرشد دین منجلی

۶۶۱ھ

شیخ فرید الحق والدین گنج شکر اجودھنی قدس سرہٗ

آپ بلند پایہ اولیاء کرام میں سے تھے۔ برصغیر پاک و ہند کے عظیم صوفی مانے جاتے ہیں۔ آپ مجاہدہ اور ریاضت کشف و کرامت میں بے مثال تھے ذوق و شوق اور محبت خداوندی میں ایک علامت مانے جاتے تھے آپ کے والد ماجد جمال الدین سلیمان حضرت سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے اور سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں کابل سے لاہور پہنچے۔ کچھ عرصہ قصور شہر میں رہے مگر بادشاہ کے حکم پر ملتان چلے گئے وہاں جا کر ملا وجیہہ الدین مجندی کی بیٹی قرسم خاتون سے شادی کی۔ آپکے تین بیٹے ہوئے ایک کا نام عیاض الدین محمود تھا۔ دوسرے کا نام فرید الدین مسعود تھا اور تیسرا مجیب الدین متوکل تھا آپ کا سلسلہ نسب کابل کے بادشاہ فرخ شاہ سے

آٹھ واسطوں پر ملتا ہے اسی طرح سترہ واسطوں سے سلطان ابراہیم ادھم سے جا ملتا ہے پھر تیئیس[۲۳] واسطوں سے حضرت فاروقِ اعظم عمر ابنِ خطاب رضی اللہ عنہٗ سے جا ملتا ہے۔

شیخ فریدالدین گنج شکر بن جمال الدین سلیمان بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ محمد بن شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد المشہور فرخ شاہ بادشاہ کابل بن نصیر الدین بن محمود المعروف بے نیشمان شاہ بن سامان شاہ بن سلیمان بن بن مسعود بن عبداللہ بن واعظ الاکبر بن ابو الفتح بن اسحاق بن قطب العالمین سلطان ابراہیم بادشاہ بلخ بن ادھم بن سلیمان بن حر بن عبداللہ بن امیر المومنین فاروق اعظم عالی جناب عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہٗ افغانستان کابل کے بادشاہ فرخ شاہ کی وفات کے بعد جب غزنوی بادشاہوں کے قبضے میں آگیا۔ سلطنت کے حالات خراب اور ابتر ہوگئے۔ بادشاہ کے بیٹے اور دوسری اولاد کابل میں ہی تھی۔ جن دنوں چنگیز خان نے عالم اسلام پر حملہ کیا۔ ایران اور توران کی سلطنتوں کو تہہ وبالا کر دیا تو کابل بھی اس طوفان کی زد میں آگیا۔ حضرت شیخ کے جدِ امجد ان دنوں کابل میں تھے آپ شہید ہوگئے آپ کے والد اپنے بچوں کو لے کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے پھر یہاں ہی رہنے لگے۔

شیخ فرید مسعود شکر گنج پانچسو بیاسی[۵۸۲] ہجری کو ملتان کے علاقے قصبہ کھوتوال میں پیدا ہوئے لیکن آپ کی پرورش ملتان میں ہوئی اور خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور آپ کو قطب الموحدین و قطب الزاہدین گنج شکر کے القابات ملے۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ ایک رات آپ کی والدہ ماجدہ اپنے گھر میں نمازِ تہجد پڑھ رہی تھیں ایک ہندو چوری

کے لیے آپ کے گھر داخل ہوا اُس کی آنکھیں اس عورت پر پڑیں تو اندھا ہوگیا باہر جانے لگا تو اُسے راستہ نظر نہ آیا چلّا کر آواز دی اے اللہ کے بندو میں چوری کرنے آیا تھا اب اندھا ہوگیا ہوں میں توبہ کرتا ہوں کہ پھر زندگی بھر یہ کام کبھی نہ کروں گا۔ شیخ فرید کی عمر اسوقت چھ سال تھی وہ پاس ہی سوئے ہوئے تھے اٹھے اور چور کے حق میں دُعا کی۔ وہ اُسی وقت بینا ہوگیا۔ دوسری صبح وہ چور اپنے بال بچے کو لے کر آیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ وہ ساری زندگی آپ کی خدمت میں حاضر رہا جب مرا تو قصبہ کھوتوال میں دفن ہوا۔

جب حضرت شیخ فرید مکتب میں داخل ہوئے تو تھوڑے ہی دِنوں میں تمام علوم پڑھ لیے قرآن پاک حفظ کیا ملتان میں مولانا منہاج الدّین کی مسجد میں کتاب نافع پڑھ رہے تھے انہی دنوں خواجہ قطب الدین اوشی ملتان میں تشریف لائے اُسی مسجد میں پہنچ کر شیخ فریدالدین سے پوچھا بیٹا کیا پڑھ رہے ہو آپ نے عرض کیا کہ نافع پڑھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا انشاءاللہ اس کتاب سے نفع پاؤ گے۔ خواجہ فریدالدین کو خواجہ قطب الدّین کی بات اتنی پسند آئی کہ دل میں اُتر گئی اور مرید ہوگئے۔ خواجہ قطب الدین ملتان سے روانہ ہوئے تو آپ بھی دہلی کی طرف ساتھ چل پڑے۔ مگر حضرت خواجہ نے یہ بات منظور نہ کی اور فرمایا تم ملتان میں رہو۔ ظاہری علوم حاصل کرو پورے عالم بنو پھر ہمارے پاس آنا۔ کیونکہ بے علم زاہد شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ فریدالدّین کچھ عرصہ بعد ملتان سے قندھار گئے۔ اور علم حاصل کرنے کے بعد بغداد پہنچے۔ اُن دنوں شیخ شہاب الدّین عمر سہروردی، سیف الدین باخزی، سعدی حموی، بہاءالدین حموی، شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی، شیخ اوحدالدین کرمانی اور شیخ فریدالدین

نیشاپوری جیسے اولیاء اللہ موجود تھے۔ آپ اِن بزرگوں کی مجالس میں رہے اور کچھ عرصہ بعد دہلی آگئے اور اپنے پیر کی خدمت میں رہنے لگے۔

خواجہ قطب الاقطاب نے حضرت شیخ فریدالدین کے لیے ایک علیحدہ حجرہ بنایا تھا آپ کو حجرے میں روحانی تربیّت دی گئی اور خرقۂ خلافت عطا کیا گیا

حضرت خواجہ فرید گنج شکرؒ کی ولائیت و کرامت کی شہرت عالم اسلام میں پھیلی تو ہزاروں تشنگان بادۂ روحانیت آپ کے دروازے پر جمع ہونے لگے آپ حتی الامکان کوشش کرتے کہ عام لوگوں سے دُور رہیں۔ چنانچہ آپ قصداً دہلی چھوڑ کر ہانسی چلے گئے اور وہاں دو سال تک رہے۔ مگر وہاں بھی لوگوں نے آپ کو گھیر لیا۔ چنانچہ وہاں سے چل کر ایک غیر معروف مقام (اجودھن) پاکپٹن قیام فرما ہوئے۔ وہاں کے لوگ جاہل اور درشت تھے اور اُن میں سے اکثر بزرگان دین کے منکر بھی تھے۔ آپ شہر کے باہر کیکر کے درختوں کے ایک جھنڈ میں رہنے لگے۔ وہاں آپ کے اہل و عیال اور دوسرے متعلقین اکثر فاقہ میں گزر بسر کرتے۔ بعض اوقات یوں ہوتا کہ انہیں تین دن کے بعد مشکل سے کھانا میسّر آتا چوں کہ آپ کو اللہ پر پورا بھروسہ تھا۔ آپ نے اس فاقہ کشی کی کبھی پروانہ کی۔ آہستہ آہستہ فتوحات اور نذرانے پہنچنا شروع ہوئے لیکن جو کچھ آتا آپ غریبوں اور مسافروں میں تقسیم کر دیتے اور خود ڈھیلے کھا کر گزارا کرتے۔ اُن دنوں پاک پتن کے قاضی شہاب الدّین تھے۔ یہ ایک خشک مُلّا تھے حضرت شیخ کی مشہوری دیکھی تو حسد اور بُغض سے جل اُٹھے۔ پاک پتن کے جاگیرداروں کو آپ کے خلاف اُبھارا اور کہا کہ یہ شخص غیر شرع ہے سماع سنتا ہے اور رقص کرتا ہے اسے یہاں سے نکال دینا چاہیے۔ وہاں کے زمینداروں اور جاگیرداروں نے مہروں کے ساتھ ملتان کے گورنر کو ایک خط لکھا کہ اگر کوئی شخص سرود سُنے

رقص کرے تو اس کا کیا علاج کرنا چاہیے۔ ملتان کے گورنر نے جواب دیا کہ پہلے ایسے شخص کا نام لکھ کر بھیجو اُس کے بعد حکم لکھا جائے گا۔ قاضی نے حضرت خواجہ مسعود شکر گنج کا نام لکھا تو ملتان کے گورنر کو بڑا غصہ آیا اور اُس نے قاضی کو سختی سے لکھا کہ تم ایسے شخص کے خلاف بات کرتے ہو جس کے اعمال اور اقوال پر کسی عالم دین یا شیخ طریقت نے اُنگلی نہیں اُٹھائی۔

قاضی اس بات پہ بھی راضی نہ ہوا اور ایک قلندر کو کچھ روپیہ دیکر تیار کیا۔ کہ وہ خواجہ فرید کو قتل کر دے۔ چنانچہ ایک دن حضرت شیخ گودڑی اوڑھے مراقبہ فرما رہے تھے کہ اچانک وہ قلندر اندر آیا آپ اسکی نیت کو بھانپ گئے۔ کسی خادم کو آواز دی اسوقت سُلطان المشائخ نظام الدین اولیاء موقعہ پر پہنچ گئے آپ نے انہیں بتایا کہ ابھی ابھی ہمارے گھر میں اس شکل و شباہت کا ایک قلندر داخل ہوا ہے۔ اسکی کمر میں زنجیر ہے کانوں میں سفید چاندی کے مُندرے ہیں اور بغل میں چھری ہے اُسکو کہہ دو کہ وہ یہاں سے چلا جائے ورنہ نقصان اُٹھائے گا قلندر نے آپ کی یہ باتیں اپنے کان سے ہی سُن لیں اور وہاں سے بھاگ گیا۔

ایک دن ایک بدبخت قلندر آپ کے پاس آیا آپ اُسوقت اپنی داڑھی کو کنگھی کر رہے تھے قلندر کہنے لگا یہ کنگھی مجھے دے دو۔ آپ نے فرمایا یہ کنگھی مستعمل ہے تمہیں نئی منگوا دوں گا۔ قلندر نے بلند آواز سے چلّا کر کہا مجھے یہی کنگھی دے دو تم کو برکت ہوگی۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہیں اور تمہاری برکت کو دریا میں پھینک دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسی دن قلندر دریا میں نہا رہا تھا پیچھے سے زور کا ایک ریلا آیا اور وہ دریا میں غرق ہوگیا۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ فرید کے بڑے بیٹے شیخ شہاب الدّین نے شکایت کی کہ پاک پتن کا قاضی برملا مجھے اور میرے مریدوں

کو گالیاں دیتا ہے اور برسرِ عام بے عزتی کرتا ہے حضرت خواجہ فرید اپنے بیٹے کی باتوں سے بڑے متاثر ہوئے اور اپنی لاٹھی لے کر زمین پر ماری اسی وقت قاضی کے پیٹ میں درد اٹھا اور وہ چلّانے لگا کہ مجھے شیخ فریدالدین کی خدمت میں لے جاؤ تاکہ میں اپنی غلطی کی معافی مانگوں اور توبہ کروں اس کے رشتہ دار اسے اٹھا کر لے جا رہے تھے کہ وہ راستے میں مر گیا۔

ہر آں کہتر کہ با مہتر ستیزد
چناں افتد کہ ہرگز برنخیزد

(جو کمینہ اچھے لوگوں سے لڑتا ہے وہ ایسا گرتا ہے کہ پھر اٹھ نہیں سکتا۔)

سیر المشائخ کے مولف نے لکھا ہے کہ ایک نوجوان دہلی سے چلا اور توبہ کرنے کے ارادے سے حضرت خواجہ فریدالدین کی خدمت میں پاک پتن کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ایک فاحشہ اور گانے والی عورت کے ہمراہ سفر کرنے لگا چونکہ یہ نوجوان خوبصورت اور خوش شکل تھا وہ عورت اس کے بڑے قریب ہوتی گئی مگر وہ چونکہ توبہ کے ارادے سے نکلا تھا اس کی طرف توجہ نہ کرتا۔ سفر کے دوران اُنکا قافلہ ایک ایسی جگہ رُکا کہ دونوں کو ایک ہی کمرے میں رات گزارنا پڑی چونکہ دونوں اکیلے تھے دوسرے لوگ دوسری جگہوں پر تھے اس عورت نے کوشش کی کہ اسے قابو کرے۔ آدھی رات کا وقت ہوا عورت جتن کر رہی تھی کہ اچانک کوئی شخص کمرے میں پہنچا اور ایک زوردار تماچہ اس نوجوان کے منہ پر مارا اور فرمایا او بے ادب تم توبہ کے ارادے سے حضرت بابا فرید گنج شکر کے پاس جا رہے ہو اور راستے میں ان کاموں میں مبتلا ہو گئے ہو یہ کہہ کر وہ آدمی غائب ہو گیا۔ نوجوان استغفر اللہ کہتے ہوئے اُٹھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ جب پاکپتن میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے

اُسے دیکھتے ہی فرمایا الحمد للہ تم اس فاحشہ عورت کے مکر سے بچ گئے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ دیپال پور کے قصبے میں ایک ایسا حاکم تھا جو شکار کا بڑا گرویدہ تھا اس کے پاس ایک خاص قسم کا شکاری باز تھا اس نے اپنے امیرِ شکار کو حکم دے رکھا تھا کہ اس باز کو شکار پر کبھی نہ چھوڑنا ایسا نہ ہو کہ ایک دفعہ اڑ کر یہ واپس نہ آئے۔ اگر تم نے کوتاہی کی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ ایک دن وہ امیرِ شکار کے لیے اپنے دوستوں کے ساتھ صحرا میں سے گزر رہا تھا دریا کی طرف سے کچھ مرغابیاں اڑتی ہوئیں گزریں اس نے دوستوں کے کہنے پر اپنے باز کو شکار پر چھوڑا۔ باز اڑتا ہوا نظروں سے غائب ہو گیا امیرِ شکار بڑا پریشان ہوا اور زار زار رونے لگا آخر گرتے پڑتے شیخ فریدالدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور بڑی بے چینی سے اپنا واقعہ سنایا حضرت شیخ نے اُسے تسلی دی۔ محبت سے پاس بٹھایا اور تمام دوستوں کے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔ کھانا کھا چکے تو آپ نے امیرِ شکار کو بُلا کر اپنے گھر کی دیوار کی طرف اشارہ کر کے بتایا دیکھو یہ باز تمہارا تو نہیں۔ امیرِ شکار خوشی سے کُود اور باز کو جا کر پکڑ لیا اور بڑا خوش دیپال پور کے حاکم کے پاس گیا اور سارا واقعہ سُنایا۔ دیپالپور کا حاکم اُسی وقت اُٹھا اور امیرِ شکار کو ساتھ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرید ہو گیا۔ تارکِ دنیا بن گیا اور ساری زندگی حضرت شیخ فریدالدین کی خانقاہ کے دروازے پر جاروب کشی کرتا رہا۔

سیر الاقطاب میں ایک اور واقعہ لکھا ہوا ہے کہ دہلی کا بادشاہ اپنا لشکر لے کر دیپالپور کے قصبے کو تاخت و تاراج کرنے نکلا اُس نے سُن رکھا تھا کہ دیپالپور کے لوگ اسلام قبول نہیں کرتے بادشاہ کے سپاہی دیپالپور پہنچے مردوں کو قتل کر دیا۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ اُن عورتوں میں ایک تیلی کی بیوی

بھی تھی اس نے بار بار کہا کہ میں مسلمان ہوں مجھے چھوڑ دیا جائے لیکن کسی نے اسکی بات نہ سُنی۔ آخر تیلی حضرت خواجہ فریدالدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیوی کے متعلق فریاد کرنے لگا حضرت نے اس کی حالت دیکھی۔ اسکی شکائت سُنی تو اُسے تسلّی دی اور فرمایا تم تین دن تک میرے پاس رہو خُدا کے فضل سے تمہاری بیوی تمہیں مِل جائے گی۔ تیسرے دن دیپال پور کے حاکم کے حکم سے ایک عامل کو قید کر کے لے جا رہے تھے۔ راستے میں پاکپتن لائے وہ بھی آپ سے امداد کا طلب گار ہوا۔ حضرت شیخ نے اُسے کہا کہ اگر تم قید سے بری ہو گئے تو تم غریبوں اور درویشوں میں کیا چیز تقسیم کرو گے۔ کہنے لگا میں اپنی ساری جائیداد، مال و دولت سے دستبردار ہوتا ہوں آپ نے فرمایا مجھے تمہارے مال سے کوئی مطلب نہیں لیکن ایک بات کا وعدہ کرو کہ جب تم رہائی پاکر اپنے حاکم سے خلعت پاؤ گے تو وہ خلعت اس تیلی کو دے دینا۔ جاؤ اس تیلی کو ساتھ لو اور دیپالپور لے جاؤ وہ اپنے حاکم کے پاس پہنچا تو اس نے اُسی وقت اس کو رہا کر دیا اس کا جُرم معاف کر دیا اور ایک بڑی خوبصورت خلعت بطور انعام دی۔ ایک خوبصورت گھوڑا جس پر سونے کی زین تھی وہ بھی اُسے دے دیا اور ساتھ ہی ایک نہائیت خوبصورت کنیز انعام میں دے دی وہ عامل یہ تمام چیزیں لے کر وہاں سے روانہ ہوا اور تمام چیزیں اس تیلی کے حوالے کر دیں اس کنیز نے تیلی کو دیکھا تو خوشی سے چلّا اُٹھی یہ تو میرا خاوند ہے اس بات کا یہ اثر ہوا کہ تیلی نے تمام کاروبار چھوڑ دیا دونوں میاں بیوی حضرت خواجہ فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ساری زندگی اللہ کے راستے میں وقف کر دی۔

اخبار الاخیار کے مصنّف لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ فریدالدین کو ابتدائی مجاہدے

اور ریاضت کے دوران حکم ہوا کہ وہ متواتر روزہ رکھیں اور تین دن کے بعد افطار کریں ایک دن افطار کے وقت کوئی شخص کھانا پکا کر لایا حضرت شیخ نے ایک دو لقمے کھائے مگر چند لمحوں بعد قے کر دی دوسرے دن اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا بابا فرید رات کو تم نے جو کھانا کھایا تھا وہ ایک شراب فروش کے گھر سے آیا تھا اللہ نے تم پر مہربانی کی قے ہو گئی اور یہ کھانا تمہارے پیٹ میں نہ رہا۔ اب تین دن بعد جو چیز غائب سے آئے وہ کھا لینا۔ تین دن گزر گئے مگر کوئی چیز کھانے کو نہ آئی حتیٰ کہ چھ دن گزر گئے تو شیخ کو کھانے کی خوشبو تک میسّر نہ ہوئی۔ آدھی رات ہوئی تو آپ بھوک کی وجہ سے نڈھال تھے ہاتھ زمین پر مارا چند سنگریزے اُٹھائے اور منہ میں ڈال لیئے وہ اسی وقت شکر بن گئے جس وقت آپکو محسوس ہوا کہ یہ شکر کی ٹکڑیاں ہیں تو منہ سے تھوک دیں کہ شاید یہ شیطانی خوراک ہو۔ دوسری رات پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو سوچنے لگے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے روزہ افطار کیا۔ صبح حضرتِ مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا بابا فرید جو غائب سے آتا ہے بے عیب ہوتا ہے آج سے تم گنج شکر ہو۔ اللہ تعالےٰ نے تمہارے لیے مٹی کو بھی شکر بنا دیا ہے۔

تذکرۃ العاشقین میں لکھا ہے کہ ایک سوداگر نے اونٹوں پر شکر لادی اور ملتان سے دہلی کی طرف روانہ ہوا جب پاکپتن پہنچا تو حضرت شیخ نے پوچھا کہ اونٹوں پر کیا لادا ہوا ہے؟ کہنے لگا کہ ان پر نمک ہے آپ نے فرمایا کہ چلو نمک ہی سہی۔ جب وہ منزلِ مقصود پر پہنچا تو اونٹوں سے سامان اتارا تو سارا نمک تھا۔ بڑا حیران ہوا سمجھ گیا کہ یہ اسکے جھوٹ کی شامت ہے اسی وقت واپس پاکپتن پہنچا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور نیاز مندی کا اظہار کیا آپ نے

فرمایا کہ اگر شکر تھی تو چلو شکر بن جائے گی خانخاناں بیرم خان نے اس واقعہ کو نظم میں لکھا اس کا ایک شعر یوں ہے۔

کان نمک جہان شکر شیخ بحر و بر
آں کو ز شکر نمک کند واز نمک شکر

ایک دن حضرت شیخ خواجہ فریدالدین اپنے حجرے سے باہر نکلے دل میں آیا کہ آج اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے یہ برسات کا موسم تھا شیخ کے پاؤں میں لکڑی کے جوتے تھے کیچڑ کی وجہ سے آپ کا پاؤں پھسلا اور آپ گر پڑے۔ زمین سے مٹی شیخ کے مُنہ میں جا پڑی۔ آپ نے محسوس کیا کہ یہ مٹی نہیں شکر ہے۔ اٹھے اور حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ فریدالدین آج جو مٹی تمہارے منہ میں شکر بن گئی ہے وہ اسوجہ سے ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں گنج شکر بنا دیا ہے۔ تمہیں ان نعمتِ عظمیٰ کی قدر کرنی چاہیئے اور اللہ کی مخلوق سے مہربانی اور محبّت کرنی چاہیئے۔ ایسا ہی ایک واقعہ سیر الاقطاب کے مصنف نے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین کو بچپن میں میٹھا کھانے کا بڑا شوق تھا آپ کی والدہ ماجدہ ہر روز تھوڑی سی مٹھائی سرہانے کے نیچے رکھ دیتی۔ صبح کے وقت اٹھتی تو نماز ادا کرنے کے بعد بچے کو کھلاتی۔ ایک دن آپ کی والدہ سرہانے کے نیچے مٹھائی رکھنا بھول گئیں جب شیخ نماز پڑھ چکے تو دیکھا کہ والدہ ماجدہ وظیفہ پڑھ رہی ہے آپ نے خود ہی اٹھ کر سرہانے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور روزانہ کی مٹھائی سے دُوگنی مٹھائی اٹھ کر کھانا شروع کر دی والدہ وظیفے سے فارغ ہوئیں دیکھا کہ اُن کا بیٹا مٹھائی کھا رہا ہے۔ پوچھا کہ یہ کہاں سے لائے ہو فرمایا جہاں سے آپ لا کر دیا کرتی تھی۔ والدہ سمجھ گئیں کہ یہ غیب سے ہے سر سجدے میں رکھ کر دعا کرنے لگیں اے اللہ اس بیٹے کو گنج شکر بنا دے

تاکہ یہ دنیا میں شریعت تقسیم کرتا رہے۔

سیرالاقطاب میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین کئی سال تک ریاضت اور محنت کرتے رہے۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہے ایک دن سخت پیاس لگی ایک کنواں پہ جا پہنچے جہاں رسی اور ڈول نہ تھا بڑی مایوسی سے کنویں پر کھڑے ہو گئے۔ اسی اثنار میں جنگل سے دو ہرن کنویں کے کنارے پر آپہنچے۔ اُن کے آتے ہی کنویں کے پانی کو جوش آیا اور کنارے تک بھر گیا۔ دونوں ہرنوں نے پیٹ بھر کر پیا جب حضرت شیخ نے پینا چاہا تو پانی فوراً کنویں کی گہرائی میں چلا گیا۔ آپ کی حیرانگی کی انتہا نہ رہی۔ آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگے۔ اے اللہ تو نے ہرنوں کو پانی دے دیا ہے اور اپنے بندے کو محروم کر دیا ہے۔ آواز آئی تم تو رسی اور ڈول کو تلاش کر رہے تھے ہرنوں کو تو صرف خدا پر بھروسہ تھا اس لیے تم محروم رہے اور ہرن سیراب ہو کر گئے۔ حضرت خواجہ فرید یہ بات سنتے ہی بہت پچھتائے اور چالیس دن تک پانی نہ پیا اور اسی کنواں میں چالیس دن تک چلہ معکوس کیا۔ جب چلہ پورا کر چکے تو زمین سے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی تاکہ چالیس روز کا روزہ افطار کریں یہ مٹی اسی وقت شکر بن گئی۔ غیب سے آواز آئی اے فرید تمہارا چلہ قبول ہو گیا تمہیں برگزیدہ بنا لیا گیا۔ اور شہر میں اولیار کی جماعت میں ہم نے تمہیں گنج شکر بنا دیا۔

ایک دن شیخ فریدالدین اپنی لاٹھی پر تکیہ لگائے کھڑے تھے اچانک لاٹھی ہاتھ سے گر پڑی اور آپ بڑے حیران و پریشان ہو کر کھڑے رہے اس وقت خواجہ نظام الدین اولیار حاضر خدمت تھے انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا میں اپنی لاٹھی پر تکیہ لگائے کھڑا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ناراض

ہوکر فرمایا کہ تم میرے بغیر دوسری چیز پر تکیہ رکھتے ہو اسی لیے میں نے لاٹھی ہاتھ سے چھوڑ دی اور اپنے کیے پر پشیمان اور پریشان ہوا۔

جن دنوں خواجہ فریدالدین شکر گنج ہانسی سے چل کر پاکپتن پہنچے تو آپ نے جنگل میں ہی کریر کے درختوں کے نیچے قیام کر دیا یہ ایک ویران جگہ تھی آپ ایک دن راستے میں بیٹھے تھے ایک عورت سر پر دودھ کا گھڑا رکھے جا رہی تھی آپ نے فرمایا اے نیک بخت اتنی تیز کہاں جا رہی ہو اور تمہارے سر پر کیا ہے؟ عورت نے رو کر کہا کہ اے اللہ کے بندے اس قصبے میں ایک جادوگر جوگی رہتا ہے ہم غریبوں پر اس نے اسقدر مصیبت ڈال رکھی ہے کہ ہم بیان نہیں کر سکتے وہ جو چیز ہم سے مانگتا ہے اگر ہم نہ دیں تو درد اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں ہر روز ایک نہ ایک گھر سے اسے دودھ پہنچانا ہوتا ہے اگر اُسے دودھ نہ پہنچایا جائے تو ہمارے گھر کا سارا دودھ خون بن جاتا ہے میں اس لیے تیز تیز جا رہی ہوں کہ اگر دیر ہو گئی تو کوئی نئی مصیبت ہمارے سر پر ٹوٹ پڑے گی حضرت خواجہ نے اسکی داستان سنی فرمایا کہ آج تم یہاں بیٹھ جاؤ دودھ ان درویشوں میں تقسیم کر دو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ جوگی کیا کرتا ہے عورت وہیں بیٹھ گئی دودھ کا گھڑا سر سے اُتارا اور تمام غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ خود جوگی کے خوف سے کانپ رہی تھی کہ جوگی کا ایک چیلہ وہاں آ پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ عورت نے جوگی کے حصے کا دودھ فقیروں میں بانٹ دیا وہ حسد اور غیرت سے جل اُٹھا عورت کو گالیاں دینے لگا حضرت شیخ نے اُسے سمجھایا کہ اس قسم کی بدزبانی سے باز آجاؤ یہ سُنتے ہی اس کی زبان بند ہو گئی۔ اس کے پاؤں زمین میں جکڑے گئے۔ اب نہ بول سکتا تھا اور نہ اپنی جگہ سے ہل سکتا تھا۔ اب جوگی کا ایک اور چیلہ پہنچا وہ بھی پہلے کی طرح

جکڑا گیا۔ اس طرح جوگی کے تمام چیلے ایک ایک کر کے آتے رہے اور زمین میں جکڑے جاتے رہے۔ آخر کار جوگی خود اُٹھا اور اپنے چیلوں کی تلاش میں وہاں پہنچا۔ انہیں دیکھ کر غضب میں آگیا اور گالیاں بکنے لگا۔ حضرت شیخ نے آواز دی کہ اے زمین اس بے دین کو بھی پکڑ لو۔ اس کے بھی پاؤں زمین میں جم گئے۔ اس نے اپنے جادو اور منتر سے بڑی کوشش کی مگر اُسے رہائی نہ ہوئی آخر اس نے آہ و زاری شروع کر دی۔ آپ نے فرمایا تمہیں اس شرط پر چھوڑا جائے گا اگر تم اسی وقت بوریا بستر باندھ کر یہاں سے چلے جاؤ اور پھر کبھی اس طرف منہ نہ کرنا۔ جوگی یہ بات مان گیا اور اپنے چیلوں کے ساتھ پاکپتن کی سرزمین کو چھوڑ کر کہیں دُور چلا گیا۔

پاکپتن کے قریب ہی ایک قصبہ نوشہرہ ہے ایک دن حضرت خواجہ وہاں تشریف لے گئے آپ نے مسواک کی۔ مسواک کرنے کے بعد اُسے اپنے ہاتھ سے زمین میں گاڑھ دیا یہ مسواک اسی وقت ایک درخت بن گئی اور بڑا قد آور درخت بن کر لہلہانے لگا۔ جس دن حضرت خواجہ فرید پاک پتن کو روانہ ہوئے تو یہ درخت بھی اپنی جڑوں کو سمیٹتا ہوا حضرت شیخ کے پیچھے چل پڑا آپ نے دیکھا تو فرمایا اُسکن یا شجر (اے درخت یہیں رُک جا) لیکن درخت وہاں رکنے کی بجائے آپ کے پیچھے پیچھے آتا رہا آپ نے اسے پھر کہا لیکن وہ عشق و محبت کی وجہ سے وہاں نہ رُکا۔ تیسری بار آپ نے غصّے سے رُکنے کو کہا اور اسکی شاخوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور فرمایا او بے ادب یہاں رک جاؤ اسکی جڑیں زمین کے باہر ہی تھیں اور شاخیں زمین میں جا لگیں وہ درخت اسی طرح جھکا رہا۔ سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس درخت کی زیارت کی ہے۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ شیخ جمال الدین ہانسوی حضرت شیخ فریدالدین کے خلیفہ اعظم تھے۔ حضرت خواجہ آپ کو تمام خلفاء سے زیادہ چاہتے تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے کئی بار حضرت خواجہ فرید سے درخواست کی کہ شیخ جلال الدین کو مجھے دے دیا جائے تاکہ وہ میرے پاس رہیں مگر حضرت فرید ہر بار جواب دیتے کہ جمال الدین ہمارا جمال ہے کوئی شخص اپنے حسن و جمال کو دوسرے کو نہیں دیتا۔ جب شیخ بہاء الدین ناامید ہو گئے تو شیخ جمال الدین کو اپنی کرامت سے اپنی طرف مائل کیا یہاں تک کہ شیخ جمال الدین ایک دن حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مجھے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پاس جانے دیں حضرت خواجہ فریدالدین خاموش رہے۔ آپ تین دن متواتر بار بار اجازت مانگتے رہے۔ حضرت خواجہ فرید کو غصہ آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ۔ اپنا منہ کالا کرو۔ آپ کی تمام نعمتیں سلب کر لی گئیں۔ چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور اپنی خانقاہ سے باہر نکال دیا اور حکم کر دیا کہ شیخ جمال الدین کی کوئی شخص سفارش نہ کرے۔

شیخ جمال الدین سیاہ چہرہ لیے تباہ حال خانقاہ سے روانہ ہوئے اور صحرا و بیاباں میں برہنہ پا اکیلے گھومتے رہتے تھے حضرت شیخ فرید کی ناراضگی کی وجہ سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ آپ کی سفارش کرے۔ ایک سال کے بعد ملتان کے ایک سوداگر عالم نامی کا وہاں سے گذر ہوا۔ اس نے شیخ جمال الدین کو اس خستہ حالی میں دیکھا۔ اس کے دل کو بڑا دکھ ہوا۔ کہنے لگا میں حضرت خواجہ فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کروں گا۔ جب عالم سوداگر پاکپتن پہنچا تو حضرت خواجہ فرید کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت اس وقت وضو فرما رہے تھے۔ آپ نے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔ کس کس راستہ سے آئے ہو

اور کس کس شخص کو ملے ہو؟ اب کس شہر سے آرہے ہو۔ اس نے سارے واقعات بیان کیے اور بتایا کہ حضور میں ملتان کے گرد و نواح میں ایک جنگل سے گزر رہا تھا۔ مجھے ایک تباہ حال اور خستہ حال شخص ملا۔ وہ پاؤں سے ننگا تھا۔ کپڑے گرد آلود تھے۔ دل بے قرار تھا۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ چہرہ سیاہ ہو چکا تھا۔ دل تباہ حال تھا آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں برس رہی تھیں۔ سر پر خاک ڈال رہا تھا۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ جمال الدین ہانسوی ہیں میں حیران رہ گیا کہ یہ بزرگ اس حالت میں ہیں۔ حضرت خواجہ نے تاجر کی زبان سے یہ حالتِ زار سنی تو حاضرینِ مجلس کو فرمایا جمال الدین نے بڑے دکھ اٹھائے ہیں اور بڑی سزا پائی ہے۔ اب ایک مختصر سا رقعہ لکھو جس پر یہ رباعی لکھی ہو۔

گر دو گرد جہاں بگرد پا آبلہ کن ۔۔۔ گر ہمچو منی یابی مارا بلہ کن
یک صبح باخلاص بیا بر در ما ۔۔۔ گر کار تو بر نیاید آنگہ گلہ کن [1]

حاضرینِ مجلس نے اس وقت ایک رقعہ لکھا۔ شیخ جمال الدین یہ رقعہ دیکھتے ہی دوڑے دوڑے حاضرِ خدمت ہوئے۔ آستاں بوسی کی اور روتے روتے پابوسی کی۔ حضرت خواجہ فرید نے نہایت محبت سے آپ کا سر اٹھایا۔ گلے لگایا اور سارا گلہ ختم کر کے مقاماتِ بلند پر پہنچا دیا۔ فرمایا۔ جمال قطب العالم ہے۔ بلکہ قطب الاقطاب ہے وہ جسے چاہے گا قطبیت کے رتبہ تک پہنچائے گا

---

[1]۔ ترجمہ۔ جاؤ سارا جہان چھان مارو۔ پاؤں میں چھالے پڑ جائیں تو بھی ساری دنیا میں ہم جیسا ملے تو ہم پر افسوس کرنا۔ کسی صبح خلوص و محبت سے ہمارے دروازے پر چلے آؤ۔ اگر تمہاری مراد پوری نہ ہوئی تو ہم سے گلہ کرنا۔

اس دن سے حضرت جمال الدین ہانسوی جسے چاہتے خلافت عنایت ہوتی جب تک آپ کی مہر ثبت نہ ہوتی کسی کو خرقہ خلافت یا سند خلافت نہ ملتی تھی۔

حضرت شیخ فریدالدین نے پاکپتن میں ایک قطعہ زمین خریدا مگر ایک اور شخص نے اس کی ملکیت کا ناحق دعویٰ کر دیا اور اس نے دیپالپور کے حاکم کے پاس دعویٰ دائر کیا حاکم نے حضرت شیخ کو پیغام بھیجا کہ وہ جواب دعویٰ لکھ کر بھیجیں تاکہ اس مقدمے کی پاکپتن کے لوگوں سے تحقیق کی جائے کیونکہ وہ صحیح صورتِ حال سے واقف ہیں حضرت شیخ نے کہا کہ یہ بات درست ہے پاکپتن کے لوگ ہی اس مقدمے میں صحیح شہادت دے سکتے ہیں۔ عدالت کے حاکم نے پھر کہا کہ جب تک آپ کا وکیل حاضر ہو کر زمین کی دستاویز پیش نہ کرے اس وقت تک فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ حضرۃ خواجہ کو اس کی یہ بات ناگوار گزری اور ناراض ہو کر فرمایا اُس گردن شکستہ کو کہہ دو کہ ہمارے پاس دستاویز ہے اور نہ گواہ ہے۔ اگر تمہیں ہمارے کہنے پر اعتبار نہیں ہے تو خود موقعہ پر پہنچ کر زمین سے پوچھو کہ وہ کس کی ہے۔ حاکم نے یہ بات سنی تو حیران رہ گیا وہ امتحاناً اس زمین کے قطعے پر گیا اور اس کے ساتھ ہزاروں لوگ تماشہ دیکھنے کے لیے چل پڑے کہ بھلا زمین کیا جواب دیتی ہے۔ حاکم نے پہلے اس جھوٹے مدعی کو اشارہ کیا کہ وہ زمین سے پوچھے کہ کیا وہ اس کی زمین ہے مدعی نے بلند آواز سے کہا۔ اے زمین تم سچ کہو کہ تم میری ہو یا شیخ فرید کی۔ زمین سے کچھ آواز نہ آئی۔ اس کے بعد حضرت شیخ فرید کا ایک خادم وہاں موجود تھا اس نے بلند آواز سے زمین کو کہا کہ اے زمین خواجہ فریدالدین کا حکم ہے کہ تم سچی بات کرو۔ اب بتاؤ تم کس کی ہو۔ زمین سے آواز آئی میں حضرت خواجہ فرید کی ملکیت ہوں۔ اس کرامت سے حاضرین میں بڑا شور مچا اور جھوٹا مدعی شرمندہ ہو کر بھاگ گیا۔ مقدمے کی تحقیقات کے بعد جب حاکم دیپالپور کی طرف چلا تو

راستے میں اس کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور زمین پر گر پڑا اور حاکم کی گردن ٹوٹ گئی۔

راحت القلوب جسے سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے تصنیف کیا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک دن حضرت خواجہ فرید کا ایک دوست محمد شاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس نے آکر قدم بوسی کی وہ بڑا پریشان اور آزردہ خاطر تھا حضرت شیخ نے اس سے صورتِ حال پوچھی تو اس نے بتایا کہ میرا بھائی محمد شیخ بیمار ہے اسکی حالت بڑی خراب ہے اور موت اسکے قریب ہے میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں اور مجھے یہ یقین نہیں کہ اب میرے گھر تک پہنچنے سے پہلے وہ زندہ رہے گا یا نہیں۔ آپ نے اس کی بات سن کر فرمایا تم گھر جاؤ تمہارے بھائی کو شفا ہوگئی ہے۔ محمد شاہ یہ بات سن کر بہت خوش ہوا۔ اور گھر گیا دیکھا کہ اس کا بھائی صحت یاب ہے۔ اور نماز ادا کر رہا ہے یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کبھی بیمار نہیں ہوا۔

اسی کتاب راحت القلوب میں ایک اور واقعہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین نوجوانی میں بغداد کے سفر سے واپس آئے اور ملتان پہنچے تو شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی سے ملے۔ آپ نے پوچھا کہ فرید تمہارا کام کہاں تک پہنچا۔ آپ نے فرمایا اگر میں یہ کہوں کہ جس کرسی پر آپ بیٹھے ہیں یہ ہوا میں اُڑنے لگے آپ نے ابھی اتنا کہا ہی تھا کہ کرسی زمین سے اٹھی اور ہوا میں اُڑنے لگی۔ شیخ بہاء الدین نے کرسی پر ہاتھ مارا اور کہا کہ زمین پر واپس چلو۔ جس وقت زمین پر دوبارہ آگئے تو فرمایا فرید تمہارا کام بڑا ہی اچھا ہوگیا ہے۔

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ راحت القلوب میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت خواجہ فرید کی خدمت میں چند مسافر حاضر ہوئے انہوں نے

زادِ راہ کے لیے کچھ مانگا۔ خواجہ فرید کے پاس کچھ خستہ سی کھجوریں تھیں ایک مٹھی بھر کر ہر ایک کو دیتے گئے اور فرماتے کہ جاؤ تمہارے راستے کا خرچ اتنا ہی کافی ہے ان مسافروں نے جیسے ہی اپنی مٹھیاں کھولیں تو کھجوروں کی بجائے سونے کی اشرفیاں تھیں وہ شکر بجا لاکر منزل کو روانہ ہوئے۔

شیخ راحت القلوب میں ایک اور واقعہ درج کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت فرید نے اپنے سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں شیخ اوحدالدین کرمانی کی مجلس میں سیستان میں تھا وہاں دوسرے بھی دو درویش مجلس میں حاضر تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے کرامت کا اظہار کر رہے تھے وہ یہاں تک بات کر رہے تھے کہ اسی موقعہ پہ ہر ایک درویش کو اپنی اپنی کرامت دکھانی چاہیے لوگوں نے سب سے پہلے حضرت خواجہ اوحدالدین کی طرف منہ کیا اور کہنے لگے سب سے پہلے صاحبِ مجلس کرامت دکھائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس شہر کا حکمران مجھ پہ اعتماد نہیں رکھتا مجھے طرح طرح کی سزائیں دیتا رہتا ہے وہ شاید ہی آج میدان سے خیریت سے گھر پہنچ سکے۔ ابھی آپ نے بات ختم نہ کی تھی کہ ایک شخص مجلس میں آیا اور اس نے آکر بتایا کہ ہمارے شہر کا حکمران کھیل کے میدان میں گیند سے کھیل رہا تھا اسکے گھوڑے کے پاؤں پھسلے وہ گھوڑے سے گرا اسکا سر اور گردن ٹوٹ گئی اور موقعہ پر ہی ہلاک ہوگیا ہے اب لوگوں نے میری طرف منہ کرکے کہا کہ تم بھی کوئی کرامت سناؤ۔ میں نے سر مراقبے میں نیچا کیا۔ چند لمحوں بعد حاضرین کو کہا کہ سب لوگ آنکھیں بند کرلیں سب نے آنکھیں بند کیں جس وقت آنکھیں کھولیں تو سب کے سب خانہ کعبہ میں کھڑے تھے۔ چند لمحوں کے بعد تمام کے تمام اسی مجلس میں واپس آ گئے۔ اب ان دونوں درویشوں کی باری تھی۔ درویشوں نے اپنے سر اپنی گودڑیوں میں چھپائے اور غائب ہوگئے۔ لوگوں نے ان کی گودڑیاں دیکھی وہ خالی پڑی تھیں

وہ پھر کبھی دکھائی نہ دیئے۔

راحت القلوب میں ایک اور واقعہ نظر سے گذرا کہ حضرت شیخ فرید کی خدمت میں چند درویش حاضر ہوئے۔ یہ درویش بیت المقدس سے آئے تھے وہ مجلس میں بیٹھ گئے مگر ہر ایک درویش خواجہ فرید کو بڑی تیز نظر سے دیکھتا تھا۔ حضرت خواجہ اپنا سر مبارک جھکائے بیٹھے رہے آخر ایک درویش سے نہ رہا گیا اور اس نے عرض کیا یا مخدوم ہم نے تو آپکو بیت المقدس میں دیکھا تھا آپ وہاں جھاڑو دیا کرتے تھے اور اپنا نام فریدالدین بتاتے تھے آپ نے فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میں نے وہاں تم سے وعدہ لیا تھا کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہ کرنا مگر تم نے اپنا وعدہ بھلا دیا اب غور سے سنو کہ اللہ کے بندے جہاں کہیں ہوتے ہیں وہاں ہی بیت المقدس ہے وہاں ہی کعبہ ہے وہاں ہی عرش ہے اور وہاں ہی کرسی ہے اللہ کی ساری مخلوق اُن کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے اگر تمہیں یقین نہ آئے تو اپنی آنکھیں بند کرو درویش نے آنکھیں بند کیں ایک لمحہ بعد آپ نے فرمایا کہ اب آنکھیں کھولو اس نے اہل مجلس کو قسم کھا کر بتایا کہ جو کچھ حضرت شیخ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے میں نے اسے باطنی آنکھ سے دیکھ لیا ہے وہ شخص آپ سے بیعت ہوا تکمیل حاصل کی اور خرقۂ خلافت پاکر سیستان کی طرف خدمتِ خلق کے لیے مامور ہوگیا۔

راحت القلوب میں ایک اور واقعہ درج ہے کہ ایک دن حضرت شیخ کا ایک مرید شہاب الدین لاہور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پچاس دینار نذرانہ پیش کیا اور عرض کی کہ لاہور کے حاکم نے یہ نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ شیخ نے مسکرا کر فرمایا شہاب الدین تم نے بھائیوں والی تقسیم کی ہے۔ آدھا نذرانہ خود رکھ لیا ہے اور آدھا ہمارے سامنے لے آئے ہو۔ درویشوں کو یہ بات مناسب نہیں۔ شہاب الدّین یہ بات سن کر بے حد شرمسار ہوا اسی وقت باقی

پچاس دینار بھی حضرت خواجہ فرید کی خدمت میں پیش کیے اور سر قدموں میں رکھ کر معافی کا خواستگار ہوا آپ نے فرمایا کہ تم دوبارہ بیعت کرو تمہاری توجہ میں فرق آ گیا ہے۔ جب اس نے نئی بیعت کی تو چند دنوں میں تکمیل کو پہنچا اور اسے خرقۂ خلافت دیکر سمرقند کو بھیج دیا وہاں جاکر اس نے اشاعتِ دین کا کام شروع کر دیا۔

ہم نے راحت القلوب میں ایک اور واقعہ پڑھا ہے کہ ایک دن ایک جوگی سر منڈھے اور بڑی ریاضتیں کیے ہوئے حضرت خواجہ فرید کی خدمت میں حاضر ہوا وہ آپ کے پاس آکر دیر تک زمین پر سر رکھے پڑا رہا۔ شیخ فرید نے فرمایا کہ سر اٹھاؤ اس نے سر اٹھایا اور ہاتھ باندھ کر آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو اور کیسے آئے ہو؟ اس نے زبان سے تو کچھ نہ کہا۔ مگر منہ میں اسکی زبان ہلتی دکھائی دی آپ نے دو تین بار پوچھا تو اس نے نہائت مشکل سے عرض کی حضور میں آپ کے رعب سے بات نہیں کر سکتا۔ حضرت خواجہ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین کو بتایا کہ یہ جوگی بڑی بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کرنے کے بعد ہمارے سامنے آیا تھا جب اس نے زمین پر منہ رکھا تو ہمارے دل میں خیال آیا کہ یہ جوگی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زمین پر منہ رکھے پڑا رہے۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ سر اٹھا سکے مگر نہ اٹھا سکا۔ آخر اس نے دل ہی دل میں توبہ کی۔ اگر وہ توبہ نہ کرتا تو قیامت تک یہاں ہی پڑا رہتا۔

آپ نے اس جوگی سے پوچھا کہ اس طریقہ جوگ میں تم کس مقام پر پہنچے ہو اس نے بتایا جب کوئی جوگی کمال کو پہنچ جاتا ہے تو ہوا میں اڑنا شروع کر دیتا ہے میں بھی ہوا میں اڑ سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اڑ کر دکھاؤ ہم بھی دیکھیں جوگی نے ایک اڑان لگائی تو ہوا میں اڑنے لگا۔ حضرت خواجہ نے اپنی جوتی کو اشارہ

کیا وہ اڑیں اور جوگی کے پیچھے جا پہنچیں۔ جوگی جدھر جاتا تھا آپ کے جوتے اس کے سر پر کھٹکتے تھے۔ عاجز ہو کر واپس آگیا۔ اور مجلس میں آکر زمین بوس ہوا اور اسلام لاکر مرید ہوگیا۔ ایک عرصہ کے بعد واصلان حق میں سے ہوگیا۔

ایک ایسا زمانہ تھا۔ جب حضرت خواجہ فرید قدس سرہٗ العزیز ریاست مالوہ میں سفر کر رہے تھے۔ ایک دن آپ قصبہ بڑودہ کے تالاب پر تشریف فرما تھے کہ ہوا کا ایک تند و تیز طوفان آگیا۔ فضا سیاہ ہوگئی بہت سے درخت جڑوں سے اکھڑ گئے جس درخت کے نیچے حضرت خواجہ تشریف فرما تھے اس کا ایک بہت بڑا شاخہ ٹوٹا اور درخت سے جدا ہو کر زمین کی طرف آیا۔ اس کی ہشناک آواز حضرت خواجہ کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے نگاہ اٹھا کر اس شکستہ شاخہ کو دیکھا وہ جہاں تھا وہیں معلق ہوگیا آج تک وہ درخت سے علیحدہ سرسبز معلق پڑا ہے

ایک دن حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو الہام ہوا کہ آج جو شخص بھی آپ کے چہرے پر نگاہ ڈالے گا اس پر آتش دوزخ حرام ہو جائے گی۔ شیخ بہاءالدین زکریا کی خواہش تھی کہ آج زیادہ سے زیادہ لوگ آپ کی زیارت کرلیں۔ چونکہ تمام لوگوں کا آپ کی خانقاہ تک پہنچنا مشکل تھا۔ آپ نے ایک بیل پر سوار ہو کر شہر کے مختلف بازاروں میں گھومنے کا اعلان کیا چنانچہ سارے شہر میں اعلان کر دیا گیا لوگ بازاروں میں کھڑے آپ کی زیارت کرلیں لوگوں کا ایک جم غفیر جلوس کی شکل میں حضرت شیخ زکریا کے ساتھ تھا۔ اس دن حسن اتفاق سے حضرت خواجہ فرید شکر گنج بھی ملتان میں موجود تھے جب حضرت شیخ بہاؤالدین کی سواری حضرت خواجہ فرید کے گھر کے سامنے سے گذری تو آپ کے دو خادم بہورا اور شیخ غلام شیخ کھڑے تھے انہوں نے حضرت شیخ کی زیارت کرنے کی بجائے اپنے منہ پھیر لیے اور حضرت

شیخ کی سواری کی طرف پشت کر لی۔ وہ کہنے لگے اگر خواجہ فرید کی کفش برداری سے دوزخ کی آگ حرام نہیں ہو سکی تو شیخ بہاء الدین زکریا کے دیکھنے سے کس طرح حرام نہیں ہو سکی۔ یہ بات حضرت خواجہ نے نور باطن سے معلوم کر لی۔ آپ نے بہور کو بلا کر پوچھا۔ کیا تم نے ایسا کہا۔ اس نے سارا واقعہ دہرا دیا۔ حضرت خواجہ فرید نے فرمایا۔ شاید اللہ تعالےٰ نے بہاء الدین زکریا کو یہ مقام بھی فرید کی برکات سے دیا ہو۔ لوگو! آج سن لو۔ جو فرید کا مرید ہو گا۔ بلکہ آپ کے مرید کا مرید ہو گا۔ بلکہ قیامت تک آپ کے مریدوں کے حلقہ میں داخل ہو گا اس پر آتش دوزخ حرام کر دی جائے گی۔

الحمد اللہ۔ کہ فقیر (غلام سرور لاہوری مولفِ کتاب) دلی طور پر شہنشاہِ فریدیہ کی درگاہ کا غلام اور مرید ہے۔ وہ خاندان چشت اہل بہشت کا نمک خوار ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ عاصی پر معاصی بھی ان حضرات والا درجات کے مراتب سے آتشِ دوزخ سے نجات پائے گا۔

حضرت خواجہ فرید شکر گنج اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہما دونوں بڑے پُرخلوص دوست تھے۔ حضرت فرید کی زبان پر شیخ بہاؤالدین کا نام آتا تو برادرم بہاء الدین کہہ کر یاد فرماتے۔ زندگی کے کئی سال دونوں حضرات ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور اخلاص سے رہے۔ وہ رشتہ داری میں بھی ایک دوسرے کے خالہ زاد بھائی تھے جس دن حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کا انتقال ہوا۔ تو حضرت خواجہ فرید اس دن پاکپتن میں تھے پہلے تو مراقبہ میں بیٹھے رہے۔ پھر بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے جب آپ دیر تک بیہوش پڑے رہے۔ تو آپ کے خادموں کو بڑی حیرانی ہوئی۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کا خرقہ لا کر شیخ پر ڈالدیا۔ جب آپ کو ہوش آیا۔ تو آپ نے شیخ عبداللہ احمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب

کرکے فرمایا۔ کہ آج میرا بھائی بہاء الدین ملتانی واصل بحق ہو گئے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ ہزاروں فرشتے زمین پر اتر رہے ہیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی بھی ملتان میں تشریف لا رہے ہیں فرشتوں کے جلو میں حضرت شیخ بہاء الدین کو اٹھا کر آسمانوں کی طرف لے جا رہے ہیں آؤ۔ ہم بھی نماز جنازہ ادا کریں۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے پاکپتن میں ہی آپ کی نماز جنازہ ادا کی۔ یہ واقعہ بھی راحت القلوب میں درج ہے۔

فوادالفوائد وہ کتاب ہے جسے حسن علائی سنجری قدس سرہٗ نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ کے ملفوظات پر ترتیب دیا تھا حضرت خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ میرے ایک دوست تھے جنہیں ہر سال تاردے کی بیماری لاحق ہو جاتی۔ یہ ایک ایسی بیماری ہوتی ہے کہ بدن کے کسی نہ کسی حصے سے ایک سفید رنگ کی رسی نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ مختلف اطباء سے علاج کرایا۔ مگر یہ نامراد بیماری جان نہیں چھوڑتی تھی اس نے حضرت خواجہ نظام الدین کی خدمت میں التجا کی۔ آپ پاکپتن شریف جا رہے ہیں۔ وہاں سے خواجہ فرید شکر گنج سے میرے لیے دعا طلب کرانا اور کوئی ایسا تعویز لانا جس سے یہ بیماری دور ہو جائے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء پاک پتن گئے تو حضرت خواجہ کی خدمت میں رہے۔ دوست کی بیماری کا اظہار کیا اور تعویز کی درخواست کی آپ نے حضرت کو فرمایا۔ قلم دوات لاکر ایک کاغذ پر تعویز لکھو۔ آپ نے لکھوایا۔ اللہ کافی۔ اللہ شافی اللہ معافی۔ یہ تحریر آپ نے پڑھی اور حضرت خواجہ نظام الدین کو فرمایا۔ یہ اُسے دے دینا۔ آپ نے اس بیمار کو یہ تعویز دیا جب تک تعویز اسکے پاس رہا۔ دوبارہ بیماری نے تنگ نہ کیا۔

ایک بار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ السنانی نے اپنے ایک خط میں

حضرت خواجہ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ "میرے اور آپکے درمیان عشقبازی ہے" آپ نے جواب میں لکھا "عشق تو ہے مگر بازی نہیں ہے"۔

ایک دن حضرت خواجہ نظام الدین حضرت خواجہ مسعود فرید شکر گنج کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ حضرت خواجہ فرید کی داڑھی سے ایک بال دامن پر گرا ہے آپ نے عرض کی اگر اجازت دیں تو میں اسے اٹھالوں اور تعویز کے طور پر اپنے پاس رکھ لوں۔ آپ نے قبول فرمایا حضرت خواجہ فرماتے ہیں میں نے اس بال کو نہائت احترام سے اٹھایا۔ تعویز بنایا اور اپنے ساتھ دہلی لے آیا۔ اس تعویز کی برکت یہ تھی کہ دہلی میں جو بھی بیمار میرے پاس آتا میں اسے وہی تعویز دیتا وہ شفایاب ہوتا تو مجھے واپس کر جاتا۔ اس تعویز سے ہزاروں بیماروں نے شفا پائی تھی۔

اسی دوران تاج الدین ملتانی کا ایک لڑکا جو ہمارے دوستوں میں سے تھا بیمار ہوگیا اور وہ تعویز لینے کے لیے میرے پاس آیا میں نے وہ تعویز گھر کے ایک طاقچہ میں رکھا تھا۔ میں نے تلاش کیا تاکہ تاج الدین کو دے دوں مگر وہ تعویز نہ ملا وہ مایوس ہوکر واپس چلا گیا۔ اس کا لڑکا اسی بیماری سے فوت ہوگیا۔ چند دن گزرنے کے بعد ایک اور دوست آیا اور اس نے مجھ سے تعویز مانگا۔ میں نے اسی طاقچہ میں دیکھا تو تعویز پڑا تھا میں نے اسکے حوالے کر دیا اس سے یہ معلوم ہوا کہ تاج الدین کے لڑکے کی زندگی ختم ہوچکی تھی اسی وجہ سے وہ تعویز میری نظر سے پوشیدہ رہا۔

یاد رہے کہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ بی بی حزیزہ غیاث الدین بلبن دہلی کی بیٹی تھی ابھی وہ تخت نشین نہیں ہوا تھا تو اس نے اپنی بیٹی کی شادی حضرۃ خواجہ گنج شکر سے کر دی تھی اور ساتھ ہی دو خوبصورت کنیزیں۔ ایک کا نام بی بی سارہ اور دوسری کا نام شکرا تھا وہ بھی غیاث الدین بلبن نے اپنی بیٹی کی خدمت کے لیے ساتھ بھیجی تھیں۔ خواجہ فرید شکر گنج کے ہاں رہیں۔ بی بی کے بطن سے چھ لڑکے

اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں ان بچوں سے حضرت خواجہ کی بڑی اولاد چلی۔ آپ کا سب سے چھوٹا لڑکا شیخ عبداللہ نامی تھا، اُسکے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ کیونکہ اسے بعض فسادیوں نے بچپن ہی میں شہید کر دیا تھا ان کا مزار پاک پتن میں شہر کے جنوب کی طرف واقع ہے اسے مزارِ عبداللہ بیابانی کہتے ہیں۔ صاحبزادوں میں سے ایک بیٹا شیخ بدرالدین سلمان اپنے والدِ بزرگوار کا سجادہ نشین بنا، اسکے چھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ ان کا مزار گنبد کے اندر ہی ہے۔ شیخ بدرالدین سلمان کو اپنے والد بزرگوار کے علاوہ خانوادۂ چشتیہ کے دوسرے بزرگوں سے بھی فیض ملا تھا۔ خواجہ غور اور خواجہ زور رحمۃ اللہ علیہما خواجگانِ چشت میں سے تھے وہ حضرت خواجہ فرید کی زندگی میں ہی چشت سے چل کر پاکپتن آ گئے تھے حضرت شیخ نے تبرکاً شیخ شہاب الدین اور بدرالدین جو آپ کے بڑے صاحبزادے تھے اِن ہی بزرگوں سے خرقۂ ارادت پہنایا تھا اور انہیں ان کا مرید بنایا تھا۔ حضرت کے ایک اور بیٹے شیخ بہاءالدین تھے جن کا لقب شہاب الدین تھا۔ آپ کو گنج علم کا خطاب ملا تھا انہیں ظاہری علوم میں بھی بڑا مقام حاصل تھا۔ ان کے پانچ بیٹے تھے ان کا مزار روضہ اقدس کے متصل گنبد کے باہر واقع ہے کچھ عرصہ کے بعد آپ کے خلفاء نے ایک بہت ہی بڑا گنبد بنایا تھا۔ اور آپ کی نعش مبارک کو وہاں سے اٹھا کر اس گنبد کے اندر دفن کیا۔

آپ کے ایک اور بیٹے شیخ یعقوب تھے ان کے بھی دو بیٹے تھے لیکن ان کے مزار کا علم نہیں ہو سکا کہتے ہیں کہ وہ رجال الغیب میں مل گیا اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ حضرت کے ایک اور صاحبزادے شیخ نظام الدین تھے یہ آپ کے نہایت ہی پیارے بیٹے تھے وہ سپاہیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اکثر جہاد کرنے چلے جاتے جن دنوں حضرت شیخ فرید شکر گنج کا وصال ہوا تو وہ سلطان غیاث الدین بلبن کے ساتھ قصبہ پٹیالی میں تھے۔ جس رات حضرت شیخ کا انتقال ہوا تو آپ نے کشف

کے ذریعے معلوم کرلیا اور وہاں سے روانہ ہوکر جنازے میں شریک ہوئے آپ نے میدانِ جہاد میں جامِ شہادت نوش کیا۔

آپ کے دوسرے لڑکوں کی خواہش تھی کہ انہیں شہدا کے مقبرے میں دفن کیا جائے مگر جہاں جہاں اب حضرت شیخ کے مقبرے کے اِرد گرد قبریں ہیں وہاں دفن کر دیئے گئے۔ شیخ نظام الدین پٹنور کے مقام پر شہید ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت خواجہ فرید کے ایک اور صاحبزادے شیخ نصیرالدین عرف نصراللہ تھے ان کے چھ بیٹے تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ حضرت کے متبنیٰ تھے اور وہ سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت نے ایک اور عورت سے شادی کی تھی اس کا نام کلثوم تھا اس کا سابقہ شوہر سے ایک بیٹا تھا جس کا نام شیخ نصراللہ تھا۔ حضرت شیخ فرید شکر گنج اسے بھی اپنے بیٹے کی طرح پیار کرتے تھے اور اسی بیٹیوں کی طرح ہی اسکی پرورش کی ان کا مزار قبولہ کے علاقے میں موضع چاولیانہ میں ہے۔ چنانچہ حضرت اعزالدین جو حضرت شکر گنج کے بڑے بھائی تھے کی قبر بھی ساتھ ہی ہے اس گاؤں کے ساتھ وہ کنواں بھی ہے جہاں حضرت خواجہ فرید شکر گنج نے چالیس دن تک چلہ معکوس کاٹا تھا۔

آپ کی تین بیٹیوں کے نام یہ ہیں۔ بی بی فاطمہ۔ بی بی شریفاں اور بی بی مستورہ۔ بی بی فاطمہ کا نکاح شیخ بدرالدین اسحاق جو صحیح النسب بخاری سید تھے سے ہوا تھا آپ حضرت خواجہ کے خلیفہ اعظم بھی تھے ان سے دو بیٹے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ پیدا ہوئے۔ بی بی مستورہ شیخ عمر صافی الفاروقی کے نکاح میں آئیں تھیں ان سے ایک لڑکا شیخ محمد پیدا ہوا۔ بی بی شریفاں جوانی میں ہی بیوہ ہوگئیں آپ کی کوئی اولاد نہ تھی وہ مرتے دم تک اللہ کی یاد میں غرق رہیں اور اپنے وقت کی ولی کاملہ تھیں

حضرت خواجہ فرید شکر گنج فرمایا کرتے تھے کہ اگر خلافت یا سجادہ نشینی عورت کو دینا جائز ہوتی تو میں اپنی بیٹی بی بی شریفاں کو خرقۂ خلافت پہناتا۔ ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ اس بی بی نے روحانی فیض کہاں سے پایا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین کی چار بیٹیاں تھیں۔ چوتھی بیٹی کو آپ نے اپنے خواہر زادہ شیخ علی احمد صابر کے نکاح میں دیا تھا۔ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ شیخ علی احمد صابر شیخ فریدالدین گنج شکر کے داماد اور خلیفہ خاص تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا سلسلہ آپ سے منتہی ہوتا ہے۔ آپ کی قبر کلیر میں ہے اسی طرح کتاب معارج الولایت اور سیرالاقطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علی احمد صابر حضرت شیخ فریدالدین کے خواہر زادہ بھی تھے داماد بھی تھے اور خلیفہ خاص بھی تھے۔

حضرت فریدالدین گنج شکر کے خلفاء کی تعداد حدِ حساب سے زیادہ ہے بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ کے ستر ہزار خلفاء تھے آپ کے ملفوظات میں جو جواہر فریدی کے نام پر مشہور ہیں میں پچاس ہزار آٹھ سو چالیس خلفاء کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں سے دس ہزار روئے زمین پر تھے۔ اٹھارہ ہزار سمندروں میں، سات ہزار کوہ قاف، پانچ سے بیالیس ہر وقت ہوا اور فضا میں رہتے تھے چار سو چوتھے آسمان پر موجود تھے۔ چودہ ہزار ساتویں آسمان پر تھے اور سات سو غیب اللہ ہیں جنہیں سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ وہاں دس ہزار خلیفے جو زمین پر ہیں چند ایسے ہیں جن کی شکل و صورت بالکل حضرت شیخ فرید سے ملتی جلتی ہے اور وہ حضرت شیخ کی روحانی تعلیمات کو پھیلانے میں سرگرم رہے۔

چند مشہور خلفاء کے نام دیئے جاتے ہیں

۱ سلطان المشائخ نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

۲ علاؤالدین علی احمد صابر کلیر رحمۃ اللہ علیہ

۳ ۔ جمال الدین قطب ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ
۴ ۔ بدر الدین سلیمان بن فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
۵ ۔ شیخ شہاب الدین گنج العلم بن شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ
۶ ۔ نظام الدین شہید بن شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ
۷ ۔ یعقوب بن شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ
۸ ۔ شیخ معز الدین بن شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ
۹ ۔ بدر الدین اسحاق غزنوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰ ۔ شیخ داہارو خادم رحمۃ اللہ علیہ
۱۱ ۔ شیخ زین الدین دشمتی رحمۃ اللہ علیہ
۱۲ ۔ شیخ شکر ریز رحمۃ اللہ علیہ
۱۳ ۔ شیخ علی شکر باز رحمۃ اللہ علیہ
۱۴ ۔ شیخ علی الحق رحمۃ اللہ علیہ
۱۵ ۔ شیخ محمد سراج رحمۃ اللہ علیہ
۱۶ ۔ شیخ دھنی دبا رحمۃ اللہ علیہ
۱۷ ۔ شیخ جمال عاشق کامل رحمۃ اللہ علیہ
۱۸ ۔ شیخ نجیب الدین متوکل برادر حقیقی شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ
۱۹ ۔ شیخ عارف سیستانی رحمۃ اللہ علیہ
۲۰ ۔ شیخ زکریا سندھی رحمۃ اللہ علیہ
۲۱ ۔ شیخ صدر دیوانہ رحمۃ اللہ علیہ
۲۲ ۔ شیخ داؤد پالوی رحمۃ اللہ علیہ
۲۳ ۔ شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ

۲۴۔ شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

۲۵۔ سید محمد بن محمود کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

۲۶۔ شیخ منتخب الدین رحمۃ اللہ علیہ

۲۷۔ شیخ یوسف رحمۃ اللہ علیہ

۲۸۔ برہان الدین ضاحی ہانسوی بن شیخ جمال الدین قطب ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۹۔ شیخ محمد شاہ غوری رحمۃ اللہ علیہ

۳۰۔ مولانا محمد مولہانی رحمۃ اللہ علیہ

۳۱۔ مولانا علی بہاری رحمۃ اللہ علیہ

۳۲۔ شیخ محمد نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

۳۳۔ شیخ حمید الدین مکانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اخبار الاخیار اور سفینۃ الاولیاء میں پانچ محرم بروز منگل چھ سو چونسٹھ ۶۶۴ لکھی ہے مگر تواریخ فرشتہ میں چھ سو چھیاسٹھ ۶۶۶ مخبر الواصلین اور تذکرۃ العاشقین کے علاوہ شجرہ چشتیہ میں معتبر اقوال کے ساتھ ۶۶۷ھ لکھا ہے۔ سیر الاقطاب کے مصنف نے چھ سو نوّے ۶۹۰ ہجری لکھا ہے ہمارے نزدیک یہی بات قابلِ تسلیم ہے۔ آپ کا مزار پُر انوار پنجاب کے قصبہ پاکپٹن میں واقع ہے مخلوق کی زیارت گاہ ہے۔ سالانہ عرس پر لاکھوں لوگ مزار کی زیارت کو حاضر ہوتے ہیں۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے بہشتی دروازے سے گزرتے ہیں یہ مبارک دروازہ ہر سال پانچ محرم کو کھول دیا جاتا ہے اس دروازے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ایک دفعہ سلطان المشائخ نظام الدین قدس سرہٗ آپ کے مزار پُر انوار پر حاضر ہوئے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ رسولِ خُدا صلے اللہ علیہ وسلم اس دروازے پر کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں نظام الدین جو شخص اِس

دروازے میں داخل ہوگا اسے امان ملے گی۔

اس دن سے اس دروازے کا نام بہشتی دروازہ پڑ گیا ہے۔ حضرت خواجہ فرید کے ارادت مند ہر سال لاکھوں کی تعداد میں اس دروازے سے گزرتے ہیں حضرۃ خواجہ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی لکڑی کی روٹی ابھی تک مجاوروں کے پاس ہے مگر اس روٹی کی روایت یہ کسی کتاب میں نہیں ملی کہ آپ اپنی تسلی کے لیے لکڑی کی روٹی چبایا کرتے تھے۔

مقتدائے دین فرید الدین ولی — پیشوائے دو جہاں شیخ عالم
گشت ظاہر حق طلب قطب الفرید — از خرد تولید آں قطب الزمان!

۵۸۵ھ

تواریخ ولادت

فرید الاولیاء — ۵۸۵ھ
فرید الدین امین الدین — ۵۸۵ھ
مہدی فرید العالمین — ۵۸۵ھ
فرید ابد فرید بدل — ۵۸۵ھ
زبدۂ دین فرید دہر — ۵۸۵ھ
فرید الہند قطب الملک — ۵۸۵ھ
سالک مسعود فرید — ۵۸۵ھ

تواریخ وصال

عاشق حق کامل — ۶۶۰ھ
زہد دین پیر عالمگیر — ۶۶۴ھ

شاہ دین فرید
۶۸۵ھ

حبیب حق فرید الدہر
۶۶۴ھ

صوفی کامل فرید الدین
۶۶۶ھ

عالی جاہ قطب الدین فرید
۶۶۴ھ

فرد الفرید
۶۷۰ھ

عاشق صادق
۶۶۶ھ

قطب دوراں فرید
۶۶۶ھ

بندۂ حق فرید قطب المتہ
۶۶۴ھ

آپ حضرت شیخ فرید الحق

حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ: والدین قدس سرہٗ کے حقیقی بھائی اور خلیفہ اعظم تھے۔ ظاہر و باطن میں بلند رتبہ رکھتے تھے۔ نہایت متوکل انسان تھے۔ ستر سال تک دہلی میں رہے مگر اس عرصہ میں کبھی کسی دنیا دار کے گھر نہیں گئے۔ اگرچہ آپ کے پاس نقد اور جنس سے کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ مگر آپ کو یاد خدا میں اتنی مشغولیت رہتی کہ بسا اوقات یہ معلوم نہ ہوتا۔ کہ آج کون سی تاریخ یا کون سا دن ہے۔ آپ کے نزدیک اپنے بیگانے غریب و امیر ایک ہی جیسے تھے۔ ایک دن لوگوں نے آپ سے پوچھا مخدوم! کیا فرید شکر گنج پاک پتنی آپ کے بھائی ہیں۔ فرمانے لگے ہاں ظاہری تو میرے ہی بھائی ہیں مگر باطنی طور پہ کسی اور کے بھائی ہیں۔ پھر پوچھا۔ کہ نجیب الدین متوکل آپ ہی ہیں فرمایا نجیب الدین تو میں ہی ہوں مگر متوکل کوئی اور ہے میں متوکل نہیں ہوں۔

اخبار الاولیا اور اخبار الاخیار کے مصنفین نے لکھا ہے۔ کہ ایک سال عید کے دن بہت سے درویش مل کر حضرت نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے گھر آئے۔ اور اصرار کیا کہ آج ہم کھانا آپ کے ساتھ کھائیں گے۔ آپ اندر گئے اہلیہ سے کھانا مانگا۔ اس نے بتایا کہ دو دنوں سے اس گھر میں کھانے کی خوشبو تک نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تمہارے پاس چادر ہو تو مجھے دیں تاکہ اسے گروی رکھ کر دوستوں کو عید کے دن کھانا کھلاؤں۔ اس نیک بخت سے چادر لا کر دی وہ جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قابل نہ تھی کہ اسے کوئی گروی رکھتا۔ ناچار ہو کر پانی کا ایک کوزہ بھرا۔ اور دوستوں کے پاس لے جا کر کہنے لگے۔ یہی ماحضر ہے۔ درویش بھی بڑے اہل دل تھے۔ پانی کا کوزہ لیا اور کھانے کی طرح کھایا اور پیا۔ اور شکریہ ادا کر کے رخصت لی۔ چلے گئے۔ تو حضرت نجیب الدین بڑے

شکستہ خاطر ہوئے کوٹھے پر جا کر اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے۔ اس کے دل میں خیال آیا آج تو عید دن ہے۔ میرے بیوی بچوں نے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا اور درویش بھی آکر محروم چلے گئے۔ ابھی یہ بات سوچ ہی رہے تھے کہ ایک شخص چھت سے اترا۔ اور کہنے لگا۔ نجیب الدین فرشتوں نے تمہارے توکل کا ڈنگا عرش کی بلندیوں میں بجایا ہے۔ اور تم کھانے کے لئے دل میں سوچ رہے ہو۔ میں بھی کھانا کھانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ جاؤ۔ کہیں سے کھانا لا کر کھلاؤ۔ حضرت شیخ نجیب الدین نے معلوم کر لیا کہ یہ حضرت خضر ہیں۔ عرض کی۔ آج تو میرے گھر کھانا نہیں ہے اللہ جانتا ہے میں اپنی ذات کے لئے سوچ رہا تھا۔ حضرت خضر نے کہا جاؤ! اور گھر میں تلاش کرو۔ شائد طعام مل جائے۔ آپ اٹھے۔ نیچے آئے تو صحن ہر قسم کھانوں کے دستر خوان بچھے ہوئے تھے۔ یہ غیب کی نعمت خیال کرتے ہوئے۔ اپنے بچوں کے لئے لے گئے۔ اور کچھ کھانا اٹھا کر چھت پر آتے دیکھا۔ کہ حضرت خضر علیہ السلام غائب ہیں۔

حضرت نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کے پاس ہی ایک تیمور نامی ترک رہتا تھا۔ اس نے مسجد بنائی اور مسجد کے متصل اپنا مکان تعمیر کیا۔ تیمور اس مسجد کے متولی بھی تھے اور امام بھی۔ کچھ عرصہ گزرا تو تیمور نے اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہی اور اس پر ایک لاکھ تنکہ خرچ کا اندازہ لگایا۔ حضرت متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سخت نصیحت کی کہ اگر اتنا روپیہ غربا و مساکین پر خرچ کر دو گے تو بہتر ہو گا ایک شادی پر اتنا اسراف اچھی بات نہیں تیمور آپ کی اس بات سے رنجیدہ ہو گیا اور آپ سے بات کرنا بند کر دی اور وظیفہ بھی روک دیا۔ حضرت متوکل نے دہلی کو خیر باد کہا۔ اور پاک پتن آ گئے۔ اور تمام صورت حال حضرت خواجہ فرید شکر گنج کی خدمت میں بیان کی آپ نے فرمایا ماننسخ مِن آیتہ تُہانات

بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں اس سے بہتر لاتے ہیں۔ یا اس کی مثل بہم پہنچاتے ہیں۔ فکر نہ کریں۔ اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت متوکل قدس سرہٗ دوبارہ دہلی گئے۔ تو اللہ نے ایک اور ترک کو آپ کی امداد و خدمت پر مامور کر دیا۔ اور وہ ساری عمر آپ کی خدمات سرانجام دیتا رہا۔

بدایوں میں ایک صاحب دل بزرگ رہا کرتے تھے۔ جن کا اسم گرامی وجیہ الدین تھا۔ حضرت متوکل اس کی زیارت کے لئے دہلی سے بدایون گئے اسے دیکھا کہ وہ ایک بوریے پر بیٹھا ہے حضرت متوکل نے ادباً اپنے جوتے اتارے اور اس کے پاس جا بیٹھے۔ اس شخص نے نہ تو آپ کی طرف توجہ کی اور نہ احترام بلکہ منہ بنا کر بیٹھا رہا۔ بوریے پر ایک کتاب پڑی ہوئی تھی۔ حضرت متوکل نے ہاتھ بڑھا کر کتاب اٹھائی اور ایک صفحہ کھول کر پڑھا تو پہلی سطر میں لکھا ہوا تھا۔ کہ آخری زمانہ میں متکبر درویش پیدا ہوں گے۔ اگر کوئی نیک شخص ان کے پاس جائے گا۔ اور جوتے اتار کر بوریے پر بھی بیٹھ جائے گا تو وہ آتش تکبر میں جلتے رہیں گے احترام کی بجائے انہیں آزار پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

حضرت متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے اس درویش کو کتاب دے کر کہا۔ اس کی پہلی سطر پڑھیں۔ اس کا مضمون تمہاری حالت بیان کر رہا ہے۔ درویش نے وہ سطر پڑھی تو بڑا شرمندہ ہوا۔ شیخ متوکل وہاں سے اٹھے اور اپنی راہ لی۔

غیاث پور میں ایک صاحب کرامت عورت تھی۔ وہ اپنی پاک دامنی اور ریاضت کی وجہ سے رابعہ عصر تھی۔ اس کا نام فاطمہ سام تھا۔ حضرت خواجہ فرید شکر گنج اس کی تعریف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے یہ عورت دو ولیوں کے مراتب کی مالکہ ہے اس عورت نے حضرت متوکل قدس سرہٗ کو اپنا منہ بولا

بھائی بنایا ہوا تھا۔ حضرت متوکل کے گھر تین دن رات فاقہ ہوتا۔ تو اس عورت کو کشفی طور پر معلوم ہو جاتا تھا وہ دو تین سیر کلیجی لے کر پکاتی اور حضرت متوکل کے گھر بھیج دیتی تھی۔ شیخ بھی اس کی اس نذر کو خندہ پیشانی سے قبول فرمالیا کرتے تھے صاحب شجرہ چشتیہ نے آپ کی وفات ۶۷۱ھ لکھی ہے۔

چوں نجیب الدین متوکل ولی
رفت درجنت ازیں دار ملال
راستی و نیز محمود عاقبت
ہست سال وصل آں اہل کمال

شیخ نظام الدین ابوالموید قدس سرہٗ: آپ خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ ظاہری و باطنی علوم میں بے مثال تھے۔ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ فقہ میں بڑا اعلیٰ شان مقام اور رتبہ رکھتے تھے۔

فوائد الفواد کے مصنف نے لکھا ہے کہ بندہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر تھا اور عرض کی کہ حضرت آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ کی مجلس ذکر میں گئے تھے یا نہیں۔ فرمایا میں ابھی بچہ تھا ایک دن آپ کی مجلسِ ذکر میں حاضر ہوا میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے مسجد کے دروازے پر اپنے جوتے اُتارے ہاتھ میں اٹھائے اور مسجد کے اندر آ گئے۔ دو رکعت نماز نفل ادا کی اور پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے وہاں ایک شخص قاری قاسم تھے جنہوں نے چند آیات پڑھیں پھر حضرت شیخ نے اپنی تقریر شروع کی اور فرمایا۔ کہ میں نے اپنے والد کے خط میں لکھا دیکھا ہے ابھی آپ نے یہ بات پوری نہ کہی تھی کہ حاضرین میں اِس بات کا اتنا اثر ہوا کہ ہر

طرف لوگ رونے لگے۔ آپ نے پھر یہ شعر پڑھا۔

بر عشق تو و بر تو نظر خواہم کرد
جاں در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

یہ شعر سنتے ہی لوگوں میں شور برپا ہو گیا۔ آپ نے دو تین بار یہی شعر پڑھا پھر فرمایا مسلمانو! اس رباعی کے ابھی دو مصرعے باقی ہیں میں کیا کروں وہ مجھے یاد نہیں آرہے۔ یہ بات انہوں نے اتنی عاجزی اور انکساری سے کہی کہ حاضرین تڑپ اٹھے۔ اس کے بعد قاری قاسم نے وہ دو مصرعے بھی آپ کو یاد دلائے۔

ہر درد و لے بخاک در خواہم شُد
بر عشق شدی نہ گور بر خواہم شُد

آپ نے یہ رباعی مکمل کی اور منبر سے نیچے اُتر آئے۔

معارج الولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں سارا سال دہلی میں بارش نہ ہوئی۔ بادشاہ حضرت شیخ ابوالموید کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کے لئے التجاء کی۔ حضرت شیخ منبر پر بیٹھے اور دعا کے لئے ہاتھ بڑھائے اور آسمان کی طرف دیکھا۔ اپنے دامن کو پھلایا اور زیرِ لب کچھ کہا اسی وقت بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا اور سارے شہر پر چھا گیا۔ جس وقت بادشاہ اپنے گھر پر پہنچے۔ مولانا وجیع الدین جو حضرت خواجہ قطب الدین کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی نے پوچھا کہ یہ کپڑا جو آپ نے ہلایا تھا پھر آپ نے آسمان کی طرف دیکھا پھر زیرِ لب کچھ پڑھا یہ تمام کیسی چیزیں تھیں آپ نے بتایا کہ کپڑا تو قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے میری والدہ ماجدہ کو عنایت فرمایا تھا یہ تمام بارش اسی کی برکت سے برسی تھی۔

یاد رہے کہ شیخ نظام الدین ابوالموید رحمۃ اللہ علیہ کو بعض لوگوں نے عبدالواحد غزنوی اور شمس العارفین کے نام سے یاد کیا ہے جس وقت آپ دہلی آئے تو آپ نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا روحانی فائدہ حاصل کیا اور آپ خاندانِ چشت کے پیروں سے شمار ہونے لگے۔ شیخ نظام الدین ابوالموید کو شمس العارفین کا خطاب ان کے پیر روشن ضمیر نے دیا تھا۔

شیخ نظام الدین کی وفات چھ سو بہتر ۶۷۲ھ ہجری میں سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں ہوئی۔

چوں نظام الدین شمس العارفین ۔ رفت در جنت از دار فنا
کامل اشرف بگو سالِ وصال ۔ نیز مہدی بو موید مقتدا

۶۷۳ھ ۶۷۳ھ

شیخ حمید الدین صوفی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا لقب سلطان العارفین اور کنیت ابو احمد تھی۔

آپ حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے بڑے اعلیٰ ہمت اور اعلیٰ شان والے تھے۔ آپ سید الدین زید کی اولاد میں سے تھے جو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشرہ مبشرہ میں سے تھے آپ کا شمار قدیم مشائخ ہند میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی طویل عمر عطا فرمائی آپ خواجہ معین الدین حسن سنجری کے زمانے سے لے کر سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے زمانے تک زندہ رہے۔

ایک دن خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ بڑے اچھے مزاج میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے حاضرین کو کہا جو چیز چاہو مانگو۔ اس وقت مقبولیت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ ایک شخص نے اُٹھ کر دُنیا کی دولت مانگی۔ دوسرے

نے اٹھ کر عقبیٰ کی رہائی مانگی دونوں کی باتیں قبول ہوئیں۔ پھر حضرت خواجہ معین الدین نے شیخ حمید الدین صوفی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے دنیا اور عقبیٰ دونوں مانگی ہیں۔ تم دونوں میں معزز اور مکرم رہو گے۔ شیخ حمید الدین نے عرض کیا۔ حضور بندے کی کیا مجال ہے کہ سوال زبان پر لائے جو کچھ میرے مولا کو منظور ہے وہی مجھے بھی منظور ہے حضرت خواجہ معین الدین نے خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کو مخاطب کیا اور ارشاد فرمایا کہ تم بھی جو کچھ چاہتے ہو مانگو۔ آپ نے عرض کی۔

ہر چہ تو خواہی بخواہم ال سر بر آستانم
بندہ را فرماں نباشد ہر چہ فرمائی بر آنم

حضرت خواجہ معین الدین ان دونوں بزرگوں پر بڑے خوش ہوئے کیونکہ انہیں نہ دنیا کی خواہش رہی اور نہ عقبیٰ سے ڈر۔ یہ صرف اللہ کی طلب پہ اکتفاء کرتے تھے۔ سلطان العارفین حمید الدین صوفی اور قدوت الواصلین۔ قطب الاقطاب۔ قطب الدین بختیار اوشی اس دن سے شیخ حمید الدین مخاطب باخطاب سلطان العارفین ہو گئے۔

صحیح اقوال میں شیخ حمید الدین کی تاریخ وفات انتیس ۲۹ ربیع الثانی چھ سو تہتر ۶۷۳ھ ہجری ہے۔ آپ کا مرقد منور ناگور میں ہے۔ آپ کی شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے فقر و غنا پر خط و کتابت رہی۔ شیخ بہاؤ الدین نے اپنے مکتوبات میں بہت کچھ لکھا۔ مگر جواب کا حق ادا نہ ہوا۔

چوں حمید الدین صوفی شیخ دین — زیں جہاں در روضۂ جنت رسید
طرفہ پیر عقل قطب العاشقین — بر تابخشش ندارد دل شنید

۶۷۳ھ

آپ کا نام نامی محمد بن عطا تھا

قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ

اصلی وطن بخارا تھا۔ آپ معز الدین سام کے عہد حکومت میں اپنے والد عطاء اللہ محمود کے ساتھ بخارا سے دہلی آئے۔ ظاہری علوم حاصل کئے۔ آپ کے والد کا انتقال دہلی میں ہوا۔ اور آپ کو ناگور کا قاضی مقرر کیا گیا تین سال تک ناگور کے قاضی رہے۔ ایک رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ یوں محسوس کیا کہ حضورؐ انہیں اپنی طرف بُلا رہے ہیں۔ صبح اٹھے قاضی کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ دنیا کے تعلقات سے دست بردار ہو گئے۔ اور سفر اختیار کر کے بغداد جا پہنچے۔ بغداد میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی خدمت میں رہے۔ ایک سال تربیت حاصل کرنے کے بعد خرقۂ خلافت سے نوازے گئے۔ انہی دنوں خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بھی بغداد میں تھے۔ دونوں حضرات ایک دوسرے سے بڑی خلوص و محبت سے پیش آتے۔ بغداد سے چل کر مدینہ منورہ پہنچے اور تین سال تک حضورؐ کے روضۂ مبارک پر رہے۔ وہاں سے چل کر بیت اللہ کی زیارت کی اور دو سال تک وہاں قیام کیا۔ دہلی میں واپس آ کر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔ حتیٰ کہ مرنے تک اُن سے جدا نہ ہوئے۔ آپ کا مزار بھی دہلی میں ہے اسی وجہ سے مشائخ عظام آپ کو خاندان چشت میں شمار کرتے ہیں۔

ایک دن قاضی حمید الدین کعبے کا طواف کر رہے تھے انہوں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ بھی طواف کر رہے ہیں۔ آپ اُن کے ساتھ ساتھ قدم بقدم چلنے لگے۔ اس بزرگ نے منہ پھیر کر کہا۔ حمید الدین ظاہری اتباع تو بڑی آسان بات ہے لیکن باطنی اتباع بڑی مشکل ہے۔ عرض کی حضور باطنی اتباع بھی ارشاد فرمائیں۔ انہوں نے کہا کہ میں طواف کرتے ہوئے ہر قدم پر قرآن پاک

ختم کرتا ہوں۔ اگر تم میری اتباع کرنا چاہتے ہو تو ایسا کرو۔ حضرت قاضی دل میں بڑے حیران ہوئے۔ پھر انہوں نے خیال کیا کہ شاید یہ بزرگ قرآن کے معنی دل میں لاتے ہیں اور اُس کو ختم قرآن کا نام دیتے ہیں۔ اُس بزرگ نے آپ کے دل کی اس بات کو پالیا اور فرمایا نہیں نہیں میں حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً اعراب کی درستگی کے ساتھ اوّل سے آخر تک قرآن پڑھتا ہوں۔

قاضی حمید الدین بڑی لطیف طبیعت کے مالک تھے بات کرتے تو اُس میں کوئی نہ کوئی لطیفہ ضرور ہوتا۔ چنانچہ ایک دن شیخ کبیر خوارزمی اور شیخ حمید الدین سوار ہو کر جا رہے تھے۔ قاضی حمید الدین کا گھوڑا پست قد تھا۔ شیخ کبیر نے فرمایا۔ قاضی صاحب آپ کا گھوڑا چھوٹا ہے۔ آپ نے جواب دیا ہاں بڑے سے اچھا ہے۔

شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اکثر قاضی حمید الدین کے متعلق فرمایا کرتے تھے بلکہ اپنے بعض رسالوں میں لکھا بھی ہے کہ ہندوستان میں میرے بہت سے خلفاء ہیں۔ مگر حمید الدین میرے سب سے بڑے خلیفہ ہیں۔

قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کو خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس سے بڑا فیض ملا۔ آپ سماع اور وجد میں بڑا حصہ لیتے۔ علماء وقت نے آپ پر اعتراض کیا اور بادشاہ کے حضور شکایت کی اور آپ کو تکلیف دینے کا پروگرام بنایا ایک دن آپ سلطان شمس الدین کے سفید محل کے پاس ہی ایک درویش کے گھر مجلس سماع میں شریک تھے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور قاضی حمید الدین بھی اِس مجلس میں رونق افروز تھے ناگاہ مولانا رکن الدین سمرقندی جو اُس وقت کے عالمِ اجل تھے۔ محاسبہ کے لئے اٹھے اور اپنے چند خدمت گزاروں کو ساتھ لے کر مجلس کے مقام کی طرف آپہنچے۔ اور انہوں نے

اس سماع پر اعتراض کیا۔ ایک بزرگ جن کا نام علی درویش تھا دوڑے دوڑے قاضی حمید الدین کے پاس آئے اور بتایا کہ مولانا رکن الدین آرہے ہیں۔ قاضی حمید الدین نے صاحبِ خانہ کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور کہیں چھپ جاؤ۔ تمہیں کوئی بھی بلائے حاضر نہ ہونا اور اگر مولانا رکن الدین صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر اندر آئے تو میں ان کا شرعی مواخذہ کروں گا صاحبِ خانہ تو اُسی وقت کہیں جا چھپے اور قاضی حمید الدین اپنے دوستوں کے ساتھ سماع میں مشغول رہے۔ مولانا رکن الدین دروازے پر پہنچے اور صاحبِ خانہ کو طلب کیا۔ لوگوں نے کہا وہ تو یہاں موجود نہیں۔ مولانا سوچنے لگے کہ اگر صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر اندر جاتا ہوں تو مواخذہ ہوگا۔ چند لمحے کھڑے رہے پھر واپس چلے گئے۔

حضرت قاضی حمید الدین قدس سرہٗ نے ساری عمر میں صرف تین آدمیوں کو اپنا مرید بنایا تھا۔ اور انہیں درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ ان میں سے ایک شیخ احمد نہروانی تھے (جن کا ذکرِ خیر سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے) ان کے حالات میں لکھا گیا تھا۔ ایک رات آپ کے گھر میں چور گھس آیا۔ اس نے اِدھر اُدھر ہاتھ مارے مگر اسے کچھ نہ ملا۔ باہر جانے لگا۔ تو حضرت خواجہ نے آواز دے کر کہا۔ رک جاؤ۔ اب آئے ہو۔ تو خالی ہاتھ نہ جاؤ۔ آپ اٹھے۔ آپ نے چند گز کپڑا بنا تھا۔ ابھی یہ کپڑا کھڈی پر ہی تھا۔ آپ نے اتارا۔ اور اسے دے کر معذرت کرتے ہوئے کہا۔ اگرچہ یہ تھوڑا سا کپڑا تمہاری اس محنت کے لائق نہیں۔ تاہم میرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں چور نے کپڑا لینے سے تو انکار کر دیا۔ مگر دوسرے روز اہل وعیال کو لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔ اور توبہ کر کے مرید ہو گیا۔

دوسرے مرید عین الدین قصاب تھے۔ آپ زہد و ریاضت میں ثانی نہ

رکھتے تھے۔ آپ کی زبان سے جو کچھ نکلتا اللہ اسے پورا کرتا۔ قاضی فضل الدین قضا کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے آپ کے پاس آئے اور قضا کے عہدہ کے لئے دعا خیر کرائی۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ تم قاضی ہو گئے چند دنوں بعد وہ قاضی مقرر کر دیئے گئے۔ اسی طرح جو بھی آپ کے پاس آتا محروم نہ جاتا۔

تیسرے خلیفہ شیخ حسن وسن تاب تھے۔ آپ بان بانی کیا کرتے تھے۔ بداؤن میں رہتے تھے۔ ان کا ایک واقعہ تذکروں میں موجود ہے کہ ایک دن اپنے دوستوں میں بیٹھے تھے۔ باورچی کو کہا کہ میرے دوستوں کے لئے دودھ اور چاول پکا کر لاؤ وہ لایا تو پہلا لقمہ لے کر فرمانے لگے۔ آج معلوم ہوتا ہے کہ کھانے میں خیانت برتی گئی ہے۔ لوگوں نے بتایا۔ ہمیں تو کسی قسم کی خیانت کا علم نہیں صرف اتنا ہوا۔ کہ دودھ دیگچے میں اُبل رہا تھا۔ اور اس کے کناروں سے دودھ اُبل کر باہر جا پڑا تھا۔ اسے ایک برتن میں جمع کر کے ہم نے پی لیا تھا فرمایا۔ اگر زمین پر گرتا تو کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ اگر پیالہ میں جمع ہو گیا تھا تو یہ امانت تھا۔ یہ بھی احباب میں تقسیم کیا جا سکتا تھا۔ آپ نے حکم دیا۔ جس جس نے یہ دودھ پیا ہے دھوپ میں کھڑا رہے اور جب تک یہ دودھ پسینہ بن کر نہ نکلے کھڑے رہیں گے چنانچہ کھڑا کر دیا گیا۔ سورج کی گرمی نے انہیں پسینہ پسینہ کر دیا۔ پھر انہیں سایہ میں بلایا اور پھر حجام کو بلا کر فصد کرائی گئی۔ دودھ کے برابر خون نکلوایا گیا۔

شیخ نظام الدین ابوالمؤید قدس سرہٗ ایک بار بداؤن میں سخت بیمار ہوئے۔ شیخ حسن وسن تاب ان کی بیمار پرسی کو پہنچے۔ شیخ نے فرمایا۔ حسن میرے لئے دعا صحت کرو۔ فرمایا۔ میرا ایک دوست ہے شرف الدین وہ بانسارہ میں درزی کا کام کرتا ہے اگر آپ اسے بلا لیں تو ساری بیماری دُور ہو جائے گی۔ اسے بلایا گیا تو آپ نے کہا شرف الدین۔ ناف سے لے کر سر تک کی بیماری کا انزالہ تو

میرے ذمہ ہے۔ ناف سے پاؤں تک تم ازالہ کرو گے۔ دونوں بزرگ مراقبے میں بیٹھ کر توجہ دینے لگے چند لمحوں بعد سر اٹھایا تو حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ پوری طرح صحت یاب تھے۔

شیخ حسن رسن تاب کی کرامات کی شہرت سارے ملک میں پھیلی تو ارد گرد سے ہزاروں لوگ آپ کی خانقاہ میں پہنچنا شروع ہوئے۔ ایک درویش شیخ محمد مخاسی بھی بدایون میں رہتا تھا ایک دن حسن سے مسجد میں ملاقات ہوئی تو کہنے لگا۔ حسن! تم نے تو اپنی مجلس میں بڑی ہنگامہ آرائی کرلی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اس گرمی میں کہیں جل نہ جاؤ۔ اللہ کا کرنا کیا ہوا۔ کہ اسی رات حسن کے گھر کو آگ لگ گئی۔ مریدوں نے اندر آنے کی کوشش کی۔ مگر کسی کو اندر آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شیخ حسن رسن تاب اسی آتش خانہ میں جل گئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ایک عرصہ تک بارش نہ ہوئی مخلوق خدا تنگ ہوگئی۔ اور یہ سلسلہ کئی ماہ تک رہا۔ سلطان شمس الدین نے وقت کے مشائخ کو جمع کر کے باران رحمت کی استدعا کی۔ قاضی حمید الدین نے سلطان کو کہا۔ درویشوں اور مسکینوں کے لئے شاہی دعوت کا اہتمام کیا جائے۔ اور اہل سماع کو بلا کر ایک عظیم الشان مجلس سماع منعقد کی جائے شاید اللہ کی رحمت نازل ہونا شروع ہو جائے۔ سلطان نے دعوت کی۔ مجلس سماع برپا ہوئی تو باران رحمت کی گھٹائیں برسنا شروع ہوئیں۔ اتنی بارش ہوئی کہ کئی سالوں سے اتنی بارش نہیں ہوئی تھی۔

حضرت قاضی حمید الدین صاحب تصنیف بزرگ تھے آپ کی مشہور کتاب شرح اسمائے حسنیٰ اہل علم و فضل کے ہاں بے حد مقبول اور پسندیدہ ہے آپ کی وفات دہم ربیع الثانی یا بقول دیگرے نو ماہ رمضان المبارک ۶۷۸ھ

میں ہوئی تھی۔

چو حمید الدین حمید دو جہاں
رفت از دنیا و در جنت رسید
گشت سال ارتحالش جلوہ گر
تاج اہل دین ولی اللہ حمید

۶۷۸ھ

شیخ محمد صابر چشتی قدس سرہٗ:- آپ حضرت خواجہ فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مرید تھے صاحب اخبار الاخبار نے سیر الاولیاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس دن حضرت خواجہ فرید نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا تو اعلان کیا۔ صابر تم خوشحال زندگی گزارو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ کو صبر و قناعت کی بے پناہ دولت ملی تھی۔ اور کبھی غم والم آپ کے پاس نہ آئے۔ لوگوں سے کشادہ پیشانی سے ملتے اور ہر وقت خوش خوش رہتے تھے۔

شجرہ چشتیہ میں آپ کی وفات ۶۷۹ھ لکھا ہے۔

رفت از دنیا چو در خلد بریں — شد بحق مطلوب صابر اہل صبر
سال وصلش صابر منصوراں — ہم بخواں محبوب صابر اہل صبر

۶۷۹ھ — ۶۷۹ھ

حضرت شیخ داؤد پالی رحمۃ اللہ علیہ:- آپ خواجہ فرید الدین شکر گنج کے نامور خلیفہ تھے زہد و تقویٰ میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ کا معمول تھا۔ کہ صبح کی نماز گھر پڑھتے اور شہر سے باہر کسی جنگل میں چلے جاتے سارا دن اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ ذکر الٰہی

کی آوازیں وادیوں میں گونجتی تو جنگل کے وحشی جانور اور ہرن وغیرہ آپ کے قریب آکر بیٹھے رہتے۔ آپ ۶۸۰ھ میں فوت ہوئے۔

حضرت داؤد شیخ باکمال — یافت چوں درجنت الفردوس جا
مرشد کونین پیش دوستاں — گفت سرور وصلش برملا

۶۸۰ھ

۔شیخ عبدالعزیز بن شیخ حمیدالدین ناگوری قدس سرہٗ:۔ آپ اپنے والد گرامی کے مرید خاص تھے۔ عین عالم شباب میں مجلس سماع میں واصل بحق ہوئے۔ اخبارالاخیار میں آپ کی وفات کا واقعہ یوں لکھا ہے۔ ایک دن مجلسِ سماع میں قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے

جاں بدہ ۔ جاں بدہ ۔ جاں بدہ
نائدہ در گفتن بسیار چشت

یہ شعر سنتے ہی حضرت شیخ عبدالعزیز نے نعرہ مارا۔ دادم۔ دادم۔ دادم کہتے ہوئے جان اللہ کے سپرد کردی۔

آپ کے تین بیٹے تھے۔ شیخ وحید۔ شیخ فرید اور شیخ نجیب قدس سرہم آپ نے ان تینوں کے متعلق فرمایا تھا۔ کہ وحید۔ وحید ہوگا مجرد رہے گا بے تعلق رہے گا۔ آزاد رہے گا۔ فرید فرد عالم ہوگا۔ اور میرا سجادہ نشین ہوگا۔ نجیب۔ نجیب اور شریف ہوگا۔

آپ کی وفات ۶۸۱ھ میں ہوئی۔

رفت از دنیا چو در خلد بریں
شیخ عالم متقی عبدالعزیز

والی خلد است سال وصل او — نیز شاہ دین علی عبد العزیز

۶۸۱ھ — ۶۸۱ھ

خواجہ علاء الدین احمد صابر کلیری قدس سرہٗ: حضرت خواجہ فرید گنج شکر کے خلیفہ اعظم تھے۔

اولیائے معرفت کے امام تھے۔ پیر طریقت تھے۔ واقف حقیقت تھے۔ عارف کامل زاہد مکمل تھے۔ صاحب کرامت اور والیٔ نعمت تھے۔ بلند رتبہ اور اعلیٰ مقام پہ فائز تھے۔ خرقہ خلافت حضرت خواجہ فرید گنج شکر سے پایا۔ خلافت کے علاوہ آپ کو حضرت خواجہ فرید سے نسبت فرزندی دامادی، خواہر زادگی بھی تھی حضرت خواجہ فرید فرمایا کرتے تھے۔ میرے باطنی اور ظاہری علوم تو حضرت نظام الدین کو ملے۔ مگر میرے پیر دل کے ظاہری اور باطنی علوم کے سمندر علاء الدین کے حصہ میں آئے میرے سینے کے تمام علوم خواجہ نظام الدین بدایونی نے حاصل کئے۔ مگر میرے دل کے تمام علوم و اسرار علاء الدین صابر نے لئے۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے۔ کہ بارہ سال تک شیخ علاء الدین نے حضرت خواجہ فرید گنج شکر کے لشکر اور درویشوں کے طعام کی خدمات سرانجام دیں۔ لیکن چونکہ آپ کو کھانا کھانے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ بارہ سال تک دربار اور لنگر سے کھانا نہیں کھایا اور جنگل کی جڑی بوٹیوں سے پیٹ پالتے رہے۔ بارہ سال بعد حضرت خواجہ فرید نے وجہ پوچھی تو آپ نے عرض کی آپ نے لنگر کی تیاری اور اہتمام کا حکم دیا تھا کھانے کی اجازت تو نہ دی تھی۔ آپ کی اجازت کے بغیر میری کیا مجال تھی۔ کہ مطبخ سے ایک دانہ بھی کھاتا حضرت فرید الدین نے آپ کے اس صبر کو دیکھ کے آپکو صابر کا خطاب دیا۔ خرقۂ خلافت عنائیت فرمایا۔ دہلی کی روحانی نگرانی سپرد کی۔ حکم دیا پاک پتن سے پہلے ہانسی جانا۔ شیخ جمال الدین قطب ہانسوی قدس سرہٗ سے اپنے خلافت نامہ

سے مہر نصب کراتا۔ پھر دہلی جانا۔ آپ ہانسی کی طرف روانہ ہوئے ہانسی پہنچے بیلی پر سوار ہی حضرت جمال الدین ہانسوی کی خانقاہ کے اندر جا پہنچے جمال الدین دروازے پر استقبال کے لئے آئے۔ مگر علی احمد بیلی سے نیچے نہ اترے اور سواری پر ہی اندرون خانقاہ تک چلے گئے۔ حضرت جمال ہانسوی کو آپ کی یہ ادا پسند نہ آئی مجبوراً تعظیم تو کی۔ مگر آداب درویشی کے خلاف عمل کو دل میں بُرا منایا۔ احتراماً مجلس کی مسند صدارت پر بٹھایا۔ دونوں نے مل کر نماز مغرب ادا کی۔ نماز کے بعد حضرت صابر نے سند خلافت پیش کی اور مہر نصب کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے دہلی کی روانگی کا ارادہ کر لیا۔ چونکہ اس وقت اندھیرا تھا۔ چراغ موجود نہ تھا۔ حضرت جمال ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ نے مہر نصب کرنے میں تامل و تردّد کیا۔ چراغ لایا گیا۔ سند خلافت پیش کی گئی مگر اتفاقاً ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ چراغ بجھ گیا۔ حضرت صابر نے چراغ پر ایک پھونک ماری تو چراغ دوبارہ جل اٹھا۔ خواجہ جمال نے یہ صورت حال دیکھی تو سند خلافت کو حضرت صابر کے ہاتھ سے لے کر پھاڑ دیا۔ اور فرمایا۔ دہلی کو آپ کے دم آتشین کی تاب نہیں ہے۔ اگر آپ اسی طرح چلے گئے تو شہر جل جائے گا۔ حضرت جمال کی اس بات پر حضرت صابر برافروختہ ہو گئے۔ اور جوش میں آکر فرمایا۔ آپ نے میری سند خلافت پھاڑی ہے۔ میں نے آپ کے سلسلہ طریقت کو پھاڑ دیا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ اوّل سے یا آخر سے۔ فرمایا اوّل سے اسی وقت غصے سے اُٹھے اور واپس پاک پتن روانہ ہو گئے۔ اور حضرت خواجہ فرید گنج شکر کی خدمت میں جا پہنچے۔ اور تمام واقع سنا دیا۔ حضرت خواجہ فرید نے فرمایا۔ صابر جمال الدین کی پھاڑی ہوئی سند خلافت کو دوبارہ نہیں جوڑا جا سکتا پھر پوچھا۔ جب جمال نے تمہاری سند خلافت پھاڑی تھی تو تم نے کیا کہا تھا۔ بتایا کہ میں نے کہا۔ کہ آپ نے میری سند خلافت پھاڑ دی ہے میں نے تیرا سلسلہ پھاڑ دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ اوّل سے یا آخر سے۔ میں نے کہا

اوّل سے حضرت خواجہ فرید نے یہ بات سن کر فرمایا۔ کہ اللہ کے پہلوانوں کا تیر خطا نہیں جاتا۔ لیکن خیر گذری کہ تم نے اوّل کہہ دیا۔ آخر سلامت رہا۔ انشاء اللہ تمہارے مریدوں میں سے ایک مرید پیدا ہوگا جس کی دعا سے یہ سلسلہ جاری ہوگا (یہ حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی کی ذات کی طرف اشارہ تھا) حضرت صابر قدس سرہٗ نے جس طرح کہا تھا۔ ویسا ہی ہوا۔ شیخ جمال الدین ہانسوی قدس سرہٗ کے بڑے بیٹے شیخ جمال الدین بڑے صاحب علم و کمال تھے۔ دیوانہ ہو گئے۔ چھوٹے بیٹے برہان الدین اگرچہ ساری عمر حضرت کی زیر تربیت رہا۔ اور حضرت ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی کوشش کی کہ اسے کوئی مقام ملے مگر کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر نے علاء الدین صابر کو کلیر کی روحانی مملکت عطا فرمادی اور سند خلافت اپنے قلم سے از سر نو تحریر کر کے حوالے کی اور تازہ خرقۂ خلافت عطا کیا۔ اور سیدھا کلیر پہنچنے کا حکم دیا۔ آپ وہاں پہنچے تو اس خطہ کو نور روحانیت سے منور کر دیا۔ اور وہاں ہی قیام پذیر ہو گئے۔ ان دنوں کلیر علماء مشائخ کی کثرت کی وجہ سے بغداد العلم اور مدینۃ الاولیا بنا ہوا تھا۔ نماز جمعہ کے لئے جامع مسجد کے سامنے عام لوگوں کے علاوہ چار سو پہیلیاں آکر رکتیں۔ جن میں بڑے بڑے صوفیاء اور روساء آتے۔ حضرت صابر بھی اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے آیا کرتے تھے۔ اور مخلوق کے ہجوم اور کثرت کی وجہ سے مسجد کے صحن کی بجائے آپ کو مسجد سے باہر جگہ ملتی تھی۔ کوئی شہری آپکی طرف توجہ نہ دیتا تھا۔ اس صورتحال سے مایوس ہو کر آپ نے حضرت خواجہ فرید گنج شکر قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ اور مشورہ طلب کیا کہ مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت نے جواب دیا۔ کہ کلیر کے سارے معاملات عزیز کے اختیار میں ہیں۔ اپنی مرضی سے جو چاہو کرو۔ آپ کو خط کا جواب ملا۔ تو جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے گئے اور

پہلے سے بھی دُور جگہ ملی۔ نماز جمعہ ختم ہوئی۔ تو حضرت نے مسجد کی طرف ایک نگاہ غضب سے دیکھا۔ اور فرمایا۔ اے مسجد نمازی تو نماز ادا کر چکے ہیں۔ تو بھی سجدہ ریز ہو کر دکھا۔ اچانک مسجد کی چھت گر گئی اور ہزاروں نمازی مسجد کے ملبے کے نیچے آکر دب گئے۔ اور ہلاک ہو گئے۔

اس کرامت کے ظہور پر بہت سے لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ مگر باقی لوگ آپ کی اس غضبناکی پر ناراض ہوئے۔ اور آپ کے خلاف ہو گئے۔ مسجد کے واقع سے دوسرے سال اس علاقہ میں ایک وبا پھوٹ پڑی جس سے کلیر شہر میں ہزاروں موتیں واقع ہوئیں اس قیامت خیز وبا نے سارا کلیر شہر ویران کر دیا اب حضرت صابر نہایت فراغت سے ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ انسانوں کی بجائے آپ کے اردگرد وحشی جانور اور پرندے بھی جمع ہوتے۔ اور آپ کی خانقاہ پر بھی یہی حیوانات جاروب کشی کیا کرتے تھے۔ صرف آپ کا ایک خادم خاص شمس الدین ترک پانی پتی رہ گیا تھا۔ جو پاک پتن سے آپ کے ساتھ آیا تھا۔ جب کبھی حضرت صابر کو سماع کا شوق دامن گیر ہوتا تو شمس الدین ترک کو مضافات میں بھیجتے جو وہاں جا کر چند قوال لے آتا۔ اور مجلس سماع منعقد ہوتی۔

معارج الولایت کے مولف نے لکھا ہے کہ کلیر کی تباہی کا واقعہ میں نے دوسری کتابوں میں یوں لکھا دیکھا ہے کہ جن دنوں حضرت صابر خطہ کلیر میں تشریف فرما ہوئے۔ تو وہاں کے کئی ظاہر بیں علماء اور مشائخ آپ کے کمالات کے منکر ہو گئے۔ آپ کی مخالفت یہاں تک بڑھی کہ لوگ آپ کے مریدوں اور خادموں پر حملے کرنے لگے۔ ایک دن حضرت صابر اپنے احباب کو لے کر نماز جمعہ ادا کرنے جامع مسجد گئے۔ تو اجتماع سے پہلے ہی جامع مسجد کے اندر جا کر پہلی صف میں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ علماء اور مشائخ آئے تو انہوں نے اپنی جگہ خالی نہ دیکھی تو آپ کے

خادمین کو کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ یہ جگہ ہماری ہے۔ انہوں نے جواب دیا ہمارے آنے سے پہلے یہ جگہ خالی تھی ہم یہاں بیٹھ گئے ہیں اب آپ لوگ دیر سے آئے ہیں۔ کسی دوسری جگہ بیٹھ جائیں۔ علماء نے بڑی سختی اور درشتی سے ان لوگوں کو دھکے دے کر اٹھا دیا۔ اور کہا یہاں تو صرف علماء و مشائخ ہی بیٹھ سکتے ہیں عام آدمی نہیں بیٹھ سکتے۔ اس بات پر جھگڑا ہو گیا۔ حضرت صابر نے مراقبہ سے سر اٹھایا۔ اور کہا کہ اس شہر کا صاحب ولایت سب علماء مشائخ سے مقدم ہوتا ہے اور اسے صف اول میں بیٹھنے کا زیادہ حق ہے انہوں نے کہا کہ صاحب ولایت ہونے کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے آپ اسی وقت اپنے احباب کو لے کر مسجد سے باہر نکل آئے اور نگاہ غضب سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ آناً فاناً مر گئے۔ آپ نے فرمایا "ہماری ولایت کا ثبوت یہی ہے"۔ آپ نے مزید کہا۔ اب اس شہر کا ایک فرد بھی زندہ نہیں بچے گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں سارا شہر ویران ہو گیا۔ مسجد کے باہر کے لوگ طاعون کا شکار ہو گئے۔

صاحب معارج الولایت نے مزید لکھا ہے کہ حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ ولایت موسوی پر تھے۔ آپ کا قلب اسرافیل کے قلب پر تھا۔ جس پر ایک نظر یا پھونک مارتے خاک سیاہ ہو جاتا۔ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ بھی ولایت موسوی کے مالک تھے۔ اور آپ کے جلال کا یہ عالم تھا کہ جہاں نظر اٹھاتے مدمقابل دم بخود ہو جاتا۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے کئی سال بعد تک کلیر شہر ویران رہا آپ کے روضہ عالیہ کے مجاور بھی جنگلی جانوروں کی آمد و رفت اور شیر و چیتوں کے قیام کی وجہ سے آپ کے مزار پر بہت کم آتے۔ بہت سے مجاور کلیر کا علاقہ چھوڑ کر دور دراز علاقوں میں جا کر

آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک یہ علاقہ ویرانہ بنا رہا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد ہندوؤں بت پرستوں نے آپ کے روضہ کے قریب ہی ایک بت کدہ بنا لیا۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ آپ کے مقبرہ کو گرا کر بت خانے کی حدود میں لایا جائے مگر ایک دن ایک مردم خوار شیر جنگلوں میں سے نکلا رات کے وقت تمام ہندوؤں کو چیر پھاڑ کر ہلاک کر گیا۔ جو بچ گئے وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آئندہ کسی ہندو کو آنے کی جرأت نہ ہوئی۔[1]

سیر الاقطاب میں ایک اور واقعہ بھی ہمارے سامنے آیا ہے۔ کہ ایک دن ایک ہندو جوگی اس راستے سے گزرا جہاں کبھی حضرت صابر کی خانقاہ تھی۔ وہ اس خانقاہ کے کھنڈرات میں چلا گیا۔ اس نے دیکھا ایک عالی شان مزار ہے مگر دُور دُور تک کوئی انسان نظر نہیں آتا۔ اس شخص نے ہندوانہ تعصب کے پیشِ نظر ارادہ کر لیا کہ مزار کو گرا کر یہاں کوئی بت خانہ یا معبد تعمیر کرا دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ایک آہنی تیشہ لے کر مزار کو گرانا شروع کر دیا۔ چند اینٹیں گرائی تھیں کہ مزار سے ایک روزن سامنے آیا۔ جوگی نے قبر کے اندر سر ڈال کر دیکھنا چاہا۔ کہ اس مزار کے اندر کیا ہے؟ وہ نگاہ غضب کا شکار ہو گیا اور سر باہر نہ نکال سکا۔ آخر کار

---

[1]: حضرت علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہِ غضب سے کلیر کے شہریوں اور نمازیوں کی تباہی کے واقعات معارج الولایت۔ اور حقیقت گلزار صابری جیسی کتابوں نے بادنیٰ اختلاف ان واقعات کو قلمبند کیا ہے۔ مگر جمال صابر کے فاضل مولف + وحید احمد مسعود مرحوم نے ان واقعات کو تاریخ کے آئینہ میں تجسس و تحقیقات کا نشانہ بنا کر ثابت کیا ہے کہ یہ واقعات سراسر بے بنیاد ہیں کہ ایک ولی اللہ محض ناراضگی سے اتنی بڑی مخلوق اور اتنے بڑے شہر کو ویرانے میں تبدیل کر دیں اس کتاب کی تحریر سے ان مقابلوں کا پس منظر سامنے آتا ہے جو کلیر پر گزریں قارئین کرام اس کتاب کو بھی سامنے رکھیں (مترجم)

اس کا سانس بند ہو گیا اور وہ وہیں مر گیا۔ رات کے وقت مجاوروں نے خواب میں دیکھا۔ کہ حضرت شیخ صابر تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں۔ کہ ایک شخص گستاخانہ ہمارے مزار پر آیا تھا۔ اسے سزا تو مل گئی ہے اب وہ مزار کے روزن میں لٹکا ہوا ہے۔ اُسے آ کر نکال دیا جائے۔ دوسری صبح مجاور اپنے بہت سے آدمی لے کر مزار پُر انوار پر پہنچے جوگی کو کھینچ کر باہر لایا گیا۔ اس کی لاش کو دُور جنگل میں پھینک دیا گیا۔ اس دن سے شہر دوبارہ آباد ہونے لگا۔ خوف و خطر دور ہونے لگا اور لوگ آہستہ آہستہ پہنچنے لگے۔ سب سے پہلے مجاوروں نے مکانات تعمیر کئے اور آباد ہو گئے اور اس شہر کو پیران کلیر کے نام سے شہرت ملی۔

حضرت علی احمد صابر قدس سرہ کا وصال بقول صاحب معارج الولایت تیرہ ماہ ربیع الاوّل ۶۹۰ھ ہوا تھا۔ یہ سلطان جلال الدین خلجی کا عہد حکومت تھا۔ آپ حالت سماع میں واصل بحق ہوئے

شد چو از دنیا علاء الدین علی احمد خلد ۔ سال وصل آں شہ والا قدر اہل کمال
گو علی احمد علاء الدین صابر ایزدی ۔ ہم علاء الدین صابر صادق آمد از تحال

۶۹۰ھ ۶۹۰ھ

ہادی محبوب صابر بادشاہ ۔ صابر سراج الطالبین

۶۹۰ھ ۶۹۰ھ

مخدوم متقی سلیم

۶۹۰ھ ۶۹۰ھ

شیخ بدرالدین بن علی بن اسحاق بخاری قدس سرہٗ الباری

آپ حضرت فرید مسعود فاروقی شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ اپنے وقت کے مشائخ کاملین میں

شمار ہوتے تھے۔ سیر الاقطاب اور معارج الولایت کے صفحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقبول و منظور شخصیت کے مالک تھے علم و فضل میں ان کا ثانی کوئی نہیں تھا پہلے بخارا میں رہے۔ بعد میں بعض علمی اور روحانی مشکلات کے حل کے لئے گھر سے نکلے۔ اور بخارا سے چل کر دہلی پہنچے۔ جب یہاں بھی مسائل کے حل میں تسلی نہ ہوئی۔ دوبارہ ملتان کے راستہ بخارا کو روانہ ہوئے۔ پاک پتن پہنچے تو آپ کے ساتھیوں نے حضرت فرید شکر گنج کی زیارت کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ درویشوں کے خلاف تھے۔ کہنے لگے۔ میں یہاں ہی بیٹھا ہوں۔ آپ لوگ زیارت کر آئیں۔ لیکن دوست آپ کو کشاں کشاں حضرت خواجہ فرید کی خانقاہ تک لے گئے۔ مجلس میں بیٹھے ہی تھے۔ کہ حضرت فرید نے باطنی طور پر معلوم کر کے خود ہی اس کے سوالات پر گفتگو شروع کر دی اور ان کے سوالات کا حل پیش کرتے گئے۔ بدر الدین آپ کی گفتگو سے بڑے مطمئن ہوئے۔ ذہن مطمئن ہو گیا۔ اب علمی مشکلات کے حل کے بعد حضرت خواجہ فرید نے آپ کو روحانی طور پر اپنی طرف کھینچا۔ اور پوچھا۔ آپ ہماری ملاقات کے لئے آنے سے کیوں ہچکچاتے تھے۔ اگرچہ علماء کی مجالس اکسیر اعظم ہے اور ان کی گفتگو سے علمی روشنیوں کو فروغ ملتا ہے۔ مگر کبھی کبھی مسکین درویشوں کے پاس بھی آنا چاہیئے۔ ہم سے محبت کرنے سے خدا خوش ہوتا ہے۔

بدر الدین نے آپ کی گفتگو سنی تو قدم بوس ہو گئے اور ارادت باطنی سے مرید ہو گئے۔ اور بخارا جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس دن سے آپ خانقاہ کی خدمات سرانجام دینے لگے۔ ہر روز صحرا اور بیابان میں نکل جاتے۔ لکڑیوں کا ایک گٹھا اٹھا کر لاتے اور مطبخ کے سامنے لا رکھتے۔ تاکہ لنگر پکایا جا سکے حتیٰ کہ ایک وقت آیا۔ کہ آپ کی تکمیل ہو گئی خرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے اور پھر

عزت فرزندی (دامادی) سے بھی معزز ہوئے۔

آپ کی وفات ۶۹۰ھ میں ہوئی۔ کتاب الاسرار آپ کی ہی تالیف ہے

کرد بدرالدین چو از عالم سفر ۔ سالِ وصلش او بگو بے قال وقیل

بدردین۔ مہدی دین ۔بدر کمال ۔ ہم بغرما شاہ بدرالدین جمیل

۶۹۰ھ ۶۹۰ھ ۶۹۰ھ

آپ حضرت گنج شکرؒ کے مشہور خلیفہ تھے

شیخ منتخب الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ کو آقائے منتخب بھی کہتے ہیں آپ شیخ برہان الدین غریب کے بڑے بھائی ہیں اور زرے زرین اور زر بخش کے لقب ملقب ہوئے۔ معارج الولائیت کے مصنف لکھتے ہیں کہ یہ لقب آپ کو اس لئے ملا کہ آپ بڑے ریاضت اور مجاہدہ کے عادی تھے۔ شیخ منتخب الدین رحمۃ اللہ علیہ محبوبی کے مرتبے پر پہنچے ہوئے تھے۔ خزانۂ غیب سے انہیں ہر روز صبح و شام دو سنہری خلعتیں آیا کرتیں تھیں۔ آپ انہیں بیچ دیتے اور درویشوں اور مسکینوں میں خرچ کر دیتے۔ اور خود استعمال نہ کرتے۔ اس لئے آپ کا لقب زرے زرین زر بخش پڑ گیا۔

جن دنوں ملک دیوگیر میں کفر و بدعت کا دور دورا تھا تو حضرت خواجہ فرید گنج شکر نے آپ کو دیوگیر کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ نے وہاں پہنچ کر مخلوق کو ہدایت دی اور بہت سے لوگوں کو راہ راست پر لے آئے۔ جن لوگوں نے ضد میں آکر انکار کر دیا۔ ان کے لئے بد دعا کی اُن کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ آج تک دیوگیر کے پہاڑوں میں پتھر کی بنی ہوئی مسخ صورتیں پائی جاتی ہیں۔ آپ فوت ہوئے تو حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء نے شیخ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی جگہ مقرر فرمایا۔ آپ نے اتنی محنت کی کہ اس ملک میں کفر و بدعت کا

نام ونشان نہ رہا۔

معارج الولائیت کے مصنف نے آپ کی تاریخ وفات سات ربیع الاوّل چھ سو پچانوے ۶۹۵ھ لکھی ہے۔

شیخ عالم پیرِ دوران منتخب
شد چو از دنیا سوئے دار البقا
کاشف حق صوفی آمد رحلتش
ہم نجوان مہدی کامل مقتدا

آپ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ

سیّد محمد بن سیّد محمود کرمانی رحمۃ اللہ علیہ:- علیہ کے احباب میں سے تھے آپ کا اصلی وطن کرمان تھا۔ تجارت کرتے کرتے لاہور آگئے۔ وہاں سے پاک پتن پہنچ کر حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے ماموں سیّد احمد ملتان میں تھے۔ آپ بھی ملتان چلے گئے جب تجارت کے سفر پہ نکلتے پہلے لاہور آتے پھر پاک پتن شریف جاتے اور وہاں سے ملتان چلے جاتے اس آمد و رفت میں انہیں شیخ فرید الدین گنج شکر سے محبت پیدا ہو گئی۔ کاروبار کو چھوڑ کر اللہ کی تلاش میں مشغول ہو گئے۔ حضرت گنج شکر کے مرید بنے اور ان کی وفات کے بعد سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ولی کامل بن گئے۔

اخبار الاخیار کے مصنف نے آپ کی وفات بروز جمعہ سات سو گیارہ ہجری لکھی ہے۔ آپ کا مزار پُر انوار شیخ نظام الدین کے دوستوں کے چبوترے پر واقع ہے۔

محمد ابن محمود آں مہ کرمان شہ عالم ۔ کہ ذاتش بود محبوب بن مقبول ربانی

بتاریخ وصالش شدید امشکلکشا ازدل ۔ دگر گفتا محمد بود سید پیر کرمانی

۷۱۱ھ ۷۱۱ھ

شیخ نظام الدین شیرازی قدس سرہٗ:- آپ شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی کے خلیفہ اعظم تھے آپ کا سینہ صفات عالیہ سے آراستہ تھا۔ درویشی کا شیوہ رکھتے تھے بڑے شوق سے سماع سنتے۔ دوستوں میں سرفراز تھے حرمین الشریفین کی زیارت سے بھی شرف یاب ہوئے۔ شجرۂ چشتیہ کے مصنف نے آپ کا سال وفات سات سو اٹھارہ ہجری لکھا ہے اور آپ کا مزار پرانوار دہلی میں ہے

رفت از دیر چون نظام الدین
ہم ولی سعید شیرازی

۷۱۸ھ

شیخ شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہٗ:- آپ شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر کے مرید اور خلیفہ تھے۔ مقامات عالیہ پر فائز تھے۔ سیر الاقطاب کے مصنف کہتے ہیں کہ آپ کو حضرت صابر کے علاوہ حضرت خواجہ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ سے بھی خرقۂ خلافت ملا تھا۔ آپ حضرت گنج شکر کے حکم اور غیبی الہام پر حضرت صابر کے ساتھ پاک پتن سے کلیر گئے۔ آپ کا اصلی وطن ترکستان تھا اور وہاں کے سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپ طلب حق میں اپنے وطن سے نکلے پاک پتن پہنچے۔ جناب گنج شکر کے مرید ہوئے۔ کچھ عرصہ رہ کر خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ پھر گنج شکر کی اجازت سے حضرت صابر کے ساتھ کلیر شریف پہنچے۔ خدمت گزاری کی وجہ سے حضرت علی احمد صابر آپ کو اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور حقیقت یہ ہے آپ سلسلہ صابریہ چشتیہ

سے اسلام تھے۔ پندرہ سال تک آپ حضرت صابر کے غسل وضو کھانا پکانے اور بکریاں لانے کی خدمت پر مامور رہے۔ پھر آپ سے اجازت لے کر کچھ عرصہ بادشاہ کے لشکر میں نوکری کرلی چنانچہ دہلی آکر سلطان غیاث الدین بلبن کے لشکر میں سواروں کی فوج میں ملازم ہو گئے۔ انہی دنوں بادشاہ نے ہندوستان کے ایک قلعے پر لشکر کشی کی خواجہ شمس الدین ترک بھی اس لشکر میں شریک تھے۔ قلعہ کے فتح ہونے میں کچھ دیر لگی اور بادشاہ کئی مہینے تک وہاں ہی پڑاؤ ڈالے رہے۔ ایک رات گرد و غبار کا طوفان اٹھا۔ بادل اور بجلی چمکنے لگی۔ سارے لشکر میں کہیں آگ نہ رہی بادشاہ کے باورچی خانے کے انچارج آپ کی تلاش میں ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ شاہی سواروں کے ایک سردار کے خیمے میں چراغ جل رہا ہے۔ جب نزدیک پہنچے۔ دیکھا کہ ایک درویش چراغ کی روشنی میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہے۔ اگرچہ طوفان سخت تیز تھا۔ مگر چراغ بجھنے نہ پاتا تھا۔ شاہی ناظم خیمے کے قریب گیا۔ تو حضرت کی ہیبت اور رعب سے اس کی زبان سوال کرنے میں عاجز رہی۔ ناگاہ حضرت نے سر اٹھایا اور اُسے آواز دے کر کہا کہ اگر آگ چاہتے ہو تو یہاں سے لے لو۔ وہ شخص آگے بڑھا ایک لکڑی آگ سے روشن کی اور آگ کو شاہی باورچی خانے میں لے گیا۔ صبح ہوئی تو وہی شخص پانی لینے کے لئے اس کی طرف سے گزرا اُس نے دیکھا کہ شیخ اپنے خیمے میں نہیں ہے۔ وہ تالاب پر پہنچا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک ہتھیار بند سپاہی تالاب پر وضو کر رہا ہے اُس نے آپ کو پہچان لیا۔ یہ تو وہی بزرگ ہیں جو چراغ کی روشنی میں رات کو قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے وضو کرنے کے بعد حضرت شیخ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے اور اُس شخص نے اس مقام سے مشک کو بھرا جہاں حضرت شیخ وضو کر رہے تھے وہ حیران رہ گیا۔ کہ اس جگہ تالاب کا پانی گرم ہے۔ حالانکہ شدید سردی کی وجہ سے سارا تالاب برف سے ڈھانپا

ہوا تھا۔ چنانچہ یہ شخص تین دن تک حضرت کے وضو کرنے کی جگہ سے پانی بھر کر لے جاتا اور شاہی باورچی خانے میں گرم پانی استعمال کرتا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی۔ دوسرے دن اس کے ساتھ ہی بادشاہ حوض پر آیا اور گرم پانی کی تصدیق کی اور پھر اس شخص کی رہنمائی میں حضرت کے خیمے میں پہنچا۔ بادشاہ نے عرض کیا کہ میں بڑا نیک بخت ہوں کہ آپ جیسے ولی اللہ میرے لشکر میں موجود ہیں مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے۔ قلعہ فتح نہیں ہو رہا۔ حضرت شیخ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اور قلعہ کے فتح کی بشارت دی۔ چنانچہ اسی دن قلعہ فتح ہو گیا۔ چونکہ شیخ کا یہ راز منکشف ہو گیا تھا اس لئے آپ وہاں سے ملازمت چھوڑ کر اپنے پیر روشن ضمیر کی خدمت میں چلے آئے اور خرقہ خلافت پانے کے بعد پانی پت کی ولایت کے مالک بنے۔

شیخ غلام معین الدین اپنی کتاب معارج الولائیت میں۔ لکھتے ہیں کہ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی حضرت شیخ احمد لبوی کے بیٹے تھے۔ آپکا سلسلہ نسب چند واسطوں سے محمد حنفیہ بن علی المرتضیٰ وجہ سے ملتا ہے۔ ظاہری علوم حاصل کرنے کے بعد آپ ترکستان سے نکلے اور طلب حق میں بڑے ملکوں کی سیر و سیاحت کی ماوراء النہر کے بہت سے بزرگوں سے ملاقات کی پھر ہندوستان پہنچے۔ یہاں آکر کلیر شریف میں شیخ علی احمد صابر کے مرید ہوئے ایک مدت تک آپ کی خدمت میں رہے اور آپ سے بڑی بڑی کرامات ظاہر ہونے لگیں حضرت صابر کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت ترک کو اپنے پاس بلایا اور خرقۂ خلافت عطا کیا ساتھ ہی پانی پت جانے کی اجازت دی اور ارشاد فرمایا کہ میرے مرنے کے تین دن بعد پانی پت کو روانہ ہو جانا۔ آپ نے گذارش کی کہ حضور پانی پت کی ولایت پر ان دنوں شرف الدین بو علی قلندر فائز ہیں۔ میں وہاں کس طریقے پر جا سکتا ہوں اور کس طرح رہ سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی ولایت کا دور ختم ہو چکا ہے تم وہاں

پہنچو گے تو وہ شہر کے دروازے پر تمہیں آکر ملیں گے۔ حضرت صابر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے تین دن بعد حضرت شمس الدین پانی پت کو روانہ ہوئے وہاں پہنچے تو آپ کے رہنے کی کوئی جگہ نہ تھی ایک دیوار کے سائے کے نیچے بیٹھ گئے۔ حضرت شیخ بوعلی قلندر نے نورِ باطن سے آپ کی حالت کو دیکھ لیا۔ اپنے حجرے سے باہر آئے اور حلوہ فروش کے بیٹے نے جو جنابِ قلندر کا محبوب اور منظورِ نظر تھا۔ پوچھا کہاں جارہے ہو میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا اس علاقے کی ولایت ایک اور بزرگ کے حوالے ہو گئی ہے اب میرے لئے حکم نہیں کہ میں اس شہر میں رہ سکوں۔ حلوہ فروش کے بیٹے نے کہا کہ حضور مجھے اس ملک کے صاحبِ ولایت سے ملاقات کروائیں۔ آپ نے فرمایا۔ فلاں محلے میں ایک شخص چمڑے کا لباس پہنے۔ قلندرانہ بیٹھا ہے۔ دیوار کے سائے میں بیٹھا ملے گا تم وہاں جاؤ اور ان کی زیارت کر لو۔ حلوہ فروش کا بیٹا وہاں پہنچا۔ اس مردِ درویش کو دُور سے دیکھا۔ اور واپس آگیا۔ اس وقت حضرت بوعلی قلندر شہر سے نکل کر باہر جا چکے تھے۔ شیخ شمس الدین شہر میں داخل ہوئے۔ بوعلی قلندر کے حجرے میں آئے اور زندگی بھر وہاں ہی قیام کیا۔ اس دوران بوعلی قلندر اور خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی آپس میں بڑی محبت اور اتحاد سے رہے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا کہ پانی پت کے ایک بہت بڑے بزرگ سید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گفتگو کرتے ہوئے کہ آپ کی سیادت کس طرح ثابت ہے یہ فرمایا ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے ایسے ہی سُنا ہے اور ہمارے پاس نسب نامہ بھی ہے۔ اُس بزرگ نے کہا اس بات کو ثابت کرنا بڑا مشکل ہے ہماری تسلی نہیں ہوئی آپ نے یہ بات سُنی۔ دل میں جوش پیدا ہوا۔ فرمایا کہ عوام الناس میں ایک بات مشہور ہے کہ جو شخص صحیح النسب سید ہوگا اور حضرت علی کی اولاد سے

ہوگا۔ اُس کے بال آگ میں نہیں جل سکتے۔ اگرچہ ہم نے آج تک اس بات کا تجربہ نہیں کیا۔ لیکن میرے نزدیک اِس سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہے آؤ میں اور تم دونوں مل کر آگ میں کود تے ہیں۔ جسے آگ نہ جلائے گی وہ سید ہوگا۔ یہ کہتے ہی آپ خانقاہ کے تنور میں کُود گئے اور تھوڑا وقت اُسی میں رہے اور اندر سے اُس سید کو آواز دی کہ تم بھی اندر آجاؤ تاکہ تمہاری سیادت کا دعویٰ بھی ثابت ہو سکے۔ وہ شخص شرمندہ بھی تھا اور خوف زدہ بھی۔ تنور کے نزدیک جاکر دیکھا کہ حضرت شیخ آگ میں بڑے مزے سے بیٹھے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُسکے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ واپس ہونا چاہتا تھا۔ تنور سے ایک شعلہ نکلا اُس کے کپڑوں پر گرا اور جلنے لگا۔ وہ چیختا چلاتا ہائے ہائے کرتا دوڑ رہا تھا کہ حضرت شیخ تنور سے نکلے اور دوڑ کر اس کی آگ بجھائی۔ جب حالت ٹھیک ہوگئی تو سید مذکور نے توبہ کی اور آپ کا مرید ہو گیا۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے شیخ شاہ علی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ نقل کیا۔ کہ ایک رات میں بستر پر سویا ہوا تھا کہ میرے شریکوں میں سے ایک بھائی میرے قتل کے لئے داخل ہوا تلوار کھینچی۔ مجھے مارنا ہی چاہتا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ غور سے دیکھا کہ وہ شخص مجھے ننگی تلوار سے قتل کرنا ہی چاہتا ہے میں نے حضرت شمس الدین ترک کا تصور کر کے فریاد کی۔ میں نے دیکھا کہ ایک ہاتھ جس پر چاندی کی انگوٹھی تھی۔ غیب سے نمودار ہوا اور اس ظالم کو گردن سے پکڑ کر باہر پھینک دیا۔ میں اُسی وقت اٹھا۔ وضو کیا۔ حضرت شیخ کے روضے منورہ کی طرف چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ قبر سے ایک ہاتھ باہر نکلا اور میرے سر پر رکھ دیا گیا۔ میں نے اس ہاتھ کو تبرکاً چوما دونوں آنکھوں کو لگایا اور دل میں آرزو کی کاش اندھیری رات نہ ہوتی دن کی روشنی ہوتی تو میں ہاتھ کی زیارت بھی کر سکتا۔ اسی وقت ہاتھ کے ناخن

سے روشنی کی ایک کرن نکلی اور میں نے دیکھا کہ یہ وہی ہاتھ ہے جس پر چاندی کی انگوٹھی ہے اور میرے قتل کو دفع کرنے کے لئے ظاہر ہوا تھا میں نے شکرانہ کے ہزار نفل پڑھے۔ فاتحہ کا تحفہ پیش کیا اور وہاں سے رخصت ہو آیا۔

شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں آئے تو آپ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی ایک ہزار پچاس ہجری میں سید صفدر خان جو مغل بادشاہ شاہ جہاں کی طرف سے اکبر آباد کا گورنر تھا۔ کسی وجہ سے معزول کر دیا گیا۔ وہ ہندوستان سے چل کر اپنے وطن واپس جانا چاہتا تھا۔ پانی پت میں پہنچا تو حضرت شمس الدین کے روضے کی زیارت کے لئے وہاں رک گیا۔ روضے کے مجاوروں سے حضرت کے حالاتِ زندگی معلوم ہوئے اور ترکستان سے ہندوستان آنے کے حالات بھی سُنے۔ بہت رویا اور کہنے لگا کہ میں حضرت شمس الدین کی اولاد سے ہوں میں ہندوستان میں محض آپ کی زیارت بابرکت کے لئے آیا تھا مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ کا روضۂ مقدس کہاں ہے اس نے اپنا نسب نامہ نکالا۔ مجاوروں کو دکھایا جس وقت اُن بزرگوں کے ناموں کا مقابلہ ہوا تو یہ نسب نامہ حضرت شمس الدین کے دستخطوں سے مزین تھا۔ صفدر خان نے یہاں کہا کہ جب حضرت شیخ ترکستان میں رہتے تھے تو وہاں اُن کی شادی ہوئی آپ کے بیٹے کا نام سید احمد تھا۔ ہندوستان میں تشریف آوری کے بعد سید احمد کی وہاں بہت اولاد ہوئی۔ جس وقت یہ بات بادشاہ شاہ جہاں تک پہنچی تو اس نے صفدر خان کو اپنے دربار میں واپس بُلایا اور صاحبزادگی کے ادب کے پیشِ نظر کابل اور قندھار کی حکومت اُس کے حوالے کر دی۔

شیخ شمس الدین سیر الاقطاب تذکرۃ العاشقین۔ معارج الولائیت اور دوسری کتابوں کے حوالے سے سات سو پندرہ ۷۱۵ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ شجرۂ

چشتیہ کے مصنف نے آپ کا سال وفات سات سو اٹھارہ ہجری لکھا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک پہلا حوالہ درست ہے میری نظر میں اور بھی بہت سی کتابیں گزری ہیں جن میں آپ کا سالِ وفات سات سو پندرہ ہجری ہی ہے

رفت از عالم چو شمس الدین بخلد
سال وصل آں امام پیشوا !!
طالب مقبول شمس الدین بگو
نیز شمش الدین ولی با صفا

۷۱۵ھ

قاضی محی الدین کاشانی قدس سرہٗ:- آپ شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ قدس سرہٗ کے خلیفہ اعظم تھے۔ زہد و تقویٰ میں کامل۔ خرق و کرامت میں معروف اور علوم تفسیر و حدیث میں ماہر تھے سارا شہر آپ سے علوم دینیہ حاصل کرتا تھا۔ آپ نے مرید ہوتے ہی دنیاوی آسائشوں سے کنارہ کشی کر لی۔ بادشاہ نے آپ کو قضا کا پروانہ دیا تھا۔ آپ نے یہ فرمان اپنے پیر و مرشد کے سامنے لاکر جلا دیا اور فقر و مجاہدہ کو اختیار کر کے خرقہ خلافت حاصل کر لیا۔

کہتے ہیں کہ جب قاضی کاشانی نے تمام دنیاوی نعمتوں سے منہ موڑ لیا۔ اور فقر و فاقہ کو اپنا لیا۔ تو آپ کے لواحقین اہل و عیال جو دنیا کی آسائشوں کے خوگر تھے۔ تنگ دست ہو گئے۔ ان لوگوں کے ایک واقف حال نے یہ صورتحال بادشاہ وقت علاء الدین خلجی کے دربار میں پیش کی تو سلطان نے اودھ کی قضا کو از سر نو حضرت قاضی کاشانی کے سپرد کر دیا۔ جب یہ خبر ملی تو دوڑے دوڑے حضرت خواجہ نظام الدین کی خدمت میں آئے اور عرض کیا۔ حضور یہ معاملہ میری

عدم موجودگی میں میری مرضی کے خلاف ہوا ہے۔ آپ اس سلسلہ میں کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقر و فاقہ اختیار کرنے کے بعد بھی تمہارے دل میں عہدہ قضا کی یادیں موجود تھیں یہی وجہ ہے کہ بادشاہ نے تمہیں دوبارہ قاضی مقرر کر دیا۔ قاضی صاحب کو اس صورت حال نے بڑی مشکل میں ڈال دیا ادھر سلطان المشائخ نے اپنا خلافت نامہ واپس لے کر ایک کونے میں رکھ دیا ایک سال گزر گیا تو قاضی کاشانی کے دماغ میں تبدیلی آئی اور وہ پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے از راہ ترحم دوبارہ مرید کیا اور خلافت نامہ لوٹا دیا اور کمالات اعلیٰ پر پہنچا دیا۔

حضرت قاضی کا سال وصال ۷۰۹ھ ہے۔

محی الدین مقتدائے ہر دو جہاں
رفت چوں از جہاں بخلد بریں
وصل او ہست صاحب تحقیق
نیز مہتاب حسن محی الدین

خواجہ علاء الدین بن شیخ بدر الدین قدس سرہٗ

آپ حضرت گنج شکر قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔ سولہ سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے اور چون (۵۴) سال حق خلافت اور سجادگی پورا کرتے رہے۔ زندگی میں آپ کی شہرت اور کرامت دنیا بھر میں پھیل گئی۔ آپ کا قدم مبارک جامع مسجد سے باہر نہ نکلتا۔ امراء اور ملوک سے بے نیاز تھے صائم الدہر اور قائم اللیل رہتے۔ رات کا ایک حصہ گزرتا تو افطار فرماتے تھے جود و سخاوت میں بحر بے کنار تھے۔ طہارت و لطافت میں بے مثال تھے۔ آپ کو فرید ثانی کہا جاتا تھا۔ گویا ایک سمندر تھا جس کی موجیں فیضان روحانیت سے مالا مال تھیں۔ اور حضرت

فرید گنج شکر کے بعد جاری ہوئی تھیں۔ حضرت خواجہ خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حق میں ایک شعر کہا ہے۔

علاء الدین و دنیا شیخ و شیخ زادۂ عصر
کہ شد بہ قید قائم مقام شیخ فرید

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کا ابتدائی زندگی میں غازی نام تھا۔ اور صوبہ دیپالپور کا گورنر تھا۔ اور حضرت علاء الدین کا مرید تھا آپ ۷۲۰ھ میں فوت ہوئے تو ملک غازی دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس نے آپ کے مزار پر شاندار گنبد تعمیر کیا۔ کہتے ہیں پاک پتن میں یہ گنبد حضرت گنج شکر کے روضہ سے بلند ہے مگر دیکھنے والوں کو پست دکھائی دیتا ہے۔

شد ز دنیا چو در بہشت بریں
شیخ ہفدہ طبق علاء الدین
بر تاریخ رحلت آں شاہ
شد رقم شمع حق علاء الدین

۷۲۰ھ

خواجہ شمس الدین قدس سرہٗ آپ حضرت امیر خسرو دہلوی کے خواہر زادہ تھے۔ اپنے زمانہ کے فاضل یگانہ تھے حضرت سلطان المشائخ سے محبت بھی تھی اور ارادت بھی۔ نماز میں کھڑے ہوتے۔ جب تک حضرت خواجہ محبوب الٰہی کا چہرہ پاک نہ دیکھ لیتے تکبیر نہ کہتے مرض موت میں گرفتار ہوئے تو حضرت خواجہ نظام الدین عیادت کو آئے۔ مگر ابھی راستے میں ہی تھے۔ کہ خواجہ شمس الدین کی وفات کی خبر پہنچی۔ سن کر فرمایا۔ الحمد للہ "دوست بدوست پیوست"۔ آپ کی وفات ۷۲۲ھ میں ہوئی تھی۔

بہ مغرب رفت زیں دنیائے فانی
جو شمس الدین دلی مہر منور
عجب تاریخ وصلش جلوہ گر شد
ز شمس الاولیاء ہادی اکبر

شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی قدس سرہٗ آپ برصغیر پاک وہند کے نامور اولیائے کبار میں مانے جاتے ہیں۔ پاک وہند کے مجاذیب کے امام اور صاحب اسرار شائخ چشت کے راہنما شمار ہوتے ہیں ابتدائی زندگی میں علوم دینیہ میں مہارت حاصل کی۔ اور مجاہدہ اختیار کیا۔ حب جذب وسکر کی انتہا ہوگئی تو اپنی تمام کتابوں اور قلمی یادداشتوں کو دریا میں پھینک دیا۔ خانوادہ چشت اہل بہشت سے تعلق قائم کیا۔ معارج الولایت کے مولف نے لکھا ہے کہ آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ سے خرقہ خلافت ملا تھا۔ لیکن بعض تذکرہ نگار آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین بدایونی قدس سرہٗ کا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں آپ نے بہت سی تصانیف یادگار زمانہ چھوڑیں جنہیں اہل ذوق وصحبت نے دل وجان سے قبول کیا۔ ان تصانیف میں عشق ومحبت عوارف وحقائق۔ توحید ترک ومحبت خداوندی کے مضامین پائے جاتے ہیں۔ آپ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ بنام اختیار الدین (جو آپ کے مرید خاص تھے) کتابی شکل میں سامنے آیا۔ یہ مکتوبات توحید کے مضامین کا عمدہ نمونہ ہیں۔ آپ کی ایک تصنیف حکمنامہ شیخ شرف الدین تھی۔ پھر مثنوی بوعلی قلندر اگرچہ مختصر ہے۔ مگر رموز توحید۔ معارف سے مالا مال ہے آپ کے دوسرے اشعار رباعیات۔ غزل اور دوسرے اقسام پر پھیلے ہوئے تھے۔

آپ پانی پت کے قدیم باشندوں میں سے تھے۔ والد ماجد کا اسم گرامی فخر الدین سالار (قدس سرہٗ) تھا۔ اور والدہ مکرمہ بی بی حافظ جمال تھیں۔ ان دونوں کے مقبرے پانی پت شہر کے شمال میں ہیں۔ آپ کے مرید اور خلفاء کا ایک سلسلہ تھا۔ جو برصغیر کے علاوہ عالم اسلام میں پھیلا تھا۔ دہلی کے حکمران علاء الدین خلجی اور جلال الدین خلجی بھی آپ کے حلقۂ مریدین میں تھے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت بوعلی قلندر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت امام اعظم سے ملتا ہے۔ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر۔ بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابابکر غازی بن فارس بن عبد الرحمان بن عبد الرحیم بن محمد بن ذامک بن امام نعمان ابوحنیفہ کوفی بن ثابت بن نعمان رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سیر الاقطاب نے ایک اور جگہ لکھا ہے آپ کے پیروں کا سلسلہ یوں لکھا ہے بوعلی قلندر مرید و خلیفہ شیخ عاشق خداداد۔ شیخ امام الدین اوابدال خلیفہ شیخ بدر الدین غزنوی خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

یاد رہے کہ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے جس دن حضرت ترک پانی پتی کلیر سے پانی پت تشریف لائے اسی دن سے شیخ شرف الدین بوعلی قلندر نے پانی پت چھوڑ کر شہر کے باہر سکونت اختیار کر لی۔ چند روز گزرنے کے بعد شیخ شمس الدین کے ایک خادم اس مقام سے گزرے جہاں بوعلی قلندر نے قیام کیا تھا۔ تو دیکھا۔ کہ شیخ بوعلی قلندر شیر کی شکل میں تشریف فرما ہیں۔ یہ خادم ڈر گیا۔ اور دوڑا دوڑا شیخ شمس الدین ترک کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بات سن کر فرمایا۔ کہ دوبارہ جاؤ۔ اگر بوعلی قلندر ابھی شیر کی شکل میں نظر آئے تو انہیں کہنا۔ شیر تو جنگل میں رہا کرتے ہیں۔

شہر میں ان کی گنجائش نہیں۔ خادم گیا تو شیخ بوعلی قلندر کو شیر کی شکل میں دیکھا تو کہا میرے مرشد نے کہا ہے۔ کہ شیروں کو آبادی میں رہنا مناسب نہیں ان کا مقام تو جنگلات اور بیابان ہوتا ہے۔ وہ شیر اس وقت اٹھا اور جنگل کی طرف چلا گیا اور پانی پت سے کئی میل دور اپنا بسیرا بنا لیا۔ یہ مقام آج بھی باگھونی کے نام سے پانی پت شہر سے مشرق کی طرف واقع ہے۔ ہندی زبان میں باگھ شیر کو کہتے ہیں باگھونی مقام شیر کو کہا جاتا ہے یہ مقام اب تک خلق کی زیارت گاہ ہے۔ حضرت شیخ بوعلی چند سال یہاں رہے۔ پھر موضع بڈھا کیڑہ جو کرنال کے مضافات میں ہے۔ سکونت پذیر رہے۔

اخبار الاخیار کے مولف گرامی نے لکھا ہے۔ ایک وقت آیا۔ جب آپ جذب مستی میں تھے۔ تو آپ کی مونچھیں بہت بڑھ گئیں کسی کو جرات نہ تھی کہ آپ کی مونچھیں چھوٹی کرنے کا مشورہ دیتا۔ آخر مولانا ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ شریعت کی پناہ لے کر قینچی ہاتھ میں لی۔ ایک ہاتھ سے آپ کی ڈاڑھی پکڑی اور دوسرے سے مونچھیں کاٹ دیں۔ حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر اپنی داڑھی ہاتھ میں پکڑ کر کہا کرتے کہ یہ داڑھی کتنی مبارک ہے اور یہ مونچھیں کتنی مقدس ہیں جو شریعت محمدیہ کے احترام میں کٹ گئیں۔

حضرت شیخ بوعلی قلندر کے ایک خادم خاص تھے جن کا نام مبارک خان تھا عام لوگوں کو آپ کے نزدیک جانے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ مبارک خان لوگوں کے مسائل لے کر حاضر ہوتا۔ اور حل مشکلات کراتا۔

سیر الاقطاب اور تذکرہ العاشقین نے آپ کی تاریخ وصال سترہ رمضان المبارک ۷۲۴ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار پانی پت کرنال میں ہے۔

چوں شرف از جہاں عفت رفت
متصل شد بوصل رب ودود
سال وصلش شرف ولی زماں
۷۲۴ھ
نیز فرما شرف ولی محمود
۷۲۴ھ

شرف سعید ۷۲۴ھ + زیب عالم قلندر مسعود ۷۲۴ھ + مخدوم اجلّ ۷۲۴ھ
معدن اسرار محمود ۷۲۴ھ + شرف محبوبی ۷۲۴ھ + مالک عالی قدر بوعلی ۷۲۴ھ
طالب محمود سرور علی۔
۷۲۴ھ

شیخ نظام الحق والدین بدایونی قدس سرہٗ:- آپ شیخ فرید الملت والدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص اور محرم اسرار و محبت باوقار تھے۔ اسم گرامی محمد بن احمد دانیال بن علی بخاری قدس سرہٗ البارری تھا۔ آپ کا لقب سلطان المشائخ۔ سلطان الاولیا سلطان السلاطین تھا محبوب الٰہی کے خطاب سے مشہور ہوئے تھے۔ پاک و ہند کی سرزمین آپ کے آثار و برکات سے مالا مال ہوئی۔ آپ کے جد بزرگوار اور جد مادری (نانا) خواجہ عرب دونوں آپ کے والد احمد دانیال کے ساتھ بخارا سے ہجرت کر کے لاہور تشریف لائے۔ کچھ عرصہ لاہور میں رہے۔ پھر بدایون میں آکر قیام پذیر ہوئے۔

حضرت شیخ نظام الدین بدایون میں ۶۳۴ھ کو پیدا ہوئے۔ یہ وہی سال تھا

جس میں سلطان التمش اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہما کا انتقال ہوا تھا ابھی پانچ سال کے ہی تھے کہ والد ماجد بھی انتقال فرما گئے اور بدایون میں دفن ہوئے آپ کو آپ کی والدہ جن کا اسم گرامی بی بی زلیخا قدس سرہا تھا نے پرورش کی۔ اس نیک بی بی نے خواجہ نظام الدین کی تربیت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ شیخ چھوٹی عمر میں ہی علوم مروجہ اور متداولہ میں طاق ہو گئے۔ حدیث۔ تفسیر فقہ صرف نحو منطق و معانی میں دسترس حاصل کی۔ بارہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں حضرت نجیب الدین متوکل قدس سرہٗ جو حضرت خواجہ فرید شکر گنج کے برادر حقیقی تھے کی صحبت میں بیٹھنے لگے۔ انہی کی وساطت سے آپ کو خواجہ فرید شکر گنج کے حضور رسائی ہوئی۔ آپ پاک پتن پہنچے اور آپ کے مرید ہوئے۔ آپ کے شوق اور آتش ذوق کی وجہ یہ تھی۔ کہ ایک دن ابو بکر نامی قوال نے سفر سے آکر اپنے سیر و سیاحت کے واقعات بیان کئے۔ اور بتایا کہ میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی مجلس میں نعت سنائی اور قوالی کی تھی۔ وہ بڑے عابد۔ زاہد متقی اور صاحب کرامت بزرگ ہیں۔ آپ کے گھر کے خادم اور کنیزیں بھی آٹا گوندتے ذکر خداوندی میں مشغول رہتی ہیں۔ ملتان سے چل کر پاک پتن آیا۔ میں نے وہاں ایک درویش کی زیارت کی۔ نہیں بلکہ ایک شہنشاہ کی زیارت کی ان کا نام نامی فرید الدین تھا۔ وہ کرامت و ورع۔ تقویٰ میں ساری دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتا وہ مریدوں کو بیعت کرتے وقت اللہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی روحانی نعمتوں کا قاسم بنا کر بھیجا ہے۔

شیخ نظام الدین قدس سرہٗ نے اس قوال کی باتیں سنیں تو آتش شوق شعلہ زن ہوئی۔ اسی وقت حضرت نجیب الدین متوکل قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی وساطت سے حضرت خواجہ فرید الملت والدین کی خدمت

شرف باریابی حاصل کیا۔

کہتے ہیں کہ جس دن حضرت خواجہ نظام الدین حضرت فرید شکر گنج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو حضرت خواجہ نے آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(ترجمہ:۔ تمہاری آتش فراق نے دلوں کو کباب کر دیا۔ تمہارے اشتیاق کے سیلاب نے جانوں کو برباد کر دیا ہے)

یہ شعر نہیں تھا۔ گویا تیر تھا۔ جو حضرت خواجہ فرید کے کمان اشتیاق سے نکلا اور خواجہ نظام الدین کے دل میں پیوست ہو گیا۔ آپ اٹھے۔ قدم بوس ہوئے اور مرید ہو گئے۔

جن دنوں حضرت خواجہ نظام الدین کو خرقہ خلافت ملا آپ اپنے پیر و مرشد کے حکم سے دہلی روانہ ہوئے۔ دہلی چند روز گزارنے کے بعد ندائے غیبی سے غیاثپور کو روانہ ہو گئے اور اس جگہ کو اپنی قیام گاہ بنا لیا۔ کچھ عرصہ تک آپ پر اور آپ کے درویشوں پر بڑی سختی آئی۔ کئی کئی دن کھانا نہ ملتا۔ چار چار دن بعد درویش افطار کرتے۔ حضرت کے ہمسایہ میں ایک عورت رہتی تھی۔ یہ بہت نیک سیرت اور صالحہ تھی۔ رسیاں تیار کر کے روزی کماتی۔ اور بے نان و نمک کھانا تیار کر کے پیٹ بھر لیتی۔ اس نے حضرت کی اور آپ کے درویشوں کی حالت زار دیکھی تو ایک دن آدھ سیر جو کا آٹا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی آپ اسے اپنے درویشوں کو پکا کر کھلائیں۔ حضرت نے اپنے محب خاص شیخ کمال الدین یعقوب کو فرمایا کہ اس آٹے کو مٹی کی ہنڈیا میں ڈال دو۔ اس میں تھوڑا پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا دو۔ شاید یہ درویشوں اور آنے والے مسافروں کی خوراک بن سکے۔ چولہے پر ہنڈیا

چڑھا دی گئی اُبلنے لگی۔ اب پک ہی رہی تھی کہ خانقاہ میں ایک درویش داخل ہو کر کڑک کر بولا۔ نظام الدین کھانے کے لئے جو کچھ ہے لے آؤ۔ آپ نے فرمایا ہنڈیا چولہے پر ہے پک رہی ہے۔ صبر کریں۔ پک جاتی ہے پھر کھا لینا۔ درویش نے کہا۔ نظام الدین تم خود اٹھو۔ جیسی بھی ہنڈیا پکی ہے لے آؤ۔ مجھے سخت بھوک ہے۔ آپ اٹھے۔ چادر کے ایک کونے سے ہاتھ لپیٹا۔ پکتی ہوئی ہنڈیا چولہے سے اٹھائی اور اس درویش کے سامنے لا رکھی درویش ہنڈیا میں ہاتھ ڈال کر گرم گرم لقمے کھاتا جاتا تھا۔ اس قدر گرم ہنڈیا اور رکھا تا کہ اس کے ہاتھوں پر اثر کرتا اور نہ گرم لقمے اس کے منہ کو جلاتے حضرت دیکھتے رہے۔ کچھ کھا چکنے کے بعد ہنڈیا کو اٹھایا۔ اور اوپر لے جا کر زمین پر پھینک دیا۔ ہنڈیا ٹوٹ گئی۔ کھانا زمین پہ پھیل گیا۔ اب اس درویش نے کہا۔ نظام الدین! باطنی نعمت خواجہ فرید سے حاصل کر چکے ہو۔ بھوک اور تنگدستی کی ہنڈیا میں نے توڑ دی ہے۔ آج سے تم ظاہر و باطن کے بادشاہ ہو" یہ کہہ کر وہ درویش غائب ہو گیا۔ اس دن سے اتنے فتوحات آنے لگے کہ حد و شمار نہ رہا۔ ہزاروں درویش و مسافر ہر روز کھانا کھاتے مگر ختم ہونے کو نہ آتا۔

تذکرہ العاشقین میں لکھا ہے۔ کہ غیاث الدین معز الدین کیقباد بادشاہ نے غیاث پور کی تعمیر نو کرنا شروع کی۔ ہر طرف محلات اور تجارتی مراکز بننا شروع ہوئے لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ تو حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہٗ نے محسوس کیا۔ کہ اب اس شہر میں بھیڑ ہو گئی ہے۔ یہاں سے کہیں اور جگہ چلنا چاہیئے انہی دنوں آپ کی خانقاہ میں ایک خوبصورت نوجوان آیا اور آتے ہی یہ شعر پڑھا۔

روز کے تو نہ شدی نیمہ انتی کہ نگشت نمائے عالم خواہی شد

اجازت سے ہی گھوڑیاں لے کر آیا تھا حضرت نے دوسرے روز نہایت مسرت و شادمانی سے گھوڑیاں لیں اور اپنے پیر و مرشد کا شکریہ ادا کیا۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ سلطنت دہلی متمکن ہوا تو اس نے علاء الدین کے لئے خضر خان کو جو حضرت خواجہ نظام الدین قدس سرہٗ کا مرید تھا اور اس نے حضرت کی خانقاہ کے احاطہ میں حضرت کے لئے بڑی بڑی عمارات بنائیں تھیں۔ قطب الدین مبارک شاہ نے یہ عمارتیں گرادیں اور خضر خان کو شہید کر دیا۔ پھر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے بھی درپے آزار ہوا۔ ایک دن اس نے قاضی محمد غزنوی کو جو سلطان قطب الدین کا مشیر خاص تھا۔ پوچھا کہ نظام الدین اتنا لوگوں کو کھلاتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں تو یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔ قاضی کو بھی حضرت شیخ نظام الدین سے مخالفت تھی۔ کہنے لگا۔ کہ بادشاہ کے امراء و زیر سے لے کر سپاہی تک خواجہ نظام الدین کو نذریں پیش کرتے ہیں اس وجہ سے آپ بے دریغ خرچ کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ دو ہزار روپے کا کھانا ہی پکتا ہے۔ جو عام لوگوں کو کھلا دیا جاتا ہے یہ بات سن کر بادشاہ حسد کی آگ میں جل اٹھا۔ اور اُسی وقت ایک فرمان جاری کیا کہ جو شخص شیخ کے گھر جائے گا یا کسی قسم کا نذرانہ پیش کرے گا تو شاہی خزانہ سے اس کی تنخواہ بند کر دی جائے گی۔ حضرت شیخ نظام الدین نے یہ بات سُنی تو اپنے خاص غلام اور خانسامے خواجہ اقبال کو بلایا اور حکم دیا کہ آج سے لنگر کا خرچ دُگنا کر دیا جائے اور پیسے کی جب بھی ضرورت پڑے فلاں طاق سے لے لینا اور بسم اللہ پڑھ کر خرچ کرتے جانا خواجہ اقبال ایسے ہی کرتے رہے اور اُن کو جتنی نقدی کی ضرورت ہوتی اس طاق سے لے لیتے۔

بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو بڑا شرمندہ ہوا اپنے امراء میں سے ایک شخص کو حضرت

(جس دن آپ چاند تھے۔ آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک دن سارا جہاں تمہاری طرف انگلیاں اٹھائے گا۔)

مزید فرمایا۔ اس قدر مشہور نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر مشہور ہو گئے ہو تو بھاگ کر میدان حشر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمسار نہیں ہونا چاہیئے خلوت میں اللہ کو یاد کرنا آسان بات ہے۔ مگر لطف تو اس میں ہے۔ کہ مخلوق کے ہجوم میں رہتے ہوئے۔ اللہ کی یاد سے محروم اور غافل نہ رہا جائے۔

حضرت خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ اس نوجوان کی یہ بات سن کر میں اٹھا اندر سے کھانا لا کر پیش کیا۔ مگر اس کے چہرے پر ناراضگی کے آثار ظاہر تھے۔ اس نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ میں نے اسی وقت دل میں ارادہ کر لیا کہ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ نوجوان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہاتھ بڑھا کر کھانا کھانے لگا۔ خوش خوش کھانا کھا کر اٹھا اجازت لی اور چلا گیا۔ اس دن کے بعد اسے کبھی نہیں دیکھا

ابتدائی زمانہ میں حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ غیاث آباد سے پیدل کیلو رام رصی نماز جمعہ ادا کرنے جاتے تھے۔ ایک دن آپ کے دل میں خیال آیا۔ کہ اگر میرے پاس سواری کے لئے ایک گھوڑی ہوتی تو میں بھی پیدل جانے کی بجائے سوار ہو کر نماز جمعہ کو جاتا۔ دوسرے دن شیخ نورالدین یار ہراں آپ کی خدمت میں دو گھوڑیاں لے کر حاضر ہوا۔ اور کہا کہ میرے پیر و مرشد نے خواب میں حکم دیا ہے کہ گھوڑیاں آپ کی سواری کے لئے پیش کروں تاکہ وہ آئندہ غیاث پور سے کیلو گڈھی پیادہ نہ جایا کریں آپ نے فرمایا۔ آپ نے اپنے پیر و مرشد کے حکم پر گھوڑیاں پیش کی ہیں۔ ہم بھی اپنے پیر و مرشد کی اجازت کے بغیر گھوڑیاں نہیں لے سکتے۔ دوسرے روز حضرت خواجہ فریدالدین شکر گنج قدس سرہٗ نے خواب میں فرمایا۔ بابا نظام الدین گھوڑیاں لے لو۔ پیر ملک یار ہراں ہماری

شیخ کی خدمت میں بھیجا اور حکم دیا کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی ہمارے ملنے کو آ رہے ہیں۔ اور وہ دہلی میں قیام کریں گے۔ آپ دہلی میں رہتے ہیں۔ مگر ہمیں ملنے کے لئے نہیں آتے اس سے ہماری بے عزتی ہوتی ہے۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ ہمارے پیروں کی یہ عادت ہے کہ وہ بادشاہوں کے دربار میں نہیں جاتے اس لئے ہمیں معذور سمجھا جائے۔ بادشاہ یہ بات سنتے ہی۔ سانپ کی طرح پیچ کھانے لگا۔ اور کہا کہ شیخ کو میرے حکم کی تعمیل کرنا پڑے گی۔

حضرت شیخ نظام الدین نے شیخ حسن علی سنجری کو شیخ ضیاء الدین رومی کے پاس بھیجا۔ آپ سلطان قطب الدین کے مرشد تھے۔ اور شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ تھے کہ آپ سلطان قطب الدین کو سمجھائیں کہ وہ فقیروں کو تنگ نہ کرے کیونکہ درویشوں کو ستانے کے نتائج اچھے نہیں ہوتے۔ شیخ حسن جب شیخ ضیاء الدین کے پاس گئے تو دیکھا کہ آپ سخت بیمار ہیں۔ بات کئے بغیر واپس آ گئے خواجہ نظام الدین کو صورت حال سے آگاہ کیا تین دن کے بعد شیخ ضیاء الدین کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی تقریب فاتح پر دہلی کے تمام مشائخ اور امراء جمع ہوئے سلطان قطب الدین بھی شیخ ضیاء الدین کی قبر پہ حاضر ہوا۔ بادشاہ قبر پہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدین بھی وہاں موجود تھے۔ آپ قبر کی طرف آگے بڑھے تو تمام مشائخ نے اُٹھ کر آپ کی تعظیم کی لیکن بادشاہ قطب الدین جو تلاوت قرآن کر رہا تھا۔ بیٹھا رہا وہاں حضرت شیخ کے بعض احباب نے گزارش کی کہ اتفاق سے بادشاہ بھی اس مجلس میں موجود ہے اگر آپ اس سے ملاقات کر لیں تو ہم اسے آمادہ کریں۔ آپ نے فرمایا اس بات کی کوئی ضرورت نہیں۔ بادشاہ کو قرآن پڑھنے دو بادشاہ گوشۂ چشم سے آپ کو دیکھتا جاتا اور ساری باتیں سنتا جاتا اور دل ہی دل میں غصے سے پیچ و تاب کھاتا۔ آخر کار بادشاہ نے ایک اجلاس منعقد کیا۔ تمام مشائخ کو بُلایا اور انہیں کہا کہ آپ سب لوگ

شیخ نظام الدین کو سمجھائیں کہ وہ ہر روز ہمیں ملنے کے لئے دربار میں آیا کریں۔ اگر روزانہ نہیں آ سکتے تو ہفتہ میں ایک بار یا مہینہ کی پہلی تاریخ ضرور حاضری دیا کریں اگر آپ لوگوں کے سمجھانے پر بھی وہ نہ مانے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ میں خود سمجھا لوں گا۔

سید قطب الدین غزنوی شیخ عماد الدین طوسی۔ شیخ وجد الدین اور برہان الدین بادشاہ کے کہنے پر شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مصلحت وقت کے مطابق تقاریر کیں۔ حضرت شیخ ان بزرگوں کی باتیں سُن کر تھوڑا سا غور کیا اور فرمایا اچھا دیکھو اللہ کو کیا منظور ہے ان بزرگوں نے آپ کی اس بات کو رضامندی سمجھتے ہوئے بادشاہ کو جا کر کہا کہ حضرت شیخ چاند کی پہلی تاریخ کو دربار میں آنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ بادشاہ یہ بات سن کر بہت خوش ہوا۔ یہ ماہ صفر کی تائیسویں تاریخ تھی اسی رات خواجہ وجید قریشی امیر خسرو کے بھائی اعز الدین علی حضرت شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہم نے سُنا ہے کہ آپ بادشاہ کے دربار میں جانے کو راضی ہو گئے ہیں آپ نے فرمایا میں اپنے پیروں کی عادت کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا وہ بڑے حیران ہوئے کہ ادھر بادشاہ انتظار کر رہا ہے کہ کب پہلی تاریخ ہو اور شیخ ہمیں ملنے کو آئیں۔ مگر یہاں شیخ ابھی تک راضی نہیں ہو رہے اس صورتِ حال سے بڑی بدمزگی ہو گی۔ حضرت شیخ نے ان کی حیرانی دیکھی تو فرمایا کہ آپ لوگ فکر نہ کریں سلطان قطب الدین میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ چنانچہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ میں ایک چبوترے پر قبلہ رو ہو کر بیٹھا ہوں ایک بڑے سینگوں والا بیل میری طرف دوڑتا ہوا آیا وہ مجھے مارنا چاہتا تھا میں اٹھا اور اس کے دونوں سینگ پکڑ لیے اور اس کو زمین پر دے مارا وہ وہیں ہلاک ہو گیا۔ میں یہ خواب دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ قطب الدین بادشاہ میرا کچھ

بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔

چاند کی انتیس[۲۹] تاریخ ہوگئی۔ نماز ظہر کے بعد آپ کا غلام خواجہ اقبال آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا۔ آج مہینے کی آخری رات ہے صبح آپ نے بادشاہ کی ملاقات کو جانا ہے اگر حکم ہو تو سواری کا انتظام کروں۔ آپ نے فرمایا ابھی چپ رہو۔ نماز عصر پڑھ چکے تو خواجہ اقبال پھر حاضر ہوا یاد دلایا مگر آپ خاموش رہے وہ سمجھ گیا۔ کہ آپ بادشاہ کو ملنے نہیں جائیں گے رات ہوئی تو واقعی حضرت شیخ بادشاہ کو ملنے نہ گئے۔ آدھی رات سے کچھ آگے سلطنت کا ایک امیر خسرو خاں جسے بادشاہ نے پالا تھا اور مٹی سے اُٹھا کر بہت بڑا عہدہ دیا تھا۔ اور پچاس ہزار سواروں پر افسر لگایا ہوا تھا اور اپنا مشیر خاص بنایا ہوا تھا۔ اٹھا اور سلطنت پر قبضہ کرنے کے لئے ہزار ستونوں والے محل میں پہنچا اور قاضی محمد غزنوی کو ساتھ لے کر ایک ظاہر بیگ نامی قاتل کے ہاتھوں سلطان قطب الدین کو قتل کرا دیا بلکہ بادشاہ کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی قتل کرا دیئے خود تختِ سلطنت پر بیٹھا چند ماہ حکمرانی کی اور سلطان غیاث الدین تغلق کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

سلطان قطب الدین کے والد علاء الدین خلجی نے بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہٗ کو بھی ایک بار دربار میں طلب کیا تھا۔ مگر اس نے یہ بہانہ بنایا۔ کہ میں نے اپنے بھائی الف خان کی قیادت میں بڑا عظیم الشان لشکر روانہ کیا ہے مگر اب تک اس کی خبر نہیں آئی مجھے بڑا فکر ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ایک اور لشکر روانہ کروں اگر آپ چند لمحوں کے لئے تشریف لے آئیں۔ تو آپ سے مشورہ بھی کروں گا۔ اور دعا بھی حاصل کروں گا۔ آپ کی تشریف آوری میرے لئے باعث صد افتخار ہوگی۔ یہ پیغام سن کر حضرت خواجہ نے چند لمحوں کے لئے مراقبہ فرمایا سر اٹھا کر فرمایا۔ سلطان کو کہہ دیں میرے آنے کی ضرورت نہیں انشاء اللہ کل چاشت کے

وقت آپ کو فتح کی خوشخبری مل جائیگی اور آپ کے بھائی کی خیریت کی خبر بھی مل جائے گی اور چند روز تک الف خان مال غنیمت لے کر آجائے گا۔ بادشاہ اس خبر سے بڑا خوش ہوا۔ نذرانہ پیش کیا۔ خبر پہنچنے پر پانچ سو دینار سرخ بھیجے کیونکہ دوسرے روز ہی فتح کی خبریں آگئیں جس دن الف خان دہلی پہنچا تو علاء الدین خلجی نے حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں مزید پانچ سو سرخ دینار زر بھیجے اس وقت آپ کی خدمت میں ایک قلندر استعیار موجود تھا۔ اس نے دینار دیکھے تو نصف اپنے لئے کھینچ لئے اور کہنے لگا "یا اللہ مشترک" نذرانہ مشترک ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا "تنہا خوشترک" تم اکیلے کو ہی اچھا لگتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے سارا نذرانہ اس کے حوالے کر دیا۔ شمس الدین نامی شہر میں بزازی کا کام کرتا تھا۔ مگر اس کی عادت تھی کہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے متعلق بدگفتی کرتا اور سُست الفاظ کہتا دل میں بھی آپ سے کدورت اور نفرت رکھتا تھا۔ ایک دن موضع افغانان کے سبز باغ میں بیٹھا تھا۔ دوستوں کی مجلس برپا تھی۔ شراب کا دور چل رہا تھا وہ شراب کا ایک پیالہ اٹھا کر پینے لگا۔ تو اسے نظر آیا۔ کہ شیخ نظام الدین سامنے کھڑے ہیں اور انگلی کے اشارے سے فرما رہے ہیں شراب نہ پیو۔ اس نے اسی وقت شراب کا پیالہ پھینکا۔ صراحی توڑ دی اور دوڑا دوڑا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا شمس الدین اللہ تعالیٰ جسے اپنی نگاہِ کرم سے نوازے اسے شیطان نہیں ورغلا سکتا۔ چنانچہ اسے اپنا مرید بنایا اور سعادت ابدی تک پہنچا دیا۔ حضرت خواجہ محبوب الٰہی نظام الدین قدس سرہٗ کے ایک عقیدت مند نے آپ کی دعوت کا اہتمام کیا مجلس سماع بھی منعقد ہوئی۔ اس مجلس کے شرکاء کے لئے صاحب خانہ نے کھانے کا بھی انتظام کیا ہوا تھا۔ مگر مجلس سماع کی وجہ سے کئی ہزار سامعین موقع پر پہنچ گئے مجلس ختم ہوئی تو کھانا صرف پچاس آدمیوں کے لئے پکایا گیا تھا صاحب مجلس بڑا

پریشان ہوا کہ اب اتنے آدمیوں کے کھانے کا کس طرح بندوبست کیا جائے۔ حضرت شیخ اُس کی پریشانی کو نورِ فراست سے پا گئے اور اپنے خادم خاص جس کا نام مبشر تھا کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ جاؤ لوگوں کے ہاتھ دھلاؤ اور دو دو آدمی اکٹھے بٹھاتے جاؤ پھر ہر روٹی کے چار چار حصے کر لو۔ اور ایک طباق میں رکھ کر اس کے اُوپر چادر ڈال دو اور بسم اللہ کہتے ہوئے تقسیم کرتے جاؤ۔ شیخ کے حکم کے مطابق کھانا تقسیم ہونے لگا۔ کئی ہزار شخص کھانا کھا چکے تو ابھی اتنا کھانا باقی تھا کہ صاحبِ مجلس نے پکایا تھا۔

سامانہ قصبے میں ایک عالم اور دانش ور شخص رہتا تھا۔ اتفاقاً اس کے گھر کو آگ لگ گئی۔ اور اس میں بادشاہ کا فرمان اور قبالہ جس میں اُسے جاگیر ملی تھی جل گیا وہ دہلی آیا اور بڑی مشکل سے بادشاہی دیوان سے اُس فرمان کی نقل حاصل کی لیکن جب دربار سے باہر نکلا تو وہ فرمان بھی کہیں گر گیا رو ناد ھونا شروع کر دیا حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کے لئے التجا کی۔ آپ نے مُسکراتے ہوئے فرمایا۔ اگر اب تمہیں شاہی فرمان مل جائے تو حضرت فرید گنج شکر کے روح پاک کے لئے نذر دینا۔ اس دانشور نے یہ بات قبول کر لی۔ حضرت نے فرمایا مولانا کتنی اچھی بات ہو کہ آپ اس وقت بازار جا کر حلوہ خریدیں اور اُسے یہاں لے آئیں۔ وہ اُسی وقت اٹھا حلوائی کی دکان پر پہنچا۔ چند درہم دے کر حلوہ خریدا حلوائی نے حلوہ تول کر ایک کاغذ میں رکھ کر اس دانشور کے حوالے کیا۔ اس دانشور نے خانقاہ کے دروازے پر پہنچ کر غور سے دیکھا تو جس کاغذ پر حلوہ رکھا ہوا تھا وہ دراصل اس کی جاگیر کا شاہی فرمان تھا۔ حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور مرید ہو گیا۔

ایک دن حضرت خواجہ فرید اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے اللہ کی یاد میں

محو تھے اور نہایت شوق و ذوق میں یہ رباعی پڑھ رہے تھے۔

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم !!
خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم و برائے تو زیم

اس وقت مولانا بدرالدین اسحاق حجرے کے دروازے پر بیٹھے ہوئے اور انہیں حکم دے رکھا کہ حجرے کے اندر کوئی بھی شخص آنے نہ پائے۔ اسی اثناء میں حضرت بدرالدین اسحاق کو پیشاب کرنے کی حاجت ہوئی۔ آپ ایک طرف چلے گئے۔ اتفاقاً دروازے پر سلطان المشائخ حضرت نظام الدین آپہنچے دروازے کے سوراخ سے نظر کی۔ دیکھا کہ حضرت شراب عشق خداوندی سے مدہوش ہو کر وجد فرما رہے ہیں اور مذکورہ رباعی پڑھ کر تڑپ رہے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین نے سوچا کہ یہ وقت ایسا ہے کہ حضرت شیخ کی عطا سے محروم نہیں ہونا چاہیئے۔ بہرحال اندر گئے اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے حجرے میں داخل ہو گئے۔ زمین کو چوما حضرت شیخ نظام الدین کو کہا فرمایا مانگو کیا چاہتے ہو۔ آپ نے فرمایا دین بھی اور عقبیٰ بھی پھر خواجہ نظام الدین نے عرض کی میں اللہ چاہتا ہوں فرمایا وہ بھی تمہیں چاہے گا چنانچہ حضرت پیر کی توجہ سے دونوں چیزیں حاصل ہو گئیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین فرماتے ہیں کہ مجھے ساری عمر افسوس رہا کہ میں نے اس وقت کیوں نہ یہ بات کہی کہ مجھے حالتِ سماع میں موت آئے۔

ایک دن سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کے مزار پُر انوار کی زیارت کے لئے گئے۔ واپس آرہے تھے تو آپ کا گزر دریا کے کنارے سے ہوا دیکھا کہ میر حسن علائی سنجری جو اپنے وقت کے بہت بڑے

شاعر تھے اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے شراب پی رہے تھے اُن کی نظریں حضرت شیخ پر پڑیں تو سخت شرمندہ ہوئے اور یہ شعر پڑھا۔

سالہا باید کہ ما ہم صحبتیم
گر ز صحبت ہا اثر بودے کجاست
زہد تو افتد از دل ما گم نکرد!!
فسق ما یاں بہتر از زہد شماست

یہ شعر سننے کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا ہاں صحبت کا اثر ہوتا ہے اس بات نے اُس کے دل پر اتنا اثر کیا کہ ننگے سر دوڑا اور حضرت شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا تمام دوستوں کے ساتھ تائب ہوا اور حضرت کا ارادت مرید بن گیا۔ دنیا اور آخرت کی دولتیں حاصل کیں۔ وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

ای حسن تو بہ آ گہی کردی
چوں ترا طاقتِ گناہ آ ئد

کہتے ہیں کہ توبہ کے وقت آپ کی عمر تہتّر سال تھی۔[1] فوائد الفواد جو حضرت نظام الدین کے ملفوظات پر مشتمل ہے آپ کی ہی تالیف ہے۔ یہ کتاب بڑی مقبول ہوئی۔ خواجہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کاش! حسن فوائد الفواد جیسی مقبول کتاب مجھے مل جاتی تو میں اپنی ساری تصانیف تجھے دے دیتا۔

---

[1] ۔ غالباً حضرت مولف غلام مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہ سے فروگذاشت ہوئی ہے۔ حسن علائی سنجری تہتّر سال کی عمر میں نہیں نوجوانی میں ہی شراب سے تائب ہو کر حضرت خواجہ محبوب الٰہی کی مجالس میں آنے لگے تھے آپ نے حضرت کی پنداں سالہ زندگی کی مجالس کی باتیں (ملفوظات) جمع کر رکھے تھے۔ اور جب اس ذوق کی اطلاع حسن نے حضرت خواجہ کو سنائی (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

طالبانِ حق کی ایک جماعت حضرت خواجہ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوئی یہ ایک شخص نے کسی نہ کسی صبر کا تحفہ کاغذ میں لپیٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ لیکن ان میں سے ایک ایسا شخص بھی تھا جس نے حضرت کی کشف و کرامت کا حساب لینے کے لئے راستے سے مٹی اٹھائی۔ کاغذ میں لپیٹی اور شیخ کی خدمت میں پیش کردی۔ حضرت شیخ نے اپنے ایک خادم کو فرمایا کہ یہ سارے تحفے اٹھا کر اندر لے جاؤ

(بقیہ حاشیہ) تو آپ بہت خوش ہوئے اور کئی مقامات سے اپنی مجالس کی وہ گفتگو کی۔ جسے حسن علائی سنجری نے ترتیب دیا تھا۔ حسن کی زبانی سنی۔ اس کی مقبولیت کی سند اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ آپ نے حسن کو اپنا جبہ مبارک پہنایا۔ غالباً فوائد الفواد کی تدوین ترتیب ۷۰۲ھ کو شروع ہوئی اور اسے ۷۱۷ھ میں مکمل کیا گیا اس طرز نگارش نے مستقبل میں صوفیاء کی مجالس کی روحانی اور دینی باتوں کو محفوظ کرنے کا رواج دیا اور ہم دیکھتے ہیں۔ برصغیر کے اکثر بزرگوں کے ملفوظات جمع ہوتے گئے اور آج یہی ملفوظات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ بادشاہوں کے تاریخ نگار۔ دربار کے تذکرہ نویس اور انعام واکرام کی امید میں سوانح عمریاں لکھنے والے اہل قلم وہ بات نہیں لکھ سکتے جو ان کے ممدوح یا دور کے خلاف باتی ہو۔ مگر ملفوظات وہ بے لاگ اور غیر جانبدار تحریریں ہیں۔ جن کی وساطت سے ہمیں اس وقت کے معاشرتی حالات بادشاہوں کی بدعنوانیاں۔ نظام و نسق کے واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ پھر ان تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ اہل دل کی اصلاح کے لئے جو عمدہ نصائح اور نکات سامنے آتے ہیں وہ اصلاح نفس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ تریاق ثابت ہوئے۔ حضرت خواجہ محبوب الٰہی کی مجالس کی باتیں جسے حسن علائی سنجری نے نہایت ذمہ داری اور عقیدت سے قلمبند کیا تھا۔ آج فوائد الفواد کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ اس کتاب کی مقبولیت پر خواجہ امیر خسرو نے ہدیہ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا جس اپنی کتاب میرے نام منسوب کر دو۔ اور میری زندگی کی ساری تحریریں لے لو (فاروقی)

لیکن مٹی والے لفافے کو آپ نے خود اٹھایا اور خادم کو کہا اس کو یہیں رہنے دو اِس میں ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ اس کرامت کو دیکھ کر تمام حاضرین قدم بوس ہوئے اور مرید ہو گئے۔

حضرت سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین نے شادی نہیں کی۔ اور ساری عمر مجرد رہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ اپنے پیر کی خدمت میں حاضر تھے تو حضرت نے فرمایا کوئی چیز لاؤ کہ کھائیں۔ خواجہ نظام الدین کے پاس کوئی پیسہ نہ تھا بازار گئے اپنی پگڑی گروی رکھی تھوڑا سا لوبیا خریدا۔ اُس میں نمک ڈالا اور اُبال کر حضرت شیخ کی خدمت میں لے آئے۔ حضرت شیخ نے اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر لوبیا کھایا اور فرمایا کیا نمکین پکا ہے۔ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ ہر روز بہتر من نمک تمہارے باورچی خانے میں پکنے والے کھانے میں استعمال ہو۔ یہ بات سنتے ہی حضرت شیخ نظام الدین تعظیم کے لیئے اٹھے حالت یہ تھی کہ آپ کا تہبند پھٹا ہوا تھا۔ حضرت خواجہ فرید کی نگاہ آپ کے پھٹے ہوئے تہبند پر پڑی۔ بڑے پیار اور محبت سے اپنا تہبند گھر سے منگوایا اور فرمایا شیخ نظام الدین اِسے پہن لو۔ شیخ نظام الدین نے خوشی خوشی اُس تہبند کو اپنے تہبند کے اوپر ہی پہننا شروع کیا۔ جلدی میں آپ کے ہاتھ سے تہبند چھوٹ گیا اور آپ مجلس میں پریشان کھڑے رہے حضرت شیخ فرید نے فرمایا اِسے اٹھاؤ۔ اور مضبوط کر کے باندھو۔ عرض کی کس طرح باندھو۔ فرمایا اب قیامت کے دن تک تمہارا تہبند نہیں کھلے گا۔ شیخ نے زمین پر سر رکھ دیا کہ حضورؒ ایسا ہی ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ساری عمر شادی نہ کی اور عورتوں سے دُور رہے۔

ایک دن حضرت خواجہ نظام الدین اپنی خانقاہ میں مجلس سماع میں بیٹھے ہوئے تھے وجد کی حالت تھی۔ ایک صوفی نے آہ بھری اس آہ کی آگ نے

اس کو جلا دیا اور وہ جل کر خاکستر ہو گیا۔ شیخ ہوش میں آئے پوچھا کہ یہ خاکستر کس کی ہے لوگوں نے واقعہ سنایا۔ تو آپ نے پانی طلب کیا اور اپنے دست مبارک سے اس خاکستر پر چھینکا۔ صوفی اُسی وقت زندہ ہو گیا۔ آپ نے اُسے فرمایا جب تک تم پختہ نہ ہو جاؤ ہماری مجلس میں نہ آنا۔ ابھی تم کچے ہو۔

سلطان غیاث الدین تغلق خسرو خاں کے قتل کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھا ایک دفعہ بنگال کی مہم سے واپس آ رہا تھا راستے میں ہی حضرت شیخ کو لکھا کہ ہم جس وقت دہلی پہنچے۔ تو آپ غیاث پور سے کہیں باہر چلے جائیں۔ کیونکہ آپ کے ہونے سے لوگ بہت ہوتے ہیں اور شہر میں بہت بھیڑ ہو جاتی ہے سرکاری افسر اور امراء کے لئے کبھی جگہ نہیں رہتی۔ حضرت شیخ اُس وقت بادشاہ سے ناراض تھے۔ آپ نے خط پڑھا اور فرمایا ہنوز دہلی دُور است (ابھی دہلی دُور ہے)، چنانچہ ایسا ہی ہوا بادشاہ کو دہلی آنا نصیب نہ ہوا تغلق آباد میں اپنے محل کے نیچے بیٹھا تھا محل گر پڑا اور مر گیا۔ یہ مثال آج تک ہماری زبان میں مشہور ہے کہ "ہنوز دہلی دور است"۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی عمر کا نوے سال ہوئی آٹھ دن تک آپ کا پیشاب بند رہا۔ اس بیماری کے آٹھویں روز اپنے خادم خاص اقبال خواجہ کو اپنے پاس بلایا۔ اور فرمایا کہ تمہارے پاس جتنا مال و اسباب ہے یا جسقدر نقدی ہے وہ میرے پاس لے آؤ تاکہ میں غریبوں کو تقسیم کر دوں خواجہ اقبال نے کہا ہر روز جتنے نذرانے اور تحفے آتے ہیں۔ اُسی دن تقسیم کر دیئے جاتے ہیں دوسرے دن کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ ہاں اتنے ہزار من غلہ جو گودام میں اس لئے رکھا ہوا ہے کہ لنگر میں خرچ کیا وہ محفوظ ہے آپ نے فرمایا تمام لے آؤ اور غریبوں میں تقسیم کر دو۔ سارا غلہ تقسیم کر دیا۔ اب آپ نے فرمایا کہ میرا اپنا تھیلا

لے آؤ لایا گیا تو اس میں سے ایک خاص پگڑی۔ کُرتہ۔ مصلّٰی اور خلافت کا خرقہ نکال کر مولانا برہان الدین فقیر کو عطا فرمایا۔ اور حکم دیا کہ اسی وقت دکن کی طرف چلے جاؤ پھر ایک پگڑی اور ایک کُرتہ مولانا شمس الدین یحیٰی کو عطا فرمایا۔ اس طرح اُس تھیلے میں جتنے کپڑے تھے۔ اپنے خلفاء میں تقسیم کر دیئے۔ حتیٰ کہ اُس میں کوئی چیز نہ رہی اس وقت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی مجلس میں موجود تھے انہیں کچھ نہ دیا گیا تمام حاضرین مجلس حیران رہ گئے کہ شیخ نصیر الدین کو کیوں محروم رکھا گیا ہے۔ کچھ وقت گزرا تو حضرت نے شیخ نصیر الدین کو اپنے پاس بلایا اور آپ کو ایک خرقہ ایک مصلّٰی ایک تسبیح اور لکڑی کا ایک پیالہ عطا فرمایا۔ یہ وہ چیزیں تھیں جو آپ کو حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر نے عطا فرمائی تھیں۔ یہ چیزیں شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو دے کر فرمایا۔ آپ دہلی میں رہیں اور لوگوں سے ظلم و ستم برداشت کریں۔ اس کے بعد آپ نے نماز عصر ادا کی ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا کہ آفتاب ولایت کُلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت (ہر ایک جاندار نے موت کا مزہ چکھنا ہے) کے پردے میں چھپ گیا۔ آپ کی رحلت بہت بڑا حادثہ تھا آپ بروز جمعرات اٹھارہ ربیع الاول سات سو پچیس ہجری کو وصل بحق ہوئے۔ اسی تاریخ وفات پر تمام اہل تواریخ کا اتفاق ہے لیکن آپ کی عمر کے متعلق مختلف حضرات نے اختلاف کیا ہے مخبر الواصلین اور شجرۂ چشتیہ کے مصنف نے آپ کی عمر چورانوے ۹۴ سال لکھی ہے تذکرۃ العاشقین اور سیر الاصفیاء نے اکانوے سال بیان کی ہے سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اور سلطان غیاث الدین تغلق کی وفات میں صرف ایک ماہ اور اٹھارہ دن کا فاصلہ ہے۔ غیاث الدین تغلق حضرت سلطان نظام الدین سے ایک مہینہ اور اٹھارہ دن پہلے فوت ہوا تھا۔

اگرچہ حضرت سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے خلفاء کی تعداد حدود شمار سے باہر ہے لیکن ہم یہاں تبرکاً چند حضرات کے اسمائے گرامی لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان تمام خلفائے کرام کے سردار حضرت نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت سراج الدین عثمان۔ شیخ قطب الدین منور (پسر شیخ برہان الدین)، شیخ حسام الدین ملتانی۔ مولانا جمال الدین نصرت خانی مولانا فخر الدین مولانا ابوبکر مندوی۔ مولانا فخر الدین مروزی۔ مولانا علم الدین نیلی۔ شیخ برہان الدین۔ مولانا وجیہہ الدین پائلی۔ مولانا فصیح الدین۔ مولانا شمس الدین یحییٰ۔ مولانا شہاب الدین۔ مولانا شیخ محمد قاضی محی الدین کاشانی۔ خواجہ کریم الدین سمرقندی۔ شیخ جلال الدین اودہی۔ مولانا جمال الدین۔ قاضی شرف الدین۔ مولانا کمال الدین یعقوب۔ مولانا بہاء الدین۔ شیخ مبارک۔ خواجہ معز الدین۔ خواجہ ضیاء الدین برنی۔ شیخ تاج دین دادری۔ مولانا موید الدین انصاری۔ خواجہ شمس الدین خواہرزادہ امیر خسرو۔ نظام الدین شیرازی۔ خواجہ سالار۔ شیخ فخر الدین میرٹھی۔ شیخ علاء الدین اندیتھی۔ شیخ شہاب الدین کنتوری۔ مولانا حجۃ الدین ملتانی۔ شیخ بدر الدین تولہ شیخ رکن الدین چہری۔ شیخ عبد الرحمٰن سارنگپوری۔ حاجی احمد بدایونی۔ شیخ لطیف الدین۔ شیخ نجم الدین محبوب۔ شیخ شمس الدین دہاری۔ خواجہ یوسف بدایونی۔ شیخ سراج الدین حافظ۔ قاضی شاد علی۔ مولانا قوام الدین بکدانہ۔ مولانا برہان الدین ساوری۔ مولانا جمال الدین اودہی۔ شیخ نظام الدین مولیٰ قاضی عبد الکریم قدوائی۔ قاضی قوام الدین قدوری۔ مولانا علی شاہ جاندار۔ خواجہ نفی الدین (خواہرزادہ سلطان المشائخ)، سید کرمانی سید یوسف حسنی۔ حمید شاعر قلندر۔ امیر خسرو دہلوی امیر حسن علائی سنجری۔ قاضی فخر الدین الجبوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

نظام الدین نظام الدین احمد
ولی محبوب حق گو حق بیں
عجب تاریخ تولیدش عیانست
ز محبوب الٰہی سرور دین
۶۳۴ھ

تاریخ وفات

خربد ملک سلطان السلاطین + عدیم المثل
۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

حسن فقر سلطان الولی + شمع دین سلطان الکریم
۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

پیر اہل دین سلطان الکبیر + شہنشاہِ حلال + حبیب چشت
۷۲۵ھ ۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

سردار حق قطب الہدیٰ + مقتدا مسعود + مسکین مقتدا
۷۲۵ھ ۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

شہ سلطان کریم + زندہ دل سرِ الٰہی پیشوا
۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

محبوب الٰہی بحر عرفانی
۷۲۵ھ

خواجہ امیر خسرو شاعر چشتی دہلوی قدس سرہٗ:- آپ سلطان الشعراء برہان الفضلاء کے خطاب سے ملقب تھے۔ اگرچہ وہ بادشاہان وقت کے دربار میں بلند مناصب پہ

رہے۔ مگر ان کے دل میں حضرت خواجہ محبوب الٰہی دہلوی کی محبت کی حکمرانی رہی ہے اور بزرگان دین کے معتقد رہے۔ حضرت شیخ نظام الدین کو بھی آپ جیسا باوفا اور محرم اسرار مطلوب و محبوب نہیں ملا۔ آپ کا اسم گرامی ابوالحسن تھا۔ تخلص خسرو تھا جن دنوں آپ کے والد اور بھائی حضرت خواجہ نظام الدین کے مرید تھے تو آپ کی عمر ابھی آٹھ سال تھی۔ آپ مومن آباد میں پیدا ہوئے۔ جسے پٹیالی بھی کہا جاتا ہے یہ قصبہ دریائے گنگا کے کنارے پر واقعہ ہے۔ آپ کے والد امیر سیف الدین لاچین بڑے خدا پرست اور بے نظیر بزرگ تھے۔ آپ اسّی سال کی عمر میں شہید ہوئے تھے اس وقت خواجہ خسرو کی عمر ابھی نو سال تھی آپ کے نانا عماد الملک نے جو اپنے وقت کے ولی اللہ تھے۔ اور ایک سو تیرہ سال کی عمر میں تھے۔ حضرت امیر خسرو کو اپنی تربیت میں لیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہٗ نے آپ کو ترک اللہ کا خطاب دیا تھا۔ حضرت خواجہ خسرو کے ایک شعر میں اس خطاب کی نشاندہی ملتی ہے۔

برزباں چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت
دست ترک اللہ دیگر ہم با لہش سپار
چون من مسکین ترا دارم ہمینم بس بود
شیخ من بس مہربان و فالقم آمرزگار

حضرت سلطان المشائخ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ اے ترک اللہ میں اپنے آپ سے تو ناراض ہو سکتا ہوں۔ مگر تم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔ حضرت امیر خسرو کے بڑے بھائی کا نام اعز الدین علی تھا۔ وہ بھی حضرت خواجہ محبوب الٰہی کے بے پناہ محبوب دل اور منظور نظر تھے۔ حضرت نے آپ کو دو بار خلعت خلافت سے نوازا تھا۔ خواجہ خسرو شعر کہتے مگر جب تک اپنے بھائی کو دکھا نہ لیتے کسی کے

سامنے نہ لاتے حضرت خواجہ نظام الدین مجلس سماع میں تشریف لاتے سب سے پہلے حضرت امیر خسرو غزل سناتے اور اپنے دائیں پہلو میں امیر خسرو کو بٹھایا کرتے تھے آپ کے بائیں پہلو میں خواجہ مبشر کو بٹھاتے خواجہ مبشر بھی حضرت شیخ کے زر خرید غلام تھے۔ آپ حسن صورت اور حسن لحن میں بے مثال تھے۔ حضرت خواجہ امیر خسرو کو مفتاح السماع کہہ کر پکارتے۔ اور فرمایا کرتے خسرو ظاہری حسن لطافت اور علم موسیقی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ دو ایسے قوال جن کے کلام اور آواز کی خوش الحانی سے اُڑتے پرندے بھی زمین پہ آگرتے حضرت خواجہ محبوب الٰہی کے سامنے بیٹھتے اور کلام سناتے تھے۔

حضرت خواجہ امیر خسرو ہر رات نمازِ تہجد میں قرآن کے سات سپارے پڑھا کرتے تھے۔ نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد حضرت شیخ کی خدمت میں جاتے اور ہر موضوع پر گفتگو کرتے دوسرے احباب بھی بات کرتے تو ان کی باتیں حضرت شیخ اور اہل مجلس سنتے۔ ایک دن امیر خسرو نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی رحلت کے بعد میں اس پُرفتنہ دنیا میں نہ رہوں پھر میری یہ بھی خواہش ہے کہ میری قبر بھی آپ کی قبر کے ساتھ ہو۔ آپ نے فرمایا۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ ایک دفعہ امیر خسرو نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ میں نہیں چاہتا کہ فرشتے میدان حشر میں مجھے خسرو کے نام سے پکاریں کیونکہ اس نام سے تکبر کی بو آتی ہے آپ نے فرمایا قیامت کے دن تمہارا نام محمد قاسم رکھا جائے گا۔ حضرت سلطان المشائخ نے خواجہ خسرو کے حق میں یہ دو شعر پڑھے۔ جو تبرکاً یہاں لکھے جاتے ہیں۔

خسرو کہ بلنظم و نثر مثلش کم خواست

ملک است کہ ملک سخن آن خسرو راست

این خسرو ما است ناصر خسرو نیست
زیرا کہ خدای ناصر خسرو ما است

سفینۃ الاولیاء کے مصنف نے لکھا ہے کہ خواجہ خسرو کے دل میں اتنی عشق کی آگ تھی اور آپ کے سینے میں اتنا سوز تھا کہ آپ جو بھی قمیض پہنتے دل کی جگہ سے ہمیشہ جل جاتی۔ نیا کپڑے پہنتے تو دل کے اوپر سے وہ کپڑا جلا ہوا نظر آتا۔ آپ چالیس سال تک روزے رکھتے رہے اور کئی بار اپنے پیر روشن ضمیر کے ساتھ حج کیا۔

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ نے نانوے[۹۹] کتابیں لکھیں جو نظم و نثر پر مشتمل تھیں۔ آپ کے مشہور شعروں کی تعداد پانچ لاکھ تک جاتی ہے اس تصانیف کے علاوہ آپ کے ہندی اشعار تحریر و تقریر سے باہر ہیں آپ مافی البدیع کہنے پر اتنے قادر تھے کہ آپ کی کتاب مطلع الانوار شیخ نظام الدین گنجوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب مخزن الاسرار کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ یہ کتاب دو ہفتے میں مکمل ہو گئی تھی۔ آپ کو تمام مقام اور شرین کلامی اس آب دھن کی برکت سے حاصل ہوا جو آپ کے پیر و مرشد خواجہ نظام الدین نے نہایت محبت اور عنایت سے آپ کے منہ میں ڈالا۔ آپ کا یہ عاشقانہ شعر تو تقریباً ہر صاحب علم کی زبان پر رواں ہے۔

زلفت زہر دو جانب خونبر عاشقانیست
چیزی نمی توان گفت روی تو درمیانیست

۹۹: اگرچہ فاضل مولف نے آپ کی تصانیف نانوے[۹۹] لکھی ہیں۔ لیکن یہ ساری کتابیں زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ قلمی نسخے شاہی کتب خانوں میں محفوظ ہوئے اور انقلابات زمانہ کے ہاتھوں معدوم ہوتے گئے۔ اہل ذوق نے اپنی بساط کے مطابق انہیں محفوظ کرنے کی ہر چند کوششیں کیں مگر زمانے کی قیامت خیزیاں انسانی حفاظتی دائروں کو توڑ کر اپنا کام کرتی گئیں (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

ایک دن حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں ایک درویش آیا اور آکر سوال کیا کہ مجھے کچھ دیا جائے آپ نے فرمایا آج جو کچھ بھی نذرانہ آئے گا وہ تمہیں دے دیا جائے گا اتفاق ایسا ہوا کہ سارا دن شام تک کچھ نہ آیا۔ آپ نے فرمایا اچھا کل جو بھی نذر و نیاز آئی وہ تمہاری ہوگی۔ دوسرے دن بھی کچھ نہ آیا۔ آخر حضرت شیخ نے اپنے جوتے اٹھائے اور اس درویش کو دے دیئے۔ درویش بھی ان جوتوں کو بڑی عقیدت سے اٹھا کر روانہ ہوا اور دہلی سے باہر نکل کر اپنے وطن کو چل پڑا۔ راستے میں امیر خسرو سے ملاقات ہوئی جو بادشاہ کے لشکر کے ساتھ آرہے تھے امیر خسرو نے اس درویش سے پوچھا کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین کی کوئی خبر ہے اُس نے بتایا کہ وہ خیر و عافیت سے ہیں۔ امیر خسرو نے کہا مجھے تم سے اپنے پیر کی خوشبو آتی ہے کیا ان کی کوئی شاہ تمہارے پاس ہے درویش نے بتایا ہاں ان کا جوتا مبارک جو انہوں نے مجھے دیا تھا میرے پاس ہے۔ فرمایا اِس کو بیچو گے۔ درویش کہنے لگا! ہاں۔ امیر خسرو کے پاس اس وقت پانچ لاکھ روپیہ تھا سارا روپیہ درویش کو دے دیا اور حضرت شیخ کے جوتے خرید کر اپنے سر پر رکھ کر خواجہ محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا خسرو تم نے پانچ لاکھ روپیہ دے کر جوتوں کا سودا سستا کر لیا ہے۔ امیر خسرو نے عرض کی حضور درویش اتنے پر ہی راضی ہو گیا تھا۔ ورنہ میں تو اُسے اور بھی دینے کو تیار تھا۔

(بقیہ حاشیہ) پچھلے سو سال میں آپ کی بچی کچھی تصانیف میں سے کچھ کتابیں مطبع نولکشور نے طبع کر کے زندہ کر دیں مگر پھر بھی علمی دامن ان شاندار کتابوں سے خالی رہے۔ پاکستان میں پیکجز انڈسٹریز لیمیٹڈ لاہور کے اشاعتی شعبے نے کلیاتِ امیر خسرو کی کئی جلدیں خوبصورت انداز میں شائع کی ہیں جس سے امیر خسرو کے پانچ لاکھ اشعار میں سے کچھ حصہ محفوظ ہو گیا۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ جس دن حضرت سلطان المشائخ حضرت خواجہ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو خواجہ خسرو دہلی میں نہ تھے وہ بادشاہ کے ساتھ بنگال گئے ہوئے تھے، یہ وحشت ناک خبر سن کر دہلی پہنچے چہرہ گرد آلود تھا۔ آتے ہی قبر پر گر گئے قبر کی مٹی اپنے چہرے پر ملی۔ سیاہ لباس پہن لیا اور چھ ماہ تک مزار پر ہی رہے۔ چھ مہینے گزرنے کے بعد بروز بدھ اٹھارہ ماہ شوال سات سو پچیس ہجری ۷۲۵ھ اس بیان پُر ملال سے رخصت ہو گئے۔ آپ کو حضرت شیخ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔[1]

خواجہ خسرو امیر دو جہاں ۔ یافت مثل گل چو در جنت مقام
رحلت او اشرف الاقطاب خواں ۔ نیز فرما بلبل شیریں کلام

۷۲۵ھ

عندلیب دل ۷۲۵ھ زیبا طوطیٔ گویندہ ہندوستان ۷۲۵ھ

مولانا مؤید الدین قدس سرہٗ:- آپ سلطان المشائخ کے خلیفہ اعظم تھے ابتدائی عمر دنیاداری میں گزری بڑے صاحب منصب اور جاہ و جلال کے مالک تھے۔ سلطان علاء الدین کے دورِ حکومت

---

[1] :- صاحب مخزن الواصلین نے آپ کی تاریخ وفات خسرو دہلوی ہشتی ۷۲۵ھ

چشتی بود ۷۲۵ھ افصح الشعراء ۷۲۵ھ بہشتی امدا ۷۲۵ھ

شکر مثال طوطیٔ ہند بھی لکھی ہیں ۷۲۵ھ

میں بڑے اہم معرکے سر کئے۔ اور بڑی بڑی شاندار خدمات بجالائے۔ لیکن جس دن حضرت سلطان المشائخ کے مرید ہوئے تو دنیا سے دست بردار ہو گئے سلطان علاؤالدین بادشاہی تخت پر جلوہ فرما ہوئے تو آپ نے خواجہ معین الدین کو یاد کیا اور حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ موید الدین کو اجازت دیں کہ وہ دربار میں آئیں کیونکہ اُن کے بغیر میرا کام نہیں چلتا۔ حضرت شیخ نے جواب میں کہا کہ انہوں نے اور کام بھی کرنے ہیں۔ اب ان کاموں کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ بادشاہ نے یہ جواب سُنا تو بہت ناراض ہوا۔ اور کہلا بھیجا کہ آپ تمام لوگوں کو اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا اپنے جیسا نہیں بلکہ اپنے سے کہیں بہتر دیکھنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے یہ بات سُنی تو خاموش ہو گیا۔

مولانا موید الدین سات سو چھبیس ہجری میں فوت ہوئے۔

چون موید رفت از دنیائے دون
سال وصل آنشہ عالی لقا
عاشق صادق موید کن رقم
نیز فرما پیر مہدی مجتبےٰ

شیخ وجیہ الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ

آپ خواجہ نظام الدین کے عظیم خلفاء میں سے تھے حضرت سلطان المشائخ آپ پر بڑی رحمت و شفقت فرماتے۔ کہتے ہیں کہ جب آپ اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے تو پاؤں کی آواز بھی نہ ہونے دیتے۔ یوں معلوم ہوتا کہ آپ سر کے بل حاضرِ خدمت ہو رہے ہیں۔ کئی دفعہ لوگوں نے آپ کو ہاتھوں کے بل جاتے ہوئے دیکھا۔ حضرت شیخ نے آپ کو دعا دی۔ آپ ہوا میں اُڑ سکتے تھے۔ پھر حاضر ہوتے وقت ہوا سے اُڑ کر آتے حضرت شیخ نے آپ کی تربیت

ئی تو آپ مخلوق کی ہدایت میں مصروف ہو گئے اور چندیری کے علاقے میں قیام فرمایا۔ اور وہاں ہی سات سو انتیس ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار چندیری میں ہے۔

شد ز دنیا چو در بہشت بریں
شیخ مسعود یوسف ثانے
یوسف عاقبت بجو سالش
ہم نجوان بود یوسف ثانی

خواجہ محمد امام قدس سرہٗ:- آپ چشتی بزرگان برصغیر میں سے تھے۔ حضرت خواجہ شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خواہرزادے تھے۔ آپ کے والد گرامی کا نام شیخ بدرالدین اسحاق بخاری رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ اگرچہ آپ اپنے والد سے بھی بیعت تھے۔ مگر آپ کو حضرت شیخ المشائخ سے بڑا فیض ملا تھا۔ آپ نے حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی کے ملفوظات پر ایک کتاب انوار المجالس لکھی جو بہت مشہور ہوئی۔ آپ کو علوم ظاہری و باطنی کے ساتھ ساتھ علوم موسیقی میں بھی کامل مہارت تھی۔ آپ کا وصال ۷۳۴ھ کو ہوا۔

رفت چوں از جہاں بخلد بریں
شیخ اسعد امام عارف دہر
رحلتش معتبر حبیب نجواں
ہم محمد امام عارف دہر

۷۳۴ھ

شیخ حسام الدین ملتانی قدس سرہٗ:- آپ سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی کے خلفائے باوقار میں سے

تھے۔ زہد و تقویٰ۔ اور ریاضت میں اپنے احباب میں ممتاز تھے۔ حضرت شیخ سلطان المشائخ فرمایا کرتے تھے۔ کہ دہلی شہر شیخ حسام الدین کے ظلِ حمایت میں ہے۔

آپ ایک دن کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں مشغول بحق ہونے کی وجہ سے اتنی محویت طاری تھی کہ آپ کے کندھے پر سے مصلّٰی گر پڑا۔ کسی شخص نے دیکھا تو چلّا کر آواز دی۔ یا شیخ۔ یا شیخ۔ مگر شیخ کو قطعاً کوئی خبر نہ ہوئی۔ آخر کار مصلّٰی اُٹھا کر آپ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ میں نے کئی بار یا شیخ یا شیخ کہا۔ مگر آپ نے کچھ نہ سنا۔ اور مصلّٰی نہ اٹھایا۔ آپ نے مُسکرا کر فرمایا۔ بھلے آدمی۔ "میں دراصل شیخ نہیں ہوں۔ ایک فقیر بے نوا ہوں۔ اگر اس نام سے آواز دیتے تو میں سُن لیتا۔!

ایک بار آپ حضرت پیر روشن ضمیر کی اجازت سے حج بیت اللہ کو گئے حج کی سعادت اور گنبد خضریٰ کی زیارت سے واپس آئے تو شیخ نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص حج کو جاتا ہے۔ تو اسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی علیٰحدہ نیت کرنا چاہیئے اس سے حضور کے روضہ کی زیارت کے ساتھ ساتھ حضور کی خصوصی توجہ ہو جاتی ہے حج کے دوران بھی اگرچہ روضہ اطہر کی حاضری ہو جاتی ہے۔ مگر حضور کی شرف زیارت کے فوائد سے محرومی رہتی ہے۔ شیخ حسام الدین نے یہ بات سنی تو اسی وقت دوبارہ حضور نبی کریم صاحبِ کوثر و تسنیم کے روضے کی زیارت کی نیت کی اور روانہ ہوئے اور بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔

معارج الولایت کے مولف نے آپ کی وفات ۷۳۵ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار پُر انوار موضع پٹن گجرات (کاٹھیہ واڑ) ہے۔ جن دنوں سلطان محمد تغلق نے دہلی کو چھوڑ کر دیوگری کو آباد کیا اور دہلی کے تمام لوگوں کو اس شہر میں رہنے کی سہولتیں دین تو شیخ حسام الدین بھی دہلی سے گجرات چلے آئے تھے۔ اور وہاں ہی قیام پذیر ہوئے۔

چوں حسام الدین ملتانی ولی
رفت مثل گل بگلزار جہاں
رحلتش اشرف ولی حق بگو

۷۳۵ھ

ہم حسام الدین ملتانی نجواں

۷۳۵ھ

خواجہ فخر الدین روزی قدس سرہٗ: آپ سلطان الاولیاء کے مصاحبان خاص میں سے تھے بڑے متقی اور پرہیزگار تھے قرآن پاک کی کتابت کرتے عام لوگوں سے علیحدہ رہتے اور رجال الغیب آپ کی مجالس میں آیا کرتے تھے۔

ایک دن آپ نے حضرت محبوب الٰہی دہلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کی کہ ایک دن مجھے سخت پیاس لگی مجھے غائب سے ایک کوزہ آتا نظر آیا۔ میں نے اسے توڑ ڈالا۔ اور سارا پانی زمین پر گر گیا۔ اور کہا میں کرامت سے درآمد شدہ پانی نہیں پیوں گا۔ حضرت شیخ نے سن کر فرمایا۔ پی لینا چاہیئے تھا۔ یہ غیب سے تھا۔ بے عیب تھا۔ میں نے بھی ایک بار کنگھی کرنا چاہی۔ مگر میرے پاس اپنی کنگھی نہ تھی۔ دیوار پھٹی۔ ایک شخص ظاہر ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کنگھی تھی پکڑ کر میں نے کنگھی کر لی۔ ایک بار میں وضو کر رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ داڑھی کو کنگھی کروں میری کنگھی خانقاہ کے اندر طاق میں پڑی ہوئی تھی۔ وہ کنگھی اپنے طور پر اڑتی اڑتی میرے ہاتھ میں آپہنچی۔ میں نے پکڑی اور کنگھی کر لی۔

شیخ فخر الدین ہر روز قرآن پاک کی جزو (سپارے) کی کتابت کرتے۔ اور لوگوں کو دے کر اجرت لیتے۔ لوگ خوشی سے آپ کو چھ آنے دے دیا کرتے تھے مگر آپ

صرف چار آنے لیتے۔ اور اپنے اخراجات کی کفالت کرتے۔ جب آپ بوڑھے ہو گئے نظر کمزور ہو گئی۔ کتابت کرنے سے معذور ہو گئے۔ ملک التجار حمید الدین نے سلطان علاء الدین خلجی سے سفارش کی۔ بادشاہ نے روزانہ ایک روپیہ مال غنیمت سے وظیفہ مقرر کر دیا۔ مگر آپ نے قبول نہ کیا اور کہا مجھے تو صرف چار آنے ہی چاہیئے اور یہی میں قرآن کریم کی کتابت سے حاصل کیا کرتا تھا۔ بادشاہ نے بڑا اصرار کیا مگر آپ نے بڑی مشکل سے بارہ آنہ یومیہ قبول کیا۔

یہ جامع الکمالات شخصیت ۷۳۶ھ کو سلطان محمد عادل تغلق بن غیاث الدین کے عہد حکومت میں فوت ہوئی۔

فخر روزی چوں شد سنجلد بریں
وصل شد با وصال رحمانی
سال وصلش بگو خلیل اللہ
۷۳۶ھ
ہم بران شاہ زیب عرفانی
۷۳۶ھ

آپ حضرت نظام الدین اولیاء

میر حسن علائی سنجری قدس سرہٗ:- قدس سرہٗ کے خلیفہ حاضر تھے اپنے عہد کے علماء و فضلا اور شعراء میں مقتدر اور ممتاز مانے جاتے تھے معاشرے میں بڑی عزت اور قدر سے دیکھے جاتے تھے آپ کو سلطان المشائخ کے مریدوں میں خاص مقام حاصل تھا۔ آپ نے غیاث الدین اور خان شہید کے حق میں بڑے زوردار مرصع قصائد لکھے۔ اور اپنے ان قصائد کی وجہ سے شعراء وقت سے سبقت حاصل کی۔ اللہ نے ہدایت کی تو تہتر سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین کی مجلس میں حاضری دینے لگے۔ مرید ہوئے اور بہت تھوڑے وقت

بیں مقامات عالیہ پر جا پہنچے۔ حضرت شیخ سلطان المشائخ کے ملفوظات پر فوائد الفوائد جیسی مشہور زمانہ کتاب آپ نے ہی ترتیب دی تھی۔ یہ کتاب حضرت کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپ نے اسے بے حد پسند فرمایا۔

آپ کا مولد اور منشا دہلی شہر تھا آخری عمر میں بادشاہ کے حکم سے دہلی چھوڑ کر دیوگری چلے گئے اور وہاں ہی ۷۳۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار وہاں ہی ہے۔

چوں حسن از دار فانی رفت پست
از حسن شد حسن در جنت مرید
سید میر حسن مرحوم حسان
وصل او میر حسن سید فرید
۷۳۶ھ

مولانا ضیاء الدین برنی قدس سرہٗ: آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص تھے آپ پر حضرت شیخ کی خصوصی نظر عنایت تھی۔ آپ اکثر اوقات شیخ کی مجالس میں خوش گفتاری سے کام لیتے۔ جس سے حضرت شیخ کو بڑی مسرت ہوتی۔ خواجہ امیر خسرو اور شیخ میر حسن علائی بھی آپ کے شریک مجلس ہوتے۔ یہ تینوں دوست یکجا زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ نے فیروز شاہی جیسی مشہور کتاب لکھی تھی یہ کتاب سلطان جلال الدین فیروز شاہ ترک خلجی کے حکم سے ترتیب دی گئی۔ مولانا برنی نے اپنے حسرت نامہ میں لکھا ہے کہ ایک بار میں حضرت محبوب الٰہی دہلوی کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ پہلے بزرگ مرید بنانے میں بڑی احتیاط سے کام لیا کرتے تھے مگر ہمارے پیر و مرشد پر کہتر و مہتر کو مرید بنائے جاتے ہیں۔ میرا دل چاہتا تھا۔ کہ میں سوال کر کے حضرت شیخ سے وضاحت لوں۔ ابھی یہ سوال میری زبان پر نہیں آیا تھا

کہ حضرت نے نورِ باطن سے خود ہی میرے خیالات کو بھانپ لیا۔ اور فرمانے لگے۔
اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اپنی حکمت و قدرت سے بعض خصوصیات کو رواج دیتا ہے اور ایک خاص خاصیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر زمانے کے لوگوں کی طبیعتیں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ دراصل مرید ہونا غیر اللہ سے انقطاع کا ایک ذریعہ ہے۔ پہلے زمانے کے بزرگوں کا یہ طریقہ تھا کہ جب تک ان سے بیعت ہونے والا شخص غیر اللہ سے قطع تعلق نہ کر لیتا تھا۔ اسے مرید نہیں بناتے تھے مگر حضرت خواجہ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے لے کر حضرت سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک پھر حضرت خواجہ شہاب الدین عمر سہروردی سے لے کر حضرت فرید الدین گنج شکر قدس سرہما کے زمانہ تک یہ طریقہ تھا۔ کہ ان روحانی بادشاہوں کے دروازوں اور خانقاہوں پر بے پناہ مخلوق جمع ہوا کرتی تھی۔ یہ لوگ آخرت کے خوف سے ان بزرگانِ دین کی پناہ میں خود بخود چلے آتے تھے۔ یہ بزرگ بھی ان لوگوں کے خوف زدہ دلوں کو اپنی پناہ میں لاتے تھے۔ میں بھی اپنے پیروں کی پیروی میں ایسے لوگوں کو مرید بنا لیتا ہوں جو کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کی تلاش میں قدم اٹھاتے ہیں میری یہ بے احتیاطی دراصل اپنے پیروں کی سنت کا اتباع ہے میرا خیال ہے۔ کہ اس بے احتیاطی میں کچھ فائدے بھی ہیں۔ پہلے تو یہ بات ہے کہ میرے حلقۂ ارادت میں آنے والے اکثر لوگ بعض گناہوں سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ نماز باجماعت ادا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور ادو نوافل میں مشغول ہوتے ہیں۔ اگر میں انہیں ابتدائے کار میں ہی راہِ سلوک کی مشکلات کا تذکرہ شروع کر دوں تو یہ عام لوگ ان نیکیوں سے بھی محروم رہ جائیں۔ دوسرے میں کسی وسیلے۔ شفیع یا درمیانی شخصیت کے بغیر براہ راست مرید بنانے کے لئے دروازے کھلے رکھتا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان عجز و انکسار سے آگے بڑھتے ہیں۔ اور اقرار کرتے ہیں کہ ہم نے

تمام گناہوں سے توبہ کرلی ہے میں یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید ان کی یہ بات درست ہے مرید بنالیتا ہوں۔ ان میں سے اکثر سچے ہوتے ہیں بعض سے کوتاہیاں بھی سرزد ہوتی ہیں اس طریق کار سے اکثریت گناہوں سے بچ جاتی ہے۔ تیسری وجہ تمام وجوہات سے اہم ہے۔ ایک دن میرے پیرو مرشد حضرت فرید الحق والدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے میرے سامنے قلم دوات رکھ کر ارشاد فرمایا کہ تعویذ لکھو اور ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کو دیتے جاؤ میں یہ کام کرتے کرتے تنگ آ گیا۔ حضرت نے میرے چہرے پر اس ملال کے آثار دیکھے۔ تو فرمایا۔ نظام الدین! تم اب ہی تھک گئے ہو۔ ایک وقت آئے گا کہ تمہاری خانقاہ کے دروازے پر ہزاروں حاجت مند جمع ہوں گے پھر کیا کرو گے؟ میں حضرت شیخ کے پاؤں پر گر گیا۔ رونا شروع کر دیا۔ اور عرض کی۔ مخدوم مجھے بزرگ بنا رہے ہیں مجھے خلافت سے سرفراز فرمایا جا رہا ہے۔ اور میں اللہ کی مخلوق سے دُور بھاگ رہا ہوں۔ خلافت تو بڑا سخت اور محنت طلب کام ہے اور میں آج ہی انکار کر رہا ہوں۔ میں نے برملا کہا۔ حضور! یہ بہت مشکل کام ہے مجھے اتنی عظیم ذمہ داری کی طاقت نہیں ہے۔ حضرت خواجہ فرید میری اس بات سے ایک خاص قسم کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ میرے نزدیک آؤ۔ فرمایا۔ نظام الدین۔ کل میدان حشر میں اللہ سے مجھے عزت ملنی ہے۔ اور اللہ مجھے بڑی آبرو دے گا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ کہ میں اس وقت تک جنت میں قدم نہ رکھوں گا۔ جب تک تمہیں یا تمہارے مریدوں کو جنت میں نہ پہنچا دوں۔ میں اکثر لوگوں کو اسی بشارت پر مرید بناتا جاتا ہوں کہ کوئی شخص محروم نہ رہنے پائے۔ میں جانتا ہوں کہ لوگ اکثر گناہگار ہیں۔ انہیں نیکی کی توفیق بہت کم ملتی ہے۔ لیکن اگر میرے پیرو مرشد کے وسیلہ اور وعدہ کے مطابق اگر یہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں تو اس میں مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی قدس سرہٗ ۷۳۸ھ میں فوت ہوئے کہتے ہیں۔ کہ آپ کے جنازے پر چادر کی بجائے وہ بوریا بچھایا گیا جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے۔ آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین کے مزار کے پاس اپنے والد مکرم کے قدموں میں دفنایا گیا۔

چوں ضیاء الدین برنی شیخ دیں
رفت زیں دنیا بجنت یافت جا
وصل او مخدوم امجد کن رقم
نیر فرما پیر برنی پار شا

۷۳۸ھ

شیخ برہان الدین غریب قدس سرہٗ: آپ حضرت خواجہ محبوب الٰہی کے خلیفہ خاص تھے۔ وقت کے کاملین مشائخ میں مانے جاتے تھے ذوق شوق عشق و مستی میں معروف۔ وجد و سماع کے دلدادہ تھے آپ کا شمار علماء عصر میں ہوتا تھا۔ امیر خسرو امیر حسن علائی سنجری وغیرہ دانشوروں کی صف میں بیٹھتے تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہٗ اکثر آپ کے گھر تشریف لاتے۔ آپ حضرت خواجہ نظام الدین کے اتنے معتقد اور ارادت مند تھے۔ آپ کے ادب کا یہ عالم تھا۔ کہ ساری عمر غیاث پور کی طرف پشت بھی نہیں کی۔ آپ کو حضرت سلطان المشائخ نے دو بار خرقۂ خلافت سے نوازا پہلی بار جب خلافت ملی تو حضرت امیر خسرو اور میر علائی سنجری مجلس میں موجود تھے ان سب حضرات نے حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں سفارش کی کہ برہان الدین آپ کے قدیم خادم ہیں۔ انہیں خرقۂ خلافت ملنا چاہیئے۔ خواجہ اقبال جو حضرت خواجہ نظام الدین کے خادم خاص اور محرم مجالس تھے وہ اس معاملہ میں پیش پیش تھے۔ وہ پیراہن اور کلاہ لائے اور حضرت شیخ کو استدعا کی شیخ برہان الدین کو پہنایا جائے۔ خود

پہناتے وقت اعلان فرمادیا۔ مولانا آج سے آپ بھی خلیفہ ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین خاموش رہے۔ یہ خاموشی آپ کی اجازت اور رضامندی کی علامت تھی۔ پھر ایک وقت آیا۔ جب شیخ علی زینی اور ملک نصرت جو سلطان علاء الدین کے رشتہ دار تھے۔ اور حضرت خواجہ نظام الدین کے ارادت مند تھے آئے اور حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ مولانا برہان الدین غریب پیرزمن ہو گئے ہیں۔ مگر ابھی تک اپنے گھر میں بوریا نشین ہیں اور جو کلیم بردوش رہتے ہیں۔ مگر مخلوق خدا ان کے دروازے پر ہجوم کرتی ہے۔ اور سجادہ نشین کی شہرت دُور دُور تک پہنچ چکی ہے اور آپ کی طرح ہی مرید بنا رہے ہیں۔ کیا یہ سب آپ کی اجازت سے ہو رہا ہے؟ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی کو ان کی اس بات سے غصہ آگیا۔ جب مولانا رات کو حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے ان سے بات نہ کی۔ ایک خادم نے مولانا برہان الدین کو کہا۔ کہ آپ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ آپ کو یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے آپ اٹھے۔ حیران و پریشان وہاں سے چل پڑے اور گھر جا کر صف ماتم بچھا دی۔ شہر کے لوگ آتے۔ تو آپ سے اظہار تعزیت کرتے امیر خسرو نے آپ کی یہ حالت دیکھی۔ تو حضرت خواجہ دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس حالت میں کھڑے ہوئے کہ گلے میں پٹکا ڈال رکھا ہے۔ حضرت خواجہ نے پوچھا! اے ترک اللہ! کیا معاملہ ہے۔ عرض کی حضور میں مولانا برہان الدین غریب کے گناہوں کی معافی کا خواستگار ہوں۔ شیخ نے مُسکرا کر فرمایا۔ معاف کر دیا گیا۔ انہیں لے آؤ مولانا برہان الدین اور خواجہ امیر خسرو دونوں گلے میں پگڑیاں ڈالے حاضر خدمت ہوئے۔ قدم بوسی کی۔ حضرت خواجہ نے مولانا برہان الدین کو از سر نو مرید کیا۔ نیا خرقۂ خلافت دیا اور ایک علاقہ پر قطب مقرر کیا۔ جہاں آپ کو بڑی شہرت ملی۔

معارج الولایت کے مولف نے لکھا ہے کہ جب مولانا برہان الدین دہلی

سے دیوگری پہنچے۔ تو آپ وہاں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ انہی دنوں شیخ زین الدین داود شیرازی نے آپ کی کرامت کی شہرت سُنی۔ شیراز سے از روئے کرامت اڑکر دیوگری پہنچے۔ لوگوں سے سنا۔ شیخ برہان الدین تو اکثر اوقات سماع میں مشغول رہتے ہیں۔ اور لوگ آپ کو سجدہ بھی کرتے ہیں۔ تو داود شیرازی کو بڑی مایوسی ہوئی۔ شیخ برہان الدین نے نور بصیرت سے معلوم کر لیا کہ ان کے دل میں ایسے خطرات موجود ہیں۔ ایک خادم کے ہاتھ کہلا بھیجا۔ کہ ایک بزرگ کے لئے اتنا لمبا سفر کر کے آنا۔ اور پھر ایک بات سن کر مایوس ہو کر لوٹ جانا عقلمندی نہیں۔ اگر یہ شیطانی وسوسہ ہے یا غلط فہمی ہے تو ہمارے پاس آکر بیان کریں انشاء اللہ شکوک رفع ہو جائیں گے۔ شیخ زین الدین اسی وقت مجلس میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت برہان الدین مجلس سماع میں وجد میں تھے۔ شیخ زین الدین بھی مجلس سماع میں بیٹھے اور رقت و وجد میں آگئے۔ دل صاف ہو گیا اور تمام خیالات محو ہو گئے۔ مجلس برخاست ہوئی تو آپ مرید بن گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں کمال حاصل کیا۔

شیخ زین الدین شیرازی۔ شیخ فرید الدین شیخ کمال الدین کاشانی۔ شیخ رکن الدین حجام کاشانی۔ حضرت شیخ برہان الدین کے خلفاء میں سے تھے۔ شیخ زین الدین کا حسین نامی بزرگ مرید تھا۔ آپ کے ملفوظات اسی نے ہی مرتب کئے تھے جس کا نام ہدایت القلوب تھا۔

شجرہ چشتیہ کے مصنف نے شیخ برہان الدین غریب کی وفات سات سو اکتالیس ۷۴۱ھ ہجری لکھی ہے۔ آپکا مزار پر انوار دیوگیر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ہندوستان کا ایک بہت بڑا شہر برہان پور آپ کے نام سے آباد کیا گیا۔ اس شہر کو آباد کرنے کے لئے شیخ صلاح الدین درویش اور شیخ رمضان جو آپ کے خلفاء تھے نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔

چو شُد برہان دین از دار فانی
خرد سال وصال او تشہیر
یکی فرمود عاشق منبع حق
دگر اہل صفا برہان دین پیر

شیخ حسام الدّین سوختہ رحمۃ اللہ علیہ: آپ شیخ فخر الدین بن خواجہ معین الدین حسن سنجری کے بیٹے تھے۔ آتشِ محبت میں سوختہ اور تیرِ عشق کے گھائل تھے۔ آپ شیخ نظام الدین دہلی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں اکثر حاضری دیتے۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کا نام اپنے بھائی کے نام پر رکھا تھا۔ جو زندہ ہی غائب ہو کر ابدال کی صحبت میں چلا گیا تھا۔ آپ کا سالِ وفات سات سو اکتالیس ہجری ہے اور آپ کا مزار قصبہ سانبھر میں ہے جو اجمیر سے مغرب کی جانب ہے آپ کی عمر سو سال سے بھی زیادہ ہوئی۔

چون حسام الدین زدنیا رخت بست
سال وصل آن ولی متقی
عاشق اللہ صدیق آمدہ است
ہم حسام الدین سید جنتی

شیخ عزیز الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ: آپ حضرت سلطان المشائخ کے مرید تھے آپ کی والدہ ماجدہ حضرت گنج شکر کی بیٹی تھیں۔ آپ کو حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی سے بڑا فیض ملا۔ آپ نے ایک کتاب تحفۃ الابرار لکھی جو حضرت شیخ نظام الدین کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ آپ ظاہری علوم میں قاضی معین الدین کاشانی کے شاگرد تھے۔ تحفۃ الابرار میں لکھتے ہیں کہ جن دنوں میں حضرت شیخ نظام الدین کی خدمت میں

حاضر ہوا میں نے دیکھا تو ایک بزرگ اکیلے بیٹھے ہوئے ہیں منہ قبلے کی طرف اور آنکھیں آسمان کی طرف۔ وہ جمال حق میں مستغرق ہیں۔ میں انہیں دیکھ کر ایک لمحہ حیران رہ گیا۔ دیکھا کہ شیخ تڑپے اور مچھلیوں کی طرح پھڑ پھڑانے لگے۔ عالم صحو میں آئے تو اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر فرمایا تم کون ہو میں نے کہا میرا نام عزیز ہے فرمایا انشاء اللہ عزیز ہو گئے۔ آپ کی وفات سات سو اکتالیس ہجری میں بیان کی گئی ہے۔

رفت چون از جہاں بخلد بریں
شیخ اہل یقین عزیز الدین
رحلتش آفتاب انور گو
نیز خواں فتح دین عزیز الدین

شیخ شمس الدین یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ:- آپ بہت بڑے عالم دین اور ولی اللہ تھے خواجہ نظام الدین دہلوی کے خلیفہ تھے۔ اور آپ کے بہترین احباب اور اصحاب میں سے شمار ہوتے تھے۔ ہندوستان کے اکثر علماء آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کے شاگرد آپ پر فخر کرتے تھے آپ کا اصلی وطن اودھ تھا علم حاصل کرنے کے لئے دہلی آئے اور اس قدر علوم دینی میں کمال حاصل کیا کہ اُس وقت کے علماء میں سے فقہ حدیث اور تفسیر میں کوئی بھی مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ آپ نے خواجہ نظام الدین کی کرامات کی شہرت سُنی تو شیخ صدر الدین کی وساطت سے حاضر ہوئے اور مرید ہو گئے تھوڑے ہی عرصے میں باطنی کمالات حاصل کر لئے۔ ساری عمر تجرید اور تفرید میں گزار دی ساری عمر شادی نہیں کی۔ خلافت حاصل کرنے کے باوجود کسی کو اپنا مرید نہیں بنایا۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے یہ شعر آپ کے اوصاف میں لکھا تھا۔

سادلتُ العلم من حیاک حقا
فقال العلم شمس الدین یحیٰی

آپ کی وفات سات سو ستتالیس ہجری میں لکھی گئی ہے۔

شمس دین ماہ اوج برج کمال
شد ز دنیا چو در بہشت برین!
رحلتش عابد سخی آمد!
ہم نجوال ماہ بدر شمس الدین

خواجہ مالک زادہ احمد رحمۃ اللہ علیہ آپ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے معتقد تھے۔ عشق و محبت کی وجہ سے فنافی الشیخ ہو گئے۔ معارج الولایت کے مصنف نے جوامع الکلم سے نکل کیا ہے کہ وہ ایسے بزرگ تھے۔ جنہوں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے ظاہری بیعت نہیں کی۔ لوگوں نے پوچھا۔ آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا فرمایا مجھے یہ طاقت نہیں ہے کہ میں شیخ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھوں۔ آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا تو آپ اسے دیکھتے رہتے۔ اور کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے۔ کہتے جب تک میں اپنے پیر کی زیارت نہ کر لوں۔ میرے لئے کھانا حرام ہے۔ اُٹھ کر اپنے پیر کی طرف جاتے زیارت کرتے پھر کچھ کھاتے پیتے۔ زندگی کے آخری حصے میں خشکی کی وجہ سے بیمار ہو گئے ناک سے خون بہنے لگا اور وہ گلے میں ٹپکنے لگا۔ اگر کوئی خون کا قطرہ زمین پر گرتا تو آپ کے پیر کا نام لکھا جاتا۔ دوستوں کو پتہ چلا تو یہ واقعہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے سامنے بیان کیا گیا کہ بچارہ احمد آپ کے عشق میں جل گیا ہے۔ خدارا اس کی خبر لیں۔ حضرت شیخ اٹھے۔ آپ کے سرہانے پہنچے اور دیکھ کر فرمایا ہائے افسوس احمد کا کام تمام ہو گیا۔ مجھے تم لوگوں نے پہلے کیوں نہ بتایا۔ شیخ احمد نے آپ کے چہرے

پر نگاہ ڈالی اور جان اللہ کے حوالے کر دی۔ آپ کی وفات سات سو سنتالیس ہجری میں ہوئی۔

شیخ احمد عاشق دلسوختہ
گشت چون در خلد اعلیٰ جائگیر
بہر سال ارتحال آنجناب
شد ندا از دل کہ احمد دستگیر

شیخ دانیال قدس سرہٗ المتعال آپ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے خلیفہ خاص تھے۔ آپ کا لقب مولانا عود تھا چند واسطوں سے حضرت عباس بن علی کرم اللہ وجہہ سے سلسلہ نسبت ملتا تھا۔ شیخ دانیال بن میر بدر الدین بن فضل بن حسن بن عبد اللہ بن عباس بن علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ آپ کے آباو اجداد کو اللہ تعالیٰ نے بڑی لمبی عمریں دی تھیں۔ آپ کے والد میر بدر الدین ایک سو بیالیس سال میں فوت ہوئے تھے۔

حضرت شیخ دانیال کے آباو اجداد میں سے سب سے پہلے بزرگ آپ کے والد مکرم ہی تھے۔ جو غیاث الدین بلبن کے عہد اقتدار میں ہندوستان آئے۔ اور بمقام سترکہ قیام فرمایا۔ شیخ دانیال یہاں آکر پیدا ہوئے تھے۔ ہوش سنبھالا تو قصبہ سامانہ میں چلے گئے۔ اور قاضی عبد الکریم کے زیر تربیت ظاہری علوم حاصل کئے۔ چونکہ علمی اور اخلاقی اعتبار سے حضرت دانیال بڑے ہونہار اور ذہین تھے۔ قاضی عبد الکریم نے آپ کو اپنی فرزندی و امادی میں قبول کر لیا۔ آپ تلاش حق میں نکلے دہلی پہنچے۔ شیخ نصیر الدین محمود سے بیعت ہوئے۔ اور ظاہری اور باطنی کمالات تک پہنچے۔ تکمیل سلوک کے بعد آپ کو خرقہ خلافت عطا کیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ اپنے وطن جا کر مخلوق کی ہدایت میں مشغول ہو جائیں۔ آپ سامانہ آگئے اور جہیز میں حاصل کردہ سارا سامان لے کر

اپنے وطن مالوف ستر کہ کو روانہ ہوئے۔ لکھنو سے آگے بڑھے تھے۔ تو ڈاکوؤں نے آپ کے سامان کو لوٹ کر حضرت شیخ دانیال قدس سرہٗ کو شہید کر دیا۔ اور اسی لوٹ کھسوٹ میں آپ کے اہل وعیال بھی شہید کر دیئے گئے آپ کا مال واسباب لے کر ابھی چلے ہی تھے کہ ایک دہشت ناک آواز آئی۔ یہ آواز ایک کٹی ہوئی لاش سے آئی۔ تمام ڈاکو اندھے ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد بادشاہ نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اور انہیں پھانسی لگا دی گئی۔ حضرت کی نعش مبارک لاکر ستر کہ میں لاکر دفن کر دیا گیا آپ کا انتقال ۱۰۴۸ھ میں ہوا تھا

دانیال از عالم دنیا چو رفت
سال وصل آں ولی با کمال
گو ولی دین شہید پیشوا
ہم ولی سردار عالم دانیال

۱۰۴۸ھ

آپ نظام الدین اولیا بدایونی

مولانا فخر الدین زرادی قدس سرہٗ: قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص اور جلیس خاص الخاص تھے۔ آپ ظاہری اور باطنی علوم میں جامع اور مانع بزرگ تھے ورع۔ تقویٰ اور ذوق وشوق وجد وسماع میں بے مثال تھے۔ فقہ حدیث تفسیر کے علاوہ دینی علوم کے مختلف شعبوں میں باکمال تھے ابتدائی عمر میں مولانا فخر الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ سے دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علوم سے فارغ ہوئے۔ تو عملی زندگی میں قدم رکھا۔ آپ خوش طبع تھے۔ خوش کلام تھے۔ اور خوش بیان تھے۔ تقریر وتحریر میں یکتائے زمانہ تھے فصاحت وبلاغت کے امام مانے جاتے تھے۔ شعر وسخن میں لطافت کا یہ عالم تھا۔ کہ شاعران وقت میں ممتاز تھے

جب آپ پر غلبہ جذب آیا۔ تو کشاں کشاں حضرت سلطان المشائخ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے۔ کئی بار حضرت خواجہ معین الدین کے روضہ عالیہ کی زیارت کو گئے۔ وہاں سے خواجہ فرید الملت والدین کے روضہ کی زیارت کے لئے پاک پتن جاتے تھے آپ کا زیادہ وقت سفر و سیاحت میں گزرتا تھا۔ شب و روز کوہ و بیابان میں گزرتی۔

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جو مقامات ہمیں ایک ماہ میں حاصل ہوئے۔ وہ حضرت شیخ زرادی کو ایک دن میں حاصل ہو گئے جن دنوں دہلی کے باشندے محمد تغلق بادشاہ کے حکم سے دیوگری پہنچے۔ آپ بھی دہلی سے دیوگیری پہنچے مگر وہاں سے کعبۃ اللہ کو روانہ ہوئے۔ مناسک حج ادا کرنے کے بعد کعبۃ اللہ کی زیارت اور گنبد خضریٰ کی حاضری سے فارغ ہو کر بغداد شریف پہنچے۔ آپ جہاں جاتے علم حدیث میں علمائے وقت سے بحث و مناظرہ کرتے بغداد سے کشتی پر روانہ ہوئے۔ اور ہندوستان کا رُخ کیا۔ اتفاقاً جہاز تو سمندر میں غرق ہو گیا۔ مولانا بھی اس سفر میں طوفانوں میں غرق ہو گئے۔ آپ کی غرقابی کا یہ واقعہ ۷۴۸ھ میں ہوا۔

چو رفت از دہر در خلد معلیٰ
جناب شیخ فخر الدین مطلوب
جو پرسیدم ز دل سالِ وصالش
خرد گفتا بگو مخدوم محبوب

۷۴۸ھ

شیخ ضیاء الدین بخشی قدس سرہٗ

آپ سلطان التارکین حضرت خواجہ حمید الدین صوفی قدس سرہٗ کے خلیفہ

اور مرید تھے۔ آپ کا ہندوستان کے مشہور اولیاء اللہ میں شمار ہوتا تھا۔ آپ شہر بدایوں میں خلوت گزیں ہوئے۔ اور عام لوگوں کی مجالس سے دور رہتے تھے۔ کسی کے عقیدہ یا انکار سے کوئی سروکار نہ تھا۔ آپ بڑے صاحبِ تصانیف تھے سلک السلوک عشرہ مبشرہ۔ کلیات بخشی۔ جزئیات بخشی۔ شرح دعائے سریانی۔ طوطی نامہ چلپی مشہور زمانہ کتابیں آپ کے قلم کا شاہکار ہیں۔ آپ کے رنگین قطعات اور دلچسپ اشعار مجالس اہل ذوق کی رونق ہوتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

بخشی خیز با زمانہ بساز ۔ ورنہ خود را نشانہ باختن است
عاقلان زمانہ میگویند ۔ عاقلی با زمانہ ساختن است

آپ کی وفات ۷۵۱ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

چوں ضیاء الدین زعالم رخت بست
سال وصلش آمد ولی بخشی
واقف اسرار اہل اسلام!
نیز مرشد ہادی عالم ولی
۷۵۱ھ

شیخ فرید الدین ناگوری قدس سرہٗ:- آپ سلطان التارکین حضرت حمید الدین ناگوری کے پوتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ عبد العزیز صوفی حالتِ سماع میں ہی جوانی کے عالم میں واصل بحق ہو گئے تھے لہذا آپ کو دادا نے ظاہری و باطنی علوم میں تربیت دی۔ شیخ حمید الدین ناگوری کے ملفوظات سرور الصدور کے نام سے جمع کئے آپ کی عمر سو سال سے زیادہ تھی اور ساری زندگی طالبانِ حق کو ہدایت فرماتے رہے سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں ناگور سے دہلی تشریف لے گئے۔ اور دہلی میں ہی فوت ہوئے

آپ کے مزار کے پاس ایک پتھر ہے جو سنگ خراس کی جنس سے ہے۔ یہ گول پتھر ہے یہ بات مشہور ہے کہ شیخ حالت سماع میں اس پتھر کو گلے میں ڈال لیا کرتے تھے اور وجد کرتے اس پتھر کو گلے میں لٹکا کر ناگور سے دہلی پہنچے۔

شجرہ چشتیہ کے مصنف نے آپ کا سال وصال ۷۵۲ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار پُر انوار دہلی میں زیارت گاہ عام و خاص ہے۔

چوں فرید الدین فرید دو جہاں
صورت گنج شد در خاک باد
بندۂ خاص است سال رحلتش
ہم فرید فرد عالم پاک باز
۷۵۲ھ

یاد رہے جس سال شیخ زید کا انتقال ہوا۔ اسی سال سلطان محمد عادل تغلق بن سلطان غیاث الدین کا انتقال ہوا تھا یہ بادشاہ ماہ ربیع الاوّل ۷۲۵ھ میں مسند آرائے تخت ہندوستان ہوا تھا، ۲۷ سال حکومت کرنے کے بعد ۲۱ محرم الحرام ۷۵۲ھ کو فوت ہوا۔ یہ بادشاہ عجیب و غریب عادات کا مالک تھا بعض اوقات تو اس کے کارنامے جامع الاضداد بن کر رہ گئے خلیفہ بغداد نے اس کے دربار میں اپنا وکیل بھیجا اس نے اس کا بڑا شاندار استقبال کیا۔ اور اسے شاہی خلعت سے سرفراز کیا۔ ایک دفعہ اس نے حکم دیا کہ دہلی کو ویران کر دیا جائے اور ہر شخص اس کے بسائے ہوئے شہر دولت آباد میں پہنچے۔ اس شہر کو دارالخلافہ بنا دیا دہلی کے خورد و کلاں کو حکم دیا گیا کہ ہر ایک فرد دہلی چھوڑ کر دولت آباد پہنچے۔ اس نقل مکانی، سفر اور قحط کی وجہ سے بہت سے لوگ مر گئے۔ دولت آباد بھی اس کی منشا کے مطابق آباد نہ ہو سکا۔ اسی بادشاہ نے ایک لاکھ فوج تبار کی اور چین کو فتح کرنے کے لئے روانہ

کی کہتے ہیں۔ اس فوج کا ایک سپاہی بھی زندہ واپس نہ آسکا۔ ان بربادیوں اور نقصانات کے باوجود اس کے ملک کے کئی صوبے بنگال۔ ملنگانہ۔ پنجاب اور اودھ بغاوت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر اس بادشاہ نے انہیں اپنی حکمت عملی سے رام کر لیا۔ البتہ دکن کا علاقہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ایک حسن نامی شخص جو بڑا ہی اولعزم تھا۔ اٹھا اس نے دکن پر اپنی سلطنت کی بنیادیں استوار رکھیں اور اس کی اولاد نے اس خطہ پر دو سو سال حکومت کی۔ یہ بادشاہ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی کا دلی دشمن تھا ساری عمر آپ کی مخالفت میں لگا رہا مگر حضرت شیخ کے استقلال و تقویٰ کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ آخری عمر میں حضرت شیخ کا معتقد اور مرید ہو گیا۔

چوں بصد درد و غم سفر ورزید
از جہاں در جہاں محمد شاہ
سال وصلش شہہ ولایت داں
نیز نور زماں محمد شاہ ۷۵۲ھ

۷۵۲ھ

شیخ کمال الدین علامہ قدس سرہٗ: آپ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ اور آپ کے خواہر زادہ بھی تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ چونکہ آپ علوم حدیث۔ فقہ۔ اصول فقہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ اس لئے آپ کو علامہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ احمد آباد گجرات تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو بڑی شہرت ملی۔ آپ کی اولاد اور خلفا آج تک احمد آباد میں موجود ہیں۔

مولانا کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ شجرۃ الانوار اور شجرۂ چشتیہ کی تحقیق کے مطابق ۷۵۶ھ

میں فوت ہوئے تھے۔ یہ سانحہ حضرت شیخ نصیرالدین کی رحلت سے ایک سال پہلے ہوا تھا۔

چوں کمال الدین ولی باصفا
رفت از دنیا بفردوس بریں
رحمت حق گو وصال پاک او
ہم سفر با متقی اہلِ یقین

۷۵۶ھ

شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی قدس سرہٗ:

آپ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی قدس سرہٗ کے عظیم خلفاء میں سے تھے۔ بڑے صاحب اسرار، عابد و زاہد اور کریم النفس بزرگ تھے۔ حضرت سلطان المشائخ کے وصال کے بعد آپ کو دہلی کی ولائیت کی سربراہی ملی آپ کا طریقہ صبر و شکر، فقر و فاقہ اور رضا تسلیم تھا۔ آپ کے جدامجد حضرت عبداللطیف یزدی اور آپ کے والد مکرم یحییٰ قدس سرہما سادات حسنی تھے۔ آپ کے والد لاہور میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر شیخ نصیرالدین محمود اودھ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی عمر ابھی نو سال ہی تھی۔ کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی والدہ نے جو سیدہ زمانہ اور عارفہ وقت تھیں۔ آپ کی خصوصی تربیت کی۔ آپ دینی علوم میں مولانا عبدالکریم شروانی کی شاگردی میں رہے۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا افتخارالدین گیلانی سے کتابیں پڑھیں نوجوانی میں ہی ترک و تجرید کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔ محاسنِ اخلاق اور مجاہدہ نفس کی روشنیاں ظاہر ہونے لگیں سن بلوغت کے بعد ایک نماز بھی جماعت کے بغیر ادا نہ کی۔ اور ہمیشہ روزہ رکھتے۔ آپ اکثر اوقات سنبالو کے پتوں سے افطار فرمایا کرتے چالیس سال کی عمر میں اودھ سے چل کر دہلی آگئے ان دنوں حضرت شیخ نظام الدین بدایون سلسلہ چشتیہ کے سلوک میں سرگرم تربیت تھے۔ آپ بھی صبح و شام آپ کی مجالس میں حاضر

رہنے لگے۔ حضرت نظام الدین اولیاء اللہ نے دیوگری میں ایک بالاخانہ تعمیر کروایا ہوا تھا۔ یہ بالاخانہ دریا کے کنارے پر واقعہ تھا۔ آپ اکثر اسی میں مشغول عبادت رہتے اس خلوت کدہ میں خواجہ نصیر الدین کے بغیر کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ انہی ایام میں آپ کی خصوصی تربیت ہوئی اور آپ کو چراغ دہلی کے خطاب سے نوازا گیا۔ آپ بھی حضرت خواجہ محبوب الٰہی قدس سرہٗ کی خدمت میں دن رات کمربستہ رہتے آپ کو حضرت اپنے بالاخانہ میں عبادت گزاری اور خلوت گزینی کا شرف بخشتے تھے۔

ایک بار حضرت خواجہ بہاء الدین ملتانی قدس سرہٗ کے چند مرید آئے انہوں نے اس خلوت کدہ میں رات گزارنے پر اصرار کیا۔ انہیں اس خصوصی نسبت کی وجہ سے وہاں رہنے کی اجازت مل گئی صبح ہوئی تو ایک درویش وضو کرنے دریا پر جا نکلا۔ کپڑے اتار کر کنارے پر رکھے اور خود نہانے کے لئے پانی میں غوطہ زن ہو گیا۔ ایک بدبخت وہاں جا پہنچا تو درویش کے کپڑے اٹھا کر بھاگ نکلا۔ اب درویش ننگا نہ پانی سے باہر آ سکتا تھا۔ نہ اس وقت کوئی اس کی فریاد سن سکتا تھا۔ وہ دریا کے پانی سے ہی آوازیں دینے لگا۔ خواجہ نصیر الدین خلوت کدہ سے باہر آئے اور اپنے کپڑے اتار کر اسے دیئے اور اسے کہا اب خاموشی سے آجاؤ۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ اس درویش کی باتوں سے حضرت خواجہ نظام الدین کی عبادت و اذکار میں خلل نہ آئے۔ مگر حضرت خواجہ یہ سارا واقعہ نور باطن سے دیکھ رہے تھے۔ چاشت کی نماز کے بعد آپ نے خواجہ نصیر الدین محمود کو بلایا۔ اور بڑی مہربانی فرمائی اور اپنی خلعت خاص مرحمت فرمائی۔

اخبار الاخیار کے مصنف شیخ عبدالحق محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ شیخ نصیر الدین محمود کی اودھ کے علاقہ میں ایک ہمشیرہ تھیں۔ عمر میں آپ سے بڑی تھیں۔ مگر نہایت ہی نیک سیرت تھیں۔ ان کے دو بیٹے زین الدین اور

کمال الدین حامد تھے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین کبھی کبھی اپنے پیر و مرشد سے اجازت لے کر ہمشیرہ کو ملنے جایا کرتے تھے۔ اور ملاقات کے بعد واپس دہلی چلے آتے تھے۔

ایک دن شیخ برہان الدین غریب جو خواجہ نصیر الدین کے خواجہ تاش اور ہم مجلس بھی تھے۔ کی مندے کی ایک ٹوپی جو آپ کو حضرت نظام الدین دہلوی نے عطا فرمائی تھی گم ہو گئی بڑی تلاش کی مگر مل نہ سکی۔ برہان الدین کو اس ٹوپی کے کھو جانے پر بڑا ملال ہوا۔ آپ بڑے پریشان رہنے لگے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین نے آپ کو تسلی دی اور کہا زیادہ فکر نہ کرو۔ انشاء اللہ اس تحفہ سے بڑھ کر عمدہ تحفہ ملے گا۔ حضرت خواجہ نظام الدین نے اسی دن شیخ برہان الدین کو بلایا اور ایک خاص مصلیٰ عنایت کیا۔ دوسرے دن آپ کے اپنے بقچے سے گم شدہ ٹوپی بھی مل گئی

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کی مجلس سماع میں مزامیر کا استعمال ممنوع تھا صرف تالی یا نعرہ کی آواز سے سماع ہوتا تھا۔ ایک دن اس شعر پر وجد آیا۔

نظر در دیدہ ہا ناقص فتادہ است
وگرنہ یار ما از کس نہاں نیست

(ہماری آنکھوں کی بینائی میں نقص آگیا ہے۔ ورنہ ہمارا محبوب تو کسی سے پوشیدہ نہیں ہے)

اسرار الاصفیاء کے مولف نے لکھا ہے کہ عمیر سمرقندی اور علی قندوزی کا سلطان محمد تغلق پر بڑا اثر تھا۔ یہ دونوں حضرت خواجہ شیخ نصیر الدین کے مخالفین میں سے تھے۔ انہوں نے سلطان محمد تغلق کو آپ کے خلاف کر دیا اور آمادہ کیا کہ شیخ کو حراست میں لینا چاہیئے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک دن کسی بہانے سے حضرت شیخ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور کھانا تمام سونے اور چاندی کے برتنوں میں سجا کر سامنے رکھا۔ اس کا منشاء یہ تھا کہ اگر آپ ان برتنوں میں کھانا کھالیں تو شرعی

طور پر محاسبہ کیا جائے اور اگر انکار کریں گے تو یاست سلطانی اور توہین دربار کے جرم میں گرفتار کر لیا جائے گا۔ حضرت شیخ بادشاہ کی اس حرکت سے نور بصیرت سے واقف ہو گئے تھے۔ چنانچہ مجلس طعام میں چند لقمے اٹھائے اور علیحدہ اپنے ہاتھ پر رکھ کر بادلِ نخواستہ لقمہ کھانے لگے یہ دیکھ کر آپ کے مخالفین اور حاسد سخت شرمندہ ہوئے۔ مجلس کے بعد بادشاہ نے عرض کی حضور مجھے کچھ نصیحت فرمائیں آپ نے فرمایا۔ بادشاہ کی طبیعت میں درندوں کی خصلتیں بڑھ گئی ہیں۔ اور درویشوں کے خلاف حسد کی قوت زیادہ ہو گئی ہے انہیں مزاج اور دل سے دُور کرنا چاہیئے اس کے بعد بادشاہ نے ایک تھیلی میں روپے اور ایک خلعت ریشم پیش کئے مگر آپ نے ان دونوں چیزوں کی طرف توجہ نہ فرمائی اسی دوران خواجہ نظام الدین جو سلطان کا خاص پیر بھی تھا۔ اور حضرت شیخ کا عقیدت مند بھی اٹھا۔ اور دونوں چیزیں اٹھا کر بغل میں رکھیں اور اپنے دامن سے حضرت کے جوتے صاف کر کے آپ کے سامنے سیدھے رکھ دیئے اور دیوان سے حضرت کو ساتھ لے کر الوداع کہنے کے لئے نکل آیا۔ جب وہ بادشاہ کے پاس واپس گیا تو بادشاہ سخت غصّے کی حالت میں تھا وہ اس قدر غضبناک تھا کہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر نظام الدین کو قتل کرنے لگا اور گرج کر کہنے لگا۔ نظام الدین تمہیں یہ جرات کیسے ہوئی۔ کہ دونوں چیزیں اٹھا کر میرے سامنے ہی شیخ نصیر الدین کے جوتے صاف کر کے سامنے رکھنے لگے۔ اور اس طرح شیخ کو میری تلوار کے وار سے صاف نکال کر لے گئے۔ نظام الدین نے جواب دیا حضور میں ایک طرف حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی کے خانوادہ کا غلام ہوں اور دوسری طرف آپ کا بھی خدمت گزار ہوں۔ میں خاندان نظام الدین کی خدمت کو اپنا ایماں جانتا ہوں۔ ان کے جوتے میرے سر کا تاج ہیں۔ اگر آپ غصّے میں ہیں تو مجھے قتل کر دیں۔ میری یہ جان بھی حضرت کے قدموں پر قربان ہو گی۔ یہ بات سن کر

سلطان دل ہی دل میں بل کھا کر رہ گیا۔ تلوار نیچے رکھ دی اور نظام الدین کو کچھ نہ کہا۔

ایک دن مجلس سماع میں قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

جفا بر عاشقاں گفتی نخواہم کرد ہم کردی
قلم میر دلاں گفتی نخواہم راند ہم راندی

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے یہ شعر سنا تو وجد میں آ گئے۔ مولانا مغیث مجلس میں موجود تھے۔ وہ سخن شناس بھی تھے اور مزاج شناس بھی۔ آپ نے اس شعر سے تاثر لیا۔ حضرت کی حالتِ وجد و حال کی کیفیت دیکھی۔ تو مجلس کے احوال پر ایک رسالہ لکھا۔ اور لکھا۔ کہ اس شعر کا مطلب کن کن اشاروں سے بیان کیا جائے اگر جور و جفا ہے تو اسے اللہ سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بات کفر ہے کہ اللہ کو جور و جفا کا مرتکب مانا جائے۔ چنانچہ آپ نے اس شعر کے بہت سے معانی لکھے اس کی توجیہات کیں۔ کئی شرعی اور عقلی اعتراض اٹھائے اور سب کو لکھ کر مولانا معین الدین عمرانی کے پاس بھیجا۔ اس نے یہ تحریر اٹھائی اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ نے مولانا معین الدین کو اپنے پاس بلایا اور رسالہ واپس کرتے ہوئے کچھ نہ کہا اور ایک اعلیٰ قسم کی دستار دے کر وداع کر دیا۔

دوسرے دن پھر مجلس سماع گرم ہوئی۔ تو حضرت شیخ نصیر الدین اس شعر پر وجد میں آ گئے۔

ما طبل جفا نہ دوش بے باک زدیم
عالی علمش بر سر افلاک زدیم
از بہر کے بفچۂ مے خوارہ
صد بار کلہ توبہ بر خاک زدیم[1]

---

[1] :۔ ہم نے کل رات میر حفاں کے طنبورے کی آواز پر بے باک ہو کر جا ہو شروع (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

ہوش میں آئے۔ مجلس برخاست ہوئی۔ تو آپ مکان کی چھت پر جا بیٹھے وہاں ہی مغیث شاعر کو بلایا۔ وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ہاں! مولانا آج ایک اور رسالہ لکھو۔ اور اس میں لکھو۔ کہ یہ کیا جہالت ہے کہ شیخ نصیر الدین کو اس پر وجد آ گیا۔ یہ کہا مگر مولانا مغیث بے حد شرمسار ہوئے۔ پھر کبھی خانقاہ کا رخ نہ کیا اور تین دن بعد فوت ہو گئے۔

ایک دن نماز ظہر کے بعد حضرت شیخ نصیر الدین اپنے حجرہ خاص میں مشغول عبادت تھے۔ آپکے ہمشیرہ زادہ خادم خاص شیخ زین الدین بھی حاضر نہ تھے۔ شیخ مراقبہ میں سر جھکائے دنیا و مافیہا سے بے خبر بیٹھے تھے۔ اسی اثنا میں ایک قلندر ترابی نام حجرے میں داخل ہوا۔ یہ شخص کئی برسوں سے حضرت کے خلاف آتش حسد میں جلتا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آج حضرت شیخ تن تنہا مراقبہ میں مستغرق ہیں۔ وہ بلا خوف و خطر آگے بڑھا۔ اور بغل سے ایک چھرا نکالا۔ اور آپ پر حملہ کر دیا۔ اس نے چھرے کے گیارہ زخم لگائے اس نے جب یہ محسوس کیا کہ اب شیخ ہلاک ہو گئے ہیں۔ نکل کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت شیخ محویت کے عالم میں اپنی جسمانی حالت کا احساس نہ کر سکے۔ مگر خون بہتے بہتے حجرے سے باہر نکلا تو لوگوں کو معلوم ہوا۔ آپ کو زخمی حالت میں دیکھا۔ دوڑ کر قلندر ترابی کو پکڑا۔ اور آپ کے پاس لے آئے۔ آپ کے عزیز اس کی بوٹی بوٹی کرنا چاہتے تھے۔ مگر آپ نے انہیں روک دیا۔ اور اپنے طبیب شیخ صدر الدین اور اپنے خواہرزادہ شیخ زین الدین کو قسم دے کر کہا کہ اسے کچھ نہ کہا جائے۔ بلکہ بیس روپے انعام دیئے۔ اور فرمایا تم نے بہت مشقت اور محنت کی ہے۔ اس واقعہ کے بعد آپ

(بقیہ حاشیہ) کمدی تھی۔ اور اس کے بلند و بالا جھنڈے آسمانوں پہ گاڑ دیئے تھے۔ ایک بے خوار بچھو کے لئے اپنی توبہ کی ٹوپی کو سو بار سر سے اتار کر زمین پہ دے مارا۔

تندرست ہوگئے۔ غسل صحت فرمایا۔ اور تین سال تک زندہ رہے۔

سید الاولیاء اور سفینۃ الاولیاء تذکرہ شجرۂ چشتیہ اور دوسرے مشہور تذکروں میں آپ کا سن وفات ۷۵۷ھ لکھا ہے یہ صحیح تاریخ وفات اٹھارہ ماہ رمضان المبارک ۷۵۷ھ ہے۔ صاحب مخزن الواصلین کا آپ کا سال وصال ۷۵۲ھ لکھا ہے مگر ہمارے نزدیک ۷۵۷ھ ہی صحیح ہے۔ آپ نے رحلت کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ مجھے دفن کرتے وقت حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین کا خرقہ میرے سینہ پر رکھ دینا اور میرے پیر و مرشد کا عصا میرے پہلو میں رکھنا۔ حضرت شیخ کی تسبیح میری انگشت شہادت پر ہونی چاہیئے اور چوبیں نعلیں بغل میں رکھی جائیں۔ آپ کے خدام نے اسی طرح کیا۔

ہم تبرکاً آپ کے چند خلفائے کرام کے اسمائے گرامی لکھنے پر اکتفاء کرتے ہیں میر سید محمد گیسو دراز۔ میر سید محمد بن جعفر المکی الحسینی۔ ملک زادہ احمد۔ مولانا معین الدین عمرانی۔ میر سید علاء الدین برادر زادہ مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت۔ شیخ یوسف مؤلف تحفۃ النصائح۔ محمد وصیہ ادیب۔ سید علاء الدین کشوری۔ شیخ دانیال۔ شیخ قوام الدین۔ قاضی عبد المقتدر۔ مولانا خواجگی۔ مولانا احمد تھانیسری۔ شیخ زین الدین خواہرزادہ شیخ صدر الدین حکیم اور شیخ سعد اللہ کیسہ قدس سرہم۔

گشت چوں جلوہ گر نصیر الدین - ہم چناں چوں چراغ پُر انوار
ہست مہتاب نیّر دہلی - سال ترحیل آں شہ ابرار
۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

آفتاب روح جان - قبلۂ حق نصیر الدین محمود
۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

یار محبوب نیّر اکبر (بہ تکرار) - پیر سید و سردار
۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

طالب اللہ واقف اسرار - صدیق حق نصیر الدین
۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

شاہ نامی نصیر - ولی مشکل کشا - شاہ والدجاہ ابرار
۷۵۷ھ ۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

ولی حق نصیر الدین محسن - نصیر عارفان - رہبر نصیر
۷۵۷ھ ۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

ناصر نصیر (بتکرار) - محبوب رب مہتاب دہلی
۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

مطلع الانوار حق یار - واقف اسرار حق (دوبار) جان چشت
۷۵۷ھ ۷۵۷ھ ۷۵۷ھ

شیخ ابی سراج الدین بدایونی قدس سرہٗ: آپ خواجہ نظام الدین کے مشاہیر خلفاء میں سے تھے۔ شیخ ابی عنفوان شباب میں ہی حضرت خواجہ کی خدمت میں وابستہ ہو گئے تھے۔ ابھی آپ کے چہرے پر داڑھی بھی نہیں آئی تھی۔ اس لئے آپ ظاہری علوم کی تحصیل سے محروم رہے۔ حضرت شیخ نے حضرت فخر الدین زادی رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ یہ نوجوان اچھی طبیعت اور عمدہ سیرت کا مالک ہے۔ کیا کیا جائے۔ علم سے بے بہرہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بے علم زاہد شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔ فخر الدین نے حضرت خواجہ نظام الدین کے اس التفات مشفقانہ کو دیکھا تو عرض کی۔ اگر حضور اجازت دیں تو میں اس نوجوان کو دینی نگرانی میں لے کر ضروری علوم کی تعلیم دے دوں میرا خیال ہے کہ آپ کے لطف و کرم سے اسے علمی استعداد حاصل ہو جائے گی آپ نے فرمایا یہ تو بہت اچھی بات ہے۔

؎ در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

چنانچہ مولانا فخر الدین زرادی انی سراج الدین کو اپنے گھر لے گئے۔ اور چھ ماہ کے اندر اندر انہیں بہت سے علوم سے واقف کر دیا۔ بعض اوقات آپ کے ہم عصر علماء بعض نکات پر گفتگو کرتے تو انی سراج الدین انہیں حیران کر دیتے تھے۔

علوم ظاہری سے فارغ ہوئے تو حضرت خواجہ نے آپ کو باطنی اسرار و رموز سے مالا مال کر دیا۔ خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ اور ولایت بنگال کا روحانی نگران مقرر کر دیا۔ آپ انی سراج الدین کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ کہ آپ "ہندوستان کے آئینہ ہیں"۔

شیخ انی سراج دین قدس سرہٗ ۷۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

چوں سراج الدین شد از دنیائے دوں
سال وصل آں شہ والا مکاں
عارفِ احمد سراج الدین بگو
سالک محرم سراج دین نجواں

شیخ صدر الدین حکیم قدس سرہٗ

آپ شیخ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کے خلیفہ اعظم تھے حضرت سلطان المشائخ کے منظور نظر تھے۔ آپ کے والد ماجد ایک بہت بڑے تاجر تھے۔ مگر حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے عقیدت مند تھے۔ بڑھاپا آگیا۔ مگر آپ کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ آپ اولاد کی محرومی کو اکثر محسوس کرتے تھے۔ ایک دن حضرت خواجہ نظام الدین حالت وجد میں تھے۔ کہ آپ نے اولاد کے لئے سوال کر دیا۔ حضرت شیخ نے اپنی پشت ان کی پشت سے لگا دی۔ اور خوشخبری دی کہ اللہ تمہیں بیٹا دے گا۔ ان کی بھکو حد بھی ضعیف ہو چکی تھی۔ مگر قدرت خداوندی سے اسی رات حاملہ ہوئی اور نو ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا۔ جس کا نام صدر الدین رکھا گیا۔ والد نومولود کو اٹھا کر حضرت کی خدمت میں

لے گیا۔ آپ نے اٹھایا گود میں بٹھایا چہرے سے کپڑا ہٹایا۔ اور اپنے ہاتھ سے خرقہ تیار کر کے پہنایا۔ اور شیخ نصیر الدین کی گود میں دے کر کہا کہ اس بچے کی ظاہری باطنی تعلیم و تربیت میں پوری پوری کوشش کرنا چنانچہ آپ کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی نے پرورش کی اور کاملین وقت سے بنا دیا۔

آپ بڑے فصیح و بلیغ قلم و زبان کے مالک تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جو معارف و حقائق پر مشتمل ہیں۔ آپ علم طب میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔

کتابوں میں لکھا ہے۔ ایک بار حضرت شیخ صدر الدین کو پریاں اٹھا کر لے گئیں ان کی ایک شہزادی پری سخت بیمار تھی جو کسی علاج سے صحت یاب نہیں ہوئی تھی۔ یہ اٹھا کر آپ کو کوہ قاف میں لے گئیں۔ جب تک وہ پری صحت یاب نہ ہوئی آپ کو وہاں ہی رکھے رکھا۔ آخر انہیں اٹھا کر جہاں سے لے گئیں تھیں لا رکھا۔ اور آپ کے ہاتھ میں ایک خط دے دیا۔ اور کہا کہ آپ فلاں شہر کی فلاں گلی میں ایسے رنگ اور شکل کا کتا رہتا ہے۔ یہ خط اسے دکھا دینا حضرت شیخ نے ایسے ہی کیا۔ کتے نے خط کو دیکھا تو آپ کے آگے آگے ہو لیا۔ اور شہر کے باہر ایک جگہ لے گیا۔ اور ایک مقام سے زمین کھودنا شروع کر دی زمین سے ایک پرانا خزانہ برآمد ہوا۔ شیخ وہاں سے بے پناہ دولت اٹھا لائے اور غریبوں میں تقسیم کرتے رہے۔

شجرۂ چشتیہ میں آپ کا سال وصال ۷۵۹ھ لکھا ہے۔

رفت چوں از جہاں بخلد بریں
شیخ اہل یقین صدر الدین
شاہ جنت بگو تو ار بخش
ہم بخواں شاہ دین صدر دین

۷۵۹ھ

شیخ قطب الدین منور قدس سرہٗ

آپ خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ کے خاص خلیفہ تھے تجرید و تفرید میں یگانۂ روزگار تھے۔ ساری عمر خلوت میں گزار دی۔ اپنی مرضی سے حجرے سے ایک قدم بھی باہر نہیں رکھا۔ اور کسی دنیادار کے گھر نہیں گئے آپ کے والد برہان الدین بن شیخ جمال الدین ہانسوی قدس سرہما تھے۔ بچپن میں والد کے انتقال کے بعد خواجہ فرید شکر گنج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ظاہری و باطنی تعلیم حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی سے حاصل کی۔ آپ ہر سال ہانسی سے دہلی آتے۔ اور حضرت محبوب الٰہی کی صحبت میں رہ کر تربیت پاتے۔

ایک بار سلطان محمد تغلق نے قاضی کمال الدین حیدر جہاں کو حضرت شیخ قطب الدین کی خدمت میں ہانسی بھیجا۔ اور ساتھ ہی چند مواضعات کی ملکیت کے کاغذات بھی بھیجے۔ اس کی خواہش تھی۔ کہ پہلے آپ کو دنیاوی لالچ میں دے کر زیر کرے۔ پھر شاہی عتاب سے سرنگوں کرے کیونکہ یہ بادشاہ درویشوں اور فقراء کے خلاف تھا۔ قاضی کمال الدین ہاشمی پہنچے۔ اور بادشاہ کے فرامین اور انعامات پیش کئے۔ مگر آپ نے ایک نگاہ غلط انداز سے انہیں مسترد کر دیا۔ فرمایا جس چیز کو ہمارے پیروں نے قبول نہیں کیا۔ میں کیسے لے سکتا ہوں۔ ان کاغذات کو واپس لے جائیے۔ ایسی چیزوں کے طالب بہت مل جاتے ہیں

ایک بار بادشاہ تغلق ہانسی کے علاقہ میں گیا ہوا تھا۔ وہ موضع بینی میں جو ہانسی سے صرف چار کوس کے فاصلہ پر لشکر انداز ہوا۔ اس نے اپنے ایک درشت خو اور سخت گیر حاکم نظام الدین عرف مخلص الملک کو ہانسی میں بھیجا وہ ہانسی کے قلعہ کی دیوار کے پاس سے گزر رہا تھا۔ نزدیک ہی حضرت شیخ قطب الدین کا گھر تھا۔ آپ کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر لوگوں سے پوچھنے لگا یہ کس کا گھر ہے۔ لوگوں نے بتایا۔ یہاں قطب الدین منور جو حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی کے مرید ہیں رہتے ہیں۔ اس نے کہا بڑے تعجب کی بات ہے کہ سارے ہندوستان کا شہنشاہ اپنے لاؤ لشکر کے

ساتھ ہانسی کے پاس جلوہ فرما ہوا اور خواجہ نظام الدین کا ایک مرید انہیں ملنے کو نہ جائے یہ حاکم واپس بادشاہ کے لشکر گاہ میں گیا۔ اور صورت حال سے آگاہ کیا بادشاہ نے حسن سربرہنہ کو جو ایک بہت بڑا امیر دربار تھا طلب فرمایا اور حکم دیا کہ شیخ قطب الدین کو ہر حالت میں لاکر پیش کیا جائے۔ حضرت کے گھر پہنچا۔ دہلیز کے پاس کھڑا ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا تو شیخ قطب الدین کا بیٹا نورالدین باہر آیا۔ اور حسن سربرہنہ کو شیخ قطب الدین کے پاس اندر لے گیا۔ اس نے بادشاہ کا پیغام دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں مجھے بھی کچھ اختیار ہے یا آپ لوگوں نے اپنی ہی بات منانی ہے۔ حسن نے کہا مجھے حکم ہے کہ آپ کو طوعاً کرہاً بادشاہ کے دربار میں پیش کروں۔ فرمایا الحمدللہ میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا۔ پھر آپ نے اپنے اہل خانہ کو الوداع کیا۔ اور جانماز کندھے پر رکھا اور پاپیادہ روانہ ہو گئے۔ حسن نے بڑا اصرار کیا کہ میں سواری لے کر آیا ہوں۔ مگر شیخ نے قبول نہ کی۔ اور پیدل چلتے گئے۔ راستے میں شیخ جمال الدین اور برہان الدین جو شیخ قطب الدین منور کے باپ اور دادا تھے کے مزارات آئے تھے۔ آپ نے حسن کو پوچھا اگر اجازت ہو تو میں اپنے بزرگوں کے مزارات کی زیارت کر لوں۔ اُس نے کہا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ اپنے باپ اور دادا کی قبر کے پاؤں کی طرف کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے کہنے لگے کہ میں آپ لوگوں کے خلوت کدے سے اپنی مرضی سے باہر نہیں آیا۔ چند لوگوں نے زبردستی بادشاہ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ میرے گھر کے چند افراد موجود ہیں جن کے لئے میں نے کوئی خرچا نہیں چھوڑا۔ یہ کہہ کر آپ روضے سے باہر نکلے دروازے پر ایک شخص کھڑا تھا۔ اس نے چاندی کے سکے پیش کئے اور کہا یہ آپ کے اہل وعیال کا خرچہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں میرے گھر پہنچا دو کیونکہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

آپ بادشاہ کے لشکر گاہ میں پہنچے تو بادشاہ نے دیدہ دانستہ آپ کی طرف توجہ نہ

دی نہ اپنے پاس بلایا اور وہاں سے دہلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ دہلی پہنچ کر شیخ قطب الدین کو اپنے پاس ملاقات کے لئے طلب کیا۔ شیخ اندر داخل ہوئے تو وہ بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کو دیکھتے ہی اٹھا اور اس کے ہاتھ میں ایک تیر اور کمان تھا جسے وہ درست کر رہا تھا۔

یہ دونوں چیزیں شیخ کو دیکھتے ہی ہاتھ سے گر گئیں تعظیم کے لئے آگے بڑھا اور مصافحہ کیا۔ حضرت شیخ نے بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر اتنا دبایا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ چنانچہ یہ ظالم بادشاہ جو ہزاروں مشائخ اور علماء کو اپنی تلوار کی نوک سے نیچے لا چکا تھا۔ شیخ کا معتقد ہوگیا۔ کہنے لگا ہم آپ کے شہر گئے تھے۔ آپ نے نہ ہم سے ملاقات کی نہ مہربانی فرمائی اور نہ ہی خوش کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ درویش اپنے حجرے میں بیٹھ کر تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرتا ہے۔ اس میں ہر چھوٹا بڑا شریک ہوتا۔ فقیروں کو دربار میں آنے سے معذور رکھا کرو۔ بادشاہ کو آپ کی یہ باتیں بڑی پسند آئیں اور خوش ہو کر کہنے لگا کہ آپ کی جو مرضی ہوگی وہی کروں گا۔ میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو حکم کریں۔ حضرت شیخ نے کہا کہ میرا حکم یہی ہے کہ مجھے یہاں سے رخصت کر دیا جائے تاکہ اپنے خلوت کدہ میں بیٹھ کر ذکر خداوندی میں مصروف رہوں۔ بادشاہ نے حضرت شیخ کو رخصت کیا۔ اور شیخ فیروز احمد ضیاء برنی کو ایک لاکھ روپیہ دے کر شیخ کے ساتھ بھیجا۔ حضرت شیخ نے جب روپوں کی تھیلیاں دیکھیں تو فرمایا نعوذ باللہ من ذالک ایک درویش کو ایک لاکھ روپے سے کیا فائدہ ہے۔ اسے بادشاہ کی خدمت میں واپس لے جاؤ بادشاہ نے پچاس ہزار روپیہ رکھ لیا اور پچاس ہزار روپیہ دوبارہ آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے پھر انکار کیا۔ آخر کار آپ نے صرف ایک ہزار روپیہ لیا اور وہ بھی شیخ فیروز اور ضیاء برنی کے سامنے غربا میں تقسیم کر دیا۔

شیخ قطب الدین منور سات سو ساٹھ ہجری میں فوت ہوئے۔

چوں جناب شیخ قطب الدین
رفت از دنیا بفردوس بریں
سال ترحیلش نداشد از فلک
قطب دنیا آفتاب اہل دین

۷۶۰ھ

ہم بخواں مہر منور قطب حق

۷۶۰ھ

سال وصل آں شہ اہل یقین

خواجہ معین الدین خورد قدس سرہٗ: آپ شیخ حسام الدین سوختہ کے بڑے بیٹے تھے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے آپ کا رتبہ یہاں تک تھا کہ آپ کو جس چیز کی ضرورت ہوتی براہ راست حضرت خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کر لیتے۔ آپ کے چھوٹے بھائی کا نام شیخ قیام الدین تھا وہ بڑے ہی خوبصورت بہادر اور عظیم الشان بزرگ تھے۔ ان دونوں بھائیوں کی بڑی اولاد تھے جن میں علماء اور مشائخ بھی ہوئے۔

آپ سات سو اکاسٹھ ہجری میں فوت ہوئے

معین الدین چو از دنیا سفر کرد
بہ پیش اہل جنت گشت منظور
معین الدین متوکل رقم کرد
تبار یخش چو سرور گشت کمور

آپ اودھ کے عالمِ اجل تھے

شیخ علاؤالدین نیلی رحمۃ اللہ علیہ:- آپ کا ظاہری اور باطنی مزاج عالمانہ تھا لیکن صوفیانہ طرزِ زندگی کو اپنائے رکھتے تھے۔ اگرچہ آپ کو حضرت سلطان المشائخ سے خرقۂ خلافت و اجازت ملا تھا۔ لیکن کسی کو بیعت نہیں کیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے اگر میرے پیر و مرشد زندہ ہوتے تو میں یہ اجازت نامہ انہیں واپس کر دیتا۔ کیونکہ مجھ جیسے ناکارہ آدمی سے اِتنی عظیم ذمہ داری پوری نہیں ہو سکتی۔

میر حسن علائی سنجری کی کتاب فوائد الفوائد جو حضرت خواجہ نظام الدین کے ملفوظات پر مشتمل ہے اپنے قلم سے لکھ کر ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور دن رات مطالعہ کرتے لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ تصوّف۔ فقہ۔ حدیث اور تفسیر کی ہزاروں کتابیں آپ کے پاس موجود ہیں۔ مگر آپ سوائے فوائد الفواد کے کسی میں دلچسپی نہیں لیتے اور اسے تعویذ بنا کر پاس رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سلوک کی کتابوں سے سارا جہاں بھرا پڑا ہے مگر میرے پیر و مرشد کے ملفوضات دل کو جس انداز سے فرحت بخشتے ہیں اس کا مزہ کچھ اور ہی ہے۔

آپ سات سو باسٹھ (۷۶۲) سال میں فوت ہوئے۔

علاؤ الدین چو از دنیا سفر کرد
بذات ایزدی شد محو مطلق

رقم شد نہر سال انتقالش
علاؤ الدین عارف صاحبِ حق

۷۶۲ھ

شیخ سراج الدین چشتی قدس سرہ:- آپ کمال الدین علامہ کے بیٹے بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ کوشش کرتے کہ ان کی کوئی کرامت ظاہر نہ ہونے پائے۔ آپ کے والد بزرگوار نے موت سے پہلے آپ کو اپنے پاس بلایا اور بڑی روحانی نعمتیں عطا کیں۔ اُس دن سے آپ جس پر نگاہ ڈالتے وہ اللہ کی محبت میں مست ہو جاتا۔

آپ کی وفات سات سو باسٹھ ۷۶۲ھ ہجری یکم جمادی الاوّل کو ہوئی تھی۔ آپ کا مزار ضلع احمد آباد کے موضع پیراں پتن میں ہے۔

شیخ دنیا و دین سراج الدین
رفت چون از جہاں بباغ جہان
سال تاریخ اوست اہل خلوص

۷۶۲ھ

ہم دگر صاحب کرامت خوان

۷۶۲ھ

شیخ جلال الدین محمود پانی پتی الگازرونی قدس سرہٗ:- آپ بڑے صاحب کشف و کرامت تھے شریعت۔ طریقت۔ حقیقت اور معرفت کے علوم میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے آپ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے خلیفہ اعظم تھے۔ آپ کا اصلی نام محمد بن محمود تھا لیکن پیر و مرشد کی طرف جلال الدین کا خطاب ملا تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے آپ بچپن سے ہی جذبہ و محبت اور عشقِ خداوندی میں غرق تھے اور آخری عمر تک اسی حالت میں رہے۔ آپ پر اکثر مدہوشی طاری رہتی۔ جب نماز کا وقت ہوتا

تو آپ کے خادم آپ کے کان میں تین بار حق حق کہتے۔ آپ ہوش میں آتے اور پھر نماز پڑھتے۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر مراقبے میں چلے جاتے۔

شیخ جلال الدین وجد و سماع میں مشغول رہے آپ کی دعا کبھی نامنظور نہ ہوتی زبان سے جو کچھ فرما دیتے وہی ہوتا۔ آپ کے چالیس خلفاء ہوئے ہیں۔ ہر ایک خلیفہ سے علیحدہ علیحدہ سلسلہ تصوف جاری ہوا۔ آپ کی کتاب "زاد الابرار" تصوف میں ایک عمدہ تصانیف سے ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ جلال الدین دو بار حج کرنے گئے۔ آپ کے لنگر میں کم از کم ایک ہزار آدمی صبح و شام کھانا کھاتا اور اگر کبھی خادم اور مرید کم ہو جاتے تو پھر بھی ایک ہزار سے کم مہمان ہوتے۔ تو بازار سے اتنے آدمی بلا کر دستر خوان پر ایک ہزار کی تعداد پوری کر لیتے حضرت شیخ کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ شکار پر جاتے تو غیب سے ایک ہزار آدمیوں کا کھانا جنگل میں آجاتا۔ سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ شیخ جمال الدین ہانسوی کا وہ سلسلہ جو شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر کی دعا سے بند ہو گیا تھا آپ کی دعا سے دوبارہ جاری ہو گیا۔ آپ کی دعا یہ اثر تھا کہ شیخ برہان الدین ہانسوی قطب الدین منور ہانسوی اور شیخ نور الدین انور ہانسوی رحمۃ اللہ علیہم آپ کی دعا سے صاحب کرامت ہوئے ہیں اگرچہ یہ لوگ سلسلہ نظامیہ چشتیہ میں سے وابستہ تھے مگر شیخ جلال الدین کی دعا سے انہیں بہت فائدہ پہنچا۔

ایک دفعہ شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ سفر میں تھے رات ایک ایسے گاؤں میں ٹھہرے جہاں کے رہنے والے تھیلے پکڑے بھاگنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اُن سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس سال ژالہ باری کی وجہ سے ہماری فصلیں تباہ ہو گئیں ہیں غلہ نہیں ہو سکا۔ اس کے باوجود اس علاقے کا حاکم ہم سے معاملہ اور باج وصول کرنے کے لئے سختی کرتا ہے۔ ہمیں اس کی ادائیگی کی طاقت نہیں۔ اس لئے ہم یہاں سے بھاگ جانا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم لوگ یہ گاؤں میرے ہاتھ بیچ دو اور اس کا

نام جلال آباد رکھ دو تو میں تمہیں اتنا روپیہ دوں گا جس سے تم معاملہ بھی ادا کر دو گے اور امیر بھی ہو جاؤ گے۔ گاؤں والوں نے یہ بات مان لی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس جتنی لوہے کی چیزیں ہیں ایک جگہ جمع کر لو۔ اور خشک لکڑی بھی لے آؤ چنانچہ آپ نے لکڑیوں پر لوہا رکھ کر ان کو آگ لگا دی۔ اور حکم دیا کہ صبح ہوتے ہی اس لوہے کو دیکھنا۔ خود ہی آدھی رات کے وقت سب سے چھپ کر اپنے وطن چلے گئے۔ صبح کے وقت لوگوں نے لوہے کی چیزوں کو دیکھا تو تمام خالص سونے کی بنی ہوئی تھیں۔ انہوں نے حاکم کو معاملہ ادا کیا۔ اور سب کے سب امیر ہو گئے اور اُس گاؤں کا نام جلال آباد رکھا۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ ایک بار شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ دریا کے کنارے پر پہنچے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک ہندو جوگی آنکھیں بند کئے دریا کے کنارے پر بیٹھا ہے۔ اُس نے آنکھیں کھول کر حضرت کو دیکھا تو فرمایا۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ میرے پاس آ گئے ہیں۔ میرے پاس سنگِ پارس ہے۔ میں نے دل میں عہد کیا تھا کہ جو شخص آنکھیں کھولے میرے سامنے آئے گا۔ میں اُسے سنگ پارس دے دوں گا۔ اب تم اِسے لے لو اور اپنے استعمال میں لاؤ۔ کہ تم بہت خوش قسمت ہو۔ جنہیں ایسی دولت ملی۔ حضرت شیخ نے جوگی سے پتھر لے لیا اور دریا میں پھینک دیا آپ کی اس حرکت سے جوگی بہت ناراض ہوا۔ اور کہنے لگا۔ آپ کو اس پتھر کی قدر و قیمت معلوم نہیں کہ اِسے تم نے دریا میں پھینک دیا ہے۔ اب خیریت اسی میں ہے کہ میرا پتھر مجھے واپس دے دو حضرت شیخ نے جواب دیا جب تم نے پتھر مجھے بخش دیا تھا۔ میں جو چاہتا کرتا۔ اب تمہیں اِس سے کیا سروکار ہے؟ جوگی افسوس کرتا تھا۔ روتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ افسوس تم نے اتنی بڑی دولت کو دریا میں پھینک دیا ہے۔ اب تمہیں میں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ تاوقتیکہ میرا پتھر میرے

حوالے نہ کیا جائے۔ شیخ یہ بات سن کر مسکرائے اور فرمایا دریا میں اُتر جاؤ اور اپنا پتھر اُٹھا کر باہر لے آؤ۔ مگر دیکھنا اسی طرح کا اگر کوئی دوسرا پتھر ملا تو لالچ کر کے اسے نہ اٹھا لینا۔ صرف اپنا پتھر ہی لانا۔ جوگی نے یہ بات قبول کر لی۔ اور دریا میں کود پڑا۔ اس نے دیکھا کہ پانی میں ہزاروں سنگِ پارس موجود ہیں۔ جیسے اس نے حضرت شیخ کو دیا تھا۔ اُس کو لالچ ہوا اور اُس نے کئی پتھر اٹھا لئے اور اُسے چوری اپنے تھیلے میں چھپا لیا حضرت شیخ نے آواز دے کر کہا اوئے ظالم تم نے اپنا وعدہ بھلا دیا جوگی شرمندہ ہوا۔ دریا سے باہر آیا اور سارے پتھر شیخ کے سامنے لا رکھے اور شیخ کے قدموں میں گر کر کلمہ پڑھ لیا۔ اور آپ کا مرید ہو گیا۔ آپ کی دعا سے وہ کمالات کو پہنچا۔

اِسی کتاب میں ایک اور واقعہ لکھا کہ احمد نامی ایک قلندر ترکستان سے مرشد کی تلاش میں چلا اور ہندوستان آ پہنچا۔ اس نے لکھی کے جنگلات میں ڈیرہ جما لیا۔ اس نے پانی پت کے کئی مشائخ کو اپنے اس ارادے سے آگاہ کیا۔ چنانچہ مشائخ کا ایک گروہ حضرت شیخ جلال الدین کی قیادت میں لکھی کے جنگلات میں قلندر کے پاس پہنچا۔ جب کھانا کھانے لگے۔ اور طعام سے کپڑا اٹھایا۔ تو تمام غیر مشروع چیزیں پکی ہوئی تھیں۔ یہ ایسی چیزیں تھیں جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے لیکن وہ اس انداز سے پکائے گئے تھے۔ کہ کھانے والے کو ترغیب دینے میں موثر تھا۔ حضرت جلال الدین نے مشائخ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کراہت کی بجائے اللہ سے دعا کرو کہ یہ حرام کھانے دسترخوان سے اُٹھ کر خود شہادت دیں تاکہ اس قلندر کی یہ چال نمایاں ہو جائے چنانچہ حضرت شیخ جلال الدین نے ان کھانوں پر نگاہ ڈالی تو ہر جانور جس کا گوشت تیار کیا گیا تھا۔ اُٹھ کر سامنے آ گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر اس قلندر نے حضرت شیخ کے قدموں پہ سر رکھ دیا اور نہایت عجز سے اعتراف کیا۔ کہ میں نے دیدہ

دانستہ یہ کام اس لئے کیا تھا کہ دیکھوں کہ مشائخ اپنی نگاہ سے معلوم کر لیتے ہیں یا نہیں میں شیخ کو کامل وقت پاکر مرید ہوتا ہوں۔ اور تکمیل سلوک کے لئے ان کے ہر اشارے پر زندگی وقف کر دوں گا۔ حضرت نے اسے مرید بنا کر درجہ کمال تک پہنچا دیا۔

ایک دن حضرت شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کہیں جا رہے تھے کہ ایک ضعیف عورت سر پر پانی کا گھڑا رکھے جا رہی تھی۔ اس کے پاؤں کانپ رہے تھے آپ نے پوچھا کیا آپ کا کوئی اور آدمی پانی نہیں لا سکتا۔ کہنے لگی۔ میں بے کس اور بے سہارا ہوں۔ حضرت نے پانی کا گھڑا اٹھایا۔ اور اپنے کندھے پر رکھ کر چلنے لگے اور اس کے گھر پہنچے گھڑا رکھ کر فرمایا۔ آج کے بعد انشاء اللہ یہ گھڑا پانی سے بھرا رہے گا۔ تمہیں پانی لانے کے لئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ وہ ضعیف عورت اس گھڑے سے پانی استعمال کرتی رہی۔ مگر پانی کبھی کم نہ ہوا۔

سلطان فیروز الدین کے عہد حکومت میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اوچ شریف سے دہلی تشریف لائے۔ آپ یہاں آکر سخت بیمار ہو گئے حتیٰ کہ لوگوں نے آپ کو موت کے قریب پایا۔ پانی پت میں شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو غیبی اشارہ ہوا۔ کہ وہ فوراً دہلی پہنچیں اور اپنی عمر کے دس سال حضرت مخدوم جہانیاں کو نذرانہ پیش کریں۔ آپ زور کرامت سے طے الارض کر کے فی الفور دہلی پہنچے۔ حضرت مخدوم کی خدمت میں پہنچ کر اسلام علیکم کہا۔ اور آپ نے آنکھیں کھولیں تو شیخ جلال الدین نے کہا۔ اٹھیں تازہ وضو کریں۔ مخدوم نے وضو کیا۔ تو آپ نے دونوں ہاتھ بڑھا کر فرمایا میں نے اپنی زندگی کے دس سال آپ کو بخشے ہیں۔ مخدوم نے کہا میں نے قبول کر لئے۔ یہ کہتے ہی حضرت شیخ جلال الدین پانی پت آ گئے۔ مخدوم جہانیاں صحت یاب ہوئے۔ حضرت کی صحت یابی کی خبر سن کر سلطان فیروز الدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوا صورت حال معلوم کرنے پر آپ نے بتایا کہ مجھے شیخ جلال الدین نے اپنی زندگی کے دس

سال دیئے ہیں ورنہ میرا وقت آپہنچا تھا۔ سلطان فیروز الدین کو حضرت شیخ جلال الدین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ چل کر پانی پت آیا اور آپ کی زیارت سے مشرف ہوا

شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پانچ بیٹے تھے۔ خواجہ عبدالقادر۔ خواجہ ابراہیم خواجہ شبلی۔ خواجہ کریم الدین اور خواجہ عبدالاحد۔ آپ پانی پت میں پنج گنج ولایت کہلاتے تھے اگرچہ آپ کے خلفاء کی تعداد چالیس سے بھی زیادہ تھی۔ مگر آپ کا سلسلہ عالیہ شیخ عبدالحق قدس سرہٗ سے جاری ہوا تھا۔

شیخ جلال الدین پانی پتی کی وفات ۱۳ ماہ ربیع الاوّل ۷۶۵ھ کو ہوئی تھی آپ کا مزار پانی پت میں ہے۔

چوں جلال از جہاں سفر ورزید — یا رحق بود وصل شد با یار
زاہد پاک اشرف الاقطاب — ہست تاریخ آں شہ ابرار

۷۶۵ھ — ۷۶۵ھ

بندہ مقتدا جلال الدین + پیروالی ارشاد + بحرِ عرفان جلال بے نیاز

۷۶۵ھ — ۷۶۵ھ — ۷۶۵ھ

کامل پیر عالیشان + مفتاح جلال حق جلال + ساکن خلد شد

۷۶۵ھ — ۷۶۵ھ — ۷۶۵ھ

خداوندِ اہل جلال (بہ تکرار)

۷۶۵ھ

شیخ حمید قلندر قدس سرہٗ: آپ حضرت خواجہ نظام الدین دہلوی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ بچپن میں اپنے والد مکرم کے ساتھ حضرت خواجہ محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہوئے۔ حضرت خواجہ کے وصال کے بعد آپ کے خلفائے کرام سے استفادہ کیا مولانا برہان الدین غریب۔ شیخ نصیر الدین

چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کے علاوہ دوسرے خلفاء سے سلوک چشتیہ میں تربیت پائی حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے ملفوظات میں ایک کتاب بحر المجالس ترتیب دی یہ کتاب ۷۵۰ھ سے ۷۶۰ھ کی مجالس کے احوال پر مشتمل ہے۔ آپ بڑے کامل شاعر اور سخنور تھے۔ اگرچہ آپ قلندری سلوک کے بھی واقف تھے۔ مگر قلندرانہ زندگی بسر نہیں کی تھی۔

ایک دن آپ بچپن میں اپنے والد کے ساتھ حضرت خواجہ محبوب الٰہی دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ نے دستر خوان بچھایا تو آپ نے ایک روٹی کے دو حصے کر کے ایک حصہ آپ کو دیا۔ شیخ حمید نے یہ روٹی کھانے کی بجائے اپنے پاس رکھ لی۔ اور باپ کے ساتھ باہر نکل آئے۔ باہر چند قلندر بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا۔ شیخ زادے ہمیں کچھ دو۔ ہم نے روزہ افطار کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس تو کچھ نہیں قلندروں نے کہا۔ تمہارے پاس آدھی روٹی ہے۔ یہ ہمیں دے دو۔ قلندروں کے اس کشف پر شیخ حمید بڑے حیران ہوئے اور وہ روٹی انہیں دے دی۔ قلندروں نے روٹی بانٹ کر روزہ افطار کیا۔ آپ کے والد نے فرمایا۔ حمید تم نے یہ کیا کیا۔ حضرت کی عطا کردہ روٹی ان قلندروں کو دے دی۔ یہ تو ایسی نعمت تھی۔ کہ سات پشتوں تک کام آتی تھی۔ والد گرامی شیخ حمید کو پکڑ کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں واپس لے گئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا چلو درویشوں کا حق درویشوں کو پہنچا دیا۔ پھر آپ شیخ حمید کے والد کو مولانا تاج الدین نے فرمایا۔ فکر نہ کرو۔ تمہارا یہ بیٹا بلند قدر قلندر رہے گا۔ اس دن سے مولانا حمید کا خطاب حمید قلندر رکھا گیا۔

آپ کی وفات ۷۶۸ھ کو ہوئی تھی۔

چوں حمید از لطف و افضال خدا
رفت از دنیا و در جنت رسید
شاہ عالیشان بگو سالِ وصال
ہم بخواں سرورِ شہ عرفاں حمید

آپ شیخ نصیرالدین محمود
سیّد محمد بن سید مبارک بن سید محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلیفہ تھے اور سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ اگرچہ آپ نے بچپن میں سلطان مشائخ سے بیعت کر لی تھی۔ لیکن تکمیل کے مراحل شیخ نصیرالدین کی نگرانی میں گزرے اس طرح آپ سلطان المشائخ کے اویسی تھے اور کئی بار خواب میں اُن کی زیارت بھی کی تھی۔ اور ان سے خواب میں بیعت بھی کی۔ آپ کے والد اور دادا بھی حضرت شیخ کے مقربین میں سے تھے۔

مبارک بن سید محمد کرمانی سیر الاولیاء کتاب لکھی۔ یہ اتنی بے مثال اور مستند کتاب ہے جس میں چشتی بزرگوارانِ دین کے احوال درج ہیں۔ یاد رہے۔ چشتی بزرگوں کے تذکرے میں سیر الاولیاء کے نام سے دو کتابیں مشہور و معروف ہیں۔ ایک بدرالدین اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی۔ جس میں حضرت خواجہ فرید شکر گنج کے ملفوظات ہیں۔ دوسری اسی نام کی کتاب سید محمد بن مبارک کرمانی کی ہے۔

شجرۂ چشتیہ میں آپ کا سنِ وفات سات سو ستر ہجری ہے۔ جبکہ فیروز شاہ تغلق کا زمانہ اقتدار تھا۔

محمد بن مبارک میر عالم
چو حق بکشود بر وے جنتی باب

عجب سال وصالش حق پرست است

۷۷۰ھ

بخوان تحریر کن بشمار دریاب
دگر سرور بتاریخش رقم کرد
محمد بن مبارک میرا خطاب

۷۷۰ھ

شیخ یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ:- آپ بھی شیخ محمود چراغ دہلوی کے خلیفہ اور مرید تھے۔ ظاہری علوم فقہ حدیث تفسیر میں بڑے ماہر تھے۔ آپ کی ایک مشہور کتاب تحفۂ نصائح ہے۔ اس میں احکام شرع فرائض اور سنتیں درج ہیں۔ بڑی خوبصورت نظم میں لکھی گئی ہے اُس کا ہر ایک شعر لفظ پر ختم ہوتا ہے۔ کتاب کے آخر میں اپنے پیر کی یوں تعریف لکھتے ہیں۔

شیخ معظم پیر ما محمود آں صاحب قرآن
چوں او نباشد ہیچ کس ہم محتشم ہم معتبر
عالم بعالم مثل او ہرگز ندیدہ مردمی
اندر کرامت مثل او خیزد کجا دور قمر
او بود شیخ مقتدا اور جائے مقتدا
گشتند اعمی دیدہا چوں رفت آں اہل نظر
گوہد یمی یوسف گدا در وعظ سخنے چند را
از بر خلف خوش لقا بوالفتح آں ابوالنصر

آپ کی وفات ۷۷۴ھ میں ہوئی تھی۔

یوسف دین احمدی یوسف
کرد چوں از جہاں بخلد مکان
رحلتش یوسف حقیقت گو
یوسف حسن ماہ تاباں داں

سید تاج الدین شیر سوار قدس سرہٗ: آپ شیخ قطب الدین منور ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور خلیفہ اور نامور مرید تھے۔ ہمیشہ زہد و ریاضت میں مصروف رہتے ایک وقت ایسا آیا کہ جنگل کے درندے پرندے وچار پائے اور مویشی آپ کے اشارے پر چلنے لگے۔ جنگل میں چلتے چلتے اگر انہیں اپنے پیر روشن ضمیر کی زیارت کا خیال آتا تو کسی شیر ببر کو پکڑتے اور اُس پر سوار ہو جاتے اور خونخوار سانپ کو اٹھاتے چابک بنا کر چل نکلتے۔ اور شہر کو جا نکلتے۔ شہر کے قریب پہنچ کر سانپ اور شیر کو شہر کے باہر چھوڑ دیتے اور خود ننگے پاؤں حضرت پیر کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ ایک دن آپ بے خودی کی حالت میں شیر پر سوار اپنے پیر کی خدمت میں جا پہنچے۔ آپ کے پیر اس وقت ایک دیوار پر بیٹھے تھے۔ سید تاج دین کو شیر پر سوار دیکھ کر فرمایا۔ تاج دین شیروں اور حیوانوں کو قابو کر لینا کوئی بڑی بات نہیں ہے اللہ کے بندے تو دیوار کو حکم کریں تو وہ بھی چل پڑتی ہے۔ ابھی تک شیخ قطب الدین کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ دیوار چلنے لگی۔ حضرت شیخ نے دیوار کو پاؤں مار کر کہا ہم نے تو یہ بات تمثیلاً کہی ہے ہم نے تمہیں تو نہیں کہا تھا کہ تم چل پڑو لہٰذا جہاں سے چلی ہو واپس جا کر کھڑی رہو۔

سید تاج دین کا ایک بیٹا تھا جسے شیخین ابدال کہتے تھے۔ بڑا ہی بزرگ اور تارک الدنیا انسان تھا۔ اُس کے گھر میں ایک بہت بڑا پتھر پڑا تھا۔ اور ابھی تک وہ پتھر اُس کے گھر کی دہلیز کے باہر پڑا ہے۔ آپ اپنی زندگی میں ایک لکڑی کا پیالہ اس پتھر پر رکھ

دیتے تھے۔ آنے جانے والے اس میں نقدی ڈال دیتے تھے۔ شام کے وقت شیخین ابدال ان چیزوں کو اٹھاتے اور کچھ خرچ کر دیتے اور باقی غریبوں میں تقسیم کر دیتے۔ اس پیالے کا معمول یہ تھا کہ اگر بازار میں غلہ مہنگا ہوتا تو اس میں پیسے زیادہ آتے اور اگر سستا ہوتا تو تھوڑے پیسے آتے۔

شیخ تاج الدین نے سات سو چراسی ہجری میں وفات پائی۔

شیخ تاج الدین شہ عالم در اوصاف
تاج دین اعزاز دنیا شیخ حق بین گفتہ اند
کرد چوں رحلت بجنت خلق تاریخ وصال
تاج فقر و نیز تاج شاہ دین گفتہ اند

۷۸۴ھ ۷۸۴ھ

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ سید تاج الدین کا مزار پُر انوار نارنول میں ہے۔

شیخ عبد المقتدر قدس سرہٗ۔ آپ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ بہت بڑے عالم دین تھے۔ اور صاحب باطن درویش بھی تھے آپ کی گفتگو میں فصاحت و بلاغت بھری ہوئی تھی۔ آپ کے والد قاضی رکن الدین الکندی بھی وقت کے بہت بڑے عالم اور فاضل تھے ابتدائی زندگی میں آپ درویشوں کے منکر تھے اور شرعی مسائل پر بحث کرنے کے لئے حضرت چراغ دہلوی کی خدمت میں جاتے۔ ایک عرصہ تھا اسی بحث و تکرار میں مصروف رہے۔ آخر کار آپ کے مرید ہو گئے اور ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مالا مال ہو گئے۔ مناقب الصدیقین آپ کی مشہور کتاب ہے اس میں حضرت شیخ کی کرامات لکھی ہوئی ہیں۔ قاضی شہاب الدین آپ کے ہی شاگرد تھے۔

ایک دن قاضی شہاب الدین کو کہیں سے سونا ملا دل میں کہنے لگے کہ اس سونے کو

میں اُس جگہ چھپاؤں گا۔ جہاں کسی کی نظر نہ پڑے۔ اِسی حالت میں حضرت شیخ عبد المقتدر کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کی نگاہ قاضی پر پڑی تو فرمایا قاضی صاحب آپ سونا دفن کرنے کی فکر میں ہیں۔ علم کا بوجھ کہاں لے جاؤ گے۔

آپ اٹھائیس محرم سات سو اکانوے ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار اپنے والد کی قبر کے ساتھ بنایا جو خواجہ قطب الدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے احاطے میں ہے۔ پاس ہی شیخ عبد الصمد جونپوری کی خانقاہ ہے۔

چون باکرام خداوندی وفضل لایزال
رفت ازدار الفنا در خلد عالی مقتدر
صاحب مخدوم شد سال وصالش نیز عقل
گفت اولیٰ مقتدر فرمود والی مقتدر

۷۹۱ھ

معارج الولایت کے مصنف نے قاضی عبد المقتدر قدس سرہٗ کی وفات کے متعلق دو روائتیں نقل کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ شیخ موصوف بتاریخ چھبیس محرم الحرام ۷۹۱ھ کو فوت ہوئے۔ دوسری روایت میں سال وفات ۷۸۲ھ لکھی ہے

شیخ عبد المقتدر شیخ زمان
شد چو از دنیا بگلزار بہشت
گشت آخر سال وصل او عیاں
از خرد سرو محب اہل چشت

۷۸۹ھ

شیخ علاؤ الدین علاء الحق بن اسعد لاہوری قدس سرہٗ

آپ شیخ سراج الدین رضی عثمان قدس سرہٗ

کے خلیفہ اعظم تھے۔ ابتدائی زندگی میں بہت خوشحال۔ دنیادار علماء وقت اور اکابر زمان کی حیثیت سے رہتے تھے مگر جب سلسلہ نظامیہ میں داخل ہوئے تو سب شان و شوکت چھوڑ کر صرف یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ جن دنو حضرت شیخ سراج الدین رضی حضرت خواجہ محبوب الٰہی سے خرقۂ خلافت پاکر جدا ہونے لگے تو آپ نے آپ کی خدمت میں استدعا کی۔ کہ یہاں ایک عالم دین اور دانش ور مفکر ہے۔ جس سے ہمیں تاب بحث و مناظرہ نہیں ہے مگر وہ عام طور پر مسائل دینیہ پر گفتگو کرنے آجاتا ہے۔ آپ نے فرمایا فکر نہ کرو۔ وہ ایک دن آپ کا مرید ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

معارج الولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ علاء الدین صحیح النسب قریشی تھے۔ آپ کا نسب نامہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شیخ رضی سراج قدس سرہٗ کے یہاں آنے سے پہلے بڑے متکبرانہ انداز میں رہا کرتے تھے اور دولت و احتشام میں گزر کیا کرتے تھے۔ آپ کی یہ بود و باش اور جاہ و جلال کی خبریں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ کو پہنچیں۔ تو آپ نے غصے میں فرمایا کہ میرا پیر گنج شکر ہے اور وہ مصری کا خزانہ ہے۔ مگر تکبر کی بو تک نہیں یہ شخص اپنے آپ کو گنج شکر سے بھی اعلیٰ اور برتر خیال کرتا ہے۔ یا اللہ اس کی زبان کو لگام دے کہتے ہیں۔ یہ بات کہتے ہی علاء الدین کی زباں گنگ ہو گئی۔ لیکن جب سراج الدین رضی سے بیعت ہوئے تو زبان کھل گئی۔ اور پھر پے در پے زہد و تقویٰ سے بلند مقامات پر پہنچے کہتے ہیں۔ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ اپنی سلطنت کو خیر باد کہہ کر حضرت خضر علیہ السلام کی راہنمائی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو بہت سے مدارج حاصل کئے آپ کے فرزند اور سجادہ نشین نور الدین قطب عالم آپ کی توجہ سے قطب عالم بنے شیخ نصیر الدین مانک پوری آپ کے فیض سے ہی مقامات عالی کو پہنچے۔ وہ آپ کے

ہی مرید تھے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کی برکت سے انہیں ابدالوں میں بلند رتبہ کر دیا۔

اخبالاخیار میں ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ جن دنوں شیخ علاءالدین حضرت شیخ سراج الدین انی قدس سرہٗ کی خدمت میں سرفراز ہوئے اور دنیاوی خواہشات اور مال و منال سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ تو وہ اپنے پیرومرشد کے سفر میں ہم سفر رہتے۔ درویشوں کے لئے طعام پکا کر ساتھ ہوتا۔ یہ گرم گرم دیگچہ حضرت شیخ علاءالدین سر پر رکھ لیتے اور حضرت کے ساتھ ساتھ چلتے۔ اس دیگچے کی گرمی سے آپ کے سر کے بال جھڑ گئے تھے حضرت شیخ انی اکثر اوقات ان مقامات سے بھی گزرتے جہاں شیخ علاءالدین کے رشتہ دار بڑی شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن آپ ننگے پاؤں اپنے شیخ کی سواری کے ساتھ ساتھ چلتے۔ مگر اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کو اس شان و شوکت میں دیکھ کر حضرت علاءالدین پہ کوئی دنیاوی تاثر نہ ہوتا اور آپ خوش خوش یہ خدمت سرانجام دیتے رہتے۔

ایک بار حضرت شیخ علاءالدین قدس سرہٗ کی خانقاہ پر چند قلندر آ پہنچے۔ ان کے پاس ایک بلی تھی جو وہاں آ کر گم ہو گئی اور کہیں چلی گئی۔ قلندروں نے حضرت کو کہا کہ آپ کی خانقاہ میں ہماری بلی گم ہو گئی ہے۔ اسے کہیں سے تلاش کر کے ہمیں دو۔ آپ نے فرمایا۔ میں کہاں سے تلاش کروں ایک قلندر نے کہا "شاخ آہو" سے تلاش کرو۔ مگر ہمیں لا کر دو۔ آپ نے فرمایا تمہیں تو شاخ آہو (ہرن کے سینگ) سے ہی سزا ملے گی ایک اور قلندر آگے بڑھا اس نے بدزبانی شروع کر دی۔ اور کہنے لگا۔ ہماری بلی تو دینی پڑے گی۔ ہم اپنی بلی کہاں سے لائیں۔ کیا ہم اپنے خصیوں سے لائیں۔ آپ نے فرمایا ہاں تمہیں تو تمہارے خصیوں سے ہی ملے گی۔ جب قلندر خانقاہ سے روانہ ہوئے۔ تو سامنے سے ایک طاقتور بیل آ رہا تھا۔ اور جس قلندر نے شاخ آہو سے بلی لانے کو کہا تھا۔ اسے اپنے سینگوں پر اٹھایا اور زمین پر دے مارا اور ہلاک کر دیا۔ جس نے خصیوں سے بلی لانے کو کہا تھا۔ اس کے خصیے اس قدر سوج گئے۔ کہ وہ اسی وقت مر گیا۔ یہ دونوں

قلندر اپنی گستاخی کی سزا کو پہنچ گئے۔

شیخ علاء الدین قدس سرہٗ کی خانقاہ کا خرچ بہت زیادہ تھا۔ ہزاروں روپیہ روز لوگوں کے کھانے پر خرچ ہو جاتا تھا۔ جو مسافر۔ حاجت مند مقامی یا غیر مقامی آتا اسے کھانا ملتا۔ جب یہ خبر بادشاہِ وقت کو ملی تو سخت حیران ہوا۔ کہ ایک درویش اس قدر خرچ کہاں سے کرتا ہے میری سلطنت کا سارا مال شیخ علاء الدین کے دو روزہ خرچ سے بھی کم ہے ایسے فضول خرچ آدمی کو شہر میں رکھنا اچھا نہیں۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ شہر سے باہر بنارگاؤں میں سکونت کر لیں چنانچہ حضرت شیخ شہر چھوڑ کر دو سال تک موضع بنار میں قیام پذیر ہو گئے۔ اور اپنے خادموں کو کہہ دیا کہ جس قدر ہمارا خرچ شہر میں ہوتا تھا۔ اس سے دوگنا شروع کر دو۔ تاکہ دنیا دار فقیروں کی زندگی پر جلتے رہیں۔ ظاہری طور پر شیخ کے پاس مال و دولت تو نہ تھا صرف والد کی میراث سے دو باغ ملے تھے۔ ان سے آٹھ ہزار روپیہ آتا تھا۔ یہ باغ بھی ایک سائل کو بخش دیئے لنگر پر جس قدر صرف ہوتا تھا۔ وہ خزانۂ غیب سے آتا تھا۔

اخبار الاخیار شجرۂ چشتیہ۔ اور معارج الولایت کے مولفین نے آپ کی وفات یکم رجب ۸۰۰ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار پنڈوہ میں ہے۔

بفردوس معلّی شد علاء الدین جوازعالم
برویش نزہت تازہ بگلزار جناں آمد
ولی رہبر علاء الحق والدین است تاریخش
دگر والی علاء الحق والملت عیاں آمد

۸۰۰ھ

مخدوم حسام الدین فتح پوری قدس سرہٗ

آپ قاضی عبد المقتدر کے خلفاء میں سے تھے عرفانی اوصاف سے موصوف

تھے۔کشف وکرامت میں معروف تھے۔صاحب معارج الولایت لکھتے ہیں کہ حسام الدین اولیائے تاجدار اولیائے باوقار میں مانے جاتے تھے۔آپ نے اپنی خصوصی توجہ سے بے پناہ مخلوق کی راہنمائی فرمائی۔آپ کے خلیفہ شیخ بڈھن چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو بچپن سے ہی تربیت دی اور ظاہری و باطنی کمالات تک پہنچا دیا۔ کہتے ہیں کہ شیخ بڈھن ابھی چھ سال کی عمر میں تھے کہ آپ کے والد ماجد نے انہیں حضرت شیخ حسام الدین کی خدمت میں پیش کر دیا۔اور عرض کی حضور میرے کئی بچے بچپن میں ہی فوت ہو گئے ہیں۔اس بچے کو میں آپ کی نگرانی میں دیتا ہوں تاکہ یہ طبعی عمر تک پہنچے۔آپ نے فرمایا۔انشاء اللہ یہ بہت بڑا پیر بنے گا۔ باپ نے پھر کہا۔اگر اس بچے کو تھوڑا سا علم بھی عطا فرما دیا جائے تو میرا دل خوش ہو جائے گا۔آپ نے فرمایا۔ یہ عالم متبحر ہو گا۔انشاء اللہ تعالیٰ۔باپ نے عرض کیا۔حضور علم معرفت الٰہیہ کے بغیر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔آپ نے فرمایا۔اللہ کے فضل سے عارف ربانی بھی ہو گا۔اور عمر بھی لمبی ملے گی۔چنانچہ حضرت شیخ حسام الدین نے جیسے فرمایا تھا۔ویسے ہی ہوا۔

شیخ حسام الدین معارج الولایت کی روایت کے مطابق ۸۰۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔

شد بجنت چو زیں جہان فتا
شیخ دین جنتی حسام الدین
گفت سر در بسال رحلت او
شاہ مرد ولی حسام الدین

۸۰۰ھ

قاضی سادی چشتی قدس سرہٗ:- آپ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی قدس سرہٗ کے خلیفہ اعظم تھے۔وقت کے

نامور علماء میں شمار ہوتے تھے۔ نہایت متقی اور متورع تھے۔ ہزاروں لوگ آپ کی توجہ سے ہدایت یافتہ ہوئے۔ خواجہ اختیار الدین عمر ایرچی قدس سرہٗ آپ کے خلیفہ تھے۔

شجرہ چشتیہ اور دوسرے تذکروں میں آپ کا سال وفات ۸۰۱ھ لکھا گیا ہے۔ معارج الولایت کے مولف نے ۷۸۹ھ تحریر کیا ہے۔ مگر ہماری تحقیق میں پہلا قول درست ہے اور ہم نے جتنی بھی کتابیں دیکھی ہیں۔ ان میں سال وصال ۸۰۱ھ ہی دیکھا ہے

قاضی سادی کہ مثلش مادر گیتی نزاد
شد چو از دار الفنا آں شیخ والا در عدم
کن بیان محبوب خالق سال وصل آں دگر

۷۸۹ھ

سالک مخدوم و ہم مخدوم عالی کن رقم

۸۰۱ھ ۸۰۱ھ

شیخ سعد اللہ کیسو دراز بن شیخ متوکل قدس سرہٗ: آپ بھی شیخ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ حضرت چراغ دہلوی کے علاوہ آپ کو اپنے والد ماجد شیخ متوکل رحمتہ اللہ علیہ سے بھی خلافت حاصل تھی۔ نہایت پاک سیرت اور متقی بزرگ تھے۔ معارج الولایت کے مولف نے لکھا ہے کہ شیخ سعد اللہ کو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک کیسہ (تھیلی) عطا فرمائی تھی۔ جو ہر وقت درہم و دینار سے بھری رہتی تھی۔ شیخ کو جب ضرورت ہوتی اسی تھیلی سے نکالتے اور خرچ کرتے جاتے۔ مگر وہ کسی وقت بھی خالی نہ ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے آپ شیخ سعد اللہ کیسہ دار مشہور ہو گئے۔ آپ کو حضرت

میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ السامی سے بھی خرقۂ خلافت ملا تھا۔
معارج الولایت نے آپ کا سال وصال ۸۰۶ھ لکھا ہے۔

شیخ سعد اللہ کہ سر وار پیر
شد چو از دنیائے دوں اندر جناں
ناصر دین کاشف ۸۰۶ آمد رحلتش
ہم عیاں گر دید تاج عارفاں

۸۰۶ھ

پیر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس اللہ باسرارہ السامی آپ خطۂ ہندوستان کے عظیم اولیا اور نہایت متقی بزرگ تھے۔ آپ علاء الدین بنگالی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے آپ کو چاروں سلسلوں سے فیض ملا تھا۔ کیونکہ آپ کو وقت کے تمام پیران عظام کی صحبت میسر ہوئی تھی اور آپ نے ہر ایک سے روحانی تربیت پائی تھی۔ آپ کے والد ماجد سلطان ابراہیم سمنان کے بادشاہ تھے۔ ان کی وفات کے بعد سید پیر جہانگیر سمنانی تخت نشین ہوئے۔ چند سال حکومت کی۔ پھر تارکِ تاج و تخت ہو گئے۔ اور فقر اور کے حلقہ میں داخل ہو گئے۔

معارج الولایت کے مولف نے لطائف اشرفی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سید اشرف جہانگیر مادر زاد ولی اللہ تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور ساتوں قرأت میں ماہر ہو گئے تھے چودہ سال کی عمر میں عقلی اور نقلی علوم سے فارغ ہو گئے۔ اسی سال آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوا۔ اگرچہ آپ طبعاً اقتدارِ ملک کی طرف متوجہ نہ تھے۔ مگر امراء دربار کے اصرار پر آپ تخت شاہی پر جلوہ فرما ہوئے آپ امور سلطنت سے فارغ ہو کر حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی قدس سرہٗ

اور دوسرے مشائخ کی صحبت میں رہتے تھے۔ ایک دن حضرت خضر علیہ السلام آئے اور فرمایا۔ اگرچہ آپ کو امور سلطنت سے فراغت نہیں۔ مگر نقش اسم اللہ کے اجمالی معانی ذہن نشین کرلیں۔ اور اسم ذات کو دل کی زبان سے ادا کرتے رہا کریں۔ اور انفاس سے واقف ہونا چاہیئے آپ حضرت خضر علیہ السلام کے کہنے پر گامزن رہے تو آپ کو بے پناہ روحانی فوائد حاصل ہوئے پھر حضرت خواجہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ خواب میں تشریف لائے اور آپ کو اذکار اویسیہ سے واقف کردیا۔ آپ سات سال تک ان اذکار و وظائف میں مشغول رہے رمضان المبارک کی ستائیویں رات آپ نوافل ادا کر رہے تھے۔ اور ذکر میں بھی مشغول تھے۔ خضر علیہ السلام پھر تشریف لائے اور آپ نے فرمایا۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
دین خیال ست و صال ست جنوں

(آپ خدا بھی چاہتے ہیں۔ اور دنیائے دوں بھی۔ یہ خیال مشکل ہے اور ایک جنوں ہے) بیٹا یاد رکھو۔ طلب خداوندی اور دنیاوی معاملات یکجا نہیں ہو سکتے۔ اگر آپکو محبوب کی طلب ہے۔ تو امور سلطنت کو چھوڑنا ہوگا۔ اور جلدی سفر کرکے ہندوستان میں جاکر علاء الدین بنگالی کی خدمت میں حاضری دیں۔ تاکہ ان کی وساطت سے خدا تک پہنچ سکو۔ حضرت خضر علیہ السلام کے ارشاد پر حضرت سید میر اشرف جہانگیر نے فوراً تاج و تخت کو چھوڑ دیا۔ اور سلطان محمود کو اپنا جانشین مقرر کرکے اپنی والدہ ماجدہ بی بی خدیجہ بیگم سے ہندوستان جانے کی اجازت لی۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمایا۔ بیٹا! ابھی تم پیدا نہیں ہوئے تھے۔ تو مجھے حضرت خواجہ احمد یسوی قدس سرہٗ نے بشارت دی تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ایسا بیٹا دے گا جس سے تمام دنیا روشن ہو جائے گی۔ الحمدللہ اب اس بشارت کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔ میں اپنے حقوق

تمہیں بخشتی ہوں۔

حضرت میر جہانگیر تیئس ۲۳ سال کی عمر میں سمنان سے ہندوستان روانہ ہوئے برصغیر میں سب سے پہلے آپ اوچہ شریف (پاکستان) میں پہنچے۔ اور حضرت مخدوم سید جہانیاں جہاں گشت جلال الدین سے ملاقات کی بڑی روحانی نعمتیں حاصل ہوئیں وہاں سے روانہ ہوئے اور دہلی پہنچے یہاں بزرگانِ چشت کی زیارتوں سے فیض حاصل کیا۔ دہلی سے مشرق کو روانہ ہو کر حضرت علاء الدین بنگالی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت علاء الدین کو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت میر جہانگیر سمنانی کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ آپ اپنے اصحاب کو لے استقبال کے لئے آگے بڑھے۔ ملاقات کے بعد نہایت شفقت اور محبت سے اپنی بہلی میں سوار کیا۔ اور اپنے ساتھ خانقاہ میں لے آئے اسی دن آپ کو بیعت فرمایا اور اپنا لباس پہننے کو دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے تکمیل سلوک کر لی اور آپ کو جہانگیر کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ خرقۂ خلافت دے کر جونپور کی ولایت پر مامور فرمایا گیا۔ آپ نے عرض کی حضور جونپور میں تو ایک شیر ببر کی فرمانروائی ہے۔ میری وہاں کیا مجال ہوگی۔ شیر ببر سے مراد حاجی چراغ ہند سہروردی خلیفہ حضرت رکن الدین ابوالفتح بنیرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ نے جواب دیا۔ فکر نہ کرو تمہیں بھی ایک شیر کا بچہ دیں گے۔ جس سے پہلا شیر چلا جائے گا۔ پہلے جا کر ظفر آباد میں قیام کرنا۔

میر جہانگیر سمنانی اپنے پیر و مرشد کے ارشاد کے مطابق جونپور کو روانہ ہوئے۔ پہلے قصبہ محمد پور میں قیام فرمایا۔ آپ کے پاس اس علاقہ کے علماء و فضلا کی ایک جماعت ملنے آئی دوران گفتگو حضور سید الانبیاء کے چار صحابہ کبار کا ذکر چل پڑا حضرت میر جہانگیر نے چاروں صحابہ کی شان میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ آپ نے ان علماء کرام کے سامنے یہ رسالہ پڑھا۔ اس رسالہ میں تینوں صحابہ کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہ

کے مناقب اور محامد قدرے زیادہ لکھے گئے تھے۔ حضرات علماء کرام نے اعتراض کیا اور حضرت کو رافضی کہا گیا۔ اگرچہ حضرت میر جہانگیر نے انہیں قائل کرنے کے لئے بڑی بحث کی اور بڑے دلائل دیئے۔ مگر ان علماء کی رائے تبدیل نہ کر سکے۔ دوسرے دن اور زیادہ علماء کرام جمع ہوئے تو یہ سلسلہ باقاعدہ مناظرہ اور مباحث کی صورت اختیار کر گیا۔ اور محضر نامہ لکھا حضرت میر جہانگیر کو مجمع عام میں مناظرہ کرنے پہ آمادہ کیا گیا ان دنوں ایک شخص سید خان زبردست عالم دین تھا جو جونپور کے تمام علاقہ میں علماء کرام کا سربراہ مانا جاتا تھا۔ اس نے جمعرات کو سرکار دو جہاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ جہانگیر اشرف میرا جگر گوشہ ہے وہ ایسا نہیں ہے جیسا تم لوگ خیال کرتے ہو۔ اس کے مقابلہ میں نہ بحث و تمحیص کام آئے گی نہ دلائل۔ اگر خیریت چاہتے ہو۔ تو معذرت کر کے تائب ہو کر صاف دلی سے ان کے پاس عاضری دو۔ سید خان علی علی الصباح آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قدم بوسی کی اور عرض کی حضور! علماء کے استفسار کا جواب میں دونگا آپ کو جواب دینے کی ضرورت نہیں نماز جمعہ کے بعد علماء کرام نے وہ محضر نامہ پیش کیا جس میں تینوں صحابہ کرام کو حضرت علی پر فضیلت ثابت کرنے کے لئے دلائل تھے۔ ابھی حضرت میر جہانگیر اشرف نے زبان نہ کھولی تھی کہ سید خان نے علماء کرام کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ آپ کا اعتراض میر جہانگیر پر صرف اتنا ہی ہے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت میں مبالغہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں! سید خان نے کہا۔ یہ اعتراض اس شخص پہ کیا جا سکتا ہے جو سید نہ ہو۔ یہ اعتراض سید پہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے ماں باپ کی عزت اور مراتب بیان نہیں کرتا تو اسے اسلام میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ اسے اپنے والدین کے اوصاف اور مناقب بیان کرنے سے نہیں روکا جا سکتا ہے علماء کرام

نے فرمایا۔ کہ اس نکتہ پر ہمیں کسی مجتہد کا قول چاہیئے یا کسی معتبر کتاب سے سند چاہیئے۔ سید خان نے جامع العلوم کی یہ عبارت پیش کی۔ اِلناس اَبنا الدّنیا لا یلام الرجل علیٰ البویہ وبعدھما (لوگ دنیا کے بیٹے ہیں کسی شخص کی اس بات پر ملامت نہ کرو کہ وہ اپنے والدین کی تعریف کرتا ہے) یہ روایت سن کر معترض خاموش ہو گئے۔ اور بحث و تکرار کو ختم کر کے مطمئن ہو گئے۔

حضرت میر اشرف جہانگیر نے جب دیکھا کہ علماء مطمئن ہو گئے ہیں تو تمام مخلصین کے لئے دعا خیر کی۔ سید خان جو ابھی تک بے اولاد تھا۔ چار بیٹوں کی بشارت دی جو عالم فاضل اور کامل فی العلم ہوں گے۔ اس کے باوجود جن معترفین نے دل میں کدورت رکھی وہ اپنی زندگی میں کئی مصائب میں مبتلا ہوئے۔

پروانہ ازاں سوخت کہ با شمع بافتاد
با بد سوختگاں ہر کہ درافتاد بافتاد

معارج الولایت میں لکھا ہے۔ کہ جن دنوں آپ ظفر آباد میں قیام فرما تھے چند بھانڈوں نے بعض معاندین اور حاسدین کے اکسانے پر ایک زندہ شخص کو کفن پہنا کر آپ کے پاس جنازے کی شکل میں اٹھایا۔ اور حضرت کے پاس لے گئے اور کہا۔ حضرت اس مردے کا جنازہ پڑھا دیں۔ آپ ان کے کہنے پر اپنے احباب سمیت اٹھے اور جنازہ گاہ میں پہنچ کر نماز جنازہ کی جماعت کرائی۔ بھانڈوں کا ارادہ تھا۔ کہ جب آپ جنازہ پڑھائیں گے تو مردہ اُٹھ کر بھاگ کھڑا ہو گا اور ہم حضرت کا مذاق اڑائیں گے۔ حضرت میر جہانگیر سمنانی کو نور باطن سے یہ ساری صورت حال معلوم تھی۔ آپ نے بار بار لوگوں کو کہا۔ کہ یہ جنازہ کسی اور سے پڑھوائیں۔ مگر انہوں نے اصرار کیا کہ نہیں آپ ہی پڑھائیں۔ آپ نے جنازہ کی قیادت فرمائی۔ ابھی آپ نے پہلی تکبیر کہی تھی کہ ملک الموت نے اس شریر جعلی مردے کی روح

قبض کرلی وہ نماز جنازہ مکمل ہونے تک نہ اٹھا۔ بھانڈا اور دوسرے لوگ اس کے سرہانے پہنچے دیکھا تو واقعی وہ مرا پڑا ہے۔ رونا دھونا شروع کیا اگرچہ انہوں نے بڑی معافی مانگی۔ معذرت کی مگر آپ نے کہا اب کوئی فائدہ نہیں۔ اس کرامت کی شہرت نے تمام علاقہ کے لوگوں کو آپ کا عقیدت مند بنا دیا۔

حضرت حاجی شیخ چراغ ہند قدس سرہٗ اس ولایت کے مالک تھے۔ پہلے پہلے تو آپ کو حضرت میر جہانگیر سمنانی کی یہ مقبولیت اور شہرت پسند نہ آئی۔ لیکن آپ کو اتنی ہمت نہ تھی کہ آپ کے خلاف اُٹھ کر کوئی ایسا کام کر سکیں۔ حضرت کو تکلیف پہنچا سکیں اسی اثنا میں ایک شخص کبیر سرہرپوری جو دربار کا بہت بڑا امیر تھا۔ ظاہری علوم کے حصول کے بعد سوچنے لگا۔ کہ میں کسی کا مرید نہ ہوں اور باطنی کمالات حاصل کروں ایک رات خواب میں دیکھا کہ ایک سرخ رنگ بزرگ نے اسے اپنا مرید بنا لیا ہے اس نے اپنے دل میں سوچا کہ اس شہر کا بزرگ تو حاجی شیخ ہیں۔ میں انہی کے پاس جاؤں۔ میں حاضر ہوا۔ مگر میں نے آپ کو دیکھا جو شکل وصورت مجھے خواب میں دکھائی گئی تھی وہ نہیں ہے۔ بہرحال میں کچھ دن آپ کی خدمت میں رہا۔ مگر انہوں نے مجھے بیعت نہ کیا کچھ دنوں بعد میں میر سید اشرف جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی شکل وصورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے خواب میں دکھائی تھی۔ میں اسی وقت آگے بڑھا اور بیعت ہو گیا۔

میرے بیعت ہونے کے بعد آپ نے حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کبیر وہی شیر کا بچہ ہے جس کی طرف شیخ علاء الدین نے اشارہ فرمایا تھا۔ کبیر جیسے امیر ورئیس کی بیعت کی خبر سنی تو حضرت شیخ حاجی بڑے غضبناک ہوئے۔ جلال میں آ کر کہا کبیر جوانی میں ہی مر جائے گا۔ یہ بات سن کر حضرت میر اشرف جہانگیر نے فرمایا غم نہ کرو۔ تم پیر کبیر بنو گے۔ اور بوڑھے ہو کر وفات پاؤ گے۔ تم اپنا کام کرو

اور کسی کی پرواہ نہ کرو۔ پیر کبیر نے کہا۔ پہلے حاجی شیخ مرجائے۔ پھر شیخ کبیر کو موت آئے۔ چونکہ یہ تینوں ارشادات اولیاء اللہ کی زبان سے نکلے تھے۔ اللہ نے پورے کر دیئے۔ شیخ کبیر پچیس سال کی عمر میں بوڑھے دکھائی دینے لگے۔ آپ کے بال سفید ہوگئے۔ شیخ حاجی چراغ شیخ کبیر کی زندگی میں ہی فوت ہوگئے ان کے پانچ سال بعد شیخ کبیر بھی فوت ہوگئے۔

شجرۂ چشتیہ میں لکھا ہے کہ حضرت سید اشرف جہانگیر جونپور کی سیر کرنے کے بعد کچھوچھہ شریف تشریف لے گئے ان دنوں وہاں ایک کامل جوگی رہتا تھا۔ اس جوگی کے پانچ سو چیلے ہر وقت فضا میں پرواز کرتے رہتے تھے۔ حضرت کو اس جوگی سے واسطہ پڑا۔ جوگی نے کئی قسم کے استدراج۔ شعبدے اور حملے کئے۔ مگر حضرت پیر میر جہانگیر اشرف ہر وار سے بچ جاتے۔ آخر تنگ آکر جوگی نے اپنی شکست مان لی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنے تمام چیلوں کو لے کر آپ کا مرید ہوگیا حضرت جہانگیر نے جوگی کی قیام گاہ پر ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔ خاص حجرہ بنوایا اور ایک فرحت بخش باغ کی بنیاد رکھی۔ جسے روح آباد کے نام سے مشہور کیا۔ وہاں سے شیخ بدیع الدین مدار کو ساتھ لے کر حج بیت اللہ کو روانہ ہوئے۔ حرمین الشریفین کی زیارت سے فارغ ہوئے تو شیخ بدیع الدین تو واپس ہندوستان آگئے مگر میر اشرف جہانگیر مدینہ منورہ سے نجف اشرف کو روانہ ہوئے اور وہاں سے بغداد شریف اور کربلا معلیٰ پہنچے۔ وہاں سے روم پہنچے جہاں حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین اور بیٹے سلطان ولد اور دوسرے مشائخ وقت کی زیارت کرتے ہوئے شام کو چلے آئے۔ دمشق میں حضرت فخر الدین عراقی کی زیارت کی دوبارہ مکہ مکرمہ پہنچے اور حج ادا کر کے بغداد آئے حضرت غوث الاعظم امام ابوحنیفہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کی زیارات پر حاضری دے کر کاشان جا پہنچے۔ شیخ

عبدالرزاق کاشانی رضی اللہ علیہ کی زیارت کی وہاں سے سمنان آئے۔ ان دنوں آپ کی ہمشیرہ ابھی زندہ تھیں۔ ان کے پاس کچھ عرصہ رہ کر اس کی دلدہی کی۔ پھر وہاں سے اجازت لے کر مشہد مقدس پہنچے۔ امام علی رضا کے کاشانہ پر معتکف ہوئے انہی دنوں امیر تیمور گورگانی بھی حضرت امام علی رضا کے مزار پُر انوار کی زیارت کو آیا ہوا تھا وہ حضرت میر جہانگیر اشرف کا معتقد تھا۔ خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوا۔

آپ مشہد سے روانہ ہو کر ہرات آئے اور ماوراءالنہر سے ہوتے ہوئے بخارا کے پاس حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی زیارت گاہ پر حاضری دی ایک عرصہ تک وہاں قیام پذیر رہے۔ وہاں سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا اور سلوک نقشبندیہ کے مناصب حاصل کئے وہاں سے چل کر ترکستان پہنچے۔ اور حضرت خواجہ احمد یسوی کے بیٹوں کی زیارت کی وہاں سے قندہار۔ غزنین۔ کابل اور بخارا سے ہوتے ہوئے ملتان پہنچے۔ ملتان سے چل کر پاک پٹن آئے۔ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر کے مزار کی زیارت کی۔ وہاں سے دہلی پہنچے۔ دہلی سے اجمیر شریف پہنچے۔ اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے روضہ پرانوار سے ایک عرصہ تک فیضان حاصل کئے۔

اجمیر شریف سے روانہ ہو کر دکن میں حضرت سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی وہاں سے سراندیب (سری لنکا) جا نکلے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد گجرات کاٹھیاواڑ کے راستے سے ہندوستان آئے اور ارادہ کر لیا کہ اب عالم اسلام کے بزرگان دین کی زیارت کے بعد سارے برصغیر کے مشائخ کی زیارت سے مستفیض ہونا چاہیئے۔ کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد کبیر اور سید علی ہمدانی قدس سرہٗ کے ساتھ دنیا کی سیر کو روانہ ہوئے۔ اپنے پیر و مرشد علاءالدین منور کی خدمت میں بنگال میں حاضر مجالس رہے۔ حضرات چشت کے تبرکات حاصل کئے۔ حضرت میر علی ہمدانی کے

ساتھ سفر طی الارض کے انداز میں کیا گیا۔ کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ آپ نے اس سفر میں ایک سو نو پیران عظام سے باطنی فیضان حاصل کیا تھا۔ تیسری بار اوچ شریف پہنچے تو مخدوم سید جلال الدین مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ سے بڑا فیض پایا۔ حضرت مخدوم جہانیاں آج تک چار سو سے زیادہ مشائخ سے فیض پا چکے تھے۔ اس فیض سے حضرت میر جہانگیر اشرف کو پورا پورا حصہ دیا گیا۔ اس روحانی سیر کے بعد آپ اپنے مسکن پر آکر قیام فرما ہوئے۔

ایک دن حضرت پیر میر جہانگیر اشرف قدس سرہٗ روح آباد میں تشریف فرما تھے۔ بہت سے بزرگان وقت بھی مجلس میں موجود تھے۔ ایک قلندر علی نامی اپنے پانچ سو قلندر ساتھیوں کو لئے ہوئے آیا اور آپ کی مجلس میں آپہنچا اور لاطائل اور بے معنی گفتگو شروع کر دی۔ پوچھنے لگا۔ آپ نے جہانگیر کا خطاب کہاں سے پایا ہے؟ فرمایا۔ اپنے پیر و مرشد قلندر سے پوچھا۔ آپ کی جہانگیری کی تصدیق کیا ہے اور مجھے کس طرح یقین آئے کہ آپ جہانگیر پیر ہیں قلندر کی یہ بات سنتے ہی آپ کے چہرے پر جلال کے آثار نمایاں ہوئے فرمایا۔ میں صرف جہانگیر ہی نہیں جان گیر (جان لینے والا) بھی ہوں۔ یہ بات سنتے ہی قلندر لڑکھڑایا۔ اور وہیں ڈھیر ہو گیا مجلس میں شور مچ گیا۔ قلندر کے تمام مرید اور ہمراہی آپ کے قدموں پر گر پڑے اور مرید ہو گئے۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت جہانگیر اشرف قدس سرہٗ کو جوگیوں کے ایک بت خانے میں اسلام کی حقانیت پر مناظرہ کرنا پڑا ان لوگوں نے آپ کی ولایت کی پکی دلیل (برہان قاطع) طلب کی۔ آپ نے بتوں میں سے ایک پتھر کی مورتی کو اشارہ کر کے اپنی طرف بلایا۔ وہ اسی وقت آپ کے قدموں میں آ گری اور حضرت کی ولایت کی تصدیق کا اعلان کرنے لگی اس کرامت کو دیکھ کر

کئی ہزار ہندو مسلمان ہو گئے۔

معارج الولایت میں ایک اور واقع لکھا ہے کہ حضرت جہانگیر اشرف کی زندگی سے لے کر آخر تک آپ کے باغ میں کوئی جانور پیشاب نہیں کرتا۔ آپ کے روضے سے متصل حوض کا پانی آج تک مکدر (گدلا) نہیں ہوا۔ آسیب زدہ مرید آپ کے روضہ پر نظر پڑتے ہی صحت یاب ہو جاتا ہے آپ کا اسم گرامی پڑھ کر آسیب زدہ پر دم کریں تو آسیب بھاگ جاتا ہے۔

آپ کے وصال کا واقعہ کتابوں میں یوں درج ہے کہ حضرت سید جہانگیر اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے محرم الحرام کی ستائیسویں تاریخ کو اپنے وقت کے چیدہ چیدہ مشائخ کو جمع کیا۔ ان سے ملاقات کی اور ایک ایک کو الوداع کہا۔ اپنے دینی بیٹے عبدالرزاق کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ اور اپنا جانشین قرار دیا۔ نماز ظہر کے بعد قوالوں کو بلا کر مجلس سماع منعقد کرائی۔ قوال سعدی شیرازی کا یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

گر بدست تو آمدست اجلم
قدر رضینا بما جری قلم

(اگر آپ کے ہاتھ سے میری موت آئی ہے تو ہم نوشتہ قلم پر راضی ہیں)

یہ شعر سن کر آپ پر وجد طاری ہو گیا۔ اور بے ہوشی طاری ہو گئی آپ اس قدر تڑپے کہ حد و حساب سے باہر تھا۔ ایک لمحہ تسکین ملی تو قوالوں نے یہ شعر شروع کیا۔

خوب ترزیں دگرچہ باشد کار
یار خنداں آمد بجانب یار

(اس سے بڑھ کر اچھا کام کیا ہو گا کہ یار ہنستے ہوئے یار کے قدموں میں جا گرے)

سیر ہنیند جمال جاناں را
جاں سپارد نگار خنداں را

(اپنے محبوب کے حسن وجمال کو جی بھر کر دیکھے۔ پھر مسکراتے ہوئے محبوب کو جان قربان کر دے۔)

یہ اشعار سنتے ہی آپ کے دل میں آگ لگ گئی۔ سینہ دھڑکنے لگا مستی و شوق سے مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ ماہی بے آب کی طرح زمین پر لوٹنے لگے آخر ایک آہ نکالی اور جان جان ستاں کے سپرد کر دی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت میر جہانگیر اشرف قدس سرہٗ کی وفات ستائیسویں ماہ محرم الحرام ۸۰۸ھ کو ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی۔ روح آباد میں جو باغ آپ نے تعمیر کیا تھا۔ اس میں دفن کئے گئے۔ حضرت نے بہت سی قابل قدر تصانیف یادگار زمانہ چھوڑیں۔ بشارت المریدین اور مکتوبات بہت مشہور ہیں آپ کے حالات پر لطائف اشرفی ایک مشہور و معروف کتاب ہے۔

چو رفت از عالم دنیا بجنت
جناب میر اشرف شیخ حق پیر
بسال انتقال آں شہ دین
عیاں شد راہ بر قطب جہانگیر

امام مومناں میر جہانگیر + مکمل عارف والا جہانگیر (بہ تکرار)

۸۰۸ھ ۸۰۸ھ

واصل کامل شریف + ولی ہند میر جنت + سید شریف سعید

۸۰۸ھ ۸۰۸ھ ۸۰۸ھ

واحد اشرف مقبول + سید محمود دلی شریف

۸۰۸ھ ۸۰۸ھ

تاج ابرار + رہبر کشاف

۸۰۸ھ ۸۰۸ھ

سیّد اختیار الدین عمر ایرجی قدس سرہٗ:- آپ قاضی سادی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور مرید تھے۔ آپ کے آباواجداد ایرج سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر آپ اللہ کی محبت میں دنیا سے دست بردار ہو گئے۔ تارک الدنیا ہو کر پہلے تو ظاہری علوم میں مہارت حاصل کی پھر باطنی سعادت کے لئے تگ و دو کرنے لگے۔ قاضی محمد سادی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی توجہ سے ولی کامل ہو گئے۔ خرقۂ خلافت ملا تکمیل کو پہنچے معارج الولایت کے مولف نے آپ کا سن وصال ۸۰۹ھ لکھا ہے۔

چو رفت از فنا سوئے دار البقا
عمر پیشوا راہنمائے یقین
بگو سالِ وے قدوۂ دستگیر
۸۰۹ھ
بغفرانہ عمر پیشوائے یقین

۸۰۹ھ

مولانا خواجگی قدس سرہٗ:- آپ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی قدس سرہٗ کے خلیفہ خاص تھے۔ مولانا معین الدین عمرانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور حضرت قاضی شہاب الدین کے استاد محترم تھے۔ صاحب اخبار الاخیار فرماتے ہیں۔ جن دنوں حضرت مولانا خواجگی دہلی میں زیر تعلیم تھے۔ اور حضرت مولانا معین الدین کے سامنے زانوئے ادب طے کئے ہوئے

تھے ساتھ ساتھ ہی شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے باطنی رموز سیکھا کرتے تھے۔ مولانا معین الدین کو شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے پاس ان کا جانا اور تصوّف کے رموز حاصل کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ آپ انہیں وہاں جانے سے منع بھی کیا کرتے تھے۔ مگر مولانا خواجگی کو دونوں سے عقیدت و محبت تھی وہ ان دونوں بزرگوں کی قلبی پرکاش کی وجہ سے ایک گونہ عذاب میں تھے ایک دفعہ مولانا معین الدین کو ضیق النفس اور قے کا شدید حملہ ہوا۔ اطبار نے جواب دے دیا مولانا بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ مولانا خواجگی نے اپنے استاد مکرم کی خدمت میں نہایت درد سے عرض کی حضور اب اطبار آپ کے علاج سے عاجز ہو گئے ہیں۔ اور عزیز و اقارب بھی آپ کی زندگی سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اس ناامیدی کے عالم میں اگر آپ اجازت دیں تو اللہ سے التجا کی جائے اور کسی مرد خدا سے استدعا کی جائے۔ ان دنوں دہلی شہر میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی مستجاب الدعوات ہیں اگر آپ ایک بار ان کے پاس تشریف لے جائیں اور استدعا فرمائیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ ان کی نگاہ کیمیا اثر سے کامل شفا مل جائے گی یہ بات سن کر اگرچہ مولانا کا دل تو نہیں چاہتا تھا۔ مگر مرض کی شدت اور لاعلاج ہونے کی وجہ سے راضی ہو گئے اور حضرت شیخ نصیر الدین کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہو گئے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کو مولانا کی بیماری کے علم میں آنے کی اطلاع ملی۔ تو گھر سے اٹھے اور آپ کے استقبال کے لئے آگے بڑھے اپنی خانقاہ میں لے جا کر بڑے اعزاز سے بٹھایا۔ ہر قسم کے کھانے دستر خوان پر سجا دیئے۔ اور سادہ چاولوں کا ایک طشت سامنے لا رکھا۔ پھر دہی کا ایک پیالہ جو بظاہر اُدمہ کی مرض والوں کے لئے نقصان دہ ہے۔ پیش کیا اور فرمایا حضرت

مولانا بسم اللہ کیجئے اور کھائیے مولانا نے طوعاً و کرہاً چند لقمے اٹھائے اور منہ میں ڈالے۔ دسترخوان سمیٹا گیا تو مولانا کا دمہ اور کھانسی زوروں پر ہوگئی حتیٰ کہ آپ نے وہاں قے کر دی۔ اسی وقت طشت لاکر رکھا گیا۔ اور مولانا کے سینے سے بلغم اور سفرا تمام و کمال باہر نکل آیا۔ اسی وقت آپ کا سینہ ہلکا ہو گیا اور آپ کو صحت کاملہ ہوگئی آپ صحیح البدن گھر گئے۔ اور دوسرے دن سے صحت مند ہو گئے اس دن سے مولانا معین الدین حضرت شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ کے معتقد اور عقیدت مند ہو گئے۔

مولانا خواجگی نے نور باطن سے امیر تیمور کے دہلی پر حملہ کی خبر پائی۔ تو آپ کالپی میں تشریف لے گئے کچھ عرصہ وہاں ہی قیام فرما ہوئے۔ آخر کار ۸۱۹ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار کالپی میں زیارت گاہ خلق ہے

جو اجگی چوں رفت زیں دار فنا
سال وصل آں ولی متقی
خواجہ صدیق دل فرمود نیز
خواجگی نامی ولی ایزدی
۸۰۹ھ

۸۰۹ھ

۔ شیخ احمد تھانیسری قدس سرہٗ:۔ آپ بھی حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے مرید اور خلیفہ برحق تھے اگرچہ آپ کے اور حضرت مولانا جواجگی کے درمیان محبت اور الفت تھی۔ مگر آپ نے دہلی چھوڑنے میں مولانا خواجگی سے موافقت نہ کی حتیٰ کہ امیری تیمور کی فوجیں دہلی پر حملہ آور ہوگئیں اور دہلی اور اس کے مضافات کو تاخت و تاراج کر دیا۔ مولانا احمد اور آپ کے رشتہ دار گرفتار کر لئے گئے تاخت و تاراج ختم ہوا

تو آپ کو امیر تیمور کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ کے اور شیخ الاسلام جو حضرت مولانا برہان الدین غیتانی صاحبِ ہدایہ کے درمیان مجلس میں ہی سخت گفتگو شروع ہو گئی۔ امیر تیمور نے کہا کہ مولانا برہان الدین صاحب ہدایہ تھے اور ان کے پوتے کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ دربار میں آپ سے اعلیٰ جگہ پر بیٹھیں۔ مولانا احمد نے فرمایا کہ برہان الدین نے تو ہدایہ لکھتے وقت فلاں فلاں مقام پر غلطی کی ہے۔ عزت تو علم سے ہوتی ہے۔ کتاب سے تو نہیں ہوتی۔ شیخ الاسلام نے جواب دیا کہ وہ جگہ دکھائی جائے جہاں صاحب ہدایہ نے غلطی کی تھی۔ مولانا احمد نے اپنے شاگردوں اور بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ صاحب ہدایہ کی غلطیاں بیان کریں۔ امیر تیمور نے صاحب ہدایہ کے احترام اور شیخ الاسلام کے مقام کی وجہ سے بات کا رُخ موڑ دیا۔ اور کہا کہ یہ موضوع کسی اور مجلس میں اٹھایا جائے۔ مگر پھر یہ بات کسی موقعہ پر نہ ہو سکی۔

مولانا احمد تو دہلی سے نکل کر کالپی کو روانہ ہو گئے۔ اور وہاں ہی رہے۔ مگر حضرت مولانا خواجگی کے ساتھ جو دوستانہ مراسم تھے انہیں قائم رکھا۔ آپ وہاں ہی ۸۲۰ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ کا مزار مبارک بھی کالپی میں ہی ہے۔ وہ محل اجابت بھی ہے۔ اور مقام برکات و حسنات بھی یہ بات بڑی مشہور ہے کہ آپ کے مزار پاک پر جو شخص صدق دل سے چالیس دن متواتر حاضری دے گا۔ اپنی مراد پائے گا۔ آپ کے سالانہ عرس پر بے پناہ ہجوم ہوتا ہے جن لوگوں کو آپ سے روحانی نسبت یا عقیدت ہے وہ دور دراز راستوں سے چل کر پہنچتے ہیں۔

شیخ دین احمد چو از فضل خدا
رفت از دنیا بجنات النعیم
ہست مخدوم مکمل رحلتش
نیز احمد متقی عابد سلیم

شیخ فتح اللہ اودھی قدس سرہٗ: آپ شیخ صدر الدین حکیم کے مخلص دوستوں اور مشہور خلفاء میں سے تھے۔ ابتدائی زندگی میں دہلی کے مشہور علماء میں شمار ہوتے تھے اور دہلی کی جامع مسجد میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔ مگر جب جذب حقیقی نے اثر کیا تو شیخ صدر الدین حکیم قدس سرہ الحکیم کے مرید ہو گئے ریاضت اور مجاہدہ اختیار کر لیا فقر و فاقہ اور محنت کے باوجود کام نہ بنا تو اپنے مرشد مکرم کے سامنے شکایت کی آپ نے فرمایا تم کتابیں پڑھنا پڑھانا چھوڑ دو۔ جو کتابیں تمہاری ملکیت میں ہیں انہیں لے آؤ آپ نے ایسا ہی کیا۔ مگر چند نادر اور لطیف کتابیں اپنے گھر میں رکھ لیں۔ اس کے باوجود بھی آپ کے دل پر عرفان خداوندی کے دروازے نہ کھل سکے۔ آخر کار شام کی تمام کتابیں جمع کر کے دریا کے کنارے بیٹھ گئے اور کتابوں کو دریا برد کرنے لگے۔ ساتھ ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو کے دریا بہہ رہے تھے۔ اس حالت میں آپ کے دل کی تختی ماسوای اللہ کے نقش سے پاک ہو گئی۔ اور صفحہ باطن پر رب المعبود کا نقش مرتسم ہو گیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں کاملین وقت میں ہو گئے۔ ہزاروں طالبان حق آپ کی خانقاہ میں جمع ہونے لگے۔ چنانچہ قاسم دہلوی جیسے آپ کے خلیفہ بنے۔ شیخ محمد علیٰ تاج جونپوری آپ کے مرید بن گئے۔ شاہ عاشقان جناب موسیٰ آپ کی خلافت سے مشرف ہوئے۔ شیخ حاجی چراغ ہند قدس سرہٗ ظفر آبادی جیسے مشاہیر سلسلہ طریقت میں آئے۔ شیخ جمال گوجر۔ شیخ مظفر بلخی کے خلیفہ تھے حضرت شیخ فتح اللہ کے معاصر تھے۔ آپ کے مرید باصفا بنے۔

آپ کی وفات ۸۲۱ھ میں ہوئی۔

جناب شیخ فتح اللہ مقبول
چو حق بگشود بر وے جنتی باب
بگو وصلش امام اولیا خاص
بفرمانور دین فتاح ابواب

۸۲۱ھ

شیخ عین الدین قتّال قدس سرہٗ المتعال:- آپ شیخ سعد اللہ کیسہ دار قدس سرہٗ کے مرید بھی تھے اور فرزند بھی والد مکرم کے علاوہ سید امیر ماہ بہرائچی کے بھی مرید تھے اور ایک عرصہ تک آپ کی خدمت میں رہے اس دوران بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے اس طرح کمالات ظاہری اور باطنی حاصل کئے۔ وہاں سے رخصت لے کر کنتور میں متوطن ہو گئے اور طریقہ ملامتیہ اختیار کر لیا۔ سر عام شراب نوشی کرتے بھنگ کو استعمال میں لاتے علماء شہر نے آپ کے اس رویہ کی شکایت آپ کے والد مکرم سے کی۔ شیخ سعد اللہ نے آپ کو ان حرکات سے روکنے کی بڑی کوشش کی۔ مگر جس طرف سے پانی لایا جاتا۔ یا وضو کے لئے بھی مہیا کیا جاتا۔ تو آپ کا ہاتھ لگتے ہی شراب میں تبدیل ہو جاتا۔ پھر شیخ سعد اللہ نے کہا کہ میرے سامنے کنویں سے پانی نکال کر لاؤ۔ جب کنویں سے پانی لاکر پیش کیا گیا تو یہ بھی شراب بنا ہوا تھا پھر دریا سے پانی منگوایا گیا۔ مگر وہ بھی آپ کا ہاتھ لگتے ہی شراب ہو گیا۔ جب یہ صورت حال دیکھی تو انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

حضرت شیخ سعد اللہ کا وقت رحلت آیا تو آپ کا بڑا بیٹا سید معین الدین موجود تھا۔ آپ نے اسے بلایا مگر پتہ چلا وہ کہیں گیا ہوا ہے۔ فرمایا۔ اس شرابی، فاسق فاجر اور بدعتی عین الدین کو ہی بلا لاؤ۔ عین الدین اس وقت شراب خانہ میں بیٹھے

تھے۔ جب والد کی طرف سے آنے والے آدمی کو آتے دیکھا۔ تو ساقی کو کہنے لگے ایک آخری پیالہ پلا دو۔ اب ہم پر شراب بند ہونے والی ہے۔ ساقی نے پیالہ بھر کر دیا۔ آپ نے پی کر شراب کی صراحی زمین پر دے ماری اور اسے توڑ کر اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت شیخ سعد اللہ نے خرقہ خلافت اور دوسرے تبرکات ان کے حوالے کئے۔ اور خود داعی اجل کو لبیک کہا۔ عین الدین والد کے مرنے کے بعد سجادۂ مشیخیت پر مسند نشین ہو گئے۔ پابندی شریعت کرنے لگے اور اتنے متقی و پرہیز گار بنے کہ اس سے بڑھ کر تصور نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ عین الدین کا سال وصال ۸۲۲ھ ہے۔ آپ کا مزار کنتور میں ہے۔

چو عین الدین ولی ہادی قتال
ز دنیا سوئے جنت گشت پدرور
عیاں شد طرفہ سال انتقالش
ز نور العین عین الدین مسعود

۸۲۲ھ

میر سیّد محمد گیسو دراز بن سیّد یوسف چشتی دہلوی قدس سرہٗ:

آپ حضرت خواجہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے۔ وقت کے اولیائے حق اور مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ سیادت۔ نجابت۔ کرامت میں جامع تھے آپ اولیائے چشت اہل بہشت میں ایک خاص مشرب (طریقت) کے مالک تھے۔ اسرار حقیقت اور طریقت میں بے مثال تھے۔ معرفت میں اسرار و رموز کے ماہر مانے جاتے تھے۔ ابتدائی زندگی دہلی میں گذاری مگر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے وصال کے بعد دکن چلے گئے وہاں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور

اس ملک کے خورد و کلاں آپ کے مرید بننے لگے۔ ہزاروں لوگ آپ کی مجالس کے اثر سے خدا رسیدہ بن گئے۔ آپ کا سلسلہ آج تک دکن میں رائج ہے۔ حضرت سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ کی شہرت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ایک دن وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ اپنے پیر و مرشد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی پالکی اٹھائے دہلی کے پر رونق بازار سے گزر رہے تھے۔ آپ کے سر کے لمبے لمبے بال لٹک کر پالکی کے نیچے پھنس گئے۔ آپ ادب و احترام کے پیش نظر ان بالوں کو نکالنے کی بجائے پالکی کے ساتھ ساتھ دوڑتے رہے۔ اور ایک لمبا فاصلہ چلتے گئے۔ حضرت شیخ چراغ دہلوی کو آپ کی اس کیفیت کا علم ہوا تو آپ نہایت خوش ہوئے اور حضرت گیسو دراز کی اس جانثاری اور ادب پر یہ شعر کہا۔

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد[1]

آپ کے مریدوں میں سے ایک شخص شیخ محمد نامی تھا جس نے آپ کی مجالس کی گفتگو پر مشتمل ایک کتاب (ملفوظات) ترتیب دی اور اس کا نام جوامع الکلیم رکھا۔ یہ کتاب بڑی پسند اور مقبول ہوئی۔ اور چشتیہ مشائخ اسے اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے۔

معارج الولایت کے مولف نے لکھا ہے کہ سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ ۷۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۲۵ھ میں فوت ہوئے۔ اس طرح آپ کی عمر ایک سو پانچ سال تھی جب آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی وفات فیروز شاہ بن غیاث الدین بن

---

[1]:۔ جو شخص حضرت گیسو دراز کا مرید ہوگا۔ مجھے خدا کی قسم ہے وہ زندگی میں عشق باز ہوگا۔

محمد شاہ بن سلطان علاوالدین بہمنی کے عہد اقتدار میں ہوئی۔ آپ کا مزار پر انوار دکن میں کلیر کے مقام پر ہے۔

اشرف الاولاد آل مرتضیٰ
شیخ دین سید محمد پیشوا،
ہادی محبوب آل بوتراب
کن رقم تولید آں شاہ ہدا
زیب تاج عارفاں وصلبش نجواں
ہم رقم کن بادشاہ اتقیاء
۸۲۵ھ

۸۲۵ھ

حضرت سید محمد گیسو دراز اپنی وفات سے ایک سال پہلے بھی سترہ ۱۷ جمادی الاوّل آٹھ سو چوبیس میں سید خضر خان بن ملک سلیمان جو دہلی کے بادشاہ تھے سات سال دو مہینے اور دو دن حکومت کرنے کے بعد دہلی میں فوت ہوئے اور دریائے جمنا کے کنارے بمقام گٹی خضر میں دفن ہوئے۔ یہ بادشاہ خاندان سادات خضر خانیا کی سلطنت کا بانی تھا۔ اس کے مختصر حالات یہ ہیں کہ خضر خان ناصر الدین محمود شاہ تغلق کے زمانہ اقتدار میں ملتان کا گورنر تھا۔ جب امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس نے تیمور بادشاہ کی بڑی خدمت کی اور بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ امیر تیمور واپس جانے لگا تو تمام مقبوضہ علاقے خضر خان کے حوالے کرے گا۔ مگر گجرات اور مالوہ کی حکومت فیروز شاہ بلیچی کو دے گیا۔ چنانچہ شاہ رخ مرزا جو امیر تیمور کا بیٹا تھا۔ کے زمانے تک یہ حکومتیں قائم رہیں۔ اور سکہ اور خطبہ تیمور اور شاہ رخ کا ہی چلتا رہا۔ یہ بادشاہ سخاوت اور بہادری میں بڑا مشہور تھا اور اپنی رعایا کے آرام کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اُس کے زمانے میں سارا ہندوستان بڑا خوشحال رہا۔ عام لوگوں کے دل بادشاہ

کی محبت سے پُر تھے۔ اس کی وفات کے بعد معز الدین۔ ابو الفتح۔ مبارک شاہ تخت نشین ہوا۔

شیخ محمد متوکل کنتوری قدس سرہٗ:

آپ بھی شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفۂ اعظم تھے۔ آپ کے والد ہرات کے علاقے سے ہندوستان میں آئے اور قصبۂ اجودھن میں قیام کیا۔ اور آپ کو شیخ نصیر الدین سے خرقۂ خلافت ملا

ایک دفعہ آپ بہڑائچ میں اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حجرے کو چٹخنی لگا کر بند رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اچانک دیکھا کہ ایک جوگی اپنے تمام بدن پر خاکستر ملے ہوئے حجرے کے کونے میں بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت شیخ نے یونہی نظر ڈالی معلوم کیا کہ یہ جوگی اپنے تصرف سے میرے حجرے میں آبیٹھا ہے۔ آپ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اللہ، اللہ کرنے میں مشہور رہے۔ آخر جوگی اٹھا اور سلام عرض کیا۔ شیخ نے سلام کا جواب دیا جوگی نے آگے بڑھ کر آپ سے مصافحہ کیا اور حضرت شیخ سے باتیں کرنا شروع کیں۔ حضرت شیخ اپنے حجرے میں جس طرف نگاہ ڈالتے ہر طرف ہر چیز سونے کی دکھائی دیتی تھی۔ مگر شیخ نے کسی چیز کی کوئی پرواہ نہ کی۔ جوگی نے سمجھا کہ شیخ بے پرواہ سا آدمی ہے۔ آگے بڑھا شیخ کے قدم چومے اور کہنے لگا میں تو صرف آپ کو آزما رہا تھا۔ یہ کہہ کر کلمہ پڑھا مسلمان ہوا اور شیخ کا مرید ہو گیا۔ ایک دن شیخ نے جوگی کو کہا اب وہی کام کر دو جوگی نے بڑا زور لگایا مگر کوئی چیز سونے کی نہ بن سکی۔

ایک بار عزیز نامی ایک آدمی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے علم کیمیا آتا ہے اگر آپ کہیں تو میں آپ کو سکھا دوں لیکن حضرت شیخ نے انکار کر دیا وہ کہنے لگا میرے پاس تھوڑا سا اکسیر موجود ہے۔ یہ رکھ لیں۔ اس سے ایک ذرہ ایک من لوہے پر پھینکیں تو وہ سونا بن جائے گا۔ شیخ نے اپنے بھانجے

علاؤالدین کو بلایا اور کہا کہ اس شخص کو دھکے دے کر گاؤں سے نکال دو۔
آپ کی وفات ۸۲۷ھ ہجری میں ہوئی اور آپ کی عمر سو سال سے بھی زیادہ تھی۔

چون محمد شیخ متوکل این
رفت از دنیا بفردوس برین
گفت سرور سال نقل آنجناب
مرشد کامل محمد اہل دین

۔شیخ یوسف بدہ ایرچی قدس سرہٗ:۔ آپ شیخ اختیارالدین عمر ایرچی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین اُچ شریف اور شیخ صدرالدین راجن قتال سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ اگرچہ یہ دونوں بزرگ سلسلۂ سہروردیا کے عظیم مشائخ سے تھے۔
اس طرح شیخ یوسف کو سہروردی اور چشتی دونوں سلسلوں سے فیض ملا تھا۔
معارج الولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ شیخ یوسف ایرچی کے آباؤ اجداد خوارزم کے علاقے سے ہندوستان کے علاقے سے آئے اور یہاں ایرچ کے قصبے میں سکونت پذیر ہو گئے اللہ تعالیٰ نے شیخ یوسف کو اولیاء اللہ کی محبت سے بڑا فیض بخشا۔ بڑے بلند مقامات پر پہنچے اور بڑے صاحب کرامت بزرگ ہوئے۔ آپ مریدوں کی تربیت میں بڑے ہی مصروف رہتے حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب منہاج عابدین کا فارسی میں بڑا اچھا ترجمہ کیا۔ مخدوم محمد شیخ سارنگ آپ کے ہی خلیفہ اعظم تھے۔ آپ نے حضرت شیخ یوسف سے فتوحاتِ مکیہ پڑھی۔ تاریخ محمدی کے مصنف بھی آپ کے مرید تھے اس کتاب میں شیخ یوسف رحمۃ اللہ کی بہت سی کرامات درج ہیں۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ شیخ یوسف ۸۳۴ ہجری میں فوت ہوئے اس وقت نعت خوان نعت سنا رہے تھے آپ کو اپنے خانقاہ کے صحن میں دفن کیا۔ مالوہ کے بادشاہ نے آپ کے مزار پر بڑا عالی شان گنبد تعمیر کروایا۔

یوسفِ دین نبی شیخ زمان
رفت از دنیا چو در باغ جناں
گفت سر در سال نقل آنجناب
یوسفِ ثانی محبوب جہاں

۸۳۴ھ

شیخ احمد عبدالحق ردولی قدس سرہٗ:

آپ اہل طریقت کے اُستاد اور ارباب حقیقت کے قبلہ تھے۔ معرفت کی رموز کے واقف اور حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی کے خلیفہ اعظم تھے بچپن سے ہی اللہ کی محبت اور عشق سے سینہ سرشار تھا۔ حضرتِ مرشد کی محبت سے پہلے ہی بڑی ریاضتیں کرتے رہے۔ جب شیخ جلال الدین کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے تو بڑے بلند مقامات اور کرامات کے مالک بن گئے۔ پیر و مرشد کی وفات کے بعد ان کی مسند ارشاد پر جلوہ فرما ہوئے۔

ابھی آپ کی عمر سات سال تھی آپ کی والدہ انہیں نمازِ تہجد کے لئے اٹھایا کرتیں تھیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا آپ والدہ سے چوری چوری اُٹھ کر گھر میں کسی کونے میں چلے جاتے اور نفل پڑھنے لگتے والدہ کو پتہ چلتا تو محبت کی وجہ سے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ لیکن چونکہ آپ کے دل میں اللہ کی محبت موجزن تھی بارہ سال کی عمر میں اپنے گھر سے نکلے اور اللہ کی طلب میں دہلی پہنچے۔ اُن دنوں آپ کے بڑے بھائی تقی الدین ایک دینی مکتب کے سربراہ تھے وہ بڑے دانشور اور عالم

فاضل انسان تھے۔ اس مکتب میں آپہنچے۔ تو آپ کے بھائی نے آپ کو ظاہری علم کی کتابیں پڑھانا شروع کیں۔ مگر آپ نے کہا کہ مجھے علم معرفت سکھا دیں۔ چونکہ آپ ظاہری علم سے دل چسپی نہیں رکھتے تھے۔ مدرسہ چھوڑ کر صحرا اور بیابان میں نکل جاتے اور اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے۔ وہ ایک عرصہ تک اسی حالت میں رہے آپ کو الہام ہوا اور آپ غائبانہ حکم پانی پت پہنچے۔ وہ شیخ جلال الدین پانی پتی کی خدمت میں رہ کر عارفان حق میں شمار ہونے لگے۔

شیخ جلال دین پانی پتی کو شیخ احمد عبدالحق کے آنے کی خبر ہوئی آپ نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ آج اعلیٰ قسم کا کھانا تیار کیا جائے۔ اور وسیع پیمانے پر دسترخوان بچھایا جائے۔ کھانے میں مکروہ اور حرام چیزیں بھی رکھ دی جائیں۔ اور ساتھ ہی بہت عمدہ گھوڑے جن پر زریں زینیں آراستہ ہوں ہمارے دروازے کے سامنے کھڑے کر دیئے جائیں۔ آج ہمارے پاس ایک ایسا مہمان آرہا ہے جس کا امتحان لینا ہے جب سارے انتظامات ہو گئے۔ دسترخوان پر کھانا لگا دیا گیا۔ شیخ احمد عبدالحق آپ کے دروازے پر پہنچے۔ تو آپ نے دیکھا بڑے عمدہ گھوڑے سونے کی زینوں کے ساتھ تیار کھڑے ہیں دل میں خیال آیا کہ جو شخص اتنی شان و شوکت سے رہتا ہے وہ دنیادار ہے اُسے محبت الٰہی سے کیا واسطہ۔ تاہم آگے بڑھے دسترخوان دیکھا کہ اس پر طرح طرح کے کھانے رکھے ہوئے ہیں اور شراب کے برتن بھرے ہوئے ہیں اور دوسری کئی مکروہ چیزیں بھی موجود ہیں۔ وہیں سے واپس ہوئے۔ اور سارا دن چلتے رہے۔ شام ہوئی تو لوگوں سے پوچھا کہ جس شہر میں پہنچا ہوں۔ اس کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ پانی بت۔ خیال آیا کہ شاید میں راستہ بھول گیا ہوں رات شہر کے باہر پڑے رہے صبح ہوئی تو دوبارہ پانی پت سے روانہ ہوئے۔ سارا دن چلتے رہے شام کو ایک شہر میں پہنچے۔ غور سے دیکھا تو وہ شہر پانی پت ہی

تھا۔ تیسرے دن پھر شہر سے نکلے اور ایک طرف روانہ ہوئے ایک ایسے جنگل میں جا پہنچے جہاں راستہ بھول گئے۔ بڑے پریشان ہوئے ایک خشک درخت کی ٹہنی پر دیکھا کہ ایک خوبصورت سا نوجوان سر نیچے جھکائے بیٹھا ہے۔ اس سے پوچھا اے جوان آبادی کا راستہ کدھر ہے۔ اُس نے کہا کہ تم راستہ بھول چکے ہو۔ صحیح راستہ شیخ جلال الدین پانی پتی کے دروازے سے بھول آئے ہو اب کدھر جاؤ گے۔ اگر تمہیں میری بات پر یقین نہ آئے تو وہ سامنے دیکھو وہ دو شخص آرہے ہیں اُن سے پوچھ لینا۔ شیخ احمد عبدالحق چند قدم چلے دیکھا کہ دو سبز پوش آدمی آرہے ہیں۔ ان کے نزدیک جا کر سلام عرض کیا اور صحیح راستہ پوچھا۔ اُنہوں نے بھی کہا کہ صحیح راستہ تو تم شیخ جلال الدین پانی پتی کے دروازے سے ہی بھول آئے ہو۔ شیخ کو یقین ہو گیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے۔ یہ مجھے غیبی رہنمائی ہو رہی ہے۔ خیالات میں تبدیلی آئی تو واپس پانی پت کو چل پڑے۔ حضرت مخدوم جلال الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت اپنی ٹوپی اُتار کر خواجہ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی گود میں لپیٹ رہے تھے۔ وہی ٹوپی شیخ احمد عبدالحق کے سر پہ رکھی نان اور حلوہ عنایت فرمایا۔ مرید ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ شیخ احمد تمہارے دل میں ان چیزوں کی تمنا تھی اس لئے یہ چیزیں مل گئیں۔ آپ نے از راہ تصدیق تین بار حق حق کہا۔ حضرت شیخ جلال الدین نے بھی جواب میں تین بار حق حق کہا۔ آپ کا ہاتھ پکڑا اور تھوڑے ہی وقت میں آپ کو تکمیل کے مدارج طے کروا دیئے اور خرقۂ خلافت عطا کیا اور فرمایا میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ ہمارے سلسلے کو تمہاری وساطت سے جاری رکھے چنانچہ ایسا ہی ہوا ہے۔

شیخ احمد عبدالحق ردولی کے ہزاروں مشہور خلفاء ہوئے ہیں اور آپ کے لاکھوں مریدوں نے آپ کی تربیت سے بڑے درجے حاصل کئے ہیں، وہ دنیا

کے تمام ممالک میں آپ کے سلسلے کو لے کر پہنچے۔ عرب و عجم سے لے کر چین اور روس تک پھیلتے گئے۔ غرضیکہ دنیا میں ایسا ملک نہیں جہاں شیخ احمد کا خلیفہ نہ پہنچا ہو۔ آپ کے ایک بیٹے کا نام شیخ احمد محمد عارف تھا اور آپ کے ایک پوتے شیخ محمد بن عارف بھی صاحب کمال ہوئے ہیں۔ شیخ عبدالقدوس گنگوھی بن اسماعیل حنفی شیخ جلال الدین محمود تھانیسری۔ شیخ عبدالغفور اعظم پوری اور شیخ جان محمد جونپوری جیسے عظیم القدر خلفاء ہوتے ہیں۔ آپ کے خلفاء دنیا پر چھا گئے۔ اور وقت کے اولیاء سے آگے نکل گئے۔ ہر ایک خلیفہ سے علیحدہ سلسلہ جاری ہوا۔ سلسلہ عالیہ صابریہ چشتیہ شیخ احمد عبدالحق کی وساطت سے ہی پھیلا۔

شیخ عبدالقدوس گنگوھی نے اپنی کتاب انوارالعیون میں آپ کے حالات اقوال کرامات اور مقامات لکھے ہیں۔

معارج الولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ شیخ احمد عبدالحق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہا کی اولاد سے تھے۔ آپ کے دادا بزرگوار شیخ داود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی اولاد میں سے تھے اور عرب سے چل کر بلخ میں سکونت پذیر ہوئے۔ ہلاکو خان کے حملے کے بعد چند ساتھیوں کو لے کر ہندوستان پہنچے اور سلطان علاؤالدین خلجی جو اُس وقت دہلی کا بادشاہ تھا کو ملے۔ آپ نے اُنہیں اودھ کا گورنر مقرر کر دیا۔ آپ کا مزار قصبہ رودلی میں ہے۔ آپ کے ایک پوتے شیخ تقی الدین تھے اور دوسرے شیخ عبدالحق۔ دونوں اپنے زمانے کے مشہور مقتدا ہوئے ہیں۔ شیخ تقی الدین ظاہری علوم میں عالم و فاضل تھے اور دہلی میں رہتے تھے۔ شیخ احمد عبدالحق باطنی علوم کے عالم تھے اور اپنے وقت میں اُن کا کوئی بھی ثانی نہ تھا۔

سیرالاقطاب کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب شیخ احمد عبدالحق کے گھر میں پہلا بیٹا پیدا ہوا تو اُس کا نام عزیز رکھا گیا۔ پیدا ہوتے وقت اُس کی زبان پر حق کا لفظ جاری

تھا۔ جو تمام حاضرین نے سُنا۔ اس سے بڑی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ ایک دن اس سے ایسی کرامت ظاہر ہوئی کہ سارے شہر میں شور مچ گیا۔ شیخ احمد عبدالحق نے پوچھا یہ شور کیسا ہے لوگوں نے بتایا کہ آپ کے بیٹے سے ایک کرامت کا ظہور ہوا ہے۔ جس سے شور مچا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ہمارے گھر میں شور نہیں چاہیئے۔ گھر سے باہر نکلے قبرستان پہنچے۔ اور ایک جگہ نشان لگا کر فرمانے لگے کہ ہمارے عزیز بیٹے کی قبر یہاں ہوگی صاحبزادہ دوسرے دن ہی فوت ہو گئے۔ اس لڑکے کے بعد آپ کے ہاں یکے بعد دیگرے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ جو بچہ پیدا ہوتا اُس کے منہ سے حق حق حق کی آواز آتی جس سے سارے شہر میں شور مچ جاتا۔ آپ دعا کرتے تو آپ کا وہ بیٹا بھی فوت ہو جاتا۔ آخر کار آپ کا بیٹا جس کا نام عارف تھا زندہ رہا اور بڑے ہو کر بڑے بلند مقامات پر پہنچا۔

شیخ احمد عبدالحق اپنی زندگی کے ابتدائی دنوں میں مسجد میں تشریف لے جاتے ہاتھ میں جھاڑو ہوتا اور ساری مسجد کو صاف کرتے یہ سلسلہ پچاس سال تک جاری رہا آپ اللہ کی یاد میں اتنے مشغول رہتے کہ آپ کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ مسجد کا راستہ کون سا ہے۔ دن ہے یا رات ہے کون سا مہینہ یا کون سا دن ہے۔ جب سفر پر جاتے تو مرید آگے آگے حق حق کے نعرے بلند کرتے روانہ ہوتے۔ شیخ اسی آواز پر قدم اٹھاتے جاتے۔ آج تک اس سلسلۂ عالیہ احمدیہ چشتیہ میں یہ بات جاری ہے کہ آپ کے مرید ایک دوسرے کو سلام کرنے کے بعد ایک دوسرے کو حق حق کہتے ہیں۔ جب وہ کسی کو خط لکھتے ہیں تو خط کے سرنامے پر تین بار حق حق حق لکھ دیتے ہیں۔ اس خاندان میں آج تک یہ رسم جاری ہے۔

بعض علماء کرام نے اس طریقے کار کو خلاف سنت قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلۂ کے اکثر علماء و مشائخ نے اِس عادت کو چھوڑ دیا ہے لیکن ابھی تک بعض حضرات اپنے خطوط پر تین بار حق حق حق لکھ دیتے ہیں۔ شیخ جلال الدین نے شیخ احمد کو

عبدالحق کا خطاب دیا تھا اور اس خاندان کے اکثر مرید کلمۂ حق کہتے تھے۔ اور عشق و محبت میں حق حق کرتے جان دیتے تھے۔

سیر الاقطاب میں ایک اور جگہ پر لکھا ہوا ہے کہ ایک دن شیخ احمد عبدالحق نے اپنے دوستوں کو فرمایا کہ خواجہ اسحاق گازدونی کی خانقاہ پہ آج جو چراغ جل رہا ہے وہ قیامت تک روشن رہے گا۔ ہم بھی آج ایک دیگ پکا رہے ہیں جس سے قیامت لوگ کھانا کھاتے رہیں اور اس دیگ سے کھانا ختم نہیں ہو گا۔ آپ نے ایک دیگ منگوائی اور دیگ دان پہ رکھی نیچے آگ جلائی اور کھانا پکانا شروع کر دیا اور دیگ کو راستے میں رکھ کر آواز دی کہ جو شخص یہاں سے گزرے گا وہ یہاں سے کھانا کھائے گا۔ لوگ اُسی دیگ سے کھانا کھائے جاتے اور اس میں کمی نہ ہوتی تیسرے دن کہنے لگے اے عبدالحق اللہ تعالیٰ رازق ہے وہ لوگوں کو رزق دینا جانتا ہے۔ تو اس کام سے باز آجا۔ یہ کہا اور دیگ دیگ دان سے نیچے اتار لی۔

شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ پندرہ جمادی الثانی آٹھ سو چھتیس ۸۳۶ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

شیخ عبدالحق چو رفت از دادِ دہر
شد بجنت جلوہ گراں ماہِ حق
مقتدائے اہل حق — کامل ولی
۸۳۶ھ — ۸۳۶ھ
سالِ وصلش او بگو از برحق

شیخ شیر خان بک رحمۃ اللہ علیہ آپ شاہ فیروز کے نزدیکی رشتہ دار تھے۔ ایک عرصہ تک اغنیا اور امراء کے انداز میں زندگی بسر کی۔ اتنے متکبر۔ درشت خو۔ اور متکبر تھے کہ کسی کو آپ سے

بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اچانک شیخ رکن الدین بن شیخ شہاب الدین امام کی نگاہ پڑی۔ تو آپ کے مرید ہو گئے۔ ہر وقت خوف الٰہی سے روتے رہتے۔ سلسلہ چشتیہ میں سے آپ کے علاوہ کسی نے اسرار الٰہیہ کو فاش نہیں کیا اور نہ ہی جذب دستی کا اظہار کیا جس قدر حضرت شیخ شیر خان نے کیا تھا۔ آپ کے آنسو اس قدر گرم تھے۔ اگر ایک قطرہ کسی کے ہاتھ پر گر پڑتا تو جل جاتا۔ آپ نے علم تصوف و توحید میں چند گراں قدر کتابیں لکھیں اور امیر خسرو کے دیوان کے جواب میں ایک دیوان لکھا۔ اور عین القضا ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی تمہیدات پر تعلیقات لکھیں آپ کی کتاب یوسف و زلیخا اور مراۃ العارفین لوگوں میں بہت مقبول و مشہور ہوئیں آپ کو مقبول اللہ کا خطاب ملا تھا۔ آپ کی وفات ۸۳۶ھ میں ہوئی تھی۔

شیر خان چوں ز دار فانی دہر
یافت وصلے بقرب سبحانی
دل بسال وصال اے سرور
گفت شیر دلیر یزدانی

۸۳۶ھ

حضرت شیر خان رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے ایک سال بعد ۸۳۷ھ میں سید معز الدین ابو الفتح مبارک شاہ بادشاہ میراں صدر اور قاضی عبد الصمد کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ اور بمقام کوٹلہ جسے اس نے تعمیر کرایا تھا۔ دفن کر دیا گیا۔ اس نے تیرہ سال اور ایک ماہ حکومت کی تھی یہ بادشاہ خوشرو تھا۔ نیک سیرتی اور خوش اخلاقی میں بڑا مشہور تھا اس کے قتل کے بعد اس کا برادر زادہ محمد خان تخت نشین ہوا اور محمد شاہ کے خطاب سے مشہور ہوا۔

چو شش مظلوم زین دہر پہ امت
مبارک شاہ والاجاہ مقبول
بسالس گو امن دہر بو الفتح
دگر والی دین سلطان مقبول

۸۳۷ھ

شیخ قوام الدین چشتی سہروردی قدس سرہٗ: آپ حضرت سید محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ بعد میں حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین کی خدمت حاضر ہو کر مرید ہوئے اور اس طرح اوچ شریف میں روحانی تربیت حاصل کر کے بلند مقامات پر پہنچے۔ آپ بڑے جلیل القدر بزرگ تھے۔ آپ کے مقامات اور مراتب پر بہت کم لوگوں کی رسائی ہوئی ہے۔ آپ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت شیخ قوام الدین مجلس سماع میں بیٹھے تھے۔ مگر سماع میں وہ ذوق پیدا نہ ہوا۔ جو ہوا کرتا تھا آپ گھر آئے۔ فرمانے لگے۔ آج مجھے سماع میں ذوق نہیں آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں کوئی ایسی چیز ہے جس کا یہ اثر ہے۔ گھر والوں نے بتایا۔ ایسی کوئی چیز نہیں آئی۔ آپ نے تلاش کیا۔ تو گھر میں پرانے گڑ کی ایک ڈلی پڑی ہوئی تھی۔ جو آپ نے علاج کے لئے منگوائی تھی۔ آپ نے گڑ اٹھایا۔ اور باہر جا کر غریبوں میں تقسیم کر کے مجلس سماع میں آ بیٹھے۔ اس طرح آپ اس ذوق سماع سے محفوظ ہوئے۔ جس کی انہیں طلب تھی۔

کہتے ہیں۔ آپ کے پیر و مرشد مخدوم جہانیاں قدس سرہٗ کی وفات کا وقت قریب آیا۔ تو آپ نے حضرت قوام الدین کو بلا کر پوچھا۔ کہ میرے بعد اس سلسلہ کی سجادگی کسے دینی چاہیئے آپ نے کی عرض کی اس عظیم ذمہ داری کے لئے حضرت سید صدر الدین

راجن قتال سے زیادہ موزوں دوسرا شخص نہیں ہے۔ چنانچہ مخدوم جہانیاں نے شیخ قوام الدین ابیض کے مشورہ سے ایسا ہی کیا۔ سید صدرالدین راجن قتال کو سجادہ نشین بنایا۔ مگر ساتھ ہی اپنے دوسرے فرزند میر سید ناصرالدین کو بھی تبرکاً خرقۂ خلافت سے نوازا۔ حضرت سید ناصرالدین کی والدہ نے جب یہ واقعہ سُنا تو فرمایا۔ شیخ قوام الدین نے اپنے مشورے سے میرے بیٹے کو سجادگی سے محروم کر دیا ہے۔ اب اللہ سے میں بھی دعا کرتی ہوں کہ شیخ قوام الدین سجادہ نشین نہیں بن سکیں گے۔ حضرت شیخ قوام الدین نے سنا۔ تو فرمایا۔ مجھے بے حد مسرت ہوئی ہے کہ بی بی صاحبہ نے میرے سلب ایماں کے لئے بددعا نہیں کی۔ سجادگی کی ضرورت نہیں میں تو صرف ایمان کی دولت کا طالب ہوں"۔ اگرچہ میرے بیٹے سجادگی سے محروم رہیں گے مگر میرے خلفاء جو میری معنوی اولاد ہیں اس سلسلہ کو جاری رکھیں گے۔ چنانچہ شیخ قوام الدین نے حضرت مینا کو سجادہ نشین بنایا۔ آپ کا اپنا بیٹا شیخ نظام الدین بہت بڑا دنیادار ہونے کی وجہ سے سلسلہ کی ترویج سے محروم رہ گیا شجرۂ چشتیہ کے مولف نے شیخ قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۸۴۰ھ لکھی ہے۔ آپ کا مزار لکھنوتی میں ہے۔

قوام الدین جواز فضل الٰہی
زد نیا رفت در فردوس اعلیٰ
وفاتش گفت دل سلطان مخدوم
دگر فرمود مخدوم معلیٰ

۸۴۰ھ

شیخ سارنگ چشتی قدس سرہٗ: معارج الولایت اور مرتب ملفوظات شیخ مینا نے لکھا ہے۔ حضرت شیخ سارنگ ابتدائی

زندگی میں ہندوؤں کے بہت بڑے روساء اور امراء میں شمار ہوتے تھے۔ دامن اسلام میں آئے۔ اس وقت آپ کی ہمشیرہ سلطان محمد بن فیروز شاہ بادشاہ دہلی کی بیوی بنی تھیں۔ آپ اسی وساطت سے دربار دہلی سے منسلک ہو گئے تھے۔ اور ملک سارنگ کہلاتے تھے اسی دوران آپ نے ہندوستان کا سارنگ شہر آباد کیا تھا جب سید مخدوم جلال الدین اوچی اور سید صدر الدین راجن قتال دہلی میں تشریف لائے تو ان دونوں شیخ سارنگ ایک خوبرو اور نوخیز نوجوان تھے۔ بادشاہ نے ان دونوں بزرگان دین کے کھانے کی خدمت شیخ سارنگ کے سپرد کی ہوئی تھی۔ ایک دن حضرت راجن قتال نے کہا: "سارنگ! اگر تم پانچوں نمازیں باقاعدگی سے پڑھنا شروع کر دو تو میں حضرت مخدوم جہانیاں کے کھانے کا تبرک کھلاؤں گا چونکہ اس وقت ان کی ہدایت کا وقت آ پہنچا تھا۔ اس نے یہ شرط اسی وقت قبول کر لی۔ اور پانچوں نمازیں باقاعدگی سے ادا کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ آپ کو حضرت مخدوم جہانیاں کا پس خوردہ تبرک اچھا لگا۔ شیخ سارنگ کو اس کھانے میں ایک عجب لذت میسر آئی۔ ایک دن حضرت صدر الدین قتال نے کہا سارنگ اگر تم ہر روز نماز اشراق اور چاشت باقاعدگی سے پڑھنا شروع کر دو تو میں اور تم اکٹھے بیٹھ کر ایک دسترخوان پر کھانا کھایا کریں گے انہوں نے یہ بات بھی قبول کر لی۔ اب مخدوم جہانیاں۔ صدر الدین قتال اور ملک سارنگ ایک ہی دسترخوان پر کھانا کھانے لگے۔ اس قربت سے شیخ سارنگ کے دل میں روحانی روشنیاں گھر کرنے لگیں۔ آپ شیخ قوام الدین قدس سرہ کے مرید ہو گئے اور اس طرح آپ کو سلسلہ چشتیہ کا فیض ملنے لگا۔ مگر ملک سارنگ ابھی تک شاہانہ جاہ و جلال میں رہا کرتے تھے۔ جب حضرت سلطان فیروز شاہ کا انتقال ہو گیا تو ان کی جگہ سلطان محمد بن سلطان محمد تخت نشین ہوئے تو حضرت سارنگ کا دل دربار شاہی سے اچاٹ ہو گیا۔ آپ سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی یاد میں مشغول ہو گئے

تمام مال و متاع غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ اہل و عیال کو لے کر پا پیادہ حج کو روانہ ہو گئے چونکہ پیادہ چلنا جانتے نہ تھے قافلہ سے پیچھے رہ گئے۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے قافلہ دُور نکل گیا۔ ایک دن اپنے اہل و عیال کو کہنے لگے۔ اب میں بھی اور تم لوگ بھی تھک کر چور ہو گئے ہیں۔ اٹھو اور میرے پیچھے پیچھے چلو۔ ابھی تین قدم اٹھائے تھے کہ آپ قافلہ میں پہنچ گئے اور مدینہ پاک کے قرب میں جا پہنچے۔ حج کے بعد ایک عرصہ تک مکہ اور مدینہ میں قیام کر کے حرمین الشریفین کی مجاوری میں رہے۔

عرصہ بعد واپس ہندوستان آئے۔ اور حضرت شیخ یوسف بدھ ایرچی کی مجلس میں رہنے لگے۔ آپ سے خرقۂ خلافت پایا اسی اثنا میں اپنے پیر و مرشد کی صحبت میں زیارت کرنے لکھنو آیا کرتے تھے۔ جب حضرت شیخ قوام الدین قدس سرہٗ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کاش آج شیخ سارنگ میرے پاس ہوتے تو میں انہیں خرقۂ خلافت دیتا۔ آپ نے پھر بھی لوگوں کو اپنا ایک ان سِلا کفن دے کر کہا کہ جب شیخ سارنگ آئیں۔ تو انہیں میرا یہ تحفہ دے دینا۔ آپ بعد از وفات لکھنو آئے تو اپنے شیخ کا تبرک کفن حاصل کیا۔ پھر حضرت شیخ مینا کو روحانی تربیت دے کر حضرت شیخ قوام الدین کا سجادہ نشین مقرر فرما دیا۔

کہتے ہیں شیخ صدر الدین قتال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بزرگوں کے چند تبرکات حضرت شیخ سارنگ کو بھیجے۔ مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ مگر بعد میں حضرت شیخ صدر الدین نے بڑے اصرار سے فرمایا۔ یہ تبرکات صرف آپ کے لئے مخصوص ہیں۔ انہیں قبول کر لیں۔ اس اصرار پر آپ نے وہ تبرکات لے لئے آپ کی وفات ۸۴۸ھ میں ہوئی۔

چو سارنگ از جہاں رخت سفر بست — بجنت شد بفضل ذوالجلال
چو سرور از خرد پرسید سالش — ندا آمد ولی مخدوم عالی
۸۴۸ھ

قاضی شہاب الدین دولت آبادی قدس سرہٗ

آپ قاضی عبد المقتدر کے عظیم شاگرد تھے اور حضرت مولانا محمد خواجگی کے مرید خاص تھے حضرت میر اشرف سمنانی قدس السرہ السامی کی مجالس سے بھی استفادہ کیا تھا۔ آپ ظاہری علوم میں یکتائے زمانہ تھے اور باطنی اسرار میں کامل دسترس رکھتے تھے ہماری قلم میں وہ طاقت نہیں کہ آپ کے کمالات علیہ کو ضبط تحریر میں لایا جا سکے اور ہماری زبان میں وہ قوت گویائی نہیں کہ آپ کے اسرار کو بیان کیا جا سکے۔ آپ نے اپنی علمی شہرت سے ایک زمانے کو متاثر کیا۔ کافیہ کی شرح ایسی زبان میں لکھی کہ علماء عش عش کر اٹھے۔ علم نحو میں کتاب الارشاد بے مثال کتاب تحریر کی۔ علم بلاغت میں بدیع البیان آپ کی مشہور کتاب ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی ایک تفسیر بحر مواج ہے۔ جو زبان فارسی میں مقبول ہوئی۔ آپ نے ایک رسالہ تقسیم علوم میں لکھا اور ایک رسالہ تقسیم فصاحت میں سپرد قلم کیا تھا۔ آپ کو شعر و شاعری میں بھی کمال حاصل تھا۔ چنانچہ آپ کا ایک شعر تو زبان زد عام ہو گیا تھا۔ جو آپ نے بادشاہ وقت کی خدمت میں ایک خوبرو کنیز لینے کی سفارش میں لکھا تھا۔

ایں نفس خاکسار کہ آتش سزائے اوست
برباد گشت لائق بے آب کردن است
شخصے چناں فرست کہ پا بر سرم نہد
ریزد دہم منی و تکبر کہ در من است[1]

---

[1]: اے بادشاہ آپ جانتے ہیں۔ یہ نفس پلید جس کی سزا آگ ہے یہ تباہ ہو گیا ہے اسے بے آب ختم کر دینا ضروری ہے آپ کوئی ایسی شخصیت بھیجیں جو میرے سر پر پاؤں رکھ کر اس نفس شریر کا تکبر اور خودی کو توڑ کر رکھ دے۔

بادشاہ اس ادا کو سمجھ گیا اور کنیز آپ کے پاس بھیج دی۔

آپ نے ایک اور کتاب مناقب السادات لکھی تھی جس میں اہل بیت کی محبت کو بڑے عمدہ پیرائے میں بیان کیا تھا۔ اس میں بے نظیر انداز میں سادات کرام کی عزت و منزلت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے لکھنے کی وجہ یہ بنی۔ کہ بادشاہ کے دربار میں اجمل نامی ایک سید زادہ تھا۔ چنانچہ آپ نے علوم دینیہ کی عظمت کی بنا پر سید زادہ سے اپنی برتری ظاہر کرتے ہوئے۔ ایک زبردست کتاب لکھی۔ اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے اپنی مسند قریب تر کرالی۔ رات کو خواب میں سید الانبیاء کی زیارت نصیب ہوئی۔ تو آپ نے قاضی شہاب الدین کے اس فعل کو بُرا منایا۔ صبح اٹھے۔ تو اس کتاب کو دریا برد کر دیا۔ سید زادے سے معافی مانگی اپنی مسند کو آپ کے لیے رکھوایا اور ساتھ ہی سادات کی عظمت اور عصمت پر ایک زبردست کتاب لکھی جو بڑی پسند کی گئی۔

اخبار الاخیار میں آپ کا سال وصال ۸۴۸ھ لکھا ہے۔

شہاب الدین چو رفت از عالم دہر
بجنت گشت روشن آں علم
وصالش کن رقم توقیر اسلام
دگر فرما شہاب الدین مہ علم

۸۴۸ھ

میر سید یدّ اللہ قدس سرہ: آپ سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔ آپ کو بچپن میں ہی خرقۂ خلافت مل گیا تھا۔ صاحب معارج الولایت نے لکھا ہے۔ کہ ایک دن حضرت سید محمد گیسو دراز وضو فرما رہے تھے۔ مسح کرنے لگے تو سر سے عمامہ اُتار کر نیچے رکھا سید یدّ اللہ ابھی بچے

تھے۔ پاس بیٹھے ہوئے تھے عمامہ اٹھایا اور اپنے سر پر رکھ لیا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا بیٹا تمہیں یہ خلعت مبارک ہو۔ یہ تمہارا حق تھا۔ تمہیں مل گیا ہے۔ اس دن کے بعد آپ جسے بھی مرید بناتے اس کی نسبت سید یداللہ سے مستحکم کرواتے مگر اس مرید کی تربیت خود کرتے۔

اخبار الاخیار نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ سید یداللہ نوجوان ہوئے۔ تو آپ کی شادی ایک نہایت خوش شکل لڑکی سے ہوئی۔ رات حجلۂ عروسی کو سجایا گیا تو میر یداللہ اپنی دلہن کے پاس پہنچے تو اس کے حسن کی تاب نہ لاکر آپ نے ایک نعرہ مارا۔ اور جان دے دی صبح دلہن نے آپ کو اپنی بغل میں بھینچا اور اپنی جان قربان کر دی۔ اس طرح یہ دونوں مجازی عشاق واصل بحق ہوگئے اور انہیں ایک ہی قبر میں دفنایا گیا۔

سید یداللہ قدس سرہٗ ۸۴۹ھ میں فوت ہوئے تھے

کرد سفر چوں زجہاں فنا
میر یداللہ شہ ہفدہ طبق
مرد خدا سال وصالش بخواں
نیز یداللہ شہنشاہ حق

۸۴۹ھ

شیخ نورالدین المشہور نور قطب عالم بنگال قدس سرہٗ

آپ شیخ علاءالدین علاءالحق بنگالی قدس سرہ کے فرزند اور خلیفہ طریقت تھے۔ ہندوستان کے مشہور مشائخ میں مانے جاتے ہیں بڑے صاحب عشق ومحبت اور ذوق وشوق کے مالک تھے۔ صاحب تصرف وکرامات تھے اپنے والد کی خدمت میں رہ کر بڑی روحانی منزلیں طے کیں

اور درجہ قطبیت کو پہنچے۔ اس طرح آپ قطب عالم کے خطاب سے مشہور ہوئے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ اپنے والد کی خانقاہ کے تمام امور کو اپنے ہاتھ سے سرانجام دیا کرتے تھے۔ کپڑے دھونا۔ خانقاہ کو صاف کرنا۔ پانی کو لاکر نمازیوں اور مسافروں کو مہیا کرنا۔ جنگل سے لکڑیاں لاکر لنگر تیار کرنا۔ سب آپ کے ذمہ تھا۔ حتیٰ کہ درویشوں کے کپڑے دھونے۔ گندگی کا اٹھانا۔ اور بیت الخلاء کی نجاست ہٹانا بھی آپ کے ذمہ تھا۔ ایک دن ایک درویش کو آدھی رات کے وقت پیٹ میں درد اٹھا وہ بیت الخلاء کی طرف بھاگا۔ وہاں شیخ علاء الحق اپنی روزمرہ خدمت پر مصروف تھے۔ اس درویش کو زور سے جو پاخانہ آیا۔ اس کا کچھ علاء الحق کے کپڑوں پر جا پڑا۔ حتیٰ کہ آپ کا جسم بھی آلودہ ہو گیا۔ مگر آپ کے چہرے پر نہ ملال آیا۔ نہ آپ نے اس بات کو ناگوار محسوس کیا۔ دوسری طرف آپ کے والد اپنے بیٹے کی اس انکساری اور خدمت کو دیکھ رہے تھے۔ اس قوت برداشت کو دیکھ کر فرمایا۔ بیٹا! مجھے تمہاری اس خدمت سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ مگر آج کے بعد تمہیں کسی اعلیٰ منصب پر مقرر کیا جاتا ہے۔

شیخ حسام الدین مانک پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں یہ واقعہ درج ہے کہ جن دنوں شیخ علاء الحق اپنے والد کی خانقاہ میں لکڑیاں لاکر مہمانوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ آپ کا ایک بھائی اعظم خان بادشاہ وقت سلطان تغلق کا وزیر تھا ایک دن شیخ علاء الحق سر پر لکڑیاں اٹھائے گزرے تو اعظم خان نے روک کر کہا بھائی کب تک خانقاہ کی لکڑیاں اٹھاتے رہو گے۔ آؤ! میں تمہیں کسی اعلیٰ منصب پر لگا دیتا ہوں۔ جہاں تم آرام سے زندگی بسر کر سکو۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا منصب اور آرام عارضی اور وقتی ہے۔ مگر میری خدمات ہمیشہ ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ میں ان خدمات کو چھوڑ کر منصب شاہی قبول کرنے کو تیار نہیں۔

تذکرہ الاقطاب کے مؤلف نے آپ کا سال وصال ۸۵۱ھ لکھا ہے۔ آپ کا مزار قصبہ پنداوہ بنگال میں شیخ رفعت اللہ اور شیخ انور آپ کے صاحبزادے تھے اور آپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین بنے۔

چو نور الدین ازیں دنیائے نانی
منور شد بفردوس معلیٰ
بگو تاریخ او شمس الہدایت
دگر قطب اللہ انور تجلی

۸۵۱ھ

شیخ شبلی بن جلال الدین پانی پتی قدس سرہٗ:

آپ اپنے والد شیخ جلال الدین پانی پتی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ظاہری علوم میں یکتائے زمانہ تھے۔ باطنی علوم میں کمال حاصل کیا۔ اور راہ طریقت میں گام زن ہوئے۔ تجرید و تفرید میں کمال پایا۔ اہل دنیا اور علایق دنیا سے ہمیشہ دور رہے۔ صاحب سیر الاقصاب لکھتے ہیں کہ آپ مجالس سماع برپا کرتے۔ اور ذوق و مستی میں وجد کرتے۔ چونکہ آپ کی ٹانگیں کسی جسمانی بیماری سے بیکار ہو چکی تھیں۔ آپ چلنے پھرنے سے معذور تھے مگر مجلس سماع میں وجد اور رقت میں یہ رکاوٹ سامنے نہ آتی تھی۔ آپ سب سے زیادہ وجد کرتے بعض اوقات آپ رقص و وجد کی حالت میں چھت تک جا پہنچتے ایک بار وجد کی ایسی ہی حالت میں آپ کے چچا شیخ اوائل موجود تھے۔ آپ نے آگے بڑھ کر آپ پر ہاتھ رکھا اور فرمایا شبلی یہ تو اظہار کرامت ہے اور کرامت برسر مجلس نہیں دکھائی جاتی۔ اس دن کے بعد آپ نے کبھی وجد و رقت کا اظہار نہیں فرمایا اور ہمیشہ خاموشی سے سماع سنتے تھے۔

شیخ شبلی کے زیادہ مرید افغان تھے۔ آپ نے ایک دن دعا کی کہ میرے مرید افغانوں کے تیر کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوگا۔ اس دن سے افغان ایسے نشانہ باز ہوئے کہ کبھی کوئی تیر نشانہ خطا نہ کرتا تھا۔ یہ افغان جس لشکر میں ہوتے۔ دشمن کو تیروں کے نشانے میں لاکر تباہ کر دیتے تھے۔ ایک بار ایک افغان نے اس دعا کو آزمانے کے لئے ایک تیر آسمان کی طرف پھینکا۔ جب تیر واپس آیا تو تیر ایک اژدہا کو چیرتا ہوا واپس آیا تھا تو کہنے لگا واقعی اولیاء اللہ کی کرامت حق ہے۔ جن کے کہنے پر ایک تیر نشانے کو خطا نہیں کرتا۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا تیر کب خطا ہوتا ہے۔

سیر الاقطاب نے آپ کی تاریخ وصال ۸۵۲ھ لکھی ہے۔

شد چو از دنیا بجنت یافت جا
حضرت شبلی شہ ہر دوسرا
سال وصل او بگو شبلی تقی
۸۵۲ھ
نیز شبلی واصل دین پیشوا

۸۵۲ھ

شیخ علاء الدین قریشی قدس سرہٗ: سید محمد گیسو دراز قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ آپ کو علاء الدین قریشی گوالیاری کے نام سے شہرت ملی۔ ظاہری اور باطنی علوم میں کمال رکھتے تھے تجرید و تفرید میں بھی بے مثال تھے۔ ساری زندگی گوشہ نشینی میں گزار دی۔ یاد الٰہی کے بغیر زندگی کا کوئی مشغلہ نہ رکھا۔ اپنے خادم کو فرمایا کرتے تھے۔ گھر کا کوڑا کرکٹ بھی سامنے نہ پھینکا کرو۔ اس سے لوگوں کو گھر میں زندگی کے آثار نظر آتے ہیں اور لوگ آکر پریشان کرتے ہیں اور یاد خداوندی میں مخل ہوتے ہیں آپ ۸۵۳ھ میں فوت ہوئے

رفت چوں از جہاں بخلد بریں
ہادی مقتدا علاء الدین
سال ترحیل دے عیاں گردد
از ولی خدا علاء الدین

۸۵۳ھ

شیخ بہرام چشتی صابری قدس سرہٗ

آپ شیخ جلال الدین پانی پتی قدس سرہٗ کے مریدان باصفا میں سے تھے علوم ظاہری اور اسرار حقیقت از بر کرنے کے بعد خرقۂ خلافت ملا اور قصبہ بنادہ میں قیام پذیر ہوئے چونکہ قصبہ بیدولی دریائے جمنا کے کنارہ پر واقع ہے۔ اتفاقاً سیلابی موسم میں دریا کا رخ اس قصبہ کی طرف ہو گیا۔ یہ قصبہ سیلاب کی زد میں آیا تو وہاں کے باشندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس قصبے کے تمام لوگ حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی کے مرید تھے ان سے ایک خط شیخ بہرام کے نام لے آئے۔ آپ نے شیخ بہرام کو لکھا۔ اپنے قصبہ سے نکل کر قصبہ بیدولی میں چلے جائیں اور دریا جمنا کو روک دیں۔ اور اس وقت تک وہاں قیام کریں جب تک دریا اپنا رُخ نہیں بدل لیتا۔ آپ حضرت پیر و مرشد کے حکم سے بیدولی پہنچے اور دریا کے کنارے پر کھڑے ہو کر اپنا عصا گاڑ دیا اور کہا یہاں سے ہٹ جاؤ۔ دریا آہستہ آہستہ اپنا رخ بدلتا گیا۔ اور دو میل دور بہنے لگا۔ آپ اسی قصبہ میں قیام فرما رہے تاکہ لوگوں کو کسی قسم کا خطرہ نہ رہے آپ نے زندگی بھر اسی قصبہ میں قیام کیا۔ یہاں ہی وصال ہوا۔ آپ کا مزار لوگوں کے لئے دارالشفاء ہے جو بیمار ہوتا ہے ایک بار حاضر ہوتا ہے اور شفا پاتا ہے۔

سیر الاقطاب میں آپ کی ایک کرامت لکھی ہے کہ ۱۰۵۷ھ میں نظر بیگ وال دہلی

نے ایک ہندو کو اس علاقہ میں مختار اراضیات مقرر کر دیا۔ وہ ہندو بڑا متعصب تھا۔ عام زمینوں کو سرکاری کھاتے میں لاتا جاتا۔ وہ اس قصبہ میں پہنچا تو خانقاہ کے ساتھ دی ہوئی عام زمین کو سرکاری زمین قرار دے گیا۔ حتیٰ کہ خانقاہ کی خاص زمین کے لئے بھی سرکاری کارندوں کو حکم دیا کہ جریب لاکر اسے بھی سرکاری تحویل میں لایا جائے۔ سرکاری کارندے اس زیادتی سے ہچکچاتے تھے۔ خود گھوڑے پر سوار پاس کھڑا ہوا اور کارندوں کو حکم دیا کہ اس زمین کو جریب سے ناپوں۔ اسی اثناء میں آپ کی خانقاہ کے مجاور بہت پریشان ہوئے۔ ایک مجاور روضے کے اندر جاکر فریادی ہوا کہ حضرت! اس ظالم نے آپ کی دی ہوئی زمینیں قبضہ میں لے لی ہیں۔ اب خانقاہ کی خاص زمین بھی لینے کے درپے ہے۔ امداد فرمایئے۔ کہتے ہیں وہ مجاور قبر سے لپٹا فریاد کر رہا تھا۔ کہ باہر شور و غل ہوا۔ باہر نکلا دیکھا تو ہندو گھوڑے کی زین سے اُچھلا اور ہوا میں معلق ہوا۔ لوگ بے بسی کے عالم میں شور و غل مچا رہے ہیں۔ مجاور یہ صورتحال دیکھ کر واپس۔ قبر پر آیا اور عرض کی۔ حضور اس خبیث کو زمین پر گرائیں وہ زمین پر گرا۔ اس کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ اور بازو پشت کے پیچھے بندھ گئے وہ زمین پر تڑپ رہا تھا۔ گردن گی تھی۔ اور اس کے رشتہ دار فریاد کر رہے تھے۔ آخر وہ مجاوروں کے پاس حاضر ہوئے۔ اسی مجاور نے قبر پر آکر دوبارہ سفارش کی اس کو اندر لائے۔ تو وہ شفایاب ہوا۔ آئندہ کے لئے اس نے خانقاہ کی زمین کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا بلکہ شام قصبہ کی زمین پر کبھی سرکاری قبضہ کا خیال تک نہ لایا۔

شیخ بہرام رحمۃ اللہ علیہ ۸۵۴ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار قصبہ بید ولی میں دریائے جمنا کے کنارے ہے اور وہ ایک سو پچیس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

چو شد از دنیا بفردوس بریں
حضرت بہرام شیخ اولیا

سال وصل اے شدا ز سرور عیاں
زبدۂ آفاق قطب الاتقیاء

۸۵۴ھ

شیخ کبیر چشتی قدس سرہٗ: آپ حضرت شیخ فرید بن عبدالعزیز صوفی حمیدالدین ناگوری قدس سرہم کی اولاد میں سے تھے اور اس سلسلہ میں مرید بھی تھے۔ علوم ظاہری اور باطنی میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی کتاب ضوء المصباح بڑی بلند پایہ تصنیف ہے۔ آپ کافی عرصہ ناگور میں رہے مگر جب ناگور میں ہندو مسلم فساد ہوا تو آپ ناگور کو چھوڑ کر گجرات چلے گئے۔ اور وہاں بتاریخ پنجم ماہ ربیع الاول ۸۵۸ھ میں فوت ہوئے۔

بجنت چو رفت از جہاں فنا
کبیر آں شہ پیر بناد پیر
بتاریخ ترحیل آن شاہ دین
بگو قبلہ اہل جنت کبیر

۸۵۸ھ

شیخ ابوالفتح جونپوری قدس سرہٗ: آپ اپنے دادا عبدالمقتدر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ بڑے عالم فاضل تھے۔ معارج الولایت اور مکارم الاخلاق کے مولفین نے لکھا ہے کہ شیخ ابوالفتح چودہ ماہ تک شکم مادر میں رہے اس وجہ سے آپ کے دادا عبدالمقتدر رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی تشویش تھی ایک رات خواب میں رکن الدین ابوالفتح سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا۔ عبدالمقتدر تمہارے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے اس کا نام میرے نام پر ابوالفتح رکھنا۔ چنانچہ اسی دن جب چاند کی چودھویں تاریخ تھی

آپ پیدا ہوئے۔ اسی دن شیخ جمال الدین جو شیخ عثمان سیاح کے مرید تھے۔ آپ کے گھر تشریف لائے بچے کو پہلی نظر دیکھ کر فرمایا۔ عبدالمقتدر! تمہارا گھر اس نورانی بچے کی وجہ سے نور سے بھر جائے گا۔ شیخ عبدالحی حضرت شیخ عبدالمقتدر کے بیٹے حضرت شیخ عبدالمقتدر کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ خواجگان چشتیہ کا سلسلۂ خلافت آپ کی وساطت سے آگے چلا۔ آپ مسند ارشاد پر تشریف فرما ہوئے تو کچھ عرصہ کے بعد امیر تیمور گورگانی دہلی پر حملہ آور ہوا آپ بھی اس افراتفری میں دہلی چھوڑ کر جونپور چلے گئے۔ جونپور میں آپ نہایت بے سروسامانی کے عالم میں پہنچے اور کسی گھر در کے بغیر رہائش پذیر رہے کچھ عرصہ تک ایک درخت کے زیر سایہ بسیرا کر لیا۔ خودداری کا یہ عالم نہ کھانے کو کچھ ملتا نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے۔ جسمانی طور پر اس قدر کمزور ہو گئے کہ چلتے چلتے ٹانگوں میں رعشہ طاری ہو جاتا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت عبدالمقتدر کا ایک مرید تجارت کے لئے دہلی سے جونپور آیا۔ آپ کو دیکھ پہچان لیا نذرانہ پیش کیا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ آپ کو بتایا۔ کہ مسجد کے قریب ہی ایک مکان ہے مالک مکان اسے فروخت کر رہا ہے اگر آپ اجازت دیں تو یہ مکان خرید لیا جائے اور آپ اس میں رہائش کر لیں۔ مکان کی قیمت اس سوداگر نے سامنے لا رکھی۔ مگر آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ مگر چند دن صبر و قناعت سے گزارنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانۂ غیب سے آپ کو بہت سی دولت دی۔ آپ نے وہ مکان خرید لیا۔ ساتھ ہی ایک عالی شان خانقاہ تعمیر کر لی اور بڑی آسودہ زندگی گزارنے لگے۔ کئی سال بعد وہی سوداگر دوبارہ جونپور آیا۔ تو آپ نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ بڑی عزت اور توقیر دی۔ بیٹھے بیٹھے سوداگر کے دل میں خیال آیا کہ جو شخص اس حالت میں زندگی بسر کر رہا ہے وہ بڑا دولت مند ہو گا۔ آپ نے اس سوداگر کے اس خیال کو محسوس کر لیا۔ پاس بلا کر کہا عزیز من میرے پاس بڑا خزانہ ہے۔ دائیں ہاتھ والا کمرہ سونے سے بھرا پڑا ہے اور بائیں

ہاتھ والا چاندی سے پُر ہے۔ مگر یہ سونا اور چاندی چوروں کی نظر سے محفوظ ہے مگر ان دنوں لوگوں کے مال پر چوروں اور راہزنوں کی دسترس ہے۔ اس سوداگر نے دل میں خیال کیا۔ کہ حضرت کے یہ الفاظ میرے لئے بدعا ہیں۔ دو تین راتیں گزری تھیں کہ اس سوداگر کے مال کو چور لے گئے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت ابوالفتح کے گھر میں ایک بار سونے کے ٹکڑوں کی بارش ہوئی۔ شیخ فخر الدین بجنوری اور شیخ محمد آب کش آپ کے مشہور خلفاء میں سے ہیں اور آپ وقت کے کاملین سے ہوئے ہیں۔ صاحب معارج الولایت نے آپ کی تاریخ ولادت محرم الحرام کی چودہ تاریخ ۷۷۰ھ ہے اور وفات بروز جمعہ تیرہ ربیع الاوّل ۸۵۸ھ کو ہوئی۔ یہ سلطان محمد سلطان شرقی کے دور حکومت تھا

شہ دنیا و دین ابوالفتح حق بیں
کہ ذاتش مرشد راہ صواب ست
ولی حق مناب الفتح تولید
وفاتش نور حق فتاح باب است

۸۵۸ھ

شیخ عارف قدس سرہٗ:

آپ شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ کے فرزند ارجمند اور خلیفہ اعظم تھے۔ والد کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور ہزاروں طالبان حق کی راہنمائی فرمائی۔

معارج الولایت کے مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ احمد عبدالحق کے جو بھی اولاد ہوتی زندہ نہ رہتی تھی۔ آخر کار آپ کی بیوی نے آپ سے ہی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ حق حق حق کر کے فوت ہو جاتا ہے۔ میرے صلب میں صرف ایک ایسا بیٹا ہے جو زندہ رہے گا مگر ابھی تک اس کی پیدائش کا وقت نہیں۔

آیا۔ میں ایک سفر پر جا رہا ہوں۔ واپسی پر آکر تمہیں بتاؤں گا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت سفر سے واپس آئے اور گھر قیام کیا۔ ایک سال گزرا تھا۔ کہ اللہ نے بیٹا دیا۔ جس کا نام عارف رکھا گیا۔ آپ نے اپنی بیوی کو فرمایا اسے کچھ نہ کہنا اور اللہ کی رضا پر قناعت کرنا۔ یہ لڑکا بڑا ہو کر ظاہری اور باطنی علوم کا یگانہ روزگار ہوا۔ اور فیض جاری ہوا حضرت شیخ عارف کے ایک فرزند شیخ محمد نے سلسلہ چشتیہ کو فروغ بخشا۔ یہی شیخ محمد نہیں جن کے خلیفہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ہوئے ہیں

شجرہ چشتیہ نے آپ کی وفات ۸۵۹ھ لکھی ہے اور آپ چالیس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

چو زیں دنیائے دوں رخت سفر بست
جناب شیخ عارف واقف حق
عجب تاریخ وصلش جلوہ گر شد
ز قطب الحق معلیٰ عارف حق

۸۵۸ھ

شیخ ابوالفتح علائی قریشی کالپوی قدس سرہٗ

آپ سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ خاص تھے علوم ظاہری اور باطنی میں معروف زمانہ ہوئے طریقت و شریعت کے امام مانے گئے تھے۔ حرمین الشریفین کی زیارت کو گئے کتاب عوارف العارف آپ کی گران مایہ تصنیف ہے تصوف میں ایک اور کتاب تکملہ بھی آپ نے لکھی۔ اسی طرح تصوف میں مشاہدہ کتاب بھی لکھی آپ کی وفات ۸۶۲ھ کو ہوئی مزار پُر انوار کالپی میں ہے۔

چو رفت از عالم فانی بجنت
شہ اہل یقین ہادی ابو الفتح
چو سال انتقالش جستم از دل
بگفتا میر دیں ہادی ابو الفتح

شیخ پیارا قدس سرہٗ:- آپ حضرت شیخ ید اللہ چشتی قدس سرہٗ کے مرید تھے اور پھر سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیض پایا کہتے ہیں۔ جس دن حضرت گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ اے نوجوان۔ تم کبھی زندگی میں عشق و محبت میں بھی گرفتار ہوئے ہو۔ آپ نے ازرہ ادب عرض کیا۔ حضور! میں عشق و محبت کو کیا جانوں میں تو آپ سے یہ چیزیں حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں: آپ نے فرمایا۔ میرے اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہارے دل کی کیفیت معلوم کر سکوں اور تمہارے نظریات کا اندازہ کر سکوں۔ تم پردہ نہ ڈالو۔ بلاکم و کاست میرے سوال کا جواب دو۔

آپ نے فرمایا۔ حضور جوانی کے جوش میں مجھے ایک خوبصورت ہندو عورت سے محبت ہو گئی تھی۔ میں اس کو نرستا تھا۔ مسلمان ہونے کے باوجود میں نے زنار پہننا شروع کر دیا۔ اور اپنی محبوبہ کے اشارے پر وہاں رہنا شروع کر دیا جہاں ہندو عورتیں بلا جھجک جا سکتی تھیں۔ اتنی بات سُنی تو حضرت خواجہ گیسو دراز نے اُٹھ کر آپ کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ اور فرمایا عشق عالی ہمت لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ تم نے بڑی بلند ہمتی سے اس راہ کو اختیار کیا ہے۔ اور عشق کی تلخیاں اور بے تابیاں برداشت کی ہیں۔ اب میں تجھے عشق حقیقی کی منازل طے کرانے میں آسانی محسوس کروں گا۔

چنانچہ اسی دن آپ کو بیعت کیا۔ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے حجرے میں بٹھایا۔ یہ حجرہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ مبارکہ میں ہے اور روحانی تربیت دے کر مرد کامل بنا دیا۔

حضرت شیخ پیارا کی وفات ۸۶۵ھ میں ہوئی۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت
ولی صاحب تعدید پیارا
سرور شد عیاں سال وصالش
ز کامل صاحب التوحید پیارا

شیخ مینا (شیخ محمد چشتی) قدس سرہٗ: آپ دیار لکھنؤ کے صاحب ولائیت تھے۔ بچپن سے ہی حضرت شیخ قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت میں رہے اور آپ سے ہی خرقۂ خلافت حاصل کیا آپ کا اسم گرامی اس لئے مینا رکھا گیا تھا کہ شیخ قوام الدین کا ایک بیٹا تھا جس کا نام نظام الدین محمد مینا تھا، وہ دنیاوی خواہشات کی تکمیل کے لئے بادشاہ وقت سلطان محمد بن فیروز شاہ کے دربار میں ملازم ہو گیا اور ترقی کرتے کرتے بلند مناصب پر جا پہنچا۔ شیخ قوام الدین کو بیٹے کی اس حرکت پر بڑا افسوس ہوا۔ اس سے مایوس ہو کر آپ دل برداشتہ تھے۔ مگر شیخ نظام الدین مینا حضرت شیخ قوام الدین کی خدمت میں مصروف رہے آپ بڑی خدمت کرتے مگر حضرت شیخ قوام الدین آپ پر خوش نہ ہوئے تھے آخر کار آپ نے فیصلہ کر لیا اپنے والد قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ پر حاضر ہو کر معافی مانگوں اور اپنے والد بزرگوار کو ذاتی طور پر آگاہ کیا۔ چنانچہ دربار سے روانہ ہوئے اور گھوڑے پر سوار ہی والد بزرگوار کی خانقاہ میں داخل ہو گئے۔ والد نے اپنے بیٹے کو اس حالت میں گھوڑے پر سوار دیکھا تو فرمایا او

نابکارا ایک درویش کی خانقاہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر آ گئے ہو۔ اس نے اسی وقت گھوڑے کو روکا تاکہ باہر جا کر پاپیادہ حاضر ہو۔ مگر گھوڑے کا پاؤں بدکا اور آپ گھوڑے سے گر پڑے اور وہاں ہی ہلاک ہو گئے۔

اس موقعہ پر آپ کی خانقاہ میں ایک درویش قطب الدین موجود تھا حضرت کی خانقاہ اس پر پڑی۔ فرمایا۔ میرا دل چاہتا ہے۔ تجھے دعا دوں اللہ تجھے ایک بیٹا دے اس کا نام شیخ محمد مینا رکھنا یہ میرے بیٹے کا نعم البدل ہو گا۔ آخر اس دعا کے نتیجہ میں شیخ قطب الدین کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا دیا جس کا نام شیخ محمد مینا رکھا گیا۔ یہ بچہ بڑا ہوا۔ حضرت شیخ قوام الدین کا منظور نظر بنا۔ بلند مقامات پر پہنچا۔ اور روحانی تربیت پا کر حضرت قوام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا خلیفہ اور جانشین قرار دیا گیا۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ حضرت مینا مادر زاد ولی اللہ تھے پانچ سال کی عمر میں قرآن پڑھنے کے لئے استاد کے پاس گئے۔ استاد نے کہا بسم اللہ پڑھو۔ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو استاد نے کہا پڑھو۔ الف۔ آپ نے الف پڑھا۔ استاد نے کہا پڑھو ب۔ حضرت مینا کہنے لگے الف کے بعد ب کی ضرورت نہیں۔ میرا الف ہی مجھے اللہ کی طرف راہنمائی کرنے کے لئے کافی ہے۔ پھر الف کے حرف کے وہ اسرار رموز بیان کئے کہ استاد دنگ رہ گیا۔

حضرت مینا تارک الدنیا تھے۔ آپ کو دنیا اور علائق دنیا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ آپ نے بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے۔ ایک رات دیوار پر بیٹھے عبادت کر رہے تھے نیند آ گئی۔ دیوار سے زمین پر آ گرے۔ اس کے بعد کبھی نیند نہ آئی۔ عبادت کے دوران اپنے چاروں طرف گھاس رکھ لیتے اور کانٹے بچھا لیتے۔ اگر نیند غلبہ کرتی تو کانٹے چبھتے۔ جس سے بیدار ہو جاتے۔ سردیوں میں قمیض بھگو کر پہنتے تاکہ

ٹھنڈک سے نیند نہ آئے۔

حضرت شیخ مینا ۸۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت
محمد شاہ دین مقبول احمد
وصالش کن بیان معشوق مخدوم
دگر فرما خلیل حق محمد

۸۷۰ھ

شیخ شمس الدین طاہر قدس سرہٗ

آپ قطب العالم شیخ نور الدین قدس سرہٗ کے خلیفہ اعظم تھے۔ صاحب اخبار الاخیار نے آپ کو سید کبیر اور بزرگ بلند مرتبت لکھا ہے آپ ایک سو پچاس سال جیئے۔ اپنے مرشد کے علاوہ آپ کو خواجہ معین الدین حسن سنجری سے بھی فیض ملا تھا۔ آپ نہایت محبت اور عقیدت سے اجمیر شریف میں رہے اس عرصہ میں اوبا اجمیر کے شہر میں نہ آپ نے تھوکا۔ اور نہ ہی ناک صاف کیا۔ پیشاب کے لئے شہر اجمیر سے دُور باہر چلے جاتے تھے۔ شہر میں داخل ہونے یا رہتے تو باوضو رہتے تھے۔ یہ احترام تھا اس شہر پر نور کا جس میں حضرت خواجہ اجمیری آسودۂ خاک ہیں۔

آپ کی وفات ۸۸۱ھ میں ہوئی تھی۔

چو شمس الدین بفردوس بریں رفت
وصال پاک آن خورشید آفاق
بادلی جلوہ گر شد تاج عزت
دوبارہ گشت روشن شمع عشاق

۸۸۱ھ

شاہ جلال الدین گجراتی قدس سرہٗ۔ آپ حضرت شیخ پیارا کے خلیفہ اعظم ہیں بڑے صاحب تصرف اور کامل شیخ طریقت تھے۔ آپ کا وطن گجرات تھا۔ مگر بنگال میں زندگی بسر کی۔

اخبار الاخیار اور معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ اپنی خانقاہ میں ایک شاہانہ تخت پر بادشاہوں کی طرح بیٹھتے تھے۔ اور اپنے مریدوں اور خادموں کے نام بادشاہوں کی طرح فرمان جاری کیا کرتے تھے۔ آخر ایک بد باطن شخص نے بادشاہ وقت کے کان بھرے کہ شاہ جلال الدین آپ کی سلطنت کے اندر ایک متبادل سلطنت چلا رہا ہے یہ سلسلہ قائم رہا تو ایک دن آپ کو اپنی سلطنت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے بادشاہ اس کی باتوں میں آگیا اور فوج کو حکم دیا کہ شاہ جلال الدین اور ان کے مریدوں کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ فوج نے بڑھ کر خانقاہ پر حملہ کر کے آپ کو مریدوں سمیت قتل کر دیا۔ فوج خانقاہ میں آپ کے مریدوں کو تہہ تیغ کر رہی تھی۔ تو شاہ جلال الدین یا قہار یا قہار کا نعرہ لگا رہے تھے۔ مگر جب آپ پر تلوار چلائی گئی تو آپ نے تین بار یا رحمان یا رحمان یا رحمان کا نعرہ مارا۔ آپ کا سر تن سے جدا ہو کر گر پڑا۔ آپ کے سر سے اللہ اللہ اللہ کی آواز آرہی تھی۔

آپ کی شہادت کا یہ واقعہ ۸۸۱ھ میں ہوا۔

رفت چوں از جہاں بخلد بریں
شیخ والا جلال عالی جاہ
گفت سرور بسال رحلت او
والی حق جلال شہنشاہ

۸۸۱ھ

شاہ کاکو قدس سرہٗ:- آپ شاہ نورالدین قطب العالم کے مرید تھے بلسلہ نسب حضرت بابا فرید شکر گنج سے جا ملتا ہے حضرت شیخ پیر محمد چشتی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فیضان پایا تھا خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ کو ولایت لاہور ملی ایک کثیر مخلوق آپ کے فیض سے مستفیض ہوئی۔

تذکرہ چوہڑ قطب عالم کے مولف نے آپ کا سن وفات ۸۸۲ھ لکھا ہے اور مزار مبارک لاہور میں ہے [۱]

چو از دنیائے دوں رخت سفر بست
جناب شاہ والاجاہ کاکو
چو سرور جست تاریخ وصالش
نداشد شاہ اکبر شاہ کاکو

۸۸۲ھ

۱۔ حضرت شاہ کاکو رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک مسجد شہید گنج نولکھا بازار میں واقعہ ہے یہاں محلہ شاہ کاکو بھی آباد تھا۔ جسے دارا شکوہ نے اپنے محلات میں ضم کر لیا تھا۔ پھر سلطنت مغلیہ کو نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں جو نقصان پہنچا۔ اس میں محلہ دارا شکوہ۔ محلات دارا شکوہ کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ کاکو رحمۃ اللہ کا مزار بھی پیوست زمیں ہو گیا۔ سکھوں کا دور آیا تو انہوں نے اس مقام کو خصوصی طور پر اپنی بربریت کا نشانہ بنایا تھا۔ یہ بربریت ایک انتقامی کارروائی تھی۔ مغلوں کے سپہ سالار نواب عبدالصمد خان اور نواب معین الملک کے دور اقتدار میں سکھ لیڈروں اور باغیوں کو اسی مقام پر پھانسی دی جایا کرتی تھی۔ ان حالات میں مزار شاہ کاکو کے آثار مٹ گئے مگر میاں میر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ میں از روئے کشف اس مزار کو دریافت کر کے اپنے مریدوں کو توجہ دلائی۔ وہ ایک عرصہ تک اس مزار پر عرس ختم اور دیگر رسومات ادا کرنے میں مستعد رہے تھے سکھوں کے اقتدار کے بعد میاں سلطان ٹھیکیدار نے یہاں کے محلات کے کھنڈرات کی اینٹیں بیچنا شروع کیں تو مسجد شہید گنج۔ مزار حضرت کاکو۔ محلہ دارا شکوہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

شیخ حسّام الدّین مانک پوری قدس سرہٗ

آپ حضرت نورالدین قطب عالم کے خلیفہ تھے اور اپنے وقت کے عظیم مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے ملفوظات رفیق العارفین میں آپ کے مقامات اور کرامات کو بیان کیا گیا ہے۔ آپ خود لکھتے ہیں کہ خلافت حاصل کرنے کے بعد میں نے سات سال تک فاقہ کشی کی۔ اور فقیری میں بسر کی۔ پیاس لگتی تو پانی پی لیتا اور یاد خداوندی میں مشغول ہو جایا کرتا تھا۔ ایک روز میرے ایک بیٹے نے بھوک اور پیاس سے تنگ آکر روتے روتے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ میں نے بیٹے کی تکلیف اور رونے سے متاثر ہو کر صرف اتنا کہا۔

اے عجبا - چوں توئی - ہمچو منی - دانہ بس۔

(ترجمہ:۔ تعجب ہے۔ جب تو میرا مالک ہے۔ اور میں تیرہ بندہ ہوں۔ تو ایک ایک دانے کو ترس جاؤں۔ اسی وقت ایک شخص کھانے کا ایک طباق اٹھائے آیا

(بقیہ حاشیہ) اور دوسرے مقامات کے نشانات مٹ گئے۔ پھر مسجد شہید گنج کی بازیابی کے لئے تحریک چلی تو ۱۹۳۵ء میں سرایمرسن گورنر پنجاب اور سر سکندر حیات کی وزارت کے دوران اس سارے علاقہ کو سکھوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اگرچہ آج پاکستان کو بنے بیالیس سال ہو چکے ہیں اور سکھوں کو یہاں سے گئے بھی عرصہ ہو گیا ہے۔ مگر ابھی تک نہ مسجد شہید گنج تعمیر ہوئی۔ نہ کاکو شاہ کا مزار بنا آپ کے مزار پر ساڑھے تین سو سال تک عرس منایا جاتا رہا ہے۔ جہاں ربیع الاوّل کی بارھویں تاریخ کو نعت خوانی۔ قوالی۔ اور علمائے کرام کی تقاریر ہوا کرتی تھیں۔ حضرت کاکو شاہ صرف فقیر ہی نہ تھے۔ دنیاوی طور پر بڑے صاحب ثروت تھے۔ مرید کے ضلع شیخوپورہ میں آج تک کالا شاہ کاکو آپ کی جاگیر یاد کو تازہ کرتا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

حالانکہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ ایک اور شخص ایک من دال لے کر آ گیا مجھے بڑی ندامت ہوئی۔ کہ میں نے کیا کر دیا۔ کہ لوگ کھانا اور دال لئے آ رہے ہیں۔ میں نے اپنے آپ کو لعن طعن کیا۔ اور بڑی ملامت کی۔

ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ مجھے کتابیں تو بہت یاد تھیں۔ مگر جب میں اپنے پیر و مرشد کے پاؤں پر اپنا سر رکھا تو مجھے سب کچھ بھول گیا۔ مگر مجھے وہ علم عطا ہوا۔ کہ اگر کوئی عالم دین میرے سامنے کتاب ہدایہ لے آئے تو میں اس کا سارا مطلب تصوف اور سلوک میں بیان کروں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ابتدائے کار میں میرے والد اس لئے ناراض تھے کہ میں نے مشکل سے علم حاصل کیا تھا۔ اسے کیوں برباد کر دیا ہے۔ یہ بات جب میرے پیر و مرشد نے سنی تو فرمایا۔ کہ درویش کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو نوک شمشیر کے نیچے رکھے۔ لیکن علماء چاہتے ہیں کہ لوگوں کو اپنی تلوار کے نیچے رکھیں مرد حق وہ ہے جو دونوں کام کرتے تلوار چلانا بھی جانتا ہو اور تلوار کے سامنے گلا کٹانے کے لئے بھی تیار ہو اَلْمَاءُ بِمَالِہٖ وَالرَّجُلُ بِمَالِہٖ۔ میرے جذبات کا یہ عالم تھا۔ کہ میرے لبوں پر اللہ کا نام لینا مشکل تھا۔ اگر لب پر لفظ اللہ آ جاتا تو میں بے تاب ہو جاتا۔ اور لوگ مجھے دیوانہ سمجھنے لگتے تھے۔ جب میں اپنے پیر کی تلاش میں گھر سے نکلا۔ تو قدم قدم سے آواز آتی۔ چلے آؤ۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔ فکر نہ کرو آؤ۔ آؤ۔

ایک دن میں کشتی میں سوار ہوا۔ تو میرے ساتھ ہی ایک پھٹے پرانے کپڑوں والا درویش بھی سوار تھا۔ کشتی پانی سے کنارے پر آ گئی۔ مگر وہ درویش دریا میں ڈوب گیا۔ کسی شخص نے اس کے ڈوبنے کی طرف خیال تک نہ کیا۔ میں موضع پنڈوہ میں آیا حضرت کے قدم چومے۔ غور سے دیکھا۔ تو حضرت قطب العالم وہی ڈوبنے والے درویش تھے۔"

شیخ حسام الدین مانک پوری ۸۸۲ھ میں فوت ہوئے۔

چوں حسام الدین شہ ہر دو سرا
رفت از عالم بفردوس بریں
گفت سال انتقال او فرد
ہادی مشکل کشا مطلوب دین

آپ حضرت شیخ مینا کے مرید تھے

شیخ سعد الدین خیر آبادی قدس سرہٗ: شرعی حدود پر سختی سے کاربند رہتے تھے آداب طریقت کی پابندی کرتے تھے۔ تجرید و تفرید میں اپنے پیر و مرشد کے پیروکار تھے۔ وجد و سماع کے دلدادہ تھے۔ علم نحو۔ فقہ۔ اصول میں صاحب تصنیفات تھے شرح مصباح اور شرح کافیہ آپ کی تصانیف ہیں آپ نے رسالہ ملکیہ کی بھی ایک شرح لکھی تھی خزانہ جلالی کی طرز پر مجمع السلوک لکھی جو حضرت شیخ مینا اور اپنے احوال و آثار پر مشتمل ہے عوارف المعارف کو اپنے پیر و مرشد سے پڑھا کرتے تھے۔ شیخ سعد الدین خیر آبادی کے بہت سے بڑے مرید اور شاگرد تھے ظاہر علوم میں آپ کے شاگرد مولانا اعظم تھے جو اپنے زمانہ کے نامور فقیہ اور عالم تھے۔ شیخ حلفی آپ کے مرید خاص ہوئے ہیں۔ شیخ مبارک سندیلہ جو شریعت و طریقت میں شہرت یافتہ تھے۔ آپ کے خاص شاگرد تھے۔ صاحب تذکرہ الاقطاب نے آپ کا سن وفات ۸۸۲ھ لکھا ہے۔

سعد دین اسعد و سعید زمن
شد ز دنیا چو در بہشت بریں
گفت سرور بسال تاریخش
کاشف حق سعید سعد الدین

۸۸۲ھ

شاہ میانجی قدس سرہٗ: آپ ایک واسطہ سے حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ کامل درویش اور اکمل عالم دین تھے آپ کے زمانہ میں مندو کے علاقہ میں آپ کا پائے کا کوئی بزرگ نہیں ہوا تھا۔ آپ اس ولائیت کے شیخ طریقت تھے۔ ایک سو بیس سال زندگی پائی تھی۔ جبکہ آپ کے پیر ایک سو پچاس سال جیئے تھے۔

صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ آپ جب کی پہلی تاریخ سے اعتکاف والے حجرے کو پتھروں کی چنائی کر کے بند کر دیا کرتے تھے اس طرح آپ چھ ماہ تک کھائے پیئے بغیر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے جس دن حجرے سے باہر آنے کا ارادہ کرتے تو اندر سے زور زور سے آوازیں دیتے۔ اور لوگوں کو ہدایت کرتے کہ حجرے کے دروازے سے دُور دور چلے جاؤ۔ جب مرید چلے جاتے تو آپ دروازے کے پتھر ہٹا کر باہر تشریف لاتے۔ اگر کوئی اتفاقاً سامنے آجاتا۔ شیخ کی جلالی نظر اس پر پڑ جاتی تو وہ دو دن تک بے ہوش پڑا رہتا تھا۔ اس شہر کا قاضی آپ کے کمالات کا منکر تھا۔ اس نے کئی بار آپ کا محاسبہ کیا ایک دن آپ حجرے سے نکلے تو قاضی سامنے تھا۔ آپ کی نگاہ قاضی پہ پڑی تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ اور دو دن تک پڑا رہا

ایک دن قاضی حضرت شیخ کے احتساب کے لئے آپ کے گھر آیا۔ پالکی پہ سوار تھا۔ شیخ کے مکان کے دروازے پر پہنچا تو دروازے پر دستک دی۔ شیخ نے کوٹھے سے دیکھا تو پالکی اٹھانے والوں کے پاؤں زمین میں دھنس گئے قاضی کے ہاتھ کانپ گئے۔ درّہ زمین پر جا گرا۔ قاضی شریعت کا بڑا پابند تھا۔ اور احتساب میں سخت گیر تھا۔ دوبارہ درّہ اٹھایا اور کوٹھے پر چڑھنے لگا۔ حضرت شیخ نے دوبارہ اس پر نگاہ ڈالی۔ قاضی کا ہاتھ پکڑ لیا اور اوپر لے گئے۔ قاضی نے دیکھا کہ شراب کی صراحی پڑی ہے۔ قاضی نے پوچھا یہ کیا ہے۔ آپ نے صراحی سے ایک پیالہ بھر کر

پیش کیا تو وہ خالص شربت تھا۔ شیخ نے فرمایا بسم اللہ کر کے نوش فرمایئے۔ قاضی شرمندہ ہو کر نیچے اتر آیا۔

شاہ میانجی کی وفات ۸۸۹ھ میں ہوئی۔

میانجی شاہ شہنشاہ عالی
چو رفت از دار دنیا سوئے جنت
رقم کن کاشفِ ممتاز سالش
دگر فرما زہے بر اکرامت
۸۸۹ھ

سیّد محمد بن جعفر المکی الحسینی الچشتی قدس سرہٗ

آپ حضرت چراغ دہلوی کے خلیفہ اعظم تھے۔ تجرید و تفرید میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ نے اپنے احوال و مقامات پر لکھا ہے اس کے پڑھنے سے عقل حیران رہ جاتی ہے وہ اپنے وقت کے کاملین میں سے تھے۔

آپ کی ایک تصنیف بحر المعانی ہے جس میں توحید کے حقائق اور معرفت کے اسرار تحریر ہیں۔ اس میں مستانہ انکشافات کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے علاوہ آپ کی دو کتابیں دقائق المعانی اور حقائق المعانی بھی اہل معرفت میں بڑی مقبول ہوئی تھیں اسرار روح پر ایک رسالہ ہے۔ پنج نکات اور بحر الانساب دو ایسے رسالے ہیں۔ جن میں اہل بیت رسول کے فضائل اور کمالات بیان کئے گئے ہیں اور اپنے آباد اجداد کی نسبت کو بیان کیا گیا ہے آپ بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن جب ہم ان دعووں کو غور سے دیکھتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ حق پر مبنی ہیں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی لمبی عمر بخشی تھی۔ خاندان تغلق سے لے کر سلطان بہلول لودھی تک زندہ رہے۔ آپ کی عمر دو سو سال تھی۔ آپ کے آبا و اجداد کا تعلق مکہ مکرمہ

سے تھا۔ ہندوستان آئے تو سرہند میں قیام کیا۔ آپ کا مزار سرہند شریف میں ہی ہے۔

اپنی کتاب بحر المعانی میں لکھتے ہیں کہ میں ساٹھ سال تک ظاہری علوم حاصل کرتا رہا معرفت و طریقت سے بے خبر رہا اگرچہ میں نے ظاہری علوم میں بڑا کمال حاصل کیا۔ مگر باطنی اسرار سے بے خبر تھا۔ اب میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو عام نظروں سے غائب ہیں اور وہ باتیں سنتا ہوں جنہیں تمام کان نہیں سن سکتے۔ آپ اس کتاب میں قطبوں۔ ولیوں۔ اوتاروں۔ افراد اور رجال الغیب کے حالات لکھتے ہیں۔ ان حضرات کے مقامات و مراتب کو ایسے انداز میں بیان کیا ہے کہ اس سے بڑھ کر تصور نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ میں ان تمام حضرات سے ملا ہوں۔ استفادہ کیا ہے اور ان کے مقامات و مراتب سے آگاہ ہوا ہوں۔ پھر لکھتے ہیں۔ تین سو پچاس ابدال ایسے ہیں جو دریائے نیل کے منبع پر پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ میں ان کے پاس حاضر ہوا۔ اور ان سے ملاقات کی تھی۔ وہ خاموش پہاڑوں میں خاموشی سے رہتے ہیں۔ درختوں کے پتے کھا کر جیتے ہیں کبھی کبھی ملخ بیابانی کھا لیتے ہیں۔ ان کے علاوہ افراد لاتعداد ہیں۔ میں اکثر ان سے بھی ملا ہوں۔ وہ عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں مگر قطب وقت انہیں دیکھتا رہتا ہے۔ ان تمام حضرات مقدسہ میں سے دو اوتاد ایسے ہیں جو مقام معشوقیت تک پہنچے ہیں وہ اس مقام پر ہیں۔ کہ اس مقام پر کسی دوسرے کی رسائی نہیں ہے۔ ان میں ایک تو شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ بدایونی رحمۃ اللہ علیہ ہیں روحانی طور پر دونوں روح احمدی کا مظہر ہیں میں ایک دن دریائے نیل میں ایک کشتی پر بیٹھا تھا میرے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام بھی سیر کر رہے تھے۔ ہم مشاہدہ لایزالی پر گفتگو کر رہے تھے۔ مجھے حضرت خضر علیہ السلام نے بتایا۔ کہ اس کائنات میں سید عبدالقادر جیلانی۔ اور خواجہ نظام الدین اولیاء دو ایسے بزرگ ہیں جو مقام معشوق

اور محبوبی پر فائز ہیں۔

ایک اور مقام پہ لکھتے ہیں۔ کہ میں نوے سال صحو میں رہا۔ اور اکیس سال سکر کی حالت میں رہا۔ ان ایام میں مجھے ماسوی اللہ سے کسی چیز کی خبر نہ تھی۔ میں ایک عرصہ تک جوار یعقوب اور یمنی میں رہا ہوں۔ انہوں نے میرے مقام صحو اور سکر کا ذکر کیا ہے۔ میں اکیس سال سکر میں رہا۔ مگر اب میں چند سال سے مستی سے فردانیت کے مقام پہ آگیا ہوں۔

فریدم فرد بنشستم کہ در خود
ز فردیت بے انوار دارم
اگر موسیٰ نیم موسیچہ ہستم
داون سینہ موسیقار دارم

جب فرد حقیقت سے ترقی کر کے حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی آگے بڑھے۔ تو میں ان کی راہنمائی میں تجلی صفات سے تجلی ذات کے مقام فردانیت میں آیا۔ تو میں نے فرد حقیقت کو خواب میں دیکھا جو ذکر خفی کر رہے تھے۔ میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر خاک آستان کو اپنے چہرے پہ ملنے کی سعادت حاصل کی تو فرمانے لگے " اے شہباز میدان لاہوت اور اے پاک باز عالم جبروت اور اے بازیافتہ عالم ملکوت و ناسوت۔ یہ کہہ کر آپ نے میری آنکھوں میں ایک سلائی سے سرمہ ڈالا اور فرمایا یہ سرجلال جمال ذات کا ہے یہ واقعہ ۸۱۱ھ میں پیش آیا تھا۔ رات ہوئی۔ تو میں نے وہاں سے پرواز بھری اور خلان سے مصر پہنچا۔ اور شیخ اوحد سمنانی قدس سرہ کی قدم بوسی کی۔ اس وقت آپ قطب عالم کے منصب پر فائز تھے۔ آپ نے بھی مجھے انہی الفاظ اور انعامات سے نوازا جسے فرد حقیقت نے نوازا تھا۔ آپ نے نہایت شفقت سے اپنے حجرۂ خاص میں ایک کونہ عطا فرمایا۔ میرے علاوہ اس حجرے میں دو اور افراد

بھی موجود تھے۔ ایک تو صوفی تھے۔ اور دوسرے ایک طالب علم تھے۔ شام کی نماز پڑھنے کے بعد میں نے وہاں سے پرواز کی اور عشاء کی نماز حضرت قطب العالم شیخ اوحدسمنانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے پڑھی۔ رات کو تین بار قرآن پاک ختم کیا۔ اور تیرہ پارے مزید پڑھے۔ اس رات میرا قلب وسیع ہوتا گیا۔ اور میں عرش عظیم کے کنگروں تک جا پہنچا مجھے مزید وسعت ملی تو مجھے یوں دکھائی دیا۔ کہ عرش عظیم میری نگاہ میں ایک رائی کے دانے کی طرح ہے میں نے اپنے آپ پر نگاہ ڈالی۔ تو میرے بدن کا رواں رواں ایک تصویر بنا ہوا ہے اور ہر تصویر میری ہم شکل ہے۔ اب یہ صورتیں مٹنا شروع ہوئیں تمام افلاک۔ آفاق۔ اماکن۔ عالم انفس بے کیف نظر آنے لگے۔ تمام تجلیات اسماء صفات افعال اور آثار محو ہونے لگے۔ ایک آنکھ جھپکنے میں مجھے ستر ہزار عالم نظر آنے لگے اور کلام الٰہی کو بلاواسطہ سنا۔ مجھے ایک ندا آئی۔ یا عبدی۔ جلالی۔ حجاب جمالی۔ انوار جلالی۔ وانت بین الجلال والجمال میں تجلی ذات کے کلام سے بھی مشرف ہوا اور اس مشاہدہ کی کیفیت کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اسی دن میں نے مقام لاہوت میں نزول کیا۔ یہ مقام فردانیت ہے۔ تجلی ذات کے بعد میں سترہ روز تک عالم صحو میں رہا۔ اس دوران حضرت شیخ اوحدالدین سمنانی کبھی کبھی میرے حجرے میں تشریف لایا کرتے تھے اور میری پیشانی پر بوسہ دیا کرتے تھے اگر حضرت سمنانی میرے حال کی نگرانی نہ فرماتے تو حجرے کے نگران مجھے مردہ جان کر دفن کر دیتے۔

آپ نے بحر معانی میں ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک سوال کیا مگر میں ان کے سوال کا جواب نہ دیا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتدائے حال میں کئی سال تک مجھے حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی تمنا ہوئی۔ جب ملتے تو میں بعض سوالات کرتا تھا۔ وہ ان کا جواب دینا مناسب خیال نہ کرتے تھے۔ آج ان کی خواہش ہے کہ وہ سوالات کریں میں جواب دینے سے احتراز کرتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ وہ اپنی ذات کی حفاظت کے درپے ہیں لیکن مجھے اگر ہزار جانیں بھی دی جائیں تو میں انہیں اللہ کی راہ میں قربان کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے تو صرف خیر الکلام کی فکر ہے میں اتنی بات کرتا ہوں جو مختصر ہو مگر نہایت ضروری ہو۔

میں لکھتے وقت بھی اجمالی طور پر الفاظ کا استعمال کرتا ہوں اگر اسرار الٰہیہ کو مفصل لکھنا شروع کروں تو مجھے تو رات کی طرح کئی اونٹ درکار ہوں گے جن پر اپنی تحریریں لاد سکوں۔ میری یہ باتیں فرقان عظیم کی شرح ہیں۔ اور یہی خیر الکلام ہے آپ نے بحر المعانی میں لکھا ہے کہ میں پورے بیس سال اپنے پیر و مرشد کی آستان پر سر نیاز جھکائے رہا ہوں۔ اس ارادت کے بعد تین کاموں میں مشغول ہو گیا۔ ایک تو یہ کہ پانچوں وقت میں اپنے پیر و مرشد کو وضو کرانے کے لئے پانی لے کر حاضر رہتا۔ دوسرے ان کے حجرے کا چراغ روشن رکھنا میری ذمہ داری تھی۔ اگر چراغ رکھنے کی جگہ نہ ملتی تو ساری ساری رات اپنے ہاتھ پر اٹھائے کھڑا رہتا۔ تیسرے اپنے پیر و مرشد کے استنجا کے لئے مٹی کے ڈھیلے تیار رکھتا تھا۔ ہر روز تازہ ڈھیلے لاتا۔ پہلے انہیں اپنی گالوں سے لگا کر صاف کرتا۔ پھر ایک جگہ رکھا کرتا تھا۔ یہ جذبات سلطان محمد تغلق کے دور اقتدار میں سرانجام دیتا رہا ہوں۔

اس کے بعد اپنے پیر و مرشد کی اجازت سے تین سو بیاسی اولیا اللہ کی زیارت کرنے نکلا۔ یہ اولیاء اللہ اس زمانے کے مشاہیر مشائخ تھے۔ نام بنام قریہ بہ قریہ۔ ملک بہ ملک ان کی خدمت میں پہنچا۔ دُور دراز سفر کیئے۔ میں نے ان حالات کو اپنی ایک اور کتاب میں سپرد قلم کیا ہے۔ میں اس سفر میں صفوان بن قصی جو عبد المناف کے بھائی تھے۔ ملا۔ یہ بزرگ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ میں انہیں ایک غار میں ملا جس دن میں نے ان کی قدم بوسی کی تو اس وقت وہ نو سو بارہ سال کے ہو چکے تھے۔ آپ نے مجھے بتایا۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ نے میری درازی عمر کے لئے دعا

فرمائی تھی۔ صفوان کا واقعہ آپ کی کتاب بحر المعانی میں تفصیلی طور پر موجود ہے پھر یہی واقعہ آپ کی کتاب بحر الانساب میں بھی ہے۔ اگرچہ اس واقعہ کو ہم احادیث اور سیرت کی کتابوں میں نہیں پاتے۔ تاہم ہم نے بحر المعانی کے حوالے سے یہ واقعات درج کئے ہیں۔

بحر المعانی کے آخری حصے میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ میں ستائیس ماہ محرم الحرام بروز جمعرات اپنا چھتیسواں مکتوب لکھ رہا ہوں۔ میرا قلم عشق کے اسرار کے میدان میں رواں دواں ہے میرا قلم جب اس جملے پر پہنچا۔ زُرْنِی غِبًّا وَزُدْ حُبًّا" (مجھے کبھی کبھی ملا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے) تو میں کانپ اٹھا۔ سر زانو پر رکھ کر سوچنے لگا۔ بے خود ہو گیا اسی عالم بیخودی میں مجھے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے دیکھا۔ حضور مسجد قبا میں جلوہ فرما ہیں۔ تمام صحابہ اور اولیائے امت سے مجلس سجی ہوئی ہے۔ سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ میرے مرشد حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی تک تمام اولیائے امت موجود ہیں اسی اثنا میں حضور پُرنور نے فارسی زبان میں مجھے مخاطب فرمایا۔ اے میرے بیٹے۔ تم عشق حضرت لم یزل لا یزال میں مست ہو۔ اپنی کتاب بحر المعانی ہماری خدمت میں پیش کرو۔ میں اسی وقت پینتیس مکتوبات جو مکمل کئے تھے اور یہ چھتیسواں مکتوب جو ابھی نامکمل تھا۔ پیش کیا حضور کے دست مبارک پر لا رکھا حضور نے ان تمام مکتوبات کو نگاہ نبوت سے ایک لمحہ میں پڑھ لیا فرمایا۔ الحمد للہ الذی الہمک یا ولدی علم الاسرار وادشرک اللہ فی زیادۃ علمک پھر آپ نے فرمایا۔ حضرات۔ بحر المعانی کا مولف ایک ایسا مرد ہے جس نے قرآن مجید کے معانی اور مطالب کو بحر المعانی میں جمع کیا ہے۔ اگر آج دنیا کے سارے علوم محو ہو جائیں۔ اور ان سے ایک ورق بھی نہ رہے یہ شخص قلم اٹھا کر ان تمام علوم کو از سر نو تحریر کر سکتا ہے۔

آپ نے مجھے حکم دیا۔ بیٹا! اس کے بعد علوم اسرار الٰہیہ کو صحرا میں نہ بکھیرا کرو۔ اس سے امور شرعیہ کو نقصان پہنچتا ہے۔ میں نے قدم بوسی کر کے آپ کے فرمان کو قبول کیا اور اس مکتوب سے آگے ایک حرف بھی نہ لکھا حضور نے میری کتاب بحر المعانی کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ آپ نے نگاہ ولائیت سے پڑھ کر حضرت خواجہ حسن بصری کو پکڑا دی آپ نے خواجہ عبدالواحد بن زید کو دے دی اس طرح تمام مشائخ سلسلہ سے ہوتی ہوئی خواجہ شیخ نصیر محمود چراغ دہلی کو دے دی گئی۔

حضرت سید محمد الحسینی ۸۹۱ھ میں فوت ہوئے یہ وفات سلطان بہلول لودھی کی وفات سے ایک سال قبل ہوئی تھی۔ سلسلہ چشتیہ میں آپ جیسا طویل العمر کوئی بزرگ نہیں ہوا۔

چوں محمد ابن جعفر مُردیں
گشت از دنیا بجنت جائے گیر
گفت سر در پیر کامل متقی

۸۹۱ھ

سال وصلش آں شہ برنا دپیر

شیخ محمد فلاوہ قدس سرہٗ:- آپ ابتدائے کار میں حضرت شیخ احمد بدایونی کے مرید تھے۔ ریاضت و مجاہدہ میں ایک خاصا وقت دیا۔ پھر حضرت جلال گجراتی کی صحبت میں آئے۔ اور عشق کے معاملات کو درست کر کے اعلیٰ مقامات پہنچے۔

کہتے ہیں ایک دن حضرت شیخ محمد مجلس سماع میں تشریف فرما تھے۔ قوالوں نے ایک ایسی غزل چھیڑی جس میں بعد و فراق کے احوال و کیفیت کی ترجمانی تھی۔ شیخ کو اس قدر رقت اور وجد طاری ہوا۔ کہ روح جلنے لگی ایک واقف حال نے قوالوں

کو کہا کہ اب ایسی غزل چھیڑو جس میں قرب وصال کی کیفیت بیان کی گئی ہو۔ قوالوں نے اشعار وصل شروع کئے تو شیخ کے دل کی کیفیت خوشگوار ہو گئی اور چہرے پر رونق آگئی یوں محسوس ہوتا تھا کہ از سرِ نو زندگی آگئی ہے اور شیخ میں تازہ روح کام کرنے لگی ہے۔

ایک بار آپ کے گھر آگ لگ گئی غلہ دان میں جس قدر آئندہ فصل کے لئے بیج رکھا تھا تمام کا تمام جل گیا۔ فصل کا موسم آیا۔ تو آپ کو بتایا گیا۔ کہ سارا بیج تو عرصہ ہوا جل گیا تھا فرمانے لگے۔ ہم تو خود سوختہ جاں ہیں۔ بھلا بیج کو جلا کر کیا گیا۔ اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا۔ اے اللہ ہر بار تو اپنے کرم اور مرضی سے میرے کام سنوارتا ہے اب میری التجا پہ فضل فرما۔ میرے پاس غلہ دان میں وہی بیج تھا۔ جو جل گیا ہے اب میرے پاس تو کچھ بھی نہیں تیرا فضل ہی ہونا چاہیئے۔ اب میں تو جلا ہوا بیج ہی اپنے کھیت میں ڈالوں گا۔ اور کیا کر سکتا ہوں کہتے ہیں کہ جلے ہوئے بیج سے اتنی فصل ہوئی کہ ایک ایک بوٹے کے ساتھ سات سات خوشے نکلے اور ایک ایک خوشے میں بھرے ہوئے دانے لوگوں نے دیکھا تو حیران رہ گئے یہ بات بادشاہ وقت سکندر لودھی کے سامنے بیان کی گئی تو بادشاہ نے دو نفل ادا کر کے اللہ کا شکر ادا کیا۔ کہ میرے عہد حکومت میں ایسے ایسے صاحب کرامت لوگ بھی موجود ہیں جن کی دعا سے جلے ہوئے بیج سے بھرپور فصل پیدا ہوتی ہے!۔

ایک مجلس سماع میں آپ پر وجد طاری تھا اور آپ رقص کر رہے تھے اس علاقہ کا ایک امیر اور رئیس ہندو وہاں سے گزرا۔ مجلس سماع کے پاس کھڑا ہو کر سننے لگا چند لمحوں بعد اس پر رقت طاری ہو گئی وہ چلا کر اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا مجھے یہاں سے لے چلو۔ ورنہ میں اپنے دین سے دست بردار ہو کر مسلمان ہو جاؤں گا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے اٹھایا۔ اور دُور لے گئے۔ کچھ وقت کے

بعد وہ ہوش میں آیا تو کہنے لگا۔ یہ مسلمان اپنے خدا کو اٹھائے رقص کر رہے تھے اگر چند لمحے اور ٹھہرتے تو میں مسلمان ہو چلا تھا اور ان کے پاؤں میں گر کر ہندو دیت سے توبہ کرنے والا تھا۔

معارج الولائیت نے آپ کا سن وفات ۹۰۰ھ لکھا ہے آپ کا مزار ملاوہ مضافات قنوج میں ہے۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت
محمد طارج معراج اسرار
وصال او ز پیر محتشم گیر
دگر فرما محمد تاج ابرار

۹۰۰ھ

آپ حضرت فرید الدین

حضرت شیخ جنید حصادی علیہ الرحمۃ الباری:- گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ بڑے صاحب کرامت اور کمالات تھے۔ وہ تحریر میں اس قدر تیز قلم تھے۔ کہ محسوس ہوتا تھا۔ کہ قلم نہیں کرامت ہے تین دن میں مکمل قرآن پاک اعراب کے ساتھ صحیح صحیح لکھ لیا کرتے تھے ان کے بے شمار کرامات مشہور ہیں۔ وہ اپنے ایک رسالے میں اس دنیا اور اس دنیا سے ماورای کئی جہانوں کے واقعات قلمبند کر چکے ہیں جو عقل و فکر سے بھی ماورای ہیں۔ ان کی اولاد نے ان واقعات کو رسالے سے اس لئے مٹا دیا تھا کہ لوگوں کو دھوکا نہ ہو۔

حضرت شیخ جنید ۹۰۰ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار حصار میں واقع ہے

شیخ عالم۔ عالم و عاقل جنید
سال ترحیلش جو چشم از خرد

گفت کامل خواجہ واصل جنید

۹۰۰ھ

شیخ عالم عالم و عاقل جنید
شد چو از دنیا بفردوس بریں
سال ترحیلش چو چشم از خرد
گفت کامل خواجہ واصل جنید

۹۰۰ھ

شیخ حسین ناگوری قدس سرہٗ: آپ حضرت شیخ کبیر کے خلیفہ اعظم تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا تھا شریعت و طریقت اور حقیقت میں اہل ہندوستان کے امام جانے جاتے تھے ان کی ولایت اور عظمت پر تمام اہل اللہ قائل تھے بڑے صاحب ذوق اہل محبت کے پیشوا۔ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے گجرات میں رہ کر اپنے پیر و مرشد سے ظاہری اور باطنی علوم حاصل کئے اپنے وطن واپس آئے کئی سال حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُر انوار پر مجاور رہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے جن دنوں اجمیر ویران ہو گیا۔ اجمیر کے گرد و نواح میں وحشی جانوروں کا بسیرا تھا صرف آپ اکیلے ہی حضرت خواجہ اجمیری کے حجرے میں قیام فرما رہے ابھی حضرت خواجہ اجمیری کے مزار پر عمارت نہ بنی تھی۔ آپ نے کئی سال محنت کر کے گنبد کھڑا کیا اور شاندار عمارت بنوائی۔ پھر ایک وقت آیا۔ کہ حضرت خواجہ اجمیری کے روحانی حکم پر ناگور چلے گئے۔ وہاں ایک دار العلوم قائم کیا اور لوگوں کو علم کی دولت سے مالا مال کرنے میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے نور النبی کے نام سے قرآن پاک کی تیس جلدوں پر ایک تفسیر لکھی ہے ہر پارے کی علیحدہ علیحدہ جلد ہے

اس میں معانی اور بیان کی روشنی میں مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ علوم دینیہ کے علاوہ اسرار الٰہیہ بھی بیان کر دیئے ہیں۔ آپ کی ایک کتاب مفتاح بھی بہت مشہور ہوئی۔ آپ کے قلم سے اور بھی کئی رسالے اور تصوف کی کتابیں سامنے آئی ہیں۔ آپ نے شیخ احمد غزالی کی سوانح کی شرح لکھی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے حضور سرور کائنات کی زیارت ہو جاتی ہے۔ آپ بذات خود حضرت سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں رہتے تھے۔ آپ کے پاس زمین۔ باغات اور کنویں جتنے بھی تھے۔ حضور کے نام نامی پر نثار کر کے غرباء میں تقسیم کر دیئے گئے۔

ایک بار ایسا ہوا۔ کہ آپ نے بہت سے لوگوں کی دعوت کی۔ مگر اپنی افطاری کے لئے تھوڑا سا کھانا رکھ لیا۔ کچھ دیر بعد چند مسافر آپہنچے جنہیں پہلے نہ کسی نے دیکھا تھا۔ نہ انہیں کوئی پہنچانتا تھا۔ یہ سارے مسافر کوڑھ کے مرض میں اس حد تک مبتلا تھے کہ ان کی انگلیوں سے خون اور پیپ رستی تھی انہوں نے آپ سے کھانے کے لئے کچھ مانگا۔ آپ افطاری کے لئے جو کچھ ساگ۔ دہی اور چاول رکھے تھے۔ انہیں دے دیا وہ شام تک کھاتے رہے افطاری کا وقت ہوا تو وہ کہنے لگے اب ہمارا جو مٹھا جو کچھ بچا ہے۔ اس سے روزہ افطار کریں۔ آپ پر غلبہ حال تھا۔ آپ نے ان کا پس خوردہ کھانا شروع کر دیا۔ اسی دن سے آپ کے فتوحات روحانی اور ظاہری کھل گئے اور آپ پر اللہ کی رحمت کی بارشیں ہونے لگیں۔

حضرت حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بہلی پر سفر کیا کرتے تھے۔ اس بہلی کو خود ہی چلاتے اور اپنے بیلوں کی خود ہی خاطر و مدارات کرتے تھے۔ لیکن لباس نہایت ہی میلا کچیلا اور بوسیدہ پہنا کرتے تھے صاحب الاخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ میں نے آپ کو ایسے لباس میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ایک شخص شیخ عبدالقادر نامی بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا۔ ان دنوں دہلی میں رہا کرتا تھا وہ فقیرانہ لباس

میں رہتا تھا۔ وہ اکثر حضرت حسین کے پاس حاضری دیا کرتا تھا وہ تین کپڑوں میں رہتا۔ پگڑی۔ قمیض اور شلوار ایک ہی رنگ کے ہوتے۔ جن کی قیمت ایک روپیہ سے زیادہ نہ ہوتی تھی آپ اس درویش کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

ایک بار آپ مجلس سماع میں تشریف فرما تھے۔ قوالوں کی ایک غزل پر آپ پر وجد طاری ہو گیا وہ اسی حالت میں اٹھے اور گھر بار چھوڑ کر شہر کے باہر صحرا میں چلے گئے آپ کے پیچھے پیچھے مجلس کے تمام لوگ جن میں مسلمان غیر مسلم سب شامل تھے۔ ہو لیئے۔ قوال بھی نظم پڑھتے پڑھتے پیچھے تھے۔ صحرا میں ایک بہت بڑی جھیل ہے۔ آپ اس کے کنارے پر پہنچے تو رکنے کی بجائے پانی پر سے یوں گزرے جیسے خشکی پر گزرتے ہیں۔ آپ کے ساتھ ہی تمام لوگ بھی پانی کی جھیل پر سے گزر گئے۔ البتہ قوال کنارے پر رک گئے اور وہ آگے نہ جا سکے اس طرح آپ کچھ راستہ آگے جا کر رک گئے۔ سلطان غیاث الدین کی بڑی خواہش تھی۔ کہ آپ کبھی ان کے دربار میں تشریف لائیں۔ اس نے کئی بار التماس کی کہ آپ مندوا میں قدم رنجہ فرمائیں مگر آپ ہمیشہ انکار کر دیتے۔ ایک بار سلطان کے دربار میں حضور سرور کائنات کا "موئے مبارک" لایا گیا۔ لوگوں نے سلطان کو کہا کہ اگر حضرت شیخ حسین گوالیار کو اس بات کی خبر پہنچائی جائے تو وہ خود بخود دربار میں آئیں گے۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے سرکاری ذرائع سے حضرت کے شہر میں "موئے مبارک" کی آمد کی خبر عام کر دی۔ حضرت سنتے ہی تیار ہو گئے اپنی بہلی پر بیٹھے۔ صلوٰۃ وسلام پڑھتے روانہ ہوئے۔ جب آپ اس شہر کے نزدیک پہنچے تو بادشاہ استقبال کے لئے آگے آیا۔ اس نے دیکھا ایک گرد آلود شخص چلا آ رہا ہے اور بیلوں کو خود ہی ہانک رہا ہے۔ لوگوں نے بادشاہ کو بتایا۔ کہ یہی حضرت حسین ناگوری ہیں۔ سلطان نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا میں تو صرف "موئے مبارک" کی زیارت کو حاضر ہوا ہوں۔ "موئے مبارک" سامنے لایا گیا

تو مُوئے مبارک" اُڑ کر آپ کے ہاتھ میں آپہنچا۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا۔ آپ کو اپنے والد کی قبر پر لے گیا۔ آپ نے دعا مغفرت کی اور ساتھ ہی اس کے والد کی قبر میں بعد از وفات کے حالات بیان کئے۔ بادشاہ نے آپ کی خدمت میں قیمتی تحائف پیش کئے اور نقدی بھی نذر کی۔ مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر اسی مجلس میں حضرت شیخ کے بیٹے کے دل میں خیال آیا کہ اتنا مال و دولت واپس کرنا اچھا نہیں حضرت شیخ نے بیٹے کی خواہش کو بھانپ لیا۔ فرمایا۔ بیٹا۔ یہ سانپ ہیں کوئی عقلمند سانپوں کو اپنے گلے نہیں ڈالتا۔ لیکن اگر تم اس پر قربان ہی ہو گئے ہو تو میں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ اس روپے سے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے مزار کی تعمیر کرو۔ اور جو روپیہ بچے اپنے دادا کے مزار کی تعمیر میں صرف کر دو۔ مجھے میرے پیران عظام نے بتایا تھا۔ کہ ایک وقت آئے گا کہ تمہیں بہت سا مال و زر ملے گا۔ شاید یہ مال و زر وہی ہو۔ لیکن آپ کے حکم پر یہ روپیہ لے لیا گیا اور حضرت اجمیری کے مزار مبارک کی تعمیر میں لگا دیا گیا۔ روضہ مبارک کی تعمیر تو حضرت نے کر دی۔ مگر بعد میں مسلمان بادشاہوں نے دوسری عمارات بنائی تھیں اسی طرح حضرت شیخ حسین نے خواجہ حمید الدین چشتی کا مزار بنایا۔ مگر اس کی چار دیواری بعد میں مسلمان بادشاہوں نے بنائی تھی۔ سلطان محمد تغلق نے اس مقبرہ کی عمارات کو بڑے عالی شان طریقہ سے بنایا تھا۔

حضرت شیخ حسین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۹۰۱ھ میں ہوئی تھی۔

کرد رحلت چو از جہاں فنا
شد بدار الاسلام خاص حسین
عارف متقی است فارنجش
ہم بفرما امام خاص حسین

۹۰۱ھ

راجی حامد شاہ قدس سرہٗ: آپ حضرت حسام الدین مانک پوری کے مرید تھے۔ صحیح نسبت۔ بلند مقامات اور اعلیٰ صفات کے مالک تھے۔

سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ اقتدار میں گردیز سے دو بھائی ہندوستان میں آئے۔ ان میں ایک کا نام سید شہاب الدین اور دوسرے کا سید شمس الدین تھا۔ سید شمس الدین تو میوات کی طرف جاکر آباد ہو گئے۔ البتہ سید شہاب الدین دہلی ہی رہے راجی سید شہاب الدین کا خطاب تھا۔ آپ راجی حامد شاہ کے جد امجد تھے ابتدائی زندگی میں سپاہیانہ لباس میں رہا کرتے تھے۔ حسام الدین مانک پوری کی مجلس میں آئے تو عام لباس زیب تن آنے لگے۔ آپ کی زیر نگرانی بے پناہ ریاضتیں کیں۔ مجاہدے کئے اور عبادت خداوندی میں مصروف رہے اس طرح صفائی باطن حاصل ہوئی اگرچہ آپ ظاہری علوم میں اتنے ماہر نہ تھے۔ مگر اس وقت علمائے کرام آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ کہتے ہیں اگر کسی دوسرے کے احوال باطنی یا خفیہ حالات ظاہر کرنا ہوتے تو اپنی کہانی بیان کرتے کرتے دوسرے کے حالات سنا جاتے تھے اور اس طرح طالب کے دل کی اصلاح کر دیتے تھے۔

آپ سنہ ۹۰۱ھ میں فوت ہوئے۔ مانک پور میں مزار پُر انوار ہے راجی سید نور جو دہلی کے سادات میں نورِ علی نور تھے آپ کے ہی فرزند ارجمند تھے۔ آپ بھی اپنے باپ کی طرح بڑے صاحب کرامت و احوال بزرگ تھے۔ سپاہیانہ لباس میں اپنے آپ کو مستور رکھا کرتے تھے۔

رفت چوں از جہاں بخلد بریں — حامد ذات احمدی و ولی
گفت سرور بسال تاریخش — قطب دیں حامد خدا و نبی

۹۰۱ھ

شیخ حسن طاہر قدس سرہٗ:- آپ راجی حامد شاہ کے مرید تھے۔ سید نور بن حامد شاہ کی مجالس سے بھی فیض پایا تھا۔ آپ کے والد شیخ طاہر ملتان سے چل کر دہلی آئے اور دینی علوم حاصل کرنے لگے ایک عرصہ تک بہار چلے گئے اور وہاں رہ کر شیخ بدہ حقانی کے مدرسہ میں پڑھتے رہے شیخ حسن بہار میں ہی پیدا ہوئے ہوش سنبھالا۔ تو دینی علوم میں مصروف ہو گئے اور ساتھ ساتھ ہی معرفت کی منازل طے کرتے رہے اور درویشوں کی صحبت میں رہنے لگے

ان دنوں آپ نے ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم ایک بزرگ سے پڑھنا شروع کی آپ کے والد فصوص کے اسرار سے بیگانہ بھی تھے۔ اور خلاف بھی تھے ایک دن والد نے آپ سے توحید وجودی کے موضوع پر گفتگو کی آپ نے ظاہری علوم کی روشنی میں اس مسئلہ پر بات کی جس سے آپ کو اطمینان ہو گیا۔ اس دن کے بعد آپ نے فصوص کی مخالفت چھوڑ دی انہی دنوں شیخ راجی حامد شاہ کی شیخیت کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیلی تھی۔ شیخ طاہر حسن آپ کو دیکھنے گئے پہلی ملاقات میں ہی آپ مرید ہو گئے۔ علمائے کرام میں سے جو شخص سب سے پہلے آپ کے حلقہ ارادت میں آیا حضرت شیخ حسن طاہر تھے آپ اگرچہ جونپور کے مشائخ میں سے تھے۔ مگر سلطان سکندر لودھی کی درخواست پر جونپور سے دہلی چلے آئے۔

سلطان سکندر کا ایک بھائی۔ آپ کا مرید تھا۔ اس کے دماغ میں ہمیشہ سلطنت حاصل کرنے کی کشمکش تھی۔ ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اصرار کرنے لگا کہ میرے لئے سلطنت دہلی کی دعا فرمائیں۔ حضرت شیخ نے اسے اس ارادے سے روکا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے بھائی کو امور سلطنت دیئے ہیں تم اس کی سلطنت میں رہ کر خدمت خلق کرو۔ یہ بات سلطان سکندر نے سنی تو وہ آپ کا مزید معتقد ہو گیا۔ آپ کو نہایت احترام سے اپنے شاہی قلعہ کے قریب کوٹلہ بجی منڈل جو

سلطان محمد تغلق کے قلعہ میں ہی ٹھہرایا۔ آپ تادم وفات وہاں ہی قیام فرما رہے۔
اخبار الاخیار اور معارج الولائیت کے مولفین نے آپ کا یوم وفات چوبیس ربیع الاول ۹۰۹ھ لکھا ہے علم سلوک و توحید میں آپ کی ایک کتاب مفتاح الفیض بڑی گراں قدر ہے۔

شد ز دنیا چو در بہشت بریں
حسن آن محسن جہاں مرحوم
ہر دو تاریخ رحلتش سرور
زیب فیض است ۔ قطب حق مخدوم

۹۰۹ھ ۹۰۹ھ

شیخ بختیار قدس سرہٗ:۔ شیخ بختیار حضرت احمد عبدالحق ردولوی کے مرید تھے۔ آپ ابتدائی زندگی میں ایک سوداگر کے غلام تھے۔ مگر جوہر شناس تھے وہ سوداگر آپ کو مختلف علاقوں میں جواہرات خریدنے کے لئے بھیجا کرتا تھا۔ ایک بار شیخ بختیار اسی سلسلہ میں حضرت شیخ احمد عبدالحق قدس سرہ کے شہر میں آئے۔ ہر روز صبح و شام حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر کھڑے رہتے۔ چھ ماہ تک اسی طرح صبح و شام آتے رہے۔ کھڑے ہوتے رہے۔ مگر حضرت احمد عبدالحق نے کبھی توجہ نہ کی اور نہ ہی پوچھا تم کون ہو۔ اور کیوں آتے ہو۔ ایک روز نگاہ کی تو شیخ بختیار پر مستی طاری ہو گئی۔ شیخ بختیار مستی کے عالم میں بڑی گستاخانہ باتیں کرتے۔ وہ حضرت احمد عبدالحق کو کہتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا صاحب کرامت بنایا ہے تو اپنا فیض تقسیم کیوں نہیں کرتے اور ان اسرار و معارف پر بخیل بن کر کیوں بیٹھے رہتے ہو۔ ان کی یہ باتیں اہل خانقاہ کو اچھی نہ لگتیں مگر آپ برداشت کرتے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ نے اس پر ایک نگاہ اور ڈالی تو آپ کو صاحب ہوش بنا دیا۔

اب شیخ بختیار حضرت احمد رودلوی کے مرید ہوئے اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خانقاہ کی خدمت میں لگ گئے حضرت احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب تک اپنے مالک سے اجازت لے کر اس کی ملازمت اور غلامی سے نجات نہیں پاؤ گے خانقاہ میں نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ شیخ بختیار واپس اپنے مالک کے پاس دہلی گئے اس نے شیخ کی حالت دیکھی تو انہیں آزاد کر دیا اور تمام فرائض سے سبکدوش کر دیا۔ آپ واپس آئے تو ہمہ تن خدمت خلق میں مشغول ہو گئے۔ ایک دن حضرت شیخ احمد عبدالحق نے فرمایا۔ بختیار! اس خانقاہ کے صحن میں ایک کنواں کھودنا چاہیئے۔ یہ بات سنتے ہی بختیار نے کدال اٹھائی اور کنواں کھودنا شروع کر دیا کئی دن کھودتے رہے آخر کنویں سے پانی نکل آیا۔ کنواں تیار ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا کنویں کی ٹھنڈی مٹی سے ایک چبوترا (صفہ) بنانا چاہیئے جس پر درویش بیٹھا کریں شیخ بختیار نے ساری مٹی سے ایک چبوترا بنا دیا۔ ایک دن حضرت شیخ احمد عبدالحق نے فرمایا بختیار یہ کنواں باہر سے مٹی لا کر پُر کر دو شیخ بختیار باہر سے مٹی لا لا کر کنواں پُر کرتے گئے۔ کنواں پُر ہو گیا۔ اس عرصہ کے دوران شیخ بختیار نے کبھی نہ پوچھا کہ ایسا کیوں کرتا ہے ان کی اس ادا پر حضرت احمد رودلوی نے فیضان کے دروازے کھول دیئے اور آپ بلند مقامات پر جا پہنچے۔

ایک دن حضرت شیخ احمد عبدالحق قدس سرہٗ اپنے حجرے کے دروازے پر تشریف فرما تھے۔ شیخ بختیار بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ آپ نے شیخ بختیار سے پوچھا تم کوئی غیر معمولی چیز دیکھ رہے ہو۔ دیکھا کہ سارا حجرہ سونے کا بنا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بختیار! اپنی ضرورت کے لئے سونا اٹھا لو۔ عرض کی حضور اب تو آپ کی غلامی ہی میرا سونا ہے مجھے اس سونے کی ضرورت نہیں ہے۔

تذکرہ چشتیہ کے مولف نے شیخ بختیار کی وفات ۹۱۰ھ ہجری لکھی ہے کہتے ہیں شیخ بختیار قدس سرہٗ نے سو سال سے زیادہ عمر پائی تھی۔

شاہ اہل جنت شیخ بختیار
چوں بہ نجت خود بجنت یافت جا
ہادی فیض است سال وصل او
نیز یار حق ولی مقتدار
۹۱۰ھ

۹۱۰ھ

شیخ محمد عیسٰی جونپوری قدس سرہٗ: آپ شیخ فتح اللہ جونپوری کے خلیفہ اعظم تھے۔ شیخ احمد عیسٰی آپ کے والد ماجد دہلی کے معروف افراد میں سے تھے۔ تیمور بادشاہ کے حملہ کے وقت یہ لوگ دہلی چھوڑ کر جونپور چلے گئے۔ اور وہاں ہی رہنے لگے۔ شیخ محمد عیسٰی ابھی بچے ہی تھے کہ شیخ ابوالفتح کی مجلس میں حاضری دیا کرتے تھے اس طرح آپ کو فقراء اور درویشوں سے محبت ہو گئی۔ حضرت شیخ ابوالفتح کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے۔ ملک العلماء قاضی شہاب الدین سے ظاہری علوم حاصل کئے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ شیخ محمد عیسٰی کو عبادت اللہ میں اس قدر استغراق تھا کہ آپ کی نشست گاہ کے پاس ایک درخت اگا وہ بڑا ہوتا گیا حتیٰ کہ آپ نے ایک دن اپنی نشست پر کچھ پتے گرے پائے پوچھا کہ یہ پتے کہاں سے آگئے لوگوں نے بتایا۔ آپ کے سر پر ایک درخت بلند ہو گیا ہے۔ اس دن سے آپ کو پتہ چلا کہ یہ درخت ایک عرصہ سے آپ کی نشست گاہ پر اگ ہے آپ ہمیشہ مراقبہ میں رہتے۔ آپ کی گردن کی ہڈیاں اُبھر آئی تھیں۔ اور آپ کی ٹھوڑی سینے کو لگتی تھی۔

آپ کا وصال ۹۱۱ھ کو ہوا۔ مزار مبارک جونپور میں ہے۔

براوج چرخ مسکن یافت آخر - چو عیسٰی آں ولی عیسٰی ثانی
خرد فرمود سال ارتحالش - مسیحا دم زکی عیسٰی ثانی
۹۱۱ھ

شیخ عزیز اللہ متوکل قدس سرہٗ:۔ آپ شیخ باجن کے پیر ہیں۔ جو حضرت شیخ علی متقی قدس سرہ کے پیر و مرشد تھے۔ بڑے زاہد اور متقی تھے۔ رات ہوتی۔ گھر میں جو کچھ ہوتا۔ ہمسایوں کو دے دیتے تھے حتیٰ کہ گھر میں پانی بھی اتنا ہی رکھتے جو نماز تہجد کے وضو کے کام آسکتا تھا امراء اور دنیا داروں کو اپنی مجلس میں آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ایک دن وہاں کے ایک امیر آدمی نے آپ کے صاحبزادوں سے درخواست کی کہ حضرت کی زیارت کی اجازت لے دیں۔ آپ نے بچوں کے اصرار پر اجازت تو لے دی مگر فرمایا وہ لوگوں کے جوتوں میں بیٹھے آگے آنے کی جرات نہ کرے اگر وہ اپنی دولت اور مال کا غرور رکھتا ہے تو اپنے گھر رہے۔ شام کا وقت تھا۔ وہ امیر آدمی آپ کے گھر حاضر ہوئے دیکھا۔ کہ گھر میں اندھیرا ہے۔ شیخ کے پاس دیئے کا تیل خریدنے کے لئے بھی پیسے نہیں ہیں رخصت کے وقت شیخ کے صاحبزادے کو کہنے لگا۔ کل میرے پاس آنا میں تیل کا ایک گھڑا لے دوں گا۔ یہاں رکھ لینا۔ جب ختم ہو جائے تو اور لے آنا لڑکے تیل لے آئے دوسرے دن شیخ نے دیکھا گھر میں کئی چراغ روشن ہیں۔ پوچھا۔ یہ روشنی کہاں سے آئی۔ بچوں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ آپ نے سارا تیل لیا۔ اور محلے کے غریبوں میں تقسیم کر دیا اور فرمایا۔ اس امیر آدمی کو منع کر دو آئندہ تیل نہ بھیجا کرے۔

آپ کی وفات ۹۱۲ھ میں ہوئی تھی۔

چوں عزیز اللہ متوکل نقد
از فنا بنہاد در باقی قدم
سالِ وصلِ او لبرورشد عیاں
از حبیب حق عزیز محترم
۹۱۲ھ

مولانا اللہ داد جونپوری قدس سرہٗ: آپ جونپور کے اہم علماء کرام میں سے تھے۔ آپ نے درسی اور فنی کتابیں لکھ کر بڑا نام پایا تھا۔ کافیہ کی شرح ہدایہ۔ یزدی اور تفسیر مدارک کی شرحیں لکھی تھیں۔ دینی علوم میں حضرت قاضی شہاب الدین کے شاگرد تھے اور روحانی طور پر حضرت راجی حامد شاہ کے مرید تھے۔

جن دنوں حضرت طاہر حسن قدس سرہٗ حضرت راجی حامد شاہ قدس سرہ کے مرید ہوئے تو مولانا اللہ داد نے انہیں ایک مخلص دوست کی حیثیت سے کہا۔ یار تم نے طالب علموں کی عزت کو پامال کر دیا ہے۔ اور اپنے علم وفضل کو ایک درویش راجی حامد شاہ کی مریدی میں ڈال دیا ہے حضرت طاہر حسن نے کہا حضرت آؤ کسی دن راجی حامد شاہ سے مل لیں۔ پھر جو رائے ہوگی۔ اس پر عمل کریں گے۔ حضرت حسن طاہر مولانا اللہ داد کو لے کر حضرت راجی کی خدمت میں پہنچے راستہ میں مولانا اللہ داد نے چند ایسے مشکل اور دقیق مسائل ذہن میں رکھ لئے کہ حامد شاہ راجی سے پوچھوں گا۔ تاکہ وہ عملی طور پر زیر ہو جائیں۔ حضرت راجی حامد شاہ کا معمول تھا کہ ان کے پاس جو شخص آتا۔ قلبی بصیرت سے اس کے دل کی بات پا لیتے اور اسی پر اپنے طلباء گفتگو کرتے تھے۔ حضرت مولانا اللہ داد نے ہدایہ عضدی۔ اور مدارک کے بعض مشکل مقامات ذہن میں رکھے۔ خدمت میں پہنچے تو دریافت کرنے کے بعد راجی حامد شاہ رحمۃ اللہ نے مولانا اللہ داد کو مخاطب کر کے کہا۔ مولانا ایک زمانہ تھا کہ مجھے ہدایہ کی اس عبارت پر اشکال تھا۔ میرے سامنے یہ جواب آیا۔ پھر مجھے عضدی کی فلاں عبارت پر مشکل درپیش آئی۔ تو میرے ذہن میں یہ جواب آیا ایک بار مجھے تفسیر مدارک کے فلاں مقام پر رکنا پڑا تو مجھے اس جواب نے راہنمائی فرمائی ہے آپ تو عالم دین ہیں۔ آپ اس پر مزید روشنی ڈالیں گے مولانا اللہ داد

حیران رہ گئے۔ اور قدم بوس ہو کر مرید ہو گئے۔ اور آپ کی نگرانی میں روحانی منزلیں طے کرنے لگے۔

آپ کی وفات ۹۲۳ھ میں ہوئی۔

جان بہ اللہ داد چوں اللہ داد
روح او راحق بجنت راہ داد
عقل سالِ انتقال آں جناب
گفت مصباح بہشت اللہ داد

۹۲۳ھ

شیخ احمد مجد شیبانی قدس سرہٗ آپ جامع علوم شریعت حقیقت اور طریقت تھے وارع تقویٰ ذوق و حالت میں کامل تھے۔ امر معروف اور نہی عن المنکر پر پابند تھے ظاہری و باطنی علوم حضرت حسین ناگوری قدس سرہٗ سے حاصل کئے۔ کہتے ہیں کہ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے دینی علوم پر درس دینا شروع کر دیا تھا۔ آپ نارنول میں پیدا ہوئے۔ اجمیر شریف میں زندگی گزاری اور ناگور میں دفن ہوئے۔ آپ کے والد مکرم قاضی مجد الدین بن قاضی تاج الفضل بن شمس الدین شیبانی حضرت امام محمد شیبانی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت امام محمد شیبانی نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے تعلیم حاصل کی اور آپ کی مصاحبت بھی اختیار کی تھی۔

آپ کے والد بزرگوار قاضی مجد الدین کے سات بیٹے تھے۔ ساتوں ہی متقی پرہیزگار متدین اور نیک سیرت تھے۔ سب سے بڑے بیٹے شیخ احمد تھے۔ جو علم و عمل میں سب پر فائق تھے۔ علمی قوت سے اپنے معاصر علماء سے بحث کرتے اور غالب آتے آپ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں تقریر کیا کرتے تھے جوانی میں ہی حضرت

حسین ناگوری کے مرید ہو گئے تھے بحث و جدل سے توبہ کر کے ریاضت اور مجاہدہ اختیار کر لیا۔ طریقت کے رموز اپنے پیر کی نگرانی میں حاصل کئے اٹھارہ سال کی عمر میں اجمیر شریف چلے آئے اور ستر سال تک اسی مقام پر عبادت و ریاضت میں گزار دیئے۔ آپ کو خاندانِ نبوت سے بڑی محبت تھی۔ کہتے ہیں کہ عشرہ محرم اور ربیع الاول کے پہلے بارہ دن نئے کپڑے زیب تن نہ کرتے تھے۔ اور ان دنوں میں زمین پر بستر بچھا کر سوتے اور سادات کے مزارات پر اعتکاف کیا کرتے تھے ہر روز سید الانبیاء اور اہل بیعت پر درود سلام پڑھتے پھر کھانا پکا کر ایصال ثواب کے طور پر غربا میں تقسیم کیا کرتے تھے عشرہ محرم کے دوران شربت کا ایک گھڑا جس میں دودھ ملا ہوتا تھا اپنے سر پر اٹھا کر سادات کے گھروں میں حاضر ہوتے اور تقسیم کیا کرتے تھے پھر ان کی نصیحت سے یتیموں اور مسکینوں کو پلاتے ان دنوں اس قدر روتے گویا واقعہ کربلا ان کے سامنے رونما ہوا تھا اسی طرح جب بعض عورتوں اور لڑکیوں کو واقعات کربلا پر روتے سنتے تو ان کی دردناک آواز پر وجد کرتے اور آنکھوں سے خون کے آنسو بہاتے۔ اس کے علاوہ آپ کا معمول تھا کہ صحابہ کرام کے عرسوں کا اہتمام کرتے تھے۔ اور مشائخ عظام کی وفات کے دنوں پر فاتحہ خوانی کرتے اور تبرک تقسیم کرتے تھے۔ سماع کی مجالس کا اہتمام کرتے تھے۔ نہ کبھی لباس فاخرہ پہنتے نہ سفید کپڑوں کا اہتمام کرتے جب مجالس میں بیٹھتے تو شیر کی طرح بارعب بیٹھتے تھے۔ ان مجالس میں اللہ رسول کے اقوال کو بڑے جاہ و جلال سے بیان فرمایا کرتے آپ کے بیان میں اتنا رعب و جذبہ ہوتا کہ روسا و امرا بھی دبک جاتے تھے اگر آپ کے پاس کوئی مجذوب یا دیوانہ آجاتا تو بڑا ادب کرتے تھے۔ البتہ اپنی تعظیم و توقیر سے منع کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص آکر یہ بیان کرتا کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ تو اسے اپنے سامنے

بٹھاتے خود باادب ہو کر بیٹھ جاتے اور اسے خواب کی تفصیلات سنانے کا کہتے اور سنتے رہتے۔ ایسے شخص کے پاؤں چومتے اور اس کے کپڑوں کو بار بار اپنے ساتھ لگاتے اگر کوئی یہ سنتا کہ مجھے فلاں جگہ یا مکان میں حضور کی زیارت ہوئی ہے وہاں جاتے اور اس جگہ کی زیارت کرتے اس جگہ کی مٹی کو اپنے چہرے پر ملتے تھے اگر وہاں پتھر ہوتے تو ان پتھروں کو دھو کر پانی پیتے تھے اور اپنے کپڑوں پر عطر گلاب کی طرح چھڑکتے اگر کسی شخص کو کسی سید کے ساتھ شرعی طور پر جھگڑا ہو جاتا۔ تو وہاں بذات خود پہنچ جاتے اور منت وسماجت سے ان کی صلح کراتے اور فرمایا کرتے کہ سادات کرام اور اہل بیت کے ساتھ شریعت کے موضوعات پر بات نہیں کرنی چاہیئے آپ سادات کی مجلس میں تقریر کرتے تو ادب ملحوظ خاطر رکھتے۔

جن دنوں اجمیر شریف پر ہندوؤں نے حملہ کر دیا تھا اور رانا سانگہ نے شہر پر قبضہ کر لیا تھا اور بے شمار مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ حضرت شیخ احمد خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے دس روز قبل اجمیر سے چلے گئے تھے مگر جاتے جاتے عام مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ لوگو! ان دنوں اجمیر پہ نظر جلال ہے حضرت خواجہ کی خواہش ہے کہ اس شہر کو عام مسلمان خالی کر جائیں چنانچہ بروز اتوار ۹۲۲ھ کو مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کو لے کر اجمیر سے روانہ ہوئے آپ کے چلے جانے کے دوسرے اتوار کو کفار نے اجمیر پہ حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔

حضرت شیخ احمد شبیانی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ آدھی رات حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کے روضہ پہ آتے نماز تہجد پڑھتے۔ حتیٰ کہ نماز چاشت تک یہاں ہی وظائف میں مصروف رہتے چاشت کے بعد دار العلوم میں تشریف لے جاتے طلباء کو دینی کتابیں پڑھایا کرتے تھے دوپہر کو قیلولہ کر کے اٹھتے تو ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد پھر وظائف میں مصروف ہو جایا کرتے تھے عصر کی نماز کے بعد تفسیر مدارک کا

درس دیتے وعید اور عذاب کی آیات پر بڑا روتے۔ آپ کی آنکھیں روتے روتے سُرخ ہو جایا کرتی تھیں تفسیر مدارک کو صوفیانہ انداز میں بیان فرماتے۔ یہ وہ اسرار وحقائق تھے۔ جو آپ کے مشائخ حضرت شیخ حسین ناگوری اور شیخ حمید الدین صوفی قدس سرہما بیان فرمایا کرتے تھے۔

آپ آدھی رات حضرت خواجہ کلاں کے روضہ پر حاضر ہوتے تو روضہ کا دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا۔ ایک شخص نے یہ معاملہ دیکھا تو ایک رات دبے پاؤں آپ کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ دروازہ کھلا۔ آپ اندر گئے اس شخص نے بھی اندر جانے کی کوشش کی۔ مگر دروازے کے کواڑ بند ہو گئے اور وہ درمیان میں جکڑا گیا۔ فریاد کر کے کہنے لگا۔ حضرت میں نے غلطی کی ہے مجھے معاف فرمائیں دروازہ کھلا تو وہ باہر بھاگ گیا

مولانا محمد نارنولی نے اپنے استاد مولانا عبدالمقتدر قدس سے جو بڑے عالم و فاضل اور علوم دینیہ میں ماہر تھے۔ اور حضرت شیخ احشر بیانی کے مرید تھے۔ نے بتایا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے حضرت شیخ احمد کے لئے دروازہ کھلتے ہوئے دیکھا تھا آپ ان دنوں شیخ محمد ترک کے روضہ پر آئے تھے۔ میں اس ہیبت اور ادب سے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

یاد رہے کہ شیخ احمد اٹھارہ سال کی عمر میں اجمیر شریف آئے۔ اور نوے سال کی عمر میں وہاں سے نکلے۔ چار سال تک نارنول میں رہے۔ ایک دن اللہ دین نامی مجذوب آیا۔ اور کہا شیخ احمد آپ کو آسمانوں پر آپ کے پیر و مرشد نے بلایا ہے۔ آپ یہ بات سنتے ہی اٹھے۔ قبرستان پہنچے۔ اور جان دے دی۔ آپ حالت سکر سے باہر آتے تو ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہتے۔ پھر بے خود ہو جاتے۔ اسی طرح جب آپ کی وفات کا وقت آیا۔ تو آپ نے تکبیر تحریمہ پڑھی۔ اللہ اکبر کہا۔ جان اللہ کے سپرد کر دی۔ پانچ ماہ صفر ۹۲۷ھ کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو پہنچے۔ آپ کو

سلطان التارکین حمید الدین کے مقبرہ میں اپنے پیر و مرشد کے قدموں میں دفن کیا گیا صاحب اخبار الاخیار نے آپ کا قطعہ تاریخ یوں لکھا ہے اور یہ قطعہ حضرت مولانا محمد نارنول قدس سرہٗ نے کہا تھا۔

نظر بستہ بود احمد محمد شیبان
زدوں حذا ہیچو زاہد دشاہد
کہ تاریخ ہاں پیر خود نارنولی
بر آورد از جملہ شیخ زاہد

۹۲۷ھ

شاہ سید قدس سرہٗ: شاہ سید بڑے صاحب علم و فضل بزرگ تھے حضرت شیخ حسام الدین نانک پوری کے خلیفہ خاص تھے۔ ابتدائی عمر میں بڑے صاحب ثروت اور دولت مند تھے۔ شاہی دربار میں ایک اہم عہدے پر مقرر تھے۔ بڑی ٹھاٹھ سے رہا کرتے تھے۔ آپ ایک خوبصورت عورت کے گرویدہ ہو گئے۔ مگر اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذوق و طلب سے نوازا۔ حضرت نانک پوری کی خدمت میں رہنے لگے۔ اعلیٰ لباس ترک کر کے فقیرانہ لباس پہن لیا۔ پھر اسی فقیرانہ لباس میں اپنی محبوبہ کے پاس جا پہنچے۔ اس نے دیکھتے ہی کہا سید و اسنا ہے تم الیہ (ولی اللہ) ہو گئے ہو اس دن سے لوگ اسے سید والیہ کہنے لگے کچھ دن گزرے تو اس عورت نے بھی توبہ کر لی اور حضرت حسام الدین نانک پوری کی مرید ہو گئی دونوں نے ساری زندگی یاد خداوندی میں بسر کر دی سید واچھے سخنور اور شاعر بھی تھے۔ ان کا یہ شعر بڑا مقبول ہوا۔

دل گویدم سید و بگو احوال خود یک یک باد
آنم کہ خود می آید او سید و کجا گفتار گو

آپ ۹۳۳ھ میں فوت ہوئے تھے۔

چو شد سردار جنت سید خلد
جناب شاہ سید و پیر جنت
بتاریخ وصال آں شیر دیں
بگو سید و مصلی میر جنت

شیخ محمد حسن قدس سرہٗ: آپ حضرت حسن طاہر کے لڑکے تھے۔ بڑے باکمال اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ صحیح حال اور عالی مشرب کے مالک تھے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ جب آپ اپنے حجرے سے نکل کر باہر آتے۔ جو ہندو یا مسلمان آپ پر نظر ڈالتا بے اختیار اللہ اکبر کہہ اٹھتا وہ علوم حال اور قال میں بڑے باکمال تھے وہ اپنے والد کی نسبت سے سلسلۂ چشتیہ میں وابستہ تھے مگر آپ کو قادریہ سلسلہ سے بھی بڑا فیض ملا تھا۔ کافی عرصہ حضور نبی کریم کی بارگاہ میں حاضر رہے اور مجاوری کی اسی اثنا میں آپ کو سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں کی مجالس نصیب ہوئیں۔ بیعت بھی ہوئے اور خلافت بھی پائی۔

آپ جونپور میں پیدا ہوئے آگرہ میں رہے اور دہلی میں فوت ہوئے کہتے ہیں کہ عصر کے وقت وہ شام کا انتظار کرتے اور اس قدر خوش ہوتے جیسے کوئی اپنے محبوب کے استقبال کو کھڑا ہو۔ شام ہوتے ہی حجرے میں چلے جاتے۔ دروازہ بند کر دیتے چراغ روشن کرتے اور یاد خداوندی میں مشغول ہو جاتے۔ دن کے وقت فرصت ملتی تو علوم تصوف پر کتابیں لکھتے تھے جب کتاب مکمل ہو جاتی۔ اسے جلا دیتے۔ یا قینچی سے پرزہ پرزہ کر دیتے۔ آپ کے ایک مرید آپ کو شاہ خیالی کہا کرتے تھے۔ آپ کے بے شمار مرید تھے۔ ان میں علماء و فضلا ہر طرح کے لوگ تھے۔ شیخ فضل اللہ جو حضرت شاہ عبدالحق محقق و محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چچا تھے۔ آپ کے ہی مرید تھے۔

اخبار الاخیار میں آپ کی وفات ستائیس ماہ رجب ۹۴۴ھ لکھی ہوئی ہے۔

چوں حسن گشت جلوہ گر بہ بہشت
صورت ماہتاب پُر انوار
ذاکر پاک سال وصلش داں
ہم بخواں آفتاب پُر انوار
۹۴۴ھ

شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ: آپ مرید خاص حضرت شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق چشتی صابری تھے۔ صاحب علم وعمل تھے۔ ذوق وحلاوت میں کمال پایا تھا۔ وجد وسماع میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اگرچہ ظاہری طور پر شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ مگر باطنی طور پر شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت خاص اویسیہ رکھتے تھے اور آپ کی روحانیت سے تکمیل حاصل کی تھی۔ آپ کی ایک مشہور تصنیف جسے انوار العیون کے نام سے شہرت ملی سات فنون میں ترتیب دی گئی ہے۔ پہلے فن میں حضرت شیخ احمد عبدالحق کے مناقب اور مقامات درج کئے گئے ہیں ان کی کرامات۔ اپنی نسبت اور اظہار بندگی اور اعتقاد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک دن شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے عالم سکر ومستی میں فرمایا۔

"واللہ محمد حجاب آمد ورنہ در ذات پاک حق حجاب نبود"

(محمد مصطفیٰ اللہ کا حجاب بن گئے ورنہ اللہ کی پاک ذات میں کوئی حجاب نہیں تھا)

ہوش میں آئے تو مریدوں نے عرض کی حضور آج آپ کی زبان سے یہ کلمہ وارد ہوا ہے آپ نے فرمایا۔ توبہ توبہ نعوذ باللہ من ذالک۔ میں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہوں۔

مجھے اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ یہ سخت سردیوں کا موسم تھا۔ رات کے وقت دریا کے کنارے جا رہے تھے ایک جگہ پانی کی تہہ پر برف جمی ہوئی تھی۔ برف کو توڑ کر خود پانی میں کھڑے ہو گئے۔ اور ساری رات یہ کہتے رہے۔

"محمد قائم و دائم ہیں"

برفانی رات اور سردی کی شدت سے آپ کا بدن جگہ جگہ سے پھٹنا شروع ہو گیا بعض جگہ سے خون بہنے لگا۔ اس طرح آپ چھ ماہ تک رات ایسا مجاہدہ کرتے پھر جا کر سکون ملا۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک بار شیخ احمد عبدالحق نے اپنے آپ کو قبر میں زندہ درگور کر لیا۔ اس طرح آپ چھ ماہ تک قبر میں رہے۔ چھ ماہ کے بعد مریدوں نے آپ کو باہر نکالا۔ تو آپ کا جسم نحیف و نزار ہڈیوں میں لپٹا محض سانس کا سلسلہ جاری تھا۔ ہزاروں لوگ زیارت کے لئے جمع ہو گئے اور آپ کی زیارت کی

ملاحظہ: کتاب انوار العیون مولفہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ کا اردو ترجمہ محمد نظام الدین صفی کیرانوی نے ۱۳۱۱ھ میں انوار المکنون کے نام سے مطبع چھائی دہلی سے شائع کیا تھا۔ جسے ۱۳۹۹ھ میں فاؤنڈیشن مبارک پور۔ بہاولپور نے دوبارہ چھاپا۔ اس کتاب میں فاضل مولف نے اپنے روحانی مرشد شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے مقامات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح آپ کی ایک اور کتاب "مکتوبات قدوسیہ" بھی صوفی فاؤنڈیشن نے ۱۹۸۹ء میں شائع کی ہے اس کتاب میں حضرت گنگوہی نے اپنے خلفاء۔ علماء مشائخ اور بادشاہان وقت کو مختلف اوقات میں مکتوبات لکھے۔ جو تصوف اور عرفان کا خزینہ ہیں۔ فلسفہ وحدت الوجود کی ترجمانی میں ان مکتوبات کا ایک اہم مقام حاصل ہے آپ نے اپنے دور میں اس فلسفہ کو عام کرنے میں جس قدر حصہ لیا ہے۔ اس کی تفصیل انہیں مکتوبات سے ملتی ہے۔ ان مکتوبات کو سلسلہ چشتیہ کی ایک اہم دستاویز سمجھا جاتا ہے۔

* * *

آپ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ احمد عبدالحق نے اپنی وفات سے پچاس سال بعد مجھے باقاعدہ روحانی تربیت سے نوازا تھا اور وفات کے بعد آپ کے فیضان نے مجھے تکمیل کے مراحل طے کرائے تھے۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ولی مادر زاد تھے۔ آپ کی زبان سے جو بات نکلتی پوری ہو جاتی۔ قوتِ حلال کھیتی باڑی سے حاصل کرتے۔ موسم پر جو غلہ آتا۔ پہلے درویشوں کو تقسیم کرتے پھر اپنے لئے اتنا رکھتے جس سے چند لقمے تیار ہوتے رہیں۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ ایک بار حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پانی پت کے ضلع میں موضع چھاج پور میں تشریف لے گئے۔ آدھی رات کا وقت ہوا۔ تو آپ نے آوازیں دے کر کہا۔ لوگو! جلدی اس گاؤں کو چھوڑ کر باہر چلے جاؤ اپنے مال و اسباب اور مویشیوں کو بھی باہر لے جاؤ۔ یہاں آگ کا طوفان آنے والا ہے آپ کی اس آواز کو لوگوں نے عام فقیر کی صدا سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ آدھی رات کے بعد عین گاؤں کے درمیان سے آگ کے شعلے لپکنے لگے اور تمام کا تمام گاؤں جلا کر راکھ کر دیا۔

اخبار الاخیار کے مولف لکھتے ہیں حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے مرید اور خلفا بے شمار تھے۔ آپ کے ایک خلیفہ بھور نامی بزرگ تھے۔ جو رنگریزی کا کام کرتے تھے۔ اور ہندو تھے۔ حضرت کی نگاہ نے نہ صرف انہیں دولت اسلام بخشی بلکہ روحانی تربیت سے خدا رسیدہ بھی بنا دیا انہوں نے ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔ یہ آپ کے خاص خلفا میں شمار ہوتے تھے شیخ بھور کے علاوہ شیخ عمر بھی آپ کے خاص خلفا میں سے تھے ایک دن شاہ عبدالرزاق آپ کو ملنے آئے۔ آپ نے اپنے تمام مریدوں سے شاہ عبدالرزاق کی ملاقات کرائی۔ آخر میں شیخ عمر کو پکڑا اور فرمایا کہ یہ آپ کا مرید ہوگا۔ اسے ساتھ لے

جایئے۔ آپ کے ایک اور خلیفہ عبدالغفور اعظم پوری بڑے صاحب کرامت ہوئے ہیں آپ بلند مقامات اور اعلیٰ مناصب کے مالک تھے۔ آپ کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی آپ نے انہیں بزبان خود اللھم صل علی محمد وعلیٰ آلِ محمد بعدد اسمائک الحسنیٰ پڑھایا تھا۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کثیر الاولاد بزرگ تھے۔ شیخ رکن الدین ایک صاحب عرفان بزرگ تھے آپ کے ہی بیٹے تھے۔ اسی طرح شیخ عبدالکبیر المعروف بہ بالا پیر آپ کے سجادہ نشین بنے تھے۔ آپ کے ایک پوتے شیخ عبدالنبی قدس سرہٗ تھے جو اپنے زمانہ میں بہت مشہور عالم دین کی حیثیت سے معروف ہوئے۔ آپ کو اپنے بزرگوں سے مسئلہ توحید و سماع میں اختلاف رہا ہے۔ ان کے والد نے ایک کتاب اباحت سماع (سماع اور قوالی کے جواز) میں لکھی تھی۔ مگر آپ نے اس کے رد میں حرمت سماع پر ایک کتاب لکھی۔ اور اپنے والد کے نظریات کا رد کیا۔ ایک وقت آیا کہ شہنشاہ ہندوستان نے آپ کو مسند صدر جہاں پر بٹھایا۔ یہ منصب اہل علم و فضل میں سب سے اونچا تھا اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد حضرت مولانا عبدالنبی کو تکبر اور نخوت نے آلیا آپ اپنے ہمعصر علماء و اکابر اہل علم سے بڑی درشتی اور رنخوت سے پیش آنے لگے۔ ایک عرصہ کے بعد اکبر بادشاہ کا مزاج بھی آپ کے خلاف ہو گیا۔

ط: شیخ عبدالغفور اعظم پوری قدس سرہٗ کے علاوہ صاحب اقتباس الانوار نے آپ کے اور کئی خلفاء کے نام بھی لکھے ہیں جن میں شیخ جلال الدین تھانیسری فاروقی شیخ عبدالعزیز کرانوی، شیخ عبدالستار سہارنپوری شیخ عبدالاحد فاروقی (والد حضرت مجدد الف ثانی) سید میر رفیع الدین اکبر آبادی اور شیخ عبدالرحمٰن قدس سرہم اقتباس الانوار کے فاضل مولف حضرت شیخ محمد اکرم قدوسی نے آپ کے خلفاء کی تعداد پانچ ہزار تھی جن کی وساطت سے سلسلہ چشتیہ قدوسیہ کو بڑی شہرت ملی۔

آپ کو قید کر لیا گیا۔ قید خانہ میں ہی ۹۹۲ھ میں فوت ہوئے تھے۔

اخبار الاخیار نے حضرت عبدالقدوس گنگوہی کی وفات ۹۴۵ھ لکھی ہے آپ کا مزار دہلی کے قریب گنگوہ میں ہے۔[1]

چو شیخ قدس واقدس عبد قدوس
بملک قدس از حق یافت شاہی
ز مشتاق جناں سالش عیاں شد
دگر مشتاق محبوب الٰہی
۹۴۵ھ

شیخ عبدالکبیر بالا پیر بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ: آپ شیخ عبدالقدوس کے فرزند ارجمند بھی تھے۔ اور خلیفہ بھی تھے۔ سخاوت اور شجاعت میں بے مثال تھے ذوق اور سماع میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ کرامات اور بلند مقامات میں مشہور رتھے۔

ایک دن سلطان سکندر بن بہلول اپنے دو وزیروں کو لے کر حضرت شیخ کی خدمت میں آیا۔ وہ آپ کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ تینوں نے اپنے اپنے دل میں علیحدہ علیحدہ خواہش بنالی۔ اور خیال کیا کہ اگر شیخ کو ہمارے دلوں کا حال معلوم ہے تو ہمارے دل میں جس چیز کی کھانے کی خواہش ہے۔ وہ مہیا کرے گا جس وقت حاضر خدمت ہوئے تو حضرت شیخ نے ہرن کے گوشت کے سموسے سلطان سکندر کے سامنے

---

[1] ۔ صاحب اقتباس الانوار نے آپ کی وفات ۲۳ جمادی الاخر ۹۴۴ھ لکھی ہے آپ چوراسی سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ پنتیس سال وہ دلی میں رہے۔ تنتیس سال شاہ آباد میں گزارے اور چودہ سال گنگوہ میں رہے۔

لا رکھے۔ اور میاں بڈھا کے سامنے یخنی کا پیالہ رکھا۔ اور ملک محمد کے سامنے حلوے کی پلیٹ رکھ دی۔ تینوں کی یہی خواہشیں تھیں یہ دیکھ کر تینوں بڑے حیران ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ بابا حیران ہونے کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو دنیا داروں کے سامنے شرمندہ نہیں ہونے دیتا اُن سے جو چیز طلب کی جاتی ہے وہ بھیج دی جاتی ہے۔ شیخ عبدالکبیر ۹۴۷ھ میں فوت ہوئے تھے۔

درجہ کبریٰ زحق در خلد یافت
چوں کبیر آں شیخ اکبر دستگیر
ہست تاج الاتقیا تاریخ او
ہم فرید الدھر سلطان الکبیر

۹۴۷ھ

شیخ بہاء الدین جونپوری قدس سرہٗ:- آپ جونپور کے علاقہ کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ حضرت شیخ محمد عیسیٰ کے مرید تھے ترک و تجرید اور صدق و ورع میں ثابت قدم تھے۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص شیخ حسین نام تھا۔ جو گجرات سے چل کر آپ کی زیارت کے لئے آیا۔ یہ شخص شیخ محمد عیسیٰ کی زیارت کرنا چاہتا تھا۔ شیخ بہاؤالدین طالب علم تھے۔ وہ اِس نوجوان کے ساتھ بھی اٹھنے بیٹھنے لگا۔ اُس نے دیکھا کہ شیخ بہاؤالدین نوجوان بھی ہے اور فقیر مستحق بھی ہے۔ اُسے اس پہ بڑا ترس آیا کہنے لگا کہ میرے ساتھ جنگل میں چلو۔ وہ ساتھ ہو لیے جنگل میں پہنچ کر اُس نے کیمیا کا ایک نسخہ نکالا اور اُس کو دے کر کہا۔ یہ لے لو اور جب تجھے ضرورت ہو اِس کا استعمال کرنا۔ اگر ختم ہو جائے تو پھر مجھے آکر کہنا۔ تاکہ تمہیں میں کوئی اور عمل سکھا دوں۔ شیخ بہاؤالدین نے عرض کیا۔ میں تو آپ سے کسی اور کیمیا کی امید لے کر آیا تھا۔ مجھے اِس کیمیا کی ضرورت نہیں مجھے

تو یہ گیمیا گری فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ یہ بات حضرت شیخ محمد علیئی نے سنی تو بڑے خوش ہوئے اور اُس کی باطنی تربیت پر زیادہ توجہ دینے لگے۔ ایک عرصے کے بعد شیخ محمد علیئی نے آپ کو خلافت دی اور خرقہ تبرک دے کر رخصت کر دیا۔

شیخ بہاؤالدین نے شیخ حسین کا دامن پکڑ لیا اور التجا کی۔ کہ مجھے بھی کچھ روحانیت سے حصہ ملنا چاہیئے۔ انہوں نے فرمایا۔ تمہارا پیر اسی شہر میں رہتا ہے ہم سے تو اتنا ہی فیض حاصل ہو سکتا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد شیخ بہاؤالدین شیخ محمد علیئی کی مجلس میں رہے۔ مرید ہوئے۔ بڑی نعمتیں پائیں مگر ابھی تک خلافت نہ ملی تھی کہ حضرت شیخ کی موت کا وقت قریب آگیا تھا۔ آپ نے مرنے سے پہلے فرمایا۔ بہاؤالدین تمہارا خرقہ خلافت ایک سید کے پاس ہے جو مانک پور میں آئے گا۔ کچھ عرصے کے بعد راجی حامد شاہ جونپور آئے شیخ بہاؤالدین اُن کے استقبال کو آگے بڑھے۔ پہلی ہی ملاقات میں اُن کو خرقہ و خلافت عطا فرما دیا۔

شیخ بہاؤالدین ۹۴۷ھ میں فوت ہوئے۔

رفت از دنیا بفردوس بریں
چوں بہاؤالدین ولی نیکو شعار
آفتاب جنتی شد جلوہ گر
بر سال وصل آں عالی تبار

۹۴۷ھ

شیخ خانو گوالیاری قدس سرہٗ الباری: آپ خواجہ حسین ناگوری کے مرید تھے۔ اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔ آپ کو شیخ حسین سرمست چشتی جو شیخ اسمٰعیل کے بیٹے تھے سے خلافت ملی۔ اِس کے علاوہ آپ کو روحانی طور پر خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

سے بھی فیض حاصل ہوا تھا۔ آپ سے انہیں بڑی عقیدت تھی۔ شیخ نظام نارنولی اور شیخ اسمٰعیل آپ کے خلیفہ تھے۔

اخبار الاخیار میں آپ کا وصالِ وفات ۹۴۰ھ ہے جبکہ شجرہ چشتی میں ۹۴۷ھ لکھا ہوا ہے

شیخ خانو چوں بفضل کردگار
خوان نعمت یافت ان خوان جناں
شاہ خلدست اے جواں تاریخ او
نیز کامل حق مناخانو بخوان

۹۴۷ھ

شیخ علاء الدین بن شیخ نور الدین اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ خواجہ فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں سے تھے۔ بڑے پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے۔ آپ میں فرشتوں کی صفتیں پائی جاتی تھیں۔ علم۔ حلم۔ لطف و کرم سخاوت و عفو کے جامع تھے۔ اہل دنیا سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ جو چیز کھانے پہننے یا رہنے کی ہوتی اسے بقدر ضرورت حاصل کرتے۔ لوگ آپ کو فرید ثانی کہا کرتے تھے۔ آپ کو خواجہ قطب الدین بختیارؒ سے روحانی رابطہ تھا۔ اور ان سے کامل عقیدت تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک درویش آپ کی خدمت میں آیا اس کے پاس تریاق اکبر تھا۔ اُس کی خاصیت یہ تھی کہ جس کسی کو زہر دیا جاتا اُسے اس تریاق سے شفا ہو جاتی۔ حضرت شیخ نے اس درویش کو کہا ہمارے پاس بھی بڑا زبردست تریاق ہے آؤ امتحان کریں۔ چنانچہ ایک زندہ چڑیا کو پکڑا گیا۔ اُس کے منہ میں زہر ڈال دیا گیا وہ اس وقت مر گئی۔ آپ نے فرمایا کہ خواجہ قطب الدین کے لنگر سے سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا لاؤ۔ اُسے پانی میں بھگو کر

مردہ چڑیا کی چونچ میں ڈال دو۔ وہ اس وقت زندہ ہو کر اُڑ گئی۔

شیخ علاؤالدین ۸۷۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴۸ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار پُرانوار دہلی میں ہے۔

ولی و متقی و شیخ عالم
علاء الدین جناب شاہ معصوم
رقم کن مرشد ابرار وصلش
بفرما حق نما مہدی مخدوم

۹۴۸ھ

سلطان جلال الدین قریشی قدس سرہٗ:- آپ خانوادہ چشتیہ کے فیض یافتہ درویش تھے صاحب احوال و مقامات بزرگ تھے باطنی طور پر سالک تھے۔ مگر ظاہری طور پر ایک مجذوب کی حیثیت سے رہتے تھے صحراء و بیابانوں میں گھومتے رہتے تھے اور صرف مخصوص پردے کے لئے لباس پہنتے تھے وہ علوم عقلی نقلی۔ رسمی اور حقیقی کے ماہرین میں سے تھے جب کبھی ظاہری علوم کا اظہار کرتے تو لوگوں کو حیران کر دیتے تھے مجرد تھے۔ نوجوان تھے مگر کسی نفسانی چیز کی طرف توجہ نہ دیتے تھے کسی کو مرید نہ بناتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ میرا صرف ایک ہی مرید ہے جس کا نام ہشام ہے وہ بھی آپ کی طرح دشت و بیاباں میں گھومتا رہتا تھا۔ آپ بعض اوقات عربی فارسی ہندی زبانوں میں بے ساختہ تقریر کرتے تھے جب آغاز گفتگو کرتے تو بڑی فصاحت کے ساتھ طویل گفتگو کرتے تھے جب نہایت جذبات میں آتے تو مجلس سے اٹھ کر صحرا و بیابان کی طرف نکل جاتے

ملا محمد نارنولی فرماتے ہیں کہ ایک دن جامع مسجد میں آئے۔ صفوں کو چیرتے ہوئے امام کے مصلے پر جا کھڑے ہوئے اس وقت شہر کے محتسب بھی مسجد میں بیٹھے

تھے اور فجر کی نماز کا وقت تھا۔ خوش الحانی سے قرأت کا آغاز کیا۔ اور پڑھتے ہی گئے سر سے ننگے نماز پڑھاتے رہے۔ لوگوں کو آپ کی اس عادت پر اعتراض ہوا۔ تو آپ نے ننگے سر کے جواز اور طبی قرأت کے حق میں وہ علمی دلائل دیئے۔ کہ تمام لوگ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ جب جذبات میں شدت آئی۔ مسجد سے اٹھے اور صحرا کی طرف نکل گئے۔ کہتے ہیں آپ کے ایک عقیدت مند نے آپ کے اقوال جمع کر کے ایک کتاب لکھی آپ کی خدمت میں لایا۔ آپ نے اس کتاب کو اٹھا کر کنویں میں پھینک دیا۔

آپ بڑے رقیق القلب تھے اور عشق و محبت میں ڈوبے رہا کرتے تھے۔ اکثر یہ شعر آپ کی زبان پر ہوتا تھا۔

حاصل عشقت سہ سخن است بیش نیست
سوختم و سوختم و سوختم

کبھی یہ مصرع پڑھتے۔

؎ خام بُدم پختہ شدم سوختم!

کہتے ہیں۔ آپ نے پانچ سال تک کسی کتاب کے بغیر ہی علم حقیقت حاصل کیا تھا ان پانچ سالوں میں آپ نے کبھی کسی انسان کی شکل نہیں دیکھی بیابان میں رہے درختوں کے پتے اور جڑی بوٹیاں کھا کر گزارہ کیا آپ کے استاد رجال الغیب ہی تھے۔

اخبار الاخیار نے آپ کی زندگی کا ایک واقعہ لکھا ہے۔ کہ ابتدائے کار میں نوجوانی کے عالم میں ایک خوبصورت شخص پر عاشق ہو گئے۔ یہ مجازی عشق عشق حقیقی میں تبدیل ہوتا گیا صحرائے اجمیر میں گھومتے رہے۔ پھر رجال الغیب میں سے ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ جو حسن و جمال ظاہری میں بھی بے مثال تھا۔ آپ اسی کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ اور ایک عرصہ تک اس کے پیچھے پھرتے رہے۔ کسی نے آپ کو بتایا جس شخص

کے پیچھے آپ پھرتے ہیں وہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں خضر علیہ السلام کی ملاقات سے پہلے سخت بارش ہوتی ہے لیکن یہاں ایسا واقعہ نہیں ہے یہ کوئی مردان غیب سے ہے۔

شجرۂ چشتیہ کے مولف نے اس واقعہ کو یوں لکھا ہے کہ وہ حضرت خضر ہی تھے لیکن اخبار الاخیار نے اسے مردان غیب سے بیان کیا ہے حضرت نے اس شخص سے سات سو پچیس علوم حاصل کئے تھے۔

حضرت جلال الدین قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ میرا استاد اتنا حسین تھا۔ کہ شاید حضرت یوسف علیہ السلام کا عکس جمیل ہو۔ وہ اتنا خوش آواز ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کے علاوہ دوسرے شخص کو ایسی خوش الحانی نصیب نہیں ہوئی۔ فرماتے ہیں میں مرید ہوا تو فرمانے لگے۔ جاؤ کہیں نوکری کر لو۔ میں نے نوکری کی بڑا مال جمع کیا۔ مگر ہر بار میرے مرشد نے کہا اسے غریبوں میں تقسیم کر دو۔ میں نے تین بار مال جمع کیا۔ اور حضرت کے حکم پر غریبوں میں تقسیم کر دیا اس طرح خالی ہاتھ پھر میں اسی خوش شکل نوجوان کے پیچھے ہو لیا مگر وہ مجھے دور صحراؤں اور جنگلوں میں لیئے پھرا۔ حتیٰ کہ وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ میں نے ایک ایسی جھونپڑی (حجرہ) دیکھی جس کے اندر پانی کا چشمہ اُبل رہا تھا۔ اس حجرے میں میرے شیخ بیٹھے نظر آئے وہ اندر رہتے ہیں اس حجرے کے دروازے پر بیٹھا رہتا تھا۔ اس طرح پانچ سال گزر گئے صرف نماز کے وقت مجھے شیخ کی زیارت ہوتی تھی ان پانچ سالوں میں مجھے شیخ کی نگاہوں سے تین سو سے زیادہ علوم حاصل ہوئے باقی علوم کے لئے فرمانے لگے اب آگے نہ پڑھو۔ تمہارے اندر برداشت کی طاقت نہیں۔ پھر وہ روحانی بزرگ وہاں سے چل پڑے میں ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ حتیٰ کہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے میں آج تک ان کے فراق میں مبتلا ہوں۔

حضرت شیخ جلال الدین اپنے پیر و مرشد کے فراق میں روتے رہتے دیواروں سے ٹکریں مارتے اور زور زور سے روتے تھے۔ آپ کی زبان پر یہ شعر ہوتا۔

درویش مونس تنہائی
درویش سرمۂ بینائی ما
درویش رفت دولت از سرما
ہمائے بر پرید از کشور ما

کبھی کبھی یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

من مست مے عشقم ہشیار نخواہم شد
از روزی و قلاشی بیزار نخواہم شد

ایک دن چند کیمیا گر حضرت شیخ جلال الدین قدس سرہ کے سامنے کیمیا گری کے کمالات سنا رہے تھے۔ آپ نے غصے میں آکر کہا۔ تف تمہاری کیمیا گری پر تف تمہاری کیمیا گری پر۔ تف تف۔ تف آپ نے تف تف کہا۔ تو آپ کے منہ سے تھوک کے چند قطرے سامنے پڑے ہوئے پیتل کے تھال پر پڑے کیمیا گروں نے دیکھا تو تھال سونے کا بنا ہوا تھا۔

آپ کچھ عرصہ دہلی رہے پھر آگرہ میں آگئے۔ ۹۴۸ھ میں پچیس ۲۵ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ آپ کا مزار مندوالے کے قریب ہے۔

بصد اجلال در خلد بریں رفت
چو سلطان جلال الدین محقق
بگو نور الکرامت وصل او نیز
جلال الدین قریشی بندہ حق

۹۴۸ھ

صاحب اخبار الاخیار نے لکھا ہے کہ

سید سلطان بڑانچی قدس سرہٗ: آپ درویش باصفا اور اہل دل تھے حضرت شیخ علاء الدین اجودھنی سے بعیت تھے۔ مگر سلسلہ شطاریہ کے مشائخ سے بھی فیض یاب ہوئے تھے لباس صرف ضروری پردے کے لئے پہنتے تھے۔ برہنگے پھرتے تھے۔ کبھی فقراء کے ساتھ گھومتے تھے اور کبھی کبھی تنہا بھی پھرتے رہتے تھے ذکر بالجہر کرتے۔ دل پر ضربیں لگاتے۔ بعض اوقات ان کی ضربیں ایسی ہوتیں تھیں جیسے ہتھوڑے آئرن پر مارے جارہے ہیں۔ کہتے ہیں آپ کو ایک ہندو عورت سے محبت ہوگئی تھی۔ مگر وہ عورت آپ کی کشش سے اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوگئی۔ اس عورت کے رشتہ دار محمد زمان خان جو بابر بادشاہ کا قریبی تھا۔ فریاد لے کر گئے۔ محمد زمان نے پیغام بھیجا کہ اس عورت کو گھر سے باہر نکال دو نہیں تو میں تمہارے گھر پر حملہ کر دوں گا آپ تلوار پکڑ کر باہر نکل آئے اور گرج کر فرمانے لگے۔ اب اس عورت نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب میں اُسے کافروں کے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ اگر تم جنگ کرنا چاہتے ہو تو میں بھی تیار ہوں۔ اس بات سے وہ ڈر گیا۔ اور خاموش ہو کر واپس چلا گیا۔

آپ ۹۴۹ھ میں فوت ہوئے تھے۔

سید فردوس شد باغزو جاہ
چونکہ سلطان جہاں مشتاق حق
خاص حق سلطان وفاتش کن رقم

۹۴۹ھ

بار دیگر کن میاں مشتاق حق

۹۴۹ھ

بڑے صاحب کمال و حال تھے جذب و سکر

سید علی قوام قدس سرہٗ :- میں مشہور تھے لیکن آپ کی طبیعت ایک حال پر نہ رہتی تھی کبھی خرقۂ مشائخ پہنا کرتے۔ کبھی سپاہیانہ لباس پہن لیتے تھے آپ سادات سوانہ سے تھے۔ مگر خلافت شیخ بہاء الدین جونپوری قدس سرہٗ سے پائی تھی۔ آپ کو مقبولیت خاص اور حالت مخصوص حاصل تھی فتوحات کے دروازے آپ پر کھلے تھے چار بیویاں تھیں۔ فتوحات مریدوں سے کرتے تھے کہتے ہیں چالیس سال تک آپ نے کسی خادم یا ملازم کو نہ حکم دیا اور نہ کوئی چیز مانگی۔ مگر آپ کا ہر کام آپ کی مرضی کے مطابق ہوتا رہا ایک رات اٹھے۔ اور بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ خادم جو ہر رات آپ کے وضو کے لئے پانی لایا کرتا تھا بھول گیا۔ آپ نے اندھیرے میں ہر طرف ہاتھ مارے مگر پانی کہیں نہ ملا۔ پھر سو گئے چند لمحوں بعد پیاس لگی دوبارہ اٹھے پیاس کی شدت ہوئی۔ موت قریب آتی نظر آئی۔ مگر اس حالت میں بھی کسی کو آواز دے کر پانی نہ مانگا۔ مرنا قبول کر لیا مگر وہ عادت نہ چھوڑی آخری بار ادھر ادھر ہاتھ مارے تو غیب سے پانی کا ایک کوزہ آیا اللہ کا شکر ادا کیا۔ پانی پیا اور وضو کر کے سجدہ میں گر گئے۔

فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ علی تم اپنے دروازے پر ڈھول بجاتے رہتے ہو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ۔ یہ ڈھول بھی آپ کا ہی ہے اور دروازہ بھی آپ کا عطا کردہ ہے۔ علی بیچارے کی کیا حقیقت ہے ؟ حضور نے فرمایا۔ علی۔ میری امت کے لئے دعائے خیر کیا کرو۔ تمہاری دعا قبول ہو جاتی ہے تم مستجاب الدعوات ہو

آپ فرمایا کرتے تھے۔ مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے کہ قوالوں کو فرمائش کرتے ہیں کہ فلاں غزل سناؤ۔ فلاں نعت پڑھو مجھے تو جو غزل اور نعت سناتے ہیں اچھی

لگتی ہے۔

صاحب اخبار الاخیار نے آپ کا سن وفات ۹۵۰ھ لکھا ہے اور مزار پُر انوار جونپور میں ہے۔

سال وصالش چو بجستم زدل
گفت کہ مخدوم معلی علی
۹۵۰ھ

شیخ عبدالرزاق جنجہانہ قدس سرہٗ: حضرت خواجہ شیخ محمد حسن طاہر قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ بڑے صاحب کرامت اور مقامات بزرگ تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی تھی کہ جب کبھی کسی بزرگ کی زیارت مطلوب ہوتی خواجگانِ چشت یا جناب غوث الاعظم کے دربار میں پہنچ جاتے۔ آپ پر تمام بزرگوں کی قبریں منکشوف ہو جایا کرتی تھیں اہل بیت سے بڑی محبت تھی معارج الولایت اور اخبار الاخیار کے مولفین نے لکھا ہے کہ ایک سیّد زادہ کسی جرم پر گرفتار ہو گیا۔ آپ نے جاتے ہوئے اسے قید میں دیکھا تو آگے بڑھ کر ضمانت دی اور اسے کہا۔ شہر سے بھاگ جاؤ تمہاری جگہ مَیں سزا کاٹوں گا۔ اس قسم کی بے پناہ تکالیف اپنے ذمہ لیتے اور تکلیف اُٹھاتے اور ان تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ شیخ عبدالرزاق شیخ امان اللہ پانی پتی سے مسئلہ توحید و اطلاق میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ اپنے کشف سے متقدمین کی کتابوں کو سامنے لاتے جاتے اور حوالہ پیش کرتے جاتے تھے

سید علی چشتی جن کا مزار لودھانہ میں ہے آپ کے ہی مرید ہیں۔ یہ بزرگ بڑے معمر۔ ذاکر اور صاحب فکر تھے۔ اخبار الاخیار اور معارج الولایت میں حضرت عبدالرزاق کا سال وفات ۹۵۰ھ لکھا ہے۔

عبدالرزاق از جہاں چوں رخت بست
ہست وصل آں شہ اہل عتیز
عابد رزاق والا مرتبت
قطب جنت عابد رزاق نیز

۹۵۰ھ

شیخ یوسف المشہور بہ شاہ جوسی چشتی قدس سرہٗ

آپ حضرت فرید شکر گنج قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے شیخ یوسف بن شیخ محیط الدین المعروف شاہ حیط۔ بن شیخ الدین المشہور بہ شاہ شیخو بن شمس الدین بن نصیر الدین بن بدر الدین سلیمان بن حضرت فرید الحق والدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

آپ کو کرامات تو ورثہ میں ملی تھیں۔ آپ راہ سلوک میں اپنے والد کے قدم قدم پر گامزن آپنے ابتدائی عمر اجودہن (پاک پتن) میں گزاری بڑے مجاہدے اور ریاضتیں کیں ایک دن غیبی آواز آئی۔ یوسف بیت اللہ کو روانہ ہونے کی تیاری کرو اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی زیارت کا شرف حاصل کرو آپ یہ حکم پاتے ہی تین بھائیوں کو ساتھ لے کر خشکی کے راستہ دیار حبیب کو روانہ ہوئے ادائے حج ادا کرنے کے بعد حضور کے روضہ اطہر پر حاضری دی۔ وہاں سے اجازت پاکر قلعہ امیر کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں کے والی عادل شاہ (حکمران خاندیس) نے آپ کا بڑھ کر استقبال کیا اور بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ آپ عادل شاہ سے رخصت ہو کر سیدھے پاک پتن آئے اہل وعیال کو ساتھ لے کر برہان پور چلے گئے اور باقی عمر وہاں ہی قیام فرمارہے۔

ہم نے یہ حالات معارج الولایت سے نقل کئے ہیں صاحب معارج الولایت

نے آپ کا سن وفات نہیں بتایا مگر شجرہ چشتیہ میں آپ کی وفات ۹۵۰ھ کو لکھی ہے۔

چو یوسف یوسف مصر محبت
زد نیا رخت خود بربست بہشت
خرد ہیبت محبت گفت تاریخ
۹۵۰ھ
وگر فرمود کامل یوسف چشت

۹۵۰ھ

شیخ امان اللہ پانی پتی قدس سرہٗ:۔ آپ کا اسم گرامی عبدالملک تھا خطاب امان اللہ تھا۔ شیخ محمد حسن قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ آپ کے والد حسن طاہر راجی حامد شاہ کے مرید ہیں۔ ظاہر علوم میں آپ نے مودود لاری کی شاگردی کی خاندان چشتیہ کے علاوہ آپ کو دوسرے سلسلوں سے بھی نسبت حاصل تھی مشرب قلندریہ میں دو واسطوں سے حضرت شاہ نعمت اللہ کرمانی سے نسبت ہے شاہ لخت اللہ صوفی علماء میں ممتاز ہیں اور حضرت محی الدین ابن عربی کے تابعین میں سے ہیں۔ آپ اپنی تقریروں میں مسئلہ توحید پر بڑی پر معنی گفتگو کیا کرتے تھے اور اس موضوع پر آپ کو پوری مہارت حاصل تھی۔ آپ نے توحید پر کئی کتابیں لکھیں ہیں اس سلسلہ میں اثبات الاحدیت بڑی مشہور کتاب ہے اسی طرح آپ نے حضرت جامی کی سوانح پر بڑی مبسوط شرح لکھی تھی۔ فرمایا کرتے تھے اگر مجھے حالات اجازت دیتے تو میں مسئلہ توحید کو برسر منبر بیان کرتا۔ فرمایا کرتے تھے۔ ابتدائے حال میں میرے پاس مسئلہ توحید پر دو دلیلیں تھیں مگر اب اللہ کے فضل سے سولہ دلیلیں ہیں فرمایا کرتے ہمارے سامنے درویشی دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے ایک تہذیب اخلاق دوسری خدمت اہل بیت۔ فرمایا کرتے کمال محبت یہ

ہے کہ محبوب کے متعلقین سے تجاوز نہ کرے کمالات محبت میں یہ چیز ضروری ہے کہ محبت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر قائم رہے اور حضور سے محبت اور اتباع کی علامت یہ ہے کہ آپ کی اولاد اور اہل بیت سے محبت رکھے اور انہیں دل وجان سے عزیز رکھے۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کو اہل بیت سے اتنی محبت اور احترام تھا کہ آپ پڑھاتے ہوتے۔ تو کوئی سید زادہ کھیلتا کھیلتا آپ کے سامنے آجاتا۔ تو آپ کتاب اٹھائے اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک وہ سید زادہ وہاں سے خود ہی واپس نہ چلا جاتا۔

شیخ امان اللہ نماز میں ایاک نعبد وایاک نستعین پڑھتے تو کئی بار تکرار کرتے حتیٰ کہ کئی بار بے خود ہو کر گر پڑتے تھے اور اس طرح مدہوش ہوتے کہ قیام کی ہمت نہ رہتی اور اس طرح آپ کی کئی نمازیں فوت ہو جایا کرتی تھیں۔

موت سے چند دن قبل آپ نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ میں ایک سفر پر جا رہا ہوں۔ شیخ زکریا اجودھنی آپ کے خاص مرید تھے۔ عرض کی۔ حضور ہم دوستوں میں سے کون کون خادم آپ کے سفر میں ہمرکاب ہوں گے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر سفر زمینی ہوتا تو بعض احباب ساتھ ہوتے۔ مگر یہ سفر تو مجھے تنہا ہی کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد آپ اٹھے۔ اپنے گھر گئے۔ تمام اشیاء کو ایک ایک کر کے تقسیم کیا۔ کتابوں کو کھولتے اور انہیں کہتے۔ میں نے تم سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ اسی طرح حجرہ اور خلوت کدہ میں داخل ہو کر ان کے در و دیوار کو الوداع کہا۔ کچھ دنوں بعد آپ کو بخار ہو گیا۔ فرمایا۔ کچھ لکڑیاں لے آؤ۔ اور برتن اور کوزے تازہ منگوا لیے۔ آج ساری عمر کے وسوسے ختم ہو جائیں گے اس دن ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ تھی۔ آپ نے حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا سالانہ عرس کیا۔ تبرکات تقسیم کئے۔

پختہ طعام لوگوں کو کھلایا۔ اب ربیع الثانی کی بارہویں تاریخ آگئی۔ آپ پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگے فرمانے لگے۔ مشائخ طریقت تشریف فرما ہیں مجھ سے توحید کا فتویٰ طلب کر رہے ہیں۔ چند کلمات توحید یہ بیان فرمائے۔ بارہ ربیع الثانی ۹۵۷ھ کو وصال فرما دیا۔

حضرت امان اللہ پانی پتی کے بڑے مرید تھے۔ ان میں شیخ تاج دین زکریا اجودھنی اور شیخ رکن الدین اجودھنی آپ کے خاص خلفا میں سے تھے۔ شیخ سیف الدین جو حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد مکرم تھے۔ آپ کے خلیفہ تھے۔

رحلتش ظاہرست سید ثبت
۹۵۷ھ
ہم بخواں خاص حق امان اللہ
والیٔ فضیل گو ترحیمش
۹۵۷ھ
شیخ والی و شیخ والا جاہ

۹۵۷ھ

شیخ حمزہ دہرسو قریشی قدس سرہٗ:

آپ حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی قدس سرہٗ کی اولاد سے تھے۔ نسبت طریقت۔ میر سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ بڑے عظیم اور باکرامت بزرگ تھے معمور الاوقات اور دائم العبادت تھے سلطان بہلول کے زمانہ اقتدار سے اسلام شاہ کے دور حکومت تک زندہ رہے۔ ابتدائی زندگی میں بادشاہ کی ملازمت کرتے تھے۔ آپ کو قلعہ کی نگرانی دے رکھی تھی۔ ایک رات پہرہ دیتے ہوئے دل میں خیال آیا مجھے اس کی ملازمت کرنا چاہیئے جو میرا محافظ بن سکے۔ یہ خیال اتنا پختہ ہوا۔ کہ چند روز بعد اجمیر شریف چلے گئے وہاں ایک دیوانہ مجذوب حمزہ نامی ملا۔ اس سے روحانی فیض ملا۔ بعد میں شیخ احمد مجد شیبانی سے بیعت ہوئے اور منازل

سلوک طے کرنے لگے اپنے وطن واپس آئے۔ ملازمت ترک کی۔ قصبہ دہرسو جو نارنول سے تین میل کے فاصلہ پر ہے قیام کر لیا۔ دہرسو کے سادات جاہل تھے۔ اور شرافت کی زندگی سے دُور جا چکے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو ظاہری اور باطنی علوم سے آگاہ کیا۔ لوگوں سے نذرانے آتے آپ ان سادات پر خرچ کر دیتے تھے۔ زیادہ فتوحات آنے لگیں تو فقرا و مساکین میں بانٹنے لگے۔ اپنے اہل و عیال کو بھی اتنا ہی حصہ دیتے جتنا عام لوگوں کو نصیب ہوتا تھا۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ حمزہ قدس سرہٗ نے اپنے ایک مرید خاص کو ریگستان کے علاقہ میں کسی کام کے لئے بھیجا۔ وہ ریگستان میں پیاسہ مرنے لگا۔ اس نے دل میں خیال کیا۔ کہ پہلے بزرگ اپنے مریدوں کا اتنا خیال رکھا کرتے تھے تو پانی کی بجائے دودھ ملا کرتا تھا۔ میں آج پانی کے قطرے کو ترس ترس کر مر رہا ہوں۔ دور سے ایک چرواہا بھیڑ بکریاں ہانکتے نظر آیا۔ جب پاس پہنچا تو دیکھا۔ کہ اس کی بغل میں ایک مشکیزہ ہے جس میں پانی موجود ہے۔ مرید نے کہا۔ میں پیاسہ ہوں اس مشکیزے سے مجھے تھوڑا سا پانی پلا دو اس نے کہا۔ اس ریگستان میں پانی کہاں اس میں دودھ ہے اگر چاہو تو پلا دوں۔ جتنا پی سکتا تھا۔ پیا۔ کچھ دور چلا تو پیاس نے دوبارہ آلیا۔ بڑا پریشان ہوا۔ سامنے ایک جگہ نظر پڑی میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ پاس گیا سیراب ہو کر پیا۔ اور خیال کیا یہ تمام حضرت شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت سے ہے۔

صاحب اخبار الاخیار نے لکھا ہے حضرت حمزہ پچیس ربیع الثانی ۹۵۷ھ کو نماز مغرب پڑھ رہے تھے۔ دو رکعت پڑھ لیں تیسری میں سجدہ ریز ہوئے تو واصل بحق ہو گئے

مقیم روضۂ خلد بریں شد
جو قطب اولیا مخدوم حمزہ
بگو افضیل دلی تاریخ ترحیل
دگر اہل صفا مخدوم حمزہ
۹۵۷ھ

شیخ حسّام الدین متقی ملتانی قدس سرہٗ: آپ چشتیہ سلسلہ کے مشہور مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے سلسلہ سہروردیہ سے بھی فیض پایا تھا۔ زاہد۔ متقی۔ عاشق۔ بعشق الٰہی دنیاداری سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ روزی کے معاملہ میں بڑے محتاط تھے۔ حلال کا رزق حاصل کرنے کے لئے مختصر سی کھیتی باڑی کر لیا کرتے تھے۔ ایک وقت آیا۔ کہ ملک میں بعض حوادثات کی وجہ سے کاشتکاری میں بھی رکاوٹ آگئی تو بھوک اور فاقہ اختیار کر لیا۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ یوں پورا ہفتہ لقمہ نہ ملتا۔ اگر کوئی کھانا لاتا تو شبہ کی بنا کر دوسروں کو کھلا دیتے۔ اور خود دست کش رہتے۔ آپ اسی خیال میں آخری دم تک کھانے سے اجتناب کرتے رہے۔

ایک بار آپ نے اپنے گھر کھانا تیار کرایا۔ جب کھا چکے تو فرمانے لگے کہ آج مجھے اس کھانے سے بوجھ اور کدورت محسوس ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کچھ ملاوٹ کی گئی ہے۔ کھانا تیار کرنے والوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ نہایت احتیاط سے کھانا تیار کیا گیا ہے۔ ہاں کھانا پکانے کے لئے جب ہمسایہ سے آگ لینے گئے تو اس کے صحن میں حسن وخاشاک پڑے تھے۔ وہ بھی ساتھ لے آئے تھے۔ آپ یہ سُن کر اٹھے۔ ہمسایے کے پاس گئے۔ حسن وخاشاک کو بلا اجازت اٹھالانے پر معذرت کی۔ اور اسے اس کی قیمت ادا کر کے واپس آئے

آئے پھر آکر چین لیا۔

ایک بار آپ کی مجلس سے کوئی شخص اٹھا اور غلطی سے آپ کا جوتا پہن کر چلا گیا اسے دوسرے روز علم ہوا تو جوتا واپس لے کر آیا۔ آپ نے لینے سے انکار کر دیا فرمایا جب ایک چیز ہماری ملک سے چلی جائے وہ دوسرے کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ جب تک تم اس کی قیمت نہ لوگے میں اسے واپس لینا جائز نہیں سمجھتا۔

آپ کا ایک بیٹا یا یزید نامی تھا یہ بیٹا بڑا متقی اور عابد تھا۔ ایک گوشہ میں بیٹھا رہتا اور عبادت میں مشغول رہتا اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہتے تھے۔

ایک دن ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک روپیہ لے کر بطور نذرانہ حاضر ہوا آپ نے روپیہ نہ دیکھا تھا۔ فرمایا یہ کیا ہے؟ اس شخص نے بتایا کہ یہ سکہ رائج الوقت ہے۔ آپ نے اسے پوچھا یہ کس کام آتا ہے۔ اس نے بیان کیا اسے قبول فرما کر اسے واپس کر دیا۔

شیخ حسام الدین قدس سرہٗ کا انتقال ۹۶۰ھ میں ہوا تھا۔

چوں حسام الدین حسام الدین حق
سالک دین را ہنمائے متقی
شد چو زین عالم بگو تاریخ او
زاہد دین پیشوائے متقی

۹۶۰ھ

پیر سید عبدالاوّل بن علائی چشتی رحمۃ اللہ علیہ: آپ حضرت سید گیسو دراز قدس سرہ کی اولاد میں سے کسی ایک بزرگ کے مرید تھے۔ بڑے عالم فاضل اور صاحب طریقت و حقیقت تھے علوم ظاہریہ میں کمال حاصل کیا تھا۔ آپ کی تصانیف بڑی مشہور

ہوئیں۔ بخاری شریف کی شرح فیض الباری آپ نے لکھی تھی۔ رسالہ سراجیہ کو نظم کیا۔ نفس و معرفت کی تحقیق میں بڑا عمدہ رسالہ لکھا تھا۔ سیرت پر بھی آپ کی کتابیں ملتی ہیں۔ سفر السعادت پر حواشی لکھے۔ آپ کی لکھی ہوئی کتابیں اہل علم کے حلقوں میں بڑی پسند کی گئیں۔ عمر کا آخری حصہ فقر و فاقہ میں گزارا۔ علائق دنیا سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔

اخبار الاخیار اور معارج الولایت میں لکھا ہے۔ کہ آپ کے آباؤ اجداد زید پور سے جو جونپور کے مضافات میں ہے نقل مکانی کر کے دکن آ گئے تھے آپ دکن میں ہی پیدا ہوئے اور وہاں ہی تحصیل علوم کیا وہاں سے گجرات آئے پھر وہاں سے چل کر حرمین الشریفین پہنچے حج کے بعد واپس آئے تو احمد آباد میں قیام کیا۔ محمد بیرم خان خان خانان کی استدعا پر احمد آباد سے دہلی آ گئے۔

دہلی میں ہی ۹۶۸ھ میں انتقال کیا۔

عبد الاول اول از روز قیام
رفت مثل گل بباغ جنتی
سال وصل شیخ محبوب آمد است
ہم ہو الاول ہو آلاخر ولی

شیخ قاضی خان ظفر آبادی قدس سرہٗ: آپ شیخ حسن طاہر کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی۔ بڑے زاہد۔ عابد اور صاحب استقامت و کرامت بزرگ تھے فرمایا کرتے تھے۔ میں نے تیس سال جہاد کیا اور اس نفس امارہ سے لڑتا رہا۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ یہ نفس پلید انسان کو کن کن داؤ پیچ سے مغلوب کرتا رہتا ہے۔

نصیر الدین ہمایوں بادشاہ نے کئی بار کوشش کی کہ آپ نذرانہ قبول فرمالیں

مگر ہر بار انکار فرما دیا کرتے تھے ایک بادشاہی مرتبت کے بادشاہ نے کہلا بھیجا آپ جو شہر یا جاگیر اپنے نام پر لکھ دیں۔ وہ آپ کے لئے ہو گی۔ مگر آپ نے فرمایا مجھے یہ چیزیں درکار نہیں ہیں ہم نے اپنے پیر و مرشد سے وعدہ کیا ہے کہ جو کچھ مانگیں گے اپنے خدا سے مانگیں گے۔ ہمایوں نے کہا۔ اچھا یہ چیزیں اپنے بیٹوں کے لئے لے لیں۔ آپ نے فرمایا وہ بالغ ہیں انہیں اختیار ہے۔ اپنے لئے کیا چیز حاصل کریں۔ آخر کار یہ فرمان آپ کے بڑے بیٹے عبداللہ کی خدمت میں پیش کیا گیا انہوں نے بھی معذرت کر دی۔

قاضی خان پندرہ ماہ صفر ۹۷۰ھ کو فوت ہوئے۔

از قضائے قاضیٔ ہر دو سرا
کرد قاضی خان چو درجنت مکان
سال وصلش قاضی مہدی بگو
قاضیٔ ہندیست قاضی جہاں

۹۷۰ھ

شیخ عبدالعزیز بن حسن طاہر قدس سرہٗ: آپ قاضی خان ہشتمی کے خلیفہ خاص تھے۔ زہد و تقوی میں بے مثال تھے۔ تجرید و تفرید میں باکمال تھے حلم و رضا صبر و تحمل میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے جس پر نگاہ ڈالتے خدا رسیدہ بنا دیتے تھے حالت وجد و سماع میں حالت اضطراب میں رہتے تھے آپ نے مجلس سماع میں ہی جان دے دی اس آیت کریمہ فسبحان الذی بیدہ الملکوت کل شیٔ والیہ ترجعون کی سماعت پر جان دے دی۔ آپ کو جو شخص ایک بار دیکھتا سبحان اللہ سبحان اللہ پکار اٹھتا:

آپ کی ولادت جونپور میں ۸۹۸ھ میں ہوئی۔ اور وفات چھ مجادی آلاخر ۹۷۵ھ کو ہوئی۔ شیخ عبدالحق دہلوی نے اخبار الاخیار میں آپ کا قطعہ وصال اس طرح لکھا ہے۔

شیخ کامل عارف دوران خود عبدالعزیز
آنکہ می داد اہل دل را مجلسش یاد از بہشت
ہر چہ از اوصاف اہل اللہ در عالم بود
حق تعالیٰ را دل فطرت بذات او سرشت
یادگار اہل حقیقت او بود در دوران خویش
گشت زاں تاریخ خوئش یادگار اہل چشت

۸۹۸ھ

شیخ علی متقی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان آپ کے آبائے کرام جونپور میں تھے۔ مگر آپ برہان پور میں پیدا ہوئے آپ کے والد سات سال کی عمر میں آپ کو باجن چشتی برہان پور میں لے گئے۔ باجن چشتی کے پیروں کا سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری تک جا ملتا تھا وہاں سے مودود چشتی تک جا ملتا ہے۔ شیخ علی متقی نے آپ کے زیر سایہ پرورش پائی کچھ عرصہ پرورش پانے کے بعد دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ ایک درباری امیر کی خدمت میں نوکری کرنے لگے۔ بڑے مالدار بن گئے۔ اسی اثنا میں آپ کو خدا طلبی کی لگن نے آ لیا۔ سارا گھر بار غریبوں میں تقسیم کر دیا اور شیخ عبدالحکم بن باجن شاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ کچھ عرصہ سلوک کی منزلیں طے کیں۔ خرقۂ خلافت پایا۔ وہاں سے چل کر شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں ملتان پہنچے۔ بڑے فیض حاصل کئے وہاں

سے ہی حرمین الشریفین کو روانہ ہوئے وہاں آپ کو ابوالحسن بکری قدس سرہٗ جو وقت کے قطب الاقطاب تھے۔ کی محبت نصیب ہوئی۔ وہاں ہی شیخ محمد بن محمد بن محمد سخاوی قدس سرہٗ سے قادریہ سلسلہ میں خرقۂ خلافت پایا آپ سے ہی سلسلہ شاذلیہ کی تلقین کی اجازت پائی۔ آپ کو شیخ ابومدین شعیب المغربی قدس سرہٗ سے مدینی سلسلہ میں خلافت ملی۔

آپ مکہ مکرمہ میں ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے وہاں ہی آپ نے سلسلہ تصانیف شروع کیا۔ کہتے ہیں آپ نے ایک سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے جمع الجوامع۔ جامع صغیر۔ تبیین الطریق۔ مجموعہ حکیم کبیر۔ بڑی مشہور ہیں شیخ ابن حجر المکی ان دنوں مکہ کے ممتاز عالم دین تھے۔ آپ کے مرید ہو گئے۔ اسی طرح اور بہت سے علماء و فقہا بھی آپ سے بیعت ہوئے۔ وہاں سے روانہ ہو کر گجرات آئے اور پھر دکن آ گئے۔ حاکم گجرات سلطان بہادر نے آپ کی خدمت میں حاضری کی التجا کی مگر آپ نے اجازت نہ دی۔ آخر کار اس نے قاضی عبداللہ سندھی کو اپنا سفارشی بنا کر اجازت حاصل کی اور زیارت سے مشرف ہوا دوسرے دن سلطان نے ایک کروڑ روپیہ آپ کی خدمت میں نذر کیا۔ یہ نذرانہ قاضی عبداللہ کو دیا تاکہ آپ انکار نہ کریں۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک وزیر نے آپ کی دعوت کی۔ اور ساتھ ہی عرض کی حضور اس دعوت سے میری غرض یہ ہے کہ آپ کا قدم میرے غریب خانہ میں آنے سے روحانی برکات نصیب ہوں۔ آپ نے فرمایا تین شرطیں سامنے رکھیں پھر آؤں گا پہلے یہ کہ مجھے جہاں دل چاہا بیٹھوں گا۔ دوسرے جو چیز مجھے اچھی لگی وہی کھاؤں گا۔ تیسرے جس وقت میرا جی چاہا۔ اٹھ کر چلا آؤں گا۔ وزیر نے یہ تینوں شرطیں قبول کر لیں۔ چنانچہ دوسرے دن حضرت نے روٹی کے چند

ٹکڑے جیب میں رکھے وزیر کے گھر پہنچتے۔ اس نے بڑا شاہی اہتمام کیا ہوا تھا معزز مہمان اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے آپ آئے اور دروازے کے ساتھ ہی جوتوں کی جگہ کے ساتھ جہاں کوئی فرش نہ بچھا تھا۔ بیٹھ گئے وزیر نے عرض کی حضور آگے تشریف لائیں۔ مگر آپ نے اپنی شرط یاد دلائی۔ کھانا چنا گیا۔ کئی قسم کے اعلیٰ کھانے لگائے گئے۔ شیخ نے اپنی جیب سے روٹی کے سوکھے ٹکڑے نکالے اور کھانے شروع کئے۔ صاحب ضیافت نے عرض کی حضور چند لقمے تو تناول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ میری دوسری شرط تھی مجھے یہی کھانا اچھا لگتا ہے۔ آپ اٹھے اور مجلس کو چھوڑ کر گھر آ گئے۔

اخبار الاخیار میں حضرت نے اپنا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ کہ حلال کا مال کبھی ضائع نہیں ہوتا میں ایک بار ہندوستان سے ایک جہاز پر بیٹھا حج کے لئے مکہ مکرمہ جا رہا تھا۔ سمندر میں طوفان نے جہاز کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جہاز کے ایک ٹکڑے پر ہم چند دوست بچ گئے۔ میری کچھ کتابیں تھیں۔ وہ بھی میرے ساتھ بچ گئیں مگر پانی سے بھیگ گئیں جس تختے پر ہم سوار تھے۔ چلتا چلتا ساحل سمندر پر جا لگا۔ ہم اترے میں نے کتابیں اٹھائیں دھوپ میں خشک کیں۔ مگر وہ اتنی بوجھل تھیں کہ میں انہیں اٹھا کر سفر کرنے سے قاصر تھا۔ چنانچہ میں نے انہیں زمین کھود کر دفن کیا اور اس پر نشانی لگا دی کہ کبھی موقعہ ملا۔ تو آ کر لے جاؤں گا۔ روانہ ہوئے تو صحراء میں سخت گرمی تھی۔ پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ ہر طرف مایوسی میں نے دعا کی۔ بارالٰہی۔ اپنی رحمت سے پانی بھیج۔ دیکھتے دیکھتے بادل آئے۔ اور زوردار بارش ہونے لگی۔ موسم خوشگوار ہو گیا اور پانی پینے کو مل گیا۔ میں حج کو پہنچا۔ صفا مروا پر سعی کرنے کے بعد چند لمحے ایک جگہ بیٹھا تھا تو کچھ بدو سر پہ کتابوں کا گٹھا رکھے آ پہنچے۔ کہنے لگے ہم نے یہ کتابیں بیچنی ہیں۔ کھول کر دیکھی گئیں

تو وہ میری ہی کتابیں تھیں۔ مول چکا کر خرید لیں۔ ان کے کاغذ مٹی سے اٹے اور جڑے ہوئے تھے۔ میں پانی کی مدد سے انہیں علیحدہ کرتا گیا۔ الحمد اللہ ساری کتابیں درست نکلیں۔ ایک حرف بھی ضائع نہ ہوا تھا۔

شیخ علی متقی جن دنوں مرض الموت میں تھے فرمایا جب تک ہماری انگشت شہادت حرکت کرتی رہے۔ جان لو کہ ابھی روح بدن میں ہے۔ جب یہ حرکت سے رک جائے۔ تو سمجھ لینا کہ اب روح پرواز کر گئی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اخبار الاخیار اور معارج الولایت نے آپ کا سال ولادت ۸۸۵ھ لکھا ہے اور وصال بوقت صبح دوم ماہ جمادی الاول ۹۷۵ھ کو ہوا تھا۔ آپ کا مزار پرانوار مکہ مکرمہ میں ہے اخبار الاخیار کے مولف نے آپ کا مادہ تاریخ وفات شیخ مکہ اور متابعت نبی سے نکالا ہے۔ ۹۷۵ھ ۹۷۵ھ

شیخ عبدالحق محقق دہلوی آپ کے شاگرد اور مرید تھے آپ نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد میں آپ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب کے ہاں قیام پذیر تھا ایک دن میں آپ کے مزار پرانوار کی زیارت کو گیا۔ میں نے مزار پہ کھڑے ہو کر اپنا حال بیان کیا اور عرض کی حضور میں آپ کے خلیفہ کے پاس رہ رہا ہوں آپ انہیں توجہ دلائیں کہ وہ میرے احوال و افکار پر زیادہ نگاہ رکھیں رات خواب میں دیکھا کہ حنفی مصلّی کے ساتھ جناب شیخ ایک تخت پر جلوہ فرما ہیں۔ اور میں مودب سامنے کھڑا ہوں مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تم نے ہماری قبر پہ جو کچھ کہا ہے ہم نے سن لیا ہے۔ فکر نہ کرو۔ انشاء اللہ تمہارے کام درست ہوں گے۔

اخبار الاخیار میں یہ روایت بھی لکھی ہے کہ شیخ علی متقی کی وفات کے بارہ سال بعد آپ کے بھائی کے بیٹے سید احمد کا انتقال ہوا۔ لوگوں نے لاش کو صلحاء اور اولیاء کے قبرستان میں دفن کرنا چاہا۔ حضرت عبداللہ یافعی کی ایک قبر میں امانتاً

دفن کیا گیا تھا اتفاقاً قبر کو کھولا گیا تو آپ کا بدن اسی طرح صحیح و سالم نکلا حالانکہ مکہ کی مٹی کا یہ اثر ہے کہ تین چار ماہ میں بدن کو کھا جاتی ہے اور مردہ کا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔

حامی دین راہنما راہ حق
مرشدا علی علی والی ولی
سالِ وصلش گو علی شیرِ خدا
ہم بخواں مخدوم دیں عالی علی
۹۷۵ھ

شیخ ادہن جونپوری قدس سرہٗ: آپ حضرت شیخ بہاؤ الدین جونپوری رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے تھے اور وقت کے بڑے مشائخ میں سے مانے جاتے تھے آپ کی عمر سو سال سے بھی زیادہ تھی آپ اس قدر ناتواں اور ضعیف تھے کہ جب تک آپ کو دونوں بازوؤں سے سہارا نہ دیا جاتا تھا، اٹھ نہ سکتے تھے۔ مگر اس ناتوانی کے باوجود مجلس سماع میں جب آپ پر رقت طاری ہوتی تو بغیر کسی سہارے کے اُٹھ کھڑے ہوتے وجد میں آجاتے اور یوں دکھائی دیتا کہ آپ پوری طرح تندرست ہیں۔

جن دنوں آپ کے والد حضرت شیخ بہاء الدین اپنے پیر و مرشد شیخ عیسیٰ قدس سرہٗ کی خدمت میں رہا کرتے تھے تو ہر روز صبح کی نماز حضرت شیخ کے پیچھے ادا کیا کرتے تھے۔ آپ نے کبھی تکبیر اولیٰ قضا نہ کی۔ ایک بار حضرت شیخ بہاء الدین کا ایک لڑکا فوت ہو گیا آپ تجہیز و تکفین میں مصروف رہے تو آپ کی تکبیر اولیٰ قضا ہو گئی اور آپ صبح کی نماز کی جماعت میں تشہد میں جا کر ملے۔ نماز کے بعد حضرت عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بہاء الدین کو فرمایا آج کے بعد آپ کا

بیٹا نہیں مرے گا۔ چنانچہ آپ کی دعا سے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اوہن دیا جسے حضرت شیخ عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی دعا سے بڑی لمبی عمر اور بہت سے کمالات ملے۔

اخبار الاخیار میں آپ کی وفات ۹۷۶ھ میں لکھی ہے۔

پرتو افگن شد بجنت مثل ماہ
چونکہ اوہن مظہر نور جمال
رحلتش شاہ ولائیت اکبر است
فیض مولا نیر سال وصال

شیخ اسلیم بن بہاء الدین چشتی قدس سرہٗ:

آپ حضرت مسعود شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ برصغیر میں آپ شیخ اسلیم کے نام سے مشہور ہوئے۔ مگر عرب و عراق میں آپ کو شیخ الہند کے نام سے شہرت ملی تھی۔ والد کا اسم گرامی بہاء الدین اور والدہ کا نام نامی بی بی احمد تھا آپ کی ولادت سے قبل آپ کے والدین لودھانہ (پنجاب) میں قیام پذیر تھے وہاں سے اللہ کے حکم سے دہلی تشریف لے آئے اور محلہ پیر علاء الدین میں قیام فرمایا۔ حضرت شیخ اسلیم دہلی میں ہی ۸۸۴ھ میں پیدا ہوئے یہ روایت معارج الولایت کی ہے مگر صاحب اخبار الاخیار نے آپ کا سال ولادت ۸۸۷ھ لکھا ہے کہتے ہیں جس دن آپ پیدا ہوئے تو فرش پر مسور کی دال کا ایک دانہ پڑا تھا جو آپ کی پیشانی پر چسپاں ہو گیا اس دانے کا نشان ساری عمر آپ کی پیشانی پر رہا۔ آپ فرماتے ہیں میں نے کئی بار کوشش کی کہ یہ نشان مٹا دوں۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔

حضرت اسلیم چشتی کے والدین دہلی (فتح پور) میں آپ کے پاس ہی قیام فرما تھے تو فوت ہوئے شیخ موسیٰ کا اپنا بیٹا نہ تھا۔ آپ نے حضرت اسلیم چشتی کو اپنا

بیٹا بنا کر پرورش کی اور اس پرورش میں آپ نے بڑی محنت اور شفقت سے حصہ لیا۔ آپ سفر کو روانہ ہونے لگے۔ تو فرمایا۔ میرا اور کوئی بیٹا نہیں۔ دل نہیں چاہتا کہ آپ کو جانے کی اجازت دوں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بیٹا دے گا جب شیخ موسیٰ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو حضرت شیخ اسلیم چشتی فتح پور دہلی سے سرہند کو روانہ ہو گئے۔ اور شیخ مجدد الدین جو اس وقت کے ملک العلما تھے۔ ان سے ظاہری علم حاصل کرنے لگے کبھی کبھی آپ سرہند سے نکل کر قصبہ بہدالی چلے جاتے تھے یہ قصبہ سرحد سے تین میل کے فاصلے پر ہے وہاں شیخ زین الدین چشتیؒ کا مزار ہے آپ اس مزار پر حاضری دیتے تھے۔

اخبار الاخیار کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ نے ۹۳۱ھ ہجری میں حج کے لئے روانہ ہوئے وہاں ایک عرصہ رہے اور کئی حج ادا کئے ایک مدت تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاور بنے وہاں سے رخصت ہوئے تو عرب و عجم کی سیر کو نکلے بڑے بزرگوں کی مجالس سے فیض پایا۔ اور بڑے بڑے اہم کام کئے۔ قطب العارفین شیخ ابراہیم چشتی کو اپنا پیر و مرشد بنا کر خرقہ خلافت حاصل کیا عرب میں بہت سے لوگوں کو مرید بنایا اور خرقہ خلافت بھی عطا کرتے رہے سید محمد ولی شیخ محمود شامی شیخ رجب علی متولی روضہ منورہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بہت سے عربی شرفاء آپ کے مرید ہوئے اور خلافت پائی ہندوستان واپس آئے تو کوہ سیکری (فتح پور) پر گوشہ نشینی اختیار کی۔ ریاضت اور مجاہدہ میں مشہور ہوئے۔ شادی کی اور صاحب اہل عیال بنے۔ آپ نے کوہ سیکری پر ہی بڑی بڑی عمارتیں۔ باغ۔ تالاب اور کوئیں تعمیر کئے ۹۶۲ھ ہجری میں ہمول بقال نے آپ کو بہت پریشان کیا۔ چنانچہ آپ نے فتح پور سیکری کو چھوڑ کر دوبارہ حج کو چلے گئے۔ اور دنیائے اسلام کا سفر کر کے واپس آ گئے۔

معارج الولایت میں لکھا ہے شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد جب اسلام شاہ نے بادشاہت کا اعلان کیا۔ تو تمام شاہی لشکر اس کے بڑے بھائی عادل خاں کے ساتھ مل گیا۔ اسلام شاہ نے اپنے ایک خاص آدمی کو حضرت سلیم چشتی کے پاس دعا کے لئے بھیجا۔ آپ نے فرمایا کہ سلام شاہ کو کہہ دو کہ وہ فی الفور گھوڑے پہ سوار ہو کر باہر نکلے جتنے فوجی اس کے بھائی عادل شاہ سے مل گئے ہیں وہ تمہارے نام ہندوستان کی بادشاہی لکھ دی ہے۔ اسلام شاہ باہر نکلا۔ سارا لشکر ساتھ مل گیا اور ہندوستان کے اقتدار پر اس کا قبضہ ہو گیا۔

قاضی غیاث الدین ابراہیم آباد کے قاضی تھے اور آپ کے خلیفہ خاص بھی تھے۔ ایک دن قاضی غیاث الدین نے کہا حضور دہلی کا بادشاہ سلطان محمد عادل میرا واقف ہے۔ میں اس سے ملاقات کی اجازت چاہتا ہوں۔ مگر آپ اس سے ملنے کی اجازت دیں۔ اور ساتھ ہی آپ کے پاس ایک عراقی گھوڑا ہے اگر آپ مجھے عنایت فرمائیں تو میں اسے بطور تحفہ دے دوں حضرت سلیم چشتی نے قاضی صاحب کو سلطان سے ملنے کی اجازت بھی دی اور گھوڑا بھی دے دیا۔ مگر ساتھ شرط رکھی کہ بادشاہ کو بتا دینا کہ یہ گھوڑا اس کے لئے حاضر رہے گا۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس پہ سوار ہو گیا تو اس کی سلطنت کو زوال آجائے گا۔ قاضی غیاث الدین شاہی دربار میں پہنچے عراقی گھوڑا پیش کیا۔ بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ مگر ساتھ ہی آپ نے اس پہ واضح کر دیا کہ آپ کے سوا اس پہ کوئی دوسرا سوار نہ ہو۔ ورنہ آپ کی سلطنت زوال پذیر ہو گی۔ بادشاہ نے تسلیم کر لیا۔ کچھ دن گزرے قاضی صاحب نے دیکھا کہ بادشاہ کا ایک خاص ملازم اس گھوڑے پہ سوار جا رہا ہے۔ حضرت سلیم چشتی کے پاس آئے ذکر کیا آپ نے فرمایا آج سے اس کی سلطنت تو زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی ہے اور چند دنوں میں اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا گیا

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ فتح پور سیکری کی تعمیر سے پندرہ سال قبل حضرت شیخ سلیم چشتی نے لوگوں کو بتایا۔ کہ ان پہاڑوں پر عالی شان عمارتیں بنیں گیں اگر تم لوگ اب ہی وہاں حویلیاں بنالو تو بڑی قیمت پاؤ گے۔ کیونکہ اس وقت ایک گز جگہ بھی نہیں خریدی جاسکے گی۔ لوگوں نے کہا کہ اس ویرانے میں کون حویلیاں بنائے یہاں تو جنگل کے درندے پریشان کرتے ہیں کچھ عرصہ بعد شہنشاہ اکبر حضرت سلیم چشتی کو ملنے آیا۔ اور عقیدت وارادت کا اظہار کرتے ہوئے۔ اپنی بیوی کو حضرت کے حجرے میں ٹھہرایا۔ جہاں اس کا بیٹا جہانگیر پیدا ہوا۔ پھر کیا تھا۔ دہلی کے رؤسا اور امراء فتح پور میں اپنے محلات بنانے لگے۔ بادشاہ کا آنا جانا ہو گیا۔ بہت بڑا شہر بنتا گیا۔ لوگوں کو اب جگہ ملنا محال ہو گئی۔ اس شہر پر شاہی رعائتیں ہونے لگیں۔ حضرت شیخ سلیم چشتی کے لئے ایک شاندار خانقاہ۔ مسجد۔ اور دوسرے محلات بنائے لگے حضرت ان مکانات میں منتقل ہو گئے۔ آپ کی مسجد کا یوم تاسیس ثانی المسجد الحرام سے برآمد ہوتا ہے۔ اور خانقاہ کا سنگ بنیاد خانقاہ اکبر سے برآمد ہوتا ہے۔

حضرت شیخ سلیم چشتی حج بیت اللہ سے واپس آئے تو آپ نے اپنے مریدوں کو فرمایا اب میں یا تو ترک مقال (گفتگو) کردوں گا یا ترک طعام احباب نے عرض کی حضور ترک گفتگو سے روحانی فیض کا سلسلہ رک جائے گا۔ آپ نے فرمایا اچھا میں ترک طعام کروں گا۔ چنانچہ اس دن سے زندگی کے آخری لمحات تک آپ نے کھانا ترک کر دیا۔ ایک ہفتہ بعد چند لقمے کھاتے ان میں بھی گوشت نہ ہوتا تھا۔ ایک دن سروہ کے موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی انہی دنوں گوپال گویئے کی بیٹی نے دہلی میں بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو میں اپنے والد گوپال تانبک کی ہڈیاں دکن لے جاؤں۔ بادشاہ نے کہا اب ان ہڈیوں کو پہچاننا مشکل ہے

اس نے بتایا حضور گوئیے کی ہڈی میں سوراخ ہوتا ہے: میں اس سوراخ سے پہچان لوں گی۔ حضرت سلیم چشتی نے یہ بات سُنی تو فرمایا گوئیے ہڈی میں ایک سوراخ پاتے ہیں مگر ہم سرود کے دلدادہ اپنی ہڈیوں میں کئی سوراخ برداشت کرتے ہیں یہ کہہ کر آپ نے ایک تیز نشتر لے کر اپنی ران کا گوشت جدا کر کے ہڈی ننگی کی۔ لوگوں نے دیکھا۔ کہ آپ کی ران کی ہڈی میں اتنے سوراخ ہیں۔ جس طرح شہد کے چھتے میں ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا سرود کی قدر و قیمت ہم جانتے ہیں۔ یہ قوال بیچارے کیا جانیں

جن دنوں حضرت شیخ سلیم چشتی۔ قدس سرہٗ۔ گھر سے باہر سفر میں ہوتے تو نور باطن سے گھر کے تمام حالات دیکھ لیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ گھر میں ضروریاتِ زندگی بھی خانبانہ مہیا کرتے رہتے تھے آپ اپنے خطوں میں لکھتے تھے کہ حضرت گنج بخش کی پریاں مجھے تمام حالات سے آگاہ کرتی ہیں۔ اور میں گھر کے لئے تمام ضروریات انہی کے ہاتھوں پہنچاتا ہوں حیرت ہے کہ یہ تمام چیزیں گھر میں بڑی ملتی تھیں۔

ایک دن حضرت خانقاہ سے نکل کر صبح کی نماز پڑھنے مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ برآمدہ میں ایک درویش کو سوئے ہوئے پایا۔ تو اسے جگا کر فرمایا۔ بھائی درویشوں سے لڑنا جھگڑنا اچھا نہیں ہوتا اٹھو نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ نماز پڑھو۔ درویش اٹھا۔ شرمندہ ہوا اور کہنے لگا واقعی میں خواب میں ایک درویش سے جھگڑ رہا تھا

حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کی خاصی تعداد عرب و عجم اور دوسرے اسلامی ممالک میں پائی جاتی تھی۔ مگر ہم ان میں سے بعض مشہور خلفا کے نام لکھنے پہ اکتفا کرتے ہیں شیخ فتح اللہ سنبھلی۔ شیخ کمال الدین۔ شیخ پیارا ٹانڈوی شیخ محمد مروالی۔ شیخ محمد بخاری۔ شیخ سید جیو دہلوی۔ شیخ کبیر سارنگ پوری۔ شیخ محمد غوری۔ شیخ حسین بدایونی۔ شیخ ولی ساکن قصبہ مود۔ شیخ حماد گوالیاری۔ شیخ یعقوب کشمیری۔ شیخ رکن الدین۔ شیخ حاجی حسین۔ شیخ بکھاری۔ شیخ سدہ ہاری بنی اسرائیلی

سید حسین شیخ عبدالواحد ساکن آگرہ، شیخ جلال حافظ امام۔ شیخ امام صوفی سرہندی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ اسلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خورد سال بیٹا تھا جس سے کرامات کا اظہار ہوا کرتا تھا۔ ابھی وہ ایک سال کی عمر میں تھا کہ لوگوں کو اس کی کرامات سے فائدہ پہنچتا۔ سال کی عمر میں ایک دن وہ ماں کی گود سے غائب ہو گیا۔ گھر میں بڑی تشویش ہوئی۔ حضرت دوسری منزل پر تشریف فرما تھے۔ وہ بچہ خود بخود آپ کے پاس پہنچ گیا۔ اس کا نام تاج الدین تھا۔ اڑھائی سال کی عمر میں فوت ہو گیا تھا۔

حضرت شیخ کا وصال بروز جمعرات انتیس ۲۹ ماہ رمضان المبارک ۹۷۹ھ کو ہوا۔ آپ کے دونوں فرزند شیخ احمد اور شیخ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہما نے آپ کا سلسلہ جاری رکھا۔ شیخ بدرالدین کو تو آپ نے زندگی میں ہی اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا اور فرمایا کہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شیخ بدرالدین کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا اس کی اتباع ضروری ہے حضرت کا مزار پر انوار فتح پور سیکری میں زیارت گاہ عام و خاص ہے۔

اسلم الاولیاء سلامت دو
اسلم سلیم با اسلام !!
گشت مخدوم صدق رہبر عشق
سال تولیدش از خرد لا تام
قطب والا سلیم مخدوم است ۹۷۹ھ
سن ترحیل ان ذوی الاکرام

۹۷۹ھ

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی

شیخ حسن محمد بن میاں جیون قدس سرہٗ:- شاہ میاں جیون بن شیخ نصیر الدین شیخ امجد الدین بن شیخ سراج دین بن کمال الدین علامہ قدس سرہم تھا۔ آپ کا نام مشائخ چشت میں مشہور ہے آپ روحانی طور پر شیخ جمال الدین المعروف شیخ جمن کے مرید تھے۔ شیخ جمن شیخ محمد المعروف شیخ راجن کے اور وہ شیخ علم الدین کے اور وہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ آپ علوم ظاہری میں عالم متبحر تھے۔

آپ اٹھائیس ۲۸ ذیقعدہ سنہ ۹۸۰ھ میں واصل بحق ہوئے تھے۔

حسن چوں بحکم ذوالجلال
ز دنیائے دوں رخت ہستی بہ بست
بتاریخ ترحیل آں شاہ دین
ندا شد محمد حسن حق پرست

۹۸۰ھ

آپ پیشہ کے اعتبار سے جولاہے تھے مگر

شیخ تقی حابک قدس سرہٗ:- حضرت شیخ اسلیم فتح پوری کے مرید تھے ریاضت۔ زہد و تقویٰ سے زندگی بسر کی اور صاحب کرامت و استقامت ہو گئے۔ آپ کا نام زہریلے جانوروں کے حملہ کے خلاف اکسیر کا کام کرتا ہے خصوصاً سانپ کا زہر آپ کے نام سے ہی معدوم ہو جاتا ہے۔ آپ کوہ مانک پور میں رہا کرتے تھے۔ صاحب شجرہ چشتیہ نے آپ کا سال وفات سنہ ۹۸۲ھ لکھا ہے۔

باہزاں اتقا شد در بہشت — چوں تقی روشن ضمیر حق پرست
بہر سال ارتحال آنجناب — شد ندا از عقل پیر حق پرست

۹۸۲ھ

شیخ محمد طاہر گجراتی قدس سرہٗ:- آپ شیخ علی متقی کے مرید خاص تھے آپ گجرات میں بسنے والی قوم بوہڑہ سے تعلق رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی اور روحانی کرامات سے نوازا تھا حرمین الشریفین میں ایک عرصہ تک رہے وہاں کے علماء مشائخ سے علمی استفادہ کرتے رہے۔ شیخ علی متقی کے بھی خاص شاگرد رہے۔ ایک عرصہ کے بعد واپس وطن آئے وطن میں آکر آپ نے اپنے علاقہ اور خاص کر اپنے قبیلوں میں رائج بدعات کی بیخ کنی شروع کر دی اور لوگوں کو علم حدیث کی تعلیم دینے کے لئے کئی مدارس قائم کئے پھر تشریح احادیث پہ بڑی مفید کتابیں لکھیں ان میں ایک کتاب صحابۂ کرام کے ذکر خیر میں ہے۔ جس کا نام مجمع البحار ہے ایک اور کتاب جس میں اسماء الرجال کی تصحیح کی گئی ہے لکھی۔ یہ بڑی مختصر مگر چند کتابیں ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف میں اپنے استاد علی متقی قدس سرہٗ کی بڑی تعریف کی ہے ـــ آپ اپنے پیر اور مرشد کی وصیت کے مطابق اپنے شاگردوں کے لئے خود سیاہی تیار کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات سبق دیتے ہوئے بھی سیاہی کو حل کرتے رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے کہ "ہاتھ کار میں دل یار میں اور زبان گفتار میں مشغول رہنی چاہیئے" آپ نے اپنے علاقے میں بڑی رسومات کو ختم کرنے کے لئے کوششیں کیں اور بعض بڑے بڑے لوگوں کو دین کے خلاف کام کرتے ہوئے روکا۔ اس طرح بہت سے لوگ آپ کے دشمن بن گئے اور بدمعاشوں سے مل کر آپ کو شہید کرا دیا۔

آپ کی شہادت کا واقعہ ۹۸۴ھ میں رونما ہوا تھا

پاک رفت از جہاں بجذبہ بریں — شیخ ذی جاہ متقی طاہر
از تحالش بدان تو تاج شرف — ہم بخوان وارث نبی طاہر

۹۸۴ھ

آپ شیخ یوسف رحمۃ اللہ
شیخ نظام الدین بکھاری علیہ رحمۃ اللہ الباری:- کے فرزند ارجمند تھے اور برہان پور کی ولایت کے صاحب منصب تھے بڑے متقی پرہیزگار اور ذوق وشوق کے مالک تھے۔ معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ اپنی والدہ کے پیٹ میں بارہ سال تک رہے بڑے علاج کروائے گئے بڑے بڑے طبیبوں سے مشورے لئے گئے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا آخر بارہ سال کے بعد شیخ نظام الدین پیدا ہوئے چالیس دن گزرنے کے بعد والدہ نے غسل کیا اور مسکرا کر اپنے بیٹے کو کہنے لگیں "میں تمہارے لئے بارہ سال تک کڑوی دوائیاں کھاتی رہی ہوں اور بڑی ہی تکلیف کا سامنا کرتی رہی ہوں" ماں کی بات سُنتے ہی شاہ بکھاری نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا "اماں آپ سچ کہہ رہی ہیں وہ تمام کڑوی دوائیاں میں ہی بارہ سال آپ کے پیٹ میں رہ کر کھاتا رہا ہوں" ماں چالیس روزہ بچے کے منہ سے یہ بات سن کر حیران رہ گئیں اور اسی حیرانی اور ڈر میں فوت ہوگئیں آپ کی بڑی بہن بی بی اللہ دی نے آپ کو اپنی گود میں اُٹھایا اور پرورش کرنے لگیں۔ جب بڑے ہوئے تو پاک پتن کے دینی مدرسہ میں علم حاصل کرنے لگے ایک دن آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے سر پہ ایک ٹوپی رکھ دی ہے اور فرمایا اے نور العین اللہ تعالیٰ نے تمہیں خرقۂ فقر عطا کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ حرمین شریفین کا طواف کرو جب آپ اٹھے تو اپنے والد بزرگوار شاہ یوسف کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خواب سنائی۔ باپ نے آپ کو حج پر جانے کی اجازت دے دی۔ آپ شیخ بیگن شیخ سونا۔ شیخ حمید الدین شیخ محمود کے ساتھ بیت اللہ شریف کو روانہ ہوئے۔ انہی دنوں شاہ یوسف پاک پتن میں ایک قلعہ میں قید ہو گئے۔ عادل شاہ بادشاہ کو شاہ یوسف سے بڑی عقیدت

تھی۔ آپ کی خدمت میں گزارش کی کہ آپ الیسر کے قلعے میں مقیم رہیں اور اپنی برکات سے لوگوں کو نوازتے رہیں۔ آپ نے ایک دن عادل شاہ کو وصیت کی کہ میرا بیٹا شاہ بخاری خشکی کے راستے کعبۃ اللہ گیا ہے وہ حج کرنے کے بعد اس طرف آئے گا۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ اس کی خدمت میں سرگرم رہو تمہاری جو بھی مراد ہوگی اُس کی دعا سے پوری ہوگی۔ پھر شاہ یوسف نے شیخ حسین کو بُلایا اور انہیں شمالی خلافت عطا فرمائی اور خود فوت ہو گئے۔ جب حضرت شاہ پکھاری مکہ سے واپس آئے اور موضع بنکری میں پہنچے تو عادل شاہ بادشاہ آپ کے استقبال کے لئے آیا اور بہت سا نذرانہ خدمت میں پیش کیا۔ مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔

کہتے ہیں کہ حضرت شاہ پکھاری نے پانچ مرتبہ حج کیا۔ مگر آتے جاتے کبھی کعبہ کی طرف پشت نہیں کی۔ مکہ میں رہتے ہوئے چمڑے کے جوتے نہیں پہنے۔ آپ کے پاس ایک برتن تھا جس میں سیاہ اور سفید بچھو بھرے رہتے۔ آپ کو نیند آتی تو اپنا ہاتھ اس برتن میں ڈالتے کوئی بچھو کاٹتا تو اُس کے درد سے نیند جاتی رہتی۔ اور آپ عبادت میں مشغول رہتے۔ حضرت شاہ قدس سرہٗ ایک عرصہ تک دن کو روزہ رکھتے اور ساری رات کھڑے رہتے۔ چھ ماہ کے بعد آپ ایک بار کھانا کھاتے وہ بھی جَو کی روٹی اپنے ہاتھ سے پکاتے آپ کی پکائی ہوئی روٹیوں میں اتنی برکت ہوتی کہ خود کھانے کے بعد اپنے دوستوں میں جن کی تعداد تین سو سے بھی زیادہ تھی تقسیم کر دیتے۔ ایک دن آپ کے ایک دوست نے درخواست کی کہ آج میں آپ کے لئے روٹی پکاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تم نہیں پکا سکتے جب اُس نے بڑی ضد کی تو آپ نے اجازت دے دی۔ وہ روٹی پکانے لگا آگ جلائی تو وہ جھک کر آگ کو پھونکیں مارنے لگا۔ آگ نے بڑھ کر اس کی ساری داڑھی جلا دی آپ نے اُسے دیکھ کر فرمایا میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ میری روٹی کوئی دوسرا

نہیں پکا سکتا۔

شیخ حمید الدین چشتی نے آپ کے ملفوظات میں لکھا ہے ایک دن حضرت شاہ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور آپ کی نگاہ لوح محفوظ پر پڑی۔ آپ نے دیکھا کہ لوح محفوظ پر میرا نام درج ہے۔ آپ اٹھے مجھے اپنی جگہ بٹھایا ایک شال عصا اور مصلیٰ عطا فرمایا اور اپنی خاص پگڑی سر سے اُتار کر میرے سر پر رکھ دی۔ پھر اپنا جبہ مبارک بھی مجھے پہنا دیا۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ جن دنوں شاہ پکھاری برہان پور میں مقیم تھے تو آپ کے وضو کرنے کے لئے دریائے تپتی سے پانی لایا جاتا تھا۔ شیخ محمود نامی ایک درویش پانی لانے کی خدمت میں مقرر تھا۔ ایک دن حضرت شاہ نے شیخ محمود کو یاد فرمایا۔ تو لوگوں نے فرمایا وہ تو آپ کے لئے پانی لانے دریا پر گیا ہے آپ نے یہ بات سن کر بڑا افسوس کیا فرمایا میرے لئے پانی لانے پر اللہ کے بندوں کو اتنی مشقت کرنی پڑتی ہے اُسی وقت اٹھے تو اپنا عصا زمین پر مارا جہاں سے پانی کا چشمہ اُبلنے لگا۔ پھر آپ وہاں سے باہر نکلے آپ نے دیکھا کہ وہ پانی ٹھاٹھیں مارتا ہوا آپ کی طرف آرہا ہے۔ آپ نے فرمایا اے پانی جلدی نہ کرو آہستہ چلو تاکہ ہم لوگ تمہارے پاس رہ سکیں پانی اُسی وقت زمین میں غائب ہو گیا لیکن آج تک پانی کا ایک چشمہ جاری و ساری ہے۔ اُس چشمہ کا نام اتا ولی ہے۔ عادل شاہ جو برہان پور کا بادشاہ تھا اُس نے آپ کے لئے بڑی عظیم الشان خانقاہ بنائی تھی آپ کا مزار اسی خانقاہ میں ہے۔

حضرت شاہ پکھاری کی وفات ۹۸۶ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

پکھاری چو زن عالم شد بجنت
بسال وصل آن محبوب باری
۹۸۵ھ

فرشتہ گو خفیہ معرفت خوان
دگر فرماسخی عابد پکھاری

۹۸۵ھ

شیخ پیارا چشتی قدس سرہٗ: آپ حضرت شیخ اسلیم چشتی کے خلیفہ تھے۔ اور اپنے وقت کے عظیم مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ شہزادہ سلیم جہانگیر کو اُس کے والد جلال الدین اکبر بادشاہ اپنے ساتھ لے کر حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے روضہ منورہ کی زیارت کو گئے۔ اس سفر میں شیخ پیارا کو ساتھ لے لیا گیا۔ تاکہ وہ شہزادہ جہانگیر کی نگرانی کر سکیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اجمیر میں پہنچ کر شہزادہ بیمار ہو گیا۔ اس وجہ سے اکبر بادشاہ بڑا ہی پریشان ہوا۔ اکبر نے شیخ پیارا کو کہا کہ آپ کے پیر و مرشد نے ہمارے ساتھ اس لئے بھیجا تھا کہ شہزادے کی دیکھ بھال کر سکیں۔ شیخ پیارا نے جواب دیا کہ ہم حضرت کی خدمت میں عرض لکھ رہے ہیں۔ آپ جو کچھ فرمائیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ چنانچہ آپ نے ایک شاہی قاصد کے ہاتھ شیخ سلیم کے نام عرضی لکھی جس کے جواب میں آپ نے لکھا کہ بادشاہ کو کہہ دیں کہ انشاء اللہ شہزادہ تندرست ہو جائے گا چونکہ ہم نے تمہیں شہزادہ کی حفاظت کے لئے بھیجا تھا۔ اس لئے شہزادہ کی بیماری کو اپنے جسم پر لے لو۔ خط پڑھنے کے بعد شیخ پیارا نے بادشاہ کو تسلی دی اور شہزادے کی بیماری اپنے آپ پر لے لی اور شہزادہ تندرست ہو گیا۔ شیخ پیارا اس بیماری میں کئی مہینوں تک مبتلا رہے۔

ایک بار شیخ پیارا بادشاہ کے دربار سے اُٹھ کر اپنے گھر آ رہے تھے راستے میں ایک مست ہاتھی نے پر حملہ کر دیا۔ ہاتھی آپ کے نزدیک پہنچا تو آپ اپنے گھوڑے سے اُتر کر فوراً قبلہ رُخ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ ہاتھ آپ سے

ہٹ کر دوسری طرف چلا گیا۔

شیخ پیارا ۹۰۸۶ھ کو فوت ہوئے آپ کا مزار پُرانوار دریائے نبردہ کے کنارے پر ہے جو دکن اور گجرات کے درمیان میں ہے۔

چو از دنیا بفردوس بریں رفت
شہ مطلوب پیارا رحمت اللہ
عیانشہ فخرن الانوار تاریخ
۹۸۶ھ
دگر محبوب پیارا رحمت اللہ

شیخ جلال الدین تھانیسری الکابلی قدس سرہٗ رحمت اللہ:۔ آپ شیخ عبدقدوس کے گنگوہی کے خلیفہ اعظم تھے۔ ماں باپ کی نسبت سے فاروقی تھے۔ آپ کا اصلی وطن بلخ تھا۔ آپ کے والد کا نام قاضی محمود تھا۔ سات سال کی عمر میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ اور سترہ سال کی عمر میں سارے علوم سے فارغ ہو گئے۔ آپ درس بھی دیا کرتے اور فتویٰ بھی لکھا کرتے تھے۔ آخر کار شیخ عبدقدوس گنگوہی کے ظاہری اور باطنی طور سے مرید ہو گئے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ کی ابتدائی زندگی میں ایک شخص بڑی خوش آواز سے غزل پڑھ رہے تھا۔ شیخ اُس کی آواز سُن کر بے ہوش ہو گئے اور کوٹھے کی چھت سے نیچے گر پڑے۔ وہ نیم بسمل پرندے کی طرح تڑپنے لگے۔ اور زمین پر لیٹتے جاتے ہوش آیا تو اُسی دن چشتیہ صابریہ سلسلے میں داخل ہو گئے اور بڑے مقامات تک پہنچے آپ سے بڑی کرامتیں ظاہر ہوئیں آپ اس طرح یادِ الٰہی میں غرق رہتے کہ مرید آپ کے کان میں نماز کے وقت اللہ اکبر اللہ

کہتے تو پھر جاکر آپ کو ہوش آتا اور نماز ادا کرتے۔ اگر آپ نعت یا قوالی سُنتے تو وجد کرنے لگتے۔ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں آپ کے رتبہ والا بزرگ کوئی نہیں ہوا۔

ایک شخص شیخ جلال الدین کے مریدوں میں سے تھا۔ وہ کئی سال آپ کی خدمت میں رہا مگر اسے کچھ فائدہ نہ ہو۔ ایک دن حضور کی خدمت میں بیٹھا دل میں خیال کر رہا تھا کہ پرانے زمانے میں شیخ نجم حسین کبریٰ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ جس شخص پہ ایک نظر ڈالتے اُسے ولی اللہ بنا دیتے۔ اِن دنوں ایسے بزرگ کہاں۔ شیخ جلال الدین نے اُس مرید کے دل میں اس خیال کو خود ہی معلوم کر لیا۔ اور فرمایا ہاں اِن دنوں میں بھی ایسے بندے اس دنیا میں ہیں جو ایک نگاہ سے طالب حق کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ کہا اور اُس شخص پہ ایک تیز نگاہ ڈالی وہ اُسی وقت تڑپ کر لیٹنے لگا تین دن تک بے ہوش رہا۔ تیسرے دِن ہوش میں آیا تو شیخ کے قدم چوم کر عرض کی مجھے اِتنے سالوں میں وہ چیز نہ ملی جو ایک نظر میں حاصل ہو گئی ہے وہ اُسی ہفتے فوت ہو گیا حضرت شیخ کو اُس کی موت کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا ہر ایک کو برداشت کی طاقت نہیں ہوتی۔ یہ بے چارہ بھی نگاہ کی تاب نہیں لا سکا ایک ہی نظر میں فوت ہو گیا۔

شیخ جلال الدین کا ایک بیٹا فوت ہو گیا کئی دنوں تک اُس کے صدمے سے آپ مجلسِ سماع میں نہ جا سکے۔ اور یہ درد حقیقی محبت میں تبدیل ہو گیا۔ شیخ کی تفصیلات میں سے مکتوبات قدسیہ بہت مفید کتاب ہے۔

شیخ جلال الدین چودہ ماہ ذالحج ۹۸۹ھ میں ۹۵ سال[1] کی عمر میں فوت ہوئے

---

[1]: صاحب اقتباس الانوار حضرت مولانا شیخ محمد اکرم قدوسی قدس سرہٗ نے آپ کے (باقی اگلے صفحہ پر)

آپ کا مزار تھانیسر میں ہے۔

جلال از جہاں چوں بجنت رسید
بے سال ترخیال ہاں رسی کمال
سیاہ شیخ پاکیزہ دل شد عیاں
دیگر ہست ماہتاب عزت جلال

شیخ رزق اللہ قدس سرہٗ:- آپ حضرت مصباح العاشقین ملاوہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے آپ کے والد نے شیر خوارگی کے دنوں میں ہی حضرت ملاوہ کی گود میں ڈال دیا تھا جنہوں نے دیکھتے ہی فرمایا یہ بچہ ہمارا مرید ہوگا۔ ابھی آپ کی عمر چار سال تھی کہ آپ کے مرشد حضرت ملاوہ وفات

(بقیہ حاشیہ) مفصل حالات سپرد تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین فاروقی محمود تھانیسری قدس سرہٗ جمال اہل طریقت اور کمال حقیقت تھے۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے بہت سے مرید آپ کے گاؤں میں رہتے تھے۔ ایک بار حضرت گنگوہی آپ کے گاؤں آئے تو مسجد اور مدرسہ حضرت جلال الدین کے ارشاد و تدریس کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ آپ نے حضرت کے مریدوں کو کہا۔ سنا ہے تمہارے گھر تمہارا مرشد و قاص بھی ہے اور سماع کی دعوت بھی کرتا ہے۔ مریدوں نے حضرت گنگوہی کو آپ کی طعن آمیز بات سنائی تو آپ نے فرمایا۔ ہاں رقص کرتا بھی ہے اور کراتا بھی ہے دوسرے روز خود مسجد میں جا پہنچے۔ مولانا جلال تدریس میں معروف تھے۔ آپ نے ایک سرسری نگاہ ڈالی اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ اس بات سے فارغ ہو کر حضرت جلال حضرت گنگوہی کے پاس آئے۔ اور دریافت کیا۔ میاں فقیر کہاں سے آئے ہو۔ آپ نے ایک نظر بھر کر دیکھا اور فرمایا میں تو رقاص ہوں۔ تمہیں رقص کرانے آیا ہوں۔ بس ایک نگاہ سے حضرت جلال کے تمام ظاہری علوم سلب ہو گئے اور وہ واقعی ٹوپنے لگے۔ کتابوں میں لگ گئی۔ اور حضرت جلال آپ کے حلقۂ ارادت میں پھنس گئے تھے۔ آپ نے ساری عمر اپنے مرشد کی خدمت گزار دی۔ اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کی اشاعت میں دن رات ایک کر دیئے (باقی اگلے صفحہ پہ ملاحظہ فرمائیں)

پا گئے۔ سن بلوغت کو پہنچے تو اپنے پیر و مرشد کی روحانی تربیت اور فیضان سے بلند مراتب پر پہنچے۔ عشق و محبت میں باکمال ہوئے حضور و استقامت میں یگانہ روزگار ہوئے آپ نے بے شمار سفر کئے۔ بزرگان دین کی مجالس سے فائدہ اٹھایا۔ آپ کا کلام ہندی اور فارسی اشعار سے پُر ہے۔ آپ کی ایک کتاب ہمائیں وحوت بزنجش بڑی مشہور ہوئی اور ہندی اشعار میں راجن تخلص فرماتے تھے۔ اور فارسی اشعار میں مشتاقی فرماتے۔ آپ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چچا تھے۔

صاحب اخبار الاخیار نے آپ کی تاریخ ولادت ۸۹۷ھ اور وفات بستم ربیع الاول ۹۸۹ھ لکھی ہے اور یہ قطعۂ تاریخ لکھا ہے۔

مخدومی عارف زمان مشتاقی
دے گفت بوقت نقل مشتاق حقم
حقا چو تاریخ وفاتش نگریست
نوکرہ قلمش ہمیں سخن کرد رقم

شیخ اسحاق قدس سرہٗ آپ سلسلہ چشتیہ میں اہل کمال بزرگ ہوئے ہیں۔ بڑی ریاضتیں کیں۔ ملتان سے دہلی آکر قیام

(بقیہ حاشیہ) آپ ہی آپ کے ممتاز خلیفہ تھے۔ جلال الدین اکبر ۹۸۹ھ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معارف تصوف پر گفتگو کرتا رہا۔ اور فلسفۂ وحدت الوجود بہت سے نکات خاص کئے فیضی نے تفاسیر میں حاضر ہو کر علمی مباحث کئے ببریل نے خود آکر اپنی ذہنی مشکلات کا حل تلاش کیا حضرت شاہ کمالی کیتھلی قدس سرہ سپاہیانہ لباس میں آپ سے ملے اور ایک مجلس سماع میں شرکت بھی کی۔ شاہ قیس رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی نگرانی میں ایک چلہ کاٹا آپ کی کتاب ارشاد الطالبین آپ کے انوار روز کا ذخیرہ ہے آپ کے خلفاء میں سے نظام الدین بلخی بڑے باکمال بزرگ ہوئے ہیں ان کے مفصل حالات بھی اقتباس الانوار میں ملتے ہیں۔

فرمایا۔ بڑی لمبی عمر پائی۔ فرمایا کرتے تھے۔ مجھے ایک بیٹے کی آرزو ہے جب پیدا ہو گا۔ پھر میں اس دنیا سے جاؤں گا۔ نہایت کبر سنی میں اللہ نے ایک بیٹا دیا بیٹے کی پیدائش کے بعد اپنی خادمہ کو بلا کر فرمایا۔ گھر میں جو کچھ ہے لے آؤ۔ خادمہ نے کہا۔ آپ کے گھر میں کب کوئی چیز رہتی ہے۔ جو لے آؤں۔ فرمایا آج جو کچھ ملتا ہے لے آؤ۔ خادمہ دو سیر غلہ اور دو کپڑے لائی۔ آپ نے دونوں چیزیں فقرا کے حوالے کر دیں۔ پھر فرمانے لگے۔ آج سماع کو جی چاہتا ہے۔ کسی قوال کو بلا لاؤ۔ خادمہ نے کہا آپ کے پاس کیا ہے جو قوال کو دیں گے آپ نے فرمایا بلاؤ۔ میں اسے اپنی پگڑی اور چادر دے کر خوش کر لوں گا۔ اسی اثنا میں اپنے ایک دوست کے گھر چلے گئے وہاں مجلس سماع برپا تھی۔ شریک ہوئے۔ وجد میں آئے رونے لگے بے اختیاری کے عالم میں گھر سے باہر آئے اور اپنے گھر آ گئے فرمایا آج جمعہ کا دن ہے حجام کو بلاؤ۔ حجامت کرائی غسل کیا۔ دوستوں کو ایک ایک کر کے الوداع کہا قرآن پاک کی ایک منزل پڑھی اور جان جان آفرین کو دے دی۔ آپ کی وفات ۹۹۹ھ کو ہوئی۔

چو اسحاق از جہاں رخت سفر بست
بسال رحلت آں شکوہ آفاق
بگو اسحاق مخدوم مکمل
دگر فرما مطیع خاص اسحاق

شیخ عثمان زندہ پیر قدس سرہٗ:- آپ ظاہری اور باطنی علوم میں کمال رکھتے تھے اور سلسلہ چشتیہ کے ممتاز مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے تین بھائی حضرت شیخ حسین حضرت شیخ برہان اور حضرت شیخ محمود قدس سرہم تھے۔ شیخ حسین آپ سے بڑے تھے وہ اپنے والد ماجد کی زندگی میں ہی انتقال فرما گئے تھے۔ ان کے دو بیٹے شیخ

نورالدین اور شیخ عفور یادگار زمانہ رہے۔ جب آپ کے والد شیخ عبدالکبیر فوت ہوئے۔ تو حضرت شیخ عثمان ہی سجادہ نشین بنے۔ مگر ساتھ ہی شیخ حسین کے دونوں بیٹوں شیخ انورالدین اور غفورالدین نے بھی سجادگی کا دعویٰ کر دیا اور فتوحات اور نذرانوں پر جھگڑا کھڑا کر دیا وہ حضرت شیخ شمس الدین ترک اور شیخ جلال الدین پانی پتی کے مزارات کے نذرانوں کا دعویٰ بادشاہ سلطان ابراہیم لودھی کے دربار میں لے گئے بادشاہ بذات خود اس مقدمہ کے تصفیہ کے لئے دہلی سے پانی پت آیا۔ اگرچہ والدہ ماجدہ اور حضرت کے مرید اور شہر کے امراء شیخ عثمان کی سجادہ نشینی پر راضی تھے لیکن بادشاہ کی طرف داری اور دربار میں اثر و رسوخ کی وجہ سے سجادہ نشینی دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی۔ پہلی عید کے دن دونوں سجادہ نشین شہر سے باہر آئے اور دونوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ شیخ حسین کے بیٹے اپنی سواریوں سے نیچے گر گئے اور زخمی ہو گئے وہ عیدگاہ تک نہ پہنچ سکے۔ اُس دن سے اِن لوگوں کو مقابلے کی طاقت نہ رہی اور سجادہ نشینی شیخ عثمان کے پاس ہی رہی۔

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ جٹوں میں سے دو آدمی ایک ہندو ایک مسلمان آپس میں اختلاف رکھتے تھے۔ ان کے معاملے میں فیصلہ نہیں ہوتا تھا دونوں حضرت شیخ کی خدمت میں آئے دونوں کی باتیں سنی اور اِس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمان سچا ہے چنانچہ آپ نے مسلمان کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ ہندو نے احتجاج کیا کہ آپ نے محض مسلمان ہونے کی وجہ سے اُس کے حق میں فیصلہ کیا ہے ورنہ میں زیادہ حقدار تھا حضرت شیخ یہ بات سُن کر مراقبے میں چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد سر اُٹھا کر فرمایا کہ تمہاری عورتیں حملہ میں۔ تم دونوں کے لئے حکم دیا جاتا ہے کہ سیدھے گھر چلے جاؤ۔ سچے کے گھر میں لڑکا پیدا ہو گا اور جھوٹے کے گھر میں لڑکی پیدا ہو گی۔ دونوں اس بات پر راضی ہو گئے۔ اور گھر چلے گئے کچھ دنوں بعد مسلمان کے ہاں لڑکا پیدا

ہوا اور ہندو کے لڑکی۔ دونوں نے حضرت شیخ کا فیصلہ مان لیا اور جھگڑا ختم کر دیا۔

شیخ عثمان کے بیٹے شیخ نظام الدین نے ایک نیا کنواں بنوایا۔ وہ اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوا اور التماس کی کہ آپ فاتحہ اور دعا فرمائیں آپ نے فرمایا پہلے دعوت کا انتظام کرو جس میں ایک گائے ذبح کرو اور اتنے من گندم کا آٹا لا کر کھانا پکاؤ اور غریبوں میں تقسیم کر دو پھر میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔ بیٹے نے کہا میرے پاس تو ایک بکری ہے میں اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہماری زبان سے جو نکل گیا ہے اُسے پورا کرو ورنہ مجھے ڈر ہے کہ تمہارا کنواں گر جائے گا شیخ نظام الدین دعوت کا انتظام کرنے سے ہچکچاتے رہے اور کنواں نیچے سے بیٹھ گیا۔

شیخ عثمان ۹۹۰ھ (نو سو نوے ہجری) میں فوت ہوئے۔

شیخ عثمان پیر عالمگیر چشت!
رفت از دنیائے دوں اندر جنان
رحلتش رکن جہاں عثمان بگو
نیز قطب الواصلین عثمان بخوان

شیخ دانیال چشتی قدس سرہٗ: آپ سید راجی حامد شاہ کے مرید اور اور خلیفہ ہیں آپ کو کئی بار حضرت خضر علیہ السلام کی صحبت بھی نصیب ہوئی اور آپ نے حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روحانی فیض پایا تھا۔ یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچی ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین نے آپ کو باطنی طور پر حضرت خضر علیہ اسلام کے حوالے کر دیا تھا ہندی زبان کا یہ شعر معارج الولایت میں بھی ملتا ہے اور شرح الحروف العالیات میں بھی پایا جاتا ہے۔

جگ جگ عمر جو حضرت خواجی
حضرت نبی رسول نواجی
دانیال جو پرگٹ کنیان
حضرت خواجی خضر ہند دنیا

یعنی حضرت خواجہ معین الدین دائمی اور باطنی عمر کے مالک ہیں۔ انہوں نے چاہا کہ دانیال کو ظاہر کریں اور اولیاء اللہ میں اُن کا ایک مقام متعین کریں چنانچہ انہوں نے خواب میں حضرت دانیال کو حضرت خضر کے حوالے کر دیا۔

شیخ دانیال ۹۹۴ھ ہجری میں فوت ہوئے اُس وقت آپ کی عمر ایک سو گیارہ سال تھی۔

چوں جناب دانیال محترم
یافت از دنیائے دوں باحق وصال

۹۹۴ھ

سال وصل او بگو ممتاز وقت
ہم بخوان بدر الکرامت دانیال

شیخ فتح اللہ ترین سنبلی چشتی قدس سرہٗ:

آپ حضرت خواجہ سلیم چشتی کے خلیفہ تھے آپ فتح پور سکیری کے پہاڑ کی چوٹی پر عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن شیخ سدھاری جو حضرت شیخ اسلیم کے خلیفہ تھے آپ کو دیکھنے کے لئے پہاڑی کی چوٹی پر گئے۔ چند لمحے بیٹھے تو شیخ فتح اللہ نے ہوا میں اڑنا شروع کر دیا۔ شیخ سدھاری نے دوڑ کر آپ کا دامن پکڑا اور کھینچ کر نیچے لائے اور اپنی جگہ پر بیٹھا دیا۔ آپ نے کہا شیخ سدھاری تم جانتے ہو کہ میں کہاں جا رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں

شیخ فتح اللہ نے بتایا کہ آج میرے پیر و مرشد اسلیم چشتی کی خانقاہ میں بہت سے بزرگ جمع ہوئے تھے۔ حضرت غوثِ اعظم اُس مجلس سے واپس ہوتے ہوئے۔ اس طرف سے گزرے تھے میں اُن کی خدمت میں حاضری کے لئے آگے بڑھا جب تم نے میرا دامن پکڑا تو حضرت غوث اعظم نے مجھے اجازت دے دی تو میں واپس اپنی جگہ پر آگیا ورنہ میرا دامن تمہارے ہاتھ میں رہتا اور میں بغداد چلا جاتا۔

معارج الولایت کے مصنف نے لکھا ہے کہ شیخ فتح اللہ ان پڑھ تھے اور اُمی تھے۔ اس لئے علماء کرام کو یہ اعتراض تھا کہ بے علم ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بات آپ کے خلیفہ شیخ وجیہ الدین نے سُنی تو آپ کو بڑی ناگوار گزری۔ ایک دن حضرت شیخ فتح اللہ بڑے خوش بیٹھے ہوئے تھے اور شیخ وجیہ الدین آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا وجیہ الدین آج جو کچھ مانگنا ہے۔ مانگ لو اُنہوں نے آپ کے سامنے علماء کرام کا اعتراض پیش کیا اور عرض کی کہ آپ میری تسلی کروائیں آپ نے فرمایا کہ اعتراض کرنے والے عالم دین کو میرے پاس لے آؤ۔ شیخ وجیہ الدین ایک بہت بڑے عالم دین کو جسے آپ کی بے علمی پر اعتراض تھا۔ لے آئے۔ آپ نے اُس عالم دین کو فرمایا آپ جو کتابیں چاہیں میں اُسے پڑھ کر سنا دیتا ہوں۔ اُس عالم دین نے ہدایہ پیش کیا۔ آپ نے پوچھا کہ اس کو اوّل سے پڑھوں یا آخر سے یا درمیان سے انہوں نے کہا کہ درمیان سے پڑھیں۔ آپ نے شیخ وجیہ الدین کو کہا میں زبانی پڑھتا جاتا ہوں اور تم لکھتے جاؤ۔ آپ نے تقریباً دو صفحے پڑھ دیئے اور لکھی ہوئی عبارت اُس عالم دین کو دی اور فرمایا کہ یہ عبارت کتاب کی تحریر سے ملا لو۔ وہ عالم دین حیران رہ گیا۔ اُسی دن کے بعد تمام علماء کرام آپ کے معتقد ہو گئے۔

جب حضرت شیخ اسلیم چشتی فوت ہوئے تو آپ کے بڑے بیٹے شیخ احمد نے

فتح اللہ کو ایک خط لکھا کہ دعا فرمائیں تاکہ بارش ہو جب خط پہنچا تو شیخ فتح اللہ جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ خط پڑھتے ہی فوراً اٹھے اور بیابان میں نکل گئے اور وہاں گرم دھوپ میں بیٹھ گئے اللہ کی بارگاہ میں التجاء کی کہ جب تک رحمت کی بارش نہ ہوئی میں یہاں سے نہیں اٹھوں گا۔ آپ نے یہ کہہ کر لوگوں سے کہا کہ آسمان کی طرف دیکھو کہ بادل کا کوئی ٹکڑا دکھائی دیتا ہے لوگوں نے کہا کہ ایک ٹکڑا فتح پور کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آپ اُٹھے اور خط کا جواب لکھا کہ اگر نمازِ جمعہ کے بعد فتح پور میں بارانِ رحمت ہو گئی ہو تو مجھے لکھیں فی الواقعہ فتح پور میں اتنی بارش ہوئی کہ لوگ سیراب ہو گئے اور ہر طرف سبزہ لہرانے لگا۔

شیخ ابوالفتح ۹۹۹ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

یافت چون ابوالفتح فتح کار خویش
باہزاران فتح در ملک جنان
سال وصل او بگو مفتاح عشق
ہم بخوان فیاض حق ای مہربان

وفات:۔ نوسو ننانوے ہجری (۹۹۹ھ)

شیخ نظام نارنولی قدس سرہٗ:۔ آپ شیخ خانو قدس سرہٗ کے مریدان پاک اور خلیفہ خاص میں سے تھے گوالیر میں سکونت پذیر رہے اور ہزاروں طالبان حق کو چالیس سال تک روحانی تربیت دیتے رہے آپ کی توجہ سے بڑی کثیر مخلوق راہ ہدایت پر آئی سفینۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ شیخ نظام رحمۃ اللہ علیہ ہر سال نارنول سے پاپیادہ چلتے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پر جاتے۔ سارے راستے

میں آپ پر ذوق اور وجد طاری رہتا۔ وہاں سے اجمیر شریف چلے جاتے اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے بازار کی زیارت کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی قبولیت بخشی تھی۔ بڑے بڑے کامل مرید اور ممتاز اولیاء آپ کی تربیت میں رہے۔ آپ کے پیر و مرشد کا نام شیخ خانو گوار پائی تھا۔ وہ خواجہ حسین ناگوری کے مرید تھے۔ آپ کو شیخ اسماعیل بن شیخ حسن سرمست سے خرقۂ فقر ملا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی خرقہ بھی حاصل ہوا۔ شیخ نظام الدین کے بھائی شیخ اسماعیل بھی شیخ خانو کے مرید تھے۔ شیخ خواجگی ببری بھی انہی کے مرید ہیں۔ شیخ منور جو آگرہ میں بڑے مشہور ہوئے۔ شیخ خانو ہی کے مرید تھے۔ سفینۃ الاولیاء اور اخبار الاخیار میں شیخ خانو گوار لیاوی کا سال وفات ۹۴۰ھ لکھا ہے جبکہ شیخ نظام نارلوی کی وفات ۹۹۹ھ ہجری میں ہوئی۔

نظام از دار دنیا چون سفر کرد
خدا بکشود بروے باب جنت
عیانشد سن وصال انتقالش
۹۹۹ھ
محب اولیا مہتاب جنت

وفات:۔ نوسو ننانوے ۹۹۹ھ ہجری

شیخ طاہا چشتی قدس سرہٗ: آپ حضرت اسلیم چشتی کے مرید بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے جب اسلیم چشتی سفر حج پر روانہ ہوئے تو آپ بھی اُن کے ساتھ تھے۔ حج سے واپسی پر گجرات پہنچے تو شیخ اسلیم چشتی نے احمد آباد میں مقرر کر دیا۔ شیخ محمد شیروانی اور بعض دوسرے عزیزوں کو بھی آپ کے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ شیخ طاہا نے عرض کی حضور اس علاقے

ہیں بڑے بڑے اولیاء اللہ ہیں جن کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے میں یہاں رہ کر کیسے کام کر سکوں گا۔ آپ نے فرمایا یہ تمام لوگ تمہارے مطالع اور فرمانبردار بن جائیں گے۔ شیخ طاہا احمد آباد میں قیام پذیر ہوئے۔ وہاں کے بزرگوں نے آپکا باطنی امتحان لیا۔ اور پھر آپ کے تابعدار بن کر روحانی فائدہ حاصل کرنے لگے۔ معارج الولایت کے مصنف لکھتے ہیں کہ اکبر کے زمانے میں مظفر ہوائی کو گجرات کا سلطنت دار بنا دیا گیا۔ وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التماس کی کہ شیخ اپنے ہاتھ سے اس کی کمر پر تلوار باندھے۔ تاکہ ہندوستان کی سلطنت اُس کے زیر نگیں رہے۔ حضرت شیخ نے جواب دیا کہ ہندوستان کو اللہ تعالیٰ نے اکبر بادشاہ سپرد کر دیا ہے میں کون ہوتا ہوں کہ اُس میں تبدیلی کی کوشش کروں۔ یہ بات سنتے ہی مظفر غصے سے بھڑک اٹھا اور کہنے لگا اکبر کے لشکر سے لڑنے کی بجائے میری تلوار تمہارے خون سے تر ہوگی۔ شیخ نے کہا میرے اور آپ کے درمیان ایک ہفتے کی مہلت ہونی چاہیئے۔ اُس کے بعد جو مرضی ہو کرنا۔ ابھی ہفتہ نہ گزرا تھا کہ اکبر بادشاہ کی فوجیں گجرات آپہنچیں اور گجرات پر قبضہ کر کے مظفر کو وہاں سے نکال دیا۔

شیخ طاہا کی وفات ۱۰۰۰ھ ہجری میں ہوئی۔

چو طاہا بلطف خدا و نبی
ازین دیر دون شد بجنت روان

۱۰۰۰ھ

شود وصال ترحیل آن شاہ دین
ز مخدوم مرحوم طاہا عیان

شیخ مٹھہ کاکرونی قدس سرہٗ:۔ آپ بڑے کامل درویش اور مکمل ولی اللہ تھے حضرت خواجہ معین الدین کے روحانی فیض یافتہ تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ بیس۲۰ سال تک خواجہ اجمیری کے روضہ منورہ پر جھاڑو دیتے رہے۔ بیس۲۰ سال کے بعد روضہ منورہ سے آواز سنی کہ اے مٹھہ تم کو دلی کامل بنا دیا گیا اور ولایت کاکرون تمہارے حوالے کر دی گئی ہے اور وہاں کی تمام چیزیں تمہارے تصرف میں ہوں گی۔ شیخ مٹھہ اجمیر سے اُٹھے تو کاکرون آگئے۔ ایک خانقاہ بنائی۔ اور لوگوں کی ہدایت میں مشغول ہو گئے۔

آپ کی وفات ۱۰۰۳ھ ہجری میں ہوئی اور آپ کا مزار کاکرون میں ہی ہے۔

لذت وصل خدا در خلد یافت
مٹھہ پیر با خبر شیرین کلام
از دل سرور وصل پاک او
شد عیان والا قدر شیرین کلام

وفات ۱۰۰۳ھ (دس سو تین ہجری)

شیخ کبیر جولاہہ قدس سرہٗ:۔ آپ شیخ تقی کے مرید اور خلیفہ تھے زمانے کے مشہور اور باکمال ولی اللہ شمار ہوتے تھے اپنی ولایت کے انوار کو ملامت کی چادر میں پوشیدہ رکھتے تھے اپنے وقت کے مواحدوں کے امام تھے۔ آپ نے ہندی زبان میں بہت سے اشعار کہے۔ جو ان کی بلند فکری اور اعلیٰ تخیل کے آئینہ دار ہیں۔ اگر اُن کے کلام میں تحقیق اور تجسس کیا جائے تو وصل خداوندی کے عمدہ نمونے ملتے ہیں وہ میدانِ وصل میں فراق کی کیفیت کو سامنے نہیں آنے دیتے ہندوستان میں ہندی زبان میں جس شخص

کے حقائق والمعارف سب سے پہلے بیان فرماتے ہیں۔ وہ حضرت شیخ کبیر ہی تھے۔ ان کے مختلف ہندی اشعار ملتے ہیں۔ لیکن ان میں زیادہ بشن پدوساکی کی قسم پائی جاتی ہے اگر انصاف سے آپ کے کلام کو دیکھا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے زبان کے ترازو سے حقائق کے موتی تولے ہیں۔ ہمیں ایسے حقائق دوسرے شعراء کے کلام میں نہیں ملتے۔ محققِ ہندی جن کا ہم بعد میں ذکر کریں گے وہ بھی اپنے کلام میں شیخ کبیر کا ہی اتباع کرتے ہیں۔ کبیر نے جن ساکھیوں اور بشن پد دھ کا ذکر کیا ہے محققِ ہندی نے انہی کو دوہڑوں میں نظم کر دیا ہے۔ اُس کی باطنی قوت پر ہندو اور مسلمان دونوں پر کامل اعتقاد رکھتے تھے۔ اور ہر طبقہ انہیں اپنے مذہب میں قرار دیتا ہے۔ چنانچہ مسلمان انہیں پیر کبیر کہتے ہیں اور ہندو انہیں بھگت کبیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

آپ کی وفات سنہ ۱۰۰۳ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

شد ز دنیا بجنت اکبر
چو کبیر از عطائی قدیر
رحلتش صاحبِ اشارت خوان
ہم بدانِ بُلبُلِ بہشت کبیر

۱۰۰۳ھ

شیخ ولی چشتی قدس سرہٗ:۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام یوسف چشتی تھا آپ خود اسلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور مرید تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ جس دن اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اُسی دن سے مقبول نظر ہو گئے۔ اور آپ کے سر پہ تاجِ خلافت سجا دیا یہ بات دیکھ کر حضرت کے دوسرے مرید بھی آگے بڑھے اور عرض کی حضور کریم

کئی سال سے آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اس میں کیا راز ہے۔ آپ نے فرمایا شیخ ولی اپنے کو دیگ تمام چیزوں سے پُر کر کے پکا کر لائے تھے میں نے اُس میں صرف نمک ہی ڈالا ہے اور وہ تیار ہو گئی۔ آپ لوگوں کو پختہ ہوتے ہی وقت لگے گا۔

آپ کی وفات ۱۰۰۴ ہجری تھی۔

یافت از حق ولایت جنت
چوں ولی خدا ولی اللہ
جامع فیض گو تر حیلش
ہم ولی شیخ اولیاء فرما

۱۰۰۴ھ

مولانا عبداللہ سلطان پوری الانصاری قدس سرہٗ: آپ برصغیر کے زبردست علماء کرام اور ولی اللہ تھے چشتی سلسلے میں بیعت تھے۔ شیر شاہ سوری کے زمانہ سے لے کر شہنشاہ اکبر تک آپ کو مخدوم الملک کا خطاب رہا۔ چونکہ شریعت کے عالم اور طریقت کے عارف تھے۔ کفر اور بدعت کے خلاف بڑا کام کرتے تھے اور کلمۂ توحید کے اعلان میں پیش پیش تھے۔ آپ نے سُنت نبوی کو جاری کرنے میں بڑی جد وجہد کی حتیٰ کہ جن دنوں شہنشاہ اکبر نے دین الٰہی کا اعلان کیا اور ملک میں غیر اسلامی رسومات کو رواج دیا پھر اس نے لوگوں کو یہ بھی کہا کہ صبح خوبصورت سورج کو چڑھتے وقت سجدہ کیا جائے اور کلمۂ محمدی کی بجائے لا الہ اللہ ہو اکبر خلیفۃ اللہ پڑھا جائے تو مولانا عبداللہ انصاری جہاد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے آخر بار اکبر نے انہیں حکم دیا کہ وہ میرے ملک سے نکل جائے آپ مسجد میں جا بیٹھے اکبر نے

کہا کہ مسجد بھی ہمارے ملک میں ہے یہاں سے بھی باہر نکل جاؤ اور کسی دوسرے ملک میں چلے جاؤ آپ ہندوستان سے نکلے تو بیت اللہ شریف کو روانہ ہوئے حج کرنے کے بعد واپس ہندوستان آئے۔ بادشاہ کے حکم سے آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا گیا اور اس طرح آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ آپ کی بہت سی تصانیف اہل علم کے لئے مشعل راہ بنی۔

چنانچہ کشف الصمد، منہاج الدین اور عقیدۃ الانبیاء زمانہ بھر میں مشہور ہوئیں۔

آپ کی شہادت کا واقعہ ۱۰۰۶ھ ہجری میں ہوا۔

از عبادت یافت عبداللہ خلد
رحلتِ آن عابد عالی مکان
آفتاب فقر عبداللہ گو
نیز فرما آفتاب عاشقان

۱۰۰۶ھ

شیخ اختیار الدین مروانی قدس سرہٗ

آپ نظام الدین نارنولی کے خلیفہ تھے آپ کا پہلا نام اختیار خان تھا جب جذب الٰہی دامن گیر ہوا تو آپ اجمیر میں چلے گئے۔ اور کافی عرصہ حضرت خواجہ اجمیری کے بازار میں پڑے رہے۔ ایک دن آپ نے حضرت خواجہ اجمیری کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے پیر نارنول میں ہیں اُن کا نام نظام الدین ہے تم جاؤ۔ آپ نے حضرت شیخ نظام الدین کو دیکھا کہ ایک پرانی چارپائی پر بیٹھے ہیں اور سر جھکا ہوا ہے۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ جو شخص نیند میں اونگھتا رہتا ہو وہ میری اصلاح کیا کرے گا۔ حضرت شیخ نے نورِ باطن سے اختیار الدین کے اس خدشے کو معلوم کیا اور سر اٹھا کر فرمایا کہ آپ کو حضرت خواجہ معین الدین

نے بھیجا ہے ان کے حکم سے میرے پاس آئے ہو۔ اب ان حالات میں شک کرنا یا ڈرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ شیخ اختیار الدین حضرت کی بات سُن کر شرمندہ ہوئے پاؤں چومے اور مرید ہو گئے۔

آپ نے اِن کی تربیت کی اور پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اختیار خان کا نام بدل کر اختیار الدین رکھا۔ حضرت شیخ نظام الدین نے آپ کو خرقۂ خلافت پہنا کر ان کے وطن بھیج دیا وہ کالکا پی کے نزدیک قیام فرما ہوئے وہیں آپ کا مزار بنا ہے پھر آپ کی اولاد اور دوسرے رشتہ دار وہاں سے اُٹھ کر شمس آباد میں آباد ہو گئے۔

آپ کی وفات ۱۰۱۱ھ ہجری میں ہوئی

اختیار الدین چو با صد افتخار
گشت خود مختار در خلد بریں
سن وصال ارتحاش اعظم است
نیز شد از دل عیاں شیخ امین

۱۰۱۱ھ

شیخ جلال الدین کاسی چشتی قدس سرہٗ

آپ کا نام جلال خان تھا پٹھانوں کے کاسی قبیلہ کے بہت بڑے رئیس تھے۔ شیر شاہ سوری کے دربار میں اعلیٰ منصب پر فائز تھے سلطنت افغانان کے زوال کے بعد مغلوں نے انتقامی کاروائیاں شروع کیں تو جلال خان کے دل سے دنیا کے جاہ و جلال سے دل اچاٹ ہو گیا اور شاہ محمد چشتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے مرید ہوئے مگر ایک عرصہ تک فتح کے دروازے نہ کھل پائے ایک عرصہ کے بعد شاہ محمد چشتی نے بتایا۔ کہ آپ کے معاملات شیخ

بدرالدین صاحب ولائیت کے اختیار میں ہیں۔ وہاں جائیں۔ جلال خاں وہاں پہنچے تو ایک عرصہ تک خانقاہ کی جاروب کشی کرتے رہے۔ فارغ اوقات میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے رات کو مجاہدات اور ریاضات میں گزارتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تو ان کے مرشد نے ایک نگاہ سے انہیں منازل سلوک طے کرا دیئے۔ مزار اقدس سے آواز آئی۔ جلال بدرالدین۔ بدرالدین جلال۔ اس طرح آپ کمالات کو پہنچے۔ لوگوں میں بڑی شہرت ملی۔ بے پناہ لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں آنے لگے۔ ایک دن آپ کے دل میں خیال آیا کاش میرا کوئی فرزند معنوی ہوتا تو میں بھی اسے ان فیوضات سے مالا مال کرتا۔ یہ خبر وقت کے صاحب ولایت کو ملی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اب ہم تمہارے لئے فرزند رشید کا بھی بندوبست کریں گے اس کی تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔ اتفاقاً اسی علاقہ میں ایک ہندو کاستھ قوم سے تھا وہ لکھنو کے دربار میں منصب دار تھا۔ اس کا ایک چودہ سالہ بیٹا ظاہری حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھا وہ ان دنوں سعدی کی کتاب گلستان پڑھتا تھا۔ جب وہ گلستان کے دیباچہ میں اس شعر پر پہنچا۔

بلغ العلی بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلوٰا علیہ و آلہٖ

لڑکے نے اپنے استاد سے پوچھا یہ کون شخص ہے جس کی اتنی تعریف کی گئی ہے۔ استاد نے بچے کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ کے حالات سے واقف کیا۔ اور بڑی تعریف فرمائی بچے کے دل پر اس کی گفتگو کا اتنا اثر ہوا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ بچے کے مسلمان ہونے کی خبر نے ہندوؤں میں ایک طوفان برپا کر دیا

ہندوؤں کے شور و ہیجان سے وہ بچہ گھر سے نکلا۔ بدایوں شہر جا پہنچا وہاں اسے جلال الدین کی خانقاہ میں رسائی ہوئی ادھر صاحب ولایت نے روحانی طور پر حضرت جلال الدین کو آگاہ فرمایا جس معنوی بیٹے کی تلاش میں تھے۔ وہ تمہارے پاس آ پہنچا ہے اس کا نام مخدوم عبداللہ رکھو۔ یہی تمہارا جانشین ہوگا۔ شیخ جلال الدین نے اس بچے کی تربیت کی۔ اُسے ظاہری اور باطنی علوم سے پہرہ ور کیا ادھر صاحب ولایت کی روحانی نگاہ نے بچے کی شخصیت کو اور اہم بنا دیا حضرت شیخ کا معمول تھا۔ کہ آدھی رات کو اُٹھتے صاحب ولایت کے آستانہ پر پہنچ کر تلاوت قرآن کرتے صبح نماز کے بعد اپنے اہل و عیال کی طرف شہر میں چلے جاتے تھے۔ ایک دن آپ جا رہے تھے کہ راستہ میں چور رات کا مال تقسیم کر رہے تھے۔ انہیں شک گزرا کہ یہ شخص ہمارے حالات سے واقف ہو گیا ہے کہیں ہم پکڑے نہ جائیں۔ آپ پر تیروں کی بارش کر دی جس سے آپ شہید ہو گئے۔ آپ کو اپنے صاحب ولایت کے مزار کے پاس دفن کیا گیا۔ آپ کی شہادت اکبر بادشاہ کے آخری دور اقتدار میں ہوئی تھی یہ ایک ہزار تیرہ صدی ہجری تھی۔ مخدوم عبداللہ آپ کی جگہ مسند ارشاد پر بیٹھے۔ بڑی شہرت ملی۔ لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ مخدوم عبداللہ کی کشف و کرامات کی شہرت دُور دُور تک پھیلنے لگی۔ مخدوم عبداللہ ساری ساری رات عبادت کرتے۔ اکثر راتیں ایک پاؤں پر کھڑے کھڑے گزار دیتے تھے اس علاقہ کے اکثر لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آتے گئے ان دنوں قصبہ رائے بریلی کے ایک رئیس طاہا بھی آپ کے عقیدت مند ہو گئے تھے اس نے بھی ترک دنیا کر کے یاد الٰہی کو اپنی زندگی بنا لیا مخدوم سید جہانگیر بادشاہ کے عہد حکومت ایک ہزار چوتیس ہجری میں فوت ہوئے اور اپنے مرشد شیخ جلال الدین کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔ شیخ طاہا نے آپ کی مسند سنبھالی۔

چوں جلال آں ولی اہل کمال
صورت سرو شد نباغ جناں
ہست شیخ زمانہ تاریخش
نیز مشتاق حق جلال بخواں

۱۰۱۳ھ

سیّد مزمل چشتی قدس سرہٗ: سید مزمل چشتی شیخ عبدالوہاب جو ہندوستان کے اکابر سادات میں سے تھے۔ کے بیٹے ہیں۔ آپ نے جوانی کے عالم میں اپنے پیر و مرشد کی نگرانی میں بڑی ریاضتیں اور مجاہدے کئے کئی کئی راتیں قیام اللیل فرماتے اپنے مرشد سے اتنے فیضان پائے کہ صاحب کرامات و کمالات بن گئے۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ سید مزمل کو ایک بار خیال آیا۔ کہ وہ اپنے مرحوم والد کی قبر کی زیارت کرے چنانچہ اپنا یہ ارادہ اپنے پیر و مرشد کے سامنے بڑے اصرار سے کیا مگر آپ نے تین بار اس ملاقات سے منع فرمایا۔ مگر سید مزمل کا اصرار بڑھتا گیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اچھا اگر تم اصرار کرتے ہو تو یاد رکھو تم کو اتنے سال شیر شاہ سوری کے لشکر میں ملازمت کرنا ہوگی۔ جب شیر شاہ قلعہ گوالیار کی فتح کے لئے لشکر کشی کرے تو تم اس لشکر میں ساتھ ہو گئے۔ تمہارے لئے ایک کھلی جگہ پر خیمہ نصب کر دیا جائے گا۔ جہاں تم فتح قلعہ کے لئے دعا کرو گے۔ ایک دن وہاں تمہارے خیمہ کے دروازے پر ایک ایسا شخص آئے گا۔ جس کی وضع قلندرانہ اور لباس پھٹا ہوا ہوگا۔ اسے پورے آداب و اخلاق سے پیش آنا وہ تمہارے والد مرحوم سے ملاقات کا بندوبست کرے گا۔ سید مزمل لشکر میں بھرتی ہو گئے کچھ عرصہ بعد واقعی شیر شاہ سوری نے گوالیار پر لشکر کشی کی۔ اور

آپ کا خیمہ نصب کیا گیا۔ ایک دن ایک قلندر آیا اور اس سے دریافت کیا۔ سید مزمل واقعی آپ اپنے والد سے ملنا چاہتے ہیں۔ آؤ۔ خیمہ سے باہر آؤ۔ وہ باہر آئے تو قلندر نے کہا اب آپ دوبارہ خیمہ میں اندر جاؤ۔ آپ کے والد کھڑے ہوں گے۔ سید مزمل آگے بڑھے۔ دیکھا کہ اُن کے والد مرحوم کھڑے ہیں وہ ڈھاریں مار کر روتے روتے والد کے قدموں میں گر گئے۔ لیکن جب سر اٹھایا نہ وہاں والد تھے نہ قلندر۔ واپس اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ ورنہ والد سے باتیں کرنے کا بھی موقعہ مل جاتا تھا۔

سید مزمل ایک عرصہ تک اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں رہے اور کمالات حاصل کرتے رہے۔ آخر کار ۱۰۱۵ھ میں فوت ہو گئے۔

بجنت رفت از دنیائے فانی
چوں آں سید مزمل خواجہ دہر
ولی شیخ جہاں وصلش رقم کن
بخواں سید مزمل خواجہ دہر ۱۰۱۵ھ

۱۰۱۵ھ

شیخ سید چیو قدس سرہٗ حضرت خانوادہ چشتیہ میں بڑے معروف ولی اللہ ہیں۔ آپ اس سلسلہ میں منسلک ہونے سے پہلے دہلی کے بہت بڑے رؤسا میں شمار ہوتے تھے۔ ایک دن حضرت شیخ سلیم چشتی کے ایک مرید سے کہنے لگے مجھے ایسے پیر کی تلاش ہے جو مجھے پہلی ملاقات میں ہی اپنی طرف کھینچ لے۔ اور اس کاروبار دنیا سے ہٹا کر اللہ کی طرف لگا لے میں اس پیر سے بیعت کروں گا۔ اس نے کہا۔ یہ اوصاف تو میرے پیر شیخ سلیم چشتی

میں پائے جاتے ہیں جو فتح پور میں رہتے ہیں۔ سید چبو نے فرمایا۔ میں اس کے پاس اس صورت میں جاؤں گا۔ کہ وہ خود میرے استقبال کے لئے تشریف لائیں اس مرید نے کہا آپ اپنے چاہنے والوں کی آرزوئیں پوری کرتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ چل کر تو دیکھیں۔ دونوں فتح پور کی طرف روانہ ہوئے تو شیخ اسلیم استقبال کو نہ آئے۔ سید چبو کا ساتھی کہتا رہا۔ بس ابھی آتے ہوں گے مگر دونوں فتح پور کے دروازے تک جا پہنچے۔ مگر آپ استقبال کو نہ آئے۔ حتیٰ کہ دونوں آپ کی خانقاہ میں جا بیٹھے مگر اس کے باوجود حضرت سلیم چشتی ان کے سلام کا جواب بھی دینے نہ آئے۔ سید چبو کی رگ حمیت اور دنیا داری بھڑکی۔ آپ غصے سے اٹھے اور دہلی کو روانہ ہوئے۔ حضرت شیخ اسلیم نے سنا تو اپنے ایک خاص مرید کو پیچھے دوڑایا کہ انہیں واپس لے آئیں وہ مرید ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا۔ کہ سید چبو گھوڑے سے اُترے اور خاموشی کے ساتھ سر جھکا کر واپس حضرت اسلیم چشتی کی خانقاہ کی طرف چل پڑے حضرت شیخ کی زیارت ہوئی تو بے خود ہو کر قدموں میں گر پڑے تین دن تک مدہوش رہے۔ تیسرے دن ہوش آیا تو آپ نے بڑی شفقت اور محبت سے اپنایا۔ بیعت سے مشرف فرمایا۔ خرقہ خلافت دیا اور وطن کو روانہ ہونے کی اجازت دی۔

شیخ سید چبو کی وفات سنہ ۱۰۱۵ھ میں ہوئی آپ کا مزار دہلی میں ہے۔

رفت چوں سید نجلد جاوداں
یافت از دیرانہ فانی اماں
گو بسال وصل تاج بوتراب
مقتدائی مہدی عرفانی بخواں

۱۰۱۵ھ

آپ شاہ بکا ہی چشتی کے مرید تھے

شاہ نعمان چشتی برہانپوری قدس سرہٗ: آپ سے بیعت ہونے سے پہلے دولت آباد میں اپنے پیر کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ پیر کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے شاہ نعمان کو اپنے پاس بلایا اور حکم دیا کہ وہ بکا ہی کی خدمت میں جائیں اور اپنا حصہ جا کر وصول کریں۔ شاہ نعمان اپنے پیر کی وفات کے بعد دولت آباد سے روانہ ہوئے اور ہریانہ پورہ پہنچے۔ اور شاہ بکا ہی کی خدمت میں عرض کی کہ میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا تمہارے آنے سے پہلے تمہارے پیر کی زبردست سفارش پہنچ چکی ہے۔ اس کے بعد آپ نے شاہ نعمان کو اپنی خاص تسبیح اور مصلی عنایت فرمایا۔ اور اپنی نظر مقام عصر کا قائل بنا کر قلعہ عیصر کی طرف روانہ فرمایا۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ جب شاہ نعمان قلعہ عیصر کی طرف جانے کے لئے رخصت ہونے لگے۔ تو شاہ بکا ہی کی خدمت میں عرض کی کہ حضور اُس قلعے میں شاہ محمود پہلے ہی موجود ہیں میرے وہاں جانے میں کیا حکمت ہے آپ نے بتایا کہ آج رات تمام اولیاء اللہ حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ میں نے عرض کیا کہ قلعہ عیصر شاہ نعمان کو عطا کیا جائے۔ بادشاہ محمود کے پاس ہی رہے۔ حضورؐ نے حکم فرمایا کہ ہم نے یہ قلعہ شاہ نعمان کو دے دیا ہے اور شاہ محمود کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنا مصلی وہاں سے اٹھالے۔ اُس دن کے بعد شاہ نعمان قلعہ عیصر میں پہنچ گئے اور قیام پذیر ہوئے۔ اپنی دوری کے باوجود علمی درس کے وقت حضرت شاہ نعمان اُڑ کر شاہی بکا ہی کی مجلس میں ہر روز برہانپور پہنچا کرتے تھے درس سننے کے بعد اجازت لے کر واپس چلے آتے۔ اگر کوئی چیز تحفے کے طور پر موجود ہوتی تو اپنے گھر بیٹھے ہی ہاتھ بڑھاتے اور حضرت شاہ بکا ہی

کی خدمت میں پیش کر دیتے۔
شاہ نعمان ۱۰۱۶ھ میں فوت ہوئے۔

برفت از جہاں در بہشت معلیٰ
چو آں شاہِ روئے زمین شاہ نعمان
بگو عاشق مقتدا ارتحالش
بگو پیشوائے یقین شاہ نعمان

۱۰۱۶ھ

شیخ حاجی اویس و توزی قدس سرہٗ:- آپ حضرت پیر قبار کی اولاد سے تھے۔ پٹھانوں میں دتوزی قبیلہ بہت باعظمت اور بہت باوقار ہے آپ اُسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کو پیر قبا کی روحانیت سے بڑا فیض ملا تھا جن دنوں آپ حج کرنے آئے تو حضرت اویس کرنیؒ کی زیارت کرنے کے لئے کرن پہنچے اور وہاں سے وطن واپس آئے۔

معارج الولایت میں لکھا ہے۔ شیخ حاجی کے گھر لڑکا پیدا ہوا تو اُس کا نام داؤد رکھا آپ کی بیوی نے مبارک دی فرمانے لگے یہ ایسا لڑکا نہیں ہے کہ اس کی پیدائش پر مبارک دی جائے تو واقع جب وہ لڑکا جوان ہوا تو پاگل ہو گیا شیخ کو اللہ نے ایک بیٹی دی۔ جب وہ جوان ہوئی تو آپ نے ایک یوسف نامی نوجوان کو کہا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی تم سے کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم قبول کرو۔ تو مجھے بتاؤ نوجوان نے کہا کہ میں اپنی والدہ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم میرے خلوص کو ٹھکرا رہے ہو۔ تم نے میری لڑکی قبول نہیں کی۔ جاؤ تمہارے ہاں کبھی اولاد نہیں ہو گی۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ شیخ یوسف نے بے شمار عورتوں سے نکاح کئے لیکن کسی کے ہاں بھی اولاد نہ ہوئی۔ شیخ حاجی اویس قصور

میں پیدا ہوئے وہیں زندگی گزری اور وہاں ہی ان کا مزار ہے۔ آپ کی وفات ۱۰۱۷ھ میں ہوئی۔ ہم نے اوپر پیر قبار چشتی کا ذکر کیا ہے ہم اُن کے تھوڑے سے حالات معارج الولایت اخبار الاولیاء اور شجرا چشتیہ سے لکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کا نام نامی شیخ دلو تھا اور لوگ انہیں پیر قبار بن شعورا بن خشکی کہتے تھے۔ خٹکیرنی اور خش کی پٹھانوں کے قبیلے ہیں جو چشتی فقرا سے تعلق رکھتے ہیں۔ شعور پٹھانوں کے تین بیٹے تھے۔ ایک کا نام پیر قبار تھا۔ دوسرے کا نام حسین خشکی۔ تیسرے کا نام خلف خشکی تھا۔ ان تینوں میں سے پیر قبار بڑے بھی تھے اور بزرگ بھی تھے جب ان کے دل میں اللہ کی طلب کی آگ بھڑکی تو وہ کسی پیر کامل کی تلاش میں نکلے۔ وہ بڑے بڑے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر دل کو تسلی نہ ہوئی۔ آخر قصبہ سیس قطب الدین خواجہ چشتی کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت خواجہ نے آپ کو اپنے پاس بٹھایا اور اپنی خانقاہ میں رکھ لیا۔ اور حکم دیا کہ لنگر کا کھانا پکانے کے لئے پانی لایا کرو پیر قبار چالیس سال تک لنگر کے لئے پانی لاتے رہے جس وقت خواجہ کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ نے پیر قبار کو اپنے پاس بلایا اور فقر خلافت خصوصی عنایت فرمایا اور اجازت دی کہ وہ اپنے وطن واپس چلے جائیں چونکہ پیر قبار کو خواجہ سے بڑی محبت تھی۔ آپ وطن کو واپس نہ آئے۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد اُن کے مزار پر وہی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ ایک رات خواجہ نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ اب تم اپنے وطن کو واپس چلے جاؤ آپ وطن واپس آئے پشاور کے کوہستان کے پٹھان بڑے سنگ دل تھے انہوں نے آپ کی بزرگی کو تسلیم نہ کیا اور بزرگی کی سند طلب کی۔ کہنے لگے کہ اگر اسی وقت دو کبوتر جنگلی اُڑتے اُڑتے آئیں اور تمہارے گریبان میں گھس جائیں اور بازو کے راستے باہر نکلیں پھر ہمیں تسلی ہوگی کہ تم ولی اللہ ہو۔ چنانچہ غائب سے دو کبوتر آئے اور گریبان میں گھس

گئے اور بازد کے راستے باہر نکل آئے۔ یہ کرامت دیکھ کر پشاور کے قریب کے لوگ آپ کے مرید ہو گئے خصوصاً خشکی قبیلہ آپ کا عقیدت مند بن گیا۔ پیر قبار نے ان کبوتروں کے حق میں دُعا کی اور مریدوں کو حکم دیا کہ آج کے بعد کوئی شخص نہ کبوتر کا شکار کرے اور نہ ذبح کرے۔

آپ نے اعلان کیا کہ جو شخص کبوتروں کو تکلیف دے گا یا وہ مرجائے گا۔ یا بے اولاد رہے گا۔ یا تنگ دست ہو جائے گا۔ آج تک خشکی پٹھانوں میں یہ رسوم چلی آرہی ہے کہ کوئی کبوتر کا شکار نہیں کرتا۔ تلقین نو مریدین میں لکھا ہے۔

چوں زد تو خوارق عادات
خوان ستہ قوم بر مکشوفات
دو کبوتر موافق گفتار
ز استین دو شیخ شد طیار
قوم را گفت شیخ بعد ازان
چونکہ شد بر دلاتشیں برہان
جنس این طیر ز اغر ندھید
گر مریدان خاص دال بیند
این کی خوارق از یزدان بود
خارقش دا کجا شمار بود

اگرچہ پیر قبار کی توجہ سے بے پناہ مخلوق کو ہدایت ملی مگر آپ کے مرید کامل شیخ بطق تھے۔ آپ بڑے صاحب کرامت ولایت اور ہدایت کے مالک تھے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ خشکی کے بیٹے آپ کے مرید اور پدر زادہ تھے بعض کہتے ہیں کہ شیخ بطق خواجہ چشتی کے پوتے تھے۔ اُن کے والد کا نام عمر تھا۔ اور حضرت پیر قبار نے

اُن کے حق میں دُعا کی تھی کہ قیامت تک اُن کی اولاد میں مصرف باقی رہے گی پیر قبار ۵۵۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔

اخوند سعید شوریانی قدس سرہٗ ثانی:- آپ کو ابوالحسن خرقانی ثانی کہتے تھے کیونکہ آپ کو ابوالحسن خرقانی سے خرقہ ملا تھا۔ اسی طرح آپ کو پیر قبار کی روحانیت سے تربیت حاصل ہوئی تھی جب آپ درجہ کمال کو پہنچے تو بھی پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے۔ شریعت کے احکام کے نفاذ میں بڑے ہی سخت تھے۔ آپ کی نظر میں بادشاہ فقیر ایک جیسے ہی تھے بلکہ بعض اوقات فقیروں سے زیادہ محبت اور شفقت کرتے تھے۔ امیروں سے دور رہتے اور اُن کو اپنا مرید بھی نہ بناتے تھے۔ قوالی سنتے سماع کی مجلس میں بن بلائے بھی چلے جاتے اور وہاں پہنچ کر وجد اور رقص کرتے۔ اخبار الاولیاء اور معارج الولائیت میں آپ کی بڑی بڑی کرامتیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ کھانا پکاتے ہنڈی میں زیادہ نمک ڈال دیتے لیکن جب پک جاتا۔ پھر جو بھی کھاتا اس کو پورا لگتا۔ ایک دفعہ ایک آدمی گجرات چلا گیا مدت گذرنے کے بعد اُس کی کوئی خبر نہ آئی اُس کے رشتہ داروں کو بڑی فکر ہوئی ایک دن ایک شخص حضرت اخوند کی خدمت میں آیا۔ اور آکر گم شدہ آدمی کے رشتہ داروں کا رنج کیا۔ آپ نے تھوڑی سی خاموشی کے بعد فرمایا کہ فلاں شخص فلاں مہینے فوت ہو گیا ہے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد گجرات سے اُس کے فوت ہونے کی خبر پہنچی تو وہی تاریخ تھی جو حضرت اخوند نے بتائی تھی ایک بار ایک ہندو راجپوت حاضر ہوا کہنے لگا کہ اکبر بادشاہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔ آپ دعا کریں کہ وہ راضی ہو جائے آپ جو ہدیہ کہیں گے میں پیش کروں گا۔

آپ نے فرمایا تم بادشاہ کے پاس چلے جاؤ کوئی فکر نہ کرو۔ میں نے بادشاہ

کی زبان بند کر دی ہے جب تم پہنچو گے تو بادشاہ انعام دیں گے۔ جب تم انعام لے کر واپس آؤ اور ایک موٹا سا دنبہ میرے لئے لانا۔ راجپوت دربار میں پہنچا بادشاہ سے خلعت پائی تو دنبوں کا ایک ریوڑ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا مجھے تو بس ایک ہی دنبہ دو۔

حضرت اخوند سعید کی وفات ۱۰۱۸ھ میں ہوئی۔ اور آپ کا مزار قصور میں ہے

وصل شد با وصل حق چون از جہاں
پیر حق گو شیخ حق آمین سعید
فضل حق دان شیخ حق گو رحلتش
نیز کن تحریر خیر دین سعید

۱۰۱۸ھ

شیخ نظام الدین بن شیخ عثمان زندہ پیر پانی پتی قدس سرہٗ:۔ آپ مشائخ چشت میں بڑے معروف بزرگ تھے۔ زہد و تقویٰ۔ ورع و فقر میں ہمہ تن مصروف تھے۔ آپ نے اپنے والد عثمان زندہ پیر سے ہی بیعت کی تھی۔ یہ دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی کا اسم گرامی شیخ کمال تھا۔ جو بڑے صاحب کمال و جمال تھے۔ آپ نے اپنی علمی اور روحانی کوششوں سے بڑا نام پایا تھا۔ اکابرین وقت نے شاہ کمال کو اپنے والد کا جانشین قرار دے کر سجادہ نشین بنا دیا گیا۔ مگر شاہ کمال نے انکار کر دیا اور ذکر و فکر کو ہی اپنایا۔ ان کی جگہ شیخ نظام الدین سجادہ نشین بنے۔ اور اپنے والد کے سلسلہ کو جاری رکھ کر خدمت خلق میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی وفات ۱۰۱۸ھ میں ہوئی تھی۔

چوں نظام الدین نظام دو جہاں
از جہاں آخر بجنت شد مقیم
سالِ ترحیلش چو جستم از خرد
شد عیاں مخدوم محبوب کریم

شیخ رحمت اللہ شوریانی قدس سرہٗ: آپ پیر کیار کی اولاد میں سے تھے اور انہی کے سلسلہ میں روحانی فیض پایا تھا۔ معارج الولائیت میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پرندوں چرندوں اور درندوں کی باتیں معلوم کرنے کی صلاحیت عطا کی تھی۔ آپ جدھر جاتے اللہ کی ہر قسم کی مخلوق سے باتیں کر لیتے اور ان کی سن لیتے تھے۔ ایک دن ایک بہت بڑے سانپ سے باتیں کر رہے تھے۔ جب لوگ قریب آئے تو سانپ اپنی بل میں گھس گیا اور آپ اپنے راستہ پر چل دیئے۔

آپ کی وفات ۱۰۲۵ھ میں ہوئی مزار پر انوار قصور شہر میں ہے۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ پڑھانے کے لئے ایک شخص غیب سے آئے گا۔ اسی کی امامت کرانا۔ اور مجھے میرے آبائی قبرستان میں دفن کرنا۔ ایسا ہی ہوا کہ جب نماز جنازہ کے لئے صفیں درست کیں تو غائب سے ایک بزرگ آئے جنہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

چونکہ رحمت ابر رحمت بحر ام
از جہاں در رحمت حق شد نہاں
سالِ وصلش پیر رحمت اقدس است
مقتدائے عشق ہم آمد عیاں

۱۰۲۵ھ

شیخ محمد بن فضل اللہ قدس سرہٗ:- آپ کے دادا کا نام شیخ محمد صدر ہے آپ کے بزرگوں کا نسب حضرت صدیق اکبرؓ تک پہنچتا ہے آپ کے بزرگ جون پور میں رہتے تھے۔ مگر شہر گجرات میں پیدا ہوئے چھوٹے ہی تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ نوجوانی میں حضرت شیخ گجراتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ اجازت پایا۔ مگر مکہ معظمہ چلے گئے وہاں بارہ سال مشائخ متقین کی خدمت میں رہے واپس ہندوستان آئے اور احمد آباد میں قیام کیا۔ وہاں ہی آپ کی شادی ہوئی۔ شیخ الدین گجراتی کی مجلس میں بیٹھ کر ظاہری علم حاصل کئے۔ پھر حضرت شیخ خان جون پوری کی خدمت میں گجرات چلے گئے۔ شیخ خاں نے اُن کے والد ماجد کی زبان سے سنا تھا۔ کہ ہمارا بیٹا قطب الوقت ہوگا آپ نے شیخ محمد کی بڑی ہی عزت کی۔ شیخ ابو محمد صفر یتمی آپ کے والد کے مرید تھے اور قلعہ علیسر میں رہتے تھے۔ آپ نے شیخ وحید الدین اور شیخ ماہ کو لکھا کہ آپ کا شہباز ابھی پرواز نہیں کر رہا۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ اُس کی پرواز آپ کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ شیخ محمد کو علیسر بھیج دیا گیا۔ وہاں جاکر وہ روحانی نعمتیں حاصل کیں جو آپ کے والد بزرگوار نے شیخ حضر یتمی کے سپرد کی تھیں وہاں سے واپس آکر برہان پور میں قیام کیا۔ ظاہری اور باطنی علم کا سلسلہ جاری کیا۔ اور چشتیوں کے مشہور بزرگوں میں شمار ہونے لگے شیخ محمد کو حضور نبی کریمؐ سے اتنی ارادت محبت اور اخلاص تھا کہ ہر سال بے اختیار ہوکر مدینہ شریف کی طرف روانہ ہوجاتے اور کئی منزلیں طے کرنے کے بعد حضور کے حکم سے واپس آتے۔ آپ کی صبح شام سنتِ نبوی اور شریعتِ محمدی کے مطابق گزرتی تھی۔ جتنے نذرانے آتے اُس کے تین حصے کر لیتے ایک حصہ بیوی بچوں کو دیتے ایک حصہ درویشوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے اور ایک حصہ سارا سال جمع کر کے مدینہ پاک

بھیج دیتے۔

سفینۃ الاولیاء کے مصنف نے آپ کی وفات بروز سوموار ۲ ماہ رمضان ۱۰۲۵ھ لکھی ہے۔ خواجہ ہاشمؒ آپ کی تاریخ وفات ابن فضل اللہ آپ کی عمر ۸۶ سال تھی۔ اور آپ کا مزار مبارک برہان پور میں ہے۔

آپ پیر قبار کی اولاد سے تھے۔

مولانا شیخ احمد شوریانی قدس سرہٗ:۔ آپ کے والد خواجہ غلام معین الدین خواجہ خیشوگی تھے۔ جنہوں نے معارج الولائیت اور اخبار اولیاء لکھی ہے آپ بہت بڑے عالم دین اور خطہ پنجاب کے شیخ کامل تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم حضرت اسحاق بن شاہ کاکو لاہوری سے حاصل کیا۔ شیخ صاحب حضرت فریدالدین گنج شکر کی اولاد سے تھے۔ لاہور میں آپ کی علمی فضیلت اور روحانی درجوں کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ بہت سے لوگ آپ کی شاگردی سے وابستہ تھے شیخ احمد قصور سے اُٹھ کر شیخ اسحاق کی خدمت میں لاہور آئے اور علمی اور ادبی سرمایہ حاصل کیا۔ خویشگی اور شورہ پٹھانوں میں اتنا بڑا ظاہری علوم کا عالم اور باطنی رموز کا واقف کوئی نہ تھا۔ زہد اور عبادت میں بے مثال تھے۔ قرآنی دعائیں وظیفے کے طور پر پڑھتے تھے۔ چہل اسم دعائے سیفی اور حزب البحر پورے آداب اور شرائط سے پڑھتے تھے۔ فرائض کے علاوہ ہر روز نفل اشراق ضحیٰ اور تہجد باقاعدگی سے ادا کرتے جو مشکل مسائل علماء سے حل نہ ہوتے تھے۔ آپ کے پاس حل ہوتے تھے آپ شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی کے ہم عصر تھے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق دہلوی اور شیخ عیسیٰ سندھی برہان پوری آپ کے احباب میں سے تھے یہ تینوں بزرگ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ شیخ عبداللطیف برہان پوری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی عمر میں دو شخصوں کو ظاہری اور باطنی علوم میں ماہر دیکھا

ہے ایک شیخ عبدالوہاب متقی اور دوسرے شیخ احمد تھانیسری میں نے اُن سے ملاقات کی ہے۔ اُن جیسا علوم جاننے والا کوئی نظر نہیں آیا۔ اگر آپ کے پاس کوئی طالبعلم پنجاب سے جاتا آپ اسے واپس بھیج دیتے اور فرماتے جب تمہارے پاس قصور سے شیخ احمد تھانیسری شریعت اور طریقت کا دربار بہا دیا ہے تو تم پیاسے اس چشمے پر کیوں آئے ہو۔ تم اُن کے پاس چلے جاؤ تمہیں خدا تک پہنچا دیں گے۔ شیخ احمد کتابیں لکھنے سے اجتناب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ پہلے بزرگوں نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ ہاں ان کی ایک کتاب رسالہ احمدی جو انہوں نے بے دینوں کے خلاف لکھی تھی اکسیرِ اعظم کی حیثیت رکھتی ہے بڑی مقبول ہوئی تھی۔

شیخ احمد ۱۰۳۰ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

شد چو در بزم محمد در جنان
احمد آن حامیٔ دین احمدی
احمد واعظ بگو تاریخ او
نیز ہادی احمد فاضل ولی

۱۰۳۰ھ

شیخ محمد سلیم چشتی صابری لاہوری قدس سرہٗ

آپ شیخ محمد صدیق چشتی لاہوری کے خلیفۂ کامل تھے۔ آپ عشق و محبت۔ جذب و سکر۔ سماع و وجد اور فقر میں بلند مقام کے مالک تھے۔ آپ کا صوفیا میں بھی بڑا بلند مقام تھا۔ سماع کے دوران آپ کو یہ کیفیت ہوئی کہ بعض اوقات یہ گمان ہوتا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں دو دو تین تین دن مست اور بے ہوش رہتے آخر کار ۱۰۳۰ھ ہجری میں اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ آپ کا مزار اپنے پیر و مرشد کے

مزار کے پہلو میں میدان زین خان میں ہے۔

چو از دنیا بفردوس برین رفت
سلیم آن شیخ عالم شاہ حق بین
بگو سال وصال آن نشہ دین
دگر فیض سلیم آید وصالش

۱۰۳۰ھ

میر سید محمد کاپسی قدس سرہٗ: ابتدائے کار میں حضرت ابوالاعلیٰ نقشبندی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور سلسلہ نقشبندیہ کی تربیت حاصل کرتے رہے۔ ایک بار حضرت خواجہ اجمیری کے دربار میں حاضر ہوئے۔ روضہ کی زیارت کی۔ حضرت خواجہ خواب میں ملے اور ارشاد فرمایا۔ کہ ہمارے ملک میں آکر ہمارے طریقہ چشتیہ پر ہی چلنا چاہیئے سماع کی مجالس میں حاضر دینی چاہیئے۔ چنانچہ آپ روحانی طور پر حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے مرید ہو گئے۔ اور باطنی طور پر اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے لگے فیضان چشتیہ کے علاوہ آپ کو دوسرے سلاسل تصوف سے بھی فیض ملا تھا۔ آپ سماع میں بڑا غلو فرماتے اور ہر سال حضرت خواجہ اجمیری کے مزار پر انوار کی زیارت کو جاتے ایک دن آپ کے روضہ انور کے سامنے بیٹھے تھے کہ آپ پر بے ہوشی اور بے خودی طاری ہونے لگی کہ حضرت خواجہ روضے سے باہر تشریف لائے اور آپ کے منہ میں پان رکھا تو آپ ہوش میں آگئے اگرچہ یہ ملاقات روحانی اور باطنی تھی۔ مگر جب آپ کو ہوش آیا تو وہ پان آپ کے منہ میں موجود تھا۔ پھر حضرت خواجہ اجمیری سے اتنی قربت ہو گئی کہ جب دل چاہتا زیارت ہو جایا کرتی تھی اور فیضان حاصل کر لیا کرتے تھے ہمیشہ تدریس میں مشغول رہتے۔ لوگ آپ سے ہر سلسلہ سے

فائدہ حاصل کرتے تھے۔ اغنیا اور امرا سے دُور رہتے اگر کوئی رئیس آجاتا تو اس کی تعظیم نہ کرتے ہاں غربا اور مساکین کو نوازتے کئی بار بادشاہ آئے مگر آپ تعظیماً نہیں اٹھے۔ آپ نے تفسیر سورۃ فاتحہ لکھی اور اس کا نام رواج رکھا تھا۔

آپ ۱۰۳۱ھ میں فوت ہوئے۔

چو در خلد منور گشت اوش
جناب ماہ لقا سید محمد
ز شمس المتقین جوار تحالش
دگر سرِ خدا سید محمد
۱۰۳۱ھ

شاہ اعلیٰ چشتی پانی پتی قدس سرہٗ:-

آپ اعلیٰ مراتب اور بلند درجات کے مالک تھے۔ آپ کو اپنے والد نظام الدین رحمۃ اللہ سے خرقۂ خلافت ملا۔ پھر آپ نے شیخ نظام نارنولی سے بھی خلافت پائی کسی نے آپ کے حق میں کیا خوبصورت شعر کہا ہے۔

نظامش پیرو ہم پدرش نظام است
نظام دو جہان روئے تمام است

ایک شخص اللہ دیا جو آپ کا مرید تھا نے آپ کے ملفوظات اور واقعات پر ایک کتاب لکھی جس کا نام جواہر اعلیٰ تھا۔ اُس میں آپ کے تمام حالات اور مقامات لکھے گئے ہیں۔ ان کا اپنا نام عبدالسلام تھا مگر شیخ نظام نارنولی نے آپ کو شاہِ اعلیٰ۔

سیر الاقطاب کے مصنف فرماتے ہیں کہ شاہ اعلیٰ ابتدائی عمر میں بابر کے ایک امیر خزاخان کی نوکری کرتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد ان کا کاروبار اس قدر کمال

کو پہنچا کہ بابر کی ساری فوج میں ان جیسا کوئی تیر انداز نہ تھا۔ آپ لشکر سے نکل کر طالب الٰہی دہلی سے پانی پت پہنچے۔ اور والدِ مکرام کو اپنے دل کی کیفیت سے آگاہ کیا۔ والد مکرام کے حکم پر آپ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے روضے کے ساتھ حجرے میں چلہ کاٹنے بیٹھ گئے آپ یہاں بڑی ریاضتیں اور مجاہدہ کرنے لگے ابھی چالیس دن پورے نہیں ہوئے تھے کہ ایک دن حجرے کا دروازہ بند تھا شیخ نظام الدین نارنولی حجرے کے اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارا باطنی حصہ میرے پاس ہے تم میرے پاس نارنول میں آؤ۔ آپ بے خودی کے عالم میں گرتے پڑتے نارنول پہنچے اور شیخ نظام نارنولی کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کے کام کی تکمیل ہوئی۔ خرقہ خلافت ملا اور شاہ اعلیٰ کے خطاب سے ممتاز ہوئے۔

شیخ اللہ دیا جو آپ کے ملفوظات کا مولف ہے اور آپ کا مرید خاص بھی ہے لکھتا ہے کہ ایک بار میں نے حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر کی بارگاہ میں نذر مانی میرا کام میری مرضی کے مطابق ہوا۔ تو میں ایک دن نذر ادا کرنے کے لئے شاہ اعلیٰ کو لے کر حضرت بوعلی قلندر کے مزار کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں سخت بارش نے آلیا۔ مگر آپ نے فرمایا فکر نہ کرو بارش تم پر نہیں برسے گی۔ میں نے دیکھا ہم سے دس دس قدم دُور فاصلے پر بارش ہو رہی ہے لیکن ہم پر ایک قطرہ بھی نہیں گر رہا۔ اس طرح ہم محفوظ حضرت قلندر کے روضہ پر پہنچ گئے۔ ہم نے وہاں دیگیں پکائیں۔ انہیں تقسیم کیا۔ لیکن اتنی زوردار بارش کے باوجود ہم پر ایک قطرہ بھی نہ گرا۔ حالانکہ ہمارے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔

سیر الاقطاب میں لکھا کہ شاہ اعلیٰ کے مریدوں میں سے ایک مرید نے سونے کی کچھ اشرفیاں چمڑے کے تھیلے میں ڈال کر اپنے حجرے میں دفن کر دیں چند مہینوں

کے بعد جب اُسے ضرورت پیش آئی تو اشرفیاں تلاش کیں۔ زمین کھودی گئی۔ لیکن اشرفیوں کا نام و نشان نہ ملا۔ تھک ہار کر شاہ اعلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورتحال پیش کی۔ حضرت شاہ اعلیٰ بذات خود اس کے گھر تشریف لے گئے ابھی اُس کے گھر نہ پہنچے تھے راستے میں ایک کُدی زمین پر ماری اور فرمایا یہاں اپنا مال تلاش کرو۔ اس شخص نے وہاں سے زمین کھودی اسے اپنے چمڑے کے تھیلے میں اشرفیاں پڑی مل گئیں وہ حیران رہ گیا اور عرض کی کہ میں نے اپنی اشرفیاں حجرے میں دفن کیں تھیں لیکن اب یہ راستے سے برآمد ہوئیں ہیں۔ خدا معلوم یہ کیا راز ہے۔ آپ نے فرمایا یہ اسرارِ الٰہی ہے ان کا انکشاف نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت شاہ اعلیٰ کے دو لڑکے تھے ایک کا نام شاہ منصور اور دوسرے کا نام شاہ نور تھا۔ دونوں آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے البتہ شاہ منصور کا ایک لڑکا شاہ محمد زندہ تھا جو اپنے دادا بزرگوار کی مسندِ ارشاد پر بیٹھا۔ حضرت شاہ اعلیٰ کی خانقاہ میں ایک کنواں ہے جو آپ نے خود کھودا تھا۔ جب وہ مکمل ہو گیا تو اُس کا پانی کھارا نکلا۔ مریدوں نے آپ کی خدمت میں اس پانی کے متعلق شکایت کی۔ اتفاقاً وہاں ایک شخص چند روٹیاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار سے لے کر حاضر ہوا حضرت شاہ اعلیٰ نے ان روٹیوں کو اپنے ہاتھ سے توڑا اور کنوئیں میں ڈال دیا۔ دعا کی اور فرمایا کہ اب پانی نکالو اور پیو۔ جب پانی نکالا گیا تو وہ میٹھا بھی تھا اور ٹھنڈا بھی۔

شاہ اعلیٰ کی ولادت ۸۹۰ ہجری میں ہوئی اور وفات ۱۰۳۳ ہجری میں ہوئی آپ کی عمر ۱۴۲ سال تھی۔ سیر الاقطاب کے مصنف نے آپ کی تاریخ ولادت لفظ فیاض سے برآمد کی ہے اور تاریخ وفات شیخ اللہ سے برآمد کی ہے۔ آپ کے فوت ہونے کے چند سال بعد ایک ضعیف عورت جس کا شاہی خاندان سے تعلق تھا۔ آپ کا مزار بنانے لگی، عمارت شروع ہوئی مگر عمارت بنانے والے معمار نے خواب میں دیکھا

کہ حضرت شاہ اعلیٰ سے اپنی قبر کے سرہانے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ عمارت کا جو چبوترا تم بنا رہے ہو اس سے ہمارے صندوق کا تختہ ٹوٹ گیا ہے اور ایک اینٹ صندوق میں گر گئی ہے۔ مناسب ہے کہ تم چبوترے کو گرا دو اینٹ کو صندوق سے باہر نکالو اور صندوق کے تختے کو درست کر کے دوبارہ چبوترا بناؤ۔ صبح ہوئی تو وہ معمار اس شاہی خاندان کی عورت کے پاس گیا اور رات کے خواب کا قصہ بیان کیا اُس نے کہا کہ جس طرح شاہ اللہ نے حکم دیا ہے اُس پر عمل کیا جائے شہر کے بڑے بڑے لوگ جمع ہوئے چبوترے کی عمارت کو ہٹا دیا گیا۔ صندوق باہر نکالا گیا سب لوگوں نے دیکھا۔ واقعی صندوق کا تختہ ٹوٹا ہوا ہے اور اُس کے اندر اینٹ پڑی ہوئی ہے یہ اینٹ حضرت کے زانوں کے نیچے تھی۔ دایاں پاؤں دراز تھا۔ لیکن بایاں پاؤں اینٹ کی وجہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ کا سارا جسم صحیح و سالم موجود ہے آنکھیں اُسی طرح روشن ہیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں۔ چنانچہ شہر کے رہنے والے چھوٹے بڑے آپ کے دیدار پُر انوار سے فیض یاب ہوئے صندوق کے تختے کو درست کیا گیا اور از سر نو عمارت کی بنیاد کو تیار کر کے اٹھایا گیا

جناب شاہ اعلیٰ پیر سلام
نظام دین و دنیا شیخ والا
بگو بالغ نخوان غالب بترجیل
دگر سرور معلیٰ شاہ اعلیٰ

۱۰۳۳ھ

حضرت بایزید تبک زئی قدس سرہٗ اپنے وقت کے کاملین میں سے تھے حضرت شیخ تبک سے

زیبت روحانی ملی تھی۔ معارج الولایت کے مولف لکھتے ہیں۔ کہ ایک دن حضرت بایزید مجلس سماع میں موجود تھے۔ طبیعت پر سخاوت کا غلبہ آیا۔ فرمانے لگے ہے کوئی جسے میں خدا رسیدہ بنادوں۔ مجلس میں شورہ قبیلے کے تین پٹھان بیٹھے تھے۔ ایک شیر خان انجوزی۔ دوسرا پایندہ انجوزی تیسرا شیخ صدرالدین دتوزی تھا تینوں اٹھے۔ حضرت شیخ سے معانقہ کیا اُسی وقت تینوں خدا رسیدہ بن گئے۔ اس کے بعد حضرت شیخ جب بھی مجلس سماع میں بیٹھتے تو وجد کی حالت میں یہی کلمہ زبان پر لاتے۔ اور اس طرح سینکڑوں لوگ خدا رسیدہ ہو گئے۔ ایک دن مجلس میں ایسا بیگانہ آدمی موجود تھا جو ان مقامات کو نہ جانتا تھا اُٹھا اور شیخ سے معانقہ کرنا چاہا۔ تو دیکھا اُس کے اور شیخ کے درمیان ایک بڑی صندوق ہے جس میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں تو فوراً پیچھے ہٹ گیا۔

حضرت شاہ بایزید کی اہلیہ فرماتی ہیں کہ میں صبح کی نماز کے بعد شیخ کو باہر مصلیٰ پر بیٹھے دیکھا کبھی تو وہ ایک ضعیف بوڑھے کی طرح نظر آتے اور کبھی نوجوان خوبصورت دکھائی دیتے۔ کبھی میں دیکھتی کہ وہ ایک چھوٹے بچے کی شکل میں بیٹھے ہیں اور کبھی یوں محسوس ہوتا کہ بہت بڑا شیر بیٹھا ہے۔ جب میں نے پہلی مرتبہ انہیں شیر کی شکل میں دیکھا تو میں ڈر گئی۔ خوف وحراس کی وجہ سے کانپنے لگی۔ آپ فوراً اصلی شکل میں آگئے اور کہنے لگے ڈرو نہیں۔ اللہ کے شیروں کے گھر جنگل کے شیر نہیں آسکتے۔

ایک بار شیخ سفر کرتے کرتے آگرہ شہر میں پہنچے۔ انہوں نے دیکھا کہ کسی شخص کی کھوپڑی راستے میں پڑی ہوئی ہے آپ نے چاہا کہ اُس سے بات کریں۔ آپ نے اُسے غور سے دیکھا تو اُس نے اپنے سارے حالات بتادیئے۔ حضرت شیخ نے اُس کے لئے فاتحہ پڑھی اور دعائے مغفرت کر کے آگے چلے۔

شیخ خان ام جوزی جو آپ کا فیض یافتہ تھا۔ راستے میں جا رہا تھا کہ ایک مست ہاتھی دوڑاتا ہوا آ رہا تھا۔ ہاتھی والے نے دور سے کہا کہ بابا ہٹ جاؤ۔ ہاتھی مست ہے کہنے لگے مست کو مست سے کیا کام۔ جب ہاتھی آپ کے نزدیک پہنچا تو سر جھکا دیا۔ آپ نے اُس کے سر کو اٹھا کر اونچا کیا اور فرمایا اگر میں اِس کے سر کو سہارا نہ دیتا تو یہ قیامت تک اسی طرح پڑا رہتا۔ ایک دن شیر خان مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک بوڑھی عورت آئی اور آ کر کہنے لگی۔ میرا ایک عزیز سخت بیمار ہے اور مرنے کے قریب ہے۔ آپ اُس کی شفا کے لئے دعا فرمائیں آپ نے چند لمحے سر جھکایا اور پھر بوڑھی عورت کو کہنے لگے اس کی عمر تو ختم ہو گئی ہے میں نے بڑی تلاش کی لیکن اُس کی حیاتی نہ پا سکا۔ اب اِس کے بغیر چارہ نہیں کہ میں اپنی عمر اُسے دے دوں۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنی چادر زمین پہ بچھائی اُس پہ لیٹ گئے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے جان اللہ کے حوالے کر دی۔ اُسی دن سے اُس بوڑھی عورت کا عزیز بیٹا شفایاب ہو گیا۔

شیخ صدر الدین المشہور شیخ صدو بھی آپ کے دوسرے خلیفہ تھے وہ بھی مردِ کامل تھے لیکن دیوانوں کی طرح بازاروں میں گھومتے پھرتے تھے۔ شہر کے بچے ان کے پیچھے شور مچاتے اور کہتے بابا روٹی دے۔ وہ اپنی کرامت سے بغل سے روٹیاں نکالتے جاتے اور بچوں کو دیتے جاتے ایک دن اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں سخت بارش شروع ہو گئی کہیں پناہ کی جگہ نہ تھی فرمانے لگے فکر نہ کرو بارش تم پر نہیں برسے گی۔ ایسا ہی ہوا چاروں طرف بارش برستی رہی لیکن ان پہ ایک قطرہ بھی نہ گرا۔

شیخ پائندہ دوزی آپ کے تیسرے خلیفہ تھے وہ بھی وقت کے عظیم الشان ولی اللہ تھے جو شخص آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی پی لیتا وہ ولی اللہ ہو جاتا آخری

عمر میں اپنے بھائیوں سے لڑ جھگڑ کر قصور کو چھوڑا اور موضع خورم میں چلے گئے باقی عمر وہیں رہے جہاں آپ کو بڑی مقبولیت ملی۔

حضرت شیخ بایزید ۱۰۳۵ھ ہجری میں فوت ہوئے تھے

رفت از دنیا چو در خلد بریں
عالم اسرار عامل بایزید
اہل حق فیاض گو تاریخ او
نیز فرما شیخ کامل بایزید

۱۰۳۵ھ

خواجہ نظام الدین بن شیخ عبدالشکور بلخی تھانیسری قدس سرہٗ: آپ ہندوستان کے بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ ظاہری اور باطنی تصرف کے مالک تھے مذہبًا حنفی تھے اور چشتی صابری تھے آپ کی نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے آپ شیخ جلال الدین تھانیسری کے بھتیجے تھے اور داماد بھی تھے۔ خلیفہ بھی تھے اور جانشین بھی تھے۔ اور آپ کے ہی سجادہ نشین تھے۔ اگرچہ آپ نے ظاہری علوم میں اُستاد سے ایک سبق نہ پڑھا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں علم لدنی سے آپ کو نوازہ تھا اور آپ پر ظاہری اور باطنی علوم کے کمالات منکشف ہو گئے تھے۔ باوجودے کہ اُمی تھے مگر بڑے بلند حقائق اور نقطے بیان کیا کرتے تھے۔ آپ کی گفتگو موتی کی لڑیاں تھیں۔ اُمی ہونے کے باوجود آپ کی تصانیف شرح لمحات مکی و مدنی بڑی مشہور ہوئی۔ ایک رسالہ حقیقت لطیفہ باطن وجود لکھا۔ ریاض القدس کے نام سے قرآن کے آخری دو سپاروں کی تفسیر لکھی۔ امام غزالی کے رسالے کی شرح لکھی۔ علماء بلخ کے اعتراضات کا جواب رسالہ بلخی میں دیا۔

سماع کے جواز میں ایک مکمل کتاب لکھی آپ کو سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں خاص مقام حاصل تھا وہ بات کرنے میں کسی کے مقلد نہیں تھے جو اُن پر اللہ کی طرف سے کشف ہوتا وہ اپنی کتابوں میں لکھ دیا کرتے تھے۔ وہ شریعت اور طریقت کے علوم میں اپنے وقت کے تمام علماء سے بڑھ گئے تھے۔ ان علوم کے علاوہ آپ کو علم کیمیا و سیمیا اور ریمیا میں بڑی مہارت تھی۔ غائب کے خزانے اور زمین میں دبے ہوئے سونا چاندی کے ذخیرے آپ کو نظر آجاتے تھے۔ اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد سجادہ نشین بنے۔ تو آپ کی کرامتیں اور کرامات دنیا میں پھیل گئیں۔ شہزادہ سلیم نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا۔ انہوں نے ہی اُسے ہندوستان کی بادشاہی کی بشارت دی تھی۔ جب اکبر بادشاہ ایک ہزار چودہ ۱۰۱۴ ہجری میں مر گیا تو شہزادہ سلیم جہانگیر شاہ کے خطاب سے تخت نشین ہوا۔ اس کا لڑکا شہزادہ خسرو باپ کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا اور بغاوت کر کے اکبر آباد سے پنجاب کی طرف بڑھا۔ راستے میں تھانیسر کے مقام پر حضرت شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کرائی۔ حضرت شیخ نے اسے بڑی اچھی نصیحتیں دیں اور فرمایا کہ باپ کے خلاف بغاوت کرنے سے باز آجاؤ۔ مگر آپ کی یہ باتیں شہزادہ خسرو کے دماغ میں نہ آئیں۔ وہ وہاں سے اپنا لشکر لے کر دریائے بیاس کی طرف چلا گیا۔ اس وقت حضرت شیخ نظام الدین کے مخالفوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور شیخ کے خلاف بہتان طرازی کر کے بادشاہ جہانگیر تک یہ بات پہنچائی کہ شیخ خسرو شاہ کو سلطنت دلانے کے لئے دعا کر رہے ہیں اور انہیں سلطنت کی بشارت بھی دے دی ہے یہ بات سن کر جہانگیر بڑا خفا ہوا اور اُس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ شیخ کو ہندوستان سے باہر نکال دیا جائے تاکہ وہ پھر یہاں نہ آئے۔ شیخ اس واقعہ سے پہلے ہی حج بیت اللہ کا ارادہ کر چکے تھے۔ وہ

ہندوستان سے اٹھے اور کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوتے پہلے مکہ پہنچے۔ حج ادا کیا اور پھر مدینہ پاک کی حاضری دی اور کئی سال وہیں قیام کیا۔ وہاں ہی آپ نے شرح دلعات لکھی۔ جس میں خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی اشارہ پر رخصت ہو کر بلخ کو چلے گئے اور وہاں کچھ عرصہ مقیم رہے وہاں آپ نے سات سو لوگوں کو کمال تک پہنچایا۔ ان دنوں بلخ کے بادشاہ امام قلی خان ازبک بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے اس طرح بہت بڑی مخلوق علماء و مشائخ آپ کے مرید بن گئے اور آپ کو بڑی شہرت ملی۔

جس وقت حضرت خواجہ کے کمالات کی شہرت بلخ میں عام ہوئی اور بادشاہِ وقت بھی اُن کا مرید ہو گیا۔ شہر کے علماء ان سے حسد کرنے لگے۔ بادشاہ کو کہا گیا کہ شیخ نظام الدین سُنت رسول کا تارک ہے۔ وہ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے جامع مسجد میں نہیں آتا اور اپنی خانقاہ میں ہی نماز ادا کر لیتا ہے۔ حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شہر میں دو مقامات پر نماز جمعہ جائز نہیں۔ بادشاہ نے حضرت شیخ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ آپ کا امام رافضی ہے میں اُس کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ میری نماز رافضی کے پیچھے نہیں ہوتی۔ یہ بات سن کر بلخ کے لوگوں میں ہنگامہ ہو گیا انہوں نے کہا کہ اگر شیخ نظام الدین امام رافضی ہونا ثابت نہ کر سکے تو انہیں بادشاہ قتل کرنے کا حکم دے۔ بادشاہ یہ بات سُن کر حضرتِ شیخ کے پاس آیا اور ساری کیفیت بیان کی آپ نے ساری بات سن کر بادشاہ کو تسلی دی اور فرمایا کہ آپ فکر نہ کریں یہ جتنے بھی مخالفین ہیں یہ اپنے اعمال کی سزا پائیں گے۔ ابھی یہ بات کر ہی رہے تھے کہ شہریوں کا ایک ہجوم بارہ ہزار افراد پر مشتمل شیخ کی خانقاہ کے دروازے پر آ گیا امام خود ننگی تلوار لئے حضرت شیخ کے سامنے آیا اور زبان درازی شروع کر دی اور کہا کہ آپ نے مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی ہے میں

آپکو قتل کر دوں تو جائز ہے۔ حضرت شیخ بادشاہ کو کہا کہ امام کے جوتے اتروا کر انہیں پھاڑہ جائے ابھی اس کا رفض ظاہر ہو جائے گا۔ بادشاہ اٹھا اور امام کے پاؤں سے اُس کا جوتا اُتروایا اور اُس کو پھاڑا گیا اس میں سے ایک کاغذ نکلا جس میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا نام لکھا ہوا تھا۔ شہر والوں نے آپ کی یہ کرامت دیکھی تو امام کو وہیں قتل کر دیا اور تمام حضرت شیخ کے مرید بن گئے۔

ایک بار حضرت شیخ بلخ کے پہاڑ کے دامن میں گئے وہاں پانی نہ تھا نماز ظہر کا وقت آیا تو آپ کو وضو کے لئے پانی نہ ملا اپنا عصا پکڑ کر ایک پتھر پہ مارا جس سے خوشگوار پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ یہ بات بلخ شہر میں ایک نجومی نے سُنی وہ کہنے لگا اس میں شیخ کا کیا کمال ہے۔ اُس وقت آبی ستارے بُرجِ سرطان میں تھے اُس کی وجہ سے پتھر سے پانی نکل آیا۔ اِس کو شیخ کی کرامت نہیں سمجھنا چاہیئے۔ کسی مرید نے آپ کو اُس نجومی کی بات سنائی آپ خاموش رہے کچھ دنوں بعد شیخ بلخ کے جنگل میں سیر کرنے تشریف لے گئے اور اُس نجومی کو بھی ساتھ لے لیا۔ جنگل میں پانی نہیں تھا۔ آپ نے نجومی سے پوچھا کہ کیا اس وقت ستارے برج سرطان میں ہیں یا نہیں۔ نجومی نے اپنے علم کی وجہ سے غور کیا کہ اس وقت تو آتشی ستارے آتشی برج میں ہیں کہیں سے پانی برآمد ہونا ناممکن ہے۔ حضرت شیخ نے اپنا عصا زمین پہ مارا اور پانی کا ایک میٹھا چشمہ جاری ہو گیا۔ نجومی حیران رہ گیا اور آپ کے پاؤں میں گر پڑا۔

ایک دن ایک گڈریا جو بالکل جاہل تھا طلبِ حق کے لئے حضرت شیخ کی خدمت میں آیا شیخ نے اُس پہ توجہ کی اُسے جامۂ کمال بنا دیا اُس پہ دینی اور دنیوی علوم کے اسرار ظاہر ہونے لگے۔

حضرت شیخ ۸ ماہ رجب المرجب بروز جمعہ ۱۰۳۶ ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ

کا مزار بلخ میں ہے۔

شیخ بڑے صاحب اولاد تھے آپ کے دو بیٹے خواجہ محمد سعید اور عبدالحق ہندوستان میں آ گئے۔ محمد سعید تھانیسر میں اور عبدالحق کرنال میں رہنے لگے اگرچہ شیخ کے خلفاء کی تعداد حد سے زیادہ ہے مگر ہم چند بزرگوں کے نام لکھتے ہیں۔ خواجہ ابوسعید گنگوہی۔ شیخ حسین بہوہری۔ شیخ ولی محمد نارنولی۔ شیخ پایندہ سنوری۔ سید الہ بخش لاہوری بمکری۔ شیخ عبدالکریم لاہوری (آپ کا مزار نواں کوٹ لاہور میں ہے)۔ حضرت شیخ بندگی۔ شیخ الہ داد لاہوری۔ شیخ دوست محمد لاہوری۔ شیخ مصطفیٰ۔ شیخ عبدالفتاح اندری۔ شیخ عبدالرحمان کشمیری۔ سید قاسم برہانپوری۔ قاضی عبدالحی ولد قاضی سالم۔ شیخ برہانپوری۔ شیخ فتحی۔ اور اسماعیل اکبرآبادی شیخ جان اللہ لاہوری (آپ کا مزار رہان سنگھ کے باغ میں ہے) یہ سب بزرگ آپ کے نامور خلفاء تھے۔[1]

نظام الدین ولی بلخی !!
چو از دنیا بجنت راہی
وصالش ناظم پاکیزہ جستم
دوبارہ شد عیان نظم الٰہی

۱۰۳۶ھ

---

[1] صاحب اقتباس الانوار (مواطع الانوار) شیخ محمد اکرم قدوسی (م رتبہ ۱۱۳۰ھ) نے حضرت خواجہ نظام الدین بلخی قدس سرہٗ کی زندگی کے کوائف کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے آپ نے مفتی غلام سرور لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ خلفاء کے علاوہ شیخ محمد مرزا سرہندی کا نام بھی لکھا ہے۔ اور پھر یہ بتایا ہے کہ ہندوستان کا کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا۔ جہاں شیخ نظام الدین بلخی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شیخ جان اللہ لاہوری قدس سرہٗ:- آپ حضرت شیخ نظام الدین بلخی تھانیسری کے خلیفہ اعظم تھے۔ وقت کے مقتدر مشائخ اور اولیائے کرام میں تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں کمال حاصل کیا تھا ابتدائی تعلیم لاہور میں حاصل کی مگر جب جاذب حقیقی نے اپنی طرف کھینچا۔ تھانیسر پہنچے۔ شیخ نظام الدین سے بیعت ہوئے۔ ریاضت اور مجاہدہ کو اپنا شعار بنا لیا۔ آپ کے ہمرکاب حج کو گئے۔ واپسی پر آپ کے ساتھ ہی بلخ پہنچے خرقۂ خلافت حاصل کیا تو ولایت لاہور عطا ہوئی۔ بے پناہ لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے۔ آپ کی وفات ۱۰۳۹ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کا مزار پُر انوار باغ مہیاں سنگھ لاہور میں ہے۔

شیخ جان اللہ چوں بحکم قضا
زین جہاں رفت بسوئے دار جناں
ہست فیض الحسن بتاریخش ہم وگر اہل فیض جان جناں

(بقیہ حاشیہ) کا کوئی نہ کوئی تربیت یافتہ خلیفہ سے خالی ہوتا برصغیر کے باہر توران عربستان میں بھی آپ کے کئی خلفاء کام کر رہے تھے۔ آپ کے خلیفہ شیخ اللہ بخش لاہوری کے کمالات کو خصوصی طور پر سپرد قلم کیا گیا ہے شیخ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ وحدت الوجود حضرت شیخ اکبر ابن عربی کے نکات سے، اعلیٰ اسرار کا اظہار فرمایا ہے اور شرحی لمعات مکی اور مدنی میں ایسے اسرار کا اظہار کیا ہے رویت باری تعالیٰ پر آپ کے خیالات سالکان تصوف کے لئے باعث اطمینان ہیں۔ آپ کی تصانیف میں سے صاحب خزینۃ الاصفیاء کی بیان کردہ کے علاوہ رسالہ حقیقۃ در بیان ہفت باطن۔ ریاض القدس شرح مشکوٰۃ شریف اور مصباح الولایت کا بھی ذکر کیا ہے۔

شیخ علی غواص ترمذی قدس سرہٗ:- آپ حضرت شیخ نظام الدین تھانیسری کے مرید اور خلیفہ تھے اپنے دور کے بڑے باکمال ولی اللہ تھے۔ جب حضرت شیخ نظام الدین بلخ تشریف لے گئے تو آپ نے حضرت سے بیعت کی اور ایک عرصہ تک آپ کے زیر تربیت رہے۔ تکمیل کے بعد یوسف زئی قبیلہ کی طرف چلے گئے۔ یوسف زئی قبیلہ کے بے شمار افغان آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے حضرت مولانا دہر دیزہ اوران کے لڑکے عبدالکریم آپ کے مرید ہوئے اور صاحبِ کمال ہوئے مخزن اسلام میں آپ کے احوال و مقامات ملتے ہیں۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے غوث اعظم ثانی تھے۔ آپ کو قطبیت اور غوثیت کا درجہ ملا تھا۔ چونکہ آپ اسرار تصوف و عرفان کے موتی چننے میں غواصی کرتے تھے اس لئے حضرت مرشد نے آپ کو غواص کا خطاب دیا تھا۔ آپ ۱۰۴۰ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار پرانوار یوسف زئیوں کے علاقہ میں مرجع خلائق ہے۔

چو زد غوطہ در بحرِ وصل خدا
علی شاہ غواص والی ولی
سخی پیر امجد علی سال اوست
بفرما دگر شیخ ہادی علی

۱۰۴۰ھ

سید محمد مہدی قدس سرہٗ:- آپ کے والد کا اسم گرامی یوسف تھا۔ جونپور کے رہنے والے تھے۔ شیخ دانیال چشتی کے خلیفہ تھے۔ آپ مغلوب الحال اور صاحب شکر بزرگ تھے۔ جس طرح بعض حضرات نے انا اللہ۔ انا الحق اور سبحانی کہا تھا۔ آپ انا المہدی

کا نعرہ لگاتے تھے۔ مگر جب ہوش (صحو) میں ہوتے۔ تو دوسرے بزرگانِ دین کی طرح دعویٰ مہدیت سے توبہ کرتے تھے اس زمانے کے جاہل عوام نے آپ کی اس تردید کو قبول نہ کیا۔ اور آپ کو مہدی موعود ماننے لگے۔ اس طرح وہ اپنی جہالت کی سیاہیوں میں پھنسے رہے۔ انہوں نے اپنے طور پر ہی بہتر فرقوں کے علاوہ ایک فرقہ مہدیہ بنالیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت کے انا المہدی کے دعویٰ سے مراد مہدی موعود نہ تھا۔ بلکہ ہادی مہدی تھا۔ جس طرح بہت سے اولیاء ہادی اور مہدی کے القابات سے ملقب ہوئے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت سید محمد فرقہ مہدیت سے جس قدر دُور رہتے تھے لوگ اسی قدر دعویٰ مہدیت کو درست قرار دیتے تھے۔ چنانچہ یہ فرقہ ایک عرصہ تک ہندوستان میں رائج رہا۔

آپ کی وفات ۱۰۴۲ھ میں ہوئی تھی۔

چوں محمد مہدی ہادی و دین
جاں بجاناں داد رفت اندر جناں
گو بتاریخ وصالِ او بیغ
ہم محمد مہدی فیاضؒ خوان

۱۰۴۲ھ

شیخ محمد المشہور بہ شیخ محمد اعظم چشتی قدس سرہٗ

آپ حضرت شیخ محمد چشتی قدس سرہٗ کے فرزند بھی تھے اور خلیفہ بھی آپ چشتیہ سلسلہ کے علاوہ قادریہ۔ نقشبندیہ اور سہروردیہ سلسلوں سے بھی خلافت ملی تھی۔ آپ اپنے والد کے سجادہ نشین ہوئے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں درجۂ کمال کو پہنچے۔ آپ کی چالیس کتابیں یادگارِ علمی رہیں اور ہزاروں مرید سلسلہ

کو پھیلاتے رہے سماع کی مجالس میں آپ کو وجد اور رقت طاری رہتی ۔ نو ربیع الاول ۱۰۴۲ھ میں فوت ہوئے اور آپ کا مزار احمد آباد میں ہے۔

بعلمت شد چو در خلد معلی
محمد اعظم آں فرخندہ انجام
وصالش فضل اسلام است پیدا
دگر از دل عیاں شد شیخ اسلام

۱۰۴۲ھ

شیخ حاجی گگن شوریائی قصوری قدس سرہٗ: آپ پیر گبار کی اولاد سے تھے اہل تجرید۔ تفرید اور تقویٰ میں بدرجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ سات بار حج کیا۔ چہرے پر برقعہ رکھا کرتے تھے تاکہ کسی نامحرم کی ناموس نگاہ نہ پڑے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے دل پر وہ کیفیت طاری نہ ہوئی جو کامیابی کی علامت ہوتی ہے وہ کئی اولیاء اللہ کے پاس گئے۔ التجائیں کیں۔ امداد طلب کی مگر کام نہ بنا۔ جب وہ ساتویں بار حج کرنے گئے تو وہاں کھڑے ہو کر اللہ سے رو کر التجا کی غیب سے ہاتف نے آواز دی کہ آپ کا کام شیخ عیسیٰ مشوانی سرانجام دیں گے۔ چنانچہ مکہ سے چل کر ہندوستان آئے اور شیخ عیسیٰ مشوانی کی خدمت میں پہنچے۔ شیخ عیسیٰ ملامتیہ طریقہ کے مالک تھے وہ کھلے عام شراب نوشی کرتے۔ شیخ حاجی چونکہ بہت ہی نیک اور متقی آدمی تھے وہ شیخ عیسیٰ کے پاس نہ گئے اور دل میں آیا کہ یہاں سے لوٹ چلوں۔ شیخ عیسیٰ نے کشفی طور پر آپ کے دل کی بات معلوم کر لی۔ اور آواز دے کر اپنے پاس بلایا اور فرمایا تم جس شخص کے پاس بھی گئے ہو تمہارا کام نہیں ہوا آخر کعبۃ اللہ میں جا کر تم نے التجا کی اور وہاں سے میرے پاس آنے کا حکم ہوا۔ اب ملاقات کے

بغیر واپس چلے جانا عقلمندی نہیں۔ شیخ عیسٰی کی زبان سے یہ باتیں سن کر حاجی گگن بے حد معتقد ہو گئے اور قدموں میں دوزانوں ہو کر بیٹھ گئے۔ شیخ عیسٰی نے اشارہ کیا کہ وہ شراب کی صراحی پڑی ہے اُسے اٹھا کر میرے پاس لاؤ۔ شیخ حاجی اُٹھتے اٹھتے رک گئے اور ان کے دل پر انکار کا غلبہ دوبارہ آگیا۔ چنانچہ شیخ عیسٰی اُٹھے شراب کی صراحی کو پکڑا اور شیخ حاجی کے منہ میں انڈھیلتے گئے۔ شیخ شراب کے چند گھونٹ پی کر بے خود ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو زہد و تقویٰ کا خیال دل سے نکال دیا۔ عشق و محبت کے لباس میں ملبوس ہو گئے۔ تمام کپڑے اتار پھینکے۔ صرف ضروری ستر کے لئے ایک چادر پہن لی۔ اکثر بے ہوش رہے اور نماز بھی ادا نہ کرتے دنیا والوں سے نہ ملتے۔ سر داڑھی ابرو اور مژگان کو صاف کر دیا اور کہنے لگے یہ دنیا غداروں کی زینت ہے اس کو دور کر دینا چاہیئے۔ اکثر سماع کی مجلسوں میں بیٹھتے اور آگ کا ایک آتش دان سامنے رکھتے۔ کچھ لوگ آپ کے سامنے خود آگ جلا دیتے آپ کے پاس جو بھی نذرانہ آتا آپ اُس آگ میں ڈال دیتے۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ آپ کے پاس ایک افغانی آیا جس کی اولاد نہیں تھی اُس نے اولاد کے لئے التجا کی آپ نے فرمایا کہ میں اس شرط پر دعا کرتا ہوں کہ پہلا بیٹا مجھے دے دینا جب بچہ پیدا ہوا تو شیخ نے وہ بچہ اُس سے لے لیا اور آگ میں پھینک دیا وہ آدمی یہ صورت حال دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں اپنے بیٹے کو جلانے کے لئے نہیں لایا تھا آپ نے فرمایا چھوڑو اسے پکنے دو اُس آدمی نے غصے میں آکر کہا میرے بچے کو آگ سے نکال کر مجھے دے دو۔ آپ نے فرمایا میں نے تمہارے بچے کو جلایا نہیں اپنے گھر جاؤ وہ پنگھوڑے میں کھیل رہا ہو گا وہ گھر آیا بچے کو صحیح سالم پنگھوڑے میں کھیلتے دیکھا۔

کہتے ہیں کہ حاجی گگن اس لئے آگ جلائے رکھتے تھے کہ ان کی طبیعت جلالی

تھی اور اللہ کا جلال اُن پر غالب تھا آپ بھی چونکہ آگ بھی مظہر جلال الٰہی ہے آپ اُسے اپنے سامنے رکھتے۔ آپ کی وفات کے بعد لوگ اُن کے نام پہ آگ جلائے رکھتے اور نذر مانا کرتے تھے کہ اگر ہمارا فلاں کام ہوگیا تو ہم جمعرات کی رات کو حضرت شیخ حاجی کے لئے آگ جلائیں گے۔ جب وہ کام ہو جاتا تو آگ جلائے رکھتے۔

شیخ حاجی ۱۰۴۳ھ ہجری میں فوت ہوئے اور آپ کا مزار پُر انوار قصور میں موجود ہے۔

چو حاجی قبلۂ اہل جنان شد
سال رحلت آں شیخ اعظم
دلم فرمود حاجی صاحب ذکر
فرد گفتار کہ حاجی فخر عالم

۱۰۴۳ھ

شیخ عبدالجلیل چشتی بکنوی قدس سرہٗ:۔ آپ بڑے مشہور ولی اللہ تھے وہ اویسی طریقے پر تھے ظاہری طور پہ آپ کا کوئی مرشد نہ تھا لیکن روحانی طور پہ وہ خواجہ معین اجمیری کے تربیت یافتہ تھے۔ جو شجرہ اپنے مریدوں کو لکھ کر دیتے اپنے نام کے ساتھ حضرت خواجہ اجمیری کی براہ راست نسبت قائم کرتے اپنی کتابوں میں بھی آپ نے لکھا تھا کہ مجھے حضرت خواجہ معین الدین سے کسی واسطے کے بغیر فیض ملا ہے۔ آپ کی بہت سی تصانیفات ہیں۔ چنانچہ مکتوبات۔ رموزات اسراریہ اور اس قسم کی کئی کتابیں آپ نے لکھیں۔ آپ کی وفات ۱۰۴۳ھ ہجری میں ہوئی۔

ز دنیا چو شد در بہشت برین
ولی شیخ عالم خلیل خلیل

بخوان فیض تاریخ او
بفرما مکرم خلیل خلیل
۱۰۴۳ھ

شیخ حاجی عبدالکریم چشتی لاہوری قدس سرہٗ:- آپ کے والد شیخ مخدوم الملک عبداللہ انصاری تھے۔ آپ خاندانِ عالیہ چشتیہ صابریہ میں شیخ نظام الدین بلخی کے مرید تھے۔ جب آپ کے والد بزرگوار کو اکبر بادشاہ نے ہندوستان سے نکال دیا تو وہ کعبۃ اللہ میں چلے گئے۔ شیخ عبدالکریم بھی آپ کے ساتھ گئے حج کیا اور والد کے ساتھ ہی ہندوستان واپس آگئے۔ جن دنوں آپ کے والد کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔ آپ لاہور آگئے اور یہیں قیام فرمایا۔ ہدایت خلق میں مشغول ہو گئے بہت بڑی دنیا آپ کے حلقۂ ارادت میں آئی اور آپ سے بڑی کرامات سامنے آئیں۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ حاجی عبدالکریم دو بار حج کے سفر پر گئے ایک دفعہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اور دوسری بار چند دوستوں کے ساتھ پیادہ خشکی کے راستے بیت اللہ کی طرف چل پڑے سفر میں راستہ بھول گئے اور ایک ویران بیابان میں جا نکلے جہاں دُور دُور تک پانی کا نام و نشان نہ تھا سب دوستوں پر پیاس طاری ہو گئی۔ آپ نے آسمان کی طرف منہ کر کے دعا فرمائی تو قبول ہو گئی۔ اُسی وقت ایک تیتر آپ کے سر پر اُڑتا ہوا آیا تو آواز دیتا ہوا ایک طرف چلا گیا آپ سمجھ گئے کہ جہاں پرندے ہوتے ہیں وہاں پانی ضرور ہوتا ہے۔ تھوڑی دُور اُسی طرف گئے تو میٹھے پانی کا ایک چشمہ ملا۔ سب نے پانی پیا۔ وضو کیا غسل کیا اور کپڑے دھوئے۔ فرمایا کہ چونکہ تیتر کی وجہ سے ہمیں پانی ملا۔ چنانچہ جو بھی

میرا مرید ہو گا نہ تیتر کا شکار کرے گا اور نہ گوشت کھائے گا۔ چنانچہ اُس دن سے آپ کے مریدوں نے تیتر کا گوشت کھانا بند کر دیا۔

ایک دن حاجی عبدالکریم اپنی خانقاہ سے اُٹھ کر پیر زیدی کے مزار کی طرف لے گئے۔ آپ کی خانقاہ زیب النساء کے باغ (نواں کوٹ لاہور) کے بالکل ساتھ تھی۔ راستے میں ایک شخص شیرا نامی ملا۔ یہ عید کا دن تھا مگر شیرے نے کہا کہ حضرت جی وہ کتنے خوش قسمت لوگ ہیں جو آج حج کر رہے ہوں گے اور ہم کس قدر بدبخت ہیں کہ ہم اس نعمت سے محروم ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم حج کرنا چاہتے ہو؟ آنکھیں بند کرو اور ہمارے پیچھے قدم قدم اٹھاتے چلے آؤ۔ شیرے نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ حاجی عبدالکریم کے ساتھ میدانِ عرفات میں کھڑا ہے۔ حج کیا اور حج سے فارغ ہو کر جس طرح گیا تھا۔ اسی طرح لاہور واپس آ گیا۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ حضرت حاجی کے چار بیٹے ہیں۔ ایک کا نام شیخ یحییٰ دوسرے کا نام اعلیٰ نور تیسرے کا نام عبدالحق اور چوتھے کا اعلیٰ حضور تھا ان چاروں میں شیخ یحییٰ بڑے صاحبِ کمال اور صاحب علم بزرگ تھے اُن سے بڑے لوگوں نے فیض پایا۔ یہ بات مشہور تھی کہ ایک دن خیرو نامی ڈاکو موضع سید والا سے اُٹھ کر لاہور ڈاکہ ڈالنے آیا وہ لاہور کے بازاروں میں گھومتا رہا لیکن اُس کو کوئی موقعہ نہ ملا۔ رات ہوئی تو شیخ یحییٰ کی خانقاہ میں آ پہنچا۔ وہاں اُس نے دو بیل دیکھے اُنہی کو چرا کر روانہ ہو گیا لیکن تھوڑی دور جا کر اندھا ہو گیا بیلوں کو لے کر پھر واپس آیا تو پھر آنکھیں ٹھیک ہو گئیں اس طرح اُس نے کئی بار کیا۔ آخر کار بیلوں کو آپ کی خانقاہ کے پاس باندھا اور اندھا ہو کر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ دن چڑھا تو خانقاہ کے ملازمین نے خیرو کو دیکھا تو شیخ یحییٰ کو بتایا۔ اب خیرو بھی اُٹھ کر آپ کی خدمت میں آیا تو رات کا سارا واقعہ عرض کر کے معافی مانگنے لگا۔ آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا ہے

اس لئے تم رحم کے قابل ہو۔ پھر اپنا ہاتھ اُس کی آنکھوں پر مارا وہ اُسی وقت بینا ہو گیا اور شیخ کے مریدوں میں شامل ہو کر مرتبۂ کمال کو پہنچا۔

یاد رہے کہ شیخ عبدالکریم لاہوری بڑے عالم فاضل انسان تھے۔ ظاہری علوم میں بھی بڑے فضل و کمال کے مالک تھے آپ کی تصانیف میں سے شرح فصوص الحکم بڑی مقبول ہوئی اسی طرح آپ نے ایک اور کتاب اسرار عجیبہ لکھی جس میں چشتیہ سلسلے کے اذکار و مشاغل درج ہیں[1]۔

شیخ عبدالکریم ۱۰۴۵ھ ہجری میں، ماہ رجب کو فوت ہوئے آپ کا مزار لاہور میں باغ زیب النساء کے متصل موضع نواں کوٹ لاہور میں واقع ہے

شیخ اکرم کریم با اکرام
مکرمت یافت چون بخلد بریں
مقتدای شفیق دان سالش
نیز بر حق کریم کاشف دین

مولانا درویزہ پشاوری چشتی قدس سرہٗ:- آپ میر سید علی غوساص کے مرید تھے ظاہری باطنی علوم میں ماہر تھے۔ اپنی ولایت کو چھپائے رکھتے تھے۔ اور تدریس و تعلیم کو اپنایا ہوا تھا آپ بے دینوں اور رشیعوں کے خلاف جہاد کرتے تھے۔ جہاں کہیں کسی مہلدیا رافضی کا سنتے تو خود وہاں پہنچتے اُسی سے مناظرہ کرتے اور اسے لاجواب کر دیتے

---

[1]:۔ صاحب اقتباس الانوار نے آپ کے ایک اور رسالے مصباح العارفین کا ذکر بھی کیا ہے جس میں سلسلہ چشتیہ قدوسیہ کے مشاغل درج ہیں اس رسالے میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و مقامات بھی تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔

آپ نے علمی بحوث کے ساتھ بڑے مناظرے کئے دوسری طرف ایک ملحد عیس کا نام بایزید تھا اور اس نے آپ کو پیر روشن کے نام سے مشہور کر رکھا تھا سخت مناظرہ کیا۔ اور اُسے روشنی کے بجائے تاریکی نام دیا۔ ان دونوں کا نام آپ نے اپنی کتاب مخزن الاسلام میں ذکر کیا ہے۔ مخزن الاسلام ایک ایسی کتاب ہے کہ آپ نے اُسے پشتو زبان میں لکھا مگر وہ کتاب نامکمل رہی آپ کے بعد آپ کے لڑکے مولانا عبدالکریم نے اُسے مکمل کیا۔ اس کتاب میں بڑے حقائق و معارف پائے جاتے ہیں اور احکام شریعت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ معارج الولایت کے مصنف نے مخزن الاسلام کی ایک شرح لکھی ہے جس کا نام شرح کلمات الوفیات رکھا تھا۔

مولانا درویزہ ۱۰۴۸ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

ز دنیا رفت در فردوس والا
چو آن درویزہ درویش معظم
ز دائی رضا جوا رتحالش
بخوان درویزہ معشوق مکرم

۱۰۴۸ھ

بندگی شیخ ابوسعید چشتی صابری گنگوہی قدس سرہٗ:

آپ شیخ نورالدین بن شیخ عبدالقدوس کے بیٹے تھے اور شیخ نظام الدین بلخی کے خلیفۂ اعظم تھے پہلے آپ اپنے دادا شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید ہوئے اُن کی وفات کے بعد بلخ میں چلے گئے اور وہاں شیخ نظام الدین کی خدمت میں رہ کر تکمیل پائی۔

مراۃ الاسرار اور سوانح الانوار (اقتباس انوار) کے مصنفین لکھتے ہیں کہ

ایک شخص درویشوں کے کمالات کا منکر تھا جس بزرگ کے پاس جاتا کہتا میں طالبِ خدا ہوں محنت و ریاضت میں نہیں کر سکتا مجھے کوئی ایسا بزرگ چاہیئے جو اپنی ایک نگاہ سے سب کچھ سکھا دے۔ وہ مختلف بزرگوں سے ہوتا ہوا شیخ ابو سعید چشتی کے پاس آیا آپ کے ہاتھ میں اُس وقت ایک ڈنڈا تھا۔ آپ نے فرمایا آ تجھے میں اِس ڈنڈے سے خدا تک پہنچاتا ہوں یہ کہہ کر آپ نے ایک ڈنڈا اس کے سر پہ مارا عالم ملکوت اُس پہ ظاہر ہو گیا دوسرا مارا تو عالم جبروت ظاہر ہو گیا تیسرا مارا تو عالم شہود لاکیف منکشف ہو گیا بے ہوش ہو کر زمین پہ گر پڑا۔ تین دن تک پڑا رہا۔ ہوش میں آیا تو مرید ہو کر ریاضتیں اور مجاہدے کئے اور آپ کی تربیت میں رہا۔

سوانح الانوار میں لکھا ہے کہ شیخ ابو سعید کے بڑے خلفاء تھے۔ آپ نے ان سب کو تربیت دی اور پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اُن میں سے چند ایک کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ شیخ محمد صادق گنگوہی
۲۔ شیخ محمد ابراہیم سیدپوری
۳۔ شیخ محب اللہ صدیقی صدرپوری (م ۱۰۵۸ ہجری)
۴۔ شیخ ابراہیم سہارنپوری
۵۔ شیخ خواجہ پانی پتی

مراۃ الاسرار میں آپ کی وفات ۱۰۴۹ھ ہجری لکھی ہے۔ آپ کا مزار گوہر بار گنگوہ میں ہے۔

چو آخر بحکم قضا رفت بجنت
ز دنیا بدار بقا بو سعید

ندا شد ز دل سال تاریخ او
کہ مخدوم اہل صفا بو سعید

۱۰۴۹ھ

شیخ الہ داد ٹوزی قدس سرہٗ: آپ حضرت پیر کبار کی اولاد سے تھے بڑے متوکل اور متورع بزرگ تھے اپنے حجرہ میں معتکف رہا کرتے تھے۔ اور غم و شادی پر بھی باہر نہ آتے تھے۔ جب آپ کو نفس مجبور کرتا کہ حجرے سے باہر آئیں تو اندر ہی اندر دیوار بنانا شروع کر دیتے پھر تھک جاتے تو دیوار گرا دیتے اور پھر حجرے میں ہی عبادت میں مصروف ہو جاتے تھے۔ حضرت اخوند سید شوربانی آپ کی بے پناہ عزت کرتے تھے کہتے ہیں ایک بار آپ نے دعا کی "اے اللہ تو نے مجھے کثیر الاولاد بنایا ہے۔ ان میں بعض نیک ہیں اور بعض بُرے ہیں۔ میری استدعا ہے کہ تمام کو بخش دے غیب سے ہاتف نے آواز دی کہ ایک سخت کمان اٹھاؤ۔ اور اس پر ایک تیر رکھ کر دور پھینکو۔ جہاں تک تیر جائے گا۔ قدم قدم پر تمہیں اولاد دوں گا۔ آپ نے تیر پھینکا تو چار قدم پر جا پڑا۔ آپ نے سمجھ لیا کہ میری اولاد چار پشتوں تک رہے گی۔ جنہیں اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ آپ ۱۰۴۹ھ کو فوت ہوئے مزار تصور میں ہے۔ لوگ آپ کے مزار کے علاوہ آپ حجرے کا طواف کرتے ہیں تو مرادیں پاتے ہیں۔

رفت از دنیا بفردوس بریں
چوں الہ داد آں ولی اہل جاہ
کن رقم صدیق مجذوب عزیز

۱۰۴۹ھ

بہر سالِ انتقالش خواہ مخواہ

ملک محمد جانسی قدس سرہٗ:- آپ کو شیخ محمد جانسی بھی کہا جاتا تھا۔ آپ کا لقب محقق ہندی تھا۔ آپ شیخ اللہ داد قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ آپ کے کلام میں اپنے پیر و مرشد کی بڑی تعریف کی گئی ہے آپ کو اکبر بادشاہ کے دربار میں لایا گیا تو اس وقت آپ کو زیشت دکبڑے، ہو چکے تھے۔ بادشاہ آپ کی شکل و صورت دیکھ کر ہنس پڑا۔ آپ نے فرمایا۔ بادشاہ حضور آپ چھوٹے پر ہنس رہے ہیں یا بڑے پر یہ تو سب اس کے بنائے ہوئے ہیں۔ بادشاہ اس بات سے متنبہ ہو گیا۔ اور آپ کی باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ آپ نے ہندی زبان میں بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔ جن میں سے پدماوت۔ کھاوت اکبر وتی۔ کہرانامہ۔ پوشی نامہ۔ ہولی نامہ۔ بڑی مشہور ہوئیں تھیں۔ کہتے ہیں۔ کہ آپ شیخ اللہ داد کے زیر تربیت رہ کر بڑے بلند مقامات پر فائز ہوئے تھے۔ ۱۰۴۹ھ میں فوت ہوئے۔ صاحب معارج الولایت نے لکھا ہے کہ آپ اکبر بادشاہ کے آخری سال اقتدار تک زندہ تھے۔

محمد چوں ز دنیا نزد حق رفت
بسال رحلت آں شاہ عالی
یکے فضل کمال اولیا خواں
دگر فرما محمد شیخ والی
۱۰۴۹ھ

مخدوم شیخ عبدالرشید جونپوری قدس سرہٗ:- آپ کا پہلا نام محمد رشید تھا اپنے مراسلات اور مکتوبات میں یہی نام لکھا کرتے تھے۔ لقب شمس الدین۔ فیاض اور دیوان تھا اپنے والد شیخ مصطفیٰ عبدالحمید خان کے مرید تھے۔ آپ کے والد شیخ محمد بن شیخ

نظام الدین انبٹھوی کے مرید تھے جو شیخ حضوت جونپوری کے مرید تھے۔ وہ شیخ اللہ داد شارح کافیہ کے مرید تھے اور وہ راجی حامد شاہ اور وہ شیخ حسام الدین قدس سرہم کے مرید تھے آپ کو شیخ طبیب سے خلافت ملی تھی۔ اسی طرح آپ کو دوسرے لوگوں سے بھی فیض ملا تھا۔ آپ وقت کے کاملین اور بلند مرتبت مشائخ میں سے تھے۔ ابتدائی زندگی میں درس و تدریس میں مصروف رہے مگر آخری عمر میں تمام کو ترک کر کے بڑی بڑی بلند پایہ کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہا کرتے تھے۔ عربی کتابیں خاص طور پر پڑھتے تھے حضرت شیخ محی الدین کی کتاب اسرار المخلوقات پر زبردست شرح لکھی۔ ذکر بالجہر کرکے۔ سماع کی مجالس میں غلو کی حد تک شرکت کرتے تھے علم مناظرہ کی مشہور کتاب رشیدیہ۔ زاد السالکین۔ مقصود الطالبین اور ایک دیوان آپ کی یادگاریں ہیں۔ اشعار میں شمسی تخلص تھا۔ شیخ عبد الرشید قدس سرہٗ ۱۰۵۵ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

چوں رشید آں مرشد اہل رشاد
با ہزاراں رشد در حقیقت رسید
افضل الاقطاب گو تاریخ او
نیز قطب الاولیا عارف رشید

میر سیّد احمد گیسو دراز قدس سرہٗ:- آپ سید محمد کے بیٹے بھی تھے اور مرید بھی۔ ظاہری اور باطنی علوم میں جامع تھے سکر و جذبہ۔ حقائق۔ معارف۔ عشق و محبت سماع و وجد کے رسیا تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم کے مالک تھے۔ ہندی اور فارسی میں اشعار کہا کرتے تھے۔ منکرین اسلام سے مناظرہ کیا کرتے تھے۔ مسائل توحید پر گفتگو کرتے شیخ محی الدین ابن عربی کے خیالات کو اعلانیہ بیان فرمایا کرتے تھے فرض نماز پڑھنے کے بعد نو بار کلمہ لا الہ کا ورد

کرتے آپ شاہ جہاں پور کے نقشبندی اور مجددیوں سے مسئلہ توحید وسماع پر مناظرہ کرتے تھے وہ آپ سے ناراض تھے۔ آپ کے ساتھ جو بھی مناظرہ کرتا تو آپ فرماتے تم نقشبندی تو نہیں ہو۔ چونکہ آپ کو بزرگان چشت سے خصوصی لگاؤ تھا۔ آپ ہر وقت اس سلسلہ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے خصوصاً حضرت خواجہ گیسو دراز سے بڑی محبت رکھتے تھے آپ نے عربی میں ایک کتاب لکھی جو اسمائے حسنہ کی شرح تھی۔ اس کا نام جوامع الکلم رکھا تھا۔ اس میں آپ نے بڑے حقائق ومعارف بیان فرمائے ہیں آپ کے گیسو بھی اپنے مخدوم اور ممدوح حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کی محبت اور اتباع میں تھے۔ آپ نے ایک اور کتاب فارسی میں لکھی تھی۔ جس کا نام مشاہدات تھا

آپ ۱۰۵۸ھ میں فوت ہوئے تھے۔

از جہاں چوں نور چشم احمدی
رفت در بزم محمد یافت جا
رحلتش فیاض حق مہدی بخواں
ہم بخواں احمد شفیع مقتدا

۱۰۔ شیخ محمد صادق بن شیخ فتح اللہ گنگوہی قدس سرہما: آپ حضرت شیخ ابو سعید گنگوہی کے برادر زادہ بھی تھے اور خلیفہ بھی تھے۔ وجد وسماع ذوق شوق میں کمال رکھتے تھے مریدوں کی تکمیل وتربیت میں بڑا کام کیا تھا۔ آپ کی کرامات اور خوارق زمانہ میں مشہور ہوئیں تھیں۔

ایک بار آپ سہانپور شہر کے بازار میں جا رہے تھے۔ آپ کی نگاہ ایک مالدار اور دولت مند ہندو دکاندار پر پڑی۔ اس ہندو کے دل میں عشق الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی۔ دکان سے اٹھا۔ شیخ کا دامن پکڑ لیا مسلمان ہو گیا۔ مرید ہو گیا۔ آپ نے اس

کا نام عبدالسلام رکھا۔ ذکر حق کی تلقین کی اور کاملانِ وقت سے بنا دیا۔

صاحب سواطع الانوار (اقتباس الانوار) نے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت سفر کے دوران جگناتھ کے مقام پر پہنچے۔ بازار میں ایک پتھر کے بت کو نصب دیکھا جسے ہندو پوجا کر رہے تھے۔ آپ بھی کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ بت نے کہا "انا المعبود لا تعبد سوائی"، میں تمہارا معبود ہوں میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ حضرت شیخ اگرچہ اس وقت مغلوب الحال تھے مگر آپ نے قبلہ رو ہو کر سجدہ کیا اور بت کو نظر انداز کر دیا۔ ہندو اس بت کو سجدہ کرتے رہے پھر آواز آئی فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ جس طرف بھی سجدہ کرو گے۔ ہر طرف اللہ کو پاؤ گے"۔ حضرت شیخ نے جواب دیا تم سچ کہتے ہو۔ لیکن ہمارے محبوب مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایمان کے باوجود کہ اللہ ہر طرف موجود ہے کعبۃ اللہ کو سجدہ کا قرار دیا ہے۔ میں آپ کے احکام کی نافرمانی کیسے کر سکتا ہوں۔ بت نے یہ بات سنی تو خواجہ محمد صادق کی تعریف کی۔ اور کہا تم سچے ہو۔ بت کے منہ سے آپ کی سچائی سن کر بہت سے ہندو مسلمان ہو گئے۔

آپ کا ایک مرید عبدالحق نامی تھا۔ اس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی آپ اس کے باغ میں سیر کرنے گئے ان دنوں باغ میں آموں کے درختوں پر پھل موجود تھا آپ نے عبدالحق کو فرمایا۔ ہمارے آم لاؤ۔ ان دنوں آموں کا آخری موسم تھا۔ عبدالحق کئی درختوں پر چڑھ کر آپ کے لئے بڑی مشکل سے سات آم لایا اور پیش کئے چھ تو ان میں سالم تھے مگر ایک ناقص تھا۔ آپ نے کھا کر فرمایا۔ تمہیں اللہ تعالیٰ سات لڑکے دے گا۔ ان میں سے ایک ناقص اور بیمار ہو گا۔ چنانچہ اس کے چھ لڑکے تندرست و توانا ہوئے اور ایک معذور تھا۔ وہ گیارہ سال کا ہو گیا تو گونگا تھا۔

حضرت شیخ کو ایک بار شیخ عبدالحق کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کے علاقہ کے

لوگوں نے آپ کی خدمت میں بہت ساری مٹھائی پیش کی۔ حضرت نے مٹھائی تمام حاضرین میں تقسیم کردی عبدالحق کے بیٹے بھی مٹھائی لینے آئے مگر انہوں نے اپنے گونگے بھائی سے اس کا حصہ زبردستی چھین لیا۔ اس نے فریاد کی آپ نے فرمایا اس بچے کو میرے پاس لاؤ۔ وہ خود واقعہ بیان کرے وہ آیا۔ حضرت نے آپ لعب دہن اس کے منہ میں ڈالا وہ اسی وقت باتیں کرنے لگا

آپ کی وفات ۱۸ محرم ۱۰۵۷ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کا مزار گنگوہ میں ہے آپ کے بہت سے خلفاء تھے۔ مگر ہم چند ایک کے اسمائے گرامی یہاں لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ شیخ داود (آپ کے بیٹے بھی تھے)
۲۔ شیخ محمد گنگوہی (آپ کے دوسرے بیٹے)
۳۔ شیخ ابراہیم مراد آبادی
۴۔ شیخ عبدالسبحان سہارنپوری
۵۔ شیخ عبدالجلیل الہ آبادی
۶۔ شیخ جمال کاچھوچھہ
۷۔ شیخ مبارک
۸۔ شیخ یوسف کابلی۔ قدس سرہم۔

رفت صادق چوں ز دارے حیات
سال ترحیلش بصدق ویقین
وارث دین محمد صادق است
بار دیگر صادق جنت نشین[1]

---

[1]: صاحب اقتباس الانوار نے آپ کے حالات و مقامات کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ آپ کے احوال اور کرامات کی تفصیل دی ہے۔ پھر آپ کی روحانی تربیت اور اسلام خلق کے معاملات کو قلمبند کیا ہے آپکے خلفاء کا تفصیلی تذکرہ اسی کتاب میں ملتا ہے آپ کے انتقال اور خصوصی مجاہدات کا ذکر بھی کیا گیا ہے

شیخ عبدالخالق لاہوری قدس سرہٗ:- آپ شیخ جان اللہ لاہوری کے خلیفہ تھے۔ فقر و تجرید میں بلند مقامات کے مالک تھے وجد و سماع میں بڑا اضطراب پایا تھا جس پر نگاہ ڈالتے بے خود کر دیتے۔ آپ کا لنگر محتاجوں اور مساکین پر ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ آپ کی خدمت میں بے پناہ لوگ آتے اور راہ ہدایت پاتے تھے آپ ۱۲ رجب المرجب ۱۰۵۹ھ میں فوت ہوئے تھے۔ آپ کی خانقاہ میدان زین خان میں ہے۔

چو عبد خالق زدار فنا
مکان کرد در دار خلد بریں
وصالش بگو فیض حقانی ست
دگر عبد خالق امام یقین

۱۰۵۹ھ

شیخ عارف چشتی لاہوری قدس سرہٗ:- آپ شیخ اسحاق بن کاکو چشتی کے مرید اور خلیفہ تھے لوگ آپ کو میاں عارف کے نام سے پکارتے تھے۔ آپ نے شاہجہان کے زمانہ اقتدار میں اپنی مشیخیت کا علم بلند کیا۔ بڑے مرید تھے۔ ہر مہینے کے آخری ہفتہ میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے اور دس دن تک آپ کے حجرے کا دروازہ بند رہتا تھا جس دن حجرے سے برآمد ہوتے عام و خواص کو حجرے کے دروازے سے ہٹا دیا جاتا۔ اگر کوئی حجرے کے دروازے پر بیٹھا رہتا تو جس پر آپ کی نگاہِ جلال پڑ جاتی تین دن تک بے ہوش رہتا تھا جس دن حجرے سے نکلتے سارا دن تنہا گزارتے تھے اور کسی کو پاس آنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ مجلس سماع میں بیٹھتے تو بڑے تڑپتے بعض اوقات خدشہ ہوتا کہ آپ ختم ہو گئے ہیں آخر کار اعتکاف میں ہی واصل

بحق ہوئے آپ ۱۰۶۴ھ میں لاہور میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار حضرت طاہر بندگی مجددی کے احاطہ میں میانی کے قبرستان میں ہے۔

چوں جناب عارف چشتی ولی
سوئے جنت شد ازیں عالم رواں
سال وصلش گو فرید حق پرست
بار دیگر عارف چشتی بخواں

شیخ اسماعیل چشتی اکبرآبادی قدس سرہ:- آپ اکبرآباد کے بلند پایہ مشائخ میں سے تھے۔ ظاہری و باطنی علوم میں یکتائے زمانہ تھے۔ آپ کے پاس طالب عقبیٰ بھی آتے اور طالب دنیا بھی۔ دونوں فیض یاب ہوتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ دنیادار کا کام کردو اسکے۔ دل میں درویشوں سے محبت پیدا ہوگی۔ طالب حق کا بھی کام کرو اس کے دل میں خدا کی محبت جاگزین ہوگی۔ چونکہ آپ دین و دنیا کے دونوں قسم کے لوگوں کی حاجات پوری کرتے تھے۔ آپ کے دروازے پر لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ مجالس سماع میں بڑا حصہ لیتے تھے۔ مخبر الواصلین نے آپ کا سال وصال ۱۰۴۴ھ لکھا ہے۔ مزار اکبرآباد میں ہے۔

خلیل دہر اسماعیل ثانی
بہشتی شد چو آن نیکو سرشتے
بتاریخ وصالش گفت سرور
ولی الدین اسماعیل چشتی
۱۰۴۴ھ

سعید خان میانہ چشتی قدس سرہٗ:- آپ بڑے صاحب حال و ذوق بزرگ تھے۔ شیخ نظام الدین نارنولی

کے مرید تھے بعض تذکرہ میں آپ کو شاہ اعلیٰ پانی پتی کا خلیفہ لکھا ہے۔ کلام کرتے تو صحرائی جانور بھی متاثر ہوتے۔ آپ کی محفل سماع میں اُڑتے پرندے گرتے تھے اور حاضرین مرغ بسمل کی طرح تڑپتے تھے۔ ایک دن حضرت ایک درخت کے نیچے سماع کر رہے تھے۔ درخت پر ایک فاختہ بیٹھی تھی زمین پر گری اور تڑپنے لگی۔ ایک شخص اٹھا اس نے اس تڑپتی ہوئی فاختہ کو پکڑا۔ اور ذبح کر کے لے گیا۔ آپ کو خبر ہوئی تو بڑے ناراض ہوئے وہ شخص دیوانہ ہو گیا۔ اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔ اس کے جرم میں خود پھانسی پر چڑھا۔ شیخ سعید خان ۱۰۶۷ھ میں فوت ہوئے۔

باسعادت شد چو در خلد بریں
شیخ اسعد ہادی رہبر سعید
قلزم فیض است سال وصل او
ہم معلیٰ متقی اکبر سعید

۱۰۶۷ھ

شیخ بھوگی افغان قدس سرہٗ۔ معارج الولایت نے آپ کو مرد کامل لکھا ہے آپ شیخ کبار کے روحانی تربیت یافتہ تھے۔ سماع میں غلو کرتے تھے۔ سماع کرتے تو کئی کئی دن سماع میں رہتے ایک دن مجلس سماع میں تھے۔ نہیں چاہتے تھے کہ رات ختم ہو۔ صبح قریب آتی تو آسمان کی طرف اشارہ کرتے پھر رات چھا جاتی۔ لوگ حیران تھے۔ آج کیا بات ہے لوگ گھبرا کر شیخ بھاگو جو آپ کے ہم عصر تھے گئے۔ آپ نے فرمایا۔ فکر نہ کرو۔ آج شیخ بھوگی کی مجلس سماع برپا ہے رات لمبی ہو گی۔ آخر حضرت نے سماع ختم کیا تو صبح نمودار ہوئی۔

جن دنوں آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ لوگوں کو اپنے قریب سے ہٹا دیا۔

فرمایا جب تک مجھے حضور سید الانبیاء کی زیارت نہیں ہوگی میں اپنی جان نہیں دوں گا۔ تم لوگ دور رہو۔ زیارت کی تاب نہیں لاسکو گے۔ فرمایا وفات کے پہلے چھت میں ایک بڑا شگاف ہوگا۔ جہاں سے حضور تشریف لائیں گے۔ دروازہ کھلا۔ تو واقعی چھت میں شگاف تھا۔

شیخ بھوگی ۱۰۶۹ھ کو فوت ہوئے مزار قصور میں ہے۔

چو شیخ جہاں پیر بھوگی ولی
شدہ از جہاں سوئے جنت روان
شود سال ترحیل تاریخ او
آستانہ عشق بھوگی عیاں

۱۰۶۹ھ

شیخ محمد عارف چشتی صابری لاہوری قدس سرہٗ:- آپ شیخ عبدالخالق چشتی لاہوری کے نامور خلیفہ تھے آپ کی زبان سے جو کچھ نکلتا وہی ہو جاتا۔ ایک دن اپنی خانقاہ میں محفلِ سماع میں بیٹھے ہوئے تھے کہ قوالوں نے یہ شعر پڑھا۔

آن مسیحائے کہ جان در دست اوست
میدہد جان گر بمیرد چند بار

(وہ مسیحا جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں ہزار بار بھی مرجاؤں تو وہ میری جاں لوٹا دے گا) شیخ نے یہ شعر سُنا تو وجد میں آگئے ناگاہ ایک شخص اپنے بیمار بیٹے کو جو موت کے کنارے پہنچا ہوا تھا چارپائی پر ڈالے ہوئے مجلس میں لے آیا اور دعا کے لئے التجا کی۔ شیخ اٹھے یہی شعر پڑھا اور بیمار پہ ہاتھ پھیرا وہ اُسی وقت شفایاب ہوگیا۔

شیخ حارث ہفتم ماہ ذی الحجہ ۱۰۷۱ھ ہجری میں فوت ہوئے آپ کا مزار لاہور میں ہے۔

شیخ عارف اہل کمال
شد چو از دنیا بخلد جاوداں
رحلتش عارف ثریا جاہ گو
ہم بخواں عارف شہنشاہ جہاں

۱۰۷۱ھ

مولانا عبدالکریم پشاوری قدس سرہٗ:- آپ حضرت مولانا درویزہ کے بیٹے تھے اور میر سید علی غواص کے خلیفہ تھے آپ کو ظاہری اور باطنی تربیت اپنے والد بزرگوار سے ملی۔ انہیں بعض لوگ اخوند کریم داد کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے اشعار میں یہی نام استعمال کیا وہ صاحب شریعت طریقت اور حقیقت بزرگ تھے آپ کا کلام مخزن الاسلام کے آخری حصے میں ملتا ہے خلاصۃ الجر میں آپ کو محقق افغانستان لکھا گیا ہے کہتے ہیں جب مولانا نے کتاب مخزن الاسلام مکمل کی تو رات کے وقت سفید کاغذ کا ایک دستہ اپنے حجرے مبارک میں لے جاتے اور چراغ روشن کئے بغیر لکھتے جاتے صبح اپنے دوستوں کو دیتے اور اس طرح تمام مخزن الاسلام مکمل کر دی۔

معارج الولایت میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے مولانا سے پوچھا کہ غوث کسے کہتے ہیں اور اُس کی کیا تعریف ہے آپ نے فرمایا جب غوث فوت ہوتا ہے تو جو شخص بھی اُس کے چہرے پر نظر ڈالتا ہے تو وہ مسکراتے نظر آتے ہیں آپ کی وفات کا جب وقت آیا تو وہ شخص امتحان کے لئے آپ کے پاس گیا۔ اور آپ کے چہرے کو دیکھا تو آپ مسکراتے ہوئے دکھائی دیئے اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی وہ

بات کرنے لگے ہیں وہ شخص اپنے خیالات سے تائب ہوا اور کہا بس مجھے اِس سے زیادہ کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

ایک بار مولانا عبدالکریم نے اپنے باپ سے کہا کہ جس دن آپ میری والدہ سے نکاح کرکے اپنے گھر لائے تھے تو کیا راستے میں نکاح سے پہلے آپ نے دست اندازی کرنے کی کوشش کی تھی اور فلاں درخت کے تنے سے آواز آئی کہ ابھی تک یہ عورت تمہارے لئے نامحرم ہے۔ نکاح سے پہلے دست اندازی کرنا درست نہیں بلکہ اِسے چھُونا بھی حرام ہے یہ آواز میری تھی۔

مولانا عبدالکریم ۱۰۷۲ھ ہجری میں فوت ہوئے آپ کا مزار یوسف زئی علاقے میں ہے

چون کریم و اکرم اہل کرم
باکرامت گشت در جنت مقیم
اہل خلوت سال وصلش ہست و نیز
والی عرفان کریم ابن الکریم

۱۰۷۲ھ

شیخ پنجو پشاوری قدس سرہٗ:- آپ قوم کے گجر تھے اور وقت کے کامل مشائخ میں سے تھے۔ عبادت میں مشغول رہتے تھے چشتیہ سلسلے میں سرگرم رہے آپ کا طریقہ مولانا درویزہ پشاوری کا طریقہ تھا۔ آپ مخزن الاسلام کتاب کو بڑی دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ لوگوں کو بھی اِس کو پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ اگرچہ پشتو میں بات کرتے تھے لیکن شعر فارسی میں کہتے تھے کبھی کبھی ہندی زبان میں بھی گفتگو کرتے۔ آپ کے مریدوں میں مولانا چلاک میانا شخو شاہ جہاں پوری اور شیخ علی بڑے مشہور رہے۔ آپ کی مجلس میں جو بھی پہنچ جاتا

دینی علوم میں ماہر ہو جاتا۔ آپ ۱۰۷۳ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار پشاور میں ہے۔

چو پنجو رستم سر پنجہ عشق
ز دنیا گشت در ذات خدا طاق
وصالش عارف اخلاص گفتم
دگر کرم ارقسم فیاض آفاق

۱۰۷۳ھ

شیخ پیر محمد سلون قدس سرہٗ: آپ ظاہری اور باطنی علوم میں کامل تھے آپ شیخ عبدالکریم کے مرید تھے۔ آپ کے اکثر مرید صاحبِ علم فضل اور ریاضتوں مجاہدہ میں کامل ہوئے ہیں۔ آپ کے زمانے میں پیر محمد پکنوی بھی تھے وہاں کے لوگ جن میں علماء و فضلا بھی تھے۔ شیخ پیر محمد پکنوی سے نفرت کرتے تھے اور ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حتیٰ کہ شیخ پیر محمد پکنوی مجرد اور اکیلے تھے اور لباسِ فقر پہنا کرتے تھے۔ دوسری طرف پیر محمد سلون شادی شدہ اور عیال دار تھے اور مشائخ کا لباس پہنتے تھے۔ اخبار الاولیاء کے مصنف نے آپ کی بڑی کرامتیں نقل کیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ شیخ پیر محمد اپنی شکل و صورت میں اللہ کی ایک نشانی تھے وہ جس صورت میں چاہتے اپنی صورت بنا لیتے۔ ہندی اور فارسی میں شعر کہا کرتے تھے۔ آپ کی وفات ۱۰۷۴ھ میں ہوئی۔

واصل وصل محمد پیر دین
یافت از حق دولت وصلت بدست
رحلتش گو عارف جنت کریم
ہم بخوان پیر محمد حق پرست

۱۰۷۴ھ

شیخ یحییٰ گجراتی قدس سرہٗ:- آپ خاندان چشت میں بڑے بابرکت اور باعظمت بزرگ تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد کا کا سلسلہ قطب المشائخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ سے ملتا تھا زہد و ریاضت میں بڑی کوشش کرتے کئی بار حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ آخر کار حضور نبی کریم کے حکم پر مدینہ پاک میں سکونت اختیار کر لی۔ حرمین الشریفین کے مشائخ اور علماء نے آپ کی شیخیت کا اعتراف کر لیا۔ اگرچہ سارے عرب میں خواجہ فضیل بن ایاز۔ سلطان ابراہیم ادھم اور خواجہ عثمان ہارونی کی سلسلہ چشت میں بڑی شہرت تھی۔ لیکن حرمین شریفین میں آپ کے آنے پر سلسلۂ چشتیہ میں از سرے نو تازہ رونق آگئی۔

شیخ یحییٰ ۱۰۷۵ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار مدینہ پاک میں ہے۔

یافت در جنت حیات دایمی
چونکہ یحییٰ زندہ دل پیر ہدا
بود عشق حق سراپا ذات او
ارتحالش شد عیانِ عشق خدا

۱۰۷۵ھ

شیخ جنید موہانی چشتی قدس سرہٗ:- آپ ثانی جنید بغدادی تھے شریعت و طریقت میں یکساں کامل تھے۔ موہان میں کافی عرصہ سکونت کی۔ پھر سندیلہ میں چلے آئے۔ موہان کے قیام کے دوران رات کو دریا پر چلے جاتے اور ذکر بالجہر کرتے تھے۔ نیند آتی تو پانی میں کھڑے ہو جاتے اور ذکر جلی میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ذکر جلی پورا ہوتا تو ذکر خفی میں مشغول ہو جاتے تھے۔ دن کے وقت جنگل میں چلے جاتے۔ لکڑیاں جمع کرتے بازار میں لاکر بیچتے۔ اور اسی سے گزر اوقات کرتے تھے جو بچ جاتا فقراء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ مجالس سماع میں

شرکت کرتے۔ آپ کے اشعار بزبان فارسی۔ ہندی اور عربی میں ملتے ہیں۔ جن میں فصاحت و بلاغت ہوتی۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں ان میں سے ایک کتاب کا نام برطبق ہے یہ آپ کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ آپ نے اس کی شرح بھی لکھی ہے یہ فقہی مسائل پہ بڑی دلچسپ کتاب ہے۔ آپ کی وفات ۱۰۷۸ھ میں ہوئی۔ مزار پرانوار مسند بلہ میں ہے۔

شیخ عالم جنید وقت وجنید
شد چو شبلی بوئے خلد برین
خواجہ جنتی بگو سالش
ہم بفرما جنید شیخ امین

شیخ حبیب جعفری قدس سرہٗ:۔ آپ بنگال کے رہنے والے تھے۔ شیخ محمد حالیہ سے بیعت تھے۔ بڑے صاحب عظمت و شہامت بزرگ تھے پہلے قصبہ حالیہ میں رہتے تھے۔ پھر بجنیر چلے آئے تیس سال تک ضرورت کے بغیر اپنے حجرۂ عبادت سے باہر نہیں نکلے۔ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے لوگوں سے نذرانے قبول نہیں کرتے تھے۔ ذکر اسم ذات میں مشغول رہتے تھے آپ کی کشف و کرامات بہت ہیں۔ چنانچہ صاحب معارج الولایت لکھتے ہیں کہ ایک بار حضرت شیخ نے میرے بھائی عبدالستار کو فرمایا کہ تمہارا بھائی فلاں فلاں تاریخ کو فلاں فلاں منصب پہ فائز ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک دن ایک سپاہی کو فرمانے لگے کہ تم عنقریب شاہ عالم بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر نوکری کرو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ کی وفات ۱۰۷۹ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار اورنگ آباد میں ہے

چوں محب خدا حبیب زمن
شد بجنت بسال رحلت آں

متقی شاہ اکبر است بگو
نیز اعظم ولی حبیب نخواں

شیخ پیر محمد لکھنوی قدس سرہٗ: آپ بڑے کامل اور مکمل درویش تھے جرمن الشریقین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ کا اصلی وطن تو جونپور تھا۔ مگر آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے لئے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ ایک عرصہ تک دہلی رہے اور وہاں ہی پڑھتے رہے وہاں سے قنوج آئے۔ اور وہاں کے علماء کرام سے بعض کتابیں پڑھیں۔ وہاں سے لکھنو چلے گئے۔ اور سید عبدالقادر لکھنوی سے چند کتابیں پڑھیں۔ وہاں سے ہی جذب الٰہی دامن گیر ہوا۔ ان دنوں ایک چشتی بزرگ شاہ عبداللہ سیاح کوہ بستان میں سکونت پذیر تھے۔ آپ نے ساری اسلامی دنیا کی سیر کی تھی۔ آپ انہی کے مرید ہو گئے خاندان چشتیہ سے خاص فیض ملا۔ آپ کو دوسرے سلسلوں میں بھی بیعت کا شرف ملا تھا۔ تدریس و تعلیم میں مشغول رہے۔ مخلوق خدا کو ہدایت کرتے رہے۔ لکھنو میں آپ کو مرشد گرامی نے حکم دیا کہ دریائے گومتی کے کنارے جاکر ریاضت کریں وہاں آپ ایک طرف لوگوں کو روحانی تربیت دیتے دوسری طرف طلباء کو کتابیں پڑھاتے تھے آپ پر فتوحات کے دروازے کھل گئے جو نذرانے آتے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ صرف ایک دن کی روزی اپنے پاس رکھتے تھے اگر اپنے پاس کھانا نہ ہوتا۔ بازار سے منگوا کر مہمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ سماع سے بڑی رغبت تھی۔ چند قوال ہر وقت آپ کی خانقاہ پر رہتے۔ جو کچھ آتا اس سے چوتھا حصہ قوالوں کو دے دیتے تھے لکھنو کے علماء فقراء کو بھی ان فتوحات سے مدد کرتے رہتے تھے۔ دریائے گومتی کے پار جانے کے لئے کشتی پر سوار ہوتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی حوصلہ دے کر ساتھ لے لیتے۔ مگر کسی کا پاؤں تک بھی تر نہ ہوتا۔

معارج الولایت کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں بنگال سے ہوتا ہوا لکھنو پہنچا تو شیخ پیر محمد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ پر بڑی شفقت اور محبت فرمائی آپ نے میری کتاب بحر الفرائد شرح دیوان حافظ ملاحظہ فرمائی۔ تو بڑی پسند کی فرمانے لگے۔ یہ تو ایک تجربے کار ہے کئی ماہ تک مطالعہ میں رکھی۔ مجھے بعض اشغال کی اجازت بھی دی اور تبرکاً ایک خرقہ بھی عنایت فرمایا۔ بعض ادعیہ ماثورہ چہل اسم جزولیانی پڑھنے کو دیں۔ آپ بڑے صاحب تصانیف تھے شرح ہدایہ سراج حکمت آپ نے ہی لکھی تھی فقہ میں ایک فتاویٰ لکھا تصوف میں مکتوبات اور اربع منازل لکھیں اسی طرح سلوک میں آپ کی بہت سی کتابیں ملتی ہیں۔

شیخ پیر محمد ۱۰۸۰ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لکھنو میں ہے

محمد پیر در بزم محمد
چو شد تاریخ آں سردار آفاق
بگو شیخ یقین و شیخ حق ہیں
سفر شاہ محمد پیر عشاق

شیخ محمد صدیق چشتی لاہوری:- آپ لاہور میں بلند پایہ چشتی بزرگ ہوئے ہیں علوم شریعت و طریقت میں وحید و فرید تھے۔ سارا دن طلبا کی تدریس میں مصروف رہتے تھے شام کے بعد طالبات حق کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔ پنجاب بھر سے آپ کی خدمت میں لوگ حاضر ہوتے اور دینی و دنیاوی امور حل کراتے تھے سماع اور وجد کے دوران آپ جس پر نظر ڈالتے اسے تارک الدنیا بنا دیتے تھے۔ آپ کو محمد عارف لاہوری سے خرقۂ خلافت ملا تھا۔ اور لاہور میں ہی قیام پذیر رہے آپ آٹھ ماہ ذی الحجہ ۱۰۸۴ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کا مزار بھی زین خان کے میدان میں ہے۔

زدنیا رفت در خلد معلّی
چو صدیق آں ولی راہ تحقیق
رقم شد شیخ قدسی سال تاریخ
بدیگر بار شمع عشق صدیق

۱۰۸۴ھ

شیخ محمد داؤد بن محمد صادق گنگوہی قدس سرہٗ: آپ بڑے ہمت اور قوی الحال بزرگ تھے کمالات ولایت بچپن سے ہی ظاہر اور ہویدا تھے۔ اقتباس الانوار کے مؤلف نے آپ کی بڑی کرامات لکھی ہیں اور بڑے مفصل حالات قلمبند کئے ہیں۔ ہم اسی کتاب سے چند سطریں درج کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ جناب سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے سالانہ عرس پر ایک پروقار مجلس ترتیب دیا کرتے تھے۔ اس میں غربا اور مساکین کو بڑا عمدہ کھانا مہیا کرتے تھے۔ ایک بار عرس قریب آ گیا۔ مگر آپ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ اپنے خلیفہ شیخ سوندھا کو فرمایا کہ عرس غوث پاک کے لئے کسی دوست سے قرض لے لو خود یہ کہہ کر سو گئے۔ اٹھے تو دوبارہ شیخ سوندھا کو بلایا۔ اور فرمایا۔ عرس شریف کے لئے قرضہ نہ لینا حضرت غوث پاک امداد فرمائیں گے۔ آپ نے تمام اخراجات کی ذمہ داری لے لی ہے۔ میں سویا تھا کہ حضور کی روح پر فتوح تشریف لائی۔ مجھے گیارہ روپے نقد اور ایک اشرفی عطا فرمائی ہے اور حکم دیا ہے یہ عرس کے اخراجات پورے کرو۔ میں اُٹھا تو یہ رقم میرے ہاتھ میں تھی۔

آپ کا ایک مرید چلہ میں بیٹھا۔ اس مکان میں کنار کا درخت تھا۔ اس مرید کو جب بھوک ستاتی تو کنار کے درخت کے پتے کھا لیتا۔ چلہ پورا ہوا تو کہنے لگا میں

نے چالیس دن کچھ نہیں کھایا۔ آپ نے فرمایا تم کنار کے پتے کھاتے رہے ہو اس نے انکار کیا تو آپ نے درخت کو مخاطب کیا اس نے جھک کر اپنی خالی ٹہنیاں پیش کر دیں تو حضور ان ٹہنیوں کے پتے کھاتے رہے ہیں۔

اورنگ زیب عالم گیر ۱۰۶۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ بعض معاندین اور حاسدین نے بادشاہ کے حضور شکایت کی شیخ داود تو سماع سنتا ہے اور کئی قسم کی بدعات میں غرق رہتا ہے۔ شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ بادشاہ نے شیخ کی جواب طلبی کا فرمان جاری کر دیا۔ شیخ دہلی پہنچے۔ بادشاہ نے قاضی ملا قوی کو بلایا۔ یہ قاضی صوفیا کے خلاف بڑا متعصب تھا۔ اس نے شیخ کے پاس آ کر آپ سے مختلف سوالات کئے خصوصاً سماع پر سخت اعتراضات کئے آپ نے فرمایا۔ آپ نے حدیث میں پڑھا ہو گا السماح لاحد مباح: سماع کی اہلیت رکھنے والے کے لئے مباح ہے) میں سماع کے سننے کی اہلیت رکھتا ہوں۔ اگر یہ مسئلہ قال کی بجائے حال کی کیفیت پر معلوم کرنا چاہتے ہیں تو میں یہ کہوں گا۔ کہ ان قوالوں کو کہو۔ جو کچھ انہیں آتا ہے سنائیں۔ قوالوں نے سنانا شروع کیا تو آپ نے ملا قوی کو کہا اے جاہل۔ میں خود صاحب شریعت اور احکام الہیہ کے نافذ کرنے والا ہوں مجھ سے سماع کے جواز کی دلیلیں طلب کرتے ہو۔ کہتے ہیں آپ نے جب ملا قوی کو جاہل کہا تو واقعی اس کے سینے سے تمام علوم سلب ہو گئے اور جاہل محض ہو گیا وہ کوئی بات کرنا چاہتا تھا۔ مگر زبان اس کا ساتھ نہیں دیتی تھی اس نے رونا شروع کر دیا اور حضرت کے قدموں پہ گر پڑا۔ آپ کو اس پہ ترس آ گیا۔ فرمایا تم ان دنوں دربار شاہی میں ملک العلماء ہو۔ تم خواہ مخواہ درویشوں کو تنگ کرتے ہو اپنا معاملہ درست کر جاؤ تمہیں علوم سلسلہ لوٹا رہا ہوں۔ اس کے بعد ملا قوی آپ کا معتقد ہو گیا۔

حضرت شیخ کے وصال کا وقت قریب آیا۔ اپنے چھوٹے بھائی شیخ محمد کو فرمایا میرے لئے تابوت تیار کرو۔ کیونکہ آج تین راتیں ہو گئی ہیں۔ مسلسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کر رہا ہوں۔ فرماتے ہیں۔ داؤد ہم تمہارے مشتاق ہیں۔ ہمارے پاس جلد آؤ۔ چنانچہ شیخ محمد نے تابوت تیار کرایا۔ پانچ ماہ رمضان المبارک ۱۰۹۵ھ کو افطاری کے بعد قوالوں کو بلایا مجلس سماع برپا کرائی ساری رات وجد میں رہے۔ صبح ہوئی تو حالت سماع میں ہی فوت ہو گئے۔ آپ کو قصبہ گنگوہ میں دفن کر دیا گیا۔

شیخ سوندھا بن عبدالمومن۔ شیخ بلاقی کھتیلی۔ سید غریب اللہ کیرانوی۔ شیخ ابوالمعالی انبیٹھوی۔ سرور شیخ عبدالقادر سنوری آپ کے خلفاء میں سے تھے۔

چو داؤد شد از قضائے الٰہیہ
ازیں دہر در خلد جنت نشین
بگو شیخ داؤد حق بیں بسال
دگر بار داؤد شیخ یقین
۱۰۹۵ھ

حضرت شاہ ابوالمعالی چشتی صابری قدس سرہٗ: آپ ہندوستان کے سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور شیخ داؤد چشتی کے خلیفہ تھے۔ اگرچہ آپ کو شیخ محمد صادق گنگوہی سے تربیت ملی تھی۔ مگر آپ نے شیخ داؤد سے تکمیل پائی۔ اور اُن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ کے والد سید محمد اشرف سہارنپور کے قریب قصبہ امٹہ میں رہتے تھے جب اُن کی وفات ہوئی تو شاہ ابوالمعالی ابھی چھوٹے تھے آپ کی والدہ آپ کو شیخ محمد صادق گنگوہی کی خدمت میں لے گئیں اور التجاء کی

کہ آپ اس کی تربیت کریں۔ آپ نے انہیں اپنے پاس رکھ لیا۔ اور ظاہری علوم مکمل کروائے۔ وفات کے وقت اُنہیں شیخ داؤد کے حوالے کر دیا حضرت شیخ داؤد نے آپ کی تربیت بھی کی اور خرقہ خلافت بھی دی۔

شاہ ابوالمعالی کا ایک ہمسایہ بھی تھا جو بڑا بدطینت اور بدخُو تھا۔ آپ سے حسد کرتا اور ہر وقت آپ کے خلاف ہی سوچتا رہتا۔ آپ کا نام حقارت سے لیتا اور طرح طرح کے دل آزار قدام کرتا۔ حضرت شاہ ابوالمعالی کے مریدوں نے کئی بار آپ سے اجازت لی کہ اسے درست کریں مگر آپ نے کبھی اجازت نہ دی اور اُس سے بدلا لینے کی کبھی خواہش نہ کی۔ اتفاقاً وہ ہمسایہ مرگیا۔ آپ کو خود بڑا صدمہ ہوا کئی روز آپ ماتم اور گریہ کرتے رہے۔ کھانا بھی نہ کھاتے آپ کے خادم اور مریدوں نے اِس غم کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ عالم ناسوت میں انبیاء اور اولیاء کے اکثر دامن دنیا کے غبار سے ملوث ہوں گے اور یہ غبار بدگو اور بدخو انسانوں کی گالیوں کی وجہ سے دُور ہو گا۔ اب وہ شخص فوت ہو گیا ہے میرے دامن کے غبار کو رب تو دُور کرے گا۔ مجھے اسی بات کا غم اور صدمہ ہے۔

حضرت شاہ ابوالمعالی جوانی میں اکثر یادِ الٰہی میں غرق اور محو رہتے تھے۔ آپ کو دنیا اور مافیا کی خبر نہ تھی۔ ایک بار تو ایسا ہوا کہ تین ماہ تک آپ نے کچھ نہ کھایا پیا۔ نماز کا وقت ہوتا تو آپ کے خادم آپ کو بڑی مشکل سے آگاہ کرتے وضو کرواتے اور مصلے پر کھڑا کر دیتے۔ یہ کیفیت آپ پر تین سال تک رہی۔ پھر جا کر دینی اور دنیاوی امور سے واقف ہوئے۔ مریدوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا اب فرض اور سُنتیں خود مثالی شکل میں میرے سامنے آکر مجھے آگاہ تربیت میں اور ادائیگی پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اب مجھے تمہاری طرف سے کسی آگاہی کی ضرورت نہیں۔

حضرت شاہ ابوالمعالی کے گھر میں اس قدر تنگ دستی اور بے سروسامانی کا

دور دورہ تھا کہ کئی کئی دن فقر و فاقہ میں گزار دیتے۔ بعض خاص لوگوں میں آپ کے خلیفہ سید میران بہیکہ تک پہنچائی۔ انہوں نے یہ بات سن کر شاہ صاحب کے گھر گئے اور آپ کے غلہ دان میں ہاتھ ڈالا تو دیکھا کہ اس میں غلہ موجود ہے آپ نے فرمایا یہ غلہ قیامت تک کم نہیں ہوگا۔ اِسے نکالتے جاؤ اور پکاتے جاؤ حضرت شاہ ابوالمعالی نے اپنے گھر والوں سے پوچھا کہ دو مہینے گزر گئے۔ گھر میں غلّے کی کمی کی شکایت آئی اس کی کیا وجہ ہے۔ گھر والوں نے صورتِ حال سنائی تو آپ نے غلہ دان منگوا کر اُسے اُلٹا کر دیا اور فرمایا کہ سید میران بہیکہ ہمارے توکل میں خلل ڈال دیتے ہیں۔

ایک دن قصبہ تھانیسر میں مشائخ کی ایک مجلس منعقد ہوئی۔ اس میں حضرت شاہ ابوالمعالی میران سید بہیکہ شیخ ابوالفتح۔ شیخ ثوندھا بوہری۔ شیخ بلاکی۔ شیخ محمد شاہ محمد شاہ۔ محمد یوسف۔ شیخ عبدالقدر سنوری۔ شاہ نصیرالدین کھڑی والا۔ اور سید غریب کیرانوی جیسے بزرگ موجود تھے۔ اس مجلس میں کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت شاہ ابوالمعالی نے فرمایا کہ جن لوگوں نے اِس کلمے کو دل کی گہرائیوں سے پڑھا ہے اگر وہ لفظ لا پڑھ کر کسی جاندار کے کان میں پھونک دیں تو وہ مر جائے گا۔ اور اگر الا اللہ پڑھ کر پھونک ماریں تو وہ پھر زندہ ہو جائے گا۔ حاضرین مجلس میں اِس بات کا امتحان لینے کے لئے حضرت شاہ کی خدمت میں التماس کی کہ ہمیں آپ ایسا کر دکھائیے۔ آپ اٹھے تو اپنے گھر کے صحن میں جو گائے کھڑی تھی اس کے کان میں لا کا لفظ کہا وہ اُسی وقت گر پڑی اور تڑپ کر مر گئی۔ جب سب لوگوں نے دیکھا کہ وہ ٹھنڈی ہو گئی ہے تو آپ نے اُس کے دوسرے کان میں اِلا اللہ کہا تو وہ زندہ ہو کر اٹھی اور سب کے سامنے گھاس چرنا شروع کر دیا۔

شاہ ابوالمعالی کی وفات ۱۱۸۶ھ میں ہوئی صاحبِ شجرۂ چشتیہ نے آپ کا سالِ

وفات شہنشاہ مجتبےٰ سے نکالا ہے۔

رفت از دنیا چو در خلد بریں
پیر رہبر ابو المعالی اہل فیض
سال وصل اوست تاج السالکین
بار دیگر ابو المعالی اصل فیض

۱۱۱۶ھ

شیخ عبدالرشید جالندھری قدس سرہٗ: آپ جالندھر شہر کے سادات میں سے تھے۔ والد کا نام سید اشرف تھا۔ آپ چھوٹے ہی تھے کہ آپ کو تلاشِ حق کی لگن لگ گئی۔ ظاہری علوم پڑھنے کے بعد اپنے وطن سے نکلے اور مختلف شہروں کی سیر کرتے حضرت شاہ ابو المعالی کی خدمت میں حاضر ہوئے اُس وقت حضرت شاہ ابو المعالی کی عمر کافی ہو چکی تھی۔ آپ نے شیخ عبدالرشید کو سید میراں بہیکہ کے حوالے کر دیا جنہوں نے آپ کی تربیت بھی کی اور خرقہ خلافت بھی دیا۔

حزنیۃ السالکین کے مصنف لکھتے ہیں ایک دن حضرت میراں بہیکہ نے سید علیم اللہ جالندھری کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میرے پاس جو مرید بھی آتا ہے میں چھ سال تک اس کا امتحان لیتا ہوں۔ اگر اس کا اعتقاد درست ہو تو میں اُسے اپنے خادموں میں شمار کرتا ہوں۔ لیکن سید عبدالرشید جالندھری ایک ایسے شخص ہیں۔ جنہیں میں نے پہلے دن سے ہی پکے اعتقاد کا پایا اور اپنا خادم بنا لیا۔

آپ یکم ماہ ربیع الاول بروز جمعہ ۱۱۲۱ھ اپنے مرشد کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے۔ جالندھر میں ہی آپ کا مزار بنایا گیا۔ آپ کے وصال کے بعد سید میراں

بھیکہ نے آپ کے بیٹے سید غلام محی الدین کو بیعت کیا اور انہیں کمال تک تربیت دی

حضرت عبدالرشید آں میر دین
چو ز دنیا رفت و در جنت رسید
سال وصال اوست عارف حق پرست
بار دیگر سرور عالم رشید

۱۱۲۱ھ

شیخ سوندھا ولد شیخ المومن چشتی صابری قدس سرہٗ: آپ حضرت شیخ داؤد چشتی گنگوہی کے مرید خلیفہ اور جانشین تھے۔ آپ نے مریدوں کی تربیت اور تکمیل میں بڑا اہم کردار ادا کیا آپ جس پہ نگاہ ڈالتے وہ اس کے قریب ہو جاتا اگر وجد اور سماع کی حالت میں کسی پر نظر پڑ جاتی تو وہ بے خود اور مست ہو کر گر پڑتا آپ کے آباؤ اجداد کی نسبت حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اعظم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتی تھی۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ عبدالمومن دہلی کے بادشاہ کے جاگیردار بھی تھے اور دربار کے امیر بھی تھے ان کی جاگیر سفیدون قصبہ میں تھی اور آپ وہیں رہتے تھے۔ وہ فوت ہوئے تو شیخ سوندھا ابھی بچے تھے۔ چونکہ بچپن سے ہی آپ کی پیشانی پہ بزرگی کے آثار نمایاں نظر آتے تھے وہ اللہ والوں سے سخت اعتقاد رکھتے تھے ایک وقت آیا کہ حضرت شیخ داؤد رحمۃ اللہ سے بیعت ہوئے تو کمالات کی منزل پہ پہنچے اور صاحب کرامت اور خوارق ہو گئے۔

سوانح الانوار کے مولف لکھتے ہیں[1]۔ کہ آپ کی زندگی کا ابھی ابتدائی زمانہ تھا

---

[1] سوانح الانوار کے مصنف علام حضرت شیخ محمد اکرم قدوسی رحمۃ اللہ علیہ (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

کہ آپ قصبہ بوہر سے روانہ ہو کر خواجہ نظام الدین اولیاء اللہ کے عرس پہ جا رہے تھے اتفاقاً اسی دن بوہر کا امیر جو آپ کا عقیدت مند تھا کا اکلوتا بیٹا مر گیا۔ باپ بیٹے کی نعش اٹھا کر آپ کی خدمت میں جا پہنچا۔ اس مجلس میں بہت سے مشائخ اور صوفیا موجود تھے۔ غمزدہ باپ نے جاتے ہی حضرت کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔

مردان خدا خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نہ باشند

آج آپ براہ کرم میرے بیٹے کو زندہ کر دیں۔ حضرت کو ان کے حال زار پہ بڑا ترس آیا اپنی نشست سے اٹھ کر مردہ لڑکے کے سرہانے جا کھڑے ہوئے اور فرمایا

(بقیہ حاشیہ) حضرت شیخ سوندھا قدس سرہٗ کے مرید خاص اور خلیفہ تھے۔ آپ نے اپنی اس کتاب میں حضرت شیخ سوندھا قدس سرہٗ کے مفصل حالات و مقامات لکھے ہیں۔ یہ کتاب ۱۴۰۹ھ ذوالحجہ میں کیپٹن واحد بخش سیال چشتی صابری کے ترجمہ اردو میں بزم اتحاد بین المسلمین لاہور کینٹ نے اقتباس الانوار کے نام سے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں حضرت شیخ سوندھا کی کرامات مقامات سلوک۔ ریاضت و مجاہدے۔ اعیان الملک کی حاضری علماء و مشائخ کی روحانی تربیت پھر سلسلہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ کے مشاغل اوراد خصوصی اوراد کو تفصیل سے لکھا ہے۔ آپ نے آپ کی اولاد کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ آپ کا ایک بیٹا شیخ محمد اپنی والدہ کے ساتھ ۱۱۳۰ھ (زمانہ تالیف کتاب) کو زندہ ہے ان کے تین بیٹے شیخ راجو۔ شیخ پیر محمد اور شیخ حامد آپ کے مزار کے جوار میں سکونت پذیر ہیں۔ اس کتاب میں آپ کے خلفا گرامی شیخ عثمان کرنالوی۔ شیخ پیر محمد۔ شیخ محمد صدیق کھیلی شیخ اللہ بخش بلاسوی قدس سرہم کے احوال و مقامات پر بھی مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔

از رہگذر خاک سر کوئے شما بود
ہر نافہ کہ دست نسیم سحر افتاد

کہ بیٹا اس حیّ القیوم کے حکم سے اٹھو! مردہ لڑکے نے آنکھیں کھولیں اور زندہ ہو گیا۔

ایک بار حضرت شیخ سوندھا اینٹوں کے بھٹے کی ایک بھٹی میں گر پڑے آپ اس وقت جذب و مستی کی حالت میں تھے۔ پورا ایک پہر اس آگ کی بھٹی میں رہے مگر جب باہر آئے تو بدن کے ایک بال تک کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی۔

ایک بار قصبہ کتھیلی میں محفل سماع منعقد ہوئی۔ حضرت شیخ بھی ان میں موجود تھے مجلس میں ایک درویش نے وجد میں آکر کہہ دیا۔ لوگو! سن لو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری ہندوستان کے پیغمبر ہیں چونکہ ایک ولی کو نبی کہنا خلاف شرع ہے شہر کے قاضی نے حکم دیا کہ ایسے زندیق کو گرفتار کر لیا جائے اور اسے قتل کر دیا جائے حضرت شیخ سوندھا بذات خود قاضی کے پاس گئے اور استدعا کی کہ العاشق والمجنوں معذود، عاشق۔ دیوانے معذور ہوتے ہیں۔ اس درویش کو بھی چھوڑ دیں۔ مگر قاضی نے آپ کی اس بات کو نہ مانا آپ کو قاضی پر سخت غصہ آیا۔ آپ نے فرمایا۔ تم عاشقوں کے قتل پہ کمر بستہ ہو۔ انشاء اللہ تمہاری موت کتے کی طرح ہو ہو کرتے آئے گی۔ قاضی کو دوسرے دن ہی سخت بخار نے آلیا اور چند روز میں ہانپتے ہانپتے مر گیا۔

ایک بار آپ شاہ جلال الدین تھانیسری کے عرس سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف آرہے تھے۔ راستہ میں ایک گاؤں سے ڈاکو نکلے انہوں نے شیخ کو اور آپکے ساتھیوں کو لوٹنا چاہا۔ حضرت شیخ کے چہرے کے رعب سے مرعوب ہو کر حملہ نہ کر سکے۔ مگر آپ کے قافلے کا ایک درویش جو پیچھے رہ گیا تھا۔ ان کے قابو میں آ گیا۔ اس کے کپڑے اتار لئے اور سامان چھین لیا۔ درویش ننگا روتا ہوا آپ کے پاس پہنچا۔ اور صورت حال بیان کی۔ آپ نے فرمایا۔ میں حیران ہوں کہ اس گاؤں کو آگ کیوں نہیں لگ جاتی۔ آپ ادھر بات کر رہے تھے کہ وہ سارا گاؤں آگ کی لپیٹ

میں آگیا شعلے نمودار ہونے لگے۔ گاؤں والے جان بچا کر جنگل کی طرف بھاگے۔ کچھ آپ کی خدمت میں آئے۔ اور اپنے کئے پر نادم ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے آپ نے معاف کیا اور گاؤں کی آگ بجھ گئی۔

آپ ایک مجلس سماع میں تشریف فرما تھے وجد و مستی میں آئے تو پہلے آپ کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ پھر تن بھی غائب ہو گیا۔ چند لمحوں تک مفقود رہے پھر واپس مجلس میں آگئے اور اپنی حالت میں تشریف فرما نظر آئے مجلس ختم ہوئی تو ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ تھا۔ فرمایا معشوق کا نور عاشق کے نور پر غالب آگیا تھا۔ اس نے عاشق کے نور کو اپنے انوار میں چھپا لیا تھا۔

وفات کا وقت آیا۔ آپ نے قوالوں کو بلایا اور فرمایا حافظ شیرازی کا یہ شعر پڑھا ہو

صحبت غیر نخواہم کہ بود عین حضور
باخیال تو چرا باد گراں پردازم

قوالوں نے اس بیت کو شروع کیا۔ تو شیخ وجد میں آگئے۔ اسی حالت میں ۲۴ ماہ جمادی الاوّل ۱۱۲۹ھ کو واصل بحق ہوئے۔ آپ کا مزار پُر انوار قصبہ سفیدون میں بنایا گیا۔ شیخ محمد اکرم براسوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب سواطع الانوار (اقتباس الانوار) میں آپ کے خلفائے کے اسمائے گرامی لکھے ہیں جن میں شیخ محمد علی بن شیخ اللہ بخش براسوی شیخ پیر محمد تھانوی۔ شیخ عثمان کرنالی۔ شیخ محمد صدیق کھیلی۔ اور شیخ محمد اکرم براسوی قدس سرہم تو خصوصی طور پر مشہور رہے۔

شیخ سوندھا چوں زد نیا رخت بست
سال وصلش سرور از روئے یقین
گفت سوندھا متقی رہبر ولی
عرم مشتاق ۔ فخر المحسنین
۱۱۲۹ھ ۱۱۲۹ھ

آپ حضرت شاہ

سیّد محمد سعید المعروف بہ سید میران بھیکھ چشتی صابری قدس سرہٗ: ابوالمعالی چشتی قدس سرہٗ کے خلیفۂ اعظم اور جانشین تھے بڑے صاحب مقامات اور مدارج تھے۔ ذوق شوق وجد و سماع۔ استغراق و عشق و محبت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ متاخرین میں آپ کے مقابلے میں کوئی دوسرا ولی اللہ نہیں تھا۔ آپ کے اکثر مرید قطب۔ ابدال اور اوتاد کے مراتب تک پہنچے تھے۔ آپ ہندی زبان میں شعر اور دوہڑے کہا کرتے تھے ان اشعار میں تو صبدہ عرفات کے مضامین ہوتے تھے۔ ان کے کلام کو کئی قوال مجالس سماع میں پڑھا کرتے تھے جس سے صوفیا اور درویشوں کے ذوق و شوق میں اضافہ ہوتا تھا۔

آپ صحیح النسب حسینی سید تھے۔ اور ترمذی سادات کی شاخ سے تھے آپ کا شجرہ نسب چند واسطوں سے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ محمد سعید میراں بھیکھ بن سید محمد یوسف سوانیہ بن سید قطب شاہ بن سید عبدالواحد بن سید احمد بن سید امیر سعید بن سید نظام الدین سید عزیز الدین بن سید شاہ تاج الدین بن غرالدین نوبہار بن سید عثمان بن سید شاہ سلمان کفار شکن بن شاہ زید سالار لشکر بن سید امیر احمد زاہد بن سید امیر حمزہ بن سید ابا بکر علی بن سید عمر علی بن سید محمد تختہ بن سید علی شاہ رہبر کاکی۔ بن سید حسین ثانی الملقب بہ جمیص بن سید محمد مدنی لقب جمیص بن سید حسن شاہ ناصر ترمذی بن سید موسیٰ جمیص بن سید علی حسن جمیص بن سید حسین علی اصغر بن زین العابدین بن سید الثقلین امام حسین رضی اللہ عنہ۔

حضرت میران شاہ بھیکھ کی والدہ ماجدہ بی بی ملکہ بھی سادات سے تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے شاہ زید سالار لشکر سے جا ملتا ہے حضرت میران بھیکھ کے آباؤ اجداد سے شاہ زید سالار لشکر پہلے شخص ہیں جو ترمذ سے ایک زوردار لشکر لے کر ہندوستان میں جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور یہاں آکر سیوانہ میں قیام کیا وہاں کا

راجہ سیوانہ بڑے حاسد اور غصیل تھے اس نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے شہید کر دیا۔ آپ کے صاحبزادگان نے جنگ شروع کی اور راجہ سیوانہ شکست کھا کر بھاگ گیا۔ ان سادات کرام نے سیوانہ میں قیام کیا حضرت سلطان شمس الدین التمش شہنشاہ دہلی آپ کی کرامات سے متاثر ہو کر تو اپنی بیٹی سید شہاب الدین کے نکاح میں دے دی سید شہاب الدین سید زید شہید کے بیٹے تھے۔ یہ خاندان دولت اور ثروت کا مالک بن گیا۔

ثمرۃ الفواد کے مولف نے لکھا ہے کہ حضرت سید میراں بھیکھ نو سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی پرورش میں بڑا گہرا حصہ لیا۔ اور اخوند فرید کی خدمت میں لے گئیں جہاں آپ کو ظاہری اور باطنی تعلیم ملی تحصیل علوم کے بعد آپ سید شاہ ابوالمعالی چشتی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور آپ درجۂ کمالات کو پہنچے۔

حضرت شاہ بھیکھ کا ایک مرید موضع نوندہن میں رہا کرتا تھا۔ اتفاقاً اس کا دس سالہ بچہ فوت ہو گیا۔ اسی وقت حضرت شاہ اس کے گھر تشریف لائے اس نے مردہ بچے کو ایک علیحدہ کمرے میں بند کر دیا۔ اور خود اور اس کی اہلیہ حضرت کی خدمت میں سر و قد کھڑے ہو گئے۔ جب تک حضرت پیر و مرشد اور ان کے ساتھ مہمان کھانے کے دسترخوان پر نہ بیٹھے۔ کسی نے بچے کی موت کی اطلاع نہ دی کھانا کھانے سے پہلے حضرت سید میراں بھیکھ نے اپنے مرید کو کہا کہ اپنے بیٹے کو لاؤ وہ بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائے اس نے بتایا وہ گاؤں کے بچوں کے ساتھ کھیلنے گیا اس وقت اس کا حاضر ہونا ناممکن ہے۔ مگر آپ نے اصرار فرمایا وہ جہاں ہو اسے تلاش کر کے لایا جائے۔ ہم اس کے بغیر کھانا نہیں کھائیں گے چنانچہ میزبان نے ساری صورت حال بیان کر دی۔ اور زار زار رونے لگا۔ آپ نے فرمایا تمہارا بیٹا مرا نہیں سویا ہوا ہے۔ اسے اٹھا کر لاؤ وہ اندر گیا۔ بیٹے کو اٹھایا وہ اُٹھ کر باہر آ گیا۔ اور حضرت سید کے قدموں میں آ گرا۔ حاضرین میں ایک نعرہ بلند ہو

گیا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر ہزاروں لوگ آپ کے مرید بن گئے۔ ایک ہندو جس کا نام بیربر تھا۔ وہ موضع بی بی پور رہتا تھا۔ اُسے مسلمانوں سے بہت دشمنی تھی وہ صبح سویرے کسی مسلمان کا منہ دیکھنا بھی پسند نہ کرتا تھا۔ اتفاقاً وہ کسی لڑائی اور سرکاری حکام سے مقابلہ کرنے کے جرم میں گرفتار ہو گیا۔ صوبہ سرحد کے حاکم نے اُسے موت کی سزا دی۔ چنانچہ دوسرے دن سرہند کے بازار میں اُس کے پھانسی لگانے کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ اُسے جیل سے باہر لا کر بازار کے چوک میں پھانسی لگانے کے لئے جا رہے تھے۔ راستے میں حضرت شاہ میراں بھیکھ کی سواری آ رہی تھی اُس نے آپ کو دیکھا تو سپاہیوں سے بھاگ کر آپ کے پاؤں میں جا گرا۔ اور رو رو کر کہنے لگا مجھے زندگی کی اُمید ختم ہو چکی ہے کوتوال میرے قتل کے لئے انتظار کر رہا ہے۔ جلاد ہاتھ میں تلوار پکڑے لہرا رہا ہے اور لوگ میرے قتل کا تماشا دیکھنے کے لئے جمع ہیں۔ اس مشکل وقت میں اگر آپ میری مدد کریں تو میں کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا فکر نہ کرو تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ آپ یہ کہہ کر اپنی سواری کو آگے لے گئے سپاہیوں نے بیربر کو قتل گاہ پہنچا دیا۔ ابھی اس کو قتل نہ کیا گیا تھا تو کوتوال کو نیا حکم پہنچا کہ بی بی پور کے زمیندار کو ہمارے دربار میں حاضر کیا جائے وہ دربار میں لایا گیا تو حاکم وقت نے اس کی سزائے موت معاف کر دی اس کو آزاد کر دیا گیا اور نیا لباس پہنا کر اُسے رخصت کر دیا گیا وہ اُسی وقت حضرت شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کلمۂ پڑھا اور مرید ہو گیا۔ آپ نے اُس کا نام پیر شاہ رکھا۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ مرید بن سکے لیکن دل میں یہ خیال کیا کہ اگر یہ پیر کامل ہے تو مجھے ایک خربوزہ دیں گے۔ حالانکہ یہ خربوزوں کا موسم نہیں تھا حضرت شاہ نے اس کے دل کی بات نور باطن سے جان لی اور ایک خادم کو کہا کہ آج میں نے حجرے کے تاک میں نصف خربوزہ اس شخص کے لئے رکھا تھا وہاں سے اُٹھا لاؤ۔ اور اُسے کھلا لاؤ۔ سائل نے خربوزہ لے لیا اور سچے دل سے مرید ہو گیا۔ ایک دن ایک

ہزار چار سو سنیاسی فقیر جو ہندو تھے حضرت میراں کی خانقاہ میں مہمان بن کر آ گئے کیونکہ آپ کا لنگر ہندو مسلمان سکھ عیسائی سب کے لئے عام تھا۔ لنگر کے ملازموں نے حضرت کی خدمت میں گزارش کی کہ آج ہمارے پاس صرف ایک سیر آٹا ہے اور چند من غلہ موجود ہے اب کیا حکم ہے آپ نے فرمایا آٹا اور چینی اور دوسری چیزیں میرے پاس لے آؤ اور ایک بڑے برتن میں ڈال لو۔ آپ نے اس برتن میں ہاتھ ڈالا اور فرمایا اب ہر ایک فقیر کو دو دو روٹیاں ایک ایک پاؤ شکر اور ایک پاؤ گھی دیتے جاؤ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر دیتے جاؤ۔ اللہ برکت دے گا۔ خادموں نے تقسیم شروع کر دی اور ایک ہزار چار سو فقیر پیٹ بھر کر اٹھے۔ ابھی آٹا اور شکر باقی بچے ہوئے تھے کہ وہ کھا کر چلے گئے

ایک بار حضرت شاہ میراں بھیکھ دہلی شہر میں نواب تہوار زمان کے گھر تشریف فرما تھے۔ ایک خادم چند پان لے کر اور اسے تشتری میں رکھ کر آپ کی خدمت میں لایا آپ نے یہ پان حاضرینِ مجلس کو تقسیم کئے۔ مگر تہوار خان کو پان نہ دیا۔ تہوار خان کے دل میں خیال گزرا کہ خدا معلوم مجھے کیوں نظر انداز کیا گیا ہے یہ خیال آتے ہی تشتری سے ایک پان خود بخود اڑا اور تہوار خان کے ہاتھ میں چلا گیا۔ آپ نے فرمایا تہوار خان تمہاری مراد پوری ہو گئی وہ اُٹھا سر جھکا کر آپ کے قدم چومنے لگا۔

آپ نو ماہ رجب بروز اتوار ۱۰۴۶ھ ہجری کو پیدا ہوئے تھے اور پانچ رمضان ۱۱۳۱ھ ہجری کو فوت ہوئے آپ کی عمر چوراسی سال تھی جب آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کو قصبہ کہڑام میں دفن کیا گیا۔ آپ کے مرید نواب روشن الدولا نے آپ کا روضہ مبارک تعمیر کروایا۔ ثمرۃ الفواد کے مصنف نے آپ کی تاریخ وفات شاہ بھیکھ مقبولِ خدا کے لفظوں سے نکالا ہے۔ ۱۱۳۱ھ

ہم یہاں وضاحت کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں کہ شاہ میراں بھیکھ کے بے شمار خلفاء تھے۔ یہاں ان بزرگان دین کا تذکرہ کرنا مشکل ہے۔ تاہم چند خلفاء کے اسمائے

گرامی مجملاً بیان کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

اوّل:۔ شاہ محمد باقر قدس سرہٗ جو شاہ ابوالمعالی چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے۔

دوم:۔ شاہ امام الدین جو حضرت شاہ محمد باقر کے بیٹے تھے۔

سوم:۔ شاہ نظام الدین جو حضرت شاہ محمد باقر کے دوسرے بیٹے تھے۔

چہارم:۔ شاہ محمد جنہوں نے حضرت پیر و مرشد کی موجودگی میں ایک مجلس سماع میں جان دے دی۔

پنجم:۔ شاہ عابد کوٹلہ والا۔ قدس سرہٗ۔

ششم:۔ سید عبدالمومن جنہیں ارادت تو شاہ ابوالمعالی سے تھی مگر خرقۂ خلافت آپ سے حاصل کیا تھا۔

ہفتم:۔ شاہ نعمت اللہ آپ بھی شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے مگر خلافت شاہ بھیکھ سے ملی۔

ہشتم:۔ شاہ نورنگ قدس سرہٗ۔

نہم:۔ خواجہ مظفر نواب روشن الدولہ (ظفر خان بہادر)

دہم:۔ نواب بکھاری خان ولد روشن الدولہ جنہوں نے لاہور کی سنہری مسجد بنائی تھی

یازدہم:۔ شیخ امان اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

دوازدہم:۔ سید محمد جواد رحمۃ اللہ علیہ آپ شاہ زبیر شہید کی اولاد سے تھے۔

سیزدہم:۔ میاں اللہ بندہ رحمۃ اللہ علیہ۔

چہاردہم:۔ سید محمد نعیم رحمۃ اللہ علیہ

پانزدہم:۔ مرتضیٰ گردیزی قدس سرہٗ

شانزدہم:۔ سید غلام اللہ آپ حافظ قرآن کریم تھے۔

ہفتدہم:۔ میاں محمد شاہد رحمۃ اللہ علیہ آپ پہلے مغلیہ فوج میں سہ ہزاری منصب پر

فائز تھے۔ پھر ترک دنیا کر کے آپ کی خدمت میں آ گئے۔

ہژدہم :۔ شاہ بجاول قدس سرہٗ

نوزدہم :۔ حاجی بیت اللہ صاحب حال و قال تھے آپ نے حضرت بھیکھ قدس سرہٗ کے احوال و آثار پہ بہت بڑی کتاب لکھی تھی۔

بستم :۔ میاں کرم علی جو آپ کے محرم راز اور یاران پاک باز میں سے تھے تمام مرید آپ کی وساطت سے باریابی پاتے۔ آپ کا مزار کم عقلہ میں ہے۔

بست و یکم :۔ شیخ محمد حیات مدفون سارنگ متصل انبالہ

بست و دوم :۔ خواجہ عبداللہ میر شاہ جو بی بی پور کا متعصب ہندو تھا۔ مگر آپ کی نگاہ سے مسلمان ہوا اور صاحب کمال ہوا۔

بست و سوم :۔ شاہ عبدالرحمٰن بہلول پور

بست و چہارم :۔ شاہ عنایت مدفون بہلول پور

بست و پنجم :۔ میاں غلام محمد بیس سال تک معتکف رہے۔

بست و ششم :۔ شیخ موسیٰ خان مدفون گم تھلہ۔

بست و ہفتم :۔ مولوی غلام حسین مدفون مجتی نزد سہارنپور

بست و ہشتم :۔ شیخ محمد قدس سرہٗ۔

بست و نہم :۔ محمد افضل سامانہ آپ دریائے جمنا کو کشتی کے بغیر عبور کرتے۔ اور آپ کا پاؤں بھی تر نہ ہوتا۔

سی ستیم :۔ میاں محمد اعظم جو لنگر اور وظائف کی تقسیم پہ مقرر تھے

سی و یکم :۔ شیخ پھجو جن کا مزار حضرت کے دائرے میں ہے۔

سی و دوم :۔ میاں محمد طاہر قدس سرہٗ

سی و سوم :۔ میاں محمد افضل خان آپ کا مزار حضرت کے دائرے میں ہے۔

سی وچہارم :- شیخ محمد منیر شاہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ۔

سی وپنجم :- حیدر علی خان ولد مرزا یار بیگ آپ پہلے مغلیہ افواج میں ہفت ہزاری منصب پر فائز تھے۔

سی ششم :- میاں اللہ بخش قدس سرہٗ۔

سی وہفتم :- سید علیم اللہ جالندھری قدس سرہٗ

سی وہشتم :- صوفی محمد صدیق قدس سرہٗ

سی ونہم :- میاں محمد مراد قدس سرہٗ

سی چہلم :- شیخ جیوں قدس سرہٗ

یہ چالیس خلفائے نامدار وہ تھے جن سے سلسلہ چشتیہ کو بڑا فروغ ملا۔ ان دنوں (مولف مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ کے زمانۂ تصنیف میں) آپ کے سجادہ نشین حضرت سید بہادر علی شاہ ہیں جو جامع صفات اور صاحب اخلاق حمیدہ اور پسندیدہ ہیں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

سید عتیق اللہ چشتی قدس سرہٗ:- آپ جالندھر کے صحیح النسب سادات سے تھے۔ ظاہری اور باطنی کمالات کے مالک تھے شاہ ابوالمعالی چشتی کی خدمت میں رہا کرتے تھے۔ ساری عمر عبادت و ریاضت میں گزار دی۔ آپ کی وفات ماہ شعبان ۱۱۳۱ھ میں ہوئی تھی۔

زدنیائے دوں چو بفردوس رفت
زدنیائے دوں سید پیران عتیق
شہنشاہ عشق است تاریخ او
۱۱۳۱ھ
دوبارہ بگو سید پیراں عتیق

۱۱۳۱ھ

شیخ یحییٰ مدنی چشتی قدس سرہٗ: آپ شیخ اعظم چشتی قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت شیخ اعظم قدس سرہٗ کے مرید ہوئے وہاں ہی طالبان حق کو بیعت کر کے مقاصد اعلیٰ تک پہنچا دیتے۔ آپ کے بے شمار مرید اہل کمال میں شمار ہوتے تھے۔

آپ ستائیس ماہ صفر ۱۱۴۱ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار مدینہ طیبہ میں ہے آپ ایک سو تینتیس سال کی عمر میں فوت ہوئے تھے۔

باز یحییٰ زندہ دل شب زندہ دار
گشت چوں زندہ بجنات النعیم
کن رقم عاشق سخی تاریخ او
نیز یحییٰ ہدیتی مستقیم

۱۱۴۱ھ

شیخ حکیم اللہ جہاں آبادی قدس سرہٗ: آپ حضرات چشت میں سے سربرآوردہ شخصیت تھے خانوادہ چشتیہ نظامیہ کو آپ نے ہی فروغ دیا حضرت شیخ یحییٰ مدنی قدس سرہٗ سے خرقۂ خلافت پایا تھا۔ انہوں نے اعظم چشتی انہوں نے خواجہ حسن چشتی اور انہوں نے جمال الدین شیخ جمن سے انہوں نے محمود شیخ راجن سے انہوں نے شیخ علم الدین انہوں نے شیخ سراج الدین انہوں نے شیخ کمال الدین علامہ سے انہوں نے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے انہوں نے سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء اللہ سے قدس سرہم خرقہ خلافت پایا تھا حضرت حکیم اللہ دہلی میں ظاہری علوم میں مصروف رہے اور دستار فضیلت لے کر مدینہ منورہ گئے وہاں جا کر شیخ یحییٰ مدنی قدس سرہٗ کے مرید

ہوئے اور انہیں کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی۔ واپس شاہجہان آباد آئے اور قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان ایک عظیم الشان مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ مخلوق خدا کی تلقین میں مصروف ہوگئے۔ آپ نے علوم حقائق و معارف میں کئی بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں۔ سوالبیل کشکول کلیمی۔ تلک عشرۃ کاملہ۔ مرقع کلیمی جیسی بلند پایہ تصانیف آج تک موجود ہیں۔ آپ کے مرید صاحب حال و قال ہوئے ہیں آپ کی نگاہ فیض جس پر پڑتی اُسے مست و بے خود بنا دیتی آپ چار ربیع الاول ۱۱۴۲ھ میں فوت ہوئے۔[1]

کلیم اللہ جواز فضل الٰہی
زد نیا شد بخلد جاودانی
یکے موسیٰ ثانی کاشف دیں
دگر عرفاں دین موسیٰ ثانی

۱۱۴۲ھ

شیخ نظام الدین اورنگ آبادی قدس سرہٗ

آپ متاخرین مشائخ چشت میں بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔ اور جنوبی ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کے سلسلہ میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ کسی دوسرے چشتی بزرگ کے لئے اپنے بزرگان دین کی فتوحات و برکات کے دروازے نہیں کھلے تھے۔ آپ کے آبائے کرام سلسلہ سہروردیہ کے پیروکار تھے جن کی نسبت شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی سے ملتی ہے۔ آپ حضرت

---

[1] شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی قدس سرہٗ کے مفصل حالات کے لئے تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی اور دیباچہ کشکول کلیمی مطبوعہ مکتبہ نبویہ۔ لاہور ملاحظہ فرمائیں۔

شاہ کلیم اللہ جہانبادی کے مرید خاص اور خلیفۂ اکمل تھے۔ آپ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔ ان میں اکثر صاحب قال و حال تھے۔ ان میں ظاہری و باطنی حسن و جمال کی دولت تھی آپ کی کرامات اور خوارق کا ایک زمانہ معترف ہے۔ کئی بار مردے زندہ کرنے کا واقعہ بھی آیا۔ آپ کا اصلی وطن مشرقی ہندوستان کے قصبہ قصبات پورہ ہے۔ آپ وہاں سے تحصیل علوم ظاہری کے لئے دہلی آئے۔ لوگوں کی زبان سے شیخ کلیم اللہ جہاں آباد کی تعریف سُنی۔ تو آپ کے ہی درس میں داخلہ لے لیا

مناقب فخریہ کے مولف لکھتے ہیں کہ پہلے دن شیخ اورنگ آبادی حضرت شاہ کلیم اللہ کی خدمت میں حاضری کے لئے گئے تو مجلس سماع برپا تھی۔ حضرت پر حالت وجد طاری تھی۔ اغیار کے لئے یہ دروازہ بند تھا۔ شیخ اورنگ آبادی بھی حضرت کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔ آپ نے دستک دی۔ حضرت نے اندر سے کسی خادم کو حکم دیا۔ دیکھو کون ہے؟ مرید نے دروازے سے دیکھ کر واپس آکر عرض کیا حضور کوئی اجنبی آدمی ہے۔ اپنا نام نظام الدین بتاتا ہے فقیرانہ لباس ہے اور عامیانہ چہرہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اسے اندر لے آؤ حاضرین مجلس نے عرض کی حضور اس بیگانے شخص کے آنے سے مجلس سماع کا لطف جاتا رہے گا۔ ایسے حالات میں جب صوفیاء ایک خاص مجلس میں محو وجد و رقص ہوں بیگانے لوگوں کا آنا مجلس کو مکدر کر دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یارو! مجھے اس نام سے محبت ہے اور یہ شخص بیگانہ نہیں لگتا۔ اس سے اپنائیت کی خوشبو آرہی ہے اسے اندر لے آؤ۔ آپ کو اندر لایا گیا۔ حضور نے اپنے پاس بٹھا کر احوال پوچھا تو اسی دن سے نظام الدین کو مجلس خاص کا جلیس اور سماع و وجد کا انیس بنا لیا۔ وہ صبح و شام آپ کی مجالس میں رہنے لگے۔ کبھی کبھی کتابیں بھی پڑھ لیتے مگر زیادہ تر سلوک چشتیہ کی منازل طے کرتے نظر آتے حضرت شیخ نظام الدین ابتدائے کار میں حضرت حکیم اللہ

کے مریدوں میں ذوق شوق۔ آہ وزاری سکر وشورش۔ وجد وبے قراری کی کیفیات دیکھتے تو بڑے حیران ہوتے اور دل میں کہتے کہ ان لوگوں کو کس چیز نے اس طرح بنا رکھا ہے کون سی چیز انہیں مدہوش و بے خود بنا دیتی ہے۔ ایک روز حضرت حکیم اللہ کی خدمت میں مدینہ پاک سے ایک ایسا شخص آیا جو حضرت یحییٰ مدنی (جو آپ کے پیر و مرشد تھے) کا مرید تھا۔ اس کی نگاہیں حضرت کے چہرے پر پڑی ہی تھیں۔ کہ بے خود و بے ہوش ہو گیا۔ حضرت نظام الدین یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے۔ حاضرین سے پوچھنے لگے۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے تفصیلی طور پر آپ کو ان ہستیوں سے آگاہ کیا تو آپ کے دل میں بھی آگ سُلگنے لگی۔ اس دن سے آپ کی عقیدت و ارادت میں اضافہ ہو گیا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت شاہ حکیم الدین مجلس سے اُٹھ کر گھر جانے لگے۔ تو نظام الدین اورنگ آبادی اٹھے اور آپ کے جوتے لے کر دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے اور آپ کے پاؤں کے سامنے رکھ دیئے آپ نے نہایت محبت کی نگاہ سے آپ کو دیکھا۔ اور فرمایا۔ نظام الدین ہمارے پاس علوم ظاہری حاصل کرنے آئے ہو یا باطنی۔ نظام الدین نے کچھ کہنے کی بجائے سعدی شیرازی کا یہ شعر پڑھا۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حسابم کم و بیش را

(میں نے اپنا سب کچھ آپ کے سپرد کر دیا ہے۔ آپ ہمارے کم و بیش کے حالات کو جانتے ہیں) چونکہ حضرت شیخ یحییٰ مدنی قدس سرہٗ نے حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کو مدینہ پاک ارشاد فرمایا تھا۔ کہ تمہارے سلسلہ میں ایک شخص نظام الدین داخل ہو گا۔ اور اسے بڑا فروغ دے گا۔ اور یہ شعر پڑھے گا۔ حضرت کلیم اللہ نے شعر سنتے ہی اپنے پیر کا فرمان سامنے رکھا اور اٹھا کر گلے لگا لیا اور دوسرے روز

بیعت کر لیا۔ شب و روز روحانی تربیت دی۔ تکمیل تک پہنچا دیا۔ آپ خرقۂ خلافت دے کر ملکِ دکن کی طرف بھیج دیا۔ جہاں آپ کو بڑی قبولیت ملی۔ جوق در جوق طالبانِ حق پہنچنا شروع ہو گئے اور بے پناہ مخلوق آپ کے حلقۂ ارادت میں آئی نواب نظام الملک آصف جاہ جو نواب غازی الدین مصنف مناقب فخریہ کے دادا تھے سب سے پہلے آپ کے مرید ہوئے۔ اور انہوں نے المہر اللساکین کے نام سے کتاب لکھی۔ اس میں شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کے تفصیلی حالات تھے۔

آپ ۱۱۴۲ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

چو از دنیا بفردوس برین رفت
نظام الدین ولی پاک محبوب
وصالش طرفہ شیخ العالمین است
دیگر فرمانظام الدین مطلوب

۱۱۴۲ھ

شیخ محمد سلیم چشتی صابری لاہوری قدس سرہٗ:۔ آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بہت بڑے مشائخ میں سے تھے۔ شیخ محمد صدیق لاہوری سے خلافت پائی۔ بے پناہ مخلوقِ خدا کو بیعت کیا اور اپنی مجالس کو سماع سے رونق بخشی۔ محمد شاہ کے عہد اقتدار میں لاہور کے علماء آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کو کسی مقدمے میں پھنسانے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر لاہور کا صوبیدار آپ کا مرید ہو گیا اور مخالفین دب گئے۔

آپ تین ذی الحج ۱۱۵۱ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لاہور میں ہے

چون سلیم از قضای ربانے
شد ز دنیا دون بباغ جنان

سال وصلش سلیم اعظم گو
بار دیگر سلیم شیخ کلاں

۱۱۵۱ھ

شاہ بہلول برکی چشتی صابری قدس سرہٗ: آپ حضرت شاہ بھیکھ چشتی کے خادم تھے افغان قوم سے تعلق رکھتے تھے اور جالندھر میں رہائش تھی۔ آپ نے ظاہری علوم سید عبدالرشید سید کبیر اور سید علیق اللہ جالندھری سے حاصل کئے۔ آپ کا لباس قلندرانہ تھا۔ حضرت شاہ بھیکھ کی وفات کے بعد آپ لاہور آگئے۔ اور شیخ شاہ بلاق قدوری لاہوری سے فیض کامل حاصل کیا۔ آپ نے اپنی عمر میں نو سے جلدیں تصنیف کیں۔ ان میں فوائد آثار شرح دیوان خواجہ حافظ بڑی مشہور ہوئیں۔ آپ کا اپنا بھی ایک دیوان ہے جو بہت اعلیٰ شعروں پر مشتمل ہے۔ آپ مولوی جان محمد ترکی جو بڑے عالم اجل تھے علمی وعظ کرتے رہتے تھے انہوں نے اپنی کتاب میں اُن کی فضیلت اور کرامات کا ذکر کیا ہے آپ کے شاگردوں میں ساچندلا اور اعظمت خان برکی صاحبِ دیوان ہوئے ہیں سید علیم اللہ جالندھری بھی ظاہری علوم میں آپ کے شاگرد تھے۔

آپ کی وفات ۱۱۷۰ھ ہجری میں ہوئی اور آپ کا مزار پرانوار جالندھر کی عیدگاہ کے پاس ہے۔

چو از حکم تضا رخت سفر بست
ز دنیا شاہ عالی شاہ بہلول
مؤرخ تاج عشق آمد وصالش
دگر مخدوم نامی شاہ بہلول

۱۱۷۰ھ

شاہ لطف اللہ چشتی قدس سرہٗ:۔ آپ حضرت بھیکھ چشتی کے مرید اور خادم تھے۔ انبالہ میں رہتے تھے ابھی بچے ہی تھے تو حضرت شاہ بھیکھ چشتی نے آپ کو اپنی پرورش میں لے لیا دین اور دنیوی علوم سکھائے آپ نے ایک کتاب ثمرۃ الفواد کے نام پر لکھی۔ جس میں شاہ بھیکھ کی کرامات اور مقامات کا ذکر ہے۔

آپ بروز ہفتہ بیسویں ذیقعدہ ۱۱۸۶ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار جالندھر سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔

شد چو لطف اللہ بالطاف آلہٖ
بعد فوت خود بقرب حق قبول
کن رقم اہل نظر تاریخ او
بار دیگر کن بیان فیض رسول

۱۱۸۶ھ

مولانا فخر الدین فخر جہان شاہ جہاں آبادی چشتی رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم دین تھے۔ اور چشتیہ سلسلہ کے بہت بڑے شیخ تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاء اللہ کے خلیفہ بھی تھے اور بیٹے بھی تھے شریعت کے علوم اور طریقت کے رموز سے واقف تھے ظاہری اور باطنی کمالات میں بے مثال تھے۔ والد کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملتا تھا۔ اور والدہ کی طرف سے بندہ نواز سید محمد گیسو دراز سے نسبت تھی آپ پانچ بھائی تھے۔ محمد عماد الدین۔ غلام معین الدین۔ غلام بہاء الدین۔ غلام حکیم اللہ اور پانچواں خود محمد فخر الدین فخر جہان تھے۔ نواب نظام الملک غازی الدین خان مناقب فخریہ میں لکھتے ہیں۔ کہ مولانا فخر الدین احمد آباد

میں پیدا ہوئے۔ شیخ نظام الدین انہیں شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کی خدمت میں لے گئے آپ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنے سلسلۂ عالیہ کا ایک خرقہ تیار کیا اور مولانا فخر الدین کے نام مخصوص کر دیا۔ جس شخص نے سب سے پہلے فخر الدین کے حق میں لفظ مولانا کا استعمال کیا وہ شیخ کلیم اللہ تھے۔ آپ کی عمر ساڑھ سال ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں تشریف لاکر قیوہ کے پانچ دانے عطا فرمائے۔ آپ بیدار ہوئے تو وہ دانے آپ کے ہاتھ میں موجود تھے۔ آپ کے والد شیخ نظام الدین صبح آپ کے پاس تشریف لائے اور رات کی خواب سے پہلے واقف تھے فرمانے لگے برخوردار سید کونین کی عطا کردہ چیزیں اکیلے نہیں کھانی چاہئیں۔

؎ ..روزی کماں بہ کہ نہ تنہا خوری

چنانچہ مولانا نے ان پانچ دانوں میں سے دو دانے تو خود کھالئے اور باقی اپنے والد کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ حضرت نظام الدین اورنگ آبادی جب فوت ہوئے تو مولانا کی عمر آٹھ سال تھی آپ نے زہد و عبادت میں وقت گزارنا شروع کر دیا پچیس سال کی عمر میں دہلی تشریف لائے۔ ظاہری اور باطنی علوم پڑھانے میں مصروف ہو گئے۔ پھر دہلی سے پیدل چل کر اجمیر شریف حاضر ہوئے وہاں سے پاک پتن پہنچے۔ اس سفر میں شیخ نور محمد بہبل ملتانی چشتیاں ہیر کلو اور خوشحال آپ کے ہمراہ تھے وہاں سے پانی پت پہنچے اور بو علی قلندر شمس الدین ترک اور سید جلال الدین کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے لاہور آئے میر محرم اللہ نقشبندی سے ملاقات کی۔ کچھ عرصہ حضرت مخدوم علی گنج بخش ہجویری کے مزار پر اعتکاف کیا۔ اور بڑا ہی فیض حاصل کیا۔ لاہور کے بزرگانِ دین کے دوسرے مزارات کی بھی زیارت کی اور وہاں سے دہلی واپس چلے گئے۔

مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ مولانا کو حضرت خواجہ نور بہبل ملتانی چشتیاں

مہار شریف) کے علاوہ سینکڑوں خلفاء ہیں۔ چنانچہ شاہ عبداللہ۔ شاہ ظہوراللہ مولوی روح اللہ۔ سید احمد۔ شمس الدین۔ بدیع الدین۔ مولوی فرید۔ مولوی سلیم مولوی مکرم مولوی فریدالدین ثانی۔ مولوی روشن علی۔ مولوی حسن محمد۔ مولوی فتح اللہ صوفی یار محمد۔ شاہ محمد بیدار۔ حاجی محمد واصل۔ سید محمد۔ مولانا میر ضیاءالدین۔ سید فخرالدین مست۔ شیخ گل محمد۔ حافظ سعداللہ۔ شاہ مراد۔ شیخ محمد مراد۔ شیخ محمد امان مولوی علاؤالدین۔ شیخ ضیاءالدین۔ مولوی محمد صالح۔ عبدالوہاب بیکانیری محمد قطب الدین۔ حاجی خدا بخش اور محمد غوث کوت پوری۔ محمد غوث صاحبزادی اور دوسرے کئی علماء و مشائخ آپ سے ظاہری اور باطنی خلافت سے سرفراز ہوئے تھے اِن خلفاء میں حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی بڑے ہی محبوب اور مرغوب خلیفہ تھے۔

صوفی یار محمد ایک مغل تھا وہ حضرت سلطان مشائخ نظام الدین قدس سرہٗ کے مزار پر ہی رہتا تھا۔ ایک بار وہ اتنا بیمار ہوا کہ جینے کی اُمید نہ رہی ایک دن کہنے لگا کاش مجھ میں اتنی ہمت ہوتی تو میں مولانا فخرالدین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی صحت کے لئے دعا کراتا۔ رات ہوئی تو اُس نے خواب میں دیکھا کہ مولانا فخرالدین خود تشریف لے آئے ہیں آپ نے فرمایا یار محمد تمہیں آنے کی طاقت نہ تھی ہم خود آ گئے۔ جاؤ صبح سے تندرست ہو جاؤ گے۔ صبح اٹھا تو وہ تندرست تھا۔ چند دن بعد شکریہ ادا کرنے کے لئے وہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ ساری بات کہنا چاہتا تھا کہ مولانا نے اشارہ کر کے اُسے منع کر دیا۔ ایک پیرزادہ گنگا جمنا کے درمیان ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ یہ گاؤں دہلی سے چالیس میل کے فاصلے پر تھا۔ ایک دن دل میں سوچنے لگا اگر مجھے کاموں سے فرصت ہوتی تو میں دہلی جا کر حضرت مولانا فخرالدین سے بیعت کرتا۔ کیا ہی اچھی بات ہو کہ مولانا کبھی ہمارے گاؤں تشریف لے آئیں۔ اتفاق کی بات ایسی ہوئی کہ مولانا اُسی دن اُس

کے گاؤں پہنچے۔ پیرزادے نے دیکھا تو آپ کے قدم چوم لئے اور مرید ہو گیا۔ بعد میں اُس نے لوگوں سے سُنا کہ حضرت مولانا نے دہلی سے باہر کبھی قدم نہیں رکھا یہ محض ان کی کرامت تھی۔

قاضی ابو رضا سونہن پت میں رہتے تھے۔ انہیں تپ دق ہو گیا جب یہ بخار نو ماہ تک نہ اُترا تو اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ انہوں نے کسی طرح اپنے آپ کو حضرت مولانا فخر الدین تک پہنچایا۔ آپ نے قاضی صاحب کو اس حال میں دیکھا تو بڑی محبت کے ساتھ اُن کو گلے لگایا وہ اُسی وقت صحت یاب ہو گئے۔

پٹھانوں میں سے دس آدمی ایسے تھے جو اُس کے دشمن تھے۔ اور وہ اعلانیہ کہا کرتے تھے کہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ جب یہ خبر مولانا کو پہنچی تو آپ نے کبھی پرواہ نہ کی ایک دن آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے عرس پر تشریف لے گئے۔ مجلسِ سماع گرم تھی وہ دس آدمی قاضی حمید الدین ناگوری کی دیوار پر جو قدِ آدم کے برابر بلند تھی۔ چھریاں لے کر بیٹھ گئے اور بلند آواز سے گالیاں دینا شروع کر دیں حضرت مولانا کے ایک خادم بدیع الدین اٹھے اور آپ کی خدمت میں عرض کی یا حضرت آپ کب تک انہیں نظر انداز کرتے رہیں گے۔ اِن بدبختوں کی باتوں سے ہمارے ذوقِ سماع میں خلل آتا ہے۔ حضرت مولانا نے یہ بات سن کر اُن کی طرف ایک تیز نظر ڈالی وہ بے ہوش ہو کر دیوار سے زمین پر آ پڑے۔ اور مجلس میں آ کر وجد کرنے لگے آپ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور آپ کے مرید ہو گئے۔ مناقب فخریہ کے مصنف نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد یہ شعر لکھا ہے۔

نگاہت دشمنان را دوست کردہ
اثرہا در رگ و در پوست کردہ

ایک دن مولانا کے مرید رقص و وجد میں مصروف تھے۔ شہر کے دو بدمعاش

مجلس میں آپہنچے اور کہنے لگے ان بدعتی لچوں کو دیکھو کہ کس طرح ناچ رہے ہیں یہ بات حضرت مولانا نے سن لی۔ ایک تیز نظر سے اُنہیں دیکھا تو دونوں مجلس میں ناچنے لگے اپنا اسلحہ اور کپڑے اتار کر قوالوں کو انعام دے دیا اور حضرت مولانا کے پاؤں کو چُوم کر مرید بنانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ہم جیسے لچوں کے ساتھ رقص و سرود کرنا اور مرید ہونا اچھا نہیں۔ انہوں نے رونا شروع کر دیا گستاخی کی معافی مانگی اور مرید ہو گئے۔ مولانا فخرالدین نے اپنی جیب سے قوالوں کو دس دینار دیئے اور ان کے کپڑے اور اسلحہ واپس لیا۔

ایک دن مولانا اپنی خانقاہ کے چبوترے پر بیٹھے پڑھا رہے تھے ایک پٹھان ہاتھ میں چھری لئے آیا اور سلام علیکم کہنے کے بعد کہنے لگا۔ مولوی صاحب آپ اتنے عالم فاضل ہوتے ہوئے بھی سماع سنتے ہیں یہ کس طرح مناسب ہے آپ نے فرمایا میں قصوروار ہوں آپ میرے لئے دعائے خیر کریں۔ یہ بات سنتے ہی اُس پٹھان نے آپ پر چھری سے حملہ کر دیا مگر آپ زخمی نہ ہو سکے۔ وہ دوسری بار بڑھا مگر مولانا کے ایک خادم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مولانا نے اپنے خادم کو جھڑک کر کہا اس کا ہاتھ چھوڑ دو اور اپنا سر مبارک اُس کے آگے جھکا کر فرمایا کہ حاضر ہوں میرا یہ بے کار سر کسی کام کا نہیں اِس کو چھری سے کاٹ دو۔ وہ شخص شرمندہ ہو گیا اور چلا گیا۔

دوسرے دن حضرت مولانا ابھی اپنے گھر ہی تشریف فرما تھے۔ اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی کہ اُسی بدبخت نے دروازہ کھٹکھٹایا اُس کے ساتھ دو اور ساتھی بھی تھے انہوں نے دوبارہ دروازہ کھٹکھٹایا تو مولانا نے فرمایا جو لوگ دروازے کے باہر ہیں انہیں اندر آنے دو دروازہ کھلا تو وہ شخص اپنے ساتھیوں سمیت آپ کے سامنے کھڑا ہوا۔ مولانا اپنی عادت کے مطابق اُس کی تعظیم کو اٹھے آپ کے پاس جتنے چھوٹے بڑے تھے وہ بھی تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوئے آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہی دشمن اپنے ساتھیوں کے ساتھ

مجھے قتل کرنے آیا ہے آپ نے ان پر ایک تیز نگاہ ڈالی یونہی تینوں پر نظریں پڑیں وہ زمین پر گر پڑے اور تڑپنے لگے۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ رہے تھے اُن کے سر فرش کی اینٹوں سے لگ کر لہولہان ہو چکے تھے۔ کچھ وقت گزرا تو ہوش میں آئے۔ بیعت ہونے کی درخواست کی زار زار رونے لگے۔ مولانا نے انہیں معاف تو کر دیا لیکن بیعت نہ کیا اور کچھ نقدی دے کر انہیں رخصت کر دیا۔

مناقب فخریہ میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک دن حضرت سلطان مشائخ نظام الدین اولیاء کے مقبرے پر مجلس سماع گرم تھی۔ مولانا فخرالدین بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اُس مجلس میں ایک ایسا نوجوان تھا جس کی داڑھی اور مونچھیں نہ تھیں وہ حالتِ وجد میں تڑپ رہا تھا اچانک قوالوں نے کسی ضرورت کی بنا پر گانا موقوف کر دیا اور سماع کی مجلس ختم ہو گئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ نوجوان مردہ پڑا ہے اور ٹھنڈا ہو گیا ہے تمام اہل مجلس اس کے گرد جمع ہو گئے دیکھا کہ اُس میں کوئی حرکت یا گرمی نہیں ہے اس کا والد روتا ہوا اور گریبان پھاڑتا ہوا حضرت مولانا کے قدموں میں گر پڑا کہنے لگا میرا تو یہی ایک بیٹا ہے اُس نے اِس حالت میں جان دے دی ہے اب میں بھی جینا نہیں چاہتا۔ مولانا کو اس کی حالت زار پر رحم آگیا آپ نے فرمایا اس نوجوان نے ابھی اپنی جان عزیز اللہ کے حوالے نہیں کی تم تسلی رکھو اور پھر آپ نے قوالوں کو فرمایا کہ یہ شعر پڑھو۔

یک لب لعل تو صد جان میدہد
خضر آسا آب حیوان میدہد
مردہ گر باشم بحالم باک نیست
جان بوصل خویش جانان میدہد

جب قوالوں نے یہ اشعار پڑھے تو اہل مجلس جوش و خروش میں آگئے چند

لمحوں بعد اُس نوجوان میں حرکت پیدا ہوئی اور اُس نے وجد کی حالت میں زمین پر لیٹنا شروع کر دیا کچھ دیر بعد ہوش میں آگیا۔

ایک شخص مولوی مکرم نامی سماع کے معاملے میں مولانا کو روکا کرتا تھا ایک دن عین مجلسِ سماع میں مولانا سے بحث کرنے کے لئے آگیا۔ مولانا نے ایک تیز نگاہ سے اُسے دیکھا یہ نگاہ نہ تھی گویا ایک تیر تھا جو مولوی مکرم کے دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ بے اختیار وجد میں آگیا۔ اور پڑھنا پڑھانا چھوڑ کر بعیت ہو گیا اور دل و جان سے طریقت میں مصروف ہو گیا۔ ایک دن وہ حضرت کے سامنے عاشقانہ نعرے مارا تا تھا اور کہہ رہا تھا لوگو دیکھو مولوی کی ایک نگاہ تیر نے محتسب کو شہید کر دیا ہے مولانا فخرالدین نے اس کی مستانہ باتیں سُنیں اور مسکراتے رہے۔ ایک دن حضرت مولانا نے ابتدائی کتابیں پڑھنے والے ایک بچے کو مولوی مکرم کے حوالے کر دیا اور ارشاد فرمایا اس بچے کو علم صرف پڑھائیں اور کتابیں میزان الصرف یاد کرا دیں چونکہ مولوی مکرم عشق اور محبت کی وجہ سے سبق پڑھانے سے عاجز ہو چکے تھے آپ کے اِس حکم سے بڑے حیران ہوئے بادلِ نخواستہ دو تین دن تک اس طالب علم کو پڑھایا۔ تیسرے دن اُس لڑکے نے ضرب۔ زیدٌ۔ عمرا پڑھا۔ اُس نے استاد سے پوچھا کہ زید نے عمر کو کس گناہ پر مارا تھا۔ مولوی مکرم نے کہا کہ بابا دین کے معشوق بے گناہ عاشقوں کو مارتے ہی رہتے ہیں یہ کہہ کر کتاب کنواں میں پھینک دی اور پگڑی سر سے اُتار کر ناچنا شروع کر دیا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب یہ خبر مولانا فخرالدین کو پہنچی تو آپ نے فرمایا مولوی مکرم کو کھینچ کر میرے پاس لاؤ جب وہ ہوش میں آئے تو مولانا فخرالدین نے فرمایا کہ مولوی صاحب ضرب۔ زیدٌ۔ عمرا کے لفظ سے یہ حالت ہو گئی ہے۔ مولوی مکرم نے عرض کی حضرت بس بس میں نے بچے کو دو دن سبق پڑھایا تو میری یہ حالت ہو گئی ہے اب مجھے معاف فرمائیں۔ اگر مجھے قتل بھی

کردیں تو میں صرف و نحو نہیں پڑھاؤں گا۔ مولوی مکرم چند دن حضرت مولانا فخرالدین کے زیر تربیت رہا تو کاملاں وقت سے ہو گیا۔

ایک بار مولوی مکرم الہ آباد کے دارو غہ سید محمد خان کو ملنے کے لئے الہ آباد گئے ایک دن الہ آباد میں مجلس سماع گرم تھی مولوی مکرم وجد کر رہے تھے کہ اچانک الہ آباد کے قاضی کا وہاں سے گزر ہوا۔ مولوی مکرم کو اِس حالت میں دیکھ کر کہنے لگا۔ مولوی مکرم کو کیا ہو گیا ہے کہ اس طرح ہل رہا ہے اُسی رات قاضی اپنے گھر میں سویا تو حضرت مولانا فخرالدین کی مثالی صورت اُس کے سامنے آئی آپ نے قاضی کو بستر سے اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اور فرمایا اے نالائق قاضی تم میرے مریدوں کو ایسے لفظوں میں یاد کرتے ہو جس سے بے ادبی ہوتی ہے۔ قاضی صبح کے وقت اٹھا تو اُس کے پہلی طرف پھوڑا نکلا ہوا تھا۔ وہ اُس کے درد سے دن رات تڑپتا جب اس کا کوئی علاج نہ ہو سکا تو مولوی مکرم کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی مانگی پھر مولوی مکرم کی دعا سے اُسے شفا ملی۔

مولانا فخرالدین کے خلیفہ حاجی احمد مدینہ منورہ میں رہتے تھے ایک رات خواب میں حضرت مولانا کو حضورؐ کی بارگاہ میں دیکھا آپ نے حاجی احمد کو حکم دیا کہ وہ مولانا فخرالدین سے بیعت کرے۔ حاجی احمد مدینہ منورہ سے پیادہ چل کر دہلی پہنچے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ پھر ظاہری اور باطنی کمالات حاصل کئے۔

مناقب فخریہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا میں نے حضرت مولانا فخرالدین کی خدمت میں خط لکھا اور بیٹے کا نام رکھنے کی التجا کی آپ نے جواب میں مجھے مبارک لکھی اور نام نہ بتایا میں سمجھ گیا کہ یہ میرا بیٹا زندہ نہ رہے گا۔ چنانچہ وہ ایک مہینے بعد فوت ہو گیا۔ اسی کتاب کے مصنف لکھتے ہیں کہ میرا ایک بیٹا حمداللہ نامی تھا وہ بھی تین سال کا تھا کہ سماع کی حالت میں وجد کرنے لگا۔ وہ بیمار ہوا تو میں نے حضرت مولانا سے اُس کی صحت کے لئے دعا منگوائی۔ آپ نے فرمایا۔

اِس دفعہ شفا پائے گا۔ وہ تندرست ہو گیا۔ مگر ایک سال بعد چیچک کی بیماری سے فوت ہو گیا۔

ایک عرس پر دہلی کے روساء جمع تھے۔ حضرت مولانا فخرالدین نے مجلس سماع موقوف کر کے حافظ عبدالقادر قادری کو فرمایا کہ مجھے قصیدہ بردہ کے چند اشعار سناؤ اُس نے چند اشعار پڑھے وقت اچھا تھا ساری مجلس میں جوش و خروش برپا ہو گیا اور ہر شخص وجد کرنے لگا کئی لوگ دہاڑیں مار کر روتے تھے اور کئی زمین پر روتے تھے بہت سے لوگ اپنے حال سے بے حال تھے۔ اتفاقاً میر بوسی جو سخت بیمار تھا روتا روتا حضرت کے سامنے آ گیا اور حال بیان کیا آپ نے اُس پر توجہ فرمائی تو اُسی وقت تندرست ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کبھی اُس کو بیماری تھی ہی نہیں مولوی محمد روشن علی اور سید محمد مرزا جو نواب روشن الدولہ کے عزیز تھے اُسی دن آپ کے مرید ہوئے۔

حضرت مولانا فخرالدین کی ولادت ۱۱۲۶ھ ہجری میں ہوئی اور ان کی وفات ۲۰ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ ہجری میں ہوئی۔ آپ کا مزار پُر انوار دہلی میں ہے۔ مولوی محمد صالح دہلوی نے آپ کی تاریخ وفات لفظ غلام حسین سے نکالی ہے[1]

شہ کونین فخرالدین اسلام
کہ ذاتش ہادی راہ یقین بود
چو جستم سال ترحیلش خرد گفت
بگو مقبول دنیا فخر دین بود

۱۱۹۹ھ

---

[1] حضرت شاہ فخر نے اپنی گراں قدر تصانیف نظام العقائد، رسالہ مرجیہ اور فخر الحسن میں علم عقائد حضرت غوث الاعظم کی کتاب غنیۃ الطالبین کے بعض مقامات کی تشریح۔ اور سلسلہ چشتیہ کی نسبت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ثابت کی ہے۔ حضرت مولانا فخر الدین کی ان تصانیف کے علاوہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

سیّد علیم اللہ بن سیّد عتیق اللہ چشتی جالندھری قدس سرہٗ: آپ قصبہ جالندھر کے سادات گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا شجرہ نسب زید بن حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے آپ شاہ ابوالمعالی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ ظاہری علوم میں کمال حاصل کیا۔ اور علماء وقت میں ممتاز ہوئے آپ کی تصانیف میں انہار الاسرار شرح بوستان سعدی نزہتہ السالکین شرح اخلاق ناصری۔ زبدۃ الروایات نثر الجواہر جواندر مرجان کا فارسی ترجمہ ہے جس میں بلند پایا کتابیں یادگار زمانہ ہیں۔ بچپن میں ہی حضرت شاہ ابوالمعالی چشتی کی خدمت

(بقیہ حاشیہ) آپ کے احوال و مقامات پر مشائخ اور دانشوران تصوف نے بہت کچھ لکھا ہے مولانا احسن الزمان حیدر آبادی نے قول المستحسن فی شرح فخر الحسن لکھی۔ مناقب فخریہ۔ شجرۃ الانوار۔ مناقب المحبوبین فخر الطالبین اور تاریخ مشائخ چشت (خلیق احمد نظامی) میں آپ کی زندگی پر بڑی اہم اور بلند پایہ کتابیں ہیں۔ آپ کی زندگی میں شاہ ولی اللہ کا مدرسہ رحیمیہ تھا۔ آپ نے اپنا دارالعلوم دہلی میں اس شان سے قائم کیا کہ تشنگان علوم اسلامیہ سیراب ہوتے گئے حضرت شاہ فخر الدین خود اتنے علم عالم اجل تھے کہ بڑے سے بڑے ارباب علم آپ کے سامنے زانوئے ادب نہ کرتے تھے۔ آپ نے خود وقت کے گراں مرتبہ اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ میاں محمد جاں سے فصوص الحکم۔ شمس بازغہ۔ صدرا اور شیخ اکبر ابن عربی کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کیا ہدایہ مولانا عبدالحکیم سے پڑھا۔ حدیث حافظ اسعد اللہ انصاری محدث حیدر آبادی سے پڑھی تھی۔ آپ نے اپنے والد ماجد شیخ نظام الدین اورنگ آبادی سے شرح وقایہ۔ مشارق الانوار نفحات الانس جیسی کتابیں پڑھی تھیں۔

شاہ فخر الدین کا زمانہ سکھوں کی بربریت کا زمانہ تھا۔ پنجاب کے مسلمان سکھوں کی تلواروں کا چارہ بن چکے تھے۔ آپ کو اس بات کا بے حد صدمہ رہتا تھا۔ آپ نے کئی بار مغل دربار کو ان مظالم کی طرف توجہ دلائی مگر مغل فرمانرواؤں کی عیاشی۔ نااتفاقی اور نااہلی کی وجہ سے حالات کو درست نہ کیا جا سکا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں رہنے لگے تھے مگر بڑے ہوئے تو آپ کو سید میراں بھیکھ سے خرقۂ خلافت ملا۔ آپ کی ساری عمر طلبا کی تعلیم اور خدا بین کی تلقین میں گزری۔ آپ کا شعری مذاق بڑا بلند تھا اور شعر خاص انداز میں کہتے تھے ہم آپ کی ایک غزل کا مطلع و مقطع دیتے ہیں۔

یار از خلوت گہہ قدسی عیاں تاختہ
تیغ استغنا بگردن ہائے اعتباد آختہ

مقطع :۔ از تو نہانے تو شکر لباں گا علیم
ہجو سیخ افسردہ گاہے چوں نمک بگداختہ

آپ کی کرامات اسرار تعلیم مولفہ شیخ عبداللہ قدس سرہٗ میں کثرت سے بیان کی گئی ہیں مگر ہم یہاں آپ کے تصرفات کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ آدینہ بیگ فوجدار دوآبہ جالندھر کے زمانہ میں ایک شخص صدیق بیگ کو قصبہ نورمحل کا حاکم بنا دیا گیا۔ اس نے نورمحل پہنچتے ہی سب سے پہلا اقدام یہ کیا کہ ایک سید جو جالندھر کے سادات میں سے تھا کی تمام جائیداد ضبط کر لی۔ اور ساتھ ہی تیس روپے جرمانہ بھی طلب کر لیا اس سید نے حضرت شاہ علیم اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کی استدعا کی آپ نے حاکم نورمحل کے نام ایک سفارشی رقعہ لکھا۔ مگر حاکم نے قبول نہ کیا اور بڑی بے ہودہ باتیں کیں۔ دوسرے ہی دن آدینہ بیگ نے اس حاکم کو کسی پرانے جرم میں طلب کر کے قید کر دیا اور تیس ہزار تاوان بھی مقرر کر دیا گیا۔

(بقیہ حاشیہ) آپ نے معاشرے کی اصلاح کی بے حد کوششیں کیں اور ان کے ثمرات بھی برآمد ہوئے۔ آپ نے ارباب علم کی ایک زبردست ٹیم تیار کی جس نے سلسلہ چشتیہ فخریہ کو ملک بھر میں پھیلا دیا۔

آپ بائیس جمادی الاوّل ۱۱۰۹ھ کو پیدا ہوئے اور سولہ صفر ۱۲۰۲ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کا مزار جالندھر شہر میں ہے۔ آپ کے مزار پر آفتاب چشتیہ سے تاریخ ۱۲۰۲ھ نکال کر پتھر پر لکھی ہوئی ہے۔

حضرت سید علیم اللہ پیر
صاحب صدق و صفا خیر الانام
فیض دیدار است تولیدش عیاں
سال ترحیلش بگو شیخ الکرام

۱۲۰۲ھ

شیخ نور محمد چشتی پنجابی (چشتیاں شریف) قدس سرہٗ:- آپ حضرت مولانا فخر الدین فخر عالم کے خلیفہ اعظم تھے۔ حضرت مولانا نے جو انعامات اور الطاف آپ کو عنایت فرمائیں اپنے کسی دوسرے خلیفہ کو نہیں دے سکے مناقب فخریہ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ نور محمد حضرت شاہ فخر عالم کے شب و روز کے جلیس محلیس اور خادم خدمت تھے۔ ابتدائی دور میں آپ نے ایک دن حضرت خواجہ نور محمد کو فرمایا تھا کہ نور محمد۔ اللہ کی مخلوق ایک دن تجھ سے بہت کچھ حاصل کرے گی۔ آپ کو دل ہی دل میں خیال آیا۔ کہ میں تو ایک مسکین اور کمترین درویش ہوں خطۂ پنجاب کا رہنے والا ہوں جس مقام کا حضرت اشارہ کر رہے ہیں مجھے کب نصیب ہو سکتا ہے لیکن ایک وقت آیا کہ ہزاروں طالبان حق آپ کے دروازے پر کھڑے رہتے تھے اور سینکڑوں انسان آپ کی وساطت سے خدا رسیدہ ہو گئے آپ کی کرامات کا حد و شمار نہیں آپ کے پاس جو شخص جاتا اس کے دل میں جو کچھ ہوتا آپ خود بیان فرما دیا کرتے تھے پھر اس کا جواب بھی عنایت کرتے تھے آپ کے ارادت مندوں سے ایک شخص مولوی غلام حسین تھے جو آپ کے گھر

سے ایک سو میل دُور رہتے تھے۔ فوت ہو گئے تو لوگوں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ نور محمد ان کے جنازے میں شریک ہیں۔

ایک شخص دہلی کا بہت بڑا سردار تھا۔ وہ دل سے مخالف تھا۔ مگر ایک دن وہ مولانا فخر جہاں کی مجلس میں چلا گیا اور مجلس سماع میں شریک ہو گیا اور آہستہ آہستہ آپ سے بیعت بھی کر لی۔ وہ منافقانہ آپ کی مجالس میں چلا آتا تھا۔ جس وقت حضرت فخر الدین کی مجالس میں لوگ وجد و رقت میں آ کر تڑپتے اور بے خود ہوتے تو یہ دل ہی دل میں مذاق کرتا اور ہنستا۔ اس کی اس حرکت سے لوگ واقف ہوئے تو انہوں نے حضرت فخر جہاں سے شکایت کی۔ مگر آپ ہمیشہ نظر انداز فرماتے اور فقراء کی اس عادت کا ثبوت دیتے جو ان کے ہاں صبر و تحمل نے پیدا کر دی ہوئی ہے ایک دن حضرت سلطان المشائخ کے عرس پہ مجلس سماع برپا تھی۔ میر سید بدیع الدین جو آپ کے اخص الخاص غلام تھے۔ اس کی اس عادتِ بد سے آگاہ ہوئے۔ آپ نے حضرت فخر جہان کی خدمت میں گذارش کی حضور ایک بے کار آدمی کی وجہ سے تمام اہل دل کا کام خراب ہوتا ہے اسے نکال دیں یا اس بدمزاج کا علاج کرنا چاہیئے یہ بات سنتے ہی حضرت مولانا فخر الدین مجلس سے اُٹھے۔ اور باہر وضو کرنے تشریف لے گئے۔ اور حضرت خواجہ نور محمد پنجابی کو حکم دیا کہ آپ اس نادان کی خبر گیری کریں۔ تاکہ پھر اس کا دل منافقت سے دُور ہو جائے حضرت شیخ نور محمد پوشیدہ نگاہی سے دو تین بار اس نابکار کی حرکات کو دیکھتے رہے مگر ایک بار تیز نگاہ سے دیکھا وہ بے ہوش ہو کر مجلس میں ہی گر پڑا کپڑے پھاڑنے لگا۔ رقص کرنے لگا۔ اور زمین پر لیٹنے لگا۔ تمام اہل مجلس کے دل اس کی حرکات سے زخمی تھے۔ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ وہ تڑپتا رہا۔ اور فرش کی اینٹوں سے سر پھوڑتا رہا وہ اس قدر زخمی ہوا۔ کہ تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ سانس رک گئی۔ حکیم میر حسین مجلس میں ہی تھے نبض دیکھ کر کہنے

لگے۔ یہ شخص تو مر گیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی لوگ باہر حضرت فخر جہاں کی خدمت میں گئے اور آپ کو بتایا کہ وہ شخص جو مذاق کیا کرتا تھا تڑپ تڑپ کر مر گیا ہے آپ اندر آئے۔ اس کے چہرے پر پانی چھڑکا۔ عرق گلاب منہ میں ڈالا بید مشک کا عرق چھڑکا۔ وہ ہوش میں آیا۔ عرض کرنے لگے۔ حضور آپ نے یہ کیا کر دیا مجھے آپ نے مہلت نہ دی کہ میں شہید عشق ہو جاتا۔ بدیع الدین نے فرمایا۔ تم اپنے اعمال بد اور حرکات خبیثہ کی وجہ سے اس لائق نہیں تھے۔ کہ اس دولت سرمدی سے بہرہ ور ہوتے القصہ اس دن کے بعد وہ صدق دل اور نیت سے حلقۂ احباب میں شامل ہو گیا اور اپنی حرکات سے رک گیا۔

شجرۃ الانوار کے مولف نے لکھا ہے۔ کہ خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہٗ پنجاب سے چل کر دہلی پہنچے۔ ان کی خواہش تھی کہ قرآن پاک حفظ کر لوں۔ وہ دہلی کے مختلف علماء کرام کی خدمت میں حاضر ہوئے قرآن پڑھا کتابیں پڑھیں۔ مگر ایک وقت آیا کہ حضرت مولانا فخر الدین کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور تمام علوم مروجہ میں تکمیل کی۔ آپ نے اس عالم دین کو ۱۱۵۰ھ میں اپنا مرید بنا لیا۔ اور کچھ باطنی اسرار سے بھی نوازا پھر پوری روحانی تربیت کر کے خرقۂ خلافت عطا فرمایا آپ حضرت فخر جہان قدس سرہٗ کے ارشاد پر اپنے وطن مالوف پنجاب آئے۔ اور ریاست بہاول پور میں قصبہ مہاراں میں فروکش ہوئے۔ یہ مقام پاک پتن سے چالیس میل دور مغرب کی طرف ہے۔ آپ کے ارد گرد مریدوں کی ایک خاصی تعداد جمع ہو گئی جنہیں آپ نے قلبی طور پر مطمئن کر دیا۔ اس سے آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی آپ نے بڑے بڑے جلیل القدر صوفیاء کو تربیت دی ان میں سے بعض اتنے معروف مشائخ ہوئے جنہوں نے مخلوق خدا کی ہدایت پر بڑا کام کیا آپ کے خلفاء میں سے خواجہ نور محمد ثانی۔ بڑے عالم فاضل تھے آپ کو خلیفہ کا خصوصی لقب دیا گیا تھا۔ آپ حضرت خواجہ مہاروی کی خاص توجہ کے

مالک تھے آپ کا مزار حاجی پورہ میں ہے مولانا قاضی محمد عاقل قدس سرہٗ آپ کے خاص مرید تھے آپ کوٹ مٹھن میں آرام فرما ہیں۔ آپ کے علم و فضل سے پنجاب بھر کے طلباء مستفیض ہوئے خواجہ محمد جمال قدس سرہٗ جن کا مزار ملتان میں ہے بھی آپ کے خاص شاگرد تھے۔ خواجہ محمد جمال کے شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ پنجاب میں پھیلا ہوا تھا حضرت خواجہ سلیمان تونسوی بھی آپ کے سربرآوردہ خلفاء میں سے تھے۔ خانوادہ چشتیہ کا فیضان آپ کی وساطت سے دُور دُور تک پھیلا۔ اور آپ کا لقب خاتم الخلفاء تھا[1]

شیخ نور محمد مہاروی چشتی قدس سرہٗ کا وصال تاج سرور (مہاراں سے تین کوس

---

[1] :-

کے فاصلہ پر) ۱۲۰۵ھ میں ہوا تھا۔ وہاں ہی آپ کا مزار پُر انوار ہے۔

شیخ دین نُور محمد مقتدا
گشت ز در روشن جہاں نزدیک و دور
نور حق مشتاق گو تر حیل او
۱۲۰۵ھ
ہم ولی مجتبیٰ مہتاب نور

۱۲۰۵ھ

سید علی شاہ چشتی قدس سرہٗ: آپ سید علیم اللہ جالندھری کے خلیفہ تھے حضرت پیر روشن ضمیر کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور بے پناہ مخلوق کو راہ ہدایت سکھائی۔ آپ ۱۲۱۳ھ میں فوت ہوئے مزار پُر انوار جالندھر میں ہے میاں غلام رسول ساکن ٹانڈہ نے آپ کا سال وصال رضی اللہ عنہ سے لیا ہے۔ ۱۲۱۳ھ

شیخ محمد سعید چشتی لاہوری شرقپوری قدس سرہٗ: آپ جامع کرامات تھے لاہور سے بیس میل کے فاصلہ پر قصبہ شرقپور میں رہتے تھے چونکہ آپ خواجہ تھے ابتدائی زندگی میں عام نومسلم افراد کی طرح تجارت کرتے تھے۔ غلہ سبزی لے کر فروخت کرتے تھے۔ بعض اوقات گندم اور چنے خرید کر مختلف علاقوں میں فروخت کرتے تھے۔ بعض اوقات شرقپور سے غلہ لے کر بیلوں پر لاد کر لاہور لاتے تھے اور اسی کاروبار میں گزر اوقات کرتے تھے۔ ایک بار دوسرے بیوپاریوں کے ساتھ شرقپور سے لاہور آرہے تھے۔ نیاز بیگ کے قدیمی مدرسہ گیند والا کے نزدیک پہنچے تو آپ کے بیل کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اور غلہ زمین پر آگرا آپ نے اپنے ہمرائی تاجروں کو کہا کہ میرا غلہ تھوڑا تھوڑا تقسیم کر کے لاہور لے چلو۔ مگر کسی نے پرواہ نہ کی اور سکھوں کے ڈر سے قافلہ چلتا گیا۔ ان دنوں مغل سلطنت کمزور

ہو چکی تھی۔ اور اس علاقہ میں سکھوں کے جتھے لوگوں کو لوٹ لیتے تھے۔ شیخ محمد سعید اسی حالت میں بے یار و مددگار رہے۔ اور اس ویرانے میں پڑے رہے رات ہوئی۔ آپ بڑے پریشان تھے۔ ناچار رات کے وقت وہیں لیٹ رہے۔ دعا کی۔ رو رو کر زاری کرتے رہے۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ ایک گھوڑا سوار دور سے آپہنچا۔ نزدیک آیا۔ تو زور سے آواز دی۔ کہ اس اندھیری رات میں تم کون ہو۔ اس ویرانے میں کیا کر رہے ہو۔ تمہارا کیا نام ہے۔ کیا کرتے ہو یہ غلہ میرے پاس لاؤ۔ محمد سعید نے سمجھ لیا یہ کوئی راہزن ہے جس کے ہاتھوں آج خیر نہیں۔ آپ نے بہرحال جواب دیا۔ میں ایک غریب آدمی ہوں جو شرقپور سے غلہ لے کر لاہور جا رہا تھا کہ میرے بیل کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اب میں بے یار و مددگار پڑا ہوں اس شخص نے کہا۔ غلہ میرے پاس لاؤ۔ اور تمہارا بیل تندرست ہے اس پر غلہ لاد دو آپ نے بتایا کہ سارا غلہ مجھ اکیلے سے اٹھایا نہیں جاتا۔ اس شخص نے کہا۔ اپنے بیل کو اٹھاؤ دیکھو کہ اس کا پاؤں درست ہو گیا ہے۔ شیخ محمد سعید نے دیکھا تو بیل واقعی تندرست تھا۔ انہوں نے خیال کیا یہ کوئی غیبی امداد ہے یہ شخص راہزن نہیں راہنما ہے اب سوار نے غلے کی بوری کے پاس کھڑے ہو کر نیزے کی انی سے اٹھا کر بیل کی پشت پر رکھ دیا اور وہ نوجوان بادصبا کی تیزی کے ساتھ وہاں سے چل دیا۔ شیخ محمد سعید نے کہا آپ میرے محسن ہیں مددگار ہیں۔ میں آپ کا نام اور مقام پوچھے بغیر جانے نہیں دوں گا۔ شیخ محمد سعید نے بڑا اصرار کیا۔ اور قدموں سے چمٹ گیا۔ سوار نے بتایا کہ میں اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب ہوں۔ میں اللہ کے حکم سے تمہاری امداد کو آیا ہوں۔ جاؤ اللہ کے حوالے یہ کہہ کر آپ غائب ہو گئے۔

شیخ محمد سعید شرقپور آئے۔ اپنا مال و متاع اللہ کے راہ میں لٹا دیا عبادت خداوندی میں مشغول ہو گئے۔ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت ہو گئے اور مقبولان خدا سے ہو گئے اگرچہ آپ سے ہزاروں کرامتیں ظاہر ہوئیں، اور ان صفحات میں ان کی تحریر کی گنجائش

بھی نہیں۔ صرف ایک دو باتیں مشتے نمونہ از خروارے بیاں کی جاتی ہیں۔

خربوزوں کا موسم تھا۔ آپ خربوزے لاد کر شرقپور پہنچے۔ ایک نیل گر کی دکان کے چبوترے پر بیٹھ کر خربوزے فروخت کرنے لگے۔ لوگ خربوزہ کھاتے اور اس کے چھلکے رنگریز کے برتن میں پھینک دیتے۔ جس سے برتن میں خربوزوں کے بیج اور چھلکے جمع ہو گئے۔ رنگریز یہ صورتِ حال دیکھ کر گھبرا گیا۔ ابھی وہ سوچ رہا تھا کہ شیخ سعید قدس سرہٗ کو کہوں کہ یہاں سے اُٹھ کر چلے جائیں میرا بہت نقصان ہو چکا ہے آپ نے اس کے دل کے خطرے کو خود ہی بھانپ لیا۔ اور جس قدر خربوزے باقی بچے تھے۔ چیر کر ان کے بیج اور کاشیں ضم میں پھینک کر فرمایا لو تمہارا نیل ٹھیک کر دیا ہے اب اس میں تازہ نیل ڈالنے کی ضرورت نہیں آئے گی۔ اسے عمر بھر استعمال کرتے جاؤ۔ کپڑے ڈبوتے جاؤ اور رنگ کرتے رہو۔ واقعی ایسا ہی ہوا۔ رنگریز جب تک زندہ رہا۔ نیا نیل ڈالے بغیر کپڑے رنگتا رہا۔

حضرت شیخ محمد سعید شرقپوری کا سلسلہ طریقت چند واسطوں سے شیخ جلال الدین چشتی تھانیسری سے ملتا ہے آپ کے عظیم خلیفہ شیخ شمس الدین بن محمد حسین لاہوری تھے آپ وجد و تواجد میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

شیخ محمد سعید ۱۲۱۴ھ میں فوت ہوئے لفظ دریغ سے آپ کی تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے یہ تاریخ آپ کے مزار پر کندہ ہے۔ آپ کا مزار قصبہ شرقپور میں ہے۔

شیخ محمد سعید چشتی قدس سرہٗ:۔ آپ سید علیم اللہ جالندھری قدس سرہٗ کے مرید خاص اور خلیفہ اکمل تھے دوآبہ جالندھر میں قصبہ راؤں میں رہتے تھے ظاہری اور باطنی علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔ ساری زندگی تعلیم و تربیت میں گزار دی۔

آپ ۱۹ ذوالحجہ ۱۲۲۰ھ میں فوت ہوئے آپ کی تاریخ وفات ہے۔

۱۲۲۰ھ

شیخ خیر الدین المعروف بہ خیر شاہ چشتی لاہوری قدس سرہٗ: آپ لاہور کے عظیم خلفائے چشتیہ میں سے ہیں شیخ سلیم چشتی لاہوری کے خلیفہ تھے۔ سماع اور وجد میں بے مثال تھے۔ آپ کا لنگر عام وخاص کے لئے کھلا تھا آپ انیس[19] ذوالحجہ ۱۲۲۸ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لاہور میں ہے۔

سیّد اعظم چشتی روپڑی قدس سرہٗ: آپ سلسلہ میران بھیکھ کے خلیفہ اعظم تھے۔ آپ جسے دیکھتے محبت خداوندی کا خوگر بنا دیتے تھے۔ ایک رات سید اعظم اپنی گھوڑی پر سوار اپنے گاؤں سے دوسرے گاؤں میں جا رہے تھے راستہ میں راہزنوں نے آگھیرا۔ آپ کی گھوڑی کا مطالبہ کیا۔ آپ نے بڑے حوصلے سے سمجھایا کہ جس گھوڑی پر میں سوار ہوں۔ نہایت کمزور اور لاغر ہے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ ہاں میرے گھر ایک اور گھوڑی ہے وہ میں دے سکتا ہوں اگر آپ لوگ تھوڑا سا وقت یہاں ٹھہریں تو میں ابھی لاکر دے دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ اپنے گھر آئے اور اچھی گھوڑی لے جاکر راہزنوں کے حوالے کر دی۔ راہزن گھوڑی لے کر چل دیئے۔ دوسرے دن تمام ڈاکو اپنے اہل وعیال کو ساتھ لئے آپ کے گھر پہنچے۔ توبہ کی۔ آپ کی گھوڑی کے ساتھ نذرانے پیش کر کے معافی کے خواستگار ہوئے۔

آپ ۱۲۲۷ھ کو فوت ہوئے آپ کا مزار روپڑ میں ہے۔

حافظ موسیٰ چشتی مانک پوری قدس سرہٗ: آپ اعظم روپڑی کے خلیفہ تھے ابتدائی زندگی میں قلعی گری کیا کرتے تھے۔ دو بیویاں تھیں۔ جب اللہ سے لگن لگی تو دونوں کو طلاق دے دی۔ ایک عرصہ تک ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول رہے اور آپ اس عرصہ بہول پور روپڑ میں

قیام پذیر رہے زندگی کے آخری حصہ میں روپڑ سے چل کر مانک پور رہنے لگے۔ یہاں بے پناہ مخلوق آپ کے دروازے پر آنے لگی۔ حالت جذب و مستی یہاں تک پہنچی کہ جو شخص بھی آپ کے دروازے پر آتا جذب و مستی کا حصہ پاتا تھا۔ آپ اس میں جس پر نگاہ ڈالتے اسے اپنا منظور نظر بنا لیتے تھے بعض حضرات تو آپ کی ایک نگاہ سے مجذوب بن جاتے تھے۔ چنانچہ کریم شاہ اور محمد شاہ اسی علاقہ کے مشہور مجذوب آپ کی ایک نگاہ کی زد میں آئے اور مجذوب بھی تھے۔

آپ سولہ ۱۶ ماہ رمضان المبارک بروز ہفتہ ۱۲۴۷ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار مانک پور میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے آپ کے باکمال خلفاء میں سے مولوی امانت علی امروہوی۔ غلام معین الدین المعروف شاہ خاموش دکنی۔ خواجہ عبداللہ امروہی امیر امانت علی ثانی محمد بخش سہگاوالہ اور پیر شاہ سجادہ نشین جیسے کئی بزرگ اس سلسلہ پر کاربند رہے۔

بہر دیدار حق چو از دنیا
رفت در ملک جاوداں موسیٰ
کن رقم سال رحلتش سرور
زیب دین حظ مار جہاں موسیٰ

۱۲۴۷ھ

سید شاہ نیاز احمد مولوی چشتی قدس سرہٗ: آپ حضرت شاہ مولانا فخر جہاں فخر الدین نے اعلیٰ اور اعظم خلیفہ تھے بڑے صاحب راز و نیاز اور مالک سوز و گداز تھے عشق و محبت میں اپنی مثال آپ تھے علوم ظاہر و باطنی میں یگانہ روزگار تھے۔ طالبان حق کو اللہ تک رسائی کرانا ان کے کمالات میں شامل تھا۔ شوق و ذوق کا گھوڑا میدان عشق میں دوڑاتے رہتے تھے آپ

کی خانقاہ فیوض ربانی کا خزینۃ الانوار سبحانی کا مطلع تھا۔ ہزاروں سحرزدہ دل آپ کی دل جوئی سے خدا رسیدہ بن گئے اور سینکڑوں بے خبر اللہ کی معرفت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید حاجی حکیم شاہ رحمت سرہندی قدس سرہٗ تھا۔ اسی طرح مولانا شریف بھی آپ کے ہم شرب تھے۔ جب آپ کے والد کا انتقال ہوا تو آپ ابھی بچے ہی تھے آپ کی والدہ ماجدہ جو رابعۂ عصر تھیں نے اپنی نظروں میں بٹھایا اور اپنی زیر نگاہ تربیت دی پھر ظاہری و باطنی علوم کے لئے حضرت شاہ فخر الدین کی خدمت میں پیش کیا حضرت مولانا فخر قدس سرہٗ نے بھی شاہ نیاز کو بڑی توجہ اور شفقت سے زیور تعلیم سے آراستہ کیا۔ آپ سترہ سال تک ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل میں مصروف رہے آپ کو معقول منقول فروغ و اصول حدیث و تفسیر فقہ و منطق جیسے علوم مروجہ میں درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ دستار فضیلت حاصل کرنے کے بعد انیس سال کی عمر میں بیعت کی۔ چند برسوں میں باطنی علوم میں کمال حاصل کرنے کے بعد خرقۂ خلافت پایا۔ پھر حضرت پیر و مرشد کے حکم سے بانس بریلی کے خطہ میں روحانی تربیت کے لئے مامور ہوئے آپ نے وہاں پہنچ کر خلق خدا کی بڑی راہنمائی کی بے پناہ لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے دور دراز کے علاقوں سے آکر لوگ آپ سے بیعت ہوتے اسی طرح آپ کے خلفاء بھی ملک کے مختلف علاقوں میں پھیلنے لگے۔ ایک وقت آیا کہ آپ رام پور چلے گئے اور وہاں حضرت شاہ عبداللہ قادری سے بیعت ہو کر سلسلہ قادریہ میں داخل ہوئے سید شاہ عبداللہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ انہیں حضرت نیاز بریلوی کے اشعار سے بھی بڑا لگاؤ تھا۔ حضرت شاہ نیاز کی شاعری کی دھوم سارے برصغیر میں مچی ہوئی تھی اور آپ ہر زبان میں شعر کہتے تھے آپ کا دیوان بڑی عمدہ شاعری کا نمونہ ہے۔ اسے صوفیاء اپنی مجالس میں بڑے شوق و ذوق سے سنتے ہیں

حضرت شاہ نیاز بریلوی قدس سرہٗ ۱۱۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور بریلی میں ششم ماہ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ میں فوت ہوئے آپ ستتر سال کی عمر میں دنیا سے تشریف لے گئے آپ کا مزار پر انوار بریلی میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔

فضل ربانی بگو تولید او
رحلتش دیندار شیخ بے نیاز
باز سال ارتحالش شد عیاں
۱۱۷۳ھ
باصفا مخدوم شاہ بے نیاز

۱۲۵۰ھ

خواجہ محمد سلیمان چشتی تونسوی قدس سرہٗ: آپ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی چشتی کے خلفا اور اصحاب میں سے تھے کشف و کرامات میں بے مثال تھے۔ آپ کی ریاضت اور عبادت مشرق و مغرب میں مشہور ہوئی۔ آپ کا اصل وطن گوجی کوہستان تھا ابتدائے کار میں کوٹ مٹھن آئے قاضی محمد عاقل کے مدرسہ میں زیر تعلیم رہے کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ذات حق کی تلاش کا شوق دامن گیر ہوا۔ انہیں دنوں خواجہ نور محمد مہاروی چشتیاں سے ایک قافلہ علماء طلباء کے ساتھ کوٹ مٹھن آئے اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ کی خانقاہ پر قیام کیا۔ خواجہ محمد سلیمان نے بھی آپ سے یہاں ہی بیعت کر لی۔ چند سال زیر تربیت رہے تکمیل سلوک چشتیہ کے بعد خرقہ خلافت حاصل کر لیا اپنے پیر و مرشد کے حکم پر اپنے گھر گوجی سے تیس کوس کے فاصلہ پر تونسہ کے مقام پر سکونت پذیر ہوئے۔ ہدایت خلق کا دروازہ کھلا تو بے شمار لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے چنانچہ ایک لاکھ انسان جن میں کفار، فجار اور فساق ہر قسم کے لوگ شامل تھے آپ کے ہاتھ پر تائب ہو کر راہ ہدایت پانے میں کامیاب ہوئے

آپ کے مریدوں میں ہزاروں کو صاحب سجادہ بنا دیا گیا اور دور دراز علاقوں میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت ہونے لگی۔ مگر آپ کے خلفا میں سے تین اشخاص ایسے نکلے جنہوں نے مستقبل میں بڑی شہرت پائی۔ اور عرب وعجم میں مشہور ہوئے۔ ان میں سے شیخ محمد یار قدس سرہٗ جنہوں نے ریاضت اور مجاہدات میں کمال کر دیا وہ فرید العصر اور وحید الدھر ہوئے۔ حافظ محمد علی خیر آبادی قدس سرہٗ آپ کے حلقہ ارادت میں دکن اور عربستان کے لوگ جمع ہو گئے تیسرے مولوی محمد علی مکھڈی قدس سرہٗ جنہوں نے پنجاب اور شمالی علاقوں میں چشتیہ سلسلہ کی اشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا[1]۔

حضرت خواجہ سلیمان تونسوی قدس سرہٗ ہفتم صفر بروز جمعرات ۱۲۶۷ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ کا مزار پُر انوار تونسہ شریف میں ہے آپ کی عمر ایک سو سال کے قریب تھی۔ ان دنوں (مفتی غلام سرور کے زمانہ ہیں) آپ کے پوتے خواجہ اللہ بخش تونسوی مسند ارشاد پر جلوہ فرما ہیں۔

گشت از دل سال ترحیلش عیاں
قطب حق مرشد سلیمان بادشاہ
راغب دیں شد ہم از سرو رقم
رحلت آں بادشاہ اہل جاہ

۱۲۶۷ھ

---

[1] خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب تاریخ مشائخ چشت اور مولوی احمد علی چشتی نے اپنی کتاب تصر عارفاں میں حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کے احوال ومقامات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ آپ کی روحانی خدمات سلسلہ چشتیہ کے فروغ واشاعت علمی اور عرفانی سرگرمیاں۔ پھر آپ کے خلفاء کی شہرت اور ان کی تعلیمات کے اثرات پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے یہ دونوں کتابیں ان دنوں کتابی دنیا میں مشہور رہیں۔ قارئین تفصیلی حالات کے لئے ان کتابوں کو ضرور سامنے رکھیں۔

مولوی غلام مصطفےٰ چشتی وزیرآبادی قدس سرہٗ: آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مشائخ میں سے تھے بڑے صاحب دل اور صاحب باطن بزرگ تھے۔ آپ شیخ اللہ دتا کے مرید تھے وہ شیخ کریم الدین کے وہ شیخ محمد غوث کے وہ شیخ قادر بخش کے وہ حامد شاہ کے اور محمد صدیق لاہوری قدس سرہم کے مرید تھے۔ آپ ۱۲۶۷ھ میں فوت ہوئے۔ بہادر شاہ لاہوری نے آپ کی تاریخ وفات لفظ خدا پرست نکال کی ہے۔ ۱۲۶۷ھ آپ کے خلفاء میں سے سید چراغ شاہ سبزواری جو آپ کے خالہ زاد بھائی بھی تھے بڑے معروف ہوئے اور وہی آپ کے سجادہ نشین بنے

چو از دنیا لفیروس بریں رفت
غلام مصطفےٰ ہادی عالم
وصالش مخزن شرع است سرور
دوبارہ جلوہ گر شد نور اعظم

۱۲۶۷ھ

مولوی امانت علی چشتی قدس سرہٗ: آپ شیخ محمد موسیٰ مانک پوری کے خلیفہ تھے بڑے صاحب ریاضت اور عبادت بزرگ تھے دنیا اور اہل دنیا سے انہیں کوئی کام نہ تھا۔ پیر روشن ضمیر کی وفات کے بعد آپ کشمیر چلے گئے تھے کشمیر میں شیر احمد شاہ ایک کامل بزرگ تھے۔ ان سے مرید ہوئے واپس آکر امروہہ میں قیام فرما ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات انیس ۱۹ ذیقعدہ ۱۲۸۰ھ دہشتر سال کی عمر میں) ہے۔ آپ کے تینوں بیٹے امروہہ میں رہتے ہیں آپ کے مریدوں میں شیخ عبدالرحیم۔ شیخ عبدالرحمان اور شیخ سمیع اللہ پٹیالوی بڑے مشہور بزرگ ہیں

چوں امانت علی امین نبی !!
رفت آخر بعزت از دنیا
سال وصلش تو خوش بگو سرور
رفت اہل امانت از دنیا

۱۲۸۰ھ

شیخ حاجی رمضان چشتی لاہوری قدس سرہٗ:- آپ خواجہ سلیمان تونسوی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ بڑے زاہد و عابد صائم الدہر اور قائم اللیل ہیں۔ مخلوق سے دور اور اللہ کے قریب ہیں۔ ہمیشہ خانہ خدا میں قیام ہے اور عبادت میں مشغول ہیں۔ مجالس سماع میں پوری ذمہ داری سے شریک ہوتے ہیں اور وجد و اضطراب میں رہتے ہیں آپ حج بیت اللہ پر بھی گئے تھے۔ خلق خدا سے نیک خلقی اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ جو ضرورت درپیش ہو اللہ سے دُعا کرتے ہیں جو قبول ہو جاتی ہے غرض کہ اس زمانہ میں وہ مشہور صوفیاء میں ہیں لیکن گم نام رہنے کے لئے گوشہ نشین رہتے ہیں۔

آپ رمضان المبارک ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور تین رمضان ۱۲۸۲ھ میں اسّی سال کی عمر میں فوت ہوئے آپ کا مزار لاہور قبرستان میانی صاحب میں شیخ محمد طاہر لاہوری کے مزار کے قریب ہے۔

حضرتِ رمضان کہ نام نامیش
بود متبرک چو رمضان بر زبان
آمد اندر ماہ رمضان بر زمین
ہم بہ رمضان شد براوج آسمان

گہ چراغ حلم سالِ جلتش ۱۲۸۲ھ نیز کامل زندہ دل رمضان بخواں ۱۲۸۲ھ

شیخ فیض بخش لاہوری قدس سرہٗ: آپ لاہور کے صاحبِ حال اور صاحب وجد صوفیا میں سے تھے۔ آپ سید حیدر علی شاہ کے مرید تھے اور وہ شیر شاہ لاہوری کے خلیفہ تھے آپ ریشم کے کپڑے بنا کر گزر اوقات کرتے تھے اور ہر سال میں آپ سترہ عرس سالانہ کیا کرتے تھے جن میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت علی مرتضیٰ۔ عاشورہ مبارک۔ عرس حضرت غوثِ اعظم۔ عرس حضرت خواجہ معین الدین اجمیری۔ عرس حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اور عرس حضرت خواجہ علی احمد صابر منایا کرتے تھے۔ ان عرسوں پر بڑا پیسہ خرچ کرتے اور سماع کی مجالس قائم کرتے تھے۔ جس پر خصوصی توجہ دیتے وہ مست اور بے ہوش ہو جاتا۔ آپ کے مریدوں میں آپ کی کرامات بڑی مشہور ہیں ہم اس مختصر سی کتاب میں وہ کرامات نہیں لکھ سکتے۔ ہر رات تین بار غسل کرتے اور اللہ کی عبادت میں ساری رات گزار دیتے۔ دنیا کی لذید چیزوں سے پرہیز کرتے۔ بعض اوقات حلوے میں مرچیں ڈال دیتے اور زردے میں نمک ملا لیتے۔ موت قریب آئی تو محرقہ بخار میں مبتلا ہوئے اور چند دن بیمار رہ کر رجب کی نو ۱۲۸۶ھ کو فوت ہو گئے۔ آپ نے مرنے سے چند لمحے پہلے حافظ قادر بخش نعت خواں کو بلایا اور کہا کہ مجھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت سنائیں۔ اُس نے یہ نعت شروع کی۔

منم خاکِ در کوئے محمدؐ
اسیر حلقۂ موئے محمدؐ
قتیل نوک شمشیر نگاہش
شہید تیغ ابروئے محمدؐ

یہ نعت سنتے ہی آپ پر وجد طاری ہوا۔ تڑپنے لگے۔ جسم پسینہ سے شرابور ہو گیا اور اسی حالت میں جان قربان کر دی۔

زدار الفنا سوی فردوس رفت
چو آن فیض بخش صفا اہل فیض
بگو محرم فیضِ حق سال او
دگر مرد اہل عطا اہل فیض
۱۲۸۶ھ

۱۲۸۶ھ

الحمدُ للہ۔ خزینۃ الاصفیاء کے سلسلۂ چشتیہ کے حصے کا ترجمہ مکمل ہو گیا ہے۔ دوسرے سلاسل تصوف میں سے سلسلہ قادریہ اور متفرق سلاسل۔ مجازیب۔ اور صالحاتِ امت کے تراجم زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آچکے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ اور سلسلہ سہروردیہ زیرِ ترجمہ ہیں جو انشاء اللہ جلد ہی قارئین کرام تک پہنچیں گے۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی
(مترجم خزینۃ الاصفیاء)

Maktabah Mujaddidiyah
www.maktabah.org

This book has been digitized by Maktabah Mujaddidiyah (www.maktabah.org).

Maktabah Mujaddidiyah does not hold the copyrights of this book. All the copyrights are held by the copyright holders, as mentioned in the book.

Digitized by Maktabah Mujaddidiyah, 2012

Files hosted at Internet Archive [www.archive.org]

We accept donations solely for the purpose of digitizing valuable and rare Islamic books and making them easily accessible through the Internet. If you like this cause and can afford to donate a little money, you can do so through Paypal. Send the money to ghaffari@maktabah.org, or go to the website and click the Donate link at the top.

خزینۃ الاصفیاء

ایک ہزار سے زائد اکابر صوفیاء کرام کا اہم تذکرہ

تالیف لطیف

مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہ

ترتیب و ترجمہ

جناب محمد ظہیر الدین صاحب بھٹی

مکتبہ نبویہ

گنج بخش روڈ ۔ لاہور

جلد سوم ـــــ مخزن چہارم (۴)

سلسلہ نقشبندیہ

خزینۃ الاصفیاء

ایک ہزار سے زائد اکابر صوفیاء کرام کا اہم تذکرہ

تالیف لطیف

مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہٗ

ترتیب و ترجمہ

جناب محمد ظہیر الدین صاحب بھٹی

خلیفہ عبداللہ طالبانی طاہری

صدر جماعت اصلاح المسلمین ضلع جھنگ

مکتبہ نبویہ

گنج بخش روڈ ○ لاہور

جلد سوم —— مخزن چہارم (۴)

سلسلہ نقشبندیہ

نام کتاب	خزینۃ الاصفیاء
نام مولف	مفتی غلام سرور لاہوری رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۳۰۷ھ)
سال طباعت فارسی ایڈیشن	۱۲۹۰ھ
سال طباعت اردو ترجمہ	۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۴ء
مترجم	محمد ظہیر الدین بھٹی، ایم۔اے
کمپوزنگ	المدد کمپوزرز، راج گڑھ، لاہور
ناشر	مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور
طابع	نصرت پریس لاہور فون نمبر 7233910 - 7238701 - 7238807
قیمت مجلد	۶۶ روپے

فہرست اولیائے سلسلہ نقشبندیہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۱
حضرت امام قاسم رحمتہ اللہ علیہ	۱۴
حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ	۱۵
حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ	۲۰
حضرت شیخ ابو علی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ	۲۸
حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ	۳۰
حضرت نجیب الدین شیرازی رحمتہ اللہ علیہ	۳۲
حضرت خواجہ حسن اوزانی رحمتہ اللہ علیہ	۳۲
حضرت شیخ عبداللہ برقی رحمتہ اللہ علیہ	۳۴
حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ	۳۵
حضرت خواجہ حکیم آتا رحمتہ اللہ علیہ	۳۸
حضرت خواجہ عبدالمالک رحمتہ اللہ علیہ	۳۹
حضرت خواجہ منصور رحمتہ اللہ علیہ	۴۰
حضرت خواجہ تاج الدین آتا رحمتہ اللہ علیہ	۴۰
حضرت خواجہ سعید آتا رحمتہ اللہ علیہ	۴۱
حضرت خواجہ اولیا کبیر رحمتہ اللہ علیہ	۴۱
حضرت خواجہ زنگی آتا رحمتہ اللہ علیہ	۴۳

حضرت خواجہ احمد صدیق رحمتہ اللہ علیہ	۴۶
حضرت خواجہ سلیمان رحمتہ اللہ علیہ	۴۷
حضرت خواجہ سید آتا رحمتہ اللہ علیہ	۴۸
حضرت خواجہ اسمٰعیل رحمتہ اللہ علیہ	۴۸
حضرت خواجہ غریب آتا رحمتہ اللہ علیہ	۴۹
حضرت خواجہ ریوگری رحمتہ اللہ علیہ	۵۰
حضرت محمود الخیر فغنوی رحمتہ اللہ علیہ	۵۱
حضرت میر حسن میر خورد رحمتہ اللہ علیہ	۵۳
حضرت خواجہ علی رامتنی رحمتہ اللہ علیہ	۵۳
حضرت سید محمد بابا سماسی رحمتہ اللہ علیہ	۵۶
حضرت خواجہ میر سید کلال رحمتہ اللہ علیہ	۵۸
حضرت خواجہ بہاء الدین شاہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ	۶۰
حضرت یادگار کن سرونی رحمتہ اللہ علیہ	۶۶
حضرت خواجہ علاء الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ	۶۶
حضرت خواجہ علاء الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہ	۶۹
حضرت خواجہ میر ع.. رحمتہ اللہ علیہ	۷۰
حضرت خواجہ شاہ امیر رحمتہ اللہ علیہ	۷۰
حضرت خواجہ عارف دیگ کرانی رحمتہ اللہ علیہ	۷۱
حضرت میر برہان الدین رحمتہ اللہ علیہ	۷۲
حضرت خواجہ شیخ محمد رحمتہ اللہ علیہ	۷۳
حضرت بہاء الدین قشلانی رحمتہ اللہ علیہ	۷۴
حضرت خواجہ میر حمزہ رحمتہ اللہ علیہ	۷۴

حضرت جمال الدین ہستانی رحمتہ اللہ علیہ	۷۵
حضرت خواجہ امیر کلان واشی رحمتہ اللہ علیہ	۷۵
حضرت شیخ مبارک بخاری رحمتہ اللہ علیہ	۷۶
حضرت خواجہ حسام الدین شاشی رحمتہ اللہ علیہ	۷۷
حضرت خواجہ محمد پارسا رحمتہ اللہ علیہ	۷۸
حضرت خواجہ شریف حرجانی رحمتہ اللہ علیہ	۸۲
حضرت خواجہ عبداللہ امامی رحمتہ اللہ علیہ	۸۲
حضرت خواجہ حسن عطار رحمتہ اللہ علیہ	۸۳
حضرت حال سیف الدین نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ	۸۴
حضرت مولانا ابوسعید رحمتہ اللہ علیہ	۸۶
حضرت مولانا کمال الدین رحمتہ اللہ علیہ	۸۷
حضرت خواجہ مسافر خوارزمی رحمتہ اللہ علیہ	۸۷
حضرت مولانا محمد مغاندی رحمتہ اللہ علیہ	۸۸
حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمتہ اللہ علیہ	۸۹
حضرت خواجہ علاء الدین غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ	۹۰
حضرت خواجہ حسام الدین پارسا رحمتہ اللہ علیہ	۹۱
حضرت خواجہ درویش احمد سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ	۹۱
حضرت مولانا عمر ماتریدی رحمتہ اللہ علیہ	۹۳
حضرت خواجہ احمد مسکہ رحمتہ اللہ علیہ	۹۳
حضرت خواجہ سراج الدین بیرمسنی رحمتہ اللہ علیہ	۹۵
حضرت خواجہ نظام الدین خاموش رحمتہ اللہ علیہ	۹۵
حضرت سعد الدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ	۹۹

حضرت خواجہ نظام خاموش رحمتہ اللہ علیہ	۱۰۴
حضرت خواجہ بونصر پارسا رحمتہ اللہ علیہ	۱۰۵
حضرت مولانا شہاب الدین احمد رحمتہ اللہ علیہ	۱۰۶
حضرت خواجہ قاسم رحمتہ اللہ علیہ	۱۰۶
حضرت علاء الدین اہری رحمتہ اللہ علیہ	۱۰۸
حضرت برہان الدین ختلانی رحمتہ اللہ علیہ	۱۱۱
حضرت مولانا جعفر رحمتہ اللہ علیہ	۱۱۲
حضرت خواجہ محمد اکبر رحمتہ اللہ علیہ	۱۱۳
حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ	۱۱۳
حضرت حال مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ	۱۱۹
حضرت سید میر عبدالاول رحمتہ اللہ علیہ	۱۲۵
حضرت مولانا شمس الدین اوحی رحمتہ اللہ علیہ	۱۲۶
حضرت خواجہ محمد یحییٰ رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۰
حضرت مولانا اسمٰعیل فیرکنی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۳
حضرت خواجہ سید حسن رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۵
حضرت خواجہ خواجکا رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۵
حضرت مولانا محمد قاضی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۶
حضرت حال عبدالغفور لاری رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۷
حضرت مولانا علی تاشقندی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۸
حضرت نور الدین تاشقندی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۹
حضرت خواجہ ہندو ترکستانی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۹
حضرت مولانا محمد تراری رحمتہ اللہ علیہ	۱۴۸

حضرت ناصر الدین تزاری رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۲
حضرت محمد زاہد رخشی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۳
حضرت مولانا درویش محمد رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۵
حضرت عبدالشہید نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۶
حضرت مولانا خواجگی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۶
حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۸
حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ	۱۵۱
حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۶۷
حضرت خواجہ بیرنگ رحمتہ اللہ علیہ	۱۷۰
حضرت خواجہ ہاشم صالح رحمتہ اللہ علیہ	۱۷۱
حضرت ملا حسین کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۱۷۲
حضرت خواجہ خاوند حضرت ایشان رحمتہ اللہ علیہ	۱۷۴
حضرت خواجہ حاجی خضر رحمتہ اللہ علیہ	۱۸۲
حضرت سید آدم بنوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۸۳
حضرت شیخ حامد لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۹۱
حضرت نور محمد پشاوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۹۲
حضرت میر نعمان مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۱۹۲
حضرت میر ابوالعلا مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۱۹۳
حضرت شیخ ابوالفتح رحمتہ اللہ علیہ	۱۹۴
حضرت شیخ عبدالحئی رحمتہ اللہ علیہ	۱۹۵
حضرت شیخ احمد سعید مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۱۹۵
حضرت شیخ محمد سلطان پوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۹۷

حضرت شیخ محمد معصوم سرہندی رحمتہ اللہ علیہ	۱۹۸
حضرت میر سید علیم اللہ رحمتہ اللہ علیہ	۲۰۳
حضرت شیخ محمد انبالی رحمتہ اللہ علیہ	۲۰۴
حضرت محمد شریف شاہ آبادی رحمتہ اللہ علیہ	۲۰۴
حضرت خواجہ معین الدین خاوند رحمتہ اللہ علیہ	۲۰۴
حضرت شیخ عبدالخالق حضوری رحمتہ اللہ علیہ	۲۰۷
حضرت خواجہ داؤد مشکوتی رحمتہ اللہ علیہ	۲۰۸
حضرت محمد امین کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۲۰۹
حضرت شیخ سیف الدین مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۱۰
حضرت شیخ سعدی بلخاری لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۲۱۱
حضرت حاجی اسمٰعیل غوری رحمتہ اللہ علیہ	۲۱۸
حضرت عبدالغفور پشاوری رحمتہ اللہ علیہ	۲۲۰
حضرت حافظ احمد یسوی نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ	۲۲۵
حضرت سید نور محمد بدایونی رحمتہ اللہ علیہ	۲۲۶
حضرت محمد صدیق مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۲۷
حضرت خواجہ عبداللہ بلخی رحمتہ اللہ علیہ	۲۲۸
حضرت خواجہ عبداللہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ	۲۲۹
حضرت شیخ عبدالاحد مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۳۰
حضرت شیخ محمد فرخ مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۳۲
حضرت حاجی محمد افضل رحمتہ اللہ علیہ	۲۳۳
حضرت محمد حسن مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۳۴
حضرت نواب مکرم خان رحمتہ اللہ علیہ	۲۳۵

حضرت شیخ محمد فاضل بٹالوی رحمتہ اللہ علیہ	۲۳۶
حضرت شیخ محمد زبیر سرہندی رحمتہ اللہ علیہ	۲۳۹
حضرت حافظ سعد اللہ مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۴۱
حضرت شاہ گلشن مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۴۳
حضرت عبدالرشید مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۴۵
حضرت نور الدین آفتاب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۲۴۶
حضرت حافظ محمد عابد مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۴۷
حضرت حاجی محمد سعید لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۲۴۹
حضرت خواجہ عبدالسلام کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۲۵۲
حضرت شاہ محمد صادق کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۲۵۷
حضرت محمد رضا الہامی رحمتہ اللہ علیہ	۲۵۹
حضرت خواجہ محمد اعظم دوسری رحمتہ اللہ علیہ	۲۶۰
حضرت خواجہ کمال الدین کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۲۶۱
حضرت مرزا مظہر جان جانان رحمتہ اللہ علیہ	۲۶۳
حضرت مولوی احمد اللہ مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۶۸
حضرت شیخ محمد احسان سرہندی رحمتہ اللہ علیہ	۲۶۹
حضرت مولوی علیم اللہ گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ	۲۷۰
حضرت مولوی ثناء اللہ پانی پتی مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۷۱
حضرت شاہ درگاہی مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۷۳
حضرت مولانا صفی الدین مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۷۶
حضرت سید غلام علی شاہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ	۲۲۷
حضرت مولانا خالد کردی مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۸۹

حضرت شاہ ابو سعید مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۹۱
حضرت شاہ رؤف مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۹۴
حضرت شیخ محمد اصغر مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۹۵
حضرت شاہ عبدالرحمٰن مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۲۹۶
حضرت مولوی کرم اللہ محدث رحمتہ اللہ علیہ	۲۹۶
حضرت ملا عبدالغفور جرجوی رحمتہ اللہ علیہ	۲۹۷
حضرت مرزا رحیم اللہ بیگ رحمتہ اللہ علیہ	۲۹۸
حضرت سید منور شاہ لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۲۹۹
حضرت مولوی خطیب احمد مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۳۰۰
حضرت مولانا محمد جان رحمتہ اللہ علیہ	۳۰۱
حضرت شاہ احمد سعید دہلوی رحمتہ اللہ علیہ	۳۰۳
حضرت سید امام علی شاہ مجددی رحمتہ اللہ علیہ	۳۰۵

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مختصر تعارف اور قبول اسلام

آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ یہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ اصل وطن اصفہان شہر ہے۔ لمبی عمر پائی' سلمان ابن اسلام بھی کہلاتے تھے۔ والد آتش پرست گبر تھے۔ سب سے پہلے آپ مجوسی مذہب سے بیزار ہوئے تو دین موسوی قبول کیا۔ بعد ازاں دین نصاریٰ اختیار کیا۔ جس راہب کے ہاتھ پر عیسائیت قبول کی تھی جب وہ قریب المرگ ہوا تو اس نے آپ کو بشارت دی کہ پیغمبر آخر الزمان' مدینہ سے مبعوث ہوں گے۔ تم ان کا دین قبول کرلینا اور یہاں سے مدینہ چلے جانا۔ وہ راہب فوت ہوگیا تو حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ کا رخ کیا۔ راستہ میں ایک شخص نے آپ کو گرفتار کر کے غلام بنا لیا اور مدینہ کے ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد سے یہودی کی غلامی سے نجات پائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احباب و اصحاب میں ممتاز مقام حاصل کیا۔

فضائل و مناقب

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"السباق اربعۃ انا سابق العرب و خبیب سابق الروم و سلمان سابق الفارس و بلال سابق الحبشہ"۔

سبقت کرنے والے چار ہیں۔ میں عربوں میں سے سبقت کرنے والا ہوں۔ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رومیوں میں سے، سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارسیوں میں سے اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشیوں میں سے۔

غزوہ خندق کے روز جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا "**سلمان منا اہل البیت**" (سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے اہل بیت میں سے ہیں)

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو مدائن کا گورنر بنایا۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں مدائن ہی میں وفات پائی۔

جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا "تمہارے پاس کچھ مشک تھی۔ اس کا کیا کیا؟" عرض کی "موجود ہے"۔ فرمایا "اسے پانی میں ڈال کر ملاؤ اور یہ پانی میرے ارد گرد چھڑک دو اب میرے پاس کچھ ایسے حضرات تشریف لانے والے ہیں جو نہ جن ہیں نہ انسان" آپ کی رفیقہ حیات نے ایسا ہی کیا اور باہر نکل گئیں۔ اندر سے آواز آئی "السلام علیک یا صاحب رسول اللہ السلام علیک یا حبیب اللہ!" یہ آواز سن کر آپ اندر گئیں تو دیکھا کہ آپ کی روح پرواز کر چکی تھی۔

صاحب "شواہد النبوت" فرماتے ہیں کہ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مسیب حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سلام سے روایت

کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا " ہم میں سے جو کوئی پہلے فوت ہو وہ دوسرے کو خواب میں ملے اور اپنے حالات سے آگاہ کرے" میں نے عرض کی "کیا ایسا ممکن ہے؟ اور کیا مردہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ دوسروں کو خواب میں نظر آئے؟" فرمایا "ہاں! مومن کی روح زمین و آسمان میں سیر کرتی رہتی ہے اور جب چاہے اپنا آپ دوسروں کو دکھا سکتی ہے جب کہ کافر کی روح قید ہوتی ہے" چنانچہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ایک دن میں چاشت کے بعد قیلولہ کر رہا تھا۔ جب میری آنکھ لگ گئی تو میں نے ناگاہ دیکھا کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور کہا "السلام علیکم و رحمتہ اللہ تعالیٰ و برکاتہ" میں نے کہا "و علیک السلام یا ابا عبداللہ" اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا "لطف و مہربانی فرمائی کیونکہ میں زندگی میں خدا پر توکل کرتا تھا اور اس کی قضا پر راضی رہتا تھا"۔

وفات اور عمر

آپ نے ۳۳ھ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر شریف ایک قول کے مطابق ایک ہزار سال' ایک قول کی رو سے پانچ سو سال' ایک قول ہے کہ ۳۵۰ سال تک زندہ رہے۔ ایک روایت کے بموجب ۲۵۰ سال عمر پائی ہمارے نزدیک آخری قول ہی صحیح ہے۔

قطعہ

چون سلمان بفضل خدائے کریم — ز دنیائے دون شد بخلد بریں
"ز فوتش ز عالم سفر کرد حق" — "دگر ماند خالی ز سید زمین"

۳۳ھ — ۳۳ھ

امام قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا شمار کبار تابعین اور مدینہ منورہ کے عظیم فقہاء میں ہوتا ہے۔ آپ نے اپنی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کاشانہ میں تربیت پائی۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "میں نے مدینہ میں امام قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کسی کو علم و عمل، فضل، فقہ و حدیث، تفسیر اور علوم طریقت و حقیقت میں افضل نہیں دیکھا"۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر خلافت کا معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں خلافت کی زمام کار، امام قاسم کے سپرد کر دیتا۔

وفات

مورخین کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ نے ۱۰۷ھ میں انتقال فرمایا۔ بعض حضرات نے ۱۱۱ھ یا ۱۱۲ھ اور بعض نے ۱۰۲ھ سال وفات بتایا ہے۔ آپ نے لمبی عمر پائی جو سو سال سے زیادہ تھی۔

قطعہ تاریخ وفات

قسمت خود یافت چون قاسم مخلد — سال وصل آن امام نیک نام
"طالب اللہ" و "حق فرمودہ" اند — زاہد کامل بقول خاص و عام

۱۰۸ھ ۱۰۸ھ ۱۰۸ھ

وضاحت

مخفی نہ رہے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے شجرہ میں پیران عظام، امام قاسم

رحمتہ اللہ علیہ کے بعد حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کا اسم گرامی تحریر فرمایا کرتے ہیں کہ امام نے اس نسبت اطہر کا فیض امام قاسم نبیرہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا۔ چونکہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر "مخزن اول" میں آئمہ اہل بیت کے سلسلہ میں ہوچکا ہے اس لیے اب اس کا دوبارہ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سلسلہ نقشبندیہ کی نسبت دو طرف سے منتہی ہوتی ہے۔ ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف جیسا کہ تحریر ہوا اور دوسری پشت بہ پشت اسد اللہ غالب حضرت علی بن ابن طالب کرم اللہ وجہہ کی طرف۔

شیخ بایزید بسطامی قدس اللہ باسرارہ السامی

آپ کا لقب سلطان العارفین، نام طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان ہے۔ آپ کا شمار اپنے زمانہ کے اولیا کبار اور امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عظیم خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ کے دادا آتش پرستی کا مذہب چھوڑ کر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ آپ کا اصل وطن بسطام ہے۔ آپ کے بارے میں سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا "بایزید کا ہمارے اندر وہی مقام و مرتبہ ہے جو جبرائیل کا فرشتوں میں ہے"۔ آپ پیدائشی ولی تھے۔

آپ کی والدہ نے جب آپ کو استاد کے پاس بھیجا اور انہوں نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ ایک دن "سورۃ لقمان" پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے "**ان اشکر لی ولوالدیک**" تو اس کے معنی پوچھے۔ استاد نے کہا "حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر"۔ آپ اپنی والدہ کے پاس گئے اور عرض کی "حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میری خدمت کر اور اپنے ماں باپ کی خدمت کر" اب مجھ غریب سے اکٹھی دو خدمتیں

نہیں ہو سکتیں۔ آپ یا تو مجھے حق تعالیٰ سے مانگ لیجئے کہ میں ہمہ تن آپ کی خدمت کروں یا پھر مجھے اپنا حق معاف فرما دیجئے تاکہ میں جان و دل سے اللہ کی خدمت و عبادت میں مصروف ہو جاؤں"۔ والدہ نے جواب دیا "میں نے اپنا حق معاف کیا۔ اب تو اپنے خالق کی خدمت بجا لا"۔ اب بایزید بسطام سے چلے گئے اور تیس سال تک صحرا میں پھرتے رہے اور ریاضت کرتے رہے۔ آپ نے ایک سو تیرہ روشن ضمیر بزرگوں کی خدمت کی۔ ان میں سے ایک امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کے خوان نعمت سے آپ کو وافر فیض نصیب ہوا اور آپ ولی کامل بن کر بسطام میں تشریف لائے۔

ایک بار شیخ بایزید حج کے لیے جا رہے تھے۔ ایک اونٹ پر اپنا اور اپنے مریدوں اور اہل قافلہ کا سامان لاد رکھا تھا۔ ایک شخص بولا "اسے بے چارہ اونٹ پر اتنا زیادہ بوجھ لادنا اس کی برداشت سے باہر ہے اور صریح ظلم ہے"۔ آپ نے فرمایا "یہ بوجھ اٹھانے والا کوئی اور ہے۔ اچھی طرح دیکھ لے تاکہ تجھے یقین آئے" اس نے جب غور سے دیکھا تو سامان اونٹ کی پیٹھ سے ایک بالشت اوپر تھا۔

حضرت شیخ بایزید مکہ سے ہمدان آئے۔ وہاں سے تخم معصر خریدا۔ اسے گودڑی میں باندھا۔ گھر آئے' سامان کھولا تو اس میں کچھ چیونٹیاں دیکھیں۔ فرمایا "خلاف مروت ہوگا کہ ان بے چاریوں کو ان کی جگہ سے بے گھر کروں"۔ اٹھے اور چیونٹیوں کو واپس اسی جگہ چھوڑ آئے جہاں سے تخم معصر خریدا تھا۔

ایک دفعہ حالت مستی میں آپ کی زبان پر کلمہ "سبحانی اعظم شانی" جاری ہوگیا۔ یہ کیفیت جاتی رہی تو مریدوں نے آپ کی زبان سے اس کلمہ

کے ورود کی خبر دی۔ فرمایا "اگر پھر یہ کلمہ کبھی میری زبان سے سنو تو مجھے قتل کر دو"۔ آپ نے ہر مرید کو ایک ایک چھری دے دی اور تاکید کی کہ جونہی میری زبان سے یہ کلمہ نکلے فوراً ہی مجھے قتل کر ڈالو۔ ایک دن اتفاق سے شیخ پر وہی حالت طاری ہوئی۔ کلمہ "سبحانی اعظم شانی" آپ کی زبان پر جاری ہوا۔ مریدوں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں آپ کے جسم پر چھریوں سے وار کیے مگر آپ پر اثر نہ ہوا۔ یہ کیفیت ختم ہونے کے بعد ساتھیوں نے صورت حال حضرت شیخ کو عرض کی تو فرمایا "بایزید یہ ہے جو اس وقت تمہارے ساتھ ہم کلام ہے اور جس شخص کی زبان پر وہ کلمہ جاری ہوا وہ بایزید نہ تھا"۔

شیخ ابوتراب رحمتہ اللہ علیہ کا ایک نہایت گرم مزاج اور صاحب وجد مرید تھا۔ ایک دن ابوتراب رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے کہا "کیا تو بایزید کو دیکھنا چاہتا ہے؟" اس نے کہا "جو شخص بایزید کو ہر وقت دیکھتا ہو اسے بایزید دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟" فرمایا "تو خدا کو اپنی آنکھ اور اپنے اندازے سے دیکھتا ہے جب بایزید کے پاس جائے گا تو ان کے اندازہ سے دیکھے گا۔ یاد رکھ کہ نگاہ نگاہ میں فرق ہوتا ہے"۔ چنانچہ دونوں پیر مرید بایزید کے گھر گئے۔ اس وقت بایزید پانی لانے گئے ہوئے تھے۔ دونوں آپ کے پیچھے گئے۔ راستے میں شیخ کو آتے دیکھا۔ پانی کا گھڑا ہاتھ میں اٹھائے اور پرانی پوستین پہنے چلے آ رہے ہیں۔ بایزید کی نظر اس مرید پر پڑی تو وہ فوراً زمین پر گرا اور جان اللہ کے سپرد کر دی۔ شیخ ابوتراب نے عرض کی "یا حضرت! ایک ہی نظر میں مار ڈالا؟" فرمایا "اے ابوتراب! اس جوان کی سرشت میں ایک نور تھا۔ ابھی اس کے کشف کا وقت نہیں آیا تھا۔ بایزید کے مشاہدہ سے اچانک کشف ہوا جسے وہ برداشت نہ کر سکا اور چل بسا"۔

ایک روز کچھ لوگوں نے حضرت بایزید کی خدمت میں حاضر ہو کر خشک

سالی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا "جا کر پرنالے ٹھیک کر لو بارش برسے گی"۔ فی الحال بادل امنڈ کر آیا اور رحمت الٰہی برسنی شروع ہوگئی۔

ایک روز حضرت شیخ اپنے پاؤں پھیلائے بیٹھے تھے۔ ایک مرید نے بھی آپ کے سامنے پاؤں پھیلائے۔ شیخ نے کچھ دیر بعد اپنے پاؤں پیچھے کر لیے مگر جب مرید نے پاؤں پیچھے کرنے چاہے تو نہ کر سکا۔ اس کے پاؤں اسی طرح سیدھے اکڑے ہی رہے اور خشک ہوگئے۔ وہ آخر عمر تک اسی حالت میں رہا بلکہ یہ معذوری اس کی کئی پشتوں میں بھی رہی۔ بعد میں لوگوں نے ایک بزرگ سے پوچھا "کیا وجہ ہے کہ باپ کی بے ادبی کی وجہ سے کئی پشتوں تک اس کے بیٹے ماخوذ رہے؟" بزرگ نے جواب دیا "جب تیر چلانے والا سخت انداز ہو تو پھریوں ہی ہوتا ہے"۔

صاحب تذکرۃ الاولیاء فرماتے ہیں "شیخ یوسف نجورانی حضرت بایزید کی کرامات و خوارق کا امتحان لینے کی غرض سے آپ کے پاس آئے۔ حضرت نے انہیں اپنے مرید شیخ ابوسعید راعی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس بھیجا اور فرمایا ان کے پاس چلے جاؤ کہ میں نے کرامت و خوارق ان کے حوالے کر دیے ہیں"۔ شیخ یوسف وہاں پہنچے تو دیکھا کے شیخ راعی خود تو صحرا میں نماز ادا کر رہے ہیں اور بھیڑیے ان کی بھیڑوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو شیخ یوسف نے ان سے تازہ انگوروں کا مطالبہ کیا۔ شیخ راعی نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لاٹھی کے دو حصے کیے۔ ایک حصہ اپنی طرف اور دوسرا شیخ یوسف کی طرف زمین میں گاڑ دیا۔ فوراً ایک درخت نکلا اور انگوروں سے بھر گیا۔ راعی کی طرف کے انگور سفید رنگ کے تھے جب کہ شیخ یوسف کی طرف کے انگور سیاہ رنگ کے تھے۔ عرض کی "رنگ مختلف ہونے کی وجہ کیا ہے؟" فرمایا "اس لیے کہ میں نے یقین کی غرض سے اور تم نے

امتحان لینے کے لیے یہ مطالبہ کیا۔ پس ہر چیز کا رنگ اس کی کیفیت و سبب کے مطابق ہوگیا ہے"۔ اس کے بعد انہوں نے ایک گدڑی شیخ یوسف کو عنایت کی اور فرمایا "اسے اپنے پاس رکھو" انہوں نے لے لی اور حج پر چلے گئے۔ میدان عرفات میں پہنچے تو وہ گدڑی ان سے غائب ہوگئی۔ جب واپس بسطام آئے تو وہ گدڑی شیخ راعی کے پاس دیکھی۔

خواجہ فرید الدین عطار فرماتے ہیں شیخ بایزید فرمایا کرتے تھے میں چاہتا ہوں کہ جلد ہی قیامت آئے تاکہ میں اپنا خیمہ دوزخ کے دروازہ پر لگاؤں اور دوزخ مجھے دیکھ کر دھیما ہو جائے۔ یوں میں مخلوق کی راحت کا سبب بنوں۔ ادھر شیخ حاتم اصم نے اپنے مریدوں سے ارشاد فرمایا "وہ میرا مرید نہیں ہوگا جو قیامت کے دن دوزخیوں کی شفاعت نہیں کرے گا۔ لوگوں نے یہ بات حضرت بایزید کے حضور نقل کی تو فرمایا "میرا مرید وہ ہے جو دوزخ کے کنارے پر کھڑا ہو جائے اور دیکھے کہ اگر کسی شخص کو فرشتے دوزخ کی طرف لے جانے لگیں تو وہ اسے پکڑ کر جنت میں پہنچا دے اور خود اس کی جگہ دوزخ میں چلا جائے۔

حضرت شیخ بایزید کی وفات کی رات شیخ ابوموسیٰ نے خواب میں دیکھا کہ گویا وہ سر پر عرش الٰہی اٹھا کر لے جا رہے ہیں۔ صبح اس خواب کی تعبیر پر حیران ہوئے۔ آخر اپنے مرشد شیخ بایزید کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اپنے خواب کا قصہ حضرت کو سنائیں۔ جب نزدیک پہنچے تو معلوم ہوا کہ شیخ فوت ہوچکے ہیں اور جنازہ پر لوگوں کا بڑا ہجوم اکٹھا ہے۔ جب جنازہ اٹھایا گیا تو شیخ ابوموسیٰ نے ہرچند جنازہ کا پایہ پکڑنے کی کوشش کی مگر ان کے لیے ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ آخر بے صبر ہو کر جنازہ کے نیچے گئے اور جنازہ سر پر اٹھا لیا۔ جب جنازہ رکھا گیا اور حضرت کا روئے مبارک زیارت کے لیے کھولا گیا تو

شیخ بایزید نے آنکھ کھولی تو ابوموسیٰ سے مخاطب ہو کر فرمایا "ابوموسیٰ گزشتہ رات جو تونے خواب دیکھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ تونے اپنے سر پر میرا جنازہ اٹھایا اور عرش الٰہی سے مراد بایزید کا جنازہ ہے"۔

ولادت اور وفات: شیخ بایزید ۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اور صحیح قول کے مطابق ۱۵ شعبان بروز جمعہ ۲۶۱ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی عمر ۱۲۸ سال ہے۔ آپ کا مزار ۔سطام میں ہے۔ صاحب "مخبر الواصلین و تذکرہ العاشقین" نے آپ کا سال وفات ۲۶۲ھ اور ۲۶۳ھ تحریر کیا ہے۔

قطعہ

شیخ کونین بایزید ولی شاہ والا ولی عالی جاہ
سال تولید او اگر خواہی کن رقم "بایزید اہل اللہ"
۲۶۹ھ

ہست "دیندار" انتقالش نیز اہل دین بایزید حق آگاہ
۲۶۹ھ ۲۶۹ھ

باز مہدی ہادی آفاق پس بخواں "حق طلب ولی اللہ"
۲۶۹ھ ۲۶۹ھ

شیخ ابوالحسن خرقانی قدس اللہ باسرارہ السامی

آپ کا اسم گرامی علی بن جعفر رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ "خرقان" قزوین کے قریب ایک موضع ہے جہاں شیخ کی سکونت تھی۔

آپ اپنے وقت کے غوث اور قطب تھے۔ سلطان المشائخ اور قطب اوتاد تھے۔ طریقت میں آپ کی نسبت شیخ بایزید ۔سطامی کی روحانیت سے متعلق تھی۔

شیخ ابتدا میں بارہ سال تک ہر روز نماز عشاء "خرقان" میں باجماعت ادا کرتے۔ واپسی کے وقت حضرت بایزید کے مزار کی طرف پشت نہ کرتے۔ بارہ سال کے بعد حضرت بایزید کی تربت سے آواز آئی "اے ابوالحسن! وقت آچکا ہے کہ تو ایک جگہ بیٹھ کر مخلوق کی راہنمائی حق کی طرف کرے" عرض کی "میں امی ہوں۔ قرآن، علم اور رموز شریعت میں سے کچھ نہیں جانتا" آواز آئی "اے ابوالحسن! جو تم نے حق سے مانگا تھا وہ تمہیں مل چکا ہے۔ فاتحہ سے آغاز کرو" ابوالحسن نے فاتحہ سے آغاز کیا۔ جب خرقان پہنچے تو قرآن شریف مکمل کر لیا۔ اب تو آپ پر علوم ظاہری و باطنی کے دروازے کھل گئے۔

ایک دن شیخ ابوالعباس رحمتہ اللہ علیہ اور ابوالحسن باہم بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوالعباس کے سامنے پانی سے بھرا ہوا ایک لگن تھا۔ شیخ نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور لگن کے پانی سے زندہ مچھلی باہر نکالی۔ ابوالحسن کے سامنے رکھ دی۔ ابوالحسن نے یہ دیکھا تو اس وقت خانقاہ میں تنور گرم تھا۔ آپ نے تنور میں ہاتھ ڈالا اور زندہ مچھلی باہر نکالی اور فرمایا "پانی سے زندہ مچھلی نکالنا آسان ہے پر آگ سے مچھلی نکالنی چاہیے"۔

ایک دفعہ ایک جماعت سفر کر رہی تھی۔ وہ لوگ شیخ ابوالحسن کے پاس آئے اور کہا "راستہ پر خوف ہے۔ ہمیں ایسی دعا سکھا دیجئے جو خوف و بلا کے وقت کام آئے"۔

فرمایا "اس وقت ابوالحسن کو یاد کر لینا" ان لوگوں کو آپ کی یہ بات اچھی نہ لگی اور چلے گئے۔ راستے میں ڈاکوؤں نے ان پر حملہ کا ارادہ کیا تو اس جماعت میں سے ایک شخص نے فوراً شیخ ابوالحسن کو یاد کیا۔ وہ آدمی اسی وقت اپنے مال سمیت رہزنوں کی آنکھ سے اوجھل اور قافلہ والوں سے بھی

غائب ہوگیا۔ رہزنوں نے باقی اہل قافلہ کا مال و متاع خوب لوٹا۔ جب راہزنوں نے اپنی راہ لی تو وہ شخص اپنے مال کے ساتھ ظاہر ہوا۔ سب لوگ حیران رہ گئے۔ اس شخص نے کہا "میں ابوالحسن کو یاد کرنے کی برکت سے سلامت رہ گیا"۔

صاحب تذکرہ الاولیاء فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ایک مرید نے آپ سے اجازت چاہی کہ اگر آپ کا فرمان اور اجازت ہو تو میں نسیان پہاڑ پر جاؤں اور قطب عالم کی زیارت کروں۔ شیخ نے اجازت دے دی۔ وہ مرید ہزاروں مشقتیں جھیل کر وہاں پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ لوگوں کی ایک بھیڑ ہے۔ سب قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے سامنے ایک جنازہ رکھا ہے۔

پوچھا "تم لوگ اس میت کی نماز جناہ کیوں نہیں پڑھتے؟"۔

انہوں نے جواب دیا "قطب العالم کے آنے کا انتظار ہے۔ قطب العالم یہاں پانچوں نمازیں پڑھنے کے لیے آتے ہیں اور اپنی امامت میں نماز پڑھایا کرتے ہیں"۔

اس مرید نے جب دیکھا تو وہ اس کے پیر و مرشد شیخ ابوالحسن تھے۔ اب تو وہ رعب و دہشت سے بے ہوش ہوگیا۔

ہوش آیا تو اس وقت مردہ کو دفنایا جاچکا تھا اور شیخ بھی واپس جاچکے تھے۔ اس نے وہاں پر موجود لوگوں سے پوچھا "یہ شخص کون تھا؟"

لوگوں نے جواب دیا "یہ شیخ ابوالحسن خرقانی ہیں۔ قطب العالم یہی ہیں۔ اب وہ عصر کے وقت پھر واپس آئیں گے"۔

یہ شخص بولا "اور میں آپ ہی کا مرید ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ قطب العالم آپ ہی ہیں۔ اس لیے میں نے قطب العالم کی زیارت کے ارادہ

سے اتنا دور دراز کا سفر کیا۔ اب میں اپنے کیے پر پشیمان ہوں۔ جب آپ تشریف لائیں تو آپ حضرات بھی سفارش کرنا کہ آپ مجھے بھی اپنے ساتھ خرقان لے جائیں"۔

نماز کا وقت آیا تو شیخ نمودار ہوئے۔ اپنی امامت میں نماز پڑھائی۔ مرید نے نماز ادا کرنے کے بعد سلام کیا۔ شیخ کا دامن تھام لیا اور عرض کی "حضرت! میں سخت نادم و پشیمان ہوں۔ اب مجھے بھی خرقان لے جایئے"۔

فرمایا "اس شرط پر کہ جو کچھ تونے دیکھا ہے وہ ہماری زندگی میں کسی کے سامنے ظاہر نہ کرنا"۔

اس مرید نے یہ شرط قبول کی۔ اب وہ حضرت شیخ کے پیچھے روانہ ہوا اور بہت تھوڑے سے وقت میں خرقان پہنچ گیا۔

"تذکرۃ الاولیاء" میں منقول ہے کہ جب شیخ بوعلی سینا نے شیخ ابوالحسن خرقانی کی کرامت کی شہرت سنی تو خرقان گئے۔ شیخ کے گھر پہنچے۔ آپ اس وقت ایندھن کے لیے صحرا میں گئے ہوئے تھے۔ حضرت کی اہلیہ' حضرت کی بزرگی سے منکر تھیں۔ بوعلی سینا نے پوچھا کہ شیخ کہاں ہیں؟ اس نیک بخت خاتون نے جواب دیا اس زندیق کذاب سے تمہارا کیا کام ہے؟ تم نے اس سے کیا لینا ہے؟ غرض کہ شیخ کے بارے میں اس قسم کی کئی گستاخانہ باتیں کیں۔ شیخ بوعلی سینا نے سوچا کہ جس شخص کی بیوی ہی اس کی مخالف ہے تو اس کا کیا حال ہوگا؟ تاہم اب اس کو دیکھ لینا ہی مناسب ہے۔ چنانچہ وہاں سے صحرا کی طرف چلے۔ دیکھا کہ شیخ لکڑیوں کا گٹھا شیر کی پیٹھ پر لادے چلے آ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر عرض کی "یا حضرت! یہ کیا حالت ہے؟ اور اس بھلے مانس نے کیا کہا ہے؟" جواب دیا "میں گھر میں اس بھیڑیا یعنی بیوی کا بوجھ اٹھاتا ہوں تب جنگل میں یہ شیر میرا بوجھ اٹھاتا ہے" پھر دونوں بزرگ اکٹھے

شہر میں آئے۔ گھر پہنچے تو شیخ ابوالحسن نے مٹی میں پانی ڈالا تاکہ دیوار تعمیر کریں۔ بوعلی بیٹھ گئے۔ اب شیخ نے مٹی ہاتھ میں لی' دیوار کے پاس آئے۔ اچانک وہ مٹی ان کے ہاتھ سے گر پڑی۔ بوعلی یہ دیکھ کر جلدی سے اٹھے تاکہ وہ مٹی اٹھا کر شیخ کو دیں مگر ابھی بوعلی اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے کہ گارا خود بخود اوپر کو اڑا اور شیخ کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔

خلیفہ بغداد کے وزیر عضد الدولہ کے پیٹ میں ایک بار شدید درد ہوا اور کسی دوا سے افاقہ نہ ہوا۔ آخر شیخ ابوالحسن کے حضور التجا کی۔ شیخ نے اپنے جوتے عطا فرمائے اور کہا کہ انہیں درد کی جگہ پر رکھا جائے۔ جب جوتے رکھے گئے تو فوراً شفا پائی۔

ایک دفعہ سلطان محمود غزنوی نے اپنے غلام ایاز کا لباس خود پہنا اور اپنا لباس ایاز کو پہنا دیا اور خود غلاموں کی طرح اس کے ساتھ ہولیا۔ کچھ دوسری کنیزوں کو بھی مردانہ لباس پہنا کر ہمراہ لیا اور سب شیخ ابوالحسن کی بارگاہ میں آئے۔ سلطان نے سلام کیا۔ شیخ نے سلام کا جواب دیا مگر اس کے حال پر کچھ توجہ نہ دی۔ سلطان جس نے اپنے غلام کا لباس پہن رکھا تھا شیخ سے کہا "بادشاہ اسلام آپ کے پاس آیا ہے مگر آپ اس کی تعظیم کے لیے کھڑے نہیں ہوئے اور اس کے حال پر توجہ نہیں فرمائی"۔ شیخ نے فرمایا "سلطان کون سا ہے؟ مجھے بتایئے؟" سلطان نے ایاز کی طرف اشارہ کیا جو بادشاہ کے بھیس میں تھا۔ شیخ مسکرائے پھر فرمایا "یہ سب مکر و دھوکہ کا جال ہے جو تم نے پھیلایا ہے۔ تم نے خود غلاموں کا لباس پہن رکھا ہے"۔ یہ کہہ کر سلطان کا ہاتھ پکڑ لیا' اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا کہ تم ان نامحرم عورتوں کو باہر بھیجو جنہیں تم مردوں کا لباس پہنا کر اپنے ساتھ لائے ہو۔ سلطان نے سب کو باہر بھیج دیا اور عرض کی "مجھے نصیحت فرمایئے تاکہ میرے

کام آئے"۔ شیخ نے فرمایا "چار باتوں کا خیال رکھ:

اول: **احسن کما احسن اللہ الیک** جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے تم بھی لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو۔

دوم: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانو اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے رکو۔

سوم: بندہ خاکی ہو' اپنی اصل کی طرف رجوع کرو۔ ایسا نہ ہو کہ جہنم میں جا پڑو۔

چہارم: اپنے ہر سانس کو آخری سانس سمجھو اور موت سے غافل مت ہو"۔

سلطان محمود نے عرض کی میرے حق میں دعائے خیر فرمائیے۔ جواب دیا میں ہر روز **اللھم اغفر للمومنین و المومنات** کہتا ہوں تم بھی ان میں شامل ہو۔ عرض کی اس پر اضافہ کیجئے۔ فرمایا: "محمود تیرا انجام محمود ہو"۔

سلطان نے سونے کی تھیلی شیخ کی خدمت میں پیش کی۔ شیخ اٹھے اور جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لا کر محمود کے سامنے رکھا اور فرمایا یہ کھاؤ کہ حلال ہے۔ محمود نے لقمہ منہ میں ڈالا۔ بہت کوشش کی مگر لقمہ اس کے حلق سے نیچے نہیں اترتا تھا۔ شیخ نے فرمایا "بادشاہ! کیا یہ خشک لقمہ آپ کے حلق میں نہیں اتر رہا؟" جواب دیا "جی ہاں"۔ فرمایا "اسی طرح جو سونا تم لائے ہو ہمارے حلق میں بھی نہیں جاتا۔ اسے اٹھا لو کہ یہ ہمارے کام کا نہیں"۔ محمود نے سونے کی تھیلی اٹھا لی اور کہا "مجھے اپنی کوئی چیز بطور یادگار عطا فرمائیے۔ شیخ نے اپنے بدن سے قمیص اتار کر اسے دے دی اور رخصت کیا۔

اسی سال سلطان کو ہندوستان فتح کرنے کی مہم میں جانا پڑا۔ بادشاہ

سومنات پہنچا۔ سومنات چونکہ ہندوؤں کا عظیم مندر تھا اس لیے ہندوستان کے تمام راجے یکدل و یکجان ہو کر سلطان کے مقابلہ کے لیے فوجیں لے آئے۔ سخت لڑائی ہوئی۔ آخرکار مسلمانوں کی فوج تھوڑی ہونے کی وجہ سے قریب تھا کہ سلطانی لشکر شکست کھا جاتا اور دشمن غالب آ جاتے۔ سلطان اس نازک صورت حال کو دیکھ کر بہت مغموم ہوا اور اسے اس کے سوا کوئی سجھائی نہ دیا کہ بارگاہ خداوندی میں گریہ و زاری کرے اور غیبی امداد ڈھونڈے۔ سلطان گھوڑے سے اترا۔ ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھا۔ شیخ ابوالحسن کا خرقہ اپنے سامنے رکھا' اپنا چہرہ مٹی پر رگڑا اور عرض کی "یا اللہ! اپنے دوست ابوالحسن کے اس خرقہ کی عزت و حرمت کی بنا پر اہل اسلام کو فتح و نصرت عطاء فرما"۔ فوراً دعا قبول ہوئی۔ جنگ میں یوں ہوا کہ دشمن کے ایک لشکر نے اپنی ہی فوج کے دوسرے لشکر کو سلطان کا لشکر سمجھا اور یوں ایک دوسرے پر ہی تیغ زنی کی۔ یہاں تک کہ ہزاروں دشمن اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں مارے گئے اور باقی ماندہ بھاگ اٹھے۔ بادشاہ اسلام کو فتح و کامیابی عطا ہوئی۔ اسی رات سلطان محمود غزنوی نے خواب میں دیکھا کہ شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں "اے سلطان! تو نے میرے خرقہ کی توہین کی اگر تو اس وقت دعا کرتا کہ تمام اہل ہند دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں تو حق تعالیٰ یہ دعا بھی قبول فرماتا"۔ سلطان جب بیدار ہوا تو بہت پچھتایا مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

ایک رات شیخ نے حاضرین مجلس سے فرمایا "آج رات ڈاکوؤں نے فلاں بیابان میں قافلہ پر حملہ کیا ہے اور اہل قافلہ کو قتل کر دیا ہے اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا ہے"۔ جب لوگوں نے اس واقعہ کی تحقیق کی تو ایسا ہی پایا۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ اس رات دشمنوں نے شیخ کے صاحبزادہ کا سر کاٹ

کر ان کے آستانہ میں پھینک دیا۔ شیخ کو اس بارے میں کچھ معلوم نہ ہوا۔ آپ کی بیوی جو کہ آپ کی منکر تھی کہنے لگی "تم نے اتنے میل دور قافلہ پر غارت گری تو بتا دی مگر اپنے بیٹے کے مارے جانے کا حال نہ جان سکے یعنی اس کا اظہار نہیں کیا۔ فرمایا "جب میں نے باطن کی آنکھ سے قافلہ کا حال دیکھا تو اس وقت پردے اٹھائے گئے تھے اور جب لوگوں نے میرے بیٹے کو شہید کیا اس وقت پردے گرے ہوئے تھے کہ اس پر "**الخبر لی مع اللہ**" گواہ ہے۔

ایک رات شیخ ابوالحسن نماز ادا کر رہے تھے۔ غیب سے آواز آئی کہ "اے ابوالحسن! کیا تم پسند کرو گے کہ تمہارے بارے میں جو کچھ ہم جانتے ہیں، مخلوق کو بتا دیں تاکہ لوگ تمہیں سنگسار کریں"۔

جواب دیا "اے خداوند کریم! کیا تو چاہتا ہے کہ جو کچھ میں تیری بے حد و انتہا رحمت کے بارے میں جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں مخلوق کو بتا دوں تاکہ کوئی شخص تجھے سجدہ نہ کرے"۔

جب شیخ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت کی کہ میری قبر ۳۰ گز تک گہری کھودی جائے۔ اس لیے کہ بسطام اس زمین کی سطح سے بہت نیچے ہے اور یہ خلاف ادب ہوگا کہ میرا جسم حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے جسم سے اوپر ہو۔ آپ نے وفات پائی تو لوگوں نے آپ کی وصیت پر عمل کیا۔ دفن کے بعد ایک بڑا سفید پتھر آپ کی قبر پر دیکھا گیا۔ آپ کی قبر کے آس پاس شیر کے قدموں کے نشان تھے۔ اس لیے لوگ سمجھ گئے کہ یہ پتھر شیر ہی نے رکھا ہے۔ کچھ عرصہ تک شیر حضرت کے مزار پر انوار پر آتا رہا اور مزار کا طواف کرتا رہا۔

جو بھی شخص حضرت کے مزار کے پتھر پر ہاتھ رکھتا ہے اور اللہ سے اپنی

حاجب مانگتا ہے اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔ "تذکرۃ الاولیاء" کے مولف نے اس عمل کو قبول دعا کے لیے مجرب قرار دیا ہے۔

وفات: مورخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت شیخ ابوالحسن کی وفات ۴۲۵ھ میں ہوئی۔ "مخبر الواصلین" کے مولف نے آپ کا سال وفات ۴۱۸ھ اور ۴۱۹ھ تحریر فرمایا ہے۔

قطعہ

شاہ خرقانی جناب ابوالحسن — یافت چون از دہر در جنت مکان
سال وصلش "بو الحسن صدیق داں" — میشود از خامہ "سرور" عیاں

۴۲۵ھ

شیخ ابو علی فارمدی قدس سرہ

آپ کا اسم گرامی فضیل بن محمد ہے۔ طوس کے مضافات میں ایک گاؤں "فارمدیہ" میں آپ کی سکونت تھی۔ آپ خراسان کے شیوخ ہیں اور اپنے زمانہ کے فرد یگانہ ہیں۔ آپ امام ابوالقاسم قشیری رحمتہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ طریقت میں آپ کی نسبت دو طرف ہے۔ ایک شیخ بزرگوار ابوالقاسم گورگانی طوسی کی طرف اور دوسری شیخ المشائخ ابوالحسن خرقانی کی جانب۔

شیخ ابوعلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں "میں جوانی میں نیشا پور میں طلب علم میں مشغول تھا کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ "منہ" سے وہاں تشریف لائے اور مجلس منعقد کی۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے جمال کا عاشق ہوگیا اور اس گروہ صوفیاء کی محبت میرے دل میں سرایت کر گئی۔ ایک دن میں شیخ ابوسعید کے گھر گیا اور تمام لوگوں سے چھپ کر

ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ شیخ مجھے یہاں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ شیخ سماع میں مشغول تھے۔ آپ پر جب خاص کیفیت طاری ہوئی اور وجد آیا تو آپ نے اپنے سارے کپڑے پھاڑ ڈالے اور کچھ دیر تک وجد میں مشغول رہے۔ جب وجد کی کیفیت سے باہر آئے تو مرید آپ کے لباس کے ٹکڑے تبرک کے طور پر لینے لگے۔ شیخ نے اپنے لباس کی ایک آستین اور دمجی اپنے ہاتھ میں پکڑی اور آواز دی کہ اے ابوعلی طوسی! کہاں ہو؟ میں نے اس خیال سے جواب نہ دیا کہ شیخ مجھے پہچانتے نہیں ہیں نیز میں ان کے سامنے نہیں۔ جب آپ نے دوسری' تیسری بار آواز دی تو میں سمجھ گیا کہ آپ مجھے ہی پکار رہے ہیں۔ آپ کے سامنے حاضر ہوا۔ آپ نے وہ دونوں چیزیں مجھے عنایت فرمائیں اور فرمایا تم ہمارے نزدیک اس آستین و تمیز کی مانند ہو۔ فوراً میرے قلب میں روشنی ظاہر ہوا اور روز بروز اس میں اضافہ ہی ہوتا گیا اور کیفیتیں طاری ہونے لگیں۔

میں وہاں سے شیخ ابوالقاسم قیشری کی خدمت میں آیا اور اپنی کیفیت بتائی۔ آپ نے فرمایا "مبارک ہو" اس کے بعد میں تین سال تک حصول علم میں مصروف رہا۔ ایک دن میں نے قلم دوات میں ڈالی تو سفید باہر نکلی۔ میں اٹھا اور اپنے استاد امام کی خدمت میں گیا اور اپنی حالت بیان کی۔ فرمایا چونکہ قلم نے تجھے چھوڑ دیا ہے لہٰذا تم بھی یہ کام چھوڑ دو اور دوسرے کام میں مشغول ہو جاؤ۔ ایک دن ابوالقاسم حمام میں غسل کر رہے تھے۔ میں نے اٹھ کر کنوئیں سے پانی کے کئی ڈول لا کر حمام میں ڈالے۔ جب شیخ حمام سے باہر آئے تو دریافت فرمایا یہ کون تھا جس نے حمام میں پانی کے ڈول ڈالے؟ میں گھبرا گیا کہ کیوں میں نے یہ حرکت کی۔ مجبوراً عرض کی یہ میں تھا۔ فرمایا اے ابوعلی ابوالقاسم نے جو ستر سال میں پایا ہے تو نے پانی کے ایک ڈول سے

وہ سب کچھ پالیا ہے۔ اس کے بعد میں ایک عرصہ تک اپنے استاد ابوالقاسم قیشری کے حضور مصروف مجاہدہ رہا۔ مجھے اپنے کام میں خوب ترقی ہوئی۔ پھر استاد صاحب کی اجازت سے ابوالقاسم گرگانی کے پاس آیا اور ان سے فیض پائے مگر دل کی خواہش روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اس لیے ابوالحسن خرقانی کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور بے حد و حساب فیوض و برکات سے مستفید ہوا۔

قطعہ

چون علی را شد بہ علین مقام سال وصل آن ولی متقی
گو محمد بو علی پیر مجیب نیز "مہدی مکرم" بو علی

۴۷۷ھ ۴۷۷ھ

خواجہ یوسف ہمدانی قدس اللہ باسرارہ السامی

آپ کے والد کا نام ایوب اور آپ کی کنیت ابویعقوب ہے۔ آپ کا تعلق "ہمدان" سے ہے۔ آپ کی نسبت مریدی، شیخ ابوعلی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ نے شیخ ابواسحٰق رحمتہ اللہ علیہ سے بھی استفادہ کیا۔ شیخ عبداللہ جونی رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ احسن سمنانی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی فیض صحبت اٹھایا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ہمدان سے بغداد تشریف لائے۔ مولانا ابواسحاق سے فقہ، حدیث اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ کی مجلس میں بھی حاضر ہو کر مستفید و مستفیض ہوئے۔ فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب اختیار کیا۔ اس کے بعد اصفہان گئے اور تحصیل علوم میں مصروف ہوئے۔ شیخ عبداللہ جونی سے خرقہ خلافت ملا۔ شیخ حسن نے بھی خرقہ عطا کیا۔ واپس شیخ ابوعلی فارمدی کی خدمت میں پہنچ کر تکمیل کمال کی اور عظیم اولیاء اور مشائخ میں

شمار ہونے لگے۔

امام یافعی رحمتہ اللہ علیہ کی تاریخ میں ہے کہ خواجہ یوسف ہمدانی صاحب حال و قال تھے۔ اولیاء اہل کمال میں تھے۔ آپ نے اصفہان' عراق' خراسان' سمرقند اور بخارا کے پیران عظام سے استفادہ کیا اور مخلوق کو نفع عظیم پہنچایا۔ ایک عرصہ تک "مرو" میں مقیم رہے اس کے بعد ہرات پہنچے' کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے۔ دوبارہ مرو کا ارادہ کیا اور راستہ میں وفات پائی۔

شیخ نجیب الدین برغش شیرازی فرماتے ہیں "ایک بار مشائخ کے کچھ ملفوظات مجھے ملے۔ مطالعہ کیا تو بہت خوش ہوا۔ اب یہ فکر ہوئی کہ یہ کس کی تصنیف ہے؟ اور اگر اسی بزرگ کا اور کلام بھی مل جائے تو بہت اچھا ہوگا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بارعب' پروقار' بزرگ' نورانی چہرہ خانقاہ میں تشریف لائے ہیں اور وضو کرنے کے لیے وضو خانہ میں گئے ہیں۔ انہوں نے نہایت ہی سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ ان کے لباس پر آب زر سے بہت خوشخط آیت الکرسی لکھی ہوئی ہے۔ میں ان کے پیچھے گیا۔ انہوں نے وہ کپڑا اتار کر مجھے دیا۔ اس کے نیچے انہوں نے سبز لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ سفید کپڑے سے بھی زیادہ صاف اور اجلا تھا۔ اس پر بھی اسی طرح آیت الکرسی لکھی ہوئی تھی۔ آپ نے وہ سبز کپڑا بھی اتار کر مجھے دے دیا اور فرمایا ان کا خیال رکھنا۔ میں وضو کرلوں۔ وضو سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا ان دونوں کپڑوں میں سے ایک میں تمہیں دیتا ہوں۔ جو تم لینا چاہو' لے لو۔ میں نے کہا آپ جو مناسب سمجھیں عنایت فرما دیں۔ آپ نے جامہ سبز مجھے دیا اور اپنے ہاتھوں پہنایا۔ سفید لباس خود پہن لیا۔ فرمایا مجھے پہچانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا مین ان اجزاء کا مصنف ہوں جس کے تم طالب تھے۔ میرا نام یوسف ہمدانی ہے اور وہ کتاب جس کے کچھ

حصے تمہارے پاس ہیں اس کا نام "زینت الحیات" ہے میری اور تصانیف بھی ہیں جو اس سے بھی اچھی ہیں۔ جیسے "منازل السا لکین" اور "منازل السائرین"۔ جب میں جاگا تو بہت خوش تھا۔

ولادت: خواجہ یوسف ہمدانی ۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات: اہل اخبار اس امر پر متفق ہیں کہ آپ نے "مرو" جاتے ہوئے ۵۳۴ھ میں وفات پائی۔ صاحب رشحات کے بقول ۵۳۵ھ میں وفات پائی۔ صاحب "مخبر الواصلین" کے بقول ۵۳۶ھ میں وفات پائی۔ پہلے آپ ہرات کے متصل دفن کیے گئے۔ پھر آپ کے ایک مرید شیخ ابن التجار نے آپ کی نعش مبارک "مرو" منتقل کی۔

قطعہ (ولادت)

ہمہ دان خوان یوسف ہمداں کہ ذات او
بحسن و صورت و معنی است بے شک یوسف ثانی
پئے تولید پاکش صوفی محمود یوسف گو
۴۴۰ھ
دگر تاریخ تولیدش نجواں "مقبول ربانی"

خواجہ حسن اوزاقی قدس اللہ سرہ

آپ کا شمار عظیم مشائخ اور خواجہ ہمدانی کے بڑے خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ کا نام نامی ابو محمد حسن بھی حسین اوزاقی رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ اوزاق، بخارا سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ایک شہر ہے۔ اس میں شیخ رہائش پذیر رہے۔ آپ اپنے وقت کے شیخ تھے۔ آپ کا طریق پسندیدہ تھا۔ آپ

اپنے مریدوں کی تربیت میں اور مخلوق کو اللہ کی طرف بلانے میں فرد یگانہ تھے۔ آپ ریاضت' عبادت اور اتباع سنت میں بے مثال تھے۔

خواجہ حسن اوزاقی رحمتہ اللہ علیہ جب خواجہ یوسف رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے تو آپ پر حالت استغراق ایسی غالب ہوئی کہ دنیا کے تمام کام کاج سے ہاتھ اٹھا لیا اور اہل و عیال کی خبر گیری بھی ترک کر دی۔ ان کی اہلیہ نے اس بات کی شکایت خواجہ یوسف کو لکھ بھیجی۔ خواجہ نے انہیں اپنے پاس بلایا اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے نصیحت کی اور فرمایا اہل و عیال کے ساتھ رہنا اور اولاد کو پالنا سنت نبوی ہے۔ اسے نظر انداز کرنا شرعاً" و عقلاً" روا نہیں۔ عرض کی میرا کچھ اس قسم کا حال ہوچکا ہے کہ کسی اور کام کا نہیں رہا۔ خواجہ اس بات سے ناراض ہوئے اور انہیں سخت ست کہا۔ رات ہوئی تو خواجہ یوسف نے خواب میں حق سبحانہ و تعالیٰ کو دیکھا۔ ارشاد ہوا "اے یوسف! ہم نے تجھے بینائی عقل دی ہے اور حسن کو بینائی عقل و دل دی ہے۔ اسے ملامت نہ کر"۔ اس دن کے بعد سے خواجہ نے حسن کو کبھی کچھ تکلیف نہ دی بلکہ حسن کے اہل و عیال کا خرچ بھی اپنے ذمہ لے لیا۔

صاحب رشحات فرماتے ہیں: "حسن اوزاقی حسن بن حسین بن امام عاقل فقیہ حقانی بن عبدالکریم بن ابی حنیفہ اوزاقی ہیں۔ آپ کے سب آباؤاجداد عالم' فقیہ اور فاضل تھے۔

وفات: خواجہ حسن نے ۲۶ رمضان ۵۵۲ھ میں وفات پائی اور ۲۷ رمضان المبارک کو دفن ہوئے۔ آپ کا مزار پر انوار بخارا میں ہے۔ بیرون دروازہ "کلا" میں ہے اور خواجہ اسحاق کلا آبادی کے مزار کے مشرقی جانب ہے۔

قطعہ

چون حسن، محسن ولی، اہل حسن — از جہاں ورزید در جنت وطن
سال و ملش فتح دین آمد عیاں — ہم رقم شد عارف و عابد حسن

۵۵۲ھ ۵۵۲ھ

شیخ عبداللہ برقی قدس سرہ

آپ باکمال شیخ اور عظیم عالم دین تھے۔ آپ طریقت میں خواجہ یوسف ہمدانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کئی سالوں تک اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہے اور باطنی فوائد سے فیض اور فائدہ اٹھایا۔ یوں آپ اعلیٰ درجہ اور اونچے مرتبہ پر پہنچے۔ آپ نے بہت سے لوگوں کو حق تعالیٰ تک پہنچایا۔ آپ کی اصل خوارزم سے ہے مگر آپ "برق" نامی قصبہ میں رہتے تھے۔

صاحب رشحات رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خواجہ عبداللہ کو "برقی" اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے آباؤ اجداد بھیڑوں کی گلہ بانی کرتے تھے اور بھیڑیں فروخت کرتے تھے۔

وفات: آپ کا سال وفات ۵۵۵ھ ہے۔ آپ کی قبر مبارک بخارا میں "پل شور" کے اوپر ہے اور شیخ ابوبکر کلا آبادی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کے قریب ہے۔

قطعہ

خواجہ برقی ولی ابر عطا — از جہاں چوں برق رفت اندر جنان
رحلتش "کاشف ولی حق" بگو — نیز "عبداللہ امین برقی" بخوان

۵۵۵ھ

خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس اللہ سرہ

آپ کا شمار خواجہ یوسف ہمدانی کے عظیم خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ خواجگان نقشبندیہ عالیہ میں ممتاز مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ بخارا سے چھ فرسنگ کے فاصلہ پر واقع شہر غجدوان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام خواجہ عبدالجمیل ہے۔ آپ کی والد کی طرف سے نسبت چند واسطوں سے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جا پہنچتی ہے۔ آپ کی والدہ ملوک روم کی اولاد میں سے تھیں۔ آپ کے والد امام عبدالجمیل کا حضرت خضر علیہ السلام سے محبت اور برادری کا تعلق تھا۔ جب خواجہ عبدالخالق کی والدہ حمل سے تھیں تو حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام نے آپ کے والد کو نیک بیٹے کی بشارت دی اور پیدائش سے پہلے آپ کا نام عبدالخالق رکھا۔ خواجہ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے کہ آپ کے والدین نے دیار روم سے حوادثات زمانہ کے سبب اپنے متعلقین سمیت ہجرت کی اور "ماوراء النہر" کی ریاست میں آ گئے۔ بعد ازاں بخارا میں رونق افروز ہوئے اور وہیں کی سکونت اختیار کر لی۔ خواجہ عبدالخالق بخارا میں ہی پیدا ہوئے۔

صاحب رشحات فرماتے ہیں کہ خواجہ عبدالخالق کی عمر پانچ سال کی تھی۔ آپ اپنے استاد شیخ صدر الدین سے قرآن پڑھتے تھے۔ شیخ بخارا شہر کے بڑے اور جید علماء میں شمار ہوتے تھے۔ جب آیت **ادعو ربکم تضرعا و خفیتہ** (اپنے رب کو ظاہر و پوشیدہ پکارو) پر پہنچے تو اپنے استاد سے پوچھا کہ ظاہر و پوشیدہ ذکر کی اصل حقیقت کیا ہے۔ کیونکہ اگر ذکر ظاہری کیا جائے اور آواز سے ہو تو ذاکر کو ریا کا خطرہ ہوتا ہے اور جب ریا و دکھلاوا درمیان میں آگیا تو ذکر کا حق ادا نہ ہوا اور اگر ذکر دل سے کرتا ہے تو حدیث شریف میں آتا ہے **الشیطن تجری فی ابن دم مجری الام** (شیطان ابن آدم میں

خوف کی مانند دوڑتا ہے) اب شیطان لعین کو پتہ چل جاتا ہے۔ وہ ذکر کرنے والے کے دل میں کئی طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔ بس اس صورت میں بھی ذکر خفیہ کا حق ادا نہ ہوسکا۔ اس مشکل مسئلہ کا حل فرمایئے۔

استاد اس تقریر دل پذیر پر حیران رہ گئے اور فرمایا "یہ علم لدنی ہے۔ انشاء اللہ چند سالوں میں یہ عقدہ بارگاہ الٰہی سے حل ہو جائے گا"۔ چنانچہ بالغ ہونے کی عمر تک خواجہ مشکل کشا ازلی کی جانب سے اس عقدہ کشائی کے منتظر رہے۔ ایک دن حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے۔ جہری و خفی ذکر کا طریقہ بتایا اور ذکر خفی کی اجازت دی۔ نیز وقوف عددی سے بھی واقف کیا۔ نقشبندیہ کے اس عالی شان خاندان میں جس شخص نے سب سے پہلے وقوف عددی کے ساتھ ذکر خفی کیا وہ خواجہ عبدالخالق ہیں۔

خضر علیہ السلام نے خواجہ کو اپنی فرزندی میں قبول فرمایا اور خفی و اثبات کے ذکر کی تعلیم دی اور فرمایا "پانی کے حوض میں جا کر غوطہ لگاؤ اور لا الہ الا اللہ کہو"۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ میں بیس سال کا تھا کہ خضر علیہ السلام مجھے ماورا النہر میں خواجہ یوسف ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔ مجھے ان کے سپرد کیا۔ میں نے حضرت ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ سے مکمل استفادہ کیا اور اپنے عمل اور وسعت اور کشادگی پائی۔

صاحب رشحات فرماتے ہیں: خواجہ عبدالخالق ہر روز ایک وقت کی نماز خانہ کعبہ میں ادا کرتے تھے اور واپس تشریف لے آتے تھے اور یہ آپ کی سب سے بڑی خرق عادت تھی۔

خواجہ نے اپنے بیٹے خواجہ اولیاء کبیر کے نام آداب طریقت میں ایک وصیت نامہ لکھا۔ اس میں تحریر فرمایا:

"اے بیٹے! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں ـــــ علم' ادب' تقویٰ' اتباع سنت و جماعت اور نماز باجماعت ادا کرنے کی۔ حدیث' فقہ اور تفسیر کی تعلیم حاصل کرو۔ جاہل صوفیوں سے پرہیز کرنا' اپنے احوال کا اشتہار نہ دینا یوں تم امام اور موذن بننے سے بچ جاؤ گے۔ دیکھنا حاکم اور قاضی شہر نہ بننا۔ دستاویزات میں اپنا نام نہ لکھنا' بادشاہوں کی مجلس نہ کرنا' خانقاہ تعمیر نہ کرنا اور نہ اپنے آپ کو شیخ کہلوانا۔ زیادہ سماع نہ سننا' سماع سے انکار بھی نہ کرنا۔ کم کھانا' تھوڑا بولنا اور کم سونا۔ عام لوگوں سے دور رہنا' مردوں اور عورتوں سے مجلس نہ رکھنا۔ طلب دنیا میں مصروف نہ ہونا' زیادہ رونا' تھوڑا ہنسنا' قہقہہ لگا کر ہنسنے سے بالکل بچنا' کسی کو بھی اپنے آپ سے کم نہ سمجھنا اور اپنے آپ کو بہتر نہ سمجھنا۔ اپنا ظاہر آراستہ نہ کرنا' جہاں تک ہوسکے خدمت خلق میں کوشاں رہنا' جان و مال سے دریغ نہ کرنا' مشائخ کو جان سے بڑھ کر عزیز جاننا' ان کے افعال پر تنقید نہ کرنا' دل کو ہمیشہ دکھی رکھنا ـــــ چاہیے کہ تیرا بدن لاغر اور تیری آنکھ رونے والی رہے۔ تیرا عمل خالص ہو' دعا میں تضرع ہو' تیرا لباس پرانا ہو' تیرا دوست کوئی درویش ہو' عبادت تیرا سرمایہ ہو' تیرا گھر مسجد ہو' تیرا دل ذاکر اور تیری زبان شاکر ہو۔ تیرا مونس ذکر ہو' تیرا یار فکر ہو' خواجگان کے طریقہ پر قائم رہنا کہ "ہوش دردم" اور "نظر برقدم" رہے۔ تو "سفر در وطن" اور "حکومت در انجمن" رہے۔ دلوں کا خیال رکھنا اور خلق کے ساتھ خلق سے پیش آنا۔ وقوف زمانی' وقوف عددی اور وقوف قلبی اسی سے عبارت ہے۔

ایک روز ایام عاشورہ میں حضرت عبدالخالق غجدوانی ایک محفل میں تشریف فرما تھے کہ ایک جوان دروازے سے اندر آیا۔ خرقہ پہنے' سجادہ کندھے پر رکھے' زاہدوں کی صورت بنائے ہوئے آیا اور حضرت کے پاس ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ خواجہ اسے بار بار دیکھتے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ نوجوان اٹھا' خواجہ کے سامنے آیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ عز وجل** اس حدیث کی حکمت کیا ہے؟ حضرت خواجہ نے فرمایا "اس حدیث کا راز یہ ہے کہ تو زنار اتار دے اور اسلام قبول کر لے" وہ نوجوان بولا "نعوذ باللہ کہ میں نے زنار باندھی ہو" حضرت نے ایک خادم کو اشارہ کیا کہ اس کا خرقہ ہٹائے۔ جب اس کا خرقہ اتارا گیا تو نیچے سے زنار ظاہر ہوئی۔ وہ نوجوان قائل ہوگیا' شیخ کا مرید بن گیا اور زمرہ اہل اسلام میں داخل ہوگیا۔

وفات: شیخ نے ۵۷۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار غجدوان میں ہے۔

قطعہ

عبد خالق غجدوانی شیخ حق رفت از دنیا بفردوس بریں
ارتحالش "آفتاب کامل" است ہم بفرما "مطلع نور یقین"
۵۷۵ھ ۵۷۵ھ

خواجہ حکیم آقا قدس سرہ

آپ صاحب عشق و محبت تھے۔ ذوق و شوق رکھتے تھے۔ ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ شیخ احمد یسوی کے عظیم خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا مولد و مسکن ولایت خوارزم ہے۔ آپ آق فوزعان نامی بستی میں رہائش پذیر رہے۔ شیخ احمد یسوی کی وفات کے بعد ان کی مسند ارشاد پر تشریف فرما ہوئے

اور بیس سال تک ہدایت و ارشاد کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

وفات: آپ نے ۵۸۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پرانوار موضع "آق" قوزعان میں ہے۔

قطعہ

چو پیوست با احکم الحاکمین — حکیم جہاں اہل حکمت حکیم
بسالش بخوان "آفتاب زمان" — دگر ہم بدان "اہل حکمت حکیم"

۵۸۲ھ — ۵۸۲ھ

خواجہ عبدالمالک قدس سرہ

آپ اپنے زمانہ کے نامور ولی اور بڑے بزرگ تھے۔ فقہ، حدیث اور تفسیر کے علم میں شہرہ آفاق تھے۔ اس کے بعد جذب و عشق الٰہی کی کیفیت دامن گیر ہوگئی۔ آپ شیخ یسوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کمال حاصل کیا۔ شیخ احمد رحمتہ اللہ علیہ کو جتنی لطف و محبت آپ سے تھی کسی اور سے نہ تھی۔ حتیٰ کہ انہیں صاحب سجادہ بنایا اور خرقہ خلافت عطا فرمایا۔

وفات: آپ ۵۸۳ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

خواجہ عبدالمالک سردار ملک — مالک فردوس شد فی کل حال
رحلتش کو "منع حق بادشاہ" — "پیر عالمگیر" ہم سال وصال

۵۸۳ھ — ۵۸۳ھ

خواجہ منصور قدس سرہ

آپ شیخ احمد یسوی رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلفاء میں سے ہیں۔ آپ باب ارسلان رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے اپنے والد گرامی سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی۔ طریقت بھی ان سے سیکھی۔ جب تک ان کے والد زندہ رہے یہ ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ ان کی وفات کے بعد خواجہ احمد یسوی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آئے۔ طریقت کی تکمیل کی اور خلافت و اجازت اور ارشاد کا خرقہ حاصل کیا۔

حضرت خواجہ آپ کا بہت لحاظ کرتے تھے اور اپنے مریدوں کو تلقین کے لیے ان کی خدمت میں رہتے تھے۔

وفات: آپ کی وفات ۵۹۴ھ میں ہوئی۔

قطعہ

چو منصور از جہاں رخت سفر بست وصال پاک آن پیر مزکی
یکے "منصور حق اہل جلال است" دگر "منصور محبوب معلی"

۵۹۴ھ ۵۹۴ھ

خواجہ تاج قدس سرہ

آپ خواجہ عبدالمالک کے فرزند عزیز اور خواجہ رنگی آقا کے پدر بزرگوار ہیں۔ ابتدائی عمر میں علوم دینی سیکھنے میں مصروف رہے۔ جب عالم عاقل اور فاضل کامل ہوگئے تو علم باطنی کی تحصیل میں سرگرم ہوگئے۔ خواجہ ابواحمد یسوی کی خدمت میں پہنچے۔ ان کے مرید ہوئے اور اپنے پیر روشن ضمیر کی توجہ کی برکت سے اپنے وقت کے کامل ولی بنے۔ کہتے ہیں کہ خواجہ تاج

آقا اس قدر استغراق میں رہتے کہ اپنے' پرائے کو پہچان نہیں سکتے تھے۔

وفات: آپ نے ۵۹۶ھ میں وصال فرمایا۔

قطعہ

جو تاج آقا شہ دین تاج عزت ز حق شد تاجدار خلد اعلیٰ
عیاں گر دید سال ارتحالش ز تاج اولیا محبوب مولیٰ

۵۹۶ھ

خواجہ سعید آتا قدس سرہ

آپ خواجہ احمد یسوی رحمتہ اللہ علیہ کے نامور خلیفہ ہیں۔ شیخ کی وفات کے بعد کئی سالوں تک مسند ارشاد پر بیٹھے اور متلاشیان حق کو حق تک پہنچایا۔ آپ کا مسکن ولایت خوارزم تھا۔

وفات: آپ نے ۶۱۵ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

باسعادت شد چو درخلد برین شیخ عالم عاشق صادق سعید
بہر سال ارتحال آنجناب "خواجہ" کن تحریر خوان "عاشق سعید"

۶۱۵ھ ۶۱۵ھ

خواجہ اولیاء کبیر قدس سرہ

آپ حضرت عبدالخالق غجدوانی کے عظیم خلفاء میں سے ہیں۔ ابتداء میں بخارا کے ایک عالم سے علم حاصل کرتے تھے۔ ایک دن اتفاقاً" خواجہ عبدالخالق

رحمتہ اللہ علیہ نے بازار سے گوشت خریدا اور خود اٹھا کے لے جانے لگے۔ خواجہ اولیا وہاں سے گزر رہے تھے۔ التماس کی کہ گوشت مجھے دیجئے تاکہ آپ کے ساتھ چل کر گھر تک پہنچا دوں۔ حضرت نے گوشت انہیں دے دیا۔ گھر پہنچ کر خواجہ اولیاء کو بٹھایا اور فرمایا کچھ دیر آرام کرلو کہ کھانا تیار ہو جائے۔ پھر ہم مل کر کھائیں گے۔ جب کھانا کھانے کے بعد اولیاء نے اجازت لی تو یکدم ان کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ فوراً واپس حاضر خدمت ہوئے' مرید ہوگئے اور حضور کے حاضرباش رہے۔ حتیٰ کی سعادت فرزندی پائی اور خرقہ خلافت سے نوازے گئے۔

ایک بار خواجہ اولیاء راستہ میں جارہے تھے۔ عین راستہ میں ایک عالم سے ملاقات ہوئی جو بخارا میں پڑھتے تھے۔ انہوں نے ملتے ہی خواجہ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا کہ تو نے علم پڑھنا بالکل چھوڑ دیا۔ تو نے اپنی عمر ضائع کرلی۔ اب بھی وقت ہے میرے پاس آجاؤ کہ تمہیں کمال عظیم تک پہنچا دوں۔ یہ باتیں سن کر خواجہ مسکرائے اور فرمایا "تعجب ہے کہ تو ساری رات زن فاحشہ کے ساتھ بغل گیر رہا۔ تم کئی بار زنا کے جرم کے مرتکب ہوئے ہو۔ مگر تم اپنے حال پر شرمندہ ہونے کی بجائے مجھے ملامت کر رہے ہو اور مجھے اللہ کے راستہ سے ہٹا رہے ہو"۔ وہ عالم خواجہ اولیاء کے کشف سے متحیر ہوا' انکساری کے ساتھ پیش آیا' خواجہ کے ساتھ چلا۔ خواجہ عبدالخالق کی خدمت میں حاضر ہوا' توبہ کی اور مرید ہوگیا۔

کہتے ہیں کہ خواجہ اولیاء پر جذب و استغراق کے غلبہ کا یہ عالم تھا کہ ان کے صاف دل میں غیر کا خیال نہیں آتا تھا۔

وفات: خواجہ اولیا کبیر بقول صاحب "تذکرۃ العاشقین" ۶۲۷ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار بخارا میں ہے۔ آپ کے خلفاء میں سے خواجہ ترکی' خواجہ

دہقان اور خواجہ سوگان رحمتہ اللہ علیہم مشہور ہیں۔

قطعہ

شد ز دنیا بخت الاکبر شیخ والا کبیر محرم حق
از "حبیب خدا" وصالش جو نیز فرما "کبیر محرم حق"

۵۲۷ھ ۷۳۷ھ

خواجہ زنگی آتا قدس سرہ

عظیم ترکی مشائخ میں سے ہیں۔ "شاش" کے علاقہ کے باشندہ تھے۔ آپ کے والد گرامی کا نام تاج آتا بن شیخ باب ارسلان رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ پہلے اپنے جد بزرگوار کے سایہ عاطفت میں تربیت پائی اور دینی و دنیاوی علوم میں کامل و مکمل ہوئے۔ دادا جان کی وفات ے بعد خواجہ حکیم آتا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ خلافت پایا۔ مخلوق الٰہی کی ہدایت میں مشغول ہوگئے۔

خواجہ حکیم آتا رحمتہ اللہ علیہ کی اہلیہ کا نام عنبر تھا۔ وہ براق خان کی بیٹی تھی۔ حکیم آتا سیاہ فام تھے۔ ایک دن بی بی عنبر کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اچھا ہوتا اگر یہ حکیم آتا سیاہ فام میرا شوہر نہ ہوتا۔ اس خیال کے آتے ہی خواجہ حکیم اس خیال سے آگاہ ہوگئے اور فرمایا کہ جلد ہی تو مجھ سے بھی زیادہ کالے آدمی کے ساتھ رہے گی۔ چند ماہ بعد حکیم آتا کا وصال ہوگیا۔ ایام عدت گزرنے کے بعد حکیم آتا نے اسے پیغام نکاح بھیجا تو اس نے انکار کر دیا۔ اس کے جواب میں زنگی آتا نے یہ کہلا بھیجا کہ تمہیں یاد ہوگا کہ تمہارے مرحوم شوہر نے فرمایا تھا کہ تم جلد ہی مجھ سے بھی زیادہ سیاہ فام کے ساتھ رہو گی۔ وہ سیاہ تر میں ہوں اور یہ کام ہو کے رہنا ہے۔ بی بی حیران ہوگئی کیونکہ اس کے سوا کسی کو بھی اس بات کا پتہ نہ تھا۔ بالآخر نکاح کر ہی لیا۔ اس بی بی سے خواجہ زنگی کے

ہاں بہت سی اولاد پیدا ہوئی جو سب عالم' عامل' فاضل اور کامل تھے۔

صاحب رشحات فرماتے ہیں: شیخ زنگی آتا کے چار نامور خلفاء اوزن حسن' سید آتا' صدر آتا اور بدر آتا تھے جو کامل و مکمل تھے۔ خواجہ زنگی کی خدمت میں ان چاروں حضرات کی حاضری یوں ہے۔

یہ چاروں حضرات بخارا میں علم ظاہری کی تعلیم میں مصروف تھے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر علم طریقت سیکھنے کے لیے بخارا سے روانہ ہوئے۔ تاشقند کی ولایت میں ایک صحرا سے گزرے تو ایک سیاہ فام شخص دیکھا۔ لمبے لمبے موٹے ہونٹ' کالا کلوٹا' گائیوں کا گلا چرا رہا ہے۔ یہ سیاہ فام خواجہ زنگی تھے اور آپ کا طریقہ تھا کہ شروع میں حلال روزی حاصل کرنے کے لیے تاشقند والوں کی گائیں چراتے تھے۔ ان چاروں طالب علموں نے بھی ایک درخت کے نیچے آرام کیا اور دیکھا کہ اس کالے بھجنگ آدمی نے وضو کیا اور ذکر میں مشغول ہوگیا۔ جب گائیوں نے آواز ذکر سنی سب صحرا سے نکل کر خواجہ کے اردگرد بیٹھ گئیں۔ آپ ذکر سے فارغ ہوئے تو چاروں طالب علم خدمت میں حاضر ہوئے' سلام کیا اور سامنے بیٹھ گئے۔ خواجہ رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا "آپ لوگ کون ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟" عرض کیا "علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد ہادی راہ طریقت کی تلاش میں ہیں۔ آخر ڈھونڈنے والا پا ہی لیتا ہے۔ ہمیں بھی راہبر مل ہی جائے گا"۔ یہ سن کر خواجہ نے چاروں طرف دیکھا اور فرمایا "میں نے اس وقت دنیا کے چاروں طرف دیکھا ہے۔ میں نے ہفت اقلیم دیکھ لی ہے مگر اپنے سوا کوئی نظر نہیں آیا جو تمہیں مراد تک پہنچا سکے"۔ سید آتا اور بدر آتا نے جب یہ بات سنی تو ان کے دل نے انکار کیا۔ سید آتا نے دل میں سوچا کہ میں سید ہوں' عالم فاضل ہوں۔ میں اس گائیوں کے سیاہ فام چرواہے کا مرید نہیں ہوں گا۔ بدر آتا نے دل میں خیال کیا یہ ہاتھی کے

سے ہونٹوں والا زنگی کیا کہتا ہے کہ میرے علاوہ دنیا میں کوئی اور نہیں ہے۔ مگر اوزن حسن اور صدر آتا نے دل میں سوچا کہ شاید اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ہمارے حصہ کی نعمت اسی زنگی میں رکھ دی ہو۔

خواجہ زنگی نے اگرچہ صفائی باطن سے چاروں کے خیالات جان لیے مگر زبان مبارک سے کچھ نہ فرمایا۔ پہلے اوزن حسن نے اور بعد میں صدر آتا نے خواجہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب سید آتا اور بدر آتا نے دیکھا کہ ان کے دونوں ساتھی خواجہ کے مرید ہوگئے ہیں تو دوستوں سے علیحدگی مناسب نہ سمجھی اور خواجہ کے مرید بن گئے۔ اب اوزن حسن اور صدر آتا نے چونکہ بلا انکار و تردد اخلاص سے بیعت کی تھی چند ہی دنوں میں مقصد پالیا مگر بدر آتا اور سید آتا ہر چند کے سخت ریاضت کرتے تھے' دن رات مصروف وظائف رہتے مگر ان کا عقدہ وا نہ ہوا۔ وہ دونوں رشک و حسرت کی آگ میں جلتے تھے۔ آخرکار سید آتا خواجہ زنگی کی بی بی عنبر کی خدمت میں گئے۔ زار و قطار روئے اور پیر روشن ضمیر کی خدمت میں سفارش کرنے کی استدعا کی۔ اس پاک دامن خاتون نے ان کی سفارش کرنے کی حامی بھری اور فرمایا کہ تم اپنے آپ کو ایک سیاہ نمدے میں لپیٹ کر حضرت خواجہ زنگی کے راستے پر ڈال دو۔ جب صبح سویرے خواجہ زنگی طہارت کے لیے باہر جائیں گے تمہیں اس حال میں دیکھیں گے تو یقیناً وہ تم پر رحم کھائیں گے۔ رات ہوئی تو بی بی عنبر نے خواجہ کی خدمت میں سید آتا کی سفارش کی اور بہت زاری کی۔ خواجہ نے فرمایا پہلے دن تو اس میں سیادت اور علمیت کا غرور کیا۔ اب اس کا کام چند دنوں میں بالاتر ہو جائے گا۔ علی الصباح جب خواجہ طہارت کے لیے باہر گئے تو راستے میں ایک چیز پڑی دیکھی۔ اس پر اپنا پاؤں رکھا سید آتا نے جو سیاہ نمدے میں لپٹے ہوئے تھے خواجہ کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ خواجہ نے پوچھا کہ کون ہے؟ عرض کیا کہ عاجز اور پردیسی احمد ہے جس

کے دماغ میں علمیت و سیادت کی بو ختم ہو چکی ہے۔ خواجہ نے اسے نمدہ سے باہر نکالا' اپنے پہلو میں جگہ دی' اپنے سینہ سے لگایا۔ اسی وقت سید آتا کی عقدہ کشائی ہو گئی اور چند ہی دنوں بعد مقام ارشاد پر پہنچے۔ اسی طرح بدر آتا بھی جن کی گرہ نہیں کھل رہی تھی بی بی عنبر کی سفارش سے اپنی مراد کو پہنچے اور خرقہ خلافت پایا۔

سید آتا رحمتہ اللہ علیہ جن کا نام سید احمد ہے خواجہ عزیزان علی راتنی سے نہایت محبت رکھتے تھے اور انہوں نے کئی سال اکٹھے گزارے۔ خواجہ راتنی اس سلسلہ کے اجل خواجگاں میں سے تھے۔

وفات: آپ کی وفات ۶۵۶ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار پر انوار ولایت شاش میں ہے۔ اب تک جو کوئی بھی دینی یا دنیاوی مراد کے حصول کے لیے مزار پر ازانوار و برکت پر جاتا ہے نامراد نہیں ہوتا۔ چنانچہ مولانا محمد قاضی رحمتہ اللہ علیہ رسالہ سیر قاضی میں فرماتے ہیں جب بھی میں خواجہ زنگی کی قبر پر جاتا تھا اللہ اللہ کی آواز سنتا تھا۔

قطعہ

چو داخل معلی از جہاں رفت جناب خواجہ مسعود زنگی
"ولی اللہ مرشد" گو وصالش دوبارا "عاشق محمود زنگی"
۶۵۶ھ ۶۵۶ھ

خواجہ احمد صدیق خلیفہ حضرت عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ

آپ اس عالیشان سلسلہ خاندان کے عظیم مشائخ و علماء میں سے ایک ہیں۔ زہد ورع اور تقویٰ میں یگانہ زمانہ اور وحید عصر تھے۔ اپنے مرشد کی وفات کے بعد مسند ارشاد کو زینت بخشی۔ بخارا میں ہزاروں طالبان حق کو حق سے

ملایا۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے ہاں ٹھہرے ہوئے تمام مریدوں کو خواجہ عارف ریوگری کے حوالہ کیا۔ آپ کے سب خدام نے خواجہ عارف کی خدمت میں حاضر ہو کر سلوک کی تکمیل کی۔

وفات: آپ نے ۶۵۷ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پرانوار بخارا سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر واقع قصبہ معنان میں ہے۔ آپ نے طویل عمر پائی جو ایک سو سال سے زیادہ تھی۔

قطعہ

شد چو از دنیا بفردوس برین احمد صدیق' صدیق زمان
ہست وصلش "قطب کامل مجتبیٰ" ہم "فقیر احمدی صدیق" دان

۶۵۷ھ ۶۵۷ھ

خواجہ سلیمان کرمنی قدس اللہ باسرارہ

آپ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کے عظیم خلیفہ ہیں۔ علم و عمل میں کامل تھے' متقی تھے۔ قصبہ "کرمن" میں رہائش تھی۔ آپ کی قبر بھی وہیں ہے۔ یہ قصبہ بخارا سے بارہ فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ خواجہ سلیمان کرمنی کے دو کامل و مکمل خلیفہ تھے۔ ایک محمد شاہ بخاری' دوسرے شیخ سعد الدین غجدوانی جو شیخ سلیمان کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور مخلوق کی راہنمائی میں مصروف ہو گئے۔ ان کے علاوہ شیخ ابوسعید بخاری بھی آپ کے بڑے ساتھی اور خلیفہ تھے جو شیخ بخاری کے صاحبزادے تھے۔

وفات: آپ نے ۶۵۸ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چون سلیمان خواجہ عالی مکان شد بجنت پرتو انگن مثل ماہ
سال وصل او بہ "سرور" شد عیاں از "ولی حق سلیمان بادشاہ"

۶۵۸ھ

خواجہ سید آتا قدس سرہ

نام سید احمد ہے۔ خواجہ زنگی رحمتہ اللہ علیہ کے نامور خلیفہ تھے۔ آپ کا ذکر خیر خواجہ زنگی کے مناقب کے ضمن میں ہم لکھ چکے ہیں۔ اس طائفہ کے بزرگوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

ایک دن سید آتا صحرا میں سے گزر رہے تھے۔ ایک کسان کاشت کاری میں مصروف تھا۔ آپ نے پوچھا "بھائی کیا کاشت کر رہے ہو؟" عرض کی باجرہ کاشت کر رہا ہوں مگر اس زمین میں باجرہ اچھا نہیں ہوتا اکثر بیج ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ بات سن کر سید آتا نے زمین سے خطاب کیا اور فرمایا کہ خبردار! اس کسان کا بیج ضائع نہ کرنا۔ اس سال اس زمین سے بہت سا باجرہ پیدا ہوا بلکہ آئندہ پانچ سال تک ہر موسم میں باجرہ کی فصل بوئے بغیر ہو جاتی تھی۔

وفات: آپ نے ۷۱۰ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

سید آتا شریف نیک ذات شد چو در خلد مطی از جہان
"شاہ ابرار" است سال وصل او نیز سید مقتدا کامل بدان

۷۱۰ھ ۷۱۰ھ

خواجہ اسمٰعیل قدس سرہ

سید آتا رحمتہ اللہ علیہ کے نامور خلفاء میں سے ایک خواجہ اسمٰعیل رحمتہ

اللہ علیہ ہیں جو سید آتا کی وفات کے بعد کئی سالوں تک سجادہ خلافت و مشیخیت پر جلوہ افروز ہوئے اور ہزاروں طالبوں کو ہدایت و ارشاد سے نوازا۔ شیخ اسمٰعیل کے بعد آپ کے صاحبزادہ شیخ اسحٰق آپ کے قائم مقام ہوئے۔ آپ زہد و تقویٰ اور طہارت میں شہرہ آفاق تھے۔ خواجہ زنگی کے خلیفہ اعظم خواجہ صدر آتا رحمتہ اللہ علیہ نے جب وفات پائی' ان کی جگہ پر خواجہ ایمن سجادہ نشین ہوئے اور سالکان راہ حق کی ہدایت میں مصروف ہوگئے۔ خواجہ ایمن کے بعد خواجہ شیخ علی رحمتہ اللہ علیہ' ان کے بعد خواجہ مودود اور خواجہ کمال رحمت اللہ علیہم اجمعین مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔

خواجہ غریب قدس اللہ سرہ

خواجہ اولیاء کبیر رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند ہیں۔ اپنے والد سے خرقہ خلافت پایا۔ آپ متقی' نیک اور صاحب ارشاد تھے۔ آپ کے والد عظیم خلیفہ خواجہ سوگان رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ شیخ سیف الدین رحمتہ اللہ علیہ جس بستی "فتح آباد" میں دفن تھے یہیں آپ کی سکونت رہی۔ آپ کے عہد میں شیخ مجذوب القلوب شیخ حسین بخاری رحمتہ اللہ علیہ روس اور بلغاریہ کی طرف سے ولایت بخارا میں آئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت خواجہ کی عمر تقریباً ۹۰ سال تھی۔

شیخ سیف الدین اور خواجہ خاوند تاج الدین سامی رحمتہ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے اکابر تھے فرماتے ہیں کہ شیخ بلغاری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے اولیاء اہل قلوب کی خدمت کی ہے مگر میں نے خواجہ کی طرح کا عجیب و غریب شخص نہیں دیکھا جو اخلاق میں لاثانی تھے۔ زہد و تقویٰ اور کرامت و خوارق میں بے مثال تھے۔ آپ کے چار نامور خلفاء یہ ہیں۔

۱۔ خواجہ اولیاء پارسا رحمتہ اللہ علیہ ساکن خرمن نمی متصل بخارا
۲۔ خواجہ حسن رحمتہ اللہ علیہ ساکن ساوری
۳۔ خواجہ اولیا غریب رحمتہ اللہ علیہ
۴۔ خواجہ او کتمان رحمتہ اللہ علیہ

وفات: آپ نے ۷۱۱ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چون غریب الوقت با غربت غریب — یافت غربت، شد مسافر زین سرا
مرشد الکونین، دان تاریخ او — نیز اے سرور بخوان "مشکل کشا"

۷۱۱ھ — ۷۱۱ھ

حضرت خواجہ ریوگری قدس سرہ

آپ ترکوں کے عظیم اولیاء و مشائخ میں سے ایک ہیں۔ علم، حلم، زہد، تقویٰ، ریاضت، عبادت اور اتباع سنت میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے۔ خرقہ خلافت، خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمتہ اللہ علیہ نے پہنایا۔ شیخ کی زندگی بھر، ان کے خدمت گزار رہے اور استفادہ کیا۔ مرشد کی وفات کے بعد سجادہ ارشاد کو مزین کیا۔ طالبان حق کی راہنمائی کرتے رہے۔۔۔۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس اللہ سرہ العزیز کا سلسلہ نسبت و ارادت، خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ کے تمام خلفاء سے خواجہ عارف کے ذریعہ پہنچتا ہے۔

وفات: صاحب "رشحات" کے بقول آپ نے ۷۱۵ھ میں وفات پائی۔ آپ "ریوگر" قصبہ میں دفن ہوئے۔ یہ بخارا سے چھ فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ خواجہ عارف رحمتہ اللہ علیہ نے طویل عمر پائی جو خواجہ عبدالخالق رحمتہ اللہ علیہ سے لے کر آپ کے سن وفات تک پھیلی ہوئی ہے۔

قطعہ

عارف آن عارف و ولی خدا متصل شد بوصل سبحانی
"خواجہ اہل دین" بگوسالش نیز "عارف امین ربانی"
۷۱۵ھ ۷۱۵ھ

خواجہ محمود الخیر قنسوی قدس سرہ

آپ خواجہ عارف ریوگری رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ، بہترین دوست اور معتمد رفیق تھے اور جلوت و خلوت میں آپ کے سب ساتھیوں میں ممتاز تھے۔ آپ قصبہ "الخیر قفن" میں پیدا ہوئے۔ یہ بخارا سے تین فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ "دامکن" نامی گاؤں میں آپ نے رہائش رکھی۔ آپ نے گلکاری کا کام زندگی بھر اختیار کیے رکھا۔ آپ حلال کمائی کھاتے تھے اور اس کے لیے ہی یہ پیشہ اپنایا تھا۔ ذکر خفی کی نسبت، ذکر جہر سے آپ کو لگاؤ تھا۔ چنانچہ ایک روز آپ "دامکن" میں مجلس لگائے ذکر جہر میں مشغول تھے، اسی دوران بخارا کے عظیم عالم خواجہ حافظ الدین آئے اور سوال کیا کہ آپ کے طریقہ نقشبندیہ میں تو ذکر خفی کرتے ہیں مگر آپ ذکر جہر سے محبت کرتے ہیں۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا: "تاکہ سوئے ہوئے جاگیں، غافل آگاہ ہوں اور غفلت و خواب سے نکل کر راستہ پر آجائیں"۔

خواجہ محمود رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر جہر اس شخص کے لیے مناسب ہے، جس کا دل ریا سے، زبان جھوٹ اور غیبت سے، اس کا حلق لقمہ حرام سے اور اس کی آنکھ نظربد سے اور توجہ بغیر حق سے پاک ہو۔

ایک دن خواجہ محمود رحمہ اللہ کے عظیم ساتھی خواجہ علی راقنی، اپنے تمام احباب کے ساتھ ذکر جہر میں مشغول تھے، اچانک دیکھا کہ ایک بہت بڑا سفید پرندہ، ان کے سروں کے اوپر سے اڑتا ہوا گزرا جب ان کے قریب پہنچا

تو بزبان فصیح کہا۔ "اے علی! مرد بن اور کام میں مشغول ہو"۔ وہ پرندہ دیکھ کر اور یہ بات سن کر' ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ جملہ اہل محفل' ورود فیض اور ظہور اسرار سے بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش آیا تو خواجہ علی رحمتہ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا یہ پرندہ خواجہ محمود رحمتہ اللہ علیہ کی روح پر فتوح ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ کرامت عطا فرمائی ہے کہ ہر روز آپ اس مقام پر تشریف لے جاتے ہیں جہاں حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہزاروں باتیں کی تھیں۔ آپ جس مخلوق کے قالب عنصری میں چاہتے ہیں' شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس وقت خواجہ دہقان قلبی جو خواجہ اولیائے کبیر کے سب سے پہلے خلیفہ ہیں' کی عمر پوری ہو چکی تھی اور انہوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی تھی کہ اے اللہ' میرے آخری وقت' میرے پاس اپنے دوستوں میں سے ایک کو بھیجے گا۔ کہ اس کی آنے کی برکت سے میرا ایمان سلامت رہ جائے۔ اس وجہ سے' ربانی اشارہ سے' خواجہ محمود رحمتہ اللہ علیہ' مقام اعلیٰ علیین سے پرواز کر کے' خواجہ دہقان رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچے اور ان کے خاتمہ بخیر کے بعد' میرے ساتھ بھی آپ کو جو محبت و عنایت ہے' اس وجہ سے اس راستہ سے گزرے۔

وفات: بقول صاحب "سفینتہ الاولیاء" ۷۱۵ھ میں فوت ہوئے اور "تذکرۃ الاصفیاء" کی روایت کے مطابق آپ کا سال وفات ۷۱۷ھ ہے۔

قطعہ

چون مکان در جنت محمود یافت　　حامد و محمود شیخ الاصفیاء
"شاہ عرفانی" است سال وصل او　　ہم نجوان "محمود تاج الاصفیاء"

۷۱۵ھ　　۷۱۷ھ

خواجہ میر حسین المشہور میر خورد قدس سرہ

نقشبندیہ سلسلہ کے عظیم بزرگ ہیں۔ خواجہ محمود رحمتہ اللہ علیہ سے خرقہ خلافت ملا۔ آپ کے ایک بھائی کا نام خواجہ حسن ہے وہ بھی خواجہ محمود رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب و احباب میں سے تھے۔

وفات: ۷۱۹ھ میں وفات پائی اور موضع "واکنی" میں آپ کی قبر ہے۔ یہ بخارا کے مضافات میں ہے۔

قطعہ

باجمال و حسن شد حسن بہشت　　چوں حسین آں پیر دلبند حسین

"صاحب تحقیق" سال وصل اوست　　نیز فرما پیر فرزند حسین

۷۱۹ھ　　۵۱۹ھ

حضرت خواجہ علی رامتنی قدس سرہ

آپ شیخ محمود الخیر فغنوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اور خانوادہ نقشبندیہ کے ایک بڑے بزرگ ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کا لقب خواجہ عزیزان علی ہے۔ آپ کے مقامات بلند اور کرامات عجیب تھیں۔ آپ رزق حلال کے لیے کپڑے بننے (باندگی) کا کام کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش "رام تن" میں ہوئی۔ یہ بخارا سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ایک بڑا قصبہ ہے۔

شیخ حسن بلغار کے ایک ساتھی شیخ بدرالدین ہمدانی' حضرت خواجہ علی رامتنی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ **واذکرو اللہ ذکرا" کثیرا"** جس کے ہم مامور ہیں۔ اس ذکر سے مراد ذکر جہر ہے یا خفی فرمایا کہ مبتدی کے لیے ذکر جہر اور منتہی کے لیے ذکر خفی۔

خواجہ عزیزان علی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا الگ ہونا اور جڑنا یعنی دنیا سے الگ ہونا اور حق کے ساتھ پیوستہ ہونا۔ خواجہ

رحمتہ اللہ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حسین بن منصور پھسل گئے تھے اگر اس وقت عبدالخالق غجدوانی کے فرزندوں یعنی مریدوں میں سے کوئی وہاں ہوتا تو بہرحال اس کی امداد کرتا اور اسے مقام وحدت الوجود سے بلند کر دیتا۔۔۔

سید آتا رحمتہ اللہ علیہ (جن کا پہلے ذکر ہوچکا ہے) خواجہ عزیزان علی رامیتی کے ہم عصر تھے۔ ان کی خواجہ رحمتہ اللہ علیہ سے ان بن تھی۔ ایک دن ان کی زبان سے حضرت خواجہ کی نسبت کچھ خلاف ادب جملے نکل گئے۔ اتفاقاً" چند دن بعد ترکوں نے حملہ کیا اور سید آتا کے بیٹے کو بھی پکڑ کر لے گئے۔ سید آتا سمجھے کہ یہ حادثہ اسی بے ادبی کی وجہ سے ہوا ہے۔ معذرت خواہی کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی توجہ فرمایئے کہ میرا بیٹا واپس آ جائے۔ خواجہ خاموش رہے۔ جب دسترخوان بچھایا گیا تو خواجہ عزیزان رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا "علی اس وقت تک کھانے پر ہاتھ نہیں رکھے گا جب تک سید آتا کا لڑکا نہیں آ جاتا"۔ اس کے بعد ایک لحظہ گزر گیا۔ حاضرین منتظر تھے کہ اچانک سید آتا کا بیٹا' دروازہ سے اندر آیا۔ اہل محفل نے یہ دیکھ کر یکدم شور کیا اور حیران رہ گئے اور بیٹے سے حال پوچھا۔ وہ بولا "میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ میں چند لمحے پہلے ترکوں کے ایک دستہ کی قید میں تھا۔ وہ مجھے پکڑ کر اپنے علاقہ میں لے جا رہے تھے۔ اب میں اپنے آپ کو آپ حضرات کے سامنے دیکھ رہا ہوں"۔ اس کے بعد سب لوگوں نے کھانا کھایا۔ سید آتا آنحضرت رحمتہ اللہ علیہ کے عقیدت مند بن گئے۔

ایک بار خواجہ علی رحمتہ اللہ علیہ کے گھر میں دو دن سے فاقہ تھا۔ اہل خانقاہ فاقہ سے بہت تنگ تھے۔ اچانک حضرت کا ایک مخلص عقیدت مند غلام پلاؤ کی ایک دیگ لیے حاضر ہوا اور قبول فرمانے کی درخواست کی۔ خواجہ

بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ قبولیت کا دروازہ کھلا ہے' جو مانگتا ہے مانگ۔ غلام بہت ذہین تھا۔ بولا "میری اس کے سوا کوئی تمنا نہیں ہے کہ ظاہر و باطن میں آپ کی طرح ہو جاؤں"۔ آپ نے فرمایا یہ بھاری بوجھ ہے تو اس کو برداشت نہ کر سکے گا۔ عرض کی میری مراد تو یہی ہے۔ باقی اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے۔ فرمایا کہ بہت اچھا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے۔ اسے سامنے بٹھایا۔ توجہ دی۔ ایک ساعت بعد غلام کا ظاہر و باطن بالکل حضرت کی طرح تھا۔ مگر وہ مستانہ و بے ہوش تھا۔ چار دن تک وہ زندہ رہا اس کے بعد رحمت حق سے جا ملا۔

اولاد: خواجہ عزیزان رحمتہ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے تھے۔ دونوں عالم' عارف کامل اور باعمل تھے علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ۔ ایک بڑے صاحب زادے خواجہ محمد دوسرے چھوٹے بیٹے خواجہ ابراہیم۔ آپ نے خواجہ ابراہیم کو اپنی وفات کے وقت حق سجادہ نشینی دیا اور فرمایا کہ اگرچہ یہ حق بڑے بیٹے کا ہوتا ہے مگر وہ میرے بعد جلد ہی فوت ہو جائے گا۔ لہٰذا ہم نے اسے اس کام سے معاف رکھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے چہلم کے روز بڑے صاحبزادے نے وفات پائی۔

خلفاء: خواجہ عزیزان کے چار خلیفہ تھے۔ یہ چاروں حضرات صاحب حال و قال اور اہل فضل و کمال تھے۔ حضرت کی وفات کے بعد چاروں نے انسانیت کی ہدایت و رشد کے لیے کام کیا۔ ان چاروں کے اسماء گرامی نام پاک محمد پر ہے۔ پہلے خواجہ محمد کلاہ دوز آپ کا مزار پر انوار خوارزم میں ہے۔ دوسرے خواجہ محمد صلاح بلخی۔ آپ شہر بلخ میں آسودہ ہیں۔ تیسرے خواجہ محمد یار آپ کا مرقد خوارزم میں ہے۔ چوتھے خواجہ محمد بابا سماسی۔

وفات: صاحب "رشحات" اور صاحب "سفینتہ الاولیاء" وغیرہ کے بقول

آپ ۷۲۱ھ میں بتاریخ ۲۸ ذی قعدہ فوت ہوئے۔ آپ کا مزار پرانوار خوارزم میں ہے۔

قطعہ

قدر اعلیٰ و عز عالی یافت چون علی شد بجنت العالی
گو "علی بوتراب رحلت" او نیز "عاشق ولی عزیز علی"

۷۲۱ھ ۷۲۱ھ

خواجہ محمد بابا سماسی قدس سرہ

آپ خواجہ عزیزان رحمتہ اللہ علیہ کے نامور خلیفہ ہیں۔ ایک مدت تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہے اور بہت فائدے حاصل کیے اور جب اشارہ غیبی پا کر خواجہ عزیزان بخارا سے خوارزم تشریف لے گئے تو خواجہ محمد بابا بھی ان کے ہمراہ تھے۔ آپ کا مولد و مسکن' سماسی گاؤں ہے' جو قصبہ رامتنی کے ماتحت ہے اور بخارا سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے۔

صاحب "رشحات" فرماتے ہیں۔ بابا سماسی نے خواجہ بہاء الدین شاہ نقشبند کو اپنا بیٹا بنایا اور تربیت فرمائی۔ ان کی پیدائش سے پہلے جب بھی بابا ہندوؤں کے محل کے پاس سے گزرتے تھے تو فرماتے تھے کہ مجھے اس مٹی سے ایک مرد کی خوشبو آ رہی ہے جو امام طریقت ہوگا اور جلد ہی قصر ہندواں' قصر عارفان' میں بدل جائے گا۔ خواجہ بہاء الدین کے پیدا ہونے کے تین دن بعد جب بابا وہاں سے گزرے تو فرمایا کہ اب خوشبو زیادہ ہوگئی ہے شاید کہ وہ مرد پیدا ہوگیا ہے۔ جب اس کی اطلاع خواجہ بہاء الدین کے دادا کو ملی تو وہ اپنے پوتے کو لے کر بابا کی خدمت میں پہنچے۔ خواجہ نے مہربانی اور مہمان نوازی کے بعد فرمایا کہ یہ بچہ ہمارا بیٹا ہے ہم نے اسے اپنی فرزندی میں قبول کر لیا ہے۔ پھر اپنے ساتھیوں سے فرمایا یہ وہی شخص ہے جس کی بو ہمیں آتی

تھی۔ جلد ہی یہ مقتداء وقت اور امام طریقت ہوگا۔ آپ نے اپنے خلیفہ اعظم میر کلال سے فرمایا کہ ہم نے اپنے بیٹے بہاء الدین کو تمہارے حوالہ کیا۔ اس کی ظاہری و باطنی تربیت کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ ہرگز اس میں کوتاہی نہ کرنا۔ یہ سن کر میر کلال نے سر جھکایا' سینہ پر ہاتھ رکھا اور عرض کیا "اگر کوتاہی کروں تو مرد نہ ہوں گا"۔

خواجہ بہاء الدین شاہ نقشبند (قدس سرہ) فرماتے ہیں جب ہم نے نکاح کرنا چاہا تو میرے دادا نے مجھے بابا سماسی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا کہ اس موقع پر بابا تشریف لے آئیں تو آپ کی برکت قدوم ان گھروں کو ملے۔ جب حضرت سے ملاقات ہوئی' میں نے آپ کی پہلی کرامت یہ دیکھی کہ اس رات میرے اندر عاجزی و زاری پیدا ہوئی۔ اٹھ کر خواجہ کی مسجد میں آیا' دو رکعت نماز پڑھی' سر سجدہ میں رکھا اور دعا کی اے اللہ مجھے تکلیف برداشت کرنے اور ریاضت کی مشقت اٹھانے کی توفیق دے۔ جب صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا۔ دعا اس طرح کرنی چاہیے کہ اے اللہ! جو تیری رضا ہے' اس بندہ ضعیف کو اسی پر رکھ۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ کے تحت اپنے کسی دوست پر بلا نازل کرتا ہے تو پھر خود ہی اس کو برداشت کرنے کی توفیق بھی دے دیتا ہے۔ خود بلا و مصیبت کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے کہ یہ گستاخی ہے۔

اس کے بعد کھانا حاضر ہوا' ہم نے کھا لیا۔ ایک روٹی بچ گئی آپ نے مجھے عطا کی اور فرمایا اسے سنبھال کے رکھو۔ میں نے دل میں سوچا کہ ہم نے ابھی کھانا سیر ہو کر کھا لیا ہے' ابھی میں اپنے گھر پہنچ جاؤں گا یہ روٹی راستہ میں ہمارے کس کام آئے گی۔ روانہ ہوئے تو میں آپ کی سواری کے ساتھ پوری نیازمندی کے ساتھ چل رہا تھا۔ جب میرے دل میں کوئی وسوسہ آتا تو

آپ فرماتے کہ دل کو تمام بے فائدہ خطرات سے پاک رکھنا چاہیے۔
راستہ میں آپ اپنے ایک محب کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ خندہ پیشانی سے پیش آیا لیکن اس کے چہرہ پر تشویش و اضطراب کے آثار نمایاں تھے۔ آپ کے پوچھنے پر بولا۔ دودھ کا پیالہ ہے مگر روٹی نہیں کہ کھاؤں۔ حضرت نے مجھے فرمایا جو روٹی تمہارے پاس ہے وہ اسے دے دو۔ آخر کام آ ہی گئی حالانکہ میں سوچ رہا تھا کہ یہ کیا کام آئے گی۔

خلفاء: خواجہ بابا سماسی رحمتہ اللہ علیہ کے چار نامور خلفاء تھے۔ ایک خواجہ صوفی سوخاری جن کی قبر سوخار میں' بخارا سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ دوسرے خواجہ محمود سماسی' جو حضرت خواجہ کے فرزند ہیں نیز آپ کے خلیفہ اعظم ہیں۔ تیسرے' خواجہ دانشمند' چوتھے' میر سید کلال رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

وفات: آپ کی وفات ۷۵۵ھ میں ہوئی۔ آپ کے مزار پرانوار قصبہ سماسی میں ہے۔

قطعہ

درخلد چو از دیار دنیا مطلوب خدا محمد آمد
تاریخ وصال اوز "سرور" "محبوب خدا محمد آمد"

۷۵۵ھ

خواجہ میر سید کلال قدس اللہ سرہ المتعال

آپ خواجہ محمد سماسی رحمتہ اللہ علیہ کے اجل خلیفہ اور عظیم مرید ہیں۔ آپ کو علم شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت میں اپنے وقت کے اولیاء پر برتری حاصل تھی۔ آپ کو شرف مہارت بھی حاصل تھا۔ آپ "سوخار"

گاؤں میں پیدا ہوئے اور کوزہ گری کا پیشہ اختیار کیا۔

صاحب "رشحات" فرماتے ہیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ میر کلال جب میرے بطن میں تھے تو اس وقت اگر کبھی ایک مشتبہ لقمہ حرام بھی میں کھا لیتی تو پیٹ میں سخت درد ہوتا۔ قے کرنے سے ہی درد ٹھیک ہوتا۔ جب یہ واقعہ کئی بار ہوا تو میں سمجھ گئی کہ یہ اس بچہ کی وجہ سے ہے۔ اس کے بعد میں کھانے میں ازحد احتیاط کرتی تھی۔

میر کلال رحمتہ اللہ علیہ نوجوانی میں کشتی لڑتے تھے۔ ایک بار پہلوانوں کے دنگل میں موجود تھے کہ ایک شخص نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ سید زادہ ہو کر کشتی لڑتا ہے۔ یہ اس کے شایان شان نہیں ہے' یہ تو اہل بدعت کا طریقہ ہے۔ یہ خیال آتے ہی وہ وہاں بیٹھے ہی سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے۔ وہ شخص دلدل میں سینہ تک دھنسا ہوا ہے۔ نکلنے کی بہت کوشش کر رہا ہے۔ اتنے میں میر کلال اچانک آتے ہیں اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر دلدل سے نکالتے ہیں۔ آنکھ کھلی تو دنگل ختم ہو چکا تھا۔ میر کلال رحمتہ اللہ علیہ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا میں یہ کشتی اسی لیے لڑتا ہوں تاکہ دلدل میں پھنسنے والوں کو طاقت سے باہر نکال سکوں۔ اس شخص نے آپ کے قدموں پر سر رکھا اور توبہ کی۔

ایک دفعہ بڑے معرکہ کا دنگل تھا۔ ہزارہا لوگ کشتی دیکھنے کے لیے موجود تھے۔ حضرت میر وہاں کھڑے تھے کہ اتفاقاً" محمد بابا سماسی رحمتہ اللہ علیہ کا وہاں سے گزر ہوا تو کچھ دیر وہاں کھڑے رہے اور میر کلال رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھتے رہے۔ ان کے بعض مریدوں نے دل میں سوچا کہ حضرت ان بدعتیوں کو دیکھنے کے لیے کیوں بے کار کھڑے ہو گئے ہیں۔ محمد بابا سماسی رحمتہ اللہ علیہ نے نور باطن سے ان کے خیال کو جان لیا اور فرمایا کہ اس دنگل میں

ایک شخص کھڑا ہے، جس کی صحبت و برکت سے ہزاروں لوگ کمال کو پہنچیں گے۔ میں اسے شکار کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی حضرت نے اتنا فرمایا ہی تھا کہ میر کلال کی نظر آپ پر پڑی۔ بے ساختہ آپ کی طرف بڑھے۔ انتہائی جذب و کشش محسوس کی اور اپنے آپ کو حضرت کے قدموں پر ڈال دیا۔ جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو وہ آپ کی سواری کے ساتھ ساتھ آئے۔ خانقاہ پہنچے۔ مرید ہوئے اور کمالات ظاہری و باطنی پائے۔ پھر کشتی کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ حضرت بابا نے آپ کو اپنی فرزندی میں قبول فرمایا۔ خرقہ خلافت عطا کر کے اپنا جانشین بنایا۔

خلفاء: کہا جاتا ہے کہ خواجہ میر کلال کے ۴۱۴ خلیفہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک صاحب ارشاد تھا۔

وفات: بقول صاحب "رشحات" آپ نے جمعرات کے دن بوقت نماز فجر ۱۲ جمادی الاول ۷۷۲ھ وفات پائی۔

قطعہ

میر جنت شد چوبا عز و وقار　　سید اکرم شہ اسعد کلال
گفت تاریخ وصال او خرد　　میر سید پیشوا امجد کلال

خواجہ بہاء الدین شاہ نقشبند قدس اللہ سرہ

میر سید کلال رحمتہ اللہ علیہ کے کبیر خلفاء میں سے ہیں۔ آپ ایک عظیم ولی تھے۔ امام طریقت اور برحقیقت مقتدائے شریعت اور پیشوائے اہل سنت و جماعت تھے۔ لڑکپن میں ہی آپ سے کرامات ولایت ظاہر ہونے لگی تھیں۔ چنانچہ آپ کی والدہ ماجدہ سے منقول ہے کہ "میرا بیٹا بہاء الدین چار سال کا تھا کہ ایک گائے حاملہ تھی۔ اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ معلوم

ہوتا ہے یہ گائے سفید پیشانی والا بچھڑا جنے گی چنانچہ ایسے ہی ہوا"۔ آپ کی پیدائش سے پہلے خواجہ بابا سماسی رحمتہ اللہ علیہ نے بشارت دی تھی کہ ایک شخص "قصر عارفان" کے مقام سے پیدا ہوگا جو امام طریقت ہوگا۔ ابھی آپ تین دن کے بچہ تھے کہ خواجہ سماسی نے آپ کو اپنی فرزندی میں لے لیا اور ظاہری و باطنی تربیت کے لیے میر سید کلال کے حوالہ کیا۔

خواجہ بہاء الدین کو میر سید کلال سے جو سلسلہ مریدی ملا تھا وہ خواجہ عبدالخالق غجدوانی اویسی کی روحانیت سے تھا۔ چنانچہ آنجناب سے منقول ہے کہ ایک رات میں' جذب و استغراق کے عالم میں بخارا کے مزار ہائے مقدس پر پہنچا۔ میں نے ہر مزار کے اوپر جلتا ہوا چراغ دیکھا کہ تیل اور بتی کے موجود ہونے کے باوجود ان کی روشنی کم ہے اور وہ بتیوں (فتیلوں) کے محتاج ہیں کہ اگر انہیں تھوڑی سی بھی حرکت دی جائے تو چراغ کے منہ سے باہر آجائیں اور ٹھیک طرح سے جلنے لگیں۔ چراغوں کو اسی حال میں چھوڑ کر میں آخری مزار کے سامنے قبلہ رو ہو کر بیٹھ گیا۔ میں اپنے آپ سے غائب ہوگیا میں نے دیکھا کہ قبرستان کی قبلہ والی دیوار شق ہوئی وہاں سے ایک بڑا تخت نکلا۔ اس پر سبز پردے ڈالے گئے ہیں اور اس تخت کے اردگرد کافی لوگ کھڑے ہیں۔ ان کے درمیان خواجہ بابا محمد سماسی رحمتہ اللہ علیہ کو میں نے پہچان لیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ فوت شدہ بزرگ ہیں۔ ان لوگوں میں سے ایک نے مجھے کہا کہ اس تخت پر خواجہ عبدالخالق غجدوانی رونق افروز ہیں اور یہ لوگ ان کے خلفاء ہیں—— ہر ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تعارف کروایا کہ یہ خواجہ احمد صدیق ہیں۔ یہ اولیای کبیر ہیں۔ یہ خواجہ عارف ریوگری ہیں۔ یہ محمود الخیر فغنوی اور یہ خواجہ علی رامتنی ہیں۔ (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین) خواجہ محمد سماسی رحمتہ اللہ علیہ کو تم خود پہچانتے ہو۔ پس خواجہ محمد

غجدوانی نے میرے حال پر مہربانیاں فرمائیں۔ آپ نے ایک ٹوپی عطا فرمائی اور کہا اس ٹوپی کی کرامت یہ ہے کہ نازل شدہ بلا اس ٹوپی پہننے والے کی برکت سے ٹل جاتی ہے۔ اس کے بعد سلوک کی ابتدائی' درمیانی اور انتہائی باتیں مجھ سے بیان فرمائیں۔ پھر فرمایا کہ یہ چراغ جو تمہیں اس طرح نظر آئے تھے' اس بات کا اشارہ ہے کہ سلوک کا راستہ کی استعداد قابلیت یہ ہے کہ فتیلہ استعداد کو حرکت میں لانا چاہیے تاکہ چراغ روشن ہو جائیں۔ حضرت شاہ نقشبند موروثی شرافت' سیادت اور نجابت رکھتے تھے۔ چنانچہ صاحب "روضۃ السلام" شیخ شرف الدین محمد نقشبندی کے بقول آپ کا آبائی نسب چند واسطوں سے حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے—— یعنی حضرت شاہ بہاء الدین بن محمد سید بخاری بن سید جلال الدین بن سید برھان الدین بن سید عبداللہ بن سید زین العابدین بن سید قاسم بن سید شعبان بن سید برھان الدین بن سید محمود بن سید بلاق بن سید تقی صوفی خلوتی بن سید فخر الدین بن سید علی اکبر بن امام حسین عسکری بن امام علی تقی بن امام محمد تقی بن موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم اجمعین——

خواجہ بہاء الدین اگرچہ بظاہر توسل سلسلہ' میر سید کلال رحمتہ اللہ علیہ سے رکھتے تھے مگر آپ نے اویسی فیض خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی روحانیت سے حاصل کیا اور آپ کے ہم مجلس و صحبت پیر خواجہ قثم اور خلیل آتا ترکی تھے——

جب حضرت شاہ نقشبند' مکہ مکرمہ پہنچے تو اس روز حاجی قربانی کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ہمارا بھی ایک بیٹا تھا وہ ہم نے اللہ کے راستہ میں قربان کر دیا۔ پس اسی دن آپ کا صاحبزادہ بخارا میں فوت ہوگیا۔

صاحب "رشحات" فرماتے ہیں کہ اس خاندان کے سلسلہ کے تمام خواجگان' خواجہ محمود فغنوی سے لے کر میر سید کلال رحمتہ اللہ علیہم کے زمانہ تک کے سب حضرات نے ذکر خفی اور ذکر جہر کو یکجا کر رکھا تھا۔ جب حضرت بہاء الدین کا دور آیا تو آپ غیب سے ذکر خفی پر مامور ہوئے اور ذکر جہر سے اجتناب کیا۔ جب میر کلال رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے عقیدت مند ذکر جہر میں مصروف ہوتے تھے' خواجہ بہاء الدین اس وقت مجلس سے اٹھ کر باہر نکل جاتے تھے اور یہ بات سب اصحاب کو ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ آخر ساتھیوں نے اس امر کی شکایت حضرت میر کو کی۔ حضرت نے اس کے جواب میں کچھ نہ فرمایا۔ ایک دن حضرت کی تعمیر کردہ مسجد میں چھوٹے بڑے تقریباً پانچ سو ساتھی جمع تھے تو حضرت میر اصحاب و احباب سے مخاطب ہوئے اور فرمایا تم لوگوں نے میرے بیٹے بہاء الدین کے بارے میں شکایتیں کی ہیں۔ تم لوگوں نے غلط کہا ہے' جو کچھ اس سے صادر ہو رہا ہے وہ سب فرمان الٰہی کی وجہ سے ہے۔ اسے ذکر خفی کا حکم دیا گیا ہے۔۔۔ اس کے بعد آپ نے خواجہ بہاء الدین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "میں نے پیر روشن ضمیر خواجہ محمد بابا سماسی رحمتہ اللہ علیہ کے حکم و اشارہ پر تمہاری تربیت کی ہے۔ اب تمہارا مرغ ہمت بلند پرواز ہے۔ اب میری طرف سے اجازت ہے' جہاں چاہو جا سکتے ہو اور جس شخص سے چاہو' فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ ہم نے تمہیں دے دیا"۔

خواجہ بہاء الدین نے حضرت کی عنایت پر شکر ادا کیا اور رخصت لے کر سات سال تک' مولانا عارف رحمتہ اللہ علیہ کے مصاحب بنے رہے۔ اس کے بعد بارہ سال تک خواجہ خلیل آتا رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہ کر فائدہ اور فیض اٹھایا۔۔۔ اس کے بعد دوبارہ حجاز تشریف لے گئے اور دوسری

بار کے سفر میں خواجہ محمد پارسا رحمتہ اللہ علیہ آپ کے ہمراہ تھے۔۔۔

شیخ بہاء الدین کا طریقہ شرع شریف کے مطابق تھا۔ فقہی طور پر آپ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب پر تھے بلکہ اس سلسلہ کے زیادہ تر مشائخ حنفی مذہب تھے۔

شاہ نقشبند سے پوچھا گیا کہ آپ کے طریقہ میں ذکر جہر اور خلوت نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کے سلسلہ کی بنیاد کس چیز پر ہے۔ فرمایا "بظاہر باخلق و بباطن باحق"۔ اور یہ شعر پڑھا۔

از دروں شعر آشنا و از بروں بیگانہ باش
اہل چنین زیبا روش کم می بود اندر جہان

ایک شخص نے شاہ نقشبند سے کرامت طلب کی۔ آپ نے فرمایا یہ کرامت کیا کم ہے کہ اتنی بار زمین پر گناہ کرنے کے باوجود' زمین ہمارے گناہ کے بوجھ سے غرق نہیں ہوئی۔

آپ کا ایک مرید قطب الدین تھا۔ ایک بار آپ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ اور کبوتر خانہ سے باورچی خانہ کے لیے کبوتر لے آؤ۔ ایک کبوتر بڑا خوبصورت تھا۔ قطب الدین کو وہ اچھا لگا وہ اس نے اپنے پاس رکھ لیا اور باقی کبوتر خواجہ کے پاس لے گیا۔ جب کھانا تیار ہوا تو حضرت خواجہ نے اپنے ہاتھ سے کھانا تقسیم کیا۔۔۔ قطب الدین کو صرف روٹی دی اور فرمایا تم نے اپنے حصہ کا زندہ کبوتر لے لیا تھا لہٰذا تجھے خشک روٹی ملی' سالن نہیں ملا۔

نقشبند کہلانے کی وجہ: صاحب رسالہ "بہاویہ' نقشبندیہ" مقامات کے تذکرہ میں لفظ نقشبندیہ کی وجہ تسمیہ آنجناب حضرت بہاء الدین کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والدین کخواب بافی کا کام کرتے تھے اور اس پر نقش و نگار بنایا کرتے تھے اس لیے "نقشبند" کے

نام سے مشہور ہوگئے۔

ولادت: آپ ۷۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات: ۳ر ربیع الاول ۷۹۱ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کی عمر مبارک ۷۳ سال تھی۔ آپ کا مولد و مدفن، قصر عارفان کا گاؤں ہے۔ یہ بخارا سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔

وفات کے وقت آپ نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور تمام پیروکاروں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اور جب ہاتھ منہ پر پھیرے تو جان نکل گئی۔ آپ نے بوقت وفات وصیت کی کہ میرے جنازہ کے ساتھ کلمہ شہادت اور قرآن شریف نہ پڑھا جائے کہ بے ادبی ہے۔ البتہ ایک شخص باآواز بلند اور خوش آوازی کے ساتھ یہ رباعی پڑھے۔

رباعی

مفلسانیم آمدہ در کوے تو — شیأ" اللہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما — آفرین بردست و برباز وئے تو

شاہ نقشبند کا قطعہ، تاریخ وفات جو رشحات میں آیا ہے، یہ ہے۔

رفت شاہ نقشبند آن خواجہ دنیا و دین — آنکہ بودہ شاہراہ دین و دولت ملتش
مسکن ماوای او چوں بود "قصر عارفان" — "قصر عرفان" زین سبب آمد بسال رحلتش

۷۹۱ھ

شعر از مؤلف:

نقش بند نقش نقاش ازل — آن بہاء الدین شہ ہر دو جہاں
"صاحب مخدوم" وملش آمدہ است — ہم بگو "مخدوم نامی" اے جواں

۷۹۱ھ — ۷۹۱ھ

شیخ یادگار کن سرونی قدس سرہ

میر سید کلال رحمتہ اللہ علیہ کے نامور خلیفہ ہیں۔ بخارا سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ایک قصبہ "کن سرون" ہے' وہاں کے باشندے تھے۔ حضرت میر نے اپنے تیسرے صاحبزادے شاہ امیر کی تربیت آپ کے ذمہ کی۔ چنانچہ شاہ امیر روشن ضمیر پیر کی توجہ سے اعلیٰ درجات تک پہنچے۔ آپ نے ۸۰۰ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

یادگار اہل عرفان "یادگار" جان نثار اولیائے نقشبند
یاد ماند از عقل سال وصل او یادگار اولیائے نقشبند

۸۰۰ھ

خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ

آپ کا نام نامی محمد بن محمد البخاری رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ آپ اصل میں بخارا کے رہنے والے تھے۔ حضرت شاہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے سجادہ نشین اور عظیم خلیفہ تھے۔ آپ کو حضرت سے رشتہ دامادی بھی تھا۔ بچپن سے ہی آپ کی طبیعت مبارک فقر کی طرف مائل تھی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد' باپ کے ترکہ کی طرف مائل نہ ہوئے اور علم ظاہری میں مشغول ہوگئے۔ ابھی آپ بچے ہی تھے کہ شاہ نقشبند نے آپ کی والدہ کو ارشاد فرمایا کہ جب علاء الدین بالغ ہو جائے تو مجھے اطلاع کرنا۔ جب ان کے بالغ ہونے کا وقت آیا تو شاہ نقشبند خود "قصر عارفاں" سے شہر میں خواجہ علاء الدین رحمتہ اللہ علیہ کے مدرسہ میں آئے جہاں وہ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ دیکھا کہ خواجہ علاء الدین ایک حجرہ میں ایک پرانی چٹائی پر لیٹ کر مطالعہ کتاب میں مصروف

ہیں اور ایک پکی اینٹ تکیہ کے اوپر رکھی ہے۔ خواجہ علاء الدین کی نظر جونہی شاہ نقشبند پر پڑی' اٹھے' تعظیم بجا لائے اور اپنی جگہ پر بٹھایا۔ اب حضرت شاہ نے خواجہ علاء الدین سے فرمایا کہ میرے گھر میں میری بیٹی ہے جو آج رات بالغ ہوئی ہے اگر تم رشتہ قبول کرو تو میں تمہاری اس سے شادی کر دوں۔ عرض کی یہ اس کمترین کے لیے بڑی سعادت ہوگی مگر میرے پاس دنیاوی اسباب میں سے کوئی چیز نہیں جس سے میں خرچہ کے اخراجات وغیرہ پورے کر سکوں۔ فرمایا میری بیٹی ہی تیرے لیے رزق ہے' تو رزق کا غم نہ کر' اس کے لیے پریشان نہ ہو' تجھے غیب سے مقدور مقرر رزق ملتا رہے گا۔ اس کے بعد حضرت نے اپنی صاحبزادی کا نکاح علاء الدین عطار سے کر دیا۔ اس پاک دامن عورت کے بطن سے خواجہ حسن عطار پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ تین بیٹے اور پیدا ہوئے یعنی خواجہ شہاب الدین' خواجہ مبارک اور علاء الدین (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)۔ نکاح کے بعد خواجہ علاء الدین عطار حضرت شاہ نقشبند کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طریقت سیکھنے میں مشغول ہوگئے۔ حضرت نے ان کی خاندانی رعونت ختم کرنے کے لیے حکم دیا کہ ایک ٹوکری میں سیب رکھ کر بیچا کریں اور رزق حلال کمائیں۔ خواجہ عطار نے یہ حکم خوشی سے قبول کیا۔ اب وہ ٹوکری سر پر رکھے بازار میں سیب بیچا کرتے۔ جب کافی عرصہ تک وہ یہ عمل کرتے رہے تو ان کا مرتبہ بڑھ گیا۔ حتیٰ کہ شاہ نقشبند' تمام طالبان راہ حق کو تربیت کے لیے آپ کے حوالے کرنے لگے اور آپ کو خرقہ خلافت و نیابت سے نوازا۔

ایک دفعہ بخارا کے علماء میں رویت باری تعالیٰ کے مسئلہ پر اختلاف ہوا۔ رویت کے منکر اور حامی جب بحث و مناظرہ کے بعد کسی نتیجہ پر نہ پہنچے تو تصفیہ کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اس کا فیصلہ

کرنے کے لیے تین دن کی مہلت مانگی اور رویت کے منکروں سے کہا کہ آپ لوگ تین دن میری مجلس میں تازہ وضو کر کے آیا کریں اور جب میں طالبوں کی تعلیم کرتا ہوں' وہاں بیٹھا کریں۔ تمہارا یہ لاحل مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ تیسرے دن ایسی کیفیت طاری ہوئی اور ان لوگوں پر انوار الٰہی کا ایسا کشف ہوا کہ بے خود ہو کر پکار اٹھے کہ رویت باری تعالیٰ حق ہے۔ پھر سب کے سب حضرت کے مرید ہوگئے اور ساری عمر آپ کے آستانہ پر رہے اور مدارج عالی پائے۔

صاحب "رشحات" فرماتے ہیں کہ جب خواجہ علاء الدین کے ایام وفات قریب آئے تو بروز اتوار ۲۸ رجب ۸۰۲ھ کو بیمار ہوئے اور بدھ کی رات' بعد نماز عشاء اس دار پرملال سے رخصت ہوئے اور ۳۰ رجب کو دفن کیے گئے۔

پہلی ہی رات آپ کے ایک نابینا درویش مرید نے خواجہ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا "جو کچھ ہمیں اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے' وہ تحریر و تقریر میں نہیں آ سکتی۔ سب سے کم درجہ کی عزت یہ ملی ہے کہ مجھے حکم ملا ہے کہ "تیری قبر سے چالیس فرسنگ تک جو شخص بھی دفن ہوگا اسے میں تیری شفاعت سے بخش دوں گا"۔

آپ جغانیاں میں پیدا ہوئے' وہیں رہائش رکھی اور وہیں پر دفن ہوئے۔

قطعہ

علاء الدین چو از دنیائے فانی — بجنت یافت از درگاہ حق بار
عجب تاریخ وصلش جلوہ گرشد — ز نور دین علاء الدین عطار

۸۰۲ھ

خواجہ عطار کا یہ قطعہ تاریخ وفات کتاب "روضۃ السلام" میں درج ہے۔

ز دنیا رفت چوں آن شاہ عطار — کہ در انشا نمی گنجد کمالش
سر اعدا شکست و گفت ہاتف — امام راستین سال وصالش

۸۰۲ھ

خواجہ علاء الدین بخاری قدس سرہ

خواجہ بہاء الدین شاہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب و احباب میں سے ایک ہیں۔ پہلے خواجہ میر کلال رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہوئے' ان سے طریقہ و ذکر کی تلقین حاصل کی۔ ان کی وفات کے بعد' شاہ نقشبند کے پاس حاضر ہوئے اور صاحب ارشاد اور کامل وقت بن گئے۔ وہ صاحب کشف و کرامات تھے۔ جذب و استغراق کا یہ عالم تھا کہ باتیں کرتے ہوئے ازخود غائب ہو جاتے۔ حسن خلق اور شیرین گفتاری کا یہ عالم تھا کہ جو کوئی ایک بار آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا اس کا الگ ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ آپ کم کھانے' کم سونے اور کم بولنے میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ عبادت کا یہ حال تھا کہ کئی بار عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے۔ ہر روز نماز تہجد میں ختم قرآن کرتے۔ فجر کی نماز سے لے کر نماز چاشت تک ذکر و فکر میں مصروف رہتے۔

وفات: ۸۰۲ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

قدر اعلی یافت در خلد برین — چوں علاء الدین سخی عالی ولی
سال وصلش ہشت "شمس عارفاں" — ہم "علاء الدین محب متقی"

۸۰۲ھ — ۸۰۲ھ

خواجہ میر عمر بن میر کلال قدس اللہ سرہ المتعال

"سلسلہ نقشبندیہ" کے ایک نامور ولی اور شیخ ہیں۔ آپ سید میر کلال رحمتہ اللہ علیہ کے چوتھے فرزند ہیں۔ اپنے والد کی نگاہ میں سب سے زیادہ پیارے اور محترم تھے۔ خواجہ جمال الدین کوہستانی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس تربیت پائی اور مراتب کمال و ارشاد کو پہنچے۔

وفات: ۸۰۳ھ میں وصال ہوا۔

قطعہ

شد بخت چوں عمر مثل عمر — روح پاک او بحق موصول شد
طرفہ سال ارتحال اوعیان — از امیر الدین عمر مقبول شد

۸۰۳ھ

خواجہ شاہ امیر بن میر کلال قدس سرہ

خواجہ میر کلال رحمتہ اللہ علیہ کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ زہد و تقویٰ اور عبادت و متابعت سنت میں مشہور اور صدق و محبت میں معروف۔ رزق حلال کے لیے صحرا سے نمک لا کر فروخت کرتے تھے اور فراغت کے بعد، طالبوں کی تربیت و تلقین کرتے۔ ۸۰۴ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

میر جنت شد چوبا عز و وقار — سرور عشاق امجد شاہ میر
گفت تاریخ وصال او خرد — زبدہ آفاق امجد شاہ میر

۸۰۴ھ

سید میر کلال رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ اور ساتھی تھے۔ حضرت آپ کے بارے میں بارہا فرماتے تھے کہ میرے خلفاء میں سے کوئی بھی ان دو شخصوں، یعنی خواجہ بہاء الدین نقشبند اور مولانا عارف دیگ کرانی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین، جیسا نہیں ہے۔ سید میر رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد بھی خواجہ بہاء الدین، مولانا عارف کے ساتھ یکجا رہے۔ وہ خواجہ عارف کا بہت ادب و احترام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ جب شیخ عارف، دریا کے پانی سے وضو کرتے تو شیخ بہاء الدین پانی کے بہاء کی طرف ذرا آگے جا کر وضو کے لیے بیٹھتے۔ راستہ چلتے ہوئے خواجہ عارف کے نشان قدم پر قدم نہ رکھتے۔ حجاز بھی دونوں اکٹھے گئے۔

خواجہ عارف رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مرید "درنگی" نامی تھا۔ وہ ذکر جہر میں مشغول تھا۔ آپ اس کے پاس گئے اور اسے روکا کہ ذکر جہر کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے جس کی زبان جھوٹ اور غیبت سے پاک ہو—— وہ نہ مانا۔ آپ جب دو تین بار سمجھا چکے اور وہ نہ مانا تو آپ نے فرمایا۔ اگر اب بھی تو نہیں مانے گا اور ذکر جہر جاری رکھے گا تو تیری گائیں اور مویشی مر جائیں گے۔ مگر وہ ذکر جہر ہی کرتا رہا۔ دو دن کے بعد اس کی سب گائیں اور مویشی مر گئے۔ وہ درویش خواجہ عزیزان دا بکنوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا اور شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا اب بھی اگر خیر چاہیے تو خواجہ عارف کی خدمت میں حاضر ہو، اپنے کیے کی معافی مانگ، آئندہ کے لیے توبہ کر۔ آخر درویش آپ کی خدمت میں پہنچا۔ معافی چاہی اور تائب ہوا۔ خواجہ نے دعا کی اور کہا تیرے مویشیوں میں اللہ تعالیٰ برکت دے گا۔ چنانچہ حضرت کی دعا کی تاثیر و برکت سے، تھوڑی ہی مدت میں اس کے پاس بہت سے مویشی ہو گئے۔ اب وہ ہمیشہ ذکر خفی ہی کرتا——

ایک دفعہ سیلاب بڑے زور کا آیا۔ حضرت خواجہ کی رہائش دریا کے قریب تھی۔ گاؤں والے ڈرے کہ ہم ڈوب جائیں گے۔ سب حضرت کی خدمت میں پہنچے۔ خواجہ دریا میں اترے اور فرمایا اگر تیرے اندر قوت ہے تو مجھے اپنی جگہ سے ہٹا دے وگرنہ کیوں لوگوں کو ستاتا ہے اور ان کے گھروں کو گراتا ہے۔ فوراً سیلاب اتر گیا اور دریا کا پانی اپنی اصلی حالت پر چلا گیا۔

خلفاء: خواجہ عارف کے دو کامل و مکمل خلیفہ تھے۔ ایک مولانا اشرف بخاری دوسرے امیر اختیار دیک کرانی۔ جو آپ کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھ کر طلباء راہ حق کو' منزل مقصود تک پہنچاتے تھے۔

وفات: آپ نے ۸۰۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک دیک کرانی گاؤں میں ہے۔ یہ بخارا سے نو فرسنگ کے فاصلہ پر' برلب آب کویک' بر سر راہ واقع ہے۔

قطعہ

سوز عرفان خلد والا یافت عارف متقی شہ جنت
"عارف جنت" است تاریخش ہم بفرما "ولی شہ جنت"
۸۰۴ھ ۸۰۴ھ

میر برہان بن میر کلال قدس اللہ سرہ المتعال

میر کلال رحمتہ اللہ علیہ کے پہلے بیٹے اور خلیفہ ہیں۔ فقر و ریاضت اور اتباع سنت و جماعت میں اعلیٰ شان کے مالک تھے۔ بالغ ہوئے تو میر کلال نے آپ کو ظاہری و باطنی تربیت کے لیے شیخ بہاء الدین نقشبند کے سپرد کر دیا۔ جب شاہ نقشبند نے آپ پر توجہ کی تو یہ حالت ہوگئی کہ ہر وقت جذب و سکر میں رہتے' لوگوں سے قطع تعلق ہوگیا اور کسی کے پاس آرام و سکون نہ ملتا۔

حضرت میر کلال رحمتہ اللہ علیہ کے ایک مرید شیخ نیک بخاری نقل کرتے ہیں جب بھی میں نے میر برہان سے ملاقات کی تو انہوں نے فرط جذب سے' میری باطنی کیفیت ختم کر دی۔ میں یہ بات بتانے کے لیے جب شاہ نقشبند کی خدمت میں پہنچا' ابھی عرض کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ آپ نے فرمایا میر سید برہان کی شکایت کرنے آئے ہو؟ عرض کی جی ہاں! فرمایا آئندہ جب میر برہان' تجھ پر متوجہ ہوں تم میری طرف توجہ کرنا اور متصور کرنا کہ یہ وجود میرا نہیں ہے بلکہ خواجہ نقشبند کا وجود ہے۔ اب میں میر برہان کی خدمت میں آیا۔ جب انہوں نے مجھ پر توجہ کی میں حضرت خواجہ کی طرف متوجہ ہوا۔ میں نے دیکھا کہ فوراً سید امیر کی حالت دگرگوں ہوگئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد کبھی میری باطنی کیفیت پر تصرف نہیں فرمایا۔

میر برہان نے ۸۰۵ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

میر برہان صاحب برہان ولی — شد چو در جنت وصالش اے پسر
پیر برہان میر دین طیب است — نیز برخواں میر برہان نامور

۸۰۵ھ — ۸۰۵ھ

خواجہ شیخ محمد قدس سرہ

سید میر کلال رحمتہ اللہ علیہ کے ایک مرید ہیں۔ اپنے وقت کے مرشد کامل تھے۔ ۸۰۵ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

جلوہ گر شد در جناں مانند ماہ — چوں محمد مطلع انوار دین
جاں نثار آمد وصال پاک او — ہم محمد واقف اسرار دین

۸۰۵ھ

مولانا بہاء الدین قشلاقی قدس سرہ

خواجہ میر کلال رحمتہ اللہ علیہ کے محب اور خاص مصاحب تھے۔ علوم ظاہری و باطنی پر دسترس تھی۔ صاحب کرامات تھے۔ صوری و معنوی رموز کے خزانہ تھے۔ بخارا سے بارہ فرسنگ کے فاصلہ پر واقع گاؤں قشلاق میں پیدا ہوئے۔ آپ مولانا دیک کرانی کے والد اور خواجہ نقشبند کے استاد علم و حدیث ہیں—— سید میر کلال کے خلفاء' خواجہ شمس الدین کلال' خواجہ علاء الدین کن سرونی' مولانا جلال الدین کشی' مولانا بہاء الدین طوابعی اور شیخ بدر الدین مہدانی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ آپ کو بہت محبت تھی۔

وفات: ۸۰۶ھ میں وفات پائی

قطعہ

چوں بہاء الدین ازین دار فنا رخت رحلت بست در دار جنان
سال وصل آنجناب محترم "عاشق الصادق بہاء الدین نجوان"
۸۰۶ھ

خواجہ میر حمزہ قدس سرہ

خواجہ میر کلال رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے بیٹے اور ان کے عظیم خلیفہ ہیں۔ میر کلال نے اپنے والد میر حمزہ کے نام پر ان کا نام رکھا۔ کبھی بھی ان کو نام لے کر نہ پکارتے بلکہ "بابا میر" فرماتے۔ آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔ آپ طالبوں کو ہدایت دینے میں آیت الٰہی تھے۔ جو کوئی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا پہلے دن ہی بیعت کرنے کے بعد حضرت کی توجہ سے اس کا دل ذاکر ہو جاتا۔ تین دن میں ذاکر کے رگ و پوست سے "ذکر سلطان

خواجہ عارف دیک کرانی قدس اللہ باسرارہ السامی

الاذکار" جاری ہو جاتا۔ پدر بزرگوار کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور کئی سالوں تک طالبان خدا کی رہنمائی میں مصروف رہے۔ آپ رزق حلال کے لیے شکار کرتے اس سے جو آمدنی ہوتی اس کے تین حصہ اللہ کی راہ میں دے دیتے اور ایک حصہ خرچ کر دیتے۔ کتاب "مقامات میر حمزہ" آپ کی تالیف ہے۔

وفات: صحیح ترین قول کے مطابق ۸۰۸ھ ہے۔

قطعہ

میر حمزہ گشت چوں میر بہشت سال وصل آن شہ والا مکان
"محرم اسرار محبوب است" نیز "میر حمزہ رہبر کامل بدان"

۸۰۸ھ

شیخ جمال الدین ہستانی قدس سرہ

میر سید کلال رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اور ساتھی ہیں۔ حضرت میر آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ آپ نے اپنے چوتھے صاحبزادے خواجہ عمر کو' ظاہری و باطنی تربیت کے لیے آپ کے سپرد کیا تھا۔ آپ نے ۸۱۳ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چوں جمال الدین جمال خلد یافت گو بسال رحلت او سرورا
"سالک مسعود مہتاب جمال" ہم "جمال الدین شہ دار البقا"

۸۱۳ھ ۸۱۳ھ

خواجہ امیر کلال واشی قدس سرہ

خواجہ میر کلال رحمتہ اللہ علیہ کے دوست اور مصاحب ہیں۔ بخارا سے

تین فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ایک گاؤں واش میں سکونت رکھتے تھے۔ خواجہ بہاء الدین نقشبند کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے خواجہ علاء الدین نے آپ کو ذکر کی تعلیم دی تھی۔

وفات: ۸۸۱ھ میں فوت ہوئے اور طویل عمر پائی۔

قطعہ

بصدر امارت چو شد میر فائز شہنشاہ ابرار ہیر میر کلاں
وصالش "عیاں نیر روشن است" "دگر بار سردار میر کلاں"
۸۸۱ھ ۸۸۱ھ

بابا شیخ مبارک بخاری قدس اللہ سرہ

میر حمزہ کے اصحاب کبار سے ہیں۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ میر کلال کے اصحاب و احباب میں سے ہیں۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ شیخ مبارک اگر میر کلال کے اصحاب میں سے ہیں اور وہ کرمینکی ہیں' کرمینک گاؤں میں رہے جبکہ شیخ مبارک بخاری اور میر حمزہ کے خلیفہ اور اپنے وقت کے ایک بزرگ۔ خواجہ محمد یار' اگرچہ ان کو شاہ نقشبند سے صحبت حاصل تھی پھر بھی بابا شیخ مبارک کے حضور آتے تھے۔ اسی طرح امیر حمزہ کے مندرجہ ذیل عظیم خلفاء آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید و مستفیض ہوتے تھے۔

خواجہ عمر بخاری—— شیخ احمد خوارزمی' مولانا عطا اللہ سمرقندی' خواجہ محمود حموی' مولانا نور الدین کرمینکی' شیخ حسن' شیخ تاج الدین اور شیخ علی خواجہ نسفی۔ (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)

وفات: آپ کا سن وصال ۸۱۷ھ ہے۔

قطعہ

مبارک شد کہ در علد برین رفت　　مبارک شاہ حق آگاہ مقبول
عیاں شد "صاحب توقیر" سالش　　ہم "اہل دل مبارک شاہ مقبول"

۸۱۷ھ　　۸۱۷ھ

خواجہ حسام الدین شاشی بخاری قدس سرہ

میر حمزہ کے خلیفہ ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے، علم طریقت و شریعت و حدیث و تفسیر میں اپنے زمانہ کے علماء پر گوئے سبقت لے گئے۔ اصل میں "شاش" کے رہنے والے تھے۔ بعد میں بخارا میں سکونت اختیار کی۔ ابتداء میں اپنے وقت کے عظیم شیخ، شیخ محمد سونجی کے مرید ہوئے۔ اس کے بعد میر حمزہ کی خدمت میں آئے اور مرید ہوئے اپنی تربیت و تکمیل یہیں کی۔ آپ کی طبیعت مبارک پر جذب و استغراق کا غلبہ تھا۔ آپ ہر حال میں مستغرق اور ہر علم میں شہرہ آفاق تھے۔ تحریر و تقریر کا اچھا ذوق تھا۔ حلم، کرم اور لطف و مہربانی اتنی زیادہ تھی جو ایک بار حاضر ہو جاتا اس کے لیے آپ سے دوری ممکن نہ رہتی۔ دوسری طرف حق تعالیٰ سے محبت میں گرمی کا یہ عالم تھا کہ موسم سرما میں برف پر بیٹھتے تھے اور سینے پر سے کپڑا ہٹا کر ٹھنڈی ہوا لیتے اور سینے پر ٹھنڈا پانی گراتے۔ حاکم بخارا مرزا الغ بیگ کے مجبور کرنے پر چند سال تک بخارا کے قاضی بھی رہے۔ آپ مریدوں کا حلقہ الگ اور مقدمات کا فیصلہ کروانے والوں کا حلقہ الگ ترتیب دیتے—— آپ خود فریقین مقدمہ میں بیٹھتے۔ بظاہر ان کا فیصلہ کرتے اور بباطن مریدوں کی راہنمائی فرماتے۔ یوں ظاہری و باطنی دونوں مقدموں کا فیصلہ ہو جاتا تھا۔

خواجہ عبید اللہ احرار نقشبند فرماتے ہیں جب آپ کے والد مولانا حمید الدین مرض موت میں مبتلا ہوئے اور حالت نزع پہنچی۔ آپ اپنے والد کے

سرہانے حاضر ہوئے' انہیں پریشان دیکھا تو پوچھا۔ "ابا جان! آپ کو کیا حالت درپیش ہے جو باعث تشویش و پشیمانی ہے"۔ فرمایا "مجھ سے ایک ایسی چیز مانگ رہے ہیں جو میرے پاس نہیں ہے یعنی مجھ سے "قلب سلیم" طلب کرتے ہیں۔ اسی لیے میں حیران اور پریشان ہوں"۔ عرض کی "کچھ دیر کے لیے اپنے قلب کی طرف متوجہ ہو جایئے"۔ جب والد نے اپنے دل کی طرف توجہ کی۔ حضرت نے بھی مراقبہ کیا۔ ایک ساعت بعد مولانا حمید الدین نے آنکھ کھولی اور کہا "جزاک اللہ فی الدارین خیرا"۔ میں نے اسی وقت وہ چیز پائی ہے جو ساری عمر نہیں ملی"۔۔۔ اس کے بعد آنکھیں بند کر لیں اور جان' حق کے سپرد کر دی۔

وفات: ۸۱۹ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چوں بزیر زمیں بصورت گنج شد نہاں خواجہ حسام الدین
وصل او "مہدی ملک سیرت" ہم نجواں خواجہ حسام الدین

۸۱۹ھ ۸۱۹ھ

خواجہ محمد پارسا قدس اللہ سرہ

نام محمد بن محمد بن محمود الحافضی البخاری ہے۔ شاہ نقشبند کے خلیفہ ہیں۔ زہد و ورع اور تقویٰ اور علوم ظاہر و باطن میں' اپنے وقت میں بے مثال تھے۔ پہلے دن خواجہ پارسا جب شاہ نقشبند کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خواجہ شاہ اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ خواجہ پارسا گھر کی دہلیز پر گئے' دستک دی اور دروازہ کے باہر کھڑے ہو گئے۔ اسی دوران خواجہ کی ایک کنیز باہر سے آئی اور گھر کے اندر گئی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ باہر کون ہے؟ تو وہ بولی ایک

متقی و پارسا صورت شخص باہر کھڑا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فی الحقیقت "پارسا" ہے اور اس کا نام بھی اب پارسا ہی ہوگا۔ بعد میں باہر تشریف لائے اور فرمایا تمہارا نام ہم نے پارسا رکھا ہے انشاء اللہ تم اسم بامسمی بنو گے۔ اس دن سے خواجہ محمدؒ پارسا کہلانے لگے اور اسی نام سے مشہور ہوگئے۔

صاحب "رشحات عین الحیات" فرماتے ہیں۔ خواجہ محمد پارسا کے زمانہ میں جب مرزا الغ بیگ حاکم سمرقندؒ حاکم بخارا ہوا تو ماوراء النہر کے محدثین کو حضرت خواجہ سے کدورت تھی۔ انہوں نے ازراہ بغض و حسدؒ مرزا الغ بیگ کے پاس یہ درخواست بھیجی کہ خواجہ محمد پارسا بخارا میں بہت سی ایسی حدیثیں نقل کرتا ہے جن کا صحیح ہونا' سند سے صحیح معلوم نہیں ہے۔ یہ سن کر مرزا الغ بیگ نے تحقیق کے لیے خواجہ کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ خواجہ پارسا نے ایک وفد تشکیل دیا جس میں آپ خود' شیخ الاسلام سمرقند عصام الدین اور آپ کے تمام اصحاب اور معززین شامل تھے۔ یہ وفد سمرقند پہنچا۔ ایک مجلس ترتیب دی گئی جس میں مرزا الغ بذات خود موجود تھا۔ سب سے پہلے خواجہ پارسا نے ایک حدیث پڑھی' جس حدیث کے صحیح ہونے کا حاسدوں کو انکار تھا۔ انہوں نے پوچھا اس حدیث کی سند کیا ہے؟ فرمایا اس حدیث کی سند' مجھے معلوم نہیں ہے۔ اس بات سے حاسد خوش ہوئے۔ اب کچھ دیر کے لیے خواجہ پارسا نے مراقبہ کیا۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ حدیث فلاں مسند میں مل جائے تو ٹھیک ہے' معاندین نے یہ بات قبول کرلی کیونکہ وہ بالکل نایاب تھی اور اس وقت کتاب ملنا بہت مشکل تھا۔ آخر خواجہ پارسا نے شیخ الاسلام عصام الدین سے خطاب کر کے فرمایا کہ آپ کے کتاب خانہ میں فلاں مقام پر اور فلاں طاق میں اور فلاں کتاب کے نیچے یہ کتاب مسند موجود ہے' منگوا لیجئے۔ چونکہ خواجہ پارسا' کبھی بھی عصام الدین کے کتاب خانہ میں نہیں گئے

تھے اور نہ وہ جگہ دیکھی تھی اور نہ اس کتاب کو کتاب خانہ میں خود دیکھا تھا اس لیے شیخ عصام الدین حیران ہوئے لیکن شیخ کے حکم کی تعمیل کے لیے ایک غلام کتاب لانے کے لیے بھیج دیا۔ کچھ دیر بعد غلام وہی کتاب لے آیا اور عصام الدین کے ہاتھ میں پکڑا دی۔ خواجہ پارسا نے فرمایا۔ یہ حدیث فلاں جزو میں' فلاں صفحہ پر اور فلاں سطر پر لکھی ہے۔ دیکھ لیجئے۔ جب کتاب کھولی گئی تو حدیث مذکور بالکل انہی الفاظ میں روایات صحیحہ کے ساتھ وہاں لکھی ہوئی تھی۔ اہل محفل نے نعرہ تحسین بلند کیا۔ مخالف شرمند ہوئے اور واپس چلے گئے۔ مرزا الغ بیگ نے حضرت کو طلب کرنے پر بار بار معذرت خواہی کی اور پورے عزت و احترام کے ساتھ آپ کو واپس کیا۔

صاحب "رشحات" ہی فرماتے ہیں کہ جن دنوں سمرقند پر میر تیمور کے بیٹے جہانگیر کا بیٹا مرزا خلیل حکومت کر رہا تھا اور وہ سمرقند کا بادشاہ تھا۔ خواجہ پارسا کبھی کبھی مرزا شاہ رخ کو رقعہ کفایت مہمات اہل اسلام کے لیے لکھ بھیجتے تھے۔ مرزا خلیل کو یہ بات پسند نہ آئی' مخالفین نے اسے خوب بھڑکایا حتیٰ کہ مرزا خلیل نے خواجہ کی خدمت میں قاصد بھیجا اور لکھا کہ "آپ کے لیے ضروری ہے کہ "دشت گومک" تشریف لے جائیں کیونکہ وہاں کے لوگ اسلام سے ناآشنا ہیں۔ شاید کہ آپ کی برکت قدوم سے مشرب بہ اسلام ہو جائیں"۔ اصل میں اس کا مقصد یہ تھا کہ میرے ملک سے باہر چلے جائیں۔ خواجہ نے جب یہ پیغام سنا تو فرمایا۔ پہلے ہم اپنے خواجگان کے مزارات کی زیارت کریں گے۔ فوراً گھوڑا طلب کیا' سوار ہوئے' ملا عبدالرحیم اور دوسرے خدام ساتھ تھے۔ پہلے "قصر عارفان" تشریف لے گئے۔ پھر شاہ نقشبند کے مزار کی زیارت کے بعد سوخار مزار میر سید کلال پہنچے۔ زیارت کے بعد سوار ہوئے۔ خراسان کی طرف منہ کیا اور فرمایا "تمام کو زیرو زبر کر۔۔۔

نہ زیر رہے نہ زبر۔ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ آج اس میدان میں کون ہے؟" وہاں سے بخارا آئے۔ اسی وقت خبر پہنچی کہ مرزا شاہ رخ سمرقند کا علاقہ فتح کرنے کے لیے خراسان سے آگیا ہے۔ چند دن معمولی جنگ کے بعد مرزا خلیل قتل ہوگیا۔۔۔

معلوم ہونا چاہیے کہ خواجہ پارسا نے بیت اللہ شریف کا سفر دو بار کیا ہے۔ پہلی مرتبہ حضرت شاہ نقشبند کے ساتھ' دوسری مرتبہ محرم ۸۲۲ھ میں بیت الحرام کی طرف سفر شروع کیا۔ پہلے نسف' بلخ' ہرات گئے اور مزارات متبرکہ کی زیارت کی۔ بخارا کے تمام علماء و مشائخ آپ کے ساتھ تھے۔ مکہ پہنچے تو آپ کو صعب کی بیماری ہوئی۔ چنانچہ آپ نے طواف وداع عماری میں کیا۔ وہاں سے مدینہ کا رخ کیا۔ شاہ رسالت علیہ الصلوۃ والتحیت کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد بروز جمعرات ۸۲۲ھ کو رحمت حق نے ڈھانپ لیا۔ جنت البقیع میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کے پاس دفن ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۳ سال تھی۔

آپ کے صاحبزادے خواجہ بونصر پارسا سے منقول ہے کہ جس رات میرے والد فوت ہوئے میں آپ کے سرہانے نہیں تھا۔ آپ کے انتقال فرمانے کے بعد حاضر ہوا۔ میں نے آپ کے چہرہ اقدس سے کپڑا ہٹایا تاکہ زیارت کروں۔ آپ نے آنکھ کھولی' مسکرائے اس سے میرا قلق و اضطراب بڑھ گیا اور میں آپ کے پاؤں کی طرف آیا۔ اپنا چہرہ حضرت کے قدموں پر رکھا تو آپ نے اپنا پاؤں اوپر کرلیا۔ **الا ان اولیاء اللہ لا یموتون۔**

قطعہ

بادشاہ دین محمد پارسا عارف حق پارسائے باکمال
چون از ین دنیا بجنت رخت بست "ہست محی الدین سخی" سال وصال

۸۲۳ھ

حضرت شیخ شرف الدین کشمیری نقشبندی کی کتاب "روضۃ الاسلام" میں ہے کہ خواجہ پارسا کی وفات بروز بدھ بتاریخ ۲۳ ذی الحجہ ۸۲۲ھ ہے۔ اس کتاب میں آپ کی تاریخ وفات یوں ہے۔

چون محمد رفت ہاتف گفتہ است
سال وصلش "بدر برج عارفین"

۸۲۲ھ

خواجہ سید شریف جرجانی قدس اللہ سرہ

آپ خواجہ علاء الدین رحمتہ اللہ علیہ کے منظور و مقبول تھے۔ پہلے مدرسہ تیموریہ میں علم ظاہری کی تعلیم میں مصروف رہے۔ تحصیل علوم کے بعد خواجہ علاء الدین کی خدمت میں پہنچے اور مرید ہوگئے اور اعلیٰ مقامات پر پہنچے۔ آپ پر حالت بے خودی اور استغراق اس قدر غالب ہوگیا کہ اپنی خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ ۸۲۵ھ میں فوت ہوئے۔ بعض کے نزدیک ۸۲۴ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

سید اشرف شریف دو جہان خواجہ والا ولی دین حنیف
خواجہ دہر است سال وصل او نیز سید ہادی عالم شریف

۸۲۴ھ ۸۲۵ھ

خواجہ عبداللہ امامی قدس سرہ

نقشبندی خانوادہ کے عظیم بزرگ ہیں۔ خرقہ خلافت' خواجہ علاء الدین عطار نے پہنایا۔ فرماتے تھے کہ پہلی بار جب میں خواجہ علاء الدین کی خدمت

میں حاضر ہوا تو خواجہ نے یہ شعر پڑھا۔

تو مباش اصلا کمال این است و بس
تو در او گم شو وصال اینست و بس

آپ نے ۸۲۵ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

امام خلد شہ باعز و اکرام چو عبداللہ امام اکبر دین
وصالش ہست زاہد تاج ابرار ہم عبداللہ پیر راہبر دین

خواجہ حسن عطار قدس سرہ

خواجہ علاء الدین عطار کے فرزند تھے۔ ایام طفلی میں شاہ نقشبند کی نظر کیمیا اثر آپ پر تھی۔ یہاں تک کہ خواجہ نقشبند صبح شام آپ کی پرورش فرماتے اور بیٹا کہہ کر بلاتے۔

ایک روز خواجہ حسن اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ باغ میں کھیل رہے تھے۔ آپ ایک بچھڑے پر سوار تھے اور بچے پیدل تھے۔ اسی دوران شاہ نقشبند باغ میں تشریف لائے خواجہ حسن کو اس حال میں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا۔ "جلد ہی خواجہ حسن سوار ہوگا اور روئے زمین کا بادشاہ اس کی رکاب میں پیدل دوڑ رہا ہوگا"۔ پس ایسے ہی ہوا کہ مرزا شاہ رخ' غایت اخلاص سے' پیدل آنجناب کی رکاب میں چلتا اور آپ سوار ہوتے۔

صاحب "نفحات الانس" فرماتے ہیں کہ خواجہ حسن کا جذب و تصرف اور استغراق بہت قوی تھا جو کوئی آپ کی دست بوسی کا شرف حاصل کر لیتا غایت جذب سے گر پڑتا۔

ایک روز حضرت گھر سے باہر آئے اس وقت کیفیت عروج پر تھی۔ آپ کے دروازے پر ایک کسان کھڑا تھا جونہی اس پر کیمیا اثر نظر پڑی' کسان علم

لدنی سے مالا مال ہوگیا اور تبحر علماء میں شمار ہونے لگا۔

صاحب "رشحات" فرماتے ہیں خواجہ حسن پر جب خاص کیفیت طاری ہوتی اس وقت جو کوئی آپ کے چہرہ مبارک پر نظر ڈالتا بے ہوش ہو جاتا۔ جس مریض پر آپ توجہ فرماتے فوراً تندرست ہو جاتا۔ جب خواجہ حسن شیراز تشریف لے گئے آپ کا ایک مخلص مرید سخت بیمار تھا۔ آپ نے اس کی صحت کے لیے جب توجہ دی تو ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اگر بیمار کی بیماری تم لے لو تو پھر اسے شفا ملے گی۔ پس خواجہ نے توجہ فرما کر اس شخص کی بیماری خود لے لی۔ اس نے فوراً شفا پائی مگر آپ بیمار ہوگئے اور اسی بیماری میں رحلت فرمائی۔

وفات: آپ نے پیر کی رات بروز عید قربان ۸۲۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کی نعش مبارک شیراز سے جغانیان لائی گئی اور دفن کی گئی۔

خواجہ حسن کے ایک صاحبزادے یوسف عطار تھے۔ وہ مقام ولایت پر فائز ہوئے اور اعلیٰ مدارج پائے۔ والد کی وفات کے بعد سجادہ ارشاد پر بیٹھے اور اکثر طلباء نے آپ کی ہدایت کی برکت سے مقام مطلوب پایا۔

قطعہ

چون حسن رفت از جہان بے ثبات — باجمال و حسن درخلد برین
گفت "سرور" سال نقل آن جناب — "نیر اکبر امام المسلمین"

۸۲۶ھ

شیخ سیف الدین نقشبندی قدس سرہ

آپ خواجہ بہاء الدین شاہ نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب و احباب میں تھے۔ آپ کے منظور نظر اور محبوب و مطلوب تھے۔ پوری زندگی صبح و

شام اور دن رات اپنے سے الگ نہ ہونے دیا۔ آپ قصبہ مٹار کے باشندہ تھے جو تاشقند سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ آپ نے پہلے مولانا علاء الدین شاشی سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد علوم طریقت سیکھنے کے لیے حضرت شاہ نقشبند کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوری تن دہی سے اس کام میں مصروف ہوگئے اور اعلیٰ مراتب پائے۔

صاحب "رشحات" فرماتے ہیں کہ خواجہ بہاء الدین نقشبند کے تین خلفاء کے نام سیف الدین تھے۔ ان میں سے ایک سیف الدین تاری مقبول ہیں۔ ان کا ذکر خیر نوک قلم پر آگیا۔ دوسرے سیف الدین مقہور اور تیسرے سیف الدین مردود ہیں۔ سیف الدین بالا خان بخارا کے معززین اور سربرآوردہ لوگوں میں سے ایک تھے۔ حضرت شاہ نقشبند کے مرید تھے۔ غایت زہد و ریاضت سے اعلیٰ مرتبوں تک پہنچے۔ ایک روز شاہ نقشبند' بخارا کی ایک گلی میں سے گزر رہے تھے' سیف الدین مقہور بھی آپ کی سواری کے ساتھ تھے۔ اچانک اہل طریقت مشائخ میں سے ایک شیخ محمد صلاح سامنے آئے۔ حضرت شاہ نقشبند شیخ صلاح کی طرف متوجہ ہوگئے۔ دونوں بزرگ چل پڑے۔ سیف الدین آگے بڑھے اور حضرت شاہ سے چند قدم آگے ہو کر چلنا شروع کر دیا اس طرح ترک ادب کیا۔ خواجہ کو سیف الدین کی یہ بے ادبی پسند نہ آئی آپ کو یہ حرکت نہایت ناگوار گزری آپ نے فرمایا "سیف الدین! اس بے ادبی سے تو نے اپنے آپ کو برباد کر لیا اور دنیا کو اپنے لیے خراب کر لیا"۔ چنانچہ چند روز کے بعد سیف الدین نے وفات پائی۔

سیف الدین خوارزمی پہلے شاہ نقشبند کے مرید تھے اور محب و مخلص تھے پھر آپ سے دور ہوگئے اور مردود ٹھہرے۔ آپ کی اسی دوری کا سبب یہ تھا کہ ایک روز خواجہ نقشبند' سیف الدین کے گھر میں کھانے کی دعوت پر

تشریف لے گئے آپ کی عادت تھی کہ میٹھا کھانے کے بعد تھوڑا سا نمک اور نمکین کھانے کے بعد تھوڑی سی چینی یا پھل وغیرہ کی قسم کی مٹاس تناول فرماتے تھے۔ اس روز کھانا نمکین تھا اور کھانے کے بعد شیرینی حاضر نہ تھی۔ خواجہ نے ازراہ خوش طبعی فرمایا "مولانا سیف الدین! آج آپ کا کھانا بے دم ہوا"۔ یہ بات سیف الدین پر سخت ناگوار گزری۔ خواجہ نور باطن سے اس کی گرانی طبع سے واقف ہوگئے اور فرمایا "سیف الدین! ہماری بات سے ناراض ہوگئے ہو؟ ہاں جس دل میں دس ہزار دینار کی محبت ہوگی اس کے دل میں اللہ اور پیر کی محبت کی گنجائش کہاں ہوگی"۔ چونکہ سیف الدین ہر وقت یہ آرزو کرتے تھے کہ اس کے پاس دس ہزار دینار زر سرخ جمع ہو جائیں۔ خواجہ اس کے دلی ارادہ سے واقف تھے۔ اب خواجہ سخت رنجیدہ ہو کر اس گھر سے اٹھے اور پھر کبھی اس کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ فرمایا "سیف الدین' جناب حق سے مردود ہوگیا—— اب پوری زندگی دنیا کے مردار خوروں میں شامل رہے گا"——

وفات: سیف الدین مقبول نے ۸۲۸ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

قطع کرد از دہر با صدا انقراض — سیف قاطع' سیف دین' سیف اللسان
وصل او "مقلب بشتی" کن رقم — "پیر عالمگیر سیف الدین نجوان"

۸۲۸ھ — ۸۲۸ھ

مولانا ابو سعید قدس سرہ

خواجہ علاء الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ کے کبار اصحاب میں سے ہیں۔ آپ کے مقبول و محبوب تھے۔ جب تک خواجہ بقید حیات تھے' ان کی

خدمت میں رہے۔ ان کی وفات کے بعد' خواجہ حسن عطار کی خدمت میں رہے اور طالبان حق کی راہنمائی میں معروف رہے۔

وفات: ۸۲۸ھ یا ۸۲۹ھ میں رحلت فرمائی۔

قطعہ

شیخ اسعد خواجہ دین بو سعید　　پیر یکتا رحمتہ اللہ علیہ
باسعادت کرد چون عزم سفر　　شد ز دنیا رحمتہ اللہ علیہ

۸۲۸ھ

مولانا کمال الدین قدس سرہ

آپ میر حمزہ کے خلیفہ ہیں۔ ان کی وفات کے بعد سجادہ ارشاد کو زینت بخشی۔ متلاشیان حق کی راہنمائی کی۔ سمرقند کے مضافات میں "میدان" نامی گاؤں کے باشندے تھے۔ آپ کو میر برہان بن میر سید کلال کے صاحبزادوں خواجہ میر درد اور میر بزرگ سے بہت محبت تھی۔ ان دونوں بزرگوں نے بھی اپنے چچا میر حمزہ سے نعمت ولایت اور خرقہ خلافت پایا ہوا تھا۔

وفات: ۸۳۰ھ میں اپنے خالق سے جا ملے۔

قطعہ

باجمال کمال شہ بہ بہشت　　پیر اہل یقین کمال الدین
گفت "سرور" بسال رحلت او　　"مرشد اہل دین کمال الدین"

۸۳۰ھ

خواجہ مسافر خوارزمی قدس سرہ

خواجہ بہاء الدین نقشبند کے مصاحب ہیں۔ ان کی وفات کے بعد خواجہ محمد پارسا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنے سلوک کی تکمیل کی۔ وہ کافی عمر

رسیدہ تھے اور سماع کی طرف بہت مائل تھے۔ ایک روز جب خواجہ مسافر سماع سن رہے تھے' خواجہ بہاء الدین وہاں پہنچے۔ خواجہ مسافر ڈرے اور قوالوں کو خاموش کرا دیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا۔ "مانہ این کار میکنم و نہ انکار میکنم"۔ (ہم نہ یہ کام کرتے ہیں اور نہ انکار کرتے ہیں۔)

وفات: مسافر خوارزمی نے ۸۳۴ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چوں مسافر بہ عیش و جاہ و جلال — شد ز دنیا مسافر جنت
سال وصلش زدل چو "سرور" جست — "گشت پیدا مسافر جنت"

۸۳۴ھ

مولانا محمد مغاندی قدس سرہ

آپ خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے منظور نظر اور خاص محب ہیں۔ سمرقند اور بخارا کے درمیان ایک بڑے قصبہ "مغاند" میں پیدا ہوئے۔ شاہ نقشبند آپ کے ساتھ خصوصی محبت و عنایت کا تعلق رکھتے تھے۔ آپ بھی شب و روز ان کی خدمت میں حاضر رہتے۔ شاہ نقشبند کے انتقال کے بعد' آپ خواجہ محمد پارسا کے مصاحب رہے۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد' عصا کا سہارا لے کر کھڑے ہو جاتے اور استغراق عشق و جذب میں آ کر مست و مدہوش ہو جاتے۔ یونہی ساری رات کھڑے رہتے۔ جب موذن فجر کی اذان دیتا تو ہوش میں آ کر نماز ادا کرتے۔ جو استغراق کی کیفیت آپ پر طاری ہوتی تھی شاہ نقشبند کے کسی اور مرید کو حاصل نہ تھی۔

وفات: آپ نے ۸۳۶ھ میں وصال فرمایا۔

قطعہ

چوں ز دنیائے دون محمد رفت سال وصلش بجستم از رضوان
گفت "مخدوم دین امام بگو" "آفتاب کرم محمد دان"
۸۳۶ھ ۸۳۶ھ

خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہ

آپ بھی خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے اصحاب و احباب میں سے ایک ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کے ماہر تھے۔ غزنی کے قریب موضع چرخ کے باشندے تھے۔ ابتداء میں کچھ عرصہ جامع ہرات میں اور کچھ مدت مصر میں علم حاصل کیا۔ علم میں کمال حاصل کرنے کے بعد' حضرت شاہ نقشبند کی خدمت میں حاضری کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک مجذوب فقیر ملا۔ وہ بولا "اے یعقوب! جلدی جلدی چل کہ اب وقت قریب ہے اور تو مقبولوں میں سے ہوگا"۔ پھر زمین پر چند لکیریں لگائیں۔ خواجہ یعقوب نے دل میں سوچا کہ میں ان لکیروں کو گنتا ہوں اگر طاق ہوئیں تو میرا کام بن جائے گا اور مبارک ہوگا۔ جب گنیں تو وہ طاق تھیں۔ خیر بخارا پہنچے۔ قرآن شریف' فال کے لیے کھولا تو پہلی سطر پر لکھا ہوا تھا **اولئک الذین ھداھم اللہ فبھدا ھم اقتدہ** (ان لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی ہے پس ان کی ہدایت کی پیروی کرو) آپ اس غیبی اشارہ سے خوش ہوئے۔ خواجہ نقشبند کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی بیعت کرلی۔ طریقت سیکھنے میں مشغول ہوگئے۔ حتیٰ کہ حق تعالیٰ کے مقبول بن گئے۔

خواجہ یعقوب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں پہلی بار جب خواجہ بہاء الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور مرید ہونے اور بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کی تو خواجہ نے فرمایا۔ ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے۔ آج رات

استخارہ کریں گے اگر تجھے قبول کر لیا گیا تو ہم بھی تجھے قبول کر لیں گے۔ میں نے وہ رات بڑی بے قراری میں گزاری اور اتنی سخت رات پوری زندگی میں، میں نے نہیں گزاری تھی اور اس خیال سے کہ میں مقبول ہوتا ہوں یا مردود۔ علی الصباح، حضرت خواجہ کی خدمت میں پھر حاضر ہوا۔ مجھے دیکھ کر مسکرا کر فرمایا "میں نے قبول کیا۔ پیران عظام اور جناب الٰہی نے قبول فرمایا"۔ پھر مجھے بیعت کیا اور تلقین سے سرفراز فرمایا۔ مجھے خواجہ علاء الدین عطار کے سپرد کر دیا۔ میں نے ان کے سایہ عاطفت میں تکمیل و تربیت پائی اور جو چاہتا تھا وہ پایا۔

وفات: آپ نے بلخو بستی میں ۸۵۱ھ میں رحلت فرمائی۔ مزار پرانوار بھی اسی بستی میں ہے۔

قطعہ

شد براوج چرخ چون منزل گزین — حضرت یعقوب مجذوب خدا
رحلتش "شمس الہدایت" گفتہ اند — نیز حق آمود مطلوب خدا

۸۵۱ھ — ۸۵۱ھ

خواجہ علاء الدین غجدوانی قدس سرہ

آپ خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے افضل و اکمل خلیفہ ہیں۔ آپ غجدوان میں پیدا ہوئے اور وہیں رہے۔ پہلے پندرہ سال کی عمر میں میر سید کلال رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا اور آخر تک آپ کے پاس ہی رہے۔ حضرت نقشبند کے انتقال کے بعد خواجہ پارسا، خواجہ میر برھان ولد میر کلال اور خواجہ برہان الدین ابونصر کی مصاحبت کی۔ یہ بزرگ بھی خواجہ غجدوانی کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے۔ آپ طالبوں

کی راہنمائی میں اللہ کی ایک نشانی تھے۔ آپ سے بہت سی خوارق و کرامات سرزد ہوئیں۔ جذب و استغراق کمال کا تھا۔ لمبی عمر پائی۔

وفات: آپ کا سال وفات ۸۵۲ھ ہے۔

قطعہ

بندہ خاص زندہ دل فرما ہم شہ دین بادشاہ یقین
۸۵۲ھ

باز "سرور" بسال وصل بگو "متقی اہل دین علاء الدین"
۸۵۲ھ

خواجہ حسام الدین پارسا خلجی قدس سرہ

خواجہ علاء الدین عطار کے ایک عظیم خلیفہ اور ساتھی ابتداء میں حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی صحبت میں رہے۔ آپ کی وفات کے بعد علاء الدین عطار کی خدمت میں حاضر ہو کر تکمیل پائی۔ خرقہ خلافت لیا اور تادم حیات طالبوں کی راہنمائی میں مصروف رہے۔

وفات: آپ نے ۸۵۴ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

وصال پاک او باطرز رنگین چو رفت آن پیر عالمگیر بلخی
حسام الدین ہادیؒ زیب بلخی است دگر "اے پیر فرما پیر بلخی"
۸۵۴ھ ۸۵۴ھ

خواجہ درویش احمد سمرقندی قدس سرہ

کنیت ابوالعباس، لقب جمال الدین، نام احمد بن جلال الدین محمد سمرقندی اور آپ کا خطاب "درویش" ہے۔ خانوادہ نقشبندیہ کے بڑے بزرگوں میں

سے ایک ہیں۔ اگرچہ آپ بظاہر شیخ زین الدین خوافی کے خادم و مرید تھے اور ان سے خرقہ خلافت اور اجازت نامہ بھی حاصل کیا تھا تاہم آپ کی دلی ارادت' خواجہ نقشبند کے سلسلہ سے تھی۔ خراسان' حجاز اور ماوراء النہر کے سفر میں خواجہ علاء الدین عطار کے ساتھ رہے اور آپ کی مجلس کی برکات سے پورا فائدہ اٹھایا۔

زین الدین خوافی ایک روشن ضمیر پیر تھے۔ وہ ابتداء میں درویش احمد پر مکمل توجہ مبذول کرتے' انہیں جامع ہرات میں واعظ مقرر کیا اور لوگوں کو ان کا وعظ سننے کی ترغیب دیتے۔ مولانا درویش خوب وعظ کہتے اور لوگ بڑے انہماک سے وعظ سنتے۔ ایک روز وعظ کے دوران خواجہ درویش نے سید قاسم نقشبندی کے چند اشعار پڑھے تو شیخ زین الدین نے انہیں ٹوک دیا کہ آئندہ ہمارے سامنے وعظ میں سید قاسم کے شعر نہ پڑھنا۔ اگلے دن کے وعظ میں انہوں نے پھر سید قاسم کے شعر پڑھ دیے کیونکہ انہیں خواجگان نقشبندیہ کی طرف رجحان اور رغبت تھی۔ اس بنا پر شیخ زین الدین کی طبیعت' خواجہ درویش کی طرف سے مکدر ہوگئی۔ انہوں نے لوگوں کو خواجہ درویش کا وعظ سننے سے روک دیا اور خود بھی ان کی مجلس وعظ میں تشریف نہ لے گئے۔ آخرکار خواجہ درویش کی رونق کار ٹھنڈی ہوگئی۔ حتیٰ کہ ان کی مجلس وعظ میں پانچ چھ آدمیوں سے زیادہ نہ ہوتے۔ اتفاقاً" انہی دنوں میں خواجہ احرار عبیداللہ نقشبند' بلغنو گاؤں سے خواجہ یعقوب چرخی سے رخصت ہو کر ہرات میں آئے اور کچھ دن وہاں ٹھہرے۔ مولانا درویش نے خواجہ احرار کی خدمت میں حاضری دی اور روئے اور حد سے زیادہ عجز و نیاز کیا اور عرض کی کہ خواجگان نقشبند کی محبت کی وجہ سے مجھ پر یہ مشکل گھڑی آئی ہے کہ میرا سالوں کا جمع کردہ سب کچھ برباد ہوگیا۔ خواجہ نے فرمایا "خاموش ہوجا

اور بدستور وعظ کہنا شروع کر دے۔ انشاء اللہ دین و دنیا میں تیرا کام بارونق ہوگا"۔ یہ ارشاد صادر ہوتے ہی مولانا درویش کا کام دوچند ہوگیا۔ ان کی مجلس میں اس قدر لوگ آتے کہ جس مسجد میں مولانا وعظ کہتے تھے' لوگوں کے لیے گنجائش نہ رہتی۔ پھر اس سے بڑی مسجد میں وعظ ہونے لگا مگر سامعین کی تعداد بڑھتی گئی۔ بالاخر شہر سے باہر کھلے میدان میں منبر رکھا گیا۔ جب شیخ زین الدین کو یہ اطلاع ملی تو اگرچہ انہوں نے مولانا درویش کی رونق ختم کرنے کی بہت کوشش کی مگر اب انہیں اس میں کامیابی نہ ہو سکی۔

وفات: مولانا درویش احمد نے ۸۰۴ھ میں دنیا سے کوچ کیا۔

قطعہ

روان شد چون ز دنیا سوئے جنت — محبت کیش احمد قطب حق بین
بسال رحلت آن شاہ والا — بگو "درویش احمد قطب حق بین"

مولانا عمر بایزیدی قدس سرہ

خواجہ عطار کے خاص احباب میں سے تھے۔ زہد و ورع اور تقویٰ میں ممتاز تھے۔ لوگوں میں آپ کو بہت مقبولیت حاصل تھی۔

وفات: آپ نے ۸۵۵ھ میں عالم فانی سے کوچ کیا۔

قطعہ

ز دنیائے دون رفت سوئے بہشت — چو شیخ معلی عمر مقتدا
ز "مخدوم اقدس" بجو سال او — دگر نیز فرما "عمر مقتدا"

۸۵۵ھ — ۸۵۵ھ

خواجہ احمد مسکہ قدس سرہ

یہ بھی خواجہ علاء الدین رحمتہ اللہ علیہ کے احباب و اصحاب میں شامل

ہیں۔ آپ اعلیٰ پایہ کے بزرگ اور عابد' متقی تھے۔ متلاشیان حقیقت کی بہترین راہنمائی کرتے تھے۔

خواجہ عبیداللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ نقشبند فرماتے ہیں شروع میں مولانا مسکہ نے خواجہ علاء الدین سے رخصت حاصل کی اور اپنے وطن بدخشاں گئے۔ واپسی میں ایک ایسی جگہ سے گزر ہوا جہاں خوبصورت نوجوان لڑکیاں پانی میں غسل کر رہی تھیں۔ آپ بھی بتقاضائے بشریت تھوڑی دیر کے لیے رکے۔ انہیں دیکھا اور چل پڑے۔ جب خواجہ کی خدمت میں پہنچے تو وہاں ایک عظیم الشان مجلس منعقد تھی اور بزرگوں کی ایک بڑی تعداد حضرت کے پاس موجود تھی۔ حضرت نے مولانا مسکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ جس وقت تم ہم سے اجازت لے کے گئے ہو اب واپسی تک کے تمام حالات بیان کرو۔ کیونکہ ہمارے حضرات کے سلسلہ میں محاسبہ ضروری ہے۔ مولانا نے تمام حالات بیان کیے مگر لڑکیوں کو دیکھنے کا ذکر کرنا تھا تو فرط حیا و شرم سے بیان نہ کر سکے۔ حضرت نے فرمایا "راستہ میں بریں آب والی بات ابھی باقی ہے۔ اگر خود اظہار کر دو تو بہتر ورنہ ہم بیان کریں گے اور تمہیں مجلس میں شرمندگی اٹھانی پڑے گی"۔ مولانا احمد نے مجبوراً ہوبہو واقعہ بیان کر دیا۔ اس وقت ان کی کیفیت یہ تھی کہ شرمندگی سے گویا ان میں جان ہی نہیں ہے۔ فوراً تائب ہوئے' سر خواجہ کے قدموں پر رکھا اور استغفار کی۔

وفات: ۸۵۵ھ یا ۸۵۶ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

چوں احمد زیب جہاں رخت بست — دو تاریخ وصالش گشت معلوم
یکے "جان جہان مخدوم احمد" — دگر احمد ولی اللہ مخدوم

خواجہ سراج الدین بیرمسنی قدس سرہ

ریاست بخارا کے ایک قصبے واکنی کے ایک گاؤں "بیرمسن" میں پیدا ہوئے۔ پہلے میرحمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد خواجہ علاء الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تکمیل پائی اور نامور بزرگ کہلائے۔ آپ کشف الحال میں اللہ کی نشانی تھے۔ جب کوئی شخص آپ کی زیارت کے لیے اپنے گھر سے نکلتا تو آپ اپنی جگہ سے قدم اٹھاتے اور فرماتے کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہمارے پاس آ رہا ہے۔ فوراً اپنی جگہ سے اٹھتے، گھر میں جھاڑو دیتے، کھانا تیار کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مہمان میرے گھر آنے کا ارادہ کرتا ہے تو مجھے غیب سے اطلاع دی جاتی ہے تاکہ اس کی میزبانی کے لیے تیاری کرلوں۔

وفات: آپ نے ۸۵۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

قطعہ

چوں سراج الدین چراغ علم و حلم　　گشت روشن ہچو خوراندر جہان
"سرورا" سال وصال آنجناب　　"رہبر کامل سراج الدین بخوان"

خواجہ نظام الدین خاموش قدس سرہ　　۸۵۷ھ

آپ شیخ علاء الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ کے مصاحب ہیں۔ آپ نے بیعت ہونے سے پہلے کافی عرصہ تک خوب ریاضت و مجاہدہ کر رکھا تھا۔ آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئی تھیں۔ چنانچہ آپ اگر کسی مسجد یا کسی گھر میں تشریف لے جاتے اور تالا لگا ہوتا تھا تو انگلی سے تالے کی طرف اشارہ کرتے ہی فوراً تالا کھل جاتا۔ آپ کی طبیعت اگرچہ لطیف تھی اور علم و حلم، مجد کمال تھا مگر آپ کی طبیعت پر صفت جمالی کا غلبہ تھا۔ کشف الاحوال، کشف

القلوب اور کشف القبور آپ پر اس طرح روشن تھے کہ غیب کی ہر بات بتا دیتے اور حاضرین کو دل میں گزرنے والے ہر خیال سے فوراً مطلع کر دیتے۔

خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہ فرماتے ہیں کہ خواجہ نظام الدین تاشقند میں ہمارے مہمان تھے۔ ہم ایک دن ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ فرمایا "آہ آہ! سخت نسبت ظاہر ہوئی۔ غالباً فلاں شخص آئے گا" کچھ ہی دیر بعد وہ شخص پہنچا۔ خواجہ نے فرمایا "آیئے! آپ کے آنے سے پہلے آپ کی نسبت پہنچ چکی تھی"۔

صاحب رشحات فرماتے ہیں کہ خواجہ نظام الدین ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ فوراً آپ کو ایک بیماری ایسی لگی کہ آپ کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اتنی سخت سردی لگی کہ آپ پر اونی اور سوتی کپڑے ڈالے گئے۔ آگ جلائی گئی مگر سردی کم نہ ہوئی۔ اچانک ایک مرید دروازے سے اندر آیا وہ دریا کے کنارے لگی پن چکی پر گندم لے کر گیا تھا۔ وہ سخت سردی' ٹھنڈی ہوا اور سردی کے موسم کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔ جب وہ اندر آیا خواجہ نظام الدین نے فرمایا مجھے چھوڑ دو' اسے گرم کرو' یہ سردی اور کپکپی جو مجھے لگی ہے وہ اس شخص کی سردی ہے۔ جب وہ گرم ہو جائے گا تو میں بھی گرم ہو جاؤں گا۔ خادم فوراً اس مرید کی طرف متوجہ ہوئے۔ آگ جلا کر اسے گرم کیا۔ جب مرید گرم ہو گیا تو خواجہ بھی صحت یاب ہو گئے۔

ایک دن آپ کے ایک مرید مولانا سعدالدین نوری آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ انہوں نے ایک شخص کی شکایت کی اور کہا اس آدمی نے میری بہت بے عزتی کی اور مجھے گالی دی ہے۔ اتفاق سے وہ شخص بھی وہاں سے گزرا۔ سعدالدین نے اشارہ کر کے بتایا کہ یہ وہی شخص ہے جو آج میری ہتک کا موجب ہوا ہے۔ خواجہ نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا' وہ نہ آیا اور

بے ادبی کے ساتھ غرور و تکبر کرتے ہوئے گزر گیا۔ اس کی اس حرکت پر خواجہ کا غضب برافروختہ ہوا۔ آپ نے اپنے قریب دیوار پر قبر کی تصویر بنائی۔ وہ آدمی فوراً گر پڑا' بے ہوش ہوا۔ لوگ اس کی طرف دوڑے دیکھا کہ مرا ہوا تھا۔

ایک روز خواجہ نظام الدین ایک ندی پر وضو کر رہے تھے۔ ایک شخص نے کسان کے کھیت کے پانی کو دوسری طرف کر دیا تھا۔ کسان نے سمجھا کہ یہ حرکت خواجہ نے کی ہے۔ وہ آپ کے قریب آیا اور انتہائی غصہ اور غضب سے آپ کو دھکا دے کر پانی میں پھینک دیا۔ جب خواجہ پانی میں گرے تو وہ آدمی زمین پر گرا بے ہوش ہوا دیکھا تو مرا پڑا تھا۔

مولانا نظام الدین فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت علاء الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ نے شیخ محمد علی حکیم ترمذی کے مقبرہ کی زیارت کا عزم کیا۔ میں آپ کے ساتھ نہ گیا اور وہیں سے محمد علی حکیم کی روح پر فلاح کی طرف متوجہ ہوگیا۔ حضرت حکیم کی روحانیت میرے پاس حاضر ہوگئی۔ جب خواجہ علاء الدین آپ کے مزار پر پہنچے اور توجہ کی تو مزار کو خالی پایا اور اپنے نور باطن سے اصل حقیقت سے واقف ہوگئے۔ جب واپس آئے تو بہت غصہ میں تھے۔ چاہتے تھے کہ میری طرف متوجہ ہوں اور تصرف دکھائیں۔ میں بھی متوجہ نہ ہوا۔ اپنے آپ کو کبوتر کی طرح کر لیا اور خواجہ شاہباز کی طرح میرے تعاقب میں تھے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ میں آگے اور خواجہ پیچھے۔ میں جہاں جاتا وہ میرے پیچھے آتے۔ آخر مجبور ہو کر جب مجھے کوئی پناہ نہ ملی تو میں نے حضرت شاہ رسالت علیہ الصلوۃ والتحیت کی روحانیت میں پناہ لی اور بے انتہا نبوی انوار سے میں محو ہوگیا۔ اب خواجہ کو مجھ پر تصرف کرنے کی مجال نہ رہی۔ وہ شرمندگی سے بیمار ہوگئے۔ کسی شخص کو ان کی بیماری کا سبب معلوم

نہ تھا۔ چند دنوں کے بعد شفا پائی۔ میرے حق میں بڑی مہربانی فرمائی اور کہا اگر تم اس روز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح کی پناہ میں نہ آ جاتے تو تمہارا کام ختم ہو چکا تھا۔

خواجہ عبیداللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں خواجہ نظام الدین خاموش سے ملنے کے لیے جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک واقف کار سے ملاقات ہوئی۔ اس نے شراب پی رکھی تھی۔ اتفاق سے اس کے ساتھ چند باتیں بھی ہوئیں۔ جب میں حضرت کی خدمت میں پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی فرمایا "عبیداللہ! آج شراب پی ہے" میں نے کہا "شراب پینے سے اللہ کی پناہ" فرمایا "پھر کیا بات ہے کہ میں تم میں شراب کا اثر دیکھ رہا ہوں؟" میں بولا "راستے میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس نے شراب پی رکھی تھی اور کچھ باتیں بھی ہوئیں؟" فرمایا "اس کے حال نے تجھ پر اثر کیا ہے"۔

خواجہ احرار ہی کا بیان ہے کہ معززین سمرقند میں سے ایک شخص کو شیخ سے بہت عقیدت تھی۔ اچانک اتنے بیمار ہوئے کہ ان کی حالت نزع میں حصول شفا کے لیے خواجہ نے جب توجہ کی تو معلوم ہوا کہ ان کی عمر پوری ہو چکی ہے اور ان کے زندہ رہنے کا اب امکان نہیں۔ مجبوراً خواجہ نے ان کو اپنی زندگی کے ضمن میں لے لیا۔ اس نے فوراً شفا پائی۔ کچھ مدت بعد شیخ پر ایک تہمت لگائی گئی۔ وہ صاحب اگر چاہتے تو آسانی سے اس تہمت کی تردید کر کے اس کا پردہ فاش کر سکتے تھے لیکن اس نے کینہ پروری کی۔ اس سے خواجہ کو ذہنی کوفت ہوئی اور اسے اپنی زندگی کے ضمن سے نکال دیا۔ وہ شخص فوراً گرا اور مر گیا۔

وفات: خواجہ نظام الدین خاموش نے بوقت نماز ظہر بروز بدھ بتاریخ سات جمادی الاخر ۸۶۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار شریف خیابان میں ہے۔

قطعہ

چوں نظام الدین بخت جست راہ　　رفت خاموش از جہاں سوئے جنان
سال وصل آں شہ دنیا و دین　　"قطب مخدوم جہاں آمد عیاں"

۸۶۰ھ

خواجہ سعد الدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ

آپ خواجہ نظام الدین خاموش کے عظیم خلیفہ اور خاندان نقشبندیہ کے بہت بڑے ولی ہیں۔ پہلے علوم ظاہری سیکھے۔ پھر خواجہ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہوگئے۔ کئی سالوں تک آپ کے پاس رہ کر تکمیل کی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت کی اجازت سے سفر حجاز کا ارادہ کر کے خراسان آئے اور ہرات میں مشائخ عظام سے استفادہ کیا۔ جیسے مولانا قاسم تبریزی ابویزید پورانی زین الدین خوافی اور بہاء الدین عمر وہاں سے واپس ہوتے ہوئے خواجہ نظام الدین کی خدمت میں حاضری دی اور سفر حجاز کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا میں اس سال تجھے قافلہ حجاز میں نہیں دیکھ رہا۔ یہ بات سن کر آپ نے حجاز جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

کئی بار آپ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ جس پر نگاہ پڑتی وہ بے ہوش ہو جاتا اور اگر کوئی نزدیک آ کر سامنے بیٹھتا تو ہلاک ہوجاتا۔ اس لیے آپ نے کچھ مہینے اپنے گھر کے گوشہ میں گزارے۔ آپ باہر نہیں آتے تھے اور اگر کوئی آپ کے پاس آنے کا ارادہ کرتا تو آپ ہاتھ کے اشارہ سے روک دیتے کہ قریب مت آ۔ جب تک یہ کیفیت ختم نہ ہوگئی آپ خلوت سے باہر نہیں آئے۔

صاحب رشحات خواجہ سعد الدین رحمتہ اللہ علیہ کے ایک دوست اور

مرید پیر علی سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ پہلے میری بزازی کی دکان تھی۔ ایک دن سرکاری ٹیکس لینے والا اہلکار آیا اور حق سے زیادہ رقم مانگنے لگا' گالیاں بھی بکنے لگا۔ میں پریشان ہوا۔ مولانا کو یاد کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ خواجہ بذات خود دکان کے دروازہ پر موجود ہیں اور ٹیکس لینے والے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا بے ادب زبان سنبھال کر بات کر۔ وہ کانپنے لگا زمین پر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔ ایک ساعت کے بعد وہ ہوش میں آیا' معذرت کی اور جتنا ٹیکس بنتا تھا اتنا ہی لے کر چلا گیا۔

مولانا پیر علی ہی فرماتے ہیں کہ میری اہلیہ کے بہت سے بیٹے تھے۔ وہ کثرت اولاد سے تنگ تھی۔ ایک دفعہ اس نے حمل گرا دیا' سخت بیمار ہوگئی۔ حتیٰ کہ اس کی زندگی کی امید ختم ہوگئی۔ اس کی زندگی کی طرف سے ناامید ہو کر میں اظہار حال کے لیے خواجہ سعد الدین کی خدمت میں گیا۔ آپ محفل وعظ میں وعظ گوئی میں مصروف تھے۔ بے شمار لوگ اور کئی طلبہ محفل میں جمع تھے۔ مجھے عرض حال کرنے کا موقع نہ ملا۔ اتنے میں آپ کی نظر مجھ پر پڑی۔ منبر سے اترے' میرے پاس آئے اور فرمایا اس ظالم عورت سے جا کر کہو کہ تم نے اس سے پہلے بھی ایک حمل گرایا تھا مگر میں نے معاف کر دیا تھا۔ اب پھر تم اس غیر شرعی اور ناپسندیدہ حرکت کی مرتکب ہوئی ہو اگرچہ تم اس لائق نہ تھیں کہ تمہیں معاف کیا جاتا تاہم میں نے معاف کر دیا۔ آئندہ یہ حرکت نہ کرنا۔ اسے کہو کہ وہ تندرست ہوجائے گی۔ انشا اللہ تعالیٰ۔ میں جلدی سے واپس گیا۔ گھر پہنچ کر دیکھا کہ میری اہلیہ تندرست ہوچکی ہے۔ میں نے اسے ساری حقیقت بتائی۔ کہنے لگی کہ خواجہ صاحب فرماتے ہیں میں نے دو بار اسقاط حمل کیا ہے۔ اب توبہ کرلی ہے۔

مولانا علاء الدین خواجہ سعد الدین کے خاص احباب میں سے ایک ہیں۔

ان کا بیان ہے کہ میں اپنی شادی کے لیے حضرت سے رخصت لے کر کوہستان میں اپنے گھر چلا گیا اور چند سال وہاں رہا۔ ہمارے والدین زمیندار تھے۔ ٹیکس لینے والے ان پر بہت ظلم کرتے تھے۔ میں ایک بار ٹیکس لینے والے کے پاس گیا اور کہا کہ بھائی اتنا ہی ٹیکس لو جتنا حقیقت میں بنتا ہے۔ اس نے میرے ساتھ تلخ کلامی کی اور گالی بکی۔ میں نے دل میں مولانا کو یاد کیا۔ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا کے ہاتھ میں تیر اور کمان ہے۔ یہ مجھے دے کر فرمایا کہ ظالم تحصیل دار کو مارو۔ جب میں نے اس پر تیر چلایا تیر اس کے سینہ میں لگا اور وہ مرگیا۔ دن چڑھا تو میں اس ظالم کے پاس گیا اور اسے اطلاع دی کہ توبہ کر لو وگرنہ آج یا کل تم پر بھاری مصیبت آنے والی ہے۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ وہ ہنسا' مذاق اڑایا اور مجھے مجلس سے باہر نکلوا دیا۔ قضا سے اسی دن فالج کے مرض میں مبتلا ہوا اور چند دنوں میں مرگیا۔

مولانا علاء الدین ہی کا بیان ہے کہ جب میں کوہستان میں اپنے گھر پر ہی تھا۔ ایک دن ایک اونچے درخت پر چڑھ کر پتے جھاڑ رہا تھا۔ اتفاق سے میں جس ٹہنی پر بیٹھا تھا' وہ ٹوٹی۔ میں ٹہنی سے الگ ہو کر گرا تو دیکھا کہ حضرت خواجہ نمودار ہوئے اور مجھے راستہ میں ہی سے پکڑ کر زمین پر رکھ دیا اور مجھے بالکل چوٹ نہ آئی۔ جب میں وطن سے واپس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو چاہا کہ اپنے گرنے کا قصہ بیان کروں مگر میرے عرض کرنے سے پہلے ہی آپ نے فرمایا:

مولوی دریں کار ہیچ تعجب نیست افتادن ظالمان دیگر است و افتادن مظلومان دیگر

"مولوی اس میں بالکل میرا قصور نہیں۔ ظالموں کا گرنا اور

ہے' مظلوموں کا گرنا اور"

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابتدا میں میرے دل میں کیمیا اور اکسیر بنانے کا بہت شوق تھا۔ میں رات دن کیمیا کے نسخے بنانے اور اس کی تیاری میں مصروف رہتا مگر کسی طور پر کامیاب نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن میں حیران و پریشان بازار میں چار سوق (چوک) میں کھڑا فکر کیمیا میں غرق تھا کہ اچانک خواجہ سعدالدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ میرے پیچھے سے آئے' میرے دونوں کان اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر فرمایا:

قطعہ

کیمیائی کنم ترا تعلیم کہ در اکسیر و در رضاعت نیست
رو قناعت گزیں کہ در عالم کیمیائی بہ از قناعت نیست

آپ یہ قطعہ پڑھ کر تشریف لے گئے۔ اسی لمحہ سے میرے دل سے شغل کیمیا ایسے دور ہوا کہ اس کے بعد کبھی اس کا خیال بھی میرے دل میں نہیں آیا۔

مولانا علاء الدین فرماتے ہیں کہ ابتدا میں میں مرید ہونے کے لیے خواجہ سعدالدین کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ علوم کلام کی تعلیم ترک کر دینی چاہیے اور علم باطنی سیکھنے چاہئیں۔ چنانچہ میں نے کتاب حدیث کے سبق کے ماسوا تمام علوم ترک کر دیے۔ حدیث میر سید اصل الدین سے پڑھتا تھا۔ صبح سویرے میں نے کتاب حدیث اٹھائی اور چل پڑا۔ چند ہی قدم چلا ہوں گا کہ دیکھا کہ میرا جسم اتنا بھاری ہوچکا ہے کہ گویا کوئی بہت ہی وزنی بوجھ میرے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ میں بڑی مشکل سے ایک دو اور قدم چلا' اپنے سر کی پگڑی غائب پائی۔ ننگا سر ہونے سے بہت شرمندہ ہوا۔ چند قدم اور چلا

ہوں گا تو کندھے پر چادر موجود نہ تھی۔ دو تین قدم کے بعد قمیص بھی نہ رہی۔ اب میرے پورے جسم پر سوائے تہبند کے اور کپڑا نہ تھا۔ میں ڈر گیا اور دل میں سوچا کہ اگر دو قدم اور چلا تو یہ تہبند بھی نہ رہے گا اور میں بالکل ننگا ہو جاؤں گا۔ مجبوراً واپس ہوا اور جس جس جگہ پر چیزیں گراتا آیا تھا وہیں پر مجھے ملتی گئیں۔ یوں کہ بوجھل ہونے کی کیفیت بھی ختم ہوگئی۔ میں اپنے کیے پر پچھتایا اور حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مودب بیٹھ گیا۔ خواجہ اس وقت مسجد جامع میں مشغول مراقبہ تھے۔ اچانک آپ میرے پاس تشریف لائے اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ طریقت میں حکم پیر کی متابعت ضروری ہے۔ میں سمجھ گیا کہ خواجہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہی میری یہ حالت ہوئی ہے۔

مولوی علاء الدین ہی کا بیان ہے کہ ایک رات کچھ دوستوں کے ساتھ سماع و وجد سننے کا اتفاق ہوا۔ علی الصباح جب خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ خواص اور علماء کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں موجود ہے۔ میں دور ہٹ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے مجھ پر غائبانہ خشمناک نظر ڈالی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے کہ مجھ پر بہت بڑا وزن رکھ دیا گیا ہے۔ گویا بڑا پہاڑ میرے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔ سانس لینے میں اتنی دشواری ہوئی کہ نزع کی سی حالت ہوگئی۔ میری پیشانی سے بارش کی طرح پسینہ ٹپکنے لگا۔ حضرت کے ایک خاص مرید مولانا شہاب الدین احمد سرہندی نے میری یہ حالت دیکھ کر میری سفارش کی اور میرے جرائم کی معافی کے لیے بہت زاری کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نہیں چاہتے کہ ہمارے پیروکار رقص و سماع میں مصروف ہوں۔ یہ کہہ کر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی میرے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھی۔ اس کے ساتھ ہی بہت بڑا بوجھ میرے سر سے ہٹ گیا۔ میں نے اٹھ کر چہرہ زمین پر رکھا اور

آئندہ سماع سننے سے توبہ کرلی۔

وفات: بقول صاحب "رشحات" آپ کی وفات بوقت نماز ظہر بروز بدھ سات جمادی الاخر ۸۶۳ھ میں ہوئی۔ صاحب "مخبر الواصلین" نے آپ کا سال وفات ۸۶۰ھ تحریر فرمایا ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

قطعہ

یافت از حق مقام سعد خلد　　سعد دین اسعد زمان و زمین
عقل مشکل کشائے عالم گفت　　رحلت پاک ز روئے یقین
۸۶۳ھ

خواجہ نظام خاموش قدس سرہ

آپ خواجہ نظام الدین خاموش رحمتہ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ علوم ظاہری اور باطنی میں مہارت رکھتے تھے۔ شریعت پر عمل پیرا تھے۔ خراسان گئے تو سید قاسم تبریزی مولانا ابویزید پورانی اور شیخ زین الدین خوافی اور بہا والدعمر سے مجلسیں ہوئیں اور فائدے اٹھائے۔

وفات: ۸۶۴ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

خواجہ ہر دو جہاں شیخ نظام　　معدن انوار ہادی عزیز
رفت زین عالم بتاریخش بگو　　"محرم اسرار ہادی عزیز"
۸۶۸ھ

خواجہ بونصر پارسا قدس سرہ

آپ خواجہ محمد پارسا رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند دلبند اور خلیفہ اعظم ہیں۔ نصیرالدین اور حافظ الدین آپ کے لقب ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کے عالم ہیں۔

صاحب "نفحات الانس" فرماتے ہیں "خواجہ ابونصر پارسا سرمایہ شریعت اور مخزن طریقت تھے اور اس میدان میں مشائخ کبار پر بھی سبقت لے گئے تھے۔ جب بھی کوئی شخص دینی یا دنیاوی مسئلہ پوچھتا تو پہلے زبانی جواب دیتے پھر فرماتے ہم کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جب کتاب کھولتے وہیں سے کھلتی جہاں وہ مسئلہ لکھا ہوتا تھا۔ ورق گردانی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور جس طرح مسئلہ بیان فرمایا ہوتا ہو بہو کتاب میں بھی ویسے ہی ہوتا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے مسئلہ تلاش کرنے کے لیے ورق الٹے ہوں۔ یہ آپ کی کرامت تھی"۔ آپ شعر دوست تھے۔ یہ آپ ہی کا شعر ہے:

صبوری و رز و خورسندی نکوبین باش و نیکو ظن
کہ در این چار چیز آمد کلید شاد مانیہا

وفات: آپ نے ۸۶۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کی تاریخ وفات کے لیے یہ شعر "رشحات" میں درج ہے:

خواجہ اعظم ابو نصر آنکہ شد — تکیہ گاہش مسند دار البقا
شیر او چوں با خدا پیوستہ شد — زین سبب تاریخ شد شیر خدا

قطعہ از مولف

نصر چون بابزار منصوری — وصل شد باتوصل جنت
"گوہر خلد" سال وصلش دان — نر بونصر "بلبل جنت"

۸۶۵ھ — ۸۶۵ھ

مولانا شہاب الدین احمد جندی قدس سرہ

آپ مولانا سعد الدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ کے مصاحب و محب ہیں۔ ظاہری اور باطنی علوم پر عبور تھا۔ ہرات کے تمام فضلا پر' علم و تقویٰ اور زہد و ریاضت میں فضیلت حاصل تھی۔ آپ قصبہ "جند" میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اصل نام احمد ہے۔ آپ کے مرشد نے آپ کو شہاب الدین کا خطاب دیا تھا۔

مولانا شہاب الدین کے والد سے منقول ہے کہ ایک رات میں نے اپنے آپ کو "کوہ سینا" پر کھڑے دیکھا۔ ناگاہ شیخ الاسلام شیخ احمد جام قدس سرہ دور سے نمودار ہوئے۔ میں پاس گیا' سلام کیا' فرمایا کہ حق تعالیٰ تجھے فرزند صالح عطا کرے گا۔ اس کا نام ہمارے نام پر رکھنا۔ چند دنوں کے بعد میرا بیٹا شہاب الدین احمد پیدا ہوا۔ میں نے اس کا نام احمد رکھا۔ بچپن سے ہی آپ میں بزرگی کے آثار ظاہر تھے۔ جوانی کی عمر کو پہنچے تو علوم ظاہری کے تبحر عالم ہوئے۔ اس کے بعد مولانا سعد الدین کے مرید ہوئے اور کمالات تک پہنچے۔

وفات: ۸۸۶ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

قطعہ

چوں شہاب الدین بخت مثل ماہ — یرتو افگن شد پے تاریخ آن
"نیر اکبر شہاب الدین" بگو — نیز فرما "آفتاب عارفان"
۸۸۶ھ — ۸۸۶ھ

خواجہ قاسم قدس اللہ سرہ

آپ حضرت عبیداللہ رحمتہ اللہ علیہ احرار نقشبندیہ کے مقبول دوست'

پرانے ساتھی اور گہرے مخلص تھے۔ جذب و استغراق اعلیٰ درجہ کا تھا۔ کم کھاتے، کم سوتے اور مرشد کے حکم کی تعمیل میں زراعت و باغبانی میں مصروف رہتے اور ان کی زمین پر کام کرتے۔ آپ کو مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ سے شدید محبت تھی۔ خواجہ احرار مولانا قاسم رحمتہ اللہ علیہ سے جتنی محبت و عنایت کرتے اتنی اپنے کسی اور مرید سے نہ کرتے تھے۔

مولانا قاسم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے ۳۵ روز پہلے خواجہ احرار کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی "یا حضرت! چاہتا ہوں کہ آپ پر اپنے آپ کو قربان کر دوں"۔ فرمایا "تمہارا کنبہ زیادہ ہے، تمہارے فوت ہونے سے سخت مصیبت پیش آئے گی" عرض کیا "میں نے اس بارے میں بارگاہ الٰہی میں دعا کی جو قبول ہوئی۔ اب جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا" پس اسی دن بیمار ہوئے اور ۳۵ دن تک بیمار رہے۔ بروز سوموار ۶ ماہ ذی الحجہ ۸۹۰ھ میں اس دار پرملال سے قرب ایزد متعال میں چلے گئے۔ خواجہ احرار کو ان کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا اور بہت رقت طاری ہوئی۔ خواجہ احرار نے آپ کی تاریخ وفات کہی جو یہ ہے:

شمع فقر قاسم انوار وجود — مستملک بحر جمع دریائے شہود
زآں رو کہ سرشتہ بود از فیض وجود — تاریخ وفات او ز "فیاض کشود"

۸۹۰ھ

قطعہ از مولف

جناب قاسم آن پیر جہانگیر — کہ در علم لدنی بود عالم
بگو "سرور" بسال ارتحالش — "یکے ضامن" دگر "مخدوم قاسم"

۸۹۰ھ ۸۹۰ھ

خواجہ علاء الدین اہری قدس سرہ

آپ کا نام محمد بن موقف ہے۔ اہرا قصبہ میں پیدا ہوئے جو کوہستان کا ایک دیہات ہے۔ مولانا سعد الدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ کے دوست اور ساتھی تھے۔ ظاہری علوم سیکھنے کے بعد تدریس کی۔ پھر محبت الٰہی کا جذبہ غالب آیا اور ترک دنیا کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ایک روز گھر میں بیٹھے تھے۔ دروازے بند تھے۔ دل میں سوچا کہ دین اور دنیا اکٹھے نہیں ہوسکتے۔ مناسب ہے کہ اب تعلیم ترک کر دوں۔ اتنے میں گھر کے ایک گوشہ سے آواز آئی کہ "ترک نما و بیاسا" یہ آواز سن کر ان پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔ گھر سے باہر نکلے' قبرستان پہنچے۔ دیکھا کہ نجم عمر نامی ایک مجذوب وہاں بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے گئے اور دل میں سوچا کہ اگر یہ مجذوب بھی اجازت دیتا ہے تو میں دنیاوی کام کاج چھوڑ دیتا ہوں۔ اسی خیال میں تھے کہ مجذوب نے سر اٹھا کر کہا "آج جس شخص نے تمہیں گھر میں آواز دی تھی کہ "ترک نما و بیاسا" وہ میں ہی ہوں۔ پس جا دنیا کا کام چھوڑ اور حق کے ساتھ آرام پا کیونکہ نیکی کے کام میں کسی استخارہ کی ضرورت نہیں" اس سے ان کا ترک دنیا کا جذبہ اور قوی ہوگیا۔ وہاں سے اٹھے اور خواجہ سعد الدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ دیکھا کہ وہ بھی مراقبہ میں سر ڈالے بیٹھے ہیں۔ ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ خواجہ نے سر اٹھا کر فرمایا "ترک نما و بیاسا" فوراً خواجہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا' بیعت کی۔ آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ حتیٰ کہ کاملین میں شمار ہوا۔

خواجہ علاء الدین اہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں بیمار ہوا اور اتنا لاغر ہوگیا کہ گویا نقش بستر بن کے رہ گیا۔ دوست' رشتہ دار میری زندگی سے مایوس ہوگئے۔ ایک دن دل میں حضور خواجہ سعد الدین رحمتہ اللہ

علیہ کا تصور کیا اور مراقبہ کیا۔ جب حضوری نصیب ہوئی تو اپنی تندرستی اور صحت یابی کے لیے عرض کی۔ آپ نے فرمایا پڑھ:

بسم اللہ حسبی اللہ ربی اللہ توکلت علی اللہ اعتصمت باللہ فرضیت امری الی اللہ ماشاء اللہ لا حول و لا قوۃ اللہ باللہ

جب فارغ ہوا تو مجھے یہ کلمات حفظ تھے۔ ان کو مستقلاً پڑھتا رہا اور مرض سے شفا پائی۔

شیخ علاء الدین، شیخ سعد الدین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ سفر حجاز میں تشریف لے گئے۔ مکہ شریف پہنچے اور چند سال خانہ کعبہ کے قریب رہنے کا شرف حاصل کیا۔ خواجہ عبدا لکثیر رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت بھی حاصل رہی۔ وہاں ایک خشک ملا تھا جو علم طریقت سے بے بہرہ تھا۔ ایک مرتبہ سادات، مشائخ اور علماء کا مجمع تھا کہ اس خشک ملا نے جو درویشوں کے حال کا منکر تھا شیخ کی باتوں میں اچانک مداخلت کی اور ناحق شبہات ظاہر کیے اور اپنے مرتبہ سے بڑھ کر باتیں کرنے لگا۔ خواجہ علاء الدین نے اسے ڈانٹا۔ فرمایا کہ باادب رہو۔ اللہ والوں کے سامنے اس طرح کی گستاخانہ گفتگو مناسب نہیں ہے۔ وہ ملائے خشک پہلے سے بھی زیادہ گستاخ ہوگیا اور کہنے لگا پیری اور چیز ہے اور اعتراض کا جواب دینا اور چیز ہے۔ خواجہ علاء الدین کو غصہ آیا۔ اسے نگاہ تیز سے دیکھا اور فرمایا "بتاؤ کیا شبہہ ہے؟ اور کون سا اعتراض ہے تاکہ میں جواب دوں" اس شخص نے بات کرنی چاہی مگر نہ کر سکا۔ منہ کے بل گرا اور مرگیا۔

خواجہ علی بن حسین کاشفی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دن میں خواجہ علاء الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا۔ دیکھا کہ دو طالب علم آپ سے کتاب مشکوۃ المصابیح پڑھ رہے ہیں اور مولانا کی توجہ طالب علموں

کی طرف نہیں ہے۔ دل میں سوچا کہ یہ کیا بات ہے کہ طالب علم کتاب پڑھ رہے ہیں اور مولانا کا خیال اور طرف ہے۔ ابھی یہ خیال پورا بھی نہ ہوا تھا کہ مولانا نے میری طرف توجہ کر کے فرمایا "میں نے کئی بار طالب علموں سے کہا ہے کہ میں سبق پڑھانے کے لائق نہیں ہوں کہ ہمارا دل اور طرف مائل ہوتا ہے مگر یہ ہماری بات نہیں مانتے اور آ جاتے ہیں پس آپ ان سے کہیں کہ شاید مان جائیں"۔ میں یہ سن کر شرمندہ ہوا' معذرت کی اور استغفار پڑھی۔

خواجہ علاء الدین کے صاحبزادے غیاث الدین رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہمارے گھر کے برابر ایک گھر تھا جو اکثر اوقات خالی رہتا تھا۔ ایک چاندنی رات میں آدمیوں کی باتیں کرنے کی آواز میرے کان میں پڑی۔ چونکہ یہ گھر کافی عرصہ سے خالی تھا اس لیے متعجب ہوا۔ چھت پر جا کر اس گھر کی طرف دیکھا کہ ایک مرد اور ایک عورت ایک تخت پر آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ میں فوراً پلٹا اور اپنی خوابگاہ میں چلا گیا۔ صبح سویرے جب اپنے والد بزرگوار سے ملا تو فرمایا "بابا غیاث الدین! چھت پر جا کر ہمسایہ کے گھر کی طرف دیکھنا اور ان کا شب خوابی کا کمرہ دیکھنا مناسب نہیں ہے۔ پڑوسی کے گھر سے آواز آئے تو آتی رہے فضول حرکت نہیں کرنی چاہیے"۔

وفات: خواجہ علاء الدین رحمتہ علیہ نے بروز سنیچر ۱۵ جمادی الثانی ۸۹۳ھ میں دار اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار خواجہ سعد الدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ کے تخت پر ہے۔ کتاب "رشحات" میں آپ کی تاریخ وفات یہ لکھی ہے:

پیر اہل حق علاء الدین کہ رفت — روح پاکش شد بجنت بر سریر
خواستم تاریخ سال رحلتش — عقل دور اندیش گفتا "رفت پیر"

۸۹۳ھ

قطعہ از مولف

چو در فردوس والا کرد منزل　　شد از دنیا علاء الدین مخدوم
سخی عالی مکان وصلش رقم کن　　دگر فرما "علاء الدین مخدوم"

۸۹۳ھ　　۸۹۳ھ

خواجہ برہان الدین ختلانی قدس سرہ

آپ خواجہ عبیداللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ نقشبندیہ کے معتمد رفیق ہیں۔ لڑکپن میں ہی علوم ظاہری سیکھ کر دستار فضیلت باندھی۔ سمرقند میں دو آدمیوں کو مادرزاد عالم کہا جاتا تھا۔ ایک مولانا زادہ عثمان' دوسرے مولانا برہان الدین ختلانی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

آپ نے فارغ التحصیل ہو کر چالیس سال تک خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت کی۔ سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہے۔ خاص طور پر اس سفر میں جو حضرت نے مرزا سلطان احمد حاکم سمرقند کے ہمراہ ترکستان کی طرف کیا تھا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ ایک بڑی فوج جس میں چار ہزار مغل' چار ہزار ازبک اور تین ہزار بت پرست بھی ہیں مرزا سلطان احمد کے لشکر کی طرف بڑھ رہی ہے۔ وہ کئی قصبے تاخت و تاراج کر چکے ہیں۔ چونکہ سلطان احمد کی فوج کی تعداد کم تھی اور مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لیے سلطان حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نیاز مندی ظاہر کی۔ خواجہ احرار نے مولانا برہان الدین کو حکم دیا کہ وہ مسجد کے حجرہ میں تنہائی میں بیٹھ کر دشمن فوج کی تسخیر پر توجہ کریں۔ جب تک دشمن اسلام کے تابع

نہیں ہو جاتا برہان الدین ہمارے پاس نہ آئیں۔ حضرت خود بھی ایک دن رات مراقبہ میں رہے۔ دوسرے دن مخالف فوج کے افراد گروہ در گروہ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے اور اسلام قبول کرنے لگے۔ انہوں نے سمرقند سے متعلقہ دیہات پر حملہ کر کے جو مال و اسباب لوٹا تھا وہ بلا کم و کاست واپس کر دیا۔ حضرت خواجہ احرار نے ان لوگوں پر بے شمار نوازشات کیں اور سب کو اپنا مرید کر لیا۔ پھر انہیں اپنے اپنے وطن بھیج دیا۔ اپنے دو خادم ان لوگوں کے ہمراہ کر دیے۔ ایک حافظ قرآن اور دوسرے فقیہ تاکہ سب کو قرآن کی تعلیم دیں اور مسائل کی تلقین کریں۔

واقعہ وفات: خواجہ برہان الدین نے ۸۹۳ھ میں وفات پائی۔ آپ اپنے پیر و مرشد خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے سمرقند میں فوت ہوئے اور سمرقند کے "گورستان ملایان" میں دفن ہوئے۔

قطعہ

رفت زیب عالم چو در باغ بہشت — پیر عاشق زندہ دل برہان دین
"قطب کامل خاص" تاریخش بگو — نیز "عاشق زندہ دل برہان دین"

مولانا جعفر قدس سرہ

آپ بھی خواجہ عبیداللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کے صاحب کمال اور صاحب حال و مال خلیفہ ہیں۔ آپ عارف کامل اور عالم و عامل تھے۔ آپ پر استغراق اور بے خودی غالب رہتی تھی۔ نماز میں قرات لمبی کرتے تھے۔

وفات: آپ کے خواجہ احرار کے سامنے ۸۹۳ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

قطعہ

رفت چوں زیں جہان خلد برین　　شیخ دین خواجہ جہاں جعفر
سال تاریخ رحلتش گفتم　　"عارف کامل زمان جعفر"

۸۹۳ھ

خواجہ محمد اکبر المشہور بخواجہ کلان قدس سرہ

خواجہ سعد الدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ کے پہلوٹھے بیٹے اور ان کے عظیم خلیفہ ہیں۔ حضرت آپ کو سب بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اور آپ پر بہت مہربان تھے۔ چنانچہ پدر بزرگوار کی کمال تربیت سے علوم ظاہری میں طاق اور رموز باطنی میں شہرہ آفاق تھے۔ والد کی وفات کے بعد مسند ارشاد کو رونق بخشی اور ہزاروں طالبان حق کو مطلوب تک پہنچایا۔

وفات: آپ ۸۹۴ھ میں داغ مفارقت دے گئے۔

قطعہ

چو رفت آن خواجہ اکبر بجنت　　بتاریخش قلم برداشت "سرور"
رقم شد "رحمت حق سید دین"　　دگر کامل ستون دین اکبر

۸۹۴ھ　　۸۹۴ھ

خواجہ ناصر الدین عبداللہ بن محمود بن شہاب الدین احرار نقشبند قدس سرہ

آپ خواجہ محمد باقی بغدادی کی اولاد ہیں۔ ابتدا میں ولایت "شاش" میں رہائش تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ شیخ عمر باغستانی کی اولاد میں سے ہیں۔

باغستان' تاشقند کے مضافات میں ایک گاؤں ہے۔ شیخ عمر باغستان کی نسبت سولہ واسطوں سے حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتی ہے۔ خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کے والد ماجدہ محمود شاشی ہیں جو اپنے عہد میں ولایت طریقت کے والی اور وادی حقیقت کے ہادی تھے۔ اگرچہ خواجہ احرار کو بہت سے بزرگوں سے نسبت طریقت تھی مگر آپ کو طریقت میں خاص نسبت حضرت خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہ سے تھی اور آپ کا سلسلہ بیعت خواجہ یعقوب سے درست طور پر ثابت و واضح ہے۔

صاحب "رشحات" فرماتے ہیں کہ خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ علوم ظاہری حاصل کرنے کے بعد تاشقند سے نکلے۔ سمرقند اور بخارا وغیرہ کی جگہ جگہ سیر کی۔ خواجہ بہاء الدین شاہ نقشبند کے کئی خلفاء سے ملے' ان کی مجلسوں میں گئے اور باطنی فیض حاصل کیا۔ آخر سمرقند پہنچے اور ایک بزرگ ولی سید قاسم کی خدمت میں آئے۔ مولانا شرف الدین خاموش سے کئی بار ملاقاتیں ہوئیں۔ خواجہ سراج الدین بیرمنی' مولانا حسام الدین' مولانا حمید شاشی اور خواجہ علاء الدین وغیرہ کی زیارت کی۔ اس کے بعد خواجہ یعقوب چرخی کی خدمت میں حاضری دی۔ ان کی بیعت کی اور مرید ہوگئے۔ چند سال آپ کی خدمت میں رہ کر منازل سلوک کی تکمیل کی۔

صاحب کتاب "روضتہ السلام" فرماتے ہیں کہ جب خواجہ احرار کے دادا خواجہ شہاب الدین کا آخری وقت آیا تو اپنے دونوں بیٹوں خواجہ محمد اور خواجہ محمود رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کو فرمایا کہ اپنے اپنے بیٹوں کو میرے پاس لاؤ تاکہ الوداع کروں۔ پہلے خواجہ محمد اپنے دونوں بیٹوں کو لائے۔ انہیں الوداع کیا گیا۔ بعد ازاں خواجہ محمود نے اپنے صاحبزادے خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کو پیش کیا۔ وہ اس وقت سب سے چھوٹے تھے۔ جونہی خواجہ شہاب

الدین کی نظر ان پر پڑی تو بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ خواجہ عبیداللہ کو گود میں بٹھایا اور فرمایا "جس بیٹے کی حق تعالیٰ کی طرف سے مجھے بشارت ملی تھی وہ یہی ہے۔ جلد ہی یہ پیر عالمگیر ہوگا' شریعت کی ترویج کرے گا اور طریقت کو رونق بخشے گا۔

جب خواجہ احرار سمرقند میں تھے' مرزا بابر اور مرزا شاہ رخ لاکھوں کا لشکر جرار لے کر خراسان سے سمرقند کو فتح کرنے کے لیے آئے' سمرقند کا محاصرہ کر لیا۔ حاکم سمرقند مرزا سلطان ابوسعید حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی فوجی طاقت کی کمی کا اظہار کیا' فرار کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت نے اسے تسلی دی اور فرمایا شہر میں ہی رہو فتح تمہیں ہی حاصل ہوگی۔ اس وقت سلطان کی فوج کا حوصلہ پست ہو چکا تھا اور یہ کہا جا رہا تھا کہ خواجہ ہم سب کو مروائیں گے۔ دس ہزار فوج بھلا لاکھوں کی فوج کا کیا مقابلہ کرے گی؟ ادھر بابری لشکر کے امیر الامرا اور سپہ سالار خلیل ہندو نے اپنی فوج کے ساتھ سمرقند کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ سلطان ابوسعید کی طرف سے کچھ فوج قلعہ سمرقند کے اندر سے نکل کر باہر آئی اور دشمن سے جنگ شروع کر دی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ معمولی جنگ کے بعد مخالف فوج کا سپہ سالار خلیل ہندو گرفتار کر لیا گیا۔ بابری فوجیوں کی کافی تعداد کو بھی سمرقندیوں نے جنگی قیدی بنا لیا۔ اس کے ساتھ ہی جنگ رک گئی۔ چند دنوں کے بعد بابری فوج میں وبا پھیل گئی۔ ہزاروں فوجی طاعون سے مر گئے۔ مرزا بابر نے مجبور ہو کر صلح کے لیے مولانا محمد کو حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیجا۔ صلح ہوئی' خلیل ہندو کو رہا کروانے کے بعد بابری فوج کوچ کر گئی۔

ایک اور مرتبہ مرزا سلطان محمود' جو حاکم سمرقند مرزا سلطان احمد کا بھائی تھا سمرقند فتح کرنے کے ارادہ سے عظیم فوج لے کر اور چغتائی لشکر کی کمک

لے کر سمرقند کے قریب پہنچا۔ مرزا سلطان احمد کے پیر و مرشد خواجہ احرار نے سلطان محمود کو ایک خط لکھا جس میں اسے شرعی دلائل دے کر مخلوق خدا کو تکلیف نہ پہنچانے کی نصیحت کی۔ اس کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ مرزا سلطان احمد کے پاس فوج کی تعداد کم تھی۔ وہ بے حد خوفزدہ ہوا اور بھاگنا چاہا۔ خواجہ احرار نے فرمایا "تم جامع مسجد کے ایک حجرہ میں بیٹھ جاؤ' جنگ کرنا اور دشمن کو بھگانا یہ ہمارا کام ہے" چنانچہ آپ نے اپنے خلفاء مولانا سید حسن' مولانا قاسم' میر عبدالاول اور مولانا جعفر کو حکم دیا کہ آپ چاروں ساتھی شہر کے دروازوں کی منڈیر پر چلے جاؤ جس طرف مرزا سلطان محمود کی فوج ہے۔ وہاں جا کر مراقبہ میں بیٹھو اور دشمن کو بھگانے پر توجہ دو۔ اور جب تک دشمن بھاگ نہ اٹھے ہمارے پاس نہ آنا۔ پھر آپ نے فوج کو جنگ کا حکم دیا۔ جب لڑائی کی آگ بھڑکی تو دشت خپچاق کی طرف سے بادل اور آندھی اٹھی۔ دنیا تاریک ہوگئی' حالت یہ ہوگئی کہ دشمن کے کسی شخص کو آنکھ کھولنے کی ہمت نہ رہی۔ مگر سمرقندی فوج مصروف جنگ تھی اور ان پر مٹی اور آندھی کے طوفان کا کچھ اثر نہ تھا ادھر دشمن کی فوج کے خیمے اکھڑ گئے بلکہ اڑ گئے۔ گھوڑے اور خچر رسیاں تڑوا کر کوہ و بیابان میں آوارہ ہوگئے۔ غرضیکہ دشمن کی پوری فوج تتر بتر ہوگئی اور گروہ در گروہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ادھر حاکم سمرقند کی فوج نے ان کا تعاقب کیا۔ ان کے گھوڑے اور خچر اور بہت سامان لوٹ لیا اور شہر میں لے آئے۔ جب غنیم کی فوج مفرور ہوگئی سمرقند کی فوج کو فتح حاصل ہوگئی تو چاروں بزرگوں نے مراقبہ ختم کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلطان احمد مرزا کو حجرہ سے باہر لا کر تخت سلطنت پر بٹھایا۔

شاہ رخ مرزا کے صاحبزادے شیخ ابوسعید سے نقل ہے کہ جب خواجہ

احرار رحمتہ اللہ علیہ ہرات میں تھے تو بندہ کبھی کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ آپ مجھ پر بے حد عنایت و شفقت فرماتے۔ اس وقت میں ایک خوبصورت عورت کی طرف مائل تھا۔ ایک روز اس عورت سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اس عورت سے ہم آغوش ہونا چاہا تو اچانک مکان کے باہر سے خواجہ کی آواز کی طرح کی آواز سنائی دی کہ اے ابوسعید! کیا کر رہا ہے؟ اور یہ کیسی حرکت تم سے سرزد ہو رہی ہے؟ یہ آواز سنتے ہی مجھ پر خوف و رعب غالب ہوگیا۔ آثار شہوت یکسر زائل ہوگئے۔ عورت کو دوڑا دیا اور سیدھا حضرت خواجہ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا "اے ابوسعید! اگر توفیق حق تیرا ساتھ نہ دیتی تو شیطان تمہیں بھٹکا چکا ہوتا"۔

ابوسعید مرزا ہی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شراب پینے کا سودا میرے سر میں سمایا۔ چونکہ میں خود گھر میں شراب نہیں لا سکتا تھا اپنے نوکر سے کہا جب رات کا ایک پہر گزر جائے تو تم کوزہ شراب میرے گھر کی دیوار کے نیچے لانا۔ میں اوپر سے اپنی پگڑی پھینک کر اسے اوپر کھینچ لوں گا۔ غرض وقت مقررہ پر میرا نوکر کوزہ شراب لایا۔ میں نے اپنی پگڑی لٹکائی۔ اس نے پگڑی کے ساتھ کوزہ باندھ دیا۔ میں اوپر کھینچ رہا تھا کہ کوزہ دیوار کے ساتھ ٹکرایا اور ٹوٹ گیا۔ مجھے بہت پریشانی ہوئی اور صدمہ پہنچا۔ میں اسی حالت میں سوگیا۔ صبح میں نیچے دیوار کے پاس گیا اور ٹوٹے ہوئے کوزہ کو دور پھینک دیا۔ پانی لا کر زمین صاف کر دی تاکہ شراب کی بو زائل ہو جائے۔ اس کے بعد خواجہ احرار کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سب سے پہلی بات آپ نے یہ کی کہ رات کو میں نے کوزہ کھینچنے کی آواز سنی جو تم نے محل سے چھت کی طرف کھینچا تھا اگر وہ کوزہ نہ ٹوٹتا تو ہمارا دل ٹوٹ جاتا اور پھر کسی صورت ملاقات نہ ہو سکتی۔ یہ بات سن کر میں بہت شرمندہ ہوا۔

ایک روز خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ سوار ہو کر صحرا میں جا رہے تھے کہ ایک شخص نے عرض کی کہ میرا غلام کئی دنوں سے بھگوڑا ہو چکا ہے۔ میرے سارے کاروبار کا دارومدار اس پر تھا۔ کہیں سے اس کی اطلاع نہیں مل رہی۔ اگر آپ اس بارے میں توجہ فرمائیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ حضرت نے ایک لحظہ کے لیے اپنی طرف توجہ فرمائی پھر کہا کہ فلاں گاؤں میں جا کر اپنا غلام تلاش کرو جو ایک کوس سے زیادہ فاصلہ پر نہیں' وہیں مل جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ عرض کی میں کئی بار وہاں گیا ہوں اور تلاش کیا ہے لیکن وہ نہیں ملا۔ فرمایا کہ پھر جاؤ' مل جائے گا۔ وہ شخص اس گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ جب اس گاؤں کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ غلام پانی کا گھڑا سامنے رکھے حیران بیٹھا ہے۔ قریب پہنچ کر اسے پکڑ لیا اور حال پوچھا تو وہ بولا کہ جب میں آپ کے گھر سے بھاگا تھا تو ایک شخص نے مجھے پکڑ کر خوارزم میں ایک امیر آدمی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ میں اس شخص کی خدمت کرنے لگا۔ آج اس شخص نے مجھے پانی لانے کا حکم دیا۔ میں پانی کا گھڑا اٹھائے کنوئیں پر گیا' گھڑا بھرا' سر پر رکھا تو اپنے آپ کو یہاں پایا۔ حیران ہوں کہ کہاں ولایت خوارزم اور کہاں یہ جگہ؟ میں کہاں تھا اور کہاں آ گیا؟ اور یہ پلک جھپکنے میں مجھے کون یہاں لے آیا؟ یہ بات سن کر اس شخص پر خاص کیفیت طاری ہوئی' فوراً غلام کو آزاد کر دیا اور خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہو گیا۔

ولادت: خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ماہ رمضان ۸۰۶ھ میں ہوئی۔ صاحب "رشحات" فرماتے ہیں کہ خواجہ نے پیدا ہونے کے چالیس دن تک ابھی والدہ کا دودھ نہ پیا۔ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہی ہوتی ہے۔ جب والدہ نے غسل طہارت کر لیا تو آپ نے دودھ پیا۔ آپ باغستان میں پیدا ہوئے جو ملک تاشقند میں ایک گاؤں ہے۔

وفات: یکم محرم ۸۹۵ھ میں بیماری آپ پر غالب ہوئی اور بروز ہفتہ ۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ میں دنیائے فانی سے کوچ کیا۔ آپ ۸۹ دن بیمار رہے۔ آپ کی عمر بھی ۸۹ سال تھی۔ آپ کا مزار شریف سمرقند میں ہے۔

قطعہ تاریخ ولادت

عبیداللہ والا خواجہ دین امام ہر دو عالم شاہ ابرار
دلش چوں اہل شوق و ذوق حق بود شدہ تولید او از ذوق اظہار

۸۰۶ھ

قطعہ تاریخ وفات

رفت چون از جہان بہ خلد برین خواجہ احرار شیخ عالی جاہ
ہست کامل ولی شہ جنت سال ترحیل آن "خدا آگاہ"

۸۹۵ھ

مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ باسرارہ السامی

اصلی لقب: عماد الدین۔ نام: عبدالرحمٰن
مشہور لقب: نور الدین۔
والد کا نام: مولانا نظام الدین احمد غلامی

پہلے اصفہان میں رہائش تھی بعد میں حوادث زمانہ کی وجہ سے ترک وطن کر کے "خرجام" تشریف لائے۔ آپ کے آباؤ اجداد کی نسبت چند واسطوں سے امام محمد شیبانی رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔ بچپن سے ہی آپ پر بزرگی کے آثار واضح تھے۔ بالغ ہونے سے پہلے ہی قرآن شریف حفظ کر لیا۔ صرف، نحو، منطق، معانی کے علوم میں نمایاں فضیلت حاصل کی۔ ہرات

میں مولانا خواجہ علی سمرقندی کا درس تھا۔ وہ اپنے دور کے عظیم محقق تھے۔ ان کے مدرسہ سے ملا جامی نے تمام ظاہری علوم حاصل کیے۔ اب علوم باطنی سیکھنے کی تڑپ پیدا ہوئی تو ہرات سے سمرقند آئے اور خواجہ سعدالدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے مرید ہوگئے۔ آپ نے سخت ریاضت اور مجاہدے کیے۔ جب جذب اور کیفیت میں قوی ہوگئے تو بے تابانہ سفر کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں تھوڑا سا شعور بیدار ہوا تو مرشد کے دیدار کا شوق غالب آیا۔ آپ بے اختیار ہو کر واپس آئے۔ مرشد کی خدمت میں حاضری دی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک خواجہ فخر الدین' برہان الدین' جلال الدین اور شرف الدین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کی خدمت سے شرف یاب ہوئے۔ پھر خواجہ ناصر الدین عبیداللہ احرار نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت سے استفادہ کا موقع ملا۔ وہیں تکمیل پائی اور ظاہر و باطن میں مکمل ہوگئے۔ بارہ سال تک اس باکمال شخصیت کی خدمت میں حاضر رہے۔ پھر ہرات سے سفر حجاز کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں نیشاپور' سبزوار اور بسطام وغیرہ میں بعض اولیاء حضرات کی زیارتوں سے مشرف ہوتے ہوئے بغداد پہنچے اور حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے روضہ منورہ اور بغداد کے دیگر بزرگوں کے مزارات کی زیارت کی۔ بغداد سے دشت کربلائے معلی گئے۔ وہاں سید الکونین امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ مطہرہ اور دیگر شہداء کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات کی زیارت کی۔ واپس بغداد آئے۔ شیعہ مذہب کے چند علماء نے مولانا جامی کی تصنیف "کتاب سلسلۃ الذہب" کے کچھ شعروں پر اعتراض کیا اور مولانا سے بحث کرنی چاہی۔ چنانچہ مجادلہ و مباحثہ کے لیے ایک عظیم مجلس منظم کی گئی۔ علماء' صلحائے' اور حکمران سبھی آئے۔ شیعہ

علماء کی طرف سے "نعمت حیدری" نامی ایک شخص جو ان سب سے زیادہ علم مناظرہ میں بڑھا ہوا تھا مولانا سے مقابلہ کرنے کے لیے محفل میں حاضر ہوا۔ مولانا نے اس سے پوچھا کہ آپ ہمارے ساتھ شریعت کی رو سے بحث کریں گے یا طریقت کی رو سے؟ وہ بولا دونوں طریقوں سے۔ آپ نے فرمایا پہلے اپنی مونچھوں کے بال درست کرو جو لمبے ہیں اور حد شرع سے بڑھے ہوئے ہیں تاکہ میں تمہارے ساتھ بات کروں۔ جب تک تیری لبوں کے بال درست نہیں ہو جاتے شریعت کی بات تیرے ساتھ کرنا حرام ہے۔ بغداد کا حاکم مجلس میں حاضر تھا۔ اس نے قینچی لانے کا حکم دیا مگر حاضرین نے قینچی کا انتظار نہ کیا اور قینچی آنے سے پہلے ہی "نعمت حیدری" کی مونچھوں کے سب بالوں کو نعمت عظمیٰ اور تبرک کبریٰ سمجھ کر ہاتھوں سے اکھیڑ لیا۔ اس حالت سے گزرنے کے بعد نعمت حیدری کو بات کرنے کی ہمت نہ رہی۔ آخر ناکام و نامراد ہو کر محفل سے اٹھا اور چلا گیا۔

مولانا بغداد سے مدینہ مقدسہ تشریف لے گئے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی زیارت کی۔ وہاں سے نجف شریف آئے اور امیر المومنین اسد اللہ غالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے روضہ مطہرہ کا دیدار کیا۔ واپس پھر مدینہ منورہ گئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد مکہ معظمہ پہنچے۔ طواف بیت اللہ کیا۔ مناسک حج ادا کیے۔ وہاں سے واپس مدینہ شریف گئے۔ اب آپ نے شام، روم، حلب اور دمشق کی سیر کی۔ بالآخر خراسان گئے۔ اس طویل سفر میں آپ نے سینکڑوں اولیاء اللہ اور روئے زمین کے قطب حضرات کے ساتھ ہم نشینی کی اور ولایت کے درجات کی ترقی سے مستفید و مستفیض ہوئے۔

ایک کسان نے مولانا جامی سے اونٹ خریدا اور اس پر بوجھ لادا۔ چند

دنوں کے بعد اونٹ جس پر بہت زیادہ بوجھ لادا جاتا تھا دریا کی ریت میں گرا اور مر گیا۔ وہ کسان مولانا کے پاس آیا اور کہا کہ آپ نے نہایت کمزور' عیب دار اور بیمار اونٹ مجھے دے دیا تھا جو تھوڑے ہی دنوں میں مر گیا۔ اب آپ مجھے میرے پیسے واپس کر دیں۔ اس نے خواجہ کے حضور بے ادبی اور بدگوئی کی۔ خواجہ نے رقم اسے واپس کر دی اور نہایت تیز نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ باہر نکلا' چند قدم چلنے کے بعد گرا' بے ہوش ہوا۔ جب دیکھا تو مرا پڑا تھا۔

مولانا شمس الدین محمد روحی خواجہ سعد الدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ کے جلیل القدر ساتھیوں میں سے ہیں۔ آپ کا بیان ہے کہ ایک روز میں اور مولانا جامی دریا کے کنارے بیٹھے تھے کہ ایک ایک مردہ خار پشت پانی پر ظاہر ہوا۔ مولانا نے اسے پانی پر سے پکڑ لیا۔ زمین پر رکھا۔ ایک ساعت بعد اپنا دست مبارک اس کی پیٹھ پر ملا۔ اس نے حرکت کی اور اپنی دونوں آنکھیں کھولیں اور خلاف عادت زمین سے کود کر خواجہ کے زانو پر بیٹھ گیا۔ جب آپ دریا کے کنارے سے اٹھے اور شہر کا رخ کیا تو خار پشت زمین پر رکھ دیا اور چل پڑے۔ خار پشت بھی مولانا کے پیچھے پیچھے چل پڑا اور بڑی کوشش کر کے مولانا کے برابر آ گیا۔ آخرکار چند سوار ہمارے اور خار پشت کے درمیان آ گئے اس وجہ سے وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

مولانا کا ایک شاگرد عالم سفر حجاز میں مولانا کے ساتھ تھا۔ ایک روز وہ طواف بیت اللہ کر رہا تھا کہ اچانک ایک نہایت حسین و جمیل شخص اس کے پاس سے گزرا۔ اس عالم نے اس کی طرف رغبت سے دیکھا۔ دیکھتے ہی اس کی آنکھ کو ایسی سخت تکلیف ہوئی گویا کسی نے اس کی آنکھ میں تیرا مارا ہے۔ اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ درد اور تکلیف کے مارے

وہ وہیں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد جب آنکھوں کا پانی خشک ہوگیا اور حالت سنبھلی تو مولانا کی خدمت میں آیا۔ مولانا کی نظر اس پر پڑی تو فرمایا "ہمارے شاگردوں میں سے کچھ لوگ عین طواف کعبہ میں خوبصورت آدمیوں کو دیکھتے ہیں۔ پس ایک فرشتہ کو حکم ہوتا ہے' وہ ان کے منہ پر طمانچہ مارتا ہے جس سے ان کی آنکھوں سے پانی نکل کر ان کے رخساروں پر بہنے لگتا ہے۔ وہ لوگ درد اور تکلیف سے وہیں بیٹھ جاتے ہیں اور جب آنکھوں کا پانی خشک ہو جاتا ہے اور حالت سنبھل جاتی ہے تو ہمارے پاس آ جاتے ہیں" جس شخص پر یہ حالت گزری تھی یہ بات سن کر سخت شرمندہ ہوا۔ حضرت کے پاؤں پر گر پڑا اور معذرت کی۔

مولانا کا ایک شاگرد ہرات میں بیمار تھا جب کہ مولانا سفر حجاز پر تھے۔ آخر اس مریض کی یہ کیفیت ہوگئی کہ وہ ایک گھڑی کا مہمان نظر آنے لگا۔ گھر والوں نے یہ دیکھ کر ان کے کفن و دفن کا انتظام کر لیا۔ اس مشکل گھڑی میں اس نے مولانا کو یاد کیا۔ یاد کرنے کی دیر تھی کہ ایک ساعت کے لیے اس پر حالت بیہوشی طاری ہوگئی۔ وہ سوگیا۔ خواب میں دیکھا کہ کہ مولانا جامی تشریف لائے ہیں اور فرمایا ہے کہ اے شخص! ہم تیری حالت سے غافل نہیں ہیں۔ انشاء اللہ تو ٹھیک ہو جائے گا۔ بیدار ہوا تو وہ تندرست تھا۔ گویا کہ کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا۔ گھر والے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ بیمار سے حال پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں نے مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ کی توجہ سے شفا پائی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس بزرگی کے باوجود مولانا جامی کبھی اپنی درویشی یا کرامت کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ مولانا نے کئی کتابیں لکھیں جن کی تعداد چوالیس ہے۔ یہی لفظ "جام" کے اعداد ہیں۔ چنانچہ آپ کی کتابیں یوسف

زلیخا' سلسلۃ الذہب اور شرح ملا وغیرہ پوری دنیا میں مشہور و معروف ہیں اور کسی کو بھی ان کی اہمیت و افادیت سے مجال انکار نہیں۔

ولادت: آپ خرخرجام میں بوقت عشاء ۲۳ شعبان المعظم ۸۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات: جمعہ کے دن ۱۸ محرم الحرام ۸۹۸ھ میں خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے تین سال بعد فوت ہوئے۔ آپ کی عمر ۸۱ برس ہے۔ آپ کا مزار مبارک "خیابان ہرات" میں ہے۔

اولاد: حضرت خواجہ سعد الدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ کی پاکدامن صاحبزادی سے مولانا کا نکاح ہوا۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ اول صفی الدین جو ایک سال کی عمر میں فوت ہوئے اور ان کی تاریخ وفات "فخر" کے لفظ سے نکلتی ہے کہ اس سے ۸۸۸ھ کا سن معلوم ہوتا ہے۔ دوم خواجہ ضیاء الدین۔ آپ بدھ ۹ شوال ۸۸۲ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات بروز جمعہ وقت چاشت ۵ شوال ۹۱۹ھ میں ہوئی۔ سوم خواجہ ظہیر الدین آپ خواجہ ضیاء الدین کی وفات کے نو سال بعد پیدا ہوئے اور مولانا جامی کی وفات کے وقت آپ کی عمر چار سال تھے۔ خواجہ ظہیر الدین نے بروز جمعرات ۵ محرم ۹۳۸ھ میں وفات پائی۔ یہ مولانا کے سب سے پہلے بیٹے تھے۔ پیدا ہونے کے بعد ایک دن زندہ رہے اور ابھی آپ کا نام بھی نہ رکھا گیا تھا کہ رحمت حق سے جا ملے۔

کتاب "رشحات" میں درج مولانا جامی کی تاریخ وفات

جامی کہ بود بلبل جنت قرار یافت　　فی روضہ خلدۃ ارضا اسماء

کلک قضا نوشت از ان بر در بہشت　　تاریخہ و "من دخلہ کان منا"

قطعہ تاریخ ولادت از مولف

خواجہ جامی ولی ساقی جام　　جرعہ نوش جام حب کبریا
"صاحب توقیر" گو تولید او　　نیز "والی جہان مشکل کشا"
۸۱۷ھ　　۸۱۷ھ

قطعہ تاریخ وفات از مولف

وصل او بدرالکرامت گفتہ ام　　تاشد از تاریخ حاصل مدعا
۸۹۸ھ

نیز فرما "خواجہ جامی بزرگ"　　بہر وصل آن امام اولیاء
۸۹۸ھ

سید میر عبدالاول قدس سرہ

آپ خواجہ احرار کے مشہور صاحب اور جان نثار مخلص ہیں۔ ابتدا میں نیشا پور سے ماورا النہر حضرت خواجہ کی خدمت میں آئے' بیعت کی اور سات سال آپ کی صحبت میں رہے۔ حضرت نے آپ کو اپنی فرزندی میں قبول فرما لیا۔ اپنی صاحبزادی ان کے نکاح میں دی۔ اس خاتون سے سید میر کے تین صاحبزادے ہوئے جو بڑے میر (میر کارن) درمیانے میر (میر میانہ) اور چھوٹے میر (میر خورد) کے نام سے مشہور تھے۔

وفات: یکم ذی الحجہ ۹۰۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

قطعہ

یافت چون آخر مکان اندر بہشت　　عبد اول پیر میر محترم
سید کونین مخدوم آمدہ است　　سال آں روشن ضمیر محترم

مولانا شمس الدین محمد روحی قدس سرہ

آپ خواجہ سعد الدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ کے ایک مشہور مصاحب ہیں۔ مولانا جامی کی صحبت سے بھی فیض اٹھایا۔ علوم ظاہری و باطنی پر عبور تھا۔ رموز صوری اور معنوی کے مظہر تھے۔ جامع ہرات میں طالبوں کو دعوت حق دیتے۔ روح نامی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے جو ہرات سے نو فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔

صاحب "رشحات" فرماتے ہیں کہ مولانا شمس الدین کی پیدائش سے پہلے ان کے والد کا ایک پانچ سالہ بیٹا فوت ہوچکا تھا اس لیے وہ نہایت غمگین رہتے تھے۔ ایک رات حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے اور فرمایا دل خوش رکھو کہ جناب حق سے تجھے ایک بیٹا عطا کیا جائے گا جو صاحب دولت دین و دنیا ہوگا۔ لمبی عمر پائے گا۔ اس کے بعد شمس الدین پیدا ہوئے۔ بچپن میں ہی آثار ولایت و بزرگی آپ کی پیشانی سے عیاں تھے۔ آپ کے والد سوداگر اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ خواجہ شمس الدین نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے فیض و برکت پائے۔ علوم ظاہری سے فارغ التحصیل ہو کر خواجہ سعد الدین رحمتہ اللہ علیہ کے حضور حاضر ہوئے' بیعت کی اور تکمیل کی۔ ان کی وفات کے بعد مولانا جامی جب تک زندہ رہے' آپ ان کی خدمت میں حاضر رہے اور ان کی صحبت سے فائدہ اٹھایا۔

ایک بار خواجہ شمس الدین رحمتہ اللہ علیہ تین رات دن تک مسجد جامع میں مشغول عبادت رہے اور کچھ نہ کھایا۔ چوتھے دن بھوک کی آگ کا شعلہ

بھڑکا۔ اٹھے اور کھانے کی تلاش میں مسجد سے قدم باہر رکھا۔ ہاتف غیبی نے آواز دی افسوس! تونے ایک روٹی کے لیے ہماری ہم نشینی کو فروخت کر ڈالا۔ یہ سن پر پاؤں واپس رکھ لیا اور اپنے منہ پر ایک زور کا تھپڑ رسید کیا اور پہلے کی طرح مسجد میں جا کر مشغول عبادت ہوگئے۔ اچانک ایک نورانی شخص جسے کبھی نہ دیکھا تھا' حاضر ہوا۔ کھانے کا دسترخوان سامنے رکھا اور غائب ہوگیا۔ غالبًا وہ خضر تھے۔ آپ نے اٹھ کر کھانا کھایا۔ اپنے پیر خواجہ سعد الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ ابھی منہ سے کوئی بات نہ نکالی تھی کہ حضرت نے فرمایا "جو غیب سے ہے وہ بے عیب ہے"۔

ہرات میں ایک معمار فاسد و بدکار رہتا تھا۔ بلا کا شراب نوش تھا۔ ایک دن خواجہ شمس الدین' مولانا سعد الدین کاشغری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ سے تشریف لے آرہے تھے۔ جب سلطان حسین مرزا کے مدرسہ کی عمارت میں پہنچے تو وہ معمار وہاں تعمیر کا کام کر رہا تھا۔ خواجہ کو دیکھ کر دیوار سے اتر کر نیچے آیا اور بڑی حسرت سے آپ کا نورانی چہرہ دیکھا۔ مولانا نے بھی اس کی طرف نگاہ کی۔ گویا آپ کی یہ نظر ایک تیر تھا جو اس کے سینہ میں پیوست ہوگیا۔ وہ بے قرار ہو کر آپ کے پیچھے ہولیا۔ مسجد میں پہنچ کر وضو کیا' خواجہ کا مرید ہوا اور سعادت دارین پائی۔

شیخ محمد روحی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "شروع میں مجھے اس بات کی آرزو تھی کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھوں۔ ایک دن والدہ ماجدہ کے پاس گیا تو ان کے پاس ایک کتاب تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ جو کوئی یہ دعا شب جمعہ سو بار پڑھے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے گا۔ اتفاقا" آئندہ رات شب جمعہ تھی۔ میں نے والدہ سے یہ دعا پڑھنے

کا اذن لیا۔ اپنے گھر کی تنہائی میں گیا اور دعا کو بترتیب پڑھا اور تین ہزار دفعہ درود شریف کا اس پر اضافہ کیا۔ سویا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ کے ساتھ بہت سے اور حضرات بھی ہیں۔ آپ خطوط لکھوا کر دنیا کے مختلف علاقوں میں بھیج رہے ہیں۔ آپ املا کروا رہے ہیں اور لکھنے والا لکھ رہا ہے اور لکھنے والے مولانا شرف الدین عثمان زیارت گاہی ہیں۔ میری والدہ بھی خدمت میں حاضر ہیں اور میں بھی اپنی والدہ کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوں۔ اسی اثنا میں میری ماں نے عرض کی یاحضرت! جس بیٹے کے بارے میں آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ دراز عمر اور صالح ہوگیا وہ یہی ہے۔ آنحضرتؐ نے نظر فیض اثر مجھ پر ڈالی' تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ ہاں یہی فرزند موعود ہے۔ اس کے بعد حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ عثمان کو جو خطوط لکھ رہے تھے اجازت دی کہ اس لڑکے کے لیے ایک مکتوب لکھ دو۔ مولانا نے ایک کاغذ پر تین سطریں تحریر فرمائی اور ان سطروں کے نیچے کچھ الگ الگ عبارتیں لکھیں جیسے لوگ دستاویزات میں گویا بیاں لکھتے ہیں۔ یہ کاغذ لپیٹ کر انہوں نے مجھے دے دیا۔ میں چل پڑا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ خط کا مضمون تو میں نے سمجھا ہی نہیں۔ واپس آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی یارسول اللہ! مجھے نہیں معلوم کہ اس کاغذ میں کیا ہے؟ آپؐ نے کاغذ میرے ہاتھ سے لے کر پڑھا اور میں نے آپ کے ایک دفعہ پڑھنے سے ہی مضمون یاد کر لیا۔ آنحضرت نے کاغذ لپیٹ کر مجھے دے دیا۔ میں چاہتا تھا کہ آپ سے پھر کچھ

دریافت کروں کہ اسی دوران میری آنکھ کھل گئی؟ دیکھا کہ میری ماں ہاتھ میں شمع پکڑے میرے سرہانے کھڑی ہیں۔ مجھے بیدار ہوتا دیکھ کر پوچھا کہ شمس الدین محمد خواب میں کچھ دیکھا ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ کہا جو کچھ تم نے خواب میں دیکھا ہے میں نے اسے جاگتے میں دیکھا ہے اور پھر پوری کیفیت بیان کر دی۔

ولادت: آپ شب برات ۱۴ شعبان ۸۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات: آپ نے بروز ہفتہ وقت چاشت ۱۶ رمضان ۹۰۴ھ میں وفات پائی۔ اتوار کے دن آپ کی نعش مبارک خیابان لے گئے اور نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد خواجہ سعد الدین رحمتہ اللہ علیہ کے پیچھے تخت مزار میں دفن کیا۔ چودہ ماہ کے بعد وہاں سے لاش نکال کر گاذرگاہ لے جائی گئی اور خواجہ شمس الدین نے اپنے لیے جو قبر تعمیر کروائی تھی اس میں اس خزانہ کو مدفون کیا گیا۔

رشحات میں مندرجہ قطعہ تاریخ وفات

"شیخ روحی" کہ بد در استحقاق — زیدۂ عارفان روئے زمین
کرد پرواز از نشیمن خاک — روح پاکش باوج علیین
"مرشد عصر" ہست تاریخش — کانقا قات گشت کشف ہمیں

ولادت کا قطعہ از مولف

گشت شمس الدین چو روشن در جہان — سال تولیدش بقول اصفیاء
"مہربان محبوب شمس دین" بخوان — نیز "شمس الاصفیاء اہل صفا"

۸۲۰ھ — ۸۲۰ھ

قطعہ وفات از مولف

ہست وصل او "ولی پر نور شمس" ہادی اسلام شمس الاکرمین
۹۰۴ھ

ہم نجوان "مہدی و کرم مقتدا" گشت حاصل بہر سالش مدعا
۹۰۴ھ

خواجہ محمد یحییٰ قدس سرہ

خواجہ عبیداللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے بیٹے ہیں اور آپ کو بہت پیارے تھے۔ خواجہ نے انہیں اپنی زندگی میں اپنا قائم مقام بنایا اور خانقاہ کی تولیت بھی ان کے سپرد کی۔ خواجہ محمد یحییٰ کو خواجہ محمد رومی رحمتہ اللہ علیہ سے بہت محبت تھی کہ ان سے ملنے کے لیے کئی بار سمرقند سے ہرات تشریف لائے۔

ایک روز خواجہ محمد یحییٰ قریہ "قرشی" کے مقام پر بعد نماز ظہر اپنے والد بزرگوار خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ خلوت میں تھے اور اپنے باطنی احوال پیش کر رہے تھے۔ جونہی عصر کی نماز کا اول شروع ہوا موذن نے جو اس خلوت سے بے خبر تھا' اذان کہی۔ اذان سنتے ہی خواجہ احرار خلوت سے اٹھے اور یوں خلوت والا معاملہ مکمل نہ ہوسکا۔ اس واقعہ سے خواجہ یحییٰ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ والد صاحب کے کچھ مصاحبوں کو اس خلوت پر رشک آیا ہے اور انہوں نے چاہا ہمارا کام نامکمل رہے اور ہماری خلوت میں فتور پیدا ہو ان ہی لوگوں نے موذن کو اذان کا اشارہ کیا' اس نے اذان کہہ کر ساری صحبت کو برہم کر ڈالا۔ یہ پختہ خیال لیے خواجہ یحییٰ باہر آئے اور جملہ حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا کہ صاحبو! ہم جا رہے ہیں۔ آپ حضرات کو حضرت خواجہ کی مجلس مبارک ہو۔ یہ کہا اور اپنے والد بزرگوار سے اجازت

لیے بغیر اسی وقت سوار ہوئے اور سفر حجاز کا عزم کیا۔ اپنے خادموں سے فرمایا کہ ہمارے پیچھے آہستگی سے آنا۔ جب لوگ اس بات سے واقف ہوئے تو انہوں نے شور و غوغا کیا اور خواجہ کے حضور حقیقت بیان کی۔ حضرت نے مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ کو مامور کیا کہ وہ خواجہ یحییٰ کو واپس لائیں۔ مولانا جامی نے جا کر ہر چند سمجھایا مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ ناچار واپس آئے اور حضرت کو اطلاع کی۔ حضرت نے کچھ جواب نہ دیا۔ ادھر خواجہ یحییٰ نرور کے مقام پر پہنچے تو انہیں تپ محرقہ ہوگیا اور جسمانی طاقت بالکل جاتی رہی۔ جب اپنے والد کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کرتے تپ اتر جاتا اور جب حجاز کی طرف روانہ ہوتے پھر بخار چڑھ جاتا۔ مجبوراً واپس آکر والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کئی سال رہے' اس کے بعد حجاز کے سفر کا ارادہ نہ کیا۔ ایک بار خواجہ احرار کے خاص دوست مولانا سید حسین کو سفارشی بنا کر حصول اجازت کے لیے پدر بزرگوار کے پاس بھیجا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں عرض کی۔ آپ نے فرمایا محمد یحییٰ سے پوچھئے کہ حجاز کیوں جانا چاہتا ہے؟ جب مولانا حسین نے یہ بات پوچھی تو کہا اس حدیث نبوی نے مجھے سفر حجاز پر آمادہ کیا ہے کہ **من رانی میتا فکانما رانی حیا** (جس نے بعد وفات (میری قبر کی زیارت کر کے) مجھے دیکھا گویا اس نے مجھے میری زندگی میں دیکھا) یہ جواب حضرت خواجہ احرار کو بتایا گیا کہ صاحبزادہ صاحب کا مقصد محض حصول زیارت روضہ منورہ نبوی ہے تو فرمایا اس کا جواب تین دن کے بعد ملے گا۔ اس واقعہ کے تین دن بعد خواجہ یحییٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا اپنے والد کو بلاؤ۔ خواجہ احرار آئے تو آپ نے خواجہ کو دائیں طرف اور محمد یحییٰ کو اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دی۔ تینوں نے مراقبہ کیا۔ ایک ساعت بعد جب محمد یحییٰ نے آنکھ کھولی تو دیکھا کہ

ان کے پدر بزرگوار کی صورت بھی حضرت پیغمبر کی صورت ہوگئی ہے اور پیغمبر اور خواجہ کی صورتوں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ صبح سویرے جب والد کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا "بابا محمد یحییٰ! آج رات تمہارے سوال کا جواب مل گیا یا نہیں؟ سفر کا خیال دل سے نکال دو کیونکہ ہم بوڑھے ہوچکے ہیں۔ ہمارے چند روزہ دیدار کو غنیمت سمجھو"۔

خواجہ محمد یحییٰ کا واقعہ شہادت

شاہ بیگ خان مغل نے ولایت سمرقند پر قبضہ کرلیا تو یکم محرم ۹۰۶ھ کو اپنے چند امراء کے ورغلانے پر حضرت خواجہ کا مواخذہ کیا۔ یہ امراء شیعہ امامیہ تھے۔ آپ کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کرلیا گیا۔ امراء آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے مگر شاہ بیگ اس پر رضامند نہ تھا۔ لہٰذا اس نے خواجہ کو مع اہل و عیال خراسان جانے کی اجازت دے دی۔ آنحضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ان دنوں میں جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ والد بزرگوار نے مجھے اس کی کئی بار اطلاع دی تھی مگر یہ وقت اور جگہ پر موقوف ہے۔ آپ سمرقند سے روانہ ہوئے۔ جب تاشقند کے قریب ایک گاؤں "کساب" پہنچے۔ اس دن گیارہ محرم ۹۰۶ھ تھا کہ اچانک شاہ بیگ کے امراء کے بھیجے ہوئے ازبک لوگوں کی فوج کا ایک دستہ گیا۔ ان ظالموں نے خواجہ اور ان کے دو بیٹوں خواجہ محمد زکریا اور خواجہ محمد عبدالباقی کو شہید کر دیا اور دیگر متعلقین کو واپس سمرقند لے گئے۔ اس روز سمرقند میں گویا واقعی قیامت قائم ہوچکی تھی۔ شہر کے تمام باشندے خواجہ اور ان کے بیٹوں کے جنازے پر موجود تھے۔ نماز جنازہ کے بعد تینوں شہیدوں کے جسم مبارک کو دفن کیا گیا۔ **رحمتہ اللہ علیہم رحمتہ" واسعتہ"**

پوشیدہ نہ رہے کہ خواجہ محمد یحییٰ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ دونوں

آپ کے ساتھ ہی شہید ہوگئے تھے۔ تیسرے خواجہ محمد امین تھے جو والد کی شہادت کے بعد مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔

تاریخ وفات

شیخ یحییٰ وحید کامل عصر — اکمل اسعد است سعد و سعید
یافت حق را ہرآنکہ اورا یافت — دید حق را ہرآنکہ اورا دید
کرد رحلت چو زیں جہان فنا — روح پاکش باوج خلد رسید
"صاحب جان نثار" شد تاریخ — نیز "قطب کبیر مرد شہید"

۹۰۶ھ ۹۰۶ھ

مولانا اسمٰعیل فیرکنی قدس سرہ

آپ خواجہ احرار نقشبند کے قدیم دوست اور گہرے محب ہیں۔ آپ کے والد خواجہ سیف الدین مناری' خواجہ بہاء الدین نقشبند کے ساتھیوں میں سے تھے جن کا ذکر خیر ہوچکا ہے۔ مولانا اسمٰعیل رحمتہ اللہ علیہ کے ایک صاحبزادہ خواجہ سلیمان تھے جو خواجہ محمد پارسا رحمتہ اللہ علیہ کے خاص شاگرد اور مرید تھے۔ دونوں بزرگ عالم' عامل' عارف کامل تھے اور ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ تھے۔

صاحب "رشحات" فرماتے ہیں: "خواجہ احرار کے بڑے مریدوں میں اسمٰعیل نام کے چار حضرات تھے۔ اول مولانا اسماعیل فیرکنی ولد خواجہ سیف الدین مناری' یہ تاشقند میں بیعت ہوئے۔ دوم مولانا اسماعیل قمری۔ یہ عالم فاضل اور متقی آدمی تھے۔ ہرات سے سمرقند آئے' شرف ملازمت سے مشرف ہوئے۔ آخر بسبب دماغ علمی برتری' حضرت خواجہ کی صحبت سے محروم رہے اور ایک مدرسہ میں' تدریس میں مشغول ہوگئے۔ سوم مولانا

اسماعیل جنہیں خواجہ احرار نے مولانا قمری کے مقابلے میں مولانا شمسی کا خطاب دیا اور وہ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ خواجہ نے انہیں تاشقند کے ایک مدرسہ میں بھیج دیا کہ پڑھائیں۔ وہ ساری عمر اس مدرسہ میں لوگوں کو پڑھاتے رہے۔ چہارم مولانا اسماعیل ثالث۔ ان کے ثالث کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ آئے تو حضرت خواجہ احرار کی خدمت میں مولانا اسماعیل قمری اور مولانا اسماعیل شمسی پہلے موجود تھے لہٰذا یہ مولانا اسماعیل ثالث کہلائے"۔

جب مولانا اسماعیل فیرکنی' حضرت خواجہ احرار سے بیعت ہونے کے ارادہ سے ہرات سے سمرقند کی جانب روانہ ہوئے تو ان کے آنے سے چند روز پہلے' خواجہ احرار نے اپنے خلفاء سے فرمایا کہ ایک قابل مولوی صاحب ہرات سے ہمارے پاس آ رہے ہیں۔ چند دنوں کے بعد مولانا اسماعیل حاضر ہوئے۔ آپ کے ہاتھ میں انگور کا گچھا تھا۔ خواجہ کے سامنے بیٹھ گئے۔ پہلے دن ہی بلکہ اسی وقت خواجہ نے مولانا پر اس قدر توجہ مبذول فرمائی کہ غایت استغراق و بے خودی سے خوشہ انگور ان کے ہاتھ سے گر پڑا۔ ہوش میں آئے تو بیعت ہوئے۔

مولانا قد آور اور قوی ہیکل آدمی تھے۔ آپ محنت کش اور سخت جان تھے۔ جب تک حضرت خواجہ بقید حیات رہے' تو مولانا سفر و حضر میں ان کے ساتھ رہے۔ حضرت کی وفات کے بعد حرمین شریفین گئے اور وہیں ۹۰۸ھ میں وفات پائی۔ آپ پر اللہ کی رحمت ہو۔

قطعہ

رفت چوں مثل خلیل اندر بہشت　　پیر اسماعیل شیخ باتمیز

رحلتش "مرد خدا مہدی" بخوان　　"زاہد دین خواجہ اسماعیل" نیز

۹۰۸ھ　　۹۰۸ھ

خواجہ سید حسن قدس سرہ

آپ بھی خواجہ احرار کے مصاحب و محب تھے۔ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ والد فوت ہوگئے۔ والدہ نے لاکر خواجہ احرار کے سپرد کر دیا۔ انہی کے زیر سایہ پرورش پائی اور شیخ کامل و مکمل ہوگئے۔

جب سید حسن کی والدہ آپ کو خواجہ احرار کی خدمت میں لائیں تو ان کی عمر پانچ سال تھی۔ اتفاق سے اس وقت شہد سے بھرا ہوا ایک برتن خواجہ کے سامنے پڑا تھا۔ حضرت خواجہ نے پوچھا: بچے کیا نام ہے؟ عرض کی کہ شہد۔ خواجہ اس جواب پر مسکرائے اور فرمایا کہ چونکہ تم نے شہد میں اپنا نام گم کر دیا ہے' اس لیے اگر اللہ نے چاہا تو تم شہد سے بھی میٹھے ہوگئے۔ پھر آپ نے کچھ شہد خواجہ حسن کو عنایت فرمایا۔ اسی شہد کا نتیجہ تھا کہ آپ میں قابلیت' کمال اور شیریں زبانی تھی۔

وفات: خواجہ حسن ۹۰۹ھ میں عالم بقا کو سدھارے۔

قطعہ

شد چو از دنیا بفردوس برین عابد دین رحمتہ اللہ علیہ
سال تر حیلش بہ "سرور" شد عیان "زاہد دین رحمتہ اللہ علیہ"

۹۱۱ھ

خواجہ خواجکا قدس سرہ

آپ خواجہ احرار کے پہلوٹھے بیٹے ہیں۔ علوم شریعت کے عالم اور رموز طریقت کے واقف تھے۔ حضرت خواجہ انہیں تمام بیٹوں سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے۔ چونکہ خواجہ خواجکا اور ان کے چھوٹے بھائی (یعنی خواجہ احرار کے دوسرے بیٹے) محمد یحییٰ میں باہمی رنجش پیدا ہو چکی تھی لہٰذا انہوں نے "ورسین" کے مقام پر رہائش رکھی ہوئی تھی۔ جب بھی وہ وہاں سے اپنے

والد بزرگوار کی زیارت کے لیے آتے تو حضرت خواجہ ان کے استقبال کے لیے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر جاتے۔ خواجہ خواجکا' سید تقی الدین کرمانی کے داماد تھے۔ سید تقی الدین کی صاحبزادی سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں: خواجہ نظام الدین عبدالہادی' خواجہ محمود اور خواجہ عبدالحق۔ جب سید تقی الدین کی صاحبزادی کا انتقال ہوگیا تو خواجہ خواجکا نے خواجہ محمد نظام الدین (صاحب ہدایہ کی اولاد میں سے تھے) کی دختر نیک اختر سے نکاح ثانی کیا۔ اس پاکدامن بی بی سے خواجہ عبدالشہید اور عبدالعلیم اور دو بچیاں پیدا ہوئیں۔ خواجہ خواجکا کی ایک زر خرید کنیز سے ایک بیٹا ابوالفیض پیدا ہوا۔ خواجہ کے سب بیٹے اپنے اپنے وقت میں زاہد' متقی اور پارسا تھے۔

خواجہ خواجکا نے ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چو شد زیں جہاں در بہشت برین — شہ نامور خواجہ نامدار
بوصلش بگو "خواجہ در انتہا" — بفر ما دگر "خواجہ نامدار"

۹۱۱ھ ۹۱۱ھ

مولانا محمد قاضی قدس سرہ

خواجہ احرار کے خاص محب اور عظیم مصاحب ہیں۔ آغاز میں' سلطان کی طرف سے قاضی مامور ہوئے تھے۔ بعد میں یہ کام چھوڑ دیا۔ درویشوں کے حلقے میں آگئے اور خواجہ احرار کے مرید ہوئے۔ زہد و ریاضت اور تقویٰ میں اس قدر منہمک ہوئے کہ اپنے مرشد کے محبوب و مقبول بن گئے۔ آپ کی ایک تالیف "سلسلۃ العارفین" ہے' جس میں خواجہ احرار کے مناقب و شمائل' خصائص و فضائل اور ملفوظات دیے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں لکھیں۔ بارہ سال تک خواجہ کی خدمت میں رہ کر اپنی تکمیل کی اور ولی کامل

بن گئے۔

وفات: ۹۱۱ھ یا ۹۱۲ھ میں دنیا کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔

قطعہ

بسال رحلت آن قاضی دین　　بگو "قاضی بخوان فاضل بہ تکرار"

۹۱۱ھ

خلیل اللہ محمد ھادی دین　　دگر بارہ بکن تاریخ اظہار

۹۱۲ھ

مولانا عبدالغفور لاری علیہ رحمتہ اللہ الباری

آپ کا مسکن شہر لار اور لقب رضی الدین ہے۔ آپ کے اجداد عظیم انصاری صحابی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے خاص خلیفہ اور نامور شاگرد تھے۔ آپ کا نام نامی دیو اور پری کے بھگانے کے لیے نہایت موثر تھا۔ اگر کسی کو دیو یا پری کا سایہ ہو جاتا اور کوئی آدمی سایہ زدہ کے کان میں یہ کہہ دیتا کہ اگر تم دفع نہیں ہوگے تو میں عبدالغفور کو تم پر مسلط کروں گا۔ جن فوراً دفع ہو جاتا۔

مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں فرمایا:

آنجا کہ فہم و دانش مرغے بود شکاری
بازے است تیز رفتار عبدالغفور لاری

پوشیدہ نہ رہے کہ مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ لوگوں کو بہت کم مرید بنایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ ایک کامل و اکمل مرید' دوسرے ہزار مریدوں سے بہتر ہے اور عبدالغفور لاری رحمتہ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کرتے تھے۔

مولانا عبدالغفور لاری رحمتہ اللہ علیہ کو علوم ظاہری و باطنی میں مکمل

دسترس تھی۔ آپ نے "نفحات الانس" اور "شرح ملا جامی" جیسی کتابوں پر حاشیہ اس لطافت سے لکھا ہے کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ کی ان دونوں کتابوں کی مشکلات کو مولانا عبدالغفور رحمتہ اللہ علیہ نے بہت اچھے طریقے سے حل کیا ہے۔

وفات: اس جامع الکمالات ہستی کی ۹۱۲ھ میں وفات ہوئی۔

قطعہ تاریخ وفات مندرجہ در کتاب رشحات

چو شد عبدالغفور آن کامل العصر — بہ عقبیٰ غرقہ دریائے عرفان
چو خواہی روز و ماہ و سال فوتش — بگو یک شنبہ و پنجم ز شعبان

قطعہ از مولف

چون رضی الدین ولی عبدالغفور — رفت از دنیائے دون اندر جہان
"سالک مخدوم قطب" آمد ز دل — سال وصل آن شہ والامکان

۹۱۲ھ

مولانا علی تاشکندی قدس سرہ

خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ آپ کے حسب الحکم آپ کی زمین پر کھیتی باڑی کرتے تھے۔ خواجہ کے باورچی خانے پر بھی مامور رہے۔ زراعت سے غلہ سعادت حاصل کیا اور مطبخ کی نگرانی سے کار باطنی میں مصروف رہ کر دیگ ولایت و کرامت کو جوش دیا۔ خواجہ کے مقبول و محبوب بنے اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ۹۱۴ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

رفت زین دنیا چو در خلد برین — شیخ دین عالی علی متقی
سال ترحیلش چو جستم از خرد — گشت پیدا "عارف جنت علی"

۹۱۴ھ

خواجہ نور الدین تاشکندی قدس سرہ

خواجہ احرار کے خاص الخاص مصاحب اور ان کے مقبول و محبوب تھے۔ آپ ایک خوبصورت لڑکے تھے۔ ایک دن سیر و تفریح کے لیے شہر سے باہر آئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے ان کا گزر خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ کی طرف سے ہوا۔ خواجہ اس وقت وعظ کہہ رہے تھے اور حق تعالیٰ کی محبت و عشق پر گفتگو فرما رہے تھے۔ حضرت کی باتوں کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ رونا شروع کر دیا۔ وعظ ختم ہوا تو خواجہ کی خدمت میں حاضری دی۔ قدموں پر سر رکھا اور بیعت کی۔ چند ہی دنوں میں تکمیل پائی اور مرتبہ ارشاد پر پہنچے۔

خواجہ نور الدین نے ۹۱۷ھ میں رحلت فرمائی۔

قطعہ

نور دین چوں مخلد شد روشن　　دل بسال وصال آنشہ دین
گفت "نور الکرامت" است وصال　　نیز "مہتاب حسن" نور الدین

۹۱۷ھ　　۹۱۷ھ

خواجہ ہندو ترکستانی قدس سرہ

خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کے نامور خلیفہ ہیں۔ آپ سیاہ فام زنگی تھے اور ترکستانی شیخ زادہ تھے۔ خواجہ کی آپ پر خاص نظر کرامت تھی اور آپ بھی کمال تک پہنچے۔ ایک دن خواجہ صحرا میں جا رہے تھے، دیکھا کہ خواجہ ہندو ہوا میں اڑ رہا ہے۔ خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کو کرامت کا یہ اظہار اور ہوا میں پرواز مناسب معلوم نہ ہوئی۔ ان کی باطنی کیفیت کو فوراً سلب کر لیا اور وہ ایک پتھر کی طرح بلندی سے زمین پر گرے اور ان کے اعضاء کچلے گئے۔ یہ حالت ہوئی تو تضرع و زاری کی، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ سال اسی طرح گزر گیا تو خواجہ ہندو نے لاچار ہو کر خواجہ کے حضور بے ادبی کا آغاز کیا اور کہا کہ میں

اپنی جان سے تنگ آچکا ہوں' آپ نے جو کچھ مجھ سے چھیننا ہے واپس کر دو تو بہتر ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا اور اگر تم پر قابو نہ چلا تو میں اپنے آپ کو مار ڈالوں گا۔ اس دھمکی سے بھی حضرت خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ متاثر نہ ہوئے اور اس کی اس بات پر دھیان نہ دیا' حتیٰ کہ ایک روز خواجہ ایک تنگ گلی میں سے تنہا گزر رہے تھے۔ خواجہ ہندو قتل کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ بغل سے چھرا نکال لیا اور حملہ آور ہوا۔ وہاں چونکہ فرار کا موقع بھی نہیں تھا' خواجہ نے کرامت کے ذریعے اپنی اصلی شکل ترک کر دی اور ایک صحرائی کسان کی شکل اختیار کر لی' جس کے سر پر سیاہ اونی ٹوپی تھی' سفید قمیص پہن رکھی تھی اور چرواہوں کی طرح کی ایک لاٹھی اس کے ہاتھ میں تھی۔ خواجہ ہندو نزدیک پہنچا تو خواجہ کو نہ دیکھا۔ حیران و ششدر ہوا اور ٹھٹک کر رہ گیا۔ انتہائی حیرت سے اس کے ہاتھ پاؤں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ خواجہ نے اس کے ہاتھ سے چھری لے لی اور اپنی اصل حالت میں لوٹ آئے' مسکرائے اور فرمایا: اگر میں تمہیں اس چھرے سے مار ڈالوں تو تم کیا کر لو گے؟ خواجہ ہندو نے آپ کے پاؤں پر سر رکھا اور زور و زار رویا۔ یہ حالت دیکھ کر دریائے رحمت جوش میں آیا' آپ نے بے پناہ شفقت سے اسے گلے لگایا اور جو روحانی قوت سلب کی تھی' اس سے تین گنا زیادہ سے نواز دیا اور عہد لیا کہ وہ آئندہ فضا میں پرواز نہیں کرے گا۔ پھر تو آہستہ آہستہ خواجہ ہندو کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت کے محرم اسرار لوگوں میں شمار ہونے لگے۔

وفات: ۹۲۱ھ میں اس دنیا سے منہ موڑ لیا۔

قطعہ

شیخ ہندو کہ بود واقف حق پیر محمود سالک ترکی
ذکر کن سال وصل او "ذاکر" نیز مسعود سالک ترکی

۹۲۱ھ

مولانا محمد عبداللہ المشہور بہ مولانا زادہ تراری علیہ رحمتہ اللہ الباری

آپ خواجہ احرار کے خاص محبوب' نامور خلیفہ اور مصاحب تھے۔ پہلے سلسلہ عشقیان میں بیعت کی تھی۔ بعد میں بیعت کے ارادہ سے حضرت خواجہ احرار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پہلی بیعت کا حال کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا استخارہ کیا جائے گا۔ آج رات انتظار کرو کہ قدرت کی طرف سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی رات استخارہ ہوا تو دونوں حضرات نے یہ دیکھا کہ کچھ مشائخ' خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ سے جھگڑا کرنے کے لیے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ خواجہ عبداللہ ہمارے سلسلے کا مرید ہے' ہمارے حوالے کردو۔ آخر باہم لڑائی ہوئی۔ خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ نے تن تنہا ان سے مباحثہ کیا اور ان لوگوں کو حملہ کی تاب نہ رہی' مجبوراً چلے گئے۔ صبح سویرے مولانا خوش و خرم' خواجہ کی خدمت میں آئے۔ ابھی بات کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ آپ نے فرمایا: بسم اللہ' آیئے اور بیعت کیجئے۔ مولانا نے بیعت کرلی اور تھوڑی مدت میں تکمیل کی منزل کو پہنچے۔

ایک دن مولانا عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ کو زیادہ استغراق ہوا' حتیٰ کہ اپنے آپ سے غائب ہوگئے۔ جتنا بھی لوگ حرکت دیتے' ہلاتے' آپ حاضر نہ ہوتے۔ اچانک خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کی نگاہ پڑی تو فرمایا' کیوں بے ادبی کرتے ہو؟ اس وقت مولانا پر ایسی حالت طاری ہے کہ انہیں کونین کی خبر نہیں---

مخفی نہ رہے کہ مولانا عبداللہ' خواجہ کی زندگی میں ان سے اجازت لے کر سفر حجاز کے لیے تشریف لے گئے اور زیارت حرمین شریفین کے بعد

جب آپ کو حضرت کے انتقال کی خبر ملی' واپس وطن نہ آئے۔ ملک شام چلے گئے اور دمشق میں مقیم ہوگئے۔ طالبان حق کی رہنمائی میں مصروف ہوگئے' وہیں پر آپ کا ۹۲۴ھ میں انتقال ہوا۔

قطعہ

خواجہ عبداللہ پیر رہنما شد چو از دنیا بجنت شادکام
جست "سرور" سال وصلش از خرد گفت "عبداللہ مخدوم انام"
۹۲۴ھ

مولانا ناصرالدین اترازی قدس سرہ

مولانا عبداللہ کے چھوٹے بھائی مولانا زادہ ہیں۔ اپنے بھائی کے ساتھ خواجہ کے حضور حاضر ہوئے۔ مرید ہوئے اور صاحب کرامت عالیہ بنے اور مقامات بلند تک پہنچے۔

سمرقند میں ایک شخص تھا میر جمال۔ وہ منطق' ریاضی اور تمام ظاہری علوم وفنون میں شہرہ آفاق تھا۔ قلندریہ ڈھنگ کا تھا۔ درویشوں اور خاص طور پر خواجہ عبید اللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کی شان میں گستاخی کرتا۔ ایک دن مولانا ناصرالدین رحمتہ اللہ علیہ کا گزر ایک مجمع سے ہوا' اس میں یہ میر جمال بھی کھڑا تھا۔ اس نے مولانا کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کا مرید ہے۔ وہ حضرت خواجہ احرار کے بارے میں بے وقوفانہ باتیں کرنے لگا کہ خواجہ عبید اللہ کے پاس نہ علم ہے' نہ حال ہے نہ قال ہے' نہ ذکر ہے نہ خلوت ہے۔ میں ان کی مجلس میں جاتا ہوں تو ان سے چھپ کر بھنگ کھاتا رہتا ہوں اور ان پر حکم چلاتا رہتا ہوں کہ فلاں قسم کا کھانا اور حلوا میرے لیے بنواؤ۔ وہ میرے کہنے کے مطابق حاضر کر دیتے ہیں۔ وہ میرے بھنگ کھانے سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ خواجہ ناصرالدین رحمتہ اللہ علیہ کو یہ سن کر سخت صدمہ پہنچا مگر خاموشی

کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یا اللہ! تجھے واسطہ ہے حضرت خواجہ کے علم کا کہ یہ شخص اب یہاں سے اٹھے اور خواجہ کی محفل میں جائے۔ ناصر الدین کی یہ دعا قبول ہوئی۔ جب مجلس برخاست ہوگئی' میر جمال اٹھا اور حضرت کی خانقاہ کی طرف چل پڑا۔ خواجہ ناصر الدین بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ جب دونوں خواجہ کی مجلس میں پہنچ گئے تو میر جمال حضرت کے سامنے بیٹھ گیا اور ہر طرح کی باتیں کرنے لگا۔ باتوں کے دوران ہی بھنگ جیب سے نکالی اور حضرت کی آنکھ بچا کر منہ میں رکھ لی۔ اس نے کوشش کی کہ بھنگ نگل جائے اور اس کے گلے سے اتر جائے مگر وہ اس کے گلے میں پھنس گئی۔ اب اس کی بری حالت تھی۔ سانس بند ہوگیا تو حضرت نے ایک خادم کو اشارہ کیا کہ اس کے گلے پر مکا مارے۔ مکا مارنے سے بھنگ کا غولہ منہ سے نکل کر زمین پر گرا۔ سب حاضرین نے دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ آدمی بھنگی ہے۔ حضرت خواجہ نے اسے مخاطب ہو کر فرمایا: چور اگر چند بار چوری کرے تو آخر ایک دن پکڑا ہی جاتا ہے۔ اب اسے ہزار ذلت و خواری سے محفل سے نکالا گیا۔ وہ ناشکرا انسان ذلت و رسوائی کے ساتھ اس علاقہ سے جلاوطن ہوا اور اپنے کیے کی سزا پائی۔

وفات: خواجہ ناصر الدین رحمتہ اللہ علیہ نے ۹۲۵ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چو از دنیا بفردوس بریں رفت — جناب ناصر الدین عابد دین
شود سال وصال پاک آں شاہ — ز "عارف ناصر الدین سید دین"

۹۲۵ھ

مولانا محمد زاہد رخشی قدس سرہ

آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم شیخ اور اپنے عہد کے بڑے عالم تھے۔

علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ خواجہ عبید اللہ احرار کے سچے خلیفہ' محرم ہمراز' عاشق جانباز اور مقبول و محبوب تھے۔ فقر و تجرید' تفرید و ورع' تقویٰ و زہد اور اتباع سنت میں آپ کا مقام و مرتبہ بلند تھا۔ حضرت کے پاس حاضری سے قبل کئی سال تک خوب زہد و ریاضت کی اور بیدار رہے اور زہد و ریاضت کا حق ادا کر دیا۔ آخر اشارۂ غیبی پاکر' خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کے مسکن کی طرف روانہ ہوئے تاکہ آپ سے بیعت کریں۔ نزدیک پہنچے تو خواجہ اپنے نور باطن سے آگاہ ہو کر گھوڑے پر سوار ان کے استقبال کے لیے نکلے... راستے میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو باہم بغل گیر ہوئے۔ ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے' خواجہ نے مولانا کو اپنی بیعت سے سرفراز فرمایا۔ آناً فاناً" تکمیل پائی۔ اسی وقت خرقہ اجازت و تلقین عطا کیا اور وہیں سے رخصت کر دیا۔ مولانا کو سوائے ایک دفعہ مل بیٹھنے کے دوبارہ خواجہ سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

صاحب "روضتہ السلام" شیخ شرف الدین فرماتے ہیں کہ مولانا محمد زاہد' خواجہ یعقوب چرخی کے قریبی رشتہ دار یعنی آپ کے نواسے تھے۔ پہلے خواجہ یعقوب کے خلفاء عظام سے فیض اٹھایا اور زہد و ریاضت کی اور اسم باسمی بن گئے۔ چونکہ ابھی طلب خدا باقی تھے' غیبی اشارہ پاکر خواجہ احرار سے استفادہ کیا۔ جلد اول میں حضرت پاک کا ذکر خیر مفصل ہو چکا ہے۔

وفات: آپ نے ۹۳۶ھ میں دنیا کو خیرباد کہا۔ آپ کا مزار پرانوار' رخش میں زیارت گاہ خلق ہے۔

قطعہ

محمد زاہد آن شیخ معلی چو باحق شد ازیں دنیا وصالش
"ولی فیض" و ہم فیض الٰہی رقم کن "شیخ زہدی" ارتحالش

۹۳۶ھ ۹۳۶ھ ۹۳۶ھ

مولانا درویش محمد قدس سرہ

مولانا محمد زاہد کے نامور ساتھی اور خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع اور رموز صوری و معنوی کے واقف تھے۔ جذب و استغراق اور ذوق و شوق کے اوصاف سے مالامال تھے۔ سخاوعطا سے معروف تھے۔

صاحب "تذکرۃ الاولیاء" فرماتے ہیں کہ بیعت سے پہلے خواجہ محمد درویش رحمتہ اللہ علیہ نے پندرہ سال زہد و ریاضت میں گزار دیے اور کھائے پیئے اور سوئے بغیر' تجرید و تفرید کی حالت میں ویرانوں میں رہے۔ ایک روز بھوک سے سخت مجبور تھے۔ آسمان کی طرف منہ کیا' فوراً خضر علیہ السلام تشریف لائے اور کہا اگر صبر و قناعت مطلوب ہے تو خواجہ محمد زاہد کے پاس چلے جاؤ' وہ تمہیں صبر و قناعت سکھائیں گے' پس وہ ان کی طرف روانہ ہوئے' حاضر ہوئے اور تکمیل پائی۔

"روضتہ السلام" میں ہے کہ خواجہ محمد درویش' مریدوں کی تربیت و ارشاد میں اللہ کی ایک نشانی تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے اور سینکڑوں لوگوں کو حق کا راستہ دکھایا۔ آپ کو اپنے مریدین کے حالات و مقامات سے خوب لگاؤ تھا۔

وفات: ۹۷۰ھ میں انتقال ہوا۔ مزار مبارک "اسفرار" میں ہے' جو "بستر" شہر کے مضافات میں ہے۔

قطعہ

ز دنیا شد چو در خلد معلی جناب سرور اکبر محمد
ز سرور "مست عشق" آمد وصالش دوبارہ "عاشق رہبر محمد"

۹۷۰ھ ۹۷۰ھ

خواجہ عبدالشہید نقشبندی بن خواجہ خواجگان ناصرالدین عبیداللہ احرار قدس سرہ

اپنے عالی قدر والد کے عظیم خلیفہ ہیں۔ خوارق و کرامت اور شرافت و فضیلت کے جامع تھے۔ صاحب "سفینۃ الاولیاء" فرماتے ہیں کہ جب خواجہ عبدالشہید پیدا ہوئے تو ان کے والد انہیں اپنے والد گرامی خواجہ احرار کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے انہیں گود میں لے کر فرمایا: "انشاء اللہ یہ بیٹا عارف کامل ہوگا"۔ حضرت کی برکت سے ہی عبدالشہید نے ظاہری و باطنی کمالات حاصل کیے۔ ان سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ اشارۂ غیبی پاکر اپنے وطن مالوف سے ہجرت کی اور ہندوستان تشریف لائے اور یہیں اقامت اختیار کرلی۔ ہندوستانی باشندوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے دامن سے وابستہ ہوئی اور آپ کا طریق سلوک اختیار کیا۔ آپ ۱۸ سال تک ہندوستان میں رہے۔ ۹۸۰ھ آیا تو فرمایا کہ اب ہماری رخصت کا وقت قریب ہے اور ہمیں حکم ہے کہ اپنی مشت استخوان کو "سمرقند" میں اپنے آباء کے قبرستان میں پہنچائیں۔ اسی سال سمرقند واپس چلے گئے۔ وہاں پہنچنے کے تین دن بعد وفات پائی۔ خواجہ احرار رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔

قطعہ

خواجہ عبدالشہید آن شیخ دین — روح پاک او چو در جنت رسید
شدندا "مخدوم ہادی کریم" — بہر وصلش ہم "ولی خواجہ سعید"

۹۸۰ھ — ۹۸۰ھ

حضرت مولانا خواجگی اکمنگی قدس سرہ

خواجہ محمد درویش کے صاحبزادے اور خلیفہ تھے۔ ان سے ہی ظاہری و باطنی تربیت پائی۔ سمرقند کے مضافات میں واقع قصبہ اکمنگ میں سکونت تھی۔ عابد و زاہد تھے' ذکر و شغل رکھتے تھے۔ مخلوق سے اپنی کرامات اور

شرافت و عظمت کو ہمیشہ چھپاتے اور اپنے حالات پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

صاحب "روضۃ السلام" فرماتے ہیں: اپنے وقت کے ایک بادشاہ پیر محمد سلطان نے عظیم فوج لے کر سمرقند فتح کرنے کا عزم کیا۔ فرمانروائے سمرقند سلطان باقی میں مقابلے کی ہمت نہ تھی۔ مدد لینے کے لیے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نیازمندی کی۔ حضرت خواجہ شہر سے باہر جا کر حملہ آور سلطان پیر محمد سے ملے اور اسے صلح پر راضی کرنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا۔ مجبوراً شہر میں آئے اور سلطان باقی سے فرمایا: "اگر تو دل سے تائب ہو جائے کہ تو آئندہ مخلوق خدا کو نہیں ستائے گا' حکومت انصاف سے کرے گا' مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے گا تو دشمن پر غالب آجائے گا"۔ بادشاہ نے حضرت سے دل و جان سے عہد کیا کہ میں آئندہ ظلم و تعدی نہیں کروں گا۔ فرمایا: جا اور دشمن سے جنگ کر۔ فتح و ظفر تیرے نام ہے۔ ایسا ہی ہوا۔ دشمن کی فوج کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ تھی مگر اس نے شکست کھائی اور بھاگ نکلا۔

حضرت نے اپنے انتقال سے پہلے اپنے خلیفہ خواجہ محمد باقی باللہ کے نام ایک خط لکھا۔ اس خط کے آخر میں یہ دو شعر لکھے:

زمان تا زمان مرگ یاد آیدم
ندانم کنون تا چہ پیش آیدم
جدائی مبادا مرا از خدا
دگر ہر چہ پیش آیدم شایدم

وفات: آپ نے بقول صاحب "روضۃ السلام" ۱۰۰۸ھ میں وفات پائی۔ عمر نوے سال تھی۔ مزار اکمنگ میں ہے۔

قطعہ

چون شہ خواجگی بارج بہشت جلوہ گر گشت چوں مہر انور
ہست "شیخ زمان" وصل او ہم بخواں "خواجہ یقین اکبر"
۱۰۰۸ھ ۱۰۰۸ھ

خواجہ محمد باقی نقشبندی دہلوی قدس سرہ

اپنے وقت کے بزرگ، مقتدی زمانہ اور امام عہد تھے۔ ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ اور جذب و عشق و محبت سے پیراستہ تھے۔ زہد و تقویٰ سے معروف اور اوصاف کریمہ سے موصوف تھے۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند سے اویسی نسبت تھی اور ظاہری نسبت خواجہ امکنگی سے۔ خواجہ عبید اللہ احرار کی روحانیت سے کافی فائدہ اٹھایا۔ ابتداء میں کابل سے سمرقند گئے۔ علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد، باطنی علوم خواجہ امکنگی سے حاصل کیے۔ صاحب تصانیف و تالیف تھے۔ کتاب "روضۃ السلام" میں آپ کی تصانیف کے بارے میں یہ اشعار مندرج ہیں۔

من نہ منم کہ وجود من است
جائے دگر رقص وجود من است
نقطہ محراب جماعت منم
دانہ سیراب زراعت منم
ابروی چشمانی من دلکش است
قطرہ نیسانی من آتش است
عقل نمک زیر کباب من است
خون جگر نام شراب من است
خامہ کلید سر انگشت من
گنج دو عالم ہمہ در پشت من

اگرچہ صاحب کتاب "حضرات القدس" اور صاحب کتاب "روضۃ السلام" نے حضرت کے ہزاروں خوارق نقل کیے ہیں مگر چونکہ اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش نہیں' اس لیے ہزار میں سے ایک کرامت نقل کی جاتی ہے کہ ایک دن آپ کے چھوٹے بیٹے خواجہ محمد عبداللہ آپ کے پاس حاضر تھے۔ ان کے ہاتھ میں آئینہ تھا۔ فرمایا کہ اپنا چہرہ دیکھ۔ جب صاحبزادہ نے آئینہ سامنے کیا تو آئینے سے خواجہ کا سفید ریش چہرہ نمودار ہوا جبکہ خواجہ کی ڈاڑھی سیاہ تھی۔ بیٹا حیران ہوا۔ فرمایا کہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ نور' انور الٰہی کا ہے جو میرے محاسن پر نمودار ہوا ہے۔

ایک روز خواجہ باقی باللہ نے امام کے پیچھے الحمد پڑھنی شروع کردی۔ اسی وقت حضرت امام ابو حنیفہ کی روح پرفتوح ان کے سامنے ظاہر ہوئی اور فرمایا کہ یا شیخ' میرے مذہب میں چھوٹے بڑے بہت اولیاء داخل ہیں۔ تمام نے باتفاق علماء دین' امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا چھوڑا ہے لہٰذا اس کا ترک کرنا ہی مناسب ہے۔

خواجہ باقی باللہ کم کھاتے' کم سوتے اور کم بولتے اور ہر روز عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر نماز تہجد تک دو ختم قرآن کرتے اور نماز تہجد کے بعد سے لے کر فجر تک ۲۱ بار سورہ یاسین پڑھتے۔ صبح ہوتی تو فرماتے کہ یا اللہ رات کو کیا ہوگیا ہے کہ اتنی جلد گزر گئی اور کچھ دیر بھی ٹھہری' نہ رکی۔

امام ربانی مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک مرید مولانا بدرالدین سرہندی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ میں اتفاق سے ایک دفعہ دہلی آیا اور خواجہ باقی باللہ کے مزار پر حاضر ہوا اور آپ کے مزار کی طرف رخ کرکے توجہ کے لیے بیٹھا۔ آپ نے اس حقیر پر بے مثال عنایت کی اپنی خصوصی نسبت عطا فرمائی۔ اس کے بعد میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

اوشی کی زیارت کے لیے گیا تو حکم ہوا کہ تمہیں جو آج خواجہ باقی کی طرف سے نسبت ملی ہے' وہ ہماری ہی نسبت ہے۔ اس کے بعد میں سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا تو فرمایا کہ ہماری نسبت میں محبوبیت غالب ہے اور خواجہ باقی باللہ نے جو تمہیں نسبت دی ہے' وہ عاشقی اور نیازمندی کی نسبت ہے۔ وہی نسبت تمہارے لیے کافی ہے۔ بعد ازاں میں نے اجمیر کی راہ لی اور خواجہ معین الدین حسن سنجری کے روضہ پر جا کر متوجہ ہوا تو ارشاد ہوا کہ تمہیں خواجہ باقی باللہ سے جو نسبت ملی ہے' وہ ہماری نسبت ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضرت خواجہ باقی باللہ نے تو کبھی یہ نہیں فرمایا کہ مجھے اہل چشت سے نسبت پہنچی ہے۔ ارشاد ہوا کہ جب میں نے خواجہ یوسف ہمدانی سے نسبت پائی' جو حق کے ذوق و شوق پر مشعر تھی تو مجھ سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اور ان کی روحانیت سے خواجہ باقی باللہ کو مرحمت ہوئی اور وہ نسبت فی الحقیقت نسبت "نقشبندیہ" ہے کہ آخر حق حقدار کو واپس مل گیا۔

سید شاہ رؤف مجددی "در العارف" میں فرماتے ہیں کہ حضرت سید غلام علی شاہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک روز میں خواجہ باقی باللہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر متوجہ ہوا اور عرض کی "یا حضرت! آپ کی توجہ کی لہر سے شیخ احمد سرہندی' مجدد الف ثانی بن گئے۔ میں بھی آپ کی عطا کا امیدوار ہوں"۔ میں نے مشاہدہ میں دیکھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ اپنے مزار سے باہر تشریف لائے' میری طرف متوجہ ہوئے۔ چونکہ وہ موسم گرما کا شدید دن تھا' حضرت کی توجہ کی گرمی شدید دکھائی دینے لگی۔ انتہائی گرمی سے میں تنگ آ گیا۔ تھوڑا سا بیٹھ کر اٹھ گیا۔ لیکن اس دن کے بعد سے آج تک افسوس ہے اور پریشان ہوں اور حضرت کی تھوڑی سی توجہ سے اپنے اندر ایسی ترقیاں پائی

ہیں جو بیان نہیں کی جا سکتیں۔ اگر میں زیادہ دیر ٹھہر جاتا تو زیادہ حصہ پاتا۔

وفات: خواجہ باقی باللہ نے بروز سوموار ۲۶ جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر چالیس برس تھی۔ مزار دہلی میں ہے۔

چو باقی راہی ملک بقا شد ہلال دہر گفت "ھذا فراقی"
ندا آمد ز ہاتف وقت ترحیل بجای ملک باقی رفت باقی

۱۰۱۲ھ

شیخ احمد مجدد الفِ ثانی فاروقی کابلی سرہندی قدس اللہ سرہ العزیز

آپ عالم راسخ، غوث العالمین، قطب الاقطاب، صاحب خوارق و کرامت، جامع درجات ولایت، دافع بدعت و ضلالت، عامل سنت و جماعت، وارث کمالات نبویہ، مزین اطوار احمدیہ، عارج معارج نقشبندیہ، امام طریقت اور مقتدائے حقیقت ہیں۔ آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے امام ہیں۔ شریعت و طریقت میں پیشوائے کمال اہل اسلام ہیں۔ آپ کا نسب ۲۸ واسطوں سے خلیفہ ثانی، صحابی رسول ﷺ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ "مکتوبات احمدیہ" آپ کی مشہور و معروف کتاب ہے۔ اس میں آپ نے اپنے بہت سے احوال اور حالات و مقامات ولایت نقشبندیہ تحریر فرمائے ہیں۔ چنانچہ مکتوبات کے دفتر ثالث میں تحریر فرماتے ہیں۔

ایک دن مراقبہ میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تیرے پاس اس لیے آیا ہوں کہ تجھے ایک ایسا اجازت نامہ لکھ کر دوں جو اب تک میں نے کسی کے لیے نہیں لکھا۔ پھر آپ نے یہ لکھ کر مجھے بشارت دی کہ میں جس شخص کی بھی نماز جنازہ پڑھوں گا، اس میت کو بخش دیا جائے گا اور بہشت میں داخل کیا جائے گا۔

صاحب تذکرہ آدم بنوری رقمطراز ہیں: شیخ احمد مجدد کو، سلسلہ عالیہ

نقشبندیہ میں نسبت ارادت حضرت شیخ عبدالباقی باللہ دہلوی سے' سلسلہ قادریہ میں شاہ سکندر کیتھلی سے' سلسلہ صابریہ چشتیہ میں مخدوم عبدالاحد سے تھی۔ آپ نے سلسلہ سہروردیہ کا فیض بھی شیخ عبدالاحد سے ہی حاصل کیا تھا۔ چنانچہ ہر ایک سلسلہ کے پیران کبار کے اسماء گرامی تفصیل سے یہاں لکھے جاتے ہیں۔

اول سلسلہ نقشبندیہ : حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی' شیخ عبدالباقی کے مرید تھے۔ وہ خلیفہ خواجہ محمد خواجگی امکنگی کے' وہ شیخ محمد درویش کے مرید تھے۔ وہ شیخ محمد زاہد کے' وہ خواجہ عبید اللہ احرار نقشبند' وہ مولانا یعقوب چرخی کے' وہ خواجہ علاء الدین عطار کے اور وہ خلیفہ راستین حضرت خواجہ بہاء الدین شاہ نقشبند بخاری کے مرید تھے۔ رحمت اللہ علیہم اجمعین۔

دوم طریقہ عالیہ قادریہ : حضرت مجدد الف ثانی' حضرت شاہ اسکندر کیتھلی کے مرید تھے۔ وہ اپنے والد شاہ کمال کیتھلی کے' وہ شاہ فضیل کے مرید تھے۔ وہ شاہ کدائی رحمان کے' وہ شیخ ابوالحسن کے' وہ سید رحمان کے' وہ شیخ المومنین شاہ شمس الدین' وہ شاہ عقیل کے' وہ سید بہاء الدین' وہ قطب الافاق سید عبدالرزاق کے مرید تھے۔ وہ اپنے والد گرامی حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی سید سلطان عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے مرید تھے۔

سوم خاندان عالیہ چشتیہ : حضرت مجدد نے شیخ عبدالاحد کی بیعت کی۔ وہ شیخ المشائخ رکن الدین چشتی کے مرید تھے۔ وہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے' وہ شیخ محمد عارف کے مرید تھے' وہ شیخ احمد عبدالحق ردولی کے' وہ شیخ جلال الدین پانی پتی کے مرید تھے۔ وہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی کے اور وہ شیخ علاء

الدین علی احمد صابر کے اور وہ سچے خلیفہ شیخ فرید الحق والدین اجودھنی گنج شکر کے مرید تھے۔ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

چہارم خانوادہ عالیہ سہروردیہ : حضرت مجدد الف ثانی، شیخ عبدالاحد کے مرید تھے، وہ شیخ رکن الدین گنگوہی کے، وہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے، وہ شیخ محمد درویش کے مرید تھے۔ وہ شیخ بڈھن بہرائچی کے، وہ سید اجمل کے، وہ سید مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری اوچی کے، وہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی کے مرید تھے۔ وہ شیخ صدر الدین عارف کے مرید تھے، وہ قطب المشائخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت مجدد نے ان چاروں سلسلوں کے علاوہ دیگر سلسلوں، جیسے سلسلہ شطاریہ، مواریہ، کبرویہ وغیرہ سے الگ الگ اپنے والد شیخ عبدالاحد رحمتہ اللہ علیہ سے اجازت تلقین لی۔ آپ کی مکمل تکمیل سلسلہ نقشبندیہ میں شیخ عبدالباقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی۔ آپ کے مرتبے اس حد تک بڑھ گئے کہ شیخ عبدالباقی نے اپنے تمام مریدوں اور احباب و اصحاب کو توجہ و تکمیل کے لیے حضرت مجدد کے حوالے کر دیا، بلکہ خود بھی استفادہ کے لیے، آپ کی محفل توجہ میں تشریف لاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد آفتاب ہے، جس کے فیض و فضل کے انوار سے دونوں جہاں منور ہیں۔

شیخ بدرالدین نقشبندی نے اپنی کتاب "حضرات القدس" میں لکھا ہے کہ علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں ایک صحیح حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا--- یکون فی امتی رجل یقال لہ صلہ یدخل الجنتہ بشفاعتہ کذا و کذا من الناس--- (میری امت میں ایک آدمی ہوگا، جسے صلہ کہا جائے گا۔ اس کی شفاعت سے اتنے اتنے لوگ جنت میں داخل ہوں گے) شاید یہ اشارہ شیخ احمد مجدد کے وجود مسعود کی طرف ہو کیونکہ آپ بھی علماء صوفیہ

کے مابین صلہ تھے۔ آپ فرماتے ہیں الحمدللہ الذی جعلنی صلۃ بین البحرین و مصلحا بین الفئتین (اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے دو دریاؤں کے مابین رابطہ اور دو گروہوں میں مصالحت کرانے والا بنا دیا) ان دونوں جماعتوں سے مراد وحدت وجودی اور علماء شریعت ہیں۔ شیخ احمد نے ان دونوں گروہوں کو دلائل و براہین سے قائل کیا۔ کئی سو سالوں سے باہم جھگڑنے والے دونوں گروہوں میں صلح کروادی۔

شیخ مجدد الف ثانی خود اپنے رسالہ "معاد" میں تحریر فرماتے ہیں: ایک دن میں، صبح کے وقت ایک حلقہ میں بیٹھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا اور ہاتف غیب نے ندا دی۔ غفرت لک ولمن توسل بک الی یوم القیامتہ۔ (میں نے تجھے اور قیامت تک تیرا توسل اختیار کرنے والوں کو بخش دیا)۔ آپ کے سچے خلیفہ شیخ محمد نعمان فرماتے ہیں--- کہ ایک روز میں نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دیکھا۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے ابوبکر! نعمان سے کہہ دو کہ جو شخص شیخ احمد کا مقبول ہے، وہ ہمارا مقبول ہے اور خدا کا مقبول ہے اور جو اس کا مردود ہے، وہ خدا اور رسول کا مردود ہے۔

شیخ بدر الدین صاحب "حضرات القدس" جو حضرت مجدد کے کامل ترین مرید تھے، لکھتے ہیں کہ ایک رات مجھے خضر علیہ السلام ملے۔ میں نے عرض کیا بندہ کو اپنی نسبت سے بہرہ ور فرمایئے۔ فرمایا "جس شخص سے تمہیں نسبت حاصل ہے، تمہیں اور پوری دنیا کو اس کی ارشاد و رہنمائی کافی ہے"۔

سید صالح مجددی اپنے رسالہ میں تحریر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے ایک کام کے لیے بہرائچ کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ راستے میں سورہ ایلاف بہت پڑھنا اور اگر کوئی مشکل پیش آئے تو مجھے یاد

کرنا۔ میں روانہ ہوا تو غلط راستے پر چل پڑا اور ویران بیابان میں جا پڑا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شیر جنگل سے نکلا اور مجھے ہلاک کرنا چاہا۔ میں نے فوراً حضرت کا نام نامی لیا' فوراً شیخ بذات خود تشریف لائے' شیر کو بھگا دیا۔ یوں میں اور میرے ساتھیوں نے خونخوار شیر سے نجات پائی۔

صاحب "روضۃ السلام" فرماتے ہیں کہ شیخ احمد کی دو عظیم خارق' صفحہ ہستی پر باقی رہ گئی ہیں۔ ایک کتاب مکتوبات اور آپ کے تصنیف فرمودہ رسائل--- کسی بھی بزرگ نے اس طرح کے حقائق و معارف اور مکاشفات برملا تحریر نہیں کیے' جس طرح آپ نے تحریر کیے۔ دوسرے آپ کے فرزندان گرامی' جنہیں آپ نے اپنے تصرف سے' علم ظاہر اور کمالات باطنی سے اپنی طرح کا بنا دیا۔

واضح ہو کہ شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے سات فرزند ارجمند تھے۔ پہلے خواجہ محمد صادق' دوسرے خازن الرحمت شیخ احمد سعید' تیسرے عروۃ الوثقیٰ شیخ محمد معصوم' چوتھے محمد اشرف' جو حالت رضاعت میں فوت ہو گئے' پانچویں محمد فرخ جو اٹھارہ سال کی عمر میں قضا کر گئے' چھٹے محمد عیسیٰ جو آٹھ سال کی عمر میں فوت ہوئے' ساتویں محمد یحییٰ جو "شاہ جی" مشہور تھے' رحمتہ اللہ علیہم اجمعین--- ان ساتوں بیٹوں میں سے احمد سعید اور محمد معصوم' اپنے عالی قدر والد کے فوت ہونے کے بعد آپ کے قائم مقام ہوئے۔

ایک دن شیخ احمد مجدد رحمتہ اللہ علیہ' صبح مسجد میں حلقہ جمائے مریدوں کی تلقین میں متوجہ تھے کہ شاہ اسکندر کیتھلی قدس سرہ حضرت غوث الاعظم کا خرقہ' جو حضرت شاہ کمال کیتھلی ساتھ لائے تھے' حضرت مجدد کے سر مبارک پر لا رکھا۔ شیخ مجدد نسبت قادریہ کے بحر انوار میں مستغرق ہو گئے۔ اس وقت حضرت کو خیال آیا کہ میں خاندان نقشبندیہ میں مرید اور خلیفہ ہوں۔ اب جبکہ

نسبت قادریہ نے میرا احاطہ کر رکھا ہے' ایسا نہ ہو کہ پیران کبار نقشبندیہ' اس بات سے ناراض ہو جائیں۔ یہ خیال آتے ہی مشاہدہ کیا کہ حضرت شاہ غوث الاعظم' شاہ کمال کیتھلی' خواجہ بہاء الدین نقشبند' خواجہ محمد عبدالباقی' خواجہ خواجگان معین الدین حسن سنجری چشتی' شیخ شہاب الدین سہروردی' شیخ نجم الدین کبریٰ اور شاہ بدیع الدین مدار وغیرہ پیران عظام اور مشائخ کرام تشریف لائے اور تمام بزرگ' شیخ مجدد رحمتہ اللہ علیہ کو اپنے اپنے سلسلوں کا خلیفہ قرار دے رہے ہیں اور ہر بزرگ کہتا ہے کہ شیخ احمد ہمارا ہے۔ آخر الامر تمام بزرگوں نے شیخ کی مقبولیت پر اتفاق کیا اور سب حضرات نے اپنی اپنی نسبت سے آپ کو سرفراز فرمایا۔ شیخ احمد رحمتہ اللہ علیہ اس دن صبح سے ظہر تک بحر مراقبہ میں مستغرق رہے اور چشم حال سے ان تمام احوال کا مشاہدہ کیا۔

شیخ احمد مجدد الفثانی رحمتہ اللہ علیہ نے گیارہویں مکتوب میں اپنے مرشد محترم کو لکھا---

"کہ اس مقام کے ملاحظہ کے دوران' ایک بار پھر' دیگر مقامات' بعضها فوق بعض' ظاہر ہوئے۔ جب اس مقام سے اونچے مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ مقام ذی النورین ہے اور دیگر خلفاء کا بھی اس مقام پر سے گزر ہے۔ اس سے اوپر' مقام صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہر ہوا--- دیگر خلفاء عظام کا بھی اس مقام سے گزر ہوا۔ میں اس مقام پر بھی پہنچا۔ میں نے بڑے خواجہ حضرت شاہ نقشبند کو عبور کے علاوہ ہر مقام میں اپنے ساتھ پایا۔ اور اس سے اوپر کوئی مقام سمجھ نہیں آتا مگر مقام نبوت۔ حضرت ابوبکر صدیق کے مقام کے سامنے ایک مقام نہایت بلند اور نورانی ہے' اس جیسا مقام پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اور مقام صدیق اکبر سے تھوڑا سا بلند تھا۔ چنانچہ زمین سے تھوڑا سا اور اٹھایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت ہے۔ وہ مقام رنگین اور منقش ہے۔ بندہ

نے بھی اپنے آپ کو اس مقام کے انعکاس سے رنگین و منقش پایا۔ اس کے بعد اپنی کیفیت میں لطافت پائی اور اپنے آپ کو بادل یا ہوا کی طرح' عالم میں منتشر دیکھا اور عالم میں سے کچھ کو اپنی گرفت میں لیا۔ حضرت خواجہ نقشبند کا مقام' مقام صدیق اکبر میں ہے۔ بندہ نے بھی اپنے آپ کو اس کے مقابل مقام میں پایا' جس کی کیفیت عرض کردی ہے"۔

نور الدین جہانگیر بادشاہ کا دور اقتدار تھا۔ اس کی محبوبہ بیگم نور جہان کی وجہ سے رافضیوں کا بادشاہ کے دربار میں بہت عمل دخل تھا۔ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے رافضیوں کے عقائد کی تردید میں کئی کتابیں اور رسالے لکھے تھے۔ اس لیے یہ لوگ آپ کے جانی دشمن ہوگئے۔ موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے مندرجہ بالا مکتوب بادشاہ کو دیا اور کہا کہ شیخ احمد کہتا ہے' میرا مقام صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی بہتر اور اونچا ہے۔ اس لیے وہ اپنے آپ کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل اور اعلیٰ سمجھتا ہے۔ بادشاہ کو غصہ آگیا' اس نے حضرت کو طلب کیا اور اس بارے میں پوچھا۔ حضرت نے جواب دیا کہ "جس طرح اہل سنت کے مذہب میں اگر کوئی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے افضل گردانتا ہے تو وہ اہل سنت سے خارج ہو جاتا ہے' اسی طرح فرقہ صوفیہ میں اگر کوئی اپنے آپ کو خبیث ترین مخلوق کتے سے بھی بہتر جانتا ہے' وہ صوفی نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ میں اپنے آپ کو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل سمجھوں۔ باقی جو بات مکتوب میں ہے وہ مقامات سلوک میں' سیر و عروج کا ذکر ہے--- یہ مقام صوفیا کو اپنے مرشد دستگیر کی توجہ سے ملتا ہے۔ ان مقامات میں یہ صوفیانہ عروج ایک ساعت کے لیے ہوتا ہے' جیسے دربار شاہی میں بڑے بڑے امراء اور بااختیار مقرب' رات دن حاضر ہوتے ہیں۔ اب اگر بادشاہ کسی معمولی فوجی سپاہی کو کسی کام کے لیے یا

کسی مصلحت کے لیے ضرورتاً اپنے پاس بلاتا ہے' اور ایک ساعت کے لیے اسے اپنے قریب کرتا ہے' اس سے باتیں کرتا ہے اور کام پورا ہونے کے بعد اسے لشکر میں اس کی پہلے والی جگہ پر بھیج دیتا ہے' وہ لشکری' اس تھوڑی سی مدت کے قرب کو' جو اسے دربار سلطانی میں حاصل ہوا' دائمی مقرب امراء اور وزراء سے بہتر نہیں سمجھے گا' اسی طرح ہمارا وہ قرب ایک گھڑی کے لیے ہے۔ سو اس مقام پر جا کر ہم سرہند میں واقع اپنے غریب خانہ میں آ جاتے ہیں۔ ہماری کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب مقام کے مقابلہ میں؟ علاوہ ازیں میں نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے کہ میں نے اس مقام کے عکس سے اپنے آپ کو رنگین کیا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ سورج کے عکس سے رنگین ہونے والا کبھی یہ نہیں کہتا کہ وہ سورج کے مقام تک پہنچ گیا۔ دیکھئے زمین ہر روز سورج کے عکس سے رنگین ہوتی ہے مگر کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ زمین سورج تک جا پہنچی ہے"۔

غرض حضرت نے اس قسم کے دلائل و براہین سے بادشاہ کو مطمئن کر دیا اور بادشاہ نے بھی کچھ عتاب نہ کیا بلکہ عزت سے رخصت فرمایا۔

اس کارروائی سے شیعہ لوگ سمجھے کہ ان کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ کچھ عرصہ بعد موقع پا کر عرض کیا کہ شیخ احمد سرہندی نے ایک بڑی جماعت اکٹھی کر لی ہے اور ہزاروں جانثار مرید آپ کے پاس جمع ہو چکے ہیں اور قریب ہے کہ شورش ہو جائے اور شاید' مملکت پر قبضہ کر لیں۔ بادشاہ کو یہ بھی باور کرایا کہ بادشاہوں کو سجدۂ تعظیمی کرنا جائز ہے۔ اگر شیخ احمد بھی حضور شاہی میں آ کر سجدۂ تحیت کرے تو پھر وہ آپ کا مخالف نہیں ہوگا۔ بادشاہ نے پھر شیخ کو طلب کیا۔ آپ آئے تو سجدۂ تحیت کا مطالبہ کیا۔ شیخ اس حکم کے مرتکب نہ ہوئے تو مخالفین نے پھر بادشاہ کو بھڑکایا اور گزشتہ مکتوب (جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) اور

دوسرے مکاتیب کے ایسے مضامین جو عام فہم نہیں ہیں' ان پر اعتراضات کیے۔ خصوصاً مولوی عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے بھی اس بحث میں کئی مکتوب لکھے اور حضرت کی طرف سے شافی جوابات پائے۔ پس تمام علماء نے امراء دربار کو خوش کرنے کے لیے' شیخ کے قتل کا فتویٰ لکھ دیا۔ بادشاہ جہانگیر نے حضرت کو قید خانہ میں ڈال دیا جہاں آپ دو سال تک قید رہے۔

شیخ احمد رحمتہ اللہ علیہ نے جیل میں جانے سے چند مہینے پہلے اپنے اصحاب و احباب کو بتا دیا تھا کہ عنقریب مجھ پر ایک مصیبت نازل ہوگی جو ولایت کے مقامات میں ترقی کا سبب بنے گی اور یہ ترقی' مصیبت کے بغیر ممکن نہیں۔ جیل پہنچے تو کئی ہزار کافروں کو مسلمان کیا اور سینکڑوں لوگوں کو مرید بنایا اور ولایت کے مقام تک پہنچایا۔ حضرت نے قید خانہ میں کبھی بھی بادشاہ کے لیے بددعا نہیں کی بلکہ فرماتے تھے کہ اگر بادشاہ مجھے قید نہ کرتا تو اتنے ہزار لوگ دینی فائد سے محروم رہتے--- اور جو ہمیں مقامات میں ترقی حاصل ہوئی ہے' یہ مصیبت پر موقوف تھی۔ اگر قید نہ ہوتا تو اس ترقی سے محروم رہتا۔ شیخ کے کچھ مرید صوفیاء بادشاہ و نقصان پہنچانا چاہتے تھے مگر آپ نے خواب اور بیداری دونوں میں انہیں روک دیا۔ دو سال کے بعد بادشاہ اپنے فعل پر نادم ہوا۔ اپنے حضور بلا کر معذرت کی اور عزت و احترام سے پیش آیا' بلکہ شیخ کا محب بن گیا حتیٰ کہ کبھی آپ کو اپنے سے الگ نہ ہونے دیتا۔ اپنے بیٹے شہزادہ خرم کو حضرت کا مرید کروایا' چنانچہ شاہجہان اور عالمگیر تک کے بادشاہ اپنے تمام علماء و وزراء سمیت سلسلہ مجددیہ میں داخل ہوتے تھے۔

شیخ مجدد فرماتے تھے کہ میرے سلسلہ کے تمام مرید اور خادم جو قیامت تک مجددیہ احمدیہ طریقہ میں داخل ہوں گے' اس کی مجھے اطلاع کی جا چکی ہے اور سب کے نام مجھے بتا دیے گئے ہیں اور اللہ کا وعدہ ہے کہ جو کئی بھی مجددی

سلسلہ میں ہے' آتش دوزخ سے آزاد ہے۔ مجھے بشارت دی گئی ہے کہ جب مہدی آخر الزمان مبعوث ہوگا تو وہ تیرے سلسلہ کی نسبت میں ہوگا۔

ایک آدمی نے حضرت شیخ مجدد رحمتہ اللہ علیہ کی کرامت کا شہرہ سنا تو اپنے وطن سے سرہند کی طرف چلا۔ شہر میں داخل ہوا تو رات ہو چکی تھی۔ آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ ایک ایسی جگہ رات گزاری جس کے اہل خانہ شیخ کے مخالف تھے۔ ان سے شیخ کا احوال پوچھا تو انہوں نے برعکس باتیں کیں اور آپ کے بارے میں نازیبا اور سخت کلمات کہے۔ آدھی رات گزری تھی کہ اچانک شور ہوا کہ گھر کا مالک مارا گیا' کوئی نامعلوم دشمن آیا اور اسے بستر پر مار ڈالا۔ علی الصبح جب وہ شخص شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے گلے لگایا کہ جس آدمی کے پاس تم نے رات گزاری' اس نے ہمارے بارے میں' تمہیں جھوٹی باتیں بتائیں--- رات کو اس نے اپنے کیے کی سزا بھگتی اور مارا گیا۔ خیر--- مامنی باللیل لا یذکر بالنھار--- یعنی جو رات کو ہوتا ہے وہ دن کو بیان نہیں کیا جاتا۔

علامہ الزمان شیخ الاسلام ہندوستان مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی بھی ابتداء میں حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے مخالف تھے' ایک رات شیخ کو خواب میں دیکھا کہ وہ آپ کے سامنے آیت قل اللھم--- ثم ذرھم پڑھتے ہیں۔ محض یہ آیت سنتے ہی ان کے دل میں شیخ کا جذب اور شوق الٰہی پیدا ہوا اور ان کا قلب ذاکر ہو گیا۔ نیند سے جاگے تو اپنا دل ذاکر پایا۔ چند دنوں تک تصور شیخ کر کے ذکر کیا اور اپنے آپ کو اویسی شیخ کیا۔ آخر حاضر خدمت ہوئے اور اعلیٰ درجات پر فائز ہوئے۔

علماء ہندوستان میں سے شیخ احمد رحمتہ اللہ علیہ کو مجدد الف ثانی کے خطاب سے یاد کرنے والے پہلے شخص یہی مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمتہ اللہ

علیہ ہیں---

ایک بار شیخ بیمار ہوگئے۔ بیماری کے دوران منقا کے دانے طلب کیے۔ ایک دانہ تناول فرمایا اور باقی ماندہ کے لیے فرمایا کہ جو بیماران میں سے کھائے گا شفاپائے گا۔ بعد میں کچھ بیماروں نے ان سے شفاپائی۔

شیخ عبدالخالق صاحب تذکرہ آدمیہ فرماتے ہیں کہ ایک سید کو امیر معاویہ سے دلی عداوت تھی۔ ایک دن وہ حضرت کے مکتوبات کا مطالعہ کر رہا تھا کہ حضرت امیر معاویہ کی تعریف کا مقام آیا تو اس نے بیزار ہو کر مکتوبات زمین پر پھینک دیا۔ رات ہوئی تو خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف لائے ہیں اور اس کے دونوں کان پکڑ کر غصہ سے فرمایا کہ اے نادان! ہمارے کلام پر اعتراض کرتا ہے' اگر میری بات پر یقین نہیں ہے تو آ میں تجھے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لے جاتا ہوں' چنانچہ اسے کشاں کشاں آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لے گئے اور آپ کے روبرو کھڑا کر کے عرض کیا یا حضرت! یہ آدمی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف و مدح کے بارے میں مجھ پر اعتراض کرتا ہے اور میری کتاب زمین پر پھینکتا ہے۔ اس بارے میں ارشاد فرمایئے۔ جناب مرتضوی نے اسے مخاطب کیا' فرمایا ہرگز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے دشمنی نہ رکھنا۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہم نے کس نیت سے مجادلہ و مقاتلہ کیا۔ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر اعتراض کرنے یا شیخ احمد کی بات سے روگردانی کی جرات نہیں ہونی چاہیے جو عین حق ہے۔ اس سید نے جب یہ بات سنی تو اسے وہم ہوا اور وہ دلائل تلاش کرنے لگا۔ دوبارہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شیخ احمد کو مخاطب کر کے فرمایا ابھی اس جاہل کا دل نور نصیحت سے منور نہیں ہوا۔ ایک زبردست مکا اس کے منہ پر مارو--- مکا لگتے ہی سید

اپنے عقیدے سے تائب ہوگیا۔ اس کا دل صاف ہوگیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اپنے منہ پر مکا لگنے کی سوجن موجود پائی۔ فوراً حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوا اور سعادت دارین پائی۔

شیخ عبدالخالق سرہندی صاحب "تذکرہ آدمیہ" فرماتے ہیں کہ دہلی کے سب سے بڑے عالم شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ سے اختلاف تھا۔ ایک دن میں ان سے ملنے گیا اور وہاں حضرت مجدد کا تذکرہ چھڑا تو محدث دہلوی نے آپ پر تنقید کی۔ میں نے جواب دیا کہ بزرگان دین سے عداوت رکھنا اچھا نہیں ہے۔ میرا اور آپ کا منصف قرآن شریف ہے' وضو کرتے ہیں' قرآن شریف کھولتے ہیں' اول صفحہ پر جو آیت ہوگی وہ شیخ احمد مجدد کے حال کی فال ہوگی۔ شیخ عبدالحق نے کہا ٹھیک ہے۔ وضو کیا' دو نفل پڑھے' مصحف شریف دائیں ہاتھ میں پکڑا اور پوری عاجزی و عزت سے کھولا تو یہ آیت سامنے آئی۔ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ۔ یہ آیت پڑھ کر علامہ مذکور نے توبہ کی اور پھر کبھی حضرت مجدد سے نزاع و عداوت نہ کی۔

شیخ جان محمد جالندھری فرماتے ہیں:

میں سلسلہ عالیہ "قادریہ اعظمیہ" میں شیخ احمد مجدد الف ثانی کا مرید ہوگیا۔ ایک رات میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ حضرت نے مجھے سلسلہ قادریہ میں بیعت کیا ہے' تو میں آپ سے سوال کروں گا کہ مجھے حضرت غوث الاعظم کی زیارت سے مشرف کروائیں۔ اسی دوران شیخ اٹھے' میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ "جان محمد قطب ستارہ پہچانتے ہو؟" میں نے انگلی سے اشارہ کیا۔ اتنے میں قطب ستارہ سے ایک شخص نکلا جس نے سیاہ خرقہ پہن رکھا تھا اور گھوڑے پر سوار تھا اور بہت تیزی سے شیخ کے سامنے تشریف لایا اور کھڑا ہوگیا۔ شیخ نے اسے دیکھا تو سر زمین پر رکھا اور مجھ سے

فرمایا "جان محمد! حضرت غوث الاعظم یہی ہیں' زیارت کر لے"۔ میں زیارت کر چکا تو حضرت غوث الاعظم واپس اسی ستارہ کی طرف لوٹ گئے۔

صاحب "سفینۃ الاولیاء" شہزادہ دارا شکوہ فرماتے ہیں کہ شہزادہ خرم کے استاد ملا شیخ میرک بن فصیح الدین کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں اتفاق سے سرہند گیا اور شیخ احمد مجدد رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ اگر شیخ اہل کرامت ہیں تو میرے چاروں سوالوں کے جواب دیں۔

اول: لوگ کہتے ہیں کہ شیخ احمد خود کو صدیق اکبر سے افضل کہتے ہیں۔ اگر شیخ اس ناشائستہ حرکت سے پاک ہیں تو میرا اطمینان کر دیں۔

دوم: سننے میں آیا ہے کہ خواجہ باقی باللہ اپنے مرشد خواجہ خواجگی کی اجازت کے بغیر لوگوں کو مرید کرتے تھے۔ شیخ احمد اس سلسلہ میں کافی و شافی بات کریں جس سے میری تسلی ہو جائے۔

سوم: یہ کہ میرے آباؤ اجداد کے احوال بیان کر دیں۔

چہارم: خواجہ خاوند محمود بخاری قدس سرہ کے بارے میں آپ کا جو اعتقاد ہے' وہ بیان کریں۔

ابھی میرا یہ خیال مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ شیخ نے کاغذ کا ایک جزو' اپنی مسند کے تکیہ کے نیچے سے نکالا' مجھے دیا کہ اسے پڑھو۔ میں نے مطالعہ کیا تو فرمایا کہ اسی جزو کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل سمجھتا ہوں۔ میں نے کہا یہ بات تو اس سے ظاہر نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا میں نے صرف اتنا ہی لکھا ہے' باقی جو مخالف کہتے ہیں وہ سب افتراء اور بہتان ہے۔

پھر فرمایا کہ "ایک روز خواجہ خاوند محمود یہاں تشریف لائے اور کہا کہ خواجہ باقی باللہ کو اپنے پیر خواجہ محمد خواجگی کی طرف سے واضح الفاظ میں

مریدوں کو تلقین کرنے کی اجازت نہیں ملی' اس لیے کہ ایک دن مولانا خواجگی اکمنگی خربوزہ کھا رہے تھے اور قاش قاش کاٹ کر خود حاضرین اور مریدوں کو دے رہے تھے۔ سب کو قاشیں دیں سوائے خواجہ باقی باللہ کے۔ آپ نے انہیں کچھ نہ دیا۔ حاضرین نے عرض کی کہ خواجہ باقی بھی موجود ہے' اسے بھی عطا فرمانا چاہیے۔ مولانا خواجگی نے فرمایا' ہم نے اسے پورا خربوزہ دے دیا ہے۔ خواجہ باقی اس بات سے خوش ہوئے اور سمجھ گئے کہ مجھے مولانا خواجگی نے مرید کرنے کی اجازت دی ہے--- میں (مجدد الف ثانی) نے اس کے جواب میں کہا--- یہ بات نہیں کیونکہ میں نے اپنے مرشد اور خواجہ کے دیگر اصحاب سے یہ بات نہیں سنی۔ بلکہ میرے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ خواجہ اکمنگی نے جب خواجہ باقی کو ارشاد کی اجازت اور خلافت دی تو انہوں نے انکار کر دیا اور عرض کی کہ خلافت کا یہ عظیم کام مجھ سے سرانجام نہ پا سکے گا مگر مولانا خواجگی نے قبول نہ فرمایا' بلکہ کہا--- کہ ہم نے تمہیں اجازت دی ہے اور یہ کام تمہیں کرنا ہوگا--- دریں اثناء کچھ سفید ریش لوگوں نے اس قول کی تصدیق کی۔ یہ بات سن کر خواجہ خاوند محمود نے فرمایا کہ ہم نے وہ بات غلط سنی تھی"۔

اس کے بعد حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے میرے آباؤ اجداد کے نام بخوبی لیے اور میری تسلی کر دی--- میرے چوتھے سوال کا جواب یہ دیا کہ خواجہ خاوند محمود ہمارے پیرزادہ ہیں اور خواجہ بہاء الدین نقشبندی کی اولاد میں سے ہیں۔

یوں شیخ احمد مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے میرے دل میں پیدا ہونے والے چاروں سوالات کا جواب اس خوبی سے دیا کہ میں ان کا معتقد ہو گیا اور مرید بن گیا۔

صاحب "در المعارف" میں غلام علی شاہ احمد مجددی نقل فرماتے ہیں کہ شیخ طاہر لاہوری قدس سرہ شیخ احمد مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ ہیں۔ وہ حضرت کے صاحبزادوں شیخ محمد سعید اور شیخ محمد معصوم کے استاد تھے۔ اس سے قبل شیخ لاہوری شاہ کمال کیتھلی قادری کے خاندان میں بیعت کر چکے تھے۔ چونکہ متبحر عالم تھے' اس لیے دونوں صاحبزادے علم ظاہری کی تعلیم آپ سے حاصل کرتے تھے۔ ایک دن آپ حضرت کی محفل میں حاضر تھے کہ شیخ مجدد پر شیخ طاہر لاہوری کے احوال ازراہ مکاشفہ ظاہر ہوئے۔ فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس حلقہ کے حاضرین میں سے ایک شخص کافر ہو جائے گا' دین اسلام سے ہٹ جائے گا۔ میں اس کی پیشانی پر لفظ "ھو الکافر" لکھا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ یہ بات سن کر مخلص حاضرین ترساں و لرزاں ہو گئے اور شیخ سے پوچھا کہ ان تمام اہل حلقہ میں سے وہ بدنصیب کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ فرمایا کہ وہ شیخ طاہر لاہوری ہے۔ یاران مجلس اس بات کے اظہار پر متاسف ہوئے مگر کسی نے یہ بات شیخ طاہر کو نہ بتائی۔ آخر کار چند ماہ بعد شیخ طاہر ایک کافر عورت پر فریفتہ ہو گیا' کفر اختیار کر کے مرتد ہو گیا۔ چونکہ وہ صاحبزادوں کا استاد تھا' اس لیے وہ بہت غمگین ہوئے۔ ایک دن اپنے والد محترم کو خوش دیکھ کر عرض کیا کہ ہمارا استاد دریائے کفر میں ڈوب گیا ہے' توجہ فرمائیں کہ دوبارہ مسلمان ہو جائے۔ فرمایا جو کچھ ہونا تھا' ہو چکا۔ لوح محفوظ میں اس کے بارے میں یہی لکھا تھا۔ مگر جب دونوں صاحبزادوں نے زیادہ اصرار کیا تو اپنے بیٹوں کی خاطرداری کے لیے بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر عرض کی بار الہا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا ہے کہ کسی کو بھی قضائے مبرم پر دسترس نہیں مگر چونکہ تو نے مجھے اپنے دوستوں میں سے ایک ہونے کی عزت بخشی ہے' اس لیے امید کرتا ہوں کہ میرے واسطہ سے یہ بلائے اولی شیخ طاہر سے ٹل جائے۔

فوراً دعا قبول ہوئی۔ شیخ طاہر خواب غفلت اور عشق مجازی کی مستی سے بیدار ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دوبارہ اسلام قبول کیا' آپ کا مرید ہوا' تھوڑے ہی عرصے میں اتنے اونچے مرتبہ پر پہنچ گیا کہ اسے الہام ہوا کہ اے طاہر کہہ دو کہ قدی ھذہ علی رقبتہ جمیع الاولیاء اللہ تعالیٰ (میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے) لیکن وہ بتقاضائے ادب یہ بات زبان سے نہیں کہتے تھے اور عرض کرتے: یارب! یہ اعلیٰ مرتبہ حضرت غوث الاعظم کے ہی لائق ہے اور میرے لیے اتنا کافی ہے کہ میں جناب غوثیہ کا ایک کمترین مرید اور پیروکار بنوں۔

مرزا مظہر جان جاناں مجددی کے عظیم خلیفہ سید غلام علی شاہ دہلوی مجددی فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایسا شخص مبعوث کرے گا جو دین کی تجدید کرے گا۔ پس ہر سو سال کی ہجری پر ایک مجدد پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جنید بغدادی اور غوث الاعظم وغیرہ جیسے اولیاء کبار ہر صدی کے سرے پر عہد مجددی رکھتے تھے۔ مجدد اور محی الدین دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ پس گیارہویں صدی ہجری میں اللہ تعالیٰ نے شیخ احمد رحمتہ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا اور آپ کو اس اعلیٰ رتبہ سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ مجدد الف ثانی' قلم ربانی' محبوب سبحانی اور امام ربانی' شیخ احمد رحمتہ اللہ علیہ آپ کے لقب ہیں۔

ولادت: صحیح اقوال اور "برکات احمدیہ" اور "حضرات القدس" کتابوں کی روایات کے مطابق آپ ۹۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات: اس جامع الکمالات ہستی کی وفات بروز منگل وقت صبح صفر ۱۰۳۵ھ ہے۔ آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ اگرچہ صاحب "مخبر الواصلین" نے آپ کا سال وفات ۱۰۲۴ھ قرار دیا ہے مگر یہ بات کمزور ہے کیونکہ "برکات

احمدیہ" ایک معتبر کتاب ہے اور اس کے مولف نے ۱۰۳۴ھ تحریر کیا ہے۔

قطعہ ولادت

شیخ احمد شیخ دین احمدی　　پیر دین محبوب مقبول عظیم
شد عیان احمد رفیع المنزلت　　"سرورا" تولید آن شیخ کریم

۹۷۱ھ

قطعہ وفات

رحلتش فیض کمال احمد است　　ہم نجوان احمد صراط المستقیم

۱۰۳۴ھ　　۱۰۳۴ھ

پیر سلطان الف ثانی را نجوان　　سال وصل آں شہ جنت مقیم

۱۰۳۴ھ

شیخ محمد طاہر لاہوری قادری نقشبندی مجددی قدس سرہ

آپ شیخ احمد مجدد الف ثانی کے ایک عظیم صاحب' دوست اور خلیفہ ہیں۔ سخت ریاضت اور مجاہدے کرتے تھے۔ اعلیٰ مقامات حاصل تھے۔ کشف و الہام سے بہرہ ور تھے۔ کرامات اور جذب سے بھی سرفراز تھے۔ علماء' صلحاء اور عوام میں مقبول تھے۔ پہلے قادریہ سلسلہ کے شاہ اسکندر بن شاہ کمال کیتھلی کی خدمت میں رہے' پھر شیخ احمد مجدد کے والد بزرگوار شیخ عبدالواحد کی صحبت اختیار کی۔ ان کی وفات کے بعد شیخ احمد کی صحبت میں رہے۔ حضرت نے آپ کو اپنے دونوں صاحبزادوں احمد سعید اور محمد معصوم کی تعلیم پر مقرر فرمایا۔ کئی سال اسی طرح گزر گئے۔ قضائے مبرم سے شیخ طاہر کفر میں مبتلا ہو گئے' پھر حضرت مجدد کے صاحبزادوں کے اصرار پر حضرت کی دعا سے دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ اس واقعہ کا مفصل تذکرہ شیخ احمد مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے حالات میں ہو چکا ہے--- بعد میں حضرت کی نظر کرم سے کمال' تکمیل' اجازت تلقین کے

مرتبہ پر پہنچے۔ نقشبندیہ' قادریہ اور چشتیہ سلسلوں میں ارشاد سے سرفراز ہوئے۔ تکمیل کے بعد طالبان حق کی رہنمائی کے لیے لاہور تشریف لائے۔ لاہور پہنچ کر مالداروں کے پاس آنے جانے کا سلسلہ ترک کر دیا اور معیشت کی یہ سبیل نکالی کہ کتب فقہ و حدیث اپنے ہاتھ سے لکھتے' ان کا حاشیہ درج کرتے اور تصحیح کر کے فروخت کرتے۔ اس ذریعے سے حلال رزق کماتے اور کھاتے۔ شب و روز طالبوں کی رہنمائی اور تلقین میں مصروف رہتے' چنانچہ اللہ کے ہزاروں بندے اس ولی اللہ کی توجہ سے مقامات بلند تک پہنچے اور خطہ پنجاب کی قطبیت آپ کو سونپی گئی---

صاحب "تذکرہ آدمیہ" نے شیخ طاہر کے اقوال میں چند خطوط نقل کیے ہیں جو شیخ طاہر نے اپنے باطنی احوال کے سلسلے میں حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کو لکھے تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک خط یہاں تبرکاً درج کیا جاتا ہے۔

عریضہ

حضرت سلامت!

احقر الخدمت محمد طاہر عرض کرتا ہے کہ جب آستانہ عالیہ سے لاہور متوجہ ہوا تو ہر قدم پر اپنے آپ سے کہتا تھا کہ اے نادان! مقصود کو سرہند میں چھوڑ کر کہاں جا رہا ہے۔ آخر غیب سے آواز آئی کہ چلتا رہ اور رک نہیں--- آخر' کشاں کشاں لاہور پہنچا اور ایک مسجد کے گوشہ میں حیران و پریشاں میں بیٹھ گیا۔ اچانک حضرت خواجہ نقشبند کی روح پر فتوح ظاہر ہوئی اور حکم دیا کہ جس کام پر مامور ہوئے ہو' اس میں لگ جاؤ۔ ان کے اور آپ کے حکم کی تعمیل میں چند آدمیوں کو مشغول کیا۔ اب مجلس گرم ہے اور مشائخ عظام کی روحیں فوج در فوج تشریف لا رہی ہیں اور بہت کرم فرما رہی ہیں۔ خصوصاً حضرت غوث الاعظم' خواجہ بزرگ نقشبند اور حضرت گنج شکر تو ہر حلقہ ذکر و

نماز میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی کئی ہزار اصحاب کے ساتھ تشریف لا کر محفل کی رونق کو بڑھاتے اور نوازشیں فرماتے ہیں اور اعتکاف کے عشرہ میں خلوت خاص اور نسبت تازہ سے سرفراز فرماتے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بہت مہربانی فرمائی اور تشریفات خاصہ سے نوازا۔ اس سے پہلے نسبت ثلاثہ یعنی نقشبندیہ' قادریہ اور چشتیہ میں سے ہر ایک نسبت' باری باری آتی تھی۔ کبھی اکٹھی بھی آ جاتی ہیں' کبھی غالب مغلوب بھی ہو جاتی ہیں۔ نسبت چشتیہ بہت غلبہ پا لیتی ہے حتیٰ کہ میں دوسری نسبتوں سے ناامید ہو جاتا ہوں۔ اس وقت نسبت نقشبندیہ غالب آ جاتی ہے اور دوسری نسبتوں کو زیر کر لیتی ہے۔ اب تینوں نسبتیں ایک ہو چکی ہیں۔ آج کل مشائخ عظام کی نسبت میں سیر کم ہے اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی نسبت میں سیر زیادہ ہے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی نسبت کے علاوہ بندہ اکثر اوقات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میں ہوتا ہے اور بہت خوش و خرم رہتا ہے اور فقر کا مطلوب یہی ہے کہ اسی نسبت پیغمبری میں ترقی ہو۔

والسلام

خلفاء: اگرچہ شیخ طاہر کی توجہ سے ہزاروں طلباء منزل تکمیل تک پہنچے اور مقامات ولایت پائے' مگر ان میں سے چار خلفاء نامدار ہیں جو اعلیٰ مدارج پر پہنچے اور خرقہ خلافت پایا۔ ان میں سے ایک شیخ ابو محمد قادری' نقشبندی لاہوری ہیں۔ آپ خطہ لاہور میں آرام فرما ہیں--- دوسرے سید صوفی جن کا مزار دہلی میں ہے۔ تیسرے شیخ لکھن مست جو ہمیشہ جام عشق سے سرمست رہتے تھے' بے خود ہوتے اور جس پر نظر توجہ ڈالتے اسے ولی بنا دیتے۔ ان کا مدفن موری دروازہ کے باہر لاہور میں ہے۔ چوتھے شیخ ابوالقاسم نقشبندی ہیں

کہ آپ کا مزار پر انوار جدہ میں مشہور ہے۔ وہ اپنے مرشد کی اجازت سے حجاز کے سفر پر گئے۔ جب حرمین شریفین کی زیارت کے بعد جدہ پہنچے تو وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

صاحب "روضۃ السلام" فرماتے ہیں کہ حضرت پر نسبت قادریہ عالیہ اس قدر غالب تھی کہ مشائخ قادریہ میں اپنے عہد میں ممتاز تھے اور وقت کے بزرگ اپنی گردنوں میں آپ کی غلامی کا طوق ڈالتے تھے۔ جب سید آدم بنوری مجددی کے کان میں آپ کی بزرگی کی آواز پہنچی تو پیری چھوڑ کر پاپیادہ "بنور" سے لاہور تشریف لائے اور شیخ طاہر سے نسبت قادریہ کا فیض کامل حاصل کیا۔

وفات: حضرت شیخ طاہر نے بروز جمعرات بوقت چاشت ۸ محرم الحرام ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر ۵۶ سال تھی۔ صاحب "تذکرہ مجددیہ" نے آپ کی تاریخ وفات "غم و آہ معرفت مرد" سے اخذ کی ہے۔ آپ کا مزار مبارک لاہور کے میانی قبرستان میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

قطعہ

شیخ طاہر چو شد از دار فنا — سال وصلش آنشہ والا ولی
ی شود روشن ز روشن آفتاب — ہم ولی طاہر بزرگ متقی

۱۰۴۰ھ — ۱۰۴۰ھ

خواجہ بیرنگ قدس سرہ

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم شیخ اور خواجہ باقی باللہ کے فرزند ارجمند ہیں۔ اپنے والد بزرگوار سے خرقہ خلافت و اجازت حاصل کیا۔ ان کی وفات کے بعد اپنے والد ہی کے حق پسند دوست اور مخلص یار خواجہ حسام الدین

نقشبندی کی خدمت میں گئے۔ نقشبندی طریقہ کے انتہائی مقامات پر فائز ہوئے اور اپنے وقت کے کاملین سے ہوئے۔ سینکڑوں طالبان خدا نے آپ کی خدمت میں آکر کمالات ظاہری و باطنی پائے۔۔۔۔ اپنے والد کی وفات کے بعد تیس سال تک زندہ رہے۔ ۱۰۴۲ھ میں رحمت حق سے جا ملے۔

قطعہ

ز دنیای دون رخت ہستی بہ بست — چو بیرنگ آں مقتداء اہل فقر
بگو "شیخ اسلام" تاریخ او — دگر "زبدۃ الاصفیاء اہل فقر"

۱۰۴۲ھ — ۱۰۴۲ھ

خواجہ ہاشم اور خواجہ صالح وہیدی قدس اللہ اسرارھما

یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے حقیقی بھائی تھے۔ پہلے سمرقند کے مضافات میں قصبہ وہید میں سکونت تھی۔ بعد میں ماوراء النہر اور سمرقند کا رخ کیا۔ خواجہ ہاشم بڑے تھے اور خواجہ صالح چھوٹے بھائی تھے۔ دونوں اپنے والد گرامی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کے والد خواجہ محمد کاشانی کے مرید اور خلیفہ تھے، جو خواجہ محمد قاضی کے مرید تھے۔ وہ زبدۃ الابرار خواجہ عبید اللہ احرار نقشبند کے مرید تھے۔ خواجہ محمد ہاشم کی وفات، بقول صاحب "سفینۃ الاولیاء" بروز سوموار ۱۵ ربیع الاول ۱۰۴۶ھ میں ہوئی اور آپ کا مزار قصبہ وہید میں ہے۔ خواجہ محمد صالح کی وفات محرم ۱۰۴۸ھ میں ہوئی۔ آپ کا مرقد مقدس بلخ میں ہے اور آپ کی عمر ۷۲ سال ہے۔

قطعہ

ہاشم و صالح چو آن ہر دو جہان — از جہان افتند در باغ جنان
بہر سال وصل آن ہر دو ولی — ہر دو تاریخ آمد از "سرور" عیان
اولاً ہاشم معلی متقی — باز "صالح سرور جنت نجوان"

۱۰۴۶ھ

آخون ملا حسین جناز کشمیری نقشبند مجددی قدس سرہ

آپ خطہ کشمیر جنت نظیر کے عظیم ولی اور بزرگ ہیں۔ پہلے مولانا محمد قادری کے مرید ہوئے اور ظاہری و باطنی کمالات حاصل کیے۔ جب مرشد حرمین شریفین کے لیے گئے تو آپ دہلی میں خواجہ عبدالشہید نقشبندی کی خدمت میں پہنچے اور فیض حاصل کیا اور اس سے پہلے کچھ مدت خواجہ باقی باللہ کے پاس بھی رہے۔ اس کے بعد خطہ دلپذیر کشمیر تشریف لے آئے۔ آپ، شریعت کے فروغ اور بدعت کے قلع قمع میں مصروف ہوئے۔ آپ نے خواجہ حبیب اللہ نوشہری سے چند بار شرعی دلائل کے ساتھ بحث کی' جو اس وقت سماع سنتے اور وجد کرتے تھے۔ آپ نے کتاب ہدایت الاعمی اور بہت سے رسائل تصنیف فرمائے۔ آپ نے ان رسائل میں حضرت حسین بن منصور' فرید الدین عطار اور خواجہ محمد بن محی الدین ابن عربی وغیرہ کے بارے میں چند عبارتیں تحریر کیں۔ ان حضرات نے کلمہ "ہمہ اوست" کہا تھا۔

صاحب "تواریخ اعظمیہ" خواجہ محمد اعظم دیدی فرماتے ہیں: "کشمیر کے ایک پیر محمد امین صوفی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ایک دن جمعہ کی نماز کے بعد' شیخ بابا نصیب الدین سہروردی' مولانا حیدر علامہ' مولانا حیدر کے صاحبزادے خواجہ محمد افضل یہ سب حضرات خانقاہ ملک جلال تنکور میں خواجہ حسین کے دیدار کے لیے تشریف لائے۔ میں اس وقت بچہ تھا اور بابا نصیب الدین کی کفش برداری کی خدمت سے مشرف تھا' ان سب حضرات کے سامنے کھڑا تھا۔ گفتگو کے دوران ایک حدیث کا ذکر ہوا۔ خواجہ حسین نے مولانا حیدر علامہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس حدیث کو کس صحابی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ ملا حیدر علامہ نے ابھی جواب شروع بھی

نہیں کیا تھا کہ مولانا کے صاحبزادے خواجہ محمد افضل نے جو ابھی نابالغ تھے جواب دیا کہ اس حدیث کے راوی حضرت عثمان ذی النورین ہیں۔ خواجہ حسین نے صاحبزادے کی بات کی طرف توجہ نہ کی اور دوبارہ مولانا حیدر سے سوال کیا تو آپ نے اپنے بیٹے کے کلام کی تصدیق کی اور کہا کہ اس حدیث کے راوی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ یہ سن کر خواجہ حسین نے فرمایا کہ اگر آپ ہی پہلی بار جواب دیتے تو میں مان جاتا مگر اب چونکہ آپ کے بیٹے نے یہ جواب دیا ہے اور آپ نے اس کی تصدیق کر دی ہے' اس لیے میرے دل میں سخت تردد ہے اور ضروری ہے کہ ہم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کی تصدیق کروائیں۔ خواجہ کی بات ابھی جاری تھی کہ ایک برقعہ پوش نورانی شکل کا حسین و جمیل گویا حسن و جمال میں یوسف ثانی تھا خانقاہ کے دروازہ سے اندر آیا اور خانقاہ کی جلسہ گاہ کے اندر محفل کی نشست پر بیٹھا۔ ملا حسین' بابا نصیب الدین اور مولانا حیدر' تینوں حضرات اس کی تعظیم کے لیے اٹھے اور آداب و تسلیمات بجا لائے' ان کے قدموں کو چھوا اور ادب سے سامنے بیٹھ گئے۔ آہستہ آہستہ مذکورہ حدیث کی روایت پر باتیں ہونے لگیں۔ اور اس شخصیت کے جواب سے مشرف ہوئے۔ کلام ختم ہوا تو وہ برقعہ پوش اپنی جگہ سے اٹھے اور جس راہ سے آئے تھے' اسی راہ پر سے تشریف لے گئے۔ ان کے جانے کے بعد تینوں حضرات خلیفہ ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عنایت کے شکرگزار ہوئے اور کہا' یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پرفتوح تھی' جو برائے تصدیق روایت حدیث تشریف لائی تھی"۔

وفات: خواجہ حسین بقول صاحب "تواریخ اعظمی" ۱۰۵۰ھ میں تشریف لائے۔ آپ کا مزار پرانوار کشمیر کے محلہ کوجوارہ میں ہے۔

قطعہ

ز دنیا چو درخلد والا رسید ولی جہان شیخ اکبر حسین
یکے علم فضل است تاریخ او دگر "شاہ سلطان سرور حسین"
۱۰۵۰ھ ۱۰۵۰ھ

خواجہ خاوند المشہور بحضرت ایشان قدس سرہ

آپ مادرزاد ولی تھے قطب الارشاد' صاحب حال و قال' جامع کمال ظاہری و باطنی' مظہر جمال صدری و معنوی تھے۔ آپ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں رتبہ عالی رکھتے تھے۔ آپ کا والد کی طرف سے نسب' شاہ بہاؤ الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ برحق خواجہ علاؤ الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ تک جا پہنچتا ہے۔ آپ کے والد شریف کا اسم گرامی میر سید شریف بن خواجہ میر محمد بن تاج الدین حسین بن خواجہ علاؤ الدین عطار ہے رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔ خواجہ عطار' خوارزم کے سادات عظام میں سے تھے۔ اور ان کا نسب پاک ایک جانب سے حضرت سید آتا اور دوسری جانب سے شیخ فرید الدین عطار تک پہنچتا ہے۔ خواجہ خاوند محمود اگرچہ بظاہر خواجہ ابو اسحاق سفید کی نقشبندی کے مرید تھے مگر اس کے علاوہ وہ خواجہ شاہ بہاؤ الدین نقشبند سے نسبت اویسیہ رکھتے تھے۔ چنانچہ محمد معین "کتاب رضوانی" میں فرماتے ہیں۔

یہ نسبت اویسی جو حضرت ایشان کو خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی روح پرفتوح سے پہنچی' نسبت اویسی ہے جو سب سے پہلے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ سے خواجہ حسن بصری کو اور ان سے خواجہ حبیب عجمی اور ان سے داؤد طائی کو اور ان سے معروف کرخی کو اور ان سے سری سقطی اور ان سے جنید بغدادی کو اور ان سے بوعلی رودباری کو اور ان سے بوعلی کاتب کو اور ان سے بو عثمانی مغربی کو اور ان سے شیخ ابوالقاسم گورگانی کو اور ان سے بو

علی فارمدی کو' ان سے خواجہ یوسف ہمدانی کو' ان سے خواجہ عبدالخالق غجدوانی کو اور ان سے خواجہ بہاؤ الدین شاہ نقشبند کو اور ان سے خواجہ خاوند محمود رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہوئی۔

بیس سال کی عمر میں حضرت ایشان کو شوق و ذوق الٰہی دامن گیر ہوا۔ بخارا سے وخش آئے ایک روز باقی بیگ حاکم وخش کی مجلس میں جو سخت بدمزاج تھا تشریف فرما تھے۔ باقی بیگ نے آپ کی طرف دیکھ کر کہا: "یہ لوگ جو اپنے آپ کو خواجہ زادے کہتے ہیں فی الحقیقت مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں لہٰذا اس لائق ہیں کہ ان کے کان اور ناک کاٹ کر ان کی تشہیر کی جائے اور اگر میں یہ کام نہ کروں تو میں باقی بیگ نہیں"۔ یہ بات سنتے ہی حضرت ایشان نے فرمایا: "مجھے امید ہے کہ ایک دن تمہارے کان اور ناک کاٹے جائیں گے"۔ ایک ہفتہ بعد بخارا کے بادشاہ عبداللہ خان کے میر شکار نے شکاری جانوروں کے ساتھ دریا عبور کیا۔ وخش میں آئے اور ایک بڑھیا کی بھیڑ چھین کر ذبح کی اور شکاری جانوروں کو کھلا دی۔ حاکم وخش باقی بیگ نے اس ظلم کی پاداش میں میر شکار کو مار پیٹ کے وخش سے باہر نکلوا دیا۔ میر شکار نے اس توہین کا بدلہ لینے کے لیے بادشاہ کا خاص باز' راستہ میں مار ڈالا اور بادشاہ کے حضور بطور فریادی کے درخواست کی کہ باقی بیگ نے شاہی باز مار ڈالا اور ہمیں مارا پیٹا۔ کچھ اور باتیں بھی اپنی طرف سے بنا کر بادشاہ کو بھڑکا دیا۔ بادشاہ نے دس آدمی باقی بیگ کو لانے کے لیے بھیجے اور اس کے دونوں کان اور ناک کاٹنے کا حکم دیا۔ یوں اس منکر اولیاء کو سزا ملی۔

عبداللہ خان شاہ بخارا اور اس کا بیٹا عبدالمومن کی وفات کے بعد ہمایوں بادشاہ تھا تو حضرت ایشان غیبی اشارہ پا کر بخارا سے کابل آئے۔ چند عرصہ کابل میں قیام کیا۔ وہاں سے کشمیر گئے۔ حاکم کشمیر جمیل بیگ کے گھر قیام

فرمایا۔ سینکڑوں لوگوں نے آپ کے حضور آ کر بیعت کی۔ آپ وہاں کافی عرصہ تک ٹھہرے۔ چنانچہ اب تک کشمیر میں خواجہ کی اولاد اور ہزاروں مرید موجود ہیں۔

کشمیر سے ایک شخص خواجہ احمد جو خواجہ محمود کی اولاد میں سے تھا ۷۰ھ میں لاہور آیا اور حضرت ایشان کے مزار پر جا کر فاتحہ پڑھی اور اپنی طرف سے فضل الدین صحاف کو روضہ کا متولی بنا کر واپس کشمیر چلا گیا۔ بعد میں خواجہ ایشان کشمیر سے ہندوستان آئے اور لاہور' دہلی اور اکبر آباد میں قیام کیا۔ جلال الدین اکبر' جہانگیر اور شاہجہان بادشاہوں کے نزدیک مقبول ہوئے یہاں تک کہ شاہی بیگمات اور مستورات بھی آپ سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔

ایک دفعہ حضرت ایشان کشمیر سے روستاق تشریف لے جا رہے تھے' گرم موسم' سخت لو' رمضان کا مہینہ' آپ کے ہمراہیوں کو پیاس کی وجہ سے سخت تکلیف تھی۔ چلنے کی سکت نہ رہی۔ آخر خواجہ سے دعا کی درخواست کی آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر لب ہلائے۔ فوراً بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا۔ بارش برسنا شروع ہوئی۔ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ غروب آفتاب تک آسمان پر بادل چھائے رہے۔ یوں یہ حضرات آسانی سے منزل مقصود پر پہنچ گئے۔

اسی طرح ایک دن آپ کشمیر میں ایک صاحب حاجی باندی کشمیری کے یہاں مہمان تھے چونکہ اس سال آسمان سے پورے موسم میں ایک قطرہ بھی نہیں برسا تھا اور غلہ مہنگا تھا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد اہل مجلس نے آپ سے دعائے بارش کی التجا کی۔ خواجہ نے آسمان کی طرف رخ کر کے ہونٹ ہلائے۔ فوراً آسمان پر بادل چھا گئے اور اتنی بارش ہوئی کہ خشک سالی کی تلافی ہو گئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جمیل بیگ کا بھائی شرف بیگ' کابل میں گیا ہوا تھا۔

آپ کا مرتبہ اونچا ہے۔ علم و حلم اور دیانت و متانت میں شہرہ آفاق تھے۔ طریقت و شریعت میں آپ کا قدم مضبوط تھا۔ بہت سی مخلوق نے آپ کی توجہ کی برکت سے ہدایت پائی اور کمال ولایت تک پہنچے۔ آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔

وفات : حضرت میر ۱۸ صفر ۱۰۶۰ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ صاحب "مخیر الواصلین" نے آپ کی تاریخ رحلت ۱۰۵۸ھ اور ۱۰۶۰ھ تحریر کی ہے۔

قطعہ

چو از نعمائے جنت گشت منعم　　بود حامد حامد دین ذوالکرم
بسال انتقالش گفت "سرور"　　کہ "ہادی زیب نعمت میر نعمان"
۱۰۶۰ھ

میر ابو العلاء نقشبندی اکبر آبادی قدس سرہ

آپ خواجہ احرار نقشبندی کی اولاد میں سے ہیں۔ اکبر آباد میں رہتے تھے۔ آپ بہت بڑے زاہد و عابد اور متقی انسان تھے۔ فیض کا سمندر اور احسان کی کان تھے۔ اللہ کے بندے گروہ در گروہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دنیا و عقبیٰ کا فیض حاصل کرتے تھے۔ حضرت میر بھی ہر طالب کی طرف متوجہ ہوتے خواہ وہ دنیا کا طالب ہو یا عقبیٰ کا۔۔۔ آپ اس کی مشکل حل کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بعض مشائخ عظام نے دنیا کے طالب کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیا لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ پہلے دنیا کا طالب اپنا دنیاوی مطلب پالے اور اسے معلوم ہو جائے کہ مردان حق کی دعا مقبول ہوتی ہے۔ یوں وہ پہلے دل سے اللہ والوں کا معتقد ہو جائے اور اس کی دنیاوی کامیابی اخروی کامرانی کا موجب بن جائے۔ آپ کے اسی طرز عمل کی وجہ

سے لوگوں کی بڑی بھیڑ آپ کے پاس جمع رہتی اور جو لوگ پہلے دنیا کے طلبگار ہوتے تھے بعد میں وہی دنیا و عقبیٰ کی سعادت تک جا پہنچتے۔

وفات: اس جامع الکمالات ہستی نے بروز ہفتہ ۹ر صفر ۱۰۶۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار پرانوار، اکبر آباد میں ہے۔۔۔

قطعہ

خلد برین یافت قدر بلند　　بود حامد حامد دین ذوالکرم
وصالش "تو فیاض قطب جہان"　　بفرما "امیر سخن بو العلاء"

۱۰۶۱ھ

شیخ ابوالفتح قدس سرہ

آپ حضرت شیخ آدم بنوری رحمتہ اللہ علیہ کے قدیم دوست، کامل ساتھی، محرم راز اور آپ کے خانساماں تھے۔ ابتداء میں شیخ کے ساتھ شوخی کرتے اور حضرت کے سامنے محبوبانہ باتیں کرتے۔ شیخ کو بھی آپ سے بے حد محبت تھی۔ آپ نے شیخ ابوالفتح کو اپنے زیرسایہ پروان چڑھایا اور بچپن سے اپنے پاس رکھا اور تربیت کی۔ شیخ ابوالفتح، ابتداء میں عشق مجازی میں مبتلا ہوئے اور پھر اپنے مرشد کامل کی برکت سے ان کا عشق مجازی، عشق حقیقی میں تبدیل ہوگیا۔۔۔ آپ نے پھر وہ کمال پائے کہ کئی دفعہ شیخ آپ کے بارے میں فرماتے تھے "شیخ ابوالفتح ہمارا دائیاں ہاتھ ہے"۔

وفات: آپ نے ۱۰۶۶ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

حضرت بوالفتح پیر زندہ دل　　یافت چون از دہر در جنت مکان
سال وصل او "سرور" گفت دل　　کو زہے بوفتح فتاح جہان

۱۰۶۰ھ

شیخ عبدالحئی قدس سرہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ مقتدائے زمان تھے' امام جہان تھے' معزز محبت اور مخزن کرامت تھے۔ آپ ذوق و شوق اور جذب و استغراق میں لاثانی تھے۔ اتباع سنت نبوی اور ورع و تقویٰ میں بے نظیر تھے اور کرامت و خوارق میں مشہور تھے۔

وفات: شیخ عبدالحئی نے ۱۰۷۰ھ میں داغ مفارقت دیا۔

قطعہ

گشت مدفون چو آہ صورت گنج — در زمین حق پرست عبدالحئی
"مہدی اعظم" است سالش نیز — "قطب دین حق پرست عبدالحئی"
۱۰۷۰ھ — ۱۰۷۰ھ

شیخ احمد سعید نقشبندی مجددی قدس سرہ

آپ شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ منقول و معقول پر حاوی تھے۔ فروع و اصول کے جامع تھے۔ صاحب حال و قال تھے' مظہر جمال و کمال تھے۔ مخزن برکات اور معدن کرامات تھے' منبع انوار' واقف الاسرار کریم الاخلاق' عمیم الاشفاق اور صاحب مقامات جلیلہ و مدارج عالیہ تھے۔ طریقہ میں اپنے والد بزرگوار سے فیض عام حاصل کیا۔ آپ سے بے اختیار کئی کرامات ظاہر ہوئی تھیں۔

صاحب "تذکرہ آدمیہ" ملا بدر الدین مجددی سے نقل کرتے ہیں کہ میں ایک دن شیخ احمد سعید کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک خادم نے ایک بیڑہ برگ پان' برگ پلاس میں لپیٹ کر حاضر کیا۔ شیخ نے اسے کھولا اور بیڑہ پان تناول

فرما لیا۔ پھر آپ نے بیڑہ برگ پلاس کو' جو بطور لفافہ کے تھا' بیڑہ برگ پان کے طور پر میری طرف پھینک دیا۔ میں نے سمجھا کہ شاید بیڑہ پان ہے جو آپ نے مجھے عطا فرمایا ہے' میں پورے احترام و تعظیم سے اٹھا' کھولا تو خالی تھا۔ بعض حاضرین محفل' میری اس حرکت پر مسکرائے' میں شرمندہ ہوا۔ آخر اپنی شرمندگی اور خفت مٹانے کے لیے اس پتے کو اپنی پگڑی میں چھپا لیا۔ مجلس برخاست ہونے کے بعد جب اپنے گھر آیا' پگڑی سر سے اتاری اس پتے کو پھینکنے کے لیے باہر نکالا تو دیکھا کہ اب پلاس کا پتا' پان کا پتہ بن چکا ہے۔ اس کرامت اور تصرف سے میں حیران رہ گیا۔ بڑی خوشی سے پان چبایا۔ ایسی مٹھاس ملی جس کا بیان احاطہ تحریر میں نہیں آ سکتا۔

صاحب "در المعارف" فرماتے ہیں کہ خواجہ باقی باللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ خواجہ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے دونوں صاحبزادے خواجہ احمد سعید اور محمد معصوم میں بے بہا جوہر ہیں۔ یہ دونوں بچپن میں ہی "مقامات احمدیہ" تک پہنچے۔۔۔ "در المعارف" میں ہے کہ ایک شخص نے سید غلام علی شاہ اور ہادی مجددی کی خدمت میں عرض کی کہ خواجہ ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ دونوں صاحبزادے کار تجدید میں اپنے والد شیخ احمد کے ساتھ شامل ہیں۔ غلام علی شاہ نے فرمایا: "مجھے اور کچھ معلوم نہیں مگر شیخ احمد مجدد فرماتے تھے کہ میرا اور میرے بیٹوں کا معاملہ' صاحب "شرح وقایہ" کے معاملہ کی طرح ہے۔ ان کے دادا "وقایہ" تحریر کرتے تھے تو صاحب شرح وقایہ اسے حفظ کر لیتے تھے۔ اسی طرح جو معارف مجھ پر کشوف ہوتے ہیں' میرے بیٹے انہیں بطور خود یاد کر لیتے ہیں"۔

صاحب "حضرات القدس" اور "روضتہ السلام" فرماتے ہیں کہ خواجہ احمد سعید میں اس قدر جمال ظاہری اور کمال باطنی تھا کہ جو کوئی بھی ایک بار

سامنے آتا آپ کے کمالات حسن و جمال پر فریفتہ ہو جاتا۔

خواجہ آدم بنوری اور شیخ احمد سعید رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے مابین محبت و اخلاص کا گہرا رابطہ تھا۔ آپ نے شیخ آدم کے صاحبزادوں اور اپنے خلفاء و طلباء کی اس وقت تربیت کی جب شیخ آدم مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔

شیخ بدر الدین صاحب "حضرات القدس" نے شیخ احمد سعید کے مناقب میں کئی کتابیں اور رسالے تحریر کیے ہیں۔ آپ جامع کرامات تھے۔ ایک دفعہ سرہند میں وبائے عظیم نمودار ہوئی۔ سینکڑوں لوگ اس وبا سے ہلاک ہوگئے۔ آخر وہاں کے باشندوں نے آپ کی طرف رجوع کیا تو آپ نے فرمایا کہ آج سے کوئی شخص مرض طاعون سے ہلاک نہیں ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ' اور ایسا ہی ہوا۔

وفات: شیخ احمد سعید نے ۱۰۷۰ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

قطعہ

چون سعید از دار دنیا رخت بست — در جہاں ماتم شد و در خلد عید
گفت "سرور" سال وصل پاک او — "نیر روشن ولی دین سعید"

۱۰۷۰ھ

شیخ محمد سلطان پوری قدس سرہ

آپ شیخ آدم بنوری کے عظیم خلیفہ ہیں۔ بہت بڑے بزرگ' صاحب علم و عمل اور صاحب حال و قال تھے۔ ہر بیماری کا دم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کرتے' بیمار شفا پاتا۔ جذام کے مرض کے لیے اونٹ کی ہڈی پر بسم اللہ

دم کر کے دیتے اور فرما دیتے کہ اسے مریض کے گلے میں باندھ دینا' چند دنوں میں بیمار شفا پا لیتا۔ آپ ذکر کرتے تو جنگل کے جانور حاضر ہوتے' آپ کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے اور غور سے ذکر سنتے۔ آپ نے ۱۰۷۵ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چون محمد جامع صدق و صفا رفت در فردوس بے نقص و خلل
سال تر حیش بسرور شد عیان از "محمد مخزن علم و عمل"

۱۰۷۵ھ

شیخ محمد معصوم قدس سرہ

شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے درمیانے صاحبزادے ہیں۔ اپنے دور کے قطب اور مرشد عصر تھے۔ آپ کا نسب شریف گیارہ واسطوں سے سلطان فرخ بادشاہ کابل سے ملتا ہے۔ اور ۲۹ واسطوں سے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی پیدائش کے بعد آپ کے والد بزرگوار شیخ احمد' خواجہ عبدالباقی کی خدمت میں گئے اور عرض کی کہ اس بیٹے کی پیدائش میرے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی ہے کیونکہ اس کے پیدا ہونے کے بعد ہی آپ جیسے پیر روشن ضمیر کی صحبت میسر آئی ہے۔

حضرت معصوم رحمتہ اللہ علیہ' اعلیٰ استعداد کی بنا پر' ولایت میں' محمدی المشرب تھے۔ سولہ سال کی عمر میں تمام علوم سیکھ لیے اور اپنے سر مبارک پر دستار فضیلت باندھ لی۔ اس کے بعد علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے والد کی توجہ سے اپنے بڑے بزرگ کی اولاد پر سبقت لے گئے۔ شیخ احمد مجدد اپنی آخری عمر میں' اپنے مریدوں کی تربیت کے لیے انہیں شیخ محمد معصوم کے حوالے کر دیتے تھے اگرچہ آپ کم عمر تھے۔ شیخ آپ کے حق میں دعائے

خیر کرتے اور وصیت فرمایا کرتے کہ خانقاہ میں پرانے بوریا کو تخت سلطنت سمجھ کر قناعت کرنا۔ مال داروں کی صحبت اور بادشاہ کی مجلس سے احتراز کرنا۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ شاہجہان بادشاہ آپ کے ساتھ مجلس آرائی کا بہت خواہش مند تھا لیکن اس کے لیے ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ البتہ اورنگ زیب عالمگیر آپ کا معتقد اور مرید ہوا۔ وہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے کا شائق تھا مگر آپ نے اس کا یہ مطالبہ قبول نہ کیا۔

خواجہ معصوم کی توجہ سے مرتبہ ولایت پر پہنچنے والے آپ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ جب آپ ہندوستان سے حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو بے شمار اہل عرب و عجم آپ کے مرید ہوئے۔

صاحب "تذکرہ آدمیہ" فرماتے ہیں: "محمد داراشکوہ خلف شاہجہان' حضرت ملا شاہ قادری کا مرید تھا۔ جبکہ اورنگ زیب عالمگیر' حضرت معصوم سرہندی کا مرید تھا۔ دونوں بھائیوں میں دشمنی اور تنازع تھا اسی لیے داراشکوہ کو سرہند کے صاحبزادگان سے کدورت اور بغض تھا۔ جب حضرت معصوم مدینہ منورہ پہنچے تو سنا کہ داراشکوہ' اپنے باپ شاہجہان کا ولی عہد مقرر ہوگیا ہے۔ یہ بات سن کر آپ متفکر ہوئے اور اجازت لینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے سامنے تشریف لے گئے۔ متوجہ ہوئے اور عرض کی: "ہندوستان جانے کے بارے میں جو حکم ہو بندہ اس کی تعمیل کرے گا کیونکہ میرے مرید اور وابستگان سرہند میں ہیں۔ اس سلسلہ کا دشمن داراشکوہ' شاہ جہان کا ولی عہد بن چکا ہے' ایسا نہ ہو کہ اس سلسلہ کے متعلقین کو نقصان پہنچائے"۔ اسی دوران محسوس ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شمشیربدست ظاہر ہوئے اور فرمایا جو کوئی تمہارا دشمن ہے اس کے

لیے یہ شمشیر قہر الٰہی کافی ہے۔ جب مراقبہ سے سر اٹھایا تو فرمایا کہ داراشکوہ ہندوستان میں مارا گیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

محمد صدیق پشاوری کہتے ہیں کہ فقیر نے پشاور سے حضرت معصوم کی ملاقات کے ارادہ سے خچر پر سوار ہو کر سرہند کا رخ کیا۔ راستہ میں اچانک خچر اچھلا' میں خچر کی پیٹھ سے الگ ہوگیا۔ میرا پاؤں رکاب میں پھنس گیا۔ خچر دوڑنے لگا تو میں زمین پر گھسٹنے لگا۔ لوگ بہت دوڑے مگر پکڑ نہ سکے۔ اس وقت میں نے مجبور ہو کر دل میں شیخ کو یاد کیا۔ یاد کرتے ہی شیخ بذات خود وہاں تشریف لے آئے اور خچر کی لگام پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا اور میرا پاؤں رکاب سے نکال کر غائب ہوگئے۔ اسی طرح میں ایک دفعہ دریا کے کنارے کپڑے دھو رہا تھا کہ اچانک دریا میں گر گیا۔ پانی گہرا تھا۔ مجھے کئی غوطے آئے اور ڈوبنے ہی والا تھا کہ میں نے اس مصیبت کی گھڑی میں اپنے شیخ کو یاد کیا۔ آپ فوراً ظاہر ہوئے۔ مجھے پانی سے نکالا—— اسی طرح میں نے ایک روز سلطان الاذکار کے غلبہ سے مغلوب ہو کر صحرا کا رخ کیا۔ میں ایسی جگہ پہنچا جہاں لوگ نہ تھے' میں تنہائی سے ڈرا اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ہر طرف شیخ کی صورت نظر آ رہی ہے۔

صالح نامی ایک آدمی آپ کا مرید تھا۔ ہمسایہ کی خوبصورت عورت اس پر عاشق تھی۔ آخر دونوں طرف کی شدید آرزو کے بعد ملاقات ہوئی۔ دونوں جانب سے تقاضا ہوا اور شہوت نے غلبہ پا لیا۔ جب کاربد کا ارادہ کیا تو اچانک اس آدمی کی نگاہ گھر کے دروازہ پر پڑی۔ دیکھا کہ حضرت شیخ دروازہ کے ساتھ کھڑے ہیں اور انگلی دانتوں میں دیے کہہ رہے ہیں کہ خبردار! یہ برا کام نہ کرنا۔ جب عورت نے یہ دیکھا تو ڈر کے مارے بے ہوش ہوگئی۔ آدمی موقعہ غنیمت سمجھ کر وہاں سے فرار ہوگیا۔

ملا محسن کابلی فرماتے ہیں ایک دن میں ماہ رمضان میں اعتکاف کی تقریب میں شمولیت کے لیے حضرت معصوم کی خدمت میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت سو رہے ہیں اور آپ کا چہرہ انور' چادر کے نیچے چھپا ہے۔ میں آہستہ سے بیٹھ گیا اور دل میں سوچا کہ یہ خواب غفلت ہے' اولیاء کے لیے نیند کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ خیال میرے ذہن میں آتے ہی آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا۔

سحر کرشمہ وصلش بخواب می دیدم
زہے مراتب خواب کہ بہ ز بیداری است

میں اس جواب سے بہت شرمندہ ہوا اور معافی مانگی۔

میر عسکری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک شخص کا بیٹا فوت ہوگیا۔ اس کے والدین بہت گھبرائے ہوئے تھے اور حضرت شیخ کے حضور فریاد کر رہے تھے۔ آخر ان کی التجا قبول ہوئی۔ آپ نے میت کے سرہانے بیٹھ کر توجہ دی۔ ایک ساعت گزرنے کے بعد شیخ کے مسیحائی تصرف سے متوفی کی لاش حرکت میں آئی۔ وہ اٹھا اور مکمل طور پر صحت مند ہوگیا۔

میر محمد بدخشانی نے بھی اپنی کتاب "تذکرہ مشائخ معصومیہ" میں یہ کرامت نقل کی ہے۔

شیخ محمد معصوم کے مرید اور معتقد ملا پایندہ لکھتے ہیں کہ ایک دن میں نے ایک شیعہ مذہب آدمی کے منہ سے اصحاب کبار کی شان میں گالیاں سنیں۔ میں نے غصے ہو کر اس کے سینہ پر مکا مارا جو اس کے دل پر لگا اور وہ فوراً ہلاک ہوگیا۔ اس کے قریبی رشتہ داروں نے مجھ پر قتل کا الزام لگایا اور حاکم کے پاس لے گئے۔ حاکم کے پوچھنے پر میں نے تمام ماجرہ کہہ سنایا۔ حاکم نے مجھ سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گالیاں دینے کے مقتول کے عمل کے گواہ

طلب کیے۔ چونکہ میرے پاس کوئی گواہ نہیں تھے اس لیے حاکم نے میرے قتل کا حکم دے دیا۔ میں سخت گھبرایا اور اس مصیبت کی گھڑی حضرت شیخ کو یاد کیا۔ ایک ساعت کے بعد شیخ بنفس نفیس اس مجلس میں تشریف لائے اور حاکم سے فرمایا کہ ملا پائندہ نے ٹھیک بتایا ہے۔ اس مقتول کی حالت کا گواہ وہ ہو سکتا ہے جو مردہ کو قبر میں دیکھ سکے۔ اگر میت کا منہ قبلہ کی طرف ہے تو وہ بے گناہ مارا گیا ہے اور اگر میت کی پشت قبلہ کی طرف ہے تو اس نے صحابہ کو گالیاں بکی ہوں گی۔ حاکم نے اس بات کو قبول کیا۔ قبر کھولی گئی تو دیکھا کہ میت کی پشت قبلہ کی طرف ہے اور اس کا چہرہ اصلی حالت میں نہیں رہا۔ یہ دیکھ کر حاکم اور سب لوگوں نے میری تعظیم کی اور عزت و توقیر کی۔

پدر رحیم داد بجواری حضرت شیخ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ کا مرید تھا۔ ایک بار بحری جہاز میں مال تجارت کے ساتھ سوار تھا۔ اتفاقاً جہاز تباہی کا شکار ہونے لگا۔ حتیٰ کہ عنقریب ڈوبنے ہی والا تھا۔ آخر اس نے ایک ہزار روپیہ شیخ کی خدمت میں پیش کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اسی وقت موافق ہوا چلی، جہاز تباہی سے نکل گیا اور منزل مقصود تک جا پہنچا۔ جب مرید حضرت کی خدمت میں پہنچا تو پانچ سو روپیہ نذر کیا۔ فرمایا تو نے فلاں مصیبت میں ایک ہزار روپیہ کی نذر نہیں مانی تھی۔ اب وعدہ پورا کرنا لازمی ہے۔ وہ شرمندہ ہوا، ایک ہزار روپیہ لایا اور معذرت کی۔

ولادت: آپ ۱۰۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات: صحیح اقوال کے مطابق ۱۰۸۰ھ میں ہوئی۔ صاحب "مخبر الواصلین" نے شیخ معصوم کی تاریخ وفات ۱۰۷۹ھ تحریر کی ہے۔ آنجناب کی عمر ۷۱ برس تھی۔۔۔ آپ کا مزار پرانوار سرہند میں ہے۔

قطعہ تاریخ ولادت

مجدد نقشبند نقش یزدان شہ معصوم عالی رتبہ مخدوم
چو تولیدش ز ہاتف جست "سرور" ز دل شد "یاد حق مخدوم معلوم"

۱۰۰۹ھ

قطعہ تاریخ وفات

ز "ہادی غنی" جو سال وصلش بفرما "اہل حق مخدوم معصوم"
ز "والا مرتبت" سال وصالش بسرور از خرد گردید معلوم

۱۰۸۰ھ

میر سید علیم اللہ

شیخ آدم بنوری رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ ہیں۔ حسینی سید ہیں۔ آپ نہایت متقی و پارسا' کامل' عامل اور عالم تھے۔ اتباع سنت میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی فرماتے ہیں جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے ایک روپیہ عنایت فرمایا' میں نے آپ سے لے کر جیب میں ڈال دیا۔ کئی سالوں تک وہ روپیہ میری جیب میں رہا' اس کی برکت سے کبھی میری جیب روپوں سے خالی نہ رہی۔ میں جتنا بھی خرچ کرتا' غیب سے اور روپیہ آ جاتا۔

وفات: آپ نے ۱۰۸۱ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

گشت روشن چو از جہاں درغلد نور صدق و یقین علیم اللہ
گفت "سرور" بسال ترحیلش "شمس عرفان دین علیم اللہ"

۱۰۸۱ھ

شیخ محمد انبالی قدس سرہ

آپ حضرت آدم بنوری رحمتہ اللہ علیہ کے محبوب اور خلیفہ ہیں۔ حالات عجیب اور مقامات غریب رکھتے تھے۔ خوارق و کرامت میں مشہور تھے اور اوصاف ظاہری و باطنی سے موصوف تھے۔ ۸۳۰ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

جناب محمد چو از لطف حق　　خلد برین یافت آخر مقام
بتاریخ ترحیل آن شاہ دین　　ندا شد بسرور "محمد نظام"

۸۳۰ھ

شیخ محمد شریف شاہ آبادی قدس سرہ

آپ بھی شیخ آدم رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔۔۔ علوم ظاہری کے عالم تھے۔ زہد و تقویٰ میں مشہور تھے۔ نیک احوال اور صاحب حال و قال تھے۔ ۸۳۰ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

چوں ز دنیا سوئے جنت رخت بست　　شاہ عالم شیخ دین سلطان شریف
سال وصل او بسرور شد عیاں　　از "امام المسلمین سلطان شریف"

۸۳۰ھ

خواجہ معین الدین خلف خواجہ خاوند محمود نقشبندی قدس سرہ

آپ کشمیر جنت نظیر کے عظیم شیخ اور بڑے عالم تھے۔ زہد و ورع اور تقویٰ' اتباع شریعت' ترویج نسبت اور بدعت کے قلع قمع میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے تمام علماء و صلحاء میں تقریر و تحریر میں مقبول تھے۔

مشائخ و علماء آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس دور کے علماء جیسے حضرت ملا محمد طاہر کشمیری خلف مولانا حیدر علامہ' ملا ابوالفتح کلو' ملا یوسف مدرس' مفتی محمد طاہر' مولنا عبدالغنی اور مولانا مفتی شیخ احمد وغیرہ (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین) جو کشمیر میں علم شریعت کے فروغ کے لیے کام کر رہے تھے۔ ان کے پاس آپ کا اجازت نامہ ہوتا تھا۔ یہ حضرات حکام سے اگر عدالت و فتویٰ کی اجازت لینا چاہتے تو آپ کے توسل سے ہی کرتے۔۔۔ آپ نے اپنے عہد کے علماء کے تعاون سے کتاب "فتاویٰ نقشبندیہ" اور "کنز السعادت" علوم شریعت و طریقت میں تصنیف فرمائی۔۔۔ نیز آپ نے ایک کتاب نہایت عمدہ و دلچسپ فارسی زبان میں "رسالہ رضوانی" کے نام سے لکھی۔ اس کتاب میں ان کے والد بزرگوار کے مقامات اور خوارق و کرامت کا ذکر ہے۔۔۔ اس کتاب میں حضرت نے اپنی آبائی نسبت خواجہ علاؤ الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ سے ملائی ہے' جیسا کہ ہم ان کے والد بزرگوار کے تذکرہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اپنے پیران کبیر کی نسبت خواجہ احرار نقشبند رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچائی ہے۔ آپ کے والد ماجد خواجہ خاوند محمود' خواجہ محمد اسحاق سفید کی ودہ بیدکی کے مرید اور خلیفہ تھے اور آپ خواجہ خواجگی احمد کاشانی کے مرید و خلیفہ تھے۔۔۔ ان کی تربیت و تکمیل مولانا لطف اللہ سے ہوئی تھی جو خواجگی احمد کے خلیفہ تھے۔۔۔ جبکہ خواجگی احمد نے باطنی فیض' مولانا محمد قاضی خلیفہ اعظم خواجہ عبید اللہ احرار نقشبند رحمتہ اللہ علیہ سے پایا۔

خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ نے علوم ظاہر و باطن کا فیض اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کیا۔۔۔ شاہجہاں کے دور میں مظفر خان' کشمیر کا حاکم و ناظم مقرر ہوا۔ اس کے دور میں شیعہ قوم اور اہلسنت میں سخت تصادم ہوئے۔ کشت و خون کے بعد بالاخر مقدمہ' قاضی ابوالقاسم اور قاضی محمد

عارف کے روبرو پیش ہوا۔ دونوں گروہوں کے عوام کے ہجوم و اجتماع کی وجہ سے دونوں قاضی صاحبان نے اہل تشیع کو سزا دینے میں تساہل سے کام لیا۔ یہ بات دیکھ کر تمام اہلسنّت ناراض ہو کر شہر سے باہر آ گئے اور خواجہ خاوند محمود کی سربراہی میں "ہفت چنار" کے مقام پر اکٹھے ہوئے۔ حضرت خواجہ نے کشمیر کے گورنر کے نام سخت اور درشت باتیں تحریر فرمائیں—— حاکم کشمیر فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور منت سماجت کر کے خواجہ کو جملہ اہلسنّت کے ساتھ واپس شہر لے گیا اور شیعہ قوم کے ان بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا جنہوں نے صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالیاں بکی تھیں۔ مظفر خان کا یہ سارا عمل محض عوام کے خوف کی وجہ سے تھا—— مگر وہ بباطن ناراض تھا۔ چنانچہ اس نے خواجہ کے بارے میں شکایت آمیز باتیں بادشاہ کو لکھ بھیجیں—— ادھر سے خواجہ کو طلب کرنے کا شاہی حکم صادر ہوگیا—— خواجہ لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ لاہور پہنچ کر بادشاہ کے اشارہ سے لاہور میں قیام کیا—— اور اپنے فرزند خواجہ معین الدین کو خانقاہ کشمیر کا خلیفہ اعظم اور سجادہ نشین مقرر کر کے لاہور سے کشمیر روانہ کر دیا—— انہوں نے کشمیر میں مخلوق الٰہی کی تعلیم و تلقین میں بہت کوشش کی۔ آپ کے خلفاء دور دراز کے علاقوں میں ہدایت خلق کے لیے مامور ہوئے۔

وفات: صاحب "تاریخ اعظمی" کے بقول آپ کی وفات محرم الحرام ۱۰۸۵ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار پرانوار کشمیر میں زیارت گاہ خلق ہے۔

اولاد: آپ کے چار فرزند ارجمند تھے۔ ان میں سے تین خواجہ کی زندگی میں ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کے چوتھے بیٹے خواجہ نظام الدین' خواجہ کی وفات کے بعد کم سن تھے۔ آپ اپنی والدہ (جو "بیگم صاحبہ" کے نام سے مشہور تھیں) کی پرورش میں رہے۔ پھر خانقاہ کے سجادہ نشین بنے۔ خواجہ کے

بڑے خلیفہ مولانا عبدالحکیم مسند آرائے طریقت ہوئے۔

قطعہ

چون مقیم خلد شد بافضل حق　　قطب ربانی معین اہل دین
"خواجہ ملت" بگو سالش دگر　　تاج عرفانی معین اہل دین

۱۰۸۵ھ

شیخ عبدالخالق حضوری مجددی قدس سرہ

شیخ بنوری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں اور اپنے مرشد کے حضور میں کثرت حاضری سے "حضوری" کا خطاب ملا۔ خواجہ قطب خان رسالہ "تذکرہ الاولیاء" میں فرماتے ہیں "ایک دن میں شیخ عبدالخالق رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر تھا۔ میں نے عرض کی یا حضرت! دعا فرمایئے کہ شاہزادہ عالمگیر کو بادشاہی مل جائے۔ اس صورت میں، میں آپ کے خادموں کو ایک گاؤں بطور نذرانہ پیش کروں گا۔ یہ گزارش سن کر کچھ دیر آپ نے توجہ فرمائی پھر ارشاد ہوا کہ دارا شکوہ کے لشکر کو شکست ہوگئی ہے اور عالمگیر تخت سلطنت پر بیٹھ گیا ہے اور یہ کام ہو کے رہنا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عالمگیر کی سلطنت کے قیام کے بعد میں نے بادشاہ کے حضور یہ بات سنا کر شیخ عبدالخالق کے نام ایک گاؤں کا فرمان حاصل کر لیا اور اسے شیخ کے حضور پیش کیا۔ آپ نے قبول نہ کیا اور فرمایا ہم نے خدا کے لیے امداد کی تھی، نذرانہ لینا ہمارے پیروں کا طریقہ نہیں ہے"۔

صاحب "مناقب آدمیہ" فرماتے ہیں: ایک روز شیخ کے خادموں میں سے ایک نے عرض کی "حضرت آپ کے گھر آج تیل نہیں ہے" فرمایا "تیل کا برتن لے آؤ" جب وہ لے آیا تو آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اس برتن کو دیکھا۔ فورا تیل سے بھر گیا۔ آپ نے حکم دیا "یہ تیل استعمال

کرو اور یہ بات کسی کو نہ بتلانا" پس خادم نے کئی سال تک اسے استعمال کیا مگر تیل کم نہ ہوا۔ آخر ایک کنیز نے یہ راز ایک ہمسایہ عورت کے سامنے ظاہر کر دیا تو تیل ختم ہوگیا۔

وفات: اس جامع الکمالات ہستی نے ۸۶۰ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

از جہاں چوں داخل فردوس شد — عبد خالق شیخ دین والا ولی
"صاحب حق عبد خالق اہل دل" — گو بسالش ہم "حضوری نبی"

۸۶۰ھ — ۸۶۰ھ

خواجہ داؤد مشکوتی کشمیری قدس سرہ

آپ علوم حکمت و معانی، فقہ و حدیث اور تفسیر میں خواجہ حیدر چرخی رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ چونکہ آپ نے مشکوۃ المصابیح کتاب کو متناً اور اسناداً حفظ کر رکھا تھا اس لیے "مشکوتی" ہوئے۔ علوم ظاہر حاصل کرنے کے بعد کسب رموز باطن کے لیے بابا نصیب الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ آپ نے اسی عرصہ میں کتاب "اسرار الابرار در احوال مشائخ و مقامات اخیار" تالیف کی۔ اس کے علاوہ بھی عربی و فارسی میں کئی کتابیں لکھیں۔ اس کے بعد خواجہ خاوند محمود نقشبندی کے مرید ہوئے اور اپنی تکمیل کی۔ آپ نے ۹۷۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کشمیر کے محلہ کندر پورہ میں عیدگاہ کے متصل مدفون ہوئے۔ "تواریخ اعظمی" میں آپ کی تاریخ وفات "شیخ مومناں" درج ہے۔

قطعہ

شد چو داؤد زیں جہاں فنا وصل آن شیخ کامل صوفی
گفت "داؤد نیک بخت" خرد باز دل گفت "فاضل صوفی"
۱۰۹۷ھ ۱۰۹۷ھ

شیخ محمد امین ڈار نقشبندی کشمیری قدس سرہ

کشمیری تاجر تھے۔ پہلے صوبہ لاہور میں نوکری کرتے تھے۔ جب عشق حقیقت نے جذب کیا تو نوکری چھوڑ دی۔ ترکہ پدری فروخت کر دیا اور اس سے حاصل ہونے والی رقم درویشوں کو دے دی۔ شیخ عثمان جالندھری کے خلیفہ اعظم خواجہ عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہوگئے۔ خلافت نقشبندیہ کا خرقہ حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹ گئے۔ وہاں ہانجیوں کے گھر میں رہائش اختیار کی اور عبادت الٰہی میں مصروف ہوگئے۔ کشمیر کے علماء و فضلاء اور مالدار لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے۔ ایک جم غفیر نے آپ کی بیعت کی۔ آپ کی عمر جب ستر برس سے متجاوز کر گئی تو آپ نے گیارہ رمضان المبارک ۱۰۹۸ھ میں انتقال کیا۔ آپ کا مزار کشمیر میں زیارت گاہ خلق ہے۔ آپ کی ایک تصنیف "کتاب قطرات در مسائل ضروریہ" ہے۔ "تواریخ اعظمی" میں آپ کی تاریخ وفات اس مصرعہ سے نکلتی ہے۔

ے "عرش بود مسکن روح الامین"

"شیخ واتف" "در معارف" "صاحب خلق و کرم" اور "مایزادیک" یہ چاروں الگ الگ آپ کی تاریخ ہائے وفات کے مادہ ہیں۔

قطعہ از مولف

چون امین از دار دنیا رخت بست دل بسال وصل آن والا ہمم
گفت "شیخ کامل و اکمل" بگو بار دیگر "خوان امین ذوالکرم"
۱۰۹۸ھ

شیخ سیف الدین بن محمد معصوم بن شیخ احمد مجدد قدس سرہ

آپ علوم ظاہری و باطنی اور کمالات صوری و معنوی کے جامع تھے۔ زہد و ورع، تقویٰ و عبادت اور اتباع شریعت میں بے مثال تھے۔ "محی السنت" آپ کا خطاب تھا۔ کافر اور فاسق و فاجر شخص آپ کی زیارت کی برکت سے توبہ کر لیتا۔ حضرت دنیا اور اہل دنیا سے نہایت احتراز فرماتے۔ آپ مالداروں کا کھانا نہ کھاتے۔ مجلس میں تشریف رکھتے تو انتظار کی کیفیت طاری ہوتی۔ جیسے کوئی عاشق اپنے معشوق کا انتظار کرتا ہے۔ اہل محفل میں سے کوئی جب اللہ کا نام زبان پر لاتا تو آپ سنتے ہی مدہوش ہو جاتے اور زمین پر مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپتے۔ آپ سے بے اختیار کئی کرامت و خوارق ظاہر ہوتیں۔

ایک رات شیخ سیف الدین آدھی رات کے بعد ادائے نفل تہجد کے لیے بستر سے اٹھے، حجرہ کی چھت پر آئے۔ اتفاق سے بانسری کی آواز آپ کے کان میں پڑی۔ بے اختیار ہوگئے اور منڈیر سے زمین پر جا گرے۔ آپ کے ہاتھ کو سخت چوٹ آئی۔ ہوش آئی تو فرمایا "کچھ لوگ مجھے ترک سماع کی بنا پر بے درد کہتے ہیں۔ بے درد تو وہ ہیں کہ "سماع" سن کر صبر کرتے ہیں"۔

آپ کا ایک مرید مجلس سماع میں جا پہنچا۔ جب سماع کی آواز اس کے کان میں پہنچی تو اس میں تاب نہ رہی۔ بیٹھ گیا اور اپنے سوز کو ضبط کر لیا۔ اسی وقت اس کا دل پھٹا اور مر گیا۔ حضرت نے یہ خبر سن کر فرمایا "سماع درد مندوں کے لیے مہلک ہے اسی لیے علماء دین نے سماع کو حرام تصور کیا ہے"۔

شیخ کی خانقاہ میں چار درویش روزانہ استغفار کے لیے اکٹھے ہوتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی فرمائش کے مطابق الگ الگ کھانا پکایا جاتا۔ اس ناز و

نعمت کے باوجود سالک مقامات بلند تک پہنچتے۔ ایک مرید نے چاہا کہ وہ غذا کی مقدار کم کر دے۔ شیخ نے فرمایا "اس سلسلہ میں غذا کم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں نے اس عمل سلوک کی بنیاد' وقوف قلبی کے دوام اور صحبت شیخ پر رکھی ہے۔ زہد اور مجاہدہ کا نتیجہ خرق عادت اور تصرف ہوا کرتا ہے اور ہمیں اس سے کچھ سروکار نہیں۔ ہمارا مقصد تو دائمی ذکر اور توجہ الی اللہ ہے۔ اتباع سنت ہے اور کثرت انوار و برکات ہے۔

وفات: شیخ سیف الدین نے ۱۰۹۸ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چو سیف الدین ز دنیا رخت بربست بسال وصل آں پیرنکو مال
رقم کن باصفا شمشیر دینی دوبارہ شاہ عالی سیف قتال

۱۰۹۸ھ

شیخ سعدی بلخاری مجددی لاہور قدس سرہ

بہت بڑے بزرگ ہیں۔ شیخ آدم بنوری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی تھے۔ بچپن سے ہی پیر روشن ضمیر کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی یوں ظاہری و باطنی طور پر مستحکم ہوئے۔

شیخ سعدی کے ایک گہرے دوست شیخ محمد عمر پشاوری نے اپنے شیخ کے بارے میں ایک کتاب "جواہر الاسرار" لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے شیخ کے روز پیدائش سے لے کر ان کے یوم وفات تک کے احوال و اقوال یکجا کر دیے ہیں۔ اپنے مرشد کے خوارق و کرامت بھی اس میں تحریر کیے ہیں۔ اسی طرح صاحب "روضتہ السلام" شرف الدین کشمیری مجددی نے بھی اپنی کتاب میں آپ کے بے شمار مناقب و خوارق تحریر کیے ہیں۔ چنانچہ ان سب میں

سے چند ایک بطور نمونہ یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں: "میں سات سال کی عمر کا تھا۔ ایک دن اپنے گاؤں سے نکل کر اپنے گاؤں کے نزدیک ایک کنوئیں سے وضو کر رہا تھا کہ اتنے میں مولانا حاجی سعداللہ وزیر آبادی رحمتہ اللہ علیہ (شیخ آدم بنوری کے ایک خلیفہ) جو بنور کی طرف جا رہے تھے' وہاں سے گزرے۔ آپ نے جب مجھے پوری احتیاط اور آداب کے ساتھ وضو کرتے دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اس چھوٹی عمر میں یہ بچہ کتنی احتیاط سے وضو کر رہا ہے۔ پس ایک لحہ کے لیے میری طرف متوجہ ہوئے اور اپنی راہ لی۔ میں نے ان کے ہمراہیوں میں سے ایک صاحب سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں اور ان کا نام کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ حاجی سعد اللہ رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور اپنے مرشد کے پاس بنور تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں بھی جذب حقیقت سے مجبور ہو کر ان کے پیچھے ہولیا۔ پورے راستہ میں مولانا کے کسی بھی فقیر سے میل جول نہ ہوا۔ میں کھائے اور سوئے بغیر ان سب سے علیحدہ ہی رہا۔ جب یہ کارروان بنور پہنچ گیا تو حضرت شیخ سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ شیخ نے مولانا حاجی سے ہر ایک ہمراہی فقیر کے بارے میں الگ الگ پوچھا۔ آخر جب میری باری آئی تو مولانا نے عرض کی کہ یہ بچہ بھی میرے ساتھ آیا ہے۔ احوال غریبہ اور معاش عجیبہ رکھتا ہے۔ اس پر شیخ نے فرمایا یوں مت کہو کہ یہ بچہ میرے ساتھ آیا ہے بلکہ یوں کہو کہ ہم اس بچے کے ساتھ آئے ہیں۔ یہ بچہ ازلی سعادت مند ہے اور دائمی مقبول ہے۔ اگر حشر و نشر کے دن اللہ نے تمہیں بخش دیا تو تمہاری بخشش کا سبب یہ بچہ ہوگا۔ اس کے بعد شیخ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا "بیٹا! تمہارا نام کیا ہے" عرض کی سعدی۔ آپ نے مبارک دیتے ہوئے فرمایا "تم جہاں رہو گے اور جہاں

جاؤ گے خوش قسمت رہو گے۔ دنیا میں بھی سعدی، عقبیٰ میں بھی سعدی"۔

ے

چرخ تاسال عمر او بشمرد　　سعد اختر ز توسعادت برد

پھر آپ نے بڑی مہربانیاں فرمائیں۔ اپنے ساتھ گھر لے گئے اور اپنے حرم محترم سے فرمایا آج ہمارے پاس ایک خوردسالی صاحب کمال آیا ہے۔ جسے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا ہے۔ ازاں بعد آپ نے اپنی بیعت سے مشرف فرمایا اور خدمات خاص سے مامور فرمایا۔

صاحب "روضۃ السلام" حاجی محمد امین بدخشی مجددی کی کتاب کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ شیخ سعدی پیدائشی ولی تھے۔ آپ کو حضرت سیدالانام علیہ الصلوۃ والسلام سے نسبت اویسی حاصل تھی۔ بچپن سے ہی جس مشکل اور مہم کو سر لیتے طے کر لیتے۔ آسیب زدہ آپ کی توجہ سے فوراً تندرست ہو جاتا بلکہ جن آپ کے نام سے بھاگتے تھے۔ آپ جس ولی کی روحانیت پر توجہ فرماتے وہ حاضر ہو جاتی۔ آپ نے سبھی مشائخ عظام کی روحانیت سے بہت فائدہ اٹھایا اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔

صاحب "تواریخ بدخشی" لکھتے ہیں: شیخ سعدی فرماتے تھے کہ جب میں اپنے مرشد کے ساتھ سہارنپور شہر گیا تو ایک رات مسجد کے صحن میں سوتے جاگتے کی کیفیت کے دوران میں نے دیکھا کہ اس شہر پر ایک نور چھا گیا ہے۔ اسی دوران کسی نبی کی اولاد میں سے ایک پاک دامن خاتون نے آکر مجھ سے کہا سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کے باہر کھڑی ہیں اور آپ کو بلا رہی ہیں۔ میں وہاں گیا تو دیکھا کہ حضرت خاتون جنت وہاں انبیاء

کرام کی صاحبزادیوں کے ساتھ تشریف فرما ہیں اور آپ ان سب کی راہنما ہیں۔ آپ نے مجھ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا بیٹا! ہم نے چاہا کہ تجھے اپنی طرف سے ایک تحفہ بخشیں اور اسم اعظم سکھائیں۔ پھر آپ نے اسم اعظم لکھایا۔ اجازت بخشی اور اپنی عظیم ہمراہیوں کے ساتھ ہوا میں پرواز کی اور غائب ہو گئیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ جب شاہجاں نے بعض حق ناآشنا لوگوں کے کہنے پر حضرت شیخ آدم کو ہندوستان سے نکل جانے کا حکم دیا تو تمام اصحاب و احباب نے حضرت شیخ کی خدمت میں درخواست کی کہ اس بادشاہ کو تنبیہہ اور توبیخ کرنی چاہیے۔ شیخ نے فرمایا یہ بادشاہ اسلام ہے۔ خاص و عام کی بھلائی کے کام کرتا ہے۔ اس کے حق میں برا ارادہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ معذور ہے اور ہماری باطنی حالت سے ناواقف ہے۔ سب اصحاب جب آپ سے مایوس ہو گئے تو باہم صلاح کی اور مجھے یہ فرض سونپا کہ میں بادشاہ کو تنبیہہ کے لیے توجہ کروں۔ مگر میں شیخ کی نارضامندی کے اندیشہ سے باز رہا۔ پھر اس بات کی ذمہ داری شیخ ابوالفتح رحمتہ اللہ علیہ نے لی جو شیخ کے عظیم خلیفہ تھے کہ میں شیخ کی رضامندی اور خوشنودی کا ذمہ دار ہوں گا۔ اگر ناراض ہوں گے تو انہیں خوش کرنا میرے ذمہ ہوگا۔ میں نے ایک رفیق کو ساتھ لیا اور "کامران باغ" میں جا کر بیٹھ گیا اور توجہ کی اور تصرف عمل میں لایا کہ بادشاہ کو تخت اور بادشاہ کو ورغلانے والے تمام امراء سمیت اپنی ہتھیلی پر اٹھا لیا اور چاہا کہ زیر و زبر کر دوں کہ اچانک ایک رکاوٹ پیش آ گئی اور مجھے اس تصرف سے روک دیا۔ ہم نے دوبارہ دست تصرف دراز کیا تو دیکھا کہ بادشاہ کے ارد گرد ایک عظیم حصار غیب سے کھینچا گیا ہے کہ کسی کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچتا۔ یہ دیکھ کر بہت غیرت آئی۔ تیسری بار ہم نے دست تصرف دراز

کیا اور چاہا کہ حصار کو پار کریں اور بادشاہ کا کام تمام کر دیں کہ حضرت شیخ جناب بابرکات خود ظاہر ہوئے' کمر سے پکڑا اور فرمایا کہ بیٹا! ایسی باتوں میں تحمل سے کام لینا چاہیے۔ پس میں اس ارادہ سے باز آیا اور شرم و حیاء کی وجہ سے تین دن تک آپ کی زیارت کی جرات نہ ہو سکی۔ تین روز بعد جب حاضر ہوا تو مسکراتے ہوئے فرمایا کہ اس بارے میں قصور تمہارا نہیں بلکہ ابوالفتح کا ہے جس نے تجھے اس عمل پر آمادہ کیا۔

شیخ محمد امین بدخشی فرماتے ہیں: لاہور میں جب نواب سعد اللہ خان اور دوسرے حاسدوں نے بادشاہ کو شیخ آدم کے خلاف کر دیا تو شیخ لاہور سے نکل کر اپنے وطن کی طرف روانہ ہوئے۔ اس بات سے شیخ سعدی کو بہت صدمہ پہنچا۔ وہ بادشاہ کی تباہی پر متوجہ ہوئے۔ غیب سے تلوار پکڑ کر چاہا کہ بادشاہ پر وار کریں کہ اچانک شیخ آدم ظاہر ہوئے۔ سعدی کا ہاتھ اپنے دست حق پرست میں پکڑا' پھر فرمایا اس بارے میں برداشت ضروری ہے کہ بادشاہ اسلام ہے اور مخلوق کا خیر خواہ ہے۔

محمد شرف الدین مجددی رحمتہ اللہ علیہ صاحب "روضتہ السلام" فرماتے ہیں جب شیخ آدم بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے تو والدین سے ملاقات کے لیے اپنے گھر تشریف لے گئے اور کچھ دن وہاں ٹھہرے۔ اتفاق سے میر منصور بدخشی (جو پہلے شاہی امیر تھا اور بعد میں اسے چھوڑ کر شیخ آدم کا مرید اور خادم بن گیا تھا) مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوگیا' جہاز پر سوار ہوگیا۔ ایک روز سخت طوفان آیا۔ جہاز ڈگمگانے لگا اور جہاز اور اہل جہاز غرق ہونے ہی والے تھے کہ اسی دوران میر منصور شیخ سعدی کی خدمت میں آئے اور امداد کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا اس جہاز پر جہاز والوں کی پست ہمتی کی وجہ سے زنا اور لواطت کا عمل واقع ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اس مصیبت میں گرفتار ہوئے

ہیں۔ تاہم مجھے ارحم الراحمین کے دربار سے امید ہے کہ اس عظیم حادثہ سے بچ جائیں گے۔ جونہی یہ بات ختم ہوئی طوفان ختم ہوگیا اور جہاز سلامتی سے ساحل پر پہنچ گیا۔ مکہ معظمہ میں جب میر منصور شیخ اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جہاز کی خراب حالت کا ذکر کیا تو شیخ آدم نے فرمایا "اگر سعدی اس جہاز میں نہ ہوتا تو اہل جہاز اس جان گزا مصیبت سے کبھی چھٹکارا نہ پاتے"۔

شیخ محمد امین بدخشی کا بیان ہے: "حضرت شیخ سعدی بلخاری نے فرمایا کہ جب شیخ آدم نے مناسک حج ادا کر لیے تو مدینہ شریف مجھے پہلے روانہ فرما دیا۔ اس سفر کے دوران مجھے غسل کی حاجت ہوئی۔ میں ایک ندی پر گیا۔ اس کا پانی گہرا اور ٹھنڈا تھا۔ فجر کا وقت اور ٹھنڈا پانی' میں تو کانپنے لگا۔ اس جگہ غیب سے ایک شخص ظاہر ہوا اور ندی سے باہر آ کر تازہ اور گرم حلوہ مجھے دیا اور کہا کھا لو کہ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ میں نے حلوہ کھایا تو سردی جاتی رہی۔ میں چلنے لگا۔ حتیٰ کہ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ کچھ دن بعد حضرت شیخ مدینہ تشریف لائے۔ اتفاق سے مجھے مدینہ میں سخت بیماری لاحق ہوگئی جس کی بنا پر میں چند روز تک شیخ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا۔ حضرت کو اطلاع ہوئی تو بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔ مجھے حالت نزع میں دیکھ کر خاموش رہے اور واپس چلے گئے۔ میں اس رات خواب اور بیداری کی حالت میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت صدیق اکبر' حضرت عمر اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ ایک نورانی تخت پر ظاہر ہوئے۔ بندہ چاروں کے ساتھ دست بدستہ کھڑا ہوگیا۔ اچانک غیب سے قلم' کاغذ اور دوات ظاہر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا "اے ابوبکر! فاطمہ کا روحانی (معنوی) بیٹا اپنی عمر مکمل کر چکا تھا۔ ہم نے اسے از سر نو مزید پچاس سال کی عمر عطا کی ہے۔

اس کاغذ پر لکھ دو۔ اس کے بعد کچھ دیر سکوت کرنے کے بعد فرمایا ہم نے اسے پانچ سال اور دے دیے تاکہ وہ اور ۵۵ سال دنیا میں رہ لے اور طالبان حق کی راہنمائی میں مصروف رہے۔ ابھی یہ واقعہ مکمل نہ ہوا تھا اور بندہ اسی بے ہوشی اور خواب کی حالت میں بستر پر پڑا تھا کہ حضرت شیخ میری عیادت کے لیے تشریف لائے اور میرے سرہانے کھڑے ہو کر اپنے خادم شیخ جامد سے فرمایا کہ آج رات سعدی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵۵ سال مزید زندگی عطا کر دی ہے۔ وگرنہ اس کی عمر ختم ہو چکی تھی۔ حضرت شیخ کی آواز سن کر میں جاگ پڑا اور آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور اپنے آپ کو صحت مند اور تندرست پایا۔

مولانا محمد یحییٰ زنگی رحمتہ اللہ علیہ شیخ آدم کے خلیفہ ہیں۔ سیر الاعظم آپ کا خطاب ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں جب شیخ آدم نے مدینہ شریف میں وفات پائی تو حضرت شیخ سعدی خدائی اشارہ پا کر لاہور تشریف لے آئے اور لاہور ہی کو اپنا وطن بنا لیا۔ یوں خلق خدا کی ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے ہزاروں طالبان خدا کو خدا تک پہنچایا' جن کی تعداد بے شمار ہے۔ حضرت خود فرمایا کرتے تھے کہ میرے مرید آسمان کے ستاروں کی مانند حیطہ شمار سے خارج ہیں۔ ان میں سے سینکڑوں کی مکمل تکمیل ہوئی اور اجازت و ارشاد کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ آپ کے چاروں بیٹے خواجہ محمد سلیم' خواجہ محمد غنی' خواجہ محمد یوسف اور خواجہ محمد عارف دین کے گھر کے چار ستون تھے۔

اپنے عالی قدر والا کی راہنمائی میں کمالات ظاہری و باطن پائے اور سب مشائخ متاخرین پر سبقت لے گئے۔

تاریخ وفات: بعض عمر رسیدہ بزرگوں کی زبانی سن کر میں نے پہلے حضرت

سعدی کی تاریخ وفات ۱۰۸۷ھ اس کتاب میں درج کی تھی اور میرے قلم عجز رقم سے آپ کا مادہ تاریخ وفات "زندہ دل سعدی بلخاری" تحریر ہوا تھا مگر جب بعد میں مجھے جامع عزت و تکریم مولوی محمد سلیم دہلوی سے شیخ شرف الدین محمد کشمیری نقشبندی کی تصنیف "روضۃ السلام" ملی اور بعد میں اسی کے مطالعہ سے محفوظ ہوا۔ اس کتاب میں شیخ سعدی لاہوری کے حالات کے اختتام میں اقوال صحیح اور دیگر معتبر کتابوں کے حوالہ سے یہ بتایا گیا ہے کہ آپ بروز بدھ ۳ ربیع الثانی ۱۰۸۰ھ فوت ہوئے اور پیر عزیز مزنگ کے محلہ کے متصل (جو آج کل مزنگ کے نام سے مشہور ہے) دفن ہوئے۔ شکر الحمد للہ کہ غلطی رفع ہوگئی۔ اسی طرح اس قطعہ تاریخ (جو صاحب تحقیقات چشتی نے مجھ سے لیا تھا اور اپنی کتاب میں درج کیا تھا) کی غلطی کا بھی ازالہ ہوگیا۔

قطعہ

شد چو سعدی از جہان اندر بہشت — دل بسال رحلت آن شیخ پیر
"گفت سعدی تاج نعمت" کن رقم — "نیز سعدی عارف اکبر فقیر"

۱۰۸۰ھ — ۱۰۸۰ھ

مولانا حاجی محمد اسماعیل غوری نقشبندی مجددی قدس سرہ

آپ شیخ سعدی لاہوری کے خلیفہ اور خادم ہیں۔ آپ نے شیخ آدم بنوری کے خلیفہ اعظم مولانا یار محمد گل مہاری مجددی سے فیض حاصل کیا۔ خود شیخ بنوری کی ذات گرامی سے استفادہ کا موقعہ ملا۔ آپ نے طویل عمر پائی۔ ۱۱۵ سال زندہ رہے۔ حصول رزق حلال کے لیے پشاور میں کریانہ کی دکان تھی، تجارت بھی کرتے تھے۔ دور دراز ممالک کی سیر بھی کی۔ حرمین شریفین، اشرف البلاد بغداد، کربلای معلیٰ، شام اور بخارا گئے اور مشائخ عظام سے

فائدہ عام اور مکمل فیض اٹھایا۔ قادریہ' چشتیہ' نقشبندیہ' سہروردیہ سلسلوں کے حضرات سے استفادہ و استفاضہ کیا۔ یمن کے ایک شہر میں تین سو سال کے ایک بزرگ سے مختلف سلسلوں میں فیض لیا۔ آخر ہفت اقلیم کی سیر کے بعد شیخ سعدی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے اور تکمیل سلوک کی۔

صاحب روضۃ السلام فرماتے ہیں کہ خواجہ اسماعیل غوری خوارق و کرامت کے جامع تھے۔ اگرچہ آپ کرامات کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے مگر وہ بے اختیار ہو کر آپ سے سرزد ہو جاتی تھیں۔ آپ مہابت خان کی مسجد میں جب ذکر و مراقبہ میں مشغول ہوتے تھے تو مسجد جنبش میں آ جاتی حالانکہ یہ مسجد نہایت پختہ اور مضبوط عمارت ہے۔ اس مسجد کا محراب شروع ہی سے سمت قبلہ سے ذرا ہٹ کر تھا اور پرانا ہونے کی وجہ سے ٹوٹا ہوا تھا۔ اس محلہ کے باشندوں نے شیخ اسماعیل سے التجا کی کہ آپ اس بارے میں توجہ فرمائیں کہ مسجد کا ٹیڑھ پن سیدھا ہو جائے اور مرمت بھی ہو جائے۔ آپ نے ان کی درخواست قبول کی' توجہ دی تو مسجد کا ٹیڑھ پن راتوں رات ٹھیک ہوگیا اور مرمت بھی ہوگئی۔

وفات: اس جامع الکمالات ہستی نے ۵ جمادی الاخر ؁ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پر انوار پشاور میں ہے۔

قطعہ

شد ز دنیا چو در بہشت برین شیخ معصوم دہر اسماعیل
رحلتش ہست "عارف سرمست" نیز مخدوم دہر اسماعیل

؁ھ

مخدوم حافظ عبدالغفور پشاوری مجددی بن شیخ محمد صالح کشمیری قدس سرہ

آپ شیخ حاجی اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اور صاحب کمال ہیں۔

آپ نے شیخ سعدی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ سے بھی مکمل فائدہ اٹھایا۔ آپ پر فروتنی اور عاجزی کا غلبہ تھا۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایام طفولیت میں ہم اپنے والد کے ساتھ کشمیر جایا کرتے تھے۔ میں محلہ نحکول میں شیخ بابا عبدالکریم کے مزار پر حاضری دیتا تھا۔ وہاں نفل نماز پڑھتا تو ہر رکعت کے بعد سکہ رائج الوقت کے روپے اپنے سامنے پاتا۔ میں وہ روپے لے لیتا تھا اور اپنے ہم عمر لڑکوں پر صرف کر دیتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے بچپن میں آشوب چشم کی تکلیف تھی مگر میں اس حالت میں بھی قرآن شریف حفظ کرتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی میر سید علی ہمدانی کی خانقاہ پر جاتا اور فاتحہ پڑھتا۔ ایک دن خواب میں دیکھا کہ میں دو بچوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ فرماتے ہیں تم میرے شاگرد ہو' جلدی جلدی قرآن شریف حفظ کر لو۔ پس ایسے ہی ہوا کہ میں نے تھوڑے دنوں میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔

شیخ محمد پشاوری صاحب کتاب "جواہر اسرائر" فرماتے ہیں حافظ عبدالغفور نے پہلے پشاور میں حافظ محمد اسماعیل غوری پشاوری سے استفادہ کیا۔ بعد میں لاہور تشریف لائے اور شیخ سعدی لاہوری کی بیعت کی۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ' قادریہ' چشتیہ اور سہروردیہ میں خرقہ خلافت و اجازت حاصل کیا اور کاملان وقت میں شمار ہونے لگے۔ آپ شیخ سعدی کی خدمت میں دو سال تک حاضر رہے۔

شیخ شرف الدین صاحب "روضتہ السلام" فرماتے ہیں: حضرت حافظ پشاوری رحمتہ اللہ علیہ کے ایک مخلص رفیق شیخ احمد علی کا بیان ہے جب سلطان محمد معظم بہادر شاہ بن عالمگیر اورنگ زیب کابل میں آئے تو اہل پشاور کو ایک وبائے عظیم یعنی طاعون سے واسطہ پڑا۔ میں بھی اس بیماری میں مبتلا

ہوا۔ اتنا سخت بیمار تھا کہ حالت نزع طاری ہوگئی اور میں کابل میں اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا۔ مجھ پر بے ہوشی و بے خبری کی حالت طاری ہوئی تو دیکھا کہ شیخ عبدالغفور تشریف لائے ہیں اور مجھے اپنے ساتھ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے ہیں۔ بارگاہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر عرض کی "احمد علی میرا مرید ہے۔ امید ہے بیماری کی مصیبت سے نجات پائے گا"۔ ارشاد ہوا "صحت پائے گا"۔ حضرت حافظ نے دوبارہ جرات کرتے ہوئے درخواست کی "یارسول اللہ! اگر اسی وقت اس نے صحت نہ پائی تو اسے آپ کی خدمت میں حاضری سے کیا نفع ملا؟" آپ مسکرائے اور فرمایا "حافظ! تم چاہتے ہو کہ ہم قادر حقیقت کی تقدیر میں متصرف ہوں اور اس کا امکان نہیں ہے"۔ پھر عرض کی "اس بیمار کو جو سخت تکلیف اور شدت مرض لاحق ہے وہ تو فوراً ٹھیک ہو جائے اور باقی بیماری و لاغری وقت مقرر تک جاتی رہے تو کچھ مضائقہ نہیں"۔ ارشاد فرمایا "بہت خوب! تمہاری دلداری کے لیے ان شاء اللہ ایسے ہی ہوگا" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میں نے اسی دن شدت مرض سے نجات پائی۔ باقی بیماری اور کمزوری چند دنوں بعد زائل ہوگئی۔

صاحب روضۃ السلام فرماتے ہیں: ایک روز میں حضرت حافظ رحمتہ اللہ علیہ کے گھر پر حاضر تھا۔ آپ حاضرین محفل میں مٹھائی تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک خادم کو دو حصے عطا فرمائے۔ ایک حصہ تیرے لیے اور دوسرا تیرے بیٹے کے لیے۔ اس شخص نے انتہائی عاجزی سے عرض کیا کہ ابھی میں نے خیال کیا تھا کہ اگر حضرت حافظ صاحب کشف ہیں تو مجھے دو حصے دیں گے۔ ایک میرے لیے اور ایک میرے بیٹے کے لیے۔ آپ میرے خیال سے مطلع ہوئے ہیں لہٰذا امید ہے کہ آپ میری غلطی معاف فرما دیں گے۔ فرمایا اب

معاف کر دیا ہے۔ آئندہ درویشوں کا امتحان نہ لینا۔

کتاب "روضۃ السلام" میں درج ہے ایک دفعہ حضرت حافظ پشاور کے دیہات کی طرف گئے ہوئے تھے۔ مقصد سیر و سیاحت اور اپنے مریدوں کی خبرگیری تھا۔ عصر کے وقت درہ خیبر کے مضافات میں واقع ایک گاؤں میں تشریف لے گئے اور ایک مسجد میں قیام کیا۔ آپ کے ساتھ کچھ لوگ شغل و مراقبہ میں مشغول ہوگئے۔ اسی دوران راہزنوں اور چوروں کے ایک گروہ نے درویشوں کا سامان لوٹنے کا پروگرام بنایا اور مسجد کا رخ کیا۔ کچھ ساتھیوں نے ابھی مراقبہ کے لیے سر نہیں جھکایا تھا۔ چوروں کو دیکھ کر مضطرب ہوگئے اور شور و غوغا کرنے لگے۔ حضرت حافظ نے شور سنا تو مراقبہ سے سر اٹھایا اور فرمایا شور و غوغا کا کیا فائدہ؟ بیٹھ جاؤ اور ذکر خدا میں مشغول رہو۔ حکم کی تعمیل میں سب ساتھیوں نے مراقبہ کیا اور مشغول بحق ہوگئے۔ حضرت حافظ بھی مشغول مراقبہ ہوگئے۔ جب ذکر و مراقبہ سے فارغ ہوئے تو سب ساتھیوں نے اپنے پیر روشن ضمیر سمیت اپنے آپ کو پشاور میں حضرت کے گھر پایا۔ سب خادم اس عظیم کرامت کے ظہور پر حیران ہوگئے اور انہیں کبھی نہ معلوم ہوسکا کہ وہ پشاور سے کئی کوس دور کے فاصلہ سے کیسے پشاور میں حضرت حافظ کے گھر پہنچ گئے۔

ایک روز حضرت حافظ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پشاور کے بازار میں چل رہے تھے کہ اچانک عقب سے ایک مست خونخوار ہاتھی آگیا۔ سب ساتھی ادھر ادھر ہوگئے مگر حافظ صاحب اسی طرح بے خوف و ہراس آہستہ آہستہ چلتے رہے۔ جب ہاتھی آپ کے قریب پہنچا تو بازار والوں نے بچو بچو کا شور کیا۔ حضرت نے فیل مست کی طرف ایک شیرانہ نگاہ کی۔ محض دیکھنے سے ہی ہاتھی زور سے چنگھاڑا اور پیچھے ہٹنے لگا۔ پھر جدھر سے آیا تھا ادھر چلا گیا۔

"روضۃ السلام" میں ہے کہ حضرت حافظ کے خاص ساتھی سید ابو المعالی کشمیر نے فرمایا کہ میں ابتدا میں کبھی کبھی حضرت حافظ کی خدمت میں جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے دل میں سوچا اگر آج حافظ صاحب کوئی کرامت ظاہر کریں گے تو میں ان کا مرید ہو جاؤں گا۔ اس خیال کے ظاہر ہوتے ہی حضرت میرے خیال سے واقف ہوگئے۔ مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میرے کندھے کی مالش کرو۔ میں تمہیں ایک افسانہ سناتا ہوں۔ میں حسب الحکم کندھوں کی مالش میں مصروف ہوگیا تو حضرت نے افسانہ سنانا شروع کر دیا کہ کشمیر میں ہمارا ایک یار تھا۔ اسے ایک اجنبی عورت سے محبت تھی۔ اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ وہ چاہتا کہ اس عورت سے تنہائی میں ملاقات ہو تو وہ اس سے ہم آغوش ہو مگر خلوت کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ آخر ایک رات شام اور عشاء کے درمیان وہ عورت اسے اپنے گھر کی دہلیز پر ملی۔ چاہا کہ مرتکب زنا ہو۔ اس وقت میں نے اس کی خیرگیری کی اور ہم وطنی کا حق ادا کیا۔ ہم نے اس کے دل میں **یوسف اعرض عن ھذا** آیت کریمہ کا مضمون ڈالا تاکہ وہ زنا کے ارادہ سے باز رہے۔ چنانچہ وہ بدکاری کے ارتکاب سے بچ گیا—— (ابو المعالی کشمیری فرماتے ہیں) چونکہ یہ واقعہ میرے ساتھ ہی پیش آیا تھا۔ میں سخت شرمندہ ہوا۔ آپ کے قدموں پر سر رکھا اور آپ کا مرید ہوگیا۔

سید ابوالمعالی کشمیری ہی فرماتے ہیں ایک روز حضرت حافظ پشاور کے بازار میں جا رہے تھے۔ بندہ آپ کے ہمراہ تھا۔ اچانک آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہم چند قدم ہی چلے ہوں گے کہ میں نے اپنے آپ کو حضرت سمیت کشمیر میں پایا۔ کہ ہم کشمیر کے مشہور پل زینہ کدل سے گزر رہے ہیں۔ ہم آہستہ آہستہ کاغذ فروشوں کے بازار میں واقع رنگین مسجد پہنچ گئے اور وہاں سے واپس زینہ کدل پل پر پہنچے۔ آنحضرت نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ سے الگ

کر لیا تو دیکھا کہ ہم دوبارہ پشاور کے بازار میں ہیں جہاں پر پہلے تھے۔

"روضۃ السلام" میں ہے جب حضرت حافظ ساتھیوں کو توجہ دیتے تھے تو محلہ کی زمین پر سخت زلزلہ آنے لگتا۔ پہلے پہل تو لوگ بہت گھبراتے مگر بعد میں انہیں معلوم ہوگیا کہ اس وقت حافظ عبدالغفور صاحب اپنے طلباء کو توجہ دیتے ہیں۔

سید شاہ محمد غوث قادری گیلانی لاہوری اپنے ایک رسالہ میں لکھتے ہیں کہ حافظ عبدالغفور پشاوری ساری رات حبس نفس اور مراقبہ میں گزار دیتے تھے۔ آپ کو دنیا اور اہل دنیا سے کئی رغبت نہ تھی۔ ہمیشہ غریبوں اور مسافروں کی خدمت میں مشغول رہتے۔ روزانہ تقریباً ۵۰۰ آدمی آپ کے دسترخوان سے کھانا کھاتے۔ آپ کا دیگ دان کبھی ٹھنڈا نہ پڑتا۔ خدام عالی مقام صبح سے شام تک کھانا پکانے اور تقسیم کرنے میں مشغول رہتے۔ شیخ کھانے کے ساتھ ساتھ حاجت مندوں کو نقدی اور لباس بھی مرحمت فرماتے اور یہ سارے اخراجات ظاہری آمدنی کے علاوہ خزانہ غیب سے ادا ہوتے۔ عشق الٰہی کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کوئی آپ کے سامنے آیت قرآن پڑھتا یا اللہ کا لفظ زبان پر لاتا تو آپ پر گریہ و اضطرار طاری ہو جاتا۔

وفات: بقول صاحب "روضۃ السلام" آپ ۱۴ شعبان ۱۱۱۶ھ میں عالمگیر شاہ کے دور میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار پرانوار پشاور میں نہایت مشہور ہے۔

قطعہ

شیخ عبدالغفور حافظ دین چون فدا کرد جان بنام الٰہ
"حافظ واصل" است تاریخش ہم بخوان "حافظ کلام الٰہ"

۱۱۱۶ھ ۱۱۱۶ھ

خواجہ حافظ احمد یسوی نقشبندی قدس سرہ

آپ خواجہ احمد یسوی ترکستانی کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ خوش اوقات بزرگ، مظہر خوارق و کرامات اور مورد انوار و تجلیات تھے۔ اپنے وطن مالوف سے نکلے تو عرب کے تمام علاقوں، مکہ، مدینہ، بیت المقدس، شام، عراق اور روم و روس وغیرہ کی سیر کی۔ بعد ازاں ہندوستان کا رخ کیا۔ ہندوستان سے کشمیر جنت نظر تشریف لے گئے اور ایک دلپسند جگہ پر مخلوق سے کنارہ کش ہو کر یاد الٰہی میں مصروف ہوگئے۔ آپ شیخ ملا شاہ کی خانقاہ پر کبھی کبھی جاتے۔ چند سال بعد خواجہ نظام الدین بن معین الدین بن خواجہ خاوند محمود رحمتہ اللہ علیہم اجمعین آپ کے حال سے مطلع ہو کر آپ کی خدمت میں آئے اور بہت زیادہ منت و سماجت کر کے اپنے ساتھ شہر میں لائے اور اپنے پڑوس میں ان کے لیے جائے رہائش مقرر کر دی۔ جب خواجہ نظام الدین کا انتقال ہوا تو ان کے جانشین خواجہ نورالدین محمد آفتاب آپ کے مرید ہوگئے اور مقامات سلوک نقشبندیہ کی تکمیل کی۔ اب آپ کو شہرت ملی۔ خلق خدا فوج در فوج آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور فیض یاب ہوئی۔ خواجہ صاحب کچھ سالوں تک کشمیر میں مسند ارشاد پر قائم رہے آخر ۳ ذی الحجہ ۱۱۳۴ھ میں رحلت فرمائی۔

بقول صاحب "تواریخ اعظمی" اور بقول کتاب صاحب "نقشبندیہ" ۱۱۳۶ھ میں رحمت حق سے جاملے۔ آپ کشمیر میں مدفون ہوئے۔

قطعہ

رخت سفر بہ بست چوں زین دار دوں بخلد — شیخ مراد سرور عشاق بامراد
تاریخ او خرد ز شہنشاہ عشق جست — گفتا دگر کہ "طالب مشتاق بامراد"

۱۱۳۱ھ — ۱۱۳۱ھ

سید نور محمد بداونی قدس سرہ

آپ صرف و نحو، منطق و معانی اور حدیث و تفسیر کے باکمال عالم تھے۔ علوم شریعت و طریقت اور رموز حقیقت و معرفت میں کامل تھے۔ آپ نے خرقہ فقر و اجازت شیخ سیف الدین بن محمد معصوم بن شیخ احمد مجدد رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ حافظ محمد محسن اور دیگر معصومی خلفاء سے بھی مکمل استفادہ کیا اور بلند مدارج تک پہنچے۔ آپ استغراق کامل اور جذب قوی کے مالک تھے۔ آپ نے پندرہ سال مستی و مدہوشی میں گزار دیے۔ اتباع سنت میں بہت محتاط اور سرگرم تھے۔ ایک دفعہ جب خلاف سنت بائیں پاؤں کی بجائے دایاں پاؤں بیت الخلا میں پہلے رکھ دیا تو تین دن تک انقباض کی حالت طاری رہی۔

شیخ چند دنوں کی خوراک ایک ہی وقت پکا لیتے اور محفوظ کر لیتے۔ سخت بھوک کی صورت میں خشک روٹی کا ایک ٹکڑا کھا لیتے۔ کثرت مراقبہ سے پشت مبارک خم ہو چکی تھی۔ آپ اہل دنیا کی صحبت سے مکمل اجتناب کرتے تھے۔ اگر کسی دنیادار سے عاریتاً" کتاب لیتے تو تین دن تک اس کا مطالعہ نہ کرتے اور فرمایا کرتے کہ دنیا داروں کی نحوست اس کتاب کے ساتھ غلاف کی مانند لپٹی ہوئی ہے۔ آپ کے تصرفات قوی تھے۔ آپ مخلص لوگوں کی ضروریات و حاجات کے لیے دل سے توجہ فرماتے اور جو فرماتے وہی واقع ہوتا۔

ایک دفعہ ایک بڑھیا آپ کی خدمت میں آئی اور عرض کی کہ چند روز سے میری ایک کنواری لڑکی لاپتہ ہے۔ اس کی حاضری کے لیے توجہ فرمائیے۔ فوراً شیخ نے مراقبہ کیا اور ایک ساعت کے بعد فرمایا چلی جا تیری لڑکی فلاں وقت آ جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اسی دن بڑھیا کی بیٹی آ گئی اور بتایا کہ میں صحرا میں جنوں کی قید میں تھی۔ آج ایک بزرگ آئے، میرا ہاتھ پکڑا اور یہاں پہنچا دیا۔

ایک دن شیعہ قوم کے دو آدمی آئے اور امتحاناً" درخواست بیعت کی۔

آپ نے فرمایا پہلے اپنے عقیدہ باطلہ رفض سے توبہ کرو۔ اس کے بعد بیعت کا اختیار ہے۔ ایک نے توبہ کی اور مرید ہوگیا' دوسرا محروم رہا۔

ایک فاحشہ عورت نے آپ کے ایک مرید کو اپنے جال میں پھنسایا اور زنا پر راضی کر لیا۔ جب بدکاری کا موقعہ آیا تو شیخ کی صورت مثالی اس کی حمایت کے لیے پہنچ گئی اور عورت اور مرد کے مابین حائل ہوگئی۔ عورت ڈر کر چیخی اور ایک گوشہ کی طرف بھاگی اور اس مخلص مرید نے توبہ کرلی۔

ایک بھنگ فروش نے شیخ کے گھر کے ساتھ بھنگ فروشی کی دکان کھول لی۔ شیخ نے فرمایا کہ بھنگ کی ظلمت نے ہماری اور تمہاری نسبت مکدر کردی ہے۔ مخلصین نے اس وقت جا کر اس کی دکان تباہ کر ڈالی۔ فرمایا کہ اس سے تو اور زیادہ کدورت ہوئی ہے کہ ہمارے واسطے سے خلاف شرع احتساب ہوا ہے۔ آپ کے حکم پر بھنگ فروش کو حاضر کیا گیا تو شیخ نے اس پر توجہ فرمائی وہ فوراً مرید ہوگیا اور بھنگ فروشی سے توبہ کرلی۔

وفات: سید نور محمد نے بقول صاحب "مظہر جان جاناں" ۱۱ ذی قعدہ ۱۱۳۵ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چو در خلد برین گر دید روشن چراغ پنجتن نور محمد
عجب سال وصالش جلوہ گر شد ز "مخدوم زمن نور محمد"

۱۱۳۵ھ

خواجہ محمد صدیق مجددی قدس سرہ

آپ شیخ محمد معصوم بن شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اور صاحبزادہ ہیں۔ اپنے بھائی کے ساتھ مل کر اپنے والد بزرگوار سے تربیت پائی اور

تکمیل کی۔ آپ سخاوت و شجاعت اور عبادت و ریاضت میں مشہور تھے۔ رات تک جو فتوح (ہدیہ وغیرہ) ملتیں وہ سب راہ خدا میں بانٹ دیتے۔ مریدوں کو تھوڑی مدت میں کمالات تک پہنچا دیتے۔ جو بھی مرید بنتا وہ پہلے دن ہی لطائف خمسہ کے ساتھ ذکر کرنے لگتا اور "سلطان الاذکار" جاری ہو جاتا۔

ایک دن خواجہ محمد صدیق حضرت غوث اعظم کی اولاد میں سے ایک صاحبزادے کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور وہ صاحبزادگی کے غرور و تکبر میں آپ کی تعظیم کے لیے نہ اٹھے۔ آپ کے سب ساتھی اس بے عزتی سے ناراض ہوگئے۔ شیخ نور فراست سے اپنے ہمراہیوں کی ناراضگی اور غم و غصہ سے مطلع ہوئے اور اس شخص کے باطن پر توجہ کی۔ ایک ساعت کے بعد وہ صاحب اپنی جگہ سے اٹھے' آپ کے قدموں پر سر رکھا اور مرید ہوگئے۔ ان کے حالات خوب ہوگئے۔ اس کے رشتہ داروں کو یہ حرکت ناپسند ہوئی اور اسے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ آخر ایک دن وہ اپنے معترض رشتہ داروں کو ساتھ لیے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے تھوڑی سی توجہ دی تو سب نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کرلی اور مرید ہوگئے۔

وفات: ۱۳۳۶ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

چون سفر ورزید زین دار الفنا　　درجنان صادق ولی صدیق خاص
بہرسال ارتحال آن جناب　　شدعیاں "صادق ولی صدیق خاص"

۱۳۳۶ھ

خواجہ عبداللہ بلخی نقشبندی مجددی کشمیری قدس سرہ

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم شیخ ہیں۔ اصل میں بلخ کے رہنے والے

ہیں۔ شیخ عبداللہ محمود نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حرمین شریفین گئے تو سترہ سال تک وہاں رہے۔ مقامات بلند اور کرامات ارجمند پر فائز ہوئے۔ بعد میں ہندوستان آئے۔ پھر خطہ کشمیر کو رونق بخشی' وہاں قیام کیا اور انسانوں کی ہدایت و راہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے لگے۔ وہاں کے علماء و صلحاط نے آپ کی طرف رجوع کیا۔ آپ سے خواجہ محمد اعظم صاحب "تواریخ اعظمیہ" خواجہ بابا نور اور خواجہ بہاؤ الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہم اجمعین "کتاب نقشبندیہ" نے خرقہ ہائے خلافت و تبرک حاصل کیے۔ آپ نے ساری عمر اسلامی ملکوں کی سیر میں گزار دی یوں آپ کو عرب و عجم اور شام و عراق کے مشائخ سے استفادہ کا موقعہ ملا۔ آپ نے ۱۰۳۹ھ میں کشمیر میں وفات پائی۔

قطعہ

چو از دنیا بفردوس برین رفت جناب شیخ عبداللہ حق بین
ندا شد بہر سال انتقالش کہ عبداللہ بلخی میر دین

خواجہ عبداللہ بخاری فاروقی کشمیری مجددی قدس سرہ

آپ شیخ بخاری کے فرزند ہیں۔ آپ کے آباء کی نسبت شیخ نجم الدین کبری کی وساطت سے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ تک جا پہنچتی ہے۔ پہلے بخارا میں اپنے والد بزرگوار سے تربیت ظاہری پائی اور سلسلہ کبرویہ میں مرید ہوگئے۔ آخر بلاد "روع" کے راستے مصر پہنچے۔ وہاں سے حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ مکہ شریف میں اس وقت شیخ محمد معصوم سرہندی مجددی کے عظیم خلیفہ شیخ احمد مکی شیخ مکہ تھے۔ ان سے طریقہ احمدیہ میں کسب کمال کیا۔ خواجہ احمد کے انتقال کے سات سال بعد بھی مکہ معظمہ میں رہے۔ ازاں بعد اپنی والدہ ماجدہ کا گرامی نامہ ملنے پر بخارا گئے اور والدہ کو بھی اپنے ساتھ مکہ شریف لے گئے اور مزید دس سال مکہ رہے۔ اس دوران زیارت مدینہ منورہ کے لیے

ہر سال جاتے اور روضہ نبوی کی زیارت سے مشرف ہوتے۔ آخر اکیس سال بعد اشارہ غیبی پا کر ہندوستان تشریف لائے اور ذی قعدہ کے اوائل میں ۱۰۳۸ھ میں کشمیر جنت نظیر میں داخل ہوئے۔ لوگوں کی کافی تعداد نے آپ کی بیعت کی۔ آپ شب و روز عبادت میں مصروف رہتے۔ آپ "اوراد فتحہ" کے ورد کا بہت شوق رکھتے تھے۔

ولادت: بقول صاحب "تواریخ اعظمی" ۱۰۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات: ۱۱۴۰ھ میں کشمیر میں فوت ہوئے۔ "تواریخ اعظمی" میں آپ کی تاریخ وفات "قدوۃ المتقین" سے نکالی گئی ہے۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات

شیخ عبداللہ بخاری شیخ دین　　منفعل از نور رویش مہر و ماہ
واقف فیاض و فضل محسنی　　سال تولیدش بگو' باعز و جاہ

۱۰۷۸ھ

ہست مشتاق کرم رحلتش　　ہم بخوان عاشق سخی اے نیک خواہ

شیخ عبدالاحد بن خازن الرحمت احمد سعید بن شیخ احمد مجدد سرہندی قدس سرہ

اپنے ہی والد بزرگوار کے خلیفہ و مرید ہیں۔ ان کی وفات کے بعد سجادہ نشین بنے اور ہزاروں لوگوں کی راہنمائی فرمائی۔ آپ کی ذات والا سے سلسلہ مجددیہ پورے عالم میں پھیلا۔ آپ کے خلفاء مکہ' مدینہ اور عرب و عجم میں گئے اور مخلوق کی راہنمائی میں مصروف ہوگئے۔ شیخ محبت اللہ بن محمد معصوم اکثر اوقات آپ کے حق میں فرماتے جو بھی ہمارے پیران کرام اور اجداد عظام کا سرمایہ ہمارے پاس تھا۔ حق تعالیٰ سبحانہ نے اسے شیخ عبدالاحد کے وجود میں جمع

فرمادیا ہے۔

شیخ عبدالاحد ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ابتدا میں میں طالبان حق کو توبہ نصوح کی تلقین کیا کرتا تھا۔ ایک رات اپنے پیرو مرشد کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھ پر بہت شفقت فرمائی۔ اسی دوران ایک قوال حاضر ہوا۔ آپ نے اسے تلقین فرمائی فوراً اسے عجیب حالات پیش آئے۔ قوال اٹھا اور مزاہر توڑ ڈالے اور اس غیر شرعی کام سے توبہ کرلی۔ اس کے بعد شیخ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "توبہ کا طریقہ یہ ہے یعنی جب طالب پر نسبت باطنی غالب ہو جاتی ہے وہ خود بخود توبہ کرلیتا ہے اور اس کی بالکل ضرورت نہیں کہ پہلے دن ہی طالب کو توبتہ النصوح کی تاکید کی جائے۔ پس اس دن سے میں نے طالبوں کو توبہ نصوح کرنا چھوڑ دیا۔

ایک دن ایک بے ادب عورت نے آپ کے حضور نامناسب باتیں کیں۔ آپ نے برداشت سے کام لیا اور کچھ جواب نہ دیا مگر جب معلوم ہوا کہ غیرت حق اس سے انتقام لینا چاہتی ہے تو ایک شخص سے کہا اٹھ اور ایک مکہ اس عورت کی گردن پر مار تاکہ میری طرف سے انتقام ہو جائے۔ اس شخص نے مکہ مارنے میں توقف کیا۔ وہ عورت فوراً گر پڑی اور گرتے ہی مرگئی۔ آپ نے مکہ نہ مارنے والے شخص سے فرمایا اس عورت کا خون تیری گردن پر ہے۔ اگر تو مکہ فوراً مار دیتا تو بے ادب عورت کو میری طرف سے سزا مل جاتی اور اس کی جان بچ جاتی۔

وفات: آپ نے ۱۱۴۲ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

شد چو در جنت ازین فانی سرا پیشوا عبد الاحد یکتا ولی
رحلتش "شیخ کبیر است" و دگر "مقتدا عبد الاحد یکتا ولی"

۱۱۴۲ھ

شیخ محمد فرخ مجددی قدس سرہ

شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے ہیں۔ زاہد و پارسا تھے۔ علوم ظاہری اور اوصاف معنوی نیز خوارق و کرامت سے متصف تھے۔

جب محمد فرخ حرمین شریفین تشریف لے گئے تو پہلے مکہ معظمہ پہنچے۔ ایک صاحب سید محمد برزنجی مدینہ میں تھے جو شیخ احمد مجدد کے سخت مخالف تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ مدینہ سے مکہ آئیں اور محمد فرخ سے بحث کریں۔ بحث کا موضوع شیخ احمد مجددی کی مضامین و مکاتیب تھے۔ بالاخر وہ صاحب تشریف لے آئے۔ شیخ محمد فرخ کو ان کے آنے کی اطلاع ہوئی تو دعا کی یا اللہ! میں عجمی ہوں وہ عربی ہیں۔ حرم کعبہ میں مجادلہ و مباحثہ مناسب نہیں۔ پس اے اللہ آپ ہی مجھے ان کے شر سے بچایئے۔ دعا کا یہ تیر سیدھا نشانہ پر جالگا۔ وہ صاحب سخت بیمار ہوگئے۔ تا آنکہ شیخ فرخ طواف کعبہ کے بعد مدینہ گئے۔ روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی' واپس مکہ آئے اور ہندوستان جانے کے لیے جہاز میں سوار ہوئے۔ اسی دوران سید محمد برزنجی نے بھی شفا پالی اور شیخ محمد فرخ کے تعاقب میں دوڑے اور چاہا کہ ایک کشتی میں سوار ہو کر اس جہاز تک جا پہنچیں جس میں شیخ سوار تھے اور ان سے مجادلہ کریں۔ شیخ نے یہ اطلاع ملتے ہی اس کے شر سے بچنے کے لیے بارگاہ الٰہی میں التجا کی۔ کشتی فوراً دریا میں غرق ہوگئی اور وہ منکر اولیاء اپنی سزا کو پہنچا۔

قطعہ

شیخ فرخ چوں بلطف ایزدی — در مقام خلد والا یافت جا
رحلت او "پارسا فرخ" بدان — ہم بخوان "فرخ امام اصفیاء"

۱۰۴۱ھ — ۱۰۴۱ھ

حاجی محمد افضل قدس سرہ

آپ عظیم دانش ور بہت بڑے عالم اور عظیم ولی تھے۔ شیخ محمد معصوم بن شیخ احمد مجدد کے صاحبزادے حجت اللہ نقشبند کے خلیفہ تھے۔ آپ نے اپنے مرشد سے دس سال تک استفادہ کیا۔ بارہ سال میں شیخ عبدالاحد خلیفہ شیخ احمد سعید سے شرف ولایت حاصل کیا۔ زیارت حرمین شریفین اور حج کی سعادت حاصل کی اور فتوحات عظیم کے ساتھ واپس آئے۔ پھر آپ طالبان علوم دین کی تدریس اور ارادت مندان راہ حق کی تلقین میں مصروف ہوگئے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کو حاجی محمد افضل سے علم حدیث کی سند حاصل ہے۔

شیخ حجتہ اللہ نقشبند کئی بار حاجی محمد افضل کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ اپنے پیروں سے ملا ہوا فیض ہمارے سینہ میں محفوظ تھا وہ ہم نے سب کا سب تمہارے باطن میں ڈال دیا۔

حاجی محمد افضل کے پاس جو کچھ رقم یا نقدی کی صورت میں بطور ہدیہ آتی تھی اس سے ہر فن کی کتابیں خرید کر وقف کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ پندرہ ہزار روپیہ ہدیہ آیا ہوا تھا۔ آپ نے اس رقم سے علوم نافع کی کتابیں خرید کر وقف کر دیں۔ خواجہ محمد اعظم کشف کی نعمت اور نسبت قوی سے مالا مال تھے۔ ان کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں نے قرب حق پایا۔ یہ حاجی محمد افضل رحمتہ اللہ علیہ کے ہی خلیفہ تھے۔

وفات: حاجی محمد افضل نے ۱۱۳۶ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

حاجی افضل کہ از درگاہ حق گوہر علم و فضیلت یافت مفت
عقل افضل واصل حق رحلتش "آفتاب حسن عالمتاب" گفت

۱۱۴۶ھ ۱۱۴۶ھ

حافظ محمد محسن نقشبندی مجددی قدس سرہ

آپ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے اور شیخ محمد معصوم مجددی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ ابتدا میں آپ کو علوم ظاہری میں وہ رتبہ عالی اور مقام بلند حاصل تھا کہ پورے دہلی شہر میں سے کوئی عالم بھی آپ کے ساتھ بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بعد میں ہدایت ربانی کی کشش سے شیخ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' علوم باطنی سے فائدہ اٹھایا اور مجددیہ سلسلہ میں تکمیل کی۔ خرقہ خلافت پہنا اور ورع و زہد اور تقویٰ و ریاضت میں یکتائے روزگار ہوئے۔

صاحب کتاب "مرزا مظہر جانجاناں" فرماتے ہیں کہ شیخ محمد محسن کے ایک مخلص مرید نے بتایا کہ ایک دن میں نے اپنے مرشد کی قبر پر جا کر مراقبہ کیا تو حالت بے خودی میں مشاہدہ کیا کہ آپ کا بدن مبارک اور کفن سب ٹھیک حالت میں ہیں مگر آپ کے پاؤں کے تلوے پر مٹی کا نشان ہے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے ایک بار بلا اجازت کسی کا پتھر اٹھا کر وضو کی جگہ پر رکھ لیا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ جب اس کا مالک آئے گا تو ہم پتھر اس کے حوالہ کر دیں گے۔ ایک بار اس پتھر پر پاؤں رکھا تھا۔ اس عمل کی نحوست سے مٹی میرے پاؤں کے تلوے پر ہے۔

وفات: شیخ محمد محسن رحمتہ اللہ نے ۱۱۴۷ھ میں وفات پائی۔

رفت در جنت چو محسن از جہان یافت با وصل خداوندی وصال
وصل او "حافظ محب حق بود" نیز حافظ محسن آمد ارتحال

۱۱۴۷ھ ۱۱۴۷ھ

نواب مکرم خان مجددی نقشبندی قدس سرہ

آپ مقبول ربانی' عاشق یزدانی ہیں۔ شیخ محمد معصوم مجددی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ آپ کا ظاہر شریعت سے آراستہ اور آپ کا باطن طریقت سے پیراستہ تھا۔ پہلے عالمگیر بادشاہ کے مشہور امراء کے زمرہ میں شامل تھے۔ بعد میں شیخ محمد معصوم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے' مرید ہوئے۔ مرشد کی توجہ سے اعلیٰ مقامات تک جا پہنچے۔

جب نواب مکرم خان نے جاہ و حشمت کو ترک کر دیا تھا تو عالمگیر بادشاہ نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی عمر کیا ہوگی۔ بتایا چار سال۔ بادشاہ مسکرایا۔ فرمایا مسکرانے کی بات نہیں۔ میں نے جو زندگی اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں گزاری ہے وہی میں اصلی عمر سمجھتا ہوں۔ باقی وبال آخرت ہے جو میں نے تیری خدمت میں گزاری۔

نواب مکرم خان کے کھانے میں تکلفات زیادہ تھے جو اسراف کی حد تک جا پہنچتے تھے۔ اس کے باوجود حضرت میرزا جانجاناں مجددی نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو کوئی بھی نواب مکرم خان کے ساتھ کھانا کھا لیتا اس کا نور باطن اس قدر تیز ہو جاتا کہ گویا اس نے دو نفل ادا کیے ہیں۔

ایک بار نواب مکرم خان نے اپنے مرشد گرامی کی خدمت میں لکھ بھیجا:

"محبت شما بر محبت خدا و رسول خدا غالب است ازین موجب موجب انفعال است"

"آپ کی محبت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

پر غالب آئی ہے اس وجہ سے شرمندہ ہوں"۔

آپ نے جواب تحریر فرمایا:

"ہیچ مضائقہ نیست' محبت پیر' عین محبت خدا و رسول است و سبب جذب کمالات الہیہ کہ در باطن پیر ثابت است می شود"۔

"کچھ حرج نہیں۔ مرشد سے محبت عین محبت خدا و رسول ہے اور کمالات الہیہ کے جذب کا سبب ہے جو پیر کے باطن میں ثابت ہوتے ہیں"۔

نواب مکرم خان کے انتقال کے بعد ان کے سر پر خواجہ احرار نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ کی کلاہ تبرک رکھی گئی جو انہیں اپنے مرشد کے توسط سے ملی تھی۔ نواب صاحب نے لحد میں دراز ہونے کے بعد آنکھ کھولی اور کہا: میرے پیر کی کلاہ متبرک لاؤ اور میرے سر پر رکھو جو اللہ کے حضور میرے لیے خوبصورت وسیلہ ہے۔ جو میرے پیر کی جانب سے مجھے ملا ہے۔ پس خدام کلاہ لائے اور نواب صاحب کے سر پر رکھی۔ جب انہوں نے اپنے سر پر ٹوپی محسوس کی تو آنکھ بند کرلی۔

وفات: حضرت نواب مکرم خان نے طویل عمر پائی۔ آپ کا ۱۱۴۸ھ میں انتقال ہوا۔ یوں آپ نے ۳۰ سال سے زیادہ عمر پائی۔

قطعہ

دوست دار حق مکرم خان ولی — شد چو از دنیا بجنت جائے گیر
سال وصل او بسرور شد عیان — از "ولی حق مکرم دست گیر"

شیخ محمد فاضل قادری مجددی بٹالوی قدس سرہ

آپ خطہ پنجاب کے اجل عالم' بہت بڑے فاضل اور عظیم فقیر تھے۔

آپ شریعت و طریقت میں قدم راسخ اور استحکام محکم رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے علماء و مشائخ میں سے کسی کو آپ کے قول و فعل پر اعتراض کا موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔ بالفاظ دیگر کسی کو آپ کی گفتار و کردار پر انگلی اٹھانے کی گنجائش نہ تھی۔ آپ نے پوری زندگی طلبہ کی تدریس اور طالبان حق کی تعلیم میں گزاری۔ اس مقتدائے اولیاء ہستی سے ہزاروں اللہ کے بندوں نے کمالات ظاہری و باطنی پائے۔ بہت سے لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ آپ کے پیروں کا سلسلہ چند واسطوں سے امام ربانی شیخ احمد مجدد الف ثانی اور شاہ اسکندر کیتھلی قادری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین تک جاپہنچتا ہے۔ شیخ محمد فاضل بٹالوی مرید اور خلیفہ تھے۔ شیخ محمد افضل کلانوری رحمتہ اللہ علیہ کے وہ مرید تھے۔ شیخ ابو محمد لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے وہ مرید تھے۔ شیخ محمد طاہر قادری مجددی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے وہ مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت شاہ اسکندر کیتھلی اور امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کے۔۔۔۔ چونکہ حضرت شیخ طاہر لاہوری پہلے سلسلہ قادریہ میں مرید ہوئے تھے پھر حضرت مجدد سے خلعت و خرقہ حاصل کیا تھا اس لیے شیخ طاہر کے سلسلہ کے مرید اپنے آپ کو قادریہ مجددیہ کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ "تذکرہ آدمیہ" "روضتہ السلام" اور "حضرات القدس" میں مفصل و مشرح درج ہے اور اس مخزن میں بھی ہم اس کا تذکرہ کر آئے ہیں۔ حضرت شیخ طاہر لاہوری نے اگرچہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ وغیرہ سلسلوں میں اجازت تلقین حاصل تھی مگر آپ کا دلی جھکاؤ زیادہ تر سلسلہ عالیہ قادریہ کی طرف تھا۔

شیخ محمد فاضل کے مرشد محترم خواجہ محمد افضل کی "کلانور" میں رہائش تھی اور آپ نے ساری عمر کلانور میں گزاری، وہیں آپ کا مزار ہے۔ محمد

فاضل بچپن میں ہی آپ کی خدمت میں آ گئے تھے۔ ظاہری و باطنی تربیت مکمل کی' اپنے وقت کے مکمل شیخ بنے۔ حضرت خواجہ محمد افضل کو جتنی محبت و عنایت ان سے تھی اپنے کسی اور مرید سے نہ تھی۔ خواجہ محمد افضل رحمتہ اللہ علیہ کے حکم سے بٹالہ میں لنگر عام مساکین و فقراء اور خاص و عام کے لیے جاری تھا۔ حضرت نے وہ بھی آپ کے نام کر دیا اور فرمایا کرتے کہ یہ محمد فاضل کا لنگر ہے۔ آپ کے پاس جو بھی ضرورت مند آتا اسے آپ اپنے محبوب مرید حضرت محمد فاضل کے پاس بھیج دیتے تاکہ اس کی مشکل کا ازالہ کریں بلکہ اکثر مریدوں کو بھی تکمیل کے لیے آپ کے حوالہ کر دیتے۔ لنگر کے لیے آنے والی تمام فتوح کو آپ ہی کے حوالہ کر دیتے۔

مشہور ہے کہ ایک دفعہ بٹالہ میں کافی عرصہ سے بارش نہ ہوئی۔ حاکم بٹالہ نے شیخ محمد افضل سے التجا کی کہ وہ بارگاہ الٰہی میں بارش کے لیے دعا کریں۔ فرمایا کہ اگر لنگر کے مطبخ کے خرچ کے لیے ۵۰۰ روپے محمد فاضل کو دو تو بارش برسے گی۔ حاکم نے رضامندی ظاہر کی۔ باران رحمت نازل ہوئی مگر حاکم نے وعدہ پورا نہ کیا اور اپنی بداعمالی کی شامت سے اپنے منصب سے معزول کر دیا گیا۔ بعد میں اس نے بہت معافی مانگی مگر اس کی توبہ قبول نہ کی گئی۔

یہ ایک ثابت شدہ بات ہے کہ جب شیخ محمد فاضل نے بٹالہ میں واقع خانقاہ کی تعمیر شروع کی تو زر نقد موجود نہ تھا۔ آپ معماروں اور مزدوروں کو ہر روز خزانہ غیب سے اجرت دیتے۔

وفات: اس جامع الکمالات شخصیت نے ۱۴ ذی الحج ۱۱۵۱ھ میں وفات پائی۔ مورخین نے ان کی تاریخ وفات "غم عام" کے جملہ سے اخذ کی ہے۔ آپ کا مزار پر انوار بٹالہ قصبہ میں زیارت گاہ خلق ہے۔ عرس کے موقعہ پر آپ کے

سلسلہ سے متعلق ہزاروں مرید زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کے مزار پاک سے ظاہری و باطنی فیض اٹھانے کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور موروثی تدریس و تلقین اور عبارت و ریاضت کا اثر اب بھی باقی ہے۔

قطعہ

شیخ فاضل پیر فاضل اہل فضل　　بود ذاتش مصدر فضل و یقین
رفت آخر از جہان بے ثبات　　در جنان از فضل رب العالمین

خواجہ محمد زبیر قدس سرہ

آپ حضرت محبت اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اور نبیرہ (پوتے) تھے۔ فقر و زہد اور تقویٰ میں بلند مقام رکھتے تھے۔ خواجہ زبیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت دنیا و آخرت عطا ہوئی تھی۔ بادشاہ وقت اور ممتاز امراء آپ کے مرید و معتقد تھے۔ آپ کا وظیفہ تھا۔ ایک دن میں چار ہزار بار نفی و اثبات پڑھنا' پندرہ ہزار بار اسم ذات کا حبس نفس کی صورت میں ذکر کرنا' نماز مغرب کے بعد صلوات اوابین پڑھنا' اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھتے پھر شاہی محل میں تشریف لے جاتے اور زنانہ حلقہ منعقد ہوتا۔ آدھی رات کے قریب واپس خانقاہ آتے۔ چند ساعت تک استراحت کرتے۔ پھر وہاں سے اٹھ کر تہجد پڑھتے۔ اس نماز میں چالیس بار (اور کبھی ساٹھ بار) سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد سے تا نماز چاشت مراقبہ میں رہتے۔ اس کے بعد مردانہ حلقہ کرتے۔ اس سے فراغت کے بعد ذکر میں مصروف ہو جاتے۔ بوقت نصف النہار ایک گھنٹہ کے لیے قیلولہ کرتے۔ نماز زوال ادا کرتے۔ اس میں قرات اتنی طویل ہوتی جو دو گھنٹے میں بھی ختم نہ ہوتی۔ ازاں بعد کھانا تناول فرماتے۔ اس کے بعد نماز ظہر پڑھ کر ذکر اور مریدوں کی

توجہ میں مصروف ہو جاتے۔ نماز عصر کے بعد "مشکوۃ شریف" اور مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات کا درس ہوتا۔

جب آپ محل سرا سے واپس تشریف لاتے تو قلعہ شاہی سے خانقاہ تک شاہی امراء دو شالے اور منڈیلے زمین پر گراتے تاکہ شیخ کا قدم مبارک زمین پر نہ پڑتے۔ جب آپ مریض کی عیادت یا کسی دعوت طعام کے لیے تشریف لے جاتے تو بادشاہوں کی سی شان و شوکت کے ساتھ آپ کی سواری جاتی۔

ایک دن حضرت خواجہ زبیر سوار تھے۔ آپ کی سواری جامع مسجد کے نیچے سے گزری۔ اس وقت خواجہ شاہ گلشن رحمتہ اللہ علیہ جامع مسجد میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک صاحب پالکی میں بیٹھے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ بہت سی پالکیاں جا رہی ہیں۔ امراء عالیشان ان کی سواری کے ساتھ ساتھ پاپیادہ چل رہے ہیں۔ انوار الٰہی نے پالکی کا یوں احاطہ کر رکھا ہے گویا آسمان تک نوری پرتو چمک رہا ہے اور تمام کوچہ و بازار اس سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر شاہ گلشن نے اپنی پرانی گدڑی سر سے اتار کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ یہ جس امیر کی سواری ہے اس کی پالکی پر میں نے اتنا نور چمکتے دیکھا ہے کہ اتنا میں نے کبھی اپنی گدڑی میں بھی نہیں دیکھا۔ حالانکہ میں نے اس گدڑی میں تیس سال تک ریاضت کی ہے۔ ساتھیوں نے عرض کی حضرت یہ سواری خواجہ محمد زبیر کی ہے۔ یہ سن کر فرمایا شکر الحمد للہ کہ ہمارا پیرزادہ ہے۔ ہماری آبرو باقی رہ گئی۔

وفات: خواجہ محمد زبیر نے ۱۱۵۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار دہلی میں تھا۔ بعد میں تابوت مبارک دہلی سے لے جا کر سرہند میں دفن کر دیا۔ جس دن خواجہ کے بھائی نعش مبارک کو دہلی سے سرہند لے جا رہے تھے تو دیکھا گیا کہ

کچھ گھڑ سوار تابوت کے آگے آگے پورے ادب و احترام کے ساتھ چل رہے تھے۔ اگرچہ ان سے بہت پوچھا گیا کہ آپ حضرات کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ جب سارے ہی لوگوں نے سواروں کی طرف توجہ کر لی تو وہ نظر سے غائب ہوگئے۔ معلوم ہوا کہ فرشتگان ملا اعلیٰ ہیں۔

حضرت خواجہ زبیر رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء اور مریدوں کی تعداد بے شمار ہے۔ یہ سب صاحب حال و کمال تھے۔ ان میں خواجہ ناصر شاہ اور خواجہ عبدالعدل شامل ہیں۔

قطعہ

رفت صد افسوس زبیر از جہان — وصل بحق گشت و تہی شد ز غیر
سال وصالش چو بہ جستم ز دل — گفت کہ "مشتاق محمد زبیر"

۱۱۵۲ھ

خواجہ حافظ سعد اللہ مجددی قدس سرہ

آپ شیخ محمد صدیق بن شیخ محمد معصوم بن شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے عظیم خلیفہ تھے۔ تیس سال تک اپنے پیر و مرشد کی صحبت میں رہے۔ "مجددیہ سلسلہ" کے مقامات بلند تک پہنچے اور سید صوفیہ کا لقب پایا۔ اپنے مرشد کی بہت خدمت کی اور اس سلسلہ میں بہت مشقتیں اٹھائیں۔ آپ بطور فخر کہا کرتے تھے کہ میں نے تیس سال تک اپنے مرشد کی خانقاہ کا پانی بھرا ہے اور سر پر گھڑے اٹھائے ہیں۔ اس سے میرے سر کے بال اڑ گئے ہیں اور اللہ کے ڈر میں زیادہ رونے سے میری نظر ختم ہوگئی ہے۔ کبھی حضرت مجھے موسم گرما میں احمد آباد بھیج دیتے تو میں آپ کی جدائی میں کثرت سے رونا نیز سخت گرمی سے میری آنکھیں بے کار ہوگئیں۔ تاہم

حضرت پیر صاحب کی خانقاہ کی برکت سے میرے دروازے پر اتنے زیادہ خادم اکٹھے ہوتے ہیں کہ ہر ایک کو خدمت کا موقعہ نہیں ملتا اور میرے دل کی آنکھیں نور الٰہی سے منور ہیں۔

صاحب "مظہر مجددی" فرماتے ہیں خاندان مجددیہ میں مرید ہونے سے پہلے ایک رات خواب میں حافظ سعد اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا شہر ہے جو انوار و برکات سے پر ہے۔ ایک محلّہ میں اولیاء اللہ کا ایک گروہ سکونت رکھتا ہے اور اس شہر کی شہرت یہ ہے کہ مقربان بارگاہ حق کا ایک جم غفیر آ رہا ہے اور شہر والے ان کے استقبال کے لیے باہر نکلے ہیں۔ حافظ سعد اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کسی نے جواب دیا "اس وقت اللہ تعالیٰ نے اظہار کرامات جدید فرمایا ہے اور اس قافلہ کے سربراہ شیخ احمد سرہندی ہیں۔ وہ اس شہر ولایت میں داخل ہوں گے۔ ہم ان کے استقبال کے لیے باہر آئے ہیں۔ پس اس واقعہ سے حافظ سعد اللہ کو یقین ہوگیا کہ یہ سلسلہ عالیہ ظہور میں ہے۔ وہ صدق دل سے شیخ محمد صدیق کی خدمت میں پہنچے اور مرید ہوگئے۔ کمالات ظاہری و باطنی تک پہنچے۔

ایک دن شیخ سعد اللہ کے مرید نواب خان فیروز جنگ نے عرض کی کہ شیخ حسن رسول نما جسے چاہتے تھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروا دیتے تھے۔ میں آپ کا مرید ہوں' چاہتا ہوں کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے۔ فرمایا "ہم جسے چاہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے دوبار مشرف کرا دیتے ہیں اگر آپ چاہتے ہیں تو آج رات فاتحہ پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح کی طرف متوجہ ہو کر سو جانا۔ انشاء اللہ یہ نعمت مل جائے گی۔ نواب نے ایسا ہی کیا۔ اسی رات زیارت سے مشرف ہوا۔ آنکھ کھلی تو اس نعمت عظمیٰ کے حاصل ہونے پر پانچ سو روپیہ

بطور شکرانہ اپنے اوپر عائد کر لیا اور تصور کیا کہ اگر دوبارہ بھی مشرف زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوا تو پانچ سو روپے مزید ہدیہ شکرانہ ادا کروں گا اور پورا ہزار روپیہ صبح اپنے شیخ کی خدمت میں لے جاؤں گا۔ اب پھر سوئے تو زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز ہوئے۔ صبح ہوئی تو ہزار روپیہ کی بجائے صرف پانچ سو روپیہ حافظ سعد اللہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا یہ تو پہلی زیارت کا زر شکرانہ ہے۔ دوسری زیارت کا شکرانہ کہاں ہے۔ نواب نے فوراً زر شکرانہ ادا کیا اور معتقد کامل بن گئے۔

حافظ سعد اللہ کی خانقاہ میں ایک بلی تھی جو خانقاہ کے دروازے پر پڑی رہتی اور حضرت حافظ رحمتہ اللہ علیہ کے تصرف سے چڑیوں پر بہت مہربان تھی۔ چڑیاں اس سے کھیلتی تھیں۔ خادم غلے کے دانے بلی کے منہ میں ڈالتے تو بلی اپنا منہ کھول کر لمبی پڑ جاتی۔ حتیٰ کہ چڑیاں سارے دانے اس کے منہ سے نکال لیتیں۔

وفات: حضرت حافظ نے ۱۱ شوال ۱۱۵۳ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پر انوار شاہ جہان آباد میں اجمیری دروازہ کے باہر ہے۔

قطعہ

حافظ قرآن چو سعد اللہ رفت　　از جہان در منزل خلد برین
سال وصل او بسرور شد عیان　　"حافظ پاکیزہ دل ہادی دین"

۱۱۵۳ھ

خواجہ شاہ گلشن مجددی نقشبندی قدس سرہ

آپ خواجہ عبدالاحد رحمتہ اللہ علیہ کے نامور خلیفہ ہیں۔ کمالات ظاہری و باطنی، علوم شریعت، طریقت، حقیقت و زہد و تقویٰ اور تجرید و تفرید کے

جامع تھے۔ آپ نے سخت مشقتیں برداشت کیں۔ تین دن کے بعد کھانا کھاتے۔ آپ نے زندگی کے تین سال ایک گدڑی میں گزار دیے۔ تین دن کے بعد جو کھانا کھاتے تو اس میں بھی تین لقمے سے زیادہ نہ کھاتے۔ آپ کا زیادہ تر کھانا خربوزہ اور تربوز کا چھلکا' اسی طرح دیگر تمام موسمی پھلوں اور چیزوں کے چھلکے کھاتے۔ جو وہ شہر کے گلی کوچوں سے اٹھا لیتے۔ انہیں پاک صاف کر کے کھا لیتے۔ جامع مسجد دہلی میں رہائش تھی۔ پیاس لگتی تو مسجد کے حوض سے دو تین چلو پانی پی لیتے جو نہایت گرم ہوتا تھا۔

ایک دن ایک فاحشہ عورت ظاہری زیور سے آراستہ ہو کر گھر کے دریچے سے بازار مسجد کا نظارہ کر رہی تھی۔ حاضرین مجلس نے حضرت شاہ گلشن کی خدمت میں عرض کی کہ اس فاحشہ عورت کی طرف توجہ فرمایئے تاکہ راہ راست پر آ جائے۔ پہلے تو آپ نے تساہل فرمایا پھر دوستوں کے اصرار پر توجہ دی اور ساعت کے بعد وہ عورت حاضر ہوئی۔ سر کے بال کٹوا دیے' گدڑی پہن لی۔ وہ روتی اور استغفار کرتی تھی۔ اس نے آپ کی بیعت کی اور عارفان حق میں سے ہو گئی۔

صاحب کتاب درالمعارف شاہ رؤف مجددی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک صاحب آپ کے پاس آئے تو آپ ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا "مجھے آپ سے اپنے پیر خواجہ عبدالاحد کی خوشبو آ رہی ہے۔ وہ صاحب بولے میرے پاس ایک کتاب کے سوا کچھ نہیں۔ جب کتاب کھولی تو دیکھا گیا کہ اس میں چند سطریں خواجہ عبدالاحد کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی موجود ہیں۔

وفات: شاہ گلشن نے ۱۱۵۳ھ میں وفات پائی۔

گلشن معرفت شہ بہ جنت رفت چون از جنان بباغ جنان
"عارف خاص سالک" آمد سال ہم "ولی شاہ گلشن عرفان"
۱۱۵۳ھ ۱۱۵۳ھ

شیخ عبدالرشید نقشبندی مجددی قدس سرہ

آپ شیخ محمد مراد کشمیری مجددی کے فرزند دلبند ہیں۔ آغاز جوانی ہی میں طلب ربانی میں مشغول ہوگئے اور سخت محنت و ریاضت کی۔ سلسلہ "احمدیہ مجددیہ" میں اپنے والد سے فیض لینے کے بعد اغلبہ شوق اور فرط شوق سے مسافرت اختیار کی۔ اپنے مرشد اعلیٰ شیخ عبدالاحد مجددی رحمتہ اللہ علیہ (جو شیخ عبدالرشید کے والد کے پیر تھے) کی خدمت میں سرہند حاضر ہوئے اور چند سال تک اس باکمال ہستی کے پاس رہے۔

خدمت و جانفشانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یوں حضرت کی رضامندی' خوشنودی کے مستحق ٹھہرے۔ پھر حضرت اعلیٰ سے اجازت لے کر اپنے وطن کا رخ کیا۔ دو سال بعد پھر سفر کا شوق ہوا تو ہندوستان کا رخ کیا۔ شاہجہان آباد میں مرشد کی خدمت میں شرفیابی کی سعادت حاصل کی اور دو سال سے زیادہ کا عرصہ حضرت مرشد کی خدمت میں گزار دیا۔ خرقہ خلافت پایا اور آخر دم تک حضرت کی خدمت میں مصروف رہے۔ جب شیخ عبدالاحد نے دہلی میں وفات پائی تو ان کی نعش مبارک کے ساتھ سرہند آئے اور دفن کرنے کی خدمت بجا لائے۔ اب آپ نے کشمیر کا قصد کیا اور طالبان حق کو فائدہ پہنچانے لگے۔ کچھ عرصہ بعد حج کے ارادہ سے عازم عرب شریف ہوئے۔ کچھ مدت تک وہاں قیام رہا اور مشائخ حرمین سے استفادہ کیا۔ وہاں سے ہندوستان کی طرف چلے۔ دہلی پہنچے تو ۲۷ رجب الرجب ۱۱۵۵ھ میں رحمت حق سے جاملے۔

قطعہ

شیخ دین عبدالرشید اہل رشد　　شد چو از دنیا و در جنت رسید
بہر فضل آمد وصال پاس او　　نیز فرما "مومن ارشد رشید"

۱۱۵۵ھ　　۱۱۵۵ھ

خواجہ نور الدین محمد آفتاب کشمیری نقشبندی قدس سرہ

آپ خواجہ نظام الدین بن خواجہ اشرف الدین بن خواجہ معین الدین بن خواجہ خاوند محمود نقشبندی بخاری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے خلف الصدق ہیں۔

ولادت : آپ کی ولادت باسعادت اسی سال ہوئی جس سال خواجہ معین الدین کی وفات ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کی پیشانی پر کمال کے آثار تھے۔ آپ صاحب حال و قال تھے۔ چنانچہ تیرہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کے حصول سے اور حفظ قرآن سے مکمل فراغت حاصل کی۔ خواجہ احمد بسوی سے باطنی تربیت پائی اور خرقہ خلافت حاصل کیا اور اجازت تلقین حاصل کی۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے اپنے اجداد کرام کی خانقاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ آپ کی سجادہ نشینی کی تاریخ کا یہ قطعہ جو کتاب "تواریخ اعظمی" میں درج ہے:

شدہ از نور مظہر خواجہ　　عرصہ خانقاہ چون گلشن
ہاتف از بہرسال ارشادش　　زد رقم "آفتاب حق روشن"

۱۱۴۸ھ

جب حضرت خواجہ نے مسند ارشاد کو رونق بخشی تو طالبان حق فوج در فوج آپ کے پاس آنے لگے۔ ان میں سے ایک بھی محروم نہ رہتا خواہ وہ

طالبان عقبیٰ ہوں یا طالبان دنیا۔ آپ کی دعا کبھی بھی درگاہ الٰہی سے رد نہیں ہوئی۔ آپ جو چاہتے ملتا اور اچھی بری جو بات بھی آپ کی زبان پر آ جاتی وہ پوری ہو کے رہتی۔ آپ کی نگاہ بیماروں کی صحت کے لیے اکسیر اعظم کا حکم رکھتی تھی۔

پیدائش: آپ کی ولادت بقول صاحب تواریخ اعظمی ۱۰۸۶ھ میں ہوئی۔

وفات: ۶ شعبان المکرم ۱۱۵۶ھ میں فوت ہوئے۔

بود خواجہ آفتاب اوج دل　　زو جملہ آفتاب راشد کسوف

آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں "تواریخ اعظمی" میں لکھا ہے کہ دونوں مادوں میں ایک عدد کا فرق ہے۔

قطعہ

چو در زیر زمین گردید روپوش　　جناب آفتاب حسن مولیٰ

بسال انتقال آن شہ دین　　رقم شد "آفتاب خلد والا"

۱۱۵۸ھ

حافظ محمد عابد قدس سرہ

آپ شیخ عبدالاحد رحمتہ اللہ علیہ کے نامور خلیفہ تھے۔ علم و عمل اور ورع و تقویٰ میں اولیائے وقت پر گوئے سبقت لے گئے۔ آپ کی آبائی نسبت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جا پہنچتی ہے۔ آپ شب و روز طاعت و عبادت میں مشغول رہتے۔ ہر رات نماز تہجد میں ساٹھ مرتبہ سورہ یٰسین پڑھتے۔ آپ نے اپنی مرض موت میں ہر رات نماز تہجد میں ۳۵ مرتبہ سورہ یٰسین پڑھتی۔ یاد رہے کہ آپ کو اسہال کی بیماری تھی۔ آپ بیس ہزار مرتبہ کلمہ طیب کا ذکر ایک ہزار بار نفی و اثبات بحبس نفس اور تلاوت

قرآن شریف کرتے۔ ایک ہزار بار آپ کا روزانہ کا معمول کا وظیفہ تھا۔ آپ کے روزانہ کے حلقہ میں تقریباً دو سو علماء صلحاء بیٹھتے۔ ہزاروں طالبان حق آپ کی توجہات کی برکت سے مقامات احمدیہ نقشبندیہ تک پہنچے۔ جمعہ کے دن آپ کی خانقاہ میں بہت بڑا اجتماع ہوتا۔ جو کوئی آپ کی نظر کیمیا اثر میں آ جاتا اس کا دل ذاکر ہو جاتا۔

ایک دن حافظ محمد عابد رحمتہ اللہ علیہ ایک مسجد میں تشریف فرما تھے۔ وہیں پر ایک شخص نے اپنے مریدوں کا مجمع لگا رکھا تھا اور لوگوں کو مرید کر رہا تھا مگر اس کا باطن اللہ کے ساتھ نسبت کے نور سے خالی تھا۔ شیخ کو اس کے حال پر رحم آیا اور کافی دیر تک اس کی حالت پر متوجہ رہے۔ حتیٰ کہ اسے مرتبہ ولایت قلبی تک پہنچا دیا۔ محض توجہ سے اس کا دل ذاکر ہوگیا۔ اب وہ صاحب اٹھے' آپ کے قدموں پر سر رکھا' مرید ہوئے اور اعلیٰ مرتبوں تک پہنچے۔

جب شیخ عابد حرمین الشریفین تشریف لے گئے تھے تو پورا راستہ سوار نہ ہوئے اور اتنا طویل دور دراز کا سفر پاپیادہ طے کیا۔ وہاں پہنچ کر زیارت کی۔ آپ فرماتے تھے میرے دل کا سوز اور میرے دل کی جلن درد طلب کے شدید ہونے کی وجہ سے روز بڑھتی تھی اور کبھی کم نہ ہوتی تھی۔ عنایت جناب مصطفوی سے اسے تسکین ملی اور گوہر مقصود ہاتھ آیا۔

ایک شخص مدینہ شریف میں ریاضت و عبادت اور مجاہدہ و نوافل کثرت سے کرتا تھا۔ اسے سرور کائنات کی طرف سے حکم ہوا کہ یہ شخص شیخ محمد عابد کی خدمت میں حاضر ہو۔ جب وہ آئے تو آپ نے انہیں مجاہدہ سے روک دیا اور عبادت میں میانہ روی کی تلقین کی۔ چونکہ ان کو کثرت عبادت کی عادت تھی اس لیے شیخ کے حکم پر عمل نہ کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں سرزنش کی اور دوبارہ شیخ محمد عابد کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ اب انہوں نے شیخ سے استفادہ کیا اور آپ کی بہترین تربیت سے مقامات بلند تک جا پہنچے۔

وفات: آپ نے ۱۸ رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

رفت در جنت چو شیخ عابد آن سوئے حق برداشت از دنیا قدم
گفت دل سال وصال آفتاب عمدہ دین "بر عابد محترم"

۱۱۶۰ھ

شیخ صاحب محمد سعید لاہوری رحمتہ اللہ علیہ

آپ نقشبندیہ، قادریہ اور شطاریہ کے عظیم شیخ ہیں۔ چنانچہ صاحب "تشریف الشرفا و نسب نامہ حضرات گیلانی" فرماتے ہیں کہ حاجی محمد سعید نے خلافت قادریہ، سید محمد دین سید ملا حسینی الکروتی ساکن مدینہ منورہ سے مدینہ شریف میں حاصل کی۔ شیخ اشرف لاہوری سے آپ کا سلسلہ شاہ محمد غوث گوالیاری تک جا پہنچتا ہے۔ آپ نے نقشبندیہ سلسلہ میں اجازت حافظ سعداللہ مجددی رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو نقشبندی کہلاتے ہیں۔

جب احمد شاہ ابدالی درانی بادشاہ، ملک ہندوستان کی تسخیر کے ارادہ سے لاہور پہنچا تو لاہور کے تمام باشندوں نے اپنے اپنے گھروں کا سامان (جس قدر اٹھا سکتے تھے) اٹھایا اور شاہی لشکر کی غارت گری کے خوف سے ادھر ادھر منتشر ہوگئے۔ مکی محلہ اور عبداللہ داری کے رہنے والے حاجی صاحب کے پاس آئے۔ یاد رہے کہ حضرت حاجی صاحب بھی اسی علاقہ کے رہنے والے

تھے۔ ان لوگوں نے آکر عرض کیا کہ لاہور کے تمام باشندے بادشاہی فوج کے خوف سے بھاگ گئے ہیں۔ ہم صرف آپ کی طرف سے مدد ملنے کی امید پر لاہور میں ٹھہرے رہ گئے ہیں۔ اگر آپ ہماری حمایت کریں تو بہتر ورنہ ہمیں جہاں پناہ ملے ہم چلے جائیں۔ حضرت حاجی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا معلوم ہوتا ہے کہ پورا لاہور شہر احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں لوٹا جائے گا مگر ہم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کی محلہ اور عبداللہ داری غارت گری سے محفوظ رہیں گے' پس یوں ہی ہوا۔ احمد شاہ کے لشکریوں نے پورے شہر میں لوٹ مار کی' جو ملا لے گئے۔ سوائے کی محلہ اور عبداللہ داری کے' جو محفوظ رہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب احمد شاہ لاہور پہنچا تو اس نے لوگوں سے حضرت حاجی کی کرامت کا تذکرہ سنا اور آپ کا گرویدہ ہوگیا۔ خدمت عالیہ میں حاضری دی' مرید ہوا' اپنے مشہور امراء کو بھی حاضر کروایا اور مرید کروایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کی محلہ اور عبداللہ داری جہاں حضرت حاجی صاحب رہتے ہیں غارت گری سے محفوظ رہے۔ اس نے اپنی فوج اس علاقہ کی حفاظت کے لیے مقرر کر دی۔ پس اس دن سے حضرت حاجی "افغانوں کے پیر" کے نام سے مشہور ہوئے اور آج تک اسی نام سے مشہور ہیں۔

احمد شاہ ابدالی جب ہندوستان سے واپس کابل چلا گیا تو ایک دن لاہور کا ایک باشندہ حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "میری ایک بیٹی ہے۔ احمد شاہ کے فوجی اسے بھی چھین کر لے گئے ہیں۔ میری چونکہ اور کوئی اولاد نہیں اس لیے بہت بے قرار رہتا ہوں۔ اگر آپ اس سلسلہ میں توجہ فرمائیں تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی" سائل کی درخواست سن کر حضرت نے مراقبہ کیا۔ مراقبہ کے بعد سر اٹھا کر سائل سے فرمایا "آنکھ بند کرو" اس آدمی نے آنکھ بند کر لی۔ جب آنکھ کھولی تو اپنی بیٹی کو اپنے پاس کھڑے پایا۔

اس لڑکی کے ہاتھ میں تیل والا برتن اور چار فلوس تھے۔ سائل اپنی مراد پوری ہونے سے بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنی بیٹی سے قصہ پوچھا۔ اس نے جواب دیا "بادشاہ کے لشکری جب مجھے لاہور سے پکڑ کر اپنے ساتھ کابل لے گئے تو شاہی امراء میں سے ایک نے مجھے اپنی لونڈی بنا لیا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ اپنے گھر میں میری حفاظت کرتا تھا۔ میں اس وقت کابل میں تھی۔ گھر کے مالک نے مجھے تیل کا برتن اور چار فلوس دیے اور کہا کہ بازار سے تیل لے آؤ۔ بازار آئی تو یہی حضرت جو یہاں تشریف فرما ہیں مجھے ملے اور فرمایا آنکھ بند کرو۔ میں نے ان کے حسب الحکم آنکھ بند کرلی۔ ایک لمحہ بعد میرے کان میں آواز آئی آنکھ کھول دو۔ آنکھ کھولی ہے تو اپنی تئیں تمہارے سامنے پایا ہے۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ میری آمد کس راستہ سے ہوئی ہے؟"۔

مخفی نہ رہے کہ حاجی محمد سعید دو بار حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ حج اور زیارت روضہ نبوی سے مشرف ہوئے۔ بہت سے بزرگوں سے استفادہ کیا۔ چنانچہ آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ میں شیخ سید محمود کروی سے مکہ معظمہ میں ملاقات کی۔ آپ کا سلسلہ قادریہ میں درمیانی چند واسطوں سے محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ تک جا پہنچتا ہے۔ آپ سید محمود کے مرید و خلیفہ تھے۔ وہ سید جلال الدین کے مرید تھے' وہ سید شہاب الدین کے مرید تھے' وہ سید جمال الدین کے مرید تھے' وہ سید شمس الدین ابوالوفا کے مرید تھے' وہ سید شہاب الدین احمد کے مرید تھے' وہ سید قاسم کے مرید تھے۔ وہ سید عبدالباسط کے مرید تھے' وہ سید بہاؤالدین ابوالعباس کے مرید تھے اور وہ سید بدرالدین حسن کے مرید تھے' وہ سید علاؤالدین کے مرید تھے' وہ مرید تھے سید شرف الدین یحییٰ تاتاری کے' وہ مرید تھے سید ابوصالح

نصر کے اور وہ قطب الافاق سید عبدالرزاق بن غوث الاعظم محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہم العزیز کے مرید تھے۔

وفات: حضرت حاجی نے باقوال معتبر ۱۱۲۶ھ میں رحلت فرمائی۔ آپ نے طویل عمر پائی۔ یعنی ۱۰۰ سال سے زیادہ۔ آپ کے نواسہ شیخ عبدالرحیم آپ کی حیات مبارکہ میں ہی فوت ہوئے۔ وہ آپ کے خلیفہ تھے۔ اسی طرح سید فضل علی لاہوری نے بھی شیخ حاجی کی زندگی میں ہی رحمت حق سے اتصال کیا۔ خلیفہ شیخ عبدالرحیم کے مرید تھے۔ حضرت حاجی کا مزار پرانوار لاہور میں آج بھی زیارت گاہ خلق ہے۔

قطعہ

چوں سعید آن اسعد دور زمان — رفت از دنیا و در جنت رسید
رحلتش گو "شیخ نور و فضل نور" — نیز "بحر معرفت حاجی سعید"

۱۱۲۶ھ — ۱۱۲۶ھ

خواجہ عبدالسلام کشمیری مجددی قدس سرہ

آپ حافظ عبدالغفور پشاوری کے خلیفہ ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ آپ ایک لحہ کے لیے بھی یاد الٰہی سے غافل نہیں رہتے تھے حالانکہ آپ دولت ظاہری سے مالدار تھے۔ یعنی کشمیر میں شاہی وکالت کا ذریعہ تھے اور جاگیردار و منصب دار تھے۔ آپ کے دروازہ پر دینی و دنیاوی حاجات چاہنے والوں کا ہجوم ہوتا۔ آپ ہر ایک کی حاجت پوری کرنے کی کوشش کرتے اور کسی کو بھی ناامید نہ کرتے۔ آپ کے بڑے بھائی ملا مراد الدین خان اگرچہ منصب امیر الامراء پر فائز تھے' قاضی القضات کا عہدہ بھی تھا تاہم وہ درویش دل تھے۔ ان کا سلسلہ نسب خواجہ حافظ حسین بصیر خلیفہ ملا محمد

نازک نقشبندی کشمیری رحمتہ اللہ علیہ سے ملتا تھا۔ علی ہذاالقیاس آپ کے چھوٹے بھائی شیخ عبدالکریم بھی جامع کمالات صوری و معنوی تھے۔

"روضۃ السلام" کتاب کے جامع شیخ شرف الدین محمد کشمیری نقشبندی (مرید و خلیفہ شیخ عبدالسلام) نے اپنی کتاب میں حضرت کے بہت سے خوارق و کرامت تحریر کیے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ "ایک روز حضرتؒ خواجہ میر عنایت اللہ کے گھر دعوت طعام میں تشریف لے گئے۔ کھانے کے بعد میر عنایت اللہ نے افلاس و عسرت کا اظہار کیا اور اپنے حق میں دعائے برکت کی التجا کی" فرمایا "جو کچھ آپ کے پاس غلہ ہے وہ لائیے"۔ انہوں نے ایک برتن سفید چاول سے بھرا ہوا پیش کیا۔ حضرت نے اس پر نظر ڈالی اور فرمایا اس کا ڈھکنا مضبوطی سے بند کر دو نیچے سے اس میں سوراخ کر لو اور اس سوراخ سے ہر روز بقدر ضرورت نکالتے رہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ کمی نہیں ہوگی۔ پس میر عنایت اللہ نے ایسے ہی کیا۔ حتیٰ کہ بارہ سال تک اس سے چاول نکالتے رہے اور کھاتے رہے۔ کبھی کمی نہ ہوئی۔ ایک دن ان کی اہلیہ نے ازراہ تعجب برتن کا ڈھکنا اٹھایا تو دیکھا کہ تمام برتن خالی ہے اور اس میں چاول کا ایک دانہ بھی موجود نہیں۔ وہ عورت اپنی اس حرکت پر نادم ہوئی۔

ایک دن محمد صابر کشمیری نام کا ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حصول اولاد کے لیے تعویذ کی درخواست کی۔ حکم فرمایا کہ دو سیب لے آؤ۔ وہ فوراً دو سیب لے آیا۔ فرمایا اسے کھا لو۔ اس نے آپ کے حکم کی تعمیل میں آپ کے سامنے سیب کھائے۔ اسی سال اس کے گھر میں دو جڑواں بچے پیدا ہوئے۔

آپ کے ایک مرید محمد اکبر شاہ تحریر کرتے ہیں کہ ایک دن میں ایک کشمیری ہندو کے گھر کسی کام کے لیے گیا تھا۔ اس ہندو نے مجھے بازار سے

نان لا کر دیے۔ وہاں سے نکل کر میں حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ ایک شخص حضرت کے سامنے ساز بجا رہا ہے۔ خواجہ کو یہ حرکت پسند نہ تھی۔ مجھے حکم دیا کہ مجھے اس شخص سے بچاؤ اور فلاں ہندو کے گھر سے جو نان لائے ہو وہ اسے دے دو۔ میں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

شیخ عبدالوہاب کشمیری تحریر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ عیدالاضحیٰ کے دن میں سلام کے لیے حضرت خواجہ کے در دولت پر حاضر ہوا۔ چونکہ حضرت محل سرا میں تھے اس لیے ایک خادمہ کی معرفت اپنی حاضری کی اطلاع بھیجی۔ فی الفور باہر تشریف لائے۔ ایک ہاتھ میں کچھ قلم تھے۔ دوسرے ہاتھ میں گوشت کا ٹکڑا تھا۔ دونوں چیزیں فقیر کے حوالہ کیں اور فرمایا کہ خوش نویس بن جاؤ گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ میں چند ماہ بعد خوشنویس بن گیا۔

صاحب "روضۃ السلام" فرماتے ہیں کہ ایک دن خواجہ نماز ظہر ادا کرنے کے لیے مسجد میں آئے۔ کچھ مرید بھی ساتھ تھے۔ وہیں سرکار ناظم کشمیر کے دو پیادے آئے۔ انہوں نے بہت سختی کی اور بولے کہ اٹھ اور ہمارے ساتھ چل۔ خواجہ اٹھے اور ان کے ساتھ چل پڑے۔ چند قدم چلے ہوں گے کہ ان میں سے ایک پیادہ پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ زمین پر گر پڑا اور لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ پھر ٹھنڈا ہوگیا۔ حاضرین نے سمجھا کہ وہ مر گیا ہے۔ دوسرا پیادہ بھاگ گیا اور اپنے جمعدار کے پاس جا کر رپورٹ دی۔ جمعدار کچھ لوگوں کو ساتھ لے آیا' معافی چاہی۔ آپ نے اس کی معذرت قبول کی۔ تب جا کر وہ بے ہوش پیادہ ہوش و حواس میں آیا۔

محمد صدیق کشمیری بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ بندہ کی درخواست پر باغ میں تشریف لائے۔ ناظم کشمیر کا ایک ملازم بھی باغ میں آیا۔ وہ بلا اجازت توت کے درخت پر چڑھ کر توت کھانے لگا۔ اسی دوران خواجہ کی

نظر جلال اس پر پڑی۔ پوچھا کہ یہ کون ہے؟ میں نے عرض کی "مجھے نہیں معلوم! اس قماش کے لوگ زبردستی باغ میں گھس آتے ہیں۔ بلااجازت درختوں پر چڑھ کر پھل بھی کھاتے ہیں اور ٹہنیوں کا نقصان بھی کرتے ہیں"۔ یہ بات سن کر خواجہ نے اسے تیز نظر سے گھورا۔ فوراً وہ شخص زمین پر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔ اس کے مرنے میں بس ایک لمحہ ہی کی کمی تھی۔ میں نے یہ صورت دیکھی تو حاکم کشمیر کی گرفت کے خوف سے کانپنے لگا اور آپ سے عاجزانہ التجا کی۔ حضرت خواجہ اٹھے' اس کے منہ میں شربت نبات کے چند قطرے ٹپکائے تو وہ ہوش میں آگیا۔

صاحب "روضۃ السلام" شیخ نور اللہ کشمیری کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ کشمیر پر نواب افراسیاب کا عہد حکومت تھا۔ اس کا بیٹا علی رضا بیگ سخت ستم گر تھا۔ اس نے ہدایت اللہ خالوی پر الزام لگایا اور جیل میں بند کر دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ آخر ایک ہزار روپیہ لے کر قید سے خلاص دی۔ ان کے رہائی پر میں انہیں ملنے کے لیے گھر سے نکلا مگر راستہ میں خواجہ کی زیارت کا شوق ایسا دامن گیر ہوا کہ میں آپ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ دو گھنٹہ بعد رخصت لی۔ آپ نے اجازت نہ دی اور فرمایا جہاں جانا چاہتے ہو اب وہاں جانا مناسب نہیں۔ اب اپنے گھر جاؤ۔ میں "جی ہاں" کہہ کر وہاں سے چل پڑا۔ دل میں سوچا کہ اسی نیت سے تو میں گھر سے نکلا تھا' اب نہ جانا غیر مناسب ہے۔ کم عقلی کی وجہ سے میں ہدایت اللہ کے گھر جا پہنچا۔ میرے پہنچتے ہی کوتوال شہر بھی آ پہنچا۔ اس نے دوبارہ ہدایت اللہ کو اس کے متعلقین سمیت گرفتار کرلیا اور ساتھ لے گیا۔ مجھے بھی اس کا متعلق سمجھ کر پکڑ لیا اور قید کر دیا۔ قید خانہ میں مجھے اپنی کم فہمی پر افسوس ہوا۔ اب میں نے حضرت خواجہ کی پناہ لی۔ چند ساعت بعد میں نے دیکھا کہ قید خانہ کے

محافظ میری طرف سے غافل ہیں۔ موقعہ غنیمت سمجھ کر میں بھاگ کھڑا ہوا۔ کسی نے مجھے نہ روکا۔ یوں میں نے خواجہ کی توجہ سے اس بلائے ناگہانی سے رہائی پائی۔

آپ کے خادم محمد اکبر کا بیان ہے: "میری بیوی آنجناب کے محل سرا میں رہتی تھی۔ وہ مرغیاں پالتی تھی۔ ایک دن بلی نے ایک مرغی پر حملہ کر دیا۔ اسے زخمی کیا۔ اس کا پورا سینہ پھٹ گیا اور انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ یہ حال دیکھ کر میری بیوی نے رونا شروع کر دیا اور کسی طور پر اس کی پریشانی دور نہ ہوئی۔ آخر حضرت نے زخمی مرغی اپنے دست مبارک میں پکڑی اور توجہ دی۔ ایک ساعت بعد اسے چھوڑ دیا تو وہ پہلے کی طرح ٹھیک اور تندرست تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا وہ کبھی زخمی ہی نہیں ہوئی۔

ایک دفعہ میر اخوند کشمیری کا بیٹا میر فقیر اللہ سخت بیمار ہوگیا۔ حتیٰ کے حالت نزع طاری ہوگئی۔ اس کے باپ نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو شفا دی تو میں خواجگان نقشبندیہ کے لیے ایک ہزار روپیہ کی نیاز دوں گا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک آدمی تعویذ شفا لانے کے لیے خواجہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے فرمایا تعویذ یہی ہے کہ اگر وہ بچہ کے تندرست ہونے سے پہلے نیاز دے تو بہتر ہے۔ یہ جواب سن کر میر اخوند نے فوراً ایک ہزار روپیہ فقراء میں تقسیم کر دیا۔ تین دن بعد اس کا بیٹا تندرست ہوگیا۔

وفات: اس عظیم ہستی نے بقول صاحب "روضۃ السلام" ۱۸ شوال بروز ہفتہ ۱۱۷۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار پرانوار کشمیر میں زیارت گاہ خلق ہے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ محمد عمر المشہور وحید

الدین قاضی القضات اور ملا عبداللہ المخاطب فریدالدین مفتی اعلیٰ مسند ارشاد پر بیٹھے۔ اگرچہ آپ کے خلفاء بے شمار ہیں تاہم خواجہ محمد عابد کاوسی شرف الدین محمد صاحب روضۃ السلام محمد عثمان زنگوجی' شیخ عبدالرزاق رسول پوریہ' خواجہ امان اللہ' حاجی تیمور ختمی' خواجہ محمد فخرالدین' عبدالرحمان یاکندی' ابوالبقاء کشمیری' آپ کے بھتیجے محمد رضا بن عبدالکریم' محمد ابراہیم' اکبر شاہ' شیخ عبداللہ اور شیخ حمیدالدین بن محمد نظام' خواجہ کے مشہور ترین خلیفہ ہیں۔ ہمارے دور میں مولوی محمد سلیم الدین بن محمد رشید الدین مولوی محمد امین بن خواجہ محمد عمر بن خواجہ عبدالسلام آپ کی اولاد میں سے لاہور کی رونق ہیں۔ اگرچہ کتاب "روضۃ السلام" میں خواجہ کی تاریخ ہائے وفات بہت ہیں مگران میں سے مندرجہ ذیل خاص مصنف "روضۃ السلام" شرف الدین کی تحریر کردہ ہیں۔

(من عظمۃ اللہ ۱۰۷۱ھ)' (شیخ المسلمین ۱۰۷۱ھ)' (رضی عنہ ۱۰۷۱ھ)' سولہ شوال یک شنبہ دوپہر از ۱۰۷۱ھ)

قطعہ

شیخ عبدالسلام پیر کبیر چوں بدار السلام یافت مقام
سال وصلش ز شیخ اکرم جو ہم بخوان "شیخ صالح اسلام"
۱۰۷۱ھ ۱۰۷۱ھ

شاہ محمد صادق قلندر نقشبندی کشمیری قدس سرہ

آپ کشمیر کے بہت بڑے امیر آدمی تھے۔ جب عشق حقیقی نے جذب کیا تو دنیا والوں سے باہر نکل آئے۔ اپنا سارا مال فقیروں میں بانٹ دیا۔ علما و صلحاء کی صحبت اختیار کی' علم حاصل کیا' قرآن شریف حفظ کیا۔ آپ زیادہ تر اوقات' عاشقانہ شعر پڑھتے۔ خواجہ باقی باللہ کے فرزند خواجہ بیرنگ رحمتہ اللہ

علیہ کے مرید ہوئے۔

جذب و استغراق میں کمال تک جا پہنچے۔ ایک دن میر نازک نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ کی چھت پر چڑھے' اذان کہی اور عین اسی حالت اذان میں آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہوئی۔ چھت سے زمین پر گرے اور بے ہوش ہوگئے۔ حاضرین اٹھا کر خواجہ کے پاس لے گئے۔ فرمایا اسے چھوڑو کہ مستانہ عشق الٰہی ہے۔ جونہی یہ بات خواجہ کی زبان حق ترجمان سے نکلی فی الحقیقت وہ مستانہ ہوگئے۔ وہ اب بے خودی اور مستانگی کی حالت میں کوچہ و بازار میں پھرتے' عاشقانہ اشعار پڑھتے۔ انہوں نے اب شرعی پابندیوں کے دائرہ سے باہر قدم رکھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جو صاحب ہوش آپ کی خدمت میں پہنچتا' مدہوش ہو جاتا۔ جس پر نظر پڑتی وہی مست ہو جاتا۔ یوں انہوں نے سینکڑوں آدمیوں کو مستانہ و دیوانہ بنا دیا اور اس مدہوش کے تمام مدہوش حضرات علانیہ کلمہ "ہمہ اوست" مجمع عام میں کہہ دیتے۔ یہ صورت دیکھ کر کشمیر کے علماء و صلحاء نے اس کی اطلاع اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کو کر دی۔ بادشاہ نے شاہ صادق کی گرفتاری کا حکم دیا۔ اپنے پاس بلایا اور اس سرگشتگی و دیوانگی کا سبب پوچھا۔ اس کے جواب میں خواجہ نے چند اشعار پڑھے اور بہت سی مستی کی باتیں کیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے فرمایا "اسے چھوڑ دو۔ یہ حالت دیوانگی میں گرفتار ہے اور معذور و بے بس ہے"۔

خواجہ ۱۰۷۷ھ میں ہندوستان سے واپس آئے۔ کشمیر کے موضع لار میں رہائش رکھی۔ اب مستی اور مجذوبی و دیوانگی کی کیفیت ختم ہو چکی تھی۔ آپ نے سلوک و مشیخیت کے عمل کا آغاز کیا۔ خانقاہ بنائی اور بے شمار لوگوں کو سلسلہ نقشبندیہ سے مستفیض کیا۔

وفات: آپ نے ۱۱۰۷ھ میں وفات پائی اور لار کے مقام پر مدفون ہوئے۔

قطعہ

چو رفت از جہان در بہشت معلی　　شہ دو جہان متقی شیخ صادق
خرد برد تاریخ ترحیل پاکش　　بگفتا کہ "ہادی ولی شیخ صادق"

۱۱۷۱ھ

شیخ محمد رضا الہامی نقشبندی قدس سرہ

آپ عظیم نقشبندی بزرگ ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسبت چند واسطوں سے زبدۃ الاحرار خواجہ عبیداللہ احرار رحمتہ اللہ علیہ تک جا پہنچتا ہے۔ آپ صاحب عبادت و ریاضت اور صاحب محبت و ذوق تھے۔ خوارق و کرامت میں مشہور تھے۔ کشف میں گویا آیت ربانی تھے اس لیے "الہامی" کا خطاب ملا۔ آپ کو ایک طرف خواجہ بہاء الدین شاہ نقشبند سے نسبت نقشبندیہ حاصل تھی تو دوسری طرف روحانیت غوثیہ اعظمیہ سے نسبت قادریہ ملی تھی۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو ہادی راہ تحقیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسبت صدیقیہ حاصل تھی۔

صاحب کتاب "نقشبندیہ" بیان کرتے ہیں کہ ایک روز شیخ کے حجرہ سے آپ کے ایک مخلص مرید کا قرآن شریف چوری ہوگیا۔ تحقیق و تفتیش کے باوجود کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب یہ اطلاع شیخ کو ملی تو فرمایا "قرآن شریف کا نسخہ گم ہو جانے سے کیوں پریشان ہو۔ قرآن شریف کا ہدیہ ہم سے لے لو اور قرآن شریف کی ایک اور جلد لے آؤ اور تلاوت کرو" اس مرید پرخلوص نے جواب دیا "مجھے دوسرا نسخہ نہیں چاہیے۔ اگر آپ وہی گم شدہ نسخہ چور سے واپس دلوا دیں تو آپ کی عنایت ہوگی"۔ فرمایا "آج صبر کرو۔ کل صبح سویرے چوری شدہ قرآن تیرے حوالہ ہو جائے گا" رات کے وقت شیخ نے چند درہم اپنے ایک خادم کو دیے اور فرمایا "فلاں دکان جو فلاں بازار میں ہے وہاں صبح

سویرے جا کر خاموش بیٹھ جانا۔ ایک شخص تمہارے پاس آئے گا۔ قرآن شریف تمہیں دے گا۔ وہ لے لینا اور یہ رقم اسے دے دینا۔ دیکھنا اس شخص کا حال احوال معلوم کرنے کے درپے نہ ہونا" خادم نے حکم کی تعمیل کی۔ وہی قرآن شریف کا نسخہ اس شخص سے لا کر حضرت کی خدمت میں آیا۔ شیخ الہامی نے وہ نسخہ مالک کے حوالے کیا اور پردہ پوشی کی انتہا یہ فرمائی کہ چور کا نام زبان پر نہ لائے بلکہ ہدیہ دے کر چور سے قرآن خریدا۔

وفات : بقول صاحب "نقشبندیہ" آپ کی وفات ۱۱۷۹ھ میں ہوئی۔ کتاب مذکور میں آپ کی تاریخ وفات ("شیخ دیندار" ۱۱۷۹ھ) سے نکالی گئی ہے۔

قطعہ وفات

چو رفت از جہان در بہشت برین محمد رضا با رضائے محمد
بہ جستم ز دل سال ترحیل او بگفتا کہ "مولیٰ محمد رضا"

۱۱۷۹ھ

خواجہ محمد اعظم کشمیری دزمری مجددی قدس سرہ

آپ کا شمار کشمیر کے عظیم علماء و مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ کے والد صاحب کا نام خیر الزمان تھا۔ آپ عالم و فاضل اور عارف کامل تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ تھے۔ حکومت، دولت، ثروت، شرافت، علم و کرامت اور حسب و نصب کے باوجود آپ کا دل فقیری کی طرف مائل تھا۔ شیخ محمد مراد مجددی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باطنی اصلاح کی تکمیل کی۔ خرقہ خلافت پایا۔ چونکہ آپ کا رجحان شعر گوئی اور تاریخ نویسی کی طرف زیادہ تھا اس لیے آپ نے "تاریخ اعظمی" نامی کتاب لکھی۔ یہ "تواریخ دوسری" کے نام سے معروف ہے۔ ۱۱۴۸ھ میں اس کتاب کی تکمیل ہوئی۔ یہ بادشاہوں،

مشائخ، علماء و فضلاء اور شعراء کشمیر کے بارے میں نہایت فصاحت و بلاغت سے تحریر کی گئی ہے۔ اس کتاب کی تاریخ تالیف ("واقعات کشمیر" ۱۱۴۸ھ) سے نکالی۔ اس کے علاوہ بھی ایک اور کتاب "فیض مراد" اپنے پیر روشن ضمیر کے حالات و مقامات کی تشریح میں تالیف کی۔ ایک رسالہ "مقامات فقر" بھی آپ کی تصانیف میں شامل ہے۔ ۱۱۸۵ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

اہل عظمت اعظم آن شیخ عظیم — از جہاں شد در جنان بے قال و قیل
"باصفا اعظم" بگو تاریخ او — بار دیگر "کامل اعظم جمیل"

۱۱۸۵ھ — ۱۱۸۵ھ

خواجہ کمال الدین بن خواجہ نور الدین
آفتاب نقشبندی کشمیری قدس سرہ

آپ کمالات ظاہری و باطنی سے موصوف تھے۔ اوصاف شریعت و طریقت سے متصف تھے۔ اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد اپنے دادا خواجہ خاوند محمود کی خانقاہ میں سجادہ نشین بنے اور ایک عالم کی راہنمائی کی۔ آخر رافضیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

آپ کی شہادت کا واقعہ کتاب "نقشبندیہ" میں یوں مرقوم ہے:

"آپ کے عہد مشیخیت میں کشمیر میں ایک منافق واعظ رہتا تھا۔ وہ بظاہر سنی اور بہ باطن رافضی تھی۔ وہ شام کے بعد امین نامی ایک شخص کے گھر میں جاتا جو تخم فروشی کا کام کرتا تھا۔ وہاں وہ اہل سنت سے چھپ کر وعظ کہتا اور لوگوں کو مذہب رفض کی دعوت دیتا۔ چند ماہ بعد اس کا راز ظاہر ہوگیا۔ سب سے پہلے اس کے حال

سے مطلع ہونے والے خواجہ کمال الدین تھے۔ خواجہ نے یہ جان کر اس واعظ کو اپنے پاس بلوایا اور وعظ کہنے سے روکا مگر اس نے انکار کیا اور وعظ کہنے پر اصرار کیا اور وعظ گوئی سے باز نہ آیا۔ یہ خبر عام ہوگئی تو ناظم کشمیر کے روبرو یہ مقدمہ پیش ہوا۔ معتبر گواہوں نے اس کے خلاف گواہی دی کہ اصحاب کبار کو گالیاں بکتا ہے اور ہم نے اپنے کانوں سے یہ مغلظات سنی ہیں۔ چنانچہ اس واعظ کے متعلق قتل کا حکم صادر ہوا اور اس بدبخت کو قتل کر دیا گیا۔ اس پر کشمیر کے شیعہ اور واعظ دوست دل و جان سے خواجہ کمال الدین کے دشمن بن گئے۔ انہوں نے شہر کے کوتوال حاجی کو ایک بھاری رقم ادا کرنے کا وعدہ کر کے حضرت خواجہ کے قتل پر آمادہ کیا۔ اس نے رافضیوں سے بھاری رقم وصول کی اور حضرت کے قتل کی ذمہ داری لی۔ وہ آدھی رات کے وقت ننگی تلوار لیے پانی کی نالی کے راستے خانقاہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ اس وقت حضرت نماز تہجد ادا کرنے کے لیے وضو فرما رہے تھے کہ وہ قاتل حسین شمر کی مانند آپ کے سر پر آ پہنچا اور پشت کی طرف سے تلوار آپ کی گردن مبارک پر ماری۔ یوں باغ حسین کے نونہال کو جڑ سے اکھیڑ دیا۔ اس نے یزید پلید کی طرح اپنا ہاتھ آل نبی کے خون سے رنگ لیا۔

نماند ستمگار بد روزگار بماند برو لعنت کرد گار

یہ حرکت کرنے کے بعد وہ بد کردار جس راہ سے آیا تھا اسی راہ سے واپس چلا گیا۔ یہ واقعہ ۲۹ رجب الرجب ۱۱۸۸ھ میں ہوا۔ کتاب نقشبندیہ میں آپ کی شہادت کے بارے میں یہ شعر درج ہے۔

ہاتف غیب گفت سان کہ شد
باکمال شہادت از دنیا

۱۱۸۸ھ

آپ کی شہادت کے بعد کشمیر کے سنی و شیعہ کے درمیان معرکہ عظیم رونما ہوا۔ حضرت خواجہ کی شہادت کے افسوسناک سانحہ کے ردعمل میں سینوں نے سیکڑوں شیعوں کو تہہ تیغ کیا۔

خواجہ کمال الدین کے صاحبزادے خواجہ سعدالدین نے مسند ارشاد سنبھالی۔ کچھ عرصہ بعد وہ بھی عین جوانی کی عمر میں رحمت حق سے پیوست ہوگئے۔ ان کی وفات کے بعد خواجہ محمود کے خاندان میں سجادہ نشینی کے سلسلہ میں عظیم شورش برپا ہوئی۔ خواجہ یوسف بن عبدالصمد بن خواجہ نورالدین آفتاب اپنے لیے اس عہدہ کے متمنی تھے جب کہ خانوادہ کے مرید خواجہ سعدالدین کمال کے چھوٹے بھائی خواجہ عبدالخالق کو سجادہ نشین کرنے کے درپے تھے۔ اس سے خواجہ یوسف ناراض ہوگئے اور فریقین میں سخت جھگڑا ہوا۔ حتیٰ کہ قتل و جدال تک نوبت جا پہنچی۔ اس سبب سے اس خاندان کا بازار شہرت سرد پڑ گیا۔ تاہم خواجہ خاوند محمود کی اولاد اب تک کشمیر میں بزرگوں کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔

قطعہ

چو سید کمال از کمال رضا ز دنیا دون یافت باحق وصال
بتاریخ ترحیل آں شاہ دین بگو "شیخ اقطاب سید کمال"

۱۱۸۸ھ

حضرت شاہ شمس الدین حبیب اللہ میرزا جانجاناں قدس سرہ

آپ علوی سادات میں سے ہیں۔ آپ کا نسب شریف ۲۸ واسطوں سے

محمد بن حنیف کے توسط سے امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد نامور شاہ امراء تھے۔ سلاطین تیموریہ سے انہیں قرابت حاصل تھی۔ چنانچہ اکبر بادشاہ کا نواسہ امیر عبدالسبحان آپ کا جد امجد تھا۔ خاندان عالیہ چشتیہ سے اسے تعلق تھا۔ آپ کی دادی اسد خان وزیر کی صاحبزادی تھی جو اپنے شوہر کی مانند وقت کی ولی اللہ تھی۔ وہ جمادات کی تسبیح ظاہری کانوں سے سنتی تھی۔ آپ کے والد مرزا جان نے دولت اور منصب شاہی ترک کیا اور خاندان عالیہ قادریہ میں شاہ عبدالرحمٰن قادری کے مرید ہوگئے اور یوں اپنی باقی ماندہ عمر زہد و تقویٰ اور توکل میں گزار دی۔ آپ کے یہاں مرزا جان جاناں پیدا ہوئے۔ آپ کے زیر سایہ تربیت و پرورش پائی اور تمام ظاہری علوم میں کمال حاصل کی۔ آپ کی عمر جب سولہ سال کی ہوئی تو آپ کے پدر بزرگوار رحمت حق سے جاملے۔

طریقت میں آپ نے پہلے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں سید نور محمد بدایونی مجددی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ اس کے بعد حافظ سعد اللہ' حاجی محمد افضل اور محمد عابد (قدس اللہ سرہم العزیز) کی خدمت میں حاضر رہے۔ ان چاروں حضرات کے توسل و تربیت سے ولایت کے اعلیٰ مراتب پر پہنچے۔

ایک دفعہ آپ کا ایک مرید محمد قاسم عظیم آباد کی طرف گیا ہوا تھا۔ ایک دن اس کے بھائی نے حضرت مرزا کی خدمت میں آکر عرض کی کہ سنا ہے کہ محمد قاسم عظیم آباد میں قید ہوگیا ہے۔ اس کی رہائی کے لیے توجہ فرمائیے۔ آپ نے فرمایا وہ قید نہیں ہوا اس کی دلالوں سے ذرا پرخاش ہوگئی تھی تاہم معاملہ ٹھیک ہوگیا۔ اس نے تمہارے نام خط بھیجا ہے جو کل پہنچ جائے گا۔ پس ایسا ہی ہوا۔

شہر کے ایک امیر مصطفیٰ خان کی اہلیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا

ارادہ رکھتی مگر پردہ نشینی کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہ حضرت سے دور اپنے گھر میں بیٹھتی اور یوں آپ سے برکات لیتی۔ وہ ہر روز اپنے غلام کو اپنی توجہ سے مطلع کرنے کے لیے آپ کے پاس بھیجتی۔ ایک دن وہ غلام اس پاکدامن خاتون کی اجازت کے بغیر یونہی آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ بی بی صاحبہ اپنے گھر میں استفادہ کے لیے منتظر ہیں۔ یہ بات سن کا حضرت نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا پھر ارشاد ہوا "جھوٹ مت بولو! بی بی ابھی متوجہ نہیں ہوئی ہے اور تم اس کی اجازت کے بغیر ہی آ گئے ہو" اس شخص نے اپنی غلطی کی معافی چاہی۔

شاہ غلام علی مجددی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دن میں حضرت مرزا کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک بے ادب پیر سامنے آیا اور گستاخی کرتے ہوئے کہنے لگا میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ جان جاناں کا طنطنہ رحمانی ہے یا شیطانی۔ حضرت مرزا اس بدبخت کے کلام سے ناراض ہوئے۔ تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا وہ فوراً گر پڑا اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ پھر اس نے چلا کر کہا "توبہ کرتا ہوں' اللہ کے لیے میری غلطی معاف فرما دیں۔ چونکہ اللہ جل جلالہ کا واسطہ ڈالا گیا تھا حضرت مرزا اٹھے' اپنے دست مبارک سے اس کا ہاتھ پکڑا۔ اس نے اسی وقت شفا پائی"۔

ایک بے ادب کو حضرت کے مکشوفات کا انکار تھا۔ ایک دن حضرت مرزا قبرستان میں سے گزر رہے تھے۔ وہ منکر بھی ساتھ تھا۔ اس نے ازراہ امتحان ایک قبر کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہ میرے دوست کی قبر ہے۔ اس کا حال دریافت فرمائیے۔ فرمایا "جھوٹ مت بکو۔ یہ تو ایک عورت کی قبر ہے' تیرے دوست کی قبر نہیں"۔ اس شخص نے معذرت کی اور کہا کہ "محض آپ کا امتحان لینے کے لیے میں نے یہ حرکت کی تھی"۔

نواب عسکری خان کے والد نے' جو طریقہ عالیہ مجددیہ میں داخل تھا ایک روز مراقبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت کا دامن پکڑ لیا اور عرض کی "جب تک میری بیٹی کے بارے میں آپ یہ خوشخبری نہیں دیں گے کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا' میں آپ کا دامن نہیں چھوڑوں گا"۔ آپ نے تھوڑی دیر تک غور کرنے کے بعد فرمایا: "خاطر جمع رکھو۔ حق تعالیٰ کی طرف سے تیری بیٹی کو بیٹا عطا کیا جائے گا"۔ پس ایسے ہی ہوا۔ اسی رات اس کی بیٹی حاملہ ہوئی اور نو ماہ کے بعد بیٹا جنا۔

ایک روز حضرت میرزا بیابان میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ اچانک شدید بارش نازل ہوئی' موسم ٹھنڈا ہوگیا۔ ساتھیوں کو تکلیف ہوئی۔ جب یہ دیکھا تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ یااللہ! میں چاہتا ہوں کہ میرے یاروں پر بارش نہ پڑے اور میں اپنے ساتھیوں سمیت خشک ہی اپنے گھر پہنچ جاؤں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کے آس پاس شدید بارش ہو رہی تھی مگر ان پر ایک قطرہ بھی نہیں پڑتا تھا۔

"مظہر جان جاناں" میں لکھا ہے کہ حضرت میرزا جان جاناں کئی بار فرماتے تھے کہ فضل الٰہی اور عنایت ایزدی سے میری تمام صوری و معنوی اور دینی آرزوئیں پوری ہوئیں سوائے شہادت ظاہری کے' جس کا قرب الٰہی میں اعلیٰ مقام ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کوئی ایسا سبب پیدا فرمائے گا کہ یہ آرزو بھی پوری ہو جائے گی۔ جب آپ کی شہادت کے دن قریب آئے تو آپ نے تمام مخلصوں کو الوداعی مضمون پر مشتمل خطوط لکھے۔ اپنے تمام مریدوں سے فرمایا: "اب ہماری جدائی کا وقت ہے۔ رحلت کا وقت قریب ہے"۔ آخر شب چہار شنبہ سات محرم ۱۱۹۵ھ رات کا ایک حصہ گزرا تھا کہ کچھ لوگوں نے خانقاہ کے دروازہ پر دستک دی۔ خادم نے عرض کی کہ کچھ لوگ زیارت کے

لیے آئے ہیں۔ فرمایا "آ جائیں" پس تین آدمی اندر آئے۔ ان میں سے ایک مغل تھا۔ جب وہ اندر پہنچے مغل نے پوچھا کہ "مرزا جان جاناں آپ ہیں"۔ فرمایا "ہاں" اس کے دونوں ساتھیوں نے بھی تائید کی کہ مرزا جان جاناں یہی ہے۔ پس اس بدبخت نے طبانچہ کا گولہ' دو گولہ سے حضرت کے بائیں پہلو پر دل کے قریب مارا۔ آپ اس سخت دھماکے کی وجہ سے' بڑھاپے کی سخت کمزوری سے زمین پر گر پڑے۔ قاتل بھاگ گئے۔ جب لوگوں کو پتہ چلا تو وہ ایک جراح کو لائے۔ صبح سویرے نواب نجف خان نے ایک انگریز جراح (سرجن) بھیجا۔ آپ نے فرمایا کہ "شفا متعلق حق ہے۔ حاجت جراح نہیں ہے اور جن لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا ہے میں نے انہیں معاف کر دیا ہے اور اپنا خون بخش دیا ہے"۔ آپ تین دن تک بقید حیات رہے۔ تیسرے دن جمعہ کے روز دونوں ہاتھ اٹھا کر دیر تک فاتحہ پڑھتے رہے۔ فاتحہ کے بعد اللہ اللہ پڑھنے لگے۔ شام کے وقت جان' جان آفرین کے سپرد کی۔ وہ رات ہفتہ کی تھی اور اس کی رات صبح دس محرم تھی۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت بروز جمعہ بوقت صبح ۱۱ رمضان ۱۱۱۱ھ ہے۔

شہادت: شہادت آپ بروز جمعہ ۹ محرم الحرام ۱۱۹۵ھ میں شہید ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات "عاش حمیدا مات شہیدا" سے نکلتی ہے۔ آپ کی تاریخ ولادت تولد "صاحب شرع" سے نکلتی ہے۔

قطعہ تاریخ ولادت و شہادت از مولف

جناب جان جاناں شاہ شمس الدین حبیب اللہ
کہ بد یکتا بہ محبوبی ومطلوبی و مرغوبی
بتولیدش "سخی مقبول ربانی" رقم کردم
بوصل پاک او "شاہ شہادت قطب محبوبی" ۱۱۹۵ھ

مولوی احمد اللہ مجددی نقشبندی قدس سرہ

آپ کے والد گرامی کا نام ثناء اللہ پانی پتی ہے۔ آپ کے بزرگوں کا نسب چند واسطوں سے شیخ جلال الدین چشتی صابری تک جا پہنچتا ہے اور وہ حضرت میرزا جان جاناں دہلوی کے مرید تھے اور اس نسبت میں کمال حاصل تھا۔ آپ نے ظاہری علوم اپنے والد عالی قدر مولوی ثناء اللہ سے پڑھے تھے۔ آپ اپنے وقت کے فاضل تھے۔ آپ ہر روز اکیس سپارے پڑھتے تھے۔ ۳۵ ہزار مرتبہ نفی و اثبات اور ایک ہزار بار درود شریف پڑھتے تھے۔ صبح سے چاشت تک مراقبہ کرتے۔ آپ کے والد کو آپ سے بہت محبت تھی۔ ایک دن والد نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی اور کہا "یا اللہ! میرے دل میں بیٹے کی محبت زیادہ ہوگئی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ جس دل میں تیری محبت ہو' اس دل میں کسی اور کی بھی محبت ہو۔ اس لیے میرے بیٹے کو درمیان سے اٹھا لے"۔ دعا کا تیر نشانہ پر لگا۔ مولوی احمد اللہ تیس سال کی عمر میں رحمت حق سے جاملے۔ ان کا ایک بھائی صبغت اللہ تھا۔ جب مولوی ثناء اللہ کے گوشہ دل میں ان کی محبت پیدا ہوئی تو وہ بھی آغاز شباب میں اس دار پرملال سے قرب ایزد متعال میں جا پہنچے۔

وفات: ۱۱۹۸ھ میں وفات پائی۔

قطعہ وفات از مولف

مولوی احمد آن مقبول اللہ و نبی — مخزن فیض ہدایت مطلع نور قدم
رفت از دنیا چو در خلد برین تاریخ سال — مظہر احمد بخوانش شیخ محرم کن رقم

۱۱۹۸ھ

شیخ محمد احسان قدس سرہ

آپ حضرت میرزا جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم القدر خلیفہ ہیں۔ آپ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد حافظ محمد محسن رحمت حق سے جا ملے تو ان کا عنفوان شباب تھا۔

آپ برنائے جہالت و نادانی طریق مستقیم سے بھٹک گئے یعنی آپ کے عقیدہ میں انحراف پیدا ہوگیا۔ ایک دن خواب میں دیکھا کہ حضرت مرزا جان جاناں نے کھیر تناول فرمانے کے بعد اس کا باقی حصہ آپ کو عطا فرما دیا۔ پس اسی دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور توبہ کی۔ پھر کامل استقامت کا مظاہرہ فرمایا اور ترقی کی۔ بالآخر مقامات احمدیہ مجددیہ کی انتہا تک پہنچے۔ آپ کی نسبت میں جذب اور قوی شورش تھی۔

آپ سردی کے موسم میں ادنیٰ لباس پہننے کی ضرورت محسوس نہ فرماتے یہ نتیجہ تھا حرارت شوق اور طیش باطنی کی گرمی کا۔ محبت الٰہی کا یہ حال تھا کہ جب بھی لفظ "اللہ" آپ کے کان میں پڑتا بے ہوش ہو جاتے۔

صاحب مظہر جان جاناں فرماتے ہیں کہ احمد شاہ درانی کے ہنگامہ غارت گری میں شیخ محمد احسان اپنی گلی کے دروازہ پر پوری جرات و ہمت سے بیٹھے رہے۔ اللہ کے طفیل اور حضرت کی توجہ سے کوئی غارت گر اس کوچہ میں داخل نہ ہوسکا اور آپ کی گلی والوں کی جان و مال محفوظ رہے۔

ایک شخص کے پیٹ میں درد تھا۔ وہ آپ کی خدمت میں آیا۔ عرض کی کہ فی سبیل اللہ یہ تکلیف دور کرنے کے لیے توجہ فرمایئے۔ جونہی "اللہ" کا اسم مبارک آپ کے کان میں پڑا نعرہ لگایا اور بے ہوش ہوگئے۔ زمین پر گر پڑے۔ اتنے میں اس کا درد زائل ہوگیا۔

وفات: اس جامع الکرامات ہستی کی وفات ۱۲۰۶ھ میں ہوئی۔

قطعہ

رفت از دنیا چو درخلد برین شیخ والا جاہ احسان متقی
رحلتش اہل ضمیر احسان بگو ہم بگو احسان حضوری نبی

۱۲۰۶ھ ۱۲۰۶ھ

مولوی علیم اللہ گنگوہی قدس سرہ

آپ حضرت میرزا مظہر جان جانان کے ساتھی، دوست اور خلیفہ تھے۔ طریقہ احمدیہ کے مطابق سلوک کی منزلیں طے کیں اور اعلیٰ مقامات پر پہنچے۔ آپ پر سکر و مدہوشی غالب تھی۔ آپ ہر وقت محبت الٰہی سے سرشار اور ذوق و آگاہی سے مخمور رہتے۔ ہر وقت آپ کی زبان پر اہل محبت کا تذکرہ رہتا۔ عاشقان الٰہی کی حکایت سے آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکتے۔

ایک بار آپ نے خواب میں حضرت غوث الاعظم کو دیکھا۔ آپ نے ان کی قدم بوسی کرنی چاہی۔ فرمایا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ عرض کی یا ابن رسول اللہ! یہ ہم فقیروں کے لیے سعادت ہے۔ اس جملہ سے شیخ خوش ہوئے اور آپ کے حال پر بہت مہربانیاں کیں۔

ایک رات مولوی علیم اللہ نے خواب میں دیکھا کہ چشتیہ کے اکابر جیسے حضرت فرید الدین گنج شکر اور شیخ عبدالقدوس رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے اور آپ کے قلب مبارک سے نسبت نقشبندیہ سلب کی اور اپنے سلسلہ کی نسبت القاء کر دی۔ اس کے بعد وہ تشریف لے گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ارواح بزرگان نقشبندیہ جیسے حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی وغیرہ تشریف لائے اور مولوی علیم اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے نسبت چشتیہ کھینچ کر پھر نسبت نقشبندیہ آپ کے سینہ بے کینہ میں ڈال دی۔ صبح سویرے حضرت مرزا جان جاناں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس واقعہ کا ذکر کیا۔ وہ اپنے پیر و مرشد کی

خدمت میں لے گئے۔ ابھی اظہار حال کی نوبت نہیں آئی تھی کہ حضرت شیخ نے فرمایا بزرگان چشتیہ نے آپ کے حال پر تصرف کر کے اپنی نسبت کی کیفیات القا کر دی تھیں لیکن نقشبندی اکابر نے آ کر پھر اپنی اصل نسبت عطا فرما دی ہے۔ لہٰذا آپ نے اس طریقہ عالیہ کے جو مقامات حاصل کیے ہیں وہ درست اور بجا ہیں۔

وفات: میر علیم اللہ نے ۱۱۲۱ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

سید عالم علیم اللہ بیر　　چون ازیں دنیا بجنت شد مقیم
رحلتش "فاضل مکرم" کن بیان　　ہم رقم کن "شیخ علامی علیم"

۱۱۲۱ھ　　۱۱۲۱ھ

مولوی ثناء اللہ مجددی نقشبندی قدس سرہ

آپ اصل میں پانی پت کے رہنے والے تھے۔ مرزا جان جاناں دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ آپ کا نسب بارہ واسطوں سے شیخ جلال الدین پانی پتی چشتی صابری رحمتہ اللہ تک جا پہنچتا ہے۔ شیخ جلال الدین چشتی کا نسب شریف خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ شیخ ثناء اللہ ایک عالم ربانی اور مقرب بارگاہ سبحانی تھے۔ علوم عقلی و نقلی اور کمالات ظاہری و باطنی میں اپنے وقت میں ممتاز تھے۔ فقہ اور اصول میں مرتبہ اجتہاد پر پہنچے ہوئے تھے۔ آپ نے علم فقہ میں ایک کتاب "مالا بد منہ" لکھی جس میں روایات مذہب اربعہ کو جگہ دی۔ اسی طرح آپ نے ایک تفسیر لکھی جس میں قدیم مفسرین کے اقوال اور جدید تاویلات جمع کر دیں۔ آپ نے تصوف و تحقیق معارف حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی میں بھی چند

رسائل لکھے۔

ابتدا میں آپ شیخ الشیوخ محمد عابد نقشبندی مجددی کے مرید تھے۔ ان کی توجہ سے فنائے قلبی کے مرتبہ پر پہنچے۔ پھر حضرت کے ارشاد کے مطابق مرزا مظہر جان جاناں کی خدمت میں پہنچے اور طریقہ مجددیہ احمدیہ کے انتہائی مقامات پر پہنچے۔ چونکہ آپ کو اس طریقہ میں سلوک کی منزلیں تیزی سے طے کرنے کا شوق تھا اس لیے جلد ہی کامیاب ہوئے۔ آپ اٹھارہ برس کے تھے کہ علم ظاہر کے حصول سے فارغ ہوگئے۔ خلافت ملی اور آپ علم اور فیض باطنی کی اشاعت میں منہمک ہوگئے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے آپ کو "عالم الہدی" کا خطاب عطا کیا۔

مولوی ثناء اللہ نے بچپن میں اپنے دادا شیخ جلال الدین پانی پتی کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے آپ کے حال پر بہت توجہ کی ہے۔ اپنی پیشانی آپ کی پیشانی سے ملی ہے۔ نیز انہی دنوں میں حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کو خواب میں دیکھا۔ حضرت نے آپ کو تازہ کھجوریں دیں۔ آپ بیدار ہوئے تو وہ کھجوریں آپ کے ہاتھ میں تھیں۔ ایک دفعہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتہائی خوشی سے آپ کے بارے میں فرمایا **انت منی بمنزلتہ ھارون عن موسی علیھما السلام** جب حضرت نے اس خواب کا ذکر اپنے پیر و مرشد سے کیا تو فرمایا کہ اس فقیر کی صورت مثالی نے جد بزرگوار حضرت علی المرتضٰی عنی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں ممثل ہو کر تمہیں ان کلمات سے بشارت دی ہے۔ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ فقیر کے بعد اس سلسلہ کی خلافت تمہاری طرف منتقل ہو جائے گی۔

مرزا جان جاناں فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ روز حشر مجھ سے

دریافت فرمائے گا کہ ہماری بارگاہ میں کیا تحفہ لائے ہو؟ تو میں عرض کروں گا کہ مولوی ثناء اللہ پانی پتی کو لایا ہوں۔

منقول ہے کہ مولوی ثناء اللہ کے بڑے بھائی مولوی فضل اللہ علوم ظاہری و باطنی میں کامل تھے اور طریقہ مجددیہ میں مرزا جان جاناں کے مرید تھے۔ جب وہ فوت ہوگئے تو ان کی وفات سے مولوی ثناء اللہ بہت غمگین رہنے لگے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ مولوی فضل اللہ کہہ رہے ہیں کہ اے بھائی میری موت پر اس قدر غم و الم کے کیا معنی؟ اس لیے کہ خدا کے دوست مرتے نہیں۔ لہٰذا میں بھی نہیں مرا بلکہ میں نے تو ہمیشہ کی زندگی پائی ہے اور یہ مقام وہ ہے جہاں تجھے بھی پہنچنا ہے۔

وفات: مولوی ثناء اللہ نے ایک ہزار دو سو سولہ (۱۲۱۶ھ) میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

قطعہ

ثناء اللہ ثنا گوی خداوند　　بجنت یافت زین دنیائے دون بار
بخوان "اہل ظفر" تاریخ سالش　　بگو تاریخ دیگر "تاج اخیار"

۱۲۱۶ھ

شاہ درگاہ مجددی قدس سرہ

آپ صاحب کرامت و خوارق اور زاہد و متقی تھے۔ آپ کا سلسلہ عالیہ دو واسطوں سے خواجہ محمد زبیر نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ نماز کے وقت مرید' باواز بلند آپ کو آگاہ کرتے تھے اور آپ کی نسبت میں گرمی اتنی تھی کہ اگر آپ ایک وقت میں ہزار اشخاص کی طرف متوجہ ہوتے تو تمام مدہوش ہو جاتے۔

ایک دن آپ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ امام نے قرائت میں **یحبونھم کحب اللہ والذین امنوا اشد حباللہ** پڑھی۔ یہ آیت سنتے ہی ان کے دل سے محبت کی آگ کالاوا ابل پڑا۔ آپ کے جسم مبارک میں تھوڑی سی حرکت ہوئی۔ فوراً پہلے امام' اس کے بعد تمام مقتدی وجد میں آگئے۔ جب مسجد سے ہاؤ ہو کی آواز اٹھی تو اہل محلہ جمع ہوگئے اور مسجد میں قدم رکھتے ہی ان پر بھی وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ غرضیکہ جو کوئی بھی مسجد میں قدم رکھتا' مدہوش ہو جاتا اور زمین پر ماہی بے آب کی طرح تڑپتا۔ یہ فیضان محبت الٰہی کا کرشمہ تھا جو وہاں بارش کی طرح برس رہی تھی۔

صاحب "مخزن مجددیہ" فرماتے ہیں: حضرت شاہ درگاہی' مادر زاد ولی تھے۔ بچپن میں محبت الٰہی کی کشش انہیں صحرا کی طرف لے گئی۔ چنانچہ وہ اپنے وطن "تخت ہزارہ" پنجاب سے نکل گئے۔ بے ہوشی کی وجہ سے کھانے پینے اور پہننے کی ہوش نہ تھی۔ زیادہ بھوک لگتی تو درختوں کے پتے کھا لیتے' جب سن تمیز کو پہنچے تو بے ہوشی سے قدرے افاقہ ہوا۔ آپ نے قرآن شریف پڑھ لیا اور نماز درست کرلی۔ پھر مغلوب الحال ہوگئے۔ آخر صحرا سے نکل کر شیخ حمید الدین صوفی کے مزار پر آئے اور طریقہ قادریہ اعظمیہ میں شیخ جمال اللہ قادری رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہوگئے۔ آخر میں حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی کی روحانیت سے فیض کامل آپ تک پہنچا اور کاملان وقت میں شمار ہوئے۔

شیخ درگاہی کبھی کسی سے کوئی چیز نہ لیتے اور مالداروں سے ملاقات کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور اگر کسی نے آپ کی بے ہوشی کے وقت درہم یا دینار آپ کی چادر میں باندھ دیا تو نجاست دنیا کی بدبو آپ کے دماغ تک جا پہنچتی' آپ ہوشیار ہو جاتے اور فوراً وہاں سے چل دیتے' دریا پر پہنچتے اور اس درہم یا دینار کو دریا میں پھینک دیتے مگر اس بات کی احتیاط کرتے کہ آپ کا ہاتھ اسے

نہ لگے۔

آپ کا ایک معتقد صحرا میں جا رہا تھا۔ اتفاقاً جنگل سے ایک شیر نکلا اور اس شخص پر حملہ آور ہوا۔ اس شخص نے فوراً درگاہی کو اپنی مدد کے لیے یاد کیا۔ آپ اسی وقت حاضر ہوئے اور شیر کے منہ پر زور کا طمانچہ مارا۔ شیر فوراً بھاگ گیا اور اس شخص نے شیر سے نجات پائی۔

ایک دن ایک بقال (سبزی فروش) جو آپ کا ہمسایہ تھا' آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے قدموں پر سر رکھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ حرکت کیوں کی ہے؟ عرض کی "آج آپ کی عنایت و حمایت سے میری جان بچی ہے ورنہ میں ہلاک ہو جاتا۔ قصہ یوں ہے کہ آج میرے گھر کے دروازے والی دیوار گرنے لگی تھی۔ قریب تھا کہ میں دیوار کے نیچے آ کر ہلاک ہو جاتا' اتنے میں آپ کی ذات بابرکات تشریف لائی' دیوار کو اپنے ہاتھ سے تھام کر دوسری طرف گرا دیا۔ یوں میں بچ گیا"۔

ایک دن شیخ نے اپنے ایک مخلص خادم سے فرمایا کہ غیب سے تیرے گھر میں آگ لگنے والی ہے۔ تمام سامان اپنے گھر سے نکال لینا چاہیے تاکہ سلامت رہے۔ اس شخص نے اس کا خیال نہ کیا۔ رات ہوئی تو آگ نمودار ہوئی۔ اس کا گھر اور سامان مکمل طور پر جل گیا۔

ولادت: آپ پنجاب کے قصبہ تخت ہزارہ میں ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی یہ تاریخ ولادت صاحب "مخزن مجددیہ" نے بیان کی ہے۔

وفات: صحیح قول کے مطابق آپ نے ۱۲۲۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک رام پور میں ہے۔ آپ کی تاریخ وفات' "**مات قطب الوری عن امر اللہ**" سے نکالی گئی ہے۔

قطعہ ولادت و وفات از مولف

شیخ درگاہ شاہ والا جاہ حاکم دین ز ماہ تا ماہی
عاشق خاص کن رقم "سرور" سال تولید او اگر خواہی

۱۱۶۲ھ

سال تاریخ رحلتش فرما "زاہد ہند شیخ درگاہی"

مولانا صفی الدین المشہور بصفی القدر قدس سرہ

آپ کے والد گرامی کا اسم مبارک عزیز القدر بن محمد عیسیٰ بن سیف الدین بن عروۃ الوثقی شیخ محمد معصوم بن شیخ احمد مجدد الف ثانی قدس سرہ ہے۔ آپ کمالات ظاہری و باطنی اور اوصاف صوری و معنوی کے جامع تھے۔ آپ اپنے آباء کرام کے طریقہ پر محکم قدم اور ثابت دم تھے۔ آپ نے دنیا مکمل طور پر چھوڑ رکھی تھی حتیٰ کہ جب حاکم رام پور نواب نصراللہ خان نے آپ کی خدمت عالیہ میں التجا کی کہ میری فوج میں "بخشی گری" کا عہدہ قبول فرمائیں تو آپ نے یہ درخواست قبول نہ کی۔ آپ اپنے اوراد میں مشغول رہتے۔ آپ کو حدیث و تفسیر پڑھنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ آپ اہل فسق و فجور سے بہت زیادہ بچ کے رہتے تھے۔

وفات: مولانا صفی الدین نے بروز جمعہ ۲۵ شعبان ۱۲۳۶ھ میں بمقام لکھنؤ وفات پائی۔ آپ کا غسل اور تجہیز و تکفین حضرت سید احمد اور مولوی اسمٰعیل نے کی، جو خطہ پنجاب کے ضلع ہزارہ اور پشاور میں سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ جب مولانا صفی الدین کا جنازہ لے کر چلے تو رات کا وقت تھا۔ راستے میں کسی کا چھپر جلا پڑا تھا۔ اس میں بہت آگ تھی مگر آگ پر پڑی ہوئی راکھ کی وجہ سے آگ نظر نہیں آتی تھی۔ جنازہ اٹھانے والے آگ پر سے گزرے باوجودیکہ چند قدم آگ پر سے چلے لیکن انہیں آگ کا ذرہ بھی اثر نہ ہوا۔ ان کے گزرنے کے بعد دوسرے ہمراہی آگ کی موجودگی سے آگاہ

ہوئے اور اس جگہ سے ہٹ کر گزرے۔

قطعہ

چو از دنیا بفردوس برین رفت صفی الدین ولی مطلوب مولے
عجب تاریخ ترحیلش عیان شد ز "شیخ اصفیا محبوب مولے"

۱۲۳۶ھ

شاہ عبداللہ المشہور بہ غلام علی دہلوی قدس سرہ

آپ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے عظیم خلیفہ ہیں۔ آپ کا نسب شریف 'اسد اللہ الغالب حضرت علی بن ابی طالب تک جا پہنچتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار سید عبداللطیف زاہد اور ریاضت و مجاہدہ کرنے والے شخص تھے جو کھانا کھانے کی بجائے صرف بقولات (سبزیاں اور پتے) کھانے پر اکتفا کرتے۔ صحرا میں ذکر جہر کرتے۔ وہ سلسلہ قادریہ اعظمیہ میں ناصرالدین قادری کے مرید تھے۔ شاہ غلام علی کی ولادت سے پہلے 'انہوں نے خواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا' وہ فرماتے ہیں: عبداللطیف! حق تعالیٰ تجھے بیٹا عطا فرمائے گا' اسے ہمارے نام سے موسوم کرنا۔ انہی دنوں غلام علی شاہ کی والدہ ماجدہ نے خواب میں حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کو دیکھا۔ فرمایا "اپنے لڑکے کا نام عبدالقادر رکھنا کہ یہ ہمارا اسم مبارک ہے"۔ چنانچہ پیدائش کے بعد آپ کے والد ماجد نے علی کے نام پر اور والدہ نے عبدالقادر کے نام پر نام رکھا۔ آپ کے چچا نے آپ کا نام عبداللہ رکھا۔ جب آپ بالغ ہوئے تو ادب کی وجہ سے اپنا نام غلام علی رکھا۔

؎ منم "غلام علی" و علی امام من است

آپ بٹالہ' پنجاب میں پیدا ہوئے' وہیں نشوونما پائی۔ بالغ ہونے تک وہیں ٹھہرے۔ جب آپ کی عمر تیرہ سال ہوگئی تو آپ کے والد نے آپ کو بٹالہ

سے دہلی بلوا لیا تاکہ اپنے پیر کی خدمت میں حاضر کر کے ان کی بیعت کروائیں۔ شاہ غلام علی جب دہلی پہنچے تو شاہ ناصرالدین نے وفات پائی۔ یوں آپ ان کی بیعت نہ کر سکے۔ اب ان کے والد بزرگوار نے فرمایا:

"ہم نے تمہیں شاہ ناصرالدین کی بیعت کے لیے طلب کیا تھا مگر تقدیر میں نہ تھا۔ اب تمہاری مرضی ہے جہاں بہتر جانو' بیعت کر لو"۔

چنانچہ آپ پہلے خواجہ محمد زبیر مجددی سرہندی کے خلفا' شاہ ضیاء اللہ اور شاہ عبدالعلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد خواجہ شاہ ناصرالدین کے فرزند خواجہ میر درد' مولانا فخرالدین فخر جہاں چشتی دہلوی' شاہ مانو اور شاہ غلام سادات چشتی' نیز دہلی کے دیگر اعزہ و مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی مجلسوں سے استفادہ کیا۔

آخر بائیس سال کی عمر میں حضرت مرزا جان جاناں کی خدمت میں ۱۱۸۰ھ میں حاضر ہوئے اور آپ کے مرید ہوئے۔ پہلے خاندان عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے' تکمیل کے بعد' سلاسل اربعہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔ پیر روشن ضمیر کی وفات کے بعد ان کے جانشین اور سجادہ نشین ہوئے اور ہزاروں طالبان حق کو حق تک پہنچایا۔ آپ کی خوارق و کرامت بے شمار ہیں۔ یہاں پر ان میں سے کچھ کرامات درج کی جاتی ہیں۔

ایک دن آپ کے مرید مولوی کرامت اللہ کو "ذات الجنب" کا درد تھا۔ آپ نے جب درد کی جگہ پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے فوراً شفا پائی۔

ایک بار آپ نے دریا کے کنارے پر کھڑے ہو کر چلتی کشتی پر توجہ فرمائی تو وہ دریا میں رک گئی۔ آپ کا ایک مرید احمد یار کہتا ہے کہ میں تجارت کے لیے جا رہا تھا۔ میں نے راستے کے دوران صحرا میں دیکھا کہ حضرت شاہ تشریف لائے' میری بیل گاڑی کے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بیل کو تیز چلاؤ

اور اسے دوڑاؤ اور اس قافلہ سے الگ ہو کر گزر جاؤ کیونکہ ڈاکو اس قافلہ کو لوٹنے والے ہیں۔ میں بیل گاڑی کو لے بھاگا اور قافلہ سے جدا ہو گیا۔ قضائے الٰہی سے تمام اہل قافلہ اس دن راہزنوں کی غارت گری کا شکار ہوئے' جبکہ میں حضرت کی توجہ سے سلامت رہا۔

آپ کے خادم میاں الف شاہ کا بیان ہے کہ میں ایک بار جنگل میں راستہ بھول گیا۔ اچانک دور سے ایک بزرگ نمودار ہوتے دکھائی دیے اور مجھے راستہ بتایا۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ حضرت شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔

ایک دن آپ اپنی ایک مرید عورت کے گھر تعزیت کے لیے گئے کیونکہ اس کی ایک جواں سال بیٹی فوت ہوئی تھی۔ آپ نے اس نیک خاتون سے فرمایا "اللہ تعالیٰ تجھے اس لڑکی کہ جگہ ایک بیٹا عطا فرمائے گا"۔ بڑھیا نے عرض کیا "یا حضرت! میں بڑھیا ہوں' میرا خاوند بھی بوڑھا ہے۔ اب اولاد پیدا ہونا خلاف عقل ہے"۔ فرمایا "اللہ قادر مطلق ہے"۔ کچھ دنوں بعد وہ عورت حاملہ ہوئی' بیٹا جنا اور لمبی عمر پائی۔

ایک عورت نے بیماری سے شفا پانے کے لیے عرض کی۔ حضرت نے اسے اپنے کھانے میں سے کچھ تبرک دیا جو نان اور کباب پر مشتمل تھا۔ وہ گھر گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ کباب حلوا بن چکا ہے۔ وہ سمجھ گئی کہ بیمار کی موت کا وقت قریب پہنچ چکا ہے' چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

آپ کے ایک مخلص مرید' اکبر علی نے اپنی ایک رشتہ دار عورت کی صحت یابی کے لیے کئی بار عرض کی۔ آخر آپ نے فرمایا "اس عورت کی زندگی پندرہ روز سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی"۔ خدا کی قدرت پندرہویں دن اس عورت نے وفات پائی۔ چونکہ میرا اکبر نے ایام بیماری میں اس عورت پر توجہ کی

تھی' اس لیے جب حضرت شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ اس عورت کے جنازہ پر تشریف لے گئے۔ فرمایا "اے اکبر علی! معلوم ہوتا ہے تم نے اس عورت پر توجہ کی ہے' اس توجہ کی برکات معلوم ہو رہی ہیں"۔ عرض کی "جی ہاں' میں نے ایک دن اس پر توجہ کی تھی"۔

حضرت شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ کے قریب ایک شیعہ عورت کا مکان تھا۔ حضرت نے خانقاہ کی جگہ کے کم ہونے اور خادموں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اس عورت سے مکان بیچنے کے لیے کہا تاکہ اسے خانقاہ میں شامل کریں۔ اس عورت نے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ آپ نے دہلی شہر کے معززین میں سے ایک حکیم شرف خان کو بھیجا تاکہ وہ اسے سمجھائیں۔ اس عورت نے حکیم صاحب کی بات کی بھی پرواہ نہ کی اور مکان فروخت کرنے پر رضامند نہ ہوئی' بلکہ آپ کی شان میں گستاخانہ باتیں کیں۔ حکیم شرف خان نے حضرت کو ہو بہو سب باتیں بتا دیں۔ یہ سن کر آپ نے آسمان کی طرف منہ کیا اور کہا "یا حضرت! آپ نے اس عورت کی باتیں سن لیں۔ اب میں اس وقت تک اس کا مکان نہیں لوں گا جب تک وہ خود آ کر التجا نہیں کرے گی"۔ انہی دنوں میں اس عورت کے خاندان میں ایک موت واقع ہوئی اور گھر کے سب آدمیوں میں سے صرف ایک وہی عورت اور اس کا چھوٹی عمر کا ایک بچہ باقی رہ گیا۔ جب بچہ بھی بیمار ہوا تو وہ سمجھ گئی کہ یہ بیماری نافرمانی کی نحوست ہے۔ آخر کار اس بچے کو لے کر حاضر ہوئی۔ نیازمندی کی' منت سماجت کی اور واجبی سی قیمت لے کر مطلوبہ مکان آپ کے حوالے کر دیا اور اس مصیبت سے رہائی پائی۔ اپنے اس نیک اعتقاد سے حضرت کے مریدوں کے زمرہ سے وابستہ ہو گئی۔

آپ کی دعا کی برکت سے حکیم رکن الدین خان کو بادشاہ کے حضور'

منصب وزارت ملا۔ ایک دن حضرت نے اپنے ایک حق بجانب عزیز کی سفارش، حکیم مذکور سے کی۔ حکیم نے اپنی بد دماغی اور وزارت کے تکبر میں آ کر، آپ کی بات ٹال دی اور خاص کوشش نہ کی۔ اس اقدام سے حضرت، حکیم رکن الدین خان سے ناراض ہو گئے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ چند دن بعد ہی وہ وزارت کے عہدہ سے معزول کر دیا گیا۔

اسی طرح صوبہ دہلی کے گورنر نظام الدین نے ایک دفعہ اپنی خصوصی مجلس میں آپ کے بارے میں کچھ ایسی باتیں کیں۔ جب آپ کو اطلاع پہنچی، آپ نے فرمایا "ہم اس سے بھی برے ہیں جو وہ ہمارے بارے میں کہتا ہے"۔ چنانچہ وہ اسی ہفتہ معزول ہو گیا۔

ایک شخص صوبہ کابل سے ہندوستان آ رہا تھا۔ دریائے سندھ عبور کرتے ہوئے اس کا اونٹ مع سامان دریا میں ڈوب گیا۔ اس نے منت مانی کہ اگر میرا اونٹ اسباب سمیت دریا سے زندہ نکل آئے تو میں حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں روغنی نان بطور نذر پیش کروں گا۔ فوراً ہی اس کا اونٹ اسباب سمیت دریا سے باہر آیا اور بغیر کسی محنت و کاوش کے دریا کے کنارے پر پہنچ گیا۔ جب اس شخص نے آپ کی خدمت میں آ کر یہ واقعہ بیان کیا تو فرمایا "کیا تم نے ہماری نیاز میں نان دے دیے؟" اس نے عرض کی "جی ہاں، دے دیے"۔

احمد یار نامی شخص آپ کا مرید تھا۔ اس کے چچا سے بادشاہ نے ناجائز رقم کا مطالبہ کیا۔ وہ نہ دے سکا تو اسے قید خانہ میں ڈال دیا۔ احمد یار نے آپ کی خدمت میں عرض کی۔ آپ نے فرمایا: "تم دس آدمی اکٹھے ہو کر شاہی قلعہ جاؤ اور اسے قید خانہ سے نکال لاؤ۔ ان شاء اللہ کوئی تمہارے راستے میں رکاوٹ نہیں بنے گا"۔ پس ایسا ہی ہوا۔ کسی نے انہیں نہ دیکھا اور پھر بادشاہ

بھی احمد یار کے چچا کے در پے نہ ہوا۔

دہلی کی مسجد کے امام جمعہ مولوی فضل احمد کا بیٹا بیمار تھا۔ اس نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ شاہ غلام علی تشریف لائے ہیں اور اس کے بیٹے کو کچھ پلایا ہے۔ جب صبح ہوئی تو اس کے بیٹے نے شفا پائی۔ فضل احمد نے اپنے خلوص سے کچھ رقم بطور نذر پیش کی تو آپ نے مسکرا کر فرمایا "یہ ہماری رات کی خدمت کی اجرت ہے؟" عرض کی "نہیں! یہ حضور کی عنایت شبانہ کا شکرانہ ہے"۔

ایک شخص نے خدمت عالیہ میں عرض کی "میرا بیٹا دو ماہ سے مفقود الخبر ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے؟ توجہ فرمایئے کہ وہ آجائے"۔ فرمایا "تیرا بیٹا تیرے گھر میں ہے"۔ یہ بات سن کر وہ حیران ہوا۔ آپ نے فرمایا "حیران کیوں ہوتے ہو؟ گھر جاؤ اور دیکھ لو"۔ وہ گھر گیا تو بیٹے کو موجود پایا۔

ایک بڑھیا نے آکر عرض خدمت کی "میرا بیٹا بادشاہ کے محافظ دستے میں نوکر تھا۔ اب اس نے نوکری چھوڑ دی ہے۔ لنگوٹی باندھ کر دین و شریعت سے برگشتہ ہو گیا ہے اور بھنگ پیتا ہے"۔ یہ سن کر آپ ایک ساعت کے لیے متوجہ ہوئے۔ اسی وقت اس کا بیٹا نہایت عجلت میں حاضر ہوا' توبہ کی' مرید ہوا اور اسی لمحہ اس کے لطائف خمسہ ذاکر ہو گئے۔

ایک بار آنجناب کے کچھ خلفاء آپ سے ملنے کے لیے دور دراز سے آ رہے تھے۔ انہوں نے راستے میں کہا: "حضرت شاہ کا معمول ہے کہ جب مرید حاضر ہوتے ہیں تو آپ انہیں کچھ چیز بطور تبرک کے عطا فرماتے ہیں۔ ایک نے کہا: مجھے اس دفعہ خاص مصلا کی خواہش ہے۔ دوسرا بولا: میں ٹوپی چاہتا ہوں۔ تیسرے نے کہا: مجھے حضرت کے خاص پیراہن کی آرزو ہے۔ اگر آپ عنایت فرمادیں تو"--- یوں ہر ایک نے اپنے دل میں ایک ایک چیز کا تصور کر لیا۔ جب

آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ہر ایک کو اس کی آرزو کے مطابق الگ الگ چیزیں عطا فرمائیں۔ پھر فرمایا "اب تو تمہیں تمہاری آرزوؤں کے مطابق مل گیا"۔

حضرت شاہ کا غایت ترک دنیا کی وجہ سے اہل دنیا سے کچھ تعلق نہ رہا تھا۔ اگر کوئی امیر یا دولت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ امرو نہی میں فرق روا نہ رکھتے۔ چنانچہ جب نواب شمشیر بہادر رئیس ملک بند میل کھنڈ' انگریزوں والا ٹوپ پہن کر حاضر خدمت ہوا تو حضرت نے طیش میں آکر اسے منع فرمایا۔ اس نے عرض کی "اگر یہی سلوک ہونا ہے تو پھر کبھی نہیں آؤں گا"۔ فرمایا "اللہ' تجھے' ہمارے گھر نہ لائے"۔ وہ شخص غصے سے بے قابو ہو کر اٹھا اور چلا گیا۔ جب دالان کے زینہ تک پہنچا تو اپنی ٹوپی اتار کر نوکر کے حوالے کی اور ننگے سر حضرت کی خدمت میں حاضری دی' توبہ کی اور بیعت کی۔

حضرت شاہ اکثر اوقات یہ شعر گنگنایا کرتے تھے۔

خاک نیستی است ما سلیمانیم　　نیک بود افسر سلطانیم
ہلست چہل سال کہ می پوشم　　کہنہ شد نہ خلعت عریانیم

نیز فرمایا کرتے تھے:

ہرچند پیر خستہ دل و ناتوان شدم　　ہرگاہ یاد روئے تو کردم جوان شدم

نیز فرماتے تھے:

کہ فقیری میں فا فاقہ' قاف قناعت' یا یاد الٰہی اور را ریاضت کی ہے۔ جو اس فقیری کو بجا لائے گا' وہ فای فضل' قاف قرب و قبول' یا یاری اور رای رحمت پائے گا اور فقیر ہو گا وگرنہ فائے فضیحت' قاف قہر یای یاس (ناامیدی) اور رای رسوائی حاصل کرے گا اور دنیا و آخرت میں اس کا منہ کالا ہو گا۔

نیز ارشاد ہوا کہ طریقہ نقشبندیہ چار چیزوں سے عبارت ہے:
بے خطرگی' دوام حضور' جذبات اور واردات۔
آپ فرمایا کرتے تھے' بیعت تین قسم کی ہے: ایک برائے توسل بہ پیران کبار' دوم برائے توبہ از معاصی' سوم برائے کسب نسبت۔
آپ فرمایا کرتے تھے' مردوں کی چار قسمیں ہیں: نامرد' مرد' جوانمرد اور فرد۔
طالب دنیا نامرد ہے' طالب عقبیٰ مرد ہے' طالب عقبیٰ و مولیٰ جوانمرد ہے اور طالب مولیٰ فرد ہے۔
آپ کا ارشاد مبارک ہے' اولیاء کی تین قسمیں ہیں: ارباب کشف' ارباب ادراک اور ارباب جہل۔
فرماتے تھے: کچھ مومنوں کی روح ملک الموت قبض کرتا ہے اور خاصان الٰہی کی روح قبض کرتے وقت فرشتہ بھی مداخلت نہیں کرتا۔

در کوی تو عاشقان چنان جان بد ہند
کا نجا ملک الموت نگنجد ہرگز

آپ کا فرمان ہے کہ درویشوں کی معاش یوں ہونی چاہیے جیسے کہ شیخ نے اسے ذیل میں نظم کر دیا ہے۔

نان جویں و خرقہ پشمین و آب شور
سیپارہ کلام و حدیث پیغمبری
ہم نسخہ دو چار ز علمی کہ نافع است
در دین نہ لغو بوعلی و ژاژ عنصری
تاریک کلبہ کہ پئی روشنی آن
بیہودہ منتے نہ برد شمع خاوری

بایکد و آشنا کہ نیرزد بہ نیم جو
در پیش چشم ہمت شان ملک سنجری
این آن سعادتی است کہ حسرت برد برآں
جویای تخت قیصر و ملک سکندری

حضرت بعض اوقات جمالی سہروردی کے یہ شعر پڑھتے تھے۔

لنگلک زیرو لنگلک بالا نے غم درزونے غم کلا
گزک بوریا و پوستکی دتے پر ز درد دوستکی
این قدر بس بود جمالی را عاشق رند لاابالی را

بعض اوقات فرماتے کہ طالب کو چاہیے کہ ایک لحہ بھی مطلوب کی یاد سے غافل نہ رہے۔

این شربت عاشقی است "خسرو" بے خون جگر چشید نتوان

آپ فرماتے تھے:

حب الدنیا راس کل خطیتہ یعنی دنیا کی دوستی ہر گناہ کی بنیاد ہے یعنی جب دنیا کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو دنیا سے متعلق ہر گناہ بندہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

اہل دنیا کافران مطلق اند روز و شب در بق بق در زق زق اند

آپ اپنا یہ قصہ سنایا کرتے تھے کہ میں پہلے شاہجہان آباد کی جامع مسجد میں پڑا رہتا' نہ سوتا نہ کھاتا پیتا۔ جب بھوک اور پیاس غلبہ کرتی تو مسجد کے حوض کا پانی پیتا اور ہر روز دس سیپارے کلام مجید کے پڑھتا۔ ہر روز دس ہزار مرتبہ ذکر نفی و اثبات کرتا۔ میری نسبت باطنی اتنی قوی تھی کہ ساری مسجد' نور پر نور سے بھر جاتی۔ میں جس گلی اور کوچہ سے گزرتا' وہ بھی پر انوار ہو جاتا۔ میں جس عزیز کے مزار پر جاتا' اس کی نسبت پست ہو جاتی۔ مگر میں اپنے آپ کو

پست کرلیتا اور اس بزرگ کی تواضع و تکریم اپنے اوپر لازم کرلیتا۔ اب ہم ضعیف ہوگئے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ۔

ز ناتوانی خود این قدر خبردارم
کہ از رخش نتوانم کہ دیدہ برادرم

فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ دوزخ کی آگ کا خوف بہت بڑھ گیا۔ ہم نے کئی دن گریہ و زاری میں گزار دیے۔ میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم ہم سے محبت کرتے ہو اور جو مجھے محبوب رکھتا ہے وہ جہنم میں نہیں جائے گا"۔

آپ نے فرمایا: "ایک بار میں حضرت سلطان المشائخ نظام الدین کے دربار پر گیا اور توجہ کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: تجھے "سلسلہ احمدیہ" کے کمالات کی انتہا حاصل ہے' لہٰذا مزید کچھ گنجائش نہیں ہے۔ میں نے عرض کی: اپنی نسبت عطا فرمایئے۔ اس پر آپ متوجہ ہوئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ سلطان المشائخ کا چہرہ' میری طرح کا ہوگیا ہے اور میرا چہرہ' آپ کی طرح کا ہوگیا ہے۔ میں نہایت محظوظ ہوا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری!

آپ کا ارشاد ہے کہ میں نے صوت و لحن سے مبرا' کلام ربانی تین بار سنا ہے۔ ایک بار مدرسہ میں اور دو بار اپنے رہائشی مکان میں۔

فرمایا: ایک بار میں نے کہا "یا رسول اللہ!" میں نے جواب سنا: "لبیک یا عبد الصالح"۔

شیخ عبدالغنی مجددی رحمتہ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں' حضرت شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"آپ ایک جامع الکمالات ہستی تھے۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت اور خرق عادت طالبوں کے باطن میں تصرف ہے اور ان کے سینوں میں فیض و برکات کا القاء ہے۔ یہ بات آپ سے اتنی زیادہ دفعہ ظاہر ہوئی کہ اسے احاطہ تحریر میں لانے کے لیے کئی دفتر چاہئیں۔ آپ نے ہزاروں ارادت مندوں کے دلوں کو ذاکر بنادیا اور سینکڑوں کو واردات و جذبات الہیہ تک پہنچادیا اور بہتوں کو مقامات عالیہ اور حالات عظیمہ پر فائز کر دیا--- آپ کی دعا سے بہت دفعہ مشکلیں حل ہوئیں اور حاجتیں پوری ہوئیں۔ لوگوں کے زیادہ تر کام آپ کی دعا سے پورے ہوتے' بہت سے عقدے کھلتے۔ بارہا آپ کے کہنے کے مطابق ہی ہوا۔ آپ کا کلام مکمل الہام ہوتا تھا۔ بہت سے شخصوں نے خواب میں ہی آپ کی زیارت کی اور آپ کے سلسلہ سے وابستہ ہوگئے اور عالم خواب میں بیعت کے بعد' شرف حضوری ملا۔ بہت سے فاسق و فاجر' آپ کی توجہ سے تائب ہوئے اور سیدھے راستے پر گامزن ہوگئے۔ بہت سے کفار' آپ کی تھوڑی سی توجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے"۔

ایک دن ایک برہمن زادہ ہندو بچہ آپ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا۔ چونکہ اس کی شکل محبوب اور صورت مرغوب تھی' تمام اہل محفل نے اس کی طرف رخ کر لیا۔ حضرت شاہ نے بھی نظر عنایت اس پر ڈالی۔ اس نے فوراً گردن سے زنار اتاری اور ایمان لے آیا' کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے حسن و جمال کو نور اسلام سے جلادی۔۔

بہ نشیں بگدایان در دوست کہ ہرکس
بہ نشست بایں طائفہ شاہے شد و برخاست

جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ چند دنوں تک بواسیر اور خارش کی بیماری میں مبتلا رہے۔ اسی مرض میں ۲۲ صفر' اشراق کے بعد'

۱۲۴۰ھ میں' اس دار پر ملال سے' قرب ایزد متعال میں پیوست ہو گئے۔ آپ نے انتقال کے وقت وصیت فرمائی کہ ہمارے جنازہ کے آگے آگے حضرت خواجہ بہاء الدین شاہ نقشبند کی رباعی' عربی اشعار کے ساتھ پڑھی جائے۔۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو شیئا للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما آفرین بر دست و بر بازوئے تو
وفدت علی الکریم بغیر زاد من الحسنات والقلب السلیم
فحمل الزاد اقبح کل شیئ اذا کان الوفود علی الکریم

چنانچہ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو عربی و فارسی کے مذکورہ اشعار' خوش آوازی کے ساتھ پڑھے گئے۔

آپ کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ ابو سعید تھے۔ انہوں نے آپ کی تاریخ وفات "نور اللہ مضجعہ" تحریر فرمائی ہے۔

حضرت شاہ رؤف نے یہ رباعی آپ کی تاریخ وفات میں لکھی۔

چون جناب شاہ عبداللہ قیوم زمان
زین جہان فرمود رحلت سوی جنات الکریم
سال او با حال او جستم چو ای "رافت" ز دل
گفت او فی روح و ریحان و جنت النعیم

آپ کی ولادت باسعادت اقوال صحیح کی بنا پر ۱۱۵۸ھ ہے۔ آپ ملک پنجاب کے قصبہ بٹالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۲۴۰ھ میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات از مولف

شہ و سید و رہبر دو جہان امام دو عالم علی ولی
شدہ روشن از خامہ ام "نور بخش" بتاریخ تولید آن متقی

۱۱۵۸ھ

وصالش "غلام علی مہدی" است دگر "آفتاب مروت علی"

۱۲۴۰ھ ۱۲۴۰ھ

مولانا خالد مجددی قدس سرہ

آپ خاندان مجددی کے عظیم خلیفہ اور بڑے ولی ہیں۔ علم ظاہری میں اتنا زیادہ کمال تھا کہ ولایت کردستان اور آپ کے وطن ذہر روز میں آپ جیسا کوئی دوسرا نہ تھا۔ حدیث میں پچاس کتابوں پر سند حاصل کی تھی۔ ہندوستان کے علماء میں سے آپ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی تعریف کیا کرتے تھے۔ آپ عربی و فارسی میں' فردوسی و فرزدق' پر گوئے سبقت لے گئے تھے۔ حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے "مولانا خالد' جامی وقت اور خسرو عہد ہیں"۔

تحصیل علوم ظاہری کے بعد' آپ میں خدا طلبی کا داعیہ پیدا ہوا۔ اتفاق سے عظیم سیاح مرزا رحیم اللہ گردستان میں آپ کے پاس چلے گئے۔ وہ شاہ غلام علی کے خلیفہ تھے۔ مولانا خالد نے ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ مرشد اہل طریقت نہیں مل رہا۔ اس پر مرزا رحیم اللہ نے آپ کی رہنمائی کی۔ مولانا خالد' وہاں سے دہلی آئے اور نو ماہ تک حضرت شاہ غلام علی کی خدمت میں حاضر رہے اور خانقاہ کا پانی بھرنے کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔ پیر روشن ضمیر کی توجہ سے مدارج اعلیٰ تک پہنچے۔ خرقہ خلافت اور کلاہ عطا فرمانے کے بعد وطن جانے کی اجازت دی۔ حضرت شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ آپ کو الوداع کرنے کے لیے اپنی خانقاہ سے شیخ محمد عابد کے مزار تک آپ کے ساتھ آئے اور اقلیم کردستان کے قطب ہونے کا اشارہ فرمایا۔

مولانا خالد رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے علاقے میں بہت ریاضتیں کیں۔ آپ کی خانقاہ پر' لوگوں کا اتنا زیادہ ہجوم ہوا گویا اس ملک کی سلطنت کا تعلق آپ

سے ہے۔ آپ نے دوسرے ملکوں میں' لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے سینکڑوں خلفاء بھیجے۔ آپ سے کئی خوارق و کرامات ظاہر ہوئیں۔ رئیسوں اور دنیا کے ناموروں کی آپ کی نگاہ میں کوئی قدر نہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار والی بغداد آپ کی خانقاہ میں بلا طلب اجازت یونہی آگیا۔ آپ غصہ ہوئے اور اسے بے آبرو کر کے اپنی خانقاہ سے باہر نکلوادیا۔

اگر کوئی مولانا خالد رحمتہ اللہ علیہ کا نام بے ادبی سے زبان پر لاتا تو بے ہوش ہو کر زمین پر گرتا۔ آپ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب تھے۔ وہ صاحب کرامات اور مرجع کمالات ہو گئے تھے۔ شیطان نے وسوسہ اندازی کی تو وہ اپنا مقام حضرت سے بڑھ کر خیال کرنے لگے۔ یہ خیال غلط آتے ہی' آپ کی نسبت باطنی باطل ہو گئی اور اپنے ساتھیوں میں ذلیل ہو کے رہ گئے۔ حتیٰ کہ جب مولانا شاہ ابوسعید مجددی رحمتہ اللہ علیہ آئے' جو حرمین شریفین میں حضرت شاہ کے خلیفہ اعظم تھے' تو شیخ عبدالوہاب کی یہی حالت تھی۔ عبدالوہاب نے مولانا شاہ ابوسعید کی بہت منت سماجت کی تو انہوں نے متوجہ ہو کر حالت تبدیل کردی۔

شہرزور' ولایت گردستان کا ایک قصبہ ہے۔ مولانا خالد رحمتہ اللہ علیہ کی اس قصبہ میں رہائش تھی۔ آپ طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر درجہ شہادت تک پہنچے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت پانچ آدمیوں کو اپنی جگہ جانشین بنایا اور انہیں مسند نشینی کی اجازت عطا فرمائی۔ آپ نے فرمایا: "میرے بعد فلاں' اور اس کے بعد فلاں مسند نشین ہوگا"۔ چنانچہ چار حضرات تو اسی طاعون کی وبا میں ایک دوسرے کے بعد وفات پاگئے۔ شیخ عبدالکریم' جو پانچویں نمبر پر تھے' مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔

وفات: مولانا خالد رحمتہ اللہ علیہ نے بقول صحیح ۱۲۴۲ھ میں انتقال

فرمایا۔

قطعہ

سفر ورزید باطف خداوند　　چو خالد زیں جہان در خلد اعلیٰ
عجب تاریخ ترحیلش عیاں شد　　ز "خالد جنتی محبوب مولیٰ"

۱۲۴۲ھ

شاہ ابو سعید مجددی قدس سرہ

آپ' شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ کے سچے خلیفہ اور سجادہ نشین ہیں۔ آپ کے والد کا اسم گرامی' صفی القدر بن عزیز القدر بن محمد عیسیٰ بن سیف الدین بن خواجہ محمد معصوم بن شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ آپ علوم ظاہری اور باطنی دونوں پر یکساں دسترس رکھتے تھے۔ فقہ' حدیث اور تفسیر میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ علوم ظاہری میں مفتی شرف الدین دہلوی اور مولانا شاہ رفیع الدین محدث فرزند شاہ ولی اللہ محدث رحمتہ اللہ علیہم کے شاگرد تھے۔ آپ نے مولانا عبدالعزیز محدث و مفسر دہلوی اور حضرت سراج احمد بن شیخ محمد مرشد رحمتہ اللہ علیہم سے بھی علم فقہ و حدیث کی سند حاصل کی تھی۔ تحصیل علم کے دوران آپ کے قلب حق پرست میں ارادہ حق طلبی پیدا ہوا۔ پہلے اپنے والد صفی القدر کے مرید ہوئے۔ بعد ازاں اپنے والد ماجد کی اجازت سے شاہ درگاہی کی خدمت میں پہنچے۔ کسب سعادت کی اور خرقہ خلافت پایا۔ ابھی چونکہ طلب باقی تھی' اس لیے رام پور سے دہلی آ گئے۔ اس وقت دہلی شہر اہل علوم و فنون سے بھرا ہوا تھا۔ شاہ ولی اللہ کے صاحبزادگان شاہ عبدالعزیز' شاہ رفیع الدین' شاہ عبدالقادر نیز قاضی ثناء اللہ بقید حیات تھے۔

شاہ ابو سعید نے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے نام' خدا طلبی کے بارے میں ایک درخواست لکھی۔ جواب آیا کہ اس وقت شاہ غلام علی سے بہتر کوئی نہیں

ہے۔ چنانچہ ابو سعید' شاہ غلام علی کی خدمت میں حاضر ہوئے' بیعت کی۔ طریقہ مجددیہ نقشبندیہ کے انتہائی نہایات و کمالات تک پہنچے۔

ایک بار شاہ ابو سعید رام پور سے سنبل کی طرف جا رہے تھے۔ عشاء کے وقت دریا پر پہنچے۔ کشتی و ملاح حاضر نہ تھے۔ آپ عرابہ پر سوار تھے۔ آپ نے صاحب عرابہ کو حکم دیا کہ عرابہ کو دریا میں ڈال دو۔ وہ ہندو تھا' اس لیے اس نے آپ کی بات پر یقین نہ کیا۔ کہنے لگا کہ ایسا کرنے میں میری جان و مال کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔ آخر آپ کے رعب سے متاثر ہو کر گاڑی دریا میں ڈال دی۔ عنایت الٰہی سے گاڑی دریا میں یوں چلتی تھی جیسے خشکی پر چل رہی ہو۔ گاڑی بان حیران تھا۔ آپ نے فرمایا: حیران ہونے کی بات نہیں' یہ اہل اسلام کے حق میں حق کی عنایات ہیں۔ گاڑی والے نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا اور آپ کا مرید ہو گیا۔

ایک دفعہ مرزا طہماس نے شاہی قلعہ میں فقراء کی دعوت کی۔ شاہ ابو سعید بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ چند شہزادوں نے باتوں باتوں میں کہا "ہم نے آج تک کسی بزرگ کی کرامت نہیں دیکھی"۔ یہ سن کر شاہ ابو سعید نے نعرہ لگایا۔ اہل مجلس بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اس کرامت سے سب حاضرین' کرامات اولیاء کے معتقد ہو گئے۔

حکیم فرخ حسین دہلوی' حضرت کے منکر تھے اور آپ کے بارے میں نامناسب باتیں کرتے تھے۔ ایک دن حکیم کی باتیں آپ کے کانوں تک پہنچیں۔ آپ نے فرمایا "اس کی سزا وہ خدا سے پائے گا۔ وطن سے نکالا جائے گا"۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ حکیم پر ایک تہمت لگی اور اس سے فرار ہونے میں ہی عافیت سمجھی۔

آپ کا ایک مرید محمد اصغر تھا۔ اس کا بیان ہے کہ کبھی کبھی غلبہ خواب

کے سبب سے میری نماز تہجد فوت ہو جاتی تھی۔ ایک بار میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی تو فرمایا "ان شاء اللہ بوقت نماز تہجد' آئندہ میں خود تمہیں جگاؤں گا۔ نماز پڑھنا تمہارے اختیار میں ہے"۔ چنانچہ اس کے بعد ہر رات یہ ہوتا کہ میں نماز تہجد کے وقت بیدار ہو جاتا اور اپنے آپ کو بستر پر بیٹھا پاتا۔

شاہ غلام علی قدس سرہ کے انتقال کے بعد شاہ ابو سعید نو سال تک ان کے سجادہ نشین رہے' طالبان حق کی رہنمائی میں مصروف رہے۔ آخر ۱۲۴۹ھ میں اپنے صاحبزادہ احمد سعید کو اپنی جگہ مقرر کر کے بیت اللہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ بمبئی پہنچے۔ ایک جہاز کا ٹکٹ لیا۔ پھر فرمایا "اس جہاز میں بیٹھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا"۔ کرایہ کی رقم واپس لے لی اور دوسرے جہاز میں جا بیٹھے۔ وہ جہاز تو نصف ماہ میں منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ وہ جہاز جس کا کرایہ واپس لے لیا تھا' ایک سال تک سمندر میں رہا اور جہاز والوں پر طرح طرح کی آفتیں آئیں--- حج کے بعد' آپ کو تپ اور اسہال کی بیماری لاحق ہوئی۔ اسی تکلیف کی حالت میں مدینہ شریف گئے اور روضہ عالیہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ وہاں سے وطن کا رخ کیا۔ جہاز پر سوار ہوئے۔ بیماری میں روز بروز ترقی ہو رہی تھی۔ آخر ماہ رمضان میں دار السلام ٹونک میں داخل ہوئے۔ والی ٹونک نواب وزیر الدولہ نہایت نیازمندی سے پیش آئے۔ آپ نے بروز عید یکم ماہ شوال ۱۲۵۰ھ میں بروز ہفتہ اس دار پر ملال سے کوچ کیا۔ غسل اور جنازہ کے بعد آپ کے فرزند شاہ عبدالغنی نے آپ کی نعش مبارک صندوق میں رکھی۔ چالیس دن کے بعد دہلی میں حضرت شاہ غلام علی اور حضرت مرزا جان جاناں کے پہلو میں' خزانہ کی مانند سپرد خاک کر دیا۔

آپ کی ولادت باسعادت ۲ ذیقعدہ ۱۱۹۶ھ میں رام پور میں ہوئی۔

وفات: آپ کی وفات بروز عید ۱۲۵۰ھ میں ٹونک میں ہوئی۔ آپ کی عمر شریف ۵۴ سال تھی۔ "تذکرہ شاہ غلام علی" میں آپ کی تاریخ وفات "**نور اللہ مضجعہ**" درج ہے۔

ولادت و وفات کا قطعہ از مولف

شاہ جہان و والی حق شاہ بوسعید — خورشید دین و شیخ زمان مظہر الجمال
تولید او "ولی نظر" شد عیان ز دل — سال وصال اوست عیان "مظہر الجمال"

۱۱۹۶ھ — ۱۲۵۰ھ

شاہ رؤف رحمتہ اللہ علیہ

آپ شاہ ابو سعید کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ پہلے شاہ ابو سعید سے مل کر، شاہ درگاہی کے مرید ہوئے۔ جب حضرت شاہ ابو سعید نے غلام علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے حضور رجوع کیا تو آپ بھی ان کی پیروی میں حضرت شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے اور کمالات تک پہنچے۔ آپ نے ایک کتاب میں حضرت شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ اس کا نام "در المعارف" رکھا۔ اسی طرح حضرت کے مکتوبات و مقامات کے بارے میں ایک دوسری کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ آپ نے فقہ، حدیث، تفسیر میں بھی بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ہندی و فارسی اشعار پر مشتمل آپ کا ایک دیوان بھی ہے جو "دیوان رؤفی" کہلاتا ہے۔ آپ نے شاعری میں "رافت" تخلص اختیار کیا۔ شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ سے شاہ رؤف کی نسبت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے شیخ محمد یحییٰ کے حوالے سے ہے۔

شاہ رؤف نے شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد بھوپال شہر کا رخ کیا۔ یہ آپ کے پیر و مرشد کا حکم تھا۔ وہاں آپ کو

بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ سینکڑوں لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ حضرت شاہ ابو سعید کی وفات کے بعد دو سال تک ہندوستان میں رہے' پھر زیارت حرمین الشریفین کا قصد کیا اور عین سمندر میں رحمت حق سے جا ملے۔ ۱۲۵۳ھ آپ کا سال وفات ہے۔

قطعہ

شاہ رافت بادشاہ دو جہان یافت از دنیا چو در جنت قرار
شد عیان "رافت حبیب متقی" سال وصل آنشہ والاتبار

۱۲۵۳ھ

شیخ محمد اصغر قدس سرہ

آپ شاہ غلام علی مجددی رحمتہ اللہ علیہ کے خادم اور حاضرباش خدمت گار تھے۔ آپ کی نسبت قلبی نہایت قوی تھی۔ مرشد کی بے پناہ عنایت آپ پر تھی۔ خانقاہ کے کارخانوں کا نظم و نسق آپ سے متعلق تھا۔ مبتدی مرید جو پیر و مرشد کے پاس آتے' وہ توجہ اور ذکر قلبی جاری کرنے کے لیے آپ کے سپرد کرتے۔ لوگوں نے آپ کی توجہ سے کافی استفادہ کیا۔ آپ نے پہلے حرمین الشریفین کا سفر کیا' پھر دہلی واپس آئے۔ دوبارہ شاہ ابو سعید رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ عزم بیت اللہ کیا۔ یوں آپ دو بار زیارت حرمین الشریفین سے مشرف ہوئے۔ دہلی آئے۔ ۱۲۵۵ھ میں رحمت حق سے جا ملے۔

قطعہ

رفت از دنیائے دون سوئے بہشت چون محمد اصغر آں شیخ زمان
دان وصالش مرشد مشکل کشا "مہدی منظور و منظور جہان"

۱۲۵۵ھ ۱۲۵۵ھ

شاہ عبدالرحمان مجددی جالندھری قدس سرہ

آپ علوم عقلی و نقلی کے جامع تھے۔ فقہ، حدیث، تفسیر میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ولایت مجددیہ نقشبندیہ میں مقامات عالیہ اور انوار جلیلہ رکھتے تھے۔ آپ کی جدی نسبت شیخ سیف الدین کے واسطہ سے شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ تک جا ملتی ہے۔ آپ کے والد بزرگوار سیف الرحمٰن، حضرت مرزا جان جاناں شہید کے مرید تھے۔ انہوں نے شاہ غلام علی سے کسب نسبت حاصل کر کے کمالات تک رسائی حاصل کی۔ جالندھر میں آپ کے مرید بہت زیادہ تھے۔ جالندھر کے دوآبہ میں آپ بہت مشہور تھے۔

پہلے سفر حرمین شریفین کیا۔ حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور واپس وطن آئے۔ کچھ مدت بعد شوق نے غلبہ پایا۔ حرمین شریفین کے سفر کا احرام باندھا اور بیت اللہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر بہت فائدے اٹھائے۔ واپسی پر جب ملک سندھ میں آئے تو ۱۲۵۸ھ میں دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخت سفر باندھا۔

قطعہ

جناب عبد رحمان شاہ والا سفر چون کرد در جنت ز دوران
عیاں شد سال وصل آنشہ دین ز "عارف متقی محبوب رحمان"
۱۲۵۸ھ

مولوی کرم اللہ محدث قدس سرہ

آپ کے والد پہلے ہندو تھے۔ اس کے بعد شاہ عبدالعزیز کے ہاتھ پر توبہ کی اور خلعت اسلام پہنا۔ آپ علوم باطنی اور علوم ظاہری (فقہ و حدیث اور تفسیر و قرات قرآن) میں یگانہ وقت تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے تفسیر عزیزی محض آپ کی خاطر تصنیف کی۔

مولانا کرم اللہ پہلے خاندان عالیہ چشتیہ نظامیہ میں مولانا فخرالدین فخر کے

مرید ہوئے' اس کے بعد حضرت شاہ غلام علی مجددی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خاندان احمدیہ میں کسب ولایت کی۔ تکمیل کے بعد خرقہ خلافت اور کلاہ اجازت پائی۔ اکثر اہل دہلی فن قرات قرآن میں آپ کے شاگرد تھے۔ آپ نے زیارت حرمین شریفین کا قصد کیا۔ منزل مقصود پر پہنچے' پھر وطن واپس آئے مگر واپس آنے کی وجہ سے پشیمان تھے لہٰذا پھر زیارت کا ارادہ کیا اور سفر کے دوران ۱۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

ز دنیای دوں شد بخلد برین　　چو آن مولوی' معظم کرم
بتاریخ ترحیل آں شیخ دین　　بگو "قطب و اشرف مکرم کرم"

۱۲۵۸ھ

ملا عبدالغفور جرجوی قدس سرہ

آپ عنفوان شباب میں ہی شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے مرشد کی عنایات حاصل کیں۔ بیماریوں کو سلب کرنے میں آپ کی توجہ درجہ کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ ایک بار آپ کے پیرو مرشد نے اپنے ایک مرید کو (جس نے اسی روز بیعت کی تھی) آپ کے پاس بھیجا اور فرمایا "اس شخص پر توجہ کیجئے تاکہ اس کے لطائف خمسہ جاری ہو جائیں"۔ ملا عبدالغفور نے ایک توجہ سے اس کے لطائف خمسہ جاری کر دیے اور واپس حضرت کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت نے ایک ہی نگاہ میں بھانپ لیا کہ اس کے لطائف جاری ہو چکے ہیں۔ اب آپ نے خود اس پر توجہ کی اور اسے کمال تک پہنچا دیا۔ حتیٰ کہ سلطان الاذکار جاری ہو گئے۔ حضرت ملا کے مرید سب کے سب صاحب کشف و کرامت تھے اور عجائب و غرائب بیان کرتے تھے۔ مردوں کی روحوں' فرشتوں اور جنوں سے ملاقات کرنا' ان کا ادنیٰ کشف تھا۔ حضرت

ملا کی ایک صاحبزادی تھیں جو لوگوں کے مال مسروقہ کی نشان دہی کرتی تھیں اور بتا دیتی تھیں کہ وہ مال فلاں جگہ اور فلاں گھر میں موجود ہے۔ اس کا کشف کبھی غلط نہیں ہوتا تھا---

حضرت ملا کے خلفاء بلاد ترکستان میں بہت شہرت رکھتے تھے۔

وفات: آپ نے خرجہ کے مقام پر بتاریخ سلخ ماہ شوال ۱۲۵۹ھ میں وفات پائی۔ شیخ محمد غوث صاحب "مخزن مجددیہ" نے آپ کی تاریخ وفات، "شیخ زمن قطب عالم" تحریر کی ہے۔

قطعہ

شیخ دین مولوی عبدالغفور پیر روشن ضمیر حق مخدوم
سال تاریخ رحلتش "سرور" گفت ملا فقیر حق مخدوم

۱۲۵۹ھ

مرزا رحیم اللہ بیگ المشہور درویش محمد عظیم آبادی قدس سرہ

شاہ غلام علی مجددی نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ ہیں۔ آپ علوم ظاہری و باطنی میں طاق اور یگانہ آفاق تھے۔ آپ بہت بڑے سیاح تھے۔ پہلے ہندوستان سے حضرت شاہ نقشبند کے مزار کی زیارت کے لیے آپ بخارا گئے، وہاں سے روم، شام، حجاز، عراق اور ماوراء النہر جیسے اسلامی علاقوں کی سیر کی۔ پھر آپ نے پورے ہندوستان کی بھی سیر کی اور بہت سے مشائخ عظام کی زیارت کی۔ اس کے باوجود آپ فرمایا کرتے تھے، میں نے شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ جیسا شیخ کامل و مکمل نہیں دیکھا۔ جب ہرات پہنچے تو مخلص شہزادوں نے آپ کو اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ شیخ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسی کا خوف خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ آپ نے شہزادوں کو سخت و درشت باتیں کہیں۔ وہاں سے نکلے تو اکثر بلاد ترکستان کی سیر کی۔ ہر جگہ کے حکمران، اخلاص

سے پیش آئے مگر شیخ ان کی بدعتوں کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے اور کسی جگہ نہ ٹھہرے۔ آخر شہر سبزوار میں قیام کیا۔ وہاں کے حاکم نے ایک بڑا گاؤں آپ کی نذر کیا اور وہاں سے اپنی حکومت ہٹالی۔ شیخ نے وہاں ایک خانقاہ بنائی۔ مسافروں اور مسکینوں کی خدمت اپنے ذمہ لی۔ ایک بڑا لنگر جاری کیا جہاں پر بہت زیادہ مقدار میں کھانا پکتا اور ہر آنے جانے والے کو کھلایا جاتا۔ آپ نے شافعی مذہب اختیار کیا' اس لیے بخارا وغیرہ میں مرزا شافعی کے نام سے مشہور تھے۔

آخر بعض ترکستانی حکام نے خفیہ طور پر حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کو شہید کروادیا کیونکہ ان حکمرانوں کو والی شہر سبزوار سے سخت عناد تھا۔ حضرت کی دعا و امداد کی وجہ سے وہ لوگ والی شہر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ آپ نے ۱۲۶۰ھ میں شربت شہادت نوش کیا۔

قطعہ از مولف

چوں رحیم اللہ از لطف رحیم کارساز — یافت از دنیائے دون باوصل حق آخر وصال
کن رقم "منظور دین" سالش دگر "مخدوم — ہم نجوان "خورشید علم" از بہر سال ارتحال
شرع"

۱۲۶۰ھ ۱۲۶۰ھ ۱۲۶۰ھ

سید منور شاہ لاہوری قدس سرہ

آپ غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ گیلانی سید ہیں۔ شیخ ارشاد اور صاحب طریقت تھے۔ زہد و ورع اور پرہیزگاری میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ دنیا اور دنیا کے کاموں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ خاندان عالیہ نقشبندیہ اور سہروردیہ کے پیران کامل سے خوب فیض حاصل کیا۔ اگرچہ آپ کا شجرۂ نقشبندیہ نہیں مل سکا تاہم آپ کا شجرۂ سہروردیہ آپ کے مریدوں سید

حسین شاہ اور شیخ وہاب دین رحمتہ اللہ علیہم سے مل گیا۔

آپ اس سلسلہ میں اپنے والد سید صابر کے مرید ہیں۔ وہ اپنے والد میر عبدالرزاق کے مرید ہیں۔ وہ اپنے والد محترم میر عبدالرحیم کے مرید ہیں۔ وہ اپنے والد میر صدر الدین کے مرید ہیں۔ وہ اپنے والد گرامی میر حیدر کے ارادت مند تھے۔ وہ شاہ نصیب الدین غازی کشمیری کے مرید تھے۔ وہ شیخ داؤد خاکی کے مرید تھے۔ وہ مخدوم حمزہ کشمیری کے' وہ سید عبدالوہاب بخاری دہلوی کے بھائی سید جمال الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے مرید تھے۔

آپ شب و روز' غایت ذوق و شوق سے یاد خدا میں مشغول رہتے۔ اپنے مریدوں کو سلسلہ نقشبندیہ میں تلقین کرتے۔ آپ کے کشف القلوب کا یہ حال تھا کہ جو بھی سوالی یا حاجت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا' اسے اظہار حالت کی زحمت نہ کرنی پڑتی۔ وہ اپنی دلی آرزو کے مطابق جواب و عطا پالیتا۔

وفات: آپ نے ۱۲۶۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار مبارک' شیخ محمد طاہر لاہوری کے مزار کے احاطہ میں ہے۔ آپ کی اولاد میں سے آپ کے صاحبزادہ سید احمد شاہ لاہور میں موجود ہیں جو علم و خلق میں یگانہ روزگار ہیں۔

قطعہ

پرتو افگن چو شد منور شاہ در جنان بچو ماہ پارہ نور
گشت تاریخ رحلتش روشن از "منور ولی ستارہ نور"

۱۲۶۴ھ

مولوی خطیب احمد مجددی قدس سرہ

حضرت شاہ رؤف رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند دل بند ہیں۔ طریقت میں بھی اپنے والد کے مرید ہوئے' پھر ان کے خلیفہ بنے۔ علوم ظاہری میں بھی اپنے

والد بزرگوار کے شاگرد تھے۔

آپ عالم و فاضل تھے۔ جلال و جمال اور شکوہ و شوکت کے مالک تھے۔ سیر ولایت قلب میں نہایات مقامات ولایت احمدیہ مجددیہ تک عمدہ استعداد بہم پہنچائی۔ سفر کعبہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ جانے کی سعادت حاصل کی۔ والد کی وفات کے بعد بھوپال میں آئے اور اپنے پدر عالی قدر کی مجلس کو زینت بخشی۔ آپ نے بہت سے راہ حق کے مسافروں کو منزل مقصود تک پہنچایا۔

آخر ۱۲۶۶ھ میں دنیا سے کوچ کیا۔ کتاب "مخزن مجددیہ" میں آپ کی تاریخ وفات "وھو اذالمن المقربین" درج کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی وفات کے بعد جب لوگوں نے اپنے کان آپ کے ہونٹوں کے قریب رکھے تو تسبیح و تہلیل (سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ) کی آواز سنائی دی۔ جب آپ کو لحد مبارک میں رکھا گیا اور آپ کے مریدوں نے آپ کا آخری دیدار کرنے کے لیے آپ کے چہرہ سے پردۂ کفن اٹھایا تو آپ نے آنکھ کھولی، مسکرائے، چاروں طرف دیکھا اور پھر آنکھ بند کرلی۔

قطعہ

رفت چو زین دار بدار السلام احمد ذی جاہ ولی متقی
گشت بتاریخ وصالش عیان اختر اجلال و مظفر ولی

۱۲۶۶ھ ۱۲۶۶ھ

مولانا محمد جان شیخ اکرم قدس سرہ

حضرت شاہ غلام علی مجددی رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ ہیں۔ جامع کمال ظاہری و باطنی تھے۔ مظہر انوار اللہ تھے۔ دینی و دنیوی علوم کے عالم تھے۔ پہلے علم حاصل کیا، اس کے بعد شاہ غلام علی کی خدمت میں آئے اور ان کے مرید ہوگئے۔ سخت مشقتیں اٹھائیں اور کمالات ولایت تک پہنچے۔ آپ سارا

دن اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر رہتے۔ رات کے وقت شہر سے نکل کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پرانوار پر جاتے اور ساری رات روضہ مقدسہ میں طاعت حق میں مشغول رہتے۔ ایک آدمی کا بیٹا اتنا بیمار تھا کہ زندگی کی امید باقی نہیں رہی تھی۔ آخر وہ شخص اپنے بیٹے کو خواجہ قطب الدین رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر لے گیا۔ رات کے وقت جب شیخ محمد جان روضہ کے اندر مراقبہ میں تھے تو اس آدمی نے اپنے بیٹے کو آپ کے سامنے بٹھادیا اور خود باہر چلا گیا۔ شیخ نے جب مراقبہ سے سر اٹھایا' مریض پر نظر ڈالی تو اس نے اسی گھڑی شفا پائی۔

صاحب "تذکرہ شاہ غلام علی" فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں ایک عورت کی محبت میں گرفتار تھا۔ قریب تھا کہ میں زنا میں مبتلا ہو جاؤں' میں مجبور ہو کر مولانا محمد جان رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا اور امداد چاہی۔ آپ نے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم تین روز تک پڑھو۔ ہر روز سینکڑوں بار پڑھو۔ میں نے جب یہ عمل کیا تو اس عورت کی محبت میرے دل سے جاتی رہی اور میرے وجود میں دو سال تک قوت شہوت باقی نہ رہی۔

مولانا محمد جان رحمتہ اللہ علیہ نے خرقہ خلافت پانے کے بعد اپنے مرشد گرامی سے اجازت چاہی اور حرمین الشریفین کی طرف چل پڑے۔ وہاں سے روم گئے۔ بادشاہ روم کے امراء آپ کے مرید ہو گئے۔ بادشاہ کی والدہ بھی شیخ کی معتقد ہو گئیں اور ایک خانقاہ تعمیر کی۔ آپ کے خلفاء استنبول اور روم کے اضلاع میں پھیل گئے۔ سلطان کی طرف سے معقول وظائف مقرر ہو گئے۔ شیخ کو جتنا وظیفہ بھی ملتا' آپ مسکینوں اور مسافروں کی خدمت کے لیے خرچ کر ڈالتے۔

آپ ۱۲۶۸ھ میں مکہ معظمہ میں اپنے خالق سے جا ملے۔ یہ آپ کا آخری

سفر تھا جو آپ نے روم سے حج کے ارادہ سے کیا تھا۔

قطعہ

چوں محمد جان' جان دو جہان — از جہاں پدرود شد سوئے جنان
سال وصلش ہست "خورشید علوم" — رحلتش "شیخ الحرم عابد نجوان"

۱۲۶۸ھ — ۱۲۶۸ھ

شاہ احمد سعید مجددی قدس سرہ

آپ حضرت شاہ ابو سعید کے فرزند دل بند ہیں۔ علوم شریعت و طریقت و حقیقت کے جامع تھے۔ فقہ' حدیث اور تفسیر کے علوم پر مکمل عبور حاصل تھا۔ طریقہ عالیہ مجددیہ میں حضرت شاہ غلام علی مجددی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ ان سے خرقہ خلافت اور کلاہ اجازت حاصل کیا۔ قرآن شریف حفظ کیا۔ مولوی فضل امام اور مفتی شرف الدین سے علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل کیے۔ مولوی شاہ عبدالعزیز دہلوی کے شاگردوں مولوی رشید الدین وغیرہ سے علم حدیث و تفسیر حاصل کیا۔ یوں آپ نے علوم دینی اور فیض باطنی سے خوب استفادہ کیا۔

حضرت شاہ غلام علی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے حق میں اور اپنے دوسرے تین خلفاء (شاہ ابو سعید' شاہ رؤف اور مولوی بشارت اللہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین) کے حق میں اچھی بشارتیں دیں اور یہ تحریر فرمایا کہ یہ چاروں حضرات اس زمانہ میں دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ستون ہیں۔

شاہ ابو سعید کے انتقال کے بعد شاہ احمد سعید رحمتہ اللہ علیہ اپنے والد کی جگہ سجادہ ارشاد پر تشریف فرما ہوئے۔ طالبان حق' ہندوستان' خراسان اور دیگر ممالک سے آپ کے پاس آنے لگے اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھانے لگے۔ آپ کے خلفاء' قندھار اور کابل وغیرہ کے ضلعوں میں بہت

مشہور تھے۔ آخر جب دہلی میں انگریزی فوج نے شورش کی اور شہر انگریزی مہم کی وجہ سے غارت ہو گیا تو شاہ احمد سعید رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کی۔ لاہور کے راستے حرمین شریفین کا رخ کیا اور وہیں رہے۔ آخر ۱۲۷۷ھ میں رحمت حق سے جا ملے۔ رحمتہ اللہ علیہ۔

نوٹ: آپ کے بھائی حافظ عبدالغنی اور عبدالمغنی بھی علم و حلم اور زہد و تقویٰ اور ریاضت و مشقت میں یکتائے وقت اور یگانہ زمانہ تھے۔

ولادت: معتبر اقوال کے مطابق شاہ احمد سعید رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت ۱۲۱۷ھ میں ہوئی۔ صاحب "تذکرہ شاہ غلام علی" نے آپ کی تاریخ ولادت "مظہر یزدان" تحریر فرمائی ہے۔

وفات: آپ نے ۱۲۷۷ھ میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات از مولف

حضرت احمد سعید از نور حق پیر اسعد میر دین شیخ سعید
"خوان نعمت" گشت تولیدش عیان مظہر امید زاہد شد پدید
"مظہر اسلام" گو تو وصل او ہم نجوان "شیخ یقین احمد سعید"

شاہ احمد سعید قدس سرہ کے نامدار خلفاء' جو ہمارے زمانے میں پنجاب میں تشریف رکھتے ہیں' ان میں سے ایک حضرت مولوی محمد غوث مجددی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ آپ زہد و تقویٰ اور شریعت و طریقت میں' عبادت و طاعت اور علم و حلم میں اور لطف و مہربانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ آپ اوصاف حمیدہ سے آراستہ اور اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیراستہ ہیں۔ صاحب صورت و سیرت ہیں' اہل ظاہر و باطن ہیں۔ صاحب حال و قال ہیں۔ بہت سے لوگ جو طالب خدا تھے' آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر اپنے مدعا کو پہنچے۔ جو شخص بھی آپ کا مرید ہوا' اس نے اپنا دامن گوہر مراد سے بھر لیا۔

آپ موضع ڈھونی میں رہتے ہیں جو سید والہ کے قریب ہے۔ آپ کبھی کبھی ایک سال یا ایک ماہ کے بعد لاہور شہر میں تشریف لاتے رہتے ہیں۔ ان اوراق کا جامع یہ عاصی پر معاصی (مفتی غلام سرور لاہوری) عارف حق آگاہ سید حسین شاہ بخاری مجددی کے توسط سے آپ کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت باکرامت رکھے۔

سید امام علی شاہ الحسنی الحسینی السامری النقشبندی المجددی قدس اللہ سرہ العزیز

آپ حسنی سید ہیں۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سے تعلق ہے۔ آپ کا سلسلہ طریقت چھ درمیانی واسطوں سے شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ سے جا پہنچتا ہے۔ وہ اس طرح کہ سید امام علی مرید ہیں میران شاہ حسین کے، وہ مرید ہیں شیخ حاجی احمد مجددی کے، وہ مرید ہیں خواجہ حاجی محمد زمان کے، اور وہ مرید ہیں خواجہ زکی کے، وہ مرید ہیں خواجہ عبدالاحد کے، وہ مرید ہیں شیخ محمد معصوم کے اور وہ مرید ہیں اپنے پدر عالی قدر شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے۔

سید امام علی نے عہد طفولیت اور عنفوان شباب میں ہی ریاضتیں کرنی شروع کیں۔ آپ نے علوم ظاہری و باطنی میں بہت کوشش اور محنت کی۔ یوں آپ علوم حدیث و تفسیر اور اصول فقہ میں یکتائے زمانہ ہو گئے۔ آپ اپنے پیر روشن ضمیر کی توجہ سے کمالات صوری و معنوی تک پہنچے۔ جب حضرت شاہ حسین نے وفات پائی تو آپ سجادہ مشیخت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کو بہت قبولیت حاصل ہوئی۔ بوڑھے بچے، چھوٹے بڑے سب لوگ پیر دستگیر کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ چنانچہ ہزاروں بلکہ بے تعداد اور بے شمار طالبان حق کو آپ نے حق تک پہنچایا۔ دور دراز ممالک میں بھی آپ کے

خلفا جا پہنچے اور ہدایت خلق کا فریضہ سرانجام دینے لگے۔ جو شخص بھی دین یا عقبیٰ کا طالب بن کر آیا ہے' وہ خالی و محروم نہیں رہا۔ آپ کی ذات بابرکات بیماروں کی شفا اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی اور دردمندوں کی صحت یابی کے لیے اکسیر اعظم تھی۔ خطہ پنجاب میں' اس اخیر زمانہ میں' جبکہ اہل ہدایت و ارشاد حالت گمنامی میں ہیں' مشائخ عظام میں سے کسی نے بھی اتنی اہل حاجت کی حاجت روائی نہیں کی جتنی کہ آنجناب نے اس کار خیر میں دل و جان سے کی ہے۔

اس شہنشاہ کی خانقاہ میں بہت بڑا لنگر جاری ہے۔ ہزاروں مسکین اور مسافر' آپ کے لنگر سے دونوں وقت مفت کھانا کھاتے ہیں۔ آپ کی خانقاہ سے چھوٹے بڑے' درویش و مالدار ہر ایک کو دونوں وقت بلا تکلف یکساں کھانا دیا جاتا ہے۔ جن اور دیو و پری کے سایہ ختم کرنے میں آپ کی نظر میں بہت زیادہ تاثیر تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ امیر بخش نامی ایک شخص لاہور سے اپنی سایہ زدہ بیٹی کو آپ کے پاس لے گیا۔ فوراً اس کا جن جاتا رہا۔ لڑکی ہوش میں آگئی۔ حالانکہ حضرت نے ابھی دفع جن کے لیے کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ مفلسوں اور بے اولاد لوگوں کے حق میں آپ کی دعا قبول ہوتی تھی۔ آپ سے بہت سے خوارق و کرامت ظاہر ہوئے' جن کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔

مرزا محمد لاہوری فرماتے ہیں: ایک بار ایک جھوٹے فوجداری مقدمہ میں' میں لاہور کی عدالت میں ماخوذ تھا۔ میں دل سے آپ کی جانب متوجہ ہوا۔ آپ خواب میں تشریف لائے۔ تسلی دی' میں نے چند ہی دنوں بعد اس خواہ مخواہ کی مصیبت سے نجات پائی۔

ایک دفعہ ایک سنار لاہور سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ اس کا جو بھی بیٹا یا بیٹی پیدا ہوتا' آٹھ دنوں یا آٹھ ماہ

کے عرصے میں فوت ہو جاتا۔ اس نے عرض حال کی تو آپ نے ایک تعویذ عطا فرمایا اور رہنمائی کہ جب تیری منکوحہ حاملہ ہو تو اس کے گلے میں باندھ دینا اور بچہ پیدا ہونے کے بعد اسے بچہ کے گلے میں باندھ دینا۔ زرگر نے ایسا ہی کیا اور اس مصیبت سے رہائی پائی۔

آپ عشاء کی نماز کے بعد طالبان حق کا حلقہ قائم کرتے' متوجہ ہوتے۔ یوں سینکڑوں دل ذاکر ہو جاتے۔ آپ کی توجہ سے' ہزاروں طالبان راہ سکون نے سلوک کی منزلیں طے کیں اور مقامات طریقہ احمدیہ مجددیہ کی انتہاء و کمال تک جا پہنچے۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت' اقوال صحیح کے مطابق ۱۲۱۲ھ میں ہوئی۔

وفات: آپ کی جامع الکمالات ہستی نے ۱۳ ماہ شوال ۱۲۸۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر شریف ۷۰ سال تھی۔ آپ نے چالیس سال کی عمر تک' عبادت' ریاضت' چلہ نشینی اور زہد و ریاضت میں گزار دیے۔ اس کے بعد تیس سال تک اپنے پیر روشن ضمیر کے سجادہ پر قائم رہ کر مخلوق الٰہی کی رہنمائی میں مصروف رہے۔ آپ کی وفات کی کیفیت یوں ہے:

آپ بروز عید سعید مرض "وجع الفواد" میں مبتلا ہوئے اور پانچ شوال کو آپ نے اپنے سب مریدوں اور خلفاء کو جمع کیا اور "الوداع" کا لفظ زبان پر لائے۔ اپنے فرزند ارجمند سید صادق علی کو اپنا قائم مقام بنایا۔ آپ ۱۳ شوال بروز جمعرات بوقت شام اس دار فنا سے' دار البقا تشریف لے گئے اور جمعہ کے دن مدفون ہوئے۔

آپ کا مزار پرانوار موضع "رتر چھتر" میں زیارت گاہ اہل اللہ ہے۔ اس دور کے شعراء نے آنجناب کی بہت سی تاریخ ہائے وفات لکھی ہیں۔

چنانچہ مولانا ابو حسن نے آیت کریمہ "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" سے آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات از مولف

شیخ دین سید امام علی مقتداء مرشد خاص و عام
طرفہ تر صاحب خلافت شد سال تولید او ز دل الہام
۱۲۲۴ھ

"اعظم الاولیاء امام علی" گشت تاریخ رحلتش ارقام
باز گو سال رحلتش "سرور" "مہ لقا افضل الامام امام"
۱۲۸۲ھ

Maktabah Mujaddidiyah
www.maktabah.org

This book has been digitized by Maktabah Mujaddidiyah (www.maktabah.org).

Maktabah Mujaddidiyah does not hold the copyrights of this book. All the copyrights are held by the copyright holders, as mentioned in the book.

Digitized by Maktabah Mujaddidiyah, 2012

Files hosted at Internet Archive [www.archive.org]

We accept donations solely for the purpose of digitizing valuable and rare Islamic books and making them easily accessible through the Internet. If you like this cause and can afford to donate a little money, you can do so through Paypal. Send the money to ghaffari@maktabah.org, or go to the website and click the Donate link at the top.

جلد چہارم ـــــ مخزن پنجم (۵)

سلسلہ سہروردیہ

خزینۃ الاصفیاء

ایک ہزار سے زائد اکابر صوفیاء کرام کا اہم تذکرہ

تالیف لطیف

مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہ

ترتیب و ترجمہ

جناب محمد ظہیر الدین صاحب بھٹی

مکتبہ نبویہ

گنج بخش روڈ ○ لاہور

جلد چہارم ـــــ مخزن پنجم (۵)

سلسلہ سہروردیہ

نام کتاب	خزینۃ الاصفیاء
نام مولف	مفتی غلام سرور لاہوری رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۳۰۷ھ)
سال طباعت فارسی ایڈیشن	۱۲۹۰ھ
سال طباعت اردو ترجمہ	۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۴ء
مترجم	محمد ظہیر الدین بھٹی، ایم۔اے
کمپوزنگ	المدد کمپوزرز، راج گڑھ، لاہور
ناشر	مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور
طابع	نصرت پریس لاہور فون نمبر 7238807 - 7238701 - 7233910
قیمت مجلد	۵۰ روپے

فہرست اولیائے سلسلہ سہروردیہ

عرض مترجم	۸
سلسلہ سہروردیہ کا تعارف	۱۰
حضرت خواجہ ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۱
حضرت شیخ رویم رحمتہ اللہ علیہ	۱۲
حضرت شیخ علی رودباری رحمتہ اللہ علیہ	۱۳
حضرت شیخ ابو عبداللہ خفیف رحمتہ اللہ علیہ	۱۳
حضرت شیخ ابوعلی کاتب رحمتہ اللہ علیہ	۱۵
حضرت ابوالعباس احمد اسود دینوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۶
حضرت ابوالعباس نہاوندی رحمتہ اللہ علیہ	۱۶
حضرت شیخ عمویہ رحمتہ اللہ علیہ	۱۷
حضرت ابو عثمان مغربی رحمتہ اللہ علیہ	۱۷
حضرت ابوالقاسم گرگانی رحمتہ اللہ علیہ	۱۹
حضرت شیخ فرخ زنجانی رحمتہ اللہ علیہ	۲۱
حضرت شیخ ابوعلی فارمدی رحمتہ اللہ علیہ	۲۲
حضرت شیخ ابوبکر نساج رحمتہ اللہ علیہ	۲۳
حضرت شیخ احمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ	۲۴
حضرت عین القضات ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ	۲۵

حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب رحمتہ اللہ علیہ	۲۶
حضرت شیخ وجیہہ الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ	۲۷
حضرت شیخ عمار یاسر رحمتہ اللہ علیہ	۲۸
حضرت شیخ زور بہان کبیر مصری رحمتہ اللہ علیہ	۲۹
حضرت شیخ اسماعیل قصری رحمتہ اللہ علیہ	۲۹
حضرت شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر رحمتہ اللہ علیہ	۳۰
حضرت سید نور الدین مبارک رحمتہ اللہ علیہ	۳۶
حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ	۳۸
حضرت جمال خندان رو رحمتہ اللہ علیہ	۴۹
حضرت شیخ نجیب الدین علی رحمتہ اللہ علیہ	۵۰
حضرت شیخ صدر الدین بن عارف رحمتہ اللہ علیہ	۵۲
حضرت شیخ حسام الدین بدایونی رحمتہ اللہ علیہ	۵۷
حضرت شیخ فخرالدین عراقی رحمتہ اللہ علیہ	۵۸
حضرت شیخ حسن افغان رحمتہ اللہ علیہ	۶۰
حضرت سید جلال الدین نیمرج بخاری رحمتہ اللہ علیہ	۶۲
حضرت شیخ سعدی شیرازی شاعر رحمتہ اللہ علیہ	۶۷
حضرت شیخ محمد یمنی رحمتہ اللہ علیہ	۶۹
حضرت ظہیر الدین شیرازی رحمتہ اللہ علیہ	۷۳
حضرت خواجہ کرک سہروردی رحمتہ اللہ علیہ	۷۳
حضرت میر حسینی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ	۷۵
حضرت شیخ احمد معشوق ملتانی رحمتہ اللہ علیہ	۷۶
حضرت شیخ ضیاء الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ	۷۸

حضرت لال شہباز قلندر رحمتہ اللہ علیہ	۷۹
حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح سہروردی رحمتہ اللہ علیہ	۸۱
حضرت شیخ حمید الدین حاکم اویسی رحمتہ اللہ علیہ	۸۶
حضرت شیخ وجیہہ الدین عثمان رحمتہ اللہ علیہ	۹۰
حضرت شیخ صلاح الدین درویش رحمتہ اللہ علیہ	۹۲
حضرت شیخ علاء الدین ملتانی رحمتہ اللہ علیہ	۹۳
حضرت سید میرماہ سہروردی رحمتہ اللہ علیہ	۹۴
حضرت شیخ حاجی چراغ ہند رحمتہ اللہ علیہ	۹۵
حضرت میر سید جلال الحق والدین رحمتہ اللہ علیہ	۹۶
حضرت مخدوم اخی راج گیری رحمتہ اللہ علیہ	۱۰۵
حضرت سید علم الدین رحمتہ اللہ علیہ	۱۰۶
حضرت شیخ کبیر الدین اسماعیل رحمتہ اللہ علیہ	۱۰۷
حضرت سید صدر الدین رحمتہ اللہ علیہ	۱۰۹
حضرت شیخ سراج الدین رحمتہ اللہ علیہ	۱۱۳
حضرت سید ناصر الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہ	۱۱۴
حضرت سید برہان الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہ	۱۱۴
حضرت سید شاہ عالم رحمتہ اللہ علیہ	۱۱۶
حضرت شیخ عبداللطیف رحمتہ اللہ علیہ	۱۱۷
حضرت سید کبیر الدین حسن رحمتہ اللہ علیہ	۱۱۹
حضرت سید عبداللہ قریشی رحمتہ اللہ علیہ	۱۲۰
حضرت شیخ سماء الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ	۱۲۱
حضرت شیخ عبدالجلیل جوہر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۲۴

حضرت قاضی نجم الدین گجراتی رحمتہ اللہ علیہ	۱۲۷
حضرت سید عثمان بھولہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ	۱۲۹
حضرت شیخ علم الدین چونی وال رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۰
حضرت قاضی محمود گجراتی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۱
حضرت شیخ موسیٰ آہنگر لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۱
حضرت شیخ حاجی عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۵
حضرت شیخ عبداللہ بیابانی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۶
حضرت شیخ جمالی دہلوی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۷
حضرت شیخ ادہن دہلوی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۸
حضرت سید جمال الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ	۱۳۹
حضرت ملا فیروز مفتی کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۱۴۰
حضرت مخدوم سلطان شیخ حمزہ رحمتہ اللہ علیہ	۱۴۱
حضرت شیخ نوروز کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۱۴۲
حضرت بابا داؤد خاکی رحمتہ اللہ علیہ	۱۴۴
حضرت سید جھولن شاہ گھوڑے شاہ لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۴۵
حضرت سید شاہ محمد بخاری رحمتہ اللہ علیہ	۱۴۶
حضرت شیخ حسن کنجڑ لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۴۷
حضرت میراں شاہ موج دریا بخاری رحمتہ اللہ علیہ	۱۴۹
حضرت سید سلطان جلال الدین حیدر رحمتہ اللہ علیہ	۱۵۱
حضرت خواجہ مسعود پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ	۱۵۲
حضرت بابا روبی ریشی رحمتہ اللہ علیہ	۱۵۳
حضرت سید عمادی الملک رحمتہ اللہ علیہ	۱۵۳

حضرت شاہ ارزانی پشتوی رحمتہ اللہ علیہ	۱۵۴
حضرت بابا نصیب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ	۱۵۵
حضرت سید شہاب الدین نہرا رحمتہ اللہ علیہ	۱۵۷
حضرت سید عبدالرزاق مکی رحمتہ اللہ علیہ	۱۵۹
حضرت سید شاہ جمال لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۶۰
حضرت سید محمود المشہور شاہ نورنگ بخاری رحمتہ اللہ علیہ	۱۶۴
حضرت مولانا حیدر کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۱۶۵
حضرت شاہ دولا دریائی گجراتی رحمتہ اللہ علیہ	۱۶۶
حضرت شیخ جان محمد لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۶۹
حضرت شیخ محمد اسمٰعیل میاں کلاں لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۷۱
حضرت شیخ حسن لالو کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۱۷۷
حضرت شیخ بہرام کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۱۷۷
حضرت شیخ یعقوب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۱۷۹
حضرت شیخ سید زندہ علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۷۹
حضرت شیخ عبدالرحیم کشمیری رحمتہ اللہ علیہ	۱۸۰
حضرت شیخ جان محمد لاہوری رحمتہ اللہ علیہ	۱۸۱
حضرت شیخ حامد قادری رحمتہ اللہ علیہ	۱۸۳
حضرت شیخ کرم اللہ قریشی رحمتہ اللہ علیہ	۱۸۳
حضرت سکندر شاہ قریشی رحمتہ اللہ علیہ	۱۸۵
حضرت شیخ شاہ مراد قریشی رحمتہ اللہ علیہ	۱۸۶
حضرت شیخ قلندر شاہ قریشی رحمتہ اللہ علیہ	۱۸۷

سلسلہ سہروردیہ کا تعارف

مخزن پنجم میں خاندان عالی شان سہروردیہ کے حضرات والا درجات کے مناقب پیش کیے جا رہے ہیں۔ یاد رہے کہ اس خانوادۂ عالیہ سہروردیہ کی ابتداء سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی تھی۔ حضرت جنید بغدادی کے بعد اس سلسلے کو حضرت ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ نے سنبھالا اور بڑے بڑے صاحب کمال و جلال اور ارباب کرامات و خوارق اور اپنے زمانے کے برگزیدہ اور ستودہ صفات اولیاء اللہ پیدا ہوئے۔ ان بزرگوں کے خوارق و کرامات، ریاضت اور مشاہدات، عبادت و محبت خداوندی کا شہرہ تمام عالم اسلام میں پہنچا، خصوصاً مشائخ عراق و پنجاب اس سلسلہ عالیہ میں تربیت پاتے رہے۔ علم و حلم، زہد و تقویٰ ان لوگوں کا معمول تھا اور وہ ان اوصاف میں شہرۂ آفاق ہوئے۔ ان میں سے اکثر، حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء اعظم و مریدان کامل تھے جن کا ذکر ہم اگلے صفحات میں پیش کر رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مترجم

حضرت مفتی غلام سروری لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے امت اسلامیہ کے صلحاء کے تعارف و تذکرہ میں زیر نظر کتاب "خزینۃ الاصفیاء" لکھی۔ یہ سات مخزنوں پر مشتمل ہے۔ پاکستان کے سرکاری تعلیمی اداروں اور دینی اداروں میں اب فارسی زبان خصوصی توجہ کی مستحق نہیں رہی' اس لیے فارسی میں لکھی گئی اس یادگار تصنیف کو اردو کا جامہ پہنانا پڑا۔ مخزن اول و دوم کا ترجمہ پہلے ہی چھپ چکا ہے۔ چوتھے اور پانچویں مخزن کا اردو ترجمہ کرنے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی ہے۔ یہ دونوں مخزن بہ ترتیب سلسلہ عالیہ "نقشبندیہ" اور "سہروردیہ" کے بزرگوں کے احوال و تعارف پر مبنی ہیں۔

حضرت مفتی غلام سرور لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کا اسلوب تذکرہ قدیم انداز کا ہے۔ میں اگر چاہتا تو نئے عنوانات' سرخیوں' ذیلی سرخیوں وغیرہ سے اس کتاب کو نئے ڈھنگ میں مرتب کر دیتا مگر میں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔ میں نے انداز و ہیئت میں کسی قسم کی تبدیلی روا نہیں رکھی کیونکہ میرے اس اقدام سے گویا ایک نئی کتاب سامنے آتی یوں اصل کتاب کی عکاسی نہ ہوسکتی۔ حالانکہ ضرورت یہی تھی کہ ہم اپنے قدیم روحانی و ثقافتی ورثہ کو اپنی

اصل صورت میں بھی سامنے لائیں۔

میں نے محض ترجمہ کرنے پر اکتفا کیا ہے اور اس عمل میں بھی "ظاہری تصرف" اور "معنوی تحریف و تغیر" سے مکمل اجتناب کیا ہے۔ البتہ تکرار صفات اور کثرت مترادفات کے قدیم اسلوب نگارش کا سادہ الفاظ میں ترجمہ کر دیا ہے کیونکہ اب وہ انداز یکسر متروک ہو چکا ہے۔ مثلاً "کاشانہ فیض شبانہ" "سینہ بے کینہ" "پیر روشن ضمیر" اور "طریقہ عالیہ چشت اہل بہشت" وغیرہ۔

اس مادی دور میں جب "معیار زندگی" کو بلند کرنا ہی ہر کسی کا مطمع نظر بن چکا ہے' ان تارک الدنیا درویشوں اور صوفیاء کرام کے حالات زندگی' ان کے اخلاق و کردار اور ان کے طرز بود و ماند کے مطالعہ سے ہماری نئی نسل کے سامنے احترام انسانیت' انسانوں کو گناہوں سے بچانے کی جدوجہد' مادی و فانی دنیا کو محض ضرورت کی حد تک رکھنا' خدمت آدمیت' مساوات و رواداری' توکل علی اللہ' تعلیم و تربیت' سچائی' دیانت' شرافت' تزکیہ نفس اور سب سے بڑھ کر اپنے خالق و مالک کی رضا کا حصول ـــــ جیسی اعلیٰ معنوی اقدار آئیں گی۔ اگر ہم آج بھی سلف صالحین کی روش پر چلیں' ان قدروں اور اصولوں کو اپنائیں جن کی خاطر ہمارے بزرگوں نے اپنی زندگیاں صرف کر دی تھیں تو یقیناً ہمارا گناہ آلود' جنسی بے راہروی کا شکار' اخلاقی اقدار سے خالی' امن و آشتی سے بیگانہ معاشرہ بھی ایک مثالی صالح معاشرہ بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے سلف صالحین کے نقوش تابندہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد ظہیر الدین بھٹی

لاہور' یکم نومبر ۱۹۹۳

ممشاد دینوری قدس سرہ

معلوم ہونا چاہیے کہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی ابتداء بھی سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ کے بعد حضرت ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ تھے جو صاحب کمال و جلال اور باہمت و کرامت' یگانہ روزگار' صاحب خوارق و کرامت بزرگ تھے۔ آپ ریاضت و مشاہدات اور عبادت و محبت میں بے مثال تھے۔ آپ کا تعلق بھی بزرگان مشائخ عراق سے تھا۔ علم و حلم اور زہد و تقویٰ میں طاق اور شہرہ آفاق تھے۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کے کامل مرید اور عظیم خلیفہ تھے۔ آپ "دینور" میں رہتے تھے۔ یہ فرمیسین کے نزدیک حنبل کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔

ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ ہمیشہ خانقاہ کا دروازہ بند رکھتے تھے۔ جب کوئی مسافر آتا' دروازہ کھٹکھٹاتا' تو آپ پوچھتے کہ مسافر ہو یا مقیم' اگر قیام کرنا چاہتے ہو تو آجاؤ اور اگر مسافر ہو تو یہ سرائے نہیں ہے۔

خواجہ ممشاد نے ایک بار فرمایا: چالیس سال سے بہشت کو سجا کر میرے سامنے پیش کیا جا رہا ہے مگر میں ہوں کہ رغبت کی آنکھ سے اسے نہیں دیکھتا۔ تیس سال ہونے کو آئے ہیں کہ میں نے اپنا دل گم کر دیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ مجھے دل واپس کر دیا جائے۔

وفات: بقول صاحب سفینتہ الاولیاء وغیرہ شیخ ممشاد دینوری ۲۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

حضرت ممشاد دینوری ولی چوں ازیں عالم بہ جنت یافت جا
سال تر حیلش عیان شد از نبرد "زاہد آفاق محبوب اللہ"

۲۹۸ھ

شیخ ردیم قدس سرہ

آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ ابوبکر' ابوالحسین اور ابو شیبان بھی کہلاتے ہیں۔ آپ کے والد کا نام احمد بن یزید بن ردیم ہے۔ آپ بغدادی الاصل ہیں۔ عالم' فقیہ' علوم ظاہر و باطن کے ماہر تھے۔ آپ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید کامل اور شاگرد رشید تھے۔ ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت سے بھی بہت فائدہ اٹھایا۔ آپ داؤد اصفہانی کے مذہب پر تھے۔

شیخ ابو عبداللہ بن خفیف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ شیخ ردیم اپنے آپ کو سید الطائفہ جنید رحمتہ اللہ علیہ کا مرید اور شاگرد کہتے تھے لیکن ان سے بہتر تھے۔ اور میں ان کے ایک بال کو' سو جنید سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اور یہ کہ میری آنکھ نے ان سے بڑھ کر ساری عمر میں کسی کو بزرگ نہیں دیکھا اور ان سے بڑھ کر کسی نے بھی توحید میں کلام نہیں کیا۔

صاحب "نفحات الانس" فرماتے ہیں: شیخ ردیم نے اپنی آخری عمر میں اپنے آپ کو دنیا داروں سے پوشیدہ کر لیا' تاہم چھپے نہ رہے کیونکہ عشق اور مشک کو چھپایا نہیں جا سکتا۔

سید الطائفہ جنید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ ردیم' مشغول فارغ ہیں اور میں فارغ مشغول ہوں۔ یعنی احتشام باوجود دنیاوی احتشام و شوکت کے حق میں مشغول رہے اور یہ بات مشکل ہے کہ کوئی دولت مند ہوتے ہوئے مشغول بحق رہے۔

وفات: شیخ ردیم کی وفات' باقوال صحیح ۳۰۳ھ میں ہوئی۔

قطعہ

چون "ردیم" از دار دنیا رخت بست رفت از عالم بہ جنت جنتی

سال تر حیلش خرد فیروز گفت "پیر کامل خواند و ہم انور ولی"

۳۰۳ھ

شیخ علی رودباری قدس سرہ

آپ کا نام نامی احمد بن محمد بن قاسم بن منصور رودباری ہے۔ آپ کے آباء کرام کا نسب نوشیروان عادل تک جا پہنچتا ہے۔ آپ سید الطائفہ جنید کے خاص مرید ہیں۔ ممشاد دینوری کے فیض یافتہ ہیں۔ آپ حدیث کے حافظ' عالم' فقیہ اور ادیب تھے۔ امام اور سردار قوم تھے۔ آپ کے ماموں ابو عبداللہ رودباری ہیں۔

ایک بار سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی' جامع مسجد میں وعظ کر رہے تھے اور ایک شخص سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے۔ اسمع یا شیخ ابو علی! آپ مسجد کے سامنے سے گزر رہے تھے' سمجھا کہ شیخ مجھ سے مخاطب ہیں۔ وہیں کھڑے ہوگئے اور حضرت جنید کی باتیں سننے لگے۔ وعظ کا آپ کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ دل دنیا سے اچاٹ ہوگیا۔ جو کچھ پاس تھا وہ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ سید الطائفہ کے مرید ہوگئے اور کمالات ظاہری و باطنی پائے۔

وفات: حضرت علی رودباری نے ۳۳۲ھ میں داغ مفارقت دیا۔

قطعہ

علی چوں بلطف خدا و نبی ز دنیائے دون شد بخلد برین

بگو "محرم دل" بتاریخ سال علی پیر فرماؤ برہان دین

۳۳۲ھ ۳۳۲ھ ۳۳۲ھ

شیخ ابو عبداللہ خفیف قدس سرہ

آپ کا نام نامی اور اسم گرامی محمد بن خفیف شیرازی ہے۔ آپ بادشاہوں کے خاندان میں سے اور ان کی اولاد تھے۔ آپ کی والدہ نیشاپور

سے تھیں۔ آپ اپنے زمانہ کے قطب اور مقتدائے اہل طریقت تھے۔ ریاضت و مجاہدت میں بے مثل تھے۔ آپ شیخ احمد رویم کے مرید تھے۔ شیخ الاسلام اور امام الطریقت آپ کے القاب ہیں۔ آپ کو شیخ ابو طالب بغدادی' ابو الحسین مالکی' ابوالحسین فرین اور ابوالحسین دراج اور یوسف حسین رازی رحمتہ اللہ علیہم کی صحبتوں سے استفادہ کی سعادت ملی۔ دینی و دنیوی تعلیم میں کامل تھے۔ فقہ میں امام شافعی کے مذہب پر تھے۔ آپ کی تصوف میں کئی تصانیف ہیں۔ "سلسلہ خفیفہ" آپ کی طرف منسوب ہے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ایک بار اہل مصر نے مجھے بتایا کہ یہاں دو اولیاء اللہ ہیں : ایک جوان اور دوسرے بوڑھے۔ دونوں ہمیشہ مراقبہ میں رہتے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ دونوں رو بقبلہ بیٹھے ہیں۔ میں نے تین بار انہیں سلام کیا مگر انہوں نے جواب نہ دیا۔ میں نے کہا "تمہیں خدا کی قسم ہے' میرے سلام کا جواب دو"۔ جوان نے سر اٹھایا اور سلام کا جواب دیا اور کہا "اے ابن خفیف! دنیا حقیر اور تھوڑی ہے۔ اب بہت کم رہ گئی ہے مگر تم بے فکر اور فارغ ہو کہ ہمیں سلام کر رہے ہو"۔ یہ کہا اور سر جھکا لیا۔ اس وقت میں بھوکا اور پیاسا تھا۔ مجھے اپنے بھوکے اور پیاسے ہونے کی ہوش نہ رہی۔ میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔ میں نے وہیں رک کر عصر اور ظہر کی نماز پڑھی۔ بعد ازاں میں نے کہا "مجھے نصیحت کیجئے کہ کام آئے"۔ انہوں نے جواب دیا "ہم زبانی نصیحت نہیں کیا کرتے"۔ میں تین دن تک وہیں رہا۔ ان دنوں میں کھانا' پینا اور سونا موقوف رہا۔ رخصت ہوتے وقت میں نے دل میں کہا "انہیں کس چیز کی قسم دوں تاکہ وہ مجھے نصیحت کریں"۔ جوان زاہد' میری اس آرزو سے' نور کرامت کے ذریعے' مطلع ہو گئے اور کہا کہ "نصیحت یہ ہے کہ ایسے آدمی کی مجلس کرو کہ اس کے دیکھنے سے تمہیں اللہ کی یاد آئے۔ اس کی ہیبت تیرے

دل پر چھا جائے۔ وہ تجھے زبان حال سے نصیحت کرے نہ کہ زبان قال سے"۔

وفات: شیخ عبداللہ' بقول صاحب "نفحات الانس" ۳۳۱ھ میں فوت ہوئے۔ "تذکرۃ العاشقین" کی تحریر کے بموجب ۳۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی قبر "شیراز" میں ہے۔ آپ کی عمر ۹۵ برس تھی۔

قطعہ

قدر اعلیٰ مخلد علی یافت چون بہ جنت رسید عبداللہ
ہست "بحر الکمال" تاریخش ہم "ولی سعید عبداللہ"

۳۳۱ھ ۳۳۱ھ

شیخ ابو علی کاتب قدس سرہ

آپ اصل میں مصری تھے۔ شیخ ابو علی رودباری رحمتہ اللہ کے خلیفہ اور مرید ہیں۔ اکثر مشائخ عظام سے صحبتیں رہیں۔

آپ فرماتے تھے: جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتا ہوں اور اس مشکل کے حل کی درخواست کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے میری مشکلیں حل کر دیتا ہے۔

وفات: آپ کی وفات بقول صاحب "صفیتہ الاولیاء" و "نفحات الانس" ۳۴۶ھ میں ہوئی۔ صاحب "تذکرۃ العاشقین" نے ۳۵۶ھ تحریر کی ہے۔

قطعہ

علی چون رفت از دنیائے فانی بذات عین حق گردید موصول
"علی موسوم" تاریخش رقم کن دگر فرما "علی محبوب و مقبول"

۳۵۶ھ ۳۴۶ھ

ابوالعباس احمد اسود دینوری قدس سرہ

آپ کے والد کا نام محمد ہے۔ آپ دینور کے رہنے والے تھے۔ آپ دینور کے عظیم بزرگ اور علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ اپنے وقت کے مرشد کامل' عالم و فاضل' عابد' زاہد' متقی اور ہمیشہ روزہ رکھنے والے تھے۔ اہل دنیا کی صحبت سے متنفر تھے۔ ممشاد دینوری کے مرید تھے۔ ان کے علاوہ دیگر مشائخ سے بھی استفادہ کیا اور ان کی ہم نشینی کا شرف حاصل کیا۔

پہلے دینور سے نیشاپور آئے۔ کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے' پھر ترمذ آئے' وہاں سے سمرقند تشریف لے گئے' پھر وہیں رہے اور سینکڑوں طالبان ہدایت کو حق تک پہنچایا' بالآخر وہیں انتقال ہوا۔ آپ کا واقعہ وفات' بقول صاحب "نفحات الانس" ۳۴۰ھ میں ہوا۔ "سفینۃ الاولیاء" کی تحریر کے بموجب آپ نے ۳۶۷ھ میں وفات پائی۔ "تذکرۃ الاقطاب" کے بقول ۳۶۶ھ میں' اللہ کو پیارے ہوئے۔ میرے نزدیک ۳۶۷ھ میں آپ کی وفات درست ہے۔

قطعہ

احمد اسود چو از دنیا برفت — عقل سال نقل آن عالی مکان
گفت "احمد زاہد دینور گو" — باز "ہادی عابد دینور" خوان

۳۴۰ھ — ۳۶۶ھ

ابوالعباس نہاوندی قدس سرہ

آپ کا اسم گرامی احمد بن محمد بن محمد الفضل ہے۔ آپ نہاوند کے باشندہ ہیں۔ آپ شیخ عبداللہ بن خفیف کے مرید' جعفر خلدی کے شاگرد اور شیخ عمویہ کے شاگرد ہیں۔ آپ صاحب مقامات عالیہ تھے اور مظہر انوار جلیلہ تھے۔ شریعت و طریقت میں مضبوط و مستحکم تھے۔

ایک طالب اسلام' شیخ ابوالعباس قصاب کی خانقاہ میں گیا۔ شیخ نے اسے

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی 'سماع نہیں سنتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "شہاب الدین کو' ذوق سماع کے سوا' سب نعمتیں عطا کی گئی ہیں"۔

ایک بار شیخ اوحد الدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے پاس آئے۔ آپ نے نہایت عزت و توقیر کی۔ جب رات آئی تو شیخ اوحد الدین نے سماع کی درخواست کی۔ آپ نے قوال بلوا لیے' سماع کی جگہ تیار کروا دی۔ شیخ اوحد الدین کرمانی کو وہاں سماع میں مشغول کروانے کے بعد' خود ایک گوشہ میں چلے گئے اور تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے۔ صبح کے وقت' خانقاہ کا خادم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "مشائخ ساری رات سماع میں مصروف رہے ہیں' اب ان کے لیے کھانا تیار کرنا ہے"۔ شیخ نے فرمایا "مجھے بالکل نہیں معلوم ہو سکا کہ مشائخ ساری رات مشغول سماع رہے ہیں"۔ غرضیکہ شیخ ساری رات ذکر اور تلاوت قرآن مجید میں اس طرح مصروف رہے کہ آپ کے کان میں قوالوں کی آواز نہ پڑی۔

سلطان المشائخ نظام الدین بداونی قدس سرہ "فوائد الفواید" میں فرماتے ہیں کہ ایک حکیم فلسفی خلیفہ بغداد کے پاس آیا۔ اس کے پاس فلسفہ و حکمت کی کتابیں تھیں۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ خلیفہ کو راہ حق سے ہٹا دے۔ خلیفہ کا بھی اس کی طرف رجحان تھا۔ چنانچہ رات دن اس کے ساتھ مجلس کرتا اور اس سے ہمکلام رہتا۔ جب لوگوں نے یہ بات شیخ شہاب الدین سہروردی کو بتائی تو فرمایا "جتنا خلیفہ ان فلسفیوں کی طرف رجحان رکھے گا' اتنا ہی جہان پر کفر کی تاریکی چھائے گی"۔ یہ کہہ کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور خلیفہ کے محل کی طرف چل پڑے۔ اتفاق سے اس وقت وہ فلسفی بھی خلیفہ کے پاس حاضر تھا اور خلوت میں خلیفہ کے ساتھ بیٹھا فلسفیانہ بحث کر رہا تھا۔ دربانوں نے خلیفہ کو

حضرت شیخ کی آمد کی خبر بتائی۔ خلیفہ نے آپ کو اندر بلوالیا۔ آپ جب خلیفہ کے پاس پہنچے اور اس حکیم کو دیکھا تو آپ نے پوچھا "اس وقت کیا بحث و گفتگو ہو رہی تھی؟" خلیفہ نے فلسفہ کی باتوں کو چھپانے کی خاطر کہہ دیا کہ یونہی باہمی دلچسپی کے امور پر بات چیت ہو رہی تھی۔ شیخ نے فرمایا کہ میں اسی لیے آیا ہوں کہ دیکھوں کہ خلیفہ اور اس شخص کے مابین کیا گفتگو ہو رہی ہے؟ لہٰذا خلیفہ کو بتانا چاہیے کہ کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ جب شیخ نے اس بارے میں بہت زیادہ مبالغہ کیا تو فلسفی حکیم نے کہا "ہم اس وقت اس بات پر بحث کر رہے تھے کہ حرکت کی تین قسمیں ہیں: حرکت طبعی' حرکت ارادی اور حرکت قصری۔ طبعی حرکت وہ ہے کہ ایک چیز اپنی طبع سے حرکت کرے اور دوسری کوئی چیز اسے حرکت نہ دے۔ چنانچہ ہاتھ سے جو پتھر بلندی کی طرف پھینکا جاتا ہے وہ اپنی طبعی حرکت سے زمین پر گر پڑتا ہے۔ حرکت ارادی یہ ہے کہ کوئی چیز اپنے ارادہ سے جس طرف چاہے حرکت کرے اور حرکت قصری یہ ہے کہ اسے کوئی اور حرکت میں لائے۔ جیسے ہوا میں جو پتھر پھینکا جاتا ہے' اسے حرکت قصری کہتے ہیں۔ پھر جب اس پتھر کی حرکت کم ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے وہ زمین پر گرتا ہے اسے حرکت طبعی کہا جاتا ہے۔ اب ہم اس بات پر بحث کر رہے ہیں کہ حرکت فلکی بھی حرکت طبعی ہے جو خود بخود ہو رہی ہے' اسے کوئی اور حرکت میں نہیں لا رہا"۔

شیخ نے فرمایا: "یوں نہیں ہے بلکہ حرکت فلک' حرکت قصری ہے"۔ انہوں نے کہا "وہ کیسے؟" فرمایا "ایک فرشتہ اس صورت اور اس شکل کا ہے جو فلک کو اللہ کے فرمان سے پھراتا ہے' جیسا کہ حدیث نبوی میں آیا ہے"۔ حکیم ازراہ تمسخر ہنسا۔ شیخ اس کے ہنسنے پر برافروختہ ہوئے۔ خلیفہ اور حکیم کا ہاتھ پکڑ کر کھلے صحن میں لے آئے۔ آسمان کی طرف دیکھا اور کہا "یا اللہ! جو

کچھ تو اپنے خاص بندوں کو دکھاتا ہے' وہ ان دونوں کو بھی دکھا"۔ پھر آپ نے خلیفہ اور حکیم کی طرف دیکھا اور کہا "آسمان کی طرف دیکھو" دونوں نے حرکت فلکی کے ذمہ دار فرشتہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ فلک کو حرکت دے رہا ہے۔ جب انہوں نے یہ کرامت دیکھی تو اپنے باطل عقیدہ سے توبہ کر لی۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کو روزانہ بہت سی فتوحات ملتیں۔ جو کچھ آپ کو ہر روز ملتا' آپ درویشوں اور مستحقوں پر صرف کر دیتے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کا ایک ۳۳ سالہ صاحبزادہ شیخ عماد الدین قریب آیا۔ اسے کرامت پدری سے کچھ نہ ملا تھا یعنی وہ اپنے والد محترم کی مانند نہ تھا۔ اس نے خادم خانقاہ سے خزانہ کی کنجی مانگی تو خادم نے تامل کیا اور کہا کہ اب شیخ کے انتقال کا وقت ہے۔ آپ کا مجھ سے کنجی مانگنا غیر مناسب ہے۔ مگر وہ باز نہ آیا اور چابی لینے پر اصرار کیا۔ جب شور ہوا تو حضرت نے بھی سنا۔ خادم کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا "چابی اس کے حوالے کر دو"۔ بیٹے نے چابی لے لی۔ خزانہ کا دروازہ کھولا۔ وہاں چھ دینار سے زیادہ کچھ موجود نہ تھا۔ وہ بھی شیخ کی تجہیز و تکفین پر خرچ ہو گئے۔ چونکہ وہ محروم ازلی تھا' اس لیے اسے دنیا و عاقبت سے کچھ نہ ملا۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ ہر سال بغداد سے حج کے سفر پر جاتے اور کعبہ کا طواف کرنے کے بعد مدینہ پہنچ کر روضہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے۔ پھر واپس بغداد تشریف لاتے۔

آپ ۵۴۰ھ میں بقول صاحب "مخبر الواصلین" پیدا ہوئے۔ آپ کی وفات بالاتفاق ۶۳۳ھ میں ہوئی۔ ایک قول کے مطابق ۶۳۰ھ ہے۔ آپ کا مزار شریف بغداد میں ہے۔

مثنوی از مولف

مرشد اولیاء شہاب الدین اکمل الاتقیاء شہاب الدین
سال تولید آن شہ حق رس شد رقم "بادشاہ دین اقدس"
وصل او "متقی امام" آمد داند آنکس کہ ہمکلام آمد
۶۳۲ھ
عقل سال وصل او یقین گفت "قطب حسن شہاب الدین"
۶۳۲ھ

سید نور الدین مبارک غزنوی قدس سرہ

آپ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ ہیں۔ تکمیل اور خرقہ خلافت ملنے کے بعد دہلی آئے۔ چونکہ آپ اوصاف زہد و تقویٰ' دیانت و امانت سے موصوف تھے' اس لیے سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو شیخ الاسلام دہلی قرار دیا اور آپ "میر دہلی" کے نام سے مشہور ہوئے۔

کتاب "فواید الفوائد" میں سلطان المشائخ نظام الدین بداونی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بار دہلی شہر میں بارش نہ ہوئی تو دہلی کے باشندوں نے شیخ نظام الدین ابو المومید سے درخواست کی کہ بارش کے لیے دعا کیجئے۔ شیخ منبر پر آئے۔ دعا کی' پھر آسمان کی طرف دیکھ کر کہا "الٰہی! اگر بارش نہ برسائے گا تو پھر کوئی آبادی باقی نہ رہے گی"۔ یہ کہہ کر منبر سے نیچے اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت مینہ برسا دیا۔ آپ کے ایک دوست سید قطب الدین نے آپ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا "یہ بات دوست' دوست سے کہتا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ بارش آئے گی۔ مجھے یقین اس لیے تھا کہ ایک دفعہ مجھے سلطان شمس الدین کے سامنے' دیوان شاہی میں' بیٹھنے کی وجہ سے' سید

نور الدین مبارک غزنوی کے ساتھ کچھ تلخی ہو گئی تھی۔ میں نے کچھ ایسی بات کر دی تھی اور آپ کو میری اس بات کا رنج تھا۔ چنانچہ آج جب لوگوں نے مجھے بارش کے لیے دعا کرنے کے لیے کہا تو میں آپ کے مزار پر گیا اور عرض کی "اگر آپ میرے ساتھ صلح کریں اور اس دعا میں میرے ساتھ شریک ہوں تو میں (بارش کے لیے) دعا کروں"۔ آپ کی قبر سے آواز آئی کہ میں نے آپ کے ساتھ صلح کر لی ہے۔ جایئے' دعا کیجئے اور بارش ضرور آئے گی۔

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک بزرگ شیخ اجل شیرازی تھے۔ سید نور الدین مبارک نے بچپن میں آپ سے فیض پایا تھا۔ شیخ اجل کا کپڑے کا ایک سوداگر مرید تھا۔ ایک دن وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "میرے گھر میں ایک شیر خوار بیٹا ہے۔ اس کے لیے کچھ نعمت عطا فرمایئے"۔ آپ نے فرمایا "ٹھیک ہے' جب میں کل صبح کی نماز پڑھوں گا تو اپنے لڑکے کو لے آنا اور اسے میری دائیں طرف کھڑا کرنا"۔ اتفاق سے سید نور الدین مبارک کے والد بھی اس وقت وہاں تھے۔ جب انہوں نے شیخ اجل سے یہ بات سنی تو اپنے آپ سے کہا "میں بھی اپنے لڑکے کو لے آؤں گا"۔ جب صبح کی نماز کا وقت ہوا تو تاجر نے آنے میں دیر کی۔ ادھر سید نور الدین مبارک کے والد اٹھے اور اپنے لڑکے کو صبح کی نماز سے پہلے ہی مسجد لے گئے۔ نماز کے بعد شیخ کی دائیں طرف بچے کو بٹھا دیا۔ شیخ نے اس پر نظر کی اور اسے نعمت ولایت عطا کر دی۔ چنانچہ جتنی بھی آپ کو یہ سب برکت و نعمت ملی تھی' یہ شیخ اجل کی نظر برکت کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ آپ نے دوبارہ شیخ الشیوخ کی خدمت میں جا کر اپنی تکمیل کر لی تھی اور خرقہ خلافت حاصل کر لیا تھا۔

ایک دفعہ غزنی میں کافی عرصہ سے بارش نہ ہوئی۔ شہر کے لوگ شیخ اجل

شیرازی کے پاس گئے اور بارش کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی۔ شیخ گھر سے باہر آئے۔ ایک بھیڑ آپ کے پیچھے تھی۔ راستہ میں ایک باغ آیا۔ شیخ باغ میں چلے گئے۔ باغبان ایک درخت کے نیچے سویا ہوا تھا۔ شیخ نے اسے جگا کر کہا کہ درخت خشک ہو رہے ہیں' اٹھو اور درختوں کو پانی دو۔ اس نے جواب دیا "تجھے کیا؟ باغبان میں ہوں اور درخت میری ملکیت ہیں۔ پانی دینے کی ضرورت ہوگی تو میں پانی دے لوں گا"۔ شیخ نے فرمایا "تم اس بھیڑ کو کیوں نہیں روکتے جو میرے پیچھے لگے ہیں کیونکہ ہم بندے ہیں' زمین اللہ کی ہے' وہ جب چاہے گا بارش برسا دے گا"۔ آپ نے یہ فرمایا اور واپس چلے گئے۔ ابھی اپنی خانقاہ میں نہیں پہنچے تھے کہ باران رحمت شروع ہوگئی۔ شیخ اور سب لوگ بھیگ گئے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ باغبان کون ہے؟ جسے شیخ نے جگایا۔

وفات: شیخ نور الدین مبارک نے ۶۴۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مقبرہ دہلی میں ہے۔

قطعہ

رفت نور الدین چو از دار الفنا بر اوانش باب جنت گشت باز
ہست "نور الدین منور" رحلتش باز "نورالدین مبارک پاک باز"
۶۴۷ھ ۶۴۷ھ

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی القریشی الاسدی قدس سرہ

عظیم سہروردی مشائخ میں سے ایک ہیں۔ ہندوستان کے بہت بڑے ولی اللہ ہیں۔ صاحب کرامات تھے۔ آپ اعلیٰ مقامات و برکات سے مالا مال تھی۔ آپ کے جد بزرگوار کمال الدین علی شاہ قریشی' مکہ معظمہ سے خوارزم گئے اور وہاں سے ملتان رونق افروز ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے شیخ وجیہ الدین کمالات ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ ان کی مولانا حسام الدین ترمذی کی

صاحبزادی سے شادی ہوئی۔ مولانا کی قلعہ کوٹ کروڑ میں سکونت تھی۔ شیخ بہاء الدین زکریا' قلعہ کوٹ کرور میں ۵۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں' قرآن کریم کی سات قراتیں پڑھ لیں۔ اپنے والد وجیہ الدین کی وفات کے بعد خراسان کا سفر کیا۔ بخارا پہنچے' تحصیل علم میں مصروف ہوگئے' نیز بہت سے بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوئے' ان سے فیض لیا۔ پھر حرمین شریفین گئے۔ حج کعبہ کیا' زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ پانچ سال تک مدینہ منورہ میں رہے۔ کمال الدین یمنی محدث سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ وہاں سے بیت المقدس گئے۔ انبیاء کے مقابر کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ازاں بعد بغداد گئے اور اس علاقے کے مشائخ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ شیخ الشیوخ عمر شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کے مرید ہوگئے۔ ۱۸ دن کی مدت میں کمالات ولایت تک پہنچ گئے۔ اب آپ کو خرقہ خلافت کا انتظار تھا کہ کب ملتا ہے؟

ایک رات "واقعہ" میں دیکھا کہ ایک نورانی گھر میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ایک تخت پر تشریف فرما ہیں۔ مرشد شہاب الدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں طرف ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ اس گھر میں ایک طناب ہے جس پر کئی خرقے لٹکے ہیں۔ اسی دوران حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ بہاء الدین زکریا کو طلب فرمایا۔ شیخ الشیوخ نے اپنے دست ایزد پرست میں شیخ بہاء الدین کو پکڑا اور سامنے حاضر کردیا۔ حضرت خاتم النبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ شہاب الدین سے فرمایا کہ طناب پر پڑے ہوئے خرقوں میں سے ایک خرقہ اٹھالاؤ اور بہاء الدین کو پہنادو۔ شیخ الشیوخ نے خرقہ حاضر کردیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو' شیخ بہاء الدین کو پہنادیا۔

جب شیخ بہاء الدین نے یہ "واقعہ" دیکھا تو آپ صبح سویرے خرقہ ملنے کے لیے بے تاب امیدوار تھے۔ ادھر چاشت کے بعد' شیخ الشیوخ نے شیخ بہاء الدین کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ وہی گھر ہے' وہی طناب ہے اور وہی خرقے لٹکے ہیں جیسے کہ "واقعہ" میں دیکھے تھے۔ شیخ الشیوخ اس جگہ بیٹھے ہیں جہاں (رات کو واقعہ میں) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے۔ حضرت سہروردی نے جب شیخ بہاء الدین کو دیکھا تو خود اٹھے' اور وہی خرقہ جو رات کو خواب میں طناب سے اٹھایا تھا' اسے اٹھایا اور شیخ بہاء الدین کے کندھے پر رکھ دیا۔ پھر ارشاد ہوا۔

"اے بہاء الدین! ہمارے پاس یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خرقے ہیں۔ یہ جس کو ملتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ملتے ہیں۔ میں تو ایک درمیانی واسطہ سے زیادہ کچھ نہیں ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کسی کو نہیں دے سکتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کا حال تو' تو نے آج رات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے"۔

"فوائد الفوائد" میں سلطان المشائخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب شیخ الاسلام بہاء الدین کو اٹھارہ دنوں کے بعد' شیخ الشیوخ کی بارگاہ سے نعمت عظمیٰ اور خرقہ خلافت ملا تو خانقاہ کے دیگر شیوخ (جو کئی سالوں سے ریاضت و مجاہدہ میں مصروف تھے اور ابھی تک ارشاد خلافت کی نعمت سے مشرف نہیں ہوئے تھے) کو رشک آیا اور کہنے لگے کہ یہ ہندی چند دنوں میں شرف خلافت سے مشرف ہوگیا اور ایک ہم ہیں کہ کئی سالوں سے شیخ کی خدمت میں حاضر ہیں مگر اب تک محروم ہیں۔ شیخ الشیوخ' صفائی باطن سے' ان کے اس خیال سے مطلع ہوگئے۔ آپ نے فرمایا "دوستو! پریشان نہ ہو' بات یہ ہے کہ تمہارے پاس گیلی لکڑیاں تھیں۔ گیلے ایندھن میں آگ نے یکبار اثر نہ

کیا' بہاء الدین زکریا کے پاس خشک لکڑیاں تھیں' خشک ایندھن کو آگ نے فوراً پکڑ لیا' علاوہ بریں' **ذلک فضل اللہ یو تیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم**"۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ خرقہ خلافت پانے کے بعد ملتان کی جانب چل پڑے۔ مرشد سے رخصت لے کر' ملتان مین سکونت اختیار کی۔ طالبان حق' فوج در فوج' آپ کی خدمت بابرکت میں آنے لگے۔ ملتان کے بزرگوں کو اس پر حسد ہوا۔ اور کنایتاً" دودھ کا ایک پیالہ آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ پہلے ہی ملتان میں کافی بزرگ اور مشائخ عظام ہیں' جیسے کہ یہ پیالہ دودھ سے بھرا ہوا ہے' ایسے ہی ملتان اللہ کے ولیوں سے پر ہے۔ اب اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں۔ شیخ الاسلام بہاء الدین نے یہ مطلب اور کنایہ سمجھ لیا۔ اس پیالے پر گلاب کا پھول رکھا اور واپس بھیج دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس شہر میں میرا مقام وہی ہوگا جو دودھ کے اوپر گلاب کا ہے۔

جب سید جلال الدین شریف اللہ سرخ بخاری قدس سرہ بخارا سے شیخ الاسلام کی خدمت میں تشریف لائے۔ شیخ زکریا کی خانقاہ میں قیام کیا۔ ایک دن خانقاہ کے صحن میں بیٹھے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ ہوا نہایت گرم تھی۔ شیخ الاسلام حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں سید جلال الدین کو اپنے وطن کی سردی یاد آئی اور کہنے لگے "ہائے' بخارا کی سردی یہاں کہاں ملے گی؟" شیخ الاسلام نور باطن سے اس حال سے واقف ہوئے۔ حجرہ کے باہر تشریف لائے اور ایک خادم سے فرمایا "خانقاہ کے صحن کے پودے اٹھالو' جھاڑو لگاؤ کہ صحن خار و خس سے پاک ہو جائے"۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی۔ جب خانقاہ کا صحن خوب صاف ہوگیا تو آسمان پر بادلوں کا ٹکڑا نمودار ہوا۔ بجلی کڑکی اور بادل

گرجے اور خانقاہ کے صحن میں مرغی کے انڈے جتنے اولے برسنے لگے۔ چنانچہ پورا صحن ژالوں سے بھر گیا اور کمال یہ تھا کہ خانقاہ کے صحن کے سوا' شہر اور شہر سے باہر ایک اولہ بھی نہ پڑا تھا۔ سید جلال الدین اور دوسرے درویشوں نے تسلی سے اولے کھائے اور برتنوں میں محفوظ کر لیے۔ جب ظہر کی نماز کا وقت آیا' خانقاہ کی صفیں بچھائی گئیں۔ شیخ الاسلام حجرہ سے باہر آئے اور سید جلال الدین کو مسکرا کر فرمایا "یا سید بخارا کی سردی بہتر ہے یا ملتان کے اولے"۔ عرض کی "ملتان کے اولے بخارا سے ہزار درجہ بہتر ہیں"۔ سید جلال الدین اسی دن شیخ الاسلام کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ کئی سال آپ کی خدمت میں رہے۔ اپنی تکمیل کی اور رخصت لے کر اوچ کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے بھانجے فخر الدین عراقی ایک کامل' دانشمند اور بے بدل شاعر تھے۔ علوم ظاہری سے آراستہ تھے۔ پہلے شام کے شہر دمشق میں ایک عظیم مدرسہ بنوایا۔ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر اچانک ایک خوبصورت قلندر زادہ پر فریفتہ ہو گئے۔ سر اور ڈاڑھی منڈوا دی اور قلندر بن گئے۔ اپنے وطن کو چھوڑا اور قلندروں کے طائفہ کے ساتھ چل پڑے۔ عراق آئے' عراق سے ہمدان' وہاں سے خراسان اور وہاں سے ملتان پہنچے۔ شیخ الاسلام کی خانقاہ میں رات گزاری۔ شیخ الاسلام نے فخر الدین کو پہچان لیا اور کشش باطنی سے انہیں اپنے پاس بلا لیا اور اس مصیبت سے نجات دلا کر' ساری رات اپنے پاس رکھا۔ صبح سویرے جب قلندروں نے کوچ کیا تو فخر الدین کو ان کے جانے کا پتہ چل گیا۔ عشق کی آگ' ایک بار پھر اس کے سینہ میں بھڑکی۔ قلندروں کے پیچھے بھاگے۔ راستے میں زور کی آندھی آئی جس سے دن تاریک ہو گیا۔ فخر

الدین سارا دن اسی طرح پھرتے رہے' رات ہوئی تو اپنے آپ کو ملتان میں' خانقاہ شیخ الاسلام کے دروازہ پر پایا۔ شیخ نے انہیں اندر بلایا' بغل گیر ہوئے اور اس طرح توجہ دی کہ قلندر زادہ کا خیال' ان کے عاشقانہ دل سے' بالکل محو ہوگیا۔ اس کی جگہ عشق حقانی اور محبت ربانی نے لے لی۔ شیخ الاسلام نے انہیں اپنے خاص لباس سے نوازا' اپنا مرید کیا' ان کے لیے ایک حجرہ متعین فرما دیا تاکہ وہ لوگوں سے الگ رہ کر ذات حق میں مشغول رہیں۔ جب ان کا کام مکمل ہوگیا تو شیخ الاسلام نے اپنی دختر نیک اختر سے نکاح کر دیا۔ موصوفہ عفت و عصمت میں رابعہ وقت تھیں۔

شیخ الاسلام بہاء الدین رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مرید لاہور میں رہتا تھا۔ اسے شیخ زندہ دل سنجتانی کہتے تھے۔ عید کا دن تھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ عید گاہ گئے۔ نماز پڑھی' نماز کے بعد آسمان کی طرف رخ کیا اور کہا "اے اللہ! آج عید کا دن ہے' لوگ آج' اپنے دوستوں سے عیدی مانگ رہے ہیں' چونکہ میرا تیرے سوا کوئی دوست نہیں' اس لیے میں تجھ سے عیدی کی درخواست کرتا ہوں۔ مجھے اپنے خزانہ سے عیدی عطا فرما"۔

اسی وقت ایک ریشمی کاغذ کا ٹکڑا' سبز تحریر کے ساتھ' آسمان سے نیچے آیا اور آپ کے ہاتھوں میں آگیا۔ اس پر لکھا تھا "ہم نے آتش دوزخ' تیری ذات پر حرام کر دی' یہی تیری عیدی ہے"۔ شیخ کا ایک مرید بھی وہاں حاضر تھا۔ جب اس نے یہ کرامت دیکھی تو کہا "آپکو دوزخ کی آگ سے رہائی کہ یہ عیدی حق کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ آپ چونکہ میرے مرشد ہیں' اس لیے آپ بھی مجھے اپنی طرف سے عیدی عطا فرمائیے"۔ خواجہ مسکرائے اور دوزخ سے آزادی کا وہ پروانہ اسے عطا کیا اور فرمایا "میں نے تمہیں یہ عیدی کے طور پر دیا ہے' اب یہ تیری عیدی ہوگی۔ کل قیامت کے دن میں جانوں اور

دوزخ کی آگ۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا"۔

سلطان شمس الدین' پہلے سلطان قطب الدین کا غلام تھا۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے بادشاہی تخت کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ آپ کی دعا سے وہ غلامی کے حلقے سے نکل کر' بادشاہی کے مرتبہ تک پہنچا۔ سلطان قطب الدین نے اسے اپنا ولی عہد بنایا' خلعت سلطنت سے آراستہ کیا۔ چتر سرخ و سیاہ اور وہ خرگاہ خاص' جو اسے سلطان معزالدین سام سے ملی تھی' شمس الدین کو بخش دی۔ اسی طرح شجاعت و دلیری میں ممتاز ترک بھی اس کی کمان میں دیے۔ ان بہادر ترکوں میں سے ایک قباچہ بیگ تھا' جو تیز مزاج تھا۔ اسے شہر ملتان' اوچ اور سندھ کی حکومت پر مامور کیا اور دارالسلطنت دہلی سے الگ کیا۔ جب سلطان قطب الدین کا انتقال ہوگیا' سلطان شمس الدین بادشاہ بنا تو قباچہ بیگ کی حسد کی رگ پھڑکی۔ اس نے فساد کی آگ بھڑکانے کا فیصلہ کیا۔ اس مفسد کے فساد کی خبر شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا اور قاضی شرف الدین اصفہانی قاضی ملتان کو پہنچی۔ دونوں بزرگوں نے سلطان شمس الدین کے نام الگ الگ خط لکھے' جس میں قباچہ بیگ کی فساد انگیزی کی اطلاع لکھ کر دہلی روانہ کردی۔ اتفاق سے دونوں خطوط قباچہ بیگ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ پھر وہ خط قباچہ بیگ کو پیش کیے گئے' اس نے دیکھے تو بھڑک اٹھا۔ اس نے ملتان میں ایک مجلس منعقد کی۔ شیخ الاسلام اور قاضی شرف الدین کو بلوایا۔ دونوں خط باہر نکالے' پہلے قاضی کا خط' قاضی صاحب کے حوالے کیا۔ قاضی صاحب نے جب اپنا خط دیکھا تو سمجھ گئے کہ قضا کی تلوار ان کے سر پر پڑنے والی ہے۔ قباچہ بیگ نے جلاد کو حکم دیا کہ پلک جھپکنے میں ان کی گردن اڑا دے۔ پھر شیخ بہاء الدین کا خط' آپ کے حوالے کیا۔ آپ نے اپنا خط دیکھا تو فرمایا "ہاں یہ میرا خط ہے اور جو کچھ میں نے اس

میں لکھا ہے' حق کے اشارے سے حق لکھا ہے اور درست لکھا ہے۔ چونکہ حق کے اشارے سے حق لکھا ہے لہٰذا تو خود کیا کر سکتا ہے؟" قباچہ نے یہ سنا تو شیخ کی کرامت کے رعب سے لرز گیا۔ سر جھکا لیا' خاموش رہا اور معذرت کرنے کے بعد دربار سے رخصت کیا۔

عبداللہ قوال بغداد سے اجودھن حضرت گنج شکر کی خدمت میں آیا اور کچھ عرصہ حاضر خدمت رہا۔ اس کے بعد ملتان جانے کا ارادہ کیا۔ شیخ سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی "ملتان کا راجہ نہایت پر خوف ہے۔ دعا فرمایئے کہ سلامتی سے پہنچ جاؤں"۔ آپ نے فرمایا "فلاں جگہ تک جہاں حوض ہے' مجھ سے متعلق ہے اور اس کے بعد شیخ الاسلام بہاء الدین کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے"۔ عبداللہ قوال چل پڑا۔ حوض تک ٹھیک پہنچ گیا' آگے چلا تو ڈاکو آ گئے اور اسے لوٹنے کا ارادہ کیا۔ عبداللہ کو حضرت شیخ فرید الملت والدین کا قول یاد آ گیا۔ چنانچہ بلند آواز سے کہا "یا شیخ بہاء الدین! میں شیخ فرید الدین کی سرحد تک سلامتی سے پہنچ گیا۔ اب آپ کی پناہ میں ہوں"۔ فوراً ایک سوار نمودار ہوا۔ اس سوار نے ڈاکوؤں کو راستہ سے ہٹا دیا۔ عبداللہ صحیح و سالم ملتان پہنچ گیا۔ ایک دن عبداللہ قوال سرخ مونیہ کی گلیم پہنے شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا "سرخ لباس شیطان کا پہناوا ہے۔ یہ نہیں پہننا چاہیے"۔ قوال لوگ چونکہ گستاخ' منہ پھٹ اور زبان دراز ہوتے ہیں' اس لیے اس عبداللہ قوال نے بھی گستاخی کرتے ہوئے کہا "آپ کے پاس تو لامحدود خزانے ہیں' آپ کا ان خزانوں پر قبضہ ہے' ادھر تو آپ کی نظر نہیں جاتی اور میری اس پرانی گدڑی پر آپ طعنہ فرماتے ہیں جو ایک "تنکہ" سے بھی کم قیمت کی ہے"۔ یہ سن کر شیخ بھانپ گئے کہ اس نے دائرۂ ادب سے باہر پاؤں رکھا ہے۔ آپ غصہ ہوئے' فرمایا: "عبداللہ! ہوش کر۔ ادب سے باہر نہ

نکلو۔ حق انسان نہ بھولو۔ یاد کرو کہ فلاں دن حوض کے قریب جب ڈاکوؤں نے تجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور تو نے باواز بلند مجھے یاد کیا تھا تو میں تیری فریاد کو پہنچا تھا اور تجھے ڈاکوؤں سے بچایا تھا"۔

عبداللہ نے یہ سنا تو بہت شرمندہ ہوا اور گستاخی کی معافی چاہی۔

شیخ صدر الدین کوفی سے منقول ہے کہ میں مولانا نجم الدین کے پاس تفسیر کشاف' عمدہ اور ایجاز پڑھتا تھا۔ ایک دن شیخ الاسلام نے مجھ سے پوچھا "کیا پڑھتے ہو؟" عرض کی "تفسیر کشاف' عمدہ اور ایجاز"۔ فرمایا "کشاف اور ایجاز کو آگ لگاؤ اور عمدہ میں مشغول رہو"۔ میں نے بعد میں یہ بات مولانا نجم الدین کو بتائی تو ان کی طبیعت پر یہ بات سخت گراں گزری۔ رات ہوئی تو میں نے تینوں کتابیں مولانا نجم الدین کے سامنے چراغ کی روشنی میں دیکھیں۔ فارغ ہوا تو تینوں کتابیں اوپر نیچے رکھ دیں' چنانچہ ایجاز و کشاف نیچے تھیں اور عمدہ اوپر تھی۔ میں سو گیا۔ چراغ سے شعلہ بھڑکا جس سے ایجاز اور کشاف جل گئیں اور "عمدہ" اوپر ہونے کے باوجود محفوظ رہی۔ میں جاگا تو دونوں کتابوں کو جلا پایا۔

خواجہ کمال الدین مسعود شیرازی' شیخ الاسلام کے مرید تھے۔ آپ بیش قیمت جواہرات کی تجارت کرتے تھے۔ ایک دفعہ "جزیرہ جرونی" سے "عدن" جانے کے سفر پر بحری جہاز میں تھے۔ ان کے پاس بہت سے بیش بہا جواہرات تھے۔ دوسرے سوداگروں کے پاس بھی قیمتی سامان تھا۔ جہاز جب نصف راہ میں پہنچا تو مخالف ہوا چلی۔ جہاز گرداب میں آگیا۔ مسافروں نے اپنی جان سے ہاتھ دھو لیے اور تضرع و زاری کرنے لگے۔ اس وقت خواجہ کمال الدین نے فریاد کی اور کہا "یا مخدومی بہاء الدین زکریا' امداد کا وقت ہے"۔ امداد کے لیے پکارنے کے ساتھ ہی ایسا ہوا کہ شیخ الاسلام بذات خود کشتی میں

یوں نمودار ہوئے کہ سب کشتی والوں نے آپ کی زیارت کرلی اور آپ کی آمد کی برکت سے طوفانی ہوا رک گئی۔ کشتی طوفان اور گرداب سے نکل گئی اور صحیح رخ پر چل پڑی۔ اس وقت سب اہل کشتی نے اپنے ذمے یہ لیا کہ وہ اپنے مال کا تیسرا حصہ شیخ الاسلام کی نذر کریں گے۔ چنانچہ عدن پہنچے تو شیخ کمال نے آدھا مال اور تمام کشتی والوں نے تیسرا حصہ مال الگ کیا اور شیخ فخرالدین گیلانی کے ہاتھ آپ کی خدمت میں ملتان بھیج دیا۔ ان شیخ فخرالدین گیلانی نے حضرت شیخ الاسلام کو اب تک دیکھا نہ تھا' سوائے اس وقت کے جب آپ امداد کے لیے کشتی پر تشریف لائے تھے۔ جب مال لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فوراً حضرت کو پہچان لیا۔ آپ کے قدموں پر سر رکھا اور سات لاکھ تنکہ سرخ خدمت عالی میں پیش کیا۔ شیخ نے اسے قبول فرمایا اور اسی دن اللہ کے راستے میں خرچ کر ڈالا۔ جب فخرالدین گیلانی نے یہ سخاوت و کرامت دیکھی تو اپنے سارے مال سے دستبردار ہوگئے۔ حضرت کے مرید بن گئے۔ پانچ سال تک آپ کے پاس رہے اور اپنی تکمیل کی۔ حضرت کی رحلت کے بعد کعبہ کا سفر کیا۔ جدہ پہنچ کر سفر آخرت کے لیے روانہ ہوگئے۔ آپ کا روضہ مبارک جدہ میں ہے۔

شیخ الاسلام نے رمضان المبارک کی ایک رات میں اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ ہمارے وہ کون سے دوست ہیں جو دو رکعت نماز پڑھیں اور ہر ایک رکعت میں ختم قرآن شریف کریں۔ کوئی بھی اس کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس وقت آپ خود آگے بڑھے اور پہلی رکعت میں قرآن مجید ختم کیا۔ پھر دوسری رکعت میں قرآن مجید پورا پڑھا بلکہ چار سیپارے مزید پڑھ ڈالے۔

شیخ بہاء الدین سہروردی سے منقول ہے کہ شیخ الاسلام کی عادت تھی کہ نماز تہجد ادا کرنے کے بعد سے' فجر کی سنت تک' قرآن مجید ختم کرلیتے تھے اور

ختم کے بعد نماز فجر ادا فرماتے۔

ایک دن حضرت شیخ الاسلام اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ اچانک سر اٹھایا اور کہا "اناللہ وانا الیہ راجعون○ شیخ سعد الدین حمویہ' اسی وقت دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ وہ یکتائی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے"۔ اس کے بعد آپ اٹھے اور تصور جنازہ میں' نماز جنازہ ادا فرمائی۔

شیخ الاسلام کے والد اور دادا کے مزارات بھی ملتان میں "پیران تتری" کے مزارات میں موجود ہیں۔ نیز اسی مقام میں آپ کے نبیرہ شیخ رکن الدین ابوالفتح کی والدہ بی بی راستی کا مزار پر انوار واقع ہے۔ شیخ لاسلام کے دادا کے مزار کے سینہ کی جگہ سے ایک درخت پیدا ہوا تھا۔ اس درخت کے ہر پتہ پر "اللہ" کا اسم مبارک لکھا ہوا تھا۔ ایک طویل مدت تک مخلوق خدا نے اس درخت سے بے شمار فائدے اٹھائے۔ بیمار اور مجنون اگر اس درخت کے پتے کھالیتا' شفا پاتا۔ آخر ایک دن ایک شخص حالت ناپاکی (جنابت) میں درخت کے قریب پہنچا۔ پتے توڑے' کھائے' اسی دن درخت خشک ہو گیا اور پھر اس پر پتے نہ آئے۔

ایک دن شیخ الاسلام اپنے خاص حجرہ میں مشغول تھے۔ آپ کے صاحبزادہ شیخ صدر الدین عارف' حجرہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے۔ اچانک ایک شخص ظاہر ہوا اور ایک سربمہر خط آپ کے سپرد کیا اور کہا "یہ مہروالاخط' اپنے مخدوم تک پہنچا دیجئے"۔ شیخ صدر الدین نے خط لیا' پتہ پڑھا تو حیران اور پریشان ہو گئے۔ اسی وقت اپنے پدر بزرگوار کے حجرہ میں گئے۔ حضرت کے دست مبارک میں خط دیا۔ حجرہ سے باہر قدم رکھا تو نامہ بر غائب تھا۔ ادھر شیخ الاسلام نے جب خط دیکھا اور پڑھا تو "اللہ" کہا اور اسی وقت جان' جان آفرین کے حوالہ کی۔ اس وقت آپ کے حجرہ کے چاروں کونوں سے آواز

آئی کہ "دوست' دوست سے مل گیا"۔ شیخ صدر الدین نے جب یہ آواز سنی' واپس حجرہ میں گئے تو دیکھا کہ شیخ الاسلام کی روح پرواز کر چکی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات : حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین نے بقول صاحب "اخبار الاولیاء" و "معارج الولایت" اور "مخبر الواصلین" ۶۶۶ھ میں وفات پائی۔ جبکہ صاحب "اخبار سہروردیہ" نے ۵۷۸ھ میں آپ کی ولادت اور ۶۶۱ھ میں آپ کی وفات تحریر کی ہے۔ واللہ اعلم۔

قطعہ

چو از دنیائے فانی شد بفردوس برین آخر — شہ دین دوستدار حق بہاء الدین زکریا
چو سرور جست تاریخ وصالش از دل پر غم — خرد فرمود "یاد حق بہاء الدین زکریا"

شیخ جمال خندان روقدس سرہ

آپ شیخ صدر الدین عارف بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے عظیم خلفاء میں سے ہیں۔ صاحب "معارج الولایت" فرماتے ہیں:

"شیخ بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے پہلے' اپنے صاحبزادے شیخ صدر الدین کو شیخ جمال کے بارے میں وصیت فرمائی تھی کہ اوچ میں ایک صاحب استعداد درویش ہے۔ ابھی تک اس نے کسی درویش سے اپنا تعلق نہیں جوڑا۔ اس کا ہمارے سلسلہ میں مکمل حصہ ہے۔ اگرچہ وہ مجھ تک نہیں پہنچا تاہم میرے کوچ کے بعد' اس کا تمہارے ساتھ تعلق ہوگا' اب وہ جذبہ حق میں مجذوب ہے' جب تمہارے پاس پہنچے تو تم پہلے دن اسے

اپنے پاس نہ آنے دینا۔ چالیس دن تک خلوت میں بٹھا کر تلاوت قرآن کا حکم دینا تاکہ وہ "جذب" کے غلبہ سے "شعور و افاقہ" کی کیفیت میں آجائے۔ اس کے بعد مرید کرنا اور کمال تک پہنچانا۔ حضرت شیخ الشیوخ سہروردی کے خرقہ کے ماسوا جتنے بھی تبرکات ہم سے تمہیں پہنچے ہیں' آدھے اسے دے دینا اور کہنا: نصف لی و نصف لک"۔ چنانچہ حضرت شیخ بہاء الدین کی وفات کے بعد ایسے ہی ہوا۔

وفات: شیخ جمال نے ۶۷۶ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چون جمال از جہاں بہ جنت رفت — یافت با وصل حق کمال وصال
سال وصلش چو "سرور" از دل جست — "شد عیان آفتاب حسن و جمال"

شیخ نجیب الدین علی برغش شیرازی قدس سرہ

آپ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے عظیم خلفاء میں سے ہیں۔ آپ عالم' عارف اور سرچشمہ حقائق و معارف تھے۔ آپ کے والد بہت بڑے تاجر اور مالدار شخص تھے۔ شام سے شیراز آئے' وہیں شادی کی' گھر بسایا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے سامنے کھانا لائے اور اکٹھے کھایا۔ پھر آپ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک بیٹا عطا کرے گا جو نجیب و صالح ہوگا۔ تم اس کا نام علی رکھنا۔ چنانچہ والدین نے آپ کا نام علی رکھا اور نجیب الدین کا لقب دیا۔ بالغ ہوئے تو آپ ایک جید عالم بنے۔ آپ کو فقیروں سے محبت تھی۔ آپ کے والد جتنے بھی عمدہ لباس آپ کے لیے بنواتے' آپ نہ پہنتے۔ اچھے اچھے کھانے پکواتے' مگر آپ نہ کھاتے۔ آپ فرمایا کرتے "میں یہ عورتوں کے کپڑے نہیں پہنوں گا اور نازک مزاجوں والے کھانے نہیں کھاؤں گا"۔ آپ گاڑھے کپڑے پہنتے اور

روکھی سوکھی روٹی کھاتے۔ رات کو اکیلے سوتے۔ ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ شیخ کبیر کے روضہ سے ایک پیر باہر آئے' ان کے پیچھے چھ پیر اور آئے۔ پہلے پیر مسکرائے' آپ کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے پیروں کے حوالے کر دیا اور کہا "یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ہاتھ میں امانت ہے"۔

آپ جاگے تو اپنا خواب' والد کو سنایا۔ انہوں نے کہا "اس خواب کی تعبیر شیخ ابراہیم مجذوب کے سوا کوئی نہیں کر سکتا"۔ چنانچہ ایک شخص شیخ ابراہیم مجذوب کی طرف بھیجا گیا۔ انہوں نے کہا "یہ خواب نجیب الدین علی کا ہی ہو سکتا ہے۔ پہلے پیر شیخ کبیر ہیں اور دوسرے پیر وہ ہیں جنہوں نے یہ سلسلہ آپ سے لیا ہے۔ اور چاہیے کہ دوسرے پیر زندہ ہوں اور نجیب الدین علی ان سے فیض حاصل کریں۔ اب جستجو شرط ہے تاکہ اپنا پیر مل سکے"۔

نجیب الدین نے یہ تعبیر سنی تو اپنے والد سے اجازت لی' اپنے پیر روشن ضمیر کو تلاش کرنے کے لیے حجاز کا عزم کیا۔ بغداد پہنچے تو شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو پہچان لیا اور سمجھ گئے کہ یہی وہ شخص ہیں جن کے ہاتھ میں میرا ہاتھ شیخ کبیر نے دیا تھا۔ شیخ الشیوخ نے بھی آپ کو دیکھا تو خواب کی ساری کیفیت بتلا دی' مرید کر لیا اور چند ہی سالوں میں کمال تک پہنچا دیا۔ خرقہ خلافت عطا کرنے کے بعد' شیراز بھیجا۔ آپ نے شیراز پہنچ کر شادی کی۔ ایک خانقاہ بنائی۔ اب آپ کا کام طالبان حق کی رہنمائی تھا۔

وفات: اس جامع الکرامات ہستی نے ۶۷۸ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار بغداد میں ہے۔

قطعہ

چون علی از جہان بجنت رفت سال تر حیل آن علی ولی
ہست قطب ولایت عالیجاہ ہم بدان شمع حق محب علی

شیخ صدر الدین عارف بن شیخ الاسلام
بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ

آپ خواجہ بہاء الدین زکریا کے صاحبزادہ، خلیفہ اعظم اور ان کے سجادہ نشین ہیں۔ والد کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ علوم ظاہری و باطنی اور کمالات صوری و معنوی کے جامع تھے۔ سخاوت، شجاعت، حلم اور نیک اخلاق میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ اپنے دور کے قطب تھے۔ مقتدائے زمانہ تھے۔

حضرت شیخ بہاء الدین ملتانی کے سات صاحبزادے تھے: اول شیخ صدر الدین عارف، دوم شیخ برہان الدین، سوم شیخ ضیاء الدین، چہارم شیخ علاء الدین، پنجم شیخ شہاب الدین، ششم شیخ قدوۃ الدین، ہفتم شیخ شمس الدین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت کی وفات کے بعد جب آپ کا ترکہ، شرعی طور پر تقسیم کیا گیا تو شیخ صدر الدین عارف کو ستر لاکھ تنکہ سرخ نقد ملا۔ اس کے ساتھ برتن، کپڑے، مکان وغیرہ الگ تھے۔ جس دن آپ کا ان چیزوں پر قبضہ ہوا، اسی دن سارا مال اللہ کے راستے میں، اللہ کے بندوں میں بانٹ دیا اور ایک درہم و دینار بھی اپنے پاس نہ رکھا، سوائے اپنے اور اہل و عیال کے پہنے ہوئے کپڑوں کے، باقی تمام نقد و جنس سے دستبردار ہو گئے۔ ایک شخص نے اس وقت عرض کی "آپ کے والد بزرگوار نے اس قدر روپیہ اور جنس جمع کی کہ خزانے بھر دیے، وہ اللہ کے راستے میں بھی صرف کرتے تھے۔ ایک آپ ہیں کہ والد کی میراث سے ملنے والے اتنے بڑے سرمائے کو ایک ہی دن میں برباد کر دیا۔ آپ نے ایک خرمہرہ بھی اپنے پاس نہیں رہنے دیا۔ آپ نے اچھا نہیں کیا؟"۔

یہ بات سن کر شیخ ہنسے' فرمایا: "میرے والد گرامی دنیا پر غالب تھے۔ دنیا ان کو دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔ میں ابھی تک اس مقام پر نہیں پہنچا۔ اگرچہ میں کبھی کبھی دنیا پر غالب آجاتا ہوں' تاہم ڈرتا ہوں کہ کہیں دنیا مجھ پر غالب نہ آجائے اور مجھے یاد مولیٰ سے نہ ہٹا دے۔ اس لیے میں نے دنیا کو اپنے سے الگ کر دیا ہے تاکہ میں تسلی دل سے' اللہ کی یاد میں مصروف رہوں۔ باقی میرے بھائی' اپنے والد کے خزانے کے لیے کافی ہیں۔ اگر ساتواں حصہ نہیں رہا تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا"۔

مخفی نہ رہے کہ احقر غلام سرور' راقم السطور بھی' قطب الاقطاب بہاء الدین زکریا ملتانی کی کمترین اولاد میں سے ہے۔ میرے آبائے کرام کی نسبت چند واسطوں سے شیخ شہاب الدین تک جا پہنچتی ہے جو حضرت کے پانچویں بیٹے تھے۔ مولوی مخدوم المشہور میاں کلان (وڈے میاں) بن شیخ جمعو نبن شیخ قطب الدین بن شیخ شہاب الدین نے دارالامان شہر ملتان سے لاہور کی سمت سفر کیا اور پھر لاہور میں قیام فرمایا۔ اب تک حضرت مخدوم کی اولاد میں سے کئی لوگ (جیسے میرے چچا مفتی غلام رسول' میرے بھائی حافظ غلام احمد اور یہ فقیر سراپا تقصیر) اپنی اولاد اور بیٹوں کے ساتھ' لاہور کے محلہ کوٹلی مفتیاں میں (جو ان کا قدیم مسکن ہے) موجود ہیں۔ واللہ الباقی والکل فانی۔

ایک روز شیخ صدر الملت والدین' دریا کے کنارے وضو کر رہے تھے۔ آپ کے سات سالہ بیٹے شیخ رکن الدین ابوالفتح بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اچانک صحرا کی طرف سے ہرنوں کا ایک گلہ نمودار ہوا۔ ان میں ایک ہرنی کا بہت خوبصورت بچہ تھا۔ شیخ رکن الدین کی طبیعت اس بچہ کی طرف مائل ہو گئی۔ اسے پکڑنا چاہا مگر اپنے والد کی ڈانٹ کے ڈر سے ہمت نہ کی۔ جب شیخ وضو سے فارغ ہو کر دریا کے کنارے بیٹھے' رکن الدین کو بھی اپنے پاس بٹھالیا

اور قرآن شریف سکھانے لگے۔ حضرت کی ہر روز کی عادت تھی کہ اپنے صاحبزادے کو دریا کے کنارے لے جاتے اور قرآن شریف کا ایک سیپارہ چار مرتبہ حفظ کراتے۔ اس روز آپ نے آٹھ بار پڑھوایا مگر حفظ نہ ہوا۔ شیخ نے صورت حال پوچھی تو حاضرین نے عرض کی کہ آج ایک ہرنی کا بچہ دوسری ہرنیوں کے ساتھ اس راستہ سے گزرا ہے۔ برخوردار' دیر تک' اس کی طرف متوجہ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ کی توجہ مبارک ابھی تک ادھر ہی ہو۔ شیخ نے اب اپنے فرزند دل بند سے فرمایا "بابا بتاؤ کہ ہرن کس طرف کو گئے ہیں؟" عرض کی "دریا سے مغرب کی جانب گئے ہیں۔ میں نے انہیں جاتے دیکھا ہے۔ ان کے ساتھ ایک خوبصورت بچہ تھا"۔ حضرت شیخ زمانی نے توجہ فرمائی۔ اس کے بعد سر اٹھایا تو لوگوں نے دیکھا کہ ہرنی اپنے بچے کے ساتھ صحرا کی طرف سے دوڑتی چلی آ رہی ہے۔ وہ شیخ کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ شیخ رکن الدین نے بچے کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ اب ان کے دل نے تسلی پائی۔ اب انہوں نے اسی دن کلام اللہ کے دو سیپارے حفظ کیے۔ بچہ اور ہرنی دونوں کو اپنے ساتھ خانقاہ لے گئے۔

صاحب تاریخ فرشتہ فرماتے ہیں: سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے بیٹے محمد شاہ کو ملتان کی حکومت سونپی۔ ملتان' اوچ اور سندھ کا سارا علاقہ اسے بطور جاگیر عطا کر دیا۔ محمد شاہ نے ملتان میں آ کر حکومت کرنی شروع کر دی۔ اس کی بیگم' سلطان رکن الدین بن سلطان شمس الدین التمش کی صاحبزادی تھی۔ وہ حسن و جمال میں اپنے زمانے میں بے مثال تھی۔ ایک دن محمد شاہ شراب کے نشہ میں سرشار تھا' میاں بیوی میں تکرار ہوئی تو اس نے تین طلاقیں دے کر اسے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ جب نشہ اترا تو وہ اپنے کیے پر پچھتایا۔ بیوی کی علیحدگی پر اس کے لیے کھانا پینا اور سونا حرام ہو گیا۔ اس لیے

کہ اس کی یہ بیوی حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ اس نے قاضی اور علماء کو فتویٰ کے لیے بلایا۔ سب نے باتفاق فتویٰ دیا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ کی بیوی کا کسی اور سے نکاح ہو' اس کے ساتھ خلوت واقع ہو' پھر وہ شخص اپنی مرضی سے اپنی بیوی کو طلاق دے۔ اس عمل سے گزرے بغیر آپ کا مطلقہ سے نکاح ثانی اور ہم بستری ممکن نہیں۔

قاضی ملتان قاضی اثیر الدین نے جب اس لاعلاج مرض کا کوئی علاج نہ دیکھا تو بادشاہ زادہ کی خدمت میں عرض کی کہ شیخ صدر الدین زہد و تقویٰ و امانت میں یگانہ روزگار ہیں۔ اگر حکم ہو تو ہم خفیہ طور پر آپ کی مطلقہ کا ان سے نکاح کر دیں' پھر ان سے طلاق لے کر' انہیں جدا کر دیں تاکہ وہ آپ کے لیے حلال ہو جائیں۔ محمد شاہ نے طوعاً و کرہاً یہ بات منظور کی۔ قاضی اثیر الدین نے اس عفیفہ کا لوگوں کے علم میں لائے بغیر شیخ سے نکاح کر دیا اور منکوحہ حضرت کے سپرد کر دی۔ اگلے روز آپ کو زحمت دی کہ طلاق دے دیں۔ جب اس پاکدامن عورت کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ شیخ کے قدموں پر گر پڑی' منت سماجت کی اور عرض کی "خدا کے لیے اب مجھے اس ظالم کے حوالے نہ کرنا۔ اب میں چونکہ آپ کی کنیز بن چکی ہوں' لہٰذا اب مجھے منظور نہیں کہ میں اس کا ناپاک منہ دیکھوں"۔ ادھر حضرت کو بھی اس پاکدامن سے جدائی پسند نہ تھی' اس لیے آپ نے اسے چھوڑنا گوارا نہ کیا اور طلاق دینے سے مکمل انکار کر دیا۔ قاضی اثیر الدین' یہ بات سن کر' محمد شاہ کی سزا سے اس قدر ڈرے کہ قریب تھا کہ ان کی روح پرواز کر جاتی۔ مجبوراً محمد شاہ تک پہنچے۔ پہلے تو اس بہانے بادشاہ نے قاضی صاحب کو قتل کرنا چاہا' پھر سوچا کہ قاضی کا خون بہانا ناحق ہے' اس لیے کہ عورت شیخ صدر الدین کے پاس ہے' اس کا علاج کرنا چاہیے۔ اس نے فوج کے افسروں کو بلایا اور حکم دیا کہ صبح

سویرے دس ہزار مسلح سوار دارالریاست کے صدر دروازے پر حاضر ہوں۔ اب اس نے قسم اٹھائی کہ جب تک صدر الدین کے خون سے تلوار رنگین نہیں کرے گا' کھائے گا نہ پیئے گا۔ اس وجہ سے ملتان میں قیامت سی برپا ہونے لگی مگر شیخ تھے کہ اپنے فیصلہ پر قائم تھے۔ آپ کے دل پر ذرا برابر رعب و خوف نہ تھا۔ اچانک رات کو اطلاع ملی بیس ہزار سوار جرار خونخوار مغل کفار' کابل و قندھار کے راستے سے' ملتان فتح کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ محمد شاہ نے منادی کر دی کہ علی الصبح تمام سپاہ و رعایا شہر' تیار ہو کر' میرے ہمراہ چلیں تاکہ دشمن کو مار بھگایا جائے۔ پہلے ہم دشمن کا صفایا کریں گے' بعد میں شیخ کا کام تمام کریں گے۔

اگلے دن جب چاشت کا وقت ہوا' دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی۔ ظہر کی نماز کے وقت تک دونوں فوجیں باہم لڑائی کرتی رہیں۔ آخر مغلوں کی صفیں متفرق ہوئیں' شکست کھائی۔ محمد شاہ کے لشکر نے ان کا تعاقب شروع کیا اور ان کو مارنے اور لوٹنے لگا۔ اس افراتفری میں محمد شاہ کے پاس صرف پانچ سو آدمی رہ گئے۔ محمد شاہ انہیں ساتھ لیے ایک حوض پر اترا۔ نماز میں مشغول ہوا۔ اسی اثناء میں ایک مغل کمانڈر نے (جو دو ہزار سواروں کے ساتھ ایک کمین گاہ میں چھپا تھا) محمد شاہ پر حملہ کر دیا۔ محمد شاہ تو نماز ادا کر رہا تھا۔ محمد شاہ نے نماز سے فارغ ہو کر' اسی معمولی مقدار کی سپاہ کے ساتھ ان سے لڑائی شروع کر دی۔ آخر' فرار ہونے کے لیے تیار ہوا مگر اب بھاگنا ممکن نہ تھا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ ادھر مغل لشکر بھی گرمی کی تاب نہ لا سکا کہ اب ملتان فتح کر سکے۔ آخر ان لوگوں نے اپنے وطن کی طرف لوٹنا مناسب سمجھا۔ محمد شاہ کی شہادت کے بعد وہ عفیفہ' اطمینان سے شیخ کے گھر میں رہی۔

وفات: شیخ صدر الدین نے بقول صاحب "تواریخ فرشتہ" و "معارج الولایت" ۲۳ ذی الحجہ ۶۸۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پر انوار' ملتان میں' اپنے والد بزرگوار کے مزار کے ساتھ ہے۔

قطعہ

شیخ صدر الدین ولی دو جہان — شد چو از دنیا بجنت جانشین
"اہل رحمت" سال وصلش شد رقم — ہم "امین الدین ولی العارفین"
۶۸۴ھ — ۶۸۴ھ

شیخ حسام الدین بداولی قدس سرہ

آپ شیخ صدر الدین کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ کو "شیخ قاضی جمال" بھی کہا جاتا تھا۔ ایک دن آپ شیخ بہاء الدین کے روضہ مقدسہ کی زیارت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ وہاں آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر شیخ صدر الدین' اس روضہ کے اندر مجھے بھی قبر کے لیے جگہ عطا فرمادیں تو کتنا اچھا ہو۔ شیخ صدر الدین نے نور باطن سے آپ کے قلبی خیال پر مطلع ہو کر فرمایا "آپ کو یہاں زمین دینے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلاۃ نے تمہارے لیے مقبرہ کے لیے بداؤن کے نواح میں زمین پاک تجویز فرمائی ہے لہٰذا تمہاری قبر وہاں پر ہوگی۔ آخر شیخ حسام الدین وہیں تشریف لے گئے۔ ایک رات خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ بیٹھ کر وضو فرما رہے ہیں۔ صبح ہوئی تو سویرے ہی ننگے پاؤں' وہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ فی الحقیقت زمین گیلی ہے۔ وہاں نشان لگادیا۔ اپنے خادموں سے فرمایا کہ مجھے انتقال کے بعد یہاں پر دفن کرنا۔

وفات: آپ نے ۶۸۷ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

رفت از دنیا بفردوس برین　　چوں حسام الدین شہ وار زمان
رحلتش "بدر تمام" آمد دکر　　"نیر اکبر حسام الدین نجوان"
۶۸۷ھ　　۶۸۷ھ

شیخ فخرالدین عراقی قدس سرہ

آپ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے عظیم خلیفہ ہیں۔ آپ کا شمار مشہور ترین متقدمین شعراء میں ہوتا ہے۔ "کتاب لمعات" اور "دیوان عراقی" آپ کی مشہور ترین کتابیں ہیں۔ اصل میں آپ "ہمدان" کے نواح کے رہنے والے تھے۔ آپ رشتہ میں شیخ الشیوخ شہاب الدین کے بھانجے تھے۔

بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا۔ بہت اچھا پڑھاتے تھے۔ چنانچہ تمام اہل ہمدان آپ کی آواز پر شیفتہ تھے۔ آپ نے تھوڑی عمر میں ہی علوم کی تحصیل مکمل کرلی۔ آپ سترہ سال کی عمر میں "ہمدان" میں درس دینے لگے۔ آخر ایک قلندر لڑکے کے عشق میں ملتان آپہنچے۔ یہاں شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین کی فرزندی و عزت سے سرفراز ہوئے اور آپ کے مرید ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ہم شیخ الاسلام کے تذکرہ میں اس کی تفصیل بتا چکے ہیں۔ شیخ الاسلام کی صاحبزادی کے بطن سے ان کے ایک بیٹے کبیرالدین محمد پیدا ہوئے۔

فخرالدین بیس سال تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہے' خرقہ خلافت پایا۔ شیخ الاسلام کی رحلت کے بعد' خانقاہ کے درویش آپ کے خلاف ہوگئے۔ انہوں نے حاکم وقت سے شکایت کی کہ اس شخص کی عجیب حالت ہے۔ یہ ہمیشہ شعر گوئی میں لگا رہتا ہے۔ خوبصورت لوگوں کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ فخرالدین حاسدوں کے ہاتھوں تنگ آگئے اور ملتان سے' حجاز کا ارادہ کیا۔ حج کیا' روضہ مقدسہ کی زیارت کی پھر روم گئے' وہاں شیخ صدرالدین رومی کی صحبت حاصل کی۔ ان سے نعمتیں ملیں۔ آپ نے "کتاب لمعات" تصنیف کی۔ جب کتاب

مکمل ہوگئی تو آپ نے شیخ صدر الدین کی خدمت میں پیش کی۔ شیخ نے اسے پسند فرمایا اور شاباش دی۔

امرائے روم میں سے ایک امیر معین الدین آپ کا مرید ہوگیا۔ اس معتقد نے آپ کے لیے ایک خانقاہ بنوائی۔ وہ ہر روز آپ کے پاس آیا کرتا تھا۔ ایک دن معین الدین آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ حسن نامی ایک سادہ رو قوال' جو حسن و محبوبی اور لحن داؤدی میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا' معین الدین کے پاس تھا۔ شیخ اسے چاہتے تھے اور اپنے پاس رکھتے تھے۔ حاسدوں نے مخالفت کی اور شیخ کے خلاف کئی باتیں بنائیں۔ چونکہ آپ پاکباز تھے' اس لیے آپ کو کچھ غم نہ تھا۔ آخر معین الدین نے وفات پائی۔ شیخ نے روم سے مصر کا قصد کیا۔ وہاں مصر کا بادشاہ بھی آپ کا مرید اور معتقد ہوگیا اور آپ کو مصر کا شیخ الشیوخ بنا دیا۔ آپ چند سال مصر میں رہے۔ اس کے بعد شام کا رخ کیا۔ سلطان مصر نے شام کے ملک الامراء کو لکھ بھیجا کہ جملہ علماء و اکابر اور مشائخ کے ساتھ آپ کا استقبال کریں۔ چنانچہ سب لوگ استقبال کے لیے آئے۔ ملک الامراء کا ایک خوبصورت بیٹا تھا۔ شیخ نے جب اس کا چہرہ دیکھا تو بے اختیار' سر اس کے قدموں پر رکھ دیا۔ لڑکے نے بھی حضرت کے قدموں پر سر رکھا۔ ملک الامراء نے بھی اپنے بیٹے کا ساتھ دیا۔ اس وجہ سے اہل دمشق شیخ کی طرف سے کچھ منکر ہوگئے مگر بولنے کی ہمت نہ تھی۔ چھ ماہ بعد آپ کے بڑے صاحبزادے کبیر الدین ملتان سے دمشق آئے۔ آپ ایک عرصہ تک اپنے بیٹے کے ساتھ رہے۔ بعد میں شیخ بیمار ہوئے۔ روز وفات آپ نے اپنے بیٹے کو مریدوں سمیت اپنے قریب بلوایا۔ سب کو الوداع کیا۔ ۸ ذی قعدہ ۶۸۸ھ میں دنیا سے کوچ فرمایا۔ شیخ محی الدین ابن العربی کے مزار کے پیچھے دفن ہوئے۔

شیخ کبیر الدین خلف فخر الدین بھی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کے نانا زندہ تھے' اس لیے دمشق میں ان کے پاس پہنچے۔ وہیں سکونت اختیار کی اور ۷۰۰ھ میں وہیں انتقال کیا۔

قطعہ تاریخ وفات شیخ فخر الدین از مولف

عراقی چون ز دنیا رخت بر بست — بامل دہر گفت ھذا فراقی
تاریخ وصالش "محترم گو" — دگر "سلطان ولی عالی عراقی"
۶۸۸ھ — ۶۸۸ھ

قطعہ تاریخ وفات شیخ کبیر الدین بن فخر الدین قدس سرہ

چون کبیر الدین کبیر الاولیاء — رفت از دنیا بحق در زہد عشق
سال تر حیلش چو جستم از خرد — گشت "روشن از خرد نور دمشق"
۷۰۰ھ

شیخ حسن افغان قدس سرہ

آپ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید کامل اور مقبول خلیفہ تھے۔ زہد و عبادت سے ذوق و شوق اور عشق و محبت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ تاہم آپ علوم ظاہری میں بالکل ناخواندہ تھے۔ مگر علوم باطنی میں یوں معلوم ہوتا تھا گویا تمام لوح محفوظ آپ کے سینہ پر لکھ دی گئی ہے۔ لوگ آپ کا امتحان لینے کے لیے ایک کاغذ پر تین سطریں لکھتے۔ ایک سطر میں قرآن کی آیت' دوسری سطر میں حدیث اور ایک سطر میں قول مشائخ۔ یہ کاغذ آپ کے سامنے رکھا جاتا کہ بتائیے ان سطر میں کیا لکھا ہے؟ آپ ایک سطر پر ہاتھ رکھتے اور کہتے یہ قرآن کی آیت ہے۔ پھر حدیث والی سطر پر ہاتھ رکھ کر کہتے یہ حدیث ہے' اسی طرح قول مشائخ پر انگلی رکھ دیتے۔ لوگ حیران ہو کر پوچھتے کہ آپ تو امی محض ہیں' آپ کو یہ کیسے پتہ چلا؟ آپ فرماتے: "میری پہچان کا سبب یہ ہے کہ

میں دیکھتا ہوں ایک سطر سے نور نکل کر لامکان تک محیط ہو گیا ہے' تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ قرآن شریف کی آیت ہے۔ ایک سطر سے نور نکل کر ساتویں آسمان تک پہنچ رہا ہے تو یہ حدیث ہے۔ قول مشائخ والی سطر سے نور نکل کر زمین سے آسمان تک پھیل جاتا ہے"۔

شیخ بہاء الدین زکریا اکثر آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: "جب روز حشر و نشر اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ اے زکریا! ہمارے حضور کیا تحفہ لائے ہو؟ میں عرض کروں گا: آپ کے حضور حسن افغان کی مشغولی و عبادت لایا ہوں"۔

جب حسن افغان' ملتان سے دہلی تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے راستے میں دیکھا کہ سرراہ ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ بڑے بڑے علماء وہاں موجود ہیں۔ قبلہ کے درست ہونے کے بارے میں باہم جھگڑ رہے ہیں۔ کچھ لوگ دائیں بائیں طرف اور کچھ حضرات ذرا بائیں جانب نشاندہی کر رہے ہیں۔ آپ بھی وہاں کچھ دیر کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا "جس طرف میرا منہ ہے' اسی طرف محراب کی بنیاد رکھو"۔ کچھ علماء نے آپ کی بات نہ مانی اور فضول اعتراض کیے۔ آخر حسن نے انگشت شہادت سے قبلہ کی طرف منہ کیا اور فرمایا "اگر میرے قول پر اعتماد نہیں ہے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ قبلہ کس طرف ہے"۔ جب لوگوں نے دیکھا تو ظاہری آنکھ سے کعبتہ اللہ کی زیارت کر لی۔ آپ کے معتقد ہوئے اور آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

ایک روز حسن افغان نے مسجد میں نماز باجماعت ادا کی۔ امام کے دل میں بڑے بڑے خیالات گزرے تھے' جنہیں آپ نے باطن کی صفائی کے صدقے بھانپ لیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے امام کا ہاتھ پکڑا' مسجد کے

ایک کونے میں لے گئے اور کہا "جناب! آپ اس نماز میں امام تھے۔ آپ دہلی سے ہندوستان گئے' وہاں سے چادریں خریدیں' انہیں ملتان لائے' وہاں سے عرب گئے' وہاں چادریں بیچیں' بہت سا نفع اٹھایا۔ ادھر بے چارہ حسن آپ کے پیچھے ہاتھ باندھے ننگے پاؤں پھرتا رہا۔ آپ پوری نماز میں یوں ہی سرگرداں و حیران رہے۔ میں ایسی نماز کو کیسی نماز کہوں؟ کہ دل کام میں رہا اور جسم خدا کے حضور رہا"۔

غرض کہ حسن افغان سے کئی خوارق اور بہت سے کشف و کرامت ظہور پذیر ہوئے جن کی تفصیل کتب سیر میں مفصلاً موجود ہے۔

وفات: آپ ۶۸۹ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار ملتان میں آپ کے مرشد گرامی کے روضہ کے نیچے بلند تر جگہ پر واقع ہے۔

قطعہ

چوں حسن از جہاں بہ جنت رفت سال تر حیل آن شہ والا
حسن متقی طیب گو "عاشق زندہ دل حسن فرما"
۶۸۹ھ ۶۸۹ھ

سید جلال الدین منیر شاہ میر سرخ بخاری قدس سرہ

آپ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے عظیم خلیفہ ہیں۔ صحیح النسب بخاری سید تھے۔ ہندوستان میں آپ کا سلسلہ نسب صحیح النسب بخاری سادات میں سے ایک شخصیت سے جاملتا ہے۔ آنجناب کا نسب مبارک ۹ واسطوں سے امام محمد نقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ اس طرح کہ حضرت سید جلال الدین میر سرخ بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام ذوالاکرم محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سید علی اصغر آپ کے جد ہفتم کے دو بیٹے تھے۔ ایک سید عبداللہ' دوسرے سید اسماعیل۔ یہ دونوں بزرگ اور سید عبداللہ کے سب اجداد بخاری سادات ہیں۔ سید اسماعیل' پہاکری سادات کے جد اعلیٰ ہیں' چنانچہ سادات بخاری اور سادات پہاکری انہی دو بزرگوں کی اولاد ہیں۔ سید جلال الدین کا لقب شیر شاہ تھا۔ آپ کے بہت سے خطاب تھے' جیسے میر سرخ' شریف اللہ' ابوالبرکات' ابو احمد' میر بزرگ مخدوم اعظم' جلال اکبر' عظیم اللہ۔ آپ کی والدہ' سلطان محمود بادشاہ توران کی صاحبزادی تھیں۔

صاحب مظہر جلالی' مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی کے ملفوظات سے نقل کرتے ہیں کہ سید جلال الدین بخاری' مادر زاد ولی تھے۔ ایک دن آپ نابالغی کی عمر میں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اسی حالت میں شہر سے باہر آئے۔ شہر کے باہر بہت سے لوگ ایک میت کی نماز جنازہ ادا کر رہے تھے--- آپ ان کے پاس آئے' پوچھا "یہ جو چارپائی پر ہے' اسے کیا ہوا؟" عرض کیا "فلاں آدمی مرگیا ہے اور یہ بھیڑ اس کا جنازہ پڑھنے کے لیے ہے"۔ پوچھا "نماز کے بعد کیا کریں گے؟" وہ بولے "زمین میں دفن کردیں گے"۔ جب یہ سنا تو حضرت سید کانپ اٹھے۔ "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا' مردہ کے سرہانے گئے اور فرمایا "قم باذن اللہ" وہ فوراً زندہ ہوگیا۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا اور چل پڑا۔ وہ شخص مزید چالیس سال زندہ رہا۔ جب یہ خبر آپ کے والد سید ابوالموید کو پہنچی تو آپ نے اس کرامت کے ظہور پر انہیں ملامت کی اور کہا "آئندہ اس قسم کی حرکات کا مرتکب نہ ہونا کہ اس سے شریعت غرا میں رخنہ پیدا ہوتا ہے"۔ عرض کی "اگر آپ کی ممانعت نہ ہوتی تو بخارا میں کوئی شخص نہ مرتا اور اگر مرتا تو زندہ ہو جاتا"۔

"مظہر جلالی" سے منقول ہے کہ جب سید جلال الدین نے بخارا سے سفر کا

ارادہ کیا تو پہلے نجف اشرف تشریف لے گئے۔ حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی مرقد سے فیوض باطنی حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ وہاں سے شام گئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقبرہ کے تابوت کے مجاور رہے۔ وہاں سے واپس مدینہ آئے۔ مدینہ منورہ کے سادات کرام نے آپ کے سید ہونے کا انکار کیا اور صحیح النسب سید ہونے کی سند طلب کی۔ بہت جھگڑا ہوا۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ اس سلسلہ میں سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پرانوار پر جا کر استفسار کیا جائے' چنانچہ سید جلال الدین' سادات عظام مدینہ کے ساتھ روضہ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ آپ نے عرض کی "السلام علیک یا والدی"۔ روضہ کے اندر سے آواز آئی "یا ولدی قرۃ عینی و سراج کل امتی انت منی و عن اہل بیتی"۔ یہ آواز سن کر تمام سادات نے آپ کی شرافت کی گواہی دی۔ آپ کی بے حد تعظیم و توقیر کی۔

اس کے بعد آپ مکہ آئے۔ حج کیا۔ اب آپ دنیا کی سیر کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ہزاروں لوگوں کو ہادی حقیقی سے ملایا۔ جھنگ سیالوں کے شہر میں' جو پنجاب میں مشہور و معروف ہے' فروکش ہوئے۔

صاحب مظہر جلالی فرماتے ہیں: ایک دن سید جلال الدین بخاری اپنے حجرہ شریف میں' تشریف فرما تھے۔ حجرہ کا دروازہ بھی بند تھا مگر حجرہ کے اندر سے ذکر نفی و اثبات کی آواز آ رہی تھی جسے حاضرین مسجد سن رہے تھے۔ حاضرین نے آپ کے خلیفہ شیخ عارف سے پوچھا "یا حضرت! حضرت سید کی عدم موجودگی کے باوجود حجرہ کے اندر وہ کون ہے جس کی آواز ہم سن رہے ہیں؟" فرمایا "یہ حضرت سید کا کاسہ آبنوشی ہے جو ہمیشہ ذاکر رہتا ہے"۔

شیخ جمال الدین محدث اوچی کے ملفوظ میں تحریر ہے: ایک درویش' تعلق

نام، قوم افغان تھا۔ اسے ظاہری و باطنی تصرف حاصل تھا۔ وہ ملک سندھ سے خطہ اوچ میں آیا۔ راستے میں وہ جس درویش کو دیکھتا، اس کی ولایت سلب کر لیتا۔ اوچ آیا تو اس نے ایک خادم کو حضرت سید جلال الدین اعظم کو بلانے کے لیے بھیجا۔ خادم جب مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت سید حجرہ میں مشغول بحق ہیں۔ رعب و دہشت اس قدر تھا کہ وہ آپ کے حال کا مکلف نہ ہو سکا۔ واپس شیخ تغلق کے پاس گیا اور حالت بیان کی۔ وہ شیخ خود سوار ہو کر، مسجد کے دروازہ پر آیا۔ اس نے تصرف کرنا چاہا مگر ایسا نہ کر سکا۔ آخر بول اٹھا "یہ سید کامل و اکمل ہے مگر افسوس کہ شادی شدہ ہے، اس کی بہت سی اولاد ہوگی، حتیٰ کہ ایک عالم اس کی اولاد سے بھر جائے گا۔ ان میں بہت سے گنہگار اور سیہ کار بھی ہوں گے۔ اگر یہ شادی شدہ نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا"۔ اچانک یہ آواز سید کے کان تک بھی جا پہنچی۔ حضرت جلال کی آتش جلال جوش میں آگئی۔ بے اختیار حجرہ سے باہر آئے، اس درویش کو نظر جلال سے دیکھا، فوراً اس کی فطرت میں آگ ڈال دی۔ وہ جل گیا اور اسی وقت جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ جب اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اسے قبول نہ کیا اور باہر ڈال دیا۔ غرضیکہ سات دن تک اس سوختہ آتش جلال کی نعش، قبر کے باہر پڑی رہی۔ جب یہ حالت ہو گئی تو شیخ جمال الدین نے اس درویش کے بارے میں شفاعت کی اور آنحضرت کے حسب الارشاد اسے زمین میں دفن کر دیا گیا۔

صاحب "اخبار الاخبار" فرماتے ہیں: جب سید جلال الدین سرخ بخاری، بھکر شہر میں تشریف لے گئے تو آپ نے سید بدر الدین پہاکری کی صاحبزادی سے نکاح کرنا چاہا۔ اس بارے میں سلسلہ جنبانی کی، تو ان حضرات نے آپ سے شرافت و سیادت کی سند طلب کی۔ فرمایا "آج رات ثابت ہو جائے گا"۔ چنانچہ اسی رات سید بدر الدین نے شاہ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیت کو خواب

میں دیکھا کہ فرماتے ہیں:

"بیٹا! جلال الدین بخاری ہمارے بیٹوں میں سے ہے۔ اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کردو اور اس بارے میں شک نہ کرو"۔ چنانچہ سید بدر الدین نے اپنی صاحبزادی' آپ کے نکاح میں دے دی۔ حضرت سید کچھ عرصہ وہاں رہے' آخر حسد و نزاع کی وجہ سے وہاں سے نکلے اور ملتان پہنچے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے دربار سے فیض حاصل کرنے کے بعد اوچ تشریف لائے۔ مقیم ہوئے' وہیں آپ اولاد صوری و معنوی سے مالا مال ہوئے۔ برکات کثیر کے دروازے آپ پر کھلے۔

اگرچہ مشہور یہ ہے کہ حضرت سید جلال الدین سرخ کے تین فرزند تھے مگر درست یہ ہے کہ آپ کے پانچ فرزند تھے۔

اول سید علی۔ دوم سید جعفر' بخارا کے بادشاہ کے نواسے تھے۔ انہیں آپ نے بخارا بھیجا۔ سید جعفر تو بخارا میں ہی رہے' وہیں سکونت اختیار کی اور واپس ہندوستان نہ آئے۔ سوم سید احمد کبیر' یہ سید بدر الدین پہاکری کی صاحبزادی بی بی فاطمہ کے بطن سے تھے۔ چہارم سید صدر الدین محمد غوث۔ پنجم سید بہاء الدین احمد' آپ محمد معصوم کے نام سے مشہور تھے اور بی بی ظہرہ سیدہ کے بطن سے تھے۔ یہ پانچوں فرزند' اسلام کے پانچ ارکان کی طرح سے ولایت و شرافت اور خوارق میں مشہور تھے۔

ولادت: حضرت سید جلال الدین کی ولادت باقوال صحیح ۵۹۵ھ میں ہوئی۔

وفات: آپ کی وفات ۱۹ جمادی الاول سال ۶۹۰ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر شریف ۹۵ سال تھی۔ آپ کا مزار پر انوار اوچ شریف میں ہے' رحمتہ اللہ علیہ۔

قطعہ تاریخ ولادت از مولف

شیخ ذی رتبہ بادشاہ کمال شاہ دنیا و دین جلال الدین
آفتاب جلال والا جاہ سال تولید او نجوان و بہ بیں
۵۹۵ھ

قطعہ تاریخ وفات

نیز عاشق جلال والی جود ہم نجوان "آفتاب والی دین"
۶۹۰ھ

"متقی و سلیم" وصلش گو نیز دان "آفتاب اہل یقین"
۶۹۰ھ ۶۹۰ھ

شیخ مصلح الدین المتخلص بہ سعدی شیرازی قدس سرہ

آپ شیرازی ہیں۔ نامور شاعر، عظیم القدر فصیح اور بہت بڑے فاضل۔ آپ شیخ عبداللہ بن خفیف کے بقعہ شریفہ کے مجاور تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی تصانیف کریما، بوستان، گلستان اور دیوان سعدی وغیرہ مقبول خاص و عام ہیں۔ کسی کو ان پر تنقید کا یارا نہیں۔

آپ نے بہت سے سفر کیے۔ کئی ملکوں کی سیر کی۔ پیدل حج کے لیے گئے۔ ہندوستان میں، سومنات آئے تو اپنے آپ کو کفار کے بھیس میں بدل لیا۔ کچھ عرصے سومنات کے مندر میں رہ کر اپنا اعتبار قائم کروالیا۔ آخر سومنات کے بت کو (جسے سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہ کی بت شکنی کے بعد ہندوؤں نے عاج (ہاتھی دانت) سے بنایا تھا) توڑ ڈالا۔ یہ بت صبح سویرے لوگوں کے پوجا کے لیے اجتماع میں دعا کے لیے ہاتھ اوپر اٹھاتا تھا۔ اصل میں ایک شخص کے ہاتھ میں دونوں ہاتھوں کی رسیاں تھیں۔ آپ نے اس شخص کو مار ڈالا۔ چنانچہ آپ نے یہ قصہ بوستان میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

شیخ سعدی نے بہت سے مشائخ عظام سے فائدے اٹھائے۔ آپ اصل

میں، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مرید ہیں۔ آپ دریا کے سفر میں شیخ کے ہمراہ تھے۔ آپ ایک عرصہ تک بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے مقابر پر رہے۔ لوگوں کو پانی پلاتے رہے۔ آپ نے کئی بار خضر علیہ السلام سے ملاقات کی۔

ایک بار شیخ سعدی کی ایک سید سے گفتگو ہوئی۔ سید نے شیخ سعدی کے بارے میں نازیبا باتیں کیں۔ آپ خاموش رہے۔ رات ہوئی تو اس سید نے خواب میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت ڈانٹا اور فرمایا "ہمارے فرزندوں کو نہ چاہیے کہ وہ مشائخ اور اللہ کے دوستوں کو تکلیف پہنچائیں"۔ علی الصبح وہ شیخ کی خدمت میں آئے اور آپ کو راضی کیا۔

ایک شخص، مشائخ کا منکر تھا۔ اس نے رات کو واقعہ میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور فرشتے نوری طبقوں کے ساتھ زمین پر اتر رہے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ "یہ اکرام و عزت کس کے لیے ہے؟" انہوں نے کہا "شیخ سعدی شیرازی کے لیے ہے، جس نے آج ایک شعر کہا ہے جو بارگاہ حق میں مقبول ہوا ہے"۔ پوچھا کہ "وہ کونسا شعر ہے؟" جواب ملا "یہ شعر ہے

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار"

وہ آدمی جب خواب سے بیدار ہوا تو اس وقت رات تھی۔ وہ فوراً وہاں سے بھاگا کہ شیخ سعدی کے زاویہ میں جا کر آپ کو اس خواب کی اطلاع دے مگر قریب پہنچ کر دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور شیخ باواز بلند کچھ پڑھ رہے ہیں اور رو رہے ہیں۔ غور کیا تو یہی شعر تھا۔

خواجہ امیر خسرو، ایک دن، سلطان المشائخ نظام الدین بداونی، اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آنجناب شیخ سعدی کی تصنیف گلستان

کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔ امیر خسرو' آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ جب حضرت مطالعہ کتاب سے فارغ ہوئے تو عرض کی "اگر ارشاد ہو تو بندہ بھی ایک کتاب' گلستان کی طرز پر لکھے اور اس کا نام "بہارستان" رکھے"۔ فرمایا "مناسب ہے"۔ چند ہی دنوں میں کتاب "بہارستان" لکھ دی اور شیخ کی خدمت میں لائے۔ شیخ نے فرمایا "تو نے اس کتاب میں داد فصاحت و بلاغت بہت دی ہے اور اس کا نام بھی "بہارستان" رکھا ہے۔ تاہم گلستان سعدی وہ گلستان ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' سیر کرتے ہیں"۔ امیر خسرو نے یہ بات سنی تو شکستہ خاطر ہوئے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ سرور کائنات علیہ السلام والصلاۃ تخت نبوت پر جلوہ افروز ہیں۔ شیخ سعدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور سلطان المشائخ دائیں جانب ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ حضرت شہنشاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔ خسرو آگے بڑھے تو دیکھا کہ یہ کتاب "گلستان سعدی" ہے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے۔

ولادت: حضرت سعدی شیرازی ۵۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات: ۶۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔

قطعہ

ولی زمان سعدی پاکباز شہ دہر مطلوب پروردگار
بجو "صاحب عشق" تولید او وصالش ز "محبوب پروردگار"

۵۷۱ھ ۶۹۱ھ

شیخ محمد یمنی قدس سرہ

آپ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے عظیم خلیفہ ہیں۔ چنانچہ شیخ نجیب الدین برغش شیرازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک دن میں کچھ ساتھیوں کے ساتھ شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اسی اثناء میں شیخ یمنی نے مخاطب ہو کر فرمایا: "ایک ساتھی خانقاہ سے باہر جائے اور ایک مسافر آدمی کو اپنے ساتھ لے آئے کیونکہ مجھے آشنائی کی خوشبو آ رہی ہے"۔ ایک صاحب فوراً باہر گئے' کوئی نہ ملا تو واپس آئے اور عرض کی کہ کوئی نہیں ملا۔ شیخ نے جلال سے فرمایا "دوبارہ جاؤ کہ مل جائے گا"۔ وہ صاحب فوراً باہر نکلے۔ ایک سیاہ فام دیکھا جس کا سفر اور غربت کی تکلیف سے برا حال تھا۔ اسے اندر لائے' جب وہ حضرت کے سامنے آئے تو انہوں نے جوتوں میں بیٹھنا چاہا۔ شیخ نے فرمایا "اے محمد نزدیک آؤ کہ تم سے بوئے آشنائی آ رہی ہے"۔ وہ صاحب اٹھے اور شیخ کے پہلو میں جا بیٹھے۔ پہلے باہم معرفت کی باتیں کیں' پھر دسترخوان بچھایا گیا۔ کچھ چیز کھالی۔ میں تو روزہ دار تھا۔ شیخ نے فرمایا "جو روزہ دار ہو گا وہ اپنے حال پر رہے گا"۔ کھانے کے بعد شیخ الشیوخ انار کھانے میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے انار کے کچھ دانے اپنے دھان مبارک سے نکال کر اپنے سامنے رکھ لیے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں یہ دانے اٹھالوں' اس لیے کہ انہیں شیخ کے دھان کی برکت لگی ہے اور میں ان سے افطاری کروں۔ جونہی مجھے یہ خیال آیا' سیاہ فام نے ہاتھ بڑھایا' دانے لیے اور کھائے۔ پھر مجھے دیکھ کر تبسم کیا۔ میں سمجھ گیا کہ کشف سے میرا خیال معلوم ہوا ہے۔ اس کے بعد شیخ الشیوخ نے فرمایا "شیخ محمد' حافظ قرآن ہے۔ مگر اس نے تنہا پڑھا ہے۔ کیا دوستوں میں سے کوئی چاہتا ہے کہ شیخ محمد' روزانہ اس کے سامنے ایک پارہ پڑھے"۔ بعض دوست حافظ قرآن تھے' انہوں نے یہ بات پسند کی۔ میرے دل میں بھی خیال گزرا مگر میں نے بیان نہ کیا اور بات شیخ کے سپرد کر دی۔ بالآخر شیخ نے انہیں میرے حوالے کیا اور فرمایا "شیخ محمد ہر روز' علی شیرازی کے پاس جا کر ایک سیپارہ پڑھے گا"۔ جب رات

ہوئی تو شیخ عیسیٰ، شیخ کے خادم، میرے پاس آئے اور انار کا ایک حصہ مجھے دیا اور کہا کہ اس میں سے آدھا انار شیخ الشیوخ نے تناول فرمایا ہے، باقی آپ کے لیے بھیجا ہے تاکہ تو اس سے افطاری کرے۔ نیز فرمایا ہے کہ یہ ان دانوں کا عوض ہے جو شیخ محمد نے کھائے تھے۔ چنانچہ میں نے ان دانوں سے افطاری کی۔

صبح کی نماز کے بعد میں اپنے گھر گیا۔ اسی دوران وہ سیاہ فام یعنی شیخ محمد یمنی میرے پاس آئے۔ سلام کیا۔ میں نے جواب دیا۔ انہوں نے کوئی بات نہ کی۔ میں نے بھی کوئی بات نہ کی۔ انہوں نے پہلا پارہ پڑھا، اٹھے اور چلے گئے۔ دوسرے دن بھی ایسے ہی کیا۔ تیسرے دن اس جوان نے اپنا وظیفہ پڑھا اور کہا "میرے اور آپ کے درمیان استادی اور شاگردی کا رشتہ قائم ہو چکا ہے۔ میں اپنا حال بیان کرتا ہوں کہ میں یمن کا سیاہ فام ہوں۔ خدائی اشارہ سے یہاں آیا ہوں۔ میں نے شیراز نہیں دیکھا، اس لیے آپ میرے سامنے مشائخ شیراز کے حالات و اوصاف بیان کیجئے"۔ میں نے اوصاف مشائخ شیراز بیان کرنے شروع کر دیے۔ اس زمانہ میں شیراز کے بزرگوں میں سے ہر ایک کا نام بیان کر دیا۔ اب انہوں نے کہا "شیراز کے زاہدوں اور گوشہ نشینوں کے نام بھی بتلایئے"۔ میں نے ان کے نام بھی بتا دیے۔ اس کے بعد تو وہ بے ہوش ہو گئے۔ چنانچہ میں ڈرا کہ مر چکے ہیں کیونکہ آپ کا سانس رک گیا تھا۔ طویل وقت تک اسی حالت پر رہے۔ بعد ازاں ہوش میں آئے اور کہا "میں شیراز گیا تھا اور سب کی زیارت کی۔ اب آپ ان میں سے ہر ایک کا نام لیجئے تاکہ میں ایک ایک کی حالت بیان کروں"۔ میں ایک ایک کر کے سب کا نام لیتا جاتا اور وہ ایک ایک کا وصف بیان کرتے جاتے، گویا کہ ابھی ان سے مل کر آ رہے ہیں۔ آپ ان کے سلوک، حال، لباس، وضع، ہر ایک چیز کے بارے میں

بتاتے جاتے۔ میں نے یہ سن کر سخت تعجب کیا اور ان کی ولایت و کرامت کا معتقد ہوگیا۔ بعد میں کہا "ان میں سے ایک صاحب' ولایت کی بلندی سے گر چکے ہیں' ان کا نام حسین ہے۔ ان کا نام اولیاء کے دفتر سے محو کر دیا گیا ہے"۔ میں نے دریافت کیا "اس کا سبب کیا ہے؟" فرمایا "شیراز کے حکمران اتابک ابوبکر کو ان سے عقیدت ہوگئی تھی۔ ان کے پاس گئے اور انہیں بہت سا مال و نعمت دیا' اس لیے وہ قرب حق سے گر پڑے"۔ مین نے یہ بات یاد کرلی۔ میں شیراز آیا تو حسین کا یہی حال تھا جیسا کہ اس بزرگ نے کہا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا "شیراز کے جن بزرگوں کا تو نے ذکر کیا ہے' ان میں سے ایک نے تجھے ایک نشانی دی تھی۔ وہ نشانی بتلاؤ تاکہ میں بھی دیکھوں"۔ میں نے ہرچند بہت غور کیا مگر میرے ذہن میں نہ آیا۔ آخر اس درویش نے میرے جوتے پر نظر ڈالی اور کہا "وہ کیا ہے؟" مجھے یاد آیا کہ شیراز میں ایک زاہد تھا جو جوتے سیتا تھا۔ جب میں سفر کے لیے آنے لگا تو اس نے مجھے جوتوں کا ایک جوڑا بطور تبرک دیا اور کہا "یہ میری نشانی ہے تاکہ تو اسے دیکھ کر مجھے یاد کرے"۔ چنانچہ چند سال تک میری شیخ محمد سیاہ یمنی کے ساتھ صحبت رہی اور مجھے ان کی صحبت سے کئی روحانی فائدے حاصل ہوئے------ شیخ یمنی نے شیخ الشیوخ سے خرقہ خلافت پایا۔ اس کے بعد آپ اپنے ملک چلے گئے۔ بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے۔

وفات: شیخ محمد یمنی نے بقول "صاحب خزینۃ العلماء" (تذکرہ مشائخ کرام سہروردی) ۶۹۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر ۱۲۵ سال تھی۔

قطعہ

محمد چو بست از جہان رخت خویش — بہ جنت شد آن عالم باعمل
ز دل جلوہ گر گشت تاریخ او — "سہیل یمن ماہتاب ازل"

ظہیرالدین عبدالرحمٰن بن علی شیرازی قدس سرہ

اپنے والد کے عظیم خلیفہ تھے۔ جب آپ کی والدہ کو آپ کا حمل ہوا تو شیخ الشیوخ شہاب الدین نے آپ کی والدہ کے لیے اپنے خرقہ مبارک کا ایک ٹکڑا بھیجا۔ آپ پیدا ہوئے تو وہ کپڑا آپ کو پہنایا گیا۔ مرید ہونے سے پہلے، سب سے پہلے آپ نے یہی کپڑا پہنا۔ بڑے ہوئے تو اپنے والد کی خدمت میں مشغول رہے۔ تربیت پائی۔ والد کی زندگی میں حج پر گئے۔ شب عرفہ، خواب میں دیکھا کہ روضہ مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی ہے اور سلام کہا ہے۔ روضہ سے آواز آئی "وعلیک السلام یا ابا النجاشی"۔ آپ کے والد شیراز میں اس بات سے مطلع ہوگئے اور اپنے گھر والوں اور ساتھیوں کو اس سے مطلع کیا۔ جب حج سے واپس آئے، ان کے والد مشغول ہوئے اور حدیث روایت کی۔ کتابیں لکھیں۔ ان کی ایک عمدہ تصنیف "عوارف" کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں کشف والہام کے بارے میں بہت سی تحقیقات صادقہ مندرج ہیں۔ آپ کے سامنے ظاہری وباطنی فتوح کے دروازے کھلے۔ آپ کرامات بلند اور مقامات ارجمند تک پہنچے۔ آخر رمضان المبارک ۷۱۶ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

عبد رحمان ظہیر الدین ولی — شد چو از دنیا مقیم اندر جہان
از امام خلد تاریخش بجو — "عارف رحمان ولی ہادی نجوان"

۷۱۶ھ — ۷۱۶ھ

خواجہ کرک سہروردی قدس سرہ

کامل وقت تھے۔ عامل تھے۔ آپ کو شیخ بہا الدین زکریا ملتانی کے بھتیجے حضرت شیخ اسماعیل قریشی سہروردی سے عقیدت تھی

خواجہ اسماعیل اپنے عم بزرگوار کے مرید تھے اور ان سے خلافت حاصل کی تھی اور یوں مقامات بلند تک پہنچے تھے۔ آپ غیبی اشارہ پا کر ملتان سے موضع سبزولی چلے آئے تھے۔ یہ گاؤں الہ آباد شہر کے مغرب میں ایک فرسخ فاصلہ پر ہے۔ بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوگئے۔ خواجہ کرک بھی، جو بہت بڑے عالم و فاضل تھے، آپ کے مرید ہوگئے۔ بیعت ہونے کے بعد خواجہ کرک کی حالت عجیب و غریب ہوگئی۔ آخر شیخ اسماعیل سے اجازت لے کر کرہ قصبہ میں پہنچے۔ وہاں سکونت اختیار کی۔ غلبہ حال سے ملامتیہ سلسلہ اپنا لیا۔ لوگوں کے سامنے شراب پیتے۔ آپ سے بہت سی کرامات سرزد ہوتیں۔ صاحب "معارج الولایت" تاریخ نظامی سے نقل کرتے ہیں۔

جب ملک علاء الدین (جو سلطان جلال الدین خلجی کا بھتیجا اور داماد تھا) کرہ اور مانگ پور کا حکمران بہت سا لشکر اکٹھا کر کے دیوگری کی جانب گیا اور اس ملک کو تباہ کر کے ایک قوت بن گیا، سلطان جلال الدین نے اس کے ارادہ سے واقف ہو کر چاہا کہ کسی حیلہ سے، اس پر قابو پائے اور دیوگری کے خزانے پر بھی قبضہ کر لے۔ لہٰذا دہلی سے کشتیوں پر سوار ہو کر قصبہ کرہ کا رخ کیا۔ ملک علاء الدین نے اس کے اس ارادہ سے واقف ہو کر چاہا کہ خواجہ کرک کے حضور جائے، چنانچہ اس نے پوری نیازمندی سے آپ سے مدد چاہی--- خواجہ کرک نے حالت استغراق سے سر اٹھا کر کہا

ہر کہ بسازد با تو جنگ سرحد کشتی تنگ در گنگ

ملک علاء الدین اس بشارت سے خوش ہوا اور دو تین دن کے بعد ۱۷ رمضان ۶۹۵ھ کو سلطان جلال الدین اسی طرح مارا گیا جیسا کہ خواجہ کرک نے فرمایا تھا۔ چنانچہ کتب تواریخ میں درج ہے۔ اس کے بعد ملک علاء الدین نے اپنے آپ کو سلطان علاء الدین کا خطاب دیا۔ دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ خواجہ

کرک' سلطان المشائخ نظام الدین بداونی کے ہم عصر ہیں۔
وفات: بروایت صحیح ۷۱۶ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چو از دنیا بفردوس برین رفت شہ کونین پیر واقف کرک
رقم کن "خواجہ نامی" وصالش بفرما "زاہد حق عارف کرک"

۷۱۶ھ ۷۱۶ھ

میر حسینی سہروردی قدس سرہ

آپ کا نام نامی' حسن بن سید عالم بن سید ابی الحسینی ہے۔ بقول "صاحب نفحات الانس" آپ غور کے دیہات میں سے ایک گاؤں "گرہ یوست" کے رہنے والے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ آپ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قریشی کے بالواسطہ مرید تھے۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ چنانچہ "کنز الرموز" "زاد السالکین" "نزہت الارواح" "روح الارواح" "صراط المستقیم" "دیوان حسینی منظوم" جو نظم میں اپنی مثال نہیں رکھتا اور کتاب "گلشن راز" آپ کی مشہور ترین کتابیں ہیں۔

آپ پہلے فوجی ملازمت میں بادشاہی ملازم تھے۔ آپ کی توبہ کا قصہ یہ ہے کہ ایک دن آپ نے صحرا میں ایک ہرن کے تعاقب میں گھوڑا ڈالا۔ جب ہرن کے قریب پہنچے اور اس پر تیر پھینکنا چاہا تاکہ اس کا شکار کریں۔ ہرن رک گیا۔ آپ کی طرف منہ کیا اور بولا "اے سید! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا کیا۔ آپ کو اپنی طاعت و عبادت کے لیے پیدا کیا' نہ شکار کے لیے جو بیکاروں کا کام ہے۔ اب آپ نے اپنے سب کام بیکار کر لیے ہیں اور میرا شکار کر رہے ہو؟" یہ کہہ کر ہرن نظروں سے غائب ہو گیا۔ میر حسینی نے یہ نصیحت سنی تو ان کے دل میں طلب حق کی آگ بھڑکی۔

گھر آئے' جو کچھ پاس تھا اس سے ہاتھ اٹھالیا۔ ایک قافلہ کے ساتھ چل پڑے۔ ملتان آئے اور بادشاہی سرائے میں ٹھہرے۔ رات ہوئی تو شیخ الاسلام بہاء الدین ملتانی نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں "میرا فرزند میر حسینی قافلہ میں ہے' اسے وہاں سے لے آؤ اور کار حق پر لگا دو"۔ صبح سویرے حضرت زکریا بذات خود قافلہ میں پہنچے اور اہل قافلہ سے کہا "تم میں سے میر حسینی کون صاحب ہیں؟" سب نے آپ کی طرف اشارہ کیا۔ شیخ نے آپ کو اپنے ساتھ لیا' تربیت فرمائی' حتیٰ کہ وہ بلند مقامات پر پہنچ گئے۔ جب تربیت مکمل ہوگئی تو آپ نے انہیں خرقہ خلافت عطا کیا اور خراسان جانے کا حکم دیا۔ آپ رخصت ہو کر ہرات آئے' وہیں قیام کیا۔ تمام اہل ہرات آپ کے مرید اور معتقد ہوگئے۔ آپ نے وہاں کئی سال قیام کیا اور طالبان حق کو ذات حق تک پہنچایا۔

وفات: جمعہ کی رات ۱۶ شوال ۷۱۷ھ تحریر فرمائی ہے۔ تمام اہل سیر اس امر پر متفق ہیں کہ آپ کی عمر ۱۱۷ سال ہے۔ آپ کا مدفن مبارک ہرات میں خواجہ عبداللہ طیار کے مزار کے باہر ہے۔

قطعہ

چو میر خلد شد باعزت و شان ولے میر جہان گیر حسینی
نداشد بہر سال انتقالش کہ "قطب الواصلین میر حسینی"
۷۱۷ھ

شیخ احمد معشوق قدس سرہ

آپ شیخ صدر الدین عارف بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے عظیم خلیفہ تھے۔ پہلے قندھار میں رہائش تھی۔ آپ مسلسل شراب نوش تھے۔ شراب پئے بغیر ایک لحظہ گزارنا آپ کے لیے ناممکن تھا۔ آپ کے والد محمد قندھاری'

قندھار میں دکان تجارت چلاتے تھے۔ اتفاق سے ایک بار شیخ احمد تجارت کے کام سے ملتان آئے۔ بازار میں تجارت کی دکان کھولی۔ ایک دن شیخ صدر الدین راستے سے گزر رہے تھے کہ اس پر آپ کی نظر پڑی۔ خانقاہ پہنچ کر ایک خادم بھیج کر اپنے پاس بلوا لیا۔ چونکہ موسم گرما تھا' اس لیے پینے کے لیے شربت لایا گیا۔ حضرت شیخ صدر الدین نے تھوڑا سا شربت پیا' باقی شیخ احمد کو عطا فرمایا۔ یہ شربت پیتے ہی ان کا نور باطن روشن ہو گیا۔ بیعت کا شرف حاصل کیا۔ فوراً دکان کی نقدی اور جنس' سب خانقاہ کے درویشوں پر نثار کر دی۔ اب اس طرح کی مجردانہ فقیرانہ زندگی بسر کرنے لگے کہ سات سال تک ایک ہی تہ بند میں گزار دیے اور اعلیٰ درجات پر فائز ہوئے۔

ایک دن شیخ پانی میں نہا رہے تھے۔ آپ نے اس وقت بارگاہ الٰہی میں دست دعا بلند کی اور عرض کی "اے اللہ' تو بادشاہ ہے اور بندوں کی اطاعت سے بے نیاز ہے۔ تو اپنی عنایت سے بندوں کو نوازتا ہے' میں اس وقت تک پانی سے باہر قدم نہیں رکھوں گا جب تک میں اس بات سے آگاہ نہ ہو جاؤں کہ تیری جناب میں' میرا کیا قرب و مرتبہ ہے؟" آواز آئی "ہماری بارگاہ میں تیرا مرتبہ یہ ہے کہ میں بہت سی گنہگار مخلوق کو تیرے وسیلہ سے دوزخ کی آگ سے آزاد کروں گا اور بہشت میں پہنچاؤں گا"۔ عرض کی "یا اللہ! تیری نعمت و رحمت بے حد و بے شمار ہے' اس لیے اس پر اکتفا نہ کر"۔ حکم ہوا "میں نے تجھے اپنا محبوب و معشوق بنایا ہے تاکہ طالبوں کو ہمارا عاشق بنائے"۔ شیخ احمد نے جب یہ سنا' پانی سے باہر آئے' اپنا لباس پہنا اور چل پڑے۔ راستے میں جہاں کہیں لوگ ملتے' ان سے یہ آواز سنتے کہ "شیخ احمد معشوق آ رہا ہے"۔

صاحب "تاریخ فرشتہ" فرماتے ہیں: شیخ احمد کا جذبہ عشق اس مقام پر پہنچ چکا تھا کہ آپ جہان اور اہل جہان سے بے خبر تھے' حتیٰ کہ حالت مدہوشی میں

ادائے فرائض کی بھی خبر نہ ہوتی۔ علماء و فقہاء نے ان سے کہا "آپ فرض نماز بھی نہیں پڑھتے' کیا اسلام کا حکم آپ پر جاری نہیں ہے؟" کہا "میں نماز پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا اور اگر آپ حضرات کہتے ہیں کہ نماز پڑھوں تو میں پھر سورۃ فاتحہ نہیں پڑھوں گا"۔ علماء نے کہا "فاتحہ کے بغیر نماز درست نہیں"۔ کہا "اگر میں سورۃ فاتحہ پڑھوں گا تو پھر ایاک نعبد و ایاک نستعین نہیں پڑھوں گا"۔ علماء نے کہا "ایاک نعبد و ایاک نستعین کے بغیر فاتحہ پڑھنا درست نہیں' اس لیے نماز بھی درست نہ ہوگی"۔ آخر کار علماء کے مجبور کرنے پر شیخ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ جب ایاک نعبد و ایاک نستعین پر پہنچے' ان کے ہر بال کے سوراخ سے خون کے قطرے ٹپکنے شروع ہوگئے۔ تمام خرقہ' خون سے آلودہ ہوگیا۔ نماز توڑ ڈالی اور کہا "اے علماء! اس وقت میں حائضہ عورت ہوں' مجھے نماز معاف ہے"۔

وفات: ۷۲۳ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

چو احمد از جہان بر نا رفت — مقامے یافت اندر قرب رحمان
بجو سالش ز محبوب خداوند — دگر "محبوب حق احمد ولی خوان"

۷۲۳ھ — ۷۲۳ھ

شیخ ضیاء الدین رومی قدس سرہ

شیخ ضیاء الدین رومی بہت بڑے بزرگ تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ بادشاہ ہند سلطان علاء الدین خلجی دہلی میں آپ کا مرید ہوا۔ وہ آپ کا بہت زیادہ معتقد تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان قطب الدین مبارک شاہ بھی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا۔

وفات: بقول صاحب تذکرہ چشتیہ (جو احوال سلطان المشائخ نظام الدین

کے بارے میں ہے اور جس میں صاحب تذکرہ نے آپ کا بھی ذکر کیا ہے) آپ کا سال وفات ۷۲۱ھ ہے۔ یہی سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے قتل کا سال ہے۔ دیگر اہل تشریح کے بقول آپ کا سال وفات ۷۲۳ھ ہے۔ بہرحال پہلا قول زیادہ موزوں ہے۔ واللہ اعلم۔ آپ کی عمر تقریباً ۱۳۵ سال ہے۔ اپنے مرشد کی وفات کے بعد ۹۱ سال تک زندہ رہے۔

قطعہ

ضیا پیر روشن دل و نیک بخت — چو رفت از جہان یافت در خلد جا
بگو "ذروہ الاصفیاء" سال او — دگر "بندہ اشرف الاولیاء"

۷۲۱ھ — ۷۲۳ھ

حضرت لعل شہباز قلندر سندھی سوہانی قدس سرہ

آپ کے بارے میں صاحب "معارج الولایت" فرماتے ہیں کہ آپ صاحب کمالات ظاہری و باطنی و تصرفات صوری اور معنوی تھے۔ آپ سے خوارق و کرامات' بے اختیار ظاہر ہوتی تھیں۔ آپ اصل میں سندھ کے رہنے والے تھے۔ آپ حسینی سید ہیں۔ آپ کا نام میر سید عثمان ہے۔ آپ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ چونکہ جذب و مستی زیادہ تھی' اس لیے احکام شرع کے پابند نہ تھے۔ آپ کے پیش نظر سلسلہ ملامتیہ تھا۔ آپ لوگوں کے سامنے نشہ آور اور کیف آور چیزیں کھاتے پیتے تھے۔ جر گھاس کا پانی بہت پیتے' سرخ لباس پہنتے۔ آپ کو مرشد کی طرف سے شہباز کا خطاب ملا تھا۔ سلسلہ ملامتیہ اپنانے کی وجہ سے عوام میں حضرت "شہباز قلندر" کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ سے چونکہ بہت سی کرامات ظاہر ہوتی تھیں' اس لیے ہزاروں لوگ آپ کے مرید ہوگئے بلکہ اب تک بھی آپ کے مزار پرانوار سے اکثر اوقات خوارق ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت لعل شہباز کے آباء کرام کا شجرہ "الاخبار الاولیاء" میں اس طرح مندرج ہے:

لعل شہباز بن سید حسن کبیر الدین بن سید شمس الدین بن سید صلاح الدین بن سید شاہ بن سید خالد بن سید محب بن سید مشتاق بن سید نور الدین بن سید اسماعیل بن سید امام جعفر صادق بن امام محمد بن امام زین العابدین علی بن سید الکونین امام حسین رضی اللہ عنہ۔

سہروردیہ نسبت کے علاوہ، آپ کی ایک نسبت اس طرح امام جعفر صادق تک جا پہنچتی ہے کہ حضرت لعل شہباز مرید تھے حضرت شیخ جمال مجرد کے، وہ سید ابراہیم مجرد کے مرید تھے، وہ شیخ عاقل شہید کے مرید، وہ مسکین شہید کے، وہ مرتضیٰ سبحانی کے، وہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید تھے۔

وفات: آپ نے ۶۷۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پر انوار ملک سندھ کے مقام سیوہان میں ہے۔ یہ فیض و برکت سے پر، مشہور ترین مزار ہے۔

قطعہ

چون عثمن ولی از دار دنیا برفت و باب جنت شد بر او باز
ز "مخدوم اجل" جو ارتحالش بفرما "عارف محبوب شاہباز"
۶۷۴ھ ۶۷۴ھ

شیخ رکن الدین ابوالفتح سہروردی بن شیخ صدر الدین عارف قدس سرہ

اپنے دادا شیخ بہاء الدین رحمتہ اللہ علیہ کے سچے جانشین تھے۔ اپنے والد سے بھی خرقہ خلافت ملا تھا۔ آپ کے ایک مرید نے "رعناوی صوفیہ" تالیف کی ہے۔ اس میں آپ کی بہت سی کرامات و خوارق و عادات کا ذکر کیا ہے۔ آپ کی والدہ بی بی راستی ہے' جو درستی و راستی میں رابعہ وقت تھیں۔ وہ حافظہ قرآن تھیں اور ہر روز ایک بار قرآن شریف ختم کرتی تھیں۔ انہیں اپنے خسر شیخ بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ سے ارادت تھی۔

ایک دفعہ بی بی راستی نئے چاند کی رات اپنے خسر کی خدمت میں سلام کرنے کے لیے حاضر ہوئیں۔ اس وقت شیخ رکن الدین آپ کے بطن مبارک میں سات ماہ کے تھے۔ آپ کے خسر' بی بی صاحبہ کو دیکھتے ہی ان کی تعظیم کے لیے اٹھے' نہایت عزت کی۔ حضرت بی بی صاحبہ نہایت متعجب ہوئیں کیونکہ آج ان کے خسر نے بزرگوں کی عادت و معمول کے خلاف اس حد تک آپ کا اکرام کیا تھا۔ ہاتھ باندھ کر اس کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا "اے بی بی! یہ تعظیم تیری تعظیم نہیں ہے' بلکہ اس شخص کی تعظیم ہے جو تیرے بطن عفت میں ہے۔ وہ چراغ خاندان اور شمع دودمان ہوگا"۔

ایک دن حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ چارپائی پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ آپ کی دستار مبارک پلنگ کے پایہ پر پڑی تھی۔ شیخ صدر الدین فرش پر دو زانو ہو کر بڑے ادب سے بیٹھے تھے۔ شیخ رکن الدین چار سال کے تھے۔ وہ پلنگ کے چاروں پاؤں کے ساتھ پھر رہے تھے اور کھیلنے میں مصروف تھے۔ اچانک جیسے بچوں کی عادت ہے انہوں نے اپنے جد بزرگوار کی دستار پلنگ سے اٹھائی اور اپنے سر پر رکھ لی۔ شیخ صدر الدین نے یہ دیکھ کر زور

سے آواز لگائی اور کہا "با ادب بنو"۔ حضرت شیخ نے فرمایا "پریشان نہ ہو وہ دستار کا حق دار ہے۔ ہم نے یہ پگڑی اسے دے دی" چنانچہ وہ دستار اس دن ایک صندوق میں رکھ دی گئی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد جب شیخ رکن الدین سجادہ مشیخیت پر بیٹھے تو وہی دستار سر پر رکھی۔ نیز وہ خرقہ پہنا جو آپ کے جد امجد کو شیخ الشیوخ کی بارگاہ سے ملا تھا۔ یوں آپ سجادہ عالیہ پر رونق افزا ہوئے۔

حضرت شیخ رکن الحق و الدین رحمتہ اللہ علیہ فیض الٰہی کے دریا تھے۔ جو شخص جو حاجت بھی لے کر آتا گوہر مراد سے اپنا دامن بھر لیتا۔ چنانچہ عوام آپ کو قبلہ حاجات کہتے۔ سید جلال الدین مخدوم جہانیاں شیخ عثمان سیاح اور دیگر ہزاروں مشائخ عظام نے آپ کے خوان نعمت سے فائدہ اٹھایا۔ آپ سلطان علاء الدین کے عہد میں دو بار اور سلطان قطب الدین کے دور میں تین بار دہلی تشریف لے گئے۔ سلطان علاء الدین باوجودیکہ مغرور و متکبر تھا' آپ کے استقبال کے لیے سوار ہو کر آیا۔ دو لاکھ تنکہ آپ کی آمد پر اور پانچ لاکھ تنکہ آپ کے تشریف لے جانے کے موقعہ پر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے یہ روپیہ لے کر اسی دن مسکین مستحقوں میں تقسیم کر دیا۔ شیخ رکن الحق والدین کو سلطان المشائخ نظام الدین بدایونی قدس سرہ سے بہت محبت تھی۔ آپ نے کئی دفعہ فرمایا کہ "مجھے ملتان سے دہلی نظام الدین اولیاء کی محبت لائی ہے"۔

ایک دفعہ جمعہ کے دن سلطان المشائخ نظام الدین اور شیخ رکن الدین دونوں بزرگ مسجد کیلوکھری میں اکٹھے ہوئے۔ شیخ رکن الدین کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل بھی موجود تھے۔ ان کے دل میں خیال گزرا کہ اس وقت قرآن السعدین ہے۔ اگر ان دونوں بزرگوں کے درمیان کسی علمی نکتہ پر بات

ہو تو یہ لطف سے خالی نہ ہوگا۔ لہٰذا دونوں حضرات کی خدمت میں عرض کی "اس میں کیا حکمت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی؟" شیخ رکن الدین نے فرمایا "ہمارا خیال یہ ہے کہ حضرت شاہ رسالت علیہ الصلوۃ والتحیت کے بہت سے کمالات باطنی ہجرت پر موقوف تھے اور تقدیر الٰہی میں یہ تھا کہ جب آپ مکہ سے ہجرت کریں' مدینہ تشریف لائیں تو ان کمالات کی تکمیل ہو"۔ شیخ نظام الدین نے یہ تقریر سن کر کہا "بندہ کے دل میں اس کے برعکس یہ نکتہ ظاہر ہوا ہے کہ اہل مدینہ میں سے کچھ ناقص' ظاہری و باطنی کمی کی وجہ سے اس بات کی استطاعت نہیں رکھتے تھے کہ مدینہ سے مکہ پہنچ کر سعادت حاصل کریں۔ خدائے جل شانہ نے اپنا فضل و کرم فرمایا (وہ فضل و کرم جو ہمیشہ اللہ اپنے ناچیز بندوں پر کرتا رہتا ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ان پر مکہ سے مدینہ بھیج دیا تاکہ وہ ناقص کمال تک پہنچیں۔ یوں اللہ تعالیٰ نے انہیں بے طلب و سوال دولت لازوال عطا فرمادی"۔

غرضیکہ اس طرح کی تقاریر شستہ انداز اور نغمہائے شیریں کے مابین واقع ہوئی۔

جب شیخ رکن الدین بادشاہ سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے تو آپ کچھ دیر کے لیے "تخت روان" کو (جس پر سوار ہوتے تھے) دیوان شاہی کے باہر کھڑا کرتے۔ عوام میں سے جن کی رسائی دیوان شاہی تک مشکل ہوتی اپنی درخواستیں اور عرضیاں لکھ کر تخت روان پر ڈال دیتے۔ شیخ سلطان کے پاس پہنچ کر پہلے ایک خادم کو اشارہ فرماتے کہ ضرورت مندوں کی درخواستیں سلطان کی خدمت میں پیش کرے۔ سلطان تمام درخواستوں کا خود مطالعہ کرتے اور ہر ایک درخواست پر اپنے قلم سے جواب تحریر فرماتے۔ جب یہ

کام مکمل ہو جاتا تو شیخ دیوان سلطنت سے واپس تشریف لے آتے۔ یوں آپ کا سلطان کے پاس جانا اہل حاجت کی مدد کے لیے ہوتا تھا۔ اس لیے کہ اللہ کے دوستوں کی نیت ہر کام میں خیر کی ہوا کرتی ہے۔

ایک بار شیخ رکن الدین حضرت سلطان المشائخ نظام الدین کی محفل سماع میں تشریف لائے۔ جب سلطان المشائخ وجد میں آئے اور اٹھنا چاہا تو شیخ رکن الدین نے ان کا دامن پکڑ لیا اور انہیں اٹھنے نہ دیا۔ کچھ دیر بعد پھر حضرت وجد میں آ کر اٹھے تو شیخ رکن الدین خاموش رہے۔ بلکہ خود بھی تعظیماً اٹھے۔ جب تک حضرت وجد میں رہے آپ کھڑے رہے۔ سماع سے فراغت کے بعد علامہ علم الدین نے وجہ پوچھی تو فرمایا "پہلی دفعہ میں نے حضرت کو عالم ملکوت میں دیکھا۔ چونکہ میرا ہاتھ وہاں تک پہنچ سکتا تھا اس لیے میں نے ان کا دامن پکڑا اور انہیں وجد سے باز رکھا۔ دوسری مرتبہ شیخ عالم جبروت میں تھے۔ میں انہیں اپنے اختیار سے بلند سمجھ کر خاموش رہا"۔

جب سلطان غیاث الدین تغلق شاہ، فتح دکن کے بعد دہلی واپس آیا تو شیخ رکن الدین بھی دہلی میں تھے۔ دہلی سے دو کوس کے فاصلہ پر اپنے بیٹے سلطان محمود کی نو تعمیر کردہ کوشک کے مقام پر پہنچا تو اس نے وہاں قیام کیا۔ شیخ رکن الدین بھی سلطان سے ملنے کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔ ایک دن سلطان غیاث الدین شیخ اور دیگر حاضرین جدید کوشک کے چھت تلے کھانا کھا رہے تھے۔ ابھی کھانے سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ شیخ نے سلطان سے فرمایا "اس محل کی عمارت نئی ہے۔ مناسب مشورہ ہے کہ یہاں سے جلدی اٹھ جائیے، ایسا نہ ہو کہ گر پڑے" سلطان نے کہا "کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم باہر چلے جائیں گے" اس بات کا دو تین بار تکرار ہوا مگر سلطان یہی جواب دیتا تھا۔ آخرکار شیخ اپنے خادموں کے ساتھ ہاتھ دھوئے بغیر اٹھے۔

جب دہلیز تک پہنچے تو عمارت کی چھت گر پڑی۔ سلطان اپنے امراء کے ساتھ عمارت کے نیچے آ گیا اور جان' جان آفرین کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ ۷۲۵ھ میں پیش آیا۔ یہی سلطان المشائخ نظام الدین کا سال وفات ہے۔

"مجمع الاخبار" میں ہے کہ ایک دن سلطان غیاث الدین نے مولانا ظہیر الدین سے پوچھا کہ "کیا آپ نے کبھی شیخ رکن الدین ملتانی کی کوئی کرامت بھی دیکھی ہے؟"۔ فرمایا "ایک دفعہ جمعہ کے دن میں نے عوام کو دیکھا کہ شیخ رکن الدین کی قدم بوسی کے لیے بہت بھیڑ لگا رکھی ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ شیخ رکن الدین کے پاس اسماء الٰہی میں سے کسی اسم کا عمل تسخیر ہے۔ وگرنہ میں بھی عالم ہوں۔ کوئی بھی میری طرف نہیں دیکھتا۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ کل سویرے شیخ کے پاس جاؤں اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھوں کہ مضمضہ (کلی) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنے) کی سنت کی حکمت کیا ہے؟ رات ہوئی تو میں نے واقعہ میں دیکھا کہ شیخ رکن الدین میرے حلق میں حلوہ ڈال رہے ہیں۔ میں جاگا تو مٹھاس کا ذائقہ اپنے حلق میں پایا۔ میں نے دل میں سوچا کہ کرامت یہی ہے کہ شیطان شیخ کی صورت بنا کر خواب میں آتا ہے اور یوں عوام کو گمراہ کرتا ہے۔ صبح ہوئی تو میں شیخ کے پاس گیا۔ ابھی گفتگو کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کہ آپ نے فرمایا "خوش آمدید! میں آپ کا منتظر تھا کہ مولانا کب آتے ہیں تاکہ میں ان کے سوالوں کا جواب دوں۔ اب آپ جان لیجئے کہ جنابت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دل کی جنابت' دوسری جسم کی جنابت۔ تن کی جنابت عورت کی قربت سے واقع ہوتی ہے۔ جب کہ جنابت دل نامناسب لوگوں کی مجلس میں واقع ہوتی ہے۔ جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے' دل آنسوؤں سے پاک ہوتا ہے۔ مضمضہ و استنشاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ یہ ایسے پانی سے ادا کی جاتی ہے جس کا رنگ اور

ذائقہ بدلا ہوا نہ ہو۔ اس کی حکمت وضو کے تمام اعضاء سے رفع حدت (گرمائش کو دور کرنا) ہے۔ یہ جان لیجئے کہ جس طرح شیطان حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ السلام کی صورت میں نہیں آ سکتا اسی طرح مشائخ (جو اللہ کے دوست ہیں) کی شکل میں بھی نہیں آ سکتا۔ مولانا! اگرچہ آپ عالم ہیں تاہم مرد قال ہیں۔ آپ حال سے خالی ہیں"۔ میں نے اپنے سوال کا کافی جواب پالیا اور آپ کی بیعت کر لی۔

جب شیخ رکن الدین کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اس سے قبل تین بار مخلوق سے گوشہ گیری کی اور بالکل حجرہ سے باہر تشریف نہ لائے سوائے فرض نمازوں کی ادائیگی کے وقت آخر ۱۶ رجب ۷۳۵ھ محمد تغلق کے دور حکومت میں (بقول بعض ۷۳۴ھ) نماز عصر کے بعد مولانا ظہیر الدین محمد کو حجرہ کے اندر طلب فرمایا۔ "جاؤ ہماری تجہیز و تکفین کا سامان کرو"۔ نماز مغرب کے بعد صلوۃ اوابین پڑھی' سر سجدہ میں رکھا' جان اللہ کے سپرد کی۔

مخفی نہ رہے کہ حضرت شیخ کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس لیے آپ کی وفات کے بعد آپ کے بھائی محمد اسماعیل کے صاحبزادے سجادہ نشین ہوئے۔

قطعہ

شیخ رکن الدین ولی دو جہان — شد چو زین دارالفنا سوئے بقا
رحلتش دان پاک رکن العارفین — نیز نور عین رکن الاولیاء

۷۳۵ھ — ۷۳۵ھ

شیخ حمید الدین ابوحاکم قریشی الہنکاری علیہ رحمتہ اللہ الباری

آپ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتان رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ ان سے فیض و فائدہ اٹھایا اور "سلطان التارکین" کا لقب ملا۔ آپ کی نسبت آبائی چند واسطوں سے حضرت خاتم النبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتی ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔

شیخ حمید الدین بن سلطان بہاء الدین بن سلطان قطب الدین بن سلطان رسید الدین بن سلطان ابوعلی بن شیخ المشائخ شیخ موسیٰ ہنکاری بن شیخ محمد ہنکاری بن شیخ یوسف ہنکاری بن شیخ شریف عمر بن شیخ شریف عبدالوہاب بن ابوسفیان بن حارث قریشی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

آپ کے دادا سلطان قطب الدین کیچ مکران کی ریاست کے بادشاہ تھے۔ آپ کے نانا سید احمد توختہ ترمذی ثم لاہوری تھے' جن کا ذکر خیر "حضرات متفرقات" کے ضمن میں ہوگا۔

حضرت سید احمد توختہ ترمذی اپنے وطن مالوف سے لاہور کی سمت روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ ان کی اہلیہ اور دو صاحبزادیاں بی بی ہاج اور بی بی تاج تھیں۔ راستے میں کیچ مکران کے شہر پہنچے تو بی بی ہاج کی شادی شاہزادہ بہاء الدین بن سلطان قطب الدین سے کر دی۔ اس پاک دامن بی بی کے بطن سے سلطان جمال الدین اور سلطان التارکین ابوالغیث حمید الدین حاکم قدس سرہ پیدا ہوئے۔ سلطان التارکین اپنے دو بھائیوں سے چھوٹے تھے۔ ابھی آپ کی عمر تین سال تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ فوت ہوگئیں۔ سلطان قطب الدین نے بھی وفات پائی۔ ان کے والد سلطان بہاء الدین کیچ مکران کے حاکم بنے۔ دس سال تک بادشاہی کی۔ بعد میں جذب حقیقتی کی بنا پر سلطنت چھوڑ دی اور ظاہری مملکت اپنے چھوٹے بھائی سلطان شہاب الدین کے حوالہ کر کے فقیری اختیار کی۔ کعبہ شریف جا کر پہلے طواف بیت اللہ کیا۔ بعد میں روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مدینہ سے شہر یمن گئے' وہاں ٹھہرے۔ حالت تجرید و تفرید اختیار کر کے یاد حق میں مشغول

ہوگئے۔ دو سال اسی حال میں گزار دیے تو سلطان شہاب الدین نے وفات پائی۔ انہوں نے دو کم سن بیٹے چھوڑے۔ ایک امیر البقا' دوسرے ملک سرور۔ اس لیے ریاست کا اقتدار سلطان حمید الدین حاکم کو ملا۔ آپ نے ۲۱ سال تک نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی۔ آخر سلطنت چھوڑ کر اپنی جگہ سلطان ابوالبقا کو اقتدار سونپا۔ اپنے وطن مالوف سے اپنی حرم محترم بی بی لطیفہ کے ساتھ توکل و تجرید کو اپناتے ہوئے لاہور کا رخ کیا۔ لاہور میں اپنے نانا حضرت سید احمد توختہ ترمذی کی خدمت میں حاضری دی' ان کے مرید ہوئے اور طریقہ عالیہ سکاریہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔ سید احمد توختہ کا جب وقت وصال قریب آیا تو آپ نے فرمایا "بیٹا! تیرا باقی حصہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے ایک عزیز کی جناب میں ہے"۔ چنانچہ نانا کی وفات کے بعد آپ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں بشارت ملی کہ "تیرا حصہ شیخ رکن الدین ابوالفتح بن صدر الدین عارف بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ہے جن کی ولایت کا عہد ابھی نہیں آیا۔ حق تعالیٰ سے امید ہے کہ تجھے عمر لمبی ملے گی' تو شیخ رکن الدین کا زمانہ پائے گا اور ان سے اپنا حصہ لے گا"۔

چنانچہ حضرت شیخ حمید الدین' شیخ شہاب الدین عمر سے یہ اشارہ پا کر ملتان تشریف لائے اور ایک طویل مدت تک شیخ رکن الدین کے عہد ولادت کے ظہور کا انتظار کرتے رہے۔ جب شیخ رکن الدین مسند مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے تو ان کی خدمت میں گئے' بیعت کی اور کمالات ولایت تک پہنچے۔

ایک دن شیخ حمید الدین حاکم سے ملنے کے لیے سلطان غیاث الدین تغلق کا ایک وزیر آیا۔ اس نے دیکھا کہ آپ خانقاہ کے ایک کونہ میں بیٹھے اپنے ہاتھ سے خرقہ مبارک کا بخیہ کر رہے ہیں۔ وہ وزیر بیٹھا رہا اور دل میں

سوچا کہ اس فقیر کی جو تعریف سنی تھی اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا یہ تو محض فقیر بے نوا ہے جو اپنا خرقہ سی رہا ہے۔ آپ نور باطن سے اس کے خیال سے واقف ہوگئے۔ آپ نے اپنے سر کی ٹوپی ذرا ٹیڑھی کی۔ اس کے ساتھ ہی اس وزیر اور اس کے ہمراہیوں کے چہرے ٹیڑھے ہوگئے۔ اس نے اپنے قصور کی معافی مانگی۔ سب لوگ شیخ کے قدموں میں گر پڑے۔ آخر آپ نے رحم فرمایا' اپنی ٹوپی سیدھی کی' اس کے ساتھ ہی ان کے چہرے بھی سیدھے ہوگئے۔

صاحب "رسالیہ حمیدیہ" شیخ جمال الدین اوچی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن دن ایک درویش شیخ حمیدالدین کی خدمت میں آیا۔ اس وقت شیخ کے ایک خادم کو باؤلے کتے نے کاٹا تھا۔ اس کی حالت بہ سبب دیوانگی بہت بری تھی۔ شیخ اس کی غم خواری اور تیمار داری میں مصروف تھے۔ اس آنے والے درویش کے دل میں یہ خیال گزرا کہ عجیب بات ہے کہ شیخ حمید الدین اتنے صاحب کمال ہوں اور ان کا مرید محض باؤلے کتے کے کاٹنے سے قریب الموت ہو چلا ہو۔ شیخ نور باطن سے اس کے خیال سے واقف ہوئے۔ آپ نے اس دیوانے خادم کو فرمایا "تجھے دیوانے کتے نے کاٹا ہے تو زخم کی جگہ پر اپنا لعب دہن لگا تو ٹھیک ہو جائے گا۔ میری دعا ہے کہ تو اور تیری اولاد قیامت کے دن تک جب بھی اپنا لعاب دہن دیوانے کتے کے کاٹنے سے ہونے والے زخم پر لگائے گی تو مریض شفا پائے گا"۔ خادم نے ایسے ہی کیا۔ اسی وقت تندرست ہوا۔ اس کے بعد وہ اور اس کی اولاد اس فیض سے بہرہ ور ہوئے۔

ولادت : شیخ حمید الدین کی ولادت باسعادت شیخ شہر اللہ صاحب "تذکرہ حمیدی" کے بقول ۱۲ ربیع الاول ۵۷۰ھ ہے۔

وفات : آپ نے ۲۲ ربیع الاول ۷۳۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر شریف ۱۶۷ سال تھی۔ خاندان سہروردیہ کے بزرگوں میں سے کسی نے بھی اتنی لمبی عمر نہیں پائی۔

قطعہ

باز خوان "زاہد شہنشاہ جہان" ارتحال آن شہ روئے زمین
۷۳۷ھ

از خرد "مخدوم والی" شد عیان رحلت آن ساکن خلد برین
۷۳۷ھ

شیخ وجیہہ الدین عثمان سیاح سنامی قدس سرہ

آپ شیخ رکن الدین ابوالفتح سہروردی ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ آپ کے والد قاضی حمید الدین منہاج تھے۔ شروع میں بہت پریشان حال تھے۔ سنام سے دہلی آئے تاکہ سلطان کی نوکری کریں۔ آپ محرری کی ملازمت کے لیے بہت بھاگ دوڑ کرتے رہے۔ ایک دن دریا کی طرف جانے کا اتفاق ہوا تو دیکھا کہ شیخ رکن الدین نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کی محبت کی کشش نے اپنی طرف کشش کی اور یوں کھنچ کر شیخ کے پاس آئے۔ شیخ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھا' مرید ہوئے اور تمام کاموں اور دنیاوی بوجھ سے نجات پائی۔ شیخ کے ہمراہ دہلی سے ملتان گئے۔ اپنی تربیت مکمل کی' خرقہ خلافت پایا۔ آپ تجرید و تفرید میں یگانہ روزگار ہوگئے۔ ایک تہہ بند کے سوا آپ کے اس اسباب دنیا میں سے کچھ نہ تھا۔ درویشوں کے پاس کبھی لوٹا یا عصا ہوتا ہے آپ کے پاس وہ بھی نہ تھا۔ خرقہ خلافت مل گیا تو ملتان سے اجازت لے کر روئے زمین کی سیاحت کے لیے

نکل کھڑے ہوئے۔ بیت اللہ' مدینہ منورہ اور بیت المقدس جیسے مقامات انبیاء و اولیاء کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ روئے زمین کے بہت سے مشائخ سے نعمت وافر حاصل کی۔

ایک دن آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان پر سایہ کیا بہت معذرت کی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنا لباس مع دستار کے آپ کو پہنایا اور کہا "دہلی میں خواجہ نظام الدین کی خدمت میں جا کر آرام کرو" آپ ان کے کہنے کے مطابق دہلی آئے۔ حضرت سلطان المشائخ نے آپ کا بہت احترام کیا' اپنے پاس جگہ دی۔ شیخ وجیہہ الدین نے خاندان چشت سے بھی فیض کامل حاصل کیا۔ آپ صاحب حالت وجد و سماع ہوئے۔

سلطان غیاث الدین تغلق سلطان قطب الدین کے قاتل خسرو خان کے قتل کے بعد دہلی کے تخت پر متمکن ہوا تو اس نے سماع کو بند کرنے کا تاکیدی حکم نافذ کیا۔ اس نے فرمان جاری کیا کہ کوئی گویا اور قوال کسی صوفی کے سامنے نہ گائے ورنہ اس کے منہ سے زبان کھینچ لی جائے گی۔ علماء دہلی نے بھی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین کے سماع کے خلاف ایک محضر لکھا۔ چنانچہ ہنگامہ سماع بالکل سرد ہوگیا۔ کسی قوال کو یہ جرات نہ تھی کہ نغمہ سرائی کے لیے زبان کھولے۔ اسی دوران ایک دن میر حسن قوال شیخ عثمان سیاح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے ازراہ شوق و ذوق سماع کی التجا کی کہ آہستہ سے کوئی بیت یا شعر جو پراثر ہو میرے کان میں پڑھو۔ امیر حسن نے دروازہ بند کر دیا اور آہستہ سے گانا گانا شروع کیا۔ پہلے یہ شعر پڑھا۔

زاہد زدین بر آمد و ملا ز استماع کافر محمدی شد و صوفی چنانکہ ہست

یہ شعر سنتے ہی شیخ کو بے اختیار وجد آگیا۔ آپ اٹھے دروازہ کھول دیا

اور کہا بلند آواز سے پڑھو۔ جب سماع کی آواز باہر آئی تو ہزارہا صوفی اہل سماع آ گئے۔ ان کے وجد سے غوغائے عظیم برپا ہوگیا۔ دہلی اور تغلق آباد کے مابین ایک فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اس پورے علاقہ میں اہل حال و تضرع جمع ہوگئے۔ حتیٰ کہ یہ خبر سلطان تک پہنچی تو فرمایا "سلطان قطب الدین کو قتل کرنے کے بعد خسرو خان نمک حرام نے بادشاہی خزانہ صوفیوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ ہر صوفی کو کئی کئی لاکھ تنکہ ملے تھے۔ وہ رجسٹر لے آؤ تاکہ ہم دیکھیں کہ شیخ عثمان سیاح نے کتنے لاکھ تنکہ شکرانہ کے طور پر لیے تھے تاکہ میں فوراً ان سے واپسی کا مطالبہ کروں۔ اس لیے کہ اس نے ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی ہے" جب خسرو خان کی وہ فائل لائی گئی' سلطان نے ملاحظہ کیا تو معلوم ہوا کہ شیخ عثمان نے اس وقت کوئی شکرانہ نہیں لیا تھا بلکہ واپس کر دیا تھا۔ اس بات سے سلطان بہت خوش ہوا۔ شیخ کو اپنے پاس بلایا' نان و شیر کی دعوت کی۔ قوالوں کو بھی انعام وافر مقدار میں دیا۔ شیخ تین دن تک سلطان کے مہمان رہے۔ ہنگامہ سماع گرم رہا۔ سماع کی ممانعت کے بارے میں جاری شدہ فرمان بھی منسوخ ہوگیا۔

وفات: اس جامع الکمالات ہستی کی وفات ۷۳۷ھ میں ہوئی۔

قطعہ

چون سفر کرد حضرت عثمان — از جہان فنا بخلد برین
عقل "مخدوم اولیاء" فرمود — سال ترحیل آں شہ حق بین

۷۳۷ھ

شیخ صلاح الدین درویش چشتی و سہروردی قدس سرہ

آپ شیخ صدر الدین خلف شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے

مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کے دادا عالی مرتبہ بزرگ تھے۔ شیخ صلاح الدین' شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہمسایہ' مصاحب اور معاصر تھے۔ آپ نے خاندان چشت سے بھی فیض کامل حاصل کیا۔ سلطان محمود بن غیاث الدین تغلق کی طرف سے مشائخ عظام کو جو تکلیفیں پہنچتی تھیں' آپ اس سلطانی سیاست کو خاطر میں نہیں لاتے تھے' بلکہ بادشاہ کے ساتھ سخت باتیں کرتے۔

آپ خلافت سہروردیہ کا ملتان سے خرقہ لینے کے بعد دہلی آئے' وہیں رہے اور وہیں پر وفات پائی۔ آپ کا مزار شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مقبرہ کے پاس ہے۔

ایک دن ایک جوان ایک خوش رفتار گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ اس نے اچانک گھوڑے کو تازیانہ مارا۔ گھوڑے کی سرین پر اس زخم کا نشان لگ گیا۔ شیخ صلاح الدین اس نوجوان پر ناراض ہوئے اور تیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ گھوڑے سے فوراً زمین پر گر گیا اور بے ہوش ہوگیا۔ جب لوگوں نے دیکھا تو اس تازیانہ کا زخم شیخ کی سرین پر نمایاں تھا۔

وفات: شیخ صلاح الدین ۷۴۰ھ میں اپنے خالق سے جا ملے۔

قطعہ

مقتدائے دین صلاح الدین ولی — رفت چون زین دہر در دار القدم
از "خلیق" آمد عیان تاریخ او — ہم "صلاح الدین ولی بحر کرم"
۷۴۰ھ — ۷۴۰ھ

شیخ علاء الدین ملتانی قدس سرہ

آپ شیخ صدر الدین عارف بن بہاء الدین زکریا ملتان رحمتہ اللہ علیہ

کے عظیم خلفاء میں سے ایک ہیں۔ آپ بہت بڑے عابد و زاہد تھے، متقی تھے، علوم ظاہری و باطنی کے ماہر تھے۔ کرامت و خوارق میں مشہور تھے۔ اپنے پیر کے یہاں بہت عزت تھی۔ انہوں نے آپ کو "محبوب اللہ" کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔ آپ کا سید جلال الدین مخدوم جہانیاں سے رابطہ اتحاد و محبت کمال درجہ کا تھا۔

وفات: ۷۴۰ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

گشت روشن چو در بہشت برین مثل مہر مبین علاء الدین
لفظ "نصرت" بخوان تاریخش نیز "شاہ کبیر علاء الدین"
۷۴۰ھ ۷۴۰ھ

سید میرماہ سہروردی بن سید نظام قدس سرہ

آپ اپنے زمانہ کے کامل ولی اور بزرگ تھے۔ صاحب اسرار تھے۔ آپ کے والد سید نظام الدین ہلاکو خان کے واقعہ میں بغداد سے ہندوستان آئے۔ اور قصبہ بہرائچ میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے صاحبزادے میرماہ علوم ظاہری حاصل کرنے کے بعد شیخ الشیوخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ کامل میر سید علاء الدین جادری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے جو شیخ نظام الدین سلطان المشائخ بداونی کے ہم عصر تھے۔ کمالات و مقامات بلند پر پہنچے۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی چشتی سے بھی فیض حاصل کیا۔

سید میرماہ کا ایک بیٹا سید تاج تھا۔ وہ ولی کامل تھا مگر اس نے اپنی ولایت کو شراب نوشی میں چھپا رکھا تھا۔ چنانچہ "معاج الولایت" میں لکھا ہے۔ ایک بار امیر سید ماہ سخت بیمار ہوئے تو سید تاج نے کمال بلند ہمتی کا مظاہرہ کرتے

ہوئے اپنے والد کی بیماری خود اپنے ذمہ لے لی اور وفات پائی۔ یوں اپنے باپ پر نثار ہوگیا۔ ادھر میرماہ نے صحت پائی ایک رات میرماہ کے دل میں خیال گزرا کہ میرے بیٹے کا وفات کے بعد کیا حال ہوا ہوگا۔ اتفاق سے اسی رات سید تاج کی قبر کے پاس ایک مجاور سویا ہوا تھا کہ یہ بیت اس کے ہاتھ پر سبز رنگ میں لکھا ہوا ظاہر ہوا اور جب تک وہ مجاور زندہ رہا یہ تحریر محو نہ ہوئی۔

بگو اے مرغ زیرک حمد مولا　　کہ جان تاج مہ برعرش بردند

وفات: آپ نے بقول صاحب "معارج الولایت" ۷۷۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پرانوار قصبہ بہرائچ میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ آپ نے بہت لمبی عمر پائی۔ چنانچہ آپ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ سے لے کر سید اشرف جہانگیر سمنانی کے دور تک زندہ رہے۔

قطعہ

چوں شد میر مہ در بہشت بلند　　بہ ترحیل آن شاہ روشن یقین
"یکی پیر مہتاب سید بگو"　　دگر کن رقم "ماہ روشن یقین"

۷۷۲ھ　　۷۷۲ھ

شیخ حاجی چراغ ہند رحمتہ اللہ علیہ

شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم القدر خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ صاحب مقامات بلند تھے۔ آپ سے کئی کرامات صادر ہوئیں۔ اپنے پیر روشن ضمیر سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد ظفر آباد کی ولایت میں مامور ہوئے۔ وہاں پہنچ کر مخلوق الٰہی کی راہنمائی میں مصروف ہوگئے۔ چنانچہ بہتوں نے آپ سے استفادہ کیا اور قرب حق حاصل کیا

نوٹ: آپ کا شیخ کبیر سید اشرف جہانگیر سمنانی کے مرید کے خلاف بد دعا کرنا کہ جوانی میں مرو اور شیخ کبیر کا آپ کے خلاف بددعا کرنا کہ میری موت سے پانچ سال پہلے مرے یہ قصہ ہم تفصیل سے حضرت سید اشرف کے مناقب میں مخزن اہل چشت میں لکھ آئے ہیں۔

وفات: آپ نے ۷۷۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پرانوار ظفر آباد میں ہے۔

قطعہ

رفت چون از جہاں خلد برین حاجی اہل دین سراج الہند
جلوہ گر گشت سال تاریخش "اہل دین نور دین سراج الہند"
۷۷۴ھ

میر سید جلال الحق و الدین المقلب بہ مخدوم جہانیاں بخاری علیہ الرحمتہ الباری

آپ شیخ سید جلال الدین شریف اللہ سرخ بخاری اوچی رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے ہیں۔ آپ سید احمد کبیر کے صاحبزادے ہیں۔ سید صدر الدین راجو قتال آپ کے حقیقی بھائی ہیں۔

آپ مادر زاد ولی تھے۔ بچپن سے ہی آپ کی پیشانی پر بزرگی کی علامتیں جلوہ گر تھیں۔ چنانچہ حضرت مخدوم سات سال کے تھے کہ اپنے والد کے ساتھ شیخ جمال الدین خنداں رو کی خدمت میں گئے۔ ان کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اس وقت شیخ کے پاس ایک تھال میں کھجوریں رکھی تھیں۔ فرمایا کہ انہیں حاضرین میں تقسیم کر دیا جائے۔ جب مخدوم کو حصہ ملا تو انہوں نے گٹھلیوں سمیت کھجوریں کھانی شروع کر دیں۔ شیخ جمال یہ دیکھ کر

مسکرائے اور فرمایا "یا سید! کیوں گٹھلیوں سمیت کھجوریں کھا رہے ہو؟" مخدوم اگرچہ بہت کم سن تھے مگر برجستہ جواب دیا "وہ کھجوریں جو آپ کے دست مبارک سے نصیب ہوں ان کی گٹھلیاں بھی نہیں پھینکنی چاہئیں اس لیے کہ وہ بھی فیض و برکت سے خالی نہیں ہوتیں" یہ سن کر شیخ جلال بہت خوش ہوئے۔ آپ کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا "بابا! تم وہ بیٹے ہو کہ جو اپنے خاندان اور مشائخ عظام کے خاندان کا نام روشن کرو گے"۔

صاحب "اخبار الاخیار" فرماتے ہیں کہ "مخدوم جہانیاں پہلے اپنے والد کے مرید تھے۔ بعد میں اپنے چچا شیخ صدر الدین المشہور محمد غوث سے خرقہ خلافت و تبرک حاصل کیا۔ پھر شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ ان سے خرقہ خلافت کیا۔ شیخ الاسلام سند المحدثین شیخ عفیف الدین عبداللہ المطری سے مدینہ منورہ میں کلام ارادت اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ دو سال تک آپ کے ساتھ رہے۔ ان کے پاس رہ کر "عوارف" اور سلوک کی دیگر کتب پڑھیں۔ طریقت سیکھی اور تلقین ذکر لی۔ شیخ عفیف الدین نے فرمایا "تمہاری قینچی گارزون شہر میں ہے وہاں جاؤ"۔

آپ گارزون پہنچے تو شیخ الاسلام شیخ امین الحق گارزونی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بھائی شیخ امین الدین سے فرمایا:

"سید جلال الدین بخاری اوچی نے میری ملاقات کا قصد کیا تھا مگر راستہ میں شیطان نے یہ جھوٹ بولا کہ شیخ امین الدین فوت ہوچکا ہے۔ اس لیے وہ مکہ معظمہ چلا گیا۔ اب وہ شیخ عفیف الدین کے اشارہ کے بموجب یہاں آئے گا۔ چوں کہ میری زندگی میں اس کا یہاں پہنچنا مقدر نہیں ہے اس لیے تم اسے میرا سلام کہنا اور میرا سجادہ اور قینچی اسے دینا۔ اسے میرا خلیفہ

سمجھنا۔ قینچی اور سجادہ جو تمہارا حق ہے وہ لے اور خرقہ خلافت میری طرف سے تجھے ملے گا"۔

چنانچہ مخدوم کچھ مدت گارزون میں مقیم رہے اور شیخ امین الدین سے فیوض و برکات حاصل کیں۔ خرقہ خلافت پایا۔ پھر وہاں سے معرشام' عراقین' بلخ' بخارا اور خراسان کا سفر کیا۔ بہت سے مشائخ کبار سے استفادہ کیا۔ آپ نے بارہا حج کیا۔ چھ دفعہ توج اکبر کیا۔ سلطان محمد تغلق کے دور میں شیخ الاسلامی اور سند خانقاہ محمدی ملی۔ سہوستان میں بہت سے مضافات (دیہات) آپ کے لیے مخصوص ہوگئے۔

حضرت مخدوم کی مکہ معظمہ کے روشن الضمیر پیر اور امام صاحب اکرام شیخ امام عبداللہ یافعی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ بہت مجلس رہی۔ ایک بار حضرت امام نے بیت اللہ میں مخدوم سے فرمایا "اگرچہ اس وقت دہلی میں اہل درویش فوت ہوچکے ہیں تاہم ان سب کی برکت کا اثر نصیرالدین محمود رحمتہ اللہ علیہ میں موجود ہے۔ وہی دہلی کے چراغ ہیں۔ ان کی صحبت میں جانا چاہیے"۔ اسی گھڑی حضرت مخدوم نے دہلی کی طرف جانے کا عزم کیا۔ بالاخر شیخ نصیرالدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت دہلوی نے آپ کو دیکھ کر فرمایا "حضرت مخدوم نے امام عبداللہ یافعی رحمتہ اللہ علیہ کی راہنمائی پر میرے بارے میں حسن ظن قائم کرلیا یوں اس فقیر پر نوازش فرمائی"۔ مخدوم نے جواباً کہا "امام عبداللہ یافعی رحمتہ اللہ علیہ پر اللہ کی رحمت ہو جنہوں نے مجھے حصول دولت عظمیٰ کے لیے اس عظیم بارگاہ میں بھیجا"۔ آخرکار شیخ نصیرالدین نے بھی خاندان چشت اہل بہشت کا خرقہ خلافت حضرت مخدوم کو عطا فرمایا اور نوازشیں کیں۔

جاننا چاہیے کہ مخدوم جہانیاں کو چاروں سلسلوں میں خلافت ملی۔ آپ

نے دو بار دنیا بھر کی سیر کی۔ یوں سینکڑوں فقراء اور مشائخ کی زیارت کا موقعہ ملا' ان سے برکت لی' کلاہ و خرقہ خلافت ملا۔ آپ کو سب سلسلوں سے زیادہ سلسلہ عالیہ قادریہ سے محبت و عقیدت تھی۔ حضرت مخدوم کے ملفوظات کی کتاب "خزانہ جلالی" میں لکھا ہے۔

شیخ محی الدین غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ :

"طوبیٰ لمن رانی و لمن اراء من ارانی" قطب الکونین اور غوث الدارین کا یہ ارشاد بجا ہے۔ میں بھی امید کرتا ہوں اس سچے کلام کے بموجب حق تعالیٰ مجھ پر رحمت کرے کہ میرا سلسلہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتان رحمتہ اللہ علیہ کے ایک واسطہ سے (دیگر بلا واسطہ) شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچتا ہے اور شیخ شہاب الدین نے حضرت غوث الاعظم قدس اللہ سرہ العزیز کی زیارت کی ہے اور حضرت سے آپ کو خرقہ ملا ہے۔

حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ "لطائف اشرفی" میں بیان کرتے ہیں کہ میں اکثر بزرگوں کے ساتھ رہا ہوں۔ متاخرین میں سے کسی بزرگ سے اتنے حقائق و معارف' دقائع و عوارف اور کشف و کرامت و خوارق صادر نہیں ہوئے جتنے مخدوم جہانیاں سے صادر ہوئے۔ چونکہ اس فقیر کو سب سے بڑھ کر آپ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل رہا ہے اس لیے میں نے آپ کے مقامات و درجات اور قطبیت و غوثیت کے انوار مشاہدہ کیے ہیں۔ میں آپ کے حکم کے مطابق پہلی بار جب آپ کی خلوت میں گیا تو میں نے آپ کے اعضاء مبارک کو سات جگہ الگ الگ پڑا دیکھا کہ ہر عضو علیحدہ علیحدہ' اللہ تعالیٰ کی ثنا میں مشغول تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے وہم سا ہوا تو آپ اصل حالت میں واپس آ گئے اور فرمایا "یہ مقام تجھے مبارک ہو"۔ دوسری بار جب میں آپ کی خلوت میں گیا تو انوار الٰہی کی تجلی سے آپ کا جسم

مبارک اس طرح مجسم ہوچکا تھا کہ تمام حجرہ آپ کے وجود سے پر نظر آتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی در و دیوار کے تمام سوراخوں سے گوشت باہر نکل رہا تھا۔ میں دروازے پر کھڑا رہا۔ ایک ساعت بعد آپ اصل حالت میں واپس آئے اور فرمایا کہ "یہ مقام بھی تجھے مبارک ہو"۔

صاحب "معارج الولایت" فرماتے ہیں جب سید اشرف جہانگیر سمنانی کے مرشد شیخ علاء الدین قطب بنگالی چشتی' بنگال میں حالت نزع میں پہنچے تو انہوں نے اپنے احباب و اصحاب سے فرمایا کل میری نماز جنازہ سید مخدوم اوچی کے سوا کوئی نہ پڑھائے۔ اصحاب حیران ہوئے کہ اب تو مخدوم خطہ اوچ میں ہیں وہ کیسے شیخ کے جنازہ میں تشریف لاسکتے ہیں۔ شیخ نے وفات پائی۔ ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت مخدوم وہاں ظاہر ہوئے۔ نماز جنازہ کی امامت کی بلکہ شیخ نور قلب العالم کی تربیت کے لیے چند دن وہاں قیام بھی فرمایا اور خود انہیں سجادہ پر بٹھایا۔ نعمت و برکت دینے کے بعد حضور تشریف لے گئے۔ وہاں کے والی نے معززین کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور مرید ہوگیا۔

صاحب "انوار اعظمیہ" و انیس القادریہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مخدوم اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ اچانک گھاس کے ایک ڈھیر کو آگ لگ گئی۔ بہت بڑا شعلہ نمودار ہوا۔ حضرت مخدوم نے اپنی مٹھی میں مٹی لی اور اونچی آواز سے "یا شیخ عبدالقادر سید محی الدین جیلانی" پڑھا۔ مٹی پر دم کیا' آگ پر مٹی پھینکی' آگ یکدم بجھ گئی۔

سلطان فیروز کا وزیر' خان جہان مرزا حضرت مخدوم کا عقیدت مند نہ تھا۔ حالانکہ سلطان فیروز خود آپ کا مرید و معتقد تھا۔ ایک نو۔سندہ (کلرک) کے بیٹے کو کسی وجہ سے "خان جہان" نے قید کر لیا اور اسے سخت اذیت پہنچائی۔ نو۔سندہ نے حضرت مخدوم کی طرف رجوع کیا۔ حضرت نو بار' خان

جہان کے گھر تشریف لے گئے مگر اس نے اندر نہ آنے دیا۔ جب آپ دسویں بار گئے تو خان جہان نے ایک خادم کی زبانی کہلوا بھیجا کہ "اے سید! تجھے شرم نہیں آتی کہ بار بار آ رہے ہو حالانکہ میں تجھے اپنے گھر میں نہیں آنے دیتا۔ مگر تم ہو کہ اس کے باوجود تکلیف و مشقت اٹھاتے ہو" حضرت مخدوم نے جواب دیا "خان جہان سے کہو کہ میں جو بار بار آتا ہوں اس سے مجھے بالکل ذہنی کوفت نہیں ہوتی کہ اس کا اجر و ثواب مجھے اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ اگرچہ اس سائل کا مسئلہ حل نہیں ہو رہا مگر تو عذاب کا مستحق ہو رہا ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کا کام بھی بن جائے اور تو بھی بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہو جائے گا"۔ خان جہان نے یہ بات سنی تو بہت متاثر ہوا۔ اپنا سر ننگا کیا' گلے میں رسی ڈالی اور عاجزی و انکساری کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کئی بار معذرت چاہی۔ پھر اس مظلوم کو کپڑوں کا جوڑا دے کر قید سے رہا کیا۔ آپ کی خدمت میں بہت بڑا نذرانہ پیش کیا۔ آپ کا مرید ہو گیا۔ حضرت مخدوم نے وہ سارا نذرانہ اس مظلوم کو عطا فرمایا یوں اسے مالدار کر دیا۔

صاحب اخبار الاولیاء فرماتے ہیں کہ "ایک بار عید کی رات (چاند رات) حضرت مخدوم شیخ الاسلام بہاء الدین ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ عالیہ پر تشریف لے گئے اور "عیدی" کی درخواست کی۔ آواز آئی کہ عیدی یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے تجھے "مخدوم جہانیاں" کے خطاب سے مخاطب کیا ہے۔ آپ اس کے بعد شیخ صدر الدین کے مزار پر گئے اور یہی درخواست کی۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ وہاں سے واپس ہوئے تو سنا کہ ہر کوئی آپ کو "مخدوم جہانیاں" کہہ کر پکار رہا ہے"۔

صاحب "خزانہ جلالی" آپ کے "مخدوم جہانیاں" کہلانے کی وجہ بیان

کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے دولت خانہ سے باہر تشریف لائے۔ اپنا قدم زینہ پر رکھا تو حضرت مخدوم نہایت پھرتی کے ساتھ سب سے نیچے زینہ کے نیچے لیٹ گئے تاکہ اپنے مرشد کا قدم مبارک ان کے سینہ پر پڑے۔ حضرت رکن الدین نے یہ دیکھ کر فرمایا "یا سید! دروازہ نبوت تو مکمل طور پر بند ہے باقی رہا رتبہ ولایت تو تم اس مقام پر پہنچے ہو کہ "مخدوم جہانیاں" بن چکے ہو"۔ یہ کہہ کر انہیں ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کر دیا' اپنے سینہ سے لگایا' نعمت عظمیٰ عطا کی۔ پس اس دن سے حضرت مخدوم "مخدوم جہانیاں" کے خطاب سے مخاطب ہونے لگے۔

ایک جن ملتان آکر مسلمان ہوگیا۔ جامع مسجد میں علم پڑھنے میں مشغول ہوگیا۔ ایک دن اس نے اپنے آپ کو ایک شخص پر ظاہر کیا۔ مشہور ہوگیا کہ یہ شخص جن ہے اور تمام شہر والے اس سے ڈرتے ہیں۔ ایک دن یہ اطلاع حضرت مخدوم کو بھی ملی۔ آپ نے اسے بلوایا' نظر جلال سے اسے دیکھا۔ وہ اسی وقت پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا "میں جل گیا' میں جل گیا" لوگ اس پر پانی گراتے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر وہیں مرگیا۔

"اخبار الاولیاء" میں ہے ایک بار ماہ رمضان میں حضرت مخدوم اوچ کی جامع مسجد میں معتکف تھے۔ اہل صلاح و اہل فلاح بھی اس کام میں آپ کے ساتھ شامل تھے۔ پوری مسجد درویشوں اور عالموں سے بھری ہوئی تھی۔ ایک دن اوچ کا حاکم سومرو آپ کی زیارت کے لیے آیا۔ اسے آپ کے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ پسند نہ آئی۔ اس نے چند درویشوں کے ہاتھ پکڑ کر ڈانٹ ڈپٹ کر زبردستی مسجد سے نکال دیا تاکہ اپنے لیے مجلس تنہائی کی جگہ بنائے۔ مخدوم نے یہ حال دیکھ کر فرمایا "سومرو! تم دیوانہ ہوگئے ہو کہ درویشوں کو ستاتے ہو" جونہی یہ بات آپ کی زبان حق ترجمان سے نکلی سومرو دیوانہ

ہوگیا۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مسلوب العقل ہو کر مسجد سے نکل گیا۔ لوگوں کو پتھر مارتا اور بازاروں میں بالکل برہنہ ہو کر پھرتا۔ آخر بڑی مشکل سے اس پر قابو پایا گیا۔ اس کے پاؤں میں زنجیریں ڈالی گئیں۔ چند روز اس حال میں گزرے تو سومرہ کی عمر رسیدہ ماں حضرت کی خدمت میں آئی۔ اپنے بیٹے کی صحت کے لیے عرض کی' روئی پیٹی۔ آپ نے فرمایا "اسے لا کر نہلاؤ' نئے کپڑے پہناؤ۔ شیخ جمال الدین خندان رو کے مقبرہ کی زیارت کے لیے لے جاؤ۔ اس کے بعد میرے پاس لاؤ" ایسا ہی کیا گیا۔ جب سومرہ نے آپ کو دیکھا تو صحت یاب ہوا۔ آپ کے قدموں پر سر رکھا' مرید ہوگیا اور حق کا طالب بن گیا۔

مولانا محمد شمس الدین اوچی کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم کے آخری حج کے موقع پر میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ آپ جہاز پر سوار ہوئے تو درویشوں کے دل میں خیال گزرا اگر مچھلی ہاتھ لگے تو ہم بھونیں اور اس کے کباب کھائیں۔ حضرت نے ان کے خیال سے واقف ہو کر فرمایا "ان شاء اللہ! تمہارے کبابوں کے لیے مچھلی ملے گی۔ اسی وقت دس من کی ایک مچھلی نے پانی سے چھلانگ لگائی' جہاز پر گری تو خادموں نے پکڑ لی۔ بھونی اور اس کے کباب جہاز کے تمام مسافروں میں تقسیم کر دیے۔ سرزمین عرب کا ساحل آیا تو آپ جہاز سے اترے' دارالاسلام جدہ شہر میں داخل ہوئے۔ ایک دن ام الخلائق بی بی حوا علیہا السلام کے مزار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ اسی روز اتفاق سے حضرت حوا کے مزار کے قریب ایک تابوت لایا گیا۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا تابوت ہے۔ بتایا گیا کہ یہ ایک بزرگ کا جنازہ ہے۔ ان کا نام شیخ بدرالدین یمنی تھا۔ آپ تیس سال تک حرمین شریفین میں مجاور رہے۔ کل مکہ سے جدہ آئے' نماز عصر کے بعد تلاوت

قرآن میں مشغول تھے کہ عین تلاوت قرآن کے دوران جان حق ہوگئے۔ یہ سن پر آپ نے سر جھکا کر سوچا اور فرمایا "اس بزرگ کو دفن نہ کرو شاید کہ ابھی زندہ ہو" چنانچہ تابوت واپس شہر میں لے گئے۔ سمندر کے کنارے ایک مسجد میں تابوت رکھا' نعش سمندر سے نکالی اور مسجد کی صف پر رکھ دی۔ حضرت مخدوم نے حکم دیا کہ سب لوگ مسجد سے باہر چلے جائیں اور مسجد کا دروازہ مضبوطی سے بند کر دیں۔ آپ نے سب سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی پھر تلاوت قرآن کرنے لگے۔ جب آیت **یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی** پر پہنچے شیخ بدرالدین کے جسم کو حرکت ہوئی۔ وہ اٹھے' آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا' آپ کے قدموں پر سر رکھا۔ آپ نے اپنا خاص لباس بدر الدین کو عطا فرمایا۔ مسجد کا دروازہ کھولا' چونکہ نماز عصر کا وقت ہوچکا تھا اس لیے آپ نے اذان کہی۔ شیخ بدرالدین نے جماعت کروائی۔ یہ عظیم کرامت دیکھ کر لوگوں میں ایک شور اٹھا۔ بہت سے لوگ آپ کے مرید و معتقد ہوگئے۔ وہاں سے آپ مکہ آئے۔ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ کے سامنے کھڑے ہو کر آپ نے باآواز بلند کہا "السلام علیک یا جد امجدی" روضہ مطہرہ سے جواب آیا "وعلیک السلام یا ولدی قرۃ عینی" اس سے اہل مدینہ بھی آپ کی شرافت و کرامت کے معتقد ہوگئے۔ روضہ عالیہ نبویہ سے سلام کا جواب ملنے کی کرامت آپ کے جد بزرگوار شیخ سید جلال الدین سرخ شریف کو بھی حاصل تھی جس کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۷۰۷ھ میں ہوئی۔

وفات: آپ کی وفات بقول صاحب "اخبار الاخیار" ۷۸۵ھ میں ہوئی۔ یوں آپ کی عمر ۸۱ سال تھی۔ تاہم "اخبار الاخیار" کی رائے قرین قیاس ہے

جو چند اہل تواریخ کے اقوال کے مطابق ہے۔ شجرہ عالیہ سادات عظام بخاری میں بھی آپ کا یہی سن وفات اس فقیر کی نظر سے گزرا ہے۔ بہرحال دونوں قولوں میں ۳ سال کا فرق ہے۔ تاہم اس امر میں سب اہل تواریخ متفق ہیں کہ آپ کی ولادت ۱۴ شعبان شب برات کو ہوئی اور وفات ۱۰ ذی الحجہ بروز عیدالاضحیٰ واقع ہوئی۔ آپ کا مزار پر انوار خطہ ملتان کے مضافات میں "اوچ" کے مقام پر ہے۔

قطعہ

پیر کامل ولی جلال الدین قرۂ دیدۂ علی آمد
سال تولید آن شہ مخدوم از دلم "خادم نبی" آمد
۷۰۷ھ
سن وسال وصالش آن سرور "حامد و مہدی سخی" آمد
۷۸۸ھ
باز سال وصالش آن سرور "زاہد و پیر متقی" آمد
۷۸۵ھ

مخدوم شیخ اخی را جگیری قدس سرہ

آپ کا نام جمشید ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ حضرت آپ کو اخی کے خطاب سے یاد فرماتے تھے' لہٰذا اخی آپ کا خطاب پڑ گیا۔ آپ کا اصل وطن دریاباد کے پرگنہ کا موضع زہرا ہے۔ عنفوان جوانی میں آپ کو ضرب حق لگی۔ ترک و تجرید اختیار کی۔ مخدوم جہانیاں کی خدمت میں آ گئے۔ کئی سال تک تربیت پائی۔ آخرکار خرقہ خلافت ملا اور دیار قنوج کے صاحب ولایت ہوئے۔ اس طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو عوام کا اژدھام اس قدر زیادہ تھا۔ اس لیے شہر قنوج کی رہائش آپ کو راس

نہ آئی۔ وہاں سے نکل کر دریائے گنگا کے کنارے موضع را جگیر کو وطن بنایا اور لوگوں کی راہنمائی میں مصروف ہوگئے۔

قصہ وفات : "معارج الولایت" میں ہے کہ پہلے شیخ اخی نے بروز منگل بتاریخ دہم شوال ۸۰۱ھ میں وفات پائی۔ جب غسل و کفن ہوگیا تو آپ کے گھر کی بیرونی (دیوار) نے گریہ و نواحہ شروع کر دیا اور کہا کہ افسوس اخی جمشید ولی کامل تھے مگر افسوس کہ آپ نے منگل کے دن' جو منحوس اور مجوسیوں کا دن ہے' وفات پائی۔ کاش کہ آپ اس دن نہ فوت ہوتے۔ مخدوم اخی نے فوراً کفن سے سر نکالا اور فرمایا "اگر تیرے نزدیک آج کا دن منحوس ہے تو میں آج منتقل نہیں ہوتا کل منتقل ہو جاؤں گا" چنانچہ ایک روز مزید زندہ رہے۔ اگلے دن گیارہ شوال اور بدھ کا دن ۸۰۱ھ تھا اس جہان پرملال سے قرب ایزد متعال میں جا پہنچے۔

قطعہ

شد ز دنیا چو در بہشت برین سرور اتقیاء شہ جمشید
گفت سرور بسال تر حیلش "اکمل و اولیا شہ جمشید"
۸۰۱ھ

سید علم الدین پلاونی قدس سرہ

اپنے وقت کے بڑے بزرگ تھے۔ مالداری کے روپ میں اہل سلوک سے کسب سلوک کرتے تھے۔ آپ حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کے کامل ترین خلیفہ تھے۔ مخدوم اخی را جگیری کے ساتھ ان کی صحبت رہی۔ سادات ترمذ میں سے تھے۔ میر سید کمال ترمذی' سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور قصبہ کیتل کو وطن بنایا۔ ان کے ایک بیٹے (جو

سید علم الدین کے جد کلاں تھے) کنتیل سے نکلے اور قنوج میں سکونت اختیار کی۔ ان کے صاحبزادوں نے تین جگہ رہائش رکھی۔ میر سید عبدالقادر عموی اور میر صدر جہان قنوج سے نکلے اور قصبہ بہاتی کو اپنا وطن بنایا۔ دوسرے بھائی قنوج میں رہے۔ میر سید علم الدین نے مخدوم اخی جمشید رحمتہ اللہ علیہ کے اشارہ سے جون پور کا عزم کیا اور سلطان ابراہیم کی نوکری کرلی۔ انہیں پٹہ پلاون کی جاگیر ملی' وہیں سکونت اختیار کی مگر ہندو قوم کے غلبہ کی وجہ سے سکون خاطر نہ تھا اس لیے مخدوم اخی جمشید راجگیری سے مدد طلب کی۔ حضرت مخدوم قلعہ پلاون آئے' اسے مستحکم کیا اور دعا کی کہ سادات پلاون قیام قیامت تک یہیں رہیں۔

میر سید علم الدین میر سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمتہ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں' بلکہ دونوں بزرگوں کا سال وفات ایک ہی ہے۔ باہمی خط و کتابت بھی تھی۔ باہمی محبت کا رابطہ بہت مضبوط تھا۔

وفات: آپ نے ۸۰۸ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پرانوار پلاون میں ہے۔

قطعہ

رفت از دنیا چو در خلد برین علم دین آن عالم عامل ولی
گفت سرور و سال رحلتش "عالم اسرار با علم نبی"
۸۰۸ھ

شیخ کبیر الدین اسماعیل سہروردی قدس سرہ

حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے' مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت سید صدر الدین راجو قتال کی خدمت میں حاضر ہو

کر اپنی تکمیل کی۔ آپ کو ولایت میں بلند مرتبہ حاصل تھا۔ کرامات میں مشہور تھے۔ شروع میں آپ کی عادت تھی کہ آدھی رات کے وقت' مخدوم جہان کے مزار کی زیارت کے لیے جاتے اور انگشت شہادت کے اشارہ سے روضہ کے دروازہ کا تالہ کھولتے۔ اندر جاتے' نماز تہجد پڑھتے' کلام اللہ کا ختم پڑھتے' باہر آتے پھر انگلی کے اشارہ سے تالہ بند کر دیتے۔ ایک رات ایک مجذوب نے یہ دیکھا تو اس نے تمام ماجرا سید راجو قتال کو بیان کر دیا۔ شیخ کبیرالدین نور باطن سے واقف ہوگئے لہٰذا سبق پڑھنے اور توجہ و برکات لینے کے لیے سید راجو کی خدمت میں نہ گئے۔ حضرت سید نے انہیں اپنے پاس بلوایا۔ بہت اعزاز و اکرام کیا۔

شیخ کبیر الدین کے دو فرزند تھے۔ عبدالشکور اور عبدالغفور۔ دونوں ظاہری اور باطنی جمال کے جامع تھے۔ علوم شریعت و طریقت کے عالم و عامل اور کامل و اکمل تھے۔ اپنے والد کے مرید تھے۔ ان سے ہی صوری و معنوی تربیت پائی۔ وفات کے دن دونوں بیٹوں کو پاس بلوایا' خرقہ خاص سے سرفراز کیا اور فرمایا "میرے بعد جب بھی تمہیں کوئی مشکل پیش آئے' میری قبر کے پاس آ کر ظاہر کرنا تمہیں اس کا درست حل مل جائے گا" چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ایسا ہی ہوا۔ جب دونوں صاحبزادوں کو کوئی مشکل یا مہم پیش آتی' اپنے والد گرامی کی قبر کے سرہانے آتے' فوراً ہی جواب مل جاتا۔

وفات: شیخ کبیرالدین نے ۸۲۵ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

جلوہ گر چون گشت در خلد برین — مہر عالم ماہ دین اکبر کبیر
از خرد جستم چو سال وصل او — گفت ہاتف "شاہ دین اکبر کبیر

۸۲۵ھ

سید صدر الدین المعروف شیخ راجو قتال بخاری رحمتہ اللہ علیہ

اپنے والد بزرگوار سید احمد کبیر بن سید جلال الدین شریف اللہ سرخ بخاری اوچی رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ ہیں۔ اپنے بھائی سید جلال الدین مخدوم جہانیاں سے بھی خرقہ خلافت و ارشاد ملا۔ مخدوم جہانیاں کی رحلت کے بعد مسند ہدایت و ارشاد پر بیٹھے۔ آپ علوم ظاہری وباطنی سے آراستہ شیخ تھے۔ زیور عشق و محبت سے پیراستہ تھے۔ کوئی بھی آپ کی نظر کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ جو سامنے آتا' آپ کی عظمت کا اعتراف کرتا اور مرید ہوجاتا۔

آپ جو زبان سے نکالتے ویسے ہی واقعہ ہوتا۔ آپ مخلوق سے اس حد تک کنارہ کش تھے کہ مخدوم جہانیاں نے آپ کے بارے میں کئی بار فرمایا "حق جل وعلیٰ نے مجھے مخلوق کے ساتھ مشغول رکھا اور سید صدر الدین کو اللہ نے اپنے ساتھ مشغول رکھا"۔ آپ کا اللہ کے سوا کسی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ حضرت مخدوم سے زیادہ تر لوگوں کو تعلق آپ کے واسطہ سے ہی ہے۔ اگرچہ بعض لوگ حضرت مخدوم کے صاحبزادے حضرت ناصرالدین محمد کے واسطہ سے بھی (حضرت مخدوم) تک متعلق ہیں۔

ایک دن آپ کے ایک صاحبزادے نے ایک خادم کی داڑھی کسی جرم کی سزا کے طور پر تراش دی۔ اس نے آپ کی خدمت میں آکر فریاد کی۔ آپ نے فرمایا "تسلی رکھو! وہ اپنی داڑھی اپنے ہاتھ سے تراشے گا"۔ صاحبزادہ نے اسی وقت حجام کو بلوایا' اپنے سامنے بٹھایا اور کہا "میری داڑھی مونڈھ ڈالو"۔ حجام ڈر گیا اور ہاتھ دھونے کے بہانے روپوش ہوگیا۔ جب حجام نہ آیا تو آپ کے صاحبزادے نے خود قینچی پکڑی' چہرہ کے سامنے آئینہ رکھا اور اپنی داڑھی پوری طرح تراش دی۔

حضرت مخدوم جہانیاں جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو بادشاہ کی

طرف سے اوچ کا تحصیل دار اور فارسی نویس شاہی نواہون آپ کی عیادت کے لیے آیا اور کہا "خدا تعالیٰ وحدہ لاشریک کی ذات پاک حضرت مخدوم کو صحت دے کیونکہ حضرت مخدوم کی ذات پاک ختم الاولیاء ہے۔ جیسا کہ ذات والا درجات سرور کائنات علیہ السلام و الصلوۃ خاتم کل انبیاء ہیں۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو نبوت ختم ہوگئی' اسی طرح حضرت مخدوم کی وفات سے ولایت ختم ہوگئی"۔ جناب مخدوم نے جب یہ بات سنی تو سید راجن قتال سے فرمایا "تم نے سنا اس شخص نے کیا کہا؟ اگرچہ اس نے اس وقت اللہ تعالیٰ کی توحید کا اور حضرت خاتم النبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا ہے اور شریعت مقدسہ کے حکم کے مطابق ایک مسلمان اگر پھر مرتد ہو جائے تو واجب القتل ہوگا"۔ سید راجن نے کہا "میں نے سنا"۔ چنانچہ حاضرین مجلس گواہ ٹھہرے اور نواہون سے کہا "اب تم مسلمان ہو چکے ہو۔ اسلام کا حکم تم پر جاری ہے۔ چاہیے کہ احکام اسلام کی ادائیگی کے پابند بنو" مگر چونکہ نواہون کو مسلمان ہونا منظور نہ تھا' راتوں رات اوچ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ دہلی میں سلطان فیروز شاہ کی خدمت میں جا کر اظہار حال کیا۔ سلطان نے بھی ہر چند اسے اسلام کی ہدایت کی مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس نے کہا "کچھ بھی ہو جائے میں مسلمان نہیں ہوں گا" چند دنوں بعد حضرت مخدوم کا انتقال ہوگیا۔ سید راجن قتال تجہیز و تکفین کے کام سے فارغ ہو کر اس مقدمہ کے تصفیہ کے لیے چشم دید گواہوں کے ساتھ دہلی کا رخ کیا۔ جب ان کے آنے کی خبر سلطان کو ملی تو اس نے علماء شہر کو اکٹھا کیا۔ اس بارے میں مشورہ لیا کہ حضرات کچھ اس قسم کا فتویٰ دیں کہ نواہوں قتل سے بچ جائے اور سید صدر الدین بھی اس فتویٰ کو قبول کر لیں۔ آخر قاضی عبدالمقدر کے بیٹے شیخ محمد نے جو ایک تیز طبع نوجوان تھے کہا: جب سلطان

سید راجن کے استقبال کے لیے تشریف لے جائیں تو باہمی ملاقات کے بعد پوچھیں کہ آپ نواہون کافر کے مقدمہ کے تصفیہ کے لیے تشریف لائے ہیں؟ پس اگر وہ فرمائیں کہ جی ہاں تو پھر ہم ان سے یہ بحث کریں گے اور بتائیں گے کہ خود آپ نے اسے کافر کہا ہے اب اسے کیسے مسلمان کہہ رہے ہیں اور اس پر اسلام کا حکم جاری فرما رہے ہیں؟ قاضی کو صاحبزادہ کی یہ بات سلطان کو پسند آئی۔ چنانچہ حضرت سید کے استقبال کے لیے سلطان گئے۔ ملاقات کے بعد پوچھا کہ آپ نواہون کافر کے مسئلہ کے فیصلہ کے لیے تشریف لائے ہی۔ حضرت سید نے جواب دیا کہ ہاں برائے تصفیہ مقدمہ نواہون مسلمان آیا ہوں جس نے ہمارے اور دوسرے گواہوں کے سامنے اسلام کا اقرار کیا ہے۔ قاضی صاحب کے صاحبزادہ شیخ محمد نے جو اس وقت موجود تھے کہا اس نے جیسا کہ ہونا چاہیے دلی ارادہ سے اپنی زبان سے اسلام کا اقرار نہیں کیا۔ ابھی اس کے اسلام کا ثبوت شرعی طور پر نہیں ہوا۔ آپ اس پر اسلام کا حکم کس دلیل سے لگاتے ہیں۔ حضرت سید نے اسے تیز نظر سے دیکھا اور فرمایا "اے قاضی کے بیٹے! مجھے تمہاری باتوں سے دیانت کی بو نہیں آتی۔ جاؤ قضا تمہارے سر پر آچکی ہے اور تم سفر آخرت کے لیے آمادہ ہو۔ اپنے کفن دفن کا انتظام کرو"۔

یہ سنتے ہی شیخ محمد کے پیٹ میں درد ہوا۔ اسے اٹھا کر اس کے گھر لے گئے۔ گھر پہنچا تو قریب الموت تھا۔ اس کے والد قاضی عبدالمقدور اپنے بیٹے کا قصور معاف کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوری نیازمندی سے عرض کیا "میرا یہی ایک بیٹا ہے اگر آپ مجھے بخش دیں تو آپ کی عنایت ہوگی" فرمایا "اب کیا ہو سکتا ہے؟" وہ تو دنیا سے چلا گیا مگر آپ کو خوشخبری ہو کہ اس کی اہلیہ حاملہ ہے۔ اس سے ایک بیٹا پیدا ہوگا۔ وہ متقی اور

علوم ظاہری و باطنی کا عالم ہوگا" اسی دوران قاضی صاحب کے خادموں نے آ کر خبر دی کہ شیخ محمد دنیا چھوڑ گیا۔

شیخ محمد کی اہلیہ حاملہ تھی۔ چند ماہ کے بعد اس نے ایک بچہ جنا جس کا ابوالفتح نام رکھا گیا۔ وہ متقی، زاہد اور عابد ہوا۔

ادھر اس نواہون ہندو کو ہر چند کے بادشاہ اور امراء نے اسلام قبول کرنے کی نصیحت کی مگر اس نے انکار کیا۔ آخر اس کی گردن اڑا دی گئی۔

وفات: حضرت شیخ سید صدر الدین راجن قتال نے خواجہ معین الدین خوشکی چشتی صاحب "معارج الولایت" کے بقول ۱۹ جمادی الاخر ۸۲۷ھ میں منگل کی رات شاہ دین خضر خان بن ملک سلیمان کی سلطنت مبارک میں وفات پائی۔

قطعہ

چوں صدر الدین ازین دنیائے دون رفت — عیان شر طرفہ تر تاریخ ایصال

رسیدہ شاہ صدر الدین محبوب — دو بارہ "ہادی دین پیر قتال"

۸۲۷ھ — ۸۲۷ھ

شیخ سراج الدین حافظ قرآن قدس سرہ

آپ حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ ہیں۔ سالہا سال تک اپنے پیر کے امام نماز رہے۔ حضرت مخدوم کی آپ پر بہت زیادہ عنایت و شفقت تھی حتیٰ کہ فقہ و حدیث اور تفسیر کے ماہر علماء نے اس بارے میں رشک کیا۔ اس پر حضرت مخدوم نے فرمایا "سراج الدین کو جب تک کعبہ نظر نہیں آتا وہ تکبیر تحریمہ نہیں کہتے"۔ آپ سے بہت سی کرامات بے اختیار صادر ہوئیں اگرچہ ان کو پوشیدہ کرنے کی امکان بھر کوشش کرتے تھے۔

صاحب "اخبار الاخیار" فرماتے ہیں آپ کے عہد میں حضرت شاہ بدیع الدین مدار' ہرمز سے کالبی آئے۔ آپ کا طریقہ عوام کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ بہت سے لوگ آپ کے گرد جمع ہوگئے۔ آپ کو بہت شہرت ملی مگر آپ کی بعض باتیں شریعت کے خلاف تھیں۔ ان دنوں ایسا اتفاق ہوا کہ سلطان محمد فیروز شاہ کی طرف سے قادر شاہ اپنے والد سلطان محمد کی وفات کے بعد وہاں کا حاکم ہوا۔ شاہ مدار کی شہرت سے متاثر ہو کر آپ سے ملنے آیا۔ جب قطب المدار کی بارگاہ کے دروازہ پر پہنچا تو دربان نے اسے شاہ مدار کے پاس نہ جانے دیا اور کہا "اس وقت ایک بہت بڑا کامل جوگی آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور آپ سے باتیں کر رہا ہے۔ اس لیے اس وقت حکم یہ ہے کہ کوئی بھی اندر نہ آئے"۔ قادر شاہ یہ سن کر بہت غضب ناک ہوا اور شاہ مدار کے نوکر سے کہا "شاہ مدار سے کہہ دو کہ وہ ہمارے شہر' ہمارے ملک اور ہماری عملداری میں نہ رہے" یہ کہہ کر حاکم واپس اپنے گھر آگیا۔ شاہ مدار کو یہ خبر پہنچی تو وہاں سے کوچ کیا۔ دریا پار کیا حاکم کے خلاف بددعا کی اور خادم سے فرمایا "تم یہیں رہو اور انتظار کرو کہ ہماری بد دعا سے حکمران پر کیا آفت نازل ہوتی ہے۔ جب وہ مصیبت میں مبتلا ہوجائے تو مجھے اس کی اطلاع کرنا" ادھر مدار شاہ نے دریا عبور کیا ادھر قادر شاہ کے جسم پر بے شمار آبلے نمودار ہوئے۔ وہ چیچک کی بیماری میں مبتلا ہوگیا اور قریب الموت ہوگیا۔ جب وہ زندگی سے ناامید ہوگیا تو شیخ سراج الدین حافظ کی خدمت میں رجوع کیا۔ آپ نے اسے اپنا خاص پیراہن پہننے کے لیے دیا جسے پہنتے ہی وہ تندرست ہوگیا۔ آبلوں کا نشان تک باقی نہ رہا۔ شاہ مدار کے خادم نے جب یہ دیکھا کہ اس نے شیخ سراج الدین کی پناہ لے لی ہے' مایوس ہوا اور دریا پار کیا۔ شاہ مدار کو اطلاع دی تو وہ جون پور چلے گئے۔ وہاں سے قنوج کی طرف گئے پھر کبھی قادر شاہ کے ملک میں نہ آئے۔

وفات: آپ ۸۳۰ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

قطعہ

شد ازیں دنیائے دون اندر بہشت　　چون سراج الدین ولی متقی
"ہادی خیر" است سال رحلتش　　ہم خرد گفتا "سراج روشنی"
۸۳۰ھ　　۸۳۰ھ

سید ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری قدس سرہ

آپ علوم شریعت و طریقت، حقیقت و شرافت، سیادت و نجابت اور خوارق و کرامات کے جامع تھے۔ ولایت میں آپ عالی رتبہ تھے۔ چوں کہ اولاد بہت تھی اس لیے سید ناصر الدین مشہور ہوئے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی سب اولاد بیٹے اور بیٹیاں ایک سو کی تعداد میں تھے اور سب نے لمبی عمر پائی۔ بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ اگرچہ ان کے والد کے جانشین سید صدر الدین راجن قتال تھے تاہم آپ بھی طالبوں کی راہنمائی میں آیت اللہ تھے۔ طریقت میں اپنے پدر بزرگوار سے نسبت تھی اور انہی سے خلافت و اجازت حاصل کی۔

وفات: بقول صاحب "معارج الولایت" آپ نے ۸۴۷ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

بجنت ناصر الدین چون سفر کرد　　عیان سال وصال آن شہ دین
ز عارف ناصر الدین کامل آمد　　دگر "قطب مکرم ناصر الدین"
۸۴۷ھ　　۸۴۷ھ

شیخ سید برہان الدین قطب العالم بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ

کنیت ابو محمد، نام عبداللہ اور لقب برہان الدین ہے۔ صاحب حال و قال

تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال تھا۔ خود اپنے والد کے مرید تھے۔ انہی سے صوری و معنوی تربیت پائی۔ آپ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ غیبی اشارہ پا کر اپنے وطن اوچ سے سلطان احمد بن تاتار خان بن سلطان مظفر کے زمانہ حکومت میں احمد آباد شہر آئے۔ گجرات پہنچ کر سلطان کو اپنا مرید کیا اور ارشاد و راہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے لگے۔ قطب العالم کا خطاب ملا۔ ہزاروں طالبان حق کو حق تک پہنچایا۔ ملک دکھن کے مشہور مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۷۰۹ھ میں ہوئی۔

وفات: آپ نے صاحب "الاخبار الاخیار" کے بقول ۷۵۷ھ میں (جو مطلع یوم الترویۃ سے حاصل ہوتا ہے) وفات پائی۔ صاحب "معارج الولایت" نے آپ کا سال وفات ۸۵۶ھ تحریر کیا ہے۔ دو قولوں میں ایک سال کا فرق ہے۔ آپ کا روضہ بنوں کے مقام پر احمد آباد سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کے روضہ عالیہ پر ایک پتھر ہے جس میں پتھر، لکڑی اور لوہے کی خصوصیات ہیں۔ یعنی تینوں چیزوں کی خصوصیات و خواص اس میں بیک وقت پائی جاتی ہیں۔ یہ تشخیص نہیں کی جاسکتی کہ ان تینوں میں سے کون سی چیز کہاں ہے؟ کہا جاتا ہے کہ ایک رات حضرت نماز تہجد کے لیے اٹھے۔ چونکہ اندھیرا تھا اس لیے آپ کو ٹھوکر لگی۔ آپ کو معلوم نہ تھا کہ کیا چیز ہے؟ اس لیے فرمایا کہ لکڑی ہے یا پتھر یا لوہا یا کوئی اور چیز؟ صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا تو تینوں کے وصف اس میں پائے۔ یہ پتھر اب تک وہاں ہے۔ کوئی دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ پتھر ہے۔ پھر جب اچھی طرح دیکھتا ہے تو پکار اٹھتا ہے کہ یہ لکڑی ہے۔ پھر جب غور سے دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ لوہا ہے یا کوئی اور چیز؟

قطعہ

سید مہتاب برہان الولی ہست سال انتقالش این چنیں
۷۵۷ھ

باز سرور کوز وصل آنجناب "طرفہ زاہد' شمع حق' برہان دین"
۷۵۷ھ

سید شاہ عالم قدس سرہ

کنیت ابوالبرکات' نام محمد بن قطب العالم برہان الدین اور لقب منجمن پر ہے۔ اپنے والا کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ صاحب کرامات بلند و مقامات ارجمند تھے۔ ظاہر و باطن اپنے وقت کے سید (سردار) تھے۔ آپ کا حلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔ آپ کی عمر' والدین کا نام' دایہ کا نام نیز عمر شریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے مطابق تھی۔ والدین اور دودھ پلانے والی کا نام حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے متفق تھا۔

شاہ عالم چونکہ حضرت قطب العالم کے درمیانی صاحبزادہ تھے اس لیے آپ کو انجلے پر کہا جاتا تھا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے۔ شیخ احمد کتھو سے بھی تربیت حاصل کی۔

صاحب "اخبار الاخیار" لکھتے ہیں:

ایک بڑھیا حضرت شاہ عالم کی مرید تھی۔ اس کا ایک لڑکا تھا۔ وہ اتفاق سے مرگیا تو بڑھیا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ کا دامن پکڑ کر بہت زاری اور منت کی کہ میرا بیٹا مجھے واپس ملے۔ جب ان کی منت سماجت حد سے گزر گئی تو اس کی تسلی فرما کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ آپ کا بھی ایک کم سن بیٹا تھا۔ اس کو اٹھایا' باہر لائے۔ دونوں ہاتھوں پر اٹھایا اس کی طرف

رخ کیا اور کہا "یا اللہ وہ بچہ فوت نہیں ہوا' یہ فوت ہوا ہے۔ فوراً اس بچہ نے آپ کے ہاتھ پر جان' جان آفرین کے حوالہ کی اور بڑھیا کا بیٹا زندہ ہوگیا۔

ولادت : باسعادت ۸۱۷ھ ہے۔ آپ کی وفات بقول "صاحب الاخبار الاخیار" "معارج الولایت" وغیرہ بروز ہفتہ ۸ جمادی الاولی ۸۸۰ھ ہے۔ آپ کی عمر ۶۳ سال ہے۔ صاحب "اخبار الاخیار" آپ کی تاریخ وفات کا لفظ "فخر" سے اور صاحب "معارج الولایت" نے لفظ "شمع عشق" سے اخذ کیا ہے۔

آپ کا روضہ احمد آباد میں مرجع خلایق اور اس ملک کے لوگوں کے لیے تفریح گاہ ہے۔ یہ اونچی اور پرلطف جگہ ہے۔ شب جمعہ اس علاقہ کے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ رات وہاں گزارتے ہیں' جمعہ کے دن صبح سویرے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔

قطعہ

شاہ عالم بادشاہ اہل جاں مقتدائے دین امیر المومنین
گشت سال انتقالش جلوہ گر از "امین اللہ امام المتقین"

۸۸۰ھ

شیخ عبدالطیف داور الملک بن محمود قریشی قدس سرہ

آپ حضرت شاہ عالم محمد رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ ہیں۔ تاریخ "مرات سکندری" میں ہے کہ داور الملک سلطان محمود پکڑہ کے امیر تھے۔ سلطان سے داور الملک کا خطاب ملا۔ آخر حضرت شاہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔

ایک دن شاہ عالم وضو کر رہے تھے۔ داور الملک اپنے ہاتھ سے پانی ڈال رہے تھے۔ اس وقت شاہزادہ دکن جو کسی بیماری میں مبتلا تھا اور اس کی شفا کے لیے آپ کے دعا کی درخواست ہو رہی تھی۔ شاہ عالم نے وضو سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دست مبارک سے چند قطرے جزام اور برص کی بیماری میں گرفتار شہزادے پر ڈالے تو اس نے فوراً شفا پائی۔ پھر آپ نے داور الملک کی طرف رخ کر کے فرمایا "چونکہ اکثر اوقات عوام اپنی حاجات خواجہ معین الدین چشتی کی خدمت میں پیش کرتے تھے اس لیے آپ ان لوگوں کو سالار مسعود غازی کے حوالہ کر دیتے تھے اور خود اس جھنجھٹ سے فارغ ہو جاتے تھے۔ لہٰذا مجھے بھی یونہی کرنا چاہیے خود کو اس کام سے فارغ کر لینا چاہیے"۔ یہ فرمان سن کر داور الملک نے دل میں سوچا کہ سالار مسعود غازی جیسا تصرف کیسے ظاہر ہوگا؟ شاہ عالم نے ان کے اس خیال سے مطلع ہو کر فرمایا "حیران نہ ہو جانا چاہیے حق سبحانہ تعالیٰ تمہیں یہ مرتبہ بخشے کہ تم شہید ہو جاؤ اور مخلوق کی حاجات پوری کرنے لگو؟"

چنانچہ چند روز بعد سلطان محمود نے آپ کو تھانہ امرون بھیج دیا جو ریاست گجرات کی سرحد پر واقع ہے۔ آپ نے وہاں جا کر قوت خداداد سے کام لے کر وہاں کی رعایا کو مطیع کیا حتیٰ کہ قصبہ مرون کے باشندے کراسیہ قبیلہ کے لوگ بھی آپ کے فرمانبردار ہوگئے۔ اس قبیلہ کا ایک بدقماش شریر شخص داور الملک کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے فلاں رشتہ دار کے پاس عدیم المثال تلوار ہے جو دیکھنے کے لائق ہے۔ اس کی شمشیر ضرور دیکھنی چاہیے۔ چنانچہ آپ کے دل میں اس کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ یہی شریر آدمی اب اس کراسیہ کے پاس گیا اور کہا کہ ملک تمہیں دھوکہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ اس ناعاقبت اندیش نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ

جب داور الملک مجھ سے تلوار مانگے تم یکبارگی اس پر ٹوٹ پڑنا اور اس کا کام تمام کر دینا۔

وہ کراسیہ آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے بے تکلف ہو کر اس سے دیکھنے کے لیے تلوار مانگی۔ فوراً ہی اس کے ساتھی ہاتھوں میں تلواریں لیے نمودار ہوئے اور حضرت داور الملک کو شہید کر دیا۔ آپ قصبہ موزنی میں دفن ہوئے۔ آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ لوگ ظاہر و باطنی فائدے حاصل کرتے ہیں۔

واقعہ شہادت : آپ کا واقعہ شہادت (بقول صاحب معارج الولایت) ۸۸۹ھ ہے جو لفظ ذیقعدہ سے اخذ کیا گیا ہے۔

قطعہ

داور الملک آن شہید اہل جاہ　　رفت چون از دہر در جنت رسید
سال ترحیلش شد طرفہ تر　　از "ولی پر امین داور شہید"
۸۸۹ھ

شیخ کبیر الدین حسن قدس سرہ

آپ کا بخارا کے سادات عظام سے تعلق تھا۔ حضرت مخدوم جہانیاں کے خاندان سے بہت فیض پایا اور کمالات تک پہنچے۔ اس کے بعد دنیا کی سیر کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آخر واپس اوچ آئے اور وہیں وفات پائی۔ صاحب "اخبار الاخیار" فرماتے ہیں: "آپ کی عمر ۱۸۰ برس تھی۔ آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔ آپ کی مشہور ترین کرامت یہ تھی کہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان جو بھی آپ کی خدمت میں آتا تائب ہو جاتا۔ اسلام کی تصدیق کرتا، توبہ کرتا اور اسلام کے قبول کرنے میں بے اختیار ہو جاتا۔ اس

لیے ہزاروں لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور ہدایت یاب ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی بعض اولاد میں یہ کرامت باقی رہی۔

وفات : بقول صاحب "اخبار الاخیار" آپ نے ۸۹۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار اوچ میں ہے۔

قطعہ

چون کبیر الدین حسن سید ولی — گشت در خلد معلی جائے گیر
"تاج عرفان کامل آمد" رحلتش — نیز "سلطان نیر الاکبر کبیر"
۸۹۶ھ — ۸۹۶ھ

شاہ عبداللہ قریشی ملتانی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ

آپ شیخ السلام بہاؤالدین زکریا ملتان رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے آباء کرام ملتان سے دہلی تشریف لے گئے۔ بچپن سے ہی آپ کی پیشانی مبارک پر بزرگی کی علامات ظاہر تھیں۔ آپ نے اپنے جد بزرگوار کے قدم پر قدم رکھا۔ سلطان بہلول لودھی نے آپ کو اپنی دامادی میں قبول فرمایا۔ اور اپنی صاحبزادی سے نکاح کر دیا۔ آپ کبھی سالک ہوتے کبھی مجذوب۔ آپ کو ظاہری عظمت و سطوت بھی حاصل تھی۔ سلوک کے دوران اپنی طاقت سے بڑھ کر ریاضتیں اور مجاہدے کیے۔ آپ کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ "ابتدائے سلوک میں ہم نماز پڑھتے تو ہزار رکعت سے کم نہ پڑھتے۔ اگر ہم تلاوت کرتے تو تین ختم سے کم نہ کرتے۔ ایک ساعت کے ذکر پر جو فائدہ مرتب ہوتا وہ بھی بے حساب ہوتا"۔

صاحب "اخبار الاخیار" فرماتے ہیں: ایک دن شاہ عبداللہ (اس) بام بلند کے اوپر تشریف فرما تھے (جو اب بھی آپ کے روضہ کے پہلو میں موجود

ہے) اسی دوران ان پر اچانک حالت وجد طاری ہوگئی۔ آپ چھت سے زمین پر گر پڑے مگر اس حادثہ سے آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اسی طرح آپ نے ایک دن حالت وجد میں بکری کے بچہ کو زمین پر پٹخا جس سے وہ مرگیا۔ ایک شخص نے عرض کیا "یا شاہ! بکری کے بچہ کو صدمہ پہنچا اور وہ بے چارہ آپ کے ہاتھوں مارا گیا۔ مناسب ہوتا کہ آپ اسے زندہ کرتے کیونکہ آپ نے زندہ کو مردہ کر دیا ہے" یہ سنتے ہی شاہ اٹھے۔ بزغالہ کی پیٹھ پر پاؤں رکھا اور کہا "اٹھ! مردہ کو بدنام نہ کر" اسی لحہ حی القیوم کے حکم سے وہ بزغالہ زندہ ہوگیا۔

"اخبار الاخیار" میں درج ہے: ایک دن شاہ عبداللہ حالت سکر میں تھے۔ خدمت کاروں سے فرمایا "گھر میں جتنا بھی سامان ہے باہر نکالو اور اسے آگ لگا دو تاکہ جل جائے"۔ آپ کا ایک کم سن صاحبزادہ شاہ احمد وہاں موجود تھا۔ اٹھ کر عرض کی "ایک ایک کر کے سامان نکالنا' تکلف سے خالی نہیں ہے۔ ہم گھر کو آگ ہی لگا دیتے ہیں کہ ایک بار ہی سارا سامان جل جائے۔ حضرت کو یہ بات پسند آئی تو اس کے حق میں دعائے خیر کی۔

وفات: بقول صاحب "معارج الولایت" آپ نے ۹۰۰ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

ز دنیا در خلد معلی چو عبداللہ پیر عابد دین
عیان شد نسل و سال انتقالش ز "عبداللہ قریشی سید دین"
۹۰۰ھ

شیخ سماء الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ

آپ مخدوم جہانیاں بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے نبیرہ سید کبیر الدین

اسماعیل کے عظیم خلفاء میں سے ایک ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ ورع و تقویٰ میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ دنیا میں صرف بقدر ضرورت لینے پر اکتفا کرتے تھے۔ میر سید شریف جرجانی کے شاگرد مولانا ثناء الدین سے ظاہری علوم کی تحصیل کی۔ ملتان میں بعض واقعات و حوادث کی وجہ سے چلے گئے اور مدت تک رستھوڑ' بہانہ وغیرہ میں رہے۔ پھر دہلی آئے اور اسے وطن بنا لیا۔ طویل عمر پائی۔ آخر عمر میں نابینا ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے بغیر علاج' وسیلہ کے آپ کو دوبارہ بصارت عطا فرمائی۔ آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ جیسے "مفتاح الاسرار" وغیرہ۔ آپ نے شیخ فخر الدین عراقی کی "لمعات" پر حاشیے لکھے جو اہل علم کے لیے کافی و وافی ہیں۔

صاحب "الاخبار الاخیار" فرماتے ہیں کہ ایک دن سلطان بہلول کے فرمان نویس' شہاب خان کا بیٹا شیخ محمد شیخ سماء الدین کی مجلس میں حاضر ہوا۔ یہ آدمی فسق و فجور میں بدنام تھا۔ یہ آیا تو حضرت کا ایک مرید اٹھا تاکہ اسے مجلس سے نکال باہر کرے کیونکہ یہ پاک لوگوں کی جگہ ہے۔ حضرت اس کے ارادہ سے واقف ہوئے اور اسے مخاطب کر کے فرمایا۔

ہر کسے طالب دیدار' چہ ہشیار چہ مست ہمہ جا خانہ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

یہ بیت سنتے ہی شیخ محمد پر ایک حالت طاری ہوگئی۔ اس نے بے اختیار ہو کر زمین پر سر رکھا اور مرید ہوگیا۔ پھر تو وہ ساری عمر ممنوعات کے قریب بھی نہ پھٹکا۔

حضرت شیخ سماء الدین کے حقیقی بھائی شیخ محمد اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت کی بارہ سال کی عمر میں بھی کبھی نماز تہجد فوت نہ ہوئی۔ والد بزرگوار نے آپ کو ایک ستارہ بتا دیا تھا کہ جب یہ ستارہ فلاں مقام پر پہنچے تو نماز تہجد

پڑھ لینی چاہیے۔ شیخ حجرہ میں ہوتے تو سر پر لحاف نہ اوڑھتے۔ اس ستارہ کو حجرہ کے روشن دان سے دیکھ لیتے۔ جب وہ ستارہ اپنی جگہ پر پہنچ جاتا تو آپ نماز تہجد ادا کرتے۔

"اخبار الاخیار" میں درج ہے کہ ناگور میں ایک نیک خاتون آپ کی مرید تھی۔ اس کے پاس ایک گائے تھی' اس کا دودھ وہ آپ کی خدمت میں پیش کرتی رہتی تھی۔ جب آپ نے ناگور سے گجرات جانے کا عزم کیا تو وہ گائے چوری ہوگئی۔ وہ خاتون آپ کی خدمت میں آئی عرض حال کی اور کہا "میری گائے چور سے منگوا کر مجھے عطا فرمایئے" یہ کہہ کر وہ نماز پڑھنے میں مشغول ہوگئی۔ عین نماز کے دوران شیخ کے خادموں نے سنا کہ آپ فرماتے ہیں "بی بی! تمہاری گائے حاضر ہے' لے جاؤ" جب وہ عورت نماز سے فارغ ہوگئی تو دیکھا کہ گائے صحن میں موجود ہے۔

ایک دن سلطان بہلول کی وفات کے بعد شیخ سماء الدین ان کی قبر کی زیارت کے لیے گئے۔ فاتحہ کے بعد مراقبہ کیا' پھر اٹھے اور کہا "یہ شخص دین میں بھی عیش و عشرت سے زندگی گزار گیا اور دنیا سے عالم آخرت میں منتقل ہونے کے بعد بھی اللہ سے محبت کے صدقہ اس نے بلند مرتبہ پایا۔

ایک دن شیخ کے سامنے ایک درویش "عین القضات ہمدانی" کے مکتوبات لایا۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے کتاب لی اور ایک دو ورق پڑھے اور فرمایا آپ بیس جگہ بذات خود بیک وقت گئے اور خانقاہ میں درویشوں کے ساتھ بھی کھانا تناول فرمایا" یہ سن کر ایک درویش کے دل میں یہ خیال گزرا کہ جسم تو ایک ہے پھر عین القضات بیس مقامات پر کھانے کے لیے کیسے گئے جب کہ خانقاہ سے بھی باہر نہیں نکلے۔ شیخ نے نور باطن سے اس کے خیال کو بھانپ لیا۔ آپ نماز مغرب کے بعد حجرہ کے اندر گئے اور بلند آواز سے اس

درویش کو اندر بلایا۔ درویش جب حجرہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ شیخ ایک تن سے پانچ تن ہوچکے ہیں۔ حجرہ کے چاروں کونوں میں موجود ہیں اور حجرہ کے درمیان بھی تشریف فرما ہیں۔ وہ حیران رہ گیا کہ پانچوں جگہ شیخ سماء الدین بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب اسے معلوم ہوا کہ یہ اس خیال کا جواب ہے جو عین القضات کی کرامت کے بارے میں اس کے دماغ میں آیا تھا۔ اس کے بعد وہ پانچوں صورتیں درویش سے مخاطب ہوئیں اور آواز آئی "درویشوں کو اتنی قوت اس حد تک حاصل ہوتی ہے کہ وہ اگر وہ چاہیں تو بیک وقت سو جگہ حاضر ہو جائیں اور اپنے گھر سے باہر قدم بھی نہ رکھیں"۔

وفات: شیخ سماء الدین نے بقول صاحب "اخبار الاخیار" بتاریخ ۱۷ جمادی الاول ۹۰۱ھ میں سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پرانوار دہلی میں ہے۔

قطعہ

سماء الدین ولی سہوردی — کہ در ارض و سما حکمش روان شد
چو از حکم قضا رحت سفر بست — "قضا" تاریخ ترحیلش بیان شد

۹۰۱ھ

شیخ عبدالجلیل المعروف بہ قطب العالم چوہڑ بندگی قریشی حارثی الہنکاری لاہوری قدس سرہ

سہوردیہ سلسلہ کے عظیم بزرگ ہیں۔ آپ کا نسب شریف چار واسطوں سے سلطان التارکین حمید الدین ابوالمغیث حاکم بادشاہ کیچ مکران تک جا پہنچتا ہے جن کا ذکر خیر اسی مخزن میں ہم کر آئے ہیں۔ یعنی آپ شیخ عبدالجلیل بن ابوالفتح بن شیخ عبدالعزیز بن شیخ شہاب الدین بن شیخ نور الدین بن سلطان

التارکین حمید الدین حاکم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

شیخ عبدالجلیل صاحب مقامات بلند و کرامات ارجمند تھے۔ آپ فرد یگانہ اور قطب زمانہ تھے۔ اپنے والد شیخ ابوالفتح کے مرید تھے۔ آپ نے دیگر بزرگان دین سے نیز دنیا کی سیر سے فیض کامل حاصل کیا۔ دنیا کی سیر کے بعد آپ شیخ حمیدالدین حاکم کے مسکن و مدفن قصبہ موکہ میں آئے اور کچھ عرصہ وہیں ٹھہرے۔ پھر خدائی اشارہ سے لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آدھے راستے میں پہنچے تو خواب میں شیخ فریدالدین گنج شکر کو دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں: "یا شیخ مناسب یہ ہے کہ پہلے اجودھین ہمارے روضہ مطہرہ پر آؤ اور ہمارے پاس سے اپنا حصہ لو پھر لاہور جاؤ۔ چنانچہ آپ اجودھین تشریف لے گئے۔ چالیس روز تک حضرت گنج شکر کے روضہ مطہرہ پر خلوت گزین رہے اور آنجناب کی بارگاہ سے (خلافت خاندان چشتیہ) کی خلعت فاخرہ سے مشرف ہوئے۔ بعد ازاں لاہور آئے اور کوٹ کودر میں ٹھہرے۔ یہ لاہور کے باہر ایک گاؤں تھا جو مشرق و جنوب کے درمیان گوشہ گگئی کی طرف تھا۔ اب اس گاؤں کا نشان بھی باقی نہیں رہا۔

ایک دن شیخ دریا کی سیر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ جب راوی کے قریب پہنچے تو لسی بیچنے والی ایک عورت نے دریا پا پیادہ عبور کیا اور لاہور کی طرف رخ کیا۔ شیخ نے اس سے پوچھا "اس لسی کی کیا قیمت ہے؟" اس نے قیمت بتائی۔ شیخ نے ایک خادم سے فرمایا کہ "لسی کی قیمت اسے دے دو؟" قیمت ادا ہو چکی تو آپ نے عورت سے کہا کہ یہ گھڑا زمین پر مار کر توڑ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ گھڑا ٹوٹا تو اس میں سے مردہ سانپ نکلا۔ عورت حیران ہوئی۔ اپنے گھر جا کر اپنے گوجر شوہر اور اپنے بیٹے کو (جو گاؤں کے بڑے آدمی تھے) واقعہ سنایا۔ اس کا شوہر صبح سویرے شیخ کی خدمت میں حاضر

ہوا' توبہ کی' اسلام لایا اور مرید ہوگیا۔ آپ نے اس کا نام شیخ جلال رکھا۔ وہ شخص آگے چل کر ولی کامل بنا۔

آپ کے بھائی اور خلیفہ شیخ ابوبکر ہیں۔ انہوں نے آپ کے بارے میں "تذکرہ عبدالجلیل" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ فرماتے ہیں کہ میرا آپ کی بیعت کرنے کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ میرے ہاتھ میں خشک لکڑی تھی۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر یہ خشک لکڑی حضرت کی کرامت سے کچھ بالشت لمبی ہو جائے تو میں مرید ہو جاؤں گا۔ شیخ اس خیال سے اپنے نور باطنی سے واقف ہوگئے۔ مسکرا کر فرمایا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ خشک لکڑی کو بھی لمبا کر دے۔ اتنے میں میرے ہاتھ کی لکڑی پہلے سے چند بالشت لمبی ہوگئی۔ میں اٹھا' آپ کے قدموں پر سر رکھا اور مرید ہوگیا۔

حضرت شیخ عبدالجلیل سید ابوعبداللہ سلیمان جزولی رحمتہ اللہ علیہ کی تالیف "دلائل الخیرات" بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ یہ کتاب ذکر اور درود شریف کے بارے میں بہت عمدہ ہے۔ حضرت یہ کتاب ایک بار صبح اور ایک بار شام پڑھتے۔ آپ جس مرید پر زیادہ مہربان ہوتے اسے یہ کتاب پڑھنے کی تاکید کرتے کیونکہ بہتر انداز سے اس کتاب کے مطالعہ سے اس کی مشکلیں دور ہوتیں۔

وفات: "تذکرہ عبدالجلیل" میں آپ کی وفات کا تذکرہ یوں ہے کہ یکم ماہ رجب المرجب ۹۱۰ھ میں اپنی مجلس میں رونق افروز تھے۔ شیخ یونس' شیخ جلال' شیخ مولانجار' شیخ میٹہ سیاہ پوش' شیخ موسیٰ آہنگر' ملاقرن اور شیخ زین العابدین علاوہ ازیں چند خلفائے نامدار اور اولیائے کبار آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اچانک آپ نے سر سجدہ میں رکھا' جان جان آفرین کے حوالہ کی۔

غسل کے وقت سلطان سکندر لودھی جو اس وقت لاہور میں تھا' آیا حضرت کے غسل میں شریک ہوا۔ غسل مکمل ہوگیا تو شیخ کی زبان سے تین مرتبہ "اللہ" کا اسم مبارک نکلا۔ بعض لوگوں نے سمجھا کہ ابھی زندہ ہیں۔ اس کے بعد دو گھڑی تک آپ کے ہونٹ حرکت کرتے رہے۔ جنازہ کے بعد آپ کو لاہور سے باہر آپ کی خانقاہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خلق ہے۔

صاحب "تذکرہ عبدالجلیل" شیخ ابوبکر نے آپ کی تاریخ وفات کا حاصل لفظ "شیخ" سے نکالا ہے۔

قطعہ

شہ عبدالجلیل آن قطب عالم　　بروی اوکشا درفضل حق باب
جنابش افضل دنیا و دین بود　　تو سال "رحلتش را فضل در باب"

۹۴۰ھ

قاضی نجم الدین گجراتی قدس سرہ

آپ حضرت شاہ عالم گجراتی کے خلیفہ اور مرید ہیں۔ صاحب "معارج الولایت" نے "مرات سکندری" سے نقل کیا ہے کہ قاضی نجم الدین ابتدا میں شریعت کے بڑی سختی سے پابند تھے اور فقراء کے بارے میں متعصب تھے۔ احکام شریعت جاری کرنے میں دل وجان سے کوشش کرتے۔ حتیٰ کہ ایک دن ایک زرگر سلطان محمود بہکرہ کے تاج کے لیے زیور مرصع کر کے لے جا رہا تھا۔ اتفاق سے قاضی صاحب کی اس پر نظر پڑ گئی۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے زیور لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ جب سلطان کو پتہ چلا تو اس کمال علم و آداب شریعت کا لحاظ کرتے ہوئے صبر کیا مگر اتنا کہا "اگر قاضی صاحب شریعت میں اتنے ہی پکے ہیں تو شاہ عالم کو مزامیر سننے سے کیوں نہیں

روکتے؟" قاضی صاحب تک یہ بات پہنچی تو آپ نے اس کا اثر لیا۔ سماع و مزامیر کے حرام ہونے کے مسئلہ پر کتب فقہ سے چند عبارات ایک کاغذ پر لکھیں۔

ادھر شاہ عالم کا دستور تھا کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے حجرہ سے باہر نکلتے اور نماز جمعہ کے بعد سے نماز عصر کے وقت تک خانقاہ کے صحن میں تشریف رکھتے اور مریدوں اور طالبوں کی تربیت فرماتے۔ غرضیکہ جمعہ کے دن نماز عصر سے قبل شاہ عالم خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ قاضی نجم الدین ہاتھ میں کاغذ پکڑے ظاہر ہوئے۔ جب ان کی نظر آپ کے جمال پر پڑی تو غایت رعب و دہشت سے بات کرنے کی ہمت نہ رہی۔

حضرت شاہ نے فرمایا "قاضی تیرے ہاتھ میں کاغذ کیسا ہے؟" قاضی نے وہ کاغذ شاہ صاحب کو دے دیا۔ جب آپ نے کاغذ پکڑا اور اسے دیکھا تو وہ سفید ہوگیا۔ عبارتوں کی سیاہی مٹ گئی۔ آپ نے وہ کاغذ قاضی کے حوالہ کیا اور فرمایا "دیکھئے کیا لکھا تھا؟" قاضی نے جب دیکھا کہ حروف کا کوئی نشان باقی نہیں ہے تو ان کے ہوش جاتے رہے۔ حضرت شاہ کے قدموں پر سر رکھا اور اسی گھڑی حسن اعتقاد سے مرید ہوگئے اور چند دنوں میں واصلان حق میں سے ہوگئے۔

وفات: اقوال صحیح کے مطابق آپ ۹۱۱ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

قطعہ تاریخ وفات

شیخ نجم الدین ولی باصفا　　شد چو از دنیا بہ جنت یافت بار

"گشت روشن نجم دین مخدوم دین"　　رحلت آن صاحب عز و وقار

۹۱۱ھ

سید عثمان المشہور شاہ جھولہ بخاری لاہوری علیہ رحمتہ اللہ الباری

آپ پیر روشن ضمیر تھے۔ صاحب ذوق و شوق تھے' جذب و استغراق میں کمال حاصل تھا۔ اوچ سے لاہور تشریف لائے' بہت سے لوگوں کو اپنا مرید بنایا۔ آپ کو بہت مقبولیت حاصل تھی۔ چھوٹے بڑے' شریف' شریر ہر کوئی آپ کا تابع فرمان ہوتا۔ علماء وقت بھی آپ کے حکم کی تعمیل اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ آپ کے آباء کرام کا نسب چند درمیانی واسطوں سے حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین اوچی قدس سرہ تک جاپہنچتا ہے۔

آپ سید محمد اوچی کے فرزند تھے جو ابن سید بہاؤالدین بن سید حامد بن سید محمد شاہ بن سید رکن الدین المخاطب ابوالفتح بخاری بن سید حامد بخاری الملقب بذی نو بہار صاحب دستار بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)

یہ سب حضرات اپنے ہی آباء اکرام کے ہتھ پر سلسلہ وار "سلسلہ عالیہ سہروردیہ" میں بیعت تھے۔

شاہ جھولہ بخاری کہلانے کا سبب یہ ہے کہ آنجناب اونٹ پر سوار ہو کر اوچ سے لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ اونٹ کو تیز چلاتے تو آپ کا بازو حرکت کرتا۔ اس دوران آپ نے اپنے بازو سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "یہ حرکت کیوں ہے؟" شاید تجھے جھولہ (رعشہ) ہوگیا ہے۔ اسی دوران آپ کے بازو میں رعشہ پیدا ہوگیا جو آخری دم تک رہا۔ جھولہ پنجابی زبان میں رعشہ کو کہتے ہیں۔

وفات: آپ کی اولاد کے پاس موجود قدیم شجرہ کے مطابق آپ نے ۱۸ ربیع الاول ۸۵۴ھ میں سلطان سکندر لودھی کے عہد میں وفات پائی۔ آپ کا مزار قلعہ لاہور کے اندرون تہہ خانہ کے مقام پر ہے جو قلعہ اکبری کی تعمیر سے قبل شہر لاہور کی آبادی کے اندر تھا۔ یہ مزار شیخ حسینی اور پنج پیر کے نام سے

مشہور ہے۔

قطعہ

میر عثمان چوگشت راہی خلد　　یافت از حق بباغ خلد مکان
گو وصالش امیر عثمان نیز　　"معدن جود سید عثمان"
۹۹۲ھ　　۹۹۲ھ

شیخ علم الدین چونی وال قدس سرہ

آپ شیخ عبدالجلیل چوہڑ قطب العالم لاہوری کے عظیم خلیفہ ہیں۔ اعلیٰ درجات و مراتب پر فائز تھے۔ عشق و محبت اور جذب و شوق میں یگانہ آفاق تھے۔ جب مرید ہوئے تو آپ کی خدمت میں رہے۔ ایک دن شیخ جا رہے تھے کہ اچانک ناپاک کیچڑ آپ کے لباس پر پڑ گیا۔ سید علم الدین نے فوراً شیخ کی چادر لی' اسے صاف کر کے پانی سے دھویا۔ اس خدمت سے مرشد گرامی خوش ہوئے اور فرمایا "سید علم الدین! تونے میرے لباس سے ظاہری نجاست دور کی۔ میں نے تیرے دل سے باطنی نجاست صاف کر دی"۔

فی الحالی علم الدین کا دل نور معرفت سے روشن ہوگیا۔ آپ درجات ولایت تک جاپہنچے اور اپنے زمانہ کے اولیاء میں ممتاز مقام پر فائز ہوئے۔

چونکہ سید علم الدین کو یہ دولت لازوال اپنے شیخ کا لباس دھونے سے حاصل ہوئی تھی اس لیے آپ ہمیشہ اپنے مرشد کے کپڑے دھوتے۔ حتیٰ کہ آپ شیخ علم الدین گاذر مشہور ہوگئے۔ تکمیل اور خرقہ خلافت ملنے کے بعد جنڈیالہ گلستان تشریف لے گئے۔ آپ کا روضہ منورہ قصبہ چوپلی سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ کے سالانہ عرس کے موقع پر دھوبی قوم کے لوگ آپ کے مزار پر بڑی تعداد میں حاضری دیتے ہیں۔

وفات: آپ ۹۹۶ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

شیخ علم الدین ولی دو جہان — رفت از دنیا چو در خلد برین
گشت سال ارتحالش جلوہ گر — "کاشف دین عالم علم الیقین"
۹۲۶ھ

قاضی محمود گجراتی قدس سرہ

صاحب ذوق و محبت و عشق تھے۔ شاہ عالم گجراتی کے خلیفہ تھے۔ ہندی زبان میں عاشقانہ شعر کہتے جو اس علاقہ کے قوال' بزرگوں کی سماع کی محفلوں میں پڑھتے۔ یہ اشعار بے حد موثر ہوتے تھے۔

جب قاضی محمود رحمت حق سے جا ملے آپ کو لحد میں اتارا گیا تو آپ کے والد بزرگوار نے آپ کے روئے مبارک سے کفن کا کپڑا ہٹایا۔ آپ کی جانب دیکھا تو قاضی محمود نے آنکھ کھولی اور مسکرائے۔ والد نے کہا "بابا محمود! یہ کیا بچوں والی حرکتیں ہیں جو تو کر رہا ہے؟" آپ نے فوراً آنکھ بند کر لی۔

وفات: آپ نے ۹۲۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

قطعہ

حضرت محمود شیخ باکمال — شد چو زین دنیائے فانی درجنان
سال وصل او بگو "شیخ ہدی" — سالک "مشکل کشا محمود وان"
۹۲۰ھ — ۹۲۰ھ

شیخ موسیٰ آہنگر سہروردی لاہوری قدس سرہ

آپ ایک مشہور ولی تھے اور شیخ عبدالجلیل جوہر بندگی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شرع میں آپ شیخ شہر اللہ بن یوسف کے ملتان میں مرید ہوئے جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے روضہ عالیہ کے سجادہ نشین تھے۔ انہوں نے وفات

پائی تو آپ شیخ عبدالجلیل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تکمیل کی۔

صاحب "تذکرہ عبدالجلیل" فرماتے ہیں: "جب شیخ شہر اللہ ملتانی کا آخری وقت تھا تو شیخ موسیٰ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا شیخ! ابھی اس خادم نے تکمیل نہیں کی اور ابھی تک علوم باطنی کے بارے میں چند حقائق و دقائق آپ سے حل نہیں کروائے۔ آپ بندہ کے لیے ایسی باتیں ارشاد فرمائیں جو میرے لیے مفید ہوں"۔ شیخ شہر اللہ نے جواب دیا "تیری بقیہ تکمیل قطب العالم عبدالجلیل لاہور سے ہوگی۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونا اور اپنا حصہ لینا" چنانچہ شیخ شہر اللہ کی وفات کے بعد شیخ موسیٰ نے لاہور کا رخ کیا۔ شیخ عبدالجلیل کی خانقاہ میں آ کر فقراء کی جگہ خاموشی سے بیٹھ گئے۔ ادھر شیخ عبدالجلیل نے اپنے نور باطن سے ان کا حال جان لیا۔ حجرہ سے باہر آئے اور آواز دی کہ ابھی ایک نووارد شخص جس کا نام موسیٰ ہے ملتان سے ہماری خانقاہ میں پہنچا ہے۔ اسے ہمارے پاس لایا جائے۔ خادموں نے آواز دی کہ شیخ موسیٰ کہاں ہے؟ اب شیخ موسیٰ اٹھے اور حضرت کی خدمت سے سرفراز ہوئے۔ کئی سال تک آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اپنی تکمیل کی اور آپ کا شمار اولیاء عظام میں ہونے لگا۔ حضرت شیخ بھی آپ سے جدائی برداشت نہ کرتے تھے۔ اس لیے اپنی خانقاہ سے متصل دو بیگھہ زمین مرحمت فرمائی تاکہ اپنی رہائش کے لیے مکان بنا لیں۔ آپ رزق حلال کے لیے لوہاروں کا کام کرتے تھے۔

ایک دن شیخ موسیٰ لوہاروں کے کام میں مصروف تھے کہ ہرو نام کی ایک عورت لوہے کی سلاخ ٹھیک کروانے کے لیے آپ کے پاس آئی۔ وہ عورت حسن و خوبصورتی میں بے مثال تھی۔ اس نے سلاخ اور کچھ اجرت آپ کے حوالے کی۔ شیخ نے سلاخ بھٹی میں ڈالی۔ آپ ایک ہاتھ سے دھونکنی کو ہلانے

لگے اور دوسرے ہاتھ میں چمٹا پکڑ کر سلاخ کے ایک سرے کو پکڑ لیا اور اپنی نظریں اس عورت میں گاڑ دیں اور پوری توجہ سے اس عورت کے حسن و جمال کا نظارہ کرنے لگے۔ آپ نقاش کے جمال کا نقش اور اس کی کاریگری کا مشاہدہ اس عورت کے حسن میں کرنے لگے۔ جب کچھ دیر تک یہی کیفیت رہی تو وہ عورت غصے ہوئی اور کہنے لگی "اے دکاندار تجھ پر افسوس کہ تو بیگانی عورت کو دیکھتا ہے اور خدا سے نہیں ڈرتا۔ کتنی دیر ہو چکی ہے کہ تو نے سلاخ بھٹی میں ڈال رکھی ہے اور دیوانہ وار میرے حسن و جمال پر مفتون ہو رہا ہے"۔ یہ بات سن کر شیخ موسیٰ نے آگ سے لوہے کی سلاخ نکالی اور سلائی کی طرح اپنی آنکھ میں پھیری اور کہا اے عورت اگر تجھے دیکھا ہے تو میری آنکھ جل جائے اور اگر اس کو دیکھا ہے جس نے تجھے پیدا کیا ہے تو لوہے کی سلاخ سونا بن جائے گی۔ فوراً ہی آہنی سلاخ خالص سونا بن گئی۔ جب اس عورت نے یہ کرامت دیکھی تو اس کا دل دنیا سے اٹھ گیا۔ جام عشق الٰہی کی مستانی بن گئی' کوچہ و بازار میں دیوانہ وار پھرتی' گھر اور گھر والے سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا اور ہزار دل سے مالک حقیقی کی عاشق بن گئی۔ کئی سالوں تک اس کی یہی حالت رہی کہ گھر والے بڑے حیلے سے اس کو پکڑ کر پا بہ زنجیر کرتے اور وہ کسی نہ کسی تدبیر سے زنجیروں سے نکل کر بازار کا رخ کرتی۔ ننگے سر' ننگے پیر پھرتی۔ آخر ایک دن اس نے اپنی جان شیریں معشوق حقیقی کے سپرد کر دی۔ یعنی اس دکھ بھری دنیا سے کوچ کر گئی۔ شیخ موسیٰ نور باطن سے اس کے فوت ہونے کا حال جان گئے۔ اس نازنین کے سرہانے تشریف لے گئے اور گھر والوں سے فرمایا کہ اس کشتہ عشق الٰہی کی تجہیز و تکفین ابھی نہ کریں شاید کہ وہ زندہ ہو۔ ابھی شیخ کی زبان سے لفظ "زندہ" نکلا ہی تھا کہ اس عورت نے حرکت کی اور زندہ ہو کر اٹھ بیٹھی۔ آپ کے

قدموں پر سر رکھا اور پھر جب تک زندہ رہی شیخ کی خدمت میں رہی۔ جب فوت ہوئی تو آپ کے روضے کے متصل دفن کی گئی۔ چنانچہ شیخ موسیٰ کے روضے کے متصل جو دوسرا چھوٹا روضہ ہے وہ اسی پاک دامن بی بی کا ہے۔

جب شیخ موسیٰ نے اپنے مقبرے کے لیے ایک اونچا گنبد اس زمین میں تعمیر کروانا چاہا جو آپ کو اپنے مرشد نے عطا کی تھی تو آپ نے معمار طلب کیے اور بنیاد رکھوائی۔ اتفاق سے ان میں سے کچھ معمار ہندو تھے۔ انہی دنوں میں دریائے گنگا میں نہانے کے دن آئے جو ہندوؤں کے مذہب میں بہت ثواب کا کام ہے۔ ہندو معماروں نے سفر گنگا کے لیے حضرت شیخ سے رخصت چاہی مگر آپ نے رخصت نہ دی۔ آخر جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب خاص غسل کا دن آئے تو ہمیں اطلاع دینا تمہیں دریائے گنگا پہنچا دیا جائے گا۔ آخرکار جب خاص غسل کا دن آیا تو وہ معمار حاضر ہوئے اور اطلاع دی کہ آج اشنان کا دن ہے۔ فرمایا کہ خانقاہ کے متصل کنوئیں کے پانی کے حوض میں جا کر غوطہ لگاؤ انشاء اللہ دریائے گنگا میں سر نکالو گے۔ وہ سب کنوئیں کے حوض پر گئے۔ ڈبکی لگائی جب سر باہر نکالا تو وہ دریائے گنگا میں تھے۔ بہت خوش ہوئے۔ اپنے مذہب کی رسمیں ادا کرنے کے بعد جب دوبارہ دریا میں جا کر غوطہ لگایا۔ جب سر باہر نکالا تو اپنے آپ کو شیخ کے حوض میں پایا۔

وفات: شیخ موسیٰ آہنگر نے صحیح قول کے مطابق ۹۲۵ھ میں وفات پائی۔ یہ ابراہیم لودھی کا دور حکومت تھا۔ آپ کا مزار لاہور میں ہے۔ آپ کے روضہ کا رنگ سبز ہے۔

قطعہ

چون شیخ دین و دنیا شیخ موسیٰ شد از دنیا بخلد جاودانی
بسرور شد عیان تاریخ سالش ز "سلطان زمان موسیٰ ثانی"

۹۳۵ھ

شیخ سید حاجی عبدالوہاب بخاری قدس سرہ

آپ سید جلال الدین شریف اللہ سرخ بخاری کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے بزرگوں کی نسبت سید محمد غوث بن سید جلال الدین سرخ تک جا پہنچتی ہے۔

آپ باعمل اور حال و قال اور ذوق و شوق اور محبت رکھنے والے بزرگ تھے۔ ابتدا میں دارالامان ملتان وطن تھا۔ ایک دن اپنے سسر اور پیر و استاد سید صدر الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ آپ سے سنا کہ دو نعمتیں دنیا میں بالفعل موجود ہیں جو اللہ کی سب نعمتوں سے برتر ہیں مگر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے' نہ ان کی شان پہچانتے ہیں اور ان نعمتوں کے حصول سے غافل ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلم مدینہ منورہ میں موجود ہیں لوگ اس سعادت کو نہیں پاتے۔ دوسرا قرآن مجید جو پروردگار کا کلام ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے بلاواسطہ غیر اس سے کلام کیا۔ لوگ اس سے بھی غافل ہیں۔ شیخ حاجی اپنے پیر سے یہ کلام سنتے ہی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ مدینہ منورہ کے سفر کا عزم کیا۔ حضرت سے رخصت طلب کی اور خشکی کے راستہ مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔ زیارت کی سعادت حاصل کی' وطن واپس آتے ہوئے دہلی آئے۔ سلطان سکندر لودھی کو آپ سے عقیدت ہوگئی۔ وہ آپ کی پوری تعظیم کرتا۔ بادشاہ کو حضرت حاجی سے اس قدر نیاز و محبت ہوئی کہ "فنا فی الشیخ" کے مرتبہ پر

پہنچ گیا۔ شیخ نے دو بار دہلی سے زیارت حرمین شریفین کا قصد کیا۔ دوبارہ اس سعادت سے فائز ہوئے۔ حضرت خاتم الرسالت علیہ الصلوۃ و التحیت کے اشارہ سے واپس ہندوستان آئے۔ 136

آپ نے ایک تفسیر لکھی ہے جس میں اکثر بلکہ تمام قرآن کو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت قرار دیا ہے۔ اس تفسیر میں بہت سے دقائق عشق اور رازہائے محبت درج فرمائے ہیں۔

وفات: شیخ سید حاجی عبدالوہاب نے بقول صاحب "اخبار الاخیار" ۹۳۲ھ میں وفات پائی جو لفظ "شیخ حاجی" سے اخذ کی ہے۔ آپ کے بعد سیدمدثر مسند مشیخیت پر بیٹھے۔

قطعہ

سید حاجی چوں از دنیائے دون رفت در فردوس اعلیٰ یافت جا
سید "محبوب میر متقی" کن رقم سال وصالش "سرورا"
۹۳۲ھ

شیخ عبداللہ بیابانی قدس سرہ

مولانا سماء الدین رحمتہ اللہ علیہ کے بیٹے ہیں۔ اپنے وقت کے زاہدوں میں شمار ہوتا ہے۔ تجرید میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ابتدائے حال میں شادی کی۔ بعد میں جب دیکھا کہ اس سے حضوری' وقت اور فراغ عبادت پر اثر پڑتا ہے تو بیوی سے مفارقت کرلی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اپنی طرف نسبت کرکے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ جو بات بھی کرتے غائب کا صیغہ استعمال کرتے۔ کسی بھی سلسلہ میں بات ہو اپنے آپ کو اس میں شامل نہ کرتے اور جن دنوں دہلی میں سکونت

تھی۔ سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی کے روضہ عالیہ میں مشغول ذکر و فکر رہتے۔

آپ کی عادت تھی کہ ہر نماز کے لیے تازہ غسل کرتے۔ کپڑے دھوتے۔ ایک دفعہ بادشاہ نے کچھ لوگوں کو قید کر دیا۔ ان میں سادات بھی تھے۔ آپ گئے اور بادشاہ سے ان کی رہائی کی سفارش کی مگر بادشاہ نے آپ کی بات نہ مانی۔ آپ نے فرمایا: "اس شہر میں رہنا حرام ہے جس کا بادشاہ تو ہو"۔ آپ دہلی سے مندور گئے۔ وہاں کے فرمانروا نے آپ کا استقبال کیا' نقد رقم پیش کی مگر آپ نے قبول نہ کی اور فرمایا "مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ فلاں حاکم کو یہ فرمان دیجئے کہ فلاں بیابان میں مجھے جگہ دے مجھے پریشان نہ کرے اور ظلم نہ کرے"۔ چنانچہ آپ اسی جگہ ٹھہرے۔ آپ کی قبر بھی وہیں ہے۔

وفات: آپ نے ۹۳۶ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چو عبداللہ بفردوس برین رفت بوصل آن شہ جنت پناہی
بیابانی وے خوب رو کو دگر تحریر کن فیض الٰہی
۹۳۶ھ ۹۳۶ھ

شیخ جمالی قدس سرہ

آپ مولانا سماء الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ یگانہ روزگار' مجمع اطوار' شعر و سخن میں استاد زمانہ اور فرد یگانہ تھے۔ آپ کا اصل نام جلال خان ہے۔ اوائل میں اپنا تخلص "جلالی" کرتے تھے۔ بعد میں اپنے پیر روشن ضمیر کے اشارہ سے "جمالی" تخلص کیا۔ آپ نے مثنوی'

قصیدہ اور غزل سب میں طبع آزمائی ہے۔ بہت سے سفر کیے۔ زیارت حرمین الشریفین سے مشرف ہوئے۔ مولانا عبدالرحمان جامی اور مولانا جلال الدین رومی سے تعلق رہا۔ بابر بادشاہ کے حضور بہت عزت تھی۔ اس کے نام پر قصیدے لکھے۔ ہمایوں بادشاہ غازی کے نام بھی قصیدے تحریر کیے۔ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں قصیدہ لکھا۔ اسی رات خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ فرمایا "مجھے تیرے قصیدہ سے یہ شعر پسند آیا ہے۔

موسیٰ از ہوش رفت بیک پر تو صفات　　تو عین ذات می نگری در تجسی

وفات: ۱۰ ذی قعدہ ۹۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ اس سال ہمایوں بادشاہ گجرات گیا ہوا تھا۔ آپ بھی بادشاہ کے ساتھ لشکر میں تھے کہ وفات پائی۔ آپ کا مقبرہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار میں ہے۔

قطعہ

مقتدائے دین جمال دو جہان　　جامع عز و کمال معرفت
شد چو در جنت ز ہاتف شد ندا　　طالب "اہل جمال معرفت"

۹۴۲ھ

شیخ ادھن زین العابدین دہلوی قدس سرہ

آپ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نانا ہیں۔ مولانا سماء الدین سہروردی کے نامور مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ کامل عالم، عبادت گزار، نیکوکار اور خشوع و انکسار میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ زیادہ تر روزہ دار رہتے۔ کھانے میں بہت محتاط تھے۔

وفات: بقول صاحب "اخبار الاخیار" ۹۳۴ھ اور بقول صاحب "تذکرہ

العاشقین" ۹۴۳ھ میں وفات پائی۔ پہلا قول قرین صحت (زیادہ صحیح) ہے۔

قطعہ

چو زین العابدین شیخ جہانگیر ز دنیا رفت در فردوس اعلیٰ
عیان شد سال وصل ارتحالش ز "زین العابدین نور تجلی"
۹۳۴ھ

سید جمال الدین سہروردی قدس سرہ

بخاری سید ہیں۔ اپنے بھائی سید عبدالوہاب بخاری دہلوی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ کے آباء کا نسب (جیسا کہ سید عبدالوہاب کے تذکرہ میں بیان ہوچکا ہے) چھ واسطوں سے سید جلال الدین شریف اللہ میر سرخ بخاری اوچی تک پہنچتا ہے۔ آپ ولایت و سیادت' شرافت و عبادت اور ریاضت میں مقام بلند پر فائز تھے۔ سلاطین کشمیر کے آخری دور میں آپ نے خطہ دلپذیر کشمیر کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مزین فرمایا اور ایک عالم کو اپنا باطنی فیض پہنچایا۔

حضرت مخدوم شیخ حمزہ کشمیری بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں خرقہ خلافت پایا۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ سید جمال الدین کے کشمیر آنے کا بنیادی مقصد شیخ حمزہ کشمیری کی تربیت و تکمیل تھا۔ چنانچہ آپ لوگوں کی راہنمائی کرنے' خلافت و اجازت عطا کرنے کے بعد واپس ہندوستان تشریف لے گئے۔ دہلی پہنچے اور ۹۴۸ھ میں رحمت حق سے جا ملے۔

قطعہ

خلد برین جلوہ گر شد چو ماہ بجو رحمت او ز "معراج خلد"

ملا فیروز فقی کشمیری سہروردی قدس سرہ

کشمیر کے ایک بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ ابتدا جوانی میں سفر شروع کیا' حرمین الشریفین پہنچے' حج کی سعادت حاصل کی' روضہ نبوی پر حاضری دی۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد ہندوستان آئے' بدایون پہنچے۔ علوم ظاہری کی تحصیل میں کافی محنت کی تاہم اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ایک دن قسمت نے ساتھ دیا تو ابوالعباس خضر علیہ السلام کی زیارت سے بہرہ یاب ہوئے۔ ان سے تحصیل علم کی خواہش کی۔ چنانچہ چالیس دن تک حضرت خضر آپ کو آکر تعلیم دیتے رہے۔ آپ نے چالیس دن میں علم فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ میں "تحصیل نامہ" حاصل کیا اور دستار فضیلت باندھی۔ جب آپ کے علم و فضل کی شہرت دور دور تک پہنچی تو اکبر بادشاہ نے بہت منت و سماجت کر کے اپنے پاس بلوایا اور بہت عزت و تکریم کی۔ شیخ ہندوستان سے کشمیر تشریف لے گئے۔ وہاں کے مفتی اعظم بنے اور کمال دیانت و امانت سے شریعت کے حکم نافذ کرنے لگے۔ باطنی صفائی کے لیے شیخ میر حمزہ کشمیری کے مرید ہوگئے۔ آخر حسین شاہ والی کشمیر کے عہد میں شیعہ قوم کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ کشمیر میں ہی دفن ہوئے۔ بقول صاحب "تواریخ اعظمی" آپ کا واقعہ شہادت ۹۷۳ھ میں پیش آیا۔ اس وقت آپ کی عمر ستر سال تھی۔ مذکورہ کتاب میں آپ کی تاریخ وفات کے سلسلہ میں یہ شعر درج ہے۔

از پے تاریخ آن دین وحید گفت شد از "بہر دین ملا شہید"

قطعہ

چو شد فیوز مند از ملک دنیا جناب مولوی فیوز دین پیر
بخی فیوز شد تاریخ سالش دوبارہ زندہ دل فیوز کشمیر
۹۷۳ھ ۹۷۳ھ ۱۹۱

آپ کی شہادت کے بعد آپ کے صاحبزادہ ملا عبدالوہاب عہدہ افتا پر متمکن ہوئے وہ صاحب تصانیف و تالیف تھے۔

مخدوم سلطان شیخ حمزہ کشمیری قدس سرہ

آپ کشمیر جنت نظیر کے بہت بڑے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مخدوم اولیاء ہیں۔ آپ کا اصل وطن موضع بخر پرگنہ زینہ کرہ ہے۔ بچپن میں ہی جذبہ عشق ربانی ایسا پیدا ہوا کہ اپنے گاؤں سے نکل کر شہر چلے آئے اور دامن کوہ میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگئے۔ خوش نصیبی دیکھئے کہ اویسی طریقہ سے حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے فیض حاصل کیا۔ غیب سے ترتیب و تکمیل ہوئی۔ چونکہ آپ کا کوئی ظاہری مرشد نہ تھا اس لیے آپ نے اس بارے میں بارگاہ کبریاء میں دعا کی۔ ارشاد ہوا کہ تمہارا مرشد خود بخود تمہارے پاس آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند دن کے بعد سید جمال الدین بخاری (جو حاجی عبدالوہاب بخاری دہلوی کے عظیم خلیفہ ہیں) دہلی سے کشمیر تشریف لائے۔ فی الحال شیخ حمزہ غیبی اشارہ پا کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیعت کی اور چھ ماہ تک آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اعلیٰ مقامات تک پہنچے' خرقہ خلافت پایا۔

صاحب "تواریخ اعظمیہ" فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ حمزہ پوری رات "حبس نفس" میں گزار دیتے۔ زیادہ جاگنے اور ذکر و فکر سے آپ کا مغز گل چکا تھا۔ آپ کو اندر کی گرمی اور باطنی سوز و گداز کی وجہ سے ایک پل بھی

آرام نہ آتا تھا۔ رات دن روتے' آہ و نالہ میں مصروف رہتے۔ آپ طالبوں کے مسائل حل کرنے' ان کی چارہ سازی کرنے' زمان و مکان اور کرامات و تصرف میں اللہ کی آیت تھے۔

کتاب "درر المریدین" میں آپ کے عظیم ساتھی شیخ بابا داؤد خاکی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم مراتب ابدالی پر فائز تھے۔ فقر کے تمام سلسلوں میں اجابت و تلقین کا اختیار تھا۔ ذکر جہر الطریق میں آپ کا سلسلہ عالیہ سے تعلق تھا۔ سلسلہ قادریہ میں آپ کا تعلق روحانیت غوثیہ اعظمیہ سے تھا۔ آپ سماع و مزامیر سننے سے مکمل احتراز فرماتے تھے۔ آپ کی خدمت میں جب بھی کوئی بیمار' نابینا' فالج زدہ یا مرگی زدہ لایا جاتا تو وہ آپ کی نظر کیمیا اثر سے فوراً شفا پاتا۔

وفات: آپ نے ۹۸۴ھ میں اس دنیائے فانی سے کوچ کیا۔ آپ کا مزار خطہ کشمیر میں زیارت گاہ خلق ہے۔ بقول صاحب "تواریخ اعظمیہ" لفظ "موت مرشد" اور لفظ "آہ زائر گشتند" سے آپ کا سال تاریخ وفات نکلتا ہے۔ "شیخ پاکان" سے بھی آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

قطعہ

حضرت حمزہ چون بلطف خدا شد ز دنیا بوصل دوست قریب
شیخ سید بگو ز تاریخش نیز مخدوم حمزہ پیر حبیب
۹۸۴ھ ۹۸۴ھ

شیخ نور الدین ریشی و سہروردی کشمیری قدس سرہ

ابتدا میں سلطنت کشمیر کے ایک امیر زادے تھے۔ عوام پر ظلم و ستم کرنے میں مشہور تھے۔ ایک دن سیر و شکار کے لیے نکلے ہوئے تھے کہ صحرا

عبور کیا۔ اس جنگل میں حضرت شیخ نیک ریشی رحمتہ اللہ علیہ رہتے تھے۔ آپ سلسلہ کبرویہ کے ایک بہت بڑے ولی تھے۔ "درویش ریشی" آپ کا خطاب تھا جس کا مطلب ہے خدا پرست۔ نوروز نے اپنے ہمراہی لشکر کو کہیں دور پیچھے چھوڑا اور خود اکیلا درویش کے حالات کا مشاہدہ کرنے کے لیے آپ کے نزدیک تر پہنچا۔ چھپ کر جا بیٹھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ شیخ اس کے یہاں آنے سے بے خبر ہوں گے۔ اس نے دیکھا کہ شیخ ریشی نے درندوں' جنگلی جانوروں اور پرندوں کے لیے دستر خوان بچھا رکھا ہے۔ دام و در کا ایک جم غفیر اپنی اپنی خوراک کھا رہا ہے۔ اتفاق سے ایک ریچھ نے گیدڑ کے حصہ خوراک پر ہاتھ بڑھایا۔ گیدڑ نے آنحضرت کی خدمت میں فریاد کی تو آپ نے ریچھ سے فرمایا کہ ظاہراً" نوروز ظالم کے جنگل میں آنے کا اثر تجھ پر پڑا ہے کہ تونے گیدڑ کے مال پر دست درازی کی ہے اور تو خدا سے نہیں ڈرا۔ نوروز نے یہ بات سنی تو اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور غایت شوق و ذوق سے شیخ کی خدمت میں حاضری دی۔ توبہ کی' تارک الدنیا ہوگئے۔ زہد و ریاضت میں مشغول ہوگئے۔ شیخ کی زندگی تک ان کی خدمت میں مصروف رہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ آخر جب مخدوم شیخ حمزہ کشمیری کی شہرت سنی تو پیری چھوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مقامات سلوک طے کرنے لگے۔ آپ کے مرید ہوگئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے ہمعصروں پر فوقیت لے گئے۔

وفات : آپ کا سال وفات ۹۸۸ھ ہے۔ کشمیر میں آپ کا مزار شریف ہے۔

قطعہ

رفت چون نو روز در خلد برین — رحلت آن شیخ مرتاض زمن
صاحب تحقیق نو روز آمد است — شفقت حق خوان و فیاض زمن

۹۸۸ھ — ۹۸۸ھ

بابا داؤد خاکی کشمیری سہروردی قدس سرہ

کشمیر کے عظیم شیخ اور ولی ہیں۔ چھوٹی عمر میں شوق حصول علم دامن گیر ہوا۔ فراغت کے بعد شیخ مخدوم حمزہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہوئے۔ سیر و سلوک میں مشغول ہوگئے۔ اپنے مرشد سے از حد عشق و محبت کی وجہ سے مرتبہ "فنا فی الشیخ" پر پہنچے۔ اہل دنیا کو ترک کر دیا' عمدہ کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک "ورد المریدین" ہے۔ اس کی مشہور شرح "دستور السالکین" ہے۔ "قصیدہ جلالیہ" اور "رسالہ عالیہ" تصنیف کیے۔ آپ کے مرشد کی جو نظر کرم آپ پر تھی وہ کسی اور پر نہ تھی۔ آپ نے حضرت مخدوم حمزہ رحمتہ اللہ علیہ سے خرقہ خلافت و تبرک حاصل کرنے کے علاوہ سید احمد کرمانی اور مولانا شیخ محمد مخدوم قادری اور میر سید اسمٰعیل شامی قادری رحمتہ اللہ علیہ سے فیض پایا۔ آپ کشمیر سے ملتان اور اوچ تشریف لے گئے اور حضرات سہروردیہ کی زیارات سے مستفید ہوئے اور بے انتہا فیض اٹھایا۔ قاضی موسیٰ کشمیری نے شیعہ مذہب' سلاطین چکان کے ہاتھوں شہادت پائی تو شیخ داؤد سلطان کشمیر سے سخت ناراض ہوگئے۔ اس کے خلاف بددعا کی اور اعلان کیا کہ اب سلطنت خاندان چکان اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ یہ ظالم لوگ اپنے ہی ہاتھوں اپنی جڑ اکھیڑیں گے اور جب تک ان کی بنیاد اکھیڑی نہیں جاتی ہم پر کشمیر میں رہنا حرام ہے۔ یہ کہا اور ہندوستان کی راہ لی۔ کچھ عرصہ بعد جب اکبر بادشاہ کا لشکر قاسم خان میر بحری کی قیادت میں کشمیر آیا تو آپ

ان کے ساتھ واپس کشمیر آئے اور اسی سال ۹۹۴ھ میں اس دار پرملال سے کوچ کیا۔

اسلام آباد میں دفن ہوئے۔ کچھ مدت بعد آپ کے مخلصین آپ کی نعش مبارک اسلام آباد سے نکال کر شہر لائے اور اپنے پیر روشن ضمیر کے پہلو میں دفن کی۔ "تاریخ اعظمی" میں آپ کی تاریخ وفات "خیر مقدم" کے لفظ سے نکالی گئی ہے۔

قطعہ

ز فرش خاک شد براوج افلاک چو آن داؤد خاکی شیخ مسعود
وصالش "ھادی دین شیخ" گفتم دگر جستم ز "حاکم شیخ داؤد"
۹۹۴ھ ۹۹۴ھ

سید جھولن شاہ المشہور گھوڑے شاہ بخاری لاہوری قدس سرہ

صاحبزادہ بلند اقبال' سید شاہ محمد بن سید عثمان جھولہ بخاری لاہوری رحمتہ اللہ ہیں۔ جیسا کہ آپ کے والد سید عثمان کے تذکرہ میں بیان ہوچکا ہے آپ کے آباء کی نسبت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں اوچی رحمتہ اللہ علیہ تک جا پہنچتی ہے۔ آپ کا اصل نام بہاء الدین تھا۔ مادرزاد ولی تھے۔ پانچ سال کی عمر میں آپ سے سینکڑوں کرامات و برکات ظاہر ہوئیں۔ بچپن میں آپ کو سب سے زیادہ دلچسپی گھوڑے کے ساتھ تھی۔ جو ضرورت مند بھی مٹی کا گھوڑا آپ کے پاس لاتا' اپنی مراد پاتا۔ جب آپ کی شہرت دور دراز علاقوں تک پہنچی تو وہاں کے ضرورت مند عوام نے آپ کی طرف رخ کیا۔ اب تو لوگ جوق در جوق آپ کے دروازہ پر حاضر ہوتے اور فیض پاتے۔ آپ کے والد ماجد کو معلوم ہوا تو وہ ناراض ہوئے اور دعا کی کہ "یا اللہ! یہ بچہ الٰہی رازوں اور خدائی بھیدوں کو ظاہر کرنے کا سبب بنا ہے اسے دنیا سے

اٹھا لے"۔ ان کلمات کی ادائیگی کے ساتھ حضرت جھولن شاہ نے دس سال کی عمر میں انتقال کیا۔

سید جھولن شاہ بخاری کے حقیقی بھائی سید عمادی الملک کی اولاد میں سے آج سید حاکم شاہ اور محمد شاہ لاہور میں سکونت پذیر ہیں۔ ان کے پاس شجرہ کے مطابق گھوڑے شاہ کی تاریخ وفات ۱۸ ربیع الاول ۱۰۰۳ھ ہے۔ آپ کا مزار لاہور کے مشہور ترین مزارات میں سے ہے جو حاجی نالہ کی زمین میں لاہور سے باہر ہے۔ سید شہباز بن عمادی الملک بتاریخ ۷ رجب ۱۰۴۱ھ میں فوت ہوئے۔ سید کھسوری شاہ بن عارف شاہ بن عمادی الملک ۲۲ رجب ۱۰۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ دونوں جھولن شاہ کے مزار کے پہلو میں دفن ہوئے۔

صاحب "تحقیقات چشتیہ" کا یہ کہنا کہ حضرت جھولن شاہ کا نام محمد حفیظ ہے اور آپ کو سلسلہ چشتیہ صابریہ سے ارادت تھی اور یہ کہ آپ محسن شاہ اور جان محمد چشتی لاہور کے مرید تھے' بالکل غلط ہے۔ اعوذ باللہ من اظہار الاخبار الکذب۔

قطعہ

شاہ جھولن چون ز دنیا رخت بست سال وصل آن ولی بحر و بر ۱۰۰۳ھ

عالم "اسرار جھولن شاہ دان" نیز جھولن شاہ' "شاہ نامور" ۱۰۰۳ھ ۱۰۰۳ھ

سید شاہ محمد بن سید عثمان جھولہ بخاری قدس سرہ

اپنے والد کی وفات کے بعد اوچ سے پنجاب کی جانب روانہ ہوئے۔ جب کلانور کے مضافات میں چک سردا پہنچے تو وہاں قیام کیا۔ خادموں سے

فرمایا کہ چرواہے' مویشیوں کو پانی پلائیں۔ خادم تمام مویشی' گاؤں کے زمینداروں سارنگ کے کنویں پر لے گئے۔ مگر سارنگ نے اجازت نہ دی۔ یوں جانور پانی نہ پی سکے۔ یہ اطلاع ملی تو آپ جلال میں آئے۔ اپنے ہاتھ میں جو نیزہ تھا اسے زمین پر مارا۔ فوراً چشمہ آب نمودار ہوا۔ ادھر سارنگوں کے کنویں کا پانی بالکل سوکھ گیا۔ یہ کرامت دیکھ کر سارنگ سردار حاضر خدمت ہوا۔ مسلمان ہو کر مرید ہوا۔ دین و دنیا کی عزت پائی۔ چنانچہ اب تک کئی دیہات (جیسے آلو داؤد) سارنگ کے بیٹوں کے نام پر آباد ہیں۔

وفات: ۱۸ ربیع الثانی ۱۰۱۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کے صاحبزادوں کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) سید حماد الملک (۲) سید بہاء الدین جھولن شاہ المشہور گھوڑے شاہ (۳) شاہ عالم (۴) بہاون شاہ (۵) نورنگ شاہ۔ یہ سب مظہر خوارق و کرامت تھے۔

آپ کا مزار موضع ہلکہ ضلع لاہور میں ہے۔

قطعہ

شہ محمد چون ز دنیا رخت بست — گشت "اعظم" سال تر حیلش عیان
باز شد پیدا ز دل شیخ امین — "صاحب فضیلت" ہم اے مہربان

۱۰۱۱ھ ۱۰۱۱ھ

شیخ حسن کنجدگر المشہور حسوتیلی لاہوری قدس سرہ

آپ شاہ جمال لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ پہلے لاہور میں غلہ فروشی کی دکان کرتے تھے۔ ایک دن شاہ جمال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے لیے حصہ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا "غلہ کی خرید و فروخت کے

وقت وزن برابر کیا کرو"۔ اسی دن سے شیخ حسن نے کم وزن کرنا چھوڑ دیا۔ اب ان کا دستور یہ تھا کہ جب آپ کی دکان پر کوئی خریدار آتا تو اس کے ہاتھ میں ترازو اور باٹ دیتے اور فرماتے' خود وزن کر لو۔ اب جو خریدار طمع کی وجہ سے زیادہ چیز لے جاتا' اپنے گھر جا کر وزن کرتا تو وہ چیز کم نکلتی اور جو کوئی پوری چیز تولتا گھر جا کر اس کی چیز زیادہ ہو جاتی۔ کئی سال اس طرح گزر گئے تو بہت زیادہ برکت ہوئی۔ حتیٰ کہ آپ نے ترازو کے باٹ بھی سونے کے بنوا لیے۔ ایک دن آپ نے سنہری باٹ شاہ جمال کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیے اور عرض کی کہ آپ کی توجہ سے اس قدر کشائش و برکت حاصل ہوئی ہے کہ میں نے ترازو کے باٹ بھی سونے کے بنوا لیے ہیں۔ فرمایا "یہ سب دریا میں پھینک دو"۔ آپ اسی وقت شیخ کی مجلس سے اٹھے۔ سنگ ترازو دریا میں پھینک آئے۔ دو دن کے بعد جب دیہات کے غلہ فروش لاہور آ رہے تھے' دریا میں سے پیدل گزرے تو ان کے پاؤں کے نیچے وہی سنہرے باٹ آئے۔ انہوں نے اٹھا کر شیخ حسن کے حوالہ کر دیے۔ آپ انہیں دوبارہ شیخ جمال کی خدمت میں لے گئے اور عرض کی "میں نے سنگ ترازو دریا میں پھینک ڈالے تھے مگر یہ پھر میرے پاس آ گئے ہیں"۔ فرمایا "اے حسن! یہ سچائی کا امتحان تھا جب تو نے کم تولنا چھوڑ دیا اور سچائی و دیانت اختیار کی تو برکت ملی—— جو تو نے کسب حلال سے پیدا کیا تو نے اسے دریا میں ڈالا تو بھی ضائع نہ ہوا اور واپس تیرے پاس آ گیا"—— یہ سن کر اب تو شیخ حسن تارک الدنیا ہو گئے۔ اللہ کے راستہ میں اپنی دکان لٹا دی۔ حضرت شاہ جمال کے مرید ہوئے۔ ریاضتیں کیں۔ چند ہی سالوں میں کمال کو پہنچے۔ اپنے وقت کے اولیاء میں شمار ہوئے۔ آپ کی خوارق و کرامت اب تک زبان زد عام و خاص ہیں۔

وفات: ۱۰۱۲ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

رفت از دہر در بہشت برین　　چون حسن شیخ متقی مخدوم
رحلتش ہست "شیخ اہل اللہ"　　نیز "محسن حسن ولی مخدوم"
۱۰۱۲ھ　　۱۰۱۲ھ

حضرت میران محمد شاہ المشہور بموج دریا بخاری قدس سرہ

بخاری سید ہیں۔ سہروردی مشائخ کرام میں سے ایک ہیں۔ آپ کے آباء کرام کا نسب نو واسطوں سے حضرت سید جلال الدین شریف سرخ بخاری اوچی رحمتہ اللہ علیہ تک جا پہنچتا ہے۔ یعنی---

میران محمد شاہ بن سید صفی الدین بن سید نظام الدین بن سید علم الدین ثانی بن جلال الدین بن سید علم الدین اولی بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں بن سید احمد کبیر بن سید شیر شاہ جلال الدین الاعظم امیر سرخ بخاری (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)

میران محمد شاہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے دور کے شیخ الوقت تھے' مقتدائے زمانہ تھے۔ ولایت میں اونچا مقام تھا--- ابتداء میں اوچ میں رہتے تھے۔ پھر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے بلوانے پر اس کے پاس چتوڑ گڑھ تشریف لے گئے اور قلعہ چتوڑ کی فتح کے لیے دعا فرمائی۔ قلعہ فتح ہوا تو آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ بادشاہ آپ کا معتقد ہوگیا۔ پنجاب کے علاقہ پرگنہ پٹالہ میں بہت بڑی جاگیر آپ کو عطا کی۔ جاگیر عطا ہونے کے فرامین جو شاہی مہروں سے مزین ہیں اب تک آپ کی اولاد گرامی کے پاس محفوظ ہیں۔ چونکہ آپ کی جاگیر کے بعد لاہور میں تھے اس لیے آپ نے لاہور میں سکونت اختیار کی

مگر آپ نے فرمایا کہ ہمارا لنگر تین جگہ جاری ہوگا۔۔۔ ایک لاہور میں ہماری خانقاہ میں' دوسرا خان فنا متصل پہالہ' تیسرا بمقام سیان والہ میں۔ چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق جابجا لنگر جاری ہوگئے۔ طالبان حق' درویشوں اور مسکینوں کو یہاں سے وافر کھانا ملنے لگا۔

ایک دن ایک شخص آپ کی محفل مبارک میں آیا۔ حضرات سادات کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ اس نے بھی گفتگو میں شرکت کرتے ہوئے پنجابی زبان میں بلا جھجک کہا۔ "سید سنی نہیں کاٹھ دی کنی نہیں"۔ یعنی ممکن نہیں کہ سید اہلسنت و جماعت میں سے ہو جس طرح کہ لکڑی کی دیگ نہیں ہوسکتی۔ اس نے یہ بھی کہا۔ پہلے لوگ کہا کرتے تھے کہ سید آگ میں گر پڑے تو اس کے سر کا بال بھی نہیں جلتا۔ اب ایسے اصیل و نجیب سید کا پیدا ہونا کہاں ممکن ہے؟

یہ سن کر حضرت میران جلال میں آئے فرمایا کہ لکڑی کی دیگ بنا کر لائی جائے۔ جب آگئی تو آپ نے اپنے دونوں پاؤں کو دیگ دان بنایا۔ آگ جلائی گئی۔ آپ دیگچے میں چاول پکا کر منکر سادات کے سامنے لے آئے اور فرمایا۔ "دیکھ سید سنی ہے' دیگ بھی لکڑی کی ہے اور سید کے پاؤں پر آگ کا اثر بھی نہیں ہوا ہے"۔۔۔

حضرت میران محمد شاہ کے تین صاحبزادے تھے۔ ان میں سب سے بڑے سید صفی الدین جو اپنے جد بزرگوار کے نام سے موسوم تھے۔ دوسرے سید بہاء الدین آپ بزرگ و متقی تھے۔ (یہ دونوں صاحبزادے سید عبدالقادر ثالث بن عبدالوہاب بن سید محمد غوث بالا پر گیلانی کی صاحبزادی حضرت بی بی کلان کے بطن مبارک سے تھے۔ ان کا ماں باپ کی طرف سے نسب و حسب صحیح تھا۔) تیسرے سید شہاب الدین المشہور .شہاب الدین تھے۔ یہ حضرت کی

زوجہ ثانی بی بی نورنگ کے بطن سے تھے۔ یہ بٹالہ میں رہے کیونکہ ان کی والدہ بھی بٹالہ میں رہائش پذیر تھیں—— جبکہ سید صفی الدین اور بہاء الدین کی والدہ لاہور میں رہتی تھیں۔ سید شہاب الدین صاحب کرامات تھے ان کا ذکر خیر اپنی جگہ آئے گا۔

ولادت: آپ ۹۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۰۱۳ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی عمر مبارک ۷۳ سال تھی۔

قطعہ ولادت و وفات

سید پاک بحر عرفانی موج دریا ولی والا جاہ
سید دین پر روشن ضمیر دل ہست تولید او عیاں چون ماہ
۹۴۰ھ
سال وصلش چو از خرد جستم گفت "دل خواجہ محمد شاہ"
۱۰۱۳ھ

سید سلطان جلال الدین حیدر بن سید صفی الدین بخاری قدس سرہ

آپ میران محمد شاہ بخاری موج دریا کے سگے بھائی ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی اور کمالات صوری و معنوی کے جامع تھے۔ عابد و زاہد تھے' تارک الدنیا تھے۔ دنیا اور اہل دنیا سے کچھ تعلق نہ تھا—— آپ تجرید و تفرید میں یگانہ روزگار تھے—— اگرچہ حضرت موج دریا بخاری نے آپ کو اپنی طرف بلایا مگر اس لیے کہ موج دریا کا دنیا سے بھی کچھ تعلق ہے آپ نے ان کی طرف کم رغبت فرمائی۔ آپ رات دن ویرانوں میں عبادت حق کرتے رہتے تھے۔ ۱۰۱۶ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار' لاہور میں مقبرہ بی بی ہاج و تاج کی دیوار

کے بالکل ساتھ مغرب کی طرف ہے۔ جسے عوام الناس "استاد حضرات میاں" کا روضہ کہتے ہیں۔ آپ کی اولاد لاہور سے متصل "بھوگیوال" میں سکونت رکھتی ہے۔

قطعہ

شد جلال الدین چو از دنیا مخلد — وصل آن روح جہاں جان بہشت
خواجہ کشاف و عاشق مقتدا است — ہم جلال الدین سلطان بہشت

۱۰۲۶ھ ۱۰۲۶ھ

خواجہ مسعود پان پتی کشمیری قدس سرہ

آپ کا تعلق پہلے کشمیر کے بڑھیوں سے تھا۔ مگر عین کاروبار کے دوران، حق کی محبت ایسی پیدا ہوئی کہ کاروبار سے بے تعلق ہو کر صحرا کی راہ لی اور تین ماہ وہاں گزار دیے۔ کھائے اور سوئے بغیر عبادت کرتے رہے۔ بعد میں حضرت خضر علیہ السلام کے اشارہ سے بابا داؤد خاکی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مرید ہوئے پوری محنت اور کوشش سے کمالات سلوک حاصل کیے۔ شیخ بابا پرونی ریشی سے بھی فیض تام حاصل کیا۔ اپنے گاؤں "پان پور" کی سکونت اختیار کی۔۔۔ زعفران کی کاشت سے رزق حلال حاصل کرتے۔ اس سے ہونے والی آمدنی فقراء پر صرف کرتے۔ آپ کشف و کرامت میں اپنے عہد کے تمام اولیاء پر گوئے سبقت لے گئے۔

وفات: آپ نے ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار کشمیر کے قصبہ پان پور میں زیارت گاہ خلق ہے۔

قطعہ

شد چو مسعود زین جہان فنا　　سال تر حیل آن شہ ذیشان
"صاحب ذکر و فخر عالم گو"　　"شیخ عالی و شیخ سالک خوان"

بابا روبی ریشی سہروردی کشمیری قدس سرہ

خواجہ حمزہ کشمیری کے بڑے خلفاء میں سے ہیں۔ اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچے تو تھوڑی ہی مدت میں بے انتہا ترقی کی۔ ۱۲۰ برس کی عمر تھی۔ ۱۰۹ سال تک صائم الدہر رہے۔ گیارہ سال تک صائم رہے۔ وفات کے دن بھی روزہ تھا اور اسی حالت میں دنیا سے کوچ کیا۔ ایک خرقہ پشمینہ کے سوا آپ کے پاس کچھ سامان دنیا نہ تھا۔ "تواریخ اعظمی" میں آپ کی تاریخ وفات ۱۰۲۴ھ درج ہے۔ آپ کا مزار کشمیر شہر کے محلہ "کدل" میں ہے۔ بابا نصیب الدین کشمیری اکثر اوقات آپ کے پاس آکر فیض پایا کرتے۔

قطعہ

چون جناب شیخ ریشی مقتدا　　داخل فردوس شد بے میل و قال
پیر اخیار است سال رحلتش　　شد عیان بار "دگر شیخ جمیل"
۱۰۲۴ھ　　۱۰۲۴ھ

سید عمادی الملک بن سید شاہ محمد جھولہ بخاری قدس سرہ

لاہور کے عظیم مشائخ اور معزز سادات میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ خوارق و کرامات میں مشہور تھے۔ ایک شخص نے سنگ پارس کا ٹکڑا' آپ کا امتحان لینے کی غرض سے آپ کے حوالہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ گدی کے نیچے رکھ دو۔ وہ رکھ کر چلا گیا۔ کئی سالوں کے بعد واپس آیا' اپنا پتھر مانگا آپ نے فرمایا جہاں رکھا تھا وہاں سے اٹھا لو۔ اس نے جب مصلّی کا دامن اٹھایا تو اس نے

وہاں سینکڑوں سنگ پارس موجود پائے۔ حیران رہ گیا اور کہا مجھے نہیں معلوم کہ میرا پتھر کون سا ہے؟ حضرت سید نے اس کا پتھر اٹھایا اور اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس کرامت سے متاثر ہو کر اس شخص نے آپ کے قدموں میں اپنا سر رکھا اور مرید ہوگیا۔

وفات : آپ نے ۱۰۳۹ھ میں سفر آخرت کیا۔ پہلے سید جھولن شاہ (گھوڑے شاہ) بخاری کے مزار کے سامنے آپ کا روضہ عالیہ تھا۔ جب تیج سنگھ نے آپ کے روضہ کو تعصب کی بنا پر مسمار کر دیا تو مسلمانوں نے آپ کی نعش مبارک کو وہاں سے نکال کر حضرت شاہ بلاول قادری کے چبوترہ پر علیحدہ دفن کر دیا۔ اس روضہ کے ساتھ والی مسجد اب تک باقی ہے۔ اس مسجد کے ساتھ ہی شیخ محمود شاہ مجددی نے اپنا مقبرہ بنوایا—— اصل صورت حال یہ ہے جو بیان ہوئی۔ بعض عوام کالانعام کا یہ کہنا کہ یہ مسجد سودن طوائف کی ہے محض جھوٹ ہے۔

قطعہ

چو از دنیا بفردوس برین رفت عمادی الملک معصوم زمانہ
ز دل سال وصالش جلوہ گرشد "عمادی الملک مخدوم زمانہ"

۱۰۳۹ھ

شاہ ارزانی قادری و سہروردی پٹوی قدس سرہ

پہلے آپ شیخ بلاول دریائی کے مرید تھے۔ شیخ بہلول کو شاہ لطیف بری اور انہیں شیخ حیات المیر نبیرہ' حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کہ زندہ جاوید ہیں) سے ارادت تھی۔ شیخ بہلول کے انتقال کے بعد آپ نے چند سہروردی حضرات سے سلسلہ سہروردیہ کا فیض حاصل کیا اور خرقہ خلافت پایا۔

آپ کاملان وقت میں شمار ہوئے۔ لہٰذا صاحب "معارج الولایت" وغیرہ نے آپ کو پیران سلسلہ سہروردیہ میں شمار کیا ہے۔ خواجہ حسین لاہوری، جن کا ذکر خیر، سلسلہ قادریہ میں ہوچکا ہے، بسبب رشتہ خواجہ تاشی، آپ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ آپ کے حالات عجیب تھے۔ آپ اہل کمال میں سے تھے حال یہ تھا کہ تمام دن جنگل میں عبادت حق میں مصروف رہتے۔ صاحب "معارج الولایت" فرماتے ہیں کہ شاہ ارزانی سے بہت سی کرامات سرزد ہوئیں۔ بلکہ آپ نے کئی بار مردوں کو بھی زندہ کیا۔ شاہ جہان بادشاہ نے شاہزادگی کے دوران، اپنے والد کی نامہربانی کی شکایت، حضرت والد کی خدمت میں کی۔ اس نے آپ سے التماس کی کہ آپ اس کے حق میں برائے حق حصول سلطنت دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا تو اپنے والد کی وفات کے بعد انشاء اللہ بادشاہ بنے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

وفات: ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی۔ پٹنہ شہر میں آپ کا مزار زیارت گاہ خلق ہے۔

قطعہ

شاہ ارزانی چو از فضل خدا رفت از دنیا بملک جاودان
کن رقم "شیخ کمل رحلتش" "کاشف دین شاہ ارزانی" نجوان

۱۰۴۰ھ ۱۰۴۰ھ

بابا نصیب الدین سہروردی کشمیری قدس سرہ

مشائخ کشمیر میں آپ کا مقام نمایاں ہے۔ بابا داؤد خاکی کشمیری کے خلفاء کاملین میں سے ایک ہیں۔ بچپن سے ہی ریاضت و عبادت اور صحبت مشائخ کا شغف تھا۔ اس کے بعد بابا داؤد خاکی سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا۔ پوری عمر

"ترک" میں گزار دی۔ حتیٰ کہ موسم ربیع و خریف کے پھل، ٹھنڈا پانی اور گوشت سبھی کچھ ترک کر دیا تھا۔ جو کی خشک روٹی کے سوا آپ کی طبیعت کسی اور چیز کی طرف مائل نہ تھی۔ اس دور کے علماء صلحاء اور مشائخ آپ کی مجلس نشینی کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتے تھے۔ کسی کو بھی آپ کے علم و عمل پر اعتراض نہیں تھا۔ آپ ہر وقت فقراء و مساکین کی خدمت پر کمربستہ رہتے، کھانے کے ساتھ ساتھ انہیں نقدی اور مطلوبہ جنس بھی پیش کرتے۔

ایک دفعہ آپ کا ایک مرید تبت میں، قتل کے الزام میں گرفتار ہوا اور مارا جانے والا تھا کہ آپ طی الارض کرامت کے تحت تبت پہنچے، اپنے مرید کو قید خانہ سے نکال کر چشم زدن میں اپنے ساتھ کشمیر لے آئے۔

اسی طرح پہاڑی راجوں میں سے ایک راجہ کترت خانی نے آپ کے ایک مرید کو اپنے قید خانہ میں قید کر دیا۔ شیخ نے نور باطنی سے اس کا حال بھانپ لیا۔ رات آئی تو اپنے آپ کو راجہ پر ظاہر فرمایا اور اپنے مرید کو رہا کرنے کی تاکید کی۔ راجہ نے اسی وقت اسے رہا کر دیا اور بڑی منت و سماجت سے شیخ کو اپنے پاس بلوایا اور رعایا سمیت آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

وفات: آپ ۱۳ محرم الحرام ۱۰۴۷ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ کشمیر کے قصبہ بیجارہ میں آپ کا مزار ہے۔ "تواریخ اعظمی" میں آپ کی تاریخ وفات "وھو خیر الصالحین" ۱۰۴۷ھ درج ہے۔

قطعہ

ز دنیا چوں سوئے بقا رخت بست　　جناب نصیب آن ولی متقی
ز "ثابت قدم" ارتحالش بجو　　بفر ما دگر "شیخ کامل ولی"

۱۰۴۷ھ　　۱۰۴۷ھ

سید شہاب الدین نہر ابن میران محمد شاہ موج دریا بخاری لاہوری قدس سرہ

آپ کو موروثی سعادت و ولایت و کرامت حاصل تھی۔ اپنے وقت کے قطب تھے۔ پوری عمر ذوق و شوق اور ہدایت خلق میں گزار دی۔ آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔

شیر شاہ حاکم پنجاب اپنے آپ کو سید صحیح النسب سمجھتا تھا اور اپنے ماسوا ہندوستان کے دیگر سادات کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس نے زیادہ غرور میں آکر سادات کے امتحان کے لیے ایک شیر کو پنجرہ میں ڈال رکھا تھا۔ لکڑی کا ایک تیر اور آہنی زنجیر بنوا رکھی تھی۔ اس نے لوہے کا ایک تنور بھی تیار کروا رکھا تھا۔ وہ پنجاب کے سادات کو اپنے پاس بلوا کر کہتا کہ اگر تم اصیل و نجیب سید ہو تو شیر کے پاس جاؤ۔ گرم تنور میں گھس جاؤ اور لکڑی کے تیر سے لوہے کی زنجیر توڑ ڈالو۔۔۔ سادات اس کام پر آمادہ نہ ہوتے تو انہیں قید خانہ میں ڈال دیتا۔۔۔ اس طرح اس نے بہت سے سادات کو گرفتار کر رکھا تھا۔ آخر جب یہ اطلاع پٹالہ میں شاہ شہاب الدین کو ملی تو آپ اپنے ایک خادم محمد رفیع آہنگر کے ساتھ موضع چونڈ کی طرف گئے جہاں شیر شاہ کا قیام تھا۔ سب سے پہلے شیر کے پاس پہنچے۔ پنجرہ کھولا' شیر کو کان سے پکڑ کر باہر لائے اور فرمایا "افسوس کہ تیرے جیسا بہادر شیر پنجرہ میں بند ہو۔ اپنی جگہ چلا جا"۔ شیر نے فوراً اپنی راہ لی۔ اس کے بعد آپ نے چوبی تیر لیا اور اپنی کرامت کے زور سے آہنی زنجیر اس سے توڑ ڈالی۔ یہ بات شیر شاہ تک پہنچی۔ اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔۔۔ "ان دونوں کرامتوں کے ظہور سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ سادات کرام میں سے ہیں۔ مگر ابھی ایک نشانی باقی ہے کہ لوہے کا تنور تپایا جائے اور شاہ اس میں داخل ہو کر باہر

نکل آئیں"۔ آپ نے فرمایا "مضائقہ نہیں"۔ چنانچہ اسی وقت تنور گرم کیا گیا۔ آپ نے اپنا رومال محمد رفیع آہنگر کو دیا اور فرمایا جا اور کہہ یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم۔ محمد رفیع فوراً تنور میں اترا اور صحیح سلامت نکل آیا۔ شیر شاہ نے جب آنحضرت کی یہ کرامت ظاہری آنکھ سے دیکھ لی تو آپ کے قدموں پر سر رکھا اور مرید ہوگیا۔ اپنے تمام مال و دولت سے دست بردار ہوا اور یہ سب مال ان سادات عظام کو دیا جو قید خانہ میں بند تھے۔ یوں وہ بادشاہ دین و عقبیٰ بنا۔ ساری عمر اپنی ہدایت ملنے کی جگہ چونڑ میں رہا۔ وہیں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔

حضرت سید شہاب الدین کے "نہرا" کہلانے کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ ایک رائے میں نہرا کا معنی شیر ہے اور جس دن آپ نے شیر کو پنجرو سے نکالا تھا اس دن سے نہرا کہلانے لگے۔ بعض حضرات کے خیال میں آپ کے والد گرامی نے آپ کو نہرا کا خطاب دیا تھا کیونکہ آپ بہت خوبصورت، باجمال اور بارعب تھے۔ دوسرے کوئی شخص آپ کے ساتھ علم ظاہری و باطنی میں گفتگو کرنے کی تاب نہ رکھتا تھا۔

وفات: آپ ۹۶۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۴۱ھ میں وفات پائی۔ ایک قول کے مطابق آپ کا سن وفات ۱۰۴۷ھ ہے۔ آپ کا مزار لاہور کے موضع بھوگی وال میں زیارت گاہ خلق ہے۔ آپ کی اولاد میں سے کسی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کرے یا قبر کا تعویذ پختہ کرے۔ اسی لیے آپ کی کچی قبر ہی مزار خاص و عام ہے۔ پہلے جس نے بھی آپ کی قبر پر عمارت تعمیر کروانی چاہے وہ کسی مصیبت سے دوچار ہوا۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات

شہاب الدین نہرا سید پاک　　کہ بود از سید آن دین اعلیٰ
اگر خواہی زنامش سال تولید　　"بگو شاہ شہاب الدین نہرا"

۹۶۵ھ

شہاب الدین ہادی حقیقت　　"رقم کن وصل آن شاہ معلی"

۱۰۴۱ھ

سید عبدالرزاق المشہور بہ سید مکی قدس سرہ

آپ میران محمد شاہ موج دریا بخاری کے خاص مرید ہیں۔ آپ ایک تارک الدنیا اور زاہد و متقی بزرگ تھے۔ کمالات ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ آپ سبزواری سادات میں سے ہیں۔ غزنی سے پشاور آئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ پھر دہلی پہنچے اور شاہی دستہ میں شامل ہوگئے۔ آخر جذب حقیقی سے میران محمد شاہ کی خدمت میں حاضری دی۔ دنیا اور دنیا والوں کو چھوڑ دیا۔ آپ کو دنیا اور اہل دنیا سے سخت نفرت تھی۔ ساری رات اپنے پیر کی خدمت میں گزار دیتے اور پورا دن حجرہ میں مصروف عبادت رہتے۔

وفات: ۱۰۴۸ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لاہور میں ہے۔ اور گنبد نیلگوں کے نام سے مشہور ہے۔

قطعہ

چو در خلد معلی شد ز دنیا　　جناب شیخ عالم عبدالرزاق
وصالش محسن فیض است دیگر　　"شہ مہدی کرم عبد رزاق"

۱۰۴۸ھ　　۱۰۴۸ھ

سید شاہ جمال قادری سہروردی لاہوری قدس سرہ

آپ میں ظاہری و باطنی اور صوری و معنوی سب کمالات بیک وقت

پائے جاتے تھے۔ آپ مظہر جلال اور مصدر کمال تھے۔ شیخ ککرا کے مرید تھے۔ ان کا سلسلہ عالیہ چند واسطوں سے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ تک جا پہنچتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

شاہ جمال مرید ککرا بیگ وہ شاہ خرف کے مرید' وہ شاہ معروف کے مرید' وہ جعفر الدین کے مرید' وہ فیہ دین سہروردی کے' وہ شیخ جمال کے مرید تھے۔ شیخ جمال مرید شیخ عارف صدر الدین تھے۔ وہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے۔ وہ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید تھے۔ (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)

آپ حسینی سید تھے۔ اب تک آپ کی اولاد سیالکوٹ میں سکونت پذیر ہے۔ آپ دو حقیقی بھائی تھے۔ ایک آپ یعنی شاہ جمال اور دوسرے شاہ کمال۔ دونوں کمال و جلال میں مقام بلند رکھتے تھے۔ دونوں کے مزار لاہور میں ہیں۔

شاہ جمال نے لاہور میں اپنی خانقاہ بطور دمدمہ کے سات منزلہ عمارت تعمیر کروائی۔ جب اتنا اونچا مکان بن گیا۔ اکبر بادشاہ کی بیٹی سلطان بیگم کا باغ' مکان سیرگاہ اور تالاب مع بارہ دری کے آنجناب کی خانقاہ کے قریب تھا—— وہ غضب ناک ہوئی۔ اس نے کہلا بھیجا کہ یہ خلاف ادب ہے کہ تم فقراء (جو دولت شاہی کے دعاگو ہو) ہمارے محل سے اونچا محل تعمیر کرو اور اس طرح ہماری بے ستری ہو۔ لہٰذا اگر آپ یہ دمدمہ خود گرا دیں تو بہتر وگرنہ ہمارا قہر سلطانی بھی ہوگا اور دمدمہ بھی مسمار کر دیا جائے گا۔ شاہ جمال یہ پیغام سن کر ہنسے اور فرمایا۔ "دمدمہ تو آج رات میں خود ہی پست کر دوں گا تاہم فقیر کا یہ گھر قیامت تک باقی رہے گا۔ مگر شاہی باغ کچھ دنوں بعد ویران ہو جائے

گا"۔ چنانچہ رات آئی تو آپ کے حکم سے سماع شروع ہوا۔ جب ہنگامہ سماع گرم ہوا اور شیخ نے حالت مستی میں اٹھ کر وجد کیا تو فوراً سات منزلہ دمدمہ میں سے پانچ منزلیں زمین میں غرق ہوگئیں اور دو منزلیں زمین کے اوپر رہ گئیں جو اب تک موجود ہیں۔

مشہور ہے کہ حضرت شاہ جمال جب مذکورہ دمدمہ تعمیر کرنے لگے تو کثرت تعمیر عمارات سلطانی کے سبب معمار نہیں ملتے تھے۔ بہت تلاش کے بعد چند معمار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرصت نہ ملنے کا عذر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا "اگر تمہیں دن میں بادشاہی کام کی وجہ سے فرصت نہیں ملتی تو ہمارے دمدمہ کی تعمیر کا کام رات کو کر دیا کرو۔ اور اپنی اجرت دن کی اجرت کے مطابق لے لینا"۔ چنانچہ رات کو بہت سے معمار آ جاتے اور مشعلوں کی روشنی میں کام کرتے۔ ایک دن خانقاہ میں تیل نہ تھا۔ حضرت شاہ نے فرمایا "تیل کے بجائے چراغوں میں پانی ڈالا جائے اور چراغ جلائے جائیں"۔ خادموں نے ایسے ہی کیا اور تیل کی جگہ پانی ساری رات چراغوں میں جلتا رہا۔

ایک دن ایک بے اولاد شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ اس کا نام دودمل تھا۔ کھتری قوم سے تھا اور بہل ہندو اس کا عرف تھا۔ حصول اولاد کی امید میں' دعا کروانے کے لیے یہ شخص کبھی کبھی آپ کے پاس آتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ چند خربوزے آپ کے پاس لایا۔ آپ نے قبول فرمائے اور اسے دو خربوزے واپس کر دیے۔ خود آپ نماز عصر پڑھنے میں مصروف ہوگئے۔ اس ہندو نے سوچا کہ شاید حضرت نے مجھے یہ دونوں خربوزے چھیلنے کے لیے دیے ہیں اور نماز پڑھنے کے بعد تناول فرمائیں گے۔ وہ خربوزہ چھیلنے لگا۔ جب ایک خربوزہ کا چھلکا اتار چکا تو شیخ بھی نماز پڑھ چکے۔ آپ نے فرمایا

"ہائے یہ کیا کر دیا کہ اس خربوزہ کو چھیل ڈالا؟ ہم نے تمہیں یہ دونوں خربوزے اس لیے دیے تھے کہ تم اپنی بیوی کے پاس جا کر یہ کھاؤ گے اور جناب الٰہی سے تجھے دو بیٹے عطا ہوں گے۔ اب تم نے ایک خربوزہ چھیل ڈالا ہے تو خیر اچھا ہوا۔ اب بھی تمہارے دو لڑکے پیدا ہوں گے' ایک مسلمان اور ایک ہندو۔ مسلمان ہمارا مرید ہے اور ہندو بچہ' تمہارا بیٹا۔ وہ ہندو دونوں خربوزے اپنے گھر لے گیا۔ اسی رات اس کی بیوی حاملہ ہوئی اور نو ماہ کے بعد دو جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ ایک مختون تھا اور دوسرا نامختون۔ دو دل مختون بچے کو شیخ کی خدمت میں لایا۔ شیخ نے اس کا نام فخرالدین رکھا اور اپنی فرزندی سے سرفراز فرمایا۔ اپنے پاس رکھا اسے دولت ظاہری و باطنی عطا فرمائی۔ چنانچہ اب تک شیخ سلام الدین اور نبی بخش وغیرہ لاہور میں فخرالدین کی اولاد میں سے موجود ہیں۔ یہ حضرات اپنی نسبت فخرالدین شیخ کی طرف کرتے ہیں۔ وہ مکان جو حضرت شاہ جمال نے فخرالدین کو رہنے کے لیے خرید کر دیا تھا وہ لاہور کے محلہ جوڑے موڑی میں اب بھی موجود ہے اور شاہ جمال کا مکان کہلاتا ہے۔

ایک دن شیخ فخرالدین اپنے گھر پر تھا کہ شاہ جمال دروازے پر آئے۔ آواز دی اور کہا "فخرالدین اپنے اہل و عیال مع اسباب، اس گھر سے باہر نکال لو"۔ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ جب گھر خالی ہوگیا تو گھر گر گیا۔ آپ نے فرمایا "یہ مکان گرنے کے قریب تھا۔ ہم صرف تیری جان و مال کی حفاظت کے لیے' خانقاہ سے یہاں افتاں و خیزاں آئے ہیں۔ الحمدللہ کہ تمہیں اس مصیبت سے رہائی ہوئی"۔

حضرت شاہ جمال کے سالانہ عرس کے موقع پر ایک منہ پھٹ گداگر' فاتحہ کے وقت حاضر ہوا۔ حضرت کو انتقال فرمائے تیس سال گزر چکے تھے۔

سجادہ نشین نے اسے دو خشک روٹیاں دیں۔ اس نے کہا "شاہ جمال کے مزار کا عجیب حال ہے کہ بے کفن روٹی ملتی ہے"۔ یعنی بغیر لازمہ (سالن، حلوہ وغیرہ) کے ملتی ہے۔ سجادہ نشین نے جواب دیا "اگر تیری مرضی یہی ہے کہ تجھے یہاں سے کفن ملے تو اس کا انتظام بھی ہو جائے گا"۔ آپ کی اس بات کے فوراً بعد اس کے اعضاء پر کپکپاہٹ طاری ہوئی۔ زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ چنانچہ اس کی قبر، اس خانقاہ میں عبرت گاہ بنی ہوئی ہے۔ نعوذ باللہ من غضب الاولیاء۔

قصہ وفات: آپ کے مزار کے نیچے ایک حجرہ اب بھی موجود ہے۔ یہ آپ کے عہد میں بھی تھا۔ آپ اکثر اوقات چہل روزہ عبادت کے لیے تشریف فرما ہوتے اور اس کا دروازہ اندر سے بند کر دیتے۔ جب آپ آخری چلہ کے لیے بیٹھے تو دروازہ آپ کے حکم سے بند کر دیا گیا۔ تیس دن کے بعد دروازہ کی اگلی طرف والی دیوار بارش کی وجہ سے گری۔ خدام نے چاہا کہ حجرہ کا دروازہ کھولیں تاکہ حضرت شاہ حجرہ سے باہر تشریف لے آئیں۔ اچانک حاضرین کے کانوں میں ایک آواز پڑی کہ "اب جو ہونا تھا ہو چکا۔ ہماری قبر اس حجرہ کے اوپر تعمیر کرنا اور اس حجرہ کو ہمارا مدفن تصور کریں"—— چنانچہ اسی روز آپ کی قبر کا نشان، اس حجرہ کے اوپر چھت پر قائم کر دیا گیا۔ اور پہلے حجرہ کو اسی حالت پر چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ ۱۴ ربیع الثانی ۱۰۴۹ھ میں شاہجہان کی سلطنت کے دور میں پیش آیا۔ آپ نے طویل عمر پائی جو سو سال سے زیادہ تھی——

قطعہ

رفت از دنیا بخلد جاودان چون جمال الدین کمال المعرفت
رحلتش "فیاض محسن شد عیان" ہم "ولی الحق جمال المعرفت"

سید محمود شاہ نورنگ جھولہ بخاری قدس سرہ

آپ حضرت شاہ محمد بن سید عثمان لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے پانچویں صاحبزادہ ہیں۔ آپ سید جھولن شاہ المشہور گھوڑے شاہ کے حقیقی بھائی ہیں۔ فقر و تجرید میں بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ پوری عمر دنیا اور اہل دنیا سے مستغنی و بے نیاز رہے۔

طالبان حق کو حق تک پہنچایا۔ طالبان غیر حق کی طرف آپ کی توجہ بالکل نہ تھی۔ بیماروں کی شفا اور دردمندوں کے علاج کے لیے آپ کی دعا' اکسیر کا حکم رکھتی تھی۔ بلکہ آپ نے اپنی زندگی میں فرمایا کہ ہماری وفات کے بعد بھی جو شخص ہماری قبر کی خاک کھائے گا یا ہمارے مدفن سے سنگریزہ اٹھا کر اپنے گلے میں لٹکا لے گا وہ شافی حقیقی کے حکم سے شفا پائے گا۔ چنانچہ اب تک یہ رسم باقی ہے کہ اکثر اوقات لاہور اور اس کے مضافات کے باشندے آپ کے مزار سے سنگریزہ اٹھا لاتے ہیں اور بیمار کے گلے میں باندھ دیتے ہیں۔

وفات: ۱۰۵۳ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار لاہور کے موضع "محمود بوٹی" میں واقع ہے جو آپ کے نام سے مشہور ہے۔

قطعہ

شاہ محمود سید عالم ولی رحلت و دہر در جنان فرمود
گفت تاریخ رحلتش "سرور" شمع "عشاق سید محمود"

مولانا حیدر کشمیری نقشبندی سہروردی قدس سرہ ۱۰۵۳ھ

آپ کے والد کا نام فیروز تھا۔ خواجہ عبدالشہید نقشبندی احراری رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و معتقد تھے۔ چونکہ اولاد نرینہ نہ تھی اس لیے آپ نے

خواجہ عبدالشہید کی خدمت میں عرض کی "میری چار بیٹیاں ہیں' بیٹا ایک بھی نہیں اس لیے پریشان ہوں"۔ خواجہ نے آپ کے حق میں دعا کی۔ دعا قبول ہوئی۔ اسی رات ان کی منکوحہ ثمر امید سے بارور ہوئی۔ ایام حمل کے خاتمہ کے بعد مولانا حیدر پیدا ہوئے۔

آپ مادرزاد ولی تھے۔ سات سال میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ گیارہ سال کے تھے کہ علوم حدیث و فقہ و تفسیر میں درس دینے لگے۔ ورع و تقویٰ اور اتباع سنت کو اپنا طریقہ بنایا۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اپنے والد کی بیعت کی۔ مگر تکمیل سے قبل ہی آپ کے والد گرامی کا وصال ہوگیا اس لیے آپ کشمیر سے دہلی پہنچے—— اور مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ چنانچہ آپ ایک بے مثل عالم بنے اور فتویٰ دینے لگے۔ دوبارہ کشمیر میں رونق افروز ہوئے۔ بابا نصیر الدین سہروردی کے مرید ہوئے اور کامل اہل طریقت بنے——

آپ نے مولانا جوہر کشمیری رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ظاہری و باطنی فیض حاصل کیا۔ ان دنوں میں والی کشمیر تین بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قاضی کشمیر بننے کی درخواست کی مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ جب اس نے شدید تقاضا کیا تو آپ راتوں رات کشمیر سے کہیں اور چلے گئے۔ جب کوئی اور صاحب قاضی بن گئے تو آپ واپس کشمیر آ گئے۔

وفات: صاحب "تواریخ اعظمی" کے بقول آپ نے ۱۰۵۷ھ میں وفات پائی۔ مذکورہ کتاب میں "منیر الوریٰ" سے آپ کی تاریخ وفات نکالی گئی ہے۔

قطعہ

چو حیدر ز دارالفنا رخت بست بجنت رسید آن ولی متقی
ز اعظم ولی ارتحالش بجو بفرما دگر شیخ کامل ولی
۱۰۵۷ھ ۱۰۵۷ھ

شاہ دولا دریائی گجراتی پنجابی قدس سرہ

آپ عظیم باکمال ولی تھے۔ باحال و قال بڑے مشائخ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ فتوحات ظاہری و باطنی اور کمالات صوری و معنوی کے جامع تھے۔ آپ کے آباء کرام کا شجرہ شاہ بہلول لودھی رحمتہ اللہ علیہ تک جا پہنچتا ہے جبکہ روحانی سلسلہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

حضرت شاہ دولا مرید خلیفہ شاہ سیدنا سرمست مرید شاہ مونگا مرید شاہ کبیر مرید شیخ صدر الدین مرید شیخ بدر الدین مرید شیخ اسماعیل قریش مرید حضرت شاہ صدر الدین راجن قتال مرید شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانی مرید شیخ صدر الدین عارف مرید غوث بہاء الدین زکریا ملتانی (قدس سرہم العزیز)

چشتی بزرگوں سے بھی آپ کو فیض کامل پہنچا۔

آپ چھوٹے ہی تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ظالموں نے آپ کو ہندوؤں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ چونکہ آپ نے غلامی کی حالت میں اپنے آقا کی خوب خدمت کی' اس لیے اس نے رہا کر دیا۔ آزاد ہوئے تو سیدنا سرمست سیالکوٹی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچے۔ جو اپنے وقت کے قطب تھے۔ مرید ہوئے اور چند سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ شیخ کا ایک اور مرید دولا نامی تھا۔۔۔ شیخ اسے اپنی دولت باطنی کی نعمت سے نوازنا چاہتے تھے۔ جب اس بزرگ کا آخری وقت آیا تو انہوں نے حجرہ کے اندر سے آواز دی۔ "دولا! آجا"۔ وہ دولا اس وقت حاضر نہ تھا۔ یہ شاہ دولا حاضر

ہوئے تو انہوں نے فرمایا۔ "میں نے تمہیں نہیں بلایا' دولا چاہیے"۔ شاہ دولا نکل کر حجرہ کے باہر بیٹھ گئے۔ ایک ساعت بعد انہوں نے دولا کو ایک بار پھر پکارا۔ چونکہ وہ حاضر نہ تھا۔ شاہ دولا حاضر ہوئے۔ شیخ نے نعمت باطنی سے انہیں سرفراز فرمایا اور کہا "جسے مولا دے وہ شاہ دولا ہو جاتا ہے"۔ یہ کہہ کر جان' جان آفرین کے حوالہ کی۔۔۔

اس کے بعد شاہ دولا ایک مدت تک سکر و جذب و مستی کی حالت میں رہے۔ حتیٰ کہ آپ سے فرض اور سنت بھی رہ جاتے تھے۔ آپ کا بیابانوں میں چیتوں' شیروں وغیرہ سے انس رہتا۔ ہوش میں آئے تو فتوحات ظاہری و باطنی آپ پر کھلیں۔ آپ سے بے شمار خوارق و کرامات ظاہر ہوئے۔ دنیا و عقبیٰ کے طلبگار آتے اور اپنی حاجتیں پوری کرتے۔ شاہین' باز' شیر' چیتا اور دوسرے بہت سے درندے آپ کی سرکار میں رہتے تھے۔۔۔ آپ کا ہاتھ خزانہ غیب پر تھا۔ بے شمار رقم خرچ کرتے یعنی مسکینوں کو عطا فرماتے۔ بہت سے لنگر جاری کیے۔ کنویں' سرائے' پل' مسجدیں وغیرہ تعمیر کرواتے۔ چنانچہ آپ کی بنائی ہوئی عمارتیں اب تک سیالکوٹ اور گجرات وغیرہ میں موجود ہیں۔ امراء اور بادشاہوں کی طرح آپ کا دربار تھا۔

آپ زیادہ تر مشاہدہ حقانی میں مستغرق رہتے۔ اکثر اوقات' اللہ کے ماسوا ہر چیز سے بے خبر ہوتے۔ سر مراقبہ میں رہتا۔ اس قدر تعلقات کے باوجود مجرد تھے۔ مشائخ متاخرین میں سے عالم ظاہر و باطن پر اس قدر تصرف و فتح کسی اور کو نہیں تھی جتنی آپ کو۔۔۔

آپ کی زبان سے بھلا برا جو کچھ نکلتا' اس کے مطابق ہی ہوتا۔ آپ کی دعا کا تیر کبھی بھی نشانہ سے نہ چوکتا۔ آپ سماع' وجد اور تواجد میں غلو سے کام لیتے۔ آپ کی مجلس کبھی سماع سے خالی نہ ہوتی۔ ایک دن حاسدوں'

دشمنوں اور خشک ملاؤں نے آپ کے خلاف ایک محضر نامہ لکھا اور آپ کو ایذا پہنچانی چاہی۔ مگر شاہجہان بادشاہ چونکہ بے تعصب تھا اس لیے آپ کو کچھ ایذا نہ پہنچائی جا سکی۔

اگر کوئی بے اولاد، حصول اولاد کے لیے آپ کی خدمت میں درخواست کرتا کہ آپ بارگاہ ربوبیت میں اس کے لیے دعا کریں تو آپ فرماتے۔ اگر پہلوٹھا بیٹا ہماری نذر کرو تو درگاہ خالق حقیقی سے تمہیں اولاد مل جائے گی۔ سوالی یہ شرط قبول کرتا۔ اب اس کے گھر میں جو پہلا لڑکا پیدا ہوتا، اس میں کچھ مخصوص علامات ہوتیں۔ پہلی، اس کا سر چھوٹا ہوتا۔ دوسری، گونگا اور بے زبان ہوتا۔ تیسری، مجذوب، مسلوب الحواس ہوتا۔ جب بچہ اس صورت میں پیدا ہوتا والدین اس کو آپ کے پاس لے آتے۔ آپ قبول فرما کر اپنے پاس رکھ لیتے۔۔۔ اس طرح سینکڑوں بچے جو "شاہ دولا کے چوہے" کہلاتے آپ کے پاس حاضر رہتے۔ انہیں لنگر سے خوراک ملتی۔ چنانچہ یہ کرامت آج تک آپ کے مزار سے بھی جاری ہے۔ سالانہ عرس کے موقعہ پر "شاہ دولا کے چوہے" دور دراز علاقوں سے آپ کے مزار پر اکٹھے ہوتے ہیں۔۔۔

اولاد کے خواہش مند حضرات و خواتین آپ کے مزار پر دور دراز کے شہروں سے آتے ہیں۔۔۔ یہ شرط قبول کرتے ہیں کہ اپنی اولاد میں سے پہلوٹھے لڑکے کا نذرانہ شاہ دولا رحمتہ اللہ علیہ کو دیں گے۔۔۔ چنانچہ ان کے گھر میں اسی شکل و شباہت کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے مزار پر پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سال (سال تالیف کتاب) دو دو ماہ کے چار بچے اسی شکل و شباہت کے مزار پر موجود ہیں۔۔۔

صاحب "معارج الولایت" فرماتے ہیں کہ بندہ حسن ابدال جاتے ہوئے شاہ دولا کی خدمت میں پہنچا۔ شاہ مراقبہ میں تھے۔ قوال، خواجگان چشت کی

مدح کر رہے تھے۔ آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا تو میرے حال پر توجہ کی اور شیرینی عطا فرمائی۔ میں نے عرض کی "بندہ عطاء ظاہری کا خواستگار نہیں۔ نعمت باطنی سے کچھ حصہ عطا ہو"۔ مسکرائے اور فرمایا "یہ تو لے لو وہ بھی دیتا ہوں"۔ چنانچہ بندہ کے حال پر بے انتہا ظاہری و باطنی عنایات کیں۔ ۱۶۹ھ

وفات: بقول صاحب "مخبر الواصلین" ۸۵۰ھ اور بقول صاحب "شجرہ چشتیہ" ۷۵۰ھ میں وفات پائی۔ دوسرا قول زیادہ درست ہے۔ صاحب "شجرہ چشتیہ" نے سہروردی بزرگوں کے حالات میں آپ کی تاریخ وفات "بجنت رسید شہ دولا" اور "خدا دوست" سے اخذ کی ہے۔ آپ کا مزار پنجاب کے شہر گجرات میں زیارت گاہ خلق ہے۔ آپ کی اولاد میں سے پیر بہاون سادہ نے آپ کا مزار تعمیر کروایا۔ آج کل امام شاہ' آپ کے مزار پر سجادہ نشین ہیں۔

قطعہ

چوں شاہ دولا ولی باعزت و جاں — ز دنیا رفت در فردوس شادان
سر و رشد ندا تاریخ سالش — کہ شاہنشاہ دولا "قطب دوران"

۷۵۰ھ

شیخ جان سہروردی لاہوری قدس سرہ

آپ ایک عالم و فاضل آدمی تھے۔ جامع کمالات ظاہر و باطن تھے۔ بیرون شہر لاہور میں مسجد قصاب خانہ میں درس دیتے تھے۔ طریقہ عالیہ سہروردیہ میں حضرت شیخ اسمٰعیل (المشہور میاں وڈے صاحب درس والے) کے مرید تھے۔ ہزاروں لوگوں کو مفت پڑھاتے اور کسی سے کوئی چیز نہ لیتے۔ رزق حلال کے لیے چکی چلاتے تھے۔

ایک دن شیخ محمد اسماعیل نے آپ سے پوچھا کہ گزر اوقات کے لیے کس طرح روزی کماتے ہو؟ عرض کی کہ بہرحال شکر ہے' بڑے آرام سے وقت گزر رہا ہے۔ فرمایا "حق تعالیٰ نے مجھے معلوم کروا دیا ہے کہ آپ رزق حلال کے لیے چکی چلاتے ہو؟ آئندہ چکی نہ چلانا"۔ پھر آپ نے ازراہ عنایت مرشدانہ ایک تعویذ عطا کیا اور کہا "یہ تعویذ اپنے گھر میں رکھ لو۔ جب دنیا کی نعمتوں سے سیر ہو جاؤ تو میرا تعویذ مجھے واپس لوٹانا"۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ تعویذ گھر لے گئے۔ اس قدر فتوحات ہوئیں کہ تین ہی دنوں میں وافر خزانہ جمع ہوگیا۔ اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تعویذ واپس اپنے مرشد کی خدمت میں لائے اور عرض کی "اب دنیا کی نعمتوں سے بے نیاز ہوچکا ہوں۔ تاہم اگر اس تعویذ کو لکھنے کی اجازت دے دیں تو عین عنایت ہوگی"۔ حضرت میاں نے یہ تعویذ شیخ جان محمد کو تعویذ لکھنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ تعویذ باجازت شیخ احمد دین حالیہ سجادہ نشین مزار محمد اسماعیل یہاں درج کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۷۷۰۰۰۰۰ مھصمد

ایک شخص نے شیخ جان محمد کی خدمت میں آکر عرض کی کہ میں بہت تنگی اور فاقہ سے رہ رہا ہوں۔ دن رات رنج و فکر میں گزرتے ہیں۔ میرے حال پر رحم فرمایئے۔ آپ نے فرمایا "ہر روز نماز کے بعد قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھو اور ایک سو بار "سبحان اللہ" پڑھو۔ ایک ہفتہ بعد پھر اپنے حالات ہمیں بتاؤ"۔ اس نے ایسے ہی کیا۔ اس تسبیح کی برکت سے اس پر اسباب فتوحات کھلے۔ ایک ہفتہ کے بعد واپس آیا اور کہا "آپ کی مہربانی سے مجھے

دولت لازوال ملی"۔ فرمایا "مزید ایک ہفتہ اس تسبیح کا ورد کرو"۔ اس نے اب بھی حکم کی تعمیل کی۔ سات دن بعد حاضر ہو کر بتایا "اب تو زمین کے تمام خزانے جہاں وہ دفن ہیں' میرے لیے بے نقاب ہو چکے ہیں لیکن میری طبیعت ان کی طرف مائل نہیں ہوتی بلکہ میں چاہتا ہوں آپ کے وسیلہ سے اخروی دولت سے بہرہ مند بنوں"۔ اب وہ آدمی دنیا کا تارک ہو گیا۔ مرید ہوا۔ اس نے ظاہری و باطنی کمالات پائے۔

وفات : اقوال معتبر کی رو سے شیخ جان محمد نے ۱۰۸۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار لاہور سے باہر مشرق کی طرف پر قصاب خانہ کی قدیم مسجد کے متصل ہے۔

شد ازین دنیا چو در خلد برین — پیر دین جان محمد' جان جاں
"شیخ دین حق" بگو تاریخ او — نیز فرما از "زبان عرش آستان"

۱۰۸۲ھ — ۱۰۸۲ھ

شیخ محمد اسماعیل مدرس سہروردی لاہور المشہور میاں کلان قدس سرہ

آپ بزرگان دین اور مشائخ اہل یقین میں سے ہیں۔ بڑا مرتبہ اور اونچا مقام تھا۔ صاحب تدریس قرآن اور جامع علوم ہمہ دانی تھے۔ سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں شیخ عبدالکریم کے مرید و شاگرد تھے۔ وہ مرید مخدوم طیب کے تھے۔

مخدوم طیب مرید مخدوم برہان الدین مرید مخدوم چلن مرید شیخ سیلون' مرید شیخ حسام الدین متقی ملتانی چشتی و سہروردی مرید سید شاہ عالم مرید سید برہان الدین قطب مرید سید ناصر الدین مرید سید جلال الدین مخدوم جہانیاں

مرید شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی مرید شیخ صدر الدین عارف ملتانی مرید شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی۔

آپ کے والد کا نام شیخ اسماعیل فتح اللہ بن عبداللہ بن سرفراز ہے۔ آپ زمیندار کھوکھر قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ پہلے دریائے چناب کے کنارے موضع پتبہ میں رہتے تھے۔ جب شیخ اسماعیل اکبر بادشاہ کے دور میں ۹۹۵ھ میں پیدا ہوئے تو آپ کے والدین اس گاؤں سے نکل کر موضع لنگر مخدوم چلے گئے اور وہیں کی سکونت اختیار کر لی۔ والدین نے شیخ اسماعیل کو پانچ سال کی عمر میں' دینی علوم کی تعلیم کے لیے شیخ عبدالکریم سہروردی کے پاس بھیجا۔ جب آپ کی عمر بارہ سال تھی تو استاد نے آپ کو درس کے درویشوں کے لیے آٹا پیسنے کا فرض سونپا۔ آپ چکی چلانے لگے۔ ایک دن حضرت میاں اپنے حجرہ میں مشغول ذکر تھے۔ جس وقت مقررہ پر پسا ہوا آٹا مطبخ میں پہنچتا ہے' نہ پہنچا تو استاد نے ایک درویش آپ کے پاس بھیجا تاکہ وہ معلوم کرے کہ وقت مقررہ پر آٹا نہ پہنچنے کا سبب کیا ہے؟ درویش حجرہ میں آیا تو دیکھا کہ اسماعیل مشغول بحق ہے۔ اسے علوم ظاہر کی کچھ خبر نہیں۔ چکی خود بخود چل رہی ہے۔ وہ یہ حال دیکھ کر حیران رہ گیا۔ واپس جا کر شیخ عبدالکریم کو آگاہ کیا۔ شیخ عبدالکریم نے بذات خود حجرہ میں آ کر دیکھا کہ واقعی چکی غیبی حکم سے محو گردش ہے۔ اسماعیل مراقبہ میں سر ڈالے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہے۔ شیخ عبدالکریم بہت خوش ہوئے۔ اس لڑکے کی مشغولی پر شاباش دی اور لڑکے کو اسی حالت میں چھوڑ کر باہر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد جب شیخ اسماعیل اپنی حالت میں آئے' آٹا جمع کر کے باورچی خانے میں پہنچا دیا اور خود استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ استاد نے فرمایا "آج سے چکی پیسنے کا کام تم نہیں کرو گے کیونکہ تمہیں یہ خدمت سونپنے سے عالم بالا

کے فرشتوں کو زحمت دینی پڑتی ہے۔

میاں اسماعیل نے علم باطنی میں کمال حاصل کرنے کے بعد اپنے مرشد سے رخصت چاہی۔ لنگر مخدوم سے نکلے۔ وہاں سے دس کوس کے فاصلہ پر دریائے چناب کے کنارے ایک شیشم کے درخت کے نیچے قیام کیا۔ چند ماہ میں ایک سو چالیس درویش آپ کے پاس اکٹھے ہوگئے اور کمال تک پہنچ کر رخصت ہوئی۔ حضرت میاں ربانی اشارہ پا کر وہاں سے لاہور آئے اور ۴۵ سال کی عمر میں لاہور کو رونق بخشی۔ محلہ تیل پورہ (بیرون شہر لاہور کی ویرانی کے بعد آپ کا مزار آج کل جہاں ہے) آکر قیام کیا۔ مخلوق کی تدریس، تعلیم اور تلقین کرنے لگے۔ پہلے چالیس دن تک پیر علی مخدوم گنج بخش ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ عالی جاہ پر معتکف رہے۔ پھر اپنی جگہ تشریف لے گئے۔ علم حق کے طالبوں کی بڑی تعداد آپ کے گرد جمع ہوگئی۔

محلہ تیلی پورہ کی متصل محلہ گنج پور میں ایک پرانی مسجد تھی۔ ایک ماہر ہندو جوگی اس مسجد میں رہتا تھا۔ چونکہ جوگی مرد باکمال تھا اس لیے کوئی بھی مسلمان اس کو مسجد سے نکال نہیں سکتا تھا۔ آخر حضرت میاں، اس بات کے لیے تیار ہوئے کہ اس مسجد میں قیام فرمائیں۔ آپ جوگی کے پاس گئے اور فرمایا "یہ مسجد عبادت گاہ اسلام ہے۔ تمہارا یہاں رہنا حرام ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ یہاں رہیں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ"۔ جوگی نے صاف انکار کیا۔ آپ نے اسے دوبارہ اشارہ کیا۔ اس نے کہا "یہ مسجد مجھ سے مانوس ہے، اگر میں جاؤں گا تو یہ مسجد بھی میرے ساتھ جائے گی"۔ یہ کہا اور پاؤں مسجد سے باہر رکھا۔ ابھی جوگی نے ایک قدم بھی نہ اٹھایا کہ مسجد اپنی جگہ سے ہلی اور قریب تھا کہ جوگی کے پیچھے چلے کہ حضرت میاں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا عصا، دیوار پر مارا اور فرمایا کہ "رک جاؤ"۔ مسجد فوراً رک گئی۔ جب جوگی نے یہ

زبردست خوارق دیکھی تو اس نے آپ کے قدموں پر سر رکھا اور اپنی راہ لی۔

حضرت میاں نے اس مسجد میں قیام کیا۔ مخلوق کی تدریس و ہدایت میں مصروف ہوگئے۔ بعد میں ایک شاہجہانی دایہ نے اس مسجد کو دوبارہ تعمیر کروایا۔ اب تک یہ مسجد حضرت میاں کے مزار پرانوار کے احاطہ میں موجود ہے اور اب تک اس میں درس قرآنی جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گی۔

حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ طالب علموں کو قرآن شریف کا سبق خود دیتے تھے۔ آپ کی زبان کی برکت سے طالب علم چند مہینوں میں حافظ قرآن بن جاتے تھے۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میری زوجہ منکوحہ حافظ قرآن ہے اور میں ان پڑھ' اس لیے وہ مجھے اپنی قربت سے روکتی ہے اور کہتی ہے "میں حافظ قرآن ہوں اور تو جاہل۔ تیرے قرب سے میرے دل میں جو قرآن ہے اس کی بے ادبی نہ ہو جائے۔ اس لیے میں آپ کی خدمت میں آکر التجا کرتا ہوں کہ میرے لیے دعائے خیر کریں کہ میں حافظ قرآن بن جاؤں۔ فرمایا اگر تم چھ ماہ تک ہمارے پاس رہو حافظ قرآن بن جاؤ گے۔ وہ یہ سن کر زار و قطار رویا اور کہا "یاحضرت اب نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال۔ میں تو دو دن صبر نہیں کر سکتا چہ جائیکہ چھ ماہ تک قربت معشوق سے الگ رہ جاؤں"۔ یہ سن کر دریائے رحمت جوش میں آیا اور فرمایا "کل جب میں نماز فجر قعدہ اخیر میں سلام پھیرنے لگوں تو چاہیے کہ تم ہمارے دائیں طرف ہو انشاء اللہ اپنا مقصد حاصل کر لو گے"۔ صبح سویرے سائل مسجد میں حاضر ہوا اور آپ کے حکم کے مطابق تعمیل کی۔ آپ کی نظر کیمیا اثر سے فوراً حافظ قرآن ہوگیا۔ بلکہ جتنے بھی ان پڑھ دائیں

طرف تھے حافظ قرآن بن گئے اور بائیں طرف جو ان پڑھ تھے وہ ناظرہ خوان بن گئے۔ سائل نے جب اپنے کو حافظ قرآن پایا تو اللہ کا شکر کرتے ہوئے مرید ہوگیا اور اپنی مراد پالی۔

شیخ محمد اسماعیل نے بارہا فرمایا کہ حفظ قرآن کا فیض' میرے فوت ہونے کے بعد' ہماری قبر کی خاک سے بھی جاری رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔۔۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے تایا زاد بھائی شیخ محمد صالح نے ۵۵ سال تک' حافظ محمود نے ۴۲ سال تک' حافظ معز الدین نے ۳۵ سال تک اور حافظ شرف الدین نے ۶۰ سال تک آپ کے مزار پر علم قرآنی کی تعلیم دی۔۔۔ جب حافظ شرف الدین ۱۰۷۰ھ میں فوت ہوئے تو ان کے صاحبزادے حافظ احمد الدین نے اس کار خیر پر کمر ہمت باندھی۔

آج کل ایک سو پچاس نابینا اور بینا اشخاص اس مدرسہ معلّٰی میں علم قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ انہیں دو وقت کا کھانا اور باقی ضرورت کی چیزیں مدرسہ سے دی جاتی ہیں۔ حافظ احمد الدین کے سجادہ نشین کا سلسلہ نسبت آبائی محمد اسماعیل کے بزرگوں تک یوں پہنچتا ہے کہ آنجناب کے جد سوم دو بھائی تھے۔ ایک سرفراز اور دوسرے شہنواز محمد اسماعیل۔ فرزند شیخ فتح اللہ بن عبداللہ بن شاہنواز۔۔۔ اور حافظ احمد الدین بن شرف الدین بن معز الدین بن محمود بن محمد ابن صالح بن حیات بن سرفراز۔

حافظ اللہ بخش' حضرت محمد اسماعیل کے کامل خلفاء میں تھے۔ وہ بڑے مجسم اور فربہ تن تھے۔ پہلی دفعہ جب بیعت کرنے اور مرید ہونے کے لیے آئے تو شیخ ان کے موٹاپے کی وجہ سے مسکرائے اور ان کے موٹے موٹے پستان دیکھ کر فرمایا۔ "حافظ اللہ بخش لویرہ (یعنی شیردار) ہے"۔ آپ کا یہ فرمان تھا کہ حافظ اللہ بخش کے دونوں پستانوں میں دودھ اتر آیا۔ یوں وہ فی

الحقیقت لویرہ ہوگئے۔ لویرہ پنجابی زبان میں اس بھینس، گائے یا بکری کو کہتے ہیں جو شیردار اور بچہ دار ہو۔ حافظ ساری زندگی لویرہ کہلاتے رہے۔ لویرہ کے نام سے ایک موضع اب تک آباد ہے۔

میاں صاحب کے خلفاء: میاں صاحب کے خلفاء اتنے زیادہ ہیں کہ احاطہ شمار سے باہر ہیں۔ مگر ان میں سے چند ایک کے اسماء گرامی یہاں تبرکاً درج کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے اول شیخ محمد صالح ہیں۔ یہ آپ کے برادر ہم جدی ہیں۔ ان کے علاوہ میاں جان محمد لاہوری، جان محمد ثانی، شیخ محمد ہاشم، شیخ عبدالحمید، عبدالکریم قصوری، اخوند محمد عثمان، اخوند محمد عمر، امانت خان، حافظ عبداللہ ساکن کیوالی، حافظ محمد فاضل، حافظ اللہ بخش، حافظ محمد حسین آوان، حافظ فتح محمد خوشحالی اور مولوی تیمور لاہوری۔ یہ حضرات آپ کی وفات کے بعد مسند آرائے تدریس و تلقین ہوئے۔

وفات: ۵ر شوال ۱۰۸۵ھ میں عالمگیر کے عہد سلطنت میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لاہور کا مشہور ترین مزار ہے اور زیارت گاہ خلق ہے۔ آپ کے مزار کے دروازوں پر یہ قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔

شنو تاریخ آن دریائے معنی — کہ عمرش گشتا در عشق خدا صرف
دل و جان کرد قربان الٰہی — کہ اسماعیل ثانی بود بے حرف

۱۰۸۵ھ

قطعہ از مؤلف

جناب شیخ اسماعیل مرحوم — ولی حق قبول لا یزالی
چو جستم سال تولیدش نداشد — خلیل اللہ اسماعیل والی

۱۰۸۵ھ

شیخ حسن لالو کشمیری قدس سرہ

خطہ دلپذیر کشمیر کے ایک بزرگ ہیں۔ لالو اس وجہ سے کہلاتے ہیں کہ آپ لالوؤں کی مسجد میں رہتے تھے۔ لالو کشمیر کا ایک قبیلہ ہے۔ لار کے رگند میں اکس نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جدامجد خواجہ عطار' سید جمال الدین بخاری دہلوی کے مرید اور شیخ حمزہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ کے والد گرامی کپڑے کے تاجر تھے۔ آخر بابا نصیب الدین کے مرید ہوئے۔ اور تکمیل کی۔

آپ اپنے والد کے مرید تھے۔ بابا نصیب الدین سے بھی باقی ماندہ تکمیل ہوئی۔ تجرید و تفرید پر عمل تھا۔ آخر میں گھربار بسایا اور محلہ خلاص پورہ میں امامت اختیار کی۔ اپنی عمر حجرہ میں گزار دی۔ عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ بڑھاپے اور کمزوری کے باوجود مدرسہ ملا ابوالفتح میں جاتے اور دینی مسائل پر بحث کرتے۔

وفات: بقول صاحب تذکرہ اعظمی ۱۰۹۹ھ میں فوت ہوئے۔ اور حضرت مخدوم کے پڑوس میں مدفون ہوئے۔

قطعہ

حسن چون ز دار جہان رخت بست　　بتاریخ ترحیل آن اہل راز
یکی "شیخ محبوب سبحانی" است　　دگر "بار شیخ حسن بانیاز"

۱۰۹۹ھ　　۱۰۹۹ھ

شیخ بھرام کشمیری قدس سرہ

ابتداء میں تجارت کرتے تھے۔ بعد میں بابا نصیب الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے' کمال حاصل کیا۔ القائے ربانی کا مقصد حاصل کیا۔ ہمیشہ صائم الدہر رہتے۔ ترک لذات کے سلسلہ میں دودھ اور

گوشت ترک کر دیا تھا۔ نہایت شوق سے سفر میں قدم رکھا۔ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور واپس کشمیر آ گئے۔ اگرچہ آپ کشف و کرامات کے اظہار میں ازحد پرہیز کرتے تھے تاہم بے اختیار آپ سے بے شمار کرامات واقع ہو جاتیں۔ کثرت زہد و ریاضت سے آپ کا جسم مبارک اتنا لاغر و ضعیف ہوگیا کہ ہڈیوں پر چمڑا رہ گیا اور گوشت قسم کی کوئی چیز نہ رہی۔ شیخ کشمیری لوگوں کی طرف ہمیشہ گھاس کا جوتا پہنتے۔ ہر موسم میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کی رہائش گاہ سے پانی کا چشمہ جاری کر دیا جس کا پانی سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں سرد ہوتا تھا۔ شیخ اسی سے وضو اور غسل کرتے تھے۔

صاحب "تواریخ اعظمی" لکھتے ہیں۔ ایک دن شیخ مراد اپنے ایک ساتھی کے ساتھ، شیخ بہرام کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ راستہ میں کہا "اگر آج حاجی بہرام، ہمارے لیے مابری (ایک کشمیری کھانا) کا انتظام کریں اور ہم مل کر کھائیں تو یہ ان کی کرامت سے بعید نہیں ہے"۔ ملاقات کے بعد کھانا آیا تو وہ مابری تھا۔ کھانے سے فراغت کے بعد شیخ بہرام نے شیخ مراد سے فرمایا۔ "آج کتنا اچھا دن ہے کہ آپ اور ہم نے مل کر مابری کھایا"۔

وفات : نوے سال کی عمر میں ۱۰۱۰ھ میں (بقول صاحب تواریخ اعظمی) وفات پائی۔ آپ کا مزار خطہ کشمیر جنت نظیر میں ہے۔

قطعہ

شیخ بہرام ولی عالی ہافت زین دہر چو درخلد مقام
گفت تاریخ وصالش "سرور" "مخزن دین محمد بہرام"
۱۰۱۰ھ

شیخ یعقوب کشمیری قدس سرہ

آپ بابا نصیب الدین رحمتہ اللہ علیہ کے عاشق جانباز اور یار ہمراز تھے۔ ابتداء میں قصہ خوانی اور طبل نوازی میں مشغول تھے۔ جب بابا نصیب الدین کی خدمت کا شرف ملا تو مجاہدہ اختیار کیا اور مستانہ عشق حقانی ہوئے۔ کامل استغراق حاصل کیا حتیٰ کہ اپنی خبر بھی نہ ہوتی۔ چنانچہ شیخ داؤد مشکوتی نے "کتاب الاسرار" میں لکھا ہے۔ ایک بار شیخ یعقوب، کوہ کشمیر کی ایک غار میں خلوت نشین ہوئے اور وہاں آدھا مہینہ کھائے، لیٹے اور سوئے بغیر گزار دیا۔ ایک دفعہ رات کے وقت پیر پنجابی کے زمینداروں کے گھر تشریف لے گئے چونکہ رات کافی گزر چکی تھی اس لیے کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ آخر برف پر بیٹھ گئے اور صبح تک ذکر اور حبس نفس میں مشغول رہے۔ ذکر کی گرمی سے وہاں کی برف پانی ہوگئی بلکہ خشک زمین نمودار ہوئی۔ آپ کی مدہوشی و مستی کا یہ عالم تھا کہ پاؤں میں زنگولہ (گھنگھرو) باندھتے۔ مرغ کا پر اپنے سر پر رکھتے اور رقص کرتے یہ رقص پورے ٹھہراؤ اور جماؤ کے ساتھ ہوتا۔ ۱۰۰۶ھ میں رحمت حق سے جا ملے اور اسلام آباد میں دفن ہوئے۔

قطعہ

شدہ جلوہ گر از جہان در جنان — چو یعقوب مجذوب مہتاب عشق
وصالش "ولی خدا مجتبیٰ" است — دگر "بار یعقوب مہتاب عشق"

۱۰۰۶ھ — ۱۰۰۶ھ

سید زندہ علی بن سید عبدالرحیم بن صفی الدین بن میران محمد شاہ موج دریا بخاری قدس سرہ

شیخ عابد و زاہد اور متقی تھے۔ سیادت، نجابت اور شرافت کے جامع تھے۔ اپنے آباء کرام سے ارادت کا تعلق تھا۔ اپنے پدر عالی قدر کی وفات کے بعد

سجادہ مشیخیت کو رونق بخشی۔

آپ کے والد محترم کا جہاں مقبرہ ہے اس علاقہ کے کنووں کا پانی بہت زیادہ شور اور کڑوا تھا۔ یہاں کے باشندے ایک بہت بڑے اجتماع کی صورت میں آپ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے خادموں بوڑا اور توڑا کے توسط سے' میٹھے پانی کی درخواست کی۔ فرمایا "نیا کنواں کھودو انشاء اللہ میٹھا پانی نکلے گا"۔ انہوں نے نیا کنواں کھودا۔ میٹھا پانی نکلا بلکہ چند ہی سالوں میں اس علاقے کے سب کنووں کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہوگیا۔ اس سرزمین میں تلخی و شوری کا نشان باقی نہ رہا۔

ولادت و وفات: آپ ۱۰۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۱۱ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار حضرت موج دریا بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ کے احاطہ کے باہر ہے۔ جو "زندہ امام کی خانقاہ" سے مشہور ہے۔

قطعہ

پیر زندہ علی ولی خدا مرشد و راہنمائے خاص و عام
"خازن جنت" است تر حیلش "نیز نور بہشت زندہ امام"

۱۱۱۱ھ

شیخ عبدالرحیم قادری و سہروردی کشمیری قدس سرہ

کشمیر کے بڑے بزرگوں میں سے ہیں۔ پہلے لاہور میں سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت میر بالا پیر لاہوری کے مرید ہوئے۔ ریاضت و مجاہدہ سے مقام بلند پر پہنچے۔ بعد ازاں ملا شاہ قادری کی ہمرکابی میں کشمیر تشریف لے گئے۔ چونکہ وہ جگہ اچھی تھی اور مقام دلکش تھا۔ آپ کو عبادت کے لیے گوشہ تنہائی میسر آگیا اس لیے آپ وہیں کے ہو رہے۔ شب و روز تعلیم و تلقین

میں گزار دیتے۔ اپنے حالات زیادہ تر مخفی رکھتے۔

بعد میں کشمیر کے سہروردی حضرات جیسے شیخ نصیب الدین وغیرہ سے اس سلسلہ کا فیض اٹھایا۔ سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ نظام الدین نقشبندی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

طالب جس سلسلہ میں چاہتا آپ کا مرید ہوجاتا۔ دنیا و آخرت دونوں کے طالب آپ کی برکات سے مستفید ہوتے۔ کوئی بھی سوالی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر محروم نہ ہوتا۔ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی طالب دنیا کسی ولی کی خدمت میں آکر اپنی مراد پالیتا ہے تو زیادہ صدق و یقین سے اس کے دل میں اولیاء کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ وہ دنیا سے دین کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ بالآخر کمالات طریقت تک جا پہنچتا ہے۔ غرضیکہ شیخ عبدالرحیم نے کمال استقلال سے کشمیر میں ۳۹ برس گزار دیے۔ آخر جب وعدہ **اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون** نزدیک پہنچا تو آپ مرض فالج میں گرفتار ہوئے۔ ماہ صفر المظفر ۱۱۳۵ھ میں اس دنیا فانی سے عالم باقی کی جانب کوچ کیا۔ آستانہ خواجہ صدر الدین رحمتہ اللہ علیہ میں مدفون ہوئے۔

قطعہ

رفت چون از فضل رب ایزدی — از جہان اندر جنان عبدالرحیم
سال تر حیلش بگو "دریائے فیض" — ہم بگو "خاص جہاں عبدالرحیم"

۱۱۳۵ھ — ۱۱۳۵ھ

شیخ جان محمد لاہوری رحمتہ اللہ علیہ

شیخ اسمٰعیل میاں وڈے لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اور مرید تھے۔ آپ طریقت و شریعت اور فقہ و حدیث میں عالم کامل اور مقتدائے زمانہ

تھے۔ لاہور شہر سے باہر کی ایک آبادی محلہ پرویز آباد میں رہتے تھے۔ بچپن میں شیخ اسماعیل ہی کے ایک خلیفہ شیخ اسماعیل سے علم حاصل کرتے تھے۔ ایک دن استاد کے ساتھ حضرت وڈے میاں کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت میاں چونکہ اس وقت خوش دل تھے اس لیے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "بیٹا! جب تم عالم فاضل ہو جانا تو ہمارے ساتھ احادیث کا تکرار کرنا"۔ جان محمد بسبب شرم و حیاء اور غایت ادب سے خاموش رہے۔ شیخ عبدالحمید نے کہا "بیٹا! کہو کہ اگر آپ کی توجہ سے تحصیل علم میں کامیاب ہوگیا تو آپ کی خدمت میں حاضر رہوں گا"۔ شیخ جان محمد نے یہ الفاظ دہرائے۔ حضرت میاں نے ہاتھ اٹھا کر ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ یہ دعا قبول ہوئی اور جان محمد نے چند ماہ میں علوم ظاہری میں استعداد کامل حاصل کر لی۔ ادھر شیخ عبدالحمید نے جب دیکھا کہ جان محمد مجھ سے قوت علمی میں بڑھ چکا ہے اور ابھی آپ کی ہمت بلند پرواز ہے تو اپنے سے الگ کر کے شیخ تیمور کے حوالہ کیا' جو اس وقت لاہور کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے ان سے بھی تھوڑی ہی مدت میں "تفضیل نامہ" حاصل کر لیا اور دستار فضیلت باندھ لی۔۔۔

ایک دن حضرت میاں اپنے مدرسہ میں مراقبہ کر رہے تھے کہ آپ کے دل میں جان محمد کا خیال آیا۔ آپ نے فوراً انہیں اپنی طرف جذب کیا۔ وہ بھی اس کشش سے فوراً حاضر خدمت ہوئے۔ حجرہ کے دروازہ پر پہنچ کر آواز دی تو حضرت میاں نے اندر بلایا۔ بغلگیر ہوئے۔ نعمت وافر عطا کی اور مراتب اولیاء تک پہنچایا اور فرمایا کہ اب تمہارے وعدہ کو پورا کرنے کا وقت آیا ہے۔ آئندہ سوموار اور جمعہ ہمارے پاس آ کر احادیث کا تکرار کرنا۔ چنانچہ جب تک میاں وڈے صاحب بقید حیات رہے' شیخ جان محمد ایام مقررہ پر

آنجناب سے تکرار احادیث کرتے۔ جس حدیث میں شبہ ہوتا حضرت میاں مراقبہ فرما کر حضرت شاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے تصحیح کروا لیتے۔

جب شیخ جان محمد رحمتہ اللہ علیہ نے وفات پائی تو اپنے رہائشی محلہ پرویز آباد میں دفن ہوئے۔ چند سال کے بعد اس محلہ کے نمبردار نے خواب میں دیکھا کہ میاں جان محمد فرماتے ہیں "میری لاش یہاں سے نکال کر حضرت میاں وڈے کی قبر سے متصل دفن کرو اور اگر تو یہ کام نہیں کرے گا تو تیرے محلہ کو بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا"۔ نمبردار صبح سویرے اٹھا۔ حضرت کی نعش وہاں سے نکالی اور وڈے میاں کی قبر کے متصل دفنا دی۔ ادب کے لحاظ سے شیخ جان محمد کا سر' میاں وڈے کی قبر کے برابر رکھا۔ جب وہ رات گزر گئی تو صبح سویرے دیکھا کہ شیخ جان محمد کی قبر بھی حضرت میاں کے برابر ہو چکی ہے۔

وفات: آپ نے ۱۱۳۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کی قبر پر مندرجہ ذیل قطعہ تحریر ہے۔۔۔

قطعہ

جہان معنی و جان محمد — کہ از عشق محمد گشت محمود
خرد از فضل حق تاریخ سالش — "وصال عاشق و معشوق" فرمود

قطعہ از مؤلف

چو در خلد معلی گشت روشن — مہ روی زمین جان محمد
بگو "خورشید سال" ارتحالش — بفرما "شیخ دین جان محمد"

۱۱۳۰ھ — ۱۱۳۰ھ

شیخ حامد قادری سہروردی قدس سرہ

آپ کے والد بزرگوار کا نام حسن ہے۔ علوم ظاہر و باطن' زہد و ورع تقویٰ کے جامع تھے۔ قرات قرآن اور تلاوت کا حق ادا کرنے میں' خطہ پنجاب میں آپ کے دور میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ لاہور شہر میں درس دیتے تھے۔ طریقہ عالیہ سہروردیہ میں مولوی تیمور لاہوری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کے مرشد کا سلسلہ مریدی یون ہے۔

مولوی تیمور مرید مولدی عبدالکریم مرید مخدوم طیب مرید شیخ برھان الدین مرید مخدوم چنن مرید شیخ میلون مرید شیخ حسام الدین متقی ملتانی (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)

حضرت حامد قادری رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے مرشد اور منفرد استاد تھے۔ حکام وقت آپ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ آپ سے بہت سی خوارق کرامات ظاہر ہوئیں۔

ولادت و وفات : ۱۰۷۱ھ میں عالمگیر بادشاہ کے عہد میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۶۶ھ میں بتاریخ ۱۷ر جمادی الثانی ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات از مؤلف

حامد آن قاری قرآن العظیم　　بود محبوب جناب ذوالمنن
"افضل و اقطاب والا جاہ گو"　　سال تولیدش باقوال ضمن

۱۰۷۱ھ

بہر تاریخ وصال آنجناب　　گفت سرور "حافظ و حامد حسن"

۱۱۶۶ھ

شیخ کرم شاہ قریشی قدس سرہ

خاندانہ سلسلہ سہروردیہ کے شیخ ہیں۔ آپ کے آباء کرام کی نسبت شیخ

عبدالجلیل لاہوری تک یوں پہنچتی ہے۔ شیخ کرم بن شاہ ابو الفتح بن شیخ ابوالحسن ثانی بن شیخ فخرالدین بن شیخ ابوالفتح بن برخوردار بن شیخ ابوالفتح بن شیخ عبدالجلیل قطب العالم لاہوری (قدس سرہم العزیز)

آپ طریقت میں اپنے والد گرامی کے مرید تھے۔ یوں یہ سلسلہ ارادت بھی سلسلہ آباء کی طرح قدم بر قدم ہے۔ آپ نے ساری عمر ہدایت خلق میں گزار دی۔ آخر جب سکھوں کے خروج سے پنجاب میں تفرقہ عظیم پیدا ہوا۔ سکھوں نے پورے پنجاب خاص طور پر لاہور میں لوٹ مار کی تو یہ عظیم شہر بھی ویران ہوگیا۔ آپ لاہور شہر سے ہجرت فرما کر اپنے اہل و عیال سمیت لکھنؤ پہنچے۔ کچھ مدت شیخ نور الحسن قریشی عقیلی ہاشمی کے پاس رہے جو آپ کے نانا تھے۔ واپسی میں جب لکھنؤ اور دہلی کے درمیان شاہ جہان پور میں پہنچے تو ڈاکوؤں کے ہاتھوں شربت شہادت پیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ صاحب "اذکار قلندری" نے آپ کا واقعہ وفات ۱۲۰۰ھ سال کے آخر کا بیان کیا ہے۔ یعنی ۱۲۰۱ھ کا آغاز قریب تھا۔

قطعہ از مئولف

مکرم شیخ دین حضرت کرم شاہ شہ مسعود رضی اللہ عنہ
ز خورشید عطا دل جست سالش دگر فرمود رضی اللہ عنہ

شیخ سکندر شاہ بن کرم شاہ قریشی قدس سرہ

آپ شجاعت و سخاوت' زہد و ورع اور تقویٰ میں بے مثال تھے۔ فقر و فنا میں صاحب حال و قال تھے۔ اپنے مرشد کی خدمت کرتے تھے۔ آپ کے حالات عجیب تھے۔ طبع موزوں پائی تھی۔ اس لیے اکثر اوقات اشعار کہتے۔ چنانچہ یہ دونوں مطلع آپ کا کلام ہے۔

بتار موی مژگان دو ختم این چشم حیراں را

رفو از رشتہ جان کردہ ام خاک گریبان را

خیال روئے تو بامن چنان ہم آغوش است
کہ کار ہر دو جہاں از دلم فراموش است

وفات: بقول صاحب "اذکار قلندری" آپ نے ۱۲۱۴ھ میں وفات پائی۔ بیس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار' لاہور میں شیخ عبدالجلیل قطب العالم کے مزار کے متصل ہے۔

قطعہ از مؤلف

چوں سکندر بادشاہ دو جہان — یافت از حق دولت ایصالی مفت
عقل سال ارتحال آنجناب — "عارف اکبر سکندر شاہ" گفت

۱۲۱۴ھ

شیخ شاہ مراد قریشی لاہوری بن شیخ کرم شاہ قدس سرہ

اپنے والد کے دادا سے ارادت تھی۔ عابد و زاہد' متقی اور صاحب تصانیف تھے۔ چنانچہ کتاب "مراۃ العاشقین" ترجیع بند مسمی "مامریدان" بروزن "مامتیان" فارسی میں اور "دیوان مراد مراد الحسن" اردو زبان میں نظم کیا ہے۔ آپ کے استعارات و اشعارات سراسر تصوف اور عین سلوک ہیں۔

وفات: آپ نے بقول صاحب "اذکار قلندری" ۱۲۱۵ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار موضع ملک مردانہ کھوکر میں ہے۔

قطعہ

چون "مراد" از دار دنیا رخت بست — رفت در گلزار جنت بامراد
سال وصل آن شہ عالی لقا — شد عیان شاہ کرامت بامراد

شیخ قلندر شاہ قریشی حارثی ہنکاری بن شیخ کرم شاہ قریشی قدس سرہ

متاخرین میں سے کامل شیخ ہیں۔ خوارق و کرامات کے جامع تھے۔ مظہر زہد و ریاضت تھے۔ اگرچہ "سلسلہ عالیہ سہروردیہ" میں اپنے دادا سے اجازت و خلافت ملی تھی' تاہم دیگر سلسلوں کی خلاف بھی دوسرے بزرگوں سے حاصل کی تھی۔ چنانچہ چشتیہ طریقہ کی تلقین اذکار شیخ بدر الدین چشتی صابری سے اور خلافت سلاسل خمسہ یعنی چشتیہ' نقشبندیہ' سہروردیہ' قادریہ اور مداریہ شیخ اجمل الہ آبادی سے حاصل کی تھی۔ تکمیل کے بعد آپ اپنے دور کے عظیم روحانی راہنما رہے۔

صاحب "اذکار قلندری" فرماتے ہیں ایک دن حضرت قلندر شاہ' لاہور کے مضافات کے ایک قصبہ "مہی" میں تشریف لے گئے۔ چونکہ ان دنوں بارش بند تھی اور زمیندار بارش نہ ہونے کی وجہ سے تنگ آئے ہوئے تھے اس لیے سب نے مل کر آپ کی خدمت میں عرض کی کہ بارش برسنے کی دعا کریں۔ آپ نے چار مریدوں کو ہدایت کی کہ جنگل بیابان میں جا کر جتنا ہوسکے لا الہ الا اللہ کا ذکر کریں۔ انشاء اللہ' اللہ کی رحمت بارش کی صورت میں نازل ہوگی۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ ابھی تین گھڑیاں نہ گزری تھیں کہ آسمان پر بادل چھا گئے۔ بارش برسنی شروع ہوگئی اور اتنی برسی کہ کبھی نہ برسی تھی۔۔۔

نیز "صاحب اذکار قلندری" سید حق آگاہ فضل شاہ ساکن سانده (جو آپ کے عظیم خلیفہ ہیں) کی زبانی تحریر فرماتے ہیں۔

ایک دن حضرت چھ درویشوں کے ساتھ موضع سانده میں سید فضل شاہ کے گھر رونق افروز ہوئے۔ سید ممدوح نے بارہ اشخاص کو کافی ہونے والا کھانا

اپنے گھر میں تیار کروا رکھا تھا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو آپ کے بہت سے مرید حاضر ہوگئے۔ فضل شاہ حیران تھے کہ کھانا کم ہے اور کھانے والے زیادہ۔ ابھی اسی تردد میں تھے کہ شیخ قلندر شاہ نور باطن سے معاملہ بھانپ گئے۔ فرمایا "حضرت سید! حیران ہونے کی بات نہیں۔ جتنا کھانا آپ کے پاس ہے یہاں لاؤ"۔ فضل شاہ نے جتنا کھانا پکا تھا' اٹھایا لایا اور آپ کے حضور رکھ دیا۔ اس نے سوچا کہ شاید آپ تمام حاضرین میں تھوڑا تھوڑا کھانا تقسیم کریں گے۔ اسی دوران شیخ خود اٹھے۔ اپنے کندھے سے چادر اتار کر کھانے کے برتنوں کو ڈھانک دیا اور بانٹنا شروع کر دیا۔ جب سب نے خوب پیٹ بھر کر کھا لیا تو چادر اٹھائی گئی جتنا کھانا ابتداء میں تھا' اتنا ہی اب بھی موجود تھا۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت بقول صاحب "اذکار قلندری" ۱۱۸۵ھ میں ہوئی۔

وفات: آپ نے ۲۶ر رمضان المبارک ۱۲۴۸ھ میں وفات پائی۔

صاحب "اذکار قلندری" از شاہ غلام محی الدین فرزند آنجناب نے آپ کی تاریخ وفات کے جو قطعات لکھے' مندرجہ ذیل ہیں۔

از صاحب اذکار قلندری

دریغا کہ شاہ قلندر ز دنیا — سفر کرد از ماسوا دار عقبیٰ
چو تاریخ سال وصالش بجستم — بگفت ہاتف غیب کن گوش باما
بفضل خدا آن ولی زمانہ — گرفت از پئے خویش بارغ ارم جا

www.maktabah.org

www.maktabah.org

www.maktabah.org

Maktabah Mujaddidiyah
www.maktabah.org

This book has been digitized by Maktabah Mujaddidiyah (www.maktabah.org).

Maktabah Mujaddidiyah does not hold the copyrights of this book. All the copyrights are held by the copyright holders, as mentioned in the book.

Digitized by Maktabah Mujaddidiyah, 2012

Files hosted at Internet Archive [www.archive.org]

We accept donations solely for the purpose of digitizing valuable and rare Islamic books and making them easily accessible through the Internet. If you like this cause and can afford to donate a little money, you can do so through Paypal. Send the money to ghaffari@maktabah.org, or go to the website and click the Donate link at the top.